بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(حصہ اول)

سورۃ فاتحہ تا سورۃ نساء

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ العالی

مفتی جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

مجلس نشریات قرآن

[illegible]

[illegible]

سُوْرَةُ الفَاتِحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣ اِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو ہے پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روز جزا کا۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بتا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی فضل فرمایا تو نے جن پر نہ ان کی غصہ کیا گیا جن پر اور نہ گمراہوں کی۔

تفسیر: (سب تعریفیں) عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی (اللہ ہی کے لائق ہیں) کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا

بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا روشنی حاصل ہوتی ہے تو وہ اصل میں سورج کا فیض ہے لیکن خود سورج اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ وہ تو ایسا ہے (جو) پیدا کرنے کے بعد (سارے عالم کی) خواہ وہ عالم جن وانس ہو، عالم حیوانات ہو، عالم نباتات ہو یا عالم جمادات ہو، عالم دنیا ہو یا عالم آخرت ہو سب کی (پرورش کرنے والا ہے) کہ ہر ہر فرد اور نوع کی درجہ بدرجہ تمام ضروریات پوری کر کے اس کو کمال تک پہنچاتا ہے تاکہ انسان ان میں غور و فکر بھی کر سکے اور ان سے نفع بھی اٹھا سکے اور اپنی غرض تخلیق یعنی عبادت کو پورا کر سکے جو کہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اس کے سامنے انتہائی درجے کی عاجزی و تذلل اختیار کرنے کو کہتے ہیں کہ آدمی اس کے سامنے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزت سب کو پیش کر دے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام ربوبیت و پرورش اس لئے بنایا ہے کہ وہ (بے حد مہربان ہے) دنیا میں کافر و مسلم سب انسانوں کو اپنی عبادت گزاری کے اسباب دکھاتا ہے اور مہیا کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس کی عبادت گزاری کرتے ہیں کہ اس کو پہچانتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایت پر عمل کرتے ہیں ان پر وہ آخرت میں بھی (نہایت رحم والا ہے) لیکن کون عبادت گزاری کرتا ہے اور کون نہیں اس کے علی الاعلان فیصلہ کے لئے اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ اس جزا کے دن کا مالک ہے)۔ جب بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور مذکورہ صفات کو جان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ ان کی غرض تخلیق اپنے رب کی عبادت ہے اور بندے سراپا عاجز ہیں جو دنیوی پرورش کی طرح روحانی پرورش میں بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنی احتیاج کو سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یوں گزارش کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی غرض تخلیق کو پہچان لیا اور اس کے موافق (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور) نہ صرف اس پر قائم رہنے کے لئے بلکہ اپنے ہر کام میں (تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) لہٰذا (ہم کو سیدھی راہ بتا) بھی اور اس پر قائم بھی رکھ اور وہ راہ ہے (ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے فضل فرمایا) جو کہ قرآن پاک کی آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کے مطابق انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں کہ (جن پر نہ تیرا غصہ ہوا) جیسا کہ یہود پر ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکام جان لینے کے بعد حق سے روگردانی کی (اور نہ وہ گمراہ ہوئے) جیسا کہ نصاریٰ گمراہ ہوئے کہ انہوں نے حق کی پوری تحقیق نہیں کی جب کہ راہ ہدایت چھوڑنے کی یہی دو وجہیں ہوتی ہیں۔

فائدہ:

استعانت یعنی کسی دوسرے سے مدد مانگنا اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنا بندوں کی قدرت میں ہو۔ مثلاً یہ کہ میرا کپڑا سی دو یا

میری گاڑی ٹھیک کر دو وغیرہ۔ ایسے کاموں میں ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی مدد مانگنا اصل ہے کہ وہ اسباب کو ہمارے مطلوب کے موافق کر دیں۔

2-ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنے کی قدرت بندوں میں نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے وہ ہو سکتے ہیں مثلاً کسی مریض کو شفا ہونا کسی کے لئے اولاد ہونا رزق میں کشادگی ہونا قدرتی طور پر بارش ہونا وغیرہ۔ ایسے کاموں کیلئے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا جا سکتا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق سے مدد طلب کرنے کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی درخواست کی جائے۔

مخلوق سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو اگر خود اس کام کو پورا کرنے کی درخواست کی تو (i) اگر اس عقیدہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرح وہ بھی مستقل طور پر لوگوں کے کام پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ خواہ از خود یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے تو یہ کفر و شرک ہے۔ (ii) اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کام پورا کرنے کی قدرت دی ہے اگرچہ مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کو روک دیں۔ یہ فسقیہ شرک ہے جو اگرچہ کفر نہیں لیکن گمراہی ہے اور باعث عذاب ہے۔ (iii) اور اگر ایسا کوئی بد عقیدہ نہ ہو پھر بھی کسی مخلوق سے اس کا سوال کر بیٹھے مثلاً کسی ڈاکٹر سے کہے کہ مجھے تندرست کر دو تو اگرچہ اس طرح کہنا مناسب تو نہیں لیکن یہ کفر و گمراہی نہیں بلکہ عقیدہ کے صحیح ہوتے ہوئے یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر جو خود ایک سبب کے درجہ میں ہے اپنا کام پورے اہتمام سے کرے۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ

ربط: سورہ فاتحہ سے سورت بقرہ کا ربط یہ ہے کہ اس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ

اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ

عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ راہ بتانے والی ہے ڈرنے والوں کو، جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر کہ جو کچھ نازل کیا گیا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور وہی ہیں کامیابی پانے والے۔

تفسیر: الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان حروف کے معانی کی عام لوگوں کو اطلاع

نہیں دی گئی۔ ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ کو بتا دیئے گئے ہوں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے امت کو اہتمام کے ساتھ وہی باتیں بتائی ہیں جن کے نہ جاننے سے دین میں کوئی حرج واقع ہوتا ہو۔ جب ان کے معانی ہمیں نہیں بتائے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو نہ جاننے سے ہمارے دین میں کوئی نقص اور حرج واقع نہیں ہوا اور ہمارے لئے ان حروف کے معنی جانے بغیر ان پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ (یہ کتاب ایسی ہے جس) کے من جانب اللہ ہونے (میں کوئی شبہ نہیں) اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتا ہو، کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے کے باوجود بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے۔ اور فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے (راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو) **مومنین کی صفات** (جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) یعنی جو چیزیں ان کے حواس و عقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ ورسول ﷺ کے فرمانے سے ان کو صحیح مان لیتے ہیں۔ غیب ان چیزوں کو بھی کہتے ہیں کہ جن کو معلوم کرنے کی کوئی حسی یا عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو۔ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ یہاں یہ غیب مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں جو چیزیں مراد ہیں مثلاً جنت، دوزخ اور فرشتے وغیرہ ان کا علم تو اللہ اور اس کے رسول کے بتانے سے ہو گیا۔ (اور قائم رکھتے ہیں نماز کو) یعنی اس کو پابندی کے ساتھ اس کے وقت میں پورے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ (اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے) نیک کاموں میں (خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں) مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر بھی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی اور ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے، جتنی کتابیں اللہ نے پہلے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں ان کو سچا ماننا فرض اور شرط ایمان ہے، یعنی یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وہ صحیح ہیں خود غرض لوگوں نے جو اس میں تبدیل و تحریف کی ہے وہ غلط ہے، رہ گیا عمل سو وہ صرف قرآن پر ہو گا، پہلی کتابیں سب منسوخ ہو گئیں، ان پر عمل جائز نہیں۔ (اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں) یعنی ایسے لوگوں کو دنیا میں تو یہ نعمت ملی کہ راہ حق ملی اور آخرت میں ہر طرح کی کامیابی ان کے لئے ہے۔

ربط: یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جو زبان اور دل سے قرآن اور دین کو مانتے ہیں۔ آگے ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں جو نہ زبان سے مانتے تھے نہ دل سے۔ ایسے لوگ قرآن کی اصطلاح میں کافر کہلاتے ہیں۔ کافروں کی خصلتیں بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کے حق میں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہ لائیں گے، مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے) یہ بات ان کافروں کے متعلق ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا، عام کافر مراد نہیں کیونکہ ان میں بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے (بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)

ربط: کافروں کا بیان ختم ہوا۔ آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو کسی مصلحت یا دباؤ کے سبب زبان سے مانتے تھے مگر دل سے بالکل نہ مانتے تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا
يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ
فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾
اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ
هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ
وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ
الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا
مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَاۗءَتْ
مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ
فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم
مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَّشَوْا
فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ
بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں چال بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے اور دراصل کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور شعور نہیں رکھتے، ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس وجہ سے کہ جھوٹ کہتے تھے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، جان لو بے شک وہی ہیں فساد کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے، اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے اور لوگ، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے بے وقوف، جان لو بے شک وہی ہیں بے وقوف لیکن نہیں جانتے۔ اور جب ملاقات کرتے ہیں وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی اڑاتے ہیں (یعنی مسلمانوں کی)۔ اللہ ہنسی اڑاتا ہے ان کی اور ڈھیل دیتا ہے ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے خریدلی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے راہ پانے والے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کردیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کردی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے، بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور کی بارش پڑ رہی ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی بھی ہے، دیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ میں لئے ہوئے کافروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں۔ جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے

ہیں اور اگر چاہتا اللہ تو لے جاتا ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں) بلکہ (چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے سوائے اپنی ذات کے) اور اس چالبازی کا انجام بد خود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا (مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے) ان کی بداعتقادی کا اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنے کا اور ہر وقت اپنے کفر کے ظاہر ہو جانے کی فکر و خلجان کا (سو مسلمانوں کو مزید ترقی دے کر (اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کا مرض اور ان کے لئے دردناک سزا ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے اور جب) ان کی دورخی روش سے فتنے فساد واقع ہونے لگے اور خیر خواہ فہمائش کرتے کہ ایسی کارروائی تو موجب فساد ہوا کرتی ہے لہٰذا تم اس کو چھوڑ دو اور (ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں) یعنی اپنے آپ کو بجائے مفسد کے مصلح بتاتے ہیں اور اپنے فساد ہی کو اصلاح سمجھتے ہیں۔ (یاد رکھو بے شک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے) یہ تو ان کی جہالت اور غباوت کا بیان ہے کہ اپنے عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں، آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو یعنی ایمان خالص کو عیب اور حقیر سمجھتے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بے وقوف، یاد رکھو کہ بیشک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے) یہ منافق ایسی کھلی ہوئی بات بظاہر غریب مسلمانوں کے سامنے کر لیتے ہوں گے جن سے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ اپنے کفر کو چھپاتے پھرتے تھے۔ (اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو) مسلمانوں سے (صرف استہزاء کیا کرتے ہیں) یعنی ہم مسلمانوں سے بطور تمسخر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ورنہ ہم تو تمہارے ہم مشرب ہیں، آگے ان کے استہزاء کا جواب ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں) اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جا رہی ہے جب وہ کفر میں خوب کامل ہو جائیں اور جرم سنگین ہو جائے اس وقت اچانک پکڑ لئے جائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو استہزاء کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو نفع بخش نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے) یعنی ان کو تجارت کا سلیقہ نہ ہوا کہ ہدایت جیسی قیمتی چیز کے بدلہ میں گمراہی لے لی۔ (ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس

نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرد اگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی) یعنی آگ جلانے والے اور اس کے ساتھیوں کی (روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں) تو جس طرح یہ شخص اور اس کے ساتھی روشنی کے بعد اندھیرے میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہو کر سامنے آ جانے کے بعد گمراہی کے اندھیرے میں جا پھنسے اور جس طرح آگ جلانے والوں کی آنکھ، کان، زبان، اندھیرے میں بیکار ہو گئے، اسی طرح گمراہی کے اندھیرے میں پھنس کر ان کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا وہ (بہرے، ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ کریں گے) یعنی وہ حق سے بہت دور ہو گئے ہیں کہ ان کے کان حق بات سننے کے قابل نہ رہے، ان کی زبان حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور آنکھیں راہ حق دیکھنے کے کام کی نہ رہیں اس لئے اب ان کے حق کی طرف رجوع ہونے کی کیا امید ہے۔ یہ مثال تو ان منافقین کی تھی جو خوب دل کھول کر کفر پر جمے ہوئے ہیں، کبھی ایمان کا دھیان بھی دل میں نہیں آتا تھا اس لئے بالکل اندھیروں میں رہ جانے والوں کے مشابہ قرار دئے گئے، آگے منافقین کے اس گروہ کی مثال ہے جو فی الواقع تردد میں تھے، کبھی کبھی اسلام کی حقانیت دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگتے، پھر جب اغراض نفسانی کا غلبہ ہوتا تو یہ میلان بدل جاتا تھا (یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان کی طرف سے بارش ہو اس میں اندھیرا بھی ہو اور گرج و برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے رہتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو، برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے اچک لی جہاں ذرا ان کے لئے بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا، اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کان اور آنکھ سب سلب کر لیتے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) تو جس طرح یہ لوگ طوفان بادوباراں میں کبھی چلنے سے رہ جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں یہی حال ان متردد منافقین کا ہے کہ کبھی غلبہ اسلام کے آثار میں نور اسلام کی جھلک کو دیکھ کر ادھر کو بڑھنے لگتے ہیں اور کبھی خود غرضی کے اندھیرے میں پڑ کر پھر حق سے رک جاتے ہیں۔

ربط: یہاں تک تینوں قسم کی جماعتوں کا بیان ہو چکا۔ اب سب کو خطاب میں جمع کر کے وہ کام بتایا جاتا ہے جس کو پورا کرنے کے لئے یہ مقدس کتاب نازل کی گئی ہے جس کے دو اصول ہیں توحید اور تصدیق رسالت۔ پہلے توحید کا مضمون ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ
الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے شاید کہ تم بچ جاؤ، جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

تفسیر: (اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ) شاہی محاورہ میں عجب نہیں کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر پردہ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے تو اب مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو) کہ یہ تمام تصرفات خدا تعالٰی کے سوا کوئی کرنے والا نہیں، پھر خدا کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ربط: آگے رسالت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کی صاف اور بے غبار دلیل معجزہ ہوا کرتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی بے شمار معجزے عطا ہوئے جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ نبوت کے اثبات کی بڑی دلیل ہے۔ اس کے معجزہ ہونے میں مخالفین کو یہ شبہ تھا کہ شاید اس کو رسول اللہ ﷺ خود تصنیف کر لیا کرتے ہوں۔ اس لئے اللہ تعالٰی اس شبہ کو اگلی آیت میں دور فرماتے ہیں تاکہ اس کا معجزہ ہونا ثابت ہو جائے پھر نبوت پر قطعی دلیل بن سکے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ
مِّثْلِهٖ ۖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا
النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم شک میں ہو اس کلام میں جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلالو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

تفسیر: (اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے خاص بندے پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو) کیونکہ تم بھی عربی زبان جانتے ہو اور اس کی نظم ونثر کے مشاق بھی ہو جب کہ پیغمبر ﷺ نے اس کی کوئی مشق بھی نہیں کی اور جب اس کے باوجود تم قرآن کے ایک ٹکڑے کی بھی مثل نہ بنا سکو تو بشرط انصاف بے تامل ثابت ہو جائے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور آپؐ اللہ کے پیغمبر ہیں (اور بلالو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہوئی ہے کافروں کے واسطے) یہ سن کر کہ قیامت تک بھی نہ کر سکو گے کیا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہو گا اور کوشش میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی ہو گی۔ پھر عاجز ہو کر بیٹھ رہنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے۔

ربط: اس آیت میں منکرین قرآن کے لئے وعید مذکور تھی اب آگے تسلیم کرنے والوں کو بشارت سنائی جاتی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب کبھی دئے جائیں گے وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دیئے گئے تھے ہم اس سے پہلے۔ اور وہ دیئے جائیں گے پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

تفسیر: (اور خوش خبری سنا دیجئے آپ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بے شک ان کے واسطے باغات ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان باغوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پہلے اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے) ہر بار میں ملتا جلتا پھل ملنا لطف کے واسطے ہوگا کہ دونوں مرتبہ پھلوں کی صورت ایک سی ہو گی، جس سے وہ سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے

مگر کھانے میں مزہ دوسرا ہوگا جس سے حظ و سرور بڑھے گا۔

ربط: یہاں تک قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوا اور اس کے انکار کرنے پر وعید اور اس کی تصدیق کرنے پر بشارت ذکر ہوئی۔ اب سمجھنا چاہئے کہ دعوی کرنے والے کے ذمہ دو حق ہوتے ہیں۔ ایک اپنے دعوی پر دلیل قائم کرنا دوسرے مخالف کی دلیل کا جواب دینا۔ یہاں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دعوی کیا گیا اور اس پر یہ دلیل قائم کی کہ تمام افراد بشر اس جیسا بنانے سے عاجز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے اب بعض مخالف لوگ اس کے کلام الٰہی نہ ہونے پر یہ دلیل دیتے تھے کہ اس میں بہت سی حقیر چیزوں کا ذکر ہے جیسے مکھی، مکڑی کہ بتوں اور بت پرستوں کی مثال بتاتے ہوئے انکا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو ایسی ذلیل اور حقیر چیزوں کا اس میں کیوں ذکر ہوتا اس لئے تقاضا ہوا کہ اب مخالفین کی دلیل کا جواب دیا جائے اور چونکہ اعتراض کرنے والوں نے اعتراض اس انداز سے کیا تھا کہ محمد ﷺ کے رب ایسی چیزوں کے ذکر کرنے سے شرماتے نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب بھی اسی انداز سے دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کو جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقین جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے۔

تفسیر: (ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے کہ بیان کر دیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو) یعنی حقیر ہونے میں مچھر سے بھی بڑھی ہوئی ہو (سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں) خواہ کچھ ہی ہو (وہ تو یہی یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے) کیونکہ مثال کو اس چیز سے مناسبت ہونی چاہئے جس کی وہ مثال ہے مثال دینے والے کے ساتھ مناسبت ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ مثال سے غرض کسی شے کی حالت کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے تو جب تک اس شے کے مناسب نہ ہوگی اسکے ذریعے سے اسکی حالت کی وضاحت نہ ہو سکے گی۔ قرآن پاک میں جہاں مکھی، مکڑی کا ذکر آیا ہے وہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز و درماندہ ہونا بیان کیا ہے اس لئے اس کی مثال میں حقیر اور ضعیف چیزوں کا لانا مناسب ہوا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ

بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس مثال سے۔ گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہت سوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت سوں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا اللہ نے اسکے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ وہی ہیں بڑے خسارے والے

تفسیر: (اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں) سوچاہے کچھ ہی ہو جائے (وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کونسا مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے) چونکہ اس مثال سے غرض و مقصد بہت واضح تھا اور وہ کافر بھی اس سے ناواقف نہ تھے اور ان کا یہ سوال محض شرارت کے طور پر تھا اور اس مثال کی حکمت کا انکار کرنا اور اس کا مذاق اڑانا مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو جواب دینے میں وہ طرز اختیار فرمایا جو ان کے مناسب تھا اس لئے فرماتے ہیں تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے سو ہم سے مطلب سنو، وہ یہ ہے۔ (گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو) یعنی اس مثال کا ذاتی اثر تو نفع اور ہدایت ہے مگر چونکہ بعض لوگوں نے اس کو الٹ استعمال کیا اس لئے ان کو ضرر پہنچا اور مزید گمراہی میں پڑے (اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو) کہ نافرمانی کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی اور (جو اس معاہدہ کو جو اللہ سے کر چکے تھے) یعنی عہد ازل جس میں سب کی ارواح نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا تھا (اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوڑنے کا حکم دیا ہے) اس میں تمام تعلقات شرعیہ داخل ہیں خواہ وہ تعلقات ہوں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور اقرباء اور رشتہ داروں کے درمیان ہیں اور عام اہل اسلام کے درمیان ہیں اور جو عام انسانوں کے درمیان ہیں (اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں) کفر و شرک خود بھی فساد ہے اور دوسروں پر ظلم اور ناحق شناسی جو کفر کے لوازم میں سے ہے وہ بھی اس فساد میں شامل ہے (بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے) کہ دنیا کی راحت اور آخرت کی نعمت سب ہاتھ سے دے بیٹھے، کیونکہ حاسد کی دنیوی زندگی بھی ہمیشہ تلخ ہی رہتی ہے۔

ربط: کفار کے شبہ کا جواب دینے کے بعد اب پھر اس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس سے اوپر آیت یا ایھاالناس اعبدوا میں توحید کے متعلق ذکر ہوا تھا جس میں توحید کی دلیل بھی دی تھی۔ اب اس دلیل کو دوسرے رنگ میں پھر لائے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا مربی اور خالق اور رازق اور محسن ہونے میں یکتا ہونا تم کو دلائل سے ثابت ہو چکا تو پھر

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ
كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: کس طرح ناشکری کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی حالانکہ تم بے جان تھے پھر زندہ کیا تم کو پھر موت دے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (بھلا کیوں کرنا شکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ) کہ اس کے احسانات کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو حالانکہ اس پر واضح دلائل قائم ہیں کہ صرف ایک اللہ ہی مستحق عبادت ہے مثلاً یہ کہ (تم بے جان تھے) یعنی نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے (سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے) یعنی قیامت کے دن (پھر انہی کے پاس لے جائے جاؤ گے) یعنی میدان قیامت میں حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جاؤ گے۔

ربط: اس کے بعد اپنے کچھ انعام و احسان کا ذکر فرماتے ہیں کہ توحید کے مسئلہ میں اگر دلائل سے کام نہیں لیتے جس میں عقل سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ محنت کا کام کون کرے تو اچھا اتنی بات تو غور و فکر کے بغیر بھی سمجھ آتی ہے کہ احسان کرنے والے کا حق ماننا چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان یاد کر کے ہی اس کی طرف رجوع کر لو۔ اس لئے اپنی عام اور خاص نعمتیں یاد دلاتے ہیں۔ پھر نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک صوری یعنی محسوس جیسے کھانا، پینا، روپیہ، مکان، جائیداد۔ دوسری معنوی جیسے عزت، آبرو، مسرت، علم وغیرہ۔ پہلے صوری اور محسوس عام نعمتیں ذکر کیں پھر معنوی عام نعمتیں ذکر کیں۔

عام محسوس نعمتوں کا بیان

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى
السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔

تفسیر: (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) یہ فائدہ عام ہے کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور برتنے کا یا نکاح اور روح کو تازگی بخشنے کا یا کسی چیز کو دیکھ کر توحید کے صحیح علم حاصل ہو جانے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو فائدہ نہ پہنچتا ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر چیز کا ہر استعمال حلال ہو، جیسے مہلک زہر بھی انسان کے لئے فائدہ سے خالی نہیں مگر ان کا کھالینا عقلاء کے نزدیک ممنوع ہے (پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف) یعنی اس کی تخلیق و تکمیل کی طرف (تو درست کر کے بنادیئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

عام معنوی نعمت کا بیان: کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو علم کی دولت دی اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر دیا۔ اس سب سے اس قصہ کو شروع سے ختم تک پورا بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا تو بنائے گا زمین میں اس کو جو فساد کرے گا اس میں اور خون بہائے گا اور ہم تسبیح کرتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا بے شک میں جانتا ہوں اس بات کو جو تم نہیں جانتے۔ اور سکھادیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان

سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو، فرشتے بولے پاک ہے تو ہم کو علم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہے اصل جاننے والا حکمت والا، فرمایا اے آدم بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتادیئے اس نے ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

تفسیر: (اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے) تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں جس میں حکمت و مصلحت تھی ورنہ مشورہ کی حاجت سے تو حق تعالیٰ بالا و برتر ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے فرشوں سے فرمایا کہ (ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب) یعنی وہ میرا نائب ہوگا کہ اپنے احکام شرعیہ کے اجراء و نفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا (کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خوں ریزیاں کریں گے (اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں) فرشتوں کی یہ گزارش نہ بطور اعتراض تھی اور نہ اپنا استحقاق جتانے کے لئے تھی بلکہ فرشتوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو نئی مخلوق زمین سے بنائی جائے گی ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے، بعض لوگ اس نیابت کے کام کو اور زیادہ خراب کریں گے، اس لئے نیاز مندانہ عرض کیا کہ ہم سب کے سب ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور گروہ ملائکہ میں کوئی گناہ کرنے والا بھی نہیں، اس لئے کوئی نیا عملہ بڑھانے اور نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس نئی مخلوق میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ آپ کی مرضی کے خلاف کام کریں گے جس سے آپ ناراض ہوں۔ ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور ہماری خدمت آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگی (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) یعنی جو چیز تمہاری نظر میں بنی آدم کی تخلیق سے مانع ہے کہ ان میں بعض فساد بھی پھیلائیں گے وہی چیز در حقیقت ان کی تخلیق کا اصلی سبب ہے کیونکہ اجراء احکام و انتظام تو جبھی وقوع میں آسکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو، یہ مقصود تم فرمانبرداروں کے جمع ہونے سے پورا نہیں ہو سکتا اور اعتدال سے تجاوز کر جانے والی ایک مخلوق یعنی جنات پہلے سے موجود تھی، اس سے یہ کام کیوں نہ لیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لئے موزوں وہ مخلوق ہو سکتی ہے جس میں شر و فساد کا عنصر موجود تو ہو مگر غالب نہ ہو اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہو تاکہ اصلاح کی کوششوں کا زیادہ حصہ ضائع نہ ہو جب کہ جنات میں فساد کا عنصر غالب تھا اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت بہت کمزور تھی اس لئے آدم کی تخلیق تجویز فرمائی۔

یہاں تک یہ تو معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق میں یہ حکمت ہے کہ ان کے ہونے سے اصلاح اور

شریعت کا انتظام حاصل ہو گا گو کوئی مخالف اس قوت و استعداد اور صلاحیت کو جو اس کو کامل مقدار میں عطا ہوئی بے قدری کر کے اس سے نفع نہ اٹھائے مگر سامان کے جمع کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

اب اس میں فرشتوں کی جانب سے اس احتمال کی گنجائش رہ گئی تھی کہ خیر انسان کو پیدا کر دیا جائے اور ان کی اصلاح کی خدمت ہم کو دیدی جائے اس لئے اب اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان آدمیوں کی اصلاح بھی آدمی ہی سے ہو سکتی ہے کیونکہ مصلح کے لئے علم کی ضرورت ہے اور جس خاص علم کی ضرورت ہے وہ ملائکہ کی استعداد سے خارج ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ہر منتظم اور مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کا انتظام اور اصلاح کرنا چاہے اس چیز کی اصل و حقیقت اور اس کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے پورا واقف و ماہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا کی عادات و رسوم و مزاج اور ان کے فائدوں اور نقصان کی باتوں سے واقف نہ ہو تو رعایا کا انتظام درست نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں خلیفہ خداوندی کو جب انسانی طبائع کی اصلاح کا کام کرنا پڑے گا تو ضروری ہے کہ وہ ان طبائع کی کیفیات اور خصوصیات اور ان کے تغیر و تبدل سے پوری طرح آگاہ ہو۔ یہ تو انسان کی باطنی اصلاح کا انتظام ہوا۔ رہا ظاہری اصلاح کا کام تو شریعت کا یہ کہنا کہ فلاں چیز حرام ہے اور فلاں چیز حلال ہے اس میں بھی ضرورت ہو گی کہ ان چیزوں کے بہت سے حالات و خواص اور منافع و نقصانات معلوم ہوں مثلاً نشہ کی چیز حرام ہے تو اب جو شخص نشہ کی حقیقت اور آثار کو نہ جانتا ہو گا اس کے سامنے کوئی شراب پی کر بدمست بھی ہو جائے تو وہ اس کو تنبیہ اور نہی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عذر کر سکتا ہے کہ مجھ کو نشہ ہی نہیں ہوا اور یہ شخص اس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ بخلاف اس شخص کے جو جانتا ہو کہ نشہ دار چیز کی کیا خاصیت ہے اور اس کے پینے سے کیا حالت ہوتی ہے۔ غرض احوال بشریہ سے جس قدر بشر واقف ہو سکتا ہے ملائکہ یا جن ہرگز واقف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے (ان کو علم دے دیا سب چیزوں کے ناموں کا) یعنی سب چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار سب کا علم آدم کو دیدیا (پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ مجھ کو بتاؤ ان چیزوں کے نام) مع ان کے آثار و خواص کے (اگر تم سچے ہو) اپنے اس قول میں کہ ہم خلافت ارضی کا کام اچھا انجام دے سکیں گے (فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں) اس الزام سے کہ آدم علیہ السلام پر اس علم کو ظاہر فرمادیا اور ہم سے پوشیدہ رکھا کیونکہ کسی آیت یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آدم علیہ اسلام کو علم اسماء کی تعلیم فرشتوں سے الگ کر کے دی گئی۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ تعلیم تو سب کے سامنے یکساں دی گئی مگر آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کے حاصل کر لینے کی صلاحیت تھی انہوں نے حاصل کر لیا، فرشتوں کی طبیعت میں اس کی استعداد اور صلاحیت نہ تھی ان کو یہ علم حاصل نہ ہوا (مگر ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا) یعنی جس قدر ہماری پیدائش میں استعداد رکھی ہے اور اس

کے موافق ہم کو علم عطا ہوا اس کے سوا ہم کو دوسرے علم سمجھنے کی قوت نہیں ہے (بیشک آپ بڑے علم والے ہیں) کہ آپ کو سب علوم حاضر ہیں اور ہماری اور آدمیوں کی سب معلومات سے آپ باخبر ہیں (حکمت والے ہیں) کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر علم وفہم اس کو عطا فرمایا، اس سے فرشتوں کا یہ اعتراف تو ثابت ہو گیا کہ وہ اس کام سے عاجز ہیں جو نائب کے سپرد کرنا ہے، آگے حق تعالی کو یہ منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام میں اس خاص علم کی مناسبت کو فرشتوں کے سامنے آشکارا فرمادیں، اس لئے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتادو ان کو ان چیزوں کے نام) مع حالات وخواص کے (سو جب بتادیئے ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام) اور فرشتے سمجھ گئے کہ آدم علیہ السلام اس علم کے ماہر ہو گئے ہیں تو حق تعالیٰ نے (فرمایا دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں آسمانوں کی اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کو اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو تم دل میں رکھتے ہو)

ربط: پچھلے واقعہ میں جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ خلافت کی صلاحیت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ سب آدم علیہ السلام کو حاصل تھے اور ملائکہ کو ان میں سے بعض علوم حاصل ہیں اور جنات کو تو ان علوم کا بہت ہی کم حصہ حاصل ہے۔ خاص اس حیثیت سے آدم علیہ السلام تو ملائکہ اور جن دونوں گروہ کے علوم کے جامع ہیں اور ان کا شرف دونوں جماعتوں پر ظاہر ہو گیا۔ اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس بات کو معاملہ سے بھی ظاہر فرمادیا جائے اور ملائکہ اور جنات سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان دونوں سے کامل ہیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس، اس نے نہ مانا اور تکبر کیا، اور ہو گیا وہ کافروں میں سے

تفسیر: (اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو) اور جنات کو بھی جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور قرآن مجید میں سوائے ابلیس کے دوسرے جنوں کے مامور بسجدہ ہونے کے ذکر کا اہتمام شاید اس لئے نہ کیا گیا ہو کہ عقلمند لوگ سمجھ ہی جائیں گے کہ فرشتے جو مقرب ہیں جب ان سے آدم علیہ السلام کی تعظیم کرائی گئی تو جن جو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی رتبہ نہیں رکھتے اس تعظیم کے ضرور مکلف ہوں گے۔ غرض ان سب کو یہ حکم ہوا (کہ سجدے میں گر جاؤ آدم کے سامنے تو سب سجدہ میں گر پڑے سوائے ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آ گیا اور ہو گیا کافروں میں سے) کافر اس لئے بنا کہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر کیا اور اس کے قبول کرنے میں عار کیا اور اس کو حکمت

و مصلحت کے خلاف ٹھہرایا جیسا دوسرے مقام پر اسکا قول ذکر ہے کہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنے ہیں اس لئے میں ان سے افضل ہوں اور افضل سے کمتر کی تعظیم کرانا بے موقع ہے۔

آدم علیہ السلام کے قصہ کا تکملہ

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور تم دونوں کھاؤ اس سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے ورنہ تم ہو جاؤ گے ظالم۔ پھر لغزش دی ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو نکالا ان کو اس عیش سے کہ جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھہرنا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔

تفسیر: (اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی) جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا (جنت میں۔ پھر کھاؤ دونوں اس سے جو چاہو جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں) خدا جانے وہ کیا درخت تھا مگر اس کے کھانے سے منع فرما دیا اور پھر آقا کو اختیار ہے کہ اپنے گھر کی چیزوں سے غلام کو جس چیز کے استعمال کرنے کی چاہے اجازت دیدے، اور جس چیز کو چاہے منع کر دے (پس لغزش دیدی آدم و حواء کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے۔) شیطان انکار سجدہ کے جرم میں ملعون و مردود ہو چکا تھا اور چونکہ یہ زخم اس کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے پہنچا تھا اس لئے انکا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں تو یوں مردود کیا گیا اور ان کا یوں اعزاز ہوا ہے اب اس فکر میں لگا کہ کسی طرح آدم کو ان کی بیوی سمیت اس عیش و عشرت سے نکلنا چاہئے۔ غرض یہ آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور جس طرح ہو سکا ان کو بہکانا شروع کیا کہ اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی کو یا تو دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے یا وہ فرشتہ بن جاتا ہے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا اس وقت تمہارے اندر اس کی سہار نہیں تھی کیونکہ استعداد کمزور تھی۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے اس لئے اب اس کا

کھانا تمہارے لئے منع نہیں رہا اور اپنی باتوں پر قسمیں بھی کھا گیا۔ چونکہ تاویل بڑی نمکین تھی ادھر اللہ کی قسمیں کھا گیا جس کا نام سن کر اللہ کی محبت رکھنے والے تو گھل ہی جاتے ہیں پھر لالچ دلایا دائمی حیات اور فرشتہ بننے کا اور پھر ممکن ہے آدم علیہ السلام نے اس ظالم کو پہچانا بھی نہ ہو کسی نئی شکل میں ملا ہو یا اس نے ملے بغیر ہی اپنی قوت جنیہ سے ٹیلی پیتھی کی طرح دور سے ہی اثر پہنچایا ہو جس سے آدم علیہ السلام کے خیال میں یہ بات پڑ گئی ہو اور یہ خدشہ بھی نہ ہوا ہو کہ یہ خیال کسی بدخواہ کا پہنچایا ہوا اثر ہے۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ اس درخت کے کھانے کو اس وقت ممانعت سے خارج سمجھ گئے اور کھالیا۔ یہ حقیقت ہے لغزش میں آجانے کی۔ الحاصل درخت کا کھانا تھا کہ سب عیش و آرام رخصت ہوا اور اس وقت بہشت سے باہر آنے کا حکم ہوا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (اور ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے بعضے بعض کے دشمن رہیں گے) یعنی ایک اثر تو ظاہری ہوا کہ یہاں سے زمین پر جاؤ دوسرا اثر باطنی ہے کہ بعضوں میں باہم عداوتیں بھی قائم رہیں گی جس سے زندگی کا لطف بہت کچھ کم ہو جائے گا۔ خطا کے تاویل واجتہاد سے ہونے کے باوجود اس قدر گرفت اس وجہ سے ہے کہ جس شخص میں عقل و فہم زیادہ ہو اور وہ مقرب بھی ہو اس پر ملامت زیادہ ہوتی ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کام کیوں نہیں لیا۔ تو یہ گرفت آدم علیہ السلام کے کمال اور ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ (اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک میعاد معین تک) یعنی وہاں جا کر بھی دوام نہ ملے گا کچھ عرصہ کے بعد وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔

آدم علیہ السلام نے ایسے خطاب و عتاب کہاں سنے تھے نہ ایسے سنگدل تھے کہ اس کی سہار کر جاتے بے چین ہو گئے اور فوراً ہی معافی کی التجا کرنے لگے اور جس طرح کوئی خادم اپنی خطا پر واقعی نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا کر مالک و آقا کے روبرو خاموش کھڑا ہو جاتا ہے اور ہیبت کے مارے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے ڈرتا ہے کہ کہیں اپنی ناسمجھی سے کوئی اور بات ایسی نہ نکل جائے جو مالک کو غصہ دلائے یا اپنی خطا کو اس قدر بڑا سمجھتا ہے کہ اس کے لئے معذرت کے الفاظ کافی نہیں ملتے اس وقت آقا کو جوش کرم ہوتا ہے اور مہربان ہو کر کہتا ہے کہ کیا چاہتا ہے کچھ منہ سے تو کہہ۔ وہ جب پھر بھی کچھ نہیں کہتا تو آقا کہتا ہے کہ اچھا عہد کر کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔ خادم اس کی تلقین کے موافق وہی الفاظ عرض کرتا ہے۔ اس پر آقا کہہ دیتا ہے کہ جا معاف کیا پھر مت کرنا غرض اس طرح۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر۔ بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان، ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو پیروی کرے میری ہدایت کی نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ) یعنی معذرت کے کلمات کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرمادیئے چنانچہ آدم علیہ السلام نے وہ کلمات عرض کئے تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی یعنی توبہ قبول کرلی (بیشک وہی ہیں بڑی توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان) اور ان کا اور حضرت حواء کی توبہ کا بیان سورہ اعراف میں ہے، **قالا ربنا ظلمنا انفسنا** یعنی ان دونوں نے درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی توبہ اور قبول توبہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک رہیں، مگر معاف فرمانے کے بعد بھی زمین پر جانے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں، مثلاً دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری کرنا البتہ اس کا طرز بدل دیا کہ پہلا حکم زمین پر اترنے کا حاکمانہ انداز میں سزا کے طور پر تھا، اب یہ حکم حکیمانہ انداز سے اس طرح ارشاد ہوا **قلنا اھبطوا منھا جمیعا** الآیہ یعنی (ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت) یعنی وحی کے ذریعہ سے شرعی احکام آئیں (سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہو گا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے) یعنی ان پر کوئی خوفناک واقعہ نہ پڑے گا۔ قیامت کے ہولناک واقعات سے ان کا بھی خوف زدہ ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں سب پر ہول اور خوف کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حزن وہ کیفیت ہے جو کسی مضرت و مصیبت کے واقع ہو جانے کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے جبکہ خوف ہمیشہ مصیبت کے واقع ہونے سے پہلے ہوا کرتا ہے، یہاں حق تعالیٰ نے حزن و خوف دونوں کی نفی فرمادی، کیونکہ ان پر کوئی آفت و کلفت واقع نہ ہو گی جس سے حزن یا خوف ہو، آگے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو اس ہدایت کی پیروی نہ کریں فرمایا (اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: یہاں تک عام معنوی نعمت کا بیان تھا جس کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کا پورا قصہ

بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے خاص نعمت کا بیان فرماتے ہیں جو خاص اس وقت کے اہل علم کو عطا ہو رہی تھی۔ مشرکین عرب میں تو اہل علم نہ تھے اہل کتاب میں البتہ پڑھے لکھے لوگ موجود تھے ان میں بھی بنی اسرائیل کی کثرت تھی جن پر پشتہا پشت سے انعام واحسان ہوتے آئے تھے اور ان کو حسب ونسب اور ریاست سب طرح کا فخر وامتیاز حاصل تھا اس لئے بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نعمتیں ان کو یاد دلاتے ہیں تاکہ شرما کر ایمان لائیں۔ اور چونکہ یہ اہل علم تھے ان کے ایمان لانے سے دوسرے عوام پر اچھا اثر پڑے گا اس لئے ان نعمتوں کو پہلے اجمالا یاد دلاتے ہیں پھر اگلے رکوع سے انکا تفصیلی ذکر پارہ کے ختم کے قریب تک چلے گا۔ آخر میں پھر اسی قسم کی عبارت ہو گی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو مقصود اعظم ہوتا ہے کلام کو شروع بھی اسی سے کرتے ہیں اور دلائل وغیرہ قائم کر کے پھر نتیجہ کے طور پر اس کو ختم پر بھی لایا کرتے ہیں۔ سو ارشاد ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو میرا عہد تو میں پورا کروں تمہارا عہد اور مجھ ہی سے ڈرو، اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے اس حال میں کہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے۔ اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے اور نہ لو میرے احکام پر قیمت تھوڑی اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور مت ملاؤ حق میں ناحق اور مت چھپاؤ حق کو جان بوجھ کر۔

تفسیر: (اے بنی اسرائیل) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کیونکہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جس کا مطلب ہے اللہ کا بندہ (یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر) تاکہ حق نعمت سمجھ کر ایمان لانا تمہارے لئے آسان ہو جائے، آگے اس یاد کرنے کی مراد بتاتے ہیں (اور پورا کرو تم میرے عہد کو) یعنی تم نے جو توریت میں مجھ سے عہد کیا تھا جس کا بیان قرآن کی اس آیت میں ہے وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا الا یہ یعنی اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو) یعنی میں نے جو عہد تم سے کیا تھا ایمان لانے

پر جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ یعنی ضرور میں دور کروں گا تم سے تمہاری برائیاں (اور صرف مجھ ہی سے ڈرو) اپنے عوام معتقدین سے نہ ڈرو کہ ان کا اعتقاد نہ رہے گا اور ان سے آمدنی بند ہو جائے گی (اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے) یعنی قرآن پر (ایسی حالت میں کہ وہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات کے کتاب الٰہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ اور جو اس میں تحریفات کی گئی ہیں وہ خود تورات و انجیل ہونے ہی سے خارج ہیں ان کی تصدیق اس سے لازم نہیں آتی (اور تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو) یعنی تمہیں دیکھ کر جو دوسرے لوگ انکار کریں گے ان سب میں انکار و کفر کے اول بانی تم ہو گے اس لئے قیامت تک ان کے کفر و انکار کا وبال تمہارے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا (اور مت لو میرے احکام کے مقابلہ میں حقیر معاوضہ اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو) یعنی میرے احکام چھوڑ کر یا ان کو بدل کر یا چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل و قلیل کو وصول مت کرو جیسا کہ ان کی عادت تھی جس کی تصریح آگے آتی ہے۔ (اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو حالانکہ تم جانتے بھی ہو) کہ حق کو چھپانا بری بات ہے۔ خود غرض لوگ شرعی احکام میں تبدیلی دو طرح کیا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر زور چلا تو اس کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا یہ کتمان ہے اور اگر ان کے چھپائے نہ چھپ سکا اور ظاہر ہی ہو گیا تو پھر اس میں خلط ملط کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں کاتب کا سہو بتلا دیا کہیں مجاز کا بہانہ پیش کر دیا کہیں کہہ دیا کہ یہاں یہ الفاظ حذف ہیں۔ یہ لبس ہے۔ حق تعالیٰ نے دونوں سے منع کر دیا۔

ربط : ایمان کے بعد بعض اہم اعمال کا حکم دیا تاکہ دونوں کے مجموعہ سے اسلام کی تکمیل کا مقصود ہونا ظاہر ہو جائے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝۴۳ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۴۴
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوۃ اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم تو پڑھتے رہتے ہو کتاب پھر کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور بے شک وہ بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر جو خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ

وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تفسیر: (اور) مسلمان ہو کر (تم لوگ قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ) اعمال دو قسم کے ہیں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی پھر اعمال ظاہری دو قسم کے ہیں عبادت بدنی اور عبادت مالی۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک اہم مثال ذکر کر دی۔ نماز عبادت بدنی ہے زکوٰۃ عبادت مالی ہے خشوع و خضوع عمل باطنی ہے۔ چونکہ تواضع باطنی میں اہل تواضع کی معیت کو بڑا دخل ہے اور اس کی بڑی تاثیر ہے اس لئے مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کا بڑھانا نہایت بر محل ہے۔ یہ تینوں عمل عظیم الشان ہونے کے علاوہ بنی اسرائیل کی حالت کے بہت مناسب تھے اس لئے ان کو خاص طور سے ذکر فرمایا کیونکہ نماز سے ان کی حب جاہ کم ہو گی زکوۃ سے حب مال گھٹے گی تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آئے گی۔ یہی مرض ان میں زیادہ تھے چنانچہ اسکا مستقل علاج بھی آگے ان کو بتائیں گے۔ پھر یہ بھی نہ تھا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی خبر نہ تھی بلکہ اس کے برعکس قصہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے علماء کے بعض اقارب اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب ان سے گفتگو ہوتی تو خفیہ طور پر یہ علماء ان سے کہتے تھے کہ بے شک حضرت محمد ﷺ رسول برحق ہیں ہم لوگ تو کسی مصلحت سے مسلمان نہیں ہوتے مگر تم اس مذہب اسلام کو نہ چھوڑنا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو) یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو اور آپ کی اطاعت کرنے کو (اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی) یعنی توریت کی جس میں جابجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں جو تلاوت کے وقت تمہاری نظر سے گزرتی ہیں (تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے) کہ ہم بھی ان مذمتوں کے مصداق بنے جاتے ہیں۔

ان علماء بنی اسرائیل کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی عذر تو نہ تھا مگر ان کی دو خصلتیں ان کے ایمان قبول کرنے میں رکاوٹ تھیں ایک حب مال دوسرے حب جاہ اور انہیں دو کی وجہ سے حسد بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بار بار یہی خیال ہوتا تھا کہ اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کر لیا تو یہ تو آسان بات ہے کیونکہ اس میں کچھ نقصان نہیں مگر اس کے بعد اس پر قائم بھی رہنا پڑے گا تو یہ اس لئے مشکل ہے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر کہاں تو یہ آمدنی اور قدر و منزلت اور کہاں خود آپ کی غلامی کرنی پڑے گی اور چونکہ مال و جاہ کی محبت دل میں خوب گھس گئی تھی اس لئے اسلام کی فتوحات اور ترقی کو اپنے تنزل کا سبب سمجھ کر حسد کے مارے جلے مرتے تھے۔ غرض اصل مرض یہ دو تھے اور ان کی وجہ سے ایمان لانا دشوار ہو رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اس مشکل کے آسان ہو جانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ (اور مدد لو) یعنی اگر تم کو حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے ایمان قبول کرنے کے بعد اس پر استقامت دشوار معلوم ہو تو مدد لو (صبر اور نماز سے) یعنی ایمان لا کر صبر

اور نماز کا التزام کرو کہ صبر سے حب مال گھٹے گی کیونکہ مال اسی وجہ سے محبوب ہے کہ لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے تو جب لذتوں ہی کے ترک کی ہمت باندھ لوگے تو مال بھی محبوب نہ رہے گا اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی کیونکہ نماز میں ہر طرح کی پستی و خاکساری ہے۔ جب نماز کی عادت پختہ ہو جائے گی تو حب جاہ گھٹے گی۔ یہی مادہ فساد کا تھا۔ اس کی اصلاح سے اب ایمان پر استقامت میں دشواری معلوم نہ ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ نماز تو خود ایک دشوار عمل ہے خود اس دشواری کا کیا علاج ہو تو فرمایا۔ (اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں) اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں دشواری کا سبب دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ انسان کا دل میدان خیال میں آزاد پھرنے کا عادی ہوتا ہے اور انسان کے ہاتھ پیر اور اعضاء اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں تو اس کا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ اعضاء بھی آزاد رہیں جب کہ نماز میں پوری پوری قید ہے نہ ہنسو، نہ بولو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چلو، نہ پھرو وغیرہ۔ سب سے پہلے تو ہاتھ پیر وغیرہ پابند ہوتے ہیں پھر اس پابندی کا اثر دل پر پڑتا ہے اور وہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ غرض اس دشواری کا اصل سبب دل کی قوت فکر یہ ہے کہ سوچ میں آزاد رہنا چاہتا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ اس کی سوچ و فکر کو قطع کر دیا جائے۔ لیکن یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص متفرق خیالات کو دل سے نکالنا چاہے تو یہ گویا محال ہے۔ تو اب اس کی صرف ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ چونکہ نفس ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لئے اگر کسی ایک خیال میں اس کو منہمک کر دیا جائے تو دوسرے خیالات نہیں آئیں گے اور وہ خود معدوم ہو جائیں گے اس لئے خشوع کے بعد اس خیال کو بتاتے ہیں جس میں منہمک ہو جانے سے دوسرے خیالات دفع ہوں اور ان کے دفع ہونے سے دل کو سکون ہو اور اس کے سکون سے نماز میں آسانی ہو اور اس میں آسانی ہونے سے وہ ہمیشہ ادا ہوا کرے اور اس کے ہمیشہ پڑھنے سے حب جاہ کم ہو اور اس کی کمی سے ایمان پر ثابت قدمی اور بقاء کی رکاوٹ دور ہو اور ایمان پر ثابت قدمی نصیب ہو۔ تو اب اس خاص خیال کی تعلیم فرماتے ہیں۔ (خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے) تو اس وقت اس خدمت کا خوب انعام ملے گا (اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں) تو اس وقت اس کا حساب کتاب بھی دینا ہوگا۔ ان دونوں خیالوں سے رغبت اور ڈر پیدا ہوگا جو کہ نیک کام میں مستعد کرنے کے لئے خاص دخل رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر بنی اسرائیل کے اہل علم کو اپنی نعمتیں اجمالا یاد کرائیں اب ان کو تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں۔

يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ

ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو میں نے تم پر کی اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام جہان والوں پر اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی شخص مطالبہ ادا نہ کرے گا دوسرے کی طرف سے کچھ بھی اور قبول نہ ہوگی اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد یعقوب) علیہ السلام (تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو) تاکہ شکر اور اطاعت کی تحریک ہو (جو میں نے تم کو دی تھی) اور اس (بات کو) یاد کرو (کہ میں نے تم کو) خاص خاص برتاؤ میں (تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی) اور یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ "میں نے تم کو ایک بڑے حصہ مخلوق پر فوقیت دی تھی" مثلاً اس زمانہ کے لوگوں پر، ان خاص برتاوں کا بیان ایک آیت کے بعد سے شروع ہوگا اور ان برتاؤں کا زیادہ حصہ ان مخاطبین کے باپ دادا کے ساتھ ہوا ہے لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ باپ دادا کے ساتھ جو احسان واکرام کیا جائے اس سے ان کی اولاد بھی فائدہ حاصل کرتی ہے جس کا عام طور سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کو آیت میں مخاطب کیا گیا ہے۔ اطاعت کی ترغیب کے بعد اطاعت نہ کرنے پر دھمکی سناتے ہیں تاکہ ترغیب کی وجہ سے بے خوف ہی نہ ہو جائیں۔ (اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ) جس میں یعنی قیامت کے دن میں (نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے) کہ دوسرا اپنی نیکیاں کسی کے مطالبہ میں دیدے (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے) کیونکہ کافروں کے لئے کسی کو سفارش کی اجازت ہی نہ ہوگی (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرفداری چل سکے گی) کہ کوئی زوردار حمایت کر کے بچالے۔ غرض یہ کہ دنیا میں جتنے طریقے مدد کرنے کے ہوتے ہیں ایمان کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔

بنی اسرائیل پر خصوصی نعمتیں

پہلی نعمت: فرعون اور اس کی اذیتوں سے نجات

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو

دیتے تھے تم کو بڑا عذاب، ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ رہائی دی ہم نے تم) لوگوں کے آباؤاجداد (کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری دل آزاری کے، گلے کاٹتے تھے تمہارے بیٹوں کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو) یعنی لڑکیوں کو کہ زندہ رہ کر بڑی عورتیں ہو جائیں اور اس واقعہ (میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا ایک بڑا بھاری امتحان تھا) کیونکہ کسی نے فرعون سے پیشینگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت جاتی رہے گی، اس لئے اس نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور چونکہ لڑکیوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا، دوسرے اس میں اس کا اپنا ایک مطلب بھی تھا، کہ ان عورتوں سے خدمت گاری کا کام لیتا تھا۔ سو یہ عنایت بھی اپنے مطلب کے لئے تھی۔

دوسری نعمت: آل فرعون کو غرق کرنا

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا لیا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ پھاڑ دیا ہم نے تمہاری) نجات کی (وجہ سے دریا کو پھر ہم نے) ڈوبنے سے (بچا لیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو) مع فرعون کے (اور تم) اس کا (معائنہ کر رہے تھے)

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر پیغمبر ہو گئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے، جب وہ کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ نبی اسرائیل کو خفیہ طور پر لے کر یہاں سے چلے جاؤ، راستہ میں دریا حائل ہوا اور اسی وقت پیچھے سے فرعون بھی لشکر سمیت آ پہنچا، حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو گزرنے کا راستہ مل گیا یہ تو پار ہو گئے، فرعون کے پہنچنے تک دریا اسی طرح رہا، وہ بھی تعاقب کی غرض سے اس میں گھس گیا، اس وقت سب طرف سے دریا سمٹ کر اپنی سابق حالت پر ہو گیا اور فرعون اور اس کے ساتھی سب وہاں ہی غرق ہو کر ختم ہو گئے۔

تیسری، چوتھی نعمت: عطاء تورات اور شرک سے توبہ کی قبولیت

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بچھڑا بنالیا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے پھر بھی درگزر کیا ہم نے تم سے اسکے بعد بھی تاکہ تم احسان مانو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے) توریت دینے کا ایک مدت گزرنے پر جس میں دس رات کا اضافہ ہو کر (چالیس رات کا) زمانہ ہو گیا تھا (پھر تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد) پرستش کے لئے گوسالہ تجویز کرلیا اور تم نے) اس تجویز میں صریح (ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی) کہ ایسی بے جابات کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ قصہ اس وقت ہوا جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل بقول بعض مصر میں واپس آکر رہنے لگے، یا بقول بعض کسی اور مقام پر ٹھہر گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اب ہم بالکل مطمئن ہو گئے، اگر کوئی شریعت ہمارے لئے مقرر ہو تو اس کو اپنا دستور العمل بنائیں، موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم کوہ طور پر آکر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو ایک کتاب تم کو دیں گے، آپ نے ایسا ہی کیا اور توراۃ آپ کو مل گئی، مگر شکرانہ کے طور پر دس روز مزید عبادت میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تو یہاں رہے اور وہاں ایک شخص سامری نامی تھا، اس نے چاندی یا سونے کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس کے اندر وہ مٹی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ڈال دی، اس بچھڑے میں جان پڑ گئی اور جہلا بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

(پھر بھی ہم نے) تمہاری توبہ کرنے پر (درگزر کیا تم سے اتنی بڑی بات ہونے کے باوجود اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے) یعنی اس درگذر پر دیکھنے والوں کو شکر گزاری کی توقع ہو سکتی تھی۔

ربط: آگے مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کی تفصیل بیان ہوئی۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کن چیز تاکہ تم سیدھی راہ پر چلتے رہو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام (کو کتاب) توریت (دی اور فیصلہ کی چیز) جو یا تو توریت میں لکھے ہوئے احکام شرعیہ ہیں، کیونکہ شرع سے تمام اعتقادی اور عملی اختلافات کا فیصلہ ہو جاتا ہے، یا معجزوں کو کہا کہ ان سے سچے، جھوٹے دعویٰ کا فیصلہ ہوتا ہے، یا خود توریت ہی کو کہہ دیا کہ اس میں کتاب ہونے کی صفت بھی ہے اور فیصل ہونے کی صفت بھی (اس توقع پر کہ تم راہ راست پر

چلتے رہو)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بے شک تم نے نقصان کیا بچھڑے کی اپنی تجویز سے سواب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور قتل کر ڈالو اپنے اپنے لوگوں کو یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اس گوسالہ) پرستی (کی تجویز سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو، پھر تم بعض آدمی) جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی (بعض آدمیوں کو) جنہوں نے گوسالہ پرستی کی بطور توبہ (قتل کر دیہ) عملدر آمد (تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک، پھر) اس عملدر آمد کرنے سے (حق تعالیٰ تمہارے حال پر) اپنی عنایت سے (متوجہ ہوئے، بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں)

پانچویں نعمت

جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے توریت لا کر پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو بے شک ہم کو یقین آجائے گا، موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی فرمایا کہ کوہ طور پر چلو یہ بات بھی ہو جائے گی، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی خدا جانے کون بول رہا ہوگا، اگر خدا کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آ لیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر زندہ کر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد شاید کہ تم احسان مانو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے سے ہرگز نہ مانیں گے) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (یہاں تک کہ ہم) خود (اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھ لیں سو) اس گستاخی پر (تم پر بجلی کی کڑک آ پڑی، اور تم) اس بجلی کا آنا (آنکھوں سے دیکھ رہے تھے) پھر یہ لوگ بجلی سے مر گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل ویسے ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کسی تدبیر سے ہلاک کر دیا ہے۔ مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ (پھر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے (تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مر جانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے)

چھٹی نعمت: ابر اور من وسلویٰ

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہاں ہی رہ پڑے، اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے اور مصر میں رہتے ہوئے کچھ وقت گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنی اصلی جگہ کو ان کے قبضہ سے چھڑا لو، بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں و پریشاں پھرتے رہے، گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا، نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جا سکے، اور نہ یہاں کوئی کھانے پینے کا سامان تھا، نہ پہننے کے لئے لباس، مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا، بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید رقیق ابر کا سایہ کر دیا اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من وسلویٰ نازل فرما دیا، یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کر دی، یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے، اسی کو من کہا گیا اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں، ان سے بھاگتی نہ تھیں، یہ ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھاتے، اسی کو سلویٰ کہا گیا ہے۔ یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے۔ چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے لہذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

تفسیر: (اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو) میدان تیہ میں (اور) خزانہ غیب سے (پہنچائیں ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں) اور تم کو اجازت دی کہ (کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں) مگر وہ لوگ اس میں بھی خلاف ورزی کی بات کر بیٹھے کہ ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا تھا لیکن وہ کرنے لگے (اور) اس سے (انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے)۔

ساتویں نعمت: کھانے پینے کی مطلوبہ چیزیں ملنا۔

وادی تیہ میں بنی اسرائیل جب من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے اور اپنے معمولی کھانے کی درخواست کی جیسا کہ آگے کی چوتھی آیت میں آرہا ہے تو ان کو ایک شہر میں جانے کا حکم ہوا تھا، کہ وہاں کھانے پینے کی اور معمولی چیزیں ملیں گی، سو یہ حکم اس شہر کے اندر جانے کے متعلق ہے، اس میں داخل ہونے کے وقت قولی و فعلی ادب اختیار کرنے کو کہا گیا اور اس کی تفصیل ذکر کی اور اندر جاکر کھانے پینے میں توسیع کی گئی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو آزادی سے اور داخل ہو دروازے میں جھکے جھکے اور کہتے جاؤ بخش دے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس) کی چیزوں میں (سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے، اور یہ بھی حکم دیا کہ جب اندر جانے لگو تو (دروازہ میں داخل ہونا) عاجزی سے (جھکے جھکے اور) زبان سے یہ (کہتے جانا کہ توبہ ہے) توبہ ہے (ہم

معاف کردیں گے تمہاری) پچھلی (خطائیں) یہ تو سب کی کردیں گے (اور مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔)

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

ترجمہ: پھر بدل ڈالا ظالموں نے کلمہ کو خلاف اس کے کہ جو کہا گیا تھا ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

تفسیر: (سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس) کے کہنے (کا ان کو کہا گیا تھا) یعنی ان سے کہا گیا تھا کہ حطة یعنی بخش دے کہتے داخل ہونا۔ وہ اس جگہ حبة فی شعيرة یعنی جو کے درمیان غلہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (اس پر ہم نے ان ظالموں پر ایک سماوی آفت) یعنی طاعون (نازل کی اس جہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے)۔

آٹھویں نعمت: پانی کے چشمے عطا فرمانا

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور حد سے نہ نکلو زمین میں فساد مچاتے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) وادی تیہ میں قوم کے پانی طلب کرنے پر حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے، اس پر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کو (حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو) اس سے پانی نکل آئے گا (پس) عصا پتھر پر مارنے کی دیر تھی (فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ ہی خاندان تھے، چنانچہ (ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کرلی) اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ کھانے کو (کھاؤ اور) پینے کو (پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد) اعتدال (سے مت نکلو، فساد) و فتنہ (کرتے ہوئے سرزمین میں)

نویں نعمت: مطالبہ کا تسلیم کیا جانا

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِا
لَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

ترجمہ: اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہر گز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ پیدا کرے ہمارے واسطے جو اگاتی ہے زمین ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز، کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے، اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گی جو تم مانگتے ہو اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور پستی اور پھرے اللہ کا غصہ لے کر۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق، یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ) روز کے روز (ہم ایک ہی قسم کے کھانے) یعنی من وسلویٰ (پر ہر گز صبر نہ کریں گے) اس لئے (آپ ہمارے واسطے دعا کریں کہ آپ کا رب ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو زمین میں اگا کرتی ہیں، ساگ) ہوا (ککڑی) ہوئی (گیہوں) ہوئی (مسور) ہوئی (پیاز) ہوئی (آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو، ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔) جب تمہارا اپنے مطالبہ پر اصرار رہا تو انہوں نے فرمایا اچھا اگر نہیں مانتے تو (کسی شہر میں) جاکر (اترو) وہاں (البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور) ایسی ایسی گستاخیوں کی وجہ سے ایک زمانہ میں جاکر آخر نقش کی طرح (جم گئی ان پر ذلت) کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر نہ رہی (اور پستی) کہ خود ان کی طباع میں اولو العزمی نہ رہی۔ ہمارے دور میں یہود کو اسرائیل نامی ملک میں حکومت حاصل ہے اور وہ بہت پر عزم نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ عیسائی طاقتوں کا ان کی مکمل پشت پناہی کرنا ہے اور اس حالت کا استثناء خود قرآن نے سورۂ آل عمران میں کیا ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یعنی جمادی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں جائیں گے مگر سوائے

ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی جانب سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔ (اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے) اور (یہ) ذلت و غضب (اس وجہ سے) ہوا کہ (وہ لوگ احکام الہیہ کے منکر ہو جاتے تھے اور پیغمبروں کو قتل کر دیا کرتے تھے) کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی (ناحق) ہوتا تھا (اور) نیز (یہ) ذلت و غضب (اس وجہ سے) ہوا (کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ) اطاعت (سے نکل نکل جاتے تھے)

ربط: اس مقام پر یہودیوں کی شرارت کا حال معلوم کر کے سامعین کو یا خود یہود کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان حالات میں اگر وہ عذر پیش کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً وہ اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس آیت میں ایک قانون اور ضابطہ کا ذکر فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابئین (ان میں سے) جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (مسلمان، یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین ان سب میں جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ) کی ذات و صفات پر (اور قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے) قانون شریعت کے موافق (ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس) پہنچ کر (اور) وہاں جاکر (کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے) قانون کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عقائد اور اعمال میں پوری اطاعت اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے ہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت، اطاعت محمدیؐ یعنی مسلمان ہونے میں منحصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا نجات اخروی کا مستحق ہو گا۔ مذکورہ بالا خیال کا یہ جواب ہو گیا یعنی ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائیں تو ہم سب معاف کر دیں گے۔ اور صابئین مشرکوں کا ایک فرقہ تھا جس کے عقائد اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا پتہ نہ چلا اس لئے مختلف اقوال ہیں۔

اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے

کہ ہمارا قانون عام ہے کوئی موافق ہو یا مخالف، جو شخص بھی اطاعت کرے گا وہ عنایت کا مستحق ہوگا، اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے سنانا تو اصل میں مخالف کو ہے، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو موافقین پر عنایت کرتے ہیں تو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کی صفت موافقت ہے اس لئے اس صفت کو اگر مخالف بھی اختیار کر لے تو وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا، اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

دسویں نعمت: عہد شکنی پر فوری ہلاکت نہ ہونا

جب موسیٰ علیہ السلام کو طور پر توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو وہ دکھائی اور سنائی تو اس میں احکام ذرا سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت کے مطابق ایسے ہی احکام مناسب تھے، تو اول تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ جب ہم سے اللہ تعالیٰ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے جس کا قصہ اوپر گزر چکا ہے۔ غرض وہ ستر آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آکر انہوں نے گواہی دی اللہ نے اس کو اپنی کتاب کہا ہے، مگر اس شہادت میں اپنی طرف سے اتنی آمیزش بھی کر دی کہ ''اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمادیا تھا کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے'' تو کچھ تو جبلی شرارت، کچھ احکام کی مشقت اور کچھ اس آمیزش کا حیلہ ملا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے تو اس کتاب پر عمل نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو مانو ورنہ ابھی گرا، آخر مجبوراً ماننا پڑا، لیکن بعد میں پھر عہد شکنی کرنے لگے اس کے باوجود اللہ کا فضل رہا اور عہد شکنی کی بنا پر فوراً ہلاک نہیں کئے گئے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے تم سے عہد اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ، پھر تم پھر گئے اس کے بعد۔ سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہو جاتے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا) کہ تورات پر عمل کرو گے (اور) اس قول و قرار لینے کے لئے (ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا) اور اس وقت کہا

(کہ) جلدی (قبول کرو جو کتاب) یعنی تورات (ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس) کتاب میں ہیں تاکہ (تم متقی بن جاؤ۔ پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی) اس سے (پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا) تو اس عہد شکنی کا تقاضا تو یہ تھا کہ (ضرور تم) فوراً (تباہ) اور ہلاک (ہو جاتے) مگر ہماری عنایت و رحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت دے رکھی ہے، لیکن کب تک؟ بالآخر مرنے کے بعد اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہو گے۔

حق تعالیٰ کی رحمت عامہ دنیا میں مومن کافر سب پر ہے جس کا اثر عافیت اور دنیوی راحت ہے۔ رحمت خاصہ کا ظہور آخرت میں ہوگا، جس کا اثر نجات اور قرب خداوندی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان و اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ہے، باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے، ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، کفر کی سزا قتل نہیں۔

ربط: مذکورہ بالا آیت کے آخری جزو کے بظاہر مخاطب وہ یہودی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ چونکہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا عہد شکنی میں شامل ہے اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں داخل کر کے بطور احسان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا پہلے بے ایمانوں پر ہوتا رہا ہے۔ یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ اور اس مضمون کی تائید کے لئے اگلے بے ایمانوں کا ایک واقعہ بطور نظیر کے اگلی آیت میں پیش کیا جاتا ہے اس کو مستبعد نہ سمجھو ایسا ہو چکا ہے اور تم کو خبر بھی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے حد سے تجاوز کیا تھا ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے کہ ہو جاؤ بندر ذلیل، پھر بنا دیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو اس وقت تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (بنا دیا اسکو) نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے۔

تفسیر: (اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے) شرعی حد سے (تجاوز کیا تھا) اس حکم کے بارے میں جو (ہفتہ کے دن) کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں، (سو ہم نے ان کو اپنے قہری اور تکوینی حکم سے انکا مسخ کرنے کے لئے (کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ) چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے (پھر ہم نے اس کو ایک عبرت) انگیز واقعہ (بنادیا ان لوگوں کے لئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو بعد کے زمانے میں آتے رہے اور) نیز اس واقعہ کو (موجب نصیحت) بنایا خدا سے (ڈرنے والوں کے لئے)

فائدہ: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا۔ بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ کا دن قابل تعظیم اور عبادت کے لئے مقرر تھا اور مچھلی کا شکار بھی اس روز ممنوع تھا۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی کے شوقین تھے۔ اس حکم کو نہ مانا اور شکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صورت کے مسخ کا عذاب نازل ہوا، تین دن کے بعد وہ سب مر گئے۔

اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے، فرمانبردار اور نافرمان، نافرمانوں کے لئے تو یہ واقعہ نافرمانی سے توبہ کرانے والا تھا، اس لئے اس کو نکال فرمایا اور فرمانبرداروں کو یہ واقعہ فرمانبرداری پر قائم رکھنے والا تھا اس کو موعظۃ فرمایا:

گیارہویں نعمت: نامعلوم قاتل کو معلوم کرنے کی تدبیر بتانا

بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا جس کی وجہ یا تو وارثوں کا طمع مال تھا یا یہ ہوئی کہ کسی شخص نے مقتول کی کسی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی مگر مقتول نے انکار کر دیا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا۔ قاتل لاپتہ تھا اس کا پتہ نہ لگتا تھا اور توریت ابھی نازل نہ ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ چلے۔ آپ نے بحکم خداوندی ایک بیل ذبح کرنے کا حکم فرمایا جس سے قاتل کے سراغ لگنے کا طریقہ قصہ کے آخر میں معلوم ہو گا کہ ذبح شدہ بیل کے کسی ٹکڑے سے مقتول کی لاش کو چھو دو۔ اس سے مقتول وقتی طور پر زندہ ہو کر خود قاتل کا نام بتادے گا۔ انہوں نے حسب عادت اور اپنی جبلت کے مطابق اس میں حجتیں نکالنا شروع کیں۔ آگے اس کی تفصیل ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ

قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٦٧﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا
بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن
شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ
تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا
الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تم کو کہ ذبح کرو ایک بیل وہ بولے کیا تو بناتا ہے ہم کو مسخرہ کہا پناہ خدا کی کہ ہو جاؤں میں جاہلوں میں سے۔ بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ بیل کیسا ہو، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ بیل ہے نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو، پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب کر ڈالو جو تم حکم دیے گئے ہو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کیسا ہے اس کا رنگ، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی، فرحت دیتی ہے دیکھنے والوں کو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس طرح کا ہے وہ کیونکہ وہ بیل مشتبہ ہو گیا ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور ٹھیک سمجھ لیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے محنت کرنے والا نہیں کہ جوتتا ہو زمین کو یا پانی دیتا ہو کھیتی کو، (عیب سے) سالم ہو کوئی داغ نہ ہو اس میں، بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا۔ وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام نے (اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ) اگر تم اس لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو (تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں) کہاں قاتل کی تحقیق کہاں جانور کا ذبح کرنا۔ (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں) کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں۔ (وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہم سے بیان کردیں کہ اس) بیل کے (کیا اوصاف ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ) میری درخواست کے جواب میں (یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل) ہو کہ (نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو) بلکہ (پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب) زیادہ حجت مت کرو بلکہ (کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ) اچھا یہ بھی (درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب

سے کہ وہ ہم سے یہ) بھی (بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا) اس کے متعلق (حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو، کہنے لگے کہ) اس دفعہ اور (ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ وہ) اول بار کے سوال کا جواب ذرا اور واضح (ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں، کیونکہ ہم کو اس بیل میں) قدرے (اشتباہ) یہ باقی (ہے) کہ وہ معمولی بیل ہو گا یا کوئی اور عجیب وغریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو (اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ) اس قصہ کو (ٹھیک سمجھ جائیں گے، موسیٰ) علیہ السلام (نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ) کوئی عجیب وغریب جانور نہیں ہے، یہی معمولی بیل ہے، البتہ عمدہ ہونا چاہئے کہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ (نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو، جس سے زمین جوتی جائے، اور نہ) کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ (اس سے زراعت کی آبپاشی کی جائے) غرض ہر قسم کے عیب سے (سالم ہو اور اس میں) کسی طرح کا (کوئی داغ نہ ہو) یہ سن کر (کہنے لگے کہ) ہاں (اب آپ نے پوری) اور صاف (بات فرمائی)۔ غرض جانور تلاش کر کے خریدا (پھر اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ بظاہر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے)

فائدہ: 1۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ یہ حجتیں نہ کرتے تو اتنی قیدیں ان کے ذمہ نہ ہوتیں جو بھی بیل ذبح کر دیا جاتا کافی ہو جاتا۔

2۔ بعض حضرات نے بقرہ کا ترجمہ: گائے کیا ہے جب کہ یہاں بیل کیا گیا ہے تو مراد اصل جنس ہے خواہ گائے ہو یا بیل ہو۔

ربط: اوپر جو قصہ بیان ہوا اس کا ابتدائی حصہ اب آگے ذکر ہوتا ہے۔ ترتیب بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس پورے قصہ میں دو بد عنوانیاں ہیں۔ ایک قتل کر کے واردات کو چھپانے کی کوشش کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ کی حجتیں نکالنا۔ ان دونوں ہی کی طرف پوری توجہ دلانی مقصود ہے جو ترتیب بدلنے سے حاصل ہو رہی ہے ورنہ ترتیب قائم رکھنے سے ممکن ہے کہ صرف پہلی بد عنوانی کو اصل مقصود سمجھا جائے اور دوسری کو اس کا تتمہ سمجھ کر اصل مقصود نہ سمجھا جائے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيهَا ۖ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے، پھر ہم نے کہا مارو اس مردے پر اس بیل کا ایک ٹکڑا۔ اسی طرح

زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور وہ دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں) میں سے کسی (نے ایک آدمی کا خون کر دیا، پھر) اپنی براءت کے گئے (ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم) میں کے مجرم و مشتبہ لوگ (مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے) بیل کے ذبح کے بعد (ہم نے حکم دیا کہ اس) مقتول کی لاش (کو اس) بیل کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو) چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہو گیا، آگے اللہ تعالیٰ منکرین قیامت کے مقابلہ میں اس قصہ سے استدلال اور نظیر کے طور پر فرماتے ہیں کہ (اسی طرح حق تعالیٰ) قیامت میں (مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر) قدرت (تم کو دکھاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو) اور ایک نظیر کو دیکھ کر دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ۔

یہاں یہ شبہ کرنا بھی درست نہیں کہ حق تعالیٰ کو تو مردہ زندہ کرنے کی ویسے ہی قدرت تھی، یا مقتول کو زندہ کئے بغیر قاتل کا نام بتایا جا سکتا تھا پھر اس سامان کی کیا ضرورت تھی، تو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ مصلحت اور حکمت کے لئے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کے احاطہ علمی میں آسکتی ہے، نہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آ جائے، اس لئے اس کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر عزیز ضائع کرنے کے بجائے بہتر طریقہ تسلیم و سکوت کا ہے۔

ربط: آگے ان واقعات اور خصوصی نعمتوں سے متاثر نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر تمہارے دل سخت رہے اس سب کے بعد سو وہ ہیں جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (ایسے ایسے واقعات کے بعد) چاہئے تھا کہ تم لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پر ہو جاتے لیکن (تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو) یوں کہنا چاہئے کہ (ان کی مثال پتھر کی

سی ہے۔ یا) یوں کہئے کہ وہ (سختی میں ان سے) بھی (زیادہ) ہیں (اور) زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے) بڑی بڑی (نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں) اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں، پھر ان سے) اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی (پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو) دیگر طبعی اسباب کے علاوہ ایک سبب یعنی (خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں) اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا (اور) اس قساوت سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں (حق تعالیٰ تمہارے) ان (اعمال سے بے خبر نہیں ہیں) بہت جلد تم کو سزا تک پہنچا دیں گے۔

ربط: مسلمان اس فکر و کوشش میں تھے کہ یہود بھی اسلام قبول کر لیں اور اس میں کلفت و مشقت اٹھاتے تھے۔ یہاں تک یہود کے حالات دکھا سنا کر مسلمانوں کی امید کو قطع کیا تاکہ وہ کلفت اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں اور بتایا کہ ان یہود کے تو تمام طبقات خواہ وہ عام پڑھے لکھے ہوں یا ناخواندہ ہوں یا علماء ہوں ان سے مجموعی طور پر ایمان کی توقع عبث ہے کیونکہ یہ سب طبقے ایسی خرابیوں میں مبتلا ہیں جو ہدایت کے لئے رکاوٹ بنتی ہیں۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ
كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾

ترجمہ: کیا اب بھی تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ان میں کچھ لوگ گذرے ہیں کہ سنتے تھے اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے۔

تفسیر: اے مسلمانو! (کیا) یہ سارے قصے سن کر (اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ) یہودی (تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے، حالانکہ) ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ان سے ہو چکی ہے کہ (ان میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے) اور (اس کو سمجھنے کے بعد) ایسا کرتے (اور) غضب یہ ہے کہ یہ بھی (جانتے تھے) کہ ہم برا کر رہے ہیں، محض نفسانی اغراض اس کارروائی کا باعث ہوئیں۔

تو جو لوگ ایسے بیباک اور نفسانی اغراض کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سننے سے کب باز آنے والے اور کسی کی کب سننے والے ہیں۔

ربط: اور جو یہود نزول قرآن کے وقت موجود ہیں انکا حال یہ ہے کہ ان کے کچھ پڑھے لکھے لوگ یہ چالاکیاں کرتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہوان سے جو ظاہر کیا اللہ نے تم پر تاکہ حجت قائم کردیں اس سے کہ یہ تمہارے رب کے پاس سے ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور جب ملتے ہیں) منافقین یہود (مسلمانوں سے تو) ان سے تو (کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے) منافق یہودی (دوسرے بعضے) علانیہ یہودیوں (کے پاس) تو ان سے ان کی معیت وہم مشربی کے مدعی ہوتے ہیں اس وقت (وہ) دوسرے یہودی (ان سے کہتے ہیں کہ تم) یہ (کیا) غضب کرتے ہو کہ (مسلمانوں کو) خوشامد میں (وہ باتیں بتادیتے ہو جو) ان کے مفید مذہب (اللہ تعالیٰ نے) توریت میں (تم پر منکشف کردی ہیں) اور جن کو ہم مصلحت سے پوشیدہ رکھتے ہیں تمہاری اس حرکت کا (نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے کہ) دیکھو (یہ مضمون اللہ کے پاس) سے تمہاری کتاب میں آیا (ہے کیا تم) اتنی موٹی سی بات (نہیں سمجھتے) یہ لوگ بڑے ہی احمق ہیں کیونکہ

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر: (کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کرتے ہیں) تو اگر منافقین نے مومنین سے اپنا کفر چھپایا تو کیا اور ان ملامت گروں نے حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا، اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مضامین سے مسلمانوں کو جابجا مطلع فرمادیا۔

اور ان کے ناخواندہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور وہ لوگ کچھ نہیں مگر خیالات پکاتے ہیں۔

تفسیر: (اور ان) یہودیوں (میں بہت سے ناخواندہ) بھی (ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن) با سند (دل خوش کن باتیں) بہت یاد ہیں (اور وہ لوگ کچھ اور نہیں) ویسے ہی بے بنیاد (خیالات پکا لیتے ہیں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ تو ان کے علماء نے ان کو ناقص اور باطل کی ملاوٹ والی تعلیم دی ہے اور پھر اوپر سے خود ان میں سمجھ اور فہم کی کمی ہے، ایسی صورت میں سوائے بے بنیاد خیالات کے واقعی حقائق کی تحقیق کہاں نصیب ہو سکتی ہے، بقول شخصے "کریلا اور نیم چڑھا" اس میں مٹھاس کہاں۔

اور رہے ان کے علماء تو وہ کتاب الٰہی میں خیانت کے مجرم ہیں اور یہی عوام کی توہم پرستی کا بڑا سبب ہے اور اس سے ان علماء کو بھی کچھ مال مل جاتا تھا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب (یعنی تورات) اپنے ہاتھ سے، پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیں اس پر تھوڑا سا مال، سو خرابی ہے ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اپنی اس کمائی سے۔

تفسیر: جب مذکورہ عوام زجر و توبیخ کے قابل ہیں اور ان کے جہل کا اصلی سبب ان کے علماء ہی ہیں (تو بڑی خرابی ان کی ہو گی جو) بدل سدل کر (کتاب) توریت (کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں) اور (پھر) عوام سے (کہہ دیتے ہیں کہ یہ) حکم (خدا کی طرف سے) یوں ہی آیا (ہے) اور (غرض) صرف (یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں، سو بڑی خرابی) پیش (آئے گی ان کی اس) تحریف (کتاب کی بدولت) بھی (جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہو گی ان کے لئے اس) نقد (کی بدولت) بھی (جس کو وہ وصول کر لیا کرتے تھے)

ربط: یہود کے یہ تینوں طبقے اپنی بدکرداری اور بدعملی کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر ان کو جہنم میں داخل بھی کیا گیا تو وہ چند دنوں میں چھوٹ جائیں گے۔ ان کے اس دعوے کی وجہ انکا یہ زعم تھا کہ دین موسوی منسوخ نہیں ہوا لہٰذا وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے انکار سے کافر نہیں ہوئے لہٰذا اگر کسی نافرمانی کے سبب سے دوزخ میں چلے بھی گئے پھر نکال لئے جائیں

گے۔ لیکن چونکہ دینِ موسوی کی ابدیت کا دعوی خود غلط ہے لہذا ان دو رسولوں کی نبوت کے انکار کے سبب سے وہ کافر ہوئے اور کافروں کے لئے کچھ دنوں بعد دوزخ سے رہائی پا جانا کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں عہد سے تعبیر کیا۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: اور کہا ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند روز گنے چنے۔ کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے عہد کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے عہد کے یا کہتے ہو اللہ پر جس کی علمی سند تم نہیں رکھتے۔

تفسیر: (اور یہودیوں نے) یہ بھی (کہا کہ ہم کو آتش) دوزخ (ہرگز نہیں چھوئے گی) ہاں (مگر بہت (تھوڑے روز جو) انگلیوں پر (شمار کر لئے جا سکیں)۔ اے محمد ﷺ (آپ) ان سے (یوں فرما دیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے) اس کے متعلق (کوئی معاہدہ لے لیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے) یا معاہدہ نہیں لیا بلکہ ویسے ہی (اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو، جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے)

مذکورہ بالا رد کے بعد ایک ضابطہ بیان کر دیا جس کی رو سے یہ لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: کیوں نہیں۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: چند روز کے سوا تم کو آتش دوزخ (کیوں نہیں) لگے گی، بلکہ ابد الآباد تک اس میں رہنا ضروری ہے، کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ (جو شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اس کو اس کی خطا) و قصور اس طرح (احاطہ کر لے) کہ کہیں بھی یہاں تک کہ دل میں بھی نیکی اور ایمان کا اثر تک نہ رہے (سوایسے

لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ) ہمیشہ (رہیں گے۔ اور جو لوگ) اللہ اور رسولؐ پر (ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے) لوگ (اہل بہشت ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ) ہمیشہ (رہیں گے)

ربط: نعمتیں یاد دلانے کے بعد اب یہود کی کچھ قباحتیں یاد دلاتے ہیں تا کہ شاید ان کو یاد کر کے کچھ لحاظ کریں اور ہدایت کو قبول کریں۔

پہلی قباحت

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور کنبہ والوں سے بھی اور یتیموں اور محتاجوں سے بھی اور کہو سب لوگوں سے اچھی بات اور قائم رکھو نماز اور اور دیتے رہو زکوۃ۔ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہی ہو پھرنے والے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب لیا ہم نے) توریت میں (بنی اسرائیل سے قول و قرار کہ عبادت مت کرنا) کسی کی (سوائے اللہ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی، اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے) جب کوئی (بات) کہنا ہو تو (اچھی طرح) خوش خلقی سے (کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوۃ ادا کرتے رہنا پھر تم) قول و قرار کر کے (اس سے پھر گئے سوائے گنتی کے چند لوگوں کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا)

یہ گنتی کے چند لوگ وہ ہیں جو توریت کے پورے پابند رہے، توریت کے منسوخ ہونے سے قبل موسوی شریعت کے پابند رہے، جب توریت منسوخ ہو گئی تو شریعت محمدیہؐ کے متبع ہو گئے۔

ربط: مذکورہ عہد ہی کا ایک اور حصہ ذکر کیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤ گے خون آپس کے اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار) بھی (لیا کہ) خانہ جنگی کر کے (باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا) یعنی کسی کو آزار پہنچا کر اتنا تنگ مت کرنا کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہو جائے) پھر ہمارے اس اقرار لینے پر (تم نے اقرار بھی کر لیا اور) اپنے اقرار و عہد کرنے کو (تم مانتے بھی ہو)۔

اس باب میں ان پر تین حکم لازم تھے، اول قتل نہ کرنا، دوم اخراج یعنی ترک وطن نہ کرانا، سوم اپنی قوم میں سے کسی کو قید و بند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، تو ان لوگوں نے پہلے دو حکموں کو تو چھوڑ دیا اور تیسرے حکم کا اہتمام کرنے لگے اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اہل مدینہ میں دو قومیں تھیں اوس اور خزرج، اور ان میں باہم عداوت رہتی تھی اور کبھی کبھی جنگ کی نوبت بھی آجاتی تھی اور مدینہ کے گردونواح میں یہودیوں کی دو قومیں بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھیں، اوس و بنی قریظہ کی باہم دوستی تھی جبکہ خزرج و بنی نضیر میں باہم یارانہ تھا، جب اوس و خزرج میں باہم لڑائی ہوتی تو دوستی کی بناء پر بنی قریظہ تو اوس کے مددگار ہوتے اور بنی نضیر خزرج کی طرفداری کرتے۔ تو جہاں اوس و خزرج مارے جاتے اور جلا وطن ہوتے تو ان کے دوستوں اور حامیوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی۔ اور ظاہر ہے کہ بنی قریظہ کے قتل و اخراج میں بنی نضیر کا بھی ہاتھ ہوتا اور ایسا ہی بالعکس۔ البتہ یہود کی دونوں جماعتوں میں سے اگر کوئی جنگ میں قید ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال پر راضی کر کے اس قیدی کو رہائی دلا دیتے اور کوئی پوچھتا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو اس کو جواب دیتے کہ اسیر کو رہا کرا دینا ہم پر واجب ہے اور اگر کوئی قتل و قتال میں معین و مددگار بننے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی اور ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔

ربط: اگلی آیت میں جن مخالف قوموں کی امداد کا ذکر ہے اس سے اوس و خزرج مراد ہیں کہ اوس بنی قریظہ کی موافقت میں بنی نضیر کے مخالف تھے اور خزرج بنی نضیر کی موافقت میں بنی قریظہ کے مخالف تھے۔

اثم و عدوان (ظلم و گناہ) دو لفظ لانے سے اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دو حق ضائع ہوتے ہیں، حکم الٰہی کی تعمیل نہ کر کے حق اللہ ضائع کیا اور دوسرے کو آزار پہنچا کر حق العباد بھی ضائع کر دیا۔ پھر اس کے بعد عہد شکنی پر ملامت و شکایت کے ساتھ ساتھ سزا کو بھی صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ
وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ
مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۸۵

ترجمہ: پھر تم وہ لوگ ہو کہ قتل کرتے ہو اپنے لوگوں کا اور نکال دیتے ہو اپنے کچھ لوگوں کو ان کے وطن سے۔ امداد کرتے ہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر وہی آئیں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا ترک وطن کرانا بھی۔ تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور یہ کہ قیامت کے دن پہنچائے جائیں سخت سے سخت عذاب میں۔ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (پھر) اس صریح اقرار کے بعد (تم) جیسے ہو (یہ) آنکھوں کے سامنے (موجود) ہے کہ تم ہی لوگ (ہو کہ باہم قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو) اس طور پر کہ (ان اپنوں کے مقابلہ میں) ان کی مخالف قوموں کی (امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ) سو ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا (اور) ایک تیسرا حکم جو آسان سا سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ (اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ فدیہ دے کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات) بھی معلوم (ہے کہ) قتل تو بڑی بات ہے (تم کو تو ان کا ترک وطن کرا دینا بھی ممنوع ہے)

(کیا تو) بس یوں کہو کہ (کتاب) توریت (کے بعض) احکام (پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض) احکام (پر ایمان نہیں رکھتے تو اور کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے سوائے رسوائی کے دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کچھ (بے خبر نہیں ہیں تمہارے) برے (اعمال سے)

دنیا میں ذلت و رسوائی کا وقوع اس طرح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کے سبب بنی قریظہ قتل و قید کئے گئے اور بنی نضیر ملک شام کی طرف

بڑی ذلت وخواری کے ساتھ نکال دیئے گئے۔ اور آخرت کی سزا کی وجہ یہ ہے کہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

ترجمہ: یہ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے) احکام کی مخالفت کر کے (دنیاوی زندگانی) کے مزوں (کو لے لیا ہے) آخرت) کی نجات (کے عوض میں) جس کا ذریعہ اطاعت ہے (سو نہ تو) سزا دینے والے کی طرف سے (ان کی سزائیں) کچھ (تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی) وکیل، مختار یا دوست رشتہ دار (ان کی طرف داری) پیروی (کرنے پائے گا)

دوسری قباحت

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی ہم نے اس کو روح پاک سے۔ پھر کیا جب کبھی تمہارے پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ پسند کیا تمہارے نفوس نے تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو تم قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

تفسیر: (اور ہم نے) اے بنی اسرائیل تمہاری ہدایت کے لئے ہمیشہ سے بڑے بڑے سامان کئے سب سے اول (موسیٰ علیہ السلام کو کتاب) تورات (دی اور) پھر (ان کے بعد) درمیان میں (یکے بعد دیگرے) برابر مختلف (پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور) پھر اس خاندان کے سلسلہ کے اخیر میں (ہم نے) حضرت (عیسیٰ بن مریم کو) نبوت کے (واضح دلائل) انجیل اور معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس) جبرئیل علیہ السلام (سے) جو (تائید دی) سو الگ جو بجائے خود ایک واضح دلیل تھی تو (کیا) تعجب کی بات نہیں کہ اس پر بھی تم سرکشی کرتے رہے اور (جب کبھی) بھی (کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام

لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا) جب ہی (تم نے) ان پیغمبروں کی اطاعت سے (تکبر کرنا شروع کر دیا سو) ان پیغمبروں میں سے (بعضوں کو تو) نعوذ باللہ (تم نے جھوٹا بتایا اور بعضوں کو) بے دھڑک (قتل ہی کر ڈالتے تھے)

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر: (اور وہ) یہودی فخر کے طور پر (کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب) ایسے (محفوظ ہیں) کہ اس میں مخالف مذہب کا جو اسلام ہے اثر (ہی نہیں ہوتا، تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظ ہونا اور پختہ ہونا نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے) کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے بیزار اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں (سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں) اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے۔

فائدہ: یہ تھوڑا سا ایمان ان امور کی بابت ہے جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے، اس لئے پورا ایمان نہ تھا۔ اور اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہا جس کے معنی مطلق یقین کے ہیں، گو وہ بعض اشیاء کے ساتھ ہی متعلق ہو، لیکن شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے کیونکہ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو دین کی تمام باتوں پر یقین کے ساتھ ہو۔

ربط: آگے ان کے کفر کی تفصیل ذکر کی جو ان کے لئے موجب لعنت تھا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے خود بیان کرتے تھے کافروں سے، پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے، سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔

تفسیر: (اور جب ان کو) ایک (ایسی کتاب پہنچی) یعنی قرآن مجید (جو منجانب اللہ ہے) اور (اس) کتاب (کی) بھی (تصدیق کرنے والی ہے جو) پہلے سے (ان کے پاس ہے) یعنی تورات (حالانکہ اس کے

قبل) خود (بیان کرتے تھے کفار سے) یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں مگر (پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ) خوب جانتے (پہچانتے ہیں تو) اب دل سے نہ مان کر (اس کا) صاف (انکار کر بیٹھے سو) بس (خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر) کہ جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں۔

ربط: آگے بتایا کہ یہود کا جان لینے کے بعد پھر امر واقعی کا کفر اور انکار کرنے کی وجہ حسد ہے۔ لہذا فرمایا

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ انکار کرتے ہیں اس چیز کا جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے، سو لوٹے غصہ پر غصہ کے ساتھ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

تفسیر: (وہ حالت) بہت ہی (بری ہے جس کو اختیار کر کے) وہ بزعم خود (اپنی جانوں کو) آخرت کی سزا سے چھڑانا چاہتے ہیں) اور وہ حالت (یہ) ہے کہ (کفر) یعنی انکار (کرتے ہیں ایسی چیز) یعنی قرآن (کا جو حق تعالیٰ نے) ایک سچے پیغمبر پر (نازل فرمائی) اور وہ انکار بھی (محض) اس (ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو) یعنی محمد ﷺ پر، کیوں (نازل فرمادے سو) اس حسد بالائے کفر سے (وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے) یعنی ایک غضب کفر پر اور ایک حسد پر اور آخرت میں (ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہو گی جس میں) تکلیف کے علاوہ (ذلت) بھی ہے، برخلاف اس عذاب کے جو گناہگار مومن کو ہو گا کہ وہ پاک کرنے کے لئے ہو گا ذلت کے لئے نہیں۔

ربط: آگے ان کا ایک قول بیان فرماتے ہیں جس سے کفر ثابت ہوتا ہے اور حسد بھی ٹپکتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے

ہیں جو اتارا گیا ہے ہم پر اور وہ نہیں مانتے اس کو جو اس کے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے اور تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے۔

تفسیر: (اور جب ان) یہودیوں (سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے) متعدد پیغمبروں پر (نازل فرمائی ہیں) اور ان تمام کتابوں میں قرآن بھی ہے (تو) جواب میں (کہتے ہیں کہ ہم) تو صرف (اس) ہی (کتاب) یعنی تورات (پر ایمان لائیں گے جو ہم) لوگوں (پر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے (نازل کی گئی ہے) اس بات سے ان کا حسد ٹپکتا ہے (اور اس کے علاوہ) باقی (جتنی) کتابیں (ہیں) جیسے انجیل اور قرآن (ان) سب (کا انکار کرتے ہیں) یہ پورا قول صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو تین طرح سے رد فرمایا ہے اولاً یہ کہ (حال یہ ہے کہ وہ) یعنی تورات کے ماسوا کتابیں (بھی) فی نفسہ (حق) اور واقعی ہیں پھر ان کے انکار کی کیا وجہ (اور) دوم فی نفسہ حق ہونے کے علاوہ تصدیق کرنے والی بھی ہیں اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے یعنی تورات کی تو اس انکار سے تو خود تورات کی تکذیب لازم آتی ہے اور سوم آپ یہ بھی (کہئے کہ) اچھا تو (پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے اگر تم) تورات پر (ایمان رکھنے والے تھے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کفر ہے، پھر تمہارے گروہ کے لوگوں نے جو بہت سے نبیوں کو قتل کیا جن کی تعلیم بھی تورات ہی کے احکام کے ساتھ خاص تھی، اور تم ان قاتلوں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہو، تو براہ راست تورات کے ساتھ کفر کرتے ہو، اس سے تو تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرتا ہے، غرض کسی بھی پہلو سے تمہارا قول و فعل صحیح اور درست نہیں۔

آگے بعض اور وجوہ و دلائل سے ان یہودیوں کے دعوی ایمان کا رد فرمایا گیا۔

پہلی دلیل: وہ صریح شرک کے مرتکب ہوئے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾

ترجمہ: اور آچکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنالیا تم نے بچھڑا اس کے جانے کے بعد اور تم ظالم تھے۔

تفسیر: (اور) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (تم لوگوں کے پاس) توحید و رسالت کی (صاف صاف دلیلیں لائے) مگر (اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو) معبود (بنالیا موسیٰ) علیہ السلام (کے) طور پر

جانے کے (بعد اور تم) گوسالہ پرستی کی اس تجویز میں (ستم ڈھارہے تھے)

فائدہ: گوسالہ کو معبود بنانے کا معاملہ اگرچہ ان یہودیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو حضور ﷺ کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے، مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور طرفدار رہتے تھے، اس لئے فی الجملہ یہ لوگ بھی رد میں شامل ہیں۔

دوسری دلیل: تمہارے اعمال تمہارے ایمان کی نفی کررہے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا وعدہ تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور سنو۔ بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پیوست کردیا گیا ان کے دلوں میں وہی بچھڑا (یعنی اس کی محبت) بسبب ان کے کفر کے۔ کہہ دے کہ بری باتیں ہیں جو سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تمہارا قول وقرار لیا تھا اور) اس قول وقرار لینے کے لئے (طور کو تمہارے) سروں کے اوپر (لاکھڑا کیا تھا) اور اس وقت حکم دیا تھا کہ (لو جو کچھ) احکام (ہم تم کو دیتے ہیں ہمت) اور پختگی (کے ساتھ لے لو اور) ان احکام کو دل سے (سنو)۔ اس وقت (انہوں نے) ڈر کے مارے زبان سے تو (کہہ دیا کہ ہم نے) قبول کرلیا اور (سن لیا اور) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی اس لئے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ (ہم نے نہ مانا) اس لئے ہم سے عمل نہ ہوگا اور ان کی اس بد دلی کی وجہ یہ تھی کہ (ان کے قلوب) کے ریشہ ریشہ (میں وہی گوسالہ پیوست ہوگیا تھا ان کے سابقہ کفر کی وجہ سے) جب کہ دریائے شور سے اتر کر انہوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کردیا جائے (آپ فرمادیجئے) کہ دیکھ لیا تم نے اپنے مزعومہ ایمان کے افعال کو (سو اگر تم) بزعم خود اب بھی (اہل ایمان ہو) تو (یہ افعال تو بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کررہا ہے) اور اصل ایمان چونکہ ایسے برے افعال کی تعلیم ہی نہیں کرتا لہذا تمہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہے۔

تیسری دلیل: یہود کا دعویٰ تھا کہ ہم دین حق پر ہیں اور باایمان ہیں لہذا آخرت میں ہم کو تو ضرور نجات ملے گی۔ ہم میں سے جو تائب ہیں یا ان پر رحم کیا گیا ہے ان کو تو ابتداء ہی سے جنت میں داخلہ مل

جائے گا اور جو گناہ گار ہیں وہ چند روز عذاب بھگت کر نجات پا جائیں گے اور جو فرمانبردار ہیں وہ تو محبوب و مقرب ہیں۔ ایمان کی نفی کی دلیل اس طرح ہوئی کہ کہا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آخرت حاصل کرنے کی خواہش بھی ہو گی جس کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے تو تم آخرت حاصل کرنے کے لئے موت کی تمنا کرو لیکن یہ تم کبھی نہ کرو گے کیونکہ تم اپنے کفر سے خوب باخبر ہو لہذا فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر ہے صرف تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں اور لوگوں کو چھوڑ کر تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو۔ اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ جو پہلے کر چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے ان ظالموں کو۔ اور تو ضرور پائے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی۔ چاہتا ہے ایک ایک ان کا کہ عمر پائے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر عمر دیا جانا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) ان لوگوں سے (کہہ دیجئے کہ اگر) بقول تمہارے (عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے ہے بلاشرکت غیرے تو اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو تو) اس کی تصدیق کے لئے ذرا (موت کی تمنا کر کے دکھا دو اور) ہم ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ (ان اعمال) کفریہ کی سزا کے خوف (کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں یہ لوگ ہرگز کبھی اس) موت (کی تمنا نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں) کے حال (کی)۔ جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی فرد قرار داد جرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا۔ (اور) وہ لوگ موت کی تمنا کیا خاک کرتے (آپ) تو (ان کو حیات) دنیوی (کا) دیگر عام (آدمیوں سے) بھی (بڑھ کر حریص پائیں گے اور) اوروں کا تو کیا ذکر حیرت تو یہ ہے کہ بعض (مشرکین

سے بھی) بڑھ کر آپ ان کو حیات کا حریص دیکھیں گے حالانکہ مشرکین عرب تو آخرت کے منکر تھے اس لئے وہ اگر طویل عمر کی تمنا کریں تو کچھ تعجب نہیں مگر یہود تو آخرت کے قائل ہیں اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق کہتے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا (ایک ایک) شخص (اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور) بھلا بالفرض اگر اتنی عمر ہو بھی گئی تو کیا فائدہ (یہ امر عذاب سے تو بچا نہیں سکتا کہ) کسی کی بڑی (عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے پیش نظر ہیں ان کے سب اعمال) بد جس پر ان کو عذاب ہونے والا ہے۔

چوتھی قباحت: بعض یہود نے حضور ﷺ سے یہ سن کر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں کہا کہ ان سے تو ہماری عداوت ہے، ہماری قوم پر ہولناک واقعات اور سخت سخت احکامات انہی کے ذریعے آتے رہے ہیں، میکائیل خوب ہیں کہ بارش اور رحمت ان کے متعلق ہے، اگر وہ وحی لایا کرتے تو ہم مان لیتے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے جو کوئی ہوا دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اس حال میں کہ یہ (کلام) سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو، جو کوئی ہوا دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) ان سے (یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے) وہ جانے لیکن اس بات کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل؟ کیونکہ اس میں تو وہ سفیر محض ہیں سو سفارت کے طور پر (انہوں نے یہ قرآن پاک حکم خداوندی سے آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے)۔ اور سفارت کے صادق ہونے کے لئے سفیر میں دو صفتوں کا ہونا کافی ہے اول مامور ہو دوسرے امین ہو۔ سو امین ہونے سے یہود کو بھی انکار نہ تھا۔ وہ صرف عناداً قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اس کو ذکر کر دیا کہ جب جبرئیل علیہ السلام خدا کے حکم سے لائے ہیں تو اس کے علاوہ لانے والے کی دیگر خصوصیت کیوں دیکھی جاتی ہے؟ البتہ خود قرآن کو دیکھو کہ کیسا ہے (اس کی) خود (یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل

والی) آسمانی (کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے) ضروری مصلحتوں کی (اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو) اور کتاب سماوی کی یہی شان ہوتی ہے، پس قرآن ہر حال میں کتاب سماوی اور قابل اتباع ٹھیرا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی عداوت سے اس کو نہ ماننا نری حماقت ہے، اب رہا خود مسئلہ جبرئیل سے عداوت کا سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنا یا اس کے دوسرے ملائکہ سے یا اس کے رسولوں سے یا خود میکائیل سے جن کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، ان سے سب سے عداوت رکھنا اور جبرئیل سے عداوت رکھنا، یہ سب ہم پلہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان سب عداوتوں کا قانون یہ ہے کہ (جو) کوئی (شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو) تو (اور فرشتوں کا ہو) تو (اور پیغمبروں کا ہو) تو (اور جبرئیل کا) ہو تو (اور میکائیل کا) ہو (تو) ان سب کا وبال یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا)

پانچویں قباحت:

بعض یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے پہچانتے اور آپ پر ایمان لاتے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو لئے پھرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: اور ہم نے اتارے تیری طرف روشن دلائل اور انکار نہیں کرتے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں

تفسیر: (ہم نے تو آپ کی طرف بہت سے واضح دلائل نازل کئے ہیں) جن کو وہ بھی خوب جانتے پہچانتے ہیں سو ان کا انکار نہ جاننے کی بناء پر نہیں، بلکہ یہ انکار حکم عدولی کی عادت کی وجہ سے ہے (اور) قاعدہ کلیہ ہے کہ (ایسے دلائل کا کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو حکم عدولی کے عادی ہیں)

ربط: رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے والے یہود کو جب وہ عہد یاد دلایا گیا جو ان سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں تورات میں لیا گیا تھا تو انہوں نے خود عہد ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: کیا جب کبھی کریں گے کوئی عہد تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں

ہے۔ بلکہ ان کے اکثر یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر: (کیا) اس عہد لینے سے ان کو انکار ہے (اور) ان کی تو یہ حالت ہے کہ انہوں نے اپنے تسلیم شدہ عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا اور اب بھی (جب کبھی بھی یہ لوگ) دین کیمتعلق (کوئی عہد کریں گے) ضرور (اس کو ان میں سے کوئی نہ کوئی فریق نظرانداز کردے گا، بلکہ ان) تعمیل عہد نہ کرنے والوں (میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو) سرے سے اس عہد کا (یقین ہی نہیں رکھتے) سو تعمیل نہ کرنا تو فسق تھا ہی، یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہود نے خود کو دی ہوئی کتاب الٰہی کو بھی نظرانداز کردیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنیوالا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہو تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر: (اور جب ان کے پاس ایک) عظیم الشان (پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو) رسول ہونے کے ساتھ (تصدیق بھی کررہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے) یعنی تورات کی، کیونکہ اس میں آپ کی نبوت کی خبر ہے، تو اس حالت میں آپ پر ایمان لانا عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی (ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو) اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا (سرے سے علم ہی نہیں)

ربط: حق کو چھوڑ کر البتہ یہ جادو اور سحر کے پیچھے لگ گئے زمانہ ماضی کے یہود بھی اور زمانہ حال کے بھی حالانکہ ایسے علم سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور خدا کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

السِّحْرَ ۚ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطان کفر کیا کرتے تھے کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو۔ اور اس علم کے پیچھے لگ گئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو۔ پھر ان سے سیکھتے (بعض) لوگ جادو جس سے جدائی ڈالتے تھے مرد میں اور اس کی عورت میں۔ اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور سیکھتے تھے وہ چیز جو نقصان کرتی ہے خود ان کا اور فائدہ نہیں دیتی انکو۔ اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلہ بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کاش ان کو سمجھ ہوتی اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو اللہ کے ہاں کا بدلہ بہتر تھا کاش ان کو سمجھ ہوتی۔

تفسیر: (اور) یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ (انہوں نے) کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور (ایسی چیز کا) یعنی سحر و جادو کا (اتباع) اختیار (کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین) یعنی خبیث جن (حضرت سلیمان علیہ السلام کے) عہد (سلطنت میں اور) بعضے بے وقوف جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر سحر میں ملوث ہونے کا گمان رکھتے ہیں بالکل ہی لغو بات ہے، کیونکہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ اعتقادی کفر یا کم از کم عملی کفر سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کفر و شرک کے کچھ اقوال یا اعمال اختیار کئے تو حقیقی و اعتقادی کفر ہوگا۔ اور اگر کفر و شرک کے اقوال و افعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا اور (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) نعوذ باللہ کبھی

(کفر نہیں کیا مگر) ہاں (شیاطین) یعنی خبیث جن بیشک (کفر) کی باتیں اور کام یعنی سحر (کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ) خود تو کرتے ہی تھے اور (آدمیوں کو بھی) اس (سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے) سو وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے اور اس کا اتباع یہ یہودی کرتے ہیں (اور) اسی طرح (اس) سحر (کا بھی) یہ لوگ اتباع کرتے ہیں (جو کہ ان دو فرشتوں پر) ایک خاص حکمت کے واسطے (نازل کیا گیا تھا) جو شہر (بابل میں) رہتے تھے (جن کا نام ہاروت و ماروت تھا اور وہ دونوں) وہ سحر (کسی کو نہ بتاتے جب تک) احتیاطاً پہلے (یہ) نہ (کہدیتے کہ ہمارا وجود بھی) لوگوں کے لئے (ایک امتحان) خداوندی (ہے) کہ ہم سے سحر سیکھ کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے (سو تم) اس پر مطلع ہو کر (کہیں کافر مت بن جانا) کہ اس میں پھنس جاؤ (تو) بعضے (لوگ ان دونوں) فرشتوں (سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے) عمل کر کے (کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔ اور) اس سے کوئی وہم اور خوف میں نہ مبتلا ہو جائے کہ جادوگر جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ (یہ) ساحر (لوگ اس) سحر (کے ذریعے سے کسی کو) ذرہ برابر (بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے) تقدیری (حکم سے اور) ایسا سحر حاصل کر کے بس (ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو) خود (ان کو) بوجہ گناہ کے (ضرر رساں ہیں اور) کسی معتد بہ درجہ میں (ان کو نافع نہیں ہیں)۔ تو یہودی بھی اتباع سحر سے بڑے ضرر میں ہوں گے (اور) یہ بات کچھ ہمارے ہی کہنے کی نہیں بلکہ (یہ) یہودی (بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جو شخص اس) سحر (کو) کتاب اللہ کے عوض (اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ) باقی (نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز) یعنی جادو اور کفر (جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں، کاش ان کو) اتنی (عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ) بجائے اس کفر و بد عملی کے (ایمان اور تقویٰ) اختیار (کرتے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ) اس کفر و بد عملی سے ہزار درجے (بہتر تھا، کاش! اتنی (عقل ہوتی)

خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطان جنوں سے سحر سیکھا اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور ان کو جن وانس پر حکم اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان علیہ السلام کا نہیں۔ دوسرے سحر پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے۔ وہ دو فرشتے تھے جو بابل کے شہر میں آدمیوں کی صورت میں رہتے تھے جن کو بندوں کی آزمائش کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قرآن و حدیث میں فرشتوں کے ذریعہ آزمائش کے اور واقعات بھی ملتے ہیں مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آزمائش

نوجوان شکل کے فرشتوں سے کی گئی اور حدیث میں ایک کوڑھی ایک اندھے اور ایک گنجے کی فرشتے کے ذریعے آزمائش مذکور ہے۔ ان دو فرشتوں کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی اس کا طالب ان کے پاس جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔

سحر کی حقیقت: سحر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو خواہ وہ معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر یا غیر محسوس چیزوں کا ہو جیسے جنات و شیاطین کا اثر یا قوت خیالیہ کا ہو جیسے میسمرزم اور ہپناٹزم کا اثر یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کے لئے جب کہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو یا دواؤں اور کیمیائی اشیاء کا ہو جب کہ وہ مخفی ہوں۔

لیکن قرآن و سنت کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عجیب کام کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ پھر شیاطین کو خوش کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی ایسے منتر پڑھے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو۔ کبھی کواکب و نجوم کی عبادت کی جاتی ہے جس سے شیطان خوش ہوتے ہیں۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا وغیرہ۔

رہے انسانوں کے کئے ہوئے شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ کی چالاکی کے کام یا میسمرزم، ہپناٹزم اور نظر بندی وغیرہ تو قرآن و سنت کی اصطلاح میں یہ حقیقت میں سحر نہیں البتہ کبھی مجازاً ان کو بھی سحر کہہ دیا گیا ہے مثلاً سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا)

قرآن میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ اسی قسم کا تھا کیونکہ انہوں نے جو رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی تھیں وہ نہ درحقیقت سانپ بنیں اور نہ انہوں نے حرکت کی بلکہ ان جادوگروں کی قوت خیالیہ کا اثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر حاضرین کی قوت خیالیہ پر ہوا کہ وہ ان کو دوڑنے والے سانپ سمجھنے لگے۔

کیا انبیاء پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے؟: اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ سحر درحقیقت کچھ خفیہ طبعی اسباب ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام طبعی اسباب کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تاثر شان نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے ظاہری اسباب سے انکا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ثابت ہے۔ اسی طرح جادو کے مخفی اسباب سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسا اثر جو علوم نبوت پر اثر انداز ہو خواہ ظاہری بیماری کے سبب سے ہو یا جادو کے مخفی سبب سے ہو یہ نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے واقع ہونے کی کوئی مثال ملتی ہے کیونکہ امت کو پہنچانے تک علم وحی کی حفاظت اور اس امت میں قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

چھٹی قباحت: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرارت

بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آکر لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے، جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں ایک بد دعا کے ہیں اور وہ اسی نیت سے کہتے تھے، مگر عربی زبان میں اس کے معنی "ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے" کے ہیں اس لیے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضور کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی، آپس میں بیٹھ کر ہنستے تھے، کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی برا کہتے تھے، اب علانیہ کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آگئی کہ مسلمان بھی اس میں شریک ہوگئے، حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم دیا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سن لو اور کافروں کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم) لفظ (راعنا مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ انظرنا کہہ دیا کرو) کیونکہ اس لفظ کے معنی اور راعنا کے معنی عربی زبان میں ایک ہی ہیں۔ راعنا کہنے میں یہودیوں کی شرارت چلتی ہے، اس لئے اس کو ترک کر کے دوسرا لفظ استعمال کرو (اور) اس حکم کو اچھی طرح (سن لو) اور یاد رکھو (اور) ان (کافروں کو) تو (دردناک سزا ہوگی) جو پیغمبر ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو۔

ساتویں قباحت: مسلمانوں کے ساتھ مکر و فریب

بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ اگر تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا، حق تعالیٰ اس دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ: پسند نہیں کرتے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے اور نہ (وہ جو کافر ہوئے) مشرکوں میں سے اس بات کو کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر: (ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ) خواہ (ان اہل کتاب میں سے) ہوں (اور) خواہ (مشرکین میں سے اس بات کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری) بھی (نصیب ہو اور) ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ (اللہ تو اپنی رحمت) وعنایت (کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرمالیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل) کرنے (والے ہیں)

آٹھویں **قباحت**: تحویل قبلہ پر طعنہ زنی

جب قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ ہوا تو یہود نے اس پر طعن کیا اور مشرکین بھی بعض احکام کی منسوخی پر زبان طعن دراز کرتے تھے حق تعالیٰ ان کے طعن اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾

ترجمہ: جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت (کے حکم) کو یا اس (آیت) کو فراموش کرا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں اس سے بہتر یا اس کی مثل۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

تفسیر: (ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کر دیتے ہیں) گو آیت قرآن میں یا ذہنوں میں باقی رہے (یا اس آیت) ہی (کو) ذہنوں سے (فراموش کرا دیتے ہیں تو) یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے چنانچہ (ہم) اسکی جگہ (اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں) اے معترض (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں) پس ایسے قادر کو مصلحتوں

کی رعایت کیا مشکل ہے اور (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر ہے) جب ان کی اس قدرت و سلطنت میں کوئی شریک و سہیم نہیں ہے تو ان مصلحتوں کی رعایت کر کے دوسرا حکم دے دینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے، غرض حکم ثانی کی تجویز سے بھی کوئی مانع نہیں اور اس حکم کے جاری کر دینے میں بھی کوئی مانع نہیں (اور) یہ بھی سمجھ رکھو کہ (تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں، پس جب وہ یار ہیں تو احکام میں مصلحت کی ضرور رعایت کریں گے اور جب مددگار ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کے وقت تمہارے مخالفین کی مزاحمت سے بھی ضرور محفوظ رکھیں گے البتہ اگر اس ضرر کی وجہ سے اس سے بڑھ کر کوئی نفع اخروی ملنے والا ہو تو ظاہراً مخالف کا مسلط ہو جانا اور بات ہے۔

ربط: مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر بعض یہود نے حضور ﷺ کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ تورات نازل ہوئی اسی طرح آپ بھی قرآن لاتے اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوں اس پر مسلمانوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ درخواست کرو اپنے رسول سے جیسے درخواستیں ہو چکی ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لے ایمان کے بدلے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے۔

تفسیر: یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر (ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے) بیجا بیجا (درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل) یہود کے بزرگوں کی طرف سے حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (سے بھی) ایسی ایسی (درخواستیں کی جا چکی ہیں) مثلاً خدا تعالیٰ کو علانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی، اور ایسی درخواستیں جن سے صرف رسولؑ پر اعتراض کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں اور (جو شخص ایمان کی بجائے کفر) کی باتیں (کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا)

نویں قباحت: بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور باوجود ناکامی کے اپنی دھن سے باز نہ آتے تھے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرما دیا کہ

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۰

ترجمہ: چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھیر کر کافر بنادیں بسبب اپنے دل کے حسد کے اس کے بعد کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق سو تم اب معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجد و گے اپنے واسطے نیک کام پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (ان اہل کتاب) یعنی یہود (میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں) اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں، جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں، بلکہ (محض حسد کی وجہ سے جو کہ) تمہاری جانب سے کسی بات کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ (خود ان کے دلوں ہی سے) جوش مارتا (ہے) اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو، بلکہ (حق واضح ہونے کے بعد) یہ حالت ہے۔ یہود کی یہ بات معلوم ہونے پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا موقع تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ (خیر) اب تو (معاف کرو اور درگزر کرو جب تک حق تعالیٰ) اس معاملہ کے متعلق (اپنا حکم) قانون جدید (بھیجیں) اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج امن عامہ کے قانون انتظام یعنی قتال و جزیہ سے ہم جلد کرنے والے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو اپنا ضعف اور ان کی قوت دیکھ کر اس قانون کے اجراء کے متعلق تعجب ہو سکتا تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) خواہ وہ معمولی ہو خواہ عجیب ہو (قادر ہیں اور تم) سر دست صرف (نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور) جن پر زکوٰۃ فرض ہے (زکوٰۃ دیئے جاؤ) اور جب وہ قانون آجائے گا ان اعمال صالحہ کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کر لینا (اور) یہ نہ سمجھو کہ جب تک جہاد کا حکم نہ آئے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی، نہیں، بلکہ (جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس) پہنچ کر (اس کو) پورا پورا مع صلہ کے (پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں) ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا۔

فائدہ: اس وقت کی حالت کا یہی تقاضا تھا، پھر حق تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور جہاد کی آیات نازل ہوئیں، جس کے بعد یہود کے ساتھ بھی وہ قانون برتا گیا اور ناشائستہ لوگوں کے ساتھ حسب

حیثیت ان کے فساد کے بدلے قتل یا جلاوطنی یا جزیہ پر عملدر آمد کیا گیا۔

دسویں قباحت: غلط اور بے بنیاد دعوے

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ
اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ
اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہر گز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی۔ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے۔ کہہ دے لے آؤ دلیل اپنی اگر تم سچے ہو، کیوں نہیں (جائیں گے بلکہ) جس نے تابع کر دیا اپنا رخ اللہ کے اور وہ مخلص بھی ہے تو اس کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (اور یہود نصاریٰ) یوں (کہتے ہیں کہ بہشت میں ہر گز کوئی نہ جانے پائے گا سوائے ان لوگوں کے جو یہودی ہوں) یہ تو یہود کا قول ہے (یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں) یہ نصاریٰ کا قول ہے، حق تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ) خالی (دل بہلانے کی باتیں ہیں) اور حقیقت کچھ بھی نہیں (آپ) ان سے یہ تو) کہئے کہ) اچھا اپنی (دلیل لاؤ اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو)۔ سو وہ تو کیا دلیل لائیں گے کیونکہ کوئی دلیل ہے ہی نہیں بلکہ اب ہم اس کے خلاف پہلے تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ (ضرور دوسرے لوگ) بھی جنت میں (جائیں گے) پھر اس پر دلیل لاتے ہیں کہ ہمارا قانون جو سماوی ملتوں کے ماننے والوں کے اتفاق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے یہ ہے کہ (جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے) یعنی عقائد و اعمال میں فرمانبرداری اختیار کرے (اور) اس کے ساتھ (وہ مخلص بھی ہو) کہ فرمانبرداری دلی طور پر اختیار کی ہو، محض مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو (تو ایسے شخص کو اس) کی فرمانبرداری (کا عوض ملتا ہے اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور ایسے لوگوں پر) قیامت میں (نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا (ہے اور نہ ایسے لوگ) اس روز (مغموم ہونے والے ہیں) کیونکہ فرشتے ان کو بشارتیں سنا کر بے فکر کر دیں گے۔

اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ قانون مسلم ہے تو اب صرف یہ دیکھ لو کہ یہ بات کس پر صادق آتی ہے؟ سو ظاہر ہے کہ کسی سابق حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا کسی بھی طور پر فرمانبردار نہیں کہلا سکتا لہذا یہود و نصاریٰ فرمانبردار نہ ہوئے بلکہ نئے حکم پر عمل کرنا فرمانبرداری

سمجھی جائے گی اور یہ شان مسلمانوں کی ہے کہ نبوت و شریعت محمدیہ کو قبول کیا چنانچہ یہی جنت میں داخل ہونے والے شمار ہوئے۔

ایک بار کچھ یہودی اور کچھ نصرانی جمع ہو کر مذہبی مباحثہ کرنے لگے تو یہود تو اپنے عقیدہ کے موافق نصاری کے دین کو باطل بتاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے مگر نصاری بھی ضد اور تعصب میں آکر یہود کے دین کو بے اصل و باطل کہنے لگے اور حضرت موسی علیہ السلام کی رسالت اور توریت کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ بطور تردید فرماتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ نہیں کسی بنیاد پر اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود نہیں کسی بنیاد پر حالانکہ سب پڑھتے ہیں کتاب۔ اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے انہی کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (اور یہود کہنے لگے کہ نصاری) کا مذہب (کسی بنیاد پر) قائم (نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (حالانکہ یہ سب) فریقین کے لوگ آسمانی (کتابیں) بھی (پڑھتے) پڑھاتے (ہیں) یعنی یہود توریت کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور دونوں کتابوں میں دونوں رسولوں اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے جو کہ دونوں مذہبوں کی اصل بنیاد ہے گو منسوخ ہو جانے کی بنا پر قابل عمل نہ ہو یہ اور بات ہے۔

اور اہل کتاب تو ایسے دعوے کرتے ہی تھے انکی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش آیا اور (اسی طرح سے یہ لوگ) بھی (جو کہ محض بے علم ہیں ان اہل کتاب کا سا قول دہرانے لگے) کہ ان یہود و نصاری سب کا دین بے بنیاد ہے۔ حق پر بس ہم ہی ہیں (سو) یہاں سب اپنی اپنی ہانک لیں (اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان) عملی (فیصلہ کر دیں گے قیامت کے دن ان تمام مقدمات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے) اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ ان تینوں باطل جماعتوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جب کہ اہل حق کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قولی اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں

بھی ہو چکا ہے۔

گیار ہویں قباحت:اللہ کی مساجد کو ویران کرنے کی کوشش

یہود تو قبلہ کا حکم بدلنے کے وقت طرح طرح کے اعتراض کر کے کم سمجھ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے تھے، اگر وہ شبہات عام طور پر قلوب میں اثر کرتے تو ان کا لازمی نتیجہ انکار رسالت اور ترک نماز نکلتا اور ترک نماز سے مسجد کی ویرانی لازم ہے، تو گویا یہ یہودی اس طور سے ترک نماز اور مساجد خصوصاً مسجد نبوی ﷺ کی ویرانی میں بھی کوشاں تھے۔ اور روم کے بعض مشرک حکمران جو نصاریٰ کے اسلاف تھے اور گو وہ نصرانی نہ تھے لیکن ان کے افعال کا انکار بھی نہ کرتے تھے، کسی زمانے میں شام کے یہود پر چڑھ آئے تھے، قتل و قتال بھی ہوا اور اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی اور بدامنی کی وجہ سے اس میں نماز وغیرہ کا اہتمام بھی نہ ہوا، اس طور پر نصاریٰ کے اسلاف ترک نماز اور ویرانی مسجد کے بانی ہوئے اور نصاریٰ پر اس وجہ سے کہ وہ اس فعل پر راضی تھے اس کا الزام دیا گیا، اس بادشاہ کا نام طیطس (TITUS) تھا اور نصاریٰ کو یہ قصہ اس لئے گوارا تھا کہ اس میں یہودیوں کی تذلیل ہوئی تھی اور یہ یہود سے عداوت رکھتے تھے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے پہلے جب مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مسجد الحرام کا طواف اور نماز ادا فرمانی چاہی تو مشرکین مکہ نے آپ کو نہ جانے دیا یہاں تک کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لے آئے، تو اس طرح یہ مشرکین بھی مسجد حرام کی ویرانی میں کوشاں ہوئے، اس لئے حق تعالیٰ نے صیغہ عموم سے اس کی قباحت اور برائی ظاہر فرمائی، یعنی

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں) جس میں مکہ کی مسجد حرام، مدینہ کی مسجد، بیت المقدس کی مسجد اور سب مسجدیں آگئیں (ان کا ذکر) اور عبادت (کئے جانے سے بندش کرے اور ان) مساجد (کے ویران) اور معطل (ہونے) کے بارے (میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت) اور بیباک (ہو کر ان) مساجد (میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا) بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے۔ جب بیباک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک

حرمت کا حق کب حاصل ہے، اسی کو ظلم فرمایا گیا (ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی) نصیب (ہو گی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہو گی)۔

بارہویں قباحت: حکم الٰہی پر اعتراض: یہود نے تبدیل قبلہ کے حکم پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان سابقہ جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے، اس کا جواب دیتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔ بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (اور اللہ ہی کی مملوک ہیں) سب جہتیں (مشرق بھی اور مغرب بھی) اور وہ اللہ کا مکان نہیں کہ وہ ان میں سمائے ہوئے ہوں۔ پس جب وہ مالک ہیں جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں، پھر تعیین قبلہ کی حکمت میں مثلاً یہ ہے کہ عبادت گذاروں کی ہیئت ایک ہو اور انکو دلجمعی حاصل ہو اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہو سکتی ہے، جس کا حکم دیدیں وہی متعین ہو جائے گی، ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی خاص جہت ہی میں ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ کا انحصار مناسب تھا۔ لیکن ذات الٰہی کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں۔ جب یہ بات ہے (تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر) ہی (اللہ تعالیٰ) کی ذات پاک (کا رخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ) خود تمام جہات اور اشیاء کو (محیط ہیں) اور اس طرح سے احاطہ کئے ہوئے ہیں جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن محیط و غیر محدود ہونے کے باوجود پھر بھی عبادت کی جہت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ (کامل العلم ہیں) کہ ہر شے کی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں اور چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصلحتوں سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیدیا۔

تیرہویں قباحت: یہود کا اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا ماننا

بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور ان کے علاوہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کے قول کی قباحت اور بطلان کا بیان ہوتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد۔ وہ تو (ایسی سب باتوں سے) پاک ہے، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب اسی کے تابعدار ہیں، ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جب پورا کرنا چاہتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (اور یہ لوگ) مختلف عنوان سے (کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ) کیا مہمل بات ہے (بلکہ) اللہ کی تو اولاد ہونا عقلاً ممکن نہیں، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہو گی اور یا ہم جنس ہو گی، اگر غیر جنس ہو تب تو نا جنس اولاد ہونا عیب ہے، جب کہ حق تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں عقلاً بھی جیسا کہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور نقلاً بھی جیسا کہ خود سبحانہ کے لفظ سے معلوم ہوا اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں، کیونکہ جو صفات کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے لازم ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور غیر اللہ میں معدوم ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی سی صفات کمال کسی دوسرے میں ہیں ہی نہیں تو دوسرا خدا کیسے ہو سکتا ہے اور وہ خدا کا ہم جنس کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہم جنس تو وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام خدائی اوصاف ہوں جو خدا کے لئے لازم ہیں۔ اب صفات کمال صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہونے کی دلیلیں مذکور ہوتی ہیں اول یہ کہ (خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں) موجودات (ہیں) اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ (سب ان کے محکوم) بھی (ہیں) بایں معنی کہ ان کے تصرفات قدرت جیسے مارنا، جلانا وغیرہ کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، گو احکام شرعیہ کو کوئی ٹال دے اور ان پر عمل نہ کرے اور تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ (موجد) بھی ہیں (آسمانوں اور زمین کے اور) چوتھے یہ کہ ایجاد کی قدرت بھی ایسی عظیم و عجیب ہے کہ (جب کسی کام) مثلاً پیدا ہی کرنے (کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس) اتنی بات ہے کہ (اس کو) اتنا (فرما دیتے ہیں کہ ہو جا، بس وہ) اسی طرح (ہو جاتا ہے) ان کو آلات و اسباب اور صناعوں اور مددگاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ چاروں باتیں سوائے حق تعالیٰ کے کسی میں نہیں پائی جاتیں اور یہ اللہ کے لئے اولاد کے دعویداروں کو بھی تسلیم تھا، لہذا دلیل سے خصوصیت کا دعویٰ بھی ثابت ہو کر حجت تمام ہو گئی۔

فوائد: خاص خاص کاموں مثلاً بارش، رزق وغیرہ پر خاص خاص ملائکہ کو مقرر کرنا، اور اسی طرح اسباب اور مادے اور قوتوں سے کام لینا، یہ سب کسی حکمت خداوندی کی بنا پر ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ لوگ انہیں اسباب و قوتوں کو حاجت روا مان کر استعانت و مدد کے طلب گار ہوں۔

چودھویں **قباحت**: حق طلبی سے نہیں بلکہ محض ضد سے معجزے طلب کرنا

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل۔ اسی طرح کہتے چلے آئے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات۔ ایک سے ہیں دل ان کے۔ بے شک ہم نے بیان کر دیں صاف صاف دلیلیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین چاہتے ہیں۔

تفسیر: (اور) بعضے (جاہل) یہود و نصاریٰ اور مشرکین، رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں (یوں کہتے ہیں کہ) خود (اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے) خواہ کسی واسطہ کے بغیر جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں، یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کرتے ہیں اور اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتا دیں کہ رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں، تو ہم ان کی ہی رسالت کے قائل ہو کر ان کی اطاعت کرنے لگیں (یا) کلام نہیں کرتے تو ثبوت رسالت کی (ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجائے) حق تعالیٰ اولاً اس بات کا جاہلانہ رسم ہونا بتاتے ہیں کہ (اس طرح وہ) جاہل (لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان ہی کا سا) جاہلانہ (قول) سو معلوم ہوا کہ یہ قول کوئی باوقعت اور باریک بینی پر مبنی نہیں، یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے، پھر ثانیاً اس قول کا منشاء اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ (ان سب) اگلے پچھلے جاہلوں (کے قلوب) کج فہمی میں (باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) اس لئے سب سے بات بھی ایک ہی سی پیدا ہوئی، پھر ثالثاً اس قول کا جواب دیتے ہیں اور چونکہ اس قول کا جزو اول حماقت محض تھا کہ اپنے کو باوجود جہالت اور بے علمی کے ملائکہ اور انبیا کا ہم پلہ بنانا چاہتے تھے اور اس کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، اس لئے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے جزو کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تم تو ایک دلیل کو لئے پھرتے ہو (ہم نے تو بہت سی دلیلیں) رسالت محمدیہ کے ثبوت میں (صاف صاف بیان کر دی ہیں) مگر وہ (ان لوگوں کے لئے) نافع و کافی ہو سکتی ہیں (جو یقین) اور اطمینان حاصل کرنا (چاہتے ہیں) اور چونکہ معترضین کو محض ضد اور کد ہی مقصود ہے اس لئے حق پالینے کی غرض سے ان کو تحقیق ہی منظور نہیں، سو ایسوں کی تسلی و تشفی کا کون ذمہ دار بنے۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے، ان میں اہل علم بھی تھے، اس کے باوجود کو اللہ تعالیٰ نے جو

ان کو جاہل فرمایا تو اس لئے کہ باوجودیکہ قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کردیئے گئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جارہے تھے تو جہالت نہیں تو اور کیا تھا، اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی، لہذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جاہل فرمایا۔

ربط: چونکہ یہاں اس کا مقام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس جہالت اور عناد سے دلی تنگی ہو جاتی اور ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آنے سے غم ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں آپ کو تسلی فرماتے ہیں۔

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ بِٱلۡحَقِّ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗاۖ وَلَا تُسۡـَٔلُ عَنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلۡجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں ہوگی دوزخ میں جانے والوں کی۔

تفسیر: اے رسولؐ (ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر) خلق کی طرف (بھیجا ہے کہ) ماننے والوں کو (خوش خبری سناتے رہئے اور) نہ ماننے والوں کو سزا سے ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی) کہ ان لوگوں نے کیوں نہیں قبول کیا اور کیوں دوزخ میں گئے، آپ اپنا کام کرتے رہئے، آپ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔

ربط: یہاں تک یہود کی چند قباحتیں جن میں سے بعض میں نصاریٰ بھی شریک ہیں بیان فرمائی گئیں۔ آگے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے ایمان کی امید نہ رکھنا چاہئے جو نعوذ باللہ آپ ﷺ کو اپنی راہ پر چلانے کی فکر میں ہیں۔

وَلَن تَرۡضَىٰ عَنكَ ٱلۡيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡۗ قُلۡ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلۡهُدَىٰۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعۡتَ أَهۡوَآءَهُم بَعۡدَ ٱلَّذِي جَآءَكَ مِنَ ٱلۡعِلۡمِ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِيّٖ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ: اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو جائے ان کے دین کا، تو کہہ دے اللہ کی راہ ہدایت ہی راہ ہدایت ہے اور اگر تو تابعداری کرنے لگے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تیرے پاس آیا، تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔

تفسیر: اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپ خدانخواستہ ان کے مذہب کے) بالکل (پیرو نہ ہو جائیں) اور یہ محال ہے، (پس ان) کا راضی ہونا بھی محال ہے۔ اور اگر کبھی اس قسم کی بات ان کی زبان یا حال سے مترشح ہو تو (آپ) صاف (کہہ دیجئے کہ) بھائی (حقیقت میں ہدایت کا تو وہی راستہ ہے جس کو خدا نے) ہدایت کا راستہ (بتایا ہے) اور دلائل سے ایسا راستہ صرف اسلام ہونا ثابت ہو چکا ہے، لہذا راہ ہدایت وہی رہا (اور) یہ بات کہ آپ نعوذ باللہ ان کے مذہب کے پیرو ہو جائیں اس لئے محال ہے کہ اس سے ایک اور محال لازم آتا ہے کیونکہ (اگر آپ ان کے غلط خیالات کا اتباع کرنے لگیں) جس کو وہ اپنا مذہب سمجھتے ہیں، مگر ایک تو تحریف ہونے کی وجہ سے اور دوسرے منسوخ ہو جانے سے اب وہ محض چند غلط خیالات کا مجموعہ رہ گیا ہے، اور پھر اتباع بھی کیسی حالت میں کہ (علم) قطعی ثابت بالوحی (آچکنے کے بعد تو) ایسی حالت میں تو (آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار ہوگا نہ مددگار) بلکہ تو بہ تو بہ پنجہ قہر میں گرفتار ہو جانا لازم آئے گا اور یہ لازم محال ہے، کیونکہ قطعی دلائل سے آپ کے لئے حق تعالیٰ کی رضامندی کا دوام ثابت ہے، پس غضب محال ہے، اور چونکہ مذکور اتباع سے یہ لازم آیا تھا، اس لئے مذکور اتباع بھی محال، اور بغیر اتباع کے ان کا راضی ہونا غیر ممکن، تو ایسی بات کی امید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اس سے دل کو خالی کر لینا چاہئے۔

ربط: یہاں تک اہل کتاب میں سے معاندین کا ذکر تھا۔ اس کے بعد قرآن کی حسب عادت انصاف پسند اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے حق واضح ہونے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع اختیار کر لیا۔ لہذا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب (جب) وہ اس کو پڑھتے رہے جیسا حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

تفسیر: (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات وانجیل (دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت) اس طرح (کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے) کہ قوت علمیہ کو مضامین کے سمجھنے میں خرچ کیا اور قوت ارادیہ کو اتباع حق کا عزم کرنے میں استعمال کیا (ایسے لوگ) البتہ آپ کے (اس) دین حق اور علم وحی (پر ایمان لے آتے ہیں، اور جو شخص نہ مانے گا) کس کا نقصان کرے گا (خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے) کہ ایمان پر جو ثمرات عطا ہوتے ہیں ان سے محروم رہیں گے۔

اوپر کی آیت تک نبی اسرائیل کے متعلق جن خاص مضامین کا بیان کرنا مقصود تھا وہ تو ختم ہوئے، اب ان مضامین کی ابتدائی تمہید جس کے اجمال کے یہ سارے مضامین تفصیل تھے، اس کو دوبارہ پھر بیان کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ تمہید کا اصل مضمون (یعنی ترغیب کے لئے عام و خاص انعامات کا یاد دلانا، اور ترہیب کے لئے قیامت کو پیش نظر کر دینا) تکرار کی وجہ سے خوب ذہن نشین ہو جائے کیونکہ اصل مقصود تو کلیات اور اصول ہوتے ہیں، جن کا استحضار ان کے اختصار کی وجہ سے سہل اور آسان ہوتا ہے اور ان کی جامعیت کے ذریعہ سے ان کے جزئیات کا محفوظ رکھنا آسان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں گفتگو اور تقریر میں انتہائی بلیغ سمجھا جاتا ہے کہ مفصل اور طویل بات کرنے سے پہلے اختصار کے ساتھ اجمالی بیان کر دیا جائے جو آگے کی تفصیلات کو سمجھنے میں معین و مددگار ہو، اور آخر میں بطور خلاصہ اور نتیجہ اسی اجمالی بیان کا پھر اعادہ کر دیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اس میں ایک ضرر یہ ہے دوسرا یہ ہے تیسرا یہ ہے اس طرح دس بیس مضرتیں گنوا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرض تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اسی طور پر اس آیت یٰبنی اسرائیل کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری ان نعمتوں کو جن کا میں نے انعام کیا تم پر اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر۔ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ مطالبہ ادا کر سکے گا کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ فائدہ دے گی اس کو سفارش اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد یعقوب) علیہ السلام (میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر) وقتاً فوقتاً (انعام کیا، اور اس کو) بھی یاد کرو کہ (میں نے تم کو بہت لوگوں پر) بہت سی باتوں میں (فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے) یعنی روز قیامت سے (جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ) اور حق واجب (ادا کرنے پائے گا، اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ) بجائے حق واجب کے (قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی کوئی سفارش) جب کہ ایمان نہ ہو (مفید ہو گی اور نہ ان لوگوں کو کوئی) بزور (بچا سکے گا)

ربط: یہاں تک بنی اسرائیل کی برائیوں اور نافرمانیوں کا بیان تھا جن میں سے ایک بدعنوانی یہ بھی تھی کہ بعض احکام کے منسوخ کئے جانے پر خصوصاً تحویل قبلہ کے حکم پر ان کا اعتراض تھا جس کا جواب اوپر

کی بعض آیات میں ذکر ہوا ہے۔ چونکہ اس خاص حکم میں ان لوگوں کا شور و شغب زیادہ تھا نیز ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اس مخالفت کا اثر ہو جانا بھی کچھ عجیب نہ تھا علاوہ ازیں نماز خود اسلام کا رکن اعظم ہے اور اس بحث کا نماز سے تعلق تھا اس لئے ان اسباب کا تقاضا ہے کہ اس بارے میں کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے۔ وہ تفصیلی کلام یہاں سے شروع ہو کر تقریباً چار رکوع تک پھیلا ہوا ہے جس کی ترتیب بھی نہایت خوش اسلوب واقع ہوئی ہے کہ پہلے بانی کعبہ کی فضیلت اور ان کا امام خلق ہونا بیان کیا پھر کعبہ کی فضیلت اور اس کی تعمیر کا قصہ ذکر فرمایا اور اس کے سیاق و سباق میں بہت سے مضامین اس کے مناسب اور تائید میں لائے گئے۔ پھر حاکمانہ اختیار سے اس کعبہ کا قبلہ بنانا بیان کیا پھر اس میں جن حکیمانہ مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ان کو ذکر فرمایا اور درمیان درمیان میں اور مضامین جو موقع کے مناسب تھے بیان ہوئے جن میں امام القبلتین ﷺ کا حضرت ابراہیم کے ساتھ تعلق و خصوصیت اور آپ کا پوری مخلوق کے لئے نعمت عظمی ہونا بھی بتا دیا گیا تا کہ ہر اعتبار سے مضمون مکمل ہو جائے۔

فضیلت بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں اور اس نے انکو پورا کر دیا، تب فرمایا میں تجھ کو بناؤں گا سب لوگوں کا پیشوا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی۔ فرمایا نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو۔

تفسیر: (اور جس وقت امتحان کیا) حضرت (ابراہیم کا ان کے پروردگار نے) اپنے احکام میں سے (چند باتوں میں) مثلاً ان کو پوری قوم اور پورے خاندان کے عقائد و رسوم کے مخالف دین حنیف عطا کیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کی تبلیغ کریں۔ اس کی خاطر ان کو انتہائی بھڑکتی آگ میں بھی ڈالا گیا۔ پھر ایک یہ حکم ملا کہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو خشک پہاڑ اور بے آب و گیاہ گرم ریگستان میں تنہا چھوڑ کر واپس آ جائیں۔ اور جب وہی بچہ بھاگ دوڑ اور کام کاج کے قابل ہوا تو حکم ہوا کہ اب اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیں۔ ان کے علاوہ طہارت، عبادات اور دیگر امور سے متعلق بہت سے احکام دیئے گئے (اور وہ ان کو پورے طور سے بجا لائے) ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بیوی بچے کی بھی حفاظت فرمائی اور بچے کو ذبح ہونے سے بچا کر اس کی جگہ مینڈھا عطا فرمایا۔ امتحانوں میں پورا اترنے پر (اللہ تعالیٰ نے) ان سے (فرمایا کہ میں تم کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو) پیشوائیت عطا کیجئے گا (ارشاد ہوا

کہ) آپ کی درخواست منظور ہے اور میرا آپ سے وعدہ ہے مگر اس کا ضابطہ سن لیجئے کہ (میرا) یہ (وعدہ) میرے قانون کی (خلاف ورزی کرنے والے کو نہ پہنچے گا) اور ایسے لوگوں کو تو صاف جواب ہے البتہ اطاعت کرنے والوں میں سے بعض کو نبوت و پیشوائیت دی جائے گی۔

فائدہ: امتحان دو غرض سے ہوتا ہے۔ کبھی تو اس واسطے کہ امتحان کرنے والا خود اس شخص کی حالت و لیاقت کو جاننا چاہتا ہے۔ سو یہ امتحان لینا تو ذات حق میں محال ہے کیونکہ ان کو سب کچھ پہلے ہی معلوم ہے۔ اور کبھی امتحان لینے والا خود تو جانتا ہے لیکن دوسرے دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی حالت کا پیش کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ امتحان دینے والے کی عظمت ثابت ہو جائے اور دوسروں کو محرومی یا ترجیح کی شکایت کا موقع نہ رہے یا اگر امتحان کسی مجرم کا ہے تو خود وہ بھی اپنے دل میں انصاف کر لے اور دوسرے بھی ظلم و زیادتی کا شبہ نہ کر سکیں۔ تو ایسا امتحان لینا حق تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں۔ جہاں کہیں حق تعالیٰ کا بندوں کو امتحان کرنا مذکور ہے وہاں یہی دوسری قسم مراد ہے۔

فضیلت کعبہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿١٢٥﴾

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور امن کی جگہ اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم دیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ (جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد) جو کہ جائے ثواب اور جائے اجتماع ہوتا ہے (اور) مقام (امن) ہمیشہ سے (مقرر رکھا اور) آخر میں امت محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لئے (مقام ابراہیم کو) کبھی کبھی یعنی طواف کے بعد بھی اور اس کے علاوہ بھی (نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو۔ اور ہم نے) بناء کعبہ کے وقت حضرت (ابراہیم) و حضرت (اسمٰعیل) علیہما السلام (کی طرف حکم بھیجا کہ میرے) اس (گھر کو خوب پاک) صاف (رکھا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے)

فائدہ: 1- مقام امن دو وجہ سے فرمایا۔ ایک تو یہ کہ اس میں حج و عمرہ اور نماز و طواف کرنے سے

عذاب دوزخ سے امن ہوتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اگر کوئی قاتل حدود کعبہ یعنی حرم میں جا گھسے تو وہاں اس کو سزائے موت نہ دیں گے البتہ اس کی رسد وغیرہ بند کر دیں گے یہاں تک کہ باہر نکل آئے پھر پکڑلیں گے۔ اسی طرح اس جگہ شکار بھی کرنا حرام ہے۔

2- مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی عمارت بنائی ہے اور وہ کعبہ کے پاس ایک محفوظ جگہ رکھا ہے۔ وہاں نفلیں اور طواف کی دو رکعتیں پڑھنا ثواب ہے۔

3- آیت میں جو مقام ابراہیم کو اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود مصلی فرمایا ہے تو اس کا چھوٹا ہونا اس سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس پر صرف قدم رکھنے سے بھی مصلی ہونا صادق آتا ہے۔ باقی یہ بات کہ اب اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو اصل یہ ہے کہ اس کے قریب کی جگہ بھی اس کے تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے جیسا مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو اضافہ ہوا ہے وہ اس کے تابع ہے۔

ربط: آگے تعمیر کعبہ اور اس تعمیر میں تعمیر کرنے والے کے اخلاص اور اس کے ضمن میں جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی بانی کعبہ کے ساتھ خصوصیت کا ذکر ہوتا ہے۔

تعمیر کعبہ اور بانی کعبہ کے اخلاص اور دعا کا قصہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو کوئی ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اللہ نے

فرمایا اور جو کفر کرے اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل۔ دونوں دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہمارے اور بنا ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی بنا ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتا ہم کو احکام حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھ کر سنائے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور صحیح سمجھ کی باتیں اور پاک کرے ان کو۔ بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جس وقت ابراہیم) علیہ السلام (نے) دعاء میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس) جگہ (کو ایک) آباد (شہر بنا دیجئے) اور شہر بھی کیسا (امن) امان (والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں) کی قسم (سے بھی عنایت کیجئے) اور میں سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص (ان کو) کہتا ہوں (جو ان میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں)۔ باقیوں کو آپ جانیں۔ (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) کہ چونکہ دنیا میں ہمارا رزق کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لئے ثمرات سب کو دوں گا، مومن کو بھی (اور اس شخص کو بھی جو کافر رہے) البتہ آخرت میں نجات چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے (سو) اس واسطے (ایسے شخص کو) جو کہ کافر رہے (تھوڑے روز) یعنی دنیا میں (تو خوب آرام پہنچاؤں گا) لیکن (پھر) بعد مرگ (اس کو کشاں کشاں دوزخ کے عذاب میں پہنچادوں گا اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے) اللہ بچائے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں) یعنی دیواریں بنا رہے تھے (اور) ان کے ساتھ (اسمٰعیل علیہ السلام بھی) اٹھا رہے تھے اور دونوں یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ (اے ہمارے پروردگار) یہ خدمت (ہم سے قبول فرمائیے، بلاشبہ آپ خوب سننے والے، جاننے والے ہیں) ہماری دعاء کو سنتے ہیں ہماری نیتوں کو جانتے ہیں (اے ہمارے پروردگار اور) ہم دونوں یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ (ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور) نیز (ہم کو ہمارے حج) وغیرہ (کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر) مہربانی کے ساتھ (توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے، مہربانی کرنے والے)

(اے ہمارے پروردگار اور) یہ بھی دعاء ہے کہ (اس جماعت کے اندر) جس کے پیدا ہونے کی دعاء اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں (انہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنایا

کریں اور ان کو) آسمانی (کتاب) کے مضامین (کی اور) اس میں (صحیح سمجھ) کا سلیقہ حاصل کرنے کی (کی تعلیم دیا کریں اور ان کو) اس تعلیم و تلاوت کے ذریعہ جہالت کے خیالات اور اعمال سے (پاک کریں، بلاشبہ آپ ہی غالب قدرت والے ہیں) کہ سب درخواستیں پوری کر سکتے ہیں (کامل انتظام والے ہیں) کہ جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی۔

جس جماعت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صرف بنی اسماعیل ہیں جن میں جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے لہٰذا یہاں جن پیغمبر کے لئے دعا ہے اس سے مراد بھی صرف آپ ہوئے کیونکہ یہ دعا دونوں صاحبوں نے کی ہے اور یہاں وہی جماعت مراد ہو سکتی ہے جو دونوں کی اولاد میں ہو اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ وہ اس جماعت میں سے ہوں تو وہ جماعت نبی اسماعیل ہوئی اور پیغمبر آپ ﷺ ہوئے۔

ربط: اوپر کی آیتوں سے ضمناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہبی طریقہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام اور اطاعت حق ہے جیسا کہ واجعلنا مسلمین میں تصریح ہے اس پر وہ خود بھی کاربند تھے اور اسی کی انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اس مناسبت سے اگلی آیت میں ان لوگوں کی غلط کاری بیان فرماتے ہیں جو اتباع ابراہیمی کے دعوے کے باوجود ان کے اس مذہبی طریقے کو چھوڑے بیٹھے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا اتباع اختیار نہیں کرتے۔ اس طریقہ کا چھوڑنا اس طرح لازم آیا کہ اس طریقے کا حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کی جائے اب جس زمانہ کے لئے جو حکم ہو۔ چونکہ نقلی دلائل یعنی کتب سابقہ کی تصریحات اور عقلی دلائل سب سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت ہے لہٰذا اب حکم الٰہی کی اطاعت یہی ہے کہ آپ کا اتباع کیا جائے۔ جب دلائل کے باوجود آپ کا اتباع اختیار نہ کیا تو اس طریقہ کا ترک لازم آیا۔

ملت ابراہیمی جو اب اسلام میں منحصر ہے اس کو چھوڑنے کی غلط کاری

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ؕ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: اور نہیں کوئی روگردانی کرتا ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو۔ اور بیشک ہم نے منتخب کیا دنیا میں ان کو اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں ہیں،

یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ فرمانبرداری کر تو بولا کہ میں فرمانبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا، اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے منتخب کیا ہے تمہارے لئے دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

تفسیر: (اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو، اور) ایسی ملت کے تارک کو کیونکر احمق نہ کہا جائے جس کی یہ شان ہو کہ اسی کی بدولت (ہم نے ان) ابراہیم علیہ السلام (کو) عہدہ رسالت کے لئے (دنیا میں منتخب کیا اور) اسی کی بدولت (وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں) جن کے لئے سب ہی کچھ ہے۔ اور یہ عہدہ رسالت کے لئے انتخاب اس وقت ہوا تھا (جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے) بطور الہام کے (فرمایا کہ تم) حق تعالیٰ کی (اطاعت اختیار کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی) پس اسی اطاعت کے اختیار کرنے پر ہم نے ان کو شرف نبوت دیدیا خواہ اسی وقت ہو یا کچھ وقت کے بعد (اور اسی) مذکور ملت پر قائم رہنے (کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور) اور اسی طرح (یعقوب علیہ السلام بھی) اپنے بیٹوں کو وصیت کر گئے ہیں جس کا یہ مضمون تھا کہ (میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین) اسلام و اطاعت حق (کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، سو تم) دم مرگ تک اس کو مت چھوڑنا اور (بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا)

ربط: اوپر ثابت کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے بیٹوں کو اسلام یعنی اطاعت الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چونکہ یہود اور نصاریٰ اپنے زعم میں ان دونوں رسولوں کو اور ان کی وصیت کے موافق ان کی اولاد کو یہودی یا نصرانی کہتے تھے جیسا کہ چند آیات کے بعد ذکر ہے حالانکہ ان کا دعویٰ وصیت کے مضمون کے خلاف تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں ایک خاص طرز سے اس کی نفی فرماتے ہیں اور خاص حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ بنی اسرائیل خاص ان کی اولاد ہیں۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَآئِكَ إِبْرَٰهِمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادوں کے معبود کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے

فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: (کیا) تم لوگ کسی معتبر صحیح نقل سے مذکورہ دعویٰ کرتے ہو یا (تم خود) اس وقت (موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا) اور (جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے) تجدید معاہدہ کے طور پر (پوچھا کہ تم لوگ میرے) مرنے کے (بعد کس کی پرستش کرو گے، انہوں نے) بالاتفاق (جواب دیا کہ ہم اس) ذات پاک (کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ) حضرات (ابراہیم واسماعیل واسحاق) علیہم السلام (پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم) احکام میں (اسی کی اطاعت پر) قائم (رہیں گے)

کسی منقول بات کے دعویٰ کی صحت دو ہی طریقوں سے ہو سکتی ہے یا نقل صحیح سے یا اپنے مشاہدہ سے۔ یہاں یعنی یہود و نصاریٰ کے اس دعوی میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے دم تک یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی یہ دونوں طریقے مفقود ہیں تو دعوی محض بلادلیل ہے بلکہ عقلی اور نقلی دلیل کے بھی خلاف ہے۔ عقلی دلیل کے خلاف تو اس وجہ سے کہ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے اور نصرانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوئیں جبکہ حضرات ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ ان دونوں رسولوں سے بہت زمانہ پہلے گذرے ہیں۔ نقلی دلیل کے خلاف اس لئے کہ قرآن جو کہ سچا ہے اس کے خلاف ہے۔

یہاں اگر کسی کو شبہ ہو کہ اسی طرح اسلام بھی تو رسول اللہ ﷺ کے وقت سے شروع ہوا ہے اور آپ ان حضرات سے بہت بعد میں ہوئے تو پھر اسلام ان حضرات کی ملت کب ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر اسلام کا جو معنی بتایا گیا ہے یعنی اطاعت حق اس سے تمام انبیاء علیہم السلام کا ملت اسلام پر ہونا ظاہر ہے۔ اس کے برخلاف یہودیت اور نصرانیت کی خاص شکل تو تورات اور انجیل کے مذہب کا نام ہے۔ اور اگر اس یہودیت و نصرانیت کا اعتبار کریں جس میں بہت کچھ تحریف ہو چکی تو وہ تو اطاعت حق سے بہت دور جا پڑی۔

ربط: اوپر ان سب حضرات انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا اور یہود و نصاریٰ کا رسول اللہ ﷺ کے اتباع کے ترک کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہونا ثابت ہوا تو اس سے ان کا عند اللہ غیر مقبول ہونا لازم آیا مگر ان لوگوں کو پیغمبروں کی اولاد میں ہونے یا ان سے نسبت ہونے کا زعم اور اس پر فخر تھا اور اس کو آخرت میں اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اگلی آیت میں اس خیال کا غلط ہونا اور محض انتساب کا ناکافی ہونا بتاتے ہیں۔

تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ ۚ وَلَا تُسۡـَٔـلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ہو گی ان کے کاموں کی۔

(وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانہ میں (گزر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہو گی) اور نہ ہی تم سے انکے اعمال کا تذکرہ ہو گا، رہا ان سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور کی بات ہے،

مقبول لوگوں کے ساتھ نسبت کا نافع نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو عقائد قطعیہ میں ان مقبولین کا مخالف ہو گو طبعاً ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو اور یہود و نصاریٰ ایسے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سابق رسول اس کی خبر دیتے آئے ہیں اور تورات وانجیل میں اس کا کھلا ذکر ہے یہ لوگ اسی میں مخالف تھے۔

ربط: جب رسول اللہ ﷺ کے دور نبوت میں یہودیت و نصرانیت کا ملت اسلام سے خارج ہونا ثابت ہوا تو اگلی آیت میں یہودیت و نصرانیت کی طرف بلانے والوں کے قول کا جواب دیا۔

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ حق کو۔ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں۔

تفسیر: (اور یہ) یہودی و نصرانی (لوگ) مسلمانوں سے (کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ) یہ تو یہود نے کہا تھا (یا نصرانی ہو جاؤ) یہ نصاریٰ نے کہا تھا (تم بھی راہ) حق (پر پڑ جاؤ گے) اے محمد ﷺ (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ ہم تو) یہودی یا نصرانی کبھی نہ ہوں گے، (بلکہ ابراہیم) علیہ اسلام (کی ملت) یعنی اسلام (پر رہیں گے جو ایک ہی طرف کے تھے) یعنی صرف اللہ ہی کے ہو رہے تھے (اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے)

فائدہ: 1-اس آخری جملہ سے یہ مقصود ہے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے یہودیت و نصرانیت میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد خالص تھے۔ اس لئے بھی یہودیت و نصرانیت اختیار کرنے کے قابل نہیں رہی۔

2- اگر کسی کو شبہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو تو مستقل شریعت دی گئی پھر آپ کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا کیا معنی اور اس سے بڑھ کر بعض آیات میں جو آپ کو ملت ابراہیمؑ کے اتباع کا حکم ہے تو اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے کہ اتباع حق ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ملت ہے۔ البتہ ہر زمانے کی شریعت میں اتباع حق کی خصوصیات بدلتی رہیں حتیٰ کہ اب اتباع حق شریعت محمدیہؐ میں آکر منحصر ہو گیا۔ پس ملت ابراہیمؑ ایک لقب ہے شریعت محمدیہ کا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے یا یہ کہنا کہ تم ملت ابراہیمؑ کا اتباع کرو اس کا ہم معنی ہے کہ کہا جائے کہ ہم شریعت محمدیہ پر رہیں گے اور تم شریعت محمدیہ کا اتباع کرو۔

ربط: آگے اسی ملت ابراہیم علیہ السلام کا خلاصہ ارشاد فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: تم کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر رہیں گے، اس ملت کی تفصیل بیان کرنے کے لئے (کہہ دو کہ) اس ملت پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ (ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر بھی جو ہمارے پاس) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (بھیجا گیا) خواہ کتابی وحی سے یا غیر کتابی وحی سے (اور اس) حکم (پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب) علیہ السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گزرے ہیں ان (کی طرف) بواسطہ وحی کے (بھیجا گیا اور اس) حکم اور معجزہ (پر بھی جو حضرت موسیٰ) علیہ السلام (اور حضرت عیسیٰ) علیہ السلام (کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء) علیہم السلام (کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) دوسرے سے ایمان لانے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں (اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے

مطیع ہیں) انہوں نے ہم کو یہ دین بتایا ہم نے اختیار کر لیا پس یہ حاصل ہے اس ملت کا جس پر ہم قائم ہیں، جس میں کسی کو اصلاً انکار وسر تابی کی گنجائش نہیں۔

مضمون کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو ہمارا دین کیسا انصاف اور حق کا ہے کہ سب انبیاء کو مانتے ہیں سب کتابوں کو سچا جانتے ہیں سب کے معجزات کو حق پہنچاتے ہیں گو بہت سے احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے عمل صرف شریعت محمدیہ پر کرتے ہیں جو خود مستقل اور مکمل ہے لیکن انکار و تکذیب کسی کی نہیں کرتے بخلاف یہودیت ونصرانیت کے کہ منسوخ ہونے کے علاوہ تحریف کی وجہ سے اب اس میں کسی کی تصدیق ہے اور کسی کی تکذیب ہے۔

ربط: جب ثابت ہو چکا کہ دین حق اب بس وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں تو اس پر بطور ایک نتیجے کے فرمایا۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

ترجمہ: سو اگر وہ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح پر تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پالیں گے وہ بھی۔ اور اگر روگردانی کریں تو پھر وہی ہیں مخالفت پر۔ سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

تفسیر: یعنی جب اوپر طریق اسلام میں دین حق کا منحصر ہونا ثابت ہو چکا (سو اگر وہ) یہود و نصاریٰ (بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم) اہل اسلام (ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ) حق (پر لگ جائیں گے، اور اگر وہ) اس سے (روگردانی کریں تو) تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ (وہ لوگ تو) ہمیشہ سے (برسر مخالفت ہیں ہی) اور اگر ان کی مخالفت سے کچھ اندیشہ ہو (تو) سمجھ لیجئے کہ (آپ کی طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ) تمہاری اور ان کی باتیں (سنتے ہیں) اور تمہارے اور ان کے سلوک (جانتے ہیں) تمہیں فکر و غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں یہود و نصاریٰ اور سب کفار کو مغلوب کر دیا جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

ربط: اس دین حق کا لقب اوپر ملت ابراہیم ذکر ہوا۔ اس میں اضافت و نسبت ایک نبی کی طرف ہے۔ آگے اس کا مزید شرف ظاہر کرنے کے لئے اس کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی جاتی ہے۔ اور دین کا حقیقی مضاف الیہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں نبی کی طرف نسبت تو ان کے مبلغ ہونے کی وجہ سے

مجازاً کی جاتی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! کہہ دو کہ ہم نے جو اوپر تم لوگوں کے جواب میں کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ (ہم) دین کی (اس حالت پر رہیں گے جس میں) ہم کو (اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے) اور رنگ کی طرح ہمارے رگ وریشہ میں بھر دیا ہے (اور) دوسرا (کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ) کے رنگ دینے کی حالت (سے خوب تر ہو)۔ جب اور کوئی دوسرا ایسا نہیں تو ہم نے اور کسی کا دین بھی اختیار نہیں کیا (اور) اس لئے (ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں)

ربط: اوپر کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ پر پورے طور پر حجت قائم ہو چکی پھر بھی وہ لوگ وہی دعوی بلا دلیل کئے جاتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں آخرت میں ان کی نجات نہ ہوگی اور ہم حق پر ہیں کیونکہ جس طریقے پر ہم ہیں یہ سب انبیاء بھی اسی طریقے پر تھے اس لئے اب دوسرے طرز سے جواب کی تعلیم دی۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو صرف اسی کیلئے (دین کو) خالص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی، کہہ دے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو، اور اس سے بڑا

ظالم کون ہو گا جس نے چھپائی وہ گواہی جو پہنچ چکی اس کے پاس اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (آپ) ان یہود و نصاریٰ سے (فرمادیجئے کہ کیا تم لوگ) اب بھی (ہم سے حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں) کہ وہ ہم کو قیامت میں نہ بخشیں گے (حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا) سب کا (رب) اور مالک (ہے) سو ربوبیت میں تو تمہارے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں جیسا کہ تمہارے بعض دعووں سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے مثل نحن ابناء الله (اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا) یہاں تک تو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے (اور) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ (ہم نے صرف حق تعالیٰ) کی خوشنودی (کے لئے اپنے) دین (کو) شرک وغیرہ سے (خالص کر رکھا ہے) بخلاف تمہارے موجودہ طریقہ کے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے خود شرک سے بھی مخلوط ہے جیسا ان کے اقوال عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ سے ظاہر ہے اور اس میں ہم کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے پھر ہم کو نجات نہ ہونے کے کیا معنی (یا) اب بھی اپنے حق پر ہونے کے ثابت کرنے کو یہی (کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب) میں جو انبیاء گزرے ہیں یہ سب حضرات (یہود یا نصاریٰ تھے) اور اس سے اس واسطہ سے کہ تم لوگ بھی یہود و نصاریٰ ہو اپنا حق پر ہونا ثابت کرتے ہو، سو اس کے جواب میں (اے محمد ﷺ) ایک اتنی مختصر سی بات ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا یہ بتاؤ کہ (تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ) اور ظاہر ہے کہ خدا ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ان انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا ثابت کر چکے ہیں، جیسا ابھی اوپر گذر چکا ہے (اور) یہ کافر بھی اس کو جانتے ہیں مگر چھپاتے ہیں سو (ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور) اے اہل کتاب (اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں) پس جب یہ حضرات یہود و نصاریٰ نہ تھے سو تم طریق دین میں ان کے موافق کب ہوئے پھر تمہارا حق پر ہونا ثابت نہ ہوا۔

ربط: یہود و نصاریٰ کے ملت اسلام سے خارج ہونے اور ان کے عند اللہ غیر مقبول ہونے کے باوجود ان لوگوں کے اس فخر و زعم کا کہ انبیاء کے ساتھ ان کی نسبت آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے جواب دینے کے لئے آیت تلك امة ارشاد فرمائی گئی۔ لیکن چونکہ وہ اپنے زعم باطل پر مصر تھے اور اپنی بات کی تکرار کئے جاتے تھے اس لئے آخری جواب کے طور پر اسی آیت کو تاکید کے طور پر دوبارہ لائے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ہو گی ان کے کاموں کی۔

تفسیر: (وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانے میں گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہو گی) اور جب خالی تذکرہ بھی نہ ہو گا تو اس سے تم کو کچھ نفع پہنچنا تو در کنار رہا۔

ربط: اوپر آیت واذابتلی ابراھیم ربہ سے تحویل قبلہ کے بارے میں جو مفصل کلام شروع ہوا تھا وہیں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکمانہ اختیار سے کعبہ کو قبلہ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ ذکر اب آیا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

ترجمہ: اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب۔ بتاتا ہے جس کو چاہے سیدھی راہ۔

تفسیر: بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ مسلمانوں کا بھی ابتدا میں یہی قبلہ تھا۔ جب کعبہ کو نماز کا قبلہ مقرر کیا گیا تو اس پر ناگواری کی وجہ سے (اب تو) یہ (بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان) مسلمانوں (کو ان کے) سابقہ سمت (قبلہ سے) کہ بیت المقدس تھا (جس کی طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے) دوسری سمت کی طرف (بدل دیا آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ سب) سمتیں خواہ (مشرق) ہو (اور) خواہ (مغرب) ہو (اللہ ہی کی ملک ہیں) خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو چاہیں مقرر فرمادیں، کسی کو وجہ و علت دریافت کرنے کا منصب حاصل نہیں ہے اور شرعی احکام کے باب میں سیدھا طریقہ یہی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں جو حکم چاہیں دیدیں ہے، لیکن بعضوں کو اس راہ کے اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی خواہ مخواہ علتیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں البتہ (جس کو خدا ہی) اپنے فضل سے (چاہیں) یہ (سیدھا طریقہ بتادیتے ہیں)۔

ربط: اور جس حاکمانہ اختیار سے ہم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنایا ہے اسی حاکمانہ اختیار سے ہم نے اور امتوں کو چھوڑ کر تم کو معتدل امت بنایا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

ترجمہ: اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

تفسیر: (اور) اے محمد ﷺ کی اتباع کرنے والو (اسی طرح ہم نے تم کو) مجموعی طور سے (ایسی ہی

ایک جماعت بنادیا ہے جو) ہر پہلو سے (نہایت اعتدال پر ہے) اور دین کے تمام شعبوں میں افراط و تفریط سے بچنے والی ہے (تاکہ تم) مجموعی طور پر (لوگوں پر گواہ بن جاؤ) کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو دین حق کی پوری پوری خبر دو (اور رسول تم پر گواہ بن جائیں) کہ وہ دین حق تم تک پورا پورا پہنچادیں اور تم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اس کو صحیح صحیح اختیار کرلو۔ اسی آیت کا ایک مصداق قیامت کے دن ظاہر ہوگا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی مخالف قوموں کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس امت کے لوگ گواہی دیں گے اور ان لوگوں کے عادل و معتدل اور معتبر ہونے کی گواہی رسول اللہ ﷺ دیں گے۔

فائدہ: ہر پہلو سے معتدل جو کہا گیا تو خاص تحویل قبلہ کے حکم میں اس کا مصداق یہ ہے کہ یہ امت نہ ایسی عامی ہے کہ اگر احکام کی حکمت بتائی جائے تب بھی نہ سمجھے اور نہ ایسی فلسفی کہ اگر حکمت نہ بتائی جائے تو اس کو جانے بغیر حکم ہی کو نہ مانیں۔ چنانچہ حکم دیئے جانے کے وقت حکمت نہیں بتائی گئی ویسے ہی مان لیا۔ بعد میں کچھ حکمتیں بتادیں تو ان کو جان لیا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ
مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى
الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ
بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے قبلہ کہ جس پر تو رہ چکا ہے مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہتا ہے رسول کا اور کون پھر جاتا ہے الٹے پاؤں۔ اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو ہدایت دی اللہ نے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: اصل میں تو شریعت محمدیہ کے لئے ہم نے کعبہ ہی قبلہ تجویز کر رکھا تھا (اور جس سمت قبلہ پر آپ) چند روز قائم (رہ چکے ہیں) یعنی بیت المقدس (وہ تو محض اس) مصلحت کے (لئے تھا کہ ہم کو) ظاہری اور خارجی وجود کے اعتبار سے بھی (معلوم ہو جائے کہ) اس کے مقرر ہونے سے یا بدلنے سے یہود اور غیر یہود میں سے (کون رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے) اور نفرت اور مخالفت کرتا ہے۔ اس امتحان کے لئے اس عارضی قبلہ کو مقرر کیا تھا، پھر اصلی قبلہ سے اس کو منسوخ کر دیا (اور یہ قبلہ کا بدلنا) راہ حق سے منحرف لوگوں پر (بڑا ثقیل ہوا) ہاں (مگر جن لوگوں کو اللہ

تعالیٰ نے) سیدھے طریق کی (ہدایت فرمائی ہے) جس کا بیان اوپر آچکا ہے کہ احکام الٰہیہ کو بے چون وچرا قبول کر لینا ان کو کچھ بھی گراں نہیں ہوا، جیسا پہلے اس کو خدا کا حکم سمجھتے تھے اب اس کو سمجھنے لگے (اور) ہم نے جو کہا ہے کہ بیت المقدس اصلی قبلہ نہ تھا، اس سے کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لائے کہ پھر تو جتنی نمازیں ادھر پڑھی ہیں وہ یا تو ضائع ہو گئیں یا ان میں ثواب کم ملا ہو گا کیونکہ اصل قبلہ کی طرف نہ تھیں، سو اس وسوسہ کو دل میں نہ لانا کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان) سے متعلق اعمال مثلاً نماز کے ثواب (کو ضائع) یا کم (کر دیں) اور (واقعی اللہ تعالیٰ تو) ایسے (لوگوں پر بہت ہی شفیق) اور (مہربان ہیں) تو ایسے شفیق مہربان پر یہ گمان کب ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی قبلہ کا اصلی یا غیر اصلی ہونا تو ہم ہی جانتے ہیں، تم نے تو دونوں کو ہمارا حکم سمجھ کر قبول کیا اس لئے ثواب بھی کسی کا کم نہ ہو گا۔

ربط: حاکمانہ جواب دے کر اب حکیمانہ جواب شروع ہوتا ہے۔ جس میں کئی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔

پہلی حکمت

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ
فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ
وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: بیشک ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو ہم ضرور پھیر دیں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف پسند کرتا ہے تو جس کو۔ تو اب پھیرے لے منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم موجود ہو پھیرو منہ اسی کی طرف، اور جن کو ملی ہے کتاب یقیناً جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: کعبہ کے قبلہ ابراہیمی ہونے اور آپ کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہونے کی وجہ سے آپؐ جو دل سے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور وحی کی امید میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے ہیں کہ شاید فرشتہ حکم لے آئے سو (آپؐ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں) اور چونکہ ہمیں آپؐ کی خوشی پورا کرنا منظور ہے (اس لئے) ہم وعدہ کرتے ہیں کہ (آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جو آپ کو پسند ہے)۔ لو پھر ہم حکم ہی دیئے دیتے ہیں کہ (اب

سے اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور) یہ حکم صرف آپ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ (تم سب) لوگ پیغمبر بھی اور امتی بھی (جہاں کہیں موجود ہو) خواہ مدینہ میں یا اور جگہ، یہاں تک کہ خود بیت المقدس میں بھی (اپنے چہروں کو اسی) مسجد حرام (کی طرف کیا کرو) اور اس قبلہ کے مقرر ہونے کے متعلق (یہ اہل کتاب بھی) بالعموم اپنی کتابوں کی پیشینگوئی کی وجہ سے کہ نبی آخر الزماں کا قبلہ اس طرح ہوگا (یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم بالکل ٹھیک ہے) اور (ان کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے) مگر دشمنی کی وجہ سے مانتے نہیں (اور اللہ تعالیٰ ان کی کارروائیوں سے ذرا بھی بے خبر نہیں ہے)

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ اہل کتاب اس قبلہ کا حق اور من جانب اللہ ہونا دل میں جانتے ہیں آگے ان کا عناد اور دشمنی سے نہ ماننا بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری دلیلیں جب بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی اس وقت ہوگا ان ظالموں میں سے۔

تفسیر: اور باوجود ان لوگوں کے سب کچھ سمجھنے کے ان کی ضد کی یہ حالت ہے کہ (اگر آپ) ان اہل کتاب کے سامنے (تمام) دنیا بھر کی (دلیلیں) جمع کر کے (پیش کر دیں جب بھی یہ) کبھی (آپ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور) ان کی موافقت کی امید اس لئے نہ رکھنی چاہئے کہ آپ کا قبلہ بھی منسوخ ہونے والا نہیں اس لئے (آپ بھی ان) کے قبلہ کو قبول نہیں (کر سکتے) پس موافقت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی (اور) جیسے ان اہل کتاب کو آپ سے ضد ہے ان میں باہم بھی موافقت نہیں کیونکہ (ان کا کوئی) فریق (بھی دوسرے) فریق (کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا) مثلاً یہود نے بیت المقدس لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا (اور) خدانخواستہ آپ تو کسی طرح ان کے قبلہ کو جواب منسوخ اور غیر مشروع ہے لے ہی نہیں سکتے کیونکہ (اگر آپ ان کے) ان (نفسانی خیالات کو) جو اگرچہ اصل میں آسمانی حکم رہے ہوں لیکن اب چونکہ منسوخ ہو چکے ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا محض نفسانی تعصب ہوگا۔ سو اگر

آپؐ ایسے خیالات کو (اختیار کر لیں) اور وہ بھی (آپؐ کے پاس علم) قطعی یعنی وحی (آنے کے بعد، تو یقیناً آپؐ) نعوذ باللہ (ظالموں میں شمار ہونے لگیں) جو کہ تارکین حکم ہیں۔ لیکن چونکہ آپؐ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے، اس لئے یہ بھی محال ہے کہ آپؐ ان کے خیالات کو جن میں سے ان کا قبلہ بھی ہے قبول کر لیں۔

ربط: اوپر اہل کتاب کا مسلمانوں کے قبلہ کو حق جاننے کے باوجود نہ ماننے کا ذکر تھا آگے ان ہی اہل کتاب کا صاحب قبلہ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کو حق جاننے اور خوب اچھی طرح پہچاننے کے باوجود نہ ماننے کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: وہ لوگ دی ہے ہم نے جن کو کتاب پہچانتے ہیں اس (رسولؐ) کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ اور بیشک بعض ان میں سے چھپاتے ہیں حق کو باوجود یہ کہ وہ خوب جانتے ہیں۔ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے سو تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے۔

تفسیر: (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات انجیل (دی ہے، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو) تورات وانجیل میں آئی ہوئی بشارت کی بناء پر بحیثیت رسالت (ایسا) بے شک وشبہ (پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو) ان کی صورت سے (پہچانتے ہیں) کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے، مگر آپ کو پہچان کر بھی سب مسلمان نہیں ہوتے، بلکہ بعض تو ایمان لے آئے (اور بعضے ان میں سے) ایسے ہیں کہ اس (امر واقعی کو باوجود یہ کہ خوب جانتے ہیں) مگر (چھپاتے ہیں) حالانکہ (یہ امر واقعی اللہ کی جانب سے) ثابت ہو چکا (ہے سو) ایسا امر واقعی جس کا اللہ کی جانب سے ہونا ثابت ہو اس کے بارے میں ہر ہر فرد کو کہا جا سکتا ہے کہ (ہرگز شک وشبہ لانے والوں میں سے نہ ہونا)

دوسری حکمت

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ

حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ
لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: اور ہر شخص کے واسطے ایک جانب ہے (یعنی قبلہ) کہ وہ منہ کرتا ہے اس کی طرف۔ سو تم سبقت کرو نیکیوں میں۔ جہاں کہیں تم ہو گے لے آئے گا اللہ تم کو اکٹھا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد حرام کی طرف۔ اور بے شک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (اور) تحویل قبلہ میں دوسری حکمت یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ (ہر) مذہب والے (شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ) عبادت میں (منہ کرتا رہا ہے) چونکہ شریعت محمدیہ بھی ایک مستقل دین ہے، اس کا قبلہ بھی ایک خاص ہو گیا، جب یہ حکمت سب پر ظاہر ہو چکی (تو) مسلمانو (تم) اب اس بحث کو چھوڑ کر اپنے دین کے (نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو) کیونکہ ایک روز اپنے مالک سے سابقہ پڑنا ہے، چنانچہ (تم خواہ کہیں ہو گے) لیکن (اللہ تعالیٰ تم سب کو) اپنے دربار میں (حاضر کر دیں گے) اس وقت نیکیوں پر جزا اور اعمال بد پر سزا ہو گی اور (بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور) اس حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح حضر میں کعبہ کی طرف رخ ہوتا ہے اسی طرح اگر مدینہ سے یا اور کہیں سے (جس جگہ سے بھی) کہیں سفر میں (آپ باہر جائیں تو) بھی (اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے،) غرض حضر و سفر سب حالتوں کا یہی قبلہ ہے (اور) قبلہ کا (یہ) حکم عام (بالکل حق) اور صحیح (ہے) اور (منجانب اللہ) ہے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں سے ذرا بے خبر نہیں)۔

تیسری حکمت

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ
شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد حرام کی طرف اور جس جہاں کہیں تم ہو

تو پھیر لو اپنے چہروں کو اسی کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع۔ مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کر دوں اپنا انعام تم پر اور تاکہ تم راہ پر رہو۔

تفسیر: (اور) مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ (آپ جس جگہ سے بھی) سفر میں (باہر جائیں) اور حضر میں بدرجہ اولی (اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف رکھئے، اور) اسی طرح سب مسلمان بھی سن لیں کہ (تم لوگ جہاں کہیں) موجود (ہو اپنا چہرہ) نماز میں (اسی) مسجد حرام (کی طرف رکھا کرو) اور یہ حکم اس لئے مقرر کیا جاتا ہے (تاکہ) ان مخالف (لوگوں کو تمہارے مقابلے میں) اس (گفتگو کی مجال نہ رہے) کہ اگر محمد مصطفیٰ ﷺ وہی نبی موعود آخرالزماں ہوتے تو ان کی علامات میں تو یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہو گا اور یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں، تو یہ تحویل قبلہ کی تیسری حکمت ہے، ہاں (مگر ان میں جو) بالکل ہی (بے انصاف ہیں) وہ اب بھی کٹ حجتی نکالیں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو اتنے نبیوں کے خلاف کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن جب ایسے مہمل اعتراضوں سے دین حق کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا (تو ایسے لوگوں سے) ذرا (اندیشہ نہ کرو) اور ان کے اعتراضوں کے جواب کی فکر میں مت پڑو (اور مجھ سے ڈرتے رہو) کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہونے پائے کہ یہی مخالفت یقیناً تم کو مضر ہے (اور) ہم نے ان سب مذکورہ احکام پر عمل کرنے کی توفیق بھی دی (تاکہ تم پر جو) کچھ (میرا انعام) و اکرام متوجہ (ہے) تم کو آخرت میں بہشت میں داخل کر کے (اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ) دنیا میں (تم راہ) حق (پر) یعنی اسلام پر قائم رہنے والوں میں (رہو) جس پر وہ تکمیل نعمت مرتب ہوتی ہے۔

ربط: یہاں تک قبلہ کی بحث چلی آرہی تھی، اب اس بحث کو ایسے مضمون پر ختم فرمایا ہے جو اس بحث کی تمہید میں بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں ضمناً آیا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ کا اولاد ابراہیم میں ایک خاص شان کے ساتھ مبعوث ہونا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت میں بانی کعبہ کی دعاء کو بھی دخل ہے، اس لئے اگر ان کا قبلہ کعبہ کو بنا دیا گیا تو اس میں کوئی تعجب یا انکار کی بات نہیں ہے۔ لہٰذا ارشاد ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: جس طرح بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں سے پڑھتا ہے تم پر آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور فہم کی باتیں اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

تفسیر: یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا جو تعمیر کعبہ کی

• مقبولیت کے بارے میں تھی اس طرح قبول کی (جس طرح ان کی دوسری دعا جو بعثت محمدؐیہ کے بارے میں تھی اس طرح قبول کی کہ (تم لوگوں میں ہم نے ایک) عظیم الشان (رسول کو بھیجا) جو کہ (تم ہی میں سے) ہیں اور وہ (ہماری آیات) واحکام (پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور) جاہلی خیالات ورسوم سے (تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب) الٰہی (اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی) مفید (باتیں تعلیم کرتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی) اور نہ سابقہ کتابیں یا عقل ان کے لئے کافی تھی اور اس شان کے رسول کے مبعوث ہونے کی ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی تو اس کا ظہور ہو گیا۔

ربط: چونکہ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر تھا یعنی کعبہ کا قبلہ بنانا، اس وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا خاص تعلق ہونا، ملت میں ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ موافق ہونا، تحویل قبلہ کے وقت مسلمانوں کا اطاعت پر قائم رہنا، ایسے رسول کی امت اور تابع ہونا اس لئے اگلی آیت میں ان نعمتوں کے دینے والے کے ذکر اور ان کی نعمت کے شکر کا حکم فرما کر پچھلے مضمون کی تکمیل فرمائی۔

فَاذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا۟ لِى وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

ترجمہ: سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور شکر گزاری کرو میری اور ناشکری مت کرو میری۔

تفسیر: ان مذکورہ نعمتوں پر (مجھ کو) نعمتیں دینے والے کی حیثیت سے (یاد کرو میں تم کو) عنایت و مہربانی سے) یاد رکھوں گا اور (میری) نعمت کی (شکر گذاری کرو اور) انکار نعمت یا ترک اطاعت سے (میری ناشکری مت کرو)

ربط: تحویل قبلہ پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراض کیا جاتا تھا اس کے دو اثر تھے، ایک مذہب اسلام پر کہ اعتراض سے مذہب کی حقانیت میں شبہ پیدا کیا جاتا ہے، اوپر کی آیتوں میں اس اعتراض کا جواب دے کر اس اثر کا دفع کرنا مقصود تھا، دوسرا اثر مسلمانوں کی طبیعت پر کہ ناحق اعتراض سے قلب میں رنج اور صدمہ پیدا ہوتا ہے خاص طور سے اس وقت جب اعتراض کا کافی جواب دیئے جانے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔ اگلی آیت میں رنج و صدمہ کی تخفیف کا طریقہ کہ صبر و صلوۃ ہے بتا کر اس دوسرے اثر کو زائل فرماتے ہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مدد لو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو!) طبیعتوں میں غم ہلکا کرنے کے بارے میں (صبر اور نماز سے سہارا) اور مدد (حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ) ہر طرح سے (صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں) اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب صبر میں یہ وعدہ ہے تو نماز جو اس سے بڑھ کر ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ یہ بشارت ہو گی۔

فائدہ: غم وحزن کی تخفیف میں صبر کو جو دخل اور اثر حاصل ہے وہ تجربہ اور مشاہدہ سے ہر ایک پر ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ نماز کو اس میں کیا دخل ہے؟ تو جیسے کسی دوا کے خواص ہوتے ہیں جو تجربہ سے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح نماز جو حضور قلب کے ساتھ ہو اس کے بھی اپنے خواص ہیں جن میں سے ایک تخفیف حزن ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ان خواص کو معلوم کرنا مشکل نہیں۔ اور ایک عام توجیہ یہ ہے کہ غم وحزن کی تخفیف کا مدار اس پر ہے کہ قلب کو کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ اور مشغول کر دیا جائے اس سے طبیعت بہت بہل جاتی ہے۔ تو جب حضور قلب کے ساتھ نماز میں مشغولیت ہو گی اس سے عبادت اور معبود کی طرف یکسوئی اور توجہ ہو گی۔ اس عمل کی تکرار سے غم کا اثر کمزور ہونا شروع ہو گا۔

ربط: اوپر ایک خاص ناگوار واقعہ میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ اگلی آیتوں میں بعض دیگر خلاف طبع واقعات کی تفصیل اور ان میں صبر کی ترغیب اور فضیلت بیان فرماتے ہیں جن میں کفار کے ساتھ قتل وقتال کے مضمون کو پہلے لائے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بڑا عمل ہے اور بڑے عمل پر صبر کرنے والا چھوٹے عمل پر بدرجہ اولی صبر کرے گا۔ دوسرے مقام کے ساتھ اس کو خاص مناسبت ہے کیونکہ مذکور معترضین کے ساتھ ہی قتل وقتال کا معاملہ پیش آتا تھا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ
وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَ
بَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا
لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ
وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ترجمہ: اور نہ کہو انکو جو قتل کئے جاتے ہیں خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ

ہیں لیکن تم (حواس سے) ادراک نہیں کر سکتے۔ اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوش خبری دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت تو کہتے ہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں انکے رب کی اور عام رحمت بھی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔

تفسیر: (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی دین کے واسطے (قتل کئے جاتے ہیں ان) کی ایسی فضیلت ہے کہ ان (کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ) معمولی مردوں کی طرح (مردے ہیں، بلکہ وہ لوگ) ایک ممتاز حیات کے ساتھ (زندہ ہیں، لیکن تم) اپنے موجودہ (حواس سے) اس حیات کا (ادراک نہیں کر سکتے، اور) دیکھو (ہم) رضا و تسلیم کی صفت میں جو کہ ایمان کا تقاضا ہے (تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے) جو کہ مخالفین کے حملہ کرنے یا حوادث و شدائد کے نازل ہونے سے پیش آئے (اور) کسی قدر فقر و (فاقہ سے اور) کسی قدر (مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے) مثلا مویشی مر گئے یا کوئی آدمی مر گیا، یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہو گئی، پس تم صبر کرنا (اور) جو لوگ ان امتحانوں میں پورے اتریں اور مستقل رہیں تو (آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے) جن کی یہ عادت ہے (کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ) دل سے سمجھ کر یوں (کہتے ہیں کہ ہم تو) اپنے مال و اولاد سمیت حقیقت میں (اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں) اور مالک حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، اس سے مملوک کا دل تنگ ہو اس کا کیا معنی؟ (اور ہم سب) دنیا سے (اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں) سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر مل جائے گا، اور بشارت کا جو مضمون ان کو سنایا جائے وہ یہ ہے کہ (ان لوگوں پر) جدا جدا (خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے) عنایت (ہوں گی اور) سب پر مشترکہ (عام رحمت بھی ہو گی، اور یہی لوگ ہیں جن کی) حقیقت حال تک (رسائی ہو گئی) کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک اور نقصان کا تدارک کر دینے والا سمجھ گئے۔

ربط: گذشتہ آیتوں میں واذابتلی ابراھیم سے دور تک خانہ کعبہ کا مفصل ذکر ہوا ہے جس کے اول میں خانہ کعبہ کے جائے عبادت ہونے کا بیان تھا، اور اس کے آگے دعائے ابراہیمی کی حکایت تھی کہ انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ہمیں احکام مناسک سکھا دیئے جائیں اور مناسک میں حج و عمرہ بھی داخل ہے، لہذا بیت اللہ کا معبد ہونا جیسے اس کے قبلہ نماز بنانے سے ظاہر کیا گیا اسی طرح حج و عمرہ میں بیت اللہ کو مقصد بنا کر اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔

لہذا اگلی آیت میں حج و عمرہ میں اس کے مقصد بننے کے متعلق ایک مضمون کا بیان ہے، وہ یہ کہ مکہ میں صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں، حج و عمرہ میں کعبہ کا طواف کر کے ان کے درمیان میں دوڑتے چلتے ہیں جس کو سعی کہتے ہیں، چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سعی ہوتی تھی اور اس وقت صفا و مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں اس لئے بعض مسلمانوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسوم جاہلیت میں سے ہو اور موجب گناہ ہو اور بعض جاہلیت میں بھی اس کو گناہ سمجھتے تھے ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اسلام میں بھی گناہ ہو، اللہ تعالیٰ کو یہ شبہ دفع فرمانا مقصود ہے، لہذا سابقہ مضمون میں کعبہ کے قبلہ نماز ہونے پر کفار کے اعتراض کا دفع کیا تھا اور آئندہ مضمون میں کعبہ کے مقصد حج و عمرہ ہونے کے متعلق ایک امر یعنی صفا و مروہ کی سعی پر خود مسلمانوں کے شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔ اسی سے دونوں مضمونوں میں ربط بھی سمجھ میں آتا ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ گردش کرے ان دونوں (کے درمیان) میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔

تفسیر: صفا و مروہ کی سعی میں کوئی شبہ نہ کرو، کیونکہ (بلاشبہ صفا اور مروہ) اور ان کے درمیان میں سعی کرنا (منجملہ علامات) دین (خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا) اس کا (عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں) جیسا تم کو شبہ ہو گیا (ان دونوں کے درمیان) شرعی طریقہ کے مطابق (گردش کرنے میں) جس کا نام سعی ہے۔ اور اس میں گناہ کیوں ہونے لگا بلکہ ثواب ہوتا ہے کیونکہ (یہ سعی تو شرعاً) امر خیر ہے (اور) ہمارے یہاں کا ضابطہ ہے کہ (جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ) اس کی بڑی (قدردانی کرتے ہیں) اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص خوب جانتے ہیں، لہذا اس ضابطہ کی رو سے سعی کرنے والے کو اخلاص کے بقدر ثواب عنایت ہوگا۔

ربط: اوپر قبلہ کی بحث کے ضمن میں صاحب قبلہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے متعلق اہل کتاب کے حق کو چھپانے کا مضمون اس آیت میں الَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ الیٰ قولہ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ میں مذکور تھا آگے اس مضمون کی تکمیل کے واسطے حق کو چھپانے والوں کی اور کتمان حق پر اصرار کرنے

والوں کی وعید اور اگر توبہ کرلیں تو اس پر معافی کا وعدہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ
وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ
يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا
وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے اتارے مضامین صاف اور ہدایت کرنے والے بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنیوالے، مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور خرابی کو درست کیا اور (چھپائے ہوئے مضامین کو) بیان کر دیا تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنیوالا نہایت مہربان، بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی سب کی، ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں۔ نہ ہلکا کیا جائے گا ان پر سے عذاب اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے۔

تفسیر: (جو لوگ چھپاتے ہیں ان مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ) اپنی ذات میں (واضح ہیں اور) دوسروں کے لئے (ہادی ہیں) اور چھپاتے بھی ہیں (اس) حالت (کے بعد کہ ہم ان) مضامین (کو کتاب) الٰہی تورات و انجیل (میں) نازل فرما کر (سب لوگوں کے لئے ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں) کہ اپنی رحمت خاصہ سے ان کو دور کر دیتے ہیں (اور) دوسرے بہت سے (لعنت کرنے والے بھی) جن کو حق چھپانے کے فعل سے نفرت ہے (ان پر لعنت بھیجتے ہیں) کہ ان پر بددعا کرتے ہیں۔ ہاں (مگر جو لوگ) ان چھپانے والوں میں سے اپنی اس حرکت سے حق تعالیٰ کے روبرو گذشتہ سے معذرت اور (توبہ کرلیں اور) جو کچھ ان کے اس فعل سے خرابی ہو گئی تھی، آئندہ کے لئے اس کی (اصلاح کردیں اور) اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان چھپائے ہوئے مضامین کو عام طور پر (ظاہر

کر دیں) تاکہ سب کو اطلاع ہو جائے اور ان پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا بار نہ رہے۔ اور شریعت میں جو اظہار معتبر ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کو قبول کرلیں کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوت محمدیہ کے متعلق عوام پر حق پھر بھی مخفی رہے گا، وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ کتاب جاننے والے لوگ کیوں نہ ایمان لاتے، خلاصہ یہ کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں (تو ایسے لوگوں) کے حال (پر میں) عنایت سے (متوجہ ہو جاتا ہوں) اور ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں (اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا) کوئی توبہ کرنے والا ہونا چاہئے (البتہ جو لوگ) ان میں سے (اسلام نہ لائیں اور اسی غیر اسلام کی حالت پر مر جائیں ایسے لوگوں پر ہے) وہ مذکورہ (لعنت اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی) اور وہ ایسے طور پر برسا کرے گی کہ (وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی) لعنت (میں رہیں گے)۔ حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا اور یہی مطلب ہے ہمیشہ ملعون رہنے کا اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت (ان) پر (سے) جہنم کا (عذاب ہلکا) بھی (نہ ہونے پائے گا اور نہ) داخل ہونے سے پہلے (ان کو) کسی میعاد تک (مہلت دی جائے گی) کیونکہ میعاد اس وقت دی جاتی ہے جب کہ مقدمہ میں گنجائش ہو اور گنجائش نہ ہونے پر اول ہی پیشی میں سزا کا حکم ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں کتمان حق پر وعید ذکر ہوئی اور اگرچہ عام حق ہر حق بات کو شامل ہے لیکن جملہ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کے قرینہ سے وہ حق بات جو مقام کے ساتھ خصوصی مناسبت رکھتی ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت ہے۔ اس لئے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا اور چونکہ عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت دین میں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم میں اس لئے اگلی آیت میں مسئلہ توحید کو ذکر کیا جاتا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: اور مستحق عبادت تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔

تفسیر: (اور) ایسا معبود (جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود) حقیقی (ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی رحمٰن ہے، رحیم ہے) کوئی اور ان صفات میں کامل نہیں، اور صفات میں کمال کے بغیر معبودیت کا استحقاق باطل ہے پس معبود حقیقی کے علاوہ کوئی اور مستحق عبادت نہ ہوا۔

ربط: مشرکین عرب نے جو آیت وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اپنے عقیدہ کے خلاف سنی تو تعجب سے کہنے

لگے کہ کہیں سارے جہان کا ایک معبود بھی ہو سکتا ہے اور اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو کوئی دلیل پیش کرنا چاہئے، حق تعالیٰ آگے دلیل بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں اور پانی میں جس کو اتارا اللہ نے آسمان سے پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اللہ کے حکم کا درمیان آسمان وزمین کے بیشک ان سب چیزوں میں دلائل ہیں عقلمندوں کے لئے۔

تفسیر: (بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں) کے چلنے (میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں) اور اسباب (لے کر، اور) بارش کے (پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس) پانی (سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے بعد) یعنی اسُ میں نباتات پیدا کئے (اور) ان نباتات سے (ہر قسم کے حیوانات اس) زمین (میں پھیلا دئے) کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے (اور ہواؤں کے) یعنی انکی سمتیں اور کیفیتیں (بدلنے میں) کہ کبھی شرقی ہے کبھی غربی کبھی گرم ہے کبھی سرد (اور ابر) کے وجود (میں جو زمین و آسمان کے درمیان) اللہ کے حکم کا (تابعدار) ہے اور معلق (رہتا) ہے ان تمام چیزوں میں توحید کے (دلائل) کے موجود ہیں (ان لوگوں کے) استدلال کے (لئے جو عقل) سلیم (رکھتے ہیں)

ربط: اوپر کی آیت میں توحید کا اثبات تھا آگے مشرکین کی غلطی اور ان کے لئے وعید کا بیان فرماتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ
اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا
لِّلّٰهِ‌ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡٓا اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ
لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے علاوہ اوروں کو شریک۔ ان سے محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والے ان سے زیادہ شدید ہیں اللہ کی محبت میں۔ اور اگر سمجھ لیں یہ ظالم اس وقت جب کہ دیکھیں (دنیا کا) عذاب کہ قوت اللہ ہی کے لئے ہے سب کی سب اور یہ کہ اللہ عذاب کا سخت ہے (تو کیا ہی اچھا ہو)

تفسیر: (اور کچھ لوگ وہ) بھی (ہیں جو خدا تعالیٰ کے علاوہ اوروں کو بھی شریک) خدائی (قرار دیتے ہیں) اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور (ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے) رکھنا (ضروری ہے) یہ حالت تو مشرکین کی ہے۔ (اور جو مومن ہیں ان کو) صرف (اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے) کیونکہ اگر کسی مشرک کو یہ ثابت ہو جائے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پڑے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جائے اور مومن باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کو نافع کے علاوہ ضرر دینے والا بھی اعتقاد کرتا ہے لیکن پھر بھی اس کی محبت و رضا باقی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر مشرکین شدید مصیبت کے وقت اپنے شرکاء کو چھوڑ دیتے ہیں جب کہ مومنین مصیبت میں بھی خدا پر ایمان کو نہیں چھوڑتے تھے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ بعض مشرکین ایسے بھی ہوں کہ سخت مصیبت میں بھی اپنے شرکاء کو نہ چھوڑتے ہوں اور ان کی محبت پر قائم رہتے ہوں لیکن اکثر کا حال وہی ہے جو ذکر ہوا اور گفتگو میں اکثر لوگوں کی غالب حالت کا اعتبار کرتے ہوئے کلی حکم ذکر کیا جاتا ہے۔ (اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم) مشرکین (جب) دنیا میں (کسی مصیبت) و عذاب (کو دیکھتے تو) اس کے وقوع میں غور کر کے (یہ) سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں، چنانچہ اس مصیبت کو نہ کوئی روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں اور کوئی یاد رہا (اور) اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے (یہ) سمجھ لیا کرتے (کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب) آخرت میں کہ دار الجزاء ہے (اور بھی سخت ہوگا)، تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت جان کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے۔

ربط: اوپر عذاب آخرت کو سخت بتایا ہے آگے اس سختی کی کیفیت کا بیان فرماتے ہیں۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا
كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ
أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ترجمہ: جب کہ براءت ظاہر کریں گے وہ کہ جن کی پیروی کی گئی تھی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب تعلقات اور کہیں گے پیرو کار کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی برائت ظاہر کرتے ان سے جیسے انہوں نے برائت ظاہر کی ہم سے، اسی طرح پر دکھائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں آگ سے۔

تفسیر: عذاب کی وہ سختی اس وقت معلوم ہو گی (جب کہ) ان مشرکین میں سے (وہ) ذی اثر (لوگ جن کے کہنے پر دوسرے) عوام (چلتے تھے، ان) عام (لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلے تھے اور سب) خواص و عوام (عذاب کا مشاہدہ کر لیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے) کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ (اس وقت سب منقطع ہو جائیں گے) جیسے دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم میں سب شریک و متفق ہوتے ہیں لیکن مقدمہ کی تفتیش کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کی شناخت تک کے منکر ہو جاتے ہیں (اور) جب (یہ تابع لوگ) متبوعین کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجلائیں گے اور تو کچھ نہ ہو سکے گا مگر جھلا کر (یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو) دنیا میں (بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے) اتنا بدلہ تو لے لیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان کو: (صاف) ٹکا سا جواب دے کر (الگ ہو جائیں) جیسا یہ (ہم سے) اس وقت (صاف الگ ہو بیٹھے) اور کہہ دیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر بے رخی کی تھی اب ہم سے کیا غرض۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے سوائے حسرت کے کیا ہاتھ آئے گا (اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیاں ان کو دکھائیں گے حسرت) غم (دلانے کو اور ان) تابعین و متبوعین سب (کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہو گا) کیونکہ شرک کی سزا جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔

فائدہ: اس عذاب میں کئی طرح کی شدت ثابت ہوئی۔ اول دوزخ کا عذاب خود حسی طور پر شدید ہے۔ دوسرے سربراہوں کے خشک جواب دینے سے اور اس وقت پیروکاروں کو سوائے غیظ و غضب اور

تمنائے انتقام کے کچھ بن نہ پڑنے سے اور سب مشرکین پر حسرت واقع ہونے سے جو کہ روحانی عذاب ہے اس حسی عذاب میں معنوی شدت بڑھ گئی۔

ربط: اوپر اہل شرک کے عقیدہ کا بطلان تھا آگے اہل شرک کے بعض اعمال کا بطلان ہے۔ بعض مشرکین بتوں کے نام جانور چھوڑتے تھے اور ان کو قابل تعظیم اعتقاد کر کے ان سے نفع اٹھانے کو حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کے بارے میں دعوی کرتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور اس کی وجہ سے بتوں کی شفاعت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس بارے میں خطاب فرماتے ہیں کہ:

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۗ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں کی۔ بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح، وہ تو یہی حکم کرے گا تم کو برے کام اور بے حیائی کا اور یہ کہ تم جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے) شرعی (حلال پاک چیزوں) کی نسبت اجازت ہے کہ ان (کو کھاؤ اور) ان میں سے کسی حلال چیز سے یہ سمجھ کر پرہیز کرنا کہ اس سے اللہ راضی ہوگا یہ سب شیطانی خیالات ہیں لہذا تم (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ) شیطان (تمہارا صریح دشمن ہے) کہ ایسے ایسے خیالات اور ایسی جہالتوں سے تم کو خسران ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے (وہ تم کو انہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ) شرعاً (بری اور گندی ہیں اور یہ) بھی تعلیم کرے گا (کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے) مثلاً یہی کہ ہم کو خدا تعالیٰ ہی نے ان باتوں کا حکم دیا ہے جو ہم کر رہے ہیں)۔

ربط: مشرکین کے طریقے کا بطلان ذکر ہوا آگے اس طریقے کے حق میں دلیل کا بطلان ذکر ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۗ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

تفسیر: (اور جب کوئی ان) مشرک (لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم) اپنے پیغمبرؐ کے پاس (بھیجا ہے، اس پر چلو تو) جواب میں (کہتے ہیں) کہ نہیں (بلکہ ہم تو اسی) طریقہ (پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے) کیونکہ وہ لوگ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں اللہ کی جانب سے مامور تھے۔ حق تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ (کیا) ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے (اگرچہ ان کے باپ دادا) دین کی (نہ کچھ عقل و سمجھ رکھتے ہوں اور نہ) کسی آسمانی کتاب کی (ہدایت رکھتے ہوں)

فائدہ: مطلب یہ کہ خود ان باپ دادا کے طریقے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل نہیں بنایا گیا تھا جب کہ دلیل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب الٰہی یا ارشاد رسول میں صراحت سے ذکر ہو جس کو ہدایت سے تعبیر کیا۔ اور دوسرے کتاب الٰہی یا ارشاد رسول میں کسی حکم کی علت کو دیکھ کر قیاس کیا جائے جس کو عقل سے تعبیر فرمایا۔ سو مشرکین کے باپ دادا تو ان دونوں سے عاری تھے تو پھر ایسے لوگوں کی تقلید کی گنجائش کہاں ؟ اور پھر تقلید بھی ایسی بات میں جس کے خلاف کھلی ہدایت کتاب الٰہی میں موجود ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے بارے میں صحیح اور معتبر دلیل سے معلوم ہو جائے کہ اس کا قول کسی دلیل شرعی پر مبنی ہے خواہ وہ دلیل قرآن و حدیث ہو یا قیاس ہو اور کسی شرعی دلیل کے مخالف نہیں ہے تو اس بزرگ کا قول اتباع اور تقلید کے قابل ہوتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال کا اسی وجہ سے اتباع کیا جاتا ہے کہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر ان مشرکین کی بدفہمی کا بیان تھا جو حق قبول نہ کرنے کا منشاء ہے۔ آگے اس بدفہمی کے بارے میں ان کی ایک مثال کا ذکر کیا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اور مثال کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایسی چیز کو (یعنی جانور کو) جو کچھ نہ سنے سوائے پکارنے اور چلانے کے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور ان کافروں کی کیفیت) نافہمی میں (اس) جانور کی (کیفیت کے مثل ہے) جس کا ذکر اس مثال میں کیا جاتا ہے (کہ ایک شخص ہے وہ ایسے) جانور (کے پیچھے چلا رہا ہے جو سوائے بلانے اور پکارنے

کے کوئی) بامعنی اور پر مضمون (بات نہیں سنتا)۔ اسی طرح (یہ کفار) بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں، لیکن حق کی بات سے بالکل بہرے ہیں) گویا سنا ہی نہیں (گونگے ہیں) کہ کبھی ایسی بات زبان ہی پر نہیں آتی (اندھے ہیں) کیونکہ حق نظر ہی نہیں آتا (سو) جب سارے ہی حواس مختل ہیں تو (سمجھتے) سمجھاتے (کچھ نہیں)۔

ربط: آگے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ مشرکین کے طریقوں سے بچیں خصوصاً حرام کو حلال کہنے اور حلال کو حرام بنانے سے بچیں اور کھانے پینے کی چیزوں میں شرک کی تلویث سے بچتے ہوئے صرف حلال اور پاکیزہ چیزوں کو استعمال کریں۔ اسی کے ضمن میں اہل ایمان کو ادائے شکر کی تعلیم بھی دی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٧٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، اس نے تم پر محض حرام کیا ہے مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔ پھر جو کوئی لاچار ہو جائے اس حال میں کہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔

تفسیر: (اے ایمان والو!) ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ (جو) شرع کی رو سے (پاک چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان میں سے) جو چاہو (کھاؤ اور) اس اجازت کے ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ (حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو) زبان سے بھی اور ہاتھ پاؤں سے خدمت و اطاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی (اگر تم خاص ان کے ساتھ عبادت کا تعلق رکھتے ہو) اور چونکہ تمہارا یہ تعلق ہونا تو ظاہر ہے، لہذا وجوب شکر بھی ثابت ہے۔

(اللہ تعالیٰ نے تم پر) ان چیزوں کو حرام نہیں کیا جن کو تم اپنی طرف سے حرام کر رہے ہو جیسا کہ گذرا بلکہ (صرف مردار) جانور (کو) جو ذبح شرعی کے بغیر مر جائے (اور خون کو) جو بہتا ہو (اور خنزیر کے گوشت کو) اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی (اور ایسے جانور کو جو) تقرب کی غرض سے (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) ان سب کو بیشک حرام کیا ہے (پھر بھی) اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ (یہ شخص)

بھوک سے بہت ہی (بیتاب ہو جائے، بشرطیکہ نہ تو) کھانے میں (طالب لذت ہو اور نہ) قدر ضرورت و حاجت سے (تجاوز کرنے والا ہو تو) اس حالت میں ان چیزوں کے کھانے میں بھی (اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں) کہ ایسے وقت میں یہ رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے بھی گناہ اٹھادیا۔

ربط: اوپر کی آیات میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو محسوسات میں سے ہیں، اگلی آیات میں ایسے حرام کاموں کا ذکر ہے جو محسوس نہیں بلکہ وہ باطنی اور ظاہری اعمال شر ہیں، مثلاً علمائے یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کر ان کے مطلب کے موافق غلط فتوے دیدیتے تھے اور توریت کی آیات میں تحریف کر کے انکو عوام کی مرضی کے موافق بناتے تھے، اس میں امت محمدیہ کے علماء کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کریں اور کسی نفسانی غرض سے احکام حق کے اظہار میں کوتاہی نہ کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑی قیمت وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لئے ہوگا عذاب دردناک، یہی ہیں جنہوں نے خرید ا گمراہی کو بعوض ہدایت کے اور عذاب کو بعوض بخشش کے، سو کس قدر صبر کرنیوالے ہیں دوزخ پر، یہ (مذکورہ سزائیں) اس واسطے ہیں کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچ کے ساتھ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بے شک خلاف (ورزی) میں دور جا پڑے۔

تفسیر: (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب) کے مضامین (کو

چھپاتے ہیں اور اس) خیانت (کے معاوضہ میں) دنیا کی (متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ کے) انگارے (بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں) لطف کے ساتھ (کلام کریں گے اور نہ) گناہ معاف کر کے (ان کی صفائی کریں گے، اور ان کو دردناک سزا ہوگی، یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے) دنیا میں تو (ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کی اور) آخرت میں (مغفرت چھوڑ کر عذاب) سر پر لیا (سو) شاباش ہے ان کی ہمت کو (دوزخ) میں جانے (کے لئے کیسے باہمت ہیں) اور (یہ) ساری مذکورہ (سزائیں) ان کو (اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے) اس (کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا، اور جو لوگ) ایسی ٹھیک ٹھیک بھیجی ہوئی (کتاب میں بے راہی) اختیار (کریں، وہ ظاہر ہے کہ بڑی دور) دراز (کی خلاف) ورزی (میں) مبتلا (ہیں) اور ایسی خلاف ورزی پر ضرور ایسی ہی سخت سزاؤں کا استحقاق ہوتا ہے۔

ربط: شروع سورت سے یہاں تک تقریباً نصف سورہ بقرہ ہے۔ اس میں زیادہ روئے سخن منکرین کی طرف تھا، اس لئے سب سے اول قرآن کی حقانیت کا اثبات کیا، اس ضمن میں اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فرقوں کا ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر انعامات و احسانات کو اذابتلی ابراھیم تک بیان فرمایا، وہاں سے قبلہ کی بحث چلی، اور اس کو بیان کر کے صفا و مروہ کی بحث پر ختم کیا۔

پھر توحید کے اثبات کے بعد شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا اور یہاں تک یہی بیان ہوا اور ان سب مضامین میں ظاہر ہے کہ منکرین کو زیادہ تنبیہ ہے اور ضمناً کوئی خطاب مسلمانوں کو ہو جانا اور بات ہے۔

اب اگلی آیات میں کہ سورہ بقرہ کا تقریباً بقیہ نصف ہے، زیادہ تر مقصود مسلمانوں کو بعض اصول و فروع کی تعلیم کرنا ہے، گو ضمناً غیر مسلمین کو بھی کوئی خطاب ہو جائے اور یہ مضمون سورت کے ختم تک چلا گیا ہے اور اس کو ایک مجمل عنوان بر سے شروع کیا گیا ہے لفظ بر بکسر الباء عربی زبان میں مطلق خیر کے معنی میں ہے جو تمام ظاہری اور باطنی طاعات و خیرات کو جامع ہے اور اول آیات میں جامع الفاظ کے ذریعہ سے کلی اور اصولی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً ایمان بالکتاب اور اللہ کی رضا کیلئے مال خرچ کرنا عہد پورا کرنا اور جنگ و تنگی میں صبر کرنا وغیرہ جس میں قرآن کے تمام احکام کے بنیادی اصول آگئے، کیوں کہ شریعت کے کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں، عقائد، اعمال، اخلاق۔ باقی تمام جزئیات انہیں کلیات کے تحت میں داخل ہیں اور اس آیت میں ان تینوں قسم کے بڑے بڑے شعبے آگئے۔

آگے اس بر کی تفصیل چلی ہے جس میں وقت و مقام کے تقاضوں کے مطابق بہت سے احکام مثل

قصاص، وصیت، روزہ، جہاد، حج، انفاق، حیض، ایلاء، یمین، طلاق، نکاح، عدت، مہر، تکرار ذکر جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، بعض معاملات بیع و شراء اور شہادت بقدر ضرورت بیان فرما کر اس تفصیل کو بشارت اور وعدہ رحمت و مغفرت پر ختم فرمادیا۔ پس چونکہ ان مضامین کا حاصل بر کا اجمالی اور تفصیلی بیان ہے اس لئے اگر اس مجموعہ کا لقب ابواب البر رکھا جائے تو نہایت مناسب ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم کرلو اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن (اصل) نیکی تو یہ ہے کہ کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوۃ، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔

تفسیر: (کچھ سارا کمال اسی میں نہیں) آ گیا (کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو، یا مغرب کو) کرلو (لیکن) اصلی (کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ) کی ذات و صفات (پر یقین رکھے اور) اسی طرح (قیامت کے دن) کے آنے (پر) بھی (اور فرشتوں پر) بھی کہ وہ اللہ کی فرمانبردار بندے ہیں، نور سے بنے ہیں، گناہ سے معصوم ہیں، کھانے پینے اور انسانی شہوات سے پاک ہیں (اور) سب (کتب) سماویہ (پر) بھی (اور) سب (پیغمبروں پر) بھی (اور) وہ شخص (مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں) اپنے حاجتمند (رشتہ داروں کو اور) نادار (یتیموں کو) یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ اور فقیر چھوڑ کر مر گیا ہو (اور) دوسرے غریب

(محتاجوں کو) بھی (اور) بے خرچ (مسافروں کو اور) لاچاری میں (سوال کرنے والوں کو اور) قیدی اور غلاموں کی (گردن چھڑانے میں) بھی مال خرچ کرتا ہو (اور) وہ شخص (نماز کی پابندی) بھی (رکھتا ہو اور) مقررہ (زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص) کہ ان عقائد واعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ (اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب) کسی جائز بات کا (عہد کرلیں اور) اس صفت کو خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ (وہ لوگ) ان مواقع میں (مستقل) مزاج (رہنے والے ہوں) ایک تو تختی (تنگدستی میں اور) دوسرے تکلیف (و بیماری میں اور) تیسرے معرکہ (قتال) کفار (میں) یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں بس (یہ لوگ ہیں جو سچے) کمال کے ساتھ موصوف (ہیں اور یہی لوگ ہیں جو) سچے (متقی) کہے جا سکتے (ہیں) غرض دین کے اصلی مقاصد اور کمالات یہ ہیں نماز میں کسی سمت کو منہ کرنا انہی کمالات میں سے ایک کمال خاص ہے جو کہ اقامت صلوۃ کے توابع اور شرائط میں سے ہے اور نماز کے حسن سے اس میں بھی حسن آگیا ورنہ اگر نماز نہ ہوتی تو کسی خاص سمت کو منہ کرنا بھی عبادت نہ ہوتا۔

ربط: ابواب البر کے کچھ احکام جزئیہ کا بیان ہوتا ہے جو ضرورت اور حالات وواقعات کے مطابق بیان ہوئے۔

پہلا حکم: قصاص

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ
الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِىَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَىْءٌ
فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر قصاص (یعنی برابری کرنا) مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو مطالبہ کرنا بھلے طریقے سے اور ادا کرنا اس کو خوبی کے ساتھ۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک، اور تمہارے واسطے قصاص میں جانوں کا بڑا بچاؤ ہے اے عقلمندو! امید ہے کہ تم پرہیز رکھو گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم پر) قانون (قصاص فرض کیا گیا ہے) قتل عمد کے (مقتولین کے بارے میں) یعنی ہر قاتل (آزاد آدمی) قتل کیا جائے ہر دوسرے مقتول (آزاد آدمی کے عوض میں اور) اسی طرح ہر قاتل (غلام) دوسرے ہر مقتول (غلام کے عوض میں اور) اسی طرح ہر قاتل (عورت) دوسری ہر مقتول (عورت کے عوض میں) گویہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں جب بھی سب سے برابر قصاص لیا جائے گا یعنی قاتل ہی کو سزا میں قتل کیا جائے گا (ہاں جس) قاتل (کو اس کے فریق) مقدمہ (کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے) مگر پوری معافی نہ ہو (تو) اس کی وجہ سے سزائے قتل سے تو وہ بری ہو گیا، لیکن دیت یعنی (خون بہا) کے طور پر مال کی ایک معین مقدار قاتل کے ذمہ واجب ہو جائے گی تو اس وقت فریقین کے ذمہ ان دو باتوں کی رعایت ضروری ہے، مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ تو (معقول طور پر) اس مال کا (مطالبہ کرنا) ہے کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے (اور) مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ (خوبی کے ساتھ) اس مال کا (اس) مدعی (کے پاس پہنچا دینا) ہے کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹالے نہیں (یہ) عفو و دیت کا قانون (تمہارے پروردگار کی طرف سے) سزا میں (تخفیف ہے اور) شاہانہ (ترحم ہے) ورنہ سوائے سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی (پھر جو شخص اس) قانون (کے) مقرر ہونے کے (بعد تعدی کا مرتکب ہو) مثلاً کسی پر قتل کا جھوٹا دعوی کردے یا محض شبہ کی وجہ سے کسی پر قتل کا دعوی کردے یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے (تو اس شخص کو) آخرت میں (بڑا دردناک عذاب ہوگا اور اے عقلمند لوگو) اس قانون (قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے) کیونکہ اس قانون کے خوف سے لوگ ارتکاب قتل سے ڈریں گے تو کئی جانیں بچیں گی (ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ) ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے (پرہیز رکھو گے)۔

فائدہ: قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں، خود قرآن مجید میں عنقریب اسی سورت میں اس کی زیادہ وضاحت اس طرح آئی ہے: فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ اور سورہ نحل کی آخری آیات میں وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ اسی مضمون کے لئے آیا ہے۔

اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

دوسرا حکم۔ وصیت:

شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی جانب سے مقرر نہ ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ

ترکہ کے ایک تہائی میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے، اتنا تو ان لوگوں کا حق تھا، باقی جو کچھ رہتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا، اس آیت میں یہی حکم مذکور ہے۔ بعد میں جب میراث کے واضح احکام آگئے اور وارثوں کے حصے تفصیل سے سورہ نساء میں بتا دیئے گئے اس وقت وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسرے غیر وارث رشتہ داروں کے لئے باجماع امت وصیت لازم نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ: فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کے پاس تم میں سے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے معقول طور پر۔ یہ حکم لازم ہے (خدا سے) ڈرنے والوں پر۔ پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو اسکے سن لینے کے بعد تو اس کا گناہ انہی پر ہے جو اسکو بدلتے ہیں۔ بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے، پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: (تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو) آثار سے (موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو) اپنے (والدین اور) دیگر (اقارب کے لئے معقول طور پر) کہ مجموعہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو (کچھ کچھ حصہ بتا جائے) اس کا نام وصیت ہے۔ (جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری) کیا جاتا (ہے پھر) جن لوگوں نے اس وصیت کو سنا ہے ان میں سے (جو شخص) بھی (سن لینے کے بعد اس) کے مضمون (کو تبدیل کرے گا) اور باہمی تقسیم و فیصلہ کے وقت غلط اظہار دے گا اور اس کے موافق فیصلہ ہونے سے کسی کا حق تلف ہو گا (تو اس) حق تلفی (کا گناہ انہی لوگوں کو ہو گا جو اس)

مضمون (کو تبدیل کریں گے) حاکم عدالت کو یا ثالث کو یا مرنے والے کو گناہ نہ ہو گا کیونکہ (اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے ہیں جانتے ہیں) تو تبدیل کرنے والے کے اظہار کو بھی سنتے ہیں اور حاکم کا بے خبر اور معذور ہونا بھی جانتے ہیں (ہاں) ایک طرح کی تبدیلی کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ (جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے) وصیت کے بارے میں (کسی غلطی سے یا قصداً) قانون وصیت کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کے (کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو) اور اس بے ضابطہ وصیت کی وجہ سے اس میت کی وصیت کے مال کے مستحقین اور باقی ترکہ کے مستحقین میں نزاع کا خطرہ یا وقوع معلوم ہو (پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے) گو وہ مصالحت اس مضمون وصیت کے خلاف پر ہو جو ظاہراً تبدیل وصیت ہے (تو اس شخص پر کوئی) بار (گناہ نہیں ہے) اور (واقعی اللہ تعالیٰ تو) خود گناہوں کے (معاف فرمانے والے ہیں اور) گنہگاروں پر (رحم کرنے والے ہیں) اور اس شخص نے تو کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وصیت میں تبدیلی اصلاح کے لئے کی ہے، تو اس پر رحمت کیوں نہ ہوگی۔

تیسرا حکم: روزہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے پہلے لوگوں پر اس توقع پر کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (روزہ رکھ لو) گنتی کے چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے دوسرے دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ فدیہ ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو بہتر ہے اس کے واسطے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا) جس طرح (تم سے پہلے) گذشتہ امتوں کے (لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم) روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ (متقی بن جاؤ) کیونکہ روزہ رکھنے سے

نفس کواس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی عادت پڑے گی اور اس عادت کی پختگی ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔
سو (تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو)۔ ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔
(پھر) اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ (جو شخص تم میں) ایسا (بیمار ہو) کہ اس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو (یا)
شرعی (سفر میں ہو تو) اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے رمضان کے (دوسرے ایام
کا) اتنا ہی (شمار) کر کے ان میں روزہ (رکھنا) اس پر واجب (ہے اور) دوسری آسانی یہ ہے جو بعد میں منسوخ
کر دی گئی کہ (جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں) اور پھر روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو (ان کے ذمہ
صرف روزے کا (فدیہ) یعنی بدلہ (ہے جو ایک غریب کو کھانا) کھلانا یا دینا (ہے، اور جو شخص خوشی سے)
زیادہ (خیر) خیرات (کرے) کہ زیادہ فدیہ دیدے (تو یہ اس شخص کے لئے اور بہتر ہے اور) گو ہم نے آسانی
کے لئے فدیہ دینے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے، لیکن (تمہارا روزہ رکھنا اس حالت میں بھی زیادہ
(بہتر ہے اگر تم) روزے کی کچھ فضیلت کی (خبر رکھتے ہو)

ربط: اوپر ارشاد ہوا کہ تھوڑے دن روزے رکھ لیا کرو۔ آگے ان تھوڑے دنوں کا بیان ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ
كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ
بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل کیا گیا ہے قرآن جو ہدایت ہے واسطے لوگوں
کے اور (اسکی آیتیں) روشن دلائل ہیں (اور یہ) ان کتب میں سے ہے جو ہدایت ہیں اور (حق و
باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی ہیں۔ سو جو کوئی موجود ہو تم میں سے اس مہینہ میں تو روزے
رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا سفر میں تو اس کی گنتی (پوری کرے) دوسرے دنوں سے۔ (اور
اللہ نے ایسے احکام اس لئے دیئے کہ) اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس
واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو (ایسا) طریقہ بتایا اور
تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر: وہ تھوڑے ایام جن میں روزے کا حکم ہوا ہے (ماہ رمضان ہے جس میں) ایسی برکت ہے

کہ اس کے ایک خاص حصہ یعنی شب قدر میں (قرآن مجید) لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر (بھیجا گیا ہے، جس کا) ایک (وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے) ذریعہ (ہدایت ہے اور) دوسرا وصف یہ ہے کہ ہدایت کے طریقے بتانے میں اس کا جزو جزو (واضح دلالت والا ہے) اور ان دونوں وصفوں میں یہ (ان کتب) سماویہ (میں سے) ہے جو کہ انہی دو وصفوں سے موصوف ہیں یعنی ذریعہ (ہدایت) بھی (ہیں اور) دلالت میں واضح ہونے کی وجہ سے حق وباطل کے درمیان (فیصلہ کرنے والی) بھی (ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے) اور وہ فدیہ کی اجازت جو اوپر مذکور تھی منسوخ ہوئی (اور) مریض اور مسافر کے لئے جو اوپر قانون تھا وہ البتہ اب بھی اسی طرح باقی ہے کہ (جو شخص) ایسا (بیمار ہو) کہ اس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو (یا) وہ شرعی (سفر میں ہو تو) اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے (دوسرے ایام کا) اتنا ہی (شمار) کرکے ان میں روزہ (رکھنا) اس پر واجب ہے (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ) احکام میں (آسانی) کی رعایت (کرنا منظور ہے) اس لئے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجا لا سکو، چنانچہ سفر اور مرض میں کیسا آسان قانون مقرر کر دیا (اور تمہارے ساتھ) احکام و قوانین مقرر کرنے میں (دشواری منظور نہیں) کہ سخت احکام تجویز کر دیتے (اور) یہ احکام مذکور ہم نے خاص خاص مصلحتوں نے مقرر کئے، چنانچہ اولاً روزہ ادا رکھنے کا اور کسی شرعی عذر سے رہ جائے تو دوسرے ایام میں قضا کرنے کا حکم تو اس لئے کیا (تاکہ تم لوگ) ادا یا قضا پوری کر کے ایام کے (شمار کی تکمیل کر لیا کرو) تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے (اور) خود قضا رکھنے کا حکم اس لئے کیا (تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی) اور ثناء (بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو) ایک ایسا (طریقہ بتا دیا) جس سے تم روزوں کی برکات و ثمرات سے محروم نہ رہو، ورنہ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو کون اتنے روزے رکھ کر ثواب حاصل کرتا (اور) عذر کی وجہ سے خاص رمضان میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی (تاکہ تم لوگ) اس آسانی کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا (شکر ادا کیا کرو) کیونکہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو سخت مشقت ہو جاتی)

ربط: پچھلی تین آیتوں میں روزہ اور رمضان کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا اور اس کے بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے، درمیان کی اس مختصر آیت میں بندوں کے حال پر حق تعالیٰ کی خاص عنایت، ان کی دعائیں سننے اور قبول کرنے کا ذکر فرما کر اطاعت احکام کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ روزہ کی عبادت میں رخصتوں اور سہولتوں کے باوجود کسی قدر مشقت ہے، اس کو سہل کرنے کے لئے اپنی مخصوص عنایت کا ذکر فرمایا کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہی ہوں جب بھی وہ دعا مانگتے ہیں میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں اور ان کی حاجات کو پورا کر دیتا ہوں۔ ان حالات میں بندوں کو بھی

چاہئے کہ میرے احکام کی تعمیل میں کچھ مشقت بھی ہو تو برداشت کریں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین رکھیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

تفسیر: (اور) اے محمد ﷺ (جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں) کہ میں ان سے قریب ہوں یا دور (تو) میری طرف سے ان سے فرما دیجئے کہ (میں قریب ہی ہوں) اور سوائے نامناسب درخواست کے (منظور کرلیتا ہوں) ہر (درخواست کرنے والے کی درخواست جب کہ وہ میرے حضور میں درخواست دے، سو) جس طرح میں ان کی عرض معروض کو منظور کرلیتا ہوں (ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو) بجا آوری کے ساتھ (قبول کیا کریں) اور چونکہ ان احکام میں کوئی حکم نامناسب نہیں اس لئے اس میں استثناء ممکن نہیں (اور مجھ پر یقین رکھیں) یعنی میری ہستی پر بھی، میرے حاکم ہونے پر بھی، میرے حکیم ہونے پر اور اس پر بھی کہ میں مصلحتوں کی رعایت کرتا ہوں اس طرح (امید ہے کہ وہ لوگ رشد) و فلاح (حاصل کرسکیں گے)

فائدہ 1: یہ جو فرمایا کہ میں قریب ہوں تو جیسے حق تعالیٰ کی ذات کی حقیقت بے مثل اور بے کیفیت ہونے کی وجہ سے ادراک نہیں کی جاسکتی اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہوسکتی لہٰذا ایسے مباحث میں زیادہ تفتیش جائز نہیں اجمالاً اتنا سمجھ لیں کہ جیسی ان کی ذات ان کی شان کے مناسب ہے ان کا قرب بھی ویسا ہے جو ان کی شان کے مناسب ہو۔

2: دعا کے ساتھ جو سوائے نامناسب درخواست کی قید لگائی گئی ہے تو یہ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے ہے کہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ وہ دعا اس شخص کے مناسب حال نہیں ہوتی اور یہ ضروری نہیں کہ جو چیز واقع میں نامناسب ہو اس کے نامناسب ہونے کی اطلاع خود اس شخص کو بھی ہو جایا کرے۔ البتہ دعا کرنا رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اس کے بدلہ میں کوئی اور مصیبت ٹال دی جاتی ہے یا کوئی اور نعمت عطا کردی جاتی ہے یا آخرت میں ثواب جمع کردیا جاتا ہے۔

چوتھا حکم: روزے کی رات میں کھانے پینے اور جماع کی حلت

شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ رات کو ایک دفعہ سو جانے کے بعد پھر رات میں آنکھ کھلے تو کھانا پینا اور بیوی سے صحبت کرنا حرام تھا۔ بعض صحابہ سے غلبہ طلب میں اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہو گئی پھر نادم ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی۔ ان کی ندامت اور توبہ پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

ترجمہ: حلال کیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں مشغول ہونا اپنی عورتوں سے۔ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو عنایت فرمائی تم پر اور در گذر کیا تم سے۔ تو ملو ان سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ واضح ہو جائے تم کو سفید دھاری صبح کی جدا سیاہ دھاری سے، پھر پورا کرو روزے کو رات تک۔

تفسیر: (تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا) اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی (کیونکہ) قرب واتصال کی وجہ سے (وہ تمہارے لباس) کی جگہ (ہیں اور تم ان کے لباس) کی جگہ ہو، (خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم) اس حکم الٰہی میں (خیانت) کر (کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے) مگر (خیر) جب تم نے معذرت پیش کی تو (اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا، سو) جب اجازت ہو گئی تو (اب ان سے ملو ملاؤ اور جو) اجازت (تمہارے لئے تجویز کر دی ہے) بے تکلف (اس کا سامان کرو اور) جس طرح روزے کی رات میں بیوی سے ہمبستری کی اجازت ہے اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ تمام رات میں جب چاہو (کھاؤ) بھی (اور پیو) بھی (اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح) صادق کی روشنی (کا واضح ہو جائے سیاہ خط سے یعنی رات کی تاریکی سے (تو پھر)

صبح صادق سے (رات) آنے (تک روزہ کو پورا کیا کرو)۔

صبح کی سفیدی کا سفید خط رات کی تاریکی کے سیاہ خط سے واضح ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق یقینی طور سے ثابت ہو جائے۔

پانچواں حکم: اعتکاف

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ

ترجمہ: اور نہ ملاؤ اپنا بدن اپنی عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں۔

تفسیر: (اور ان بیویوں) کے بدن (سے بدن بھی) شہوت کے ساتھ (مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو) جو کہ (مسجدوں میں) ہوا کرتا ہے۔

مذکورہ احکام کی تاکید

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: یہ ضابطے ہیں اللہ کے سو ان سے نکلنے کے نزدیک نہ ہو۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنے احکام لوگوں کے واسطے تاکہ وہ پرہیز رکھیں۔

تفسیر: (یہ) سب مذکورہ احکام (خداوندی ضابطے ہیں، سو ان) ضابطوں (سے) نکلنا تو کیسا (نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا) اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بیان کئے ہیں (اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے) اور (احکام) بھی (لوگوں) کی اصلاح (کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس امید پر کہ وہ لوگ) احکام پر مطلع ہو کر ان احکام کے خلاف کرنے سے (پرہیز رکھیں)۔

چھٹا حکم: مال حرام سے ممانعت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے گناہ کے ساتھ (ناحق) جبکہ تم کو علم بھی ہو۔

تفسیر: (اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ اور ان) کے جھوٹے مقدمے (کو حکام

کے یہاں اس غرض سے مت لے جاؤ کہ) اس کے ذریعہ سے (لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ) یعنی ظلم (کے طریقے سے کھا جاؤ، جب کہ تم کو) اپنے جھوٹ اور ظلم کا (علم بھی ہو)

ساتواں حکم: حج وغیرہ میں چاند کے حساب کا اعتبار

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حالت نئے چاندوں کی۔ کہدے کہ وہ وقت جاننے کا ذریعہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے۔

تفسیر: بعضے آدمی (آپؐ سے) ان (چاندوں کے) ہر مہینہ گھٹنے بڑھنے کی (حالت) کی وجہ اور اس میں جو فائدہ ہے اس فائدہ (کی تحقیقات کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ) قرآن تو کتاب ہدایت ہے اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ کا انسان کی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس کے فائدہ سے تعلق ہے اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ (وہ چاند) اپنے اس گھٹنے اور بڑھنے کے اعتبار سے (آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے) اختیاری معاملات مثلاً عدت اور مطالبہ حقوق کے (لئے اور) غیر اختیاری عبادات مثل (حج) اور زکوۃ و روزہ وغیرہ (کے لئے)۔

شمسی حساب سے عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کے پاس کیلنڈر ہو یا آجکل کی طرح اس کا عام رواج ہو۔ جہاں اور جب یہ سہولت نہ ہو یا مثلاً وہ لوگ جوان پڑھ دیہاتی ہیں یا جنگلوں پہاڑوں میں رہنے والے ہیں تو پھر ایام اور تاریخ کو پہچاننے کے لئے چاند کا حساب سب سے زیادہ سہل ہے اور اس تک عام رسائی ممکن ہے۔ چونکہ شریعت سب زمانوں سب طرح کے حالات اور سب طبقات کے لئے ہے اس لئے شریعت نے احکام و عبادات کا مدار بطور اصول و ضابطہ قمری حساب پر رکھا ہے۔

آٹھواں حکم: حالت احرام میں گھر میں آنے کے طریقے کی اصلاح

بعض لوگ اسلام سے پہلے اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے تھے تو دروازہ سے جانا ممنوع جانتے تھے، اس لئے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے، اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس کے متعلق حج کے ذکر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: اور یہ نیکی نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے

کہ کوئی بچے (حرام سے) اور گھروں میں آؤ انکے دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر: (اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو، ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام) چیزوں (سے بچے اور) چونکہ گھروں میں دروازہ کی طرف سے آنا حرام نہیں ہے اس لئے اس سے بچنا بھی ضروری نہیں، سو اگر آنا چاہو تو (گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور) اصل الاصول تو یہ ہے کہ (خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو) اس سے البتہ (امید ہے کہ تم) دارین میں (کامیاب ہو)۔

نواں حکم: کفار کے ساتھ قتال

ذی قعدہ 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ تشریف لے چلے۔ اس وقت تک مکہ معظمہ مشرکین کے قبضہ اور حکومت میں تھا، ان لوگوں نے حضور ﷺ اور آپؐ کے ہمراہیوں کو مکہ کے اندر نہ جانے دیا اور عمرہ رہ گیا، آخر بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال تشریف لاکر عمرہ ادا فرمائیں، چنانچہ ذی قعدہ 7ھ میں پھر آپ اسی قصد سے تشریف لے چلے، لیکن آپؐ کے ساتھی مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور مقابلہ ولڑائی پر آمادہ ہو جائیں تو ایسی حالت میں خاموش رہنے میں مصلحت نہ ہوگی اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ذی قعدہ میں قتال لازم آتا ہے، جب کہ یہ ان چار مہینوں میں سے ہے جن کو اشہر حرم یعنی حرمت واحترام والے مہینے کہا جاتا ہے، ان چاروں مہینوں میں اس وقت تک قتل و قتال حرام و ممنوع تھا، یہ چار مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب تھے، غرض مسلمان اس تردد سے پریشان تھے، حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ان خاص معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ باہمی معاہدہ کی وجہ سے تم کو اپنی جانب سے قتال میں پہل کرنے کی اجازت نہیں، لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ
اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ
الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ
مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ
فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ
اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑنے لگیں تم سے اور حد سے تجاوز مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور شرارت (یعنی عہد شکنی) قتل کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو قتل کرو۔ یہی ہے سزا کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد (عقیدہ) اور دین رہے خدا تعالیٰ کا۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے، حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور حرمتیں بدلہ کی چیز ہیں۔ پھر جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی ہے تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین کر لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے۔

تفسیر: (اور) بے تکلف (تم) بھی (لڑو اللہ کی راہ میں) دین کی حمایت کی نیت سے (ان لوگوں کے ساتھ جو) عہد توڑ کے (تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور) از خود (حد) معاہدہ (سے مت نکلو) کہ عہد شکنی کر کے لڑنے لگو، (واقعی اللہ تعالیٰ) قانون شرعی کی (حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور) جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں تو اس وقت دل کھول کر خواہ (ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور) خواہ (ان کو) مکہ سے (نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو) (تنگ کر کے اور ایذائیں پہنچا کر (نکلنے) اور ہجرت کرنے (پر مجبور کیا) ہے اور تمہارے اس قتل کرنے و اخراج کرنے کے بعد بھی عقلاً الزام انہیں پر رہے گا، کیونکہ

عہد شکنی جو ان سے واقع ہو گی بڑی شرارت کی بات ہے اور ایسی (شرارت) ضرر میں (قتل) واخراج (سے بھی سخت تر ہے) کیونکہ اس قتل واخراج کی نوبت اس شرارت ہی کی بدولت پہنچتی ہے (اور) ان کے ساتھ قتال میں پہل کرنے سے معاہدہ کے علاوہ ایک اور امر بھی مانع ہے وہ یہ کہ حرم شریف یعنی مکہ اور اس کا گرداگرد ایک واجب الاحترام جگہ ہے اور اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ (ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب) ونواح (میں جو حرم کہلاتا ہے (قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں، ہاں اگر وہ) کفار (خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو) اس وقت پھر تم کو بھی اجازت ہے کہ (تم) بھی (ان کو مارو) دھاڑو۔ (ایسے کافروں کی) جو حرم میں لڑنے لگیں (ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر) قتال شروع کرنے کے بعد بھی (وہ لوگ) یعنی مشرکین مکہ اپنے کفر سے (باز آجائیں) اور اسلام قبول کرلیں (تو) ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جائے گا بلکہ (اللہ تعالیٰ) ان کے گذشتہ کفر کو (بخش دیں گے اور) مغفرت کے علاوہ بے شمار نعمتیں دے کر ان پر (مہربانی) بھی (فرمائیں گے اور) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائے تو اگرچہ دوسرے کفار کے لئے اسلامی قانون یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی اگر اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینے کا اقرار کرلیں تو ان کا قتل ہی جائز نہیں رہتا بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت پر لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں ان کے لئے قانون جزیہ نہیں، بلکہ ان کے لئے صرف دو راستے ہیں اسلام یا قتل۔ اس واسطے (ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ) ان میں (فساد عقیدہ) یعنی شرک (نہ رہے اور) ان کا (دین) خالص (اللہ ہی کا ہو جائے) اور کسی کے دین ومذہب کا خالصاً اللہ کے لئے ہو جانا موقوف ہے قبول اسلام پر، تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کرلیں۔ (اور اگر وہ لوگ) کفر سے (باز آجائیں) جس کا ذکر ابھی ہوا بھی ہے (تو) آخرت میں مغفرت ورحمت کے مستحق ہونے کے ساتھ دنیا میں ان کے لئے تم کو یہ قانون بتایا جاتا ہے کہ سزا کی (سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی، سوائے بے انصافی کرنے والوں کے) جو براہ بے انصافی خدائی احسانات کو بھول کر کفر وشرک کرنے لگیں۔ اور جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو بے انصاف نہ رہے، لہٰذا ان پر سزائے قتل کی سختی نہ رہی۔ اور مسلمانو! تم کو جو یہ خیال ہے کہ کفار مکہ اگر اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو حرمت والے مہینے یعنی ذی قعدہ میں ان سے لڑنا پڑے گا سو اس سے بھی بے فکر رہو، کیونکہ (حرمت والا مہینہ) تم کو قتال کفار سے مانع ہو سکتا ہے (بعوض) اس کے کہ اس (حرمت والے مہینہ کے) سبب وہ بھی تم سے قتال نہ کریں (اور وجہ یہ ہے کہ یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں) سو جو تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت رکھو اور (جو تم پر) ایسی حرمتوں کی رعایت نہ کر کے (زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی

اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور) ان سب مذکورہ احکام کے برتاؤ میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ کسی امر میں شرعی حد سے تجاوز نہ ہونے پائے (اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ) اپنی عنایت و رحمت سے (ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں)

دسواں حکم: جہاد میں انفاق

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں۔ اور کام اچھی طرح کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے اچھی طرح کام کرنیوالوں کو۔

(اور تم لوگ) جان کے ساتھ مال بھی (خرچ کیا کرو اللہ کی راہ) یعنی جہاد (میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو) کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے بزدلی یا بخل کرنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور مخالف قوی ہو جائے گا جو کہ عین تباہی ہے (اور) جو (کام) کرو (اچھی طرح کیا کرو) مثلاً اس موقع پر خرچ کرنا ہے تو دل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کے ساتھ خرچ کرو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو)۔

گیارہواں حکم: متعلق حج و عمرہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ
الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَ
اتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا
فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ
قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ
وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ
مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي
الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا
كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ
فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے۔ پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور مت مونڈو اپنے سروں کو جب تک نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو فدیہ دے روزے یا خیرات یا قربانی۔ پھر جب تم امن سے ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے۔ پھر جس کو قربانی نہ ملے تو تین دن کے روزے ہیں حج کے دنوں میں اور سات روزے جب تم لوٹنے لگو۔ یہ پورے دس ہوئے، یہ (ملانے کا حکم) اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے،

حج کے چند مہینے معلوم ہیں، پھر جس شخص نے لازم کر لیا ان میں حج تو فحش بات کرنا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانے میں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر زاد راہ سوال سے بچنا ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو

کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو معاش اپنے رب کی طرف سے۔ پھر جب لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو بتا رکھا ہے۔ اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقفوں میں سے، پھر (طواف کے لئے) لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور مغفرت چاہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان،

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو مثل تمہارے یاد کرنے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔ پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں بہتری اور آخرت میں بہتری اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے، انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پھر جو کوئی (منیٰ سے مکہ کو) جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں (یہ سب باتیں) اس کے لئے ہیں جو کہ ڈرتا ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اور) جب حج یا عمرہ (کرنا) ہو تو اس (حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے) راضی کرنے کے (واسطے پورا پورا ادا کیا کرو) کہ اعمال و آداب بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب ہی کی ہو (پھر اگر) کسی دشمن کی جانب سے یا کسی مرض کے سبب سے حج و عمرہ کے پورا کرنے سے (روک دیئے جاؤ تو) اس حالت میں یہ حکم ہے کہ (قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو) ذبح کرے اور حج و عمرہ کی جو وضع اختیار کر رکھی تھی ترک کر دے۔ اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ شرع میں سر منڈانا یا بال کٹوانا ہے (اور) یہ نہیں کہ رکاوٹ پیش آتے ہی فوراً احرام کھولنا درست ہے، بلکہ (اپنے سروں کو) احرام کھولنے کی غرض سے (اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ) وہ (قربانی) کا جانور جس کے ذبح کا اس حالت میں حکم تھا (اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے) اور وہ موقع حرم ہے کہ اس قربانی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کیا جا سکتا ہے وہاں اگر خود نہ جا سکے تو کسی کے ہاتھ بھیج کر ذبح کرایا جائے۔ جب جانور ذبح ہو جائے اس وقت احرام کھولنا

جائز ہوگا (البتہ اگر کوئی تم میں سے) کچھ (بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ) زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی (تکلیف ہو) اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑے (تو) اس کو اجازت ہے کہ وہ سر منڈا کر (فدیہ) یعنی اس کا شرعی بدلہ (دیدے) یعنی خواہ تین (روزے سے یا) چھ مسکینوں کو فی مسکین صدقہ فطر کے برابر یعنی نصف صاع گیہوں (خیرات) کے طور پر (دیدینے سے یا) ایک بکری (ذبح کر دینے سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو) خواہ تو پہلے ہی سے کوئی خوف و مزاحمت پیش نہیں آئی یا ہو کر جاتی رہی (تو) اس صورت میں حج و عمرہ کے متعلق قربانی کرنا ہر ایک کے ذمہ نہیں ہے بلکہ خاص (جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر نفع اٹھایا ہو) یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو (تو) فقط اس پر واجب ہے کہ (جو کچھ قربانی میسر ہو) ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں (پھر) ایام حج میں حج و عمرہ کو جمع کرنے والوں میں سے (جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو) مثلاً غریب ہے (تو) اس کے ذمہ بجائے قربانی کے (تین دن کے روزے ہیں) ایام (حج میں) جو کہ نویں تاریخ ذی الحجہ تک ہوتے ہیں (اور سات) دن کے روزے (ہیں، جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آ جائے) یعنی حج کر چکو خواہ لوٹا ہو یا کہ وہیں رہنا ہو (یہ پورے دس) دن کے روزے (ہوئے) اور یہ بھی یاد رکھو کہ ابھی جو حج و عمرہ کے ملانے کا حکم ہوا ہے (یہ) ملانا ہر ایک کو درست نہیں، بلکہ خاص (اس شخص کے لئے) درست (ہے جس کے اہل) و عیال (مسجد حرام) یعنی کعبہ کے قرب نواح (میں نہ رہتے ہوں) یعنی حدود حرم مکہ میں ان کا وطن نہ ہو (اور) ان سب احکام کی بجا آوری میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ کسی امر میں خلاف ورزی نہ کرو (اور) خوب (جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بیباکی اور مخالفت کرنے والوں کو (سخت سزا دیتے ہیں)۔

وقت حج اور تاکید زاد راہ

افعال (حج) کا زمانہ (چند مہینے ہیں جو) مشہور و (معلوم ہیں) ان میں ایک شوال، دوسرا ذی قعدہ تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ کی ہیں (سو جو شخص ان) ایام (میں) اپنے ذمہ (حج مقرر کر لے) کہ حج کا احرام باندھ لے (تو پھر) اس شخص کو (نہ کوئی فحش بات) جائز (ہے اور نہ کوئی بے حکمی) درست (ہے، اور نہ کسی قسم کا نزاع) اور جھگڑا (زیبا ہے) بلکہ اس کو چاہئے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے (اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے) سو اس کا ثمرہ تم کو عنایت ہوگا (اور) جب حج کو جانے لگو تو (خرچ ضرور) ساتھ (لے لیا کرو، سب سے بڑی بات) اور خوبی (خرچ میں) گداگری سے (بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو) ان احکام کی تعمیل میں (مجھ سے ڈرتے رہو) اور کسی حکم کے خلاف مت کرو۔

فائدہ: فحش بات دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک وہ جو پہلے سے حرام ہے۔ وہ حج کی حالت میں زیادہ حرام ہو گی۔ دوسرے وہ جو پہلے سے حلال تھی جیسے اپنی بیوی سے بے حیائی اور بے حجابی کی باتیں کرنا۔ حج میں یہ بھی درست نہیں۔

حج میں تجارت

اور اگر حج میں کچھ اسباب تجارت ہمراہ لیجانا مصلحت سمجھو تو (تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ) حج میں (معاش کی تلاش کرو جو) تمہاری قسمت میں (تمہارے پروردگار کی طرف سے) لکھی (ہے)

فائدہ: تجارت کی اجازت کی تصریح اس لئے فرمائی کہ اسلام سے قبل ان ایام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ اسلام کے بعد شبہ ہوا کہ شاید گناہ ہو اس لئے گناہ نہ ہونا بتادیا۔ لہذا امباح تو یقیناً ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اخلاص کے خلاف تو نہیں اس کا حکم دیگر مباح کاموں کی طرح ہے کہ دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر حج سے اصلی مقصود تجارت ہی ہے یا حج اور تجارت دونوں مساوی درجہ میں ہیں تو بے شک اخلاص کے خلاف ہے اور حج کا ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصلی مقصود حج ہے اس طور پر کہ اگر تجارت کا سامان نہ رہے تب بھی حج کو ضرور جائے گا اور تجارت محض تابع ہے تو اخلاص کے خلاف نہیں بلکہ اگر اس کے ساتھ یہ نیت ہو کہ تجارت کے نفع سے حج میں اعانت ہو گی تو اوپر سے تجارت میں ثواب ملے گا۔

وقوف عرفات ومزدلفہ

(پھر جب تم لوگ عرفات) میں ٹھہر کر وہاں سے (واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس) یعنی مزدلفہ میں آکر شب کو وہاں قیام کر کے (خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور) یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو، بلکہ (اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو) اللہ تعالیٰ نے (بتار کھا ہے اور حقیقت میں اس) بتانے (سے پہلے تم محض ناواقف تھے، پھر) اس میں اور بھی بات یاد رکھو کہ جیسا قریش نے دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات میں ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور یہ قریش مزدلفہ ہی میں رہ جاتے تھے، عرفات نہ جاتے تھے، یہ جائز نہیں، بلکہ (تم سب کو) خواہ قریش ہوں یا غیر قریش (ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ) جہاں اور (لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔

وقوف منیٰ

جاہلیت میں بعضوں کی تو یہ عادت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر و فضائل بیان کیا کرتے، حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم کے لئے فرماتے ہیں

کہ (پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا) شکر و عظمت کے ساتھ (ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء) واجداد (کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے) بدرجہا (بڑھ کر ہو) نا چاہئے۔ اور بعض کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے، لہذا ان کا سارا ذکر صرف دنیا کے لئے دعا مانگنا ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ صرف دنیا طلبی کی مذمت بیان فرما کر بجائے اس کے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں (سو بعضے آدمی) جو کہ کافر ہیں (ایسے ہیں جو) دعاء میں یوں کہتے ہیں (کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو) جو کچھ دینا ہو (دنیا میں دے دیجئے) اور بس، ان کو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل رہے گا (اور ایسے شخص کو آخرت میں) انکار آخرت کی وجہ سے (کوئی حصہ نہ ملے گا اور بعضے آدمی) جو کہ مومن ہیں (ایسے ہیں جو) دعا میں یوں (کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری) یعنی توفیق بندگی (عنایت کیجئے) اس میں وہ مال اور صحت بھی داخل ہے جس کو بندگی اور اعمال حسنہ میں دخل ہو (اور آخرت میں بھی بہتری) یعنی ثواب اور رحمت و جنت (دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے) سو یہ لوگ اوپر کے لوگوں کی طرح بے بہرہ نہیں بلکہ (ایسے لوگوں کو) دونوں جہان میں (بڑا حصہ ملے گا ان کے اس عمل) یعنی طلب خیر دارین (کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والے ہیں) کیونکہ قیامت میں حساب ہوگا اور قیامت نزدیک آتی جاتی ہے، جب حساب جلدی ہونے والا ہے تو وہاں کی بہتری کو مت بھولو (اور) منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی (اللہ کا ذکر کرو چند روز تک) وہ خاص طریقہ کنکریوں کا خاص تین پتھروں پر مارنا ہے اور وہ چند روز ذوالحجہ کی دسویں گیارہویں بارہویں تاریخیں ہیں، یا تیرہویں بھی کہ ان میں کنکریاں ماری جاتی ہیں، (پھر جو شخص) کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد (دو دن میں) مکہ واپس آنے میں (تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص) ان (دو دن میں) مکہ کی طرف واپسی میں (تاخیر کرے) یعنی بارہویں کو نہ آئے بلکہ تیرہویں کو آئے (اس پر بھی کچھ گناہ نہیں) اور یہ سب باتیں (اس شخص کے واسطے) ہیں (جو) خدا سے (ڈرے)۔ اور نہ ڈرنے والے کو گناہ ثواب ہی سے غرض نہیں (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے)

ربط: اوپر کی آیتوں میں دعاء مانگنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ٹھہرائی تھیں، ایک کافر کہ منکر آخرت ہے اس لئے صرف دنیا مانگتا ہے، دوسرا مومن کہ معتقد آخرت ہے دنیا کی بھلائی کے ساتھ آخرت کی بھلائی بھی مانگتا ہے، اب اگلی آیت میں اسی طرح کی تقسیم نفاق و اخلاص کے اعتبار سے فرماتے ہیں کہ بعض منافق ہوتے ہیں اور بعض مخلصین۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ
اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۴ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا
يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝۲۰۵ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ
فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ
نَفْسَهُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

ترجمہ: اور بعض آدمی وہ ہے کہ خوش کرتی ہے تجھ کو اس کی گفتگو دنیوی زندگی کے بارے میں اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اپنے دل کی سچائی پر اور وہ سخت مخالف ہے، اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرتا ہے زمین میں تاکہ فساد کرے اس میں اور تباہ کرے کھیتیاں اور مویشی اور اللہ پسند نہیں کرتا ہے فساد کو، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرتا ہے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور بے شک وہ برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔

تفسیر: ایک شخص اخنس بن شریق نام کا، بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر دعویٰ اسلام کیا کرتا اور مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت اور مخلوق کی ایذاء رسانی میں لگ جاتا، اس منافق کے بارے میں فرماتے ہیں (اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے) یعنی اپنی گفتگو میں وہ اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا ہے لیکن دل میں فقط یہ نیت ہوتی ہے کہ اس بہانے مسلمانوں کی طرح قرب و خصوصیت کے ساتھ رہوں گا دل سے مسلمان ہونے کی نیت نہیں ہوتی اور اظہار اسلام میں اسکی گفتگو اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے (مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ) اپنا اعتبار بڑھانے کو (اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر، حالانکہ) بالکل جھوٹا ہے، کیونکہ واقع میں (وہ) آپ کی (مخالفت میں) نہایت (شدید ہے اور) جس طرح آپ کا مخالف ہے اس طرح اور مسلمانوں کو بھی ایذا پہنچاتا ہے، چنانچہ (جب) آپ کی مجلس سے (پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں) کوئی (فساد کرے اور) کسی کے (کھیت اور مویشیوں کو تلف کرے) چنانچہ ایک مسلمان کا اس طرح نقصان بھی کر دیا (اور اللہ تعالیٰ فساد) کی باتوں (کو پسند نہیں فرماتے، اور)

اس مخالفت وایذاء کے ساتھ مغرور اس درجہ ہے کہ (جب اس سے کوئی کہتا ہے خدا سے ڈر تو اس کو غرور گناہ پر) اور زیادہ (آمادہ کر دیتا ہے، سو ایسے شخص کی کافی سزا ہے جہنم اور وہ برا ٹھکانا ہے اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے بدلہ میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ربط: ابھی مخلص کی مدح ذکر ہوئی۔ بعض اوقات اس اخلاص میں غلطی سے غلو اور افراط ہو جاتا ہے یعنی قصد تو ہوتا ہے زیادہ اطاعت کا مگر اس اطاعت کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو شریعت وسنت کی حد سے متجاوز ہوتی ہے، اس کو بدعت کہتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ جو پہلے علماء یہود سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا دن تعظیم کا تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان صاحبوں کو اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اسکی بے تعظیمی کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں اس لئے اگر ہم ہفتہ کی تعظیم بدستور کرتے رہیں اور اونٹ کے گوشت کے حلال ہونے کے اعتقاد رکھنے کے باوجود صرف کھانا ترک کر دیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو گا اور اس میں خداتعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس خیال کی اصلاح آئندہ آیت میں کسی قدر اہتمام سے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کامل اسلام فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اس لئے جب دین اسلام میں یہودیت کی رعایت کرنے کا حکم نہیں ہے تو اب ایسے کام دین سمجھنا بدعت ہے جو درحقیقت ایک شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کا عذاب زیادہ سخت ہونے کا خطرہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ
الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٢٠٨﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا
جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٠٩﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ
إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَ
قُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢١٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر۔ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے، پھر اگر تم پھسلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو واضح دلائل تو

جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا، کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آئے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جائے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے یہ سب کام۔

تفسیر: (اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو) یہ نہیں کہ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو (اور) ایسے خیالات میں پڑ کر (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور حقیقت میں بالکل دین کے خلاف (پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو) احکام و شرائع اسلام کی (واضح دلیلیں) (پہنچ چکی ہیں) پھر بھی صراط مستقیم سے (لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ) بڑے (زبردست ہیں) سخت سزا دیں گے اور کچھ دنوں تک سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) کسی حکمت و مصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے (یہ لوگ) جو کہ حق کے دلائل کے واضح ہونے کے بعد بھی کج راہی اختیار کرتے ہیں (صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس) سزا دینے کے لئے (آئیں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے) یعنی کیا اس وقت امر حق قبول کریں گے جب کہ اس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہوگا (اور یہ سارے) جزا و سزا کے (مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے) کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا، سوا ایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام سوائے خرابی کے کیا ہو سکتا ہے۔

فائدہ 1: روح المعانی میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث منقول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب حساب کتاب کے منتظر ہوں گے اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے تجلی فرمائیں گے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ ان سائبانوں کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔

2: بدعت پر جو اس قدر وعید اور رد و انکار کا بیان ہوا ہے تو اگر غور سے کام لیا جائے تو واقع میں بدعت ہے ہی قابل مذمت چیز کیونکہ بدعت کی حقیقت کا خلاصہ غیر شریعت کو شریعت بنانا ہے اور چونکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے جو کسی نبی کو دی جاتی ہے لہٰذا یہ شخص ایسی بات کو جو اللہ کی جانب سے نہیں ہے اپنے اعتقاد میں اللہ کی جانب سے بناتا ہے اور اس کا دعوی بھی کرتا ہے جس کا حاصل اللہ پر افتراء ہے اور اس میں ایک گونہ دعوائے نبوت ہے۔

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ واضح دلائل کے آجانے کے بعد حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے۔ پہلی آیت میں اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ جیسے بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا
الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا
فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر دیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئی اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ سخت عذاب والا ہے۔ مزین کر دی گئی کافروں کیلئے دنیا کی زندگی اور وہ تمسخر کرتے ہیں ایمان والوں پر حالانکہ جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے انداز۔

تفسیر: (آپ) علماء (بنی اسرائیل سے) ذرا (پوچھئے) تو سہی (ہم نے ان کو) یعنی ان کے بزرگوں کو (کتنی واضح دلیلیں دی تھیں) مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرتے اور الٹی گمراہی پر کمر باندھی پھر دیکھو سزائیں بھی اٹھائیں مثلاً تورات ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے مگر انکار کیا، آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی اور مثلاً حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا سر آنکھوں پر رکھتے مگر شبہات نکالے آخر بجلی سے ہلاک ہوئے اور مثلاً دریا میں شگاف کر کے فرعون سے نجات دی گئی، احسان مانتے مگر گوسالہ پرستی شروع کی جس پر سزائے قتل دی گئی اور مثلاً من وسلویٰ نازل ہوا شکر کرنا چاہئے تھا، نافرمانی کی وہ سڑنے لگا، اور اس سے نفرت ظاہر کی تو وہ موقوف ہو گیا اور کھیتی کی مصیبت سر پر پڑی اور مثلاً انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ان میں جاری رہا، غنیمت سمجھتے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا جس پر یہ سزا دی گئی کہ ان سے حکومت وسلطنت چھین لی گئی، اسی طرح کے بہت سے معاملات اسی سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی ذکر ہو چکے ہیں (اور) ہمارا قانون ہی یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی) واضح دلائل جیسی بڑی (نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد) یعنی بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرے الٹا گمراہ بنتا ہے (تو یقیناً حق تعالیٰ) ایسے شخص کو (سخت سزا دیتے ہیں)

دوسری آیت میں مخالفت حق کی وہ اصلی علت جو اکثر پائی جاتی ہے بیان فرماتے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت ہے، جس کا ایک اثر اہل دین کو حقیر سمجھنا بھی ہے، کیونکہ جب دنیا کا غلبہ ہوتا ہے دین کی طلب نہیں رہتی، بلکہ دین کو اپنی دنیوی اغراض کے خلاف دیکھ کر ترک کر بیٹھتا ہے اور دوسرے طالبان دین پر ہنستا ہے۔ اسی

لئے یہود اور مشرکین کے بعض بڑے غریب مسلمانوں کے ساتھ استہزاء سے پیش آیا کرتے تھے، ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں کہ (کفار کو دنیوی زندگی آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور) اسی وجہ سے (ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں، حالانکہ یہ) مسلمان (جو کفر و شرک سے بچتے ہیں قیامت کے روز ان کافروں سے اعلیٰ درجہ) کی حالت (میں ہوں گے) کیونکہ کفار جہنم میں ہوں گے اور مسلمان جنت میں (اور) آدمی کو محض معاشی وسعت پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ (روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے انداز) یعنی بکثرت (دیدیتے ہیں) لہذا اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جو روزی میں بڑا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو اور بڑی عزت تو وہی ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو، پھر محض دنیوی معاش کی بنیاد پر اپنے کو معزز اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا بے وقوفی ہے۔

ربط: اوپر دین حق سے اختلاف کرنے کی علت حب دنیا کو بتایا ہے۔ آگے اسی مضمون کی تائید فرماتے ہیں کہ مدت سے یہی قصہ چلا آرہا ہے کہ ہم دین حق پر واضح دلائل قائم کرتے ہیں اور طالبان دنیا اپنی دنیوی اغراض کے سبب ان کے خلاف کرتے رہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

ترجمہ: تھے سب لوگ ایک طریقے پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب ٹھیک طور سے کہ فیصلہ کرے اللہ لوگوں میں جس بات میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور نہیں اختلاف کیا کتاب میں مگر انہیں لوگوں نے جو دیئے گئے تھے کتاب بعد اس کے کہ ان کے پاس پہنچ چکے صاف دلائل آپس کی ضد سے۔ پھر اب ہدایت دی اللہ نے ایمان والوں کو اس حق بات کی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اپنی توفیق سے اور اللہ بتاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ۔

تفسیر: ایک زمانہ میں (سب آدمی ایک ہی طریق پر تھے) کیونکہ اول دنیا میں حضرت آدم علیہ

السلام مع اپنی زوجہ کے تشریف لائے اور جو اولاد ہوتی گئی ان کو دین حق کی تعلیم فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے، ایک مدت اسی حالت میں گذر گئی، پھر ان کی طبیعتوں کے اختلاف سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا، حتی کہ ایک عرصہ کے بعد اعمال و عقائد میں اختلاف کی نوبت آگئی پھر اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے (اللہ تعالیٰ نے) مختلف (پیغمبروں کو بھیجا جو کہ) حق ماننے والوں کو (خوشی) کے وعدے (سناتے تھے اور) نہ ماننے والوں کو عذاب سے (ڈراتے تھے۔ اور ان) پیغمبروں کی مجموعی جماعت (کے ساتھ) آسمانی (کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں) اور ان پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا (اس غرض سے) تھا (کہ اللہ تعالیٰ) ان رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے اختلاف کرنے والے (لوگوں میں ان کے) مذہبی (اختلافی امور میں فیصلہ فرمادیں) کیونکہ رسول اور کتب الٰہیہ امر واقعی کا اظہار کر دیتے ہیں اور امر واقعی کے متعین ہونے سے غیر واقعی باتوں کا غلط ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور فیصلہ سے یہی مراد ہے۔ اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اللہ کے آنے سے چاہئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے اور اس پر مدار کار رکھ کر اپنے سب اختلافات مٹا دیتے، مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کرنا شروع کر دیا (اور اس کتاب میں) یہ (اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو) اولاً (وہ کتاب ملی تھی) یعنی اہل علم و اہل فہم نے کہ اول مخاطب وہی لوگ ہوتے ہیں، دوسرے عوام ان کے ساتھ لگ جایا کرتے ہیں اور اختلاف بھی کیسے وقت کیا؟ (بعد اس کے) کہ ان کے پاس واضح (دلائل پہنچ چکے تھے) یعنی ان کے ذہن نشین ہو چکے تھے اور اختلاف کیا کس وجہ سے؟ صرف (باہمی ضد اضدی کی وجہ سے) اور اصلی وجہ ضد اضدی کی حب دنیا ہوتی ہے، حب مال ہو یا حب جاہ۔ پس حق کی مخالفت کا دار و مدار جس علت پر ہے وہ وہی حب دنیا ٹھہری۔ (پھر) کفار کا یہ اختلاف اہل ایمان کو کبھی مضر نہیں ہوا، بلکہ (اللہ تعالیٰ نے) ہمیشہ (ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں) اختلاف کرنے والے (اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے) رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کی بدولت (بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اسی کو راہ راست بتا دیتے ہیں)۔

ربط: اوپر کی آیت میں کفار کا ہمیشہ سے انبیاء و مومنین کے ساتھ اختلاف اور خلاف کرتے رہنا مذکور تھا جس میں ایک گونہ مسلمانوں کو اس طور پر تسلی دینا بھی مقصود تھا جن کو کفار کے استہزاء سے ایذاء ہوتی تھی، کہ یہ خلاف تمہارے ساتھ نیا نہیں ہے، ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، آگے ان کفار مخالفین سے انبیاء و مومنین کو انواع انواع کی ایذائیں اور شدائد پہنچنے کی حکایت بیان فرماتے ہیں اور اس سے بھی مسلمانوں کو تسلی دلاتے ہیں کہ تم کو بھی کفار سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرنا چاہئے، کیونکہ کامل راحت تو

آخرت کے لئے محنت ہی اٹھانے سے ہے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے. واقعات ان لوگوں کے جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

تفسیر: دوسری بات سنو (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں) بے مشقت (جا داخل ہو گے حالانکہ) ابھی کچھ مشقت تو اٹھائی ہی نہیں، کیونکہ (تم کو ابھی تک ان) مسلمان (لوگوں کے سے وقعات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان پر) مخالفین کے سبب (ایسی ایسی سختی اور تکلیف واقع ہوئی اور) مصائب سے (ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ) اس زمانہ کے (پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے) بے قرار ہو کر (بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی) موعود (امداد کب ہو گی) جس پر انکی اس جواب سے تسلی کی گئی کہ (یاد رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد) بہت (نزدیک) ہونے والی (ہے)۔

فائدہ: 1۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک و شبہ کی وجہ سے نہ تھا جو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ تو فرمایا ہے مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا اس لئے حالت اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے، اور ایسی دعا کرنا توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے انبیاء اور صلحاء امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

2۔ اور یہ جو فرمایا کہ کیا جنت میں بے مشقت چلے جاؤ گے تو مشقت کے مختلف درجات ہیں جن میں ادنی درجہ نفس اور شیطان سے مزاحمت کر کے یا مخالفین دین کے ساتھ خلاف کر کے عقائد کا درست کرنا ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ آگے اوسط اور اعلی درجے ہیں۔ اسی طرح دخول جنت کے مختلف

مراتب ہیں پس جس درجہ کی مشقت ہوگی اسی درجہ اور مرتبہ کا دخول جنت میں ہوگا۔

بارہواں حکم: مصارف انفاق

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے کیا چیز خرچ کریں۔ کہہ دو جو کچھ تم خرچ کرو سو حق ہے ماں باپ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو بے شک اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ) ثواب کے واسطے (کیا چیز خرچ کیا کریں) اور کس موقع پر صرف کیا کریں (آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو) اس کی تعیین تو تمہاری ہمت پر ہے، مگر ہاں موقع ہم بتائے دیتے ہیں کہ (ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو بھی نیک کام کرو گے) خواہ راہ خدا میں خرچ کرنا ہو یا اور کچھ ہو (سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے) اور اس پر ثواب دیں گے۔

تیرہواں حکم: فرضیت جہاد

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: فرض کی گئی تم پر لڑائی اور وہ گراں لگتی ہے تم کو۔ اور شاید کہ گراں سمجھو تم ایک چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں۔ اور شاید تم پسند کرو ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو) طبعاً (گراں) معلوم ہوتا (ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو گراں سمجھو اور) واقع میں (وہ تمہارے حق میں خیر) اور مصلحت (ہو۔ اور یہ بھی (ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور) واقع میں (وہ تمہارے حق میں) خرابی (کا باعث (ہو

اور) ہر شے کی حقیقت حال کو (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم) پورا پورا (نہیں جانتے) لہذا اچھے برے کا فیصلہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نہ کرو جو کچھ اللہ کا حکم ہو جائے اسی کو اجمالاً مصلحت سمجھ کر اس پر کار بند رہا کرو۔

چودھواں حکم: حرمت والے مہینہ میں قتال کی تحقیق

حضور ﷺ کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہو گیا، ایک کافران کے ہاتھ سے مارا گیا اور جس روز یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی، مگر صحابہ اس کو جمادی الاخری کی تیس سمجھتے تھے اور رجب اشہر حرم میں سے ہے، کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضور ﷺ سے پوچھا اور بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہو کر اعتراض کیا اس پر ارشاد ہوتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حرمت والے مہینہ میں قتال کے بارے میں۔ کہہ دے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

تفسیر: (لوگ آپؐ سے حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر) یعنی عمداً (قتال کرنا جرم عظیم ہے) مگر مسلمانوں سے یہ فعل بالقصد صادر نہیں ہوا، بلکہ تاریخ کی تحقیق نہ ہونے کے سبب غلطی سے ایسا ہو گیا۔ یہ تو تحقیقی جواب ہے (اور) الزامی جواب یہ ہے کہ کفار و مشرکین کا تو کسی طرح منہ ہی نہیں کہ مسلمانوں پر اعتراض کریں، کیونکہ اگرچہ شہر حرام میں لڑنا جرم عظیم ہے لیکن ان کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی (اللہ تعالیٰ کی راہ) دین (سے) لوگوں کو (روک ٹوک کرنا) یعنی مسلمان ہونے پر تکلیفیں پہنچانا کہ ڈر کے مارے لوگ مسلمان نہ ہوں (اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام) یعنی کعبہ کی زیارت (سے لوگوں کو روکنا) (اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے) یعنی رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومنین (ان کو) تنگ اور پریشان کر کے (اس) مسجد حرام (سے خارج) ہونے پر مجبور (کر دینا) جس سے نوبت ہجرت یعنی ترک وطن کی پہنچی، سو یہ حرکتیں

حرمت والے مہینے میں قتال کرنے سے بھی زیادہ بڑے جرم ہیں (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) کیونکہ یہ حرکتیں دین حق کے اندر فتنہ پردازی کرنا ہے (اور) ایسی (فتنہ پردازی کرنا) اس (قتل) کے واقعہ (سے) جو مسلمانوں سے صادر ہوا قباحت میں (بدرجہا بڑھ کر ہے) کیونکہ اس قتل سے دین حق کو تو کوئی مضرت نہیں پہنچی بہت سے بہت اگر کوئی قصدا کرے خود ہی گنہگار ہوگا جبکہ ان حرکتوں سے تو دین حق کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس کی ترقی رکتی ہے۔

ربط: اوپر دین حق میں ان کی مزاحمت کرنے کا ذکر تھا آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے ہیں:

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا

ترجمہ: اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے تاکہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پائیں۔

تفسیر: (اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ) وجدال کا سلسلہ جاری ہی (رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین) اسلام (سے پھیر دیں) ان کے اس فعل سے دین کی مزاحمت ظاہر ہے

ربط: آگے مسلمانوں کو احتیاطاً تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار جو دین حق کی مزاحمت میں سعی کر رہے ہیں اگر اس سعی کا کوئی اتباع کر بیٹھے یعنی دین حق سے پھر جائے تو اس کا کیا انجام ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ: اور جو کوئی پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، پھر مر جائے حالت کفر ہی میں تو ان لوگوں کے ضائع ہو جاتے ہیں عمل دنیا اور آخرت میں۔ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین) اسلام (سے پھر جائے، پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے) نیک (اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں) اور (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے)

ربط: حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو مذکورہ جواب سن کر گناہ نہ

ہونے کا تو اطمینان ہو گیا تھا مگر اس خیال سے دل شکستہ تھے کہ ثواب تو ہوا ہی نہ ہوگا، آگے اس میں تسلی کی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

ترجمہ: اور بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو، ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں) اور تم لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں ایمان اور ہجرت کا ہونا تو ظاہر ہے، رہا جہاد، سو چونکہ تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی، لہذا ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے، پھر ان صفات کے ہوتے ہوئے تم کیوں ناامید ہوتے ہو (اور اللہ تعالیٰ) اس غلطی کو (معاف کر دیں گے اور) ایمان و جہاد و ہجرت کی وجہ سے تم پر (رحمت کریں گے)

پندرہواں حکم متعلق شراب و قمار

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدے سے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں) چیزوں کے استعمال (میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی) پیدا ہو جاتی (ہیں اور لوگوں کیلئے) بعضے (فائدے بھی ہیں اور) وہ (گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں) اس لئے دونوں قابل ترک ہیں۔

فائدہ: پہلے یہ دونوں چیزیں حلال تھیں۔ سب سے پہلے یہی آیت شراب و قمار کے متعلق نازل کی گئی اور اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال خود گناہ ہے کیونکہ ابھی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ ان کے استعمال سے اکثر اوقات گناہ کی دوسری باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے حالانکہ عقل ہی معاصی کے ارتکاب سے روکتی ہے اور قمار سے مال کی حرص بڑھتی ہے اور حرص سے چوری، ڈکیتی وغیرہ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور ان میں جو منافع ہیں وہ تحصیل لذت اور تحصیل مال ہیں۔ پس اس آیت سے ان دونوں کی خاص حرمت کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا

بلکہ ان کے بعض عوارض کی وجہ سے ان دونوں کے ترک کا مشورہ دینا مطلوب تھا کہ جتنا نقصان ہو جاتا ہے اتنا نفع نہیں ہوتا کیونکہ نفع توقتی اور عارضی ہے جب کہ نقصان مستقل اور متعدی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس آیت کو سن کر بعض نے تو فوراً دونوں کو ترک کر دیا کہ گو اس آیت نے حرام نہیں کیا مگر شر اور مفاسد کا ذریعہ ہونا تو ثابت ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ جب حرام نہیں ہے تو ان مفاسد کا ہم کچھ انتظام کر کے تحصیل منافع کے لئے استعمال کیا کریں گے۔ پھر اس آیت کے بعد بعض نے شراب پی کر نماز پڑھی اور غلط پڑھی تو نماز کے اوقات میں پینا بالکل ممنوع ہو گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد مطلقاً حرام کر دی گئی اور یہی آخری حکم ہے جس نے پہلے احکام کو منسوخ کر دیا۔

سولہواں حکم: مقدار انفاق

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا مقدار خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے احکام تاکہ تم سوچ لیا کرو دنیا و آخرت کے معاملات میں۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ) خیر خیرات میں (کتنا خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو) کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جائیں یہی مطلب ہے ترجمہ میں دی ہوئی عبارت کا کہ "جو بچے اپنے خرچ سے"۔ (اللہ تعالیٰ اس طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم) کو ان کا علم ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کرنے سے پہلے (دنیا و آخرت کے معاملات میں) ان احکام کو (سوچ لیا کرو) اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو۔

فائدہ: مثلاً خرچ ہی کرنے کے بارے میں کہ جس کو دنیا و آخرت دونوں کے ساتھ تعلق ہے۔ دنیا کے ساتھ حاجتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے اور آخرت کے ساتھ ثواب کمانے کا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے۔ لہذا پہلے سوچ لیا کرو کہ یہ خرچ کرنا حکم الٰہی کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو خرچ کیا ورنہ نہیں۔ اور اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی معصیت میں خرچ کرتا ہے تو مطلقاً ناجائز ہے اور اگر اطاعت میں خرچ کرتا ہے تو اگر وہ طاعت واجب یا فرض ہے مثلاً زکوۃ وغیرہ تو خرچ کرنا فرض و واجب ہے۔ اور اگر نفل ہے جیسے معمولی صدقہ و خیرات تو اگر کسی عیال وغیرہ کا اس میں حق ضائع ہوتا ہو تو خرچ

کرنا ناجائز اور اگر کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا لیکن خود پریشان ہو کر صبر نہ کر سکے گا تو بھی ناجائز ورنہ جائز۔ اور اگر وہ موقع نہ طاعت ہے نہ معصیت بلکہ مباح ہے جیسے پھل، میوے اور لذت کی چیزیں تو اگر ان سے طاعت پر تقویت کی نیت ہے تو ثواب ہے اور اگر معصیت پر تقویت کی نیت ہے تو گناہ ہے اور اگر محض دل ہی خوش کرنا ہے تو مباح ہے۔ اس آیت میں نفلی صدقات کا حکم مذکور ہے۔ اس کی شرطوں کا تفصیلی بیان اس فائدہ میں ہو گیا۔

سترہواں حکم: مخالطت یتیم

برصغیر کی طرح ابتداء میں چونکہ عرب میں بھی یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لئے یہ وعید سنائی گئی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا، تو سننے والے ڈر کے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا بھی الگ پکواتے اور الگ رکھواتے اور اتفاقاً اگر بچہ کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا تھا، کیونکہ اس کا استعمال نہ ان لوگوں کے لئے جائز تھا اور نہ یتیم کے مال کو صدقہ کر دینے کا اختیار تھا، اس طرح تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا نقصان بھی، اس لئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا، اس کے متعلق آیت میں یہ ارشاد آیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ۭ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّھُمْ خَيْرٌ ۭ وَاِنْ تُخَالِطُوْھُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم۔ کہہ دے انکی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے۔ اور اگر تم شامل رکھو انکے ساتھ (خرچ کو) تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے یتیم بچوں) کے خرچ علیحدہ یا شامل رکھنے (کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ) ہمارا اصل مقصود ان کے اموال کھانے کی ممانعت سے یہ ہے کہ ان کی مصلحت کو ضائع نہ کیا جائے اور جب خرچ شامل رکھنے میں ان کی مصلحت ہے تو (ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا) خرچ علیحدہ رکھنے سے جو خلاف مصلحت ہے (زیادہ بہتر ہے اور تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو) کچھ ڈر کی بات نہیں کیونکہ (وہ) بچے (تمہارے) دینی (بھائی ہیں) اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ مصلحت

کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو) الگ الگ (جانتے ہیں) اس لئے کھانے پینے میں اشتراک ایسا نہ ہونا چاہئے جس میں یتیم کی مصلحت ضائع ہو جائے اور بلا علم و بلا قصد کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیک نیتی معلوم ہے اس لئے اس پر مواخذہ نہ ہو گا (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو) اس معاملہ میں سخت قانون مقرر کر کے (تم کو مشقت میں ڈال دیتے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) مگر سہل قانون اس لئے مقرر فرمایا کہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) ایسا حکم نہیں دیتے جو نہ ہو سکے۔

فائدہ: چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے اس لئے اخوانکم یعنی دینی بھائی فرمایا ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے اور اس کی دلیل دوسری آیات واحادیث ہیں جن میں عام کے الفاظ آئے ہیں مثلاً لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ.

اٹھارہواں حکم: مناکحت کفار

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمہ: اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور ضرور مسلمان لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح میں نہ دو مشرک مردوں کے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ضرور مسلمان غلام بہتر ہے مشرک مرد سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے۔ وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

تفسیر: (اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت) چاہے (لونڈی) کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ (بہتر ہے کافر عورت سے) چاہے وہ آزاد عورت ہی کیوں نہ ہو (گو وہ) کافر عورت مال یا جمال کی وجہ سے (تم کو اچھی معلوم ہو) مگر پھر بھی واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے (اور) اسی طرح اپنے اختیار کی (عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد) چاہے (غلام) ہی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ (بہتر ہے کافر مرد سے)

چاہے وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو (گو وہ) کافر مرد مال یا جاہ کی وجہ سے (تم کو اچھا معلوم ہو) مگر پھر بھی واقع میں مسلمان ہی اس سے اچھا ہے اور ان کافروں کے برا ہونے کی وجہ اور وہی ان سے ممانعت نکاح کا اصل سبب ہے یہ ہے کہ (یہ) کافر (لوگ دوزخ) میں جانے (کی تحریک دیتے ہیں) کیونکہ کفر کی تحریک کرتے ہیں اور اس کا انجام جہنم ہے (اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت) کے حاصل کرنے (کی تحریک کرتے ہیں اپنے حکم سے) اور اس حکم کا ظہور اس طرح ہوا کہ کفار کے متعلق یہ حکم صادر فرمادیا کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے، تاکہ ان کی تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے اور اس سے محفوظ رہ کر جنت اور مغفرت حاصل ہو جائے (اور اللہ تعالیٰ اس واسطے اپنے احکام بتا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں) اور جنت و مغفرت کے مستحق ہو جائیں۔

فائدہ: اس آیت میں دو حکم ہیں ایک یہ کہ کافر مردوں سے مسلمان عورت کا نکاح نہ کیا جائے سو یہ حکم تو اب بھی باقی ہے۔ دوسرا حکم یہ کہ مسلمان مرد کا کافر عورت سے نکاح نہ کیا جائے۔ اس حکم کے دو جزو ہیں۔ ایک جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہ ہو بلکہ کوئی اور کفریہ مذہب رکھتی ہو تو اس جزو میں بھی اس آیت کا حکم باقی ہے چنانچہ ہندو یا آتش پرست یا دہریہ عورت سے مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ اس خاص جزو میں اس آیت کا حکم باقی نہیں بلکہ سورہ مائدہ کی ایک آیت میں یہ مضمون ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

2: اگرچہ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے لیکن اس کو بہت مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا چاہئے اور وہ بھی اس وقت جب اپنے اور اپنے ہونے والے بچوں کے دین پر پورا اطمینان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں دیندار عورت سے نکاح کرنے کا حکم ہے تو کافر عورت سے نکاح کرنا تو اسی درجہ میں ناپسند ہو گا۔ دوسرے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مردوں کے ایمان اور دین کی کمزوری کی وجہ سے اکثر عورت کا بچوں پر غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو کافر بنا لیتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مفاسد ہیں جو اہل تجربہ پر مخفی نہیں۔

انیسواں حکم: حیض کے دوران جماع کی حرمت اور پاکی کے دنوں میں اجازت کی شرائط

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ
فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى
يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ

حَرۡثٌ لَّكُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَكُمۡ اَنّٰى شِئۡتُمۡ وَقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ مُّلٰقُوۡهُ ‌ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا۔ کہہ دے وہ گندگی کی چیز ہے۔ سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو آؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے۔ بے شک اللہ پسند کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتے ہیں پاک صاف رہنے والوں کو۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ سو آؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آئندہ کیلئے تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور خوش خبری سنا ایمان والوں کو۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے حیض) کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے (کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ) حیض (گندگی کی چیز ہے،) تو حالت (حیض میں عورتوں) کے ساتھ صحبت کرنے (سے علیحدہ رہا کرو اور) اس حالت میں (ان سے قربت مت کرو جب تک وہ) حیض سے (پاک نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ) عورتیں (اچھی طرح پاک ہو جائیں) کہ ناپاکی اور حیض کا شک وشبہ نہ رہے (تو ان کے پاس آؤ جاؤ) یعنی ان سے صحبت کرو (جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے) یعنی آگے سے (یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے) مثلاً اتفاقاً یا بے احتیاطی سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی (اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے) جو حالت حیض میں صحبت کرنے سے اور دوسری ممنوعہ باتوں سے بچتے ہیں۔ اور حالت پاکی میں صحبت کی اجازت دینا پھر اس شرط سے اجازت دینا کہ آگے کے موقع میں صحبت ہو اس لئے ہے کہ (تمہاری بیویاں تمہارے لئے) بمنزلہ (کھیت) کے (ہیں) جس میں نطفہ بیج کی طرح اور بچہ پیداوار کی طرح ہے (سو اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ) اور جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیویوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے خواہ کروٹ سے ہو یا پیچھے سے یا آگے سے، بیٹھ کر ہو یا اوپر یا نیچے لیٹ کر ہو، یا جس ہیئت سے ہو، مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا موقع ہے، کیونکہ پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں، اس میں صحبت نہ ہو۔ اور ان لذتوں میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت ہی کو بھول جاؤ، بلکہ (آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ) اعمال صالحہ (کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے) ہر حال میں (ڈرتے رہو) اور (یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو) اور اے محمد ﷺ ایسے (ایمان داروں کو) جو نیک کام کریں، خدا سے ڈریں، خدا تعالیٰ کے سامنے جانے کا یقین رکھیں (خوشی کی خبر سنا دیجئے) کہ ان کو آخرت

میں ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی۔

بیسواں حکم: خیر کے کام کے ترک پر قسم کھانے سے ممانعت

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَیۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَ تُصۡلِحُوۡا بَیۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: اور مت بناؤ اللہ کے نام کو حجاب اپنی قسموں کے ذریعے اسکا کہ تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

تفسیر: اور (اللہ) کے نام کو (اپنی قسموں کے ذریعے سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے کام کرو) یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کریں گے (اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں) تو زبان سنبھال کر بات کرو، اور دل میں برے خیالات مت لاؤ۔

فائدہ: جس بات سے آدمی قسم کھالیتا ہے اس سے رک جاتا ہے تو اس نے خیر کے کاموں میں اللہ کی قسم کھائی تو گویا قسم کھا کر ان کاموں کا حجاب اللہ کے نام کو بنادیا حالانکہ اللہ کے نام سے تو نیک کام زیادہ کرنے چاہئیں اس نے الٹا معاملہ کیا۔ اس لئے ایسی بات پر قسم کھانا اور زیادہ برا ہوا اور نہ تو نیک کام کو بغیر قسم کے بھی ترک کرنا برا ہے۔

اکیسواں حکم: جھوٹی قسم کھانے سے ممانعت

لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِیۡۤ اَیۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ یُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا كَسَبَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: مواخذہ نہیں کرے گا تمہارا اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر لیکن مواخذہ کرے گا تمہارا ان قسموں پر جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ تم پر) آخرت میں (گرفت نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں) ایسی (بے ہودہ قسم پر) جس میں بلا قصد جھوٹ بولا گیا (لیکن گرفت فرمائیں گے اس جھوٹی قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے) جھوٹ بولنے کا (ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں) کہ ایسی بے ہودہ قسم پر گرفت نہ فرمائی (حلیم ہیں) کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک کی مہلت دی۔

لغو قسم کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ کسی گذری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی، یا نکلی تو

ارادے سے، مگر اس کو اپنے گمان میں صحیح سمجھتا ہے جیسے اپنے علم و گمان کے مطابق قسم کھا بیٹھا کہ زید آگیا ہے اور واقع میں وہ نہ آیا تھا، یا آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی اس میں گناہ نہیں ہوتا اور اس کو اسی واسطے لغو کہتے ہیں، آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اس کے مقابلہ میں جس پر مواخذہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ قسم ہے جو قصداً جھوٹی سمجھ کر کھائی ہو اس کو غموس کہتے ہیں، اس میں گناہ ہوتا ہے۔

دوسرے معنی لغو کے یہ ہیں جس پر کفارہ نہ ہو اور اس کو لغو اس لئے کہیں گے کہ دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ اس پر نہیں آتا، اس معنی کے لحاظ سے لغو غموس کو بھی شامل ہے کہ اس میں اگرچہ گناہ ہوتا ہے لیکن کفارہ نہیں آتا۔ اس کے مقابلہ میں وہ قسم جس پر کفارہ بھی آتا ہے منعقد کہلاتی ہے جو یہ ہے کہ قصداً یوں قسم کھائے کہ میں فلاں کام کروں گا یا فلاں کام نہ کروں گا۔ اس میں خلاف کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔

بائیسواں حکم: ایلاء

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

ترجمہ: جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر عزم کر لیا چھوڑ دینے کا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (یعنی جو لوگ) کسی مدت کی قید کے بغیر یا چار ماہ یا زائد مدت کے لئے (قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ سو اگر) ان چار مہینے کے اندر (یہ لوگ) اپنی قسم کو توڑ کر عورت کی طرف (رجوع کر لیں تب تو نکاح باقی رہے گا اور (اللہ تعالیٰ) ایسی قسم کو توڑنے کا گناہ کفارہ سے (معاف کر دیں گے) اور چونکہ اب بیوی کے حقوق ادا کرنے لگا اس پر (رحمت فرمائیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے) اور اس لئے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا (تو) چار ماہ گذرتے ہی ایک بائنہ طلاق پڑ جائے گی اور (اللہ تعالیٰ) ان کی قسم کو بھی (سنتے ہیں) اور ان کے اس پختہ ارادے کو بھی (جانتے ہیں) اس لئے اس کے متعلق مناسب حکم ارشاد فرمایا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا
اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ
عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر ارادہ کریں اصلاح کا اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ عورتوں کے ذمہ حقوق ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کیلئے عورتوں پر فوقیت ہے کچھ درجہ اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اور طلاق دی ہوئی عورتیں) جن میں یہ صفتیں ہوں کہ خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو، ان کو حیض آتا ہو اور حاملہ نہ ہوں اور آزاد ہوں یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں (اپنے آپ کو) نکاح سے روک کر (انتظار میں رکھیں تین حیض) ختم ہونے (تک) اور اس کو عدت کہتے ہیں (اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم) بچہ دان (میں پیدا کیا ہو) خواہ حمل ہو یا حیض (اس کو پوشیدہ کریں) کیونکہ اس کے پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جائے گا (اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہیں) کیونکہ اس یقین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ قیامت میں نافرمانی پر سزا نہ ہو جائے (اور ان عورتوں کے شوہر) جب کہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو جس کا بیان آگے آئے گا (ان کے) تجدید نکاح کے بغیر (اس عدت کے اندر ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں) اور اس لوٹا لینے کو رجعت کہتے ہیں (بشرطیکہ) رجعت کرنے سے (اصلاح کا قصد رکھتے ہوں) ورنہ تنگ کرنے کے لئے رجعت کرنا بے فائدہ ہے اگرچہ رجعت تو ہو ہی جائے گی، (اور) اصلاح کا یہ حکم اس لئے کیا گیا کہ (عورتوں کے حقوق ہیں) مردوں پر (جیسا کہ عورتوں پر حقوق ہیں) مردوں کے کہ ان کو شرعی (قاعدہ کے موافق) ادا کیا جائے (اور) اتنی بات ضرور ہے کہ (مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے) اس لئے ان کے حقوق کی نوعیت عورتوں کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے (اور اللہ تعالیٰ زبردست) حاکم (ہیں) جو احکام چاہیں مقرر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور (حکیم) بھی (ہیں) کہ نہایت مصلحت کے ساتھ احکام مقرر فرماتے ہیں)

فائدہ: مرد پر عورت کے خاص حقوق یہ ہیں: اپنی وسعت کے موافق اس کو کھانا کپڑا رہنے کا گھر دے، مہر دے، اس کو تنگ نہ کرے اور عورت پر مرد کے خاص حق یہ ہیں۔ اس کی اطاعت کرے۔ اس کی خدمت کرے۔ تفسیر میں مذکورہ شرعی قاعدہ سے یہی تفصیل مراد ہے اور ان کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہے اور مرد کے حق کی نوعیت عورت کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ درجہ کی فوقیت کی وجہ سے مردوں کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہئے کہ اگر عورتوں کی طرف سے ان کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

پچیسواں حکم: طلاق رجعی کا عدد

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اس واسطے یہ آیت اتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دو بار ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

ترجمہ: طلاق رجعی ہے دو بار تک۔ اس کے بعد رکھ لینا ہے موافق قاعدہ یا چھوڑ دینا ہے بھلے طریقے سے۔

تفسیر: (طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر) دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں (خواہ یہ کہ رجعت کر کے عورت کو قاعدہ کے مطابق رکھ لے، خواہ) یہ کہ رجعت نہ کرے، عدت پوری ہونے دے اور اس طرح (اچھے طریقے سے اس کو چھوڑ دے)

چھبیسواں حکم: خلع

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ
اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا
تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: اور تم کو جائز نہیں کہ لو اس میں سے جو تم نے دیا عورتوں کو کچھ بھی مگر جب کہ خاوند بیوی دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے ضابطے۔ پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے ضابطے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس مال میں جو عورت فدیہ کے طور پر دے۔ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں سے تو وہی لوگ ہیں ظالم۔

تفسیر: (اور) اے مسلمانو! (تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ) بیویوں کو چھوڑنے کے وقت (ان سے کچھ بھی لو) اگرچہ جو لیا ہو وہ (اس) مال (میں سے) کیوں نہ ہو (جو تم نے) ہی مہر میں (ان کو دیا تھا مگر) ایک صورت میں البتہ حلال ہے، وہ (یہ کہ) تم میں سے کوئی (میاں بیوی) ایسے ہوں کہ (دونوں کو خطرہ ہو کہ) حقوق زوجیت کے بارے میں (وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر) اے مسلمانو (تم کو یہ خطرہ ہو کہ) تم میں سے کوئی میاں بیوی (وہ دونوں خدائی ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا) اس مال کے لینے دینے میں (جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے) بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو یہ سب احکام (خدائی ضابطے ہیں تم ان سے باہر نہ نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں کو توڑ کر باہر نکل جائے تو ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں)

فائدہ: عورت سے مال طے کر کے چھوڑنا اس کی دو صورتیں ہیں ایک خلع دوسرے مال پر طلاق۔ خلع یہ کہ مثلاً عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کر لے اور مرد کہے مجھ کو منظور ہے۔ اس کے کہتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت پر واجب ہو جائے گا۔ اور مال پر طلاق کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر منظور کر لے تو منظور کرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔

ستائیسواں حکم: تیسری طلاق کا حکم

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

ترجمہ: پھر اگر اس عورت کو طلاق دی (یعنی تیسری بار) تو اب حلال نہیں اس خاوند

کے لئے وہ عورت اس کے بعد جب تک کہ وہ عورت نکاح نہ کر لے کسی اور خاوند سے اس کے سوا۔ پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ باہم مل جائیں اگر اعتماد کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کے ضابطے اور یہ اللہ کے ضابطے ہیں اللہ بیان فرماتا ہے ان کو واسطے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

تفسیر: (پھر اگر دو طلاق) کے (بعد) کوئی (تیسری طلاق بھی دیدے) تو (پھر وہ عورت اس تیسری طلاق دینے) کے (بعد اس) شخص (کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس خاوند کے سوا دوسرے شخص کے ساتھ) عدت کے بعد (نکاح نہ کرے) اور صحبت بھی نہ ہو جائے۔ یہ شرط حدیث سے معلوم ہوئی۔ (پھر اگر یہ) دوسرا خاوند (اس کو طلاق دیدے) اور اس کی عدت بھی گذر جائے (تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ آپس میں نکاح کر کے بدستور پھر مل جائیں، بشرطیکہ دونوں کو اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ) آئندہ (خدائی ضابطوں کو قائم رکھیں گے) ورنہ پھر دوبارہ جھگڑے اور اتلاف حقوق کے گناہ میں مبتلا ہونے کا کیا فائدہ (اور یہ خدائی ضابطے ہیں، حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے) عمل کے (لئے جو دانشمند ہیں) کیونکہ دانشمند ہی عمل کرتے ہیں اور جو بے دانشی سے عمل نہیں کرتے ان کے لئے یہ ضابطے الٹے ثبوت جرم کے دلائل ہو جاتے ہیں)

ربط: اوپر آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ میں اِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اور تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ کا ذکر فرمایا ہے۔ اگلی آیت میں اس کو مکرر اس لئے ذکر فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں اس میں بہت کوتاہی کرتے تھے تو تکرار سے تاکید اور اہتمام حاصل ہوا۔

اٹھائیسواں حکم: سابقہ حکم کی تاکید اور احکام کو کھیل سمجھنے سے ممانعت

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَآ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ: اور جب طلاق دی ہو تم نے عورتوں کو پھر وہ پہنچیں اپنی عدت گذرنے (کے قریب) کو تو رکھ لو ان کو بھلے طریقے سے یا چھوڑ دو ان کو بھلے طریقے سے اور نہ روکے رکھو ان کو

ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مت بناؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کی نعمتیں جو تم پر ہیں اور اس کو جو اتاری تم پر کتاب اور حکمت کی باتیں کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ذریعے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر: (اور جب تم نے عورتوں کو) رجعی (طلاق دی ہو، پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جائیں) اور عدت ختم نہ ہوئی ہو (تو تم پر) واجب ہے کہ یا تو بھلے طریقے سے رجعت کر کے (نکاح میں رہنے دو، یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رو کو اس ارادہ سے کہ تم ان پر ظلم کرو) اس طرح سے کہ تم ان سے کچھ مال لو یا ان کو محض پریشان کرو (اور جو شخص ایسا) برتاؤ (کرے گا تو وہ) آخرت میں (اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور حق تعالیٰ کے احکام کو کھیل نہ بناؤ) کہ جس طرح چاہا عمل کر لیا اور نہ چاہا تو کیا ہی نہیں۔ (اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو، اور) خصوصا (اس کتاب و حکمت) کی باتوں (کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر) اس حیثیت سے (نازل فرمائی ہیں کہ ان کے ذریعے تم کو نصیحت فرماتے ہیں) اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ پس ان نعمتوں کو یاد کرنے سے انعام کرنے والے کے احکام کی وقعت دل میں پیدا ہوگی (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) جب یہ خوف اور یقین ہوگا تو احکام پر عمل بھی ہوگا

فائدہ۔ 1 : احکام پر عمل نہ کرنے کو جو ہنسی کھیل بنانا فرمایا ہے یہ مجازا ہے جو کہ صرف معصیت ہے گو شدید ہے اور اگر کوئی شخص احکام الہیہ کے ساتھ حقیقتا استہزاء کرے وہ کافر ہو جاتا ہے خواہ عقیدہ بھی فاسد ہو یا عقیدہ صحیح ہو کیونکہ دین کی تحقیر تو دونوں حالتوں میں کی اور یہی اس کے کفر ہونے کی علامت ہے۔

2۔(i) اگر آپس میں موافقت نہ ہونے میں قصور عورت کا ہے اور وہ خود ہی خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو گناہگار ہوگی اور مرد مال لینے میں گناہگار نہ ہوگا البتہ مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہوگا۔

(ii) اگر قصور مرد کا ہے تو مرد خلع کا مال لینے پر ہر حال میں گناہگار ہوگا اور عورت مال دینے سے گناہگار نہ ہوگی۔

(iii) اگر مرد عورت کو قصوروار سمجھتا ہو اور عورت مرد کو قصوروار سمجھتی ہو اور اس طرح دونوں میں سے ہر ایک اپنی رائے پر خود کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھتا ہو تو مرد کو مال لینے پر گناہ نہ ہوگا لیکن مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور عورت کو بھی خلع کے مطالبہ میں گناہ نہ ہوگا۔ تفسیر میں جو یہ ہے کہ البتہ ایک

صورت میں حلال ہے تو اس سے یہی تیسری صورت مراد ہے۔

3- جس صورت میں مرد گناہگار ہو یا عورت گناہگار ہو خلع جب بھی صحیح اور نافذ ہو جائے گا اگرچہ گناہ کے ساتھ ہی سہی۔

انتیسواں حکم: دوسرے نکاح سے روکنے کی ممانعت

طلاق ملنے کے بعد جب عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی تو کبھی تو خود شوہر ہی اپنی ذلت سمجھ کر نکاح نہ کرنے دیتا اور کبھی عورت کے دوسرے رشتہ دار اپنی کسی دنیوی غرض سے اس کو نکاح نہ کرنے دیتے اور ایک جگہ ایسا ہوا کہ وہ عورت اور اس کا پہلا شوہر پھر نکاح کرنے پر رضامند ہو گئے تھے مگر اس عورت کے بھائی نے اس غصہ میں کہ اسی سے دوبارہ کیوں کرتی ہے روکا تھا۔ اس آیت میں سب صورتیں داخل ہیں اور ہر صورت میں روکنے کو منع فرمایا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ: اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جب کہ راضی ہو جائیں آپس میں بھلے طریقے سے۔ اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اس میں تمہارے واسطے بڑی صفائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: اے مسلمانو (جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو) یعنی جب تم میں سے بعض اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں (پھر وہ عورتیں اپنی میعاد) عدت (پوری کر چکیں) اور عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کرنا چاہیں خواہ پہلے ہی شوہر سے یا کسی دوسری جگہ (تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے) تجویز کئے ہوئے (شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ باہم رضامند ہو جائیں آپس میں قاعدہ کے موافق، اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو) یعنی ماننے کی ان ہی سے امید ہے اگرچہ نصیحت تو سب ہی کے لئے ہے (اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور

زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ) تمہاری مصلحتوں کو (جانتے ہیں، تم نہیں جانتے) اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی رائے پر عمل مت کیا کرو۔

تیسواں حکم: دودھ پلانا

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

ترجمہ: اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو برس پورے (یہ اس کے لئے ہے) جو چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت۔ اور جس کا بچہ ہے یعنی باپ اسکے ذمہ ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا قاعدہ کے موافق۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق، نہ تکلیف دی جائے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں دودھ چھڑانا (یعنی دو برس کے اندر ہی) اپنی رضا اور مشورے سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ حوالے کر دو جو تم نے دینا طے کیا تھا بھلے طریقے سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں) خواہ نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو (یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے) اور جو تکمیل نہ کرنا چاہے دو سال سے کم میں بھی چھڑا دینا درست ہے جیسا عنقریب آتا ہے (اور جس کا) شرعاً نسب کے اعتبار سے (بچہ ہے) یعنی باپ (اس کے ذمہ ہے ان) ماؤں (کا کھانا اور کپڑا بھلے طریقے پر) جب کہ وہ نکاح یا عدت میں ہوں اور جب

ان میں سے کوئی حالت نہ ہو تو ماں کی طلب پر بطور اجرت کے روٹی کپڑا ملے گا یا جو اجرت طے ہو۔ (کسی شخص کو) خدا کی طرف سے کوئی (حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت (کے موافق) سو عورتوں کو دودھ پلانا سہل تھا ان کو اس کا حکم دیا گیا اور مردوں کو خرچ کرنا آسان ہے اس لئے ان کو اس کا حکم دیا گیا (کسی ماں کو تکلیف نہ دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے) یعنی بچہ کے ماں باپ آپس میں کسی بات پر ضد بازی نہ کریں مثلاً ماں دودھ پلانے سے معذور ہو اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے مجبور ہو کر پلائے گی یا یہ کہ باپ مفلس ہو اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں پھر دودھ پلانے سے یہ سمجھ کر انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے مجبور ہو کر کسی اور سے پلوائے گا (اور) اگر باپ زندہ نہ ہو تو (مذکورہ طریقے کی مثل) بچہ کی پرورش کا انتظام (اس) محرم قرابت دار (کے ذمہ ہے جو) شرعاً بچہ کے (وارث ہونے کا حق رکھتا) ہو۔ پھر یہ سمجھ لو کہ (اگر دونوں) ماں باپ دو سال سے کم میں (دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو) بھی (دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں) مشورہ کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ بچہ کی مصلحت میں نظر کر لیں (اور اگر تم لوگ،) ماں کے ہوتے ہوئے بھی کسی ضروری مصلحت سے مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہیں بچہ کو ضرر ہو گا (اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو) خواہ پیشگی یا بعد میں جس طرح معاہدہ طے ہو جائے (جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے بھلے طریقے سے) اور اگر اجرت نہ پیشگی دے نہ بعد میں دے تو یہ بات نہ رہے گی کہ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اجرت نہ دینے کا گناہ لازم رہے گا (اور حق تعالیٰ سے) ان سب احکام کے بارے میں (ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں)

فائدہ: 1-ماں کو اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس کے ذمہ عند اللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے جب کہ وہ منکوحہ ہو یا عدت میں ہو اور اجرت لینا درست نہیں اس کو روٹی کپڑا ملے گا کیونکہ ان حالتوں میں روٹی، کپڑا ہی واجب ہوتا ہے۔

2-اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی ہو تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں اور وہ اجرت طلب کر سکتی ہے کیونکہ اس حالت میں اس کے لئے کوئی روٹی کپڑا واجب نہیں ہے۔

3-اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ غالباً معذور ہو گی اس لئے اس پر جبر نہ کیا جائے گا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے۔ البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ ہی نہیں لیتا نہ اوپر کا دودھ پیتا ہے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

4- باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اس مال میں سے اس کا خرچ نکالا جائے گا اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی جن سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا اور شرعاً اس کی میراث کے مستحق بھی ہیں ان کے ذمہ میراث میں استحقاق کی نسبت و شرح کے موافق خرچ واجب ہو گا۔

اکتیسواں حکم: شوہر کی وفات کی عدت

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

ترجمہ: اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن، پھر جب وہ پورا کر لیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کچھ کریں وہ اپنے حق میں قاعدے کے موافق۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو) نکاح وغیرہ سے (انتظار میں) روکے (رکھیں چار مہینے اور دس دن۔ پھر جب اپنی عدت کی میعاد ختم کر لیں تو تم کو) بھی (کچھ گناہ نہ ہو گا، ایسی بات) کے جائز رکھنے (میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے) نکاح کی (کچھ کارروائی کریں قاعدہ کے موافق) البتہ اگر وہ کوئی بات شرعی قاعدہ کے خلاف کریں اور تم باوجود روک سکنے کے نہ روکو تو تم بھی شریک گناہ ہو گے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں)

فائدہ: 1- یہ عدت اس بیوہ کی ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی پیدا ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو۔ یہ مسئلہ سورت طلاق میں آئے گا۔

2- یہ جو فرمایا کہ اگر عورتیں شرعی قاعدے کے موافق کچھ کریں تو تم کو بھی گناہ نہ ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کوئی کام شرع کے خلاف کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرط قدرت اس کو روکیں ورنہ یہ لوگ بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔

3- قاعدہ کے موافق سے یہ مراد ہے کہ جو نکاح تجویز ہو وہ شرعاً صحیح اور جائز ہو اور حلت کی تمام شرائط

موجود ہوں۔

بتیسواں حکم: عدت میں پیغام نکاح

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ: اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان (اوپر مذکورہ عدت گذارنے والی) عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ضرور ذکر کرو گے ان عورتوں کا لیکن ان سے وعدہ نہ کرو نکاح کا مگر یہی کہ کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق۔ اور نہ ارادہ کرو تعلق نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو اور یقین رکھو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا جو ان مذکورہ عورتوں کو) جو عدت وفات میں ہیں (پیغام) نکاح (دینے کے بارے مین کوئی بات اشارۃً کہہ دو) مثلاً یہ کہ مجھ کو ایک نیک عورت سے نکاح کی ضرورت ہے (یا اپنے دل میں) آئندہ ان سے نکاح کرنے کے ارادہ کو (پوشیدہ رکھو) جب بھی گناہ نہیں اور اس اجازت کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا) ضرور (ذکر مذکور کرو گے) سو خیر ذکر مذکور کرو (لیکن ان سے) صاف لفظوں میں (نکاح کا وعدہ) اور گفتگو (مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات شرعی (قاعدہ کے موافق کہو) تو مضائقہ نہیں اور وہ بات قاعدہ کے مطابق یہی ہے کہ اشارۃً کہو (اور تم) فی الحال (تعلق نکاح) کا ارادہ بھی مت کرو، یہاں تک کہ عدت اپنے مقررہ وقت پر ختم ہو جائے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو) اور ناجائز کام کا دل میں ارادہ بھی مت کیا کرو (اور) یہ بھی (یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں) سو اگر کسی ناجائز کام کا ارادہ کیا تھا پھر توبہ کر لی تو معاف کر دیتے ہیں (اور حلیم بھی ہیں) سو اگر توبہ نہ کرنے والے کو سر دست سزا نہ دیں تو اس کی وجہ اللہ کا حلم سمجھو دھوکا مت کھاؤ۔

تینتیسواں حکم: رخصتی سے قبل طلاق میں مہر کا حکم

رخصتی سے قبل طلاق کا مطلب یہ ہے کہ زوجین میں یک جائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے۔ اس میں پھر دو صورتیں ہیں یا تو اس نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا یا مہر مقرر ہوا ہے۔ آئندہ آیتوں میں پہلی صورت کا پہلے ذکر ہے اور دوسری صورت کا بعد میں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: کچھ مواخذہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ، حیثیت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کی موافق، ایسا فائدہ جو کہ قاعدے کے موافق ہے۔ واجب ہے نیک معاملہ لوگوں پر۔ اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور مقرر کر چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس (مہر) کا جو تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ معاف کر دیں عورتیں یا معاف کر دے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے تعلق نکاح کا یعنی خاوند اور تم (یعنی حقدار) معاف کر دو تو زیادہ قریب ہے تقوی کے۔ اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: پہلی صورت میں (تم پر) مہر کا (کچھ مواخذہ نہیں اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے) سو اس صورت میں مہر اپنے ذمہ مت سمجھو (اور) صرف (ان کو) ایک (فائدہ پہنچاؤ، صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے، ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق جو واجب

ہے نیک معاملہ لوگوں پر) یعنی سب مسلمانوں پر، کیونکہ نیک معاملگی کا بھی سب ہی کو حکم ہے۔اس سے مراد کپڑوں کا ایک جوڑا دینا ہے۔

دوسری صورت میں (اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو) اس صورت میں (جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف) واجب (ہے) اور نصف معاف (مگر) دو صورتیں اس مجموعی حکم سے مستثنیٰ ہیں، ایک صورت تو (یہ کہ وہ عورتیں) اپنا نصف بھی (معاف کر دیں) تو اس صورت میں نصف بھی واجب نہ رہا (یا دوسری صورت (یہ) ہے (کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق) رکھنا اور توڑنا (ہے) یعنی خاوند کہ وہ پورا مہر ہی اس کو دیدے (اور) اے اہل حق (تمہارا) اپنے حقوق کو (معاف کر دینا) بہ نسبت وصول کرنے کے (تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے۔ (اور آپس میں احسان) اور رعایت (کرنے سے غفلت مت کرو) بلکہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ رعایت کرنے کا خیال رکھا کرے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں) تو تم اگر کسی کے ساتھ رعایت واحسان کرو کے اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر تم کو دیں گے۔

چونتیسواں حکم: نمازوں کی حفاظت

اس سے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانا اس طرف اشارہ ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے اور معاشرت اور معاملات کے احکام سے دیگر مصلحتوں کے علاوہ خاص اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے، چنانچہ جب ان کو خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جائے گا تو توجہ لازم ہوگی، پھر یہ کہ ان احکام میں حقوق عباد کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق عباد کے اتلاف سے درگاہ الٰہی سے دوری ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ اور بندہ دونوں کی طرف سے بے توجہی ہوگی۔ چونکہ نماز میں توجہ الی اللہ زیادہ ظاہر ہے اس لئے اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہوگی، تاکہ بندہ اس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے آگے

ادب سے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو کھڑے کھڑے پڑھ لو یا سوار ہو کر۔ پھر جس وقت تم امن میں ہو جاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

تفسیر: حفاظت (کرو سب نمازوں کی) عموماً (اور درمیان والی نماز) یعنی عصر (کی) خصوصاً (اور) نماز میں (کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے، پھر اگر تم کو) با قاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا (اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے) جس طرح ہو سکے خواہ قبلہ کی طرف بھی منہ ہو یا نہ ہو اور گو رکوع و سجود صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو (پڑھ لیا کرو) اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو اس کو ترک مت کرو (پھر جب تم کو) بالکل (اطمینان ہو جائے) اور اندیشہ جاتا رہے (تو تم خدا تعالیٰ کی یاد) یعنی نماز کی ادائیگی (اس طریقے سے کرو جو تم کو) اطمینان کی حالت میں (سکھایا ہے جس کو تم) پہلے سے (نہ جانتے تھے)

فائدہ: بعض احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ بیچ والی نماز عصر کی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں فجر اور ظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں مغرب اور عشاء۔ اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی کہ اکثر لوگوں کیلئے یہ وقت کام کی بھیڑ بھاڑ کا ہوتا ہے۔

پینتیسواں حکم: بیوہ کے لئے سکونت کی وصیت

جاہلیت میں شوہر کی وفات کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں بجائے ایک سال کے چار مہینے دس دن مقرر ہوئے جیسا کہ ماقبل میں آیت یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا سے معلوم ہو چکا ہے، اس لئے یہ حکم ہو گیا تھا کہ اگر عورت اپنی مصلحت سے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور اسی کے ترکہ سے اس مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے اس آیت میں اسی حکم کا بیان ہے اور خاوندوں کو حکم ہے کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں، اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو اس کے وصول کرنے نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لئے وارثوں کو تو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا لیکن خود اس کو جائز تھا کہ چاہے تو اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے، اسی طرح عدت کے بعد اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا بھی درست تھا اور یہی مراد ہے قاعدہ کی بات سے، البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا عورت کے لئے بھی اور جو منع کر سکے اور نہ روکے اس کے لئے بھی۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں تو وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے۔ پھر اگر وہ خود ہی نکل جائیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں قاعدے کی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو) ان کے ذمہ لازم ہے کہ (وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک) نان ونفقہ اور گھر میں سکونت رکھنے سے (نفع اٹھانے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں، ہاں اگر) چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد یعنی پوری عدت گذار کر (خود نکل جائیں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارے میں) تجویز (کریں) جیسے نکاح وغیرہ (اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) ان کے حکم کے خلاف مت کرو (اور حکمت والے ہیں) کہ تمام احکام میں تمہاری مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں اگرچہ تمہارے فہم میں نہ آسکیں۔

فائدہ: جب میراث کی آیت نازل ہوئی اور میت کے چھوڑے ہوئے گھربار اور سب ترکہ میں سے عورت کو متعین حق دے دیا گیا تو وہ اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ میں سے خرچ کرے اور اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

چھتیسواں حکم: جن عورتوں کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ملے ان کو فائدہ پہنچانا

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے نفع دینا ہے قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے پرہیزگاروں پر، اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ لو۔

تفسیر: (اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا) کسی درجہ میں مقرر ہے (قاعدہ کے موافق) اور یہ (مقرر ہوا ہے ان پر جو) شرک وکفر سے (پرہیز کرتے ہیں) یعنی مسلمانوں پر خواہ یہ مقرر ہونا وجوب کے درجہ میں ہو یا استحباب کے مرتبہ میں (اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے) عمل کرنے

کے (لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم) ان کو (سمجھو) اور عمل کرو۔

فائدہ: اسی قسم کا حکم چند آیات پہلے بھی گذرا ہے مگر وہ ان عورتوں کے بارے میں تھا جن کو یکجائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق مل گئی ہو۔ اس آیت میں ان عورتوں کو ذکر ہے جن کو اس کے بعد طلاق ملی ہو۔ ان کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو ان کو پورا مہر دینا چاہئے اور جن کا مہر مقرر نہ ہوا ہو ان کو ان کا مہر مثل دینا چاہئے۔ اگر متاع سے مراد جوڑا ہی ہو تو وہ ان کے لئے مستحب ہے۔

ربط: ابواب بر کے یہاں تک مختلف انواع کے چھتیس حکم ذکر ہوئے۔ ان میں سے بعض کا تعلق عبادات سے ہے بعض کا معاشرت سے اور بعض کا مالی معاملات سے اور ان سب سے جیسا کہ چونتیسویں حکم کے فائدہ میں بیان ہوا مقصود اصلی توجہ الی اللہ ہے۔ چونکہ یہ بات عبادات میں زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے لہذا عبادات سے متعلق احکام زیادہ مطمح نظر ٹھہرے۔ پھر عبادات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن کا نفع لازم ہے یعنی صرف کرنے والے کو ہوتا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ دوسری وہ جن کا نفع متعدی ہے جیسے جہاد و انفاق وغیرہ۔ جس قسم کا نفع متعدی ہے اس کا فائدہ زیادہ ہے اور اس قسم کی عبادتوں میں دو عبادتیں اور بھی زیادہ کامل ہیں ایک جہاد کہ جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے دوسرے انفاق فی الخیر کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اس لئے اس سورت کے مختلف مواقع میں اور مضامین کی بنسبت ان دو مضمونوں کے بیان کا اہتمام بہت زیادہ کیا گیا ہے۔ اسی اہتمام کے تحت اگلی آیتوں میں ان دونوں کا بیان پھر تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ میں جو ذرا آگے آتی ہے جہاد کا حکم صراحت سے مذکور ہے اور اسی کی تمہید کے لئے پہلے کی آیت (اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا) جو ابھی آتی ہے اور اس کی تکمیل کے لئے بعد کی آیتیں اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ جن میں طالوت و جالوت کا قصہ مذکور ہے لائی گئی ہیں اور آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ میں جو قاتلوا کے بعد آتی ہے اور اسی طرح طالوت و جالوت کے قصہ کے بعد کی آیات میں انفاق کی تاکید اور فضیلت اور اس کے ظاہری و باطنی آداب وغیرہ کے مضامین مذکور ہیں۔

سینتیسواں حکم: جہاد

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت سے بچنے کیلئے پھر کہا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تفسیر: اے مخاطب جس طرح خود دیکھنے سے تحقیق واقعی ہوتی ہے (کیا تجھ کو ان لوگوں کے قصہ کی تحقیق نہیں ہوئی جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ نے ان کے لئے) حکم (فرمادیا کہ مر جاؤ) تو سب مر گئے (پھر ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں) کے حال (پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے)

فائدہ: 1- یہ پہلی امتوں میں سے کسی کا قصہ ہے۔ کسی ایسے حادثہ سے بھاگے جس میں موت کا اندیشہ تھا۔ مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی اور طاعون یا جہاد سے بھاگے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو یہ بات دکھادی کہ موت و حیات سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ان کو ایک دم سے موت آگئی۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام پیغمبر کی دعا کے بعد ان کو زندہ کر دیا تاکہ ظاہری سبب کے بغیر موت اور ظاہری سبب کے بغیر حیات دونوں کا ان کو مشاہدہ ہو جائے۔

2- فضل کرنے سے یا تو یہی مراد ہے یعنی خواہ زندہ کر دینا یا اعتقاد درست کر دینا اور یا امت محمدیہ ﷺ کو اس قصہ کا سنانا مراد ہے کیونکہ ایسی بات بتانا جس سے عقیدہ اور عمل کی اصلاح ہو بلاشبہ بڑا فضل ہے۔ چنانچہ یہ قصہ اسی لئے سنایا گیا ہے کہ موت کے خوف کے سبب سے جہاد سے پیچھے نہ ہٹیں اور موت و حیات سب قبضہ الٰہی میں سمجھیں۔

3- یہ حیات ثانیہ ان کی آیات کے منافی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مر کر قیامت سے پہلے دنیا میں آنا نہیں ہوتا کیونکہ ان آیات میں عام عادت کی نفی ہے اور یہ حیات بطور خرق عادت کے ہوتی اور ایسا کبھی کبھی ہوا۔

ربط: آگے اس تمہید سے جو مقصود تھا یعنی جہاد اس کی تصریح فرماتے ہیں اور اس کی ہمت دلاتے ہیں۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (اس قصہ مذکورہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین کر رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں (جہاد کرنے اور نہ کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور ہر ایک کی نیت جانتے ہیں اور سب کو مناسب جزا دیں گے)۔

ربط: جہاد میں جان خرچ کرنے کے ساتھ آگے مال خرچ کرنے کا بیان ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ
اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ: کون شخص ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو قرض اچھا پھر بڑھادے اللہ اس (کے ثواب) کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (کون شخص ہے) ایسا (جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے) اخلاص کے ساتھ (اچھا قرض) یعنی حلال و پاکیزہ مال (پھر اللہ تعالیٰ اس) قرض کے ثواب (کو بڑھا کر بہت سے حصے کردے اور) اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا، کیونکہ یہ تو (اللہ) ہی کے قبضہ میں ہے وہی (کمی کرتے ہیں اور) وہی (فراخی کرتے ہیں) کچھ خرچ کرنے نہ کرنے پر اس کا اصلی مدار نہیں (اور تم اسی کی طرف) مرنے کے بعد (لوٹائے جاؤ گے) سو اس وقت نیک کام میں خرچ کرنے کی جزاء اور واجب موقع پر خرچ نہ کرنے کی سزا تم کو ملے گی۔

فائدہ: قرض مجازاً کہا ورنہ سب خدا ہی کی ملک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے قرض کا عوض ضروری دیا جاتا ہے اس طرح تمہارے انفاق کا عوض ضرور ملے گا۔

2- بڑھانے کا بیان ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک کھجور اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے تو خدا تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے۔

اور ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کھجور کے برابر احد پہاڑ کے ٹکڑے کئے جائیں تو بے شمار ہوں گے۔ تو اس حساب سے بڑھوتری کی حد سات سو تک نہیں رہی اور شان نزول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب سات سو گنا تک بڑھانے والی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا کی اے رب میری امت کو اور زیادہ دیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط: اس مقام میں مقصود قتال کی ترغیب زیادہ کرنا ہے۔ اوپر کا قصہ اسی کی تمہید ہے۔ انفاق کا مضمون اسی کی تائید ہے۔ آگے طالوت جالوت کا قصہ اس کی تاکید ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى
اِذْ قَالُوْا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ
هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا
لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ
لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ
اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ
اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ
فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا
الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا
اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾

ترجمہ: کیانہ دیکھا تونے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد جب انہوں نے کہااپنے نبی سے مقرر کرو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔ پیغمبر نے کہا کیا ہو سکتا ہے کہ اگر تم کو حکم دیا جائے لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو۔ وہ بولے ہم کو کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم تو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے۔ پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرمادیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ۔ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کے لئے حکومت ہم پر حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشائش مال میں۔ پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے منتخب فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ دی فراخی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے وسعت دینے والا سب کچھ جاننے والا۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ کی اولاد اور ہارون کی اولاد اور لائیں گے اس صندوق کو فرشتے، بے شک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر اس نے کہا بے شک اللہ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے ایک نہر سے۔ جو پیئے گا پانی اس نہر کا تو وہ میرا (ساتھی) نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے۔ پھر پی لیا سب نے اس کا پانی بے تحاشا مگر تھوڑوں نے ان میں سے ۔ پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے کی۔ (یہ سن کر) کہنے لگے وہ لوگ جو یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں غالب ہوئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور ہماری مدد کر اس کافر قوم پر۔ پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور قتل کر ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا۔ اور اگر نہ ہوتا دفع کرادینا اللہ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے تو خراب ہو جاتی زمین۔ لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔

تفسیر: بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیا تھا کفار عمالقہ ان پر مسلط کر دیئے گئے۔ اس وقت ان لوگوں کو اصلاح کی فکر ہوئی۔ اس قصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا

اے مخاطب (کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، تحقیق نہیں ہوا) جس سے پہلے ان پر کافر جالوت غالب آ چکا تھا اور ان کے کئی علاقے اس نے دبا لئے تھے (جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم) اس کے ساتھ ہو کر (اللہ کی راہ میں) جالوت سے (قتال کریں، اس پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم) اس وقت (جہاد نہ کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کونسا سبب ہو گا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں، حالانکہ) جہاد کے لئے ایک محرک بھی ہے، وہ یہ کہ (ہم) ان کافروں کے ہاتھوں (اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں) کیونکہ ان کی بعض بستیاں بھی کافروں نے دبالی تھیں اور ان کی اولاد کو بھی قید کر لیا گیا تھا (پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو سوائے ایک قلیل مقدار کے) باقی (سب پھر گئے) جیسا کہ آگے جہاد کی غرض سے بادشاہ کے مقرر ہونے کا اور ان لوگوں کے پھر جانے کا تفصیلاً بیان آتا ہے (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو) یعنی حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو (خوب جانتے ہیں) سب کو مناسب سزا دیں گے (اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی) کیونکہ طالوت غریب آدمی تھے (ان پیغمبر نے) جواب میں (فرمایا کہ) اول تو (اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے) اور انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (اور) دوسرے (علم) سیاست و حکمرانی (اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے) اور بادشاہ ہونے کے لئے اس علم کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت اس وجہ سے ہے کہ موافق و مخالف کے قلب میں وقعت و ہیبت پیدا ہو (اور) تیسرے (اللہ تعالیٰ) مالک الملک ہیں (اپنا ملک جس کو چاہیں دیں) ان سے کوئی سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا (اور) چوتھے (اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں) ان کو مال دیدینا کیا مشکل ہے جس کے اعتبار سے تم کو شبہ ہو اور (جاننے والے ہیں) کہ کون حکومت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے (اور) جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر ان کے اللہ کی جانب سے بادشاہ ہونے کی ظاہری وحسی دلیل کا ہم مشاہدہ کرلیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جائے اس وقت (ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے) منجانب اللہ (بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق) تمہارے عمل دخل کے بغیر آ جائے گا (جس میں تسکین) اور

برکت (کی چیز ہے، تمہارے رب کی طرف سے) یعنی تورات، اور تورات کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے (اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کے آل و اولاد چھوڑ گئے ہیں) یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ، غرض (اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے۔ اس) طرح سے صندوق کے آجانے (میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو)۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔ جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تھا یہ صندوق بھی لے گیا تھا۔ جب اللہ کو اس صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ سامان کیا کہ وہ لوگ جہاں صندوق کو رکھتے تھے وہاں ہی سخت سخت بلائیں نازل ہوتیں۔ آخر ان لوگوں نے ایک گاڑی پر اس کو لاد کر بیلوں کو ہانک دیا۔ فرشتے اس کو ہانک کر یہاں پہنچا گئے جس سے بنی اسرائیل کو بڑی خوشی ہوئی اور طالوت تسلیم شدہ بادشاہ ہو گئے۔ (پھر جب) بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کر لیا اور جالوت کے مقابلے کے لئے لوگ جمع ہو گئے اور (طالوت فوجوں کو لے کر) اپنے مقام یعنی بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف چلے تو (انہوں نے) اپنے ہمراہی پیغمبر کی وحی کے ذریعے دریافت کر کے ساتھیوں سے (کہا کہ اب حق تعالیٰ) صبر اور کم صبری میں (تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر کے ذریعے) جو راہ میں آئے گی اور تم شدت تشنگی کے وقت اس پر گذرو گے (سو جو شخص اس سے) افراط کے ساتھ پانی پئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے) اور اصل حکم بھی یہی ہے (وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے) تو اتنی رخصت ہے۔ اس امتحان کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے موقعوں پر جوش و خروش میں بھیڑ بھاڑ بہت ہو جایا کرتی ہے لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت کمزوروں کا اکھڑ جانا باقی لوگوں کے بھی پاؤں اکھاڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا اس کا یہ امتحان مقرر کیا گیا جو کہ نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ لڑائی میں جفاکشی اور صبر و استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ امتحان سے آگے عام عادت کے برخلاف یہ ہوا کہ زیادہ پانی پینے والے اللہ کے حکم سے زیادہ بیکار اور ناکارہ بھی ہو گئے۔ غرض وہ نہر راستے میں آئی، پیاس کی شدت تھی (سو سب نے اس سے) بے تحاشا (پینا شروع کر دیا، مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے) احتیاط کی، کسی نے بالکل نہ پیا ہو گا، کسی نے چلو سے زیادہ نہ پیا ہو گا (سو جب طالوت اور جو مومنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے) اور اپنے مجمع کو دیکھا تو تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے۔ اس وقت بعضے آدمی آپس میں (کہنے لگے کہ آج تو) ہمارا مجمع اتنا کم ہے کہ اس حالت سے (ہم جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی) یہ سن کر (ایسے لوگ جن کو یہ یقین پیش نظر (تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے) ایسے واقعات ہو

چکے ہیں کہ (بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئی ہیں) اصل چیز استقلال یعنی صبر ہے (اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور جب) عمالقہ کے علاقہ میں پہنچے اور (جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آگئے تو) دعا میں حق تعالیٰ سے (کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم) پر یعنی ہمارے قلوب پر (استقلال) غیب سے (نازل فرمائیے اور) مقابلہ کے وقت (ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے، پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دیدی اور داوٗد علیہ السلام نے) جو کہ اس وقت طالوت کے لشکر میں تھے اور اس وقت تک نبوت وغیرہ نہ ملی تھی (جالوت کو قتل کر ڈالا) اور مظفر و منصور واپس آئے (اور) اس کے بعد (ان کو) یعنی داوٗد علیہ السلام کو (اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت) یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے (عطاء فرمائی نیز اور بھی جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا؛ جیسے بغیر آلات کے زرہ بنانا اور جانوروں کی بولی سمجھنا، آگے اس واقعہ کی مصلحت عامہ ذکر فرماتے ہیں کہ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو جو کہ مفسد ہوں (بعضوں کے ذریعے سے) جو کہ مصلح ہوں وقتاً فوقتاً (دفع کرتے رہا کرتے ہیں) یعنی اگر مصلحین کو مفسدین پر غالب نہ کرتے رہتے (تو زمین) تمامتر (فساد سے پر ہو جاتی، ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر) اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔

فائدہ: کبھی جو اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو اس میں کچھ اور مصلحتیں ہوتی ہیں لیکن اصلی مقصود اہل حق کا غلبہ ہوتا ہے چنانچہ آخری انجام اسی پر قرار پاتا ہے۔

ربط: چونکہ قرآن کریم کا ایک بڑا مقصد نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اثبات بھی ہے، اس لئے جس جگہ مضمون کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس کا اعادہ کر دیا جاتا ہے، اس موقع پر اس قصہ کی صحیح صحیح خبر دینا جب کہ آپؐ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کہیں سنا نہ دیکھا، ایک معجزہ ہے جو آپؐ کی نبوت کی صحیح دلیل ہے، اس لئے ان آیات میں آپؐ کی نبوت پر استدلال فرماتے ہیں:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲

ترجمہ: یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک اور تو بے شک ہمارے رسولوں میں سے ہے۔

تفسیر: (یہ) آیتیں جن میں قصہ مذکور ہوا (اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں)۔

ربط: اوپر کی آیت میں ضمناً پیغمبروں کا اجمالی ذکر آیا تھا اس مناسبت سے اگلی آیت میں ان میں سے بعض حضرات کے کچھ حالات و کمالات اور پھر ان کے ذکر کی مناسبت سے ان کی امتوں کی ایک خاص حالت یعنی ان میں اختلاف کا واقع ہونا ذکر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ: یہ سب رسول فضیلت دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر۔ بعض ان میں وہ ہیں کہ کلام فرمایا ان سے اللہ نے اور بلند کیا ان میں سے بعضوں کو درجوں میں اور دیئے ہم نے عیسیٰؑ بن مریم کو کھلے کھلے معجزے اور ہم نے تائید کی اسکی روح القدس یعنی جبرئیل سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے بعد اس کے بعد کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف دلائل لیکن وہ اختلاف میں پڑ گئے، پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے، لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

تفسیر: (یہ حضرات مرسلین) جن کا ذکر ابھی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں آیا ہے (ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے) مثلاً (بعضے ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ فرشتہ کے واسطہ کے بغیر (ہم کلام ہوئے ہیں) مراد ہیں موسیٰ علیہ السلام (اور ان میں سے بعضوں کو بہت سے درجوں میں) اعلیٰ مقام سے (سرفراز کیا اور ہم نے) حضرت (عیسےٰ بن مریم) علیہ السلام (کو کھلے کھلے دلائل) یعنی معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے فرمائی) جو ہر وقت یہود سے ان کی حفاظت کرنے کے لئے ساتھ رہتے تھے (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مجبور کر دیتے کہ امت کے (جو لوگ ان) پیغمبروں (کے بعد ہوئے ہیں) کبھی دین میں اختلاف کر کے (باہم قتل و قتال نہ کرتے اس کے بعد کہ ان کے پاس) امر حق کے (دلائل)

پیغمبروں کی معرفت (پہنچ چکے تھے) جن کا تقاضا خود یہ تھا کہ دین حق کے قبول پر متفق رہتے (ولیکن) چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں، اس لئے اس عالم کو آزمائش کا مقام ہی رکھا اور ان میں زبردستی مذہبی اتفاق نہیں پیدا کیا اور (وہ لوگ باہم) دین میں (مختلف ہوئے، سو ان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا) پھر اس اختلاف میں قتل و قتال تک بھی نوبت پہنچ گئی (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ) اپنی حکمت سے (جو چاہتے ہیں) اپنی قدرت سے (وہی کرتے ہیں)

فائدہ: اس مضمون میں نبی کریم ﷺ کو ایک گونہ تسلی دینا ہے کیونکہ جب آپ کی رسالت دلیل سے ثابت تھی جس کو اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں بھی فرمایا ہے۔ اور پھر بھی منکرین نہ مانتے تھے، تو یہ آپؐ کے رنج و افسوس کا موقع تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سنادی کہ اور بھی پیغمبر مختلف درجوں کے گذرے ہیں، لیکن کسی کی امت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ سب کے سب ایمان لے آئے ہوں بلکہ کسی نے موافقت کی کسی نے مخالفت کی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں گو ہر شخص پر منکشف نہ ہوں، مگر اجمالاً اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ کوئی حکمت ضرور ہے۔

اڑتیسواں حکم: انفاق فی سبیل اللہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم۔

تفسیر: (اے ایمان والو خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے) یعنی قیامت کا دن (جس میں) کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی، کیونکہ اس میں (نہ تو خرید و فروخت ہوگی) کہ کوئی چیز دے کر اعمال خیر خرید لو (اور نہ) ایسی (دوستی ہوگی) کہ کوئی تم کو اپنے اعمال خیر دیدے (اور نہ) بلا اذن الٰہی کسی کی (کوئی سفارش ہوگی) جس سے اعمال خیر کی تم کو حاجت نہ رہے (اور کافر لوگ ہی ظلم کرتے ہیں) کہ بدنی طاقت اور مال کو بے موقع استعمال کرتے ہیں، اس طرح سے کہ بدنی و مالی طاعت کو ترک کرتے ہیں اور مالی و بدنی معصیت کو اختیار کرتے ہیں۔ تم تو ایسے نہ بنو۔

ربط: اوپر کی آیت میں بلا اذن الٰہی شفاعت و سفارش کی نفی سے جس طرح سے قیامت کے دن اعمال خیر پر قدرت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت شان بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے روبرو کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس مناسبت سے اگلی آیت میں جس کا لقب آیۃ الکرسی ہے توحید ذات اور کمال صفات ذکر فرماتے ہیں تاکہ عظمت شان کی خوب تاکید ہو جائے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَاۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (۲۵۵)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے۔ سما لیا ہے اس کی کرسی نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو حفاظت ان دونوں کی اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ (اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہے) جس کو کبھی موت نہیں آسکتی (سنبھالنے والا ہے) تمام عالم کا (نہ اس کو اونگھ پکڑ سکتی ہے اور نہ نیند) پکڑ سکتی ہے۔ (اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ) بھی (آسمانوں میں) موجودات (ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس) کسی کی (سفارش کر سکے اس کی اجازت کے بغیر۔ وہ جانتا ہے ان) تمام موجودات (کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر) علم دینا وہی (چاہے۔ اس کی کرسی) اتنی بڑی ہے کہ اس (نے سب آسمانوں اور زمین کو

اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں) آسمان وزمین (کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی وہ عالی شان عظیم الشان ہے)

فائدہ: 1- قیامت میں انبیاء اولیاء گناہگاروں کی شفاعت کریں گے لیکن حق تعالیٰ کی اجازت کے بعد۔

2- کرسی ایک جسمانی شے ہے جو عرش سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذرؓ نے رسول ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اے ابوذر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک میدان میں پڑا ہو اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے۔

ربط: اوپر آیت اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ میں پیغمبر ﷺ کی رسالت اور آیت الکرسی میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہوا اور یہی دو باتیں دین اسلام کے اصل الاصول ہیں۔ ان کے اثبات سے دین اسلام کی حقانیت ثابت ہوئی۔ اگلی آیت میں اس پر تفریع کرتے ہوئے اسلام کا محل اکراہ نہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

ترجمہ: زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں۔ بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ اب جو کوئی نہ مانے شیطان کو اور یقین لائے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (دین) اسلام کے قبول کرنے (میں زبردستی) کا بذات خود کوئی موقع (نہیں) کیونکہ (ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے) یعنی اسلام کا حق ہونا قطعی دلائل سے واضح ہو چکا ہے، تو اس میں اکراہ کا موقع ہی کیا ہے، اکراہ تو اس چیز کے قبول کرنے میں ہوتا ہے جس کی خوبی واضح نہ ہو جبکہ اسلام کی خوبی یقیناً ثابت ہے (تو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد) یعنی اسلام قبول کرلے (تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں) ظاہری اقوال کے (اور خوب جاننے والے ہیں) باطنی احوال کے۔ سو اگر کوئی صرف زبان سے اسلام

لائے گا اور دل میں کفر رکھے گا تو ہم سے چھپ نہیں سکتا۔ ہم آپ ہی اس سے نمٹ لیں گے اس لئے جو اسلام قبول کرے صدق دل سے کرے۔

فائدہ: 1- اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون رہتا ہے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے، اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت اور خسران نہیں ہے اور خود کوئی اسلام کو ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے۔

2- ایمان کے قبول پر جبر و اکراہ ممکن بھی نہیں اس لئے کہ ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے ظاہری اعضاء کے ساتھ نہیں جب کہ جبر و اکراہ کر کے ظاہری اعضاء سے تو اپنی مرضی کروائی جا سکتی ہے دل سے نہیں منوایا جا سکتا۔

3- جہاد و قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے مقصود اسلام کا غالب رہنا ہے خواہ مخالف کے اسلام قبول کر لینے سے یا صرف رعیت اور محکوم و ماتحت بننے سے۔

4- ارتداد پر جو قتل کی سزا ہے وہ دین قبول کرنے میں نہیں ہے بلکہ اپنی خوشی سے دین قبول کرنے کے بعد اس کو چھوڑنے میں ہے۔

ربط: اوپر اسلام کے حق ہونے اور کفر کے باطل ہونے کا بیان کرنا مقصود تھا۔ اس کے ضمن میں مومن کی خوبی بھی ذکر کر دی گئی۔ آگے مستقل طور پر مومن کی خوبی اور کافر کی مذمت کو بیان کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷

ترجمہ: اللہ ساتھی ہے ان کا جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف۔ یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو) کفر کی (تاریکیوں سے نکال کر لایا

بچا کر نور) اسلام (کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں) انسی یا جنی (وہ ان کو نور) اسلام (سے نکال کر یا بچا کر) کفر کی (تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ) جو اسلام کے بجائے کفر اختیار کریں (دوزخ میں رہنے والے ہیں) اور (یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے)

ربط: اہل ایمان کے نور اور اہل کفر کے ظلمات کا ذکر ہوا۔ آگے اس کی تائید اور نظیر کے طور پر تین قصے بیان فرماتے ہیں جن میں حضرت ابراھیم علیہ السلام اور ایک اور بندہ خدا کو نور ہدایت اور قوت ایمان عطا ہونا اور نمرود کا گمراہی و کفر کی ظلمت میں گرفتار ہونا مذکور ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک وہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب سے۔ تب حیران رہ گیا وہ کافر۔ اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تجھ کو) جس طرح خود دیکھنے سے یقینی تحقیق ہوتی ہے اس طرح یقینی طور سے (اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا) یعنی نمرود کا (جس نے ابراہیم) علیہ السلام (سے مباحثہ کیا تھا ان کے پروردگار کے) وجود کے (بارے میں) کیونکہ وہ خدا کے وجود ہی کا منکر تھا (اس وجہ سے کہ خدا تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی) یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ نعمت سلطنت پر احسان مانتا اور ایمان لاتا، اس کے برعکس انکار اور کفر شروع کر دیا اور یہ مباحثہ اس وقت شروع ہوا تھا (جب ابراہیم علیہ السلام نے) اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے جواب میں (فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے) یعنی زندہ کرنا

اور مارنا اس کی صفات خاصہ میں سے ہے وہ کوڑھ مغز جلانے مارنے کا مطلب تو سمجھا نہیں (کہنے لگا کہ) یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں کہ (میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں) چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں یہ تو مارنا ہے اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں یہ جلانا ہے (ابراہیم علیہ السلام نے) جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدی عقل کا ہے کہ اس کو جلانا اور مارنا سمجھتا ہے، حالانکہ جلانے کی حقیقت بے جان چیز میں جان ڈال دینا ہے، اسی طرح مارنا یہ ہے کہ اس کی جان اپنے اختیار سے نکالے نہ یہ کہ مثلاً اس کی گردن الگ کر دے اور جان اس کے اختیار کے بغیر نکل جائے ورنہ یہ اختیار بھی ہونا چاہئے تھا کہ گردن الگ کر دے اور جان نہ نکلنے دے۔ اور قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت نہیں سمجھے گا، (اس لئے) دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے اور (فرمایا کہ) اچھا (اللہ تعالیٰ آفتاب کو) روزانہ (مشرق سے نکالتا ہے تو) ایک ہی دن (مغرب سے نکال) کر دکھا (اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر) اور کچھ جواب نہ بن آیا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ ہدایت کو قبول کرتا، مگر اپنی گمراہی پر جما رہا اس لئے ہدایت نہ ہوئی (اور اللہ تعالیٰ) کی عادت ہے کہ (ایسے بے انصافوں کو) جو گمراہی کو اختیار کرتے ہیں (ہدایت نہیں فرماتے، بلکہ عادت یہ ہے کہ پہلے کوئی حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرے پھر اللہ تعالیٰ ہدایت کو پیدا فرماتے ہیں کیونکہ اختیاری افعال میں جو ارادہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا نہیں کرتے۔

فائدہ: 1- اگر کہا جائے کہ ارادہ بھی تو اللہ کے پیدا کرنے پر موقوف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر اور قدرت الٰہی کی حقیقت تو اپنی جگہ لیکن ہر انسان اپنے آپ کو ارادہ کرنے میں بلا کسی جبر کے با اختیار سمجھتا ہے۔ اتنی واضح وجدانی حقیقت کو درمیان سے نہیں نکالا جا سکتا اور انسان کے ساتھ معاملہ اسی وجدانی حقیقت پر ہوتا ہے۔

2- بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی مغرب سے نکالے، اس شبہ کا دفع اس طرح سے ہے کہ اس کے قلب میں بلا اختیار یہ بات پڑ گئی ہو گی کہ خدا ضرور ہے اور یہ مشرق سے نکالنا اسی کا فعل ہے، اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے، اور یہ شخص پیغمبر ہے، اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو گا اور ایسا ہونے سے کہیں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، مثلاً لوگ اس معجزے کو دیکھ کر مجھ سے منحرف ہو کر ان کے طریقے کو اختیار کر لیں اور ذرا سی حجت میں سلطنت جاتی رہے، یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور دوسرا کوئی جواب تھا نہیں، اس لئے حیران رہ گیا۔

دوسرا قصہ

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ
اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ
بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ
قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ
يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى
الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ
قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک بستی پر اس حال میں کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ اس کی موت کے بعد۔ پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس۔ پھر اٹھایا اس کو۔ کہا تو کتنی دیر (اس حالت میں) رہا، بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس۔ اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑا نہیں، اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے (تیرے ساتھ جو کیا وہ اس لئے) تاکہ تجھ کو نمونہ بنائیں لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت، پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (کیا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے، کہ ایک شخص تھا کہ) چلتے چلتے (ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے) یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں، مراد یہ ہے کہ کسی حادثہ سے وہ بستی ویران ہو گئی تھی، اور سب آدمی مر مرا گئے تھے، وہ شخص یہ حالت دیکھ کر حیرت سے (کہنے لگا کہ) معلوم نہیں (اللہ تعالیٰ اس بستی کو) یعنی اس کے مردوں کو (اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے) قیامت میں (زندہ کریں گے) یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کر دیں گے، مگر اس وقت کے زندہ کرنے کا جو خیال غالب ہوا تو اس امر کے عجیب ہونے کی وجہ سے ایک حیرت سی دل پر غالب ہو گئی اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں، اس لئے طبیعت اس کی متلاشی ہوئی کہ خدا جانے زندہ کرنے کی کیا صورت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا

تماشا اس کو دنیا ہی میں دکھادیں، تا کہ ایک نظیر کے واقعہ ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو (سو) اس لئے (اللہ تعالیٰ نے اس شخص) کی جان قبض کر کے اس (کو سو برس تک مردہ رکھا پھر) سو برس کے بعد (اس کو زندہ کر اٹھایا) اور پھر (پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا، یا ایک دن سے بھی کم) یہ کنایہ ہے قلیل مدت سے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تو) اس حالت میں (سو برس رہا ہے) اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو (تو اپنے کھانے پینے) کی (چیز کو دیکھ لے کہ) ذرا (نہیں سڑی گلی) ایک قدرت تو ہماری یہ ہے (اور) دوسری قدرت دیکھنے کے واسطے (اپنے) سواری کے (گدھے کی طرف نظر کر) کہ گل سڑ کر کیا حال ہو گیا ہے اور ہم عنقریب اس کو تیرے سامنے زندہ کئے دیتے ہیں (اور) ہم نے تجھ کو اس لئے مار کر زندہ کیا ہے (تا کہ ہم تجھ کو) اپنی قدرت کا (ایک نمونہ لوگوں کے لئے بنادیں) کہ اس نمونہ سے بھی قیامت کے روز زندہ ہونے پر استدلال کر سکیں (اور) اب اس گدھے کی (ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح (ترکیب دیئے دیتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھادیتے ہیں) پھر اس میں جان ڈال دیتے ہیں، غرض یہ سب امور یوں ہی کر دیئے گئے (پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو) مشاہدہ سے (واضح ہو گئی تو) بے اختیار جوش میں آکر (کہہ اٹھا کہ میں) دل سے (یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں)

فائدہ: حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

تیسرا قصہ

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ؕ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾ ع

ترجمہ: اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھادے مجھ کو کیسے زندہ کرے گا تو مردے، فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا۔ کہا کیوں نہیں لیکن (یہ درخواست ہے) اس واسطے کہ اطمینان ہو جائے میرے دل کو۔ فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر ان کو ہلالے اپنے ساتھ،

پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک حصہ پھر ان کو بلا، چلے آئیں گے تیرے پاس اڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور اس وقت) کے واقعہ (کو یاد کرو جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے) حق تعالیٰ سے (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو) یہ (دکھادیجئے کہ آپ مردوں کو) قیامت میں مثلاً (کس کیفیت سے زندہ کریں گے) یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے، لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہو سکتی ہیں وہ معلوم نہیں، اس لئے وہ معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے، اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہو سکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان ویقین نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے خود یہ سوال قائم کر کے بات کھول دی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے اس درخواست کے جواب میں اول (ارشاد فرمایا کہ کیا تم) اس پر (یقین نہیں لاتے، انہوں نے) جواب میں (عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا، لیکن) اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو) زندہ کرنے کی معین صورت کے مشاہدہ کرنے سے (سکون ہو جائے) اور ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے (ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو) پال کر (اپنے ساتھ ہلالو) تاکہ ان کی خوب شناخت ہو جائے (پھر) سب کو ذبح کر کے اور ہڈیوں پروں سمیت ان کا قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کرو اور کئی پہاڑ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے (ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو) اور (پھر ان سب کو بلاؤ) دیکھو (تمہارے پاس) زندہ ہو کر تیزی سے اڑتے چلے آئیں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست) قدرت والے (ہیں) سب کچھ کر سکتے ہیں پھر بھی بعض باتیں نہیں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) ہر کام حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہیں۔

ربط: آگے پھر انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کی طرف پلٹتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ
حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ
وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمہ: مثال ان لوگوں (کے خرچ کئے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ

بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی اللہ کی رضا کے لئے امور خیر میں (اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان) کے خرچ کئے ہوئے مال کی (حالت) اللہ کے نزدیک (ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے) فرض کرو (سات بالیں اگیں) اور (ہر بال کے اندر سو دانے ہوں) اسی طرح خدا تعالیٰ ان کے خرچ کئے ہوئے مال کا ثواب سات سو گنا تک بڑھاتا ہے (اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے) اس کے اخلاص اور مشقت کے بقدر عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی (جاننے والے) بھی (ہیں) اس لئے اخلاص نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں۔

فائدہ: 1- نیک کام میں خرچ کرنا نیت کے اعتبار سے تین قسم کا ہے ایک نمائش کے ساتھ۔ اس کا کچھ ثواب نہیں جیسا عنقریب آتا ہے۔

دوسرے ادنی درجہ کے اخلاص کے ساتھ۔ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها میں اس ادنی کا ہی بیان ہے۔

تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ۔ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے سات سو تک اخلاص کے مختلف درجوں کے مطابق۔ اور اوپر ایک آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یقرض الله قرضا حسنا میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ ہو گیا ہے۔

اسی طرح مشقت کی قلت و کثرت سے بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً دس ہزار روپے کے مالک کے لئے پانچ سو صدقہ کرنا کم مشقت ہے جب کہ سو روپے کے مالک کے لئے پانچ روپے دینا زیادہ مشقت ہے۔

ربط: آگے انفاق فی الخیر کی قبولیت کی بعض شرائط ذکر کی جاتی ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، پھر خرچ کر کے نہ احسان رکھتے

ہیں اور نہ ستاتے ہیں۔ انہی کے لئے ہے ثواب ان کا ان کے رب کے یہاں، اور نہ ڈر ہو گا ان پر اور نہ غمگین ہوں گے، مناسب بات کہنا اور در گذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہ ہے نہایت تحمل والا ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو) جس کو دیا ہے اس پر زبان سے (احسان جتلاتے ہیں اور نہ) برتاؤ سے اس کو (آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان) کے عمل (کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور) قیامت کے دن نہ (ان پر کوئی خطرہ ہو گا اور نہ وہ مغموم ہوں گے) اور ناداری کے وقت جواب میں معقول و (مناسب بات کہہ دینا اور) اگر سائل بدتمیزی سے غصہ دلائے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے (درگذر کرنا) ہزار درجہ (بہتر ہے ایسی خیرات) دینے (سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ) خود (غنی ہیں) کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے پھر آزار کس بناء پر پہنچایا جائے اور آزار دینے پر جو فوراً سزا نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (حلیم) بھی (ہیں)۔

ربط: آگے احسان جتلانے اور آزار پہنچانے اور ان کے ساتھ نمائش کرنے سے انفاق کے ثواب کے استحقاق کے باطل ہونے کو ایک مثال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود ان امور سے منع فرمانا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تُبْطِلُواْ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُواْ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف بڑا پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف۔ کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا

جو انہوں نے کیا اور اللہ نہیں دکھاتا راہ کافروں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات) کے ثواب کے استحقاق (کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص) خود خیرات کو برباد کر دیتا ہے (جو اپنا مال خرچ کرتا ہے) محض (لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر) ایمان کی نفی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس شخص سے مراد منافق ہے (سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر) فرض کرو اس پر (جب کچھ مٹی) آگئی (ہو) اور اس مٹی میں کچھ گھاس پھونس جم آیا ہو (پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو) جیسا تھا ویسا ہی (بالکل صاف کر دے) اسی طرح اس منافق کے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہو گیا جو ظاہر میں ایک نیک عمل معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ثواب کی امید ہو سکتی ہے لیکن اس کے نفاق نے اس شخص کو ویسا ہی کورا ثواب سے خالی چھوڑ دیا، چنانچہ قیامت میں (ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی) کیونکہ کمائی نیک عمل ہے اور اس کا ہاتھ لگنا ثواب کا ملنا ہے اور ثواب ملنے کی شرط ایمان اور اخلاص ہے اور ان لوگوں میں یہ مفقود ہے، کیونکہ ریاکار بھی ہیں اور کافر بھی ہیں (اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو) قیامت کے روز ثواب کے گھر یعنی جنت کا (راستہ نہ بتلائیں گے) کیونکہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جس کا ثواب آخرت میں ذخیرہ ہوتا اور وہاں حاضر ہو کر اس کے صلہ میں جنت میں پہنچائے جاتے۔

فائدہ: جب مسلمان کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے مثلاً اس کو صدقہ خیرات دیتا ہے یا کسی اور طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق بنتا ہے لیکن ثواب کا ملنا اس پر موقوف ہے کہ وہ ایک تو احسان نہ جتلائے اور دوسرے جس کی مدد کی ہے اس کو ایذاء نہ پہنچائے اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تب تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی کام وہ کرتا ہے تو اس کو ثواب نہیں دیا جاتا اور دوسرے کے ساتھ بھلائی کار خیر میں شمار نہیں ہوتی۔

ربط: غیر مقبول صدقات باطلہ کی مثال بیان فرما کر آگے مقبول صدقات کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ترجمہ: اور مثال ان لوگوں (کے خرچ کئے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو پختہ کرنے کو ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں) کے خرچ کئے ہوئے مال (کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی غرض سے) جو کہ خاص اس عمل سے ہوگی (اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں) کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان (میں پختگی پیدا کریں) تا کہ دوسرے اعمال صالحہ سہولت سے ہوا کریں۔ پس ان لوگوں کے خیرات صدقات کی حالت (مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ) اس جگہ کی ہوا لطیف اور بار آور ہوتی ہے اور (اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ) باغ لطافت ہوا اور بارش کے سبب اور باغوں سے یا اور دفعوں سے (دو گنا) چوگنا (پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار) یعنی خفیف بارش (بھی اس کو کافی ہے) کیونکہ زمین اور اس کا موقع محل اچھا ہے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں) اس لئے جب وہ زیادہ اخلاص دیکھتے ہیں ثواب بڑھا دیتے ہیں۔

فائدہ: تثبیت کی وضاحت یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کام میں نفس کو قدرے مشقت ہو اس کے بار بار کرنے سے اور عادت بنا لینے سے نفس کے اندر مشقت کی برداشت کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی پس و پیش نہیں کرتا اور نفس کی مزاحمت کی صفت کمزور اور مغلوب ہو جاتی ہے۔

ربط: اس مقام پر تین قسم کے صدقات کا بیان ہے۔

قسم اول: جس میں صدقہ کی صحت وبقا کی شرائط پائی جائیں۔ یہ اس رکوع کے اول کی دو آیتوں میں اور اس آیت وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الخ میں دو مثالوں کے ضمن میں مذکور ہے كَمَثَلِ جَنَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ الخ اور كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ الخ

قسم دوم: جس میں صحت کی شرط نہ پائی جائے یعنی ایمان واخلاص میں سے دونوں یا کوئی ایک نہ پایا جائے۔ اسکو كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ الخ میں اس مثال کے ساتھ بیان فرمایا کمثل صفوان الخ

قسم سوم: جس میں صحت کی شرط تو پائی گئی لیکن بقاء کی شرط نہ ہوئی یعنی احسان جتلانے اور آزار پہنچانے کو ترک کرنا۔ اس کو اگلی آیت میں ایک مثال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ
فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

ترجمہ: کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی یہ کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں۔اس کو اس باغ میں سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آگیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہے ضعیف تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل اٹھا، یوں ہی بیان کرتا ہے تم کو اللہ مثالیں تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا) یعنی اس میں زیادہ درخت ان کے ہوں اور (اس شخص کے یہاں اس باغ میں) کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ (اور بھی ہر قسم کے) مناسب (میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو) جو کہ زیادہ احتیاج کا زمانہ ہوتا ہے (اور اس کے اہل و عیال بھی ہوں، جن میں) کمانے کی (قوت نہیں) اس صورت میں اہل و عیال سے بھی اس کو خبر گیری کی توقع نہیں ہوگی، پس ذریعہ معاش صرف وہی باغ ہوا (سو) ایسی حالت میں یہ قصہ ہو کہ (اس باغ پر ایک بگولہ آئے جس میں آگ) کا مادہ (ہو پھر) اس سے (وہ باغ جل جائے)۔ ظاہر بات ہے کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند نہیں آسکتی، پھر اسی کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اول صدقہ دیا یا کوئی اور نیک کام کیا جس کے قیامت میں کار آمد ہونے کی امید ہو جو کہ انتہائی احتیاج کا وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ قبولیت کا مدار انہیں طاعات پر ہوگا پھر ایسے وقت میں معلوم ہوگا کہ ہمارے احسان جتلانے یا غریب کو ایذاء دینے سے ہماری طاعات تو ثواب سے خالی رہ گئیں، اس وقت کیسی سخت حسرت ہوگی کہ کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ پس جب تم مثال کے واقعہ کو پسند نہیں کرتے تو اپنی طاعات پر ثواب کے استحقاق کے ابطال کو کیسے گوارا کرتے ہو (اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتے ہیں تمہارے) سمجھانے کے (لئے تاکہ تم سوچا کرو) اور سوچ کر اس کے موافق عمل کیا کرو۔

فائدہ: اعمال و طاعات کے باطل اور خراب ہونے کی تحقیق:

اعمال میں انوار و برکات کی شرط یہ ہے کہ آدمی گناہوں میں مشغول ہونے سے بچے کیونکہ جب

طاعات کے بعد معاصی اور گناہوں میں مشغول و منہمک ہو جاتا ہے تو ان طاعات کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں جس کا اثر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ طاعت کی جو حلاوت دل میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک طاعت سے دوسری طاعت میں بھی کمی، ناغہ اور سستی ہونے لگتی ہے۔ نور و برکت کے جاتے رہنے کو بھی کہیں کہیں آیات و احادیث میں حبط وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشہور حبط اصطلاحی یعنی عمل کا بالکل ختم اور ناقابل اعتبار ہو جانا اس سے یہ مختلف ہے۔

ربط: انفاق میں جن امور کی رعایت ضروری ہے ان میں سے بعض کا ذکر تو ہو چکا جیسے احسان جتلانے اور آزار پہنچانے اور دکھلاوے کو ترک کرنا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ چیز ردی اور خراب نہ ہو۔ اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۗ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کی تمہارے واسطے زمین سے۔ اور قصد نہ کرو ردی چیز کا کہ اس میں سے تم خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے تعریفوں والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) نیک کام میں (خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور) عمدہ چیز کو (اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے) کام میں لانے کے (لئے زمین سے پیدا کیا اور ردی) ناکارہ (چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کردو حالانکہ) ویسی ہی چیز اگر کوئی تم کو تمہارے واجب حق کے عوض یا ہدیہ میں دینے لگے تو (تم کبھی اس کے لینے والے نہیں، ہاں مگر چشم پوشی) اور رعایت (کر جاؤ) تو اور بات ہے (اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں) جو ایسی ناکارہ چیزوں سے خوش ہوں (تعریف کے لائق ہیں) یعنی ذات و صفات میں کامل ہیں تو ان کے دربار میں چیز بھی کامل تعریف کے لائق ہی پیش کرنا چاہئے۔

فائدہ: 1- یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس عمدہ چیز ہو اور خرچ کر سکتا ہو اور پھر وہ بری نکمی چیز خرچ کرے۔ اور جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں اس کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے اور اس کی وہ بری بھی مقبول ہے۔

2- عشری زمین میں عشر واجب ہے ان الفاظ کی وجہ سے وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

ربط: آگے تنبیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو انفاق کی اور اس میں عمدگی کی رعایت کی ترغیب دی ہے اس میں شیطان بہکایا کرتا ہے تم اس کے بہکاوے پر عمل مت کرنا۔

اَلشَّيۡطٰنُ يَعِدُكُمُ الۡفَقۡرَ وَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡفَحۡشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمۡ مَّغۡفِرَةً مِّنۡهُ وَفَضۡلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤۡتِى الۡحِكۡمَةَ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّؤۡتَ الۡحِكۡمَةَ فَقَدۡ اُوۡتِىَ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ: شیطان ڈراوا دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے، عنایت کرتا ہے سمجھ جس کو چاہے، اور جس کو سمجھ دی گئی اس کو بڑی خوبی دی گئی۔ اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر: (شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے) کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے (اور تم کو بے حیائی کی بات) یعنی بخل (کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے) اس کی راہ میں خرچ کرنے پر اور اچھی چیز خرچ کرنے پر (اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا) یعنی چونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے معصیت کا کفارہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کو دنیا میں بھی اور آخرت میں تو سب کو ہی خرچ کا عوض بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) وہ سب کچھ دے سکتے ہیں (خوب جاننے والے ہیں) نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں۔ اور یہ سب مضامین بہت واضح ہیں، لیکن ان کو وہی سمجھتا ہے جس کو دین کا فہم ہو اور اللہ تعالیٰ (دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور) سچ تو یہ ہے کہ (جس کو دین کا فہم دیا جائے اس کو بڑی خیر کی چیز دی گئی) کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نافع نہیں (اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے

ہیں جو عقل والے ہیں) یعنی جو صحیح عقل رکھتے ہیں۔

فائدہ: 1- یہاں ڈراوے سے مراد دور دراز کے وہم ہیں جو باوجود مالی گنجائش کے نیک کام میں خرچ کرنے کے وقت وقتاً فوقتاً دل میں آیا کرتے ہیں۔ایسے وہم میں ڈالنا یہ شیطان کا کام ہے اور بخیل لوگ ایسے وہموں میں مبتلا رہتے ہیں۔اس آیت میں اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ جب گنجائش ہے تو مناسب مقدار کے خرچ کرنے سے محتاجی کا احتمال ہی غلط ہے لہذا آیت کا حاصل یہ ہوا کہ ایسے انفاق میں ضرر تو بالکل نہیں اور نفع ہر طرح کا ہے کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی۔ پس سمجھ بوجھ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی حالت میں شیطانی وسوسہ کو ہرگز قبول نہ کرے۔

ہاں اگر کوئی شخص واقعی محتاج ہو تو شریعت خود ایسے شخص کو صدقات و تبرعات سے روکتی ہے اور ایسے شخص کے خرچ نہ کرنے کو بخل بھی نہیں کہہ سکتے۔

2- دین کا فہم سب سے زیادہ نافع اس لئے ہے کہ اس سے عقائد درست ہوتے ہیں اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور عقائد واعمال پر آخرت میں نجات اور ثواب ہے اور دنیا کی کوئی نعمت ثواب اور نجات کی برابری نہیں کرسکتی۔

ربط: اوپر انفاق کی جن شرائط کی رعایت کا حکم فرمایا آگے اس رعایت کی تاکید ایک پیرایہ میں فرماتے ہیں کہ ہم کو سب خبر رہا کرتی ہے ہر کام کو درستی کے ساتھ کیا کرو۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

ترجمہ: اور جو بھی خرچ کرتے ہو تم خیرات یا مانتے ہو کوئی منت تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔

تفسیر: (اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا) قیامت میں (کوئی حمایتی نہ ہوگا)

فائدہ: یہ کہنے سے کہ اللہ کو اس کی اطلاع ہے یہ مقصود ہے کہ ہم اس کی جزا دیں گے۔ یہ اس لئے سنایا تاکہ شرائط کی رعایت کی ترغیب اور عدم رعایت سے ڈر ہو اور بے جا کام کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروری شرائط کی رعایت نہیں کرتے بلکہ احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

ربط: آگے انفاق کے متعلق اس بات کی تحقیق ہے کہ اس کا اظہار افضل ہے یا اس کا اخفاء

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾

ترجمہ: اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دے دو تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کر دے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

تفسیر: (اگر تم ظاہر کر کے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور) اخفاء کے ساتھ (فقیروں کو دیدو تب اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ) اس کی برکت سے (تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں)

فائدہ: امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے۔ اس میں دینی مصلحت بھی ہے کہ ریا سے زیادہ دوری ہے لینے والا بھی نہیں شرماتا اور دنیوی مصلحت بھی ہے کہ اپنے مال کی مقدار عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کسی موقع پر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً رفع تہمت یا دوسروں کی پیروی کی امید سے اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ اخفاء کے فی نفسہ افضل ہونے کے خلاف نہیں۔

ربط: آگے یہ بتاتے ہیں کہ صدقہ خیرات دینے میں کچھ مسلمان کی تخصیص نہیں ہے اگر کافر بھی حاجت مند ہو تو اس کے ساتھ احسان کرنے سے دریغ مت کرو بشرطیکہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ رہتا ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

ترجمہ: تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے، اور جو کچھ خرچ کرتے ہو تم مال سو اپنے ہی واسطے۔ اور نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ ہی کی رضا جوئی میں۔ اور جو

خرچ کرتے ہو خیرات سو پوری دی جائے گی تم کو اور تمہارا حق کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر: چونکہ بہت سے صحابہ کفار کو اس مصلحت سے خیرات نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی رائے دی تھی اس لئے اس آیت میں دونوں طرح کے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ (ان) کافروں (کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ) فرض واجب (نہیں) جس کے لئے ایسے اہتمام کئے جائیں (ولیکن) یہ تو (خدا تعالیٰ) کا کام ہے (جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں) آپ کا کام صرف ہدایت کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی ہدایت پر آئے یا نہ آئے اور ہدایت کا پہنچا دینا امداد کی ممانعت پر موقوف نہیں (اور) اے مسلمانو! (جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو اور) اس فائدہ کا بیان یہ ہے کہ (تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے سوائے حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے جس پر پر ثواب ملتا ہے اور یہ بات) ہر حاجت مند کی حاجت پوری کرنے سے حاصل ہوتی ہے، پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جائے (اور) نیز (جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب) یعنی اس کا عوض اور ثواب (پورا پورا تم) ہی (کو) آخرت میں (مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی) سو تم کو اپنے عوض سے مطلب رکھنا چاہئے اور عوض ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے کافر کو نہ ملے۔

ربط: اوپر صدقات میں مومن کی تخصیص نہ ہونے کا ذکر ہوا اب بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ حاجت کے وقت سب کو دینا چاہئے لیکن اصل استحقاق ان لوگوں کا ہے جن میں خاص صفتیں ہوں یعنی اپنی طرف سے تو ایسوں ہی کو تفتیش کر کے دے اور بلا تفتیش جس کی حاجت پر اطلاع ہو جائے اس کو دے دیا کرے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ: خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے زمین میں۔ سمجھتا ہے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے۔ تو پہچانتا ہے ان کو ان کی علامت سے، نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر۔ اور جو کچھ خرچ کرو گے مال وہ بے شک

اللہ اسکو جانتا ہے۔

تفسیر: (اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ) یعنی دین کی خدمت (میں) اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے (وہ لوگ) طلب معاش کے لئے (کہیں زمین میں چلنے پھرنے کا) عادۃ (امکان نہیں رکھتے) اور ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے) البتہ (تم ان لوگوں کو ان کے علامت) یعنی ہیئت (سے پہچان سکتے ہو) کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں (وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے) جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں (اور) ان لوگوں کی خدمت کرنے کو (جو مال خرچ کرو گے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے) دیگر لوگوں کو دینے کے مقابلہ میں ان کی خدمت کا زیادہ ثواب دیں گے۔

ربط: آگے یہ بتانا مقصود ہے کہ انفاق فی الخیر میں کسی زمانہ اور کسی حالت کی تخصیص نہیں جب موقع ہو خرچ کرنا چاہئے سب مقبول ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ثواب ہے ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں) اوقات کی تخصیص کے بغیر (پوشیدہ اور اعلانیہ) حالات کی تخصیص کے بغیر (سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا) قیامت کے روز (ان کے رب کے پاس) جا کر (اور) اس روز (نہ ان پر کوئی خطرہ) واقعہ ہونے والا ہی (ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ربط: ابواب البر کے تحت بہت سے احکام کا پہلے بیان ہو چکا ہے بعض احکام کا یہاں سے بیان شروع ہوتا ہے اور ان بقیہ احکام کی مناسبت انفاق کے مضمون کے ساتھ بھی ہے کیونکہ یہ سب احکام انفاق کی طرح مال ہی کے ساتھ متعلق ہیں۔

انتالیسواں حکم: **سود کی حرمت و مذمت**

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا
لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ
الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ
اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ
فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ
اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی
الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر۔ یہ حالت ان کی اس واسطے ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو۔ پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو کوئی پھر عود کرے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں ہوتا کسی کفر کرنے والے گنہگار سے۔

تفسیر: (جو لوگ سود کھاتے ہیں) یعنی لیتے ہیں (نہیں کھڑے ہوں گے) قیامت میں قبروں سے (مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی) یعنی حیران و مدہوش (بنا دیا ہو لپٹ کر۔ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان) سود خور (لوگوں نے) سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لئے (کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے) کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود جو کہ اس کی مثل ہے اس کو بھی حلال ہونا چاہئے (حالانکہ) دونوں میں کھلا فرق ہے کہ (اللہ تعالیٰ) جو احکام دینے کے مالک ہیں انہوں (نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے) اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا (پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے) اس بارے میں (نصیحت پہنچی اور وہ) اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی سود کو حلال کہنے سے (باز آگیا) اور حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا

(تو جو کچھ) شریعت کے اس حکم کے آنے سے (پہلے) لینا (ہو چکا ہے وہ اس کا رہا) یعنی ظاہر میں شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہو گئی اور لیا ہوا مال اس کی ملک ہے (اور) باطنی (معاملہ اس کا) کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کر لی ہے، یہ (خدا کے حوالے رہا) اگر دل سے توبہ کی ہو گی عند اللہ نافع ہو گی ورنہ کالعدم ہو گی، تم کو بدگمانی کا کوئی حق نہیں (اور جو شخص) مذکور نصیحت سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف (پھر عود کرے تو) اس وجہ سے کہ ان کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے (یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے) اور اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول کفر ہے (وہ اس) دوزخ (میں ہمیشہ رہیں گے) اور گو سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن انجام کار (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے، کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہو گا (اور) اس کے برخلاف صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ (صدقات کو بڑھاتے ہیں) کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھاتے ہیں کہ وہاں اس پر بہت سا ثواب دیتے ہیں، جیسا اوپر آیات میں مذکور ہوا (اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے) بلکہ مبغوض رکھتے ہیں (کسی کفر کرنے والے کو) جو کہ ذکر کردہ قول کے مثل کلمات کفر منہ سے بکے اور اسی طرح پسند نہیں کرتے (کسی گناہ کے کام کرنے والے کو) جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو۔

فائدہ: 1- قیامت میں سود خور کی جنون کی حالت کو جو تشبیہ دی گئی ہے اس شخص کی حالت سے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی کر دیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا امر ممکن ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جنات میں بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔

2- قیامت میں جو یہ سزا دی جائے گی تو جرم کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا انما البیع مثل الربوا دین کے بارے میں اس شخص کی بے عقلی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اس کو سزا بھی زوال عقل کی دی جائے گی۔ اسی طرح یہ فعل یعنی سود لینا بھی بے عقلی پر دلیل ہے کیونکہ جس علم پر عمل نہ ہو وہ گویا علم اور عقل ہے ہی نہیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکور استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ حاکمانہ ہے جو قوانین کے بیان کے وقت بالکل کافی اور نہایت مناسب ہے۔

ربط: اوپر سود کے باب میں بداعتقاد اور بدعمل لوگوں کا ذکر تھا آگے قرآن کی عادت کے مطابق

صحیح اعتقاد اور نیک عمل لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ ان کے لئے ہے ثواب ان کا ان کے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور) بالخصوص (نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی، ان کے لئے ان کا ثواب ہوگا ان کے پروردگار کے پاس اور) آخرت میں (ان پر کوئی خطرہ) واقع ہونے والا (نہیں ہوگا اور نہ وہ) کسی مقصود کے فوت ہونے سے (مغموم ہوں گے)

فائدہ: اوپر کی آیت میں سود خوروں کا قول اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ان کے کفر پر دلالت کرتا تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں اٰمَنُوْا کا ذکر لائے اور وہاں ان کی سود کی بد عملی مذکور تھی جس سے ان لوگوں کا دنیا کی طرف راغب ہونا مفہوم ہوتا تھا یہاں ان کی نیک عملی کو عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اور انکی اللہ کی طرف رغبت کو اَقَامُوا الصَّلٰوةَ سے اور بجائے سود کا مال حاصل کرنے کے مال خرچ کرنے کو اٰتَوُا الزَّكٰوةَ سے بیان کیا۔

ربط: اوپر آئندہ سود لینے سے ممانعت تھی آگے پچھلے چڑھے ہوئے سود کا حکم بتاتے ہیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ
وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر ہو تم ایمان والے۔ پس اگر نہیں چھوڑتے تو اعلان سن لو لڑائی کا اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا۔ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا

جائے گا۔

تفسیر: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) کیونکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے (پھر اگر تم) اس پر عمل (نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسولؐ کی طرف سے) یعنی تمہارے خلاف جہاد ہو گا (اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے) اس قانون کے بعد (نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے) کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو (اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا) کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جائے۔

فائدہ: آیت میں جو جہاد کے لئے فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سود کو حرام تو سمجھتا ہے لیکن پھر بھی سود لینا نہیں چھوڑتا تو جہاد کی وجہ یہ ضابطہ ہے کہ جو مسلمان کسی خاص شرعی حکم کے خلاف کرے اور حاکم کے کہنے پر بھی باز نہ آئے تو اس پر جبر کرنا چاہئے۔ پھر اگر یہ چند آدمی ہوں تو تب تو جبر چل جائے گا اور اگر وہ محض جبر کو خاطر میں نہ لائے بلکہ گروہ و جماعت بنا کر مقابلہ کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا چاہئے کیونکہ ایسے لوگوں کا حکم باغیوں کا سا ہے۔ اور اگر سود کو حلال سمجھتا ہے تو حرمت کا حکم آنے کے بعد بھی اس کو حلال سمجھنا کفر اور ارتداد ہے جس کی حد قتل ہے۔

چالیسواں حکم: مفلس کو مہلت دینا واجب ہے:

اگرچہ یہ حکم عام ہے لیکن ماقبل کے ساتھ ایک خاص مناسبت بھی ہے وہ یہ کہ سود خوروں کا قاعدہ ہے کہ میعاد پر مطالبہ کرنے پر اگر مقروض مہلت مانگتا تو مہلت کے عوض اور سود لیتے تھے۔ اگلی آیت سے اس رسم بد کو مٹانا مقصود ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو خبر ہے۔

تفسیر: (اور اگر) قرضدار (تنگ دست ہے) اور اس لئے میعاد پر نہ دے سکے (تو) اس کو (مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی) یعنی اس کے پاس ادائیگی کی گنجائش ہونے (تک اور یہ) بات (کہ) بالکل (معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو اس کے ثواب کی (خبر ہو)۔

ربط: اوپر کے احکام میں چونکہ بظاہر مالی نفع کا کچھ کم ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ خیال ہوتا ہے کہ سود چھوڑنے میں آمدنی کم ہوئی اور مہلت دینے میں آمدنی دیر سے حاصل ہوئی اور مال کی محبت طبعی ہے اس لئے مکلفین کا ان احکام میں کوتاہی کرنا بعید نہ تھا لہذا اس مقام میں کوتاہی کرنے پر کسی قدر ترہیب اور ڈراوا مناسب ہوا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے جس دن تم لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

(اور) مسلمانو! (اس دن سے ڈرو جس میں تم) سب (اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا) یعنی اس کا بدلہ (پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا) تو تم پیشی کے لئے اپنی کارگذاری درست رکھو اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو۔

اکتالیسواں حکم: قرض سے متعلق

اس حکم میں کئی جزو ہیں یعنی

1- قرض کی دستاویز لکھنے کا مشورہ۔ یہ لکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لکھے لکھائے تو گناہگار نہیں۔ صرف مصلحت ہے تاکہ اختلاف کا احتمال نہ رہے۔

2- کاتب کو دستاویز لکھنے سے انکار کی ممانعت۔ یہ بھی استحباب کے لئے ہے۔ اسی لئے اگر کاتب لکھنے پر اجرت لے تو جائز ہے۔

3- دستاویز مقروض کی جانب سے ہو۔

4- گواہ بنانا۔

(ا) چونکہ ثبوت کا مدار گواہی پر ہے لہذا دستاویز لکھنا ضروری نہیں ہے اور اگر لکھی جائے تو یہ ضروری نہیں کہ اس پر گواہوں کے دستخط بھی ہوں صرف ان کا سن لینا یا دستاویز کو دیکھ لینا یا واقعہ کا مشاہدہ کر لینا اگرچہ دستاویز بھی نہ ہو کافی ہے۔ لیکن دستاویز پر گواہوں کا دستخط کر دینا یادداشت کی سہولت اور احتیاط و مصلحت کا موجب ہے کیونکہ اکثر اپنے دستخط دیکھ کر وہ بات یاد آجاتی ہے۔

(ب) گواہ بننے کے لئے بلانے پر جانا مستحب ہے۔ البتہ گواہ بن جانے کے بعد طلب پر گواہی کے لئے جانا بعض صورتوں میں فرض ہے۔

5- گواہوں کو انصاف سے گواہی دینا اور ان کے لئے گواہی دینے سے انکار کی ممانعت۔

6- قرض کے عوض گروی رکھنا۔

رہن و گروی رکھنا سفر و حضر دونوں میں جائز ہے۔ یہاں آیات میں سفر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ حضر کی بنسبت سفر میں اس کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے کیونکہ حضر میں اطمینان اور توثیق کے اور ذرائع مثلاً کتابت اور گواہ بنانا میسر ہوتے ہیں جو سفر میں اکثر اوقات میسر نہیں ہوتے۔

7- گواہی کو چھپانے کی حرمت۔

گواہی کا چھپانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے۔ دونوں میں اصل واقعہ چھپ جاتا ہے اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔ گواہی چھپانے کو دل کا گناہ کہا تاکہ کوئی شخص اس کو محض زبان کا گناہ نہ سمجھ لے کیونکہ اس کا ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪
وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ
الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ
فَاِنْ كَانَ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ
اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا
شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ
وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا
فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ
وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ

اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ
اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ
عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا لکھنے سے۔ جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہئے کہ لکھ دے۔ اور لکھواوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ۔ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں لکھوا سکتا تو بتادے کارکن اس کا انصاف سے۔ اور گواہ بنالو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلادے اس کو دوسری۔ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں۔ اور اکتاہٹ نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک۔ یہ بات پوری انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والی ہے گواہی کو اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس کے نہ لکھنے میں۔ اور گواہ بنالیا کرو جب تم سودا کرو۔ اور ضرر نہ دیا جائے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی

بات ہے تمہارے اندر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اور تم کو سکھاتا ہے اللہ۔ اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گروی اشیاء قبضہ میں رکھنی چاہئیں۔ پھر اگر اعتبار کرلے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ تم گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک گناہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا) خواہ دام ادھار ہوں یا جو چیز خریدنا ہے وہ ادھار ہو جیسے بیع سلم میں (ایک میعاد معین تک) کے لئے (تو اس) کی یادداشت ودستاویز (کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان) جو (کوئی لکھنے والا) ہو وہ (انصاف کے ساتھ لکھے) یعنی کسی کی رعایت کرکے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے (اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ خدا نے اس کو) لکھنا (سکھایا ہے اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور) کاتب کو (وہ شخص) بتادے اور (لکھوادے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو) کیونکہ دستاویز کا حاصل حق کا اقرار کرنا ہوتا ہے تو جس کے ذمہ حق ہے اسی کا اقرار ضروری ٹھہرا (اور) لکھاتے وقت (اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس) حق (میں سے ذرہ برابر بتانے میں (کمی نہ کرے۔ پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل) یعنی معتوہ یا مجنون (ہو یا ضعیف البدن) یعنی نابالغ یا پیر فرتوت (ہو یا) اور کسی اتفاقی امر سے (خود) بیان کرنے کی اور (لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو) مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا، یا مثلاً دوسرے ممالک کا رہنے والا ہے اور مختلف زبان بولتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا (تو) ایسی حالت میں (اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوادے۔ اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ) بھی (کرلیا کرو) اور شریعت میں دعوی کے ثبوت کا اصل مدار یہی گواہ ہیں گو دستاویز نہ ہو۔ دستاویز لکھنے سے یادداشت کی آسانی ہوتی ہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر اور سن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آجاتا ہے، جیسا عنقریب قرآن ہی میں آتا ہے (پھر اگر وہ دو گواہ مرد) میسر (نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) گواہ بنالی جائیں (ایسے گواہوں میں سے جن کو تم) ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے (پسند کرتے ہو) اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز کی گئیں (تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی) شہادت کے کسی حصہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے (بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلادے) اور یاد دلانے کے بعد شہادت کا مضمون مکمل ہوجائے۔ (اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب) گواہ بننے کے لئے بلائے (جایا کریں) کہ اس میں اعانت

ہے اپنے بھائی کی (اور تم اس) دین (کے اس کی میعاد تک) بار بار (لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ) معاملہ دین کا (چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ لائق ہے اس بات کا کہ تم) معاملہ کے متعلق (کسی شبہ میں نہ پڑو) اس لئے لکھ ہی لینا اچھا ہے (مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام) اور مضرت (نہیں اور) اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ اس کے (خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو) شاید کل کو کوئی بات نکل آئے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے، یا یہ چیز میں نے فروخت ہی نہیں کی یا مشتری کہنے لگے کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لے لیا تھا یا ابھی تو سودے کی چیز پوری میرے پاس نہیں پہنچی (اور) جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے (نہ کسی کاتب کو تکلیف دی جائے اور نہ کسی گواہ کو) مثلاً اپنی مصلحت کے لئے ان کی کسی مصلحت میں خلل نہ ڈالا جائے (اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہو گا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو) اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے وہ مت کرو (اور) اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ (تم کو) مفید احکام کی (تعلیم فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں) تو وہ فرمان بردار اور نافرمان کو بھی جانتے ہیں ہر ایک کو مناسب جزا دیں گے۔ (اور اگر تم) دین کا معاملہ کرنے کے وقت (کہیں سفر میں ہو اور) دستاویز لکھنے کے واسطے وہاں (کوئی کاتب نہ پاؤ سو) ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ (رہن رکھنے کی چیزیں) ہیں (جو) مدیون کی طرف سے صاحب حق کے (قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر) ایسے وقت میں بھی (ایک فریق معاملہ دوسرے کا اعتبار کرتا ہو اور اس لئے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو (جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے) یعنی مدیون (اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق) پورا پورا (ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے) اور اس کا حق نہ مارے۔ (اور شہادت کا اخفاء مت کرو) خواہ اس طرح کہ شہادت کو سرے سے بیان ہی نہ کرنے یا اس طرح کہ غلط بیانی کرے اور اس طرح دونوں اصل واقعہ مخفی ہو جائے (اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گناہگار ہو گا) صرف زبان نہیں (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں) سو اگر کوئی اخفاء کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ضرور ہے سو وہ سزا دیں گے۔

فائدہ : عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف مقرر کی گئی ہے تو جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں انکو تو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں جس طرح کا حکم چاہیں دیں۔ انہوں نے یہ

حکم دے دیا اور قرآن میں وہ ثابت بھی ہے تو اب ماننے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ وہ حکمت والے بھی ہیں انکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگرچہ ہمیں اسکا علم نہ ہو اور یہ کوئی پابندی نہیں کہ ہمیں ہر حکمت کا ضرور علم بھی ہو۔ علاوہ ازیں قانون اکثریت کو پیش نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے اور عورتوں کی اکثریت کی یادداشت اور یہ صلاحیت کہ بات کو خصوصاً پچھلی بات کو پورا پورا اور صحیح صحیح بیان کردیں مردوں کے برابر نہیں ہے۔

ربط: اوپر شہادت چھپانے کو قلب کا گناہ بتایا تھا اس لئے اگلی آیتوں میں اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں کہ قلب کے بدنما افعال میں سے کس فعل پر گناہ ہے کس فعل پر نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان افعال میں جو اختیاری ہیں جیسے عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ اور معصیت کا عزم ان پر تو گناہ ہے اور غیر اختیاری جیسے وساوس تو ان پر گناہ نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(اللہ ہی کی ملک میں ہیں سب) مخلوقات (جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں) جیسے خود زمین و آسمان بھی اسی کی ملک میں ہیں اور جب وہ مالک ہیں تو ان کو اپنی مملوکہ اشیاء میں ہر طرح قانون بنانے کا حق ہے، اس میں کسی کو کہنے کی مجال نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ ایک قانون یہ بنایا ہے کہ (جو باتیں) فاسد عقائد یا مذموم اخلاق یا گناہوں پر پختہ عزم و ارادہ ہونے کی (تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم) زبان و جوارح سے (ظاہر کرو گے) مثلاً زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا یا اپنے تکبر وغیرہ کا خود اظہار کر کے کہہ دیا کہ میں فلاں سے اچھا ہوں یا کسی گناہ جس کا قصد تھا اس کو کر ہی ڈالا (یا کہ) دل ہی میں (پوشیدہ رکھو گے) دونوں حالتوں میں (حق تعالیٰ تم سے) دوسرے معاصی کی طرح ان کا (حساب لیں گے پھر) حساب لینے کے بعد سوائے کفر و شرک کے (جس کے لئے) بخشنا (منظور ہو گا بخش دیں گے اور جس کو) سزا دینا (منظور ہو گا سزا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں)

ربط: زبان اور جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جیسے ارادہ سے بولنا اور ارادہ سے کسی کو مارنا اور غیر اختیاری جیسے زبان سے کہنا چاہتا تھا کچھ اور بلا ارادہ نکل گیا کچھ یا رعشہ سے ہاتھ کو حرکت ہو۔ ان میں اختیاری افعال پر ثواب وعذاب ہوگا اور غیر اختیاری پر نہ ہوگا۔ اسی طرح قلب کے افعال بھی دو قسم کے ہیں اختیاری جیسے کفر کا عقیدہ جس کو جان بوجھ کر دل میں جمایا ہو یا خود سوچ کر اپنے کو بڑا سمجھنا اور اس خیال کو قائم رکھنا، یا پختہ ارادہ کرنا کہ شراب پیوں گا۔ اور غیر اختیاری جیسے کفر یا معصیت کے برے برے وسوسے آنا۔ ان میں بھی اختیاری پر مواخذہ ہے اور غیر اختیاری پر نہیں۔

جس طرح زبان وجوارح کے اختیاری افعال میں سے سوائے کفر کے باقی میں احتمال ہے کہ یا تو بخش دیئے جائیں یا ان پر ایک وقت تک کے لئے سزا ہو اسی طرح قلوب کے اختیاری افعال کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مگر چونکہ اس آیت میں اختیاری ہونے کی صراحت ذکر نہ تھی اس لئے صحابہ ظاہر الفاظ کے عموم کو دیکھ کر کہ وہ اختیاری وغیر اختیاری دونوں کو شامل ہیں گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب تک تو ہم ایسے افعال کے مکلف تھے جو ہماری طاقت واختیار میں تھے جیسے نماز وروزہ وزکوۃ وحج وجہاد، اب یہ آیت آئی ہے یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے۔ اگرچہ رسول ﷺ اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن انتہائی خشیت کے غلبہ سے آپ کی نظر بھی الفاظ کے ظاہری عموم کی طرف پہنچی جس طرح آپ نے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (آپ منافقین کے لئے استغفار کیجئے یا ان کے لئے استغفار نہ کیجئے۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تب بھی اللہ ہر گز ان کی مغفرت نہ کرے گا) کے نازل ہونے کے باوجود ایک منافق کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ مجھ کو استغفار کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا۔ اس کی بنیاد بھی انتہائی رحمت کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے الفاظ کے ظاہری معنی یعنی اختیار پر نظر کی۔ اسی طرح یہاں ہوا۔ اس لئے از خود تفسیر کرنے کے بجائے آپ نے وحی کا انتظار فرمایا۔ البتہ چونکہ صحابہ کے الفاظ سے بظاہر اعتراض مفہوم ہوتا تھا اس لئے ان کو ادب وانقیاد کی تعلیم کی خاطر فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا کہو بلکہ یوں کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ چنانچہ صحابہ نے اس طرح کہا لیکن جو معنی انہوں نے سمجھا تھا اس کی بنا پر اطاعت کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی تھی۔ اس کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اگلی دو آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک میں مسلمانوں کی مداح اور دوسری میں آیت بالا کی تفسیر ارشاد فرمائی۔

مسلمانوں کی مدح

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾

ترجمہ: مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا اسکی طرف اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ (کہتے ہیں کہ) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے پیغمبروں میں سے۔ اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر: (اعتقاد رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز کے حق ہونے کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے) یعنی قرآن (اور) دوسرے مومنین بھی (عقیدہ رکھتے ہیں اللہ پر) کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات و صفات میں کامل ہے (اور اس کے فرشتوں پر) کہ وہ موجود ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مقرر ہیں (اور اس کی کتابوں پر) کہ اصل میں سب سچی ہیں (اور اس کے سب پیغمبروں پر) کہ وہ پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر عقیدہ رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں (کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں) عقیدہ رکھنے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں کسی کو نہ سمجھیں (اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے) آپ کا ارشاد (سنا اور) اس کو (خوشی سے قبول کیا ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف) ہم سب کو (لوٹنا ہے)

فائدہ: اصل مقصود تو مومنین کی مدح فرمانا ہے لیکن ان کی مدح کی تقویت کے لئے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کر دیا جس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایمان کا کامل ہونا تو بلاشبہ یقینی ہے اسی طرح ان کا ایمان بھی کامل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ رسول کے ایمان کے ذیل میں ذکر کر کیا جائے اگرچہ کمال کے درجوں میں تفاوت اپنی جگہ ہے۔

آیت بالا کی تفسیر:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے، اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔

تفسیر: یعنی ہم نے جو پہلی آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہو گا اس سے مراد غیر اختیاری امور نہیں بلکہ صرف اختیاری امور ہیں کیونکہ (اللہ تعالیٰ کسی کو) احکام شرعیہ میں (مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت) اور اختیار (میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے) اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلّف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس چونکہ انسانی اختیار اور طاقت سے خارج ہیں تو ان کے آنے کو حرام نہیں کیا اور ان کے روکنے کو واجب نہیں کیا اور نہ ان پر عذاب رکھا۔

فائدہ : 1: حدیث سے اس مضمون کی اور وضاحت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں سے درگزر فرمایا ہے جو دل میں خیالات پیدا ہوں جب تک عمل نہ کرے یا تکلم نہ کرے (رواہ البخاری) اور عمل فعل اختیاری کو کہتے ہیں جس میں قلب کے افعال اختیاری بھی شامل ہیں۔

2: اس آیت سے قاعدہ کلیہ نکلا کہ غیر اختیاری امور کی نہ تکلیف ہے اور نہ ہی ان پر آخرت کا عذاب ہے۔ اور جس طرح اس قاعدہ کلیہ میں قلب کے غیر اختیاری امور شامل ہیں اسی طرح وہ ظاہری افعال جو غیر اختیاری ہوں وہ بھی داخل ہیں مثلاً وہ افعال جو خطا سے (یعنی بلا قصد) یا نسیان سے صادر ہو جائیں کیونکہ اہتمام کے باوجود یاد نہ رہنا بھی اختیار سے خارج ہے۔ آگے ان سب باتوں کو دعا کی شکل میں سکھایا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ: اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور در گذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہی ہمارا کار ساز ہے مدد کر ہماری کافروں پر۔

تفسیر: (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب) ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ (ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب اور) ہم یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ (ہم پر کوئی ایسا بار) تکلیف کا دنیا یا آخرت میں (نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور در گذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کار ساز ہیں) اور کار ساز تو طرفدار ہوتا ہے (سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے)

سورة ال عمران

ربط: یہ پوری سورت گذشتہ سورت بقرہ کے آخری جملہ و انصرنا علی القوم الکافرین کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ حصوں میں کفار سے زبان کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ جہاد کا تذکرہ ہے جس کی وجہ توحید میں اختلاف ہے لہذا اس سورت کو توحید کے مضمون سے شروع کیا ہے۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیَاتُهَا ۲۰۰ رُکُوْعَاتُهَا ۲۰

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝۲

ترجمہ: الم۔ اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہی زندہ ہے سب کا تھامنے والا۔

تفسیر: (الم۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں) اور وہ (زندہ) جاوید (ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں)

فائدہ: حی و قیوم کی صفات ذکر کرنے میں معبودان باطلہ کے معبود نہ ہونے کی عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی سی صفات نہیں ہیں۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز ازلی وابدی نہ ہو اور اپنی حفاظت میں خود دوسرے کی محتاج ہو وہ معبود بننے کے لائق نہیں ہو سکتی کیونکہ عبادت انتہائی

درجہ کے تذلل و عاجزی کو کہتے ہیں اور یہ صرف اسی کا حق ہے جس کو انتہائی درجہ کی عزت حاصل ہو جو اس ذات کے لئے خاص ہے جو انتہائی درجہ کی کامل ہو۔ تو جو اپنی حیات و بقا میں دوسرے کا محتاج ہو وہ تو انتہائی ناقص ہے لہذا عبادت اس کا حق نہیں ہو سکتا۔

ربط: آگے توحید کی نقلی دلیل مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ تمام کتابیں بھی اور تمام انبیاء جن کا نبی ہونا معجزات سے ثابت ہے ان کی خبریں بھی توحید پر متفق ہیں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

ترجمہ: اتاری تجھ پر کتاب واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو پہلے سے بطور ہدایت لوگوں کے لئے اور اتاریں فیصلہ کن چیزیں (حق و باطل کے درمیان)

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان) آسمانی (کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور) اسی طرح (بھیجا تھا تورات اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے) اور اسی سے قرآن کا ہدایت ہونا بھی لازم آگیا کیونکہ ہدایت کی تصدیق کرنے والی بھی ہدایت ہوتی ہے (اور اللہ تعالیٰ نے) انبیاء کی تصدیق کے واسطے (بھیجے حق و باطل کے درمیان فیصلے کرنے والے امور (مثلاً معجزات وغیرہ)

ربط: آگے منکرین توحید کے لئے وعید بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ہے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی ان (آیتوں کے) جو توحید پر دلالت کرتی ہیں (ان کے لئے سخت سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ) اور قدرت (والے ہیں) کہ بدلہ لے سکتے ہیں اور (بدلہ لینے

والے) بھی (ہیں) یعنی انتقام کا امکان اور وقوع دونوں باتیں ثابت ہیں۔

ربط: آگے توحید کا تتمہ مذکور ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۵﴾ ہُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶﴾

ترجمہ: بے شک اللہ پر چھپی نہیں ہے کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمہارا نقشہ بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے، نہیں کوئی لائق عبادت مگر وہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: بے شک (اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے) نہ کوئی چیز (زمین میں اور نہ) کوئی چیز (آسمان میں) لہذا ان کا علم بھی نہایت کامل ہے (وہ ایسی ذات) پاک (ہے کہ تمہاری صورت) شکل (ماں کے پیٹ میں بناتا ہے، جس طرح چاہتا ہے) کسی کی کیسی صورت اور کسی کی کیسی صورت، لہذا ان کی قدرت بھی کامل ہے، حیات اور قیومیت اور علم اور قدرت جو امہات یعنی بنیادی صفات میں سے ہیں ان میں کامل طور سے موجود ہیں اور اس درجہ کمال میں کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں جس سے ثابت ہوا کہ (کوئی عبادت کے لائق نہیں، سوائے اس) ذات پاک (کے) اور (وہ غلبہ والے ہیں) منکر توحید سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن (حکمت والے) بھی (ہیں) کہ مصلحت سے دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔

ربط: نجران کے کچھ عیسائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذہبی گفتگو شروع کی۔ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو میں تثلیث کے ابطال پر اللہ تعالیٰ کی صفات حی اور قیوم وغیرہ سے استدلال فرمایا جس کو انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ ان میں سے بعض عیسائیوں نے لفظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے جو کہ قرآن میں واقع ہوئے ہیں استدلال کیا تو ان موہم کلمات کے بارے میں اگلی آیت میں جواب دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات جن کی مراد مخفی ہو ان سے استدلال درست نہیں بلکہ عقائد کا مدار تو واضح نصوص پر ہوتا ہے جب کہ وہ نصوص جن کی مراد مخفی ہو اور ان کی تفسیر معلوم نہ ہو ان کی تو زیادہ تفتیش کی بھی اجازت نہیں ان پر صرف اجمالی ایمان کافی ہے اور وہی واجب ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ
مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ
فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا
اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ
رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب۔ اس میں بعض آیتیں ہیں محکم (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل مدار ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور (غلط) مطلب ڈھونڈنے کرنے کی غرض سے حالانکہ ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم یقین لائے اس پر، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور (سمجھانے سے) صرف وہی سمجھتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر: (وہ) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو۔ اس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ محکم ہیں) یعنی ان کے معنی و مراد واضح ہیں (اور یہی آیتیں اصل مدار ہیں کتاب) یعنی قرآن (کا) اس لئے جن آیتوں کے معنی ظاہر نہ ہوں ان کو بھی محکم یعنی ظاہر المعنی آیات کے موافق ہی سمجھا جائے گا (اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ متشابہ ہیں) جن کے معنی معلوم یا معین نہیں ہیں۔ (سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے) تاکہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے فائدہ حاصل کریں (حالانکہ اس کا صحیح مطلب حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا) اور اسی واسطے (جو لوگ علم) دین (میں پختہ کار اور) فہیم ہیں (وہ ایسی آیتوں کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ہم ان پر) اجمالاً (یقین رکھتے ہیں سب) آیتیں خواہ وہ محکم ہوں یا متشابہ ہوں (ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں) پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد فی الواقع ہوں وہ حق ہیں (اور نصیحت کی بات کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں) یعنی عقل کا تقاضا بھی یہی ہے

کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہو نقصان دہ اور فضول باتوں میں نہ لگے۔

متشابہ کی تعریف: کسی متشابہ لفظ یا آیت کی تعریف یہ ہے کہ اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو یقینی طور سے معلوم نہ ہو۔

متشابہ کی اقسام: متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب بھی کسی کو معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات دوسرے یہ کہ اس کا لغوی مطلب تو معلوم ہو مگر عقل یا نقل وہ معنی مراد لینے سے مانع ہو۔ پھر اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب واحد ہو جیسے سمع، بصر اور کلام وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کا معنی ایک ہی ہے متعدد نہیں دوسرے یہ کہ اس کے لغوی مطلب متعدد ہوں یعنی ایک سے زیادہ ہوں۔ پھر متعدد ہونے کی صورت میں یا تو کسی قطعی یا ظنی دلیل سے کسی ایک معنی و مطلب کو ترجیح حاصل ہو گئی ہو یا حاصل نہ ہوئی ہو۔

متشابہ کے احکام: (1) حروف مقطعات میں سب کا مذہب یہی ہے کہ ان میں تفویض واجب ہے یعنی ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کا یقینی علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

(2) سمع، بصر اور کلام میں سب کے نزدیک ان کی تفسیر کرنا یعنی ان کا لغوی مطلب بتانا جائز ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ ہمارا جیسا سننا نہیں اور ہمارا جیسا دیکھنا نہیں اور ہمارا جیسا بولنا نہیں۔ (یعنی جس طرح ہم سننے دیکھنے اور بولنے کیلئے کان، آنکھ اور زبان کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے محتاج نہیں)

(3) جس کے لغوی مطلب متعدد ہوں ان میں اگر کسی معنی کو ترجیح نہ دی گئی ہو نہ قطعی دلیل سے اور نہ ہی ظنی دلیل سے تو اس میں بھی سکوت واجب ہے اسی وجہ سے امام ابو حنفیہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں دہر ہوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نہیں جانتا دہر سے کیا مراد ہے۔

اور جس میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہو۔

(ا) اگر اس کو اصل لفظ سے تعبیر کریں تب تو کوئی اختلاف نہیں البتہ احتیاط کے طور پر ابہام کو دور کرنے کے لئے یہ قید یعنی "جو اس کی شایان شان ہے" بڑھا دی جائے۔ مثلاً **استوی علی العرش** جب کہ استواء کے لفظ سے ہی اس کو تعبیر کریں۔

(ب) اور اگر اصل لفظ چھوڑ کر دوسرے لفظ سے تفسیر کی جائے تو اس میں دو مسلک ہیں۔

i- **سلف کا مسلک:** یہ ہے کہ اس سے حقیقی لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں مثلاً استواء کے حقیقی معنی استقرار، بلند ہونا اور توجہ کرنا یہ تینوں ہیں اور یہ تینوں استواء کی تفسیریں ہیں پھر کسی دلیل سے ان میں سے

کسی ایک کو ترجیح دی گئی ہو۔ ان کے ساتھ بھی ہمارا جیسا استقرار نہیں اور ہمارا جیسا بلند ہونا نہیں اور ہمارا جیسا متوجہ ہونا نہیں کی قید بھی لگے گی۔

ii- متاخرین کا مسلک: یہ ہے کہ اصل مسلک تو وہی ہے جو سلف کا ہے لیکن وہ لوگ جن کی عقلیں کمزور ہیں اور اصل معنی کو سمجھنے میں ان کو دشواری ہوتی ہے تو ان کی تشویش کو دور کرنے کے لئے اس کا مجازی یا کنائی مطلب لیتے ہیں مثلاً استواء سے غلبہ مراد لینا۔

فائدہ: پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ بھی ایسے ہی متشابہ کلمات میں سے ہیں۔ البتہ عقلی اور شرعی قواعد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذی روح ہیں اور ان کے وجود کا سبب اللہ تعالیٰ کا امر اور کلمہ (کن) ہے۔

ربط: آگے ان حق پرستوں کا دوسرا کمال ذکر ہے کہ علمی کمال رکھنے کے باوجود اس پر مغرور نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حق پر استقامت کی دعا کرتے تھے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝٩

ترجمہ: "اے رب ہمارے نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو بعد اس کے جب ہدایت کر چکا تو ہم کو اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت۔ تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔ اے رب ہمارے تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن میں جس میں کچھ شبہ نہیں، بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ کا۔

تفسیر: (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے، بعد اس کے کہ آپ ہم کو) حق کی طرف ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت) خاصہ (عطا فرمایئے) وہ رحمت یہ ہے کہ راہ مستقیم پر قائم رہیں (بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار!) ہم کجی سے بچنے کی اور حق پر قائم رہنے کی دعا کسی دنیاوی غرض سے نہیں مانگتے، بلکہ محض آخرت کی نجات کے واسطے مانگتے ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ (آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو) میدان حشر میں (جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس) کے آنے (میں ذرا شک نہیں) یعنی قیامت کے دن میں اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدہ کا) اس لئے قیامت کا آنا ضرور ہے اور اس واسطے ہم کو اس کی فکر ہے۔

ربط: یہاں تک زبانی جہاد کا بیان تھا۔ آگے تلوار کے ساتھ جہاد کا بیان ہے اور منکرین توحید و رسالت کے لئے وعید ہے جو صراحت کے ساتھ بارہویں آیت میں مذکور ہے۔اس سے پہلے کی آیت بطور تمہید ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ
لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۲

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے (ان کا معاملہ ایسا ہے) جیسے معاملہ فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو تو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ کہہ دے کافروں کو کہ جلد تم مغلوب ہو گے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ہے ٹھکانا۔

تفسیر: (بلاشبہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ہرگز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال) دولت (اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ذرہ برابر بھی۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے) ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہے (جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے) کافر (لوگوں کا)۔ وہ معاملہ یہ تھا (کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو) یعنی اخبار و احکام کو (جھوٹا بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ) کی گرفت بڑی سخت ہے، کیونکہ ان کی شان یہ ہے کہ وہ (سخت سزا دینے والے ہیں)۔ اس طرح معاملہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، سو ان کو بھی ایسی ہی سزا ہو گی اور (ان کفر کرنے والے لوگوں سے) یوں بھی (فرما دیجئے کہ) تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ پکڑ صرف آخرت میں ہو گی، بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہو گی، چنانچہ دنیا میں (عنقریب تم) مسلمانوں کے ہاتھ سے (مغلوب کئے جاؤ گے اور) آخرت میں (جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور) جہنم کیا (ہی برا ٹھکانا ہے)

فائدہ: آیت میں کفار سے مراد خاص کفار ہیں جن سے یہ خطاب ہوا تھا چنانچہ مشرکین پر قتل اور قید کی مصیبت اور یہود پر قتل وقید کے ساتھ جزیہ اور جلاوطنی کی بھی سزا ہوئی۔

ربط: اوپر کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آگے اس کی ایک مثال بطور دلیل کے بیان فرماتے ہیں۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: بے شک گذر چکا ہے تمہارے سامنے بڑا نمونہ دو فوجوں میں جو ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، ایک فوج لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے۔ دیکھتے ہیں یہ اپنے کو مسلمانوں سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ قوت دیتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے، اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کے لئے۔

تفسیر: (بے شک تمہارے) استدلال کے (لئے بڑا نمونہ گذر چکا ہے دو گروہوں) کے واقعہ (میں جو کہ باہم) بدر کی لڑائی میں (ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے، ایک گروہ تو) یعنی مسلمان (اللہ کی راہ میں لڑتے تھے اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے) اور کافر تعداد میں اس قدر زیادہ تھے کہ (یہ کافر اپنے) گروہ (کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے) زیادہ (ہیں) اور دیکھنا بھی کچھ وہم وخیال کا نہیں بلکہ (کھلی آنکھوں دیکھنا) جس کے واقعی ہونے میں شبہ نہیں تھا لیکن کفار کے اس قدر زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کیا (اور) غالب اور مغلوب کرنا محض قبضہ خداوندی میں ہے (اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں) سو (بلاشک اس) واقعہ (میں بڑی عبرت ہے) اور نمونہ (ہے دیکھنے والوں کے لئے)

فائدہ: جنگ بدر میں مسلمان تین سو تیرہ تھے اور کفار ایک ہزار تھے یعنی تین گنا سے بھی زیادہ تھے۔ اس آیت میں اسی کثرت کو بیان فرمایا ہے کہ کفار آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ ہماری جماعت زیادہ ہے مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا کہ مسلمان ہی غالب رہے۔ اس سے ہر منصف عاقل استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کو غالب کرنا چاہتے ہی تو کفار کی کثرت اور مالداری اس کو روک نہیں سکتی۔

ربط: اوپر آیت اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ میں اموال واولاد کا آخرت میں کام نہ آنا بیان فرمایا تھا جس سے ان چیزوں کا بے قدر ہونا لازم آیا تھا۔ اب آگے اسی بات کو صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد آخرت کی نعمتوں کا قابل قدر اور قابل رغبت ہونا اور ان نعمتوں کا تقویٰ سے حاصل ہونا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تقویٰ کی کچھ تفصیل کی اس طرح سے کہ اس کے بعض شعبے مثلاً ایمان اور مناجات اور صبر اور صدق اور قنوت اور انفاق اور استغفار ذکر کئے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالۡبَنِيۡنَ
وَالۡقَنَاطِيۡرِ الۡمُقَنۡطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالۡفِضَّةِ وَالۡخَيۡلِ الۡمُسَوَّمَةِ
وَالۡاَنۡعَامِ وَالۡحَرۡثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ
حُسۡنُ الۡمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اَؤُنَبِّئُكُمۡ بِخَيۡرٍ مِّنۡ ذٰلِكُمۡ ؕ لِلَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا
عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ
اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۱۵﴾ۚ
اَلَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۶﴾ۚ اَلصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡمُنۡفِقِيۡنَ وَ
الۡمُسۡتَغۡفِرِيۡنَ بِالۡاَسۡحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: خوشنما کردی گئی ہے لوگوں کیلئے مرغوب چیزوں کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا اور اللہ ہی کے پاس ہے خوبی انجام کی۔ کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر۔ پرہیزگاروں کے لئے انکے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری کی ہوئی اور رضامندی ہے اللہ کی اور اللہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لے آئے سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے اور صبر کرنیوالے ہیں اور سچے ہیں اور حکم بجالانے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور گناہ بخشوانے والے ہیں پچھلی رات میں۔

تفسیر: (خوشنما معلوم ہوتی ہے) اکثر (لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی) مثلاً (عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے) یا دوسرے (مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی) لیکن (یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی) کی چیز (تو اللہ ہی کے پاس ہے) جو موت کے بعد کام آئے گی جس کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے (آپ) ان لوگوں سے یہ (فرمادیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتادوں جو) بدرجہا (بہتر ہو ان) مذکورہ (چیزوں سے) سو سنو (ایسے لوگوں کے لئے جو) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے ہیں ان کے مالک) حقیقی (کے پاس ایسے باغ ہیں) یعنی بہشت (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان) بہشتوں (میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے) اور ان کے لئے (ایسی بیویاں ہیں جو) ہر طرح سے یعنی جسمانی گندگیوں سے بھی اور اخلاقی عیوب سے بھی پاک اور (صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور) ان کے لئے (خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے) بھالتے (ہیں بندوں) کے حال (کو) اس لئے ڈرنے والوں کی یہ نعمتیں دیں گے، آگے ان ڈرنے والوں کی بعض صفات تفصیل سے ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ (ایسے لوگ) ہیں (جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے) اور وہ لوگ (صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور) اللہ تعالیٰ کے سامنے (اطاعت گزاری کرنے والے ہیں اور) نیک کاموں میں مال کے (خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں) اٹھ اٹھ کر (گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں)

فائدہ: 1- یہ جو فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ محبت و میلان اکثر حالات میں لغزش کا باعث ہو جانے کی وجہ سے ڈر کی چیز تھی مگر اکثر لوگ اس کو ضرر کا سبب نہیں جانتے بلکہ اس کو ہر حال میں اچھا سمجھتے ہیں۔

2- یہ جو کہا کہ ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے یہ اس وجہ سے ہے کہ ایمان کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی۔

ربط: صورت کے شروع کے حصہ میں نصاری کے مقابلہ و مناظرہ میں توحید کا اثبات اور اسکے ضمن میں تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے اور درمیان کے مضامین اسی کی مناسبت سے لائے گئے تھے۔ اب اسی توحید کے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے بعد کی آیتوں میں بالترتیب یہ باتیں ذکر کیں (1) اسلام کے حق ہونے کی تصریح اور (2) اہل کتاب کی حجت بازی کا جواب۔ پھر (3) حق کے قبول نہ کرنے والوں کی مذمت پر تتمہ کے

طور پر اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی اور اس کے مستبعد سمجھنے کو قدرت کاملہ کے اثبات کے ساتھ دور کرنا پھر (5) مومنین کو کفار کی دوستی سے ممانعت پھر (6) توحید کا رسول کے اتباع کے بغیر معتبر نہ ہونا پھر (7) رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور محبوبیت کی تائید کے لئے چند مقبولین کے قصے۔

توحید کے مضمون کے طرف رجوع

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ﴿۱۸﴾

ترجمہ: گواہی دی اللہ نے کہ کوئی لائق بندگی نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی (اس شان سے کہ) وہی قائم کرنے والا ہے عدل کا۔ کوئی لائق بندگی نہیں سوا اس کے۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے) کتب سماویہ میں (اس) مضمون (کی کہ سوائے اس ذات) پاک (کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی) اپنے ذکر و تسبیح میں اس کی گواہی دی ہے کیونکہ ان کے اذکار توحید سے بھرے ہوئے ہیں (اور) دوسرے (اہل علم نے بھی) اپنی تقریرات و تحریرات میں اس کی گواہی دی ہے جیسا کہ ظاہر ہے (اور معبود بھی وہ اس شان سے ہیں کہ) ہر چیز کا (عدل واعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں) یعنی وہ ایسے نہیں کہ صرف اپنی تعظیم وعبادت ہی کراتے ہوں بلکہ وہ سب کے کام بھی بناتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر کہا جاتا ہے کہ (ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

فائدہ: یہ نقلی دلیل خاص اہل کتاب کے مقابلہ میں ہے جو نقلی دلائل کے منکر نہ تھے۔ رہے توحید کے عقلی دلائل تو وہ اور دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔

1-اسلام کے حق ہونے کی تصریح

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: بے شک دین جو ہے اللہ کے یہاں (سو یہی) اسلام ہے اور مخالف نہیں ہوئے جو دیئے گئے کتاب مگر اس کے بعد کہ آچکا ان کے پاس علم، آپس کی ضد اور حسد سے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (بلاشبہ) حق اور مقبول (دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور) اس کے حق ہونے میں اہل اسلام کے ساتھ (اہل کتاب نے جو اختلاف کیا) اس طرح سے کہ اسلام کو باطل کہا (تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو) اسلام کے حق ہونے کی (دلیل پہنچ چکی تھی، محض آپس کی ضد اور حسد کی وجہ سے) یعنی اسلام کے حق ہونے میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہوئی بلکہ ان میں باہمی ضد اور حسد کی وجہ سے دوسروں سے بڑا بننے کا مادہ ہے اور اسلام لانے میں یہ سرداری جو ان کو اب عوام پر حاصل ہے فوت ہوتی تھی اس لئے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ الٹا اس کو باطل بتانے لگے (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا) جیسا ان لوگوں نے کیا (تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد) اس کا (حساب لینے والے ہیں) اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے حساب کا انجام عذاب ہوگا۔

(2) مخالفین کی حجت بازی کا جواب

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور انہوں نے بھی کہ جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور کہہ دے ان کو جو دیئے گئے کتاب اور ان پڑھوں کو کہ کیا تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو انہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ نگاہ میں رکھے ہوئے ہیں بندوں کو۔

تفسیر: اسلام کی حقانیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد (پھر بھی اگر یہ لوگ آپؐ سے خواہ مخواہ کا جھگڑا کریں اور (حجتیں نکالیں تو آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تم مانو یا نہ مانو (میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی) اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکے، یہ کنایہ ہے اس سے کہ ہم سب اسلام اختیار کر چکے، جس میں اعتقاد الوہیت کے اعتبار سے قلب کا رخ خاص اللہ ہی کی طرف ہوتا

ہے، کیونکہ دوسرے مذاہب میں کچھ کچھ شرک شامل ہو گیا تھا (اور) اس جواب کے بعد اب سوال کے طور پر (کہئے اہل کتاب سے اور ان پڑھوں) یعنی مشرکین عرب (سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ) راست پر (آجائیں گے اور اگر وہ لوگ) اس سے بدستور (روگردانی رکھیں سو) آپ اس کا بھی غم نہ کیجئے، کیونکہ (آپ کے ذمہ صرف) احکام خداوندی کا (پہنچادینا ہے اور) آگے (اللہ تعالیٰ خود دیکھ) اور سمجھ (لیں گے) اپنے (بندوں کو) آپؐ سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔

فائدہ: یہ خیال ہو کہ منکرین کے مقابلہ میں اتنا کہہ دینا کب کافی ہو سکتا ہے کہ اگر تم نہیں مانتے تو میں تو مان چکا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہر منکر کے مقابلہ میں نہیں فرمایا گیا بلکہ خاص ان منکرین کے مقابلہ میں جن کا انکار کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ دلائل قائم ہونے کے بعد محض عناد اور عداوت سے تھا۔ جب ان کو کوئی شبہ نہیں تو ان کے سامنے دلائل کو مکرر بیان کرنا بے کار ہے۔ اس وقت یہی آخری جواب ہے کہ خیر تم نہیں مانتے تو نہ مانو ہم تو مان چکے۔

(3) حق قبول نہ کرنے والوں کی مذمت

ربط: شروع سورت میں کلام کا زیادہ رخ نصاریٰ کی طرف تھا، پھر آیت بالا میں الذین اوتوا الکتب کا عنوان نصاریٰ اور یہود دونوں کو شامل تھا، اب ان آیات میں یہود کے بعض خاص احوال کا بیان ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں خود حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو ایک وقت میں قتل کیا، ان کی نصیحت کے لئے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے، اسی دن ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں عدل کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا دے ان کو عذاب دردناک کی۔ یہی ہیں کہ ضائع ہوئے عمل ان کے دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی

نہیں ہوگا ان کا مددگار۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ) جیسے یہود کہ انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے تھے (اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو) اور وہ قتل کرنا خود ان کے خیال میں بھی (ناحق) ہوتا ہے (اور) نیز (قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو) افعال واخلاق کے (عدل واعتدال کی تعلیم دیتے ہیں، سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک دردناک سزا کی) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ) مذکورہ افعال کے مجموعہ کے سبب سے (ان کے سب اعمال) صالحہ (غارت ہوگئے دنیا میں) بھی (اور آخرت میں) بھی (اور) سزا کے وقت (ان کا کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا)

فائدہ: دنیا میں غارت ہونا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اہل اسلام کا سا معاملہ نہ ہوگا اور آخرت میں یہ کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

یہود کی تقبیح ومذمت کا تتمہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۖ وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب کا وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے اعراض کرتے ہوئے۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ (دوزخ کی) مگر چند دن گنتی کے اور دھوکہ دیا ان کو ان کے دین میں ان باتوں نے جو وہ گھڑتے تھے۔ پھر کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن کہ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا دیا جائے گا ہر کوئی جو اس نے کیا اور ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب) سماوی یعنی تورات (کا ایک) کافی (حصہ دیا گیا) کہ اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی تھا۔ اور اس کو ایک حصہ اس وجہ سے کہا کہ باقی میں لفظی یا معنوی تحریف ہو چکی تھی (اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان) مذہبی اختلاف کا (فیصلہ کر دے۔ پھر) بھی (ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے) اور (یہ) بے اعتنائی (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں) اور یہی ان کا اعتقاد ہے (کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی) پھر مغفرت ہو جائے گی (اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کے دین کے بارے میں ان کی تراشی ہوئی باتوں نے) جیسے اسی تراشے ہوئے عقیدہ نے ان کو دھوکہ دیا کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اس خاندانی بزرگی کی وجہ سے ہماری نجات ضرور ہو جائے گی، اس کے نتیجہ میں وہ کتاب اللہ سے مزید بے اعتنائی کرنے لگے (سو) ان کفریہ احوال وافعال واقوال کے سبب (ان کا کیا) برا (حال ہوگا جب کہ ہم ان کو اس دن میں جمع کرلیں گے جس) کے آنے (میں ذرا شبہ نہیں اور) اس دن میں (پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا تھا اور ان لوگوں پر) بدلہ کے وقت بالکل (ظلم نہ کیا جائے گا) کہ نہ تو حق میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ سزا ہو گی۔

(5) اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی

دعا کے عنوان سے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہونا

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیتا ہے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہے۔ تیرے

ہاتھ میں ہے سب خیر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے شمار۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) اللہ تعالیٰ سے (یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک) کا جتنا حصہ چاہیں (جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس) کے قبضہ (سے چاہیں ملک) کا حصہ (لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلا شبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، آپ) بعض موسموں میں (رات) کے اجزاء (کو دن میں داخل کر دیتے ہیں) جس سے دن بڑا ہونے لگتا ہے (اور) بعض موسموں میں (دن) کے اجزاء (کو رات میں داخل کر دیتے ہیں) جس سے رات بڑھنے لگتی ہے (اور آپ جان دار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں) جیسی انڈے سے بچہ (اور بے جان چیز کو جان دار سے نکال لیتے ہیں) جیسے (پرندہ سے) انڈہ (اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں) یعنی ہر طرح کی قدرت ہے تو کمزوروں کو قوت وسلطنت دے دینا کیا مشکل ہے۔

فائدہ: خیر اور بھلائی کی تخصیص اس لئے مناسب ہوئی کہ یہاں خیر کا مانگنا مقصو ہے۔

6- مومنین کو کفار کے ساتھ دوستی سے ممانعت

کیونکہ جب کفار کی قباحتیں مثلاً آیات کا انکار اور اللہ ورسول سے عداوت وغیرہ معلوم ہو چکی تو ایسے قبیح اور برے اور خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کہاں مناسب ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ

شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرتے ہو تم ان سے بچاؤ۔ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے سینوں کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ اور اس کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن پائے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے پیش کی ہوئی اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی۔ آرزو کرے گا کہ اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان پڑ جائے مسافت دور کی اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔

تفسیر: (مسلمانوں کو چاہئے کہ) ظاہراً یا باطناً (کفار کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں) کی دوستی (سے تجاوز کر کے) یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی، دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں (اور جو شخص ایسا) کام (کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں) کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابل اعتماد نہیں ہو سکتا (مگر ایسی صورت میں) ظاہری دوستی کی اجازت ہے (کہ تم ان) کے شر اور ضرر (سے) اس طریقے سے (بچاؤ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات سے ڈراتا ہے) کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو (اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضروری ہے (آپؐ ان سے (فرما دیجئے کہ اگر تم) دل ہی دل میں (پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس) کو زبان و جوارح سے (ظاہر کر دو گے اللہ تعالیٰ اس کو) ہر حال میں (جانتے ہیں اور) اسی کی کیا تخصیص ہے (وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے) کوئی چیز اگرچہ وہ کفار کے ساتھ دوستی ہی ہو ان سے مخفی نہیں (اور) علم کے ساتھ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں) سو اگر تم کسی امر قبیح کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہراً یا باطناً جس میں کفار کے ساتھ دوستی بھی شامل ہے تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں

(جس روز) ایسا ہوگا (کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو) بھی پائے گا۔ اس روز (اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دور دراز کی مسافت) حائل (ہوتی تاکہ اپنے اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا (اور) تم سے پھر مکرر کہا جاتا ہے کہ (خدا تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات) سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ (اللہ تعالیٰ) اپنے (بندوں) کے حال (پر نہایت مہربان ہیں) اور اس مہربانی سے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں اور بچنے کا طریقہ ہے اعمال بد کا ترک کرنا جو عام طور سے ڈرانے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ڈراتے ہیں۔ تو یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے۔

فائدہ: کفار کے ساتھ حسن سلوک میں تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں (1) موالات یعنی دلی دوستی (2) مدارات یعنی ظاہری دوستی و خوش خلقی (3) مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔

ان معاملات میں یہ تفصیل ہے۔

i- موالات تو کسی حال میں جائز نہیں۔

ii- مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے۔ تیسرے کافر مہمان کے اکرام کے طور پر۔

اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لئے یہ درست نہیں اور بالخصوص جب کہ اس میں اپنے دینی ضرر کا خوف ہو تو بدرجہ اولی یہ ظاہری دوستی اور میل جول حرام ہے۔

iii- مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب یعنی کفار کے ملک والے کافر کے ساتھ یہ ناجائز ہے اور ذمی کے ساتھ جائز ہے۔

(7) توحید کا رسول کی اتباع کے بغیر معتبر نہ ہونا

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میرا اتباع کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخشے گا گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، تو کہہ اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر

اعراض کریں تو اللہ محبت نہیں کرتا کافروں سے۔

تفسیر: (آپؐ) لوگوں سے (فرمادیجئے کہ اگر تم) بزعم خود (خداتعالیٰ سے محبت رکھتے ہو) اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خداتعالیٰ بھی تم سے محبت کرے (تو تم لوگ) اس مقصد کے لئے اپنے کفر یا سابقہ گناہوں سے توبہ بھی کرو اور پوری طرح (میرا اتباع کرو) کیونکہ اسی کی خاطر مجھے تمہارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جب تم ایسا کرو گے (خداتعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں) اور (آپ یہ) بھی (فرمادیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی کہ اصل مقصود تو وہی ہے (اور) اطاعت کیا کرو (رسول کی) یعنی میری اطاعت اس حیثیت سے کرنا ضروری ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے میری معرفت اپنی اطاعت کے طریقے بتائے ہیں (پھر) اس پر بھی (اگر وہ لوگ) آپ کی اطاعت سے جس کا ادنیٰ درجہ رسالت کا اعتقاد رکھنا ہے (اعراض کریں سو) وہ لوگ سن رکھیں کہ (اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے) اور اس صورت میں یہ لوگ کافر ہوں گے سو ان کو اللہ سے محبت کا دعوی کرنا یا اس کے محبوب ہونے کی ہوس رکھنا محض بے حقیقت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تائید میں چند مقبول حضرات کا ذکر

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے منتخب کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان پر۔ اولاد تھے ان کے بعض دوسرے بعض کی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے"۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ نے) نبوت کے لئے (منتخب فرمایا ہے) حضرت (آدم) علیہ السلام (اور) حضرت (نوح) علیہ السلام (کو اور) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کی اولاد) میں سے بعضوں (کو) جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، اور تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور ہمارے رسول ﷺ کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (اور عمران کی اولاد) میں سے بعضوں (کو)۔ اگر یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، اور اگر یہ عمران

حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، غرض ان حضرات کو نبوت کے لئے (تمام جہان) کی مخلوقات پر منتخب فرمایا ہے (بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں) جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد سب ہیں، اسی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد سب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اولاد عمران بھی ہے (اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں) کہ سب کے قول سنتے ہیں سب کے احوال کو جانتے ہیں، بس جن کے اقوال واحوال کو شان نبوت کے مناسب جانا ان کو نبی بنادیا۔

فائدہ: یہاں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آباؤاجداد میں نبوت رہی ہے اگر آپ کو نبوت مل گئی تو بعید کیا ہے۔

مقبول حضرات میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ

لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ

إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے میرے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا سو تو مجھ سے قبول کر بے شک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا۔ پھر جب اس کو جنا بولی اے میرے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنا اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور نہیں ہے بیٹا جیسی وہ بیٹی۔ اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

تفسیر: وہ وقت بھی یاد (کرنے کے) قابل ہے (جب) حضرت مریم کے والد (عمران کی بیوی نے) حالت حمل میں حق تعالیٰ سے (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر) یعنی منت (مانی ہے آپ) کی عبادت (کے لئے اس بچے کی جو میرے شکم میں ہے) کہ وہ خانہ خدا کی خدمت کے واسطے (آزاد) فارغ (کیا ہوا) اور میں اس کو اپنے کام میں نہ لگاؤں گی (سو آپ) اس کو (مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک

آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں) کہ میری عرض کو سن رہے ہیں اور میری نیت کو جان رہے ہیں۔ اس زمانہ میں نرینہ اولاد کے ساتھ ایسی نذر ماننا مشروع تھا۔ انہوں نے اس گمان سے نذر مانی تھی کہ شاید لڑکا پیدا ہو (پھر جب) ان خاتون نے (لڑکی جنی) تو ان کو رنج ہوا کہ یہ تو بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں کیونکہ یہ کام تو مردوں کا ہے، اس لئے حسرت سے (کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو حمل سے لڑکی جنی) حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے حسرت کر رہی تھیں (حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس) لڑکی کی شان (کو جو انہوں نے جنی اور) کسی طرح بھی (وہ لڑکا) جو انہوں نے چاہا تھا (اس لڑکی کے برابر نہیں) ہو سکتا تھا، بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کہ اس کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے، یہ ارشاد خداوندی بطور جملہ معترضہ کے تھا، پھر ان خاتون کا قول ہے (اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو) اگر کبھی اولاد ہو (آپ کی پناہ) اور حفاظت (میں دیتی ہوں شیطان مردود سے)

فائدہ: مریم بمعنی عبادت گزار نام رکھنے کی تصریح میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر حتی الامکان قائم ہوں۔ اس لڑکی کو بھی مسجد کے لئے فارغ کر دوں گی اگر خدمت کے لئے نہیں تو عبادت کے لئے سہی۔

غرض یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، جا کر کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص خدا کے لئے مانا ہے، اس لئے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، سو اس کو لائی ہوں، آپ لوگ رکھئے،

حضرت مریم کے والد حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے اور حالت حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ سب سے زیادہ مستحق ان کے لینے کے وہ تھے، لڑکی کے باپ بھی تھے اور مسجد بیت المقدس کے امام بھی، اس لئے بیت المقدس کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور وہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لئے ماں کے بعد وہی رکھنے کی مستحق ہے، مگر اور لوگ اس ترجیح پر راضی اور متفق نہیں ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق قرار پایا، اور قرعہ نکالنے کی صورت بھی عجیب و غریب خلاف عادت ٹھہری جس کا بیان آگے آئے گا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حضرت مریمؑ ان کو مل گئیں اور انہوں نے بعض روایات کے مطابق ایک انا کو نوکر رکھ کر دودھ پلوایا، پھر جب وہ کچھ بڑی ہو گئیں ان کو مسجد کے متعلق ایک عمدہ حجرہ میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے

اس کو قفل لگا کر جاتے، پھر آ کر کھول لیتے، اسی قصہ کا ذکر مختصر آگے آتا ہے یعنی۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کیا اسے زکریا کے۔ جس وقت آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ رزق کہتے اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ وہ کہتی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے مشقت۔

تفسیر: (پس ان) مریم علیہا السلام (کو ان کے رب نے بطریق احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا اور) حضرت (زکریا) علیہ السلام کو (ان کا سرپرست بنایا) (جب کبھی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (ان کے پاس) اس (عمدہ حجرہ میں) جس میں ان کو رکھا تھا (تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ رزق کی چیزیں پاتے) جو ظاہری میووں اور باطنی وروحانی معارف دونوں ہی پر مشتمل تھیں اور (یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں) جب کہ مکان مقفل ہے، باہر سے کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں (وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس) جو خزانہ غیب ہے اس میں (سے آئیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں رزق عطا فرماتے ہیں) جیسا اس موقع پر محض فضل سے (بے مشقت) عطا فرمایا۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ابتدا سے عبادت وطاعت میں مشغول رکھا۔ دوسرے یہ کہ اور بچوں کی معمولی نشو ونما سے ان کا ظاہری نشو ونما زائد تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس وقت تک اولاد نہ تھی۔ خود بھی بوڑھے ہو چکے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھیں۔ ایسے حالات میں عام طور سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ خرق عادت کے طور پر قدرت خداوندی کا ان کو پورا یقین تھا کہ وہ ذات ان حالات میں بھی اولاد دے سکتی ہے لیکن خلاف عادت ہونے کی وجہ سے درخواست کی جرات نہ کرتے تھے۔ اب جو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت رزق عطا فرمایا ہے تو آپ کو بھی سوال کی جرات ہوئی اس لئے درخواست پیش کی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے دعا کا۔

تفسیر: (اس موقع پر دعا کی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (نے اپنے رب سے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی) یعنی بابرکت اور نیک کردار (اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے)

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا چند جگہ مختلف مضامین کے ساتھ نقل ہے۔ تو ان کی دعا میں یہ سب ہی مضامین تھے پھر مقام کی مناسبت سے کوئی کہیں ذکر کر دیا اور کوئی کہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں محراب کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحیٰی کی جو تصدیق کرنے والا ہے اللہ کے کلمہ کی اور سردار ہوگا اور نفس کو بہت روکنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے ہوگا۔

تفسیر: (پس پکار کر کہا ان سے فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں) یعنی مسجد میں امام کی جگہ پر (کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحیٰی) نام کا بیٹا عطا ہونے (کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ) یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نبوت (کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور) دوسرے (مقتدائے) دین (ہوں گے اور) تیسرے (اپنے نفس کو) لذات سے (بہت روکنے والے ہوں گے اور) چوتھے (نبی بھی ہوں گے) اور پانچویں (اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے)

فائدہ: 1- حضرت عیسٰی علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ

یعنی حکم سے خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔

2-حصوراً، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اپنے نفس کو لذات سے بہت روکنے والے تھے اور لذات سے روکنے میں مباح خواہشوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً اچھا کھانا، اچھا پہننا اور نکاح وغیرہ کرنا، اس صفت کو موقع مدح میں فرمانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل طریقہ یہی ہے، حالانکہ احادیث سے نکاح کی فضیلت ثابت ہے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ جس شخص کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سی ہو کہ اس پر آخرت کا خیال اس قدر غالب ہو کہ اس کے غلبہ کی وجہ سے نہ بیوی کی ضرورت محسوس کرے اور نہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فرصت ہو، ایسے شخص کے لئے یہی افضل ہے، اسی وجہ سے جن احادیث میں نکاح کی فضیلت آئی ہے ان میں یہ بھی قید مذکورہ ہے: من استطاع منکم الباءۃ یعنی جو آدمی نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور زوجیت کے حقوق ادا کر سکتا ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا افضل ہے ورنہ نہیں۔

3-فرشتوں کے ان کی نماز میں باتیں کرنے میں باوجودیکہ باتوں سے حضور قلب فوت ہو جاتا ہے اس وجہ سے مضائقہ نہ تھا کہ وہ پیغام خدا تعالیٰ کا تھا اس کی طرف توجہ عین حضور قلب ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: کہا اے رب میرے کس طرح ہوگا میرے لڑکا حالانکہ پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح۔ اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ کہا اے رب میرے مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی فرمایا نشانی تیری یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح۔

تفسیر: حضرت (زکریا) علیہ السلام (نے) جناب باری میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آ پہنچا اور میری بیوی بھی) بڑھاپے کی وجہ سے (بچہ جننے کے

قابل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے) جواب میں (فرمایا کہ ایسی حالت میں ہی لڑکا ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار) تو پھر (میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے) جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ اب حمل ہو گیا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم، لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔ سوائے) ہاتھ یا سر وغیرہ کے (اشارہ کے) جب یہ نشانی دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب گھر میں امید ہے (اور) اس زمانہ میں جب آدمیوں سے گفتگو کرنے کی قدرت نہ رہے ذکر اللہ پر قدرت رہے گی تو (اپنے رب کو) دل سے بھی (بکثرت یاد کرنا اور) زبان سے بھی (تسبیح تقدیس (کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی) کیونکہ ذکر اللہ کی قدرت اس وقت بھی پوری رہے گی۔

فائدہ: 1- اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ: حضرت زکریا علیہ السلام باوجودیکہ قدرت خداوندی کے معتقد بھی تھے اور نمونہ کا مشاہدہ بھی کر چکے تھے اور خود ہی درخواست کی تھی اور قبولیت کا علم بھی ہو گیا تھا، پھر اس کہنے کے کیا معنیٰ کہ لڑکا کس طرح ہو گا؟ بات در حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کرنا اللہ کی قدرت میں شک کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس سے مقصود کیفیت کا معلوم کرنا تھا کہ آیا ہم دونوں میاں بیوی کی جو موجودہ حالت ہے کہ دونوں خوب بوڑھے ہیں، یہی حالت رہے گی یا اس میں کچھ تبدیلی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں تم بوڑھے ہی رہو گے، اور اسی حالت میں تمہارے اولاد ہو گی،

2- قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا حضرت زکریا علیہ السلام کا نشانی معلوم کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی خوشی ہو اور حمل ٹھہرتے ہی شکر میں مشغول ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ نشانی عطا کی کہ آپ تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے کوئی کلام نہیں کر سکیں گے،

اس نشانی میں لطافت یہ ہے کہ نشانی کی درخواست سے جوان کا مقصود تھا کہ شکر ادا کریں تو نشانی ایسی تجویز کی گئی کہ سوائے اس مقصود کے دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے، نشانی بھی ہو گی اور مقصود بھی حاصل ہو گیا۔

ربط: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جو حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ آیا تھا درمیان میں مناسبت کی وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر آ گیا تھا۔ آگے پھر حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ پورا فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو منتخب کیا اور ستھرا بنادیا اور منتخب کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم اطاعت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے (کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب) یعنی مقبول (فرمایا ہے اور) تمام ناپسندیدہ افعال واخلاق سے (پاک بنایا ہے اور) مقبول فرمانا کچھ ایک دو عورتوں کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس زمانہ کی (تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے) اور فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ (اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو) یعنی نماز پڑھا کرو (ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا کلام کرنا خواص نبوت میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کو فرشتوں کا سلام کرنا مروی ہے۔ نبوت کا خاصہ کلام الٰہی ہے جو امت تک تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہو خواہ فرشتے کے ذریعے سے ہو یا اور کسی طریقے سے۔

ربط: اوپر اور آگے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے قصے کچھ کچھ مذکور ہیں اور چونکہ گذشتہ واقعات کی اس طرح سے خبر دینا کہ نہ کسی سے سنا ہو نہ خود دیکھا ہو نہ کسی کتاب میں پڑھا ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی شان تھی خرق عادت میں سے ہے جو دیگر شرائط کے ہوتے ہوئے نبوت کی دلیل ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں آپ ﷺ کی نبوت پر ان قصوں کے بتانے سے استدلال فرماتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: یہ قصے غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (یہ قصے) جو اوپر ذکر ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے اس وجہ سے کہ آپ کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ ان کے معلوم کرنے کا نہ تھا (غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی بھیجتے ہیں ہم آپؐ کے پاس) اور وحی کے ذریعہ سے آپ یہ خبریں معلوم کر کے دوسروں کو بتاتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مریم علیہا السلام کے رکھنے میں اختلاف کر رہے تھے جس کا فیصلہ بالآخر قرعہ اندازی پر قرار پایا تھا (آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب کہ وہ) قرعہ کے طور پر (اپنے اپنے قلموں کو) پانی میں (ڈالتے تھے) اور قرعہ نکلنے کی یہ صورت قرار پائی تھی کہ جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جائے وہ مستحق سمجھا جائے گا سو قرعہ سے غرض اس امر کا طے کرنا تھا (کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت) پرورش (کرے) پس آپ نہ تو اس وقت موجود تھے (اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب کہ وہ لوگ) قرعہ اندازی سے قبل اس معاملہ میں (باہم اختلاف کر رہے تھے) جس کو دور کرنے کے لئے یہ قرعہ اندازی طے پائی تھی اور ان خبروں کے دریافت ہونے کے لئے دوسرے وسائط کا نہ ہونا بھی یقیناً معلوم ہے، پس ایسی حالت میں یہ غیبی خبریں ہیں جو آپؐ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

قرعہ کا حکم

کوئی چیز یا حق کسی کو ملے اس کی دو صورتیں ہیں۔

1-یا تو شریعت میں کسی خاص سبب کی وجہ سے اس کے حقدار معلوم ہوں مثلاً زید اور خالد نے برابر کے پیسے ملا کر ایک سائیکل خریدی۔ تو خریداری کے سبب کی وجہ سے دونوں اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ ایسی صورت میں قرعہ اندازی کرنا ناجائز ہے مثلاً دونوں یہ طے کریں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں اور جس کے نام کا قرعہ نکلے پوری سائیکل وہ لے۔۔ تو یہ ناجائز ہے اور جوئے میں شامل ہے۔

2-یا شریعت میں کسی کے حقدار بننے کا خاص سبب موجود نہ ہو پھر آپس کی رائے سے کسی کو وہ حق دے دیا جائے مثلاً مشترک زمین کی تقسیم کرنی ہے۔ ایک غربی حصہ ہے اور ایک شرقی حصہ ہے۔ آپس کی رائے سے ان میں سے ایک غربی حصہ لے لے اور دوسرا شرقی حصہ لے لے یہ جائز ہے۔ اس صورت میں قرعہ اندازی سے کام لینا بھی جائز ہے۔

ربط: اوپر کی آیت بطور جملہ معترضہ کے تھی جو نبوت کے اثبات کے لئے لائی گئی تھی۔ آگے پھر حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے جس میں زیادہ مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔

اِذۡ قَالَتِ الۡمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرۡيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنۡهُ ۖ اسۡمُهُ الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ۝٤٥ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝٤٦

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک کلمہ کی اپنے سے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے مرتبہ والا ہے دنیا میں اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین میں سے ہے۔ اور باتیں کرے گا لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہے۔

تفسیر: اس وقت کو یاد کرو (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے یہ بھی (کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہوگا) یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی جو بغیر باپ کے پیدا ہونے کے سبب کلمۃ اللہ کہلائے گا (اس کا نام) ولقب (مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا) ان کے یہ حالات ہوں گے کہ (مرتبہ والے ہوں گے خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا میں) بھی کہ ان کو نبوت عطا ہوگی (اور آخرت میں) بھی کہ اپنی امت کے مومنین کے بارے میں مقبول الشفاعت ہوں گے (اور) جیسے ان میں نبوت و شفاعت کی صفت ہوگی جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے، اسی طرح ذاتی کمال کے ساتھ بھی موصوف ہوں گے مثلاً اللہ کے نزدیک (مقربین میں سے ہوں گے اور) صاحب معجزہ بھی ہوں گے (لوگوں سے) دونوں حالت میں یکساں (کلام کریں گے، گہوارہ میں) یعنی بالکل بچپن میں بھی (اور بڑی عمر میں) بھی دونوں کلاموں میں تفاوت نہ ہوگا (اور) اعلیٰ درجہ کے (شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے)

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت ان کی عمر تقریبا تیس پینتیس سال کے درمیان تھی جو جوانی کا زمانہ تھا۔ ادھیڑ عمر جس کو عربی میں کہل کہتے ہیں وہ اس دنیا میں ان کی ہوئی ہی نہ تھی اس لئے ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں اس لئے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہے۔

قَالَتۡ رَبِّ
اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ وَلَدٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ ۝٤٧

ترجمہ: بولی اے رب میرے کس طرح ہوگا میرے لڑکا حالانکہ ہاتھ نہیں لگایا مجھ کو کسی بشر نے فرمایا اسی طرح۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہوگا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے) صحبت کے طور پر (ہاتھ نہیں لگایا) نہ جائز طریقے سے اور نہ ناجائز طریقے سے اور کوئی بچہ جائز طریقے سے عام طور سے مرد کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، تو معلوم نہیں کہ ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے بچہ ہوگا یا مجھ کو نکاح کا حکم کیا جائے گا (اللہ تعالیٰ نے) جواب میں فرشتے کے واسطے سے (فرمایا ایسے ہی) مرد کے بغیر (ہوگا) کیونکہ (اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں) یعنی کسی چیز کے پیدا ہونے کے لئے صرف ان کا چاہنا کافی ہے، کسی واسطہ سے یا سبب خاص کی ان کو حاجت نہیں اور ان کے چاہنے کا طریقہ یہ ہے کہ (جب کسی چیز کو) پورا (کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ) موجود (ہو جا، بس وہ چیز) موجود (ہو جاتی ہے) پس جس چیز کو اسباب و وسائط کے بعد موجود ہونے کو کہدیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور جس چیز کو اسباب و وسائط کے بغیر موجود ہونے کو کہہ دیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اسباب و وسائط بھی آخر شے ہیں اگر ان کے لئے بھی اسباب و وسائط کی حاجت ہو تو ان میں بھی یہی کلام ہوگا اور یہ سلسلہ لامتناہی چلے گا جو محال ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا
اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ
اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ
طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِىْ بُيُوْتِكُمْ ۭ
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ حُرِّمَ
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ (۵۱)

ترجمہ: اور سکھائے گا اس کو کتابت اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور بنائے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تمہارے پاس پوری نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے کہ میں بنا دیتا ہوں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور بتا دیتا ہوں تم کو جو تم کھا کر آتے ہو اور جو تم رکھ کر آتے ہو اپنے گھروں میں۔ اس میں نشانی پوری ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور (اس طور پر آیا ہوں کہ) سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے (آیا ہوں) کہ حلال کر دوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو حرام کی گئی تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی ہے راہ سیدھی۔

تفسیر: اور اے مریم اس باسعادت بچے کی یہ فضیلتیں ہوں گی کہ (اللہ ان کو تعلیم فرمائیں گے کتابت) یعنی لکھنا (اور سمجھ کی باتیں اور) بالخصوص (توریت اور انجیل اور ان کو) تمام (بنی اسرائیل کی طرف) پیغمبر بنا کر یہ مضمون دے کر (بھیجیں گے کہ) انی قد جئتکم ...... مستقیم تک یعنی (میں تم لوگوں کے پاس) اپنی نبوت پر (کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے) یقین لانے کے (لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس) مصنوعی شکل (کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ) سچ مچ کا جاندار (پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے) ایک معجزہ تو یہ ہوا (اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے) یہ دوسرا تیسرا معجزہ ہوا (اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا) کھا کر (آتے ہو اور جو) گھروں میں (رکھ آتے ہو) یہ چوتھا معجزہ ہوا (بلاشبہ ان) مذکورہ معجزات (میں) میرے نبی ہونے کی (کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔ اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ (تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے) نازل ہوئی (تھی یعنی تورات کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کر دوں جو) موسی علیہ السلام کی شریعت میں (تم پر حرام کر دی گئی تھیں) سو ان کی حرمت

میری شریعت میں منسوخ ہوگی (اور) نسخ کے بارے میں میرا یہ دعویٰ بلادلیل نہیں ہے بلکہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی) جانب سے اپنی نبوت کی (دلیل لے کر آیا ہوں) لہذا میں نبی ہوں اور نبی کا قول دعویٰ نسخ میں حجت ہے (حاصل یہ کہ) جب میرا نبی ہونا دلائل سے ثابت ہو چکا تو میری تعلیم کے موافق (تم لوگ اللہ تعالیٰ) کے حکم کی مخالفت (سے ڈرو اور) دین کے بارے میں (میرا کہنا مانو) اور میری دینی تعلیم کا یہ خلاصہ یہ ہے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں) یہ تو حاصل ہے عقیدہ کی تکمیل کا (سو تم) لوگ اس (رب کی عبادت کرو) یہ حاصل ہوا عمل کی تکمیل کا (بس یہ ہے راہ راست) دین کی جس میں عقائد واعمال دونوں کی تکمیل ہو اسی سے نجات اور وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے۔

فائدہ: 1 مادر زاد اندھے اور برص کے بیمار کے لئے اگرچہ اسباب طبعیہ میں علاج بھی ہو لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان سے اسباب طبعیہ کے بغیر مریض صحیح ہو جاتے تھے۔

2: پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: پھر جب معلوم کیا عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا کفر، بولا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں۔ کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے، ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے فرمانبرداری کو قبول کیا۔ اے ہمارے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم نے تابعداری کی رسول کی سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔

ترجمہ: غرض مذکورہ بشارت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شان سے پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل سے مذکورہ مضمون کی گفتگو ہوئی اور معجزات ظاہر فرمائے، مگر بنی اسرائیل عام طور سے آپ کی نبوت کے منکر رہے (سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا) اور انکار کے ساتھ درپے

ایذاء بھی دیکھا اور اتفاقاً کچھ لوگ ان کو ایسے ملے جو حواریین کہلاتے تھے، تو ان حواریین سے (آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو) دین حق میں مخالفین و منکرین کے مقابلہ میں (میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے) جس سے دعوت دین میں مجھے کوئی ایذاء نہ پہنچائے (حواریین بولے کہ ہم ہیں اللہ کے) دین کے (مددگار ہم اللہ تعالیٰ پر) آپ کی دعوت کے مطابق (ایمان لائے اور آپ اس) بات (کے گواہ رہئے کہ ہم) اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے (فرمانبردار ہیں)۔ پھر ان حواریوں نے مزید اہتمام و توثیق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ان چیزوں) یعنی ان احکام (پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے) ان (رسول کی سو) ہمارا ایمان قبول فرما کر (ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو) مذکورہ باتوں کی (تصدیق کرتے ہیں) یعنی مومنین کاملین کے زمرہ میں ہمارا بھی شمار فرمائیے۔

فائدہ: لفظ حواری حور سے ماخوذ ہے جس کے معنے لغت میں سفیدی کے ہیں، اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کو ان کے اخلاص اور صفائی قلب کی وجہ سے یا ان کی سفید پوشاک کی وجہ سے حواری کا لقب دیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو صحابی کا لقب ملا۔ بعض مفسرین نے حواریین کی تعداد بارہ بتائی ہے۔ اور کبھی لفظ حواری مطلقاً مددگار کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے، اسی معنی پر ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر نبی کا کوئی حواری یعنی مخلص ساتھی ہوتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں۔

وَ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: اور داؤ چلا ان کافروں نے اور داؤ چلا اللہ نے اور اللہ سب داؤ چلنے والوں سے بہتر ہے جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ بے شک میں لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھ کو کافروں سے اور کرنے والا ہوں ان کو جو تیرے تابع ہوئے غالب ان لوگوں پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کا لوٹنا پھر فیصلہ کر دوں گا تمہارے درمیان جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

تفسیر:(اور ان لوگوں نے) جو کہ بنی اسرائیل یعنی یہود میں سے آپ کی نبوت کے منکر تھے آپ کو ہلاک کرنے اور ایذاء پہنچانے کے لئے (خفیہ تدبیر کی) چنانچہ مکرو حیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے پر آمادہ ہوئے (اور اللہ تعالیٰ نے) آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے (خفیہ تدبیر فرمائی) جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو بھی پتہ نہ لگا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جوان کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دریافت فرمانے پر آپ کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہو گئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنادیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا جس سے وہ محفوظ رہے اور وہ ہم شکل سولی دیا گیا، ان لوگوں کو اس تدبیر کا علم تک بھی نہ ہو سکا اور دفع پر تو کیا قدرت ہوتی (اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں) کیونکہ دوسروں کی تدبیریں ضعیف ہوتی ہیں اور کبھی قبیح اور بے موقع بھی ہوتی ہیں، جب کہ حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر محض ہوتی ہیں اور حکمت کے موافق ہوتی ہیں (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کہ وہ گرفتاری کے وقت متردد اور پریشان ہوئے چار وعدے کئے (فرمایا اے عیسیٰ) کچھ غم نہ کرو (بے شک میں تم کو پورا) یعنی بدن اور روح سمیت (لیتا ہوں اور اپنی طرف) یعنی عالم بالا کی طرف (اٹھائے لیتا ہوں) یہ پہلا وعدہ ہوا (اور تم کو ان لوگوں) کی تہمت (سے پاک کرنے والا ہوں جو) تمہارے (منکر ہیں) یہ دوسرا وعدہ ہوا۔ یہ اس طرح پورا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور یہود کے سب بے جا الزامات اور افتراء کو جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ لگاتے تھے مثلاً ان کے نسب کو مطعون کرنا اور ان کو الوہیت کا دعویدار بتانا ان سب کو صاف کر دیا چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضامین جابجا صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ (اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے) یعنی تمہاری نبوت کی تصدیق کرنے والے ہیں) ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ) تمہارے (منکر ہیں روز قیامت تک) گو اس وقت یہ منکرین غلبہ اور قدرت رکھتے ہیں۔ یہ تیسرا وعدہ ہوا۔ (پھر) جب قیامت آ جائے گی اس وقت (میری طرف ہو گی سب کی واپسی) دنیا و برزخ سے (سو میں) اس وقت (تمہارے سب کے (درمیان) عملی (فیصلہ کر دوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے) اور ان امور میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی ہے۔ یہ چوتھا وعدہ ہوا۔

فائدہ: 1 وعدہ یہ ہوا کہ آپ کے متبعین آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ یہاں اتباع سے مراد خاص اتباع ہے یعنی اعتقاد نبوت اور متبعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کی نبوت کے معتقد ہیں۔ تو اس میں نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں داخل ہیں گو اس وقت نصاریٰ کا اتنا اتباع آخرت کی نجات کے

واسطے اس لئے کافی نہیں کہ وہ ایک دوسرے ضروری جزء میں اتباع نہیں کرتے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے بھی فرما گئے تھے یہ اس کو نہیں مانتے۔ لیکن یہاں اتباع کامل مراد ہی نہیں۔ اور منکرین سے مراد یہود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں۔

2- قیامت کے دن فیصلہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کھلی آنکھوں سے دکھادیا جائے گا کہ کیا حق ہے اور کیا باطل ہے ورنہ دلائل سے تو اب بھی دنیا میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ موجود ہے۔

ربط: اوپر آیت میں مذکور تھا کہ میں ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کروں گا۔ اگلی آیت میں اس فیصلہ کا بیان ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو ان کو پورا دے گا ان کے اجر اور اللہ پسند نہیں کرتے ظلم کرنے والوں کو۔

تفسیر: فیصلہ کی (تفصیل یہ ہے کہ جو لوگ) ان اختلاف کرنے والوں میں سے (کافر تھے سو ان کو) ان کے کفر پر (سخت سزا دوں گا) دونوں ہی جہاں میں (دنیا میں بھی) کہ وہ تو ہو بھی چکی (اور آخرت میں بھی) کہ وہ باقی رہی (اور ان لوگوں کا کوئی حامی) مددگار (نہ ہوگا۔ اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے) ایمان اور نیک کاموں کے (ثواب دیں گے۔ اور) کفار کو سزا ملنے کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے) ایسے (ظلم کرنے والوں سے) جو خدا تعالیٰ یا پیغمبروں کے منکر ہوں یعنی چونکہ یہ ظلم عظیم ہے، معافی کے قابل نہیں، اس لئے اللہ کے شدید غصہ کے مستحق ہو کر سزا یاب ہوں گے۔

فائدہ: 1- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے فیصلہ کے بیان میں یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ میں دنیا و آخرت میں سزا دوں گا کیونکہ اس وقت دنیوی سزا تو نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرب قیامت کا وہ زمانہ جس میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی مثلاً دجال کا نکلنا اور تمام یہودیوں کا قتل کیا

جانا اس کو بھی قیامت کے فیصلہ میں شمار کر لیا ہے تو دنیا کی سزا وہ ہو گی جو قرب قیامت میں ہو گی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور یہود کو چن چن کر ماریں گے کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے اور نصاری کے باطل عقائد کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے۔ اس وقت بھی تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو کر مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین اسلام رہ جائے گا۔

2- کفار پر دنیا میں جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں وہ محض سزا کے طور پر ہوتی ہیں جب کہ جو مسلمانوں پر آتی ہیں وہ یا تو آزمائش کے طور پر ہوتی ہیں یا گناہوں کے کفارے کے طور پر ہوتی ہیں۔

ربط: یہ قصہ یہاں تک ختم ہو گیا۔ آگے خارق عادت ہونے کی وجہ سے اس قصہ کے بتانے کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل بتاتے ہیں۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: یہ قصہ ہم پڑھ سناتے ہیں تم کو نشانیوں اور حکمت والے ذکر میں سے ہے۔

تفسیر: (یہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذکور قصہ (ہم تم کو) بذریعہ وحی کے (پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ) آپ کی نبوت کی (نشانیوں میں سے ہے حکمت آمیز مضامین میں سے ہے)

فائدہ: یعنی یہ قصہ فی نفسہ بھی علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں قدرت الٰہیہ اور دیگر علوم پر دلالت ہے اور آپ کے اعتبار سے بھی یہ آپ کے دعوائے نبوت کی سچائی کی دلیل ہے کیونکہ دیگر سابقہ قصوں کی طرح یہ قصہ بھی آپ کو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا۔ تو ایسی حالت میں اس کی خبر دینا خارق عادت ہے جو دلائل نبوت میں سے ہے۔

ربط: جیسے شروع سورت میں نصاری کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی پر دلائل قائم کئے تھے قصہ ختم ہونے کے بعد آگے پھر اسی مضمون کا بیان ہے۔ نصاری کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ ہونے کی وجہ سے ان کی الوہیت یا ان کے ابن اللہ ہونے کا شبہ ہوا اس لئے اس استدلال کا ناکافی ہونا بتاتے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: بے شک عیسیٰ کی مثال ہے اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو گیا، حق وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہے پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک) یعنی ان کے علم میں اور ان کی تجویز میں جو ہمیشہ سے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کی مثال) یعنی ان کی عجیب حالت حضرت (آدم) علیہ السلام کی مثال اور عجیب حالت (کے مشابہ ہے کہ ان) آدم علیہ السلام (کو) یعنی ان کے قالب کو (مٹی سے بنایا پھر ان) کے قالب (کو حکم دیا کہ) زندہ (ہو جا، پس وہ زندہ ہو گئے) یہ (امر واقعی) جو اوپر مذکور ہوا (آپ کے پروردگار کی طرف سے) بتلایا گیا (ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے)۔

فائدہ: 1 حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا قدرت الٰہیہ سے کوئی بعید نہیں چنانچہ ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام بے باپ اور بے ماں کے محض مٹی سے ہی پیدا ہو چکے ہیں تو بے باپ کے پیدا ہونے میں دونوں شریک ہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام میں تو تعجب زائد ہے کہ بے ماں کے بھی محض مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی الوہیت کا کوئی قائل نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی الوہیت کا شبہ اس بنا پر کیسے ہو سکتا ہے۔

2 یہ جو فرمایا کہ آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں شبہ کرنے کا احتمال تھا کیونکہ ایسی بات کبھی تو اس مخاطب کے اعتبار سے کہی جاتی ہے جس میں شبہ کرنے کا احتمال ہے اور کبھی اگرچہ مخاطب میں شبہ کرنے کا احتمال نہیں ہوتا لیکن خود مضمون کے موکد اور عظیم الشان ہونے کی بنا پر کہی جاتی ہے مثلاً کسی اہم تقریب کے انتظام میں اپنے قابل اعتماد آدمی کو کہ جس سے سستی کرنے کا اندیشہ نہیں محض انتظام کی اہمیت کی وجہ سے تاکید کی جاتی ہے کہ سستی نہ کرنا۔

ربط: اوپر کی تقریر حق کے طلب گاروں کو سمجھانے کے لئے تھی آگے ضد بازی کرنے والوں کے ساکت کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا
نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۱

ترجمہ: پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آ چکا تیرے پاس علم تو کہہ دے آؤ، بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

تفسیر: (پس جو آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کے پاس علم) واقعی (آنے کے بعد) اب بھی (حجت کرے تو آپ) جواب میں یوں (فرما دیجئے کہ) اچھا اگر دلیل سے نہیں مانتے تو پھر (آ جاؤ ہم) اور تم (بلا) کر جمع کر (لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو اور خود تم کو پھر ہم) سب مل کر (خوب دل سے دعاء کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو) اس بحث میں (ناحق پر ہوں)

فائدہ: اس طور پر بددعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دلیل سے گفتگو ختم نہ ہو تو مباہلہ کر لو۔

مباہلہ کے احکام

1- مباہلہ میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر مذکور مضمون کے ساتھ بددعا کرنا ہے اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنا ضروری نہیں لیکن اس سے اہتمام اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ ان کے ضرر یا ہلاکت سے خود طبعاً انسان کو رنج ہوتا ہے۔

2- رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان سے آپ کی مذہبی گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کلام کی نوبت پہنچی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کو اس مضمون کی خبر دی اور خود حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرات حسنؓ و حسینؓ کے ساتھ تشریف لا کر مباہلہ کے لئے تیار ہوئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم کو ان کا نبی ہونا معلوم ہے نبی سے مباہلہ کر کے فلاح نہیں ہو سکتی ہم سب بلاشبہ ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ صلح کر لی اور جزیہ دینے کو قبول کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو ان کو اہل اور اموال سب ہلاک ہو جاتے۔

3- اگر بالفرض بددعا کا اثر ظاہر نہ ہوا یا اس میں تاخیر ہو تو اشتباہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ حق و باطل کی تعیین کے لئے شرعی دلائل کافی ہیں مباہلہ پر موقوف نہیں۔ اس سے زیادہ غرض زبانی جھگڑے کو ختم کرنا ہے۔

4- مباہلہ امور قطعیہ میں کیا جا سکتا ہے اختلافی اور ظنی مسائل میں جائز نہیں۔

ربط: اوپر عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے ان کی الوہیت پر استدلال کرنے کا

ابطال اور جواب پورا ہو گیا۔ آگے اہتمام کے لئے اس مضمون کا حق ہونا اور نتیجہ کے طور پر حق تعالیٰ کا الٰہ واحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک یہی ہے بیان سچا اور کوئی لائق بندگی نہیں ہے سوا اللہ کے اور بے شک اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔

تفسیر: (بے شک یہ) جو کچھ (مذکور) ہوا (وہی ہے سچی بات اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے) یہ توحید ذاتی ہوئی (اور بلاشک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں) یہ توحید صفاتی ہوئی۔

ربط: جو فسادی لوگ اتنی حجتوں کے بعد بھی نہ مانیں ان کا معاملہ اپنے حوالہ ہونا بتاتے ہیں۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو۔

تفسیر: (پھر اگر) حق قبول کرنے سے (سرتابی کریں تو) آپ ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے کیونکہ (بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو)

ربط: اوپر نصاریٰ سمیت اہل کتاب سے مناظرہ تھا جس کو عمدہ طریقے سے پورا کر کے اب آگے لطف و نرمی کے ساتھ ان کو پھر حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنائے ہمارا کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان) مسلم ہونے میں (برابر ہے) وہ (یہ) ہے (کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر) اس کے بعد بھی (وہ لوگ) حق سے (اعراض کریں تو تم) مسلمان (لوگ کہہ دو کہ تم) ہمارے (اس) اقرار (کے گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں) اور حکم کو مانتے ہیں اگر تم نہ مانو تو نہ مانو۔

فائدہ: اس مضمون کو مسلم اس لئے کہا کہ سب شریعتوں میں اس کی تعلیم ہوئی اور اہل کتاب بھی ضابطہ کے طور پر اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے لیکن اس کے باوجود وہ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلاف توحید نہ سمجھتے تھے۔ اس تقریر میں لطف و مہربانی کی صورت یہ ہوئی کہ اصول و ضابطہ کی بات سامنے رکھ دی تاکہ اپنے اختیار کردہ بعض تفصیلی عقائد کے شرک ہونے کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

اہل کتاب کے مشرک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وہ بعض صفات جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں دوسروں کے لئے بھی مانتے تھے اگرچہ اتنا فرق مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ صفات خود بخود حاصل ہیں یعنی ان کی ذاتی ہیں اور دوسروں کو اللہ کے دیئے سے حاصل ہیں یعنی ان کے لئے عطائی ہیں حالانکہ یہ فرق ان صفات میں تو روا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں ان میں جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً الوہیت اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے اس کو مانتے تھے۔ اسی طرح مطاع علی الاطلاق ہونا یعنی ہر حال میں قابل اطاعت ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب اپنے احبار اور رہبان کے لئے اسکو مانتے تھے کیونکہ ان کے حرام و حلال ٹھہرانے کو اگرچہ کتاب الٰہی کی تصریح کے خلاف ہو معتبر مانتے تھے۔

ربط: اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک اپنی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دعویدار تھے کہ وہ ان کے طریقہ پر تھے جیسا کہ ایک بار نجران کے نصاریٰ اور کچھ علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا۔ جہاں ان کو حق قبول کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت دی وہیں یہ بھی وضاحت کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک سے بہت دور تھے تمہارا ان کو اپنے اپنے طریق پر ماننا عقل و نقل دونوں کی رو سے غلط ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ
فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ ۚ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَا أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ
تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾
مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا
مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ
اتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا ۗ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت حالانکہ نہیں اتاری گئیں توریت اور انجیل مگر اس کے بعد۔ کیا تم عقل نہیں کرتے۔ ارے تم ہی لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف (یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار) اور فرمانبردار اور نہ تھا مشرکوں میں سے۔ بے شک لوگوں میں زیادہ قریب ہیں ابراہیم سے وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو ایمان لائے (اس نبی پر) اور اللہ دوست ہے مسلمانوں کا۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے بارے میں) کہ وہ طریق یہودیت پر تھے یا نصرانیت پر تھے (حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل، مگران کے) زمانہ کے بہت (بعد) اور یہ دونوں طریق ان دونوں کتابوں کے نزول کے بعد سے ظاہر ہوئے پہلے سے ان کا وجود ہی نہ تھا، پھر حضرت ابراہیمؑ ان طریقوں پر کس طرح ہو سکتے ہیں (کیا) ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتے ہو اور (پھر سمجھتے نہیں ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی) مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور نبی آخر الزمان کی بشارتیں وغیرہ حالانکہ ان میں بھی تمہاری غلطی ظاہر ہو گئی جیسے علم کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اور تورات وانجیل میں ان بشارتوں کا مصداق آپ ﷺ کو نہ ماننا (تو ایسی بات میں) پھر (کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو سرے سے واقفیت نہیں) اور کیوں دعویٰ کئے چلے جاتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا

عیسائی تھے۔اور اگر یہ مطلب لیتے ہو کہ ان کی شریعت ہمارے مذہب سے زیادہ قریب اور موافق تھی تو یہ بھی غلط ہے اور اس کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل اور ثبوت نہیں تو اسے خدا کے سپرد کردو۔

اور (اللہ تعالیٰ) ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو خوب (جانتے ہیں تم نہیں جانتے) جب تم ایسے بے سروپا دعوے کرتے ہو جس سے علم اور عدم علم میں فرق ہی نہیں رہتا تو اب اللہ تعالیٰ سے ان کے طریق کو سنو کہ (ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن) البتہ (طریق مستقیم) والے اور (فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے) بھی (نہ تھے) سو یہود اور نصاریٰ کو تو مذہبی طریق کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوئی، ہاں (بلا شبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کے وقت میں (ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی) محمد ﷺ (ہیں، اور یہ ایمان والے) جو نبی ﷺ کی امت ہیں۔(اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے) کہ ان کو ان کے ایمان کا ثواب دیں گے۔

ربط: اہل کتاب کو دعوت حق دی گئی لیکن ان سے قبول کرنے کی توقع نہیں الا من شاء اللہ اور یہ گمراہی میں اس درجہ چلے گئے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اہل حق کو بھی گمراہ کیا جائے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: آرزو کرتے ہیں بعض اہل کتاب میں سے کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس بات کو کہ تم کو) دین حق سے (گمراہ کردیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو) گمراہ کرنے کے وبال میں گرفتار کر رہے ہیں (اور اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔)

ربط: آگے اہل کتاب کے ضلال واضلال پر ان کو ملامت فرماتے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم (انکا) اقرار کرتے ہو۔ اے اہل کتاب کیوں خلط کرتے ہو سچ کو جھوٹ کے ساتھ اور چھپاتے ہو سچی بات حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی) ان (آیتوں کے ساتھ) جو تورات اور انجیل میں نبوت محمدیہ پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ان آیات کی تکذیب کرنا ہے جو کفر ہے (حالانکہ تم) اپنی زبان سے (اقرار کرتے ہو) کہ وہ آیات حق ہیں، یہ تو ملامت ہوئی ان کے ضلال و گمراہی پر آگے اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش پر ملامت فرماتے ہیں کہ (اے اہل کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی) مضمون یعنی نبوت محمدیہ (کو غیر واقعی) یعنی تحریف شدہ عبارت یا فاسد تفسیر (سے اور) کیوں (چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو) کہ حق بات چھپا رہے ہو۔

فائدہ: اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر وہ اقرار حق نہ کریں یا ان کو علم نہ ہو تو ان کے لئے کفر جائز ہوگا، کیونکہ کفر تو اپنی ذات کے اعتبار سے ایک قبیح فعل ہے، یہ ہر حالت میں ناجائز ہے، البتہ علم و اقرار کے بعد کفر اختیار کرنے میں ملامت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ربط: آگے اہل حق کو گمراہ کرنے کی ان کی ایک تدبیر کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۚ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۗ قُلْ
اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ
اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۗ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: اور کہا بعض اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اتارا گیا مسلمانوں پر شروع دن میں اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جائیں اور نہ یقین کرو مگر اسی کا جو چلے تمہارے دین پر۔ کہہ

دے کہ بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اے اہل کتاب تم ایسی باتیں اس حسد سے کہتے ہو) کہ اور کسی کو بھی کیوں دیا گیا جیسا کچھ تم کو دیا گیا تھا یا وہ غالب کیوں آگئے تم پر تمہارے رب کے پاس۔ تو کہہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار ہے خاص کرتا ہے اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر:(اور اہل کتاب میں سے بعض لوگوں نے) باہمی مشورہ کے طور پر کہا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ ظاہراً (ایمان لے آؤ اس) کتاب (پر جو نازل کی گئی ہے) بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے (مسلمانوں پر) مراد یہ کہ قرآن پر ایمان لے آؤ (شروع دن میں) یعنی صبح کے وقت (اور) پھر انکار کر بیٹھو آخر دن یعنی شام کو (کیا عجب) کہ اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی قرآن اور اسلام کے حق ہونے میں شبہ پڑ جائے اور (وہ) اپنے دین سے (پھر جائیں) اور یہ خیال کریں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں کہ اسلام قبول کر لیا، اس پر بھی جو پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو علمی دلائل سے ثابت ہو گیا ہوگا اور ضرور انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہو گی جب ہی تو اس سے پھر گئے (اور) اہل کتاب نے یہ بھی باہم کہا کہ مسلمانوں کے دکھانے کو صرف ظاہری ایمان لانا اور یہ ذہن میں رکھنا کہ کہیں مسلمانوں کی باتوں اور عقیدوں پر یقین نہ کرنے لگو کیونکہ اس طرح تو تم خود ہی بدل جاؤ گے اس لئے (یقین تو صرف اسی کی بات کا کرنا جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہو)

حق تعالیٰ ان کی تدبیر کے لچر ہونے کا اظہار فرماتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ) ان چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ (یقیناً ہدایت) جو بندوں کو ہوتی ہے وہ (ہدایت اللہ کی) طرف سے ہوتی (ہے) پس جب ہدایت قبضہ خداوندی میں ہے تو وہ جس کو ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں اس کو کوئی دوسرا کسی تدبیر سے نہیں ہٹا سکتا ہے۔ آگے ان کے اس مشورہ و تدبیر کی علت بتاتے ہیں کہ اے اہل کتاب تم (ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی) یعنی کتاب اور دین آسمانی (یا وہ اور لوگ تم پر غالب آجائیں) اس دین حق کی تعیین میں جو (تمہارے رب کے نزدیک) ہے۔ علت کا حاصل یہ ہوا کہ تم کو مسلمانوں پر حسد ہے کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی، یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے گرانے کی کوشش کر رہے ہو، آگے اس حسد کا رد ہے کہ (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں فضل کی کمی نہیں

اور (خوب جاننے والے ہیں کہ کس وقت کس کو دینا مناسب ہے اس لئے (خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت) و فضل (کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) پس اس وقت اپنی حکمت کے تقاضے سے مسلمانوں پر فضل ور حمت فرمادیا اس میں حسد کرنا فضول اور جہل ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی چند اور خرابیوں کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً چند ایک کے علاوہ عام طور سے اہل کتاب کا مال میں خیانت کرنا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کی تو ادا کر دیں تجھ کو اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں (کے حق لینے) میں کچھ گناہ اور بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ) اے مخاطب (اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ) مانگنے کے ساتھ ہی (اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے) بلکہ امانت رکھانے کا بھی اقرار نہ کرے (مگر جب تک کہ تم) امانت رکھ کر (اس کے سر پر) برابر (کھڑے رہو) اس وقت تک تو انکار نہ کرے اور جہاں الگ ہوئے پھر ادا کرنے کا تو کیا ذکر ہے سرے سے امانت ہی سے انکار ہو جائے گا (یہ) امانت کا ادا نہ کرنا (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر امی لوگوں) یعنی غیر اہل کتاب کے مال (کے بارے میں) اگر چوری چھپے لیا جائے تو مذہب کی رو سے (کسی طرح کا الزام نہیں) یعنی غیر اہل کتاب مثلاً قریش کا مال چرا لینا یا چھین لینا سب جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ آگے ان کے اس دعویٰ کی تکذیب اس طرح فرماتے ہیں کہ (اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں) کہ اس فعل کو حلال سمجھتے ہیں (اور دل میں وہ بھی جانتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا، محض تراشیدہ دعویٰ ہے۔

فائدہ: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اس آیت میں بعض لوگوں کے امانت دار ہونے پر مدح کی گئی ہے، اگر اس بعض سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لا چکے تھے تو ان کی تعریف کرنے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر خاص مومن مراد نہ ہوں بلکہ مطلقاً اہل کتاب ہوں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا تو پھر ان کی مدح سے کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا مقبول ہونا اور چیز ہے اور اس کی مدح کرنا اور چیز ہے، مدح کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی ہے، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے، جس کا فائدہ اس کو دنیا میں "نیک نامی" ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی کی صورت ملے گا۔

ربط: اوپر ویقولون سے اہل کتاب کے دعوی کی تکذیب تھی آگے ان آیات سے اس تکذیب کی تاکید اور ایفاء عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت کی تصریح ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ
لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا عہد اور پرہیزگاری کرے تو اللہ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے۔ بے شک جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے عہد پر اور اپنی قسموں پر تھوڑی سی قیمت ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: خائن پر (الزام کیوں نہ ہوگا) ضرور ہوگا، کیونکہ اس کے متعلق ہمارے یہ دو قانون ہیں ایک یہ کہ (جو شخص اپنے عہد کو) خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو، یا بشرط جواز کسی مخلوق سے ہوا ہو (پورا کرے اور) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے (پرہیزگاری کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں) ایسے (متقیوں کو) تو جو بدعہدی کر کے خیانت کرتے ہوں وہ اللہ کی محبت سے دور ہوں گے اور سزا کے مستحق

ہوں گے اور دوسرا قانون یہ ہے کہ (یقیناً جو لوگ تھوڑا معاوضہ) یعنی دنیوی نفع (لے لیتے ہیں اس عہد کے مقابلہ میں جو) انہوں نے (اللہ تعالیٰ سے کیا ہے) مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا (اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں) مثلاً قسم کھا کر کچھ دینوی فائدے کے خاطر اس کو توڑتے ہیں (ان لوگوں کو آخرت میں) وہاں کی نعمت کا (کچھ حصہ نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے) لطف کا (کلام فرمائیں گے اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف) نظر محبت سے (دیکھیں گے اور نہ ان کو) گناہوں سے (پاک کریں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب) تجویز (ہوگا)

فائدہ: اگر یہ آیت کفار کے حق میں لی جائے تو یہ سب وعیدیں ابد الآباد کے لئے ہیں اور اگر مسلمان فاجروں کو اس میں شامل کیا جائے تو یہ مطلب ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک ان وعیدوں کے مستحق ہوں گے۔ ان کی سزا ابدی نہ ہو گی کیونکہ ایمان کی جزا بھی تو بالآخر ان کو ملنی ہے اور یہ بھی لازمی نہیں کہ ان کو سزا ضرور ہی ہو کیونکہ اہلسنت کے نزدیک بغیر سزا کے بھی معافی ہو سکتی ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی خیانت کی ایک عادت کا ذکر ہے کہ ایک خاص طریقے سے کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور ان میں ایک فریق ہے کہ مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تاکہ تم خیال کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ نہیں ہے کتاب میں سے۔ اور کہتے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب) پڑھنے (میں) یعنی ان میں کوئی لفظ یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور ایسے انداز میں اس کو پڑھتے ہیں (تاکہ تم لوگ جو اس کو سنو تو (اس) ملائی ہوئی چیز (کو) بھی (کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور) صرف دھوکہ دینے کے لئے اس عملی طریق پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی (کہتے ہیں کہ یہ) لفظ یا مطلب (خدا تعالیٰ کے پاس سے) جو الفاظ یا قواعد نازل ہوئے ہیں ان سے ثابت (ہے حالانکہ وہ) کسی طرح (خدا

تعالیٰ کے پاس سے نہیں) پس ان کا جھوٹا ہونا لازم آگیا، آگے تاکید کے لئے اس کی پھر تصریح ہے (اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ) اپنا جھوٹا ہونا دل میں خود بھی (وہ جانتے ہیں)۔

فائدہ: ممکن ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہوں اور ممکن ہے کہ تفسیر غلط بتاتے ہوں۔ تحریف لفظی میں الفاظ میں ردوبدل کر کے یا اپنی طرف سے اضافہ کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ غلط تفسیر میں یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ قواعد شرعی سے ثابت ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی ایک اور خیانت کا ذکر کیا کہ جانتے بوجھتے انبیاء علیہم السلام پر بہتان تراشی کرتے ہیں جیساکہ جب آپ ﷺ نے یہود اور نجران کے نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی ایک یہودی نے کہاکہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دے کتاب اور حکمت اور پیغمبری پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ تو یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم سکھاتے ہو کتاب اور اس وجہ سے کہ تم خود بھی پڑھتے ہو اسے۔ اور نہ وہ یہ کہے گا تم کو کہ ٹھہرالو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

تفسیر: (کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ) تو (اس کو کتاب اور) دین کا (فہم اور نبوت عطا فرمائیں) جن میں سے ہر ایک کا تقاضا کفر و شرک سے ممانعت ہے اور (پھر وہ لوگوں سے) یوں

کہنے لگے کہ میرے بندے) یعنی عبادت کرنے والے (بن جاؤ، خدا تعالیٰ) کی توحید (کو چھوڑ کر) یعنی نبوت اور امر بالشرک جمع نہیں ہو سکتے (ولیکن) وہ نبی تو یہ (کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (اس وجہ سے کہ تم کتاب) الٰہی اوروں کو بھی (سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ) خود بھی اس کو (پڑھتے ہو) اور اس کتاب میں توحید کی تعلیم ہے (اور نہ ہی) وہ بشر جس کو نبوت ملی ہے (یہ بات کہے گا کہ تم فرشتوں کو اور) یا دوسرے (نبیوں کو رب قرار دے لو۔ کیا) بھلا (وہ تم کو کفر کا حکم کرے گا اس کے بعد کہ تم) خاص اس عقیدہ میں خواہ فی الواقع یا بزعم خود (مسلمان ہو)

ربط: اوپر اہل کتاب کی ان کارروائیوں کا ذکر ہوا جو اسلام کی مخالفت میں اور اس کو نقصان پہنچانے میں ان سے ہوتی تھیں۔ آگے ترقی کر کے یہ بتاتے ہیں کہ مخالفت کرنے اور نقصان پہنچانے کی تو ان کو کب اجازت ہو سکتی تھی ان پر تو خود اسلام کو قبول کرنا واجب تھا کیونکہ اس مضمون کا عہد سب انبیاء علیہم السلام تک سے لیا گیا ہے تو ان کی امتوں پر تو بدرجہ اولیٰ واجب ہو گا اور عہد کو توڑنے پر وعید کے مستحق ہوں گے اور اس ذکر کے بعد اس عہد کو بالفعل توڑنے پر زجر و توبیخ بھی فرمائی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو اس رسول پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس (مضمون) پر قبول کیا میرا عہد۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھر جائے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔ کیا اب (کوئی اور دین)

ڈھونڈتے ہیں اللہ کے دین کے علاوہ حالانکہ اسی کا فرمانبر دار ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا) حضرات (انبیاء) علیہم السلام (سے کہ جو کچھ تم کو کتاب اور علم) شریعت (دوں) اور (پھر تمہارے پاس کوئی) اور (پیغمبر آئے جو تصدیق کرے اس کی جو تمہارے پاس) کی کتاب میں (ہے) جس کی صورت یہ ہے کہ اس کتاب میں جو اس رسول کی نشانیاں ہیں وہ اس میں پائی جاتی ہوں (تو تم ضرور اس رسول) کی رسالت (پر) دل سے (اعتقاد بھی لانا اور) ہاتھ پاؤں سے (اس کی مدد بھی کرنا) اس پیغمبر اور رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ پھر یہ عہد بیان کر کے (ارشاد فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس مضمون پر میرا عہد اور حکم قبول کیا وہ بولے کہ ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا تو) اپنے اس اقرار پر (گواہ بھی رہنا) کیونکہ گواہی سے پھر جانے کو ہر شخص ہر حال میں برا سمجھتا ہے، بخلاف اقرار کرنے والے کے کہ صاحب غرض ہونے کی وجہ سے اس کا پھر جانا زیادہ مستبعد نہیں ہوتا، اسی طرح تم صرف اقراری کی طرح نہیں بلکہ گواہ کی طرح اس پر قائم رہنا (اور میں) بھی (اس) مضمون (پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے) یعنی واقعہ کی اطلاع اور علم رکھنے والا (ہوں، سو جو شخص) امتوں میں سے (روگردانی کرے گا) اس عہد سے (اس کے بعد) کہ انبیاء تک سے عہد لیا گیا اور امتیں تو کس شمار میں ہیں (تو ایسے ہی لوگ) پوری (نافرمانی کرنے والے) یعنی کافر (ہیں، کیا) دین اسلام سے جن کا عہد لیا گیا ہے روگردانی کر کے (پھر) اس (دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ) کی یہ شان ہے کہ ان (کے) حکم کے (سامنے سب سر تسلیم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں) ہیں (اور) جتنے (زمین میں ہیں خوشی اور اختیار سے یا مجبوری سے اور) اول تو اس عظمت ہی کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی ان کے عہد کی مخالفت نہ کرے خاص کر جب کہ آئندہ سزا کا بھی ڈر ہو چنانچہ (سب خدا ہی کی طرف) قیامت کے روز (لوٹائے) بھی (جائیں گے) اور اس وقت مخالفین کو سزا ہو گی۔

فائدہ: 1-انبیاء علیہم السلام سے تو اس عہد کے لئے جانے کی قرآن پاک میں تصریح ہے اور یہ (عہد) یا تو اول عالم ارواح میں لیا گیا ہو گا یا صرف دنیا میں وحی سے لیا گیا ہو گا۔ باقی ان کی امتوں سے یا تو اسی وقت لیا ہو گا یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ لیا ہو گا اور چونکہ اس عہد اور وجوب کا انبیاء اور ان کی امتوں دونوں پر ہونا ظاہر ہے اس لئے امتوں سے عہد کو ذکر نہ کرنا مضر نہیں۔

2-اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک تکوینی جن کو پورا کرنا بندے کے اختیار میں نہیں جیسے

زندہ کرنا، مارنا اور بیمار کرنا وغیرہ۔ دوسرے تشریعی جن کو بجالانا بندے کے اختیار میں ہے مثلاً نماز پڑھنے کا حکم۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کے توسب تابع میں خواہ دل سے ان پر راضی ہوں جیسے اللہ کے فرشتے اور نیک بندے ہوتے ہیں یا محض مجبور و لاچار ہوں جیسے عالم کا ذرہ ذرہ۔ اور نیک بندے اپنی خوشی سے احکام تشریعی کے بھی تابع فرمان ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام تو سب ہی پر نافذ ہیں اور تشریعی احکام کو بھی بہت سے بندوں نے قبول کر رکھا ہے جس سے حاکم کی عظمت واضح ہے تو اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ میں فرمایا کہ کیا کوئی اور اس عظمت کا ہے جس کی موافقت کے لئے یہ اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

ربط: اوپر اسلام کی حقیقت کا ذکر ہوا تو اب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اس کی حقیقت کا حاصل ظاہر فرمادیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اتارا گیا ہم پر اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے ان میں کسی ایک میں بھی اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) دین اسلام کے اظہار کے لئے خلاصہ کے طور پر یہ (فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس) حکم (پر جو) حضرت (ابراہیم و اسماعیل و یعقوب) علیہم السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گذرے ہیں ان (کی طرف بھیجا گیا اور اس) حکم و معجزہ (پر بھی جو) حضرت (موسیٰ و عیسیٰ) علیہما السلام (اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) ایمان لانے کے معاملے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ

رکھیں (اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں) اس نے ہی دین ہم کو بتلایا ہم نے اختیار کر لیا۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ اسلام کی اس حقیقت ہی سے اس کی خوبی ظاہر ہے پھر اس کو ترک کرنا سخت بد دینی اور ناانصافی ہے۔

ربط: آگے دین اللہ یعنی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کا اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہونا بتاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور جو کوئی طلب کرے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹے والوں میں سے ہو گا۔

تفسیر: (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ) دین (اس) شخص (سے) خدا تعالیٰ کے نزدیک (مقبول) و منظور (نہ ہو گا اور) وہ شخص (آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہو گا) یعنی نجات نہ پائے گا۔

ربط: آگے اسلام سے اعراض کرنے والوں میں سے ان لوگوں کا بیان ہے جو اسلام کو قبول کرنے کے بعد پھر اس سے پھر گئے۔ ان میں بھی دو طرح کے ہیں۔ بعض تو اس کفر پر قائم رہے اور بعض پھر تائب ہو کر اسلام لے آئے۔ دونوں کا بیان آتا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: کیسے ہدایت دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے اپنے ایمان لانے کے بعد اور

گواہی دینے کے بعد کہ بے شک رسول سچا ہے اور (اس کے بعد کہ) آئے ان کے پاس واضح دلائل ۔ اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر: اول ان مرتدین کا بیان ہے جو کفر پر قائم رہ کر اس کو ہدایت سمجھتے رہے، چونکہ ان کا اعتقاد یا دعویٰ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اب ہدایت فرمائی، لہذا ان کی مذمت میں اس کی نفی بھی فرماتے ہیں کہ بھلا (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہوگئے) دل سے (ایمان لانے کے بعد اور) زبان سے (اپنے اس اقرار کے بعد کہ رسول) ﷺ دعویٰ رسالت میں (سچے ہیں اور اس کے بعد کہ ان کو حقانیت اسلام کے) واضح دلائل پہنچ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے) یہ مطلب نہیں کہ ایسوں کو کبھی اسلام کی توفیق نہیں دیتے، بلکہ مقصود ان کے مذکورہ بالا دعویٰ کی نفی کرنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے جو اسلام چھوڑ کر یہ طریق اختیار کیا ہے تو اب ہم کو خدا نے ہدایت دی ہے، نفی کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص کفر کا بے ڈھنگا راستہ اختیار کرے وہ ہدایت خداوندی پر نہیں، اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو خدا نے ہدایت دی ہے، کیونکہ ہدایت کا یہ راستہ نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور) بہت سے (آدمیوں کی بھی) غرض (سب کی) اور پھر وہ لعنت بھی ایسے طور پر رہے گی کہ (وہ ہمیشہ ہمیشہ) کے لئے (اسی) لعنت (میں رہیں گے) اور چونکہ اس لعنت کا اثر جہنم ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ) داخل ہونے سے قبل (ان کو) کسی میعاد تک (مہلت ہی دی جائے گی)

آگے ان کا بیان ہے جو پھر مسلمان ہو گئے ان کو اس حکم سے مستثنیٰ فرماتے ہیں یعنی (ہاں مگر جو لوگ توبہ کرلیں اس) کفر (کے بعد) یعنی مسلمان ہو جائیں (اور اپنے) دل (کو) بھی (سنواریں) یعنی منافقانہ طور پر صرف زبان سے توبہ کافی نہیں (سو بے شک) ایسوں کے لئے (خدا تعالیٰ بخش دینے والے رحمت کرنے والے ہیں)

فائدہ: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ الخ اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد

ہدایت نصیب نہیں ہوتی، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصیت عنایت فرمائی ہے اور اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے، یعنی یہ خصوصیت والی بات ہی نہیں۔ اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ شائستہ ہی بن جائے۔

ربط: اوپر توبہ کرنے والوں کو سزا سے مستثنیٰ فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ اس خاص توبہ کی حقیقت اسلام قبول کرنا ہے۔ چونکہ لفظ توبہ کو سن کر اور اس کی حقیقت میں غور نہ کر کے احتمال تھا کہ کوئی مرتد کہنے لگے کہ میں بھی تو توبہ کیا کرتا ہوں یعنی ان باتوں سے جو اس کی کفریہ دین میں بری ہیں تو میں بھی نجات کا مستحق ہوں گا اس لئے اگلی آیت میں اسلام کے بغیر محض گناہوں سے توبہ کا قبول نہ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُہُمۡ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں ہرگز قبول نہ کی جائے گی ان کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں) یعنی کفر پر دوام رکھا ایمان نہیں لائے (ان کی توبہ) جو کہ اور گناہوں سے کرتے ہیں (ہرگز مقبول نہ ہوگی) کیونکہ معاصی سے توبہ ایک فرعی اور ذیلی اطاعت ہے اور ذیلی اطاعت کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے (اور ایسے لوگ) اس توبہ کے بعد بھی بدستور (پکے گمراہ ہیں)

فائدہ: جو شروع سے کافر ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں کفر کے بڑھنے کا ذکر ہے جس کی تفسیر دوام علی الکفر ہے۔ اگلی آیت میں اس تفسیر کی تصریح ہے اور نیز اوپر کی آیت ظاہرا مرتد کے بارے میں تھی حالانکہ مذکورہ حکم عام ہے اس لئے اگلی آیت میں لفظ عام کے ساتھ اس کو بیان فرماتے ہیں نیز اوپر کی آیت میں قبول توبہ کی نفی تھی احتمال

باقی رہا کہ شاید خالی توبہ قبول نہ ہو کچھ فدیہ قبول ہو جائے اگلی آیت میں اس کی بھی نفی ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَ
هُمۡ كُفَّارٌ فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ
افۡتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓـئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۹۱

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہر گز قبول نہ کیا جائے گا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا اگرچہ وہ اس کو فدیہ میں دے ان کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہو گا ان کا مددگار۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ حالت کفر ہی میں مر بھی گئے سو ان میں سے کسی کا) بطور کفارہ (زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا اگرچہ وہ معاوضہ اسکو دینا بھی چاہے) اور بغیر دئے تو کون پوچھتا ہے (ان لوگوں کو دردناک سزا ہو گی اور انکے حامی مددگار بھی نہ ہونگے)

ربط: اوپر فدیہ دینے کا کفار کے لئے فائدہ مند نہ ہونے کا ذکر ہوا اس کی مناسبت سے آگے بتاتے ہیں کہ آخرت میں مومنین کو انفاق فی سبیل اللہ فائدہ مند ہو سکتا ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ اگر کفار اپنے اموال سے آخرت میں نفع اٹھانا چاہیں تو مسلمان ہو کر یہاں دنیا میں فی سبیل اللہ خرچ کریں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل کر سکو گے کامل نیکی جب تک نہ خرچ کرو اس چیز سے جو تم پسند کرتے ہو۔ اور جو تم خرچ کرو گے سو اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو (تم خیر کامل) یعنی بڑے ثواب (کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے اور) یوں (جو کچھ بھی خرچ کرو گے) گو غیر محبوب چیز ہو (اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں) مطلق ثواب اس پر بھی دیدیں گے، لیکن کمال ثواب حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب تو ہر خرچ کرنے سے ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے مگر زیادہ ثواب محبوب چیز کے خرچ کرنے سے ہوتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب سے محاجہ چلا آتا ہے کہیں یہود سے کہیں نصاریٰ سے اور کہیں دونوں سے۔ ایک محاجہ کا آگے ذکر آرہا ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اصول اور اکثر فروع کے اعتبار سے اپنا ملت ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا اور ہم تک یہ تحریم پہنچی ہے۔ اگلی آیت یہود کی تکذیب کے لئے نازل ہوئی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے مگر وہ جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت نازل کئے جانے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اس کو اگر تم سچے ہو، پھر جو کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف۔

تفسیر: کھانے کی جن چیزوں میں گفتگو ہے مثلاً اونٹ کا گوشت اور دودھ تو یہ (سب کھانے کی چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہر گز حرام نہیں چلی آرہی ہیں بلکہ یہ چیزیں تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے سوائے) اونٹ کے گوشت کے (جس کو اسرائیل) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خاص وجہ سے (اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا) اور پھر وہ ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا، باقی سب چیزیں خود (بنی اسرائیل پر) بھی (حلال تھیں) تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ان کی تحریم کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے، اور تورات کے نزول سے قبل اس واسطے فرمایا کہ نزول تورات کے بعد ان مذکورہ حلال چیزوں میں سے بھی بہت سی چیزیں حرام ہو گئی تھیں، جس کی کچھ تفصیل سورہ انعام کی اس آیت میں ہے وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِىْ ظُفُرٍ الی اخرھا۔ اور اگر اب بھی یہود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تحریم ہونے کا دعویٰ ہے تو اے محمد ﷺ ان سے (فرما دیجئے کہ) اچھا تو (پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم) اپنے مذکورہ دعوی میں سچے ہو) اور اس میں کوئی آیت وغیرہ اس مضمون کی نکال دو کیونکہ دین کی نقل شدہ باتوں میں نص کی ضرورت ہوتی ہے اور تورات باقی ہے لہذا اس میں دکھا دو۔ پھر چونکہ اس میں نہ دکھلا سکے تو ان کے اس دعوے کا جھوٹ ہونا ثابت ہو گیا، آگے اس پر مرتب کر کے فرماتے ہیں (سو جو شخص) دلیل سے (اس) جھوٹ کے ظاہر ہونے (کے بعد) بھی (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے) جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اونٹ کے گوشت وغیرہ کو حرام فرمایا ہے (تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں)

فائدہ: 1- دراصل اس میں قصہ یہ ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس سے شفاء دیں تو سب سے زیادہ جو کھانا مجھ کو محبوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہو گئی اور سب سے زیادہ محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا۔ ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔

2- نذر سے کسی حلال چیز کو حرام کرلینا ان کی شریعت میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ سورۃ تحریم میں ہے يَا اَيُّهَا النَّبِىُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ اور حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلینا اس کی

حقیقت یہ ہے کہ وہ قسم ہے کہ میں اس کو استعمال نہ کروں گا۔ تو اس قسم کو توڑنا اور پھر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

ربط: اوپر یہود کا کذب ثابت ہوا جس سے قرآن یعنی کلام الٰہی کا صدق عقلاً ثابت ہوا۔ آگے اس صدق کی تصریح اور پھر اس پر ایک تفریع مذکور ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے سو تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو گیا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں سے

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو) اب (تم) کو چاہئے کہ قرآن کی حقانیت ثابت ہونے کے بعد (ابراہیم جو کہ حنیف تھے ان کے دین یعنی اسلام کا اتباع) اختیار (کرو اور وہ) ابراہیم علیہ السلام (مشرک نہ تھے)

یہود کے ایک اور اعتراض کا جواب: مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہیں یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی عراق چھوڑ کر شام کو ہجرت کی وہیں رہے وہیں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کی اولاد شام (یعنی فلسطین میں رہی۔ کتنے ہی انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا جس کی وجہ سے بیت المقدس ہی سب سے زیادہ فضیلت والی جگہ بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کا تعلق بھی زیادہ ہے۔ اس کے جواب میں کعبہ کا افضل ہونا بتایا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ط وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور رہنما ہے جہان کے لوگوں کے لئے۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا وہ امن والا ہوا ہے۔ اور اللہ کے واسطے ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا (یعنی) جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ بے پرواہ ہے جہان کے لوگوں سے۔

تفسیر: (یقیناً وہ مکان جو سب) مکانات عبادت (سے پہلے لوگوں) کی عبادت گاہ بننے (کے واسطے) منجانب اللہ (مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ) شہر (مکہ میں ہے) یعنی خانہ کعبہ (جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے) کیونکہ اس میں دینی نفع یعنی ثواب ہے (اور) عبادت خاص مثلاً نماز کا رخ بتلانے میں (جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ حج وہاں ہوتا ہے اور مثلاً نماز کا ثواب حدیث کی تصریح کے مطابق وہاں بہت زیادہ ہوتا ہے یہ تو وہاں پر موجود لوگوں کے لئے دینی برکت ہوئی۔ اور جو لوگ وہاں نہیں ہیں ان کو اس مکان کے ذریعے سے نماز کا رخ معلوم ہوتا ہے یہ رہنمائی ہوئی۔ غرض (اس میں) کچھ تشریعی کچھ تکوینی (کھلی نشانیاں) اس کی افضلیت کی موجود (ہیں) چنانچہ دو تشریعی نشانیوں یعنی اس کے بابرکت اور رہنما ہونے کا ذکر اوپر ہوا۔ آگے ایک تکوینی نشانی یعنی مقام ابراہیمؑ کا (ذکر) کرنے کے بعد دو اور تشریعی نشانیاں ذکر فرماتے ہیں۔ تو تشریعی نشانیاں کل چار ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ نشانیوں (میں سے ایک مقام ابراہیم) تکوینی نشانی (ہے اور) ایک تشریعی نشانی یہ ہے کہ (جو شخص اس) کے حدود متعلقہ (میں داخل ہو جائے وہ) شرعاً (امن والا ہو جاتا ہے اور) ایک اور تشریعی نشانی یہ ہے کہ (اللہ کے) خوش کرنے کے (واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا) فرض (ہے) مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص کے (یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک) پہنچنے (کے سبیل کی۔ اور جو شخص) احکام خداوندی کا (منکر ہو تو خدا تعالیٰ کا کیا ضرر کیونکہ (اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں) کسی کے ماننے پر ان کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا بلکہ خود اس منکر ہی کا ضرر ہے۔

فائدہ: 1: خانہ کعبہ کی اولیں تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی۔ خانہ کعبہ کو سب سے پہلی عبادت گاہ بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔

2- مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا اور اب وہ پتھر خانہ کعبہ سے ذرا فاصلہ پر مطاف میں ایک

محفوظ شیشے میں بند ہے۔

3-جواب کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو یہ شرعی احکام خانہ کعبہ کے متعلق ہیں اور ان کا متعلق ہونا دلائل سے ثابت ہے جب کہ ایسے احکام بیت المقدس کے ساتھ متعلق نہیں ہیں لہذا کعبۃ اللہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔

ربط: اوپر اہل کتاب کے اقوال پر رد ہوا ہے آگے ان کے ایک فعل پر رد و ملامت ہے۔ جس کا قصہ یہ ہے۔

کہ ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ مجتمع و متفق دیکھا تو حسد سے بے چین ہو گیا اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو ایک بڑی جنگ عرصہ دراز تک رہ چکی ہے اور اس کے متعلق فریقین کے فخریہ اشعار ہیں وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں، چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تکار ہونے لگی، یہاں تک کہ لڑائی کا موقع اور وقت تک مقرر ہو گیا، حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ کیا اندھیر ہے، میرے ہوتے ہوئے پھر مسلمان ہونے اور باہم متفق و مانوس ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے، کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو؟ سب متنبہ ہوئے اور سمجھا کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے احکام کا حالانکہ اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لایا کہ ڈھونڈتے ہو اس میں کجی حالانکہ تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: اے محمد ﷺ آپ ان اہل کتاب سے (فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب تم) اسلام کی حقانیت کی دلیل ظاہر ہو جانے کے بعد (کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا) خواہ وہ اصول ہوں یا فروع (حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں) تم کو اس سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ اور اے محمد ﷺ ان سے یہ بھی (فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب اللہ کی راہ) یعنی اس کے دین حق (سے ایسے شخص کو جو) اس کے دین حق ہونے پر (ایمان لاچکا کیوں ہٹانے کی کوشش کرتے ہو اس طور پر کہ کجی) کی باتیں (ڈھونڈتے ہو اس راہ میں) پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ مذکورہ قصہ میں کوشش کی تھی کہ اس کارروائی سے ان کے اندر نااتفاقی پیدا کی جائے تاکہ ان کی اجتماعی قوت بھی برباد کی جائے اور ان بکھیڑوں میں ڈال کر ان کو دین حق سے بھی دور کیا جائے۔ (حالانکہ تم خود بھی) اس حرکت کے قبیح ہونے کی (اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں) وقت معین پر اس کی سزا دیں گے۔

ربط: آگے مسلمانوں کو تنبیہ اور فہمائش کی گئی ہے کہ اہل کتاب اور دوسرے لوگ جو تمہیں گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان کی گمراہی سے باخبر رہ کر بچنے کا اہتمام کریں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والوں اگر تم کہا مانو گے ایک فریق کا ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تو وہ لوٹا دیں گے تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر۔ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو حالانکہ پڑھی جاتی ہیں تم پر آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت دی گئی سیدھے راستے کی۔

تفسیر: (اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے) یعنی اہل کتاب میں سے تو وہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد) اعتقاد کے یا عمل کے اعتبار سے (کافر بنادیں گے اور تم کس طرح کفر کرتے ہو) یعنی تمہارے لئے کفر کرنا کب روا ہو سکتا ہے (حالانکہ)

کفر سے مانع تمام اسباب جمع ہیں کیونکہ (تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام) قرآن میں (پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور) پھر (اللہ کے رسول) ﷺ (تم میں موجود ہیں) اور یہ دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے پس تم کو چاہئے کہ ان دونوں ذریعوں کی تعلیم و تلقین کے موافق ایمان کی باتوں پر قائم رہو (اور) یاد رکھو کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے) یعنی ایمان پر پورا قائم رہتا ہے، کیونکہ اللہ کو مضبوط پکڑنا یہی ہے کہ اس کی ذات و صفات کی تصدیق کرے، اس کے احکام کو مضبوط پکڑے کسی دوسرے مخالف کی موافقت نہ کرے (تو) ایسا شخص (ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے) یعنی وہ راہ راست پر ہوتا ہے، اور راہ راست پر ہونا اصل بنیاد ہے ہر صلاح و فلاح کی، پس اس میں ایسے شخص کے لئے ہر صلاح و فلاح کی بشارت و وعدہ ہے۔

فائدہ: 1- تفسیر میں جو یہ کہا "اعتقاد کے یا عمل کے اعتبار سے کافر بنادیں گے" تو اس کا حاصل یہ ہے کہ کفر کا ایک معنی تو متعارف ہے اور وہ کفر اعتقادی ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اعتقاداً تو مومن ہو مگر کام کافروں کے سے کرے اس کو بھی مجازاً کفر کہہ دیتے ہیں۔ کفر عملی سے یہی مراد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا استعمال بہت آیا ہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی اطاعت سے کفر کا ڈر ہے۔ اگر عقائد میں اطاعت کی جائے تو کفر اعتقادی ہوگا اور اگر اعمال و معاصی میں اطاعت کی جائے جیسے ان کے اشتعال دلانے سے آپس میں لڑنے کو تیار ہوگئے تو یہ کفر عملی ہوگا یعنی کافروں کا سا عمل ہوگا۔

2- صحابہ کے وقت میں تو رسول اللہ ﷺ موجود تھے اس لئے وفیکم رسولہ میں کوئی تکلف نہیں لیکن چونکہ مضمون تمام مسلمانوں کو عام ہے اس لئے آپ کی نبوت کے آثار یعنی تعلیمات و ہدایات کا قیامت تک موجود رہنا آپ کے موجود ہونے کی مانند ہے کیونکہ موجود ہونے کے زمانے میں بھی آپ کا ہادی ہونا اپنی تعلیمات و ہدایات کے اعتبار سے تھا پس اصل موثر یہی چیزیں ہیں۔

ربط: اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی تدبیروں سے بچنے کے اہتمام کرنے کا اوپر ذکر ہوا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت مضبوط ہو جس کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں ایک تقویٰ اور دوسرے باہمی اتفاق و اتحاد رکھنا اور اختلاف و تفریق سے بچنا۔ آگے اس کا ذکر ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا
تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً

فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا، اور نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈالی تمہارے دلوں میں تو اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔ اور تم تھے کنارے پر آگ کے ایک گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے احکامات تاکہ تم راہ پر رہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے) ایسا (ڈرا کرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے)۔ کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک وکفر سے بچے ہو اسی طرح تمام گناہوں سے بھی بچا کرو اور بلاوجہ شرعی لڑنا معصیت ہے تو اس سے بھی بچنا فرض ہے (اور سوائے) کامل (اسلام کے) جس کا حاصل وہی ہے جو کامل ڈرنے کا ہے (اور کسی حالت پر جان نہ دینا) یعنی اسی کامل تقویٰ اور کامل اسلام پر تادم مرگ قائم رہنا (اور مضبوط پکڑے رہو، اللہ تعالیٰ کی رسی کو) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو جس میں اصول و فروع سب آگئے (اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو) جس کی اسی دین میں تعلیم بھی ہے (اور باہم نااتفاقی مت کرو) جس کی اسی دین میں ممانعت بھی ہے (اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام) ہوا (ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم) باہم (دشمن تھے) یعنی اسلام سے پہلے چنانچہ اوس و خزرج کے دو قبیلوں میں طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی (پس اللہ تعالیٰ نے) اب (تمہارے قلوب میں) ایک دوسرے کی (الفت ڈال دی، سو تم خدا تعالیٰ کے) تالیف قلوب کے اس (انعام سے) اب (آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے اور) ایک انعام جو کہ مذکورہ بالا انعام کی بھی اصل ہے یہ فرمایا کہ (تم لوگ بالکل دوزخ کے گڑھے کے کنارے) ہی (پر کھڑے تھے) یعنی کافر ہونے کی وجہ سے دوزخ سے اتنے قریب تھے کہ بس دوزخ میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی (سو اس) گڑھے (سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی) یعنی اسلام نصیب کیا جس نے جہنم سے نجات دلائی اور تمہاری آپس میں الفت کی بنیاد بھی بنا۔ تو اب تم ان انعاموں کی قدر پہچانو اور آپس کے جدال و قتال سے جو کہ اللہ کی معصیت ہے ان نعمتوں کو

زائل نہ کرو، کیونکہ باہمی جنگ و جدال سے پہلا انعام یعنی سب کے قلوب کا باہم مربوط اور مانوس ہونا تو خود ہی زائل ہو جائے گا اور دوسرا انعام یعنی دین اسلام بھی اس سے مختل اور کمزور ہو جائے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرمائے ہیں (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے) اور (احکام) بھی (بیان کرکے بتاتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ) راست (پر قائم رہو)

فائدہ: ڈرنے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ جیسی حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اس کے بقدر ڈرنا کیونکہ یہ تو کسی سے نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنا تمہارے ذمہ حق مقرر ہے اور وہ اتنا ہے کہ جس کی وجہ سے گناہوں سے بچتے رہو۔ اس کے مقابل میں تقویٰ کا ادنیٰ درجہ ہے یعنی کفر و شرک سے بچنا اگرچہ معصیت میں مبتلا رہے۔ غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ تقویٰ پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ اعلیٰ اور کامل درجہ کا تقویٰ اختیار کرو جس میں گناہوں سے بچنا بھی آگیا۔

ربط: اجتماعی قوت اور باہمی اتحاد جس کا اوپر ذکر ہوا اس کی بقاء اس میں ہے کہ مسلمان صرف اپنے اعمال و افعال کی اصلاح پر بس نہ کرے بلکہ دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی فکر بھی کریں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾

ترجمہ: اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی (کہ اس کے افراد) نیک کام کی طرف بلاتے رہیں اور حکم کرتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور یہی ہیں فلاح پانے والے۔

تفسیر: (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ) اور لوگوں کو بھی (خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ) آخرت میں ثواب سے (پورے کامیاب ہوں گے)۔

فائدہ: جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے اسے گمان غالب ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی معتد بہ ضرر نہ پہنچے گا اس کے لئے واجب امور میں امر و نہی کرنا واجب ہے اور مستحب امور میں مستحب مثلاً پنجگانہ نماز فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہوگا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب ہیں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا۔ اور جو شخص مذکورہ طریقے پر قادر نہ ہو اس پر امر و نہی کرنا واجب امور میں بھی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

ربط: اوپر دین میں اتحاد واتفاق کا حکم تھا اور تفرق سے نہی تھی آگے اسی مضمون کی تفصیل ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَأُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝١٠٥ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ
فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۚ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ
فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝١٠٦ وَأَمَّا الَّذِينَ
ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝١٠٧

ترجمہ: اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو واضح احکام اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے چہرے اور سیاہ ہوں گے بعضے چہرے سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے چہرے ان کے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم کافر ہو گئے اپنے ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب بسبب اسکے جو تم کفر کرتے تھے۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے چہرے ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے) دین میں (باہم تفریق کر لی اور نفسانیت سے (باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے بڑی سزا ہو گی۔ اس روز) یعنی قیامت کے روز (کہ بعضے چہرے سفید) وروشن (ہو جائیں گے اور بعضے چہرے سیاہ) اور تاریک (ہوں گے، سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم) ہی (لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد تو) اب (سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے، اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت) یعنی جنت (میں) داخل (ہوں گے) اور (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

فائدہ: 1۔ آیت میں جو تفریق واختلاف کی مذمت ہے اس سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو یا فروع میں نفسانیت کی وجہ سے ہو جیسا کہ اہل بدعت اور غرض پرستوں نے اہل سنت سے اختلاف کیا ہے کیونکہ اصول تو سب واضح ہوتے ہیں اور فروع بھی بعض ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی اور آیت میں بھی بینات یعنی واضح احکام کے آنے کا ذکر اس کی طرف

اشارہ ہے۔ لہذا جو فروع غیر واضح ہوں یا تو اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح نص موجود نہیں یا بظاہر ان میں تعارض ہو تو ایسے فروع میں مجتہدین کا اختلاف ہو جانا اس آیت میں داخل نہیں اور اس کی اجازت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نقل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی حاکم شرعی اپنے اجتہاد سے کوئی حکم کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد سے حکم کرے اور وہ غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

2۔ کفر تم میں کفر سے مراد عام ہے خواہ انکار توحید ہو یا انکار رسالت ہو یا اعتقاد بدعت ہو کیونکہ یہ سب دلائل کے واضح ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

ربط: اوپر مرحوم و مغضوب دونوں کی جزا و سزا کا بیان تھا آگے اس جزا و سزا کے وعدہ اور وعید کے اہم اور باوقعت ہونے کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جو چار چیزوں پر موقوف ہے یعنی (1) جزا و سزا کی خبر کا صحیح ہونا اور (2) ان کا مناسب ہونا اور (3) لوگوں کا مملوک خداوندی ہونا جس کا تقاضا ہے کہ اللہ کی اطاعت واجب ہو اور (4) کسی غیر کا بالکل اختیار نہ ہونا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک اور اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنا مخلوقات پر۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: (یہ) جو اوپر مذکور ہوئیں (اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں) اس سے تو مضمون بالا کا صحیح ہونا معلوم ہوا (اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے) پس جو کچھ کسی کے لئے جزا و سزا تجویز کی ہے وہ بالکل مناسب ہے۔ اس سے تجویز کردہ سزا و جزا کا مناسب ہونا معلوم ہوا (اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) پس جب سب ان کی ملک ہیں تو ان سب کے ذمہ اطاعت واجب تھی، اس سے ان کا مملوک ہونا اور وجوب اطاعت ثابت ہوا (اور اللہ ہی کی طرف

سب مقدمات لوٹائے جائیں گے) کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا۔

ربط: سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص اہتمام کرنے کی ہدایت تھی، اس آیت میں اس کی مزید تاکید اس طرح کی گئی ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کو جو حق تعالیٰ نے تمام امتوں سے افضل واعلیٰ اور خیر الامم قرار دیا ہے اس کی بڑی وجہ ان کی یہی صفات ہیں لہذا ان میں کمی نہ آنے پائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

ترجمہ: تم ہو بہترین امت جو نکالی گئی ہے لوگوں کے لئے حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا انکے لئے۔ کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان والے اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔

تفسیر: اے امت محمدیہ (تم لوگ) سب اہل مذاہب سے (اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت) عام (لوگوں کے) نفع ہدایت پہنچانے کے (لئے نکالی گئی ہے) اور نفع پہنچانا جو اس امت کے خیر اور افضل ہونے کی وجہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ (تم لوگ) شریعت کے تقاضے کے مطابق زیادہ اہتمام کے ساتھ (نیک کاموں کا کہتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور) خود بھی (اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو، یہاں اللہ پر ایمان میں وہ تمام عقائد واعمال داخل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (اور اگر اہل کتاب) بھی جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں، تمہاری طرح (ایمان لے آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا) کہ وہ بھی اہل حق کی اسی بہتر جماعت میں داخل ہو جاتے، مگر افسوس کہ وہ سب مسلمان نہ ہوئے بلکہ (ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں) جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر داخل اسلام ہو گئے (اور زیادہ حصہ ان میں سے نافرمان) یعنی کافر (ہیں) کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور ان کی بہتر امت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ جو بیچارے اسلام لے آئے ہیں ان کو دین و دنیا کا نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

فائدہ: 1-اس آیت میں خطاب تمام امت محمدیہ کو عام ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت خیر امم ہے۔

2-دین کی چند اصطلاحات ہیں یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ اور جہاد۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق مسلمان معاشرہ سے ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی فرض یا واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا دیکھے تو اس کو امر بالمعروف کرے یعنی اس نیک کام کرنے کا حکم کرے اور جب کسی برائی کو ہوتا دیکھے تو کرنے والے کو اس سے اپنی استطاعت بھر روکے۔

دعوت و تبلیغ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین کے احکام و اخلاق کی دعوت دے، اس میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سب صورتیں آگئیں، اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت دے

جہاد اللہ کے رستے میں کافروں اور باغیوں کی قوت و شوکت توڑنے کیلئے ان سے لڑائی میں اپنی قوت خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

یہاں آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لغوی معنی کے اعتبار سے ان کا عام معنی لیا گیا ہے جس میں چاروں باتیں شامل ہو گئیں۔ معروف یعنی بھلے کاموں میں اسلام و ایمان اور احکام و اخلاق فاضلہ سب شامل ہیں۔ کافر و مسلم کو ان کے حسب حال ان کی تلقین کرنا اور دعوت دینا اس میں شامل ہیں۔ منکر (یعنی برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، قبیح رسوم، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ غرض جہاد بھی اس میں شامل ہو گیا۔

3۔ تفسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں جو یہ کہا گیا کہ تم زیادہ اہتمام کے ساتھ اس کو کرتے ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد قوت بازو سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امر و نہی میں یہ خود اعلیٰ درجہ ہے اور یہ درجہ اس امت میں دوسری امتوں کے مقابلے میں دو وجہوں سے زیادہ ہے۔ ایک جہاد کا مشروع ہونا جس سے کفر اور فساد کو دفع کرنا مقصود ہے دوسرے دعوت محمدیہ کے عام ہونے کی وجہ سے دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد سب اقوام کے ساتھ ہے جو کہ اس آیت میں الناس کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس امت کے برخلاف سابقہ امتوں میں اگرچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی موجود تھا لیکن بعض امتوں میں جہاد نہ تھا اور بعض میں اگرچہ جہاد تھا لیکن چونکہ سابقہ کسی نبی کی بعثت تمام اقوام کی طرف نہ تھی اس لئے وہ جہاد بھی تمام اقوام کو عام نہ تھا ظاہر ہے کہ زیادہ عمل سے زیادہ اجر ہوتا ہے۔ لیکن وجہ خیریت اس میں منحصر نہیں بلکہ خیریت کے اور وجوہ بھی

وارد ہوئے ہیں۔

4۔ ایمان پر قائم رہنے کو بھی وجہ خیریت بتایا ہے حالانکہ یہ بظاہر سب شریعتوں میں مشترک معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شریعت دوسری تمام شریعتوں سے اکمل ہے اور اکمل پر ایمان لانا اور اس پر قائم رہنا ظاہر ہے اکمل ہوگا لہذا اس اعتبار سے مشترک نہ رہا۔

ربط: پہلی آیت میں اہل کتاب کا مسلمانوں سے اعتقاد میں مخالف ہونا اور اس سے پہلے انکا مسلمانوں کو دینی ضرر پہنچانے کی تدبیر کرنا مذکور تھا آگے ان کا مسلمانوں کو دنیوی ضرر پہنچانے کی فکر کرنا اور اس کے ساتھ ان کی ناکامی کی پیشین گوئی سے تسلی کر دینا مذکور ہوتا ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ: وہ ہرگز کچھ ضرر نہ دے سکیں گے تمہیں مگر کچھ ستانا۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے تم سے، پھر ان کی مدد نہ ہوگی۔

تفسیر: (وہ) اہل کتاب (تم کو ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا ہلکی سی اذیت) یعنی زبانی برا بھلا کہہ کر دل دکھانا (اور اگر وہ) اس سے زیادہ کی ہمت کریں اور (تم سے قتال کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر) اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ (کسی طرف سے ان کی امداد بھی نہ ہوگی)

فائدہ: یہ قرآن کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ اہل کتاب زمانہ نبوت میں کسی موقع پر بھی صحابہ کرام پر جو کہ (بقرینہ مقام) اس مضمون کے خاص مخاطب ہیں غالب نہ آسکے، خصوصاً یہود جن کی قبیح حرکتیں خصوصیت سے اس جگہ مذکور ہیں جن میں صحابہ کرام کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کارروائی بھی ہے، انجام یہ ہوا کہ یہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے، بعض پر جزیہ لگایا گیا بعض مقتول ہوئے، بعض جلاوطن کیئے گئے آئندہ آیت میں اسی مضمون کا تکملہ ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ

حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: چھاپ دی گئی ان پر ذلت جہاں پائے جائیں سوائے اس حالت کے کہ ذمہ ہو اللہ کا اور ذمہ ہو لوگوں کا اور لوٹے ساتھ اللہ کے غصہ کے اور جما دی گئی ان کے اوپر حاجت مندی۔ یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق۔ یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور وہ حد سے نکلتے تھے۔

تفسیر: (چھاپ دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں) دو ذریعوں سے وہ اس ذلت سے نجات پا سکتے ہیں (ایک تو ایسے ذمہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے، اور ایک ایسے ذمہ کے سبب جو آدمیوں کی طرف سے ہے) اللہ کی طرف کا ذمہ تو یہ ہے کہ کوئی کتابی غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے طریق پر ایسا مشغول و مصروف ہو کہ مسلمانوں سے لڑتا بھڑتا نہ ہو، اس کو جہاد میں قتل نہیں کیا جاتا اگرچہ اس کی کافرانہ عبادت آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی، اسی طرح اللہ کی طرف کے ذمہ میں یہ بھی آ گیا کہ وہ کتابی نابالغ ہو یا عورت ہو کہ شریعت اسلام کی رو سے ان کو بھی جہاد میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور آدمیوں کی طرف کے ذمہ سے مراد معاہدہ اور صلح ہے جو دوسرے انسانوں سے ہو جائے خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان۔ مسلمانوں کے ساتھ ہو تو وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلام میں جس شخص سے صلح کا کوئی معاہدہ ہو جائے وہ بھی مامون ہے اس کا قتل جائز نہیں (اور مستحق ہو گئے) یہ لوگ (غضب الٰہی کے اور جما دی گئی ان پر حاجتمندی) کہ ہمیشہ دوسروں کے محتاج ہی رہیں گے۔ یہ ذلت و غضب (اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ سے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو) اس طرح سے کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی (ناحق) ہوتا تھا (اور یہ ذلت و غضب اس وجہ سے بھی ہوا کہ انہوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ اطاعت سے نکل نکل جاتے تھے)

فائدہ: بحبل من الناس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معاہدہ صلح کر کے محفوظ ہو جائیں اور یہ بھی شامل ہے کہ دوسری غیر مسلم طاقتوں سے معاہدہ صلح کر کے محفوظ ہو جائیں جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت ہے کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت در حقیقت اہل یورپ وامریکہ کی مشترکہ چھاؤنی سے زیادہ نہیں۔ اس کی جو کچھ قوت نظر آتی ہے وہ سب غیروں کے بل بوتے پر ہے اگر یورپ اور امریکہ والے آج اس پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیں تو وہ ایک دن

اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔

ربط: اوپر اہل کتاب کی قباحتوں کے ذکر میں منھم المومنون یعنی ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں میں اجمالاً ان لوگوں کا استثناء کیا جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے بھائی اور ثعلبہ بن شعبہ۔ آگے اسی اجمالی استثناء کی تفصیل ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ہے سیدھی (راہ پر) پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں میں اور وہی لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس میں ان کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ باخبر ہے پرہیزگاروں سے۔

تفسیر: (یہ) اہل کتاب (سب برابر نہیں) بلکہ (ان) ہی (اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو) دین حق پر (قائم ہیں) اور (اللہ کی آیتیں) یعنی قرآن (اوقات شب میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ کرتے ہیں یعنی نماز بھی پڑھتے ہیں) اور (اللہ پر اور قیامت والے دن پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں اور) دوسروں کو (نیک کام بتاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ) اللہ کے نزدیک (شائستہ لوگوں میں) شمار کئے جاتے (ہیں اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس) کے ثواب (سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں) اور یہ لوگ چونکہ اہل تقویٰ ہیں تو حسب وعدہ جزاء کے مستحق ہیں۔

فائدہ: آیت کا حاصل ان لوگوں کی مدح ہے جنہوں نے ان صفات کو اختیار کیا ہے جو کہ اس

امت کی خیریت کے اسباب سے ہیں۔

ربط: آگے اہل کتاب میں سے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے ان کی مذمت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کافر رہے ہر گز کام نہ آئیں گے انکو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ۔ اور وہی لوگ ہیں دوزخ کی آگ والے وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر رہے ہر گز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے) عذاب کے (مقابلہ میں ذرا بھی اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں) اور (وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے) اور کبھی نجات نہ ہو گی۔

ربط: اوپر فرمایا کہ کفار کے اموال و اولاد کام نہ آئیں گے۔ چونکہ بعض کفار اپنے زعم میں نیکیوں میں بھی خرچ کیا کرتے تھے خواہ وہ نیکی سب کے نزدیک بالاتفاق ہو جیسے مسکین کو کھانا کھلانا یا اس میں اختلاف ہو جیسے اپنے مذہب کی تائید کرنا۔ اور بظاہر خرچ کرنے کے بعض مواقع کے بارے میں قبولیت کا گمان ہو سکتا تھا اس لئے عام کے الفاظ کے ساتھ اس گمان کو قطع کرتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی خرچ و انفاق اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل اعتبار نہیں خواہ کسی طرح ہو اور وجہ یہ ہے کہ اگر خرچ کا موقع نیکی نہیں ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر واقع میں نیکی ہے تو اس کے لئے ایمان شرط ہے اور وہ مفقود ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: مثال اسکی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو ایک قوم کی کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر ہوا نے اس کھیتی کو تباہ کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

تفسیر: (وہ) کفار (جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں اس کی حالت) برباد و ضائع ہونے میں (اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی) یعنی پالا (ہو) اور (وہ لگ جائے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے) بددینی سے (اپنا نقصان کر رکھا ہو پس وہ) ہوا (اس) کھیتی (کو برباد کر ڈالے)۔ اسی طرح ان لوگوں کا خرچ کرنا آخرت میں سب ضائع ہے (اور) اس ضائع کرنے میں (اللہ تعالیٰ نے ان پر) کوئی (ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود) کفر کے ارتکاب سے جو کہ مانع قبول ہے (اپنے آپ پر ظلم کررہے تھے) اور خود کو ضرر کفر پہنچارہے تھے کیونکہ نہ وہ کفر کرتے نہ ان کے سب نفقات ضائع ہوتے۔

فائدہ: 1۔ اولاد کا نافع نہ ہونا (دوبارہ) بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں انفاق کی طرح کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اولاد بھی کافر ہے تو وہ تو خود ہلاک و برباد ہے اور اگر وہ مومن ہے تو اور زیادہ ان کے دشمن ہوں گے اور یہ دونوں باتیں بہت واضح ہیں۔

2: انفاق کا ضیاع محض کافر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ دنیا میں ضائع ہوا اور ہاتھ سے گیا اور آخرت میں کچھ بدلا بھی نہ ملے گا بخلاف مسلمان کے کہ اس کا دنیا میں جو کسی قسم کا نقصان ہوتا ہے اس کو اس کے عوض ثواب اور گناہوں کی معافی عطا ہوتی ہے جیسا کہ حدیثوں میں تصریح ہے۔

ربط: اوپر اہل کتاب خصوصاً یہود کی مختلف قباحتیں ذکر ہوئیں اور ان پر مذمت ہوئی آگے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہیں کہ یہ جب ایسے ہیں تو ان سے دوستی یا دوستانہ برتاؤ مت رکھو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا
بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ
بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ
وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا
آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ
مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن

تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا‌ؕ

وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡــًٔا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا۔ وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔ وہ پسند کرتے ہیں تمہارے ضرر کو۔ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کے مونہوں سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے دلوں میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ ہم نے بتادیں تم کو علامتیں اگر تم عقل کرتے ہو۔ ہاں تم ہو کہ دوستی رکھتے ہو ان سے اور وہ تمہارے ساتھ دوستی نہیں رکھتے حالانکہ تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے۔ تو کہہ مر جاؤ تم اپنے غصہ میں بے شک اللہ خوب جاننے والے ہیں دلوں کی باتیں۔ اگر پیش آئے تم کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور (گناہوں سے) بچتے رہو تو کچھ نہ بگاڑے گا تمہارا ان کا مکر بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب کو اللہ گھیرے ہوئے ہیں۔

تفسیر: (اے ایمان والو اپنے) لوگوں کے (سوا) اور مذہب والوں میں سے (کسی کو) محبت کے برتاؤ میں (راز دار دوست مت بناؤ) کیونکہ (وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے) اور دل سے بھی (تمہاری) دنیوی و دینی مضرت کی (تمنا رکھتے ہیں) ان کے دلوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بغض بھرا ہے کہ (واقعی) وہ (بغض) بعض اوقات (ان کے منہ سے) بے اختیار بات چیت میں (ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت زیادہ ہے) چنانچہ (ہم) ان کی عداوت کی (علامات) اور قرائن (تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو) تو ان یقینی علامات سے دیکھ لو۔ (ہاں) سمجھو (تم ہو کہ ان لوگوں سے محبت) کا برتاؤ (رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے) نہ دل سے نہ برتاؤ سے (حالانکہ تم تمام) آسمانی (کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) اس میں ان کی کتابیں بھی شامل ہیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ مگر وہ تو باوجود تمہارے اس ایمان کے کبھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے اس عدم ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو (اور) چونکہ عام طور سے منافق بھی انہیں میں سے تھے اس لئے فرمایا کہ تم ان کے ظاہری دعویٰ ایمان سے شبہ مت کرنا

کہ وہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ (یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں) صرف تمہیں دکھانے کو منافقانہ طور پر (کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب) تم سے (الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ) و غضب (کے) یہ کنایہ ہے شدت غضب سے (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ تم مر جاؤ اپنے غصہ میں) مراد یہ کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہو گی (بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو) اس لئے ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے جو رنج و غبار اور عداوت بھری ہے سب بتادی اور ان کا یہ حال ہے کہ (اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے) مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو یا غیروں پر غلبہ ہو جائے (تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے) جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے (اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے) بڑے (خوش ہوتے ہیں) جس سے ان کی شماتت ثابت ہے، سو ان کے جب یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جائے۔ ان کے مذکورہ حالات سننے کے بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا بعید نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرمایا (اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی) دنیا میں تو ان کو یہ ناکامی نصیب ہو گی اور آخرت میں دوزخ کی سزا ہو گی کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر) علمی (احاطہ رکھتے ہیں) کوئی عمل ان سے مخفی نہیں اس لئے وہاں سزا سے بچنے کے لئے کسی حیلہ حوالے کی گنجائش نہیں۔

فائدہ: 1- یہاں پر غیر مذہب والوں کو جو بھیدی اور راز دار دوست بنانے سے منع کیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص انتظامی امور یعنی کلیدی عہدے کافروں کو نہ دیئے جائیں۔

2- آخر میں جو یہ فرمایا کہ ان کی تدبیر سے کچھ ضرر نہ ہو گا تو اس کو صبر و تقویٰ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ لہٰذا اگر کہیں مخالف کو غلبہ ہو گیا تو اکثر اوقات اس کی وجہ صبر و تقویٰ کی کمی ہوتی ہے۔ البتہ کبھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آزمائش و امتحان کی غرض سے بھی مخالف کو غلبہ عطا فرما دیتے ہیں جس میں مسلمانوں کے لئے بہت سے دینی و دنیوی فوائد ہوتے ہیں مثلاً ثواب اور تہذیب اخلاق۔ نیز رضا و توکل میں ترقی بھی ایک فائدہ ہے جس سے دل تشویش زدہ نہیں ہوتے بلکہ مضبوط اور جمے رہتے ہیں۔

ربط: یہاں تک زبانی مناظرہ کا مضمون تھا آگے ہتھیار کے ساتھ لڑائی کا مضمون ذکر ہے جس کے ضمن میں تین قصوں کی طرف اشارہ ہے یعنی غزوہ احد، غزوہ بدر اور غزوہ حمراء الاسد۔

اگلے مضمون کی ایک خاص مناسبت گذشتہ مضمون سے یہ بھی ہے کہ اوپر فرمایا اگر تم صبر واستقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو کافر لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ آگے کا مضمون اس کی دلیل کے طور پر لائے کہ تم کفار کے ساتھ اپنی لڑائی کے قصوں کو یاد کر لو جہاں صبر و تقویٰ پورا پورا کیا جیسے بدر وہاں کفار کی تدبیر سے کچھ ضرر نہ پہنچا اور تم غالب رہے اور جہاں اس میں کچھ کمی آگئی وہاں ضرر ہو گیا جیسے احد میں مغلوب ہو گئے پھر حمراء الاسد میں باوجودیکہ واقعہ احد سے تازہ زخم خوردہ تھے لیکن استقلال و تقویٰ سے کام لیا پھر کامیاب ہوئے۔اس سے اوپر کے مضمون کی پوری تائید ہو گئی۔

قصہ غزوہ احد: 17 رمضان 2 ہجری بروز جمعہ جب غزوہ بدر میں جو کہ پہلا جہاد ہوا ہے کفار قریش کو شکست ہوئی تو وہ نصف شوال 3 ھجری میں بدلہ لینے کی غرض سے مدینہ پر چڑھ آئے۔ تین ہزار آدمیوں کا لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار آدمیوں کو لے کر میدان میں مقابلہ کے لئے تشریف لائے۔ میدان میں پہنچنے کے بعد عبد اللہ بن ابی منافق جو دبا دبایا ساتھ ہو لیا تھا اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر میدان سے واپس ہو گیا۔ اگرچہ کچھ منافقین مسلمانوں کے ساتھ رہے یا تو اس وجہ سے کہ ان کو علیحدہ ہونے کا اتفاقاً موقع نہ ملا ہو یا جان بوجھ کر اس مصلحت سے رہے ہوں کہ مسلمانوں کو موقع بموقع اپنی مرضی کے مشورے دیں یا مسلمانوں کے راز اپنی جماعت کو پہنچائیں۔ بعض صحابہ نے عبد اللہ بن ابی کو سمجھایا بھی مگر وہ کہنے لگا کہ اگر طریقہ سے لڑائی کی بات ہوتی تو ہم شریک ہوتے بے فائدہ کون اپنی جان دے۔ بنی سلمہ اور بنی حارثہ انصار کے دو قبیلے تھے منافقین کو واپس ہوتے دیکھ کر ان کی ہمت میں بھی کچھ سستی پیدا ہونے لگی اور واپسی کا وسوسہ آنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اس وسوسہ کو دفع کیا۔ غرض سات سو آدمی رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کی موقع سے میدان میں احد پہاڑ کے قریب صف بندی کی اور عبد اللہ بن جبیر صحابی کو پچاس تیر اندازوں پر افسر بنا کے ایک مورچہ پر لشکر کے پشت کی طرف مقرر فرمایا کہ اس مورچہ کی حفاظت رکھو تاکہ دشمن ہماری پشت کی طرف سے نہ آئے اور یہیں سے تیر اندازی کرتے رہو۔ چنانچہ بڑے طریقے سے لڑائی شروع ہوئی اور مسلمان غالب آگئے۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر کے ساتھی یہ سمجھ کر کہ یہاں ٹھہرنے کا حکم دشمن سے خطرے کی وجہ سے تھا اب ہمارے ساتھی غالب آگئے ہیں اب کیا اندیشہ رہا اس لئے وہ حکم ختم ہو گیا اور سوائے بارہ آدمیوں کے سب اس جگہ سے جدا ہو کر کفار کے تعاقب میں چلے اور مال غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ کفار نے موقع پا کر مورچہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اب آگے بھی کفار اور پیچھے بھی کفار اور اسی حالت میں حضور کا دندان

مبارک یعنی اس کا ایک ریزہ شہید ہو گیا۔ اور کسی کافر نے اس میں پکار دیا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے۔ ان ناگہانی حوادث اور پریشانیوں سے مسلمان سراسیمہ ہو گئے اور سوائے ایک جماعت کے سب کے پاؤں اکھڑ گئے جو کہ ایسے حالات میں مستبعد نہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے جمانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا ہے جانتا ہے۔ جب قصد کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب کہ آپ صبح کے وقت) لڑائی کی تاریخ سے پہلے (اپنے گھر سے) اس غرض سے (نکلے) کہ (مسلمانوں کو) کفار سے (جنگ کرنے کے لئے مناسب مقامات پر جمانے کے لئے آمادہ کر رہے تھے) پھر اسی تجویز کے مطابق سب کو ان مقامات پر جما دیا (اور اللہ تعالیٰ) اس وقت کی باتیں (سب سن رہے تھے) اور اس وقت کے حالات (سب جان رہے تھے) اسی کے ساتھ یہ قصہ بھی ہوا (جب تم) مسلمانوں (میں سے دو جماعتوں نے) کہ وہ بنی سلمہ اور بنی حارثہ ہیں (دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں) اور ہم بھی عبداللہ ابن ابی منافق کی طرح اپنے گھر جا بیٹھیں (اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا) بھلا ان کو کب ہمت ہارنے دیتا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس خیال پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا) اور) ہم آئندہ کے لئے ان جماعتوں اور سب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو (پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے) اور ایسی کم ہمتی کبھی نہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: صحابہ پر خدا تعالیٰ کی کیسی عنایت ہے کہ بیان جرم کے ساتھ ان کو بشارت ولایت بھی سنادی جس سے معافی کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ کا یہ قول منقول ہے کہ اظہار عتاب کے باوجود ہمیں یہ تمنا نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ عتاب کے ساتھ عنایت کا کلمہ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا بھی تو ہے۔

ربط: آگے جنگ بدر کی نصرت کا صبر و تقوی کی بدولت ہونا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲۳

ترجمہ: اور مدد کر چکا ہے تمہاری اللہ بدر کی لڑائی میں حالانکہ تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم شکر گزار رہو۔

تفسیر: (اور یہ بات ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے) غزوہ (بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم) محض (بے سروسامان تھے) کیونکہ لشکر بھی کفار کے مقابلہ میں کم تھا۔ وہ ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بھی بہت کم تھے (سو) چونکہ یہ امداد تقوی کی بدولت تھی، جس میں استقلال و صبر بھی داخل ہے تو تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو) اسی کا نام تقویٰ ہے (تاکہ تم) اس نعمت نصرت کے (شکر گزار رہو) کیونکہ شکر گزاری صرف زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پورا شکر تو یہ ہے کہ زبان اور قلب بھی مشغول ہو اور اطاعت کی بھی پابندی ہو خاص طور سے جب کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں طاعت کو دخل بھی ہے۔

ربط: آگے اس نصرت کی کچھ تفصیل ذکر ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝۱۲۴
بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝۱۲۵

ترجمہ: جب تو کہہ رہا تھا مسلمانوں کو کیا کافی نہیں تم کو کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا تین ہزار فرشتوں کے ساتھ (آسمان سے) اتارے ہوئے۔ کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور تقوے پر رہو اور وہ چڑھ آئیں تم پر اسی دم تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نشان لگائے ہوئے۔

تفسیر: غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی یہ امداد اس وقت ہوئی تھی (جب کہ آپ) اے محمد ﷺ مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھی (کہ کیا تم کو) تقویت قلب کے لئے (یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ) جو اسی کام کے لئے آسمان سے (اتارے جائیں گے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجے کے فرشتے ہوں گے ورنہ جو فرشتے پہلے سے زمین پر موجود تھے ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا۔ پھر اوپر کے سوال کا خود جواب اس طرح ارشاد فرمایا (ہاں! کیوں نہیں) کافی ہوگا، اس کے بعد اس امداد میں مزید زیادتی کا وعدہ اس طرح فرمایا کہ مقابلہ کے وقت (اگر مستقل رہو گے اور تقوے پر قائم رہو گے) یعنی کوئی امر خلاف اطاعت نہ کرو گے (اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں گے) جس میں عادۃً کسی مخلوق سے مدد پہنچنا مشکل ہوتا ہے (تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو) علامت کے طور پر (ایک خاص وضع بنائے ہوں گے) جیسے عام جنگوں میں اپنی اپنی فوج کی پہچان کے لئے کوئی خاص وردی ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ فرشتے خاص اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے۔ اس خبر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ جو شخص کسی خاص کام کے لئے آتا ہے اس کام کی اس سے زیادہ امید ہوتی ہے تو اس مکرر در مکرر وعدہ سے اور زیادہ دلوں کی تقویت کا فائدہ حاصل ہوا۔

فائدہ : 1۔ یہ تین وعدے تھے اول ایک ہزار کا دوسرا تین ہزار کا تیسرا پانچ ہزار کا۔ پہلے وعدے کے سبب کی تصریح سورہ انفال کی آیت 9 میں ہے کہ وہ استغاثہ اور دعا ہے۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُرْدِفِیْنَ۔ دوسرے کا سبب مشرکین کیلئے امداد آنے کی خبر سن کر پریشان ہونا ہے اور تیسرے وعدہ کا سبب خود اس آیت میں مذکور ہے یعنی لڑائی کے وقت صبر و تقوی۔

2۔ جنگ بدر میں ملائکہ کی وضع سفید عمامے تھے جن کا شملہ کمر پر پڑا تھا اور جنگ حنین میں سرخ عمامے تھے۔

3۔ احد کے قصہ میں جنگ بدر کی نصرت کا قصہ یاد دلانے میں اشارہ ہے کہ جنگ احد میں عدم نصرت تقویٰ میں خلل کے سبب سے ہوئی۔

فرشتوں کے ذریعے امداد کی حکمت

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور نہیں کیا امداد کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے۔ اور نہیں ہے مدد مگر منجانب اللہ زبردست حکمت والے کے تاکہ ہلاک

کرے ایک گروہ کو کافروں میں سے یا ان کو ذلیل کرے تو پھر جائیں ناکام ہو کر۔

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد) مذکور جو فرشتوں سے ہوئی (محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے) غلبہ اور فتح کی (بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اس سے قرار آئے اور نصرت) و غلبہ (تو صرف اللہ کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں) کہ ویسے بھی غالب کر سکتے ہیں لیکن (حکیم) بھی (ہیں) تو جب حکمت کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ اسباب کے ذریعہ غلبہ دیا جائے تو ویسے ہی اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، یہ تو امداد بالملائکہ کی حکمت تھی۔ آگے اس بات کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ فتح و غلبہ تمہیں کیوں عطا کیا گیا، اس کے لئے ارشاد فرمایا (تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کردے) چنانچہ کافروں کے ستر سردار رئیس مارے گئے (یا ان) میں سے بعض (کو ذلیل و خوار کردے پھر وہ ناکام لوٹ جائیں) یعنی ان میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو جائے اور اگر دونوں ہو جائیں تو اور بھی بہتر ہے، چنانچہ دونوں باتیں ہوئی کہ ستر سردار مارے گئے، ستر قید ہو کر ذلیل ہوئے، باقی ذلیل و خوار ہو کر بھاگ گئے۔

فائدہ: 1۔ یہاں امداد کی حکمت نہایت تصریح کے ساتھ بیان فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ ان فرشتوں کے نزول سے اصلی مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو خوشخبری حاصل ہو اور ان کے دلوں کو سکون ہو۔ رہا یہ کہ سکون کا طریقہ کیا تھا تو وہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے روحانی تصرف سے اہل ایمان کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور اگرچہ ان کا اصلی کام خود لڑائی کرنا نہ تھا لیکن مزید تقویت کے لئے فرشتوں کے لڑنے اور کافروں کو قتل کرنے کے چند ایک واقعات بھی پیش آئے۔

2۔ اوپر بیان تھا امداد کے سبب کا کہ وہ تقویٰ ہے اور یہاں بیان ہوا امداد کی حکمت کا کہ وہ خوشخبری ہے۔

ربط: اگلی آیات میں پھر جنگ احد کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ اس جنگ میں آپ کا ایک دندان مبارک شہید ہوا اور چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی قوم کو کیسے فلاح ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف لا رہا ہے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ
فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ: تیرے لئے اختیار کچھ نہیں خدا تعالیٰ یا تو ان پر توجہ کرے (کہ توبہ قبول کرے) یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ کو) کسی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے کے متعلق خود (کوئی دخل نہیں) خواہ علم کا دخل ہو یا قدرت کا بلکہ یہ سب خدا تعالیٰ کے علم اور قبضہ میں ہے آپ کو صبر کرنا چاہئے (یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو) رحمت سے (متوجہ ہو جائیں) یعنی ان کو اسلام کی توفیق دیدیں، تو اس وقت صبر فرحؔ اور سرور سے بدل جائے گا (اور یا ان کو دنیا) ہی میں (کوئی سزا دیں) تو اس وقت صبر تسکین قلبی میں بدل جائے گا اور سزائے دنیا کچھ بیجا بھی نہیں (کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں) مراد اس سے کفر و شرک ہے، جیسا کہ فرمایا **ان الشرك لظلم عظيم** آگے اس مضمون کی تاکید ہے (اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے وہ جس کو چاہیں بخش دیں) یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے (اور جس کو چاہیں عذاب دیں) یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب دائمی ہو (اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے) اور (بڑی رحمت کرنے والے ہیں) تو بخشنے کا تو ذرا بھی تعجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ان کے غضب پر سبقت کئے ہوئے ہی ہے اس لئے صرف عذاب دینے کی وجہ اوپر بیان فرمائی کہ **فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ**

فائدہ: 1۔ یہاں صبر کی انتہا کافروں کی دو چیزوں کو فرمایا۔ ان کا مسلمان ہو جانا یا کسی ہلاکت و وبال میں مبتلا ہو جانا کیونکہ دونوں حالتوں میں پھر صبر کی ضرورت نہیں رہتی وجہ یہ ہے کہ صبر ناگوار حالت پر کیا جاتا ہے جب کہ یہ دونوں حالتیں طبیعت کے موافق ہیں۔

2۔ یہ جو فرمایا کہ آپ کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر علم نہیں ہے اس لئے انکے مسلمان ہونے کا احتمال باقی رہا پھر بددعا کیسے مناسب ہو سکتی ہے چنانچہ بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

ربط: اوپر لکھا گیا ہے کہ جنگ احد میں عدم نصرت کا سبب تقویٰ میں خلل تھا ایک جنگ سے پہلے اور ایک جنگ کے دوران۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض اوقات سابقہ خطائیں سبب بن جاتی ہیں آگے اور خطاؤں کے صادر ہونے کا اور بعض طاعات کے ارتکاب میں خلل کا اس لئے آگے تقویٰ کی تائید اور اس کی

بعض اہم فروع کی تصریح اور بعض بڑے گناہوں مثلاً سود سے اجتناب کا حکم فرماتے ہیں تاکہ شرعی حدود کے پابند رہیں اور آئندہ پھر کسی موقع پر نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت کھاؤ سود کئی حصے زائد اور ڈرو اللہ سے امید ہے کہ تم کامیاب ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو سود مت کھاؤ) یعنی مت لو اصل سے (کئی حصے زائد) کر کے (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو) یعنی جنت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات ہو (اور اس آگ سے بچو جو) دراصل (کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے) اور آگ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سود وغیرہ حرام کاموں سے بچو۔ (اور خوشی سے کہنا مانو اللہ کا اور) اس کے (رسول ﷺ کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے) یعنی قیامت میں۔

فائدہ: 1۔ یہ جو فرمایا کہ اصل سے کئی حصے زائد کر کے تو یہ سود کے حرام ہونے کی قید نہیں ہے کیونکہ سود قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے بلکہ اس زمانہ کا دستور اسی طرح تھا چنانچہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ آئندہ کے کسی معین وقت پر قیمت کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ جب وہ معین وقت آجاتا اور قیمت کی ادائیگی نہ ہوتی تو دام بڑھا کر اور مہلت دے دیا کرتے اور غرض اس طرح بار بار کرتے۔ اس لئے اس آیت میں اسی کا بیان کر دیا اور دوسری جگہ مطلقاً بلا کسی قید کے حرام کہا۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا. میں

2۔ کہا "آگ جو دراصل کافروں کے واسطے" تو دراصل اس لئے کہا کہ اگرچہ گناہوں کی وجہ سے بعض مسلمان بھی جائیں گے لیکن وہ ان کا اصل مسکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سزا کے بعد آخر کار ایمان کی برکت سے نکل آئیں گے۔

ربط: آگے بھی سابقہ مضمون کا تتمہ ہے جس میں تقویٰ کے مختلف شعبوں کو حاصل کرنے کی

ترغیب ہے اور اس کی جزا مغفرت اور جنت کا وعدہ ہے پس اوپر دوزخ سے بچنے کو فرمایا تھا یہاں جنت لینے کو فرماتے ہیں۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ
عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۣ وقف
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا وَ
هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور دوڑو طرف بخشش کے جو تمہارے رب کی طرف سے اور طرف جنت کے جس کا عرض ہے سب آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے واسطے ڈرنے والوں کے جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور دبائے جاتے ہیں غصہ کو اور درگذر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ محبت کرتا ہے ایسے نیکی کرنے والوں سے۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھتے ہیں کچھ زیادتی یا ظلم کرتے ہیں اپنی ذات پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو اور بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے کہ بخشے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور اصرار نہیں کرتے اپنے کئے پر (اور) وہ جانتے ہیں۔ انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی طرف سے اور باغات بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان باغوں میں اور کیا اچھی مزدوری ہے ان کام کرنے والوں کی۔

تفسیر: (اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے) نصیب (ہو اور) دوڑو (طرف جنت کے) مطلب یہ ہے کہ ایسے نیک کام اختیار کرو جس سے پروردگار تمہاری مغفرت کردیں اور تم کو جنت عنایت ہو اور وہ جنت ایسی ہے (جس کی وسعت ایسی) تو (ہے) ہی (جیسے سب آسمان اور زمین)

اور زیادہ کی نفی نہیں چنانچہ واقع میں زائد ہونا ثابت ہے اور (وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے) یعنی مسلمانوں کے لئے جن میں ایک تو اعلیٰ درجہ کے مسلمان (ایسے لوگ) ہیں (جو کہ) نیک کاموں میں (خرچ کرتے ہیں) ہر حال میں (فراغت میں) بھی (اور تنگی میں) بھی (اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں) کی کوتاہیوں (سے درگذر کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو) جن میں یہ خصلتیں ہوں بوجہ اکمل (محبوب رکھتا ہے اور) ایک ان مذکورین کے اعتبار سے، دوسرے درجہ کے مسلمان (ایسے لوگ) ہیں (کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں) دوسروں پر (زیادتی ہویا) کوئی گناہ کر کے خاص (اپنی ذات کا نقصان کرتے ہیں تو) فوراً (اللہ تعالیٰ) کی عظمت اور عذاب (کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں) اس طریقہ سے جو معافی کے لئے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادتی کی ہو تو ان سے بھی معاف کرائے اور خاص اپنی ذات کے متعلق گناہ ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق چھوڑے ہوں مثلاً نماز روزہ وغیرہ تو ان کی قضا کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا تو دونوں صورتوں میں ہے (اور واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو)۔ حقداروں کا معاف کرنا اپنی جگہ پر لیکن وہ لوگ اس کا اختیار تو نہیں رکھتے کے عذاب سے بھی بچالیں جب کہ حقیقی بخشش تو اسی کا نام ہے۔ (اور وہ لوگ اپنے فعل) بد (پر اصرار) اور ہٹ (نہیں کرتے اور وہ) ان باتوں کو (جانتے بھی ہیں) فلاں کام ہم نے گناہ کا کیا اور یہ کہ توبہ ضروری ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ غفار ہے، مطلب یہ کہ اعمال کی بھی درستی کر لیتے ہیں اور عقائد بھی درست رکھتے ہیں (ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور) بہشت کے (ایسے باغ ہیں ہیں کہ ان کے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے) اور اسی مغفرت اور جنت کی تحصیل کا شروع آیتوں میں حکم تھا، بیچ میں اس کا طریقہ بتایا، ختم پر اس کا وعدہ فرمایا (اور) یہ (اچھا حق الخدمت ہے، ان کام کرنے والوں کا) وہ کام استغفار اور حسن اعتقاد ہے اور استغفار کا نتیجہ آئندہ اطاعت کی پابندی ہے جس پر عدم اصرار دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: 1۔ ان آیتوں میں دو درجوں کے مسلمانوں کا بیان ہے ایک اعلیٰ درجہ کے دوسرے ان سے کم۔ لیکن متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں میں سب ہی آگئے کیونکہ توبہ بھی خدا کے ڈر ہی سے ہوتی ہے۔

2۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (یعنی اللہ نیکی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) کی تفسیر میں بوجہ

اکمل کی قید لگائی ہے کیونکہ نفس محبوبیت تو سب اہل اسلام کو حاصل ہے البتہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے اکمل یعنی بہت زیادہ کمال درجے کی محبوبیت خاص ہے۔

ربط: آگے پھر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ انجام کار کفار ہی ناکام ہوتے ہیں تواگرچہ اس وقت تم اپنی کوتاہی سے مغلوب ہوگئے لیکن اگر اپنے ایمان کے تقاضوں یعنی تقویٰ اور استقامت پر قائم رہے تو آخر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٣٧ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝١٣٨ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩

ترجمہ: یقیناً گذر چکے ہیں تم سے پہلے طریقے سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔ ہمت نہ ہارو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: یقیناً (تم سے قبل) زمانوں میں (مختلف طریقے) والے لوگ (گذر چکے ہیں) ان میں مسلمان بھی تھے اور کفار بھی، اور ان میں اختلاف اور مقابلہ و قتال بھی ہوا، لیکن انجام کار کفار ہی ہلاک ہوئے، چنانچہ اگر تم آثار کا مشاہدہ کرنا چاہو (تو تم روئے زمین پر چلو پھرو، اور دیکھ لو کہ اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا) یعنی کفار کا (کیسا ہوا) یعنی وہ ہلاک و برباد ہوئے، چنانچہ ان کی ہلاکت کے آثار اس وقت تک بھی باقی تھے، جس کو دوسری آیت میں فرمایا ہے فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً الخ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ الخ (یہ) مضمون (کافی بیان ہے تمام لوگوں کے لئے) کہ اگر اس میں غور کریں تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں (اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے) یعنی ہدایت اور نصیحت بھی یہی لوگ حاصل کرتے ہیں، ہدایت یہ ہے کہ حق و باطل کو سمجھیں اور نصیحت یہ ہے کہ اس کے موافق عمل کریں (اور تم) اگر اس وقت مغلوب ہو گئے تو کیا ہوا (ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور) آخر کو (تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے) یعنی ایمان کے تقاضوں پر ثابت رہے۔

ربط: آگے دوسرے طور پر تسلی دی جا رہی ہے۔

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: اگر پہنچے تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں کے درمیان اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جو ایمان لائے اور بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ محبت نہیں کرتے ظلم کرنے والوں سے۔ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو۔

تفسیر: (اگر تم کو زخم) صدمہ (پہنچ جائے)، جیسا احد میں ہوا (تو) کوئی گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ اس میں چند حکمتیں ہیں، ایک تو یہ کہ (اس قوم کو بھی) جو کہ تمہارے مقابل تھی یعنی کفار (ایسے ہی زخم) صدمہ (پہنچ چکا ہے)، چنانچہ گذشتہ سال بدر میں وہ صدمہ اٹھا چکے ہیں (اور) ہمارا معمول ہے کہ (ان ایام کو) یعنی غالب و مغلوب ہونے کے حوادث کے زمانہ کو (لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں) یعنی کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا، کبھی اس کا عکس کر دیا، سو اسی معمول کے مطابق پچھلے سال وہ مغلوب ہوئے تھے، اب کے تم ہو گئے، ایک حکمت تو یہ ہوئی (اور) دوسری حکمت یہ ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو) ظاہری طور پر (جان لیں) کیوں کہ مصیبت کے وقت مخلص اور نیک کا امتحان ہو جاتا ہے (اور) تیسری حکمت یہ ہے کہ (کہ تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا)۔ بقیہ حکمتیں آگے آتی ہیں درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ ظلم) یعنی کفر و شرک (کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے) لہٰذا اس کا خیال نہ کیا جائے کہ شاید ان کو محبوب ہونے کی وجہ سے غالب فرما دیا ہو ہرگز نہیں (اور) چوتھی حکمت یہ ہے (تاکہ) گناہوں کے (میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو) کیونکہ مصیبت سے اخلاق و اعمال میں صفائی آجاتی ہے (اور) پانچویں حکمت یہ ہے کہ (مٹادے کافروں کو) یہ دو طور پر ہے ایک یہ کہ غالب آجانے سے ان کی ہمت بڑھے گی تو پھر دوبارہ مقابلہ میں آئیں گے اور

ہلاک ہوں گے دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوں گے۔

فائدہ: اول حکمت جو یہ بتائی کہ غالب و مغلوب ہونے کے حوادث کے زمانہ کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تو اس ادل بدل میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جہان میں مکلف کا ابتلاء و آزمائش باقی رہے اور اگر ہمیشہ مسلمان ہی غالب رہتے تو ایمان لانا کچھ بھی کمال نہ ہوتا اور بصیرت پر مبنی نہ ہوتا اور اگر مسلمان ہی ہمیشہ مغلوب رہے تو کمزور مسلمان سخت فتنہ میں پڑ جاتے۔

ربط: گذشتہ مصائب پر تسلی دینے کے بعد آئندہ آنے والی مشقتوں پر مسلمانوں کے دلوں کو بڑھاتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: کیا تم نے خیال کیا ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے ان کو جو لڑے تم میں سے اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو۔

تفسیر: (ہاں) اور سنو (کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں) خصوصیت کے ساتھ (جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے) ظاہری طور پر (ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے) خوب (جہاد کیا ہو اور جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں)

فائدہ: 1۔ خصوصیت کے ساتھ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول وہلہ ہی میں چلا جائے۔ اور اونچے درجات پر بھی پہنچ جائے تو ایسا مشقت کے بغیر نہیں ہوتا۔ باقی نفس داخلہ تو بعض مومنین کے لئے محض فضل و کرم سے بھی ہو سکتا ہے جیسا يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ (اللہ بخش دیں گے جس کو چاہیں) میں ذکر ہے۔

2۔ تفسیر میں جہاد کے ساتھ خوب کی قید اس لئے لگائی ہے کہ تھوڑا بہت جہاد تو ہوا ہی تھا اور ناتمام ثبات بھی تھا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی تم سے زیادہ جہاد اور ثابت قدمی واقع نہیں ہوئی جبکہ خصوصیت کے ساتھ جنت میں جانا اس پر موقوف ہے لہذا آئندہ اس کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

ربط: اوپر نصیحت تھی آگے ایک گونہ ملامت ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ غزوہ احد میں مسلمان لڑائی بگڑ جانے سے بدحواس اور منتشر ہو ہی رہے تھے کہ کسی دشمن کی اس پکار سے کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے

مسلمانوں کی اور بھی کمر ٹوٹ گئی۔ کسی نے تو یہ تجویز کیا کہ اب کفار سے امن لے لینا چاہئے۔ بعض ہمت ہار کر بیٹھ رہے اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے حالانکہ اس سے پہلے جنگ بدر کے شہداء کے فضائل کو دیکھ کر بعض مسلمانوں نے تمنا کی تھی کہ کاش ہم کو بھی ایسا کوئی موقع پیش آئے کہ اس دولت شہادت سے مشرف ہوں۔ بعض منافق بولے کہ اگر محمد ﷺ نہیں رہے تو پھر اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔ بعض نے کہا اگر نبی ہوتے تو کیوں قتل ہوتے۔ بعض مسلمانوں نے یہ کہا کہ اگر آپ ہی نہ رہے تو ہم رہ کر کیا کریں گے جس پر آپ نے جان دی اس پر ہم کو بھی جان دے دینا چاہئے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو موجود ہیں۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿١٤٣﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٥﴾

ترجمہ: اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی تمہارے موت کے سامنے آنے سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو کھلی آنکھوں سے۔ اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر اور جو کوئی الٹا پھر جائے گا اپنی ایڑیوں پر تو ہر گز نقصان نہ کر سکے گا اللہ کا کچھ۔ اور جلد ثواب دے گا اللہ شکر گزاروں کو۔ اور نہیں ہے کسی کے لئے کہ وہ مر جائے مگر اللہ کے حکم سے اس طور سے کہ لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیں گے ہم اس کو دنیا سے اور جو کوئی چاہے گا

بدلہ آخرت کا اس میں سے دیں گے ہم اس کو اور جلد ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو۔

تفسیر: (اور تم تو) شہید ہو کر (مرنے کی) بڑی (تمنا کیا کرتے تھے اپنے موت کے سامنے آنے سے پہلے تو) تمنا کے مطابق (اس) کے اسباب (کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا) پھر اس کو دیکھ کر کیوں بھاگنے لگے اور وہ تمنا کہاں بھول گئے۔

(اور محمد) ﷺ (نرے رسول ہی تو ہیں) خدا تو نہیں جس پر قتل یا موت ممکن نہیں (آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں) اسی طرح آپؐ بھی ایک روز گذر ہی جائیں گے (سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپؐ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ) جہاد یا اسلام سے (الٹے پھر جاؤ گے) جیسا کہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ پڑے تھے اور منافقین ارتداد کی ترغیب دے رہے تھے (اور جو شخص) جہاد یا اسلام سے (الٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا) بلکہ اپنا ہی کچھ کھوئے گا (اور خدا تعالیٰ جلد ہی) نیک (عوض دے گا حق شناس لوگوں کو) جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں اور قیامت کے دن ملنا جلد ہی ملنا ہے، کیونکہ قیامت روزانہ قریب ہی ہو رہی ہے اور مرنے سے اتنا گھبرانا بھی فضول ہے، کیونکہ اول تو (کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں) خواہ طبعی یا قتل سے (خدا کے حکم کے بغیر)۔ پھر جب خدا کے حکم سے ہے تو اس پر راضی رہنا ضروری ہے، دوسرے یہ کہ جس کی موت آتی بھی ہے تو (اس طور سے کہ اس کی میعاد معین تو لکھی ہوئی ہے) جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، تو پھر ارمان اور حسرت محض بیکار ہے، وہ وقت پر تو ضرور ہو گی اور وقت سے پہلے ہرگز نہ ہو گی (اور) پھر یہ کہ اس کے ڈر سے بھاگنے کا نتیجہ آخر اس کے علاوہ کیا ہو گا کہ دنیا میں مزید چند روز زندہ رہیں، سو ایسی تدبیر کا اثر سن لو کہ (جو شخص) اپنے اعمال و تدابیر میں (دنیاوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ) اپنی مشیت کی شرط کے ساتھ (دیدیتے ہیں) اور آخرت میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں (اور جو شخص) اپنے اعمال و تدابیر میں (اخروی نتیجہ چاہتا ہے) مثلاً جہاد میں اس لئے ثابت قدم رہا کہ یہ آخرت کے ثواب کی تدبیر ہے (تو ہم اس کو آخرت کا) حصہ اپنا ذمہ کر کے (دیں گے اور بہت جلد) نیک (عوض دیں گے) ایسے (حق شناسوں کو) جو اپنے اعمال میں آخرت کی نعمت چاہیں۔

فائدہ: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت پر استدلال کرنا محض باطل ہے کیونکہ خَلَتْ کا مطلب ہے گذر جانا اور آسمان پر زندہ اٹھ جانا یہ بھی دنیا سے گذر جانا ہے۔

ربط: آگے بھی ملامت کا تتمہ ہے کہ سابقہ امتوں کے مخلص لوگوں کا حال یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ

دیکھو وہ کیسے مستقل رہے تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ
رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا
ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا
كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا
فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: اور بہت نبی ہو چکے ہیں لڑے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے پھر نہ ہمت ہاری انہوں نے اس وجہ سے جو تکلیف پہنچی ان کو اللہ کی راہ میں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ وہ دبے اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔ اور کچھ نہیں تھی ان کی بات مگر یہ کہ کہا اے رب ہمارے بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہ اور ہمارے حد سے نکل جانے کو اپنے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر۔ پھر دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور عمدہ ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

تفسیر: (اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والے) کفار کے مقابلہ میں (لڑے ہیں، نہ انہوں نے ہمت ہاری ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئے اور نہ ان) کے قلب یا بدن (کا زور گھٹا اور نہ وہ) دشمن کے سامنے (دبے) کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگیں (اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے) اور افعال میں تو ان سے کیا لغزش ہوتی (ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے آگے نکل جانے کو بخش دیجئے، اور ہم کو) کفار کے مقابلہ میں (ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر مدد دیجئے تو) اس استقلال اور دعاء کی برکت

سے (ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بدلہ بھی دیا) یعنی فتح و کامرانی (اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا) یعنی رضا اور جنت (اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو کاروں سے محبت ہے)

فائدہ: 1۔ اس میں تعلیم ہے کہ جب مصیبت آئے تو ظاہری تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرے اور اپنے گناہ بخشوائے اس لئے کہ اکثر مصیبت کا سبب گناہ ہوتا ہے۔

2۔ اگر یہ اشکال ہو کہ وہ لوگ تو اللہ والے تھے پھر ان کے گناہ کیا ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ تو انسان سے ہو ہی جاتا ہے اور ایسی اتفاقیہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے اللہ والے ہونے میں خلل نہیں پڑتا خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ فوراً معذرت کر لیتے ہیں۔

3۔ فتح کو ثابت قدمی اور دعا پر مرتب فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں بھی دراصل فتح کے اسباب میں شامل ہیں کسی اور وجہ سے فتح نہ ہونا ان کے سبب ہونے کے منافی نہیں۔

ربط: چونکہ احد میں لڑائی بگڑنے کے وقت بعض منافقین مسلمانوں سے کہنے لگے تھے کہ جب آپ ہی نہ رہے تو اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔ اس بات سے منافقین کی خباثت اور ان کا دشمن و بدخواہ ہونا ظاہر ہے اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کو منافقین کے مشورے کی اتباع سے منع کیا گیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے تمہاری ایڑیوں پر پھر تم پلٹ جاؤ گے ناکام ہو کر۔ بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر: اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو) کفر کی طرف (الٹا پھیر دیں گے) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا بدگمان کرنا ہے جس کو کبھی صراحتہ بھی کہہ دیتے ہیں اور کبھی صاف نہیں کہتے مگر ایسے انداز سے کہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تمہارے دل سے اسلام کی عظمت و محبت کم ہوتی چلی جائے (پھر تم) ہر طرح (ناکام ہو جاؤ گے) خلاصہ یہ کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں اگرچہ دوستی کا اظہار کریں (بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے) اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں، اسی کی مدد پر بھروسہ کریں، مخالفین اگر تمہاری نصرت و امداد کی کچھ تدبیریں بھی بتائیں تو اللہ و رسول ؐ کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو۔

ربط: اوپر یہ ذکر ہوا کہ دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ ہیں۔ آگے ایک واقعہ سے اس کو ثابت فرماتے ہیں۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ابھی ڈالے دیتے ہیں ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت اس وجہ سے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس چیز کو کہ اللہ نے نہیں اتاری اس کی کوئی سند اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا۔

تفسیر: (ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں رعب) یعنی ہیبت (کافروں کے دلوں میں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایک ایسی چیز کو ٹھہرایا جس) کے قابل شرکت ہونے (پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی) نہ لفظی اور نہ معنوی۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہر جاہل اپنی کوئی دلیل پیش کیا ہی کرتا ہے، مگر کوئی قابل اعتبار دلیل ان کے پاس نہیں (اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ظالموں کی)

فائدہ: اس آیت میں کفار پر رعب وہیبت طاری کرنے کا جو وعدہ ہے اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ اول تو اس کے باوجود کہ شکست مسلمانوں کو ہو رہی تھی مشرکین عرب بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ پھر جب کچھ راستہ طے کر چکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمان دم توڑ چکے تھے تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی اور پھر مدینہ کی طرف واپسی کا کچھ ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ کسی راہ چلتے گاؤں والے سے دیا کہ ہم تجھے اتنا مال دیں گے تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دو کہ مکہ والے پھر لوٹ کر آرہے ہیں، یہاں یہ سارا واقعہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب کے لئے مقام حمراء الاسد تک پہنچے، مگر وہ بھاگ چکے تھے، یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

ربط: آگے اس غزوہ میں مغلوب ہو جانے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الدُّنْیَا وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِیَبْتَلِیَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

عَنۡكُمۡ‌ۚ وَاللّٰهُ ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‏ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: اور یقیناً سچا کر چکا تم سے اللہ اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری کی اور باہم اختلاف کیا حکم میں اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ وہ دکھا چکا تم کو وہ چیز جو تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے کوئی چاہتا تھا دنیا اور تم میں سے کوئی چاہتا تھا آخرت۔ پھر ہٹا دیا تم کو ان پر سے تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً وہ تو درگذر کر چکا تم سے اور اللہ فضل والا ہے ایمان والوں پر۔

تفسیر: (اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ) نصرت کا (سچا کر دکھایا، جس وقت کہ تم) ابتدائے قتال میں (ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے) اور یہ تمہارا غلبہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا (یہاں تک کہ تم خود ہی رائے میں کمزور ہو گئے) اس طرح کہ جو تجویز رسول اللہ ﷺ نے عقب کے مورچہ پر پچاس سپاہی اور ایک افسر کو بٹھا کر فرمائی تھی اس میں بعض کو غلط فہمی ہو گئی کہ مسلمان فتح پا چکے ہیں اب یہاں بیٹھے رہنے کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے ہمیں بھی دشمن کے مقابلہ میں شریک ہو جانا چاہئے (اور باہم) رسول اللہ ﷺ کے (حکم میں اختلاف کرنے لگے) کہ بعض تو اسی جگہ جمے رہنے کی ہدایت پر قائم رہے، مگر بعض دوسروں نے دوسری تجویز پیش کر دی، انکار و ملامت اسی دوسری تجویز پر ہے کہ (اور تم) رسول اللہ ﷺ کے صریح (کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات) اللہ نے تمہاری آنکھوں سے (دکھادی تھی) یعنی مسلمانوں کا غلبہ دکھایا تھا اور اس وقت تمہاری یہ حالت تھی کہ (تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دنیا) کا لینا (چاہتے تھے) یعنی کفار کا تعاقب کر کے مال غنیمت جمع کرنا چاہتے تھے (اور بعض تم میں وہ تھے جو) صرف (آخرت کے طلب گار تھے) اب چونکہ بعض سے رائے کی کمزوری اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف دوسری تجویز پیش کرنا اور آپؐ کے کہنے پر نہ چلنا اور طلب دنیا جیسے بعض امور سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر لیا (اور پھر تم کو کفار) پر غالب آنے (سے ہٹا دیا)۔ اور باوجودیکہ یہ عارضی شکست تمہارے فعل کا نتیجہ تھی مگر پھر بھی منجانب اللہ یہ بطور سزا کے نہیں بلکہ اس مصلحت سے ہوئی (تاکہ خدا تعالیٰ) ایمان میں (تمہاری آزمائش کرے) چنانچہ اس وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مخلصین کی قدر بڑھ گئی (اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا) اب آخرت میں مواخذہ نہ ہو گا (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں) کے حال (پر)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ غزوہ احد میں بعض صحابہ کرام کی رائے کی غلطی ہوئی تھی جس پر سابقہ

متعدد آیات میں تنبیہ اور آئندہ کے لئے اصلاح حال کی ہدایت کا سلسلہ چلا آتا ہے، مگر اس عتاب اور تنبیہات کے اندر بھی صحابہ کرام کے ساتھ حق جل شانہ کی عنایات قابل دید ہیں، اول تو لِیَبْتَلِیَکُمْ فرما کر یہ ظاہر کردیا کہ عارضی شکست کی جو صورت پیش آئی یہ بطور سزا کے نہیں بلکہ آزمائش کے لئے ہے جس سے مقصود اخلاق کی تربیت تھی تاکہ ایسے مصائب کے عادی ہو کر استقلال و ثبات پیدا ہو اور خاص بندوں پر جو مصائب آتے ہیں ان میں یہی حکمتیں ہوتی ہیں۔ پھر صاف لفظوں میں خطا کی معافی کا اعلان فرمادیا لَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ

ربط: آگے بھی اس مغلوبیت کے قصہ کا تتمہ ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے پھر پہنچایا تم کو غم بسبب غم دینے کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر کہ جو کچھ تم کو پیش آجائے اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: وہ وقت یاد کرو (جب تم) بھاگتے ہوئے جنگل کو (چڑھے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول) ﷺ (تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے) کہ ادھر آؤ ادھر آؤ مگر تم نے سنا ہی نہیں (سو اللہ نے اس کے بدلے میں تم کو غم دیا بسبب) تمہارے (غم دینے کے) رسول اللہ ﷺ کو (تاکہ) اس پاداش اور مصیبت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے جس سے پھر (تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے، اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی) اس لئے تم جیسا کام کرتے ہو اس کے مناسب پاداش تجویز فرماتے ہیں۔

ربط: اوپر غم کا بیان تھا آگے اس کے ازالہ کا بیان ہے۔ ظاہری ازالہ اس سے ہوا کہ اونگھ کی وجہ سے بدن کو راحت حاصل ہوئی اور باطنی ازالہ اس طرح ہوا کہ معافی کی بشارت سے روحانی راحت حاصل ہوئی۔ اور اس کے ضمن میں منافقین کی بدحالی اور اس بدحالی کی وجہ سے ان راحتوں سے انکا محروم رہنا

مذکور ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً
نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ
هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ
يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ
لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ
بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ
وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: پھر اتارا اللہ نے تم پر بعد غم کے امن کو (یعنی) اونگھ کہ ڈھانک لیا اس (اونگھ) نے بعضوں کو تم میں سے اور بعض تھے کہ فکر میں ڈال رکھا تھا ان کو ان کی جانوں نے۔ خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلیت کے سے کہتے تھے کیا ہمارے ہاتھ کچھ بھی اختیار ہے۔ تو کہہ بے شک اختیار سارا اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ چھپاتے ہیں اپنے جی میں جو ظاہر نہیں کرتے تجھ سے، کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں ضرور باہر نکلتے وہ جن پر لکھ دیا گیا تھا مارا جانا اپنے قتل گاہوں کی طرف اور (یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا) تاکہ اللہ آزمائے جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ صاف کر دے اس کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو۔ بے شک جن لوگوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے جس دن مقابل ہوئیں دو فوجیں محض بہکا دیا ان کو شیطان نے بسبب ان

کے بعض اعمال کے اور یقیناً بخش چکا اللہ ان کو۔ اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین) اور راحت (بھیج دی یعنی اونگھ) جب کفار میدان سے واپس ہو گئے اس وقت غیب سے مسلمانوں پر اونگھ غالب ہوئی جس سے سب غم غلط ہو گیا (کہ تم میں سے ایک جماعت) یعنی (مسلمانوں پر تو نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی) یعنی منافقین کی (کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑ رہی تھی) کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جاتے ہیں یا نہیں (وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلاف واقع گمان کر رہے تھے جو جاہلیت کا سا خیال تھا) وہ خیال آگے ان کے قول سے اور اس کا جاہلیت کا سا ہونا ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، ان کا قول یہ تھا کہ (وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمارے رائے کسی نے نہ سنی جو جنگ سے پہلے ہم نے دی تھی خواہ مخواہ سب کو مصیبت میں پھنسا دیا (آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا) چلتا (ہے) مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا جب بھی قضاء الٰہی غالب رہتی اور جو افتاد آنے والی تھی آ کر رہتی، چنانچہ ان کے قول اور اس کے جواب کا مطلب آگے مفصل آتا ہے (وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے) صراحۃً ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ظاہر میں ان کے اس قول کا کہ ہمارا کیا اختیار ہے، یہ مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ تقدیر الٰہی کے سامنے بندہ کی تدبیر نہیں چلتی جو کہ عین ایمان کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جو لطیف جواب دیا گیا اس میں اس معنی کی تصدیق بھی ہے کہ واقعی اختیار تو اللہ ہی کا غالب ہے، لیکن ان کا مطلب اس قول سے یہ نہیں تھا، بلکہ وہ یہ بات اس معنی میں (کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا) یعنی ہماری رائے پر عمل ہوتا (تو ہم) میں جو لوگ یہاں قتل ہوئے وہ (یہاں مقتول نہ ہوتے) جس کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں جو کہ جاہلیت کی بات ہے اسی لئے آگے ان کے اس قول کی تکذیب اس طرح کی گئی کہ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف) آنے کے لئے (نکل پڑتے جہاں وہ) قتل ہو ہو کر (گرے ہیں) غرض یہ ہے کہ یہ ظاہری مضرت جس قدر ہوئی وہ تو ٹلنے والی نہ تھی (اور) اس کے فوائد و منافع بہت عظیم تھے کیونکہ (جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات) یعنی ایمان (کی آزمائش کرے) کیونکہ اس مصیبت کے وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور زیادہ موکد اور ثابت ہو گیا (اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات) یعنی اسی ایمان (کو) وساوس سے (صاف کر دے) کیونکہ مصیبت سے مومن کی توجہ غیر اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے جس سے ایمان کو جلاء اور قوت پہنچتی ہے (اور اللہ

تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں) ان کو تو آزمائش کی حاجت نہیں پھر بھی آزمائش اس لئے کرتے ہیں کہ عدالتی طریقہ سے مجرم کا جرم کھل کر سامنے آجائے اس وجہ سے ایسے حالات واقع کئے جاتے ہیں (یقیناً تم میں جن لوگوں نے) میدان جنگ سے (پشت پھیر دی تھی جس روز کہ وہ دونوں جماعتیں) مسلمانوں اور کفار کی (باہم مقابل ہوئیں) یعنی احد کے روز اس کی وجہ (اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دیدی ان کے بعض اعمال) گذشتہ (کے سبب سے) یعنی ان سے کچھ خطاء و قصور ایسے ہو گئے تھے جس سے شیطان کو ان سے اور بھی معصیت کرا دینے کی طمع ہو گئی اور اتفاق سے وہ طمع پوری بھی ہو گئی (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں) کہ خطا ہونے کے وقت بھی کوئی سزا نہیں دی۔

فائدہ: 1- اس واقعہ سے صحابہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تو اب دوسروں کو مواخذہ کرنے کا کیا حق رہا۔

2- بعض مَا كَسَبُوْا یعنی بعض اعمال سبب ہوئے فرار کا اور فرار سبب ہوا مصائب کا اور مصائب کے آنے میں وہ حکمتیں تھیں جن کا وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ میں ذکر ہوا۔

3- حلیم کی صفت لانے سے خیال ہو سکتا ہے کہ سزا نہ ہونی چاہئے تھی حالانکہ گرفت ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ گرفت اصلاح کی غرض سے ہوئی تھی محض سزا کے طور پر نہیں تھی۔

ربط: اوپر منافقین کا یہ قول نقل کیا تھا لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (اگر ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے) جس کا حاصل وہی ہے جس کو آگے اس عبارت سے نقل کیا ہے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا (اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے)۔ چونکہ ایسے اقوال کے سننے سے احتمال ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس قسم کے وسوسے پیدا ہونے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں مسلمانوں کو ایسے اقوال و احوال سے ممانعت فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا
قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ
لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت جب وہ سفر کرتے ہیں زمین میں یا (جہاد کیلئے) بنتے ہیں غازی اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (ان کی یہ بات اس وجہ سے ہے) تاکہ کردے اللہ اس بات کو موجب حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔ اور اگر تم مارے جاؤ اللہ کی راہ میں یا مر جاؤ تو ضرور بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو) حقیقت میں (کافر ہیں) گو ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں (اور کہتے ہیں اپنے) نسبی یعنی مسلمان اور مذہبی یعنی منافق (بھائیوں) کی (نسبت جب کہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں) اور وہاں اتفاقاً مر جاتے ہیں (یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں) اور اس میں تقدیر سے قتل ہو جاتے ہیں تو وہ منافق کہتے ہیں (کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے) سفر اور غزوہ میں نہ جاتے (تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے) یہ بات ان کے دل اور زبان پر اس لئے آتی ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب کے لئے موجب حسرت کر دیں) یعنی اس طرح کی باتوں کا نتیجہ حسرت کے سوا کچھ نہیں (اور مارتا جلاتا تو اللہ ہی ہے) خواہ سفر ہو یا حضر اور جنگ ہو یا امن (اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں) تو اگر تم بھی ایسی باتیں کرو یا ایسے خیالات میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گا (اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا کہ) اللہ کی راہ میں (مر جاؤ تو) یہ کوئی خسارہ نہیں نفع ہی نفع ہے کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت) دنیا کی (ان چیزوں سے) بدرجہا (بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں) اور اسی کے لالچ میں زندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور (اگر تم) ویسے بھی (مر گئے یا مارے گئے) تب بھی (یقیناً اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے) پس اول تو قضا ٹلتی نہیں، دوسرے اللہ کے پاس جانے سے کسی طرح بچ نہیں سکتے اور دین کی راہ میں مرنا یا مارے جانا تو موجب مغفرت و رحمت ہے تو پھر ویسے مرنے سے دین ہی کی راہ میں جان دینا بہتر ہے اس

لئے ایسے اقوال دنیا میں موجب حسرت اور آخرت میں موجب نار جہنم ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔

ربط: غزوہ احد میں بعض مسلمانوں کی مورچہ چھوڑنے کی لغزش سے اور میدان چھوڑنے سے رسول اللہ ﷺ کو کوفت اور غم ہوا۔ اگرچہ آپ اپنے وسعت اخلاق اور ان کی دل شکنی کے خیال سے ان حضرات کے ساتھ سختی اور ملامت سے پیش نہیں آئے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان حضرات کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر بھی گرانی نہ ہو اور نیز ان حضرات کے دل سے بھی بوجھ اتر جائے اس لئے اوپر اپنی معافی کی بشارت سنا کر اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو چند باتوں کا حکم دیتے ہیں جن سے یہ مذکور غرض حاصل ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: پھر کچھ اللہ ہی کی رحمت کے سبب تو نرم دل ہوا ان کے لئے اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو معاف کر ان کو اور بخشش مانگ ان کے لئے اور مشورہ لے ان سے کام میں پھر جب عزم کرلے تو (اس کام کا) تو پھر بھروسہ کر اللہ پر بے شک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

تفسیر: (اس کے بعد) کہ صحابہ کرام سے ایسی لغزش ہوئی جس پر آپ کو ملامت اور مواخذہ کرنے کا حق تھا (خدا ہی کی رحمت کے سبب) جو کہ آپؐ پر ہے (آپؐ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپؐ) خدانخواستہ (تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ) بے چارے (آپؐ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے) پھر ان کو آپ کی صحبت سے حاصل ہونے والے یہ فیوض و برکات کہاں نصیب ہوتے (سو) جب آپؐ نے برتاؤ میں ایسی نرمی فرمائی تو ان سے آپ کے حکم کی تعمیل میں جو غلطی ہوگئی ہے اس کو دل سے بھی (ان کو معاف کر دیجئے اور) ان سے جو غلطی اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی سے ہوئی اس کے لئے (آپؐ ان کے لئے استغفار کیجئے) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی معافی اور مغفرت کا اعلان پہلے ہی فرما دیا تھا مگر آپ کا ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا ان کے لئے اور زیادہ مفید اور موجب تسلی ہوگا (اور ان سے خاص خاص باتوں

میں) بدستور (مشورہ لیتے رہا کیجئے) تاکہ اس خصوصی لطف سے ان کے دلوں سے غم اتر جائے (پھر) مشورہ لینے کے بعد (جب آپ) کسی ایک جانب (رائے پختہ کرلیں) خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف (تو خدا تعالیٰ پر اعتماد) کر کے اس کام کو کر لیا کیجئے (بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں)

فائدہ: 1- نرم اخلاقی کو بتایا کہ یہ رحمت کے سبب سے ہے کیونکہ خوش اخلاقی عبادت کی طرح ثواب کی چیز ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے۔

2- خاص خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو ورنہ وحی کے بعد پھر مشورہ کی گنجائش نہیں۔

3- تفسیر میں جو یہ کہا کہ آپ کی پختہ رائے ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف اس کی دلیل یہ ہے کہ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ انتظامی امور جن میں رائے اور مشورہ لیا جاتا ہے ان میں کثرت رائے کا ضابطہ بے اصل ہے، ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔

4- چونکہ مشورہ کرنا اور عزم کرنا تدبیر میں شامل ہیں اس لئے ان کے بعد جو توکل کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر توکل کے منافی نہیں۔ توکل میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

ا۔ توکل کا یہ مرتبہ کہ تدبیر کرنے کے باوجود دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے یہ ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

ب۔ توکل کا وہ مرتبہ جس میں تدبیر کو ترک کیا ہو تو۔

i- اگر وہ تدبیر دینی ہے مثلاً جہاد کرنا اور اس کے لئے ہتھیار فراہم کرنا تو اس کا ترک مذموم ہے۔

ii- اگر وہ تدبیر دنیوی ہے لیکن عام طور سے اس کا اثر اور فائدہ یقینی ہے مثلاً گرم کپڑے پہنے گا تو سردی کے مضر اثرات سے ضرور بچے گا تو اس کا ترک بھی ناجائز ہے اور اگر ظنی ہے یعنی وہ تدبیر کرنے سے فائدہ کا گمان غالب ہے مثلاً بیماری میں دوا کا استعمال تو اس تدبیر کا ترک جائز ہے۔

ربط: صحابہ کو احد میں مغلوبیت سے جو حسرت تھی اگلی آیت میں ان کی اس حسرت کو دل سے اتارتے ہیں۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ: اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو کوئی غالب نہ ہو سکے گا تم پر اور اگر وہ ساتھ چھوڑ دے تمہارا تو پھر کون ہے جو مدد کرے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے مسلمانوں کو۔

تفسیر: (اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے) اور تم کو غالب کر دے (اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے)

فائدہ: ازالہ حسرت کا حاصل یہ ہے کہ غالب مغلوب کرنا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کر دیا اور احد میں اپنی حکمت سے مغلوب کر دیا۔ پس جب یہ بات تمہاری قدرت میں سرے سے ہے ہی نہیں تو اپنے دلوں کو اس کے پیچھے مت ڈالو جو ہو گیا سو ہو گیا اس میں جو آفت معصیت کی وجہ سے آئی ہے اس سے توبہ کر لو آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو یعنی اس سے توفیق مانگو کہ معصیت سے محفوظ رکھیں اور پھر بھی کوئی مصیبت نازل ہو اس کو اس کارساز کی طرف سے خیر اور مصلحت سمجھو۔

ربط: اوپر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کا مذموم اور موجب وبال ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس آیت میں آپ کا کامل امانت دار ہونا ذکر فرمایا تاکہ ثابت ہو جائے کہ آپ جو کچھ حکم فرماتے ہیں اس میں آپ کی کوئی نفسانی غرض نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک قسم کی خیانت ہے اور آپ کسی بھی قسم کی خیانت کرنے سے مبرا ہیں لہذا ایسے حکم کی مخالفت ضرور موجب وبال اور مذموم ہو گی۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٣﴾

ترجمہ: اور نہیں نبی کی شان کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ

لائے گا وہ چیز جس کی خیانت کی قیامت کے دن پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ کیا جس شخص نے پیروی کی رضائے الٰہی کی (وہ) مانند ہو گا اس شخص کے جو مستحق ہوا اللہ کے غصہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ یہ لوگ مختلف درجوں والے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ) نعوذ باللہ (خیانت کرے حالانکہ) خائن کی تو قیامت میں رسوائی اور فضیحت ہو گی، کیونکہ (جو شخص خیانت کرے گا، وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن) میدان حشر میں (حاضر کرے گا) تاکہ سب خلائق مطلع ہوں اور سب کے روبرو فضیحت اور رسوائی ہو (پھر) میدان قیامت کے بعد (ان خائنوں میں سے ہر شخص کو اس کے کئے کا) دوزخ میں (پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہو گا) کہ جرم سے زائد سزا ہونے لگے، غرض خائن تو مغضوب اور مستحق جہنم ہوا اور انبیا علیہم السلام حق تعالیٰ کی رضاجوئی کی وجہ سے قیامت میں سربلند ہوں گے لہٰذا دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں جیسا آگے ارشاد ہے (سو ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو) جیسے نبی (کیا وہ اس شخص کی مثل ہو جائے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو) جیسے خائن (اور وہ جانے کی بری جگہ ہے) یہ ظاہر ہے کہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوں گے بلکہ (یہ مذکورہ لوگ) یعنی رضائے حق کی پیروی کرنے والے اور مغضوبین (اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے) کہ متبع محبوب اور جنتی ہے اور مغضوب دوزخی ہے (اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو) اس لئے ہر ایک کے مناسب معاملہ فرمائیں گے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ خیانت کی چیز کو قیامت میں حاضر کرے گا حدیث میں اس کی شرح آئی ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو میں قیامت میں کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہو اور آواز نکالتا ہو اور وہ شخص مجھ سے آ کر امداد کا طالب ہو اور میں صاف جواب دے دوں کہ میں اب کچھ نہیں کر سکتا میں حکم پہنچا چکا تھا اور ایسا ہی مضمون گھوڑے اور کپڑے اور روپیہ پیسہ کے بارے میں فرمایا۔

اگر یہ خیال ہو کہ کسی نے سو اونٹ چرائے ہوں گے تو وہ سب کو کیسے گردن پر لادے گا تو اس کا یہ جواب ہے کہ آخرت میں انسانوں کے جسم بھی بہت بڑے بڑے ہوں گے جب کہ ان جانوروں کی جسامت دنیا کے مطابق ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے تو جسم کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔

اگر خیانت کی چیز اجسام میں سے نہ ہو تو اس کا لانا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ یا تو محض اس کے اظہار و اعلان کو لانا کہا جائے جیسے بولتے ہیں کیا خبر لائے یا عالم آخرت میں ضرورت کی جگہ پر معانی یعنی غیر جسمانی چیزوں کو بھی جسم دے دیئے جائیں گے جیسا بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے مثلاً موت دنبہ کی شکل میں لا کر ذبح کی جائے گی اور نیک عمل ضرورت کے وقت حسین آدمی کی شکل اختیار کرلے گا۔

ربط: اوپر جب یہ بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ تو امانتدار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں امین ہیں تو اس وجہ سے آگے بتایا کہ آپ کا وجود تو مسلمانوں کے لئے بڑی نعمت ہے اور آپ کی بعثت تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے لہٰذا مسلمان اس نعمت کی قدر کریں اور آپ کی تعظیم کریں اور آپ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسا وسوسہ دل میں نہ لائیں جو آپ کی اعلیٰ شان کے مناسب نہ ہو۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: یقیناً احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیجا ان میں رسول انہی میں سے پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو (یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ تو تھے پہلے سے صریح گمراہی میں۔

تفسیر: (حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر) بڑا (احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے) عظیم الشان (پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں) اور احکام (پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور) ظاہری اور باطنی گندگیوں سے (ان لوگوں کو صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب) الٰہی (اور سمجھ کی باتیں بتاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ) آپ کی بعثت کے (قبل سے صریح گمراہی) یعنی شرک و کفر (میں) مبتلا (تھے)۔

فائدہ: انہی کی جنس سے مراد ہے انسانوں میں سے کیونکہ آپ باقی انسانوں کے لئے نمونہ ہیں اور انسانوں کے لئے نمونہ انسان ہی بن سکتا ہے کیونکہ طبیعت اور تقاضے ایک ہیں کوئی اور مخلوق نمونہ نہیں بن سکتی تھی۔ علاوہ ازیں انسان کو انسان سے انس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے علم حاصل کرنے میں سہولت ہوتی ہے جب کہ خلاف جنس سے وحشت کا احتمال تھا۔

ربط: چونکہ مسلمانوں کو شکست کی سخت کلفت تھی اس لئے اگلی آیت میں دوسرے طریقے سے

اس مضمون کو پھر بیان کرتے ہیں اور منافقین کی تشنیع بھی دوسرے طور سے کرتے ہیں۔

أَوَلَمَّآ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا قُلْ
هُوَ مِنْ عِندِ أَنفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ
أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ
وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ
الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک مصیبت (یعنی شکست) کہ تم پہنچا چکے ہو اس کی دوگنی تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی۔ تو کہہ دے یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ مصیبت پہنچی تم کو اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور تاکہ جان لے اللہ ایمان والوں کو اور تاکہ جان لے ان کو جو منافق ہوئے اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو وہ بولے اگر ہم جانتے (اس کو) لڑائی تو ضرور پیروی کرتے تمہاری، وہ لوگ اس دن کفر سے زیادہ قریب ہو گئے بہ نسبت اپنے کے ایمان سے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔ یہ (ایسے) لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت حالانکہ خود بیٹھے رہے اگر وہ مانتے ہماری بات تو نہ مارے جاتے، تو کہہ دے اب ہٹاؤ اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر: (اور جب) احد میں (تمہاری ایسی شکست ہوئی جس سے دوگنی) بدر میں (پہنچا چکے تھے) کیونکہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بدر میں ستر کافروں کو قید اور ستر کو قتل کیا تھا (تو کیا ایسے وقت میں تم) بطور اعتراض نہ سہی بطور تعجب کے (یوں کہتے ہو کہ) ہمارے مسلمان ہونے کے باوجود یہ شکست

(کدھر سے ہوئی) یعنی کیوں ہوئی (آپ فرمادیجئے کہ یہ شکست تمہاری طرف سے ہوئی) اگر حضور ﷺ کی رائے کے خلاف نہ کرتے تو نہ ہارتے، کیونکہ نصرت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ تھا (بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے) جب تم نے اطاعت کی اللہ نے اپنی قدرت سے تم کو غالب کر دیا اور جب تم نے خلاف کیا تو اپنی قدرت سے تم کو مغلوب کر دیا (اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں گروہ) یعنی مسلمان اور کفار (باہم) لڑائی کے لئے (مقابل ہوئے) یعنی احد کے دن (سو وہ مصیبت خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی) کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں تھیں جن کا بیان اوپر بھی آچکا ہے (اور) ان میں سے ایک حکمت یہ ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں) کیونکہ مصیبت کے وقت اخلاص وغیر اخلاص ظاہر ہو جاتا ہے جیسا گذر بھی چکا ہے (اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے) شروع جنگ کے وقت جب تین سو آدمیوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جیسا کہ پہلے آچکا ہے (یوں کہا گیا کہ) میدان جنگ میں (آؤ) پھر ہمت ہو تو (اللہ کی راہ میں لڑنا یا) ہمت نہ ہو تو گنتی ہی بڑھا کر (دشمنوں کی مدافعت کرنا) کیونکہ زیادہ تعداد دیکھ کر کچھ تو ان پر رعب ہوگا اور اس سے شاید وہ ہٹ جائیں (وہ بولے کہ اگر ہم ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے) لیکن یہ کوئی لڑائی ہے کہ وہ لوگ تم سے تین چار گنا زیادہ پھر ان کے پاس سامان بھی زیادہ ایسی حالت میں لڑنا ہلاکت میں پڑنا ہے، لڑائی اس کو نہیں کہتے، حق تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ منافقین اس روز) جب انہوں نے ایسا خشک جواب دیا تھا (کفر سے) بظاہر بھی (نزدیک تر ہو گئے اپنی اس حالت کی بنسبت جب وہ) پہلے سے بظاہر (ایمان سے) کسی قدر (نزدیک تھے) کیونکہ پہلے بھی گو وہ دل سے مومن نہ تھے مگر مسلمانوں کے سامنے موافقت کی باتیں بناتے رہتے تھے، اس روز ایسی طوطا چشمی غالب ہوئی کہ کھلم کھلا مخالفت کی باتیں منہ سے نکلنے لگیں، اس لئے پہلے سے جو ظاہری قرب ایمان کے ساتھ تھا وہ کفر کے قرب میں تبدیل ہو گیا اور یہ قرب جو کفر کے ساتھ ہوا ہے اس قرب سے زیادہ اس لئے ہے کہ موافقت کی باتیں دل سے نہ تھیں اس لئے زور دار نہ تھیں، اور یہ مخالفت کی باتیں دل سے تھیں اس لئے الفاظ بھی زور دار تھے (یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں) یعنی دل میں تو یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گو لڑائی ڈھنگ ہی کی کیوں نہ ہو (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں) اس لئے ان کے اس قول کا غلط ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (یہ ایسے لوگ ہیں کہ) خود تو جہاد میں شریک نہ ہوئے اور (اپنے) ہم نسب (بھائیوں کی نسبت) جو کہ مقتول ہو گئے (گھروں میں بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے)

یعنی ہمارے منع کرنے پر نہ جاتے (تو قتل نہ کئے جاتے، آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم) اس خیال میں (سچے ہو) کہ میدان میں جانے سے ہی ہلاکت ہوتی ہے، کیونکہ قتل سے بچنا تو موت ہی سے بچنے کے لئے مقصود ہے جب وقت مقرر پر موت گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے تو قتل بھی وقت مقرر پر نہیں ٹل سکتا۔

فائدہ: ہزیمت کے اس واقعہ میں صحابہ کی عتاب کے بعد جو جابجا تسلی کی گئی اس سے نافرمانی کرنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم سے جو گناہ ہوتے ہیں اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت ہوتی ہے پھر غم کی کوئی بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ اول تو صحابہ سے ایسا خطا سے ہوا تھا مخالفت مقصود نہ تھی دوسرے ان پر ندامت اور غم کا بے انتہا غلبہ تھا جو توبہ کا اعلیٰ درجہ ہے اس لئے ان کی تسلی کی گئی اور جو قصداً گناہ کرے پھر اس پر جرات بھی کرے وہ تسلی کا مستحق نہیں بلکہ ڈراوے اور سزا کا مستحق ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں منافقین کے اس قول کہ اگر یہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے دو باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ گھروں میں بیٹھا رہنا ہلاکت سے نجات کا سبب ہے۔ اس کا جواب تو فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ میں ارشاد فرمایا یعنی تم اپنے اوپر سے موت کو ہٹا دو۔ دوسری بات یہ کہ وہ ان شہداء کی موت کو ناکامی کا اور زندگی اور اس کی لذتوں سے محرومی کا باعث بتاتے تھے۔ اس کا جواب اگلی آیت میں دیا کہ ان کو تو در حقیقت اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور حقیقی زندگی اور پائیدار لذتیں حاصل ہوئی ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ
يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس (مقرب ہیں) رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے کہ نہ ڈر ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوش ہوتے ہیں بسبب اللہ کی نعمت اور فضل کے

اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔

تفسیر: (اور) اے مخاطب (جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی دین کے واسطے (قتل کئے گئے ان کو) اور مردوں کی طرح (مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ) ایک ممتاز حیات کے ساتھ (زندہ ہیں) اور (اپنے پروردگار کے مقرب) یعنی مقبول ہیں (ان کو رزق بھی ملتا ہے اور وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل) وکرم (سے عطا فرمائی) مثلاً اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری بھی ملتا ہے اور رزق معنوی یعنی مسرت بھی (اور) جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں اسی طرح (جو لوگ) ابھی دنیا میں زندہ ہیں اور (ان کے پاس نہیں پہنچے) بلکہ (ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ) شہداء (خوش ہوتے ہیں کہ) اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو ہماری طرح (ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ) کسی طرح (مغموم ہوں گے) غرض ان کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی، ایک اپنے متعلق، دوسرے اپنے متعلقین کے متعلق، آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب یہ بتایا کہ (وہ) اپنی حالت پر تو (خوش ہوتے ہیں نعمت اور فضل خداوندی کی وجہ سے) جس کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا (اور) دوسروں کی حالت پر خوش ہوتے ہیں (اس وجہ سے کہ) انہوں نے وہاں جا کر مشاہدہ کر لیا کہ (اللہ تعالیٰ اہل ایمان) کے اعمال (کا اجر ضائع نہیں کرتے) تو جو لوگ ان کے متعلقین پیچھے رہ گئے ہیں اور نیک اعمال جہاد وغیرہ میں لگے ہیں ان کو بھی ایسے ہی انعامات ملیں گے۔

ربط: اوپر غزوہ احد کے قصہ کا ذکر تھا، اگلی آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

اس غزوہ کا قصہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے، تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آ جانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہئے تھا کہ ایک ہلہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے، اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ ہونے لگا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین اس کے باوجود کہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے تیار ہو گئے۔ آپ ان مجاہدین کی جمعیت کو لے کر حمراء الاسد کے مقام تک پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل پر ہے۔ یہ سن کر کہ

مسلمان تعاقب میں چلے آرہے ہیں کافروں کے دل میں سخت رعب اور دہشت طاری ہو گئی اور دوبارہ حملہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ کی طرف بھاگے۔

کفار مکہ کو راستہ میں پہلے معبد خزاعی ملے جو مسلمانوں کی جگہ سے آرہے تھے۔ معبد اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ کفار مکہ نے ان سے مسلمانوں کی خبر پوچھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی خداداد شان و شوکت کو زوردار لفظوں میں بیان کیا اس سے کفار کے حوصلے بالکل پست ہو گئے اور بدستور مکہ ہی جانے کے عزم پر قائم رہے۔ پھر اتفاق سے ان کو ایک قافلہ قبیلہ عبدالقیس کا مل گیا جو مدینہ کو جارہا تھا۔ کفار مکہ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم اتنا کام کرنا کہ محمد ﷺ سے مل کر ان لوگوں کے دلوں میں ہمارا خوف بٹھا دینا اور کہہ دینا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے بڑا سامان جمع کیا ہے اور جلد ہی آکر ان کا کام تمام کر دیں گے۔ چنانچہ جس وقت ان لوگوں نے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچائی سب نے بالاتفاق نہایت مضبوطی سے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ان کے سامان اور جمعیت سے کچھ اندیشہ نہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں پھر اسی دوران وہاں سے ایک تجارتی قافلہ کے گذرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو تجارت کا ایک موقع ملا جس میں انہیں بہت زیادہ نفع ہوا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۲﴾
اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ
اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم۔ ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے نیک ہوئے اور پرہیز گار ہوئے بڑا ثواب ہے ایسے کہ کہا جن کو لوگوں نے کہ (مکہ والے) آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کے لئے سو تم ان سے ڈرو تو (اس بات نے) اور زیادہ کر دیا ان کو ایمان میں اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز

ہے۔ پھر واپس آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کہ نہ پہنچی ان کو کچھ ناگواری اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ محض شیطان ہے کہ ڈراوا دیتا ہے اپنے دوستوں کا سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: (جن لوگوں نے اللہ ورسول کے کہنے کو) جب کہ ان کو کفار کے تعاقب کے لئے بلایا گیا (قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو) ابھی تازہ (زخم) لڑائی میں (لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں) اور واقعہ میں سب ہی ایسے ہیں (ان کے لئے) آخرت میں (بڑا ثواب ہے، یہ ایسے) مخلص (لوگ ہیں کہ بعض (لوگوں نے) یعنی عبدالقیس والوں نے جو (ان سے) آکر (کہا کہ ان لوگوں) یعنی اہل مکہ (نے تمہارے) مقابلہ کے (لئے) بڑا (سامان جمع کیا ہے، سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے تو اس) خبر (نے ان کے) جوش (ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور) نہایت استقلال سے یہ (کہہ) کر بات کو ختم کر (دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ) مشکلات کے لئے (کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے) اسی سپرد کرنے کو توکل کہتے ہیں (پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے) یعنی ثواب اور تجارتی نفع سے (بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ) اس واقعہ میں (رضائے حق کے تابع رہے) اس کی بدولت دینی ودنیوی نعمتوں سے سرفراز ہوئے (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اے مسلمانو! (اس سے زیادہ کوئی) قابل اندیشہ (بات نہیں کہ یہ مخبر) از روئے فعل (شیطان ہے کہ اپنے) ہم مذہب (دوستوں سے) تم کو ڈراتا (ہے تو تم ان سے کبھی مت ڈرنا، اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو)۔

فائدہ: 1: یہ جو فرمایا "اللہ ورسول کے کہنے کو" حالانکہ ظاہر صرف رسول اللہ ﷺ نے تعاقب کے لئے فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا فرمانا خدا کے حکم کے تابع تھا اس لئے اللہ ورسول کی طرف نسبت صحیح ہوئی۔

2: یہ جو فرمایا "ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں" حالانکہ نصوص سے ان سب حضرات کا اس صفت کے ساتھ موصوف ہونا یقینی ہے اور خود آیت میں بھی جب ان سب کے لئے حکم قبول کرنے کو ثابت کیا تو پھر ان کے محسن اور متقی ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ نہیں کہ ان میں سے فقط چند اس صفت کے ساتھ موصوف تھے بلکہ ان کی مدح کرنا اور ان کے لئے کئی وصفوں کا ثابت کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم کی علت انکا محسن اور متقی ہونا ہے کیونکہ تعاقب کے حکم کو پورا کرنا بھی احسان اور تقوی ہی کا اثر ہے۔

ربط: اوپر منافقین کی بے وفائی اور بدخواہی کا ذکر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر ان کی

ان حرکات سے رنج ہوا۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے ہیں تاکہ آپ کے قلب پر اب یا آئندہ ان کی اور دیگر کافروں کی طرف سے کبھی صدمہ غالب نہ ہو۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر کی طرف بلاشبہ وہ ہرگز نہ ضرر پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی۔ اللہ چاہتا ہے کہ نہ کرے ان کے لئے حصہ آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔ بے شک جن لوگوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ ہرگز نہ کر سکیں گے نقصان اللہ کا کچھ اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اور آپؐ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر) کی باتوں (میں جا پڑتے ہیں) جیسے منافقین کہ ذرا مسلمانوں کا پلہ ہلکا دیکھا تو کھلم کھلا کفر کی باتیں کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ مذکرہ واقعات سے معلوم ہو چکا ہے (یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ) کے دین کو (ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے) اس لئے آپ کو یہ غم تو ہونا نہیں چاہئے کہ ان کی حرکتوں سے اللہ کے دین کو ضرر پہنچ جائے گا اور اگر آپ کو خود ان کافروں کا غم ہو کہ یہ بدنصیب کیوں جہنم کی طرف جا رہے ہیں تب بھی آپؐ غم نہ کریں (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو) تکوینی طور پر (یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہ دے) اس لئے ان سے موافقت کی امید رکھنا صحیح نہیں، اور رنج وہیں ہوتا ہے جہاں امید ہو اور ان کے لئے صرف آخرت کی نعمتوں سے محرومی ہی نہیں بلکہ (ان لوگوں کو عظیم سزا بھی ہوگی) اور جس طرح یہ لوگ دین اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اسی طرح (یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان) کو چھوڑ کر اس (کی جگہ کفر کو اختیار کر رکھا ہے) خواہ منافق ہوں یا کھلے کافر اور خواہ پاس کے ہوں یا دور کے (یہ لوگ) بھی (اللہ تعالیٰ) کے دین (کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کو) بھی پہلے لوگوں کی طرح (دردناک سزا ہوگی)۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کفر کو بڑے اور دردناک عذاب کا مستحق بتایا۔ چونکہ وہ لوگ اس کے منکر تھے اور یہ استدلال کیا کرتے تھے کہ جب ہم یہاں آرام و آسائش میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم سے اللہ

تعالیٰ ناراض نہیں ہیں۔ لہذا اگر آخرت بھی کوئی چیز ہے تو وہاں بھی آرام میں رہیں گے ورنہ یہاں عذاب سے کیوں چھوڑے جاتے۔ حق تعالیٰ اگلی آیت میں اس خیال کا رد فرماتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

ترجمہ: اور ہرگز نہ سمجھیں کافر کہ ہمارا مہلت دینا ان کو کچھ خیر ہے ان کے حق میں۔ ہم تو محض مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کیلئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

تفسیر: (اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو) عذاب سے (مہلت دینا) کچھ (ان کے لئے بہتر) اور مفید (ہے) ہرگز نہیں (بلکہ ان کو اس لئے مہلت دے رہے ہیں) اور ان کی زندگی دراز کر رہے ہیں تاکہ زیادت عمر کی وجہ سے (ان کو جرم میں اور ترقی ہو جائے) تاکہ یکبارگی پوری سزا ملے (اور) دنیا میں اگر سزا نہ ہوئی تو کیا ہوا آخرت میں تو (ان کو توہین آمیز سزا ہوگی)

فائدہ: 1-اس آیت سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مہلت دی ہے کہ اور زیادہ جرم کریں تو پھر زیادہ جرم کرنے سے عذاب کیوں ہوگا کیونکہ اصل میں یہ فرمانا ایسا ہے جیسے کوئی لڑکا مدرسہ میں بیٹھا کھیلتا رہے سبق یاد نہ کرے اور استاد کے کئی بار سمجھانے سے نہ مانے تو استاد غصہ میں آکر خاموش ہو جائے کہ سبق سننے کا وقت آئے گا اس وقت اکٹھی گرفت کروں گا۔

2: مہلت کے غیر نافع ہونے میں جو کفار کی تخصیص کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو جس قدر زیادہ عمر ملتی ہے اس میں اسلام کی وجہ سے یہ فائدہ ہے کہ زیادہ طاعت کرے اور بلند درجات کا زیادہ مستحق ہو البتہ اگر کوئی اسلام کے تقاضے پر ہی عمل نہ کرے تو اور بات ہے۔ مومن کو بحیثیت ایمان فائدہ ہی ہے برخلاف کافر کے کہ اس کو بحیثیت کفر کے ضرر ہے البتہ اگر کفر کے اقتضاء پر عمل نہ کرے اور توبہ و ایمان سے مشرف ہو جائے تو اور بات ہے۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ مسلمانوں پر بعض سختیاں آنے سے یہ وسوسہ نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول نہیں بلکہ ان میں بعض حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَ

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ مطلع کرے تم کو غیب پر لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں کو جس کو چاہے، سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین رکھو اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو) کہ مخلصین اور منافقین کے درمیان فرق و تمیز نہ ہو بلکہ اللہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں پر شدائد و مصائب اس وقت تک نازل ہوتے رہیں۔ (جب تک کہ ناپاک) یعنی منافق (کو پاک) یعنی مومن مخلص (سے ممتاز نہ کر دیا جائے) اور یہ تمیز مصائب و مشکلات ہی کے پیش آنے پر پوری طرح ہو سکتی ہے۔ (اور) اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ مومن و کافر اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ضروری ہے کہ حوادث و مصائب ڈال کر ہی یہ امتیاز حاصل کیا جائے، اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کا اعلان فرما سکتے ہیں کہ فلاں مومن مخلص ہے اور فلاں منافق تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے بھی امتیاز کرنے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن ان کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ حوادث و مصائب میں ڈال کر ہی تمیز کی جائے اس لئے (وہ) ایسے (امور غیب پر تم کو) ابتلاء و امتحان کے بغیر (مطلع نہیں کرتے لیکن) جن کے لئے ان کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ابتلاء و امتحان کے بغیر اطلاع کر دی جائے تو (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں) اور ایسے لوگ (وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو) حوادث کے بغیر بھی مطلع کرنے کے لئے (منتخب فرما لیتے ہیں) اور چونکہ تم رسول نہیں ہو اس لئے اس طریقہ سے تمھیں اطلاع نہیں دی جا سکتی اور ایسے حالات پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے مخلص و منافق کا فرق خود بخود واضح ہو جائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل نہ ہونا بلکہ عیش و عشرت ملنا اور مسلمانوں پر بعض مصائب و شدائد نازل ہونا عین تقاضائے حکمت ہے، یہ باتیں کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتیں لہٰذا (اب تم) ایمان کے پسندیدہ اور کفر کے ناپسندیدہ ہونے میں اے اہل باطل کوئی شبہ مت کرو بلکہ (اللہ اور اس کے سب رسولوں پر) اخلاص کے ساتھ (ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور) کفر و معاصی سے (پرہیز رکھو تو پھر تم کو) بجائے عذاب عظیم

والیم کے جس کا او پر کفر پر وعدہ ہوا تھا ایمان و تقویٰ کی بدولت آخرت میں (اجر عظیم ملے)

فائدہ: یہ جو اخیر میں فرمایا سب رسولوں پر ایمان لاؤ حالانکہ مقام کا تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پر ایمان بھی جب ہی ثابت ہو گا جب سب کو مانے کیونکہ ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔

ربط: جنگ احد کے قصہ سے پہلے جو مضمون تھا یعنی اہل کتاب اور ان میں سے بھی خصوصاً یہود کی قبیح و شنیع حرکتوں کا بیان۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ ان کی ایک اور قباحت یہ تھی کہ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب میں اس قسم کی آیتیں نازل ہوئیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وغیرہ تو بعض یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بکنے لگے کہ نعوذ باللہ آپ کا رب مفلس ہو گیا کہ اپنے بندوں سے قرض مانگنے لگا۔ ان کی اس بے ہودگی پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے آگے والی آیت یعنی لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ نازل فرمائی۔ یہ آیت اس کے لئے تمہید ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ان کی اس بے ہودگی کے سبب کا ایک جزو ان کا بخل تھا اور دوسرا جزو ان کا گستاخ و دشمن ہونا تھا۔ اس لئے اس آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور اس پر طوق پہنائے جانے کی وعید سناتے ہیں اور دوسری آیت میں ان کی گستاخی کا اظہار فرماتے ہیں اور جلانے والے عذاب کی دھمکی سناتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۱۸۰

ترجمہ: اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں، وہ طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن اور اللہ کے لئے میراث ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو) ضروری مواقع میں (ایسی چیز) کے خرچ کرنے (میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہو گی) ہرگز نہیں (بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے) کیونکہ انجام اس کا یہ ہو گا کہ (وہ لوگ قیامت کے

روز طوق پہنائے جائیں گے اس) مال (کا) سانپ بنا کر (جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور) بخل کرنا یوں بھی حماقت ہے کہ (اخیر میں) جب سب مر جائیں گے (سب آسمان و زمین) اور جو کائنات ان کے اندر ہے سب (اللہ ہی کا رہ جائے گا) لیکن اس وقت یہ مال اللہ کے لئے ہو جانے سے تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ تم نے اپنے اختیار سے نہیں دیئے، اور جب انجام کار سب اللہ ہی کا ہونا ہے تو عقل کی بات یہ ہے کہ ابھی اپنے اختیار سے دیدو تاکہ ثواب کے مستحق بنو (اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) اس لئے جو کچھ خرچ کرو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے کرو۔

فائدہ: 1- طوق پہنائے جانے کی کیفیت بخاری کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو خدا تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو اس کا مال قیامت کے دن ایک زہریلے سانپ کی شکل بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا سرمایہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

اس حدیث میں زکوٰۃ کا ذکر بطور مثال کے ہے ورنہ مراد تمام واجب حقوق ہیں اور ایک اور حدیث میں ایسی ہی وعید ذی رحم کو نہ دینے پر آئی ہے کیونکہ مالدار پر تنگدست اور عاجز ذی رحم کی مدد کرنا واجب ہے۔

2- کفار جہاں ایمان لانے کے مکلف ہیں وہیں اجمالی طور سے بدنی و مالی طاعات کے بھی مکلف ہیں مثلاً وہ اس کے مکلف ہیں کہ ایمان لائیں اور نمازیں پڑھیں البتہ تفصیل کے ساتھ کہ وہ اس دن کی ظہر اور عصر وغیرہ کے مکلف ہوں ایسا نہیں ہے۔

ربط: تمہید کے بعد آگے مقصود کا بیان کرتے ہیں۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا
اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ
الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کے کہے کو اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو اور ہم کہیں گے کہ

چکھو عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا، اور اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔

تفسیر: (بیشک اللہ نے سن لیا ہے ان) گستاخ (لوگوں کا قول جنہوں نے) استہزاء کرتے ہوئے (یوں کہا کہ) نعوذ باللہ (اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں) اور صرف اس سننے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ (ہم ان کے کہے ہوئے کو) ان کے نامہ اعمال میں (لکھ کر رہیں گے اور) اسی طرح (ان کا انبیاء علیہم السلام (کو ناحق قتل کرنا بھی) ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا (اور ہم) ان پر سزا جاری کرنے کے وقت جتلانے کے لئے (کہیں گے کہ) لو (چکھو آگ کا عذاب) اور ان کو روحانی رنج دینے کے لئے اس وقت یہ بھی کہا جائے گا کہ (یہ) عذاب (ان کفریہ اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور یہ) امر ثابت ہی ہے (کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں) سو اللہ تعالیٰ نے بے جرم تم کو سزا نہیں دی۔

فائدہ: 1- ظاہر یہ ہے کہ یہود کا اس بے ہودہ قول کے موافق اعتقاد تو نہ ہو گا لیکن یہ بات انہوں نے استہزاء کے طور پر کہی اور اس سے مقصود قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب تھی چنانچہ آگے آیت فَاِنْ كَذَّبُوْكَ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ بس ان کا مطلب یہ ہو گا کہ ان آیتوں کا مضمون اگر صحیح ہو تو اس سے خالق کا فقیر اور مخلوق کا غنی ہونا لازم آتا ہے اور یہ لازم باطل ہے لہذا ان آیتوں کا مضمون صحیح نہیں۔ اس طرح سے انہوں نے آیات کی تکذیب کی جو خود کفر ہے پھر اس کو استہزاء کی صورت میں بیان کرنا یہ مزید کفر ہے کیونکہ خود استہزاء اگرچہ بلا تکذیب ہو کفر ہوتا ہے۔

2- نامہ اعمال میں درج کرا دینے میں یہ حکمت ہے کہ عادۃً مجرم پر زیادہ حجت ہو جاتی ہے ورنہ حق تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

3- انبیاء علیہم السلام کے قتل کا مضمون اس کے ساتھ ذکر فرمانا یہ بتانے کے لئے ہے کہ اس قول میں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صرف تکذیب ہی کی ہے ورنہ یہ تو جرائم میں ایسے بے باک ہیں کہ تکذیب سے گذر کر انبیاء کو قتل تک کر چکے ہیں اس لئے ایسوں سے محض تکذیب یا استہزاء کا کیا تعجب ہے۔

4- یہ جو فرمایا کہ ہم لکھ کر رہیں گے ان کے کہے ہوئے کو اس سے یہ خیال نہ ہو کہ ان کہ کہنے کے وقت میں فرشتوں نے نہیں لکھا اور بعد میں لکھا گیا ہو گا کیونکہ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ تمہاری بات ہم سے رہ نہ جائے گی اور وہ ہمارے ہاں ضرور لکھی ہو گی یہ بتانا مقصود نہیں کہ اس کو کب لکھا جاتا ہے۔

ربط: آگے یہود کی ایک اور قباحت کا ذکر کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک وہ نہ لائے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ۔ تو کہہ آچکے تمہارے پاس کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور اس کو بھی جو تم نے کہا پھر کیوں تم نے قتل کیا ان کو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر: وہ یہود (ایسے لوگ ہیں کہ) بالکل جھوٹ تراش کر (کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو) سابقہ انبیاء کے واسطہ سے (حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر) ہونے کے مدعی (پر اعتقاد) ان کے پیغمبر ہونے کا (نہ لائیں جب تک ہمارے سامنے قربانی) یعنی اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کی چیز کا خاص معجزہ (ظاہر نہ کرے کہ اس کو) آسمانی (آگ کھا جائے) پہلے بعض انبیاء علیہم السلام کا یہ معجزہ ہوا ہے کہ کوئی چیز ذبح شدہ جاندار یا بے جان اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دی، غیب سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اس چیز کو جلا دیا، یہ اس صدقہ کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی یہود کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ خاص معجزہ ظاہر نہیں فرمایا، اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے، حق تعالیٰ اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ (آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل) اور معجزات وغیرہ (لے کر تمہارے پاس آئے، اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو، سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم) اپنے دعوے اور اس کے مطلب و نتیجہ میں (سچے ہو)

فائدہ: یہاں یہود کے دو دعوے ہیں۔ ایک صریح کہ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا دوسرا جو اس سے لازم آتا ہے وہ یہ کہ اگر آپ یہ معجزہ ظاہر فرماتے تو آپ پر ضرور ایمان لے آتے۔ پہلے دعوی کا یہ جواب ہے کہ تم مدعی ہو اور مدعی پر اپنے دعوی کو ثابت کرنا ضروری ہے ورنہ دلیل کے بغیر تو دعوی تسلیم نہیں کیا جاتا اور یہود کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تھی محض افتراء تھا۔ البتہ بعض انبیاء سے یہ معجزہ ضرور ظاہر ہوا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب انبیاء پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط بھی ہو۔ البتہ مدعی نبوت سے کسی بھی معجزہ کا صادر ہونا یا اس کا کسی سابق سچے نبی کی بتائی ہوئی علامت کا مصداق ہونا واقعی شرط ہے سو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک میں یہ دونوں چیزیں کمال درجہ میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن یہ جواب اس

لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ بہت ظاہر تھا اس لئے صرف دوسرے دعویٰ کے جواب پر اکتفا کیا گیا جس کی تقریر اس آیت میں موجود ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو جن انبیاء میں یہ معجزہ موجود تھا ان پر ایمان کیوں نہ لائے یہاں تک کہ تکذیب سے گذر کر قتل تک کر دیا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس اور معجزات بھی تھے جن سے ایمان کے واجب ہونے کا تقاضا اور بڑھ گیا تھا۔

ربط: یہود کا ان باتوں سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنا مقصود تھا جس سے طبعاً آپ کو رنج ہوتا تھا۔ نیز اور کفار بھی اس تکذیب میں شریک تھے جس سے اور رنج بڑھتا تھا لہذا اگلی آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ جھٹلائیں تجھ کو تو جھٹلائے گئے بہت سے رسول تجھ سے پہلے جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن۔

تفسیر: (سو اگر یہ) کافر (لوگ آپ کی تکذیب کریں تو) غم نہ کیجئے کیونکہ (بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں، تکذیب کی جا چکی ہے، جو معجزات لے کر آئے تھے اور) چھوٹے چھوٹے (صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر۔) جب کفار کی یہ عادت ہی ہے کہ انبیاء کی تکذیب کیا کرتے ہیں تو پھر آپ کیوں غم کریں

فائدہ: یعنی بعض صرف معجزے لائے بعض چھوٹی کتابیں بعض بڑی کتاب جیسے تورات وانجیل اور چونکہ کتاب سے بڑی کتاب مراد ہے اور بڑی کتاب کے مضامین زیادہ ہوں گے اور اس کی شان زیادہ ہو گی اس لئے اس کی صفت میں منیر بڑھایا کہ وہ شان اور مضامین دونوں کے اعتبار سے خوب نمایاں ہو گی۔

ربط: اوپر تکذیب کرنے والوں کا بیان تھا آگے ان کے لئے عام عنوان سے ایک وعید ذکر ہے جس میں تصدیق کرنے والوں کے لئے بشارت بھی آ گئی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور تم پورے دیئے جاؤ گے اپنے اجر قیامت کے دن پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں وہ تو کامیاب ہو گیا اور نہیں زندگی دنیا کی مگر سامان دھوکہ کا۔

تفسیر: تم میں (ہر جان) دار (کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور) مرنے کے بعد (تم کو تمہاری) بھلائی برائی کی (پوری جزا قیامت ہی کے روز ملے گی) اگر دنیا میں کافروں پر کسی سزا کا ظہور نہ ہو تو اس سے تکذیب کرنے والوں کو خوشی کا اور تصدیق کرنے والوں کو غم کا کوئی موقع نہیں۔ آگے اس جزا کی تفصیل ہے (تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا) اسی طرح جو جنت سے جدا رہا اور دوزخ میں بھیجا گیا وہ پورا ناکام ہوا (اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف) ایسی چیز ہے جیسے (دھوکہ کا سودا ہوتا (ہے) جس کی ظاہری آب و تاب کو دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے، بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے تو افسوس کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

فائدہ: 1- یہ جو فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اس سے مراد عام ہے خواہ ابتداء ہی میں بچا لیا جائے یا سزا کے بعد بچا لیا جائے۔ اس طرح سے اس میں سب مسلمان آگئے اور ان کے پورے کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جنت میں ہمیشہ کے لئے ہر طرح کی نعمتیں پائیں گے۔ پس اس بنا پر اس کے مقابلہ میں جو واقع ہے کہ جو جنت سے جدا رہا اس سے مراد یہ ہو گی کہ ہمیشہ کے لئے جدا رہا اور یہ خاص کفار کے ساتھ ہو گا اور اس کا پورا ناکام ہونا اس وجہ سے ہے کہ تکلیف سے کبھی نجات نہ ہو گی۔

2- یہ جو فرمایا دھوکہ کا سودا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی زندگی سب کے لئے مضر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اصلی مقصود بنانے کے قابل نہیں اور اس کو غنیمت سمجھ کر اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال اختیار کئے جائیں۔

ربط: کعب بن اشرف یہودی رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی شان میں ہجو کے اشعار کہا کرتا تھا جس سے صحابہ کا دل تنگ ہونا قدرتی امر تھا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی جس میں خبر دے دی کہ اس قسم کی باتیں اور بہت سی سنو گے لہذا صبر و تحمل کرنا چاہیئے اور چونکہ مسلمانوں کو ایذاء رسانی میں یہود کے ساتھ مشرکین بھی شریک تھے ان کا بھی ساتھ میں ذکر بڑھا دیا اور چونکہ صبر و ثبات صرف مخالفین کی ایذاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام حوادث و مصائب میں اس کا حکم ہے اس لئے جان و مال کا ذکر بھی ملا دیا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى
كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: ضرور تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور ضرور سنو گے تم ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

تفسیر: ابھی کیا ہے (البتہ آگے) آگے (اور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں) کے نقصان (میں اور اپنی جانوں) کے نقصان (میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی ان لوگوں سے) بھی (جو تم سے پہلے) آسمانی (کتاب دیئے گئے ہیں) یعنی اہل کتاب سے (اور ان لوگوں سے) بھی (جو کہ مشرک ہیں اور اگر) ان مواقع پر (صبر کرو گے اور) خلاف شرع امور سے (پرہیز رکھو گے تو) تمہارے لئے اچھا ہو گا، کیونکہ (یہ) صبر و تقویٰ (ہمت کے کاموں میں سے ہے) اور ہمت کے کاموں کو کرنا ہی اچھا ہے۔

فائدہ: 1- آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حوادث تم پر وقتاً فوقتاً واقع ہوا کریں گے اس کو مجازاً آزمانا کہہ دیا ورنہ اللہ تعالیٰ آزمانے کے حقیقی معنی سے پاک ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔

2- صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو یا انتقام کے موقع پر انتقام نہ لو یا لڑائی کے موقع پر لڑائی نہ کرو بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع اور مصلحتیں ہیں۔

3- پہلے سے اس لئے خبر دے دی تاکہ پہلے سے آمادہ رہیں اور وقوع کے وقت پریشان نہ ہوں۔

ربط: آگے یہود کے ایک اور قبیح عمل کا ذکر ہے اور وہ ہے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کیونکہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام جو تورات وغیرہ میں آئے ہیں وہ ان کی اشاعت عام کریں گے اور کسی حکم کو اپنی نفسانی غرض سے نہیں چھپائیں گے۔ انہوں نے یہ عہد توڑا اور احکام کو چھپایا اور پھر دلیری یہ کی کہ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس پر ان کو وعید سنائی گئی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ
وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ

بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب کہ تم ضرور بیان کرو گے اس کو لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے اس کو۔ پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور خرید لیا اس کے بدلے تھوڑا مول سو کیا برا ہے جو وہ خریدتے ہیں، تو ہرگز نہ سمجھ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں اپنے نہ کئے پر تو مت سمجھ ان کو کہ وہ نجات پا گئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: یہ حالت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ نے) کتب سابقہ میں (اہل کتاب سے یہ عہد لیا) یعنی ان کو حکم فرمایا اور انہوں نے قبول کر لیا (کہ اس کتاب کے) سب مضامین (عام لوگوں کے روبرو بیان کر دینا اور اس) کے کسی مضمون (کو) دنیوی غرض سے (پوشیدہ نہ رکھنا سو ان لوگوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت پھینک دیا) یعنی اس پر عمل نہ کیا (اور اس کے مقابلہ میں) دنیا کا (کم حقیقت معاوضہ لے لیا، سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں) کیونکہ اس کا انجام سزائے دوزخ ہے۔

اے مخاطب (جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار) بد یعنی حق باتوں کو چھپانے (پر خوش ہوتے ہیں اور جو) نیک (کام) یعنی اظہار حق (نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ خاص) دنیا کے (عذاب سے بچاؤ) اور حفاظت (میں رہیں گے) ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں بھی کچھ سزا ہو گی (اور) آخرت میں بھی (ان کو دردناک سزا ہو گی)۔

فائدہ: 1- جن مضامین کو یہ اہل کتاب پوشیدہ کرتے تھے ان میں سے بڑا مضمون رسول اللہ ﷺ سے متعلق پیشین گوئیوں کا تھا۔ چونکہ خود ان کو ایمان لانا منظور نہ تھا اس لئے دوسروں سے بھی اس کو چھپاتے تھے۔

2- جو نیک کام نہیں کیا اس سے مراد اظہار حق ہے جو وہ کرتے نہ تھے لیکن دوسروں کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہم اظہار حق کرتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ معلوم نہ ہو۔

3- کسی دینی اور شرعی مصلحت سے کوئی حکم عوام پر ظاہر نہ کیا جائے مثلاً حکم کی ضرورت بھی نہیں اور مسئلہ بھی دقیق و مشکل ہو اور لوگ کم سمجھ ہوں تو اس وقت مسئلہ نہ بتانا کتمان حق میں داخل نہیں۔

4- کوئی نیک عمل کرنے کے بعد اس پر مدح و ثناء کا انتظار و اہتمام کرے تو عمل کرنے کے باوجود بھی مذموم ہے اور طبعی طور پر خواہش ہونا کہ میں بھی فلاں نیک کام کروں اور نیک نام ہوں وہ اس میں داخل نہیں جب کہ اس نیک نامی کا اہتمام نہ کرے۔

ربط: اوپر اہل کفر کی سزا کا ذکر تھا۔ چونکہ سزا دینے کے لئے اختیار اور قدرت ضروری ہے اس لئے اگلی آیت میں اس کا اثبات ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اور اللہ ہی کے لئے) خاص (ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں)۔

فائدہ: پس چونکہ وہ سلطان حقیقی ہیں لہذا سب پر ان کا حکم ماننا ضروری ہے اور نافرمانی جرم ہے اور چونکہ وہ قادر ہیں اس لئے جرم کی سزا دے سکتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اس سزا کی خبر دی ہے اس لئے ضرور سزا دیں گے اور چونکہ اس درجہ کی اور وہ بھی حقیقی سلطنت و قدرت کسی اور میں نہیں ہے اس لئے ان کے سزا دیئے ہوئے کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

ربط: چونکہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت کے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہونے سے توحید سمجھ میں آئی اس لئے اگلی آیت میں توحید پر دلیل لاتے ہیں اور اس کے ساتھ توحید کے کل تقاضوں پر عمل کرنے والوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں جس میں توحید کے تقاضوں پر عمل کرنے کی ترغیب کا دوسروں کے لئے بھی اشارہ ہے۔ اسی طرح مشرکین جن کی ایذاؤں کا اوپر ذکر ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے محض عناد کی وجہ سے یہ درخواست کی کہ صفا پہاڑ کو سونا کا بنا دیں۔ اس آیت میں ان کا بھی جواب ہوا کہ حق کے دلائل تو اور بہت سے ہیں ان میں کیوں غور نہیں کرتے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ
اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ
لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تونے یہ نہیں بنایا بیکار تو پاک ہے (سب عیبوں سے) سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے اے رب ہمارے بے شک جس کو تو نے داخل کیا دوزخ میں سو تو نے اس کو رسوا کر دیا اور نہیں ہے ایسے گنہگاروں کے لئے کوئی مددگار۔ اے رب ہمارے بے شک ہم نے سنا ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے، اے رب ہمارے اب بخش دے ہمارے لئے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ، اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

تفسیر: (بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں) توحید کے (دلائل) موجود (ہیں عقل) سلیم (والوں کے) استدلال کے (لئے جن کی حالت یہ ہے) جو آگے آتی ہے اور یہی حالت ان کے عاقل ہونے کی علامت بھی ہے۔ کیونکہ عقل دفع مضرت اور تحصیل منفعت کا تقاضا کرتی ہے اور عقل کے اس تقاضے کے موافق عمل کرنے پر آگے مذکور حالت کا مجموعہ دلالت کرتا ہے وہ حالت یہ ہے (کہ وہ لوگ) ہر حال میں دل سے بھی زبان سے بھی (اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں) اپنی قوت عقلیہ سے (غور کرتے ہیں) اور غور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب تک ایمان نہ تھا تو ایمان حاصل ہوتا ہے اور اگر صاحب ایمان تھے تو ایمان کی تجدید و تقویت حاصل ہوتی ہے اور اس کو اپنے قول سے اس طرح ظاہر کرتے ہیں

(کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس) مخلوق (کو لایعنی پیدا نہیں کیا) بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں جن میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جائے (ہم آپ کو) لایعنی پیدا کرنے سے (منزہ سمجھتے ہیں) اس لئے ہم نے استدلال کیا اور توحید کے قائل ہوئے (سو ہم کو) موحد مومن ہونے کی وجہ سے (عذاب دوزخ سے بچالیجئے) جیساکہ ایمان و توحید کا شرعی تقاضا بھی ہے کہ عذاب نہ ہو لیکن گناہوں کی وجہ سے ایمان و توحید کی قوت کمزور ہو جائے اور اس کا تقاضا کمزور ہو جائے تو پھر جہنم کی کچھ سزا ہو سکتی ہے۔ایک عرض تو ان لوگوں کی یہ تھی۔اور وہ ایمان کے اسی مضمون کے مناسب اور معروضات بھی کرتے ہیں جو آگے آتی ہیں (اے ہمارے پروردگار) ہم اس لئے عذاب دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں کہ (بیشک آپ جس کو) اصلی اور ہمیشہ کی سزا کے طور پر (دوزخ میں داخل کریں اس کو تو آپ نے واقعی رسواہی کر دیا) اس سے مراد کافر ہے (اور ایسے بے انصافوں کا) کہ جن کی اصلی سزا دوزخ تجویز کی جائے (کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں) اور آپ کا وعدہ ہے اہل ایمان کے لئے رسوا نہ کرنے کا بھی اور نصرت کرنے کا بھی، پس ایمان لا کر ہماری درخواست ہے کہ کفر کی اصلی سزا سے بچایئے، ایمان کا اصل نتیجہ یعنی دوزخ سے نجات عطا فرمایئے۔

(اے ہمارے پروردگار ہم نے) جیسے عقل سے کام لیتے ہوئے مصنوعات سے آپ کے وجود پر استدلال کیا اسی طرح ہم نے (ایک) حق کی طرف (پکارنے والے کو) یعنی حضرت محمد ﷺ کو براہ راست یا بالواسطہ (سنا کہ وہ ایمان لانے کے لئے اعلان کر رہے ہیں کہ) اے لوگو (تم اپنے پروردگار) کی ذات وصفات (پر ایمان لاؤ سو ہم) اس دلیل نقلی سے استدلال کر کے بھی (ایمان لے آئے)۔اس درخواست میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی ضمناً آگیا، پس ایمان کے دونوں جز یعنی اعتقاد توحید واعتقاد رسالت کامل ہو گئے۔

(اے ہمارے پروردگار پھر) اس کے بعد ہماری یہ درخواست ہے کہ (ہمارے) بڑے (گناہوں کو بھی معاف فرمادیجئے اور ہماری) چھوٹی (برائیوں کو ہم سے) معاف کر کے (زائل کر دیجئے اور) ہمارا انجام بھی کہ جس پر اصل مدار ہے درست کیجئے اس طرح کہ (ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ) شامل رکھ کر (موت دیجئے) یعنی نیکی پر خاتمہ ہو۔

(اے پروردگار اور) جس طرح ہم نے اپنی مضرتوں سے محفوظ رہنے کے لئے درخواست کی ہے جیسے دوزخ ورسوائی اور بڑے اور چھوٹے گناہ اسی طرح ہم اپنے منافع کی دعاء کرتے ہیں کہ (ہم کو وہ چیز)

یعنی ثواب وجنت (بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے) کہ مومنین وابرار کو اجر عظیم ملے گا (اور) یہ ثواب وجنت ہم کو اس طرح دیجئے کہ ثواب ملنے سے پہلے بھی (ہم کو قیامت کے روز رسوا نہ کیجئے) جیسا کہ بعض لوگوں کو اول سزا ہوگی پھر جنت میں جائیں گے، مطلب یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کر دیجئے اور (یقیناً آپ) تو (وعدہ خلافی نہیں کرتے) لیکن ہم کو یہ خوف ہے کہ جن کے لئے وعدہ ہے یعنی مومنین وابرار کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ہم میں وہ صفات نہ رہیں جن پر وعدہ ہے، اس لئے ہم آپ سے یہ التجائیں کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے وعدہ کی چیزیں دیجئے، یعنی ہم کو ایسا کر دیجئے اور ایسا ہی رکھئے جس سے ہم وعدہ کے مستحق رہیں۔

فائدہ: ان دعاؤں کا مضمون تمام مطلوبہ مقاصد کو جامع ہے کیونکہ مقاصد کا منتہا دو چیزیں میں یعنی جنت ملنا اور دوزخ سے بچنا اور دونوں کے لئے دو شرطیں ہیں طاعات کا وجود اور معاصی کا عدم۔ یہ کل چار چیزیں ہوئیں یعنی جنت حاصل ہونا جہنم سے بچنا طاعات حاصل ہونا اور معاصی سے بچنا۔ اٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا میں پہلی اور تیسری کی درخواست ہے۔ فَقِنَاعَذَابَ النَّارِ میں دوسری کی درخواست ہے جب کہ فَاغْفِرْلَنَا میں چوتھی کی درخواست ہے۔

ربط: آگے ایمان قبول کرنے والوں کی دعاؤں کی قبولیت مذکور ہے اور اس قبولیت کی علت کا ضابطہ بھی ذکر کیا جس پر سورت کے مقصود کے مناسب تفریع بھی کی۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: پھر قبول کی ان کیلئے ان کی دعاء ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو۔ پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے تو میں ضرور دور کروں گا ان سے برائیاں ان کی اور ضرور داخل کروں گا ان کو باغوں میں

بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ یہ بدلہ ملے گا اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ۔

تفسیر: (سو قبول کرلیا ان کی دعاؤں کو ان کے رب نے اس وجہ سے) جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ میری مستقل عادت یہ ہے کہ (میں کسی شخص کے) نیک (کام کو جو تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا) کہ اس کا بدلہ نہ دوں (خواہ وہ) کام کرنے والا (مرد ہو یا عورت) دونوں کے لئے ایک ہی قانون ہے کیونکہ (تم) دونوں (آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو) اس لئے حکم بھی دونوں کا یکساں ہے، پس جب انہوں نے ایمان قبول کر کے ایک بڑا نیک عمل کیا، اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی درخواست کی تو میں نے ان کی دعا اور درخواست کو اپنی مستقل عادت کے مطابق منظور کر لیا، اور جب ہم ایمان پر ایسے ثمرات عطا فرماتے ہیں (تو جن لوگوں نے) ایمان کے ساتھ مشقت والے اعمال بھی کئے جیسے ہجرت یعنی (ترک وطن کیا اور) وہ بھی ہنسی خوشی، سیر وسیاحت کے لئے نہیں، بلکہ اس طرح کہ (اپنے گھروں سے) تنگ کر کے (نکالے گئے اور) اس کے سوا طرح طرح کی (تکلیفیں دیئے گئے) اور یہ باتیں یعنی ہجرت اور وطن سے نکالا جانا اور مختلف قسم کی ایذائیں سب (میری راہ میں) یعنی میرے دین کے سبب ان کو پیش آئیں اور ان سب کو انہوں نے برداشت کیا (اور) اس سے بڑھ کر انہوں نے یہ کام کیا کہ (جہاد) بھی (کیا اور) بہت سے ان میں سے (شہید) بھی (ہو گئے) لیکن آخر تک جہاد سے نہ ہٹے، تو ایسے محنت کے اعمال پر ثمرات اور نعمتیں کیوں نہ ملیں گی (ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں) جو میرے حقوق کے متعلق ہو گئی ہوں (میں معاف کردوں گا اور ضرور ان کو) بہشت کے (ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس) یعنی اس کے قبضہ قدرت میں (اچھا عوض ہے)۔

فائدہ: تمام خطائیں اس لئے کہا گیا کہ یہاں ہجرت اور جہاد و شہادت کی فضیلت مذکور ہے اور حدیثوں سے ان اعمال کا تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں مسلمانوں کی کلفتوں کا بیان اور ان کا نیک انجام مذکور تھا آگے کافروں کے عیش و آرام کا بیان اور ان کا برا انجام مذکور ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنا انجام سن کر جو تسلی ہوئی تھی اپنے دشمنوں کا انجام سن کر اور زیادہ تسلی ہو اور ان کے عیش و آرام کی طرف التفات نہ کریں اور بدعمل و کافر لوگ اگر توبہ کرلیں اور کفر و معاصی سے باز آجائیں تو ان کا انجام بد سے محفوظ رہنا اور ان کو نیک انجام نصیب ہونا بھی ذکر فرمایا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف
ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: نہ دھوکا دے تجھ کو چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں۔ (یہ) فائدہ ہے تھوڑا سا، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ لیکن جو لوگ ڈریں اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ مہمانی ہو گی اللہ کے ہاں سے اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیکو کاروں کے واسطے۔

تفسیر: اے طالب حق (تجھ کو ان کافروں) کا کسب معاش یا تفریحات کے لئے (چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے، یہ چند روزہ بہار ہے) کیونکہ مرتے ہی اس کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور (پھر ان کا ٹھکانا) ہمیشہ کے لئے (دوزخ ہو گا اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے لیکن) ان میں سے بھی (جو لوگ اپنے رب سے ڈریں) اور مسلمان و فرمانبردار ہو جائیں (ان کے لئے بہشتی باغات ہیں جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہو گی اللہ کی طرف سے، اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں) جن کا ابھی ذکر ہوا یعنی بہشتی باغ اور نہریں وغیرہ (یہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں) کفار کی چند روزہ عیش و مسرت سے)

ربط: اوپر کی آیات دعا سے پہلے اہل کتاب کی بری خصلتوں اور ان کے عذاب وانجام بد کا مسلسل ذکر آیا ہے۔ پھر دعا کی قبولیت کا ضابطہ ذکر کیا اور اس کے بعد کافروں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور کفر و معاصی سے باز آجائیں تو ان کو بھی نیک انجام نصیب ہو گا۔ آگے اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والوں کی مدح مذکور ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لا لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: اور کتاب والوں میں بعضے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا

تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف ڈرتے ہوئے اللہ سے۔ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا۔ یہی ہیں جن کیلئے مزدوری ہے ان کے رب کے پاس۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (اور یقیناً بعضے لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس کتاب کے ساتھ بھی) اعتقاد رکھتے ہیں (جو تمہارے پاس بھیجی گئی) یعنی قرآن (اور اس کتاب کے ساتھ بھی) اعتقاد رکھتے ہیں (جو ان کے پاس بھیجی گئی) یعنی تورات اور انجیل اور خدا کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں تو (اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) اس لئے اس اعتقاد میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے کہ اللہ پر اولاد کی تہمت لگائیں یا احکام میں افتراء کریں، اور تورات وانجیل کے جو ساتھ جو اعتقاد رکھتے ہیں تو اس طور پر کہ (اللہ تعالیٰ کی آیات) کے مقابلہ میں دنیا کا (کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے، ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس) اور اس میں کچھ دیر بھی نہ لگے گی، کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب) کتاب (کردیں گے) اور حساب کتاب کرتے ہی سب کا دینا لینا بے باق کردیں گے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ جلدی حساب کتاب کردیں گے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کا بھی ضرور حساب ہوگا کیونکہ بہت سے مقبول خدا لوگوں کا بلا حساب جنت میں جانا احادیث میں آیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر جو جلدی حساب کتاب کردیتا ہے وہ جلدی ہی مزدوری بھی دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حساب جلدی کردیں گے تو سمجھ لو کہ ایمان واعمال صالحہ کا بدلہ بھی جلدی ہی دے دیں گے۔

ربط: سورت ختم پر آئی۔ چونکہ سورت کا اصل مضمون کفار کے ساتھ جہاد ہے زبان کے ساتھ بھی اور تلوار کے ساتھ بھی اور اس کے ضمن میں کفار کے بہت سے قولی وفعلی معاملات ذکر ہوئے جن سے مسلمانوں کو اذیت ہوتی تھی۔ ایسے موقعوں میں چار حالتیں پیش آتی ہیں۔ ایک کفار کی ایذاؤں کو محض برداشت کرنا، دوسرے ان سے مناظرہ ومباحثہ کرنا۔ تیسرے معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے اور کفار کے ساتھ جنگ کے اندیشہ کی حالت پیدا ہو جائے اور چوتھے فی الواقع جنگ کی حالت پیش آجائے۔ پہلی حالت میں بطور خود صبر واستقلال کی ضرورت ہوتی ہے اور چوتھی حالت میں مصابرت یعنی دوسرے کے مقابلہ میں صبر وثبات کی حاجت ہوتی ہے۔ تیسری حالت میں مرابطت یعنی مقابلہ کے لئے مستعد رہنے کی ضرورت ہے اور دوسری حالت میں تقویٰ کی حاجت ہے تاکہ جوش اور غصہ میں فریق مخالف کے ساتھ شدت یا کسی قابل تعظیم کی شان میں بے ادبی نہ ہو جائے جیسا اکثر مناظروں میں ہو جاتا ہے۔ اور تقوی کو صرف دوسری حالت کے ساتھ خصوصیت نہیں بلکہ ہر حالت میں اس کی احتیاج ہے تاکہ کسی حالت میں بھی حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ اسی لئے ختم پر ان چاروں باتوں کا حکم اور اس حکم کی تعمیل پر جزا کا بیان فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مستعد رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو) تکالیف پر (خود صبر کرو اور) جب کفار سے جنگ ہو تو (مقابلہ میں صبر کرو اور) جنگ کے اندیشہ کے وقت (مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور) ہر حال میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ حدود شرعیہ سے نہ نکلو (تاکہ تم پورے کامیاب ہو) آخرت میں تو ضرور ہی ہو گے اور بعض اوقات دنیا میں بھی غالب ہو گے۔

سورت النساء

ربط: I اوپر کی سورت تقوی کے مضمون پر ختم ہوئی اور اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا لیکن اوپر کی سورت میں تقویٰ کے موقع و محل میں زیادہ تر وہ معاملات ذکر ہوئے جو مخالفین کے ساتھ پیش آتے ہیں جب کہ اس سورت میں ان سمیت تین قسم کے مضامین ہیں۔

1- باہمی معاملات: جیسے یتیموں کے احکام اور نکاح، میراث، سیاسیات، حدود، اطاعت حکام اسلام اور عدل وانصاف کے احکام اور والدین، زوجین، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق۔

2- دیانات یعنی وہ معاملات جو بندے اور اللہ کے مابین ہیں جیسے طہارت و تیمم اور نماز و توبہ اور ہجرت وغیرہ کے احکام۔

3- مخالفین کے ساتھ معاملات جیسے جہاد وغیرہ کے احکام اور مشرکین کے عقائد کا ابطال۔

II چونکہ ایک حکم کو پورا کرتے ہوئے اس وقت کے دوسرے احکام کو پیش نظر رکھنا شریعت کی رو سے مطلوب ہے اس لئے مذکورہ بالا معاملات واحکام کے مضامین ملے جلے آئے ہیں اور اکثر ایک مضمون کے ضمن میں دوسرے مضامین آگئے ہیں جیسے جہاد کے احکام کے بیان میں نماز خوف کا مضمون بیان ہوا۔ اور خود ایک حکم بھی بعض اوقات کئی کئی حکموں پر مشتمل ہے جیسے میراث کا حکم۔ غرض یہ سب مضامین اسی ہیئت سے پوری سورت میں ملیں گے۔

سب سے پہلے تقوی یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت لائے یعنی اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ ...... الخ جس میں اشارہ کر دیا کہ چونکہ تم سب اللہ کی مخلوق ہو اور ایک ماں باپ کی اولاد ہو لہذا باہمی حقوق کی رعایت ضروری ہے۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیَاتُھَا ۱۷۶ - رُکُوْعَاتُھَا ۲۴

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

ترجمہ: اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ سے جس کے واسطہ سے تم (اپنے حقوق کا مطالبہ و) سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت سے۔ بے شک اللہ ہے تم پر نگہبان

تفسیر: (اے لوگو! اپنے پروردگار) کی مخالفت (سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار) یعنی آدم علیہ السلام (سے پیدا کیا) کیونکہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں (اور اس ہی جاندار) کی بائیں پسلی سے کوئی جزو لے کر اس (سے اس کا جوڑا) یعنی ان کی زوجہ حواء کو (پیدا کیا) اور پھر (ان دونوں سے) اولاد در اولاد (بہت سے مرد عورتیں) دنیا میں (پھیلائیں اور) تم سے مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ (تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے) یعنی اس کے نام کی قسمیں دے کر (ایک دوسرے سے) اپنے حقوق کا (مطالبہ کیا کرتے ہو) کیونکہ قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ خدا سے ڈر کر میرا حق دیدے، سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈرنے کو کہتے ہو، تو معلوم ہوا کہ تم اس ڈرنے کو ضروری سمجھتے ہو تو تم بھی ڈرو (اور) اول تو تمام احکام الٰہیہ میں مخالفت سے بچنا اور ڈرنا ضروری ہے، لیکن اس مقام پر ایک حکم خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ (قرابت) کے حقوق ضائع کرنے (سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب) کے حالات (کی اطلاع رکھتے ہیں) اگر مخالفت کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے۔

فائدہ: اس آیت میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے۔ ایک جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ دوسرے جاندار کا جاندار سے متعارف توالد کے طریقے سے ہٹ کر پیدا ہونا کیونکہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے لئے ہوئے خلئے (CELL) سے پیدا ہوئی ہیں۔ تیسرے جاندار کا جاندار سے توالد کے متعارف طریقے سے پیدا ہونا جیسے اور آدمی۔ اگرچہ یہ صورتیں اپنی ذات کے اعتبار سے عجیب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی بھی صورت عجیب نہیں۔

ربط: اوپر تقوی کا حکم تھا اور اس کے ضمن میں انسانی اور رحمی حقوق کی رعایت کرنے کا ارشاد تھا۔ آگے اس تقوی کے مواقع کا ذکر فرماتے ہیں اور وہ چند احکام ہیں۔

پہلا حکم: یتیموں کو ضرر نہ پہنچانا

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

ترجمہ: اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ۔ بلاشبہ یہ ہے وبال بڑا۔

تفسیر: (اور جن بچوں کا باپ مر جائے ان کے) ملکیتی (مال انہی کو پہنچاتے رہو) یعنی انہی کے خرچ میں لگاتے رہو اور جب تک تمہارے قبضہ میں ہو (تم) ان کے مال میں شامل کرنے کے لئے ان کی (اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو) یعنی ایسا مت کرو کہ ان کی اچھی چیز تو نکال لو اور بری چیز ان کے مال میں ملا دو (اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے ساتھ) یعنی جب تک تمہارے پاس اپنا مال ہے تم ان کا مال مت کھاؤ البتہ جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر ضرورت اپنے گزارہ کے لئے ان کے مال سے لینا درست ہے جیسا آگے آیت و من کان فقیرا میں آئے گا۔ (ایسی کارروائی کرنا) کہ بری چیز ان کے مال میں شامل کر دی یا بلا ضرورت ان کے مال سے نفع اٹھایا (بڑا گناہ ہے) جس کی وعید آگے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى الخ میں آئے گی۔)

فائدہ: جاہلیت میں یتیموں کے حقوق بالکل ضائع کئے جاتے تھے۔ بعض لوگ ان کی اچھی چیز نکال کر بری چیز ان کے مال میں ڈال دیتے اور بعض ویسے ہی کھاتے اڑاتے ان سب سے ممانعت کی گئی۔

ربط: یتیموں کو نقصان پہنچانے کی کچھ اور صورتیں بھی تھیں مثلاً ایک یہ کہ کسی شخص کی پرورش

میں کوئی یتیم مالدار لڑکی ہوئی اور صورت و شکل کی بھی اچھی ہے۔اس کے مال و جمال کی وجہ سے اس شخص نے چاہا کہ میں خود ہی ان سے نکاح کرلوں لیکن چونکہ ہر طرح اپنے قابو میں ہوتی تھی اور کوئی دوسرا شخص اس کے حقوق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوتا تھا اس لئے اس کو مہر اتنا نہ دیتے تھے جتنا دوسرا شخص دیتا۔ اللہ تعالیٰ اگلے حکم میں اس معاملہ کا انتظام فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم سے ان کا مہر مناسب پورا نہ دیا جائے تو تم اور عورتوں سے نکاح کرلو ان سے مت کرو۔

دوسرا حکم: یتیموں کو پورا مہر نہ دے سکو تو ان سے نکاح نہ کرو

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

ترجمہ: اور اگر تم ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرلو جو پسند آئیں تم کو اور عورتوں سے، دو دو تین تین چار چار۔

تفسیر: (اور اگر تم کو اس بات کا ڈر) بھی (ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں) ان کے مہر کی بابت (انصاف) کی رعایت (نہ کر سکو گے تو) ان سے نکاح مت کرو بلکہ (اور) حلال (عورتوں سے جو تم کو) اپنی کسی مصلحت کے اعتبار سے (پسند ہوں نکاح کرلو) کیونکہ وہ مجبور نہیں آزادی سے اپنی رضا ظاہر کر سکتی ہیں اور یہ نکاح اس قید کے ساتھ ہو کہ جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا چاہے تو ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو۔ ایک صورت یہ کہ ایک ایک مرد (دو دو عورتوں سے) نکاح کرلے (اور) دوسری صورت یہ کہ ایک ایک مرد (تین تین عورتوں سے) نکاح کرلے (اور) تیسری صورت یہ کہ ایک ایک مرد (چار چار عورتوں سے) نکاح کرلے۔

فائدہ: 1- یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب دو دو تین تین وغیرہ کا ذکر ہے تو صرف ایک عورت سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ قرآن کے آئندہ الفاظ سے بھی اور امت کے اجماع سے بھی تعداد کی اس قید سے کمتر کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس مقام پر وسعت و گنجائش کو ذکر کرنا مقصود ہے تاکہ یتیموں کے نکاح سے استغناء ثابت ہو جائے جو ایک عورت سے نکاح میں بھی حاصل ہے لہٰذا ایک کی نفی سے بحث ہی نہیں ہے۔

3- رسول اللہ ﷺ کا چار سے زائد نکاح کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے جس کا ذکر سورت احزاب میں آئے گا۔

ربط: اوپر کثرت ازدواج کی اجازت دی ہے جس کی وجہ وہاں یہ ہوئی کہ یتیموں کے حق میں عدل

کے خلاف نہ ہو۔ چونکہ عدل مطلقاً ہر موقع میں واجب ہے اس لئے آگے اس صورت کا حکم فرماتے ہیں کہ جب کثرت ازدواج میں عدل کے خلاف کا اندیشہ ہو۔

تیسرا حکم: انصاف نہ کرسکو تو صرف ایک نکاح پر اکتفا کرو

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ﴿۳﴾

ترجمہ: پھر اگر تم ڈرو کہ (ان میں) انصاف نہ کرسکو گے تو (اکتفاء کرو) ایک ہی بیوی پر یا اس (لونڈی) پر جس کے تم مالک ہوئے یہ بات زیادہ قریب ہے (اس کے) کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

تفسیر: (پس اگر تم کو اس کا) غالب (احتمال ہو کہ) کئی بیویاں کر کے (عدل نہ رکھو گے) بلکہ کسی بیوی کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے (تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کرو یا) اگر دیکھو کہ ایک کے حقوق بھی ادا نہ ہوں گے تو (جو لونڈی) شرعی قاعدہ کے مطابق (تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں) یعنی ایک بیوی کے رکھنے یا صرف لونڈی پر بس کرنے میں (زیادتی) و بے انصافی (نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے) کیونکہ ایک صورت میں تو بیویوں کا تعدد نہیں جس میں برابری کرنا پڑے اور دوسری صورت میں بیوی کے حقوق سے بھی کم حقوق ہیں مثلاً لونڈی کے لئے مہر نہیں ہے اور صحبت کا حق نہیں ہے تو اندیشہ اور کم ہے۔

فائدہ: 1- اگر عدل نہ ہو سکنے کا غالب احتمال ہو تو کئی بیویوں سے نکاح کرنا اس معنی میں ممنوع ہے کہ یہ شخص گناہگار ہو گا اس معنی میں نہیں کہ نکاح صحیح نہ ہو گا نکاح یقیناً ہو جائے گا۔

2- بعض مطلب پرستوں نے اس آیت کے مضمون میں تحریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ آیت کثرت ازدواج کی بالکل نفی کر رہی ہے اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفا کرو اور دوسری آیت وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْۤا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ میں فرمادیا کہ تم سے کبھی عدل ہو ہی نہ سکے گا اور دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں عدل مختلف معنوں میں ہے۔ اس آیت میں تو حقوق واجبہ میں عدل ہے اور یہ قدرت میں ہے اور اسی کے اعتبار سے ایک اور ایک سے زائد نکاح کے اختیار کرنے میں تفصیل ذکر کی ہے اور دوسری آیت میں محبت میں عدل ہے اور وہ عادۃً قدرت میں نہیں اس لئے اس کی نفی فرمائی اور پھر فرمایا فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ جس کا حاصل یہ ہوا ہے کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ محبت میں عدل نہ ہو سکے گا بلکہ قلب کو ایک طرف

میلان رہے گا اور اس میلان پر ملامت نہیں لیکن بالکلیہ میلان تو نہ ہو کہ حقوق اور معاملات میں انصاف نہ کیا جائے۔ لہذا دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ حاصل ہوا کہ محبت میں عدل واجب نہیں لیکن معاملہ اور حقوق میں عدل واجب ہے۔

ربط: نکاح کا بیان ہوا تو اس کے شرعی لوازم میں سے مہر ہے جس کا دینا اکثر طبیعتوں پر گراں ہوتا ہے اس لئے اس کا حکم دیا۔

تیسرا حکم: مہر کی ادائیگی

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ﴿۴﴾

ترجمہ: اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے، پھر اگر وہ تمہارے لئے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا۔

تفسیر: (تم لوگ بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو وہاں اگر وہ بیویاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تمہارے لئے اس مہر میں سے کوئی جزو) اور یہی حکم کل کا بھی ہے (تو) اس حالت میں (تم اس کو کھاؤ) استعمال کرو (مزہ دار خوشگوار سمجھ کر)

ربط: گذشتہ آیات میں یتیموں کے مال ان کے سپرد کر دینے کا حکم گذرا، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کا مال بہر حال ان کے حوالہ کر دینا چاہئے، خواہ ان کو معاملات کا سلیقہ بھی نہ ہو، اور وہ اموال کی حفاظت پر بھی قادر نہ ہوں، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ان آیات میں فرمایا ہے کہ کم عقلوں کو اموال سپرد نہ کرو اور ان کی جانچ کرتے رہو، جب اموال کی حفاظت اور ان کے مصارف کی سوجھ بوجھ ان کے اندر محسوس ہونے لگے اس وقت اموال ان کے سپرد کر دو۔

چوتھا حکم: کم عقلوں کا مال ان کے حوالے کرنے کے بارے میں

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰٓی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ
بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا
عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

ترجمہ: اور تم مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور اس میں سے ان کو کھلاتے رہو اور ان کو پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول، اور آزماتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو۔ پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو ان کے حوالے کر دو ان کے مال اور نہ کھا جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلدی جلدی کہ بڑے نہ ہو جائیں اور جس کو حاجت نہ ہو تو (مال یتیم سے) بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے موافق دستور کے پھر جب تم حوالہ کر دو ان کو ان کے مال تو گواہ بنالو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا۔

تفسیر: اور اگر یتیم بالغ ہو جائیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اب ان کا مال ان کے سپرد کر دینا چاہئے جیسا آگے آتا ہے لیکن کم عقل ہوں تو (تم) ان (کم عقلوں کو اپنے) یعنی ان کے مال جو تمہارے اپنے قبضہ میں ہوں (وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے) ایسے کام کا پیدا کیا ہے کہ ان کو (تمہارے) سب کے (لئے مایہ زندگی بنایا ہے) مطلب یہ کہ مال قدر کی چیز ہے، ان کو ابھی مت دو کہ بے قدری کر کے اڑا دیں گے (اور ان مالوں میں) سے (ان کو کھلاتے رہو پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو) یعنی ان کو تسلی دلاتے رہو کہ مال تمہارا ہے، تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا، ذرا سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم ہی کو دیدیا جائے گا (اور) جب مال سپرد کرنے کے لئے ہوشیاری دیکھنا ضروری ہے تو (تم یتیموں کو) بالغ ہونے سے پہلے ہوشیاری و تمیز داری کی باتوں میں (آزمالیا کرو) کیونکہ بالغ ہونے کا وقت تو سپردگی مال کا ہے، تو آزمائش پہلے سے ہونی چاہئے، مثلاً کچھ سودا سلف اس سے منگالیا، اور دیکھا کہ کیسے سلیقہ سے خرید کر لائے، یا کوئی چیز فروخت کے لئے دیدی، اور دیکھا کہ اس کو کس طرح فروخت کیا۔ غرض ان کو آزمایا جائے (یہاں تک کہ جب وہ نکاح) کی عمر (کو پہنچ جائیں) یعنی بالغ ہو جائیں کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے پھر بلوغ و آزمائش کے بعد (اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو) یعنی مال کی حفاظت اور مال کی مصلحتوں کی رعایت کا سلیقہ اور انتظام ان میں پاؤ (تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو) اور اگر ابھی تک سلیقہ یا انتظام نہ معلوم ہو تو ابھی اور حوالہ نہ کیا جائے (اور) یتیموں کے (ان اموال کو

ضرورت سے زائد خرچ کر کے اور (اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے) پھر ان کو حوالہ کرنا پڑے گا (جلدی جلدی کھا کر مت اڑاڈالو) اور اگر اس طرح نہ اڑائیں، بلکہ تھوڑا کھانا چاہیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ (جو شخص) اس مال سے (مستغنی ہو) یعنی اس کے پاس بھی بقدر کفایت اپنا مال موجود ہے گو صاحب نصاب نہ ہو (سو وہ تو اپنے کو بالکل) تھوڑا کھانے سے بھی (بچائے، اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے) یعنی جس میں حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں (کھالے) استعمال کرلے (پھر جب) شرائط یعنی بلوغت اور سمجھداری پائی جائے اور (ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو) بہتر ہے کہ (ان) کے اموال ان کو دیدینے پر (گواہ بھی کرلیا کرو) شاید کسی وقت کچھ اختلاف واقع ہو تو گواہ کام آئیں (اور) یوں تو (اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے) اگر خیانت نہ کی ہو تو گواہوں کا نہ ہونا بھی مضر نہیں، کیونکہ اصل حساب جن کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ تو اس کی صفائی جانتے ہیں اور اگر خیانت کی ہے تو گواہوں کا ہونا کوئی نافع نہیں کیونکہ جن کو حساب لینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس کا ملوث ہونا جانتے ہیں۔ غرض صرف ظاہری انتظام کے لئے گواہوں کا ہونا مصلحت ہے۔

فائدہ: 1- بلوغت کی علامت انزال اور حیض ہے اور یہ نہ ہو تو لڑکے لڑکی دونوں میں پندرہ سال کی عمر ہے۔

2- یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والا اگر خود حاجتمند ہو تو اسے اپنی ضروری حاجت کے بقدر یتیم کے مال میں سے لینے کی اجازت ہے۔

3- مذکورہ مصلحت کے تحت گواہ بنانا مستحب ہے۔

ربط: اوپر یتیموں کو ضرر پہنچانے سے ممانعت فرمائی ہے۔ ایک ضرر یتیموں کو جاہلیت میں یہ دیا جاتا تھا کہ ان کو میراث میں مستحق نہ سمجھتے تھے۔ آگے ایک قاعدہ کلیہ سے اس رسم کا ابطال کیا اور اس کی تاکید کے لئے ایک دنیوی حالت فرض کی جس سے یتیموں کی ہمدردی پیدا ہو اور ایک آخرت کے معاملہ کا یقین دلاتے ہیں تاکہ خوف پیدا ہو اور دونوں باتوں میں فکر کر کے یتیموں کو نقصان پہنچانے کی جرات نہ کریں۔

ترکہ کے حقداروں میں میراث کی تقسیم کے وقت اگر ایسے ضرورتمند لوگ بھی آجائیں جو میراث میں حقدار نہیں ہیں تو ان کے بارے میں درمیان میں ذکر کر دیا کہ ان کی کچھ رعایت کرنا مستحب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ ‌ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝۷ وَاِذَا
حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ
مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۸ وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا
مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ
وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى
ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا ‌ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ۝۱۰

ترجمہ: مردوں کیلئے بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔ تھوڑا ہو یا بہت ہو۔ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ دے دو اس میں سے اور کہو ان سے بات معقول۔ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے تو اندیشہ کریں ان پر (یعنی یہ کہ ہمارے پیچھے ایسا ہی حال ان کا ہو گا) تو چاہیے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی۔ بے شک جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق وہ لوگ صرف آگ ہی بھر رہے ہیں اپنے پیٹوں میں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔

تفسیر: (مردوں کے لئے بھی) خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (حصہ) مقرر (ہے اس چیز میں سے جس کو) ان مردوں کے (ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار) اپنے مرنے کے وقت (چھوڑ جائیں اور) اسی طرح (عورتوں کے لئے بھی) خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی (حصہ) مقرر (ہے اس چیز میں سے جس کو) عورتوں کے (ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار) اپنے مرنے کے وقت (چھوڑ جائیں خواہ وہ چھوڑی ہوئی (چیز قلیل ہو یا کثیر ہو) سب میں سے ملے گا (حصہ) بھی ایسا جو (لازمی مقرر ہے اور جب) وارثوں میں ترکہ کے (تقسیم ہونے کے وقت) یہ لوگ (موجود ہوں) یعنی دور کے (رشتہ دار) جن کا میراث میں حق نہیں (اور یتیم اور غریب لوگ) اس توقع سے کہ شاید ہم کو بھی کچھ مل جائے، رشتہ دار تو ممکن ہے استحقاق کے گمان سے آئیں اور دوسرے لوگ خیر خیرات کی امید سے آئیں (تو ان کو بھی اس) ترکہ (میں) جس قدر بالغوں کا ہو اس میں (سے کچھ دیدو اور ان کے ساتھ خوبی) اور نرمی (سے بات کرو)۔

وہ بات رشتہ داروں سے تو یہ ہے کہ سمجھادو کہ تمہارا حصہ شرع کی رو سے اس میں نہیں ہے، ہم معذور ہیں اور دوسروں سے یہ کہ دے کر احسان نہ جتلاؤ (اور) یتیموں کے معاملہ میں (ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائیں تو ان) بچوں (کی ان) لوگوں (کو فکر ہو) کہ دیکھئے ان کو کوئی تکلیف نہ دے، تو ایسا ہی دوسرے کے بچوں کے لئے بھی خیال رکھنا چاہئے، کہ ہم ان کو تکلیف نہ دیں (سو اس بات کو سوچ کر (ان لوگوں کو چاہئے کہ) یتیموں کے معاملہ میں (خدا تعالیٰ) کے حکم کی مخالفت (سے ڈریں) یعنی اپنے عمل سے تکلیف و ضرر نہ پہنچائیں (اور) اپنے قول سے بھی ان سے (موقع کی بات کہیں) اس میں تسلی اور دل جوئی کی بات بھی آگئی اور تعلیم و تادیب کی بات بھی آگئی، غرض ان کے مال اور جان دونوں کی اصلاح کریں (بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے) برتتے (ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں) دوزخ کی (آگ) کے انگارے (بھر رہے ہیں) یعنی انجام اس کھانے کا یہ ہونے والا ہے (اور) اس انجام کے مرتب ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں، کیونکہ (عنقریب) ہی دوزخ کی (جلتی) آگ (میں داخل ہوں گے) وہاں یہ انجام نظر آئے گا۔

فائدہ: خیر خیرات دینے میں بالغوں کی قید لگائی کیونکہ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر خیرات بالکل جائز نہیں۔

ربط: پیچھے میراث کے مستحق لوگوں کا اجمالی ذکر ہوا آگے ان کی بعض اقسام کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور ان کے مختلف حالات کے اعتبار سے ان کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل سورت کے آخر میں ہے اور باقی ماندہ حصوں کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

اولاد کا حصہ:

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوْلَادِكُمْ ۚ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ

ترجمہ: حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ایک مرد کے لئے ہے مثل دو عورتوں کے حصہ کے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے) میراث پانے کے (بارے میں) وہ یہ کہ (لڑکے کا حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر) یعنی لڑکا لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی کئی ملے جلے ہوں تو ان کے حصوں میں باہم یہ نسبت ہوگی کہ ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ (اور اگر) اولاد میں (صرف لڑکیاں ہی ہوں) گو (دو سے زیادہ) ہوں (تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے) اور اگر دو لڑکیاں ہوں تب تو دو تہائی ملنا بہت ہی ظاہر ہے، کیونکہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا تو اس وقت لڑکی کا حصہ باوجودیکہ لڑکے کے ہونے سے کم ہو جاتا ہے مگر ایک تہائی سے کم نہیں ہوتا، تو جب دوسری بھی لڑکی ہے تو اس کا حصہ ایک تہائی سے مزید کم کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہیں اس لئے دوسری کا بھی ایک تہائی ہوگا اور اس طرح دونوں کا مل کر دو تہائی ہوا، البتہ تین لڑکیوں میں شبہ تھا کہ شاید ان کو تین تہائی یعنی کل مل جائے اس لئے فرمایا کہ اگرچہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں مگر دو تہائی سے نہ بڑھے گا (اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو) کل ترکہ کا (نصف ملے گا) اور پہلی صورت میں ایک تہائی بچا ہوا اور دوسری صورت میں ایک نصف بچا ہوا حصہ دوسرے خاص خاص اقارب کا حق ہے، یا اگر کوئی نہ ہو تو پھر اسی کو دیدیا جائے گا۔

فائدہ: 1- یہ سب تقسیم میت کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین کا خرچہ نکالنے اور قرض اگر ہوں تو ان کی ادائیگی اور وصیت اگر کی ہو تو ایک تہائی میں سے اس کو پورا کرنے کے بعد ہوگی۔

2- اولاد کے وارث ہونے کی چار صورتیں آیت سے معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ لڑکے اور لڑکیاں سب ہوں۔ دوسرے یہ کہ صرف ایک لڑکی ہو۔ تیسرے یہ کہ صرف دو لڑکیاں ہوں۔ چوتھے یہ کہ دو سے زائد صرف لڑکیاں ہوں۔

ماں باپ کا حصہ

وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ

ترجمہ: اور میت کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے اور اگر اس کی اولاد نہیں اور وارث ہوئے اس کے ماں

باپ تو اس کی ماں کے لئے ہے تہائی۔ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے ہے چھٹا حصہ بعد وصیت کے جو کر جائے یا بعد ادائے قرض کے۔

تفسیر: (اور ماں باپ) کو میراث ملنے کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت میں تو ان کے لئے یعنی دونوں (میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ) مقرر (ہے اگر میت کی کچھ اولاد ہو) خواہ مذکر یا مونث، خواہ ایک یا زیادہ اور بقیہ میراث اولاد اور دوسرے شرعی وارثوں کو ملے گی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ (اگر اس میت کی کچھ اولاد نہ ہو اور) صرف (اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں) یا ان کے ساتھ صرف کوئی ایک بھائی یا بہن بھی ہو (تو) اس صورت میں (اس کی ماں کا ایک تہائی ہے) اور باقی دو تہائی باپ کا۔ اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہوئی اس لئے کہ واضح تھا کیونکہ جب نہ اولاد ہو اور نہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں صرف ماں باپ ہوں تو میراث صرف ان ہی دو میں تقسیم ہو گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ (اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن) کسی قسم کے (ہوں) خواہ ماں باپ دونوں میں شریک جس کو عینی کہتے ہیں، خواہ صرف باپ ایک ماں الگ الگ جس کو علاتی کہتے ہیں۔ یا ماں ایک ہو باپ الگ الگ جس کو اخیافی کہتے ہیں یا ملے جلے ہوں غرضیکہ کسی طرح کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں اور اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہوں ہی (تو) اس صورت میں (اس کی ماں کو) ترکہ کا (چھٹا حصہ ملے گا) اور باقی باپ کو ملے گا۔ یہ سب حصے (وصیت) کے بقدر مال (نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے یا دین) اگر ہو تو اس کو بھی نکال لینے (کے بعد) تقسیم ہوں گے۔

ربط: آگے اس کی حکمت بتاتے ہیں کہ میراث کا معاملہ میت کی رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ خود حق تعالیٰ نے سب قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ
فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ⑪

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کو معلوم نہیں کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تم کو نفع پہنچانے ہیں۔ یہ حکم مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی جانب سے بیشک اللہ خبر دار ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (تمہارے جو اصول و فروع ہیں تم) ان کے متعلق پورے طور پر یہ (نہیں جان سکتے کہ ان میں کونسا شخص تم کو) دنیوی یا اخروی (نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے) اس لئے اگر تمہاری رائے پر یہ

چھوڑا جاتا تو اکثر حالات کے مطابق تم لوگ میراث کی تقسیم میں ترجیح و تفصیل کا مدار اپنی توقع کے مطابق کسی شخص کی نفع رسانی پر رکھتے جب کہ اس کی نفع رسانی یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری توقع کے برعکس نفع نہ پہنچائے اور کوئی دوسرا جس سے تمہیں توقع بھی نہ ہو وہ تمہیں نفع پہنچادے لہذا نفع رسانی کی توقع کو مدار بنانا تو صحیح نہ ہوا اس لئے دوسری مصلحتوں اور حکمتوں کو جو اگرچہ تمہارے ذہنوں میں نہ آئیں تقسیم میراث کا مدار ٹھہرا کر (یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا) اور یہ بات (یقیناً) مسلم ہے کہ (اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں) تو اپنے علم سے انہوں نے اس حکم میں جن حکمتوں کی رعایت رکھی ہے وہی قابل اعتبار ہیں اس لئے تمہاری رائے پر نہیں چھوڑا۔

فائدہ: دنیوی نفع مثلاً یہ کہ فلاں وارث ہماری خوب خدمت کرے گا اکثر اوقات وہ دغا دے جاتا ہے اور دوسرا مخلص محض محبت سے یا ثواب کی خاطر زیادہ خدمت کیا کرتا ہے اور اخروی نفع یہ کہ ہم کو یہ ثواب بخشا کرے گا اس لئے اس کو زیادہ دینا چاہئے کبھی اس کے بھی خلاف ہو جاتا ہے۔

زوجین کا حصہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

ترجمہ: اور تمہارے لئے ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کی اولاد، اور اگر ان کی اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے۔ اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد، اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ کہ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے۔

تفسیر: (اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کی کچھ اولاد نہ ہو) نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر (اور اگر ان بیویوں کی کچھ اولاد ہو) خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے (تو) اس

صورت میں (تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا) یہ کل دو صورتیں ہوئیں اور دونوں صورتوں میں باقی مال دوسرے وارثوں کو ملے گا لیکن ہر صورت میں یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین) اگر ہو تو اس کے نکالنے (کے بعد) ملے گی (اور بیویوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ) خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں کہ وہ چوتھائی سب میں برابر بٹ جائے گا (اگر تمہاری کچھ اولاد نہ ہو) نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر (اور اگر تمہاری کچھ اولاد ہو تو) اس صورت میں (ان کو) خواہ وہ ایک ہو یا کئی (تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا) یہ بھی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں باقی مال دوسرے ورثہ کو ملے گا، لیکن یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دین) اگر ہو تو اس کے بھی نکالنے (کے بعد) ملے گی۔

ماں شریک بہن بھائی کا حصہ

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث تقسیم ہونی ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو کی جا چکی ہے یا قرض کے، جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا ہے۔ (یہ) حکم کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا۔

تفسیر: (اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی) خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس (کے نہ اصول ہوں) یعنی باپ دادا (اور نہ فروع ہوں) یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد (اور اس) میت (کا ایک بھائی یا ایک بہن) اخیافی یعنی ماں شریک (ہو، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے) یعنی ایک سے (زیادہ ہوں) مثلاً دو ہوں یا اور زیادہ (تو وہ سب تہائی میں) برابر کے (شریک ہوں گے) اور ان میں مذکر و مونث کا برابر حصہ ہے اور بقیہ میراث دوسرے ورثہ کو ملے گی۔ اور

اگر کوئی اور نہ ہو تو پھر انہی کو دی جائے گی، یہ دو صورتیں ہوئیں اور دونوں صورتوں میں یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جائے یا) اگر (دین) ہو تو اس کے بھی نکالنے (کے بعد) ملے گی (بشرطیکہ) وصیت کرنے والا (کسی) وارث (کو ضرر نہ پہنچائے) نہ ظاہراً نہ ارادۃً، ظاہراً یہ کہ مثلاً تہائی سے زیادہ وصیت کرے اگرچہ وہ وارثوں کی رضامندی کے بغیر نافذ نہ کی جائے گی اور ارادۃً یہ کہ رہے تہائی کے اندر لیکن اس میں بھی نیت یہ ہو کہ اس طرح سے وارث کو کم ملے یہ ظاہراً نافذ ہو جائے گی، لیکن گناہ ہو گا (یہ) جس قدر یہاں تک مذکور ہوا (حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں) کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا اور نہ ماننے والوں کو جو فوراً سزا نہیں دیتے تو وجہ یہ کہ (حلیم) بھی (ہیں)۔

فائدہ: اخیافی یعنی ماں شریک کی قید پر امت کا اتفاق و اجماع ہے۔ نیز خود اس مقام پر غور کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان بھائی بہنوں کو چھٹے اور تیسرے حصے کا مستحق ٹھہرایا ہے اور یہی دو حصے ماں کے اوپر ذکر ہوئے ہیں اس مناسبت سے یہ بھائی بہن وہی معلوم ہوتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں۔ سگے اور باپ شریک بھائی بہنوں کا حکم اس سورت کے ختم پر آئے گا اور وہ حکم ان میں بالاتفاق قطعی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہاں ان کے علاوہ اور قسم کا ذکر ہے۔

ربط: احکام کو بیان کر کے آگے ان کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید اور فضیلت اور نافرمانی پر وعید کا ذکر کرتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ
حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۖ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: یہ ضابطے ہیں اللہ کے اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل کرے گا (اللہ) اس کو جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جائے اس کے ضابطوں سے داخل کرے گا (اللہ) اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں، اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

تفسیر: یتیموں سے متعلق ہوں یا میراث سے (یہ سب احکام خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ اور رسول کی) پوری (اطاعت کرے گا) اور ان ضابطوں کی بھی پابندی کرے گا (اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں) فوراً (داخل کر دیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا) یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے (اس کو) دوزخ کی (آگ میں داخل کریں گے) اس طور سے کہ (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسی سزا ہو گی جس میں ذلت بھی ہے۔)

فائدہ: اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک مطیع کامل، دوسرا عاصی کامل اور ایک اور قسم ہے جس کا یہاں ذکر نہیں ہے یعنی عقائد میں مطیع ہو اور عمل میں قصوروار ہو۔ اس کا حکم دوسری آیتوں میں موجود ہے کہ مستحق سزا ہے لیکن بالآخر نجات ہے۔ یہ صورت کہ کوئی عمل تو نیک کرے اگرچہ عقائد میں مطیع نہ ہو ممکن نہیں کیونکہ عمل کی قبولیت کے لئے صحیح اعتقاد شرط ہے۔ عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ عمل کالعدم ہو گا۔

ربط: آگے عورتوں سے متعلق مزید معاملات کی اصلاح فرماتے ہیں۔

بدکاری پر سزا

وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور جو کوئی کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لئے کوئی راہ۔ اور جو دو شخص کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذاء دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو بیشک اللہ توبہ

قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (اور جو عورتیں بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تمہاری) منکوحہ (بیویوں میں سے تم لوگ ان عورتوں) کے اس فعل (پر چار آدمی اپنوں میں سے) یعنی مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، مذکر (گواہ کرلو) تاکہ ان کی گواہی پر حکام آئندہ سزا جاری کریں (سو اگر وہ گواہی دیدیں) تو ان کی سزا یہ ہے کہ (تم ان کو) بحکم حاکم (گھروں کے اندر) سزا کے طور پر (مقید رکھو یہاں تک کہ) یا تو (موت ان کا خاتمہ کردے) اور (یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ) یعنی کوئی دوسرا حکم (تجویز فرمادیں) اور زنا کی سزا میں کچھ منکوحہ عورت کی تخصیص نہیں بلکہ (جو بھی دو شخص وہ بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تم میں سے) یعنی عاقل بالغ مسلمانوں میں سے (تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر) بعد اذیت پہنچانے کے (اگر وہ دونوں) گذشتہ سے (توبہ کرلیں اور) آئندہ کے لئے اپنی (اصلاح کرلیں) یعنی پھر ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو (تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو) کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں) اس لئے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کردی، پھر تم کو بھی ان کے در پے آزار نہ ہونا چاہئے۔

فائدہ: 1- یہ جو کہا گیا "جو بھی دو شخص" اس میں نکاح اور بے نکاح والی عورت اور نکاح اور بے نکاح والا مرد سب آگئے۔ لہذا چاروں کا حکم ذکر ہوا۔ ان کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ اذیت تو سب کو پہنچائی جائے جس کا طریقہ صرف منکوحہ عورت کے لئے بیان فرمایا کہ ان کو مقید رکھو اور باقیوں کے لئے طریقہ بیان نہیں فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکام اسلام کی رائے پر چھوڑا گیا کہ جس طریقے سے زجر حاصل ہو جائے خواہ زبان سے یا ہاتھ سے۔ پھر دوسرا حکم بعد میں نازل ہوا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ راہ ارشاد فرمادی ہے تو تم لوگ سمجھ لو یاد کرلو کہ کنوارے کنواری کے لئے سو درے اور نکاح والے کے لئے سنگساری ہے۔ پس اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔

2- توبہ کے بعد جو فرمایا تعرض مت کرو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا نہ دو کیونکہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سزا کے بعد پھر ملامت مت کرو اور زیادہ سزا مت دو برخلاف توبہ نہ کرنے والے کے کہ اس پر ملامت درست ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں توبہ کا ذکر آیا تھا تو آگے اس توبہ کے قبول و عدم قبول کی صورتیں ذکر کیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ
يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: توبہ قبول کرنی اللہ پر ضروری ہے محض ان لوگوں کی جو کرتے ہیں برا کام حماقت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو یہ لوگ ہیں معاف کرتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب، اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں یہ لوگ ہیں (کہ) تیار کیا ہے ہم نے جن کے لئے عذاب دردناک۔

تفسیر: (توبہ) جس کا قبول کرنا حسب وعدہ (اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو انہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ) صغیرہ یا کبیرہ (کر بیٹھتے ہیں، پھر قریب ہی وقت میں) یعنی موت سے پہلے پہلے جس کے معنی آگے آتے ہیں (توبہ کر لیتے ہیں، سو ایسوں پر تو خدا تعالیٰ) قبول توبہ کے ساتھ (توجہ فرماتے ہیں) یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں) کہ کس نے دل سے توبہ کی (حکمت والے ہیں) اس لئے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو اکثر رسوا نہیں کرتے (اور ایسے لوگوں کی توبہ) قبول (نہیں جو) برابر (گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی) حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں (تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں) پس نہ تو ایسوں کی توبہ قبول (اور نہ ان لوگوں کی) توبہ یعنی ایمان لانا ایسے وقت کا مقبول ہے (جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے، ان) کافر (لوگوں کیلئے ہم نے ایک دردناک سزا) یعنی عقوبت دوزخ (تیار کر رکھی ہے)۔

فائدہ: 1- برابر گناہ کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ بار بار کرتے ہیں بلکہ ایک بار بھی گناہ کر کے اس سے توبہ نہ کی تو اس وجہ سے کہ یہ اصرار ہے اور اصرار تکرار کے حکم میں ہے اس لئے اس کو بھی بار بار گناہ کرنے کی مثل کہا جائے گا۔

2- قریب کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہو جائے لیکن اب تک دوسرے عالم کے احوال نظر نہیں آئے۔ دوسرے یہ کہ احوال نظر آنے لگیں۔ پہلی حالت میں کافر کا ایمان لانا اور عاصی کی

توبہ کرنا دونوں مقبول ہیں اور دوسری حالت میں دونوں غیر مقبول۔

3- یہ جو فرمایا کہ "حماقت سے" یہ قید واقعی ہے احترازی اور شرطی نہیں کیونکہ گناہ ہمیشہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔ جس کو اپنے ضرر و نفع کی پروا نہ ہو اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو گی۔

4- سوء اور سَیِّات دونوں جگہ اپنے عموم سے ہر عمل بد حتی کہ کفر کو بھی شامل ہے۔

5- مسلمان عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ حضورِ موت کے وقت توبہ مقبول نہیں یعنی مغفرت کا وعدہ اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے فضل ہو جائے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

ربط: مندرجہ بالا آیات میں توبہ کا ذکر ایک مناسبت سے آیا تھا، اس سے پہلے عورتوں سے متعلق احکام کا ذکر چل رہا تھا، ان آیات میں بھی عورتوں کے متعلق احکام ہیں، جاہلیت میں عورتوں پر ان کے شوہروں کی طرف سے بھی ظلم ہوتا تھا اور شوہروں کے وارثوں کی طرف سے بھی۔

جب عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے ورثاء اپنی من مانی کرتے تھے، دل چاہتا تو اسی عورت کے ساتھ خود نکاح کر لیتے یا دوسرے کے ساتھ کرا دیتے اور اگر رغبت نہ ہوئی تو نہ خود نکاح کرتے اور نہ دوسرے سے نکاح کرنے دیتے کہ اپنا مال و دولت اپنے ساتھ لے جائے گی۔ غرض یوں ہی اس کو قیدی بنا کر رکھتے تاکہ اس کو ذریعہ آمدنی بنائیں اس طرح سے کہ اس صورت میں اب وہ یا تو اپنا مال متاع ان کو دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیتی اور یا یوں ہی ان کے گھر میں قید رہتی اور اسی حالت میں اس کو موت آجاتی تھی پھر وہ اس کے مال پر قبضہ کر لیتے اور شوہر میت کے مال میں سے اس کو حصہ نہ دیتے۔ یہ کارروائی تو وارث کیا کرتے تھے۔

شوہر بھی اپنی بیویوں پر ظلم و ستم کیا کرتے تھے۔ اگر رغبت نہ ہوتی تو نہ حقوق زوجیت ادا کرتے اور نہ اس کو طلاق دیتے تاکہ وہ طلاق حاصل کرنے کے لئے مال دینے پر مجبور ہو بلکہ کبھی طلاق دینے کے بعد بھی اس کو نکاح نہ کرنے دیتے جب تک کہ وہ اس کو کچھ مال نہ دیتی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو حلال نہیں تمہارے لئے کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ جو تم نے دیا ان کو مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو شاید تم ناپسند کرو ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

تفسیر: (اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے) مال یا جان کے (جبراً مالک ہو جاؤ) مال کا مالک ہونا تین طرح سے ہے، ایک یہ کہ اس عورت کا جو شرعی حق میراث میں ہے اس کو خود لے لیا جائے اس کو نہ دیا جائے، اور دوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ یہاں ہی مر جائے پھر اس کا مال لے لیں یا وہ خود اپنے ہاتھ سے کچھ دے، تیسرے یہ کہ خاوند اس کو بے وجہ مجبور کرے کہ وہ اس کو کچھ مال دے تب یہ اس کو چھوڑے۔

پہلی اور تیسری صورت میں جبر کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر عورت اپنی خوشی سے کسی جبر کے بغیر میراث میں ملنے والا حصہ یا اپنا کوئی اور مال کسی کو ہدیہ کر دے تو اس مال کا لینا جائز ہے اور دوسری صورت میں یہ جبر واقع میں نکاح سے روکنے میں ہے جس سے غرض مال لینا تھا اس لئے مال لینے سے اس کو متعلق کر دیا، اس کا بھی وہی فائدہ ہے یعنی اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح نہ کرے تو ان لوگوں کو گناہ نہیں۔

اور جان کا مالک ہونا یہ تھا کہ مردہ کی عورت کو میت کے مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے، اس صورت میں جبر کی قید واقعی یعنی بیان واقعہ کے لئے ہے، کہ وہ ایسا کرتے تھے، مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر عورت اپنی رضامندی سے اپنے کو مال میت کی طرح ترکہ اور میراث بنانے پر راضی ہو جائے تو وہ سچ مچ میراث اور ملک ہو جائے گی۔

(اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے) یعنی خود تم نے یا تمہارے عزیزوں نے (ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ) بھی ان سے (وصول کر لو) اس مضمون میں بھی تین صورتیں آ گئیں ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دے تاکہ ہم کو یہ کچھ دے، دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرے کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں، تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی کچھ لئے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دے۔ (مگر) بعض صورتوں میں ان سے مال لینا یا ان کو مقید کرنا جائز ہے وہ (یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں) اس میں بھی تین صورتیں آ گئیں، ایک یہ کہ ناشائستہ حرکت شوہر کی نافرمانی اور بدخلقی ہو تو خاوند کے لئے جائز ہے کہ اس سے مال واپس لئے بغیر جو مہر سے زیادہ نہ ہو اس کو نہ چھوڑے، دوسرے یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا کی ہو اور گواہ بھی نہ ہوں تو ابتدائے

اسلام میں حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے خاوند کے لئے جائز تھا کہ اس جرمانہ میں اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو نکال دے، اب یہ حکم منسوخ ہے اور زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، اور تیسری صورت یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا کی ہو اور گواہ موجود ہوں تو خاوند کو اور نیز دوسرے ورثاء کو جیسا کہ شروع رکوع میں مذکور ہے بطور سزا کے بحکم حاکم عورتوں کو گھروں کے اندر مقید رکھنا جائز تھا، پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا لہذا یہ مقید رکھنا بطور سزا کے تھا مال وصول کرنے کی غرض سے نہ تھا۔ آگے خاص شوہروں کو حکم ہے (اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو) یعنی خوش اخلاقی اور نان و نفقہ کی خبر گیری کے ساتھ۔ (اور اگر) طبعی تقاضے سے (وہ تم کو ناپسند ہوں) مگر ان کی طرف سے ناپسندیدگی کا کوئی سبب بھی نہ ہو (تو) تم عقلی تقاضے سے یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ (ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت) دنیوی یا دینی (رکھ دے) مثلاً وہ تمہاری خدمت گار اور آرام رساں اور ہمدرد ہو، یہ دنیا کی منفعت ہے، یا اس سے کوئی اولاد پیدا ہو کر بچپن میں مر جائے یا زندہ رہے اور صالح ہو جو ذخیرہ آخرت ہو جائے یا اور کچھ نہیں تو ناپسند چیز پر صبر کرنے کا ثواب و فضیلت تو ضرور ہی ملے گی

ربط: اوپر کی آیت میں استثناء اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ کے عموم سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اگر عورت کی جانب سے کوئی خرابی ہو تو چھوڑنے میں اس سے مال لینا جو کہ مہر سے زائد نہ ہو جائز ہے دیگر حالتوں میں درست نہیں۔ ان میں ایک حالت یہ تھی کہ پہلی منکوحہ سے رغبت نہ رہی دوسری عورت سے رغبت ہوئی اس سے نکاح کرنا چاہا اور اس کے مہر دینے کی یہ تجویز سوچی کہ پہلی بیوی سے دیا ہوا روپیہ کسی طرح وصول کر کے یا اگر نہ دیا ہو تو اس سے معاف کرا کر وہی اس دوسری کو دے دیں تاکہ مطلوب حاصل ہو جائے۔ اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے کبھی تو پہلی بیوی پر کچھ تہمت لگا دیتے تاکہ اس سے مال لینے میں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آئے اور کبھی اور طریقے سے پریشان کرتے تاکہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے اس کو روپیہ دے یا معاف کرے۔ اگلی آیت میں اس کی ممانعت ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور اگر تم چاہو بدلنا ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو ایک کو

بہت سا مال تو مت (پھیر) لو اس میں سے کچھ۔ کیا تم لیتے ہو اس کو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ سے۔ اور کیونکر تم اس کو لیتے ہو حالانکہ پہنچ چکا ہے تمہارا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ۔

تفسیر: (اور اگر تم) اپنی رغبت کی وجہ سے (بجائے ایک بیوی کے) یعنی پہلی کے (دوسری بیوی کرنا چاہو) اور پہلی بیوی کا کوئی قصور نہ ہو (اور تم ان ایک کو) مہر میں یا ویسے ہی بطور ہبہ وعطیہ کے (انبار کا انبار مال دے چکے ہو) یا خاص مہر کے لئے صرف معاہدہ میں دینا طے کیا ہو (تو تم اس) دیئے ہوئے یا معاہدہ کئے ہوئے (میں سے) عورت کو تنگ کر کے (کچھ بھی) واپس (مت لو) اور معاف کرانا بھی حکماً واپس لینا ہی ہے۔ (کیا تم اس کو) واپس (لیتے ہو) اس کی ذات پر نافرمانی یا بدکاری کا (بہتان رکھ کر اور) اس کے مال میں (صریح گناہ) یعنی ظلم (کے مرتکب ہو کر) بہتان خواہ صراحۃً ہو یا از روئے دلالت ہو جس کی صورت یہ ہے کہ بیوی سے مال واپس لے کر اس کو دوسرے لوگوں کے ذہن میں نافرمان اور بد کردار تصور کرایا کیونکہ شروع میں جیسا اوپر ذکر ہوا صرف نافرمانی و بدکرداری کی صورت میں اس سے اپنا مال لینے کی اجازت تھی، پس جب اس سے مال لیا تو گویا اس کو دوسروں کے ذہن میں نافرمان و بدکردار تصور کرایا۔ مالی ظلم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کیونکہ عورت نے کوئی خوشی سے نہیں دیا۔ اور ہبہ کی صورت میں یہ ظلم اس لئے ہے کہ زوجین آپس میں کوئی کسی کو ہدیہ دیدے تو پھر اس سے واپس لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں اور واپس لے گا تو وہ ایک قسم کا غصب ہو گا اور بہتان بھی اسی سے لازم آتا ہے کیونکہ ہدیہ واپس لینا گویا یہ کہنا ہے کہ میری زوجہ نہ تھی۔ (اور تم اس) دیئے ہوئے (کو) حقیقۃً یا حکماً (کیسے لیتے ہو حالانکہ) بہتان و ظلم کے علاوہ اس کے لینے سے دو باتیں اور بھی مانع ہیں ایک یہ کہ (تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو) یعنی صحبت ہو چکی ہے یا خلوت صحیحہ ہی سہی کہ وہ بھی صحبت کے حکم میں ہے، مطلب یہ کہ انہوں نے اپنی ذات تمہارے تمتع و تلذذ کے لئے تمہارے سپرد کر دی ہے، اور مہر کی تقرری اور ادائیگی اس اقرار کی علامت ہے کہ تمہاری نظر میں اس کی ذات قابل قدر ہے تو اب مہر کو واپس لینا یا ابھی تک نہ دیا ہو تو نہ دینا عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ یہ اپنے اقرار سے پھرنا ہے۔ اور اگر وہ مال مہر نہیں بلکہ ہدیہ تھا تب بھی یہی وجہ ہے کیونکہ ہدیہ بھی اسی بات کی علامت ہے کہ دینے والے کی نظر میں اس کی قدر و قیمت ہے۔ (اور) دوسرا مانع یہ کہ (وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار) یعنی مستحکم عہد (لے چکی ہیں) وہ عہد یہ ہے کہ نکاح کے وقت تم نے مہر اپنے ذمہ رکھا تھا اور عہد کر کے خلاف کرنا یہ بھی عقل کے نزدیک مذموم ہے۔

فائدہ: اگر شبہ ہو کہ حدیث میں مہر کم مقرر کرنے کی تاکید آئی ہے اور اس آیت سے زیادہ کا جواز معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سے جو جواز سمجھ میں آتا ہے وہ صحت و نفاذ کے معنی میں ہے

یعنی اگر کسی نے زیادہ مہر مقرر کیا تو وہ مقرر کرنا صحیح ہوگا اور نافذ ہوگا جب کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ قابل تعریف نہیں۔

ربط: عورتوں سے متعلق جاہلیت کی بری رسموں میں سے ایک یہ تھی کہ بعض لوگ حرام عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے مثلاً اپنی سوتیلی ماں سے یا ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے اور بعض لوگ حلال عورتوں کو حرام سمجھتے جیسے لے پالک بیٹے کی بیوی۔ آگے اس کا ابطال فرماتے ہیں اور مقام کی مناسبت سے دیگر حرام عورتوں کی تفصیل بتاتے ہیں۔ اور بعض حلال عورتوں کی حلت میں مسلمانوں کو شبہ ہوا تھا جیسے شرعی باندی جس کا حربی شوہر دار الحرب میں ہو ان کی حلت کا بیان بھی فرمایا۔ اسی کے ساتھ نکاح کی بعض شرائط اور اس کے دوسرے متعلقات مہر وغیرہ کو ذکر کیا۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ
مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ
سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ
وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ
الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫
وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ
الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اور نکاح نہ کرو ان سے کہ نکاح کر چکے تمہارے باپ جن عورتوں سے مگر جو پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی اور نفرت کا کام ہے اور برا چلن ہے۔ حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور تمہاری بہنیں دودھ کی اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے صحبت کی تم نے جن سے اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں (اس نکاح میں) اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا، بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ
بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ۔ لازم کرنا ہے اللہ کا تم پر۔ اور حلال کی گئیں تمہارے لئے سب عورتیں ان کے سوا کہ تم طلب کرو ان کو اپنے مالوں کے بدلے اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو مستی نکالنے والے نہیں ہو۔ پھر جس طریقے سے نفع اٹھایا تم نے ان عورتوں سے تو ان کو دو ان کے حق مقرر کئے ہوئے اور گناہ نہیں تم پر اس میں جس پر تم دونوں آپس میں رضامندی کر لو مقرر کئے پیچھے۔ بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ہے

پہلی قسم: سوتیلی ماں

تفسیر: (اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ) یا دادا یا نانا یعنی تمہارے اصول (نے نکاح کیا ہو مگر) خیر اب سے پہلے جو بات گذر گئی گذر گئی اس پر گناہ معاف ہے لیکن ایسا جو نکاح ہوا ہے وہ باقی نہ رکھا جائے گا اور آئندہ پھر کبھی ایسا نہ ہو (بیشک یہ) بات عقلا بھی (بڑی بے حیائی ہے اور) سلیم طبیعتوں والوں کے نزدیک بھی (نہایت نفرت کی بات ہے اور) شرعا بھی (بہت برا طریقہ ہے۔ تم پر) سوتیلی ماں کے علاوہ یہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) یعنی ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں:

دوسری قسم: نسب سے حرام عورتیں

یہ سات ہیں یعنی (تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں) ماں کے حکم میں دادی، نانی اوپر تک سب داخل ہیں۔ ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک سب داخل ہیں اور بہن میں عینی یعنی سگی، علاتی یعنی باپ شریک اور اخیافی یعنی ماں شریک اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں، نانی اور نانی کی نانی سب کی بہن خواہ سگی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی داخل ہے اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی

اولاد اور اولاد کی اولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد داخل ہیں۔

تیسری قسم: رضاعت سے حرام عورتیں

(اور) یہ دو ہیں یعنی (تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے) یعنی انا (اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہیں) یعنی تم نے ان کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس نے تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، گو مختلف وقت میں پیا ہو۔

فائدہ: ان رضاعی رشتوں کا اور نسبی رشتوں کا جب ایک ہی حکم بتایا تو معلوم ہوا کہ دیگر رشتے جو نسب میں بیان ہوئے وہ بھی رضاعت میں حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

چوتھی قسم: رشتہ نکاح کی وجہ سے حرام عورتیں

ان کی پھر دو قسمیں ہیں

1- جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے۔

(اور) وہ یہ تین ہیں یعنی (تمہاری بیویوں کی مائیں) اس میں زوجہ کے سب مونث اصول آ گئے (اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں) اس میں زوجہ کے سب مونث فروع آ گئے (جو کہ عام طور سے تمہاری پرورش میں رہتی ہیں) مگر اس میں ایک قید بھی ہے، وہ یہ کہ وہ لڑکیاں (ان بیویوں سے) ہوں (کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو) یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کرنے سے اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی بلکہ جب اس عورت سے صحبت بھی ہو جائے تب لڑکی حرام ہوتی ہے (اور اگر ابھی تک تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو) گو نکاح ہو چکا ہو (تو) ایسی بیوی سے جدائی کے بعد اس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں (تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں) بھی حرام ہیں (جو کہ تمہاری نسل سے ہوں) اس میں سب مذکر فروع یعنی نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی بیویاں آ گئیں، اور نسل کی قید کا مطلب یہ ہے کہ منہ بولے یعنی لے پالک جس کو متبنیٰ کہتے ہیں اس کی بیوی حرام نہیں۔

2- جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو۔ ان کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔

i- جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی خاص قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی۔ جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مر گئی تو ان خاص قرابت والی عورتوں سے نکاح درست ہو جائے گا۔

(اور یہ) بھی حرام ہے (کہ تم دو بہنوں کو) خواہ وہ رضاعی ہوں یا نسبی ہوں اپنے نکاح میں (ایک

ساتھ رکھو لیکن جو) اس حکم سے (پہلے ہو چکا) اس کا گناہ معاف ہے البتہ اب آگے اکٹھا نہیں رکھ سکتے۔ (بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں) کہ رحمت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

فائدہ: ا۔ اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ سوکنوں میں عام طور سے محض سوکن ہونے کی وجہ سے آپس میں رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دین نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ رحمی رشتوں کے فطری تعلق میں خلل آئے۔ اسی وجہ سے زوجہ کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا بھی یہی حکم ہے۔

ب: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کے مرنے پر اس کی بہن یا خالہ سے نکاح کر لیا تو چونکہ جنت میں دلوں کی رنجش اور غم سرے سے ہوگا ہی نہیں بلکہ خوشی اور محبت ہی ہوگی اس لئے وہاں ان کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا منع نہیں۔

(ii) جب تک کسی دوسرے کے نکاح یا عدت میں ہو

(اور وہ عورتیں ہیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر) اس قسم سے وہ مستثنیٰ ہیں (جو کہ) شرعاً تمہاری مملوک ہو جائیں اور اہل کتاب ہوں یا مسلمان ہو جائیں اور ان کے شوہر حربی ہوں اور دارالحرب میں موجود ہوں تو حدیث کی رو سے ایک حیض آجانے کے بعد یا وضع حمل کے بعد حلال ہیں (اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور) باقی (عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے) نکاح میں لانا (چاہو) یعنی مہر ہونا نکاح میں ضروری ہے اور (اس طرح کہ تم) ان کو (بیوی بناؤ) جس کی شرطیں شرع میں مشہور ہیں، مثلاً گواہ بھی ہوں، وہ نکاح موقت بھی نہ ہو وغیرہ (صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو) اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا گو اس میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے (پھر) نکاح ہو جانے کے بعد (جس طریقہ سے) یعنی خلوت صحیحہ سے یا جماع سے (بھی تم نے ان عورتوں سے نفع اٹھایا ہو سو ان کو) اس کے عوض یعنی (ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں اور) یہ نہ سمجھو کہ اس مقررہ میں کسی طرح کی بیشی ممکن نہیں بلکہ (مقرر ہونے کے بعد بھی جس) مقدار (پر تم) میاں بیوی (باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں) مثلاً خاوند نے اور مہر بڑھا دیا یا عورت نے خوشی سے کم کر دیا یا خوشی سے پورا معاف ہی کر دیا ہر طرح درست ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں) اس لئے تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں (بڑے حکمت والے ہیں) ان مصلحتوں کی رعایت سے احکام مقرر فرمائے ہیں گو کہیں وہ تمہاری سمجھ میں نہ آئیں۔

فائدہ: 1 یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مذکور حرام عورتوں کے بعد فرمایا ان عورتوں کے سوا اور باقی عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں حالانکہ ان کے علاوہ بھی کچھ حرام عورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جیسا

کہ تفسیر میں واضح کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن پاک سے اس عموم کی تخصیص ملتی ہے یعنی دوسرے مقام میں چار تک سے ایک وقت میں نکاح کر سکتا ہے اس سے زیادہ سے نہیں اور یہ باقاعدہ ضابطہ ہے کہ قرآن پاک میں مذکور حکم عام کی ایک دفعہ تخصیص ہو گئی ہو تو پھر سنت اور قیاس سے مزید تخصیص ہو سکتی ہے۔ اس لئے باقی محرمات کا ذکر اگرچہ حدیث سے یا اجماع سے یا قیاس سے ثابت ہے لیکن ان سے قرآن پاک کے اس حکم عام کی کہ جس کی ایک دفعہ خود قرآن نے تخصیص کر دی ہے مزید تخصیص ہو سکتی ہے۔

ربط: اوپر سے نکاح کے احکام چلے آتے ہیں۔ آگے شرعی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ذکر ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَھْلِهِنَّ وَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

ترجمہ: اور جو کوئی نہ رکھے تم میں قدرت اس کی کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو (نکاح کرلے) ان سے جن کے مالک بنے تمہارے ہاتھ تمہاری آپس کی مسلمان لونڈیوں سے۔ اور اللہ خوب جانتے ہیں تمہارا ایمان۔ تم آپس میں ایک ہو۔ سو نکاح کرو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر موافق دستور کے اس حال میں کہ وہ قید نکاح میں لائی جانے والی ہوں نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ اختیار کرنے والی ہوں چھپے یار۔

تفسیر: (اور جو شخص تم میں پوری قدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس) والوں (کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی) شرعاً (مملوکہ ہیں نکاح کر لے) کیونکہ اکثر لونڈیوں کا مہر وغیرہ کم ہوتا ہے اور ان کو غریب کے ساتھ بیاہ دینے میں عار بھی نہیں کرتے (اور) فی ذاتہ لونڈی سے نکاح کرنے کو معیوب نہ سمجھے، کیونکہ دین کی رو سے تو ممکن ہے کہ وہ تم سے بھی افضل ہو جس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت دین کا مدار ایمان ہے اور (تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے) کہ اس میں کون اعلیٰ ہے کون ادنیٰ ہے، کیونکہ اس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے جس کی پوری اطلاع اللہ ہی کو ہے۔ اور دنیا کی رو سے عار کی اکثر وجہ ان کو نسب میں گھٹیا سمجھنا ہے تو اس بارے میں یہ بات یاد رکھو کہ انساب کا جو اصل مبدا ہے یعنی حضرت آدم و حواء علیہما السلام اس میں مشارکت کے اعتبار

سے (تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو) پھر عار کی کیا وجہ (سو) جب عار نہ ہونے کی وجہ معلوم ہو گئی تو مذکورہ ضرورت کے وقت (ان سے نکاح کر لیا کرو) مگر شرط یہ بھی ہے کہ (ان کے مالکوں کی اجازت سے) ہو (اور ان) کے مالکوں (کو ان کے مہر قاعدہ) شرعیہ (کے موافق دیدیا کرو) اور یہ مہر دینا (اس طور پر) ہو (کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں) یعنی وہ مہر بمقابلہ نکاح ہو زنا کی اجرت کے طور پر دینے سے وہ حلال نہ ہو گی۔

فائدہ: لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں دو قیدیں لگائی ہیں ایک یہ کہ وہ ایسی عورت سے نکاح نہ کر سکے جس میں دو صفتیں ہوں ایک آزادی دوسرے ایمان۔ دوسری یہ کہ وہ لونڈی مسلمان ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان دو شرطوں کی رعایت اولیٰ ہے لازم نہیں۔ اگر ان قیدوں کی رعایت کے بغیر لونڈی سے نکاح کر لیا تو نکاح تو ہو جائے گا البتہ کراہت تنزیہی ہو گی۔ نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی آیت وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں مسلمان اور اہل کتاب لونڈیاں بھی شامل ہیں اس لئے وہ حلال ہیں حرام نہیں۔ یہاں ان دو قیدوں کے ذکر سے ان کی حرمت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جب یہ دو قیدیں پائی جا رہی ہوں تو اس وقت باندی سے نکاح کرنے میں کچھ کراہت نہیں۔ بلا مجبوری کے باندی سے نکاح کرنے میں کراہت تنزیہی کی وجوہات میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اول۔ مالک کی خدمت اس سے ساقط نہیں ہوتی اس لئے وہ مالک کی خدمت کے لئے بازار آنا جانا رکھتی ہے جس سے اس کے کسی بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ دوم چونکہ وہ آزاد نہیں اس لئے اس کو شوہر کے گھر اور مال کا درد نہ ہو گا۔ سوم کسی وقت وہ اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے لیکن اسی وقت میں مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور پریشانی ہو گی وغیرہ۔

ربط: اوپر لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت کا حکم تھا لیکن جیسے ذکر ہوا لونڈی کو پردے میں رکھنا لازم نہیں اور مالک کی خدمت کی خاطر بازار وغیرہ میں آمد و رفت رکھنے کے باعث اس کے بدکاری میں مبتلا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لئے لونڈیوں کے متعلق زنا کی حد کا حکم ذکر کرتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے ذکر میں لونڈیوں کی تخصیص ہے ورنہ غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ

ترجمہ: پھر جب وہ قید نکاح میں لائی جا چکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی

سزا ہے اس سزا کی جو آزاد (غیر منکوحہ) عورتوں پر ہے۔

تفسیر: (پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنالی جائیں، پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تو) ثبوت کے بعد بشرطیکہ مسلمان ہوں (ان پر اس سزا سے نصف سزا) جاری (ہوگی جو کہ) غیر منکوحہ (آزاد عورتوں پر ہوتی ہے) جیسا کہ نکاح کے قبل بھی لونڈیوں کی یہی سزا تھی اور اسی طرح غلاموں کی بھی۔

فائدہ: وہ سزا یہ ہے کہ ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ آزاد کنواری عورت (اور اسی طرح آزاد کنوارے مرد) کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور نصف کہنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پھر لونڈی غلام پر رجم نہیں کیونکہ رجم میں اس وقت تک پتھر مارے جاتے ہیں کہ روح نکل جائے اور اس میں نصف ممکن نہیں۔

ربط: آگے پھر لونڈی سے نکاح کے مضمون کی طرف واپس آتے ہیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ترجمہ: یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے زنا (میں پڑنے) سے اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (یہ) لونڈیوں سے نکاح کرنا (اس شخص کے لئے) مناسب (ہے جو تم میں) بوجہ غلبہ شہوت اور آزاد منکوحہ میسر نہ ہونے کے (زنا) میں مبتلا ہو جانے (کا اندیشہ رکھتا ہو) اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس حالت میں کراہت تنزیہی ہے۔ (اور) اگر اس اندیشہ کی حالت میں بھی اپنے نفس پر قادر ہو تو (تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے) بہ نسبت نکاح کنیز کے (اور) یوں (اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں) اگر صورت کراہت میں بھی نکاح کر لیا، ہم مواخذہ نہیں کریں گے اور (بڑی رحمت والے ہیں) کہ حرمت کا حکم نہیں فرمایا۔

فائدہ: غفور کی تفسیر میں جو کہا گیا ہے یہ اس حکم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مکروہ تنزیہی کا یہی حکم ہے۔

ربط: پچھلی آیتوں میں احکام کی تفصیل ذکر ہوئی۔ آگے آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنا انعام واحسان بھی بتاتے ہیں اور یہ بھی بتاتے تھے کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہاری ہی منفعتوں اور مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے اگرچہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، پھر اس کے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہیں

سیدھے راستہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸

ترجمہ : چاہتا ہے اللہ کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو راہوں پر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے اور توجہ کرے تم پر اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں مزوں کی کہ تم پھر جاؤ راہ راست سے بہت دور۔ اللہ چاہتا ہے کہ بوجھ ہلکا کرے تم سے اور بیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔

تفسیر : (اللہ تعالیٰ کو) ان مذکورہ مضامین کے ارشاد فرمانے سے اور اسی طرح دوسرے مضامین سے اپنا کوئی نفع مقصود نہیں کہ یہ محال عقلی ہے بلکہ تم کو نفع پہنچانے کے لئے (یہ منظور ہے کہ تم سے) تمہاری مصلحت کے احکام (بیان کردے اور تم سے پہلے لوگوں کے رستوں پر تم کو چلادے) تاکہ تم اتباع کرو اور مخالفت سے بچو (اور) تم میں اور تم سے پہلوں میں مشترک مقصود کا خلاصہ یہ ہے کہ (تم پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائے) اور وہ توجہ یہی بیان فرمانا اور راہ پر چلانا ہے جس میں سر تا سر بندوں ہی کا نفع ہے جیسا ذکر ہوا (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) کہ بندوں کی مصلحت جانتے ہیں (بڑے حکمت والے ہیں) کہ کسی وجوب کے بغیر ان مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کو) تو احکام بیان کرنے سے اور راہ پر چلانے سے (تمہارے حال پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ) کفار و فجار میں سے (شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم) راہ راست سے (بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ) اور انہی جیسے ہو جاؤ چنانچہ وہ اپنے فاسد خیالات مسلمانوں کے کانوں میں ڈالتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو احکام میں جس طرح تمہاری مصلحت پر نظر ہے اسی طرح تمہاری آسانی پر بھی نظر ہے اسی لئے ارشاد ہے کہ (اللہ تعالیٰ کو) احکام میں (تمہارے ساتھ تخفیف) یعنی آسانی بھی (منظور ہے اور) اس کی وجہ یہ ہے کہ (آدمی) دیگر مکلفین جیسے جنات کی بنسبت بدن اور ہمت دونوں میں (کمزور پیدا کیا گیا ہے) اس لئے اس کے ضعف کے مناسب احکام مقرر فرمائے ہیں، ورنہ مصلحت کی رعایت کے اعتبار سے اعمال شاقہ کے تجویز کئے جانے میں بھی مضائقہ نہ تھا، مگر ہم نے دونوں باتوں کا اکٹھے لحاظ فرمایا اور یہ بڑے علم و حکمت اور نیز رحمت و شفقت پر موقوف ہے۔

فائدہ 1: شہوت پرستوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حرام و حلال کی تمیز کرنا نہیں چاہتے خواہ وہ فاسق ہوں یا کافر ہی ہوں۔

2: بڑی بھاری کجی کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ بے باکانہ حرام کا مرتکب ہونا دوسرے یہ کہ حرام کو حلال سمجھنا۔ فاسق تو پہلی صورت کی کوشش کرتے ہوں گے اور کافر دوسری صورت کی جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بے راہ لوگ دوسروں کو بھی بے راہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں ہلکی کجی یہ ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اتفاق سے اس کا صدور ہو جائے۔

ربط: اوپر جو احکام مذکور ہوئے ان کے تتمہ کے طور پر فرمایا کہ یتیموں کے اموال اور عورتوں کے مذکورہ تصرفات کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ جو بھی تصرف کسی کے مال اور نفس میں غیر مشروع طریقے سے ہو وہ ممنوع ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق طریقے سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی خوشی سے اور نہ قتل کرو ایک دوسرے کو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق) یعنی ناجائز (طور پر مت کھاؤ) اور ناجائز طور پر استعمال مت کرو (لیکن) اگر جائز طور پر ہو مثلاً (کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو) بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرعی شرائط پوری ہوں تو مضائقہ نہیں یہ تو مالی تصرف تھا، آگے جانی تصرف کو فرماتے ہیں (اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں) اس لئے ضرر رسانی کی صورتوں کو منع فرمادیا بالخصوص جب کہ اس میں یہ اثر ہو کہ جواب میں دوسرا شخص پھر تم کو ضرر پہنچائے گا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تم کو بھی ضرر سے بچالیا (اور) چونکہ ان

دونوں باتوں میں سے قتل زیادہ سخت ہے اس لئے اس پر بالخصوص وعید سناتے ہیں کہ (جو شخص ایسا فعل) یعنی قتل (کرے گا اس طور پر کہ حد) شرع (سے گذر جائے اور) وہ گذرنا بھی رائے یا فعل میں خطا سے نہ ہو بلکہ اس طور پر ہو کہ قصداً (ظلم کرے تو ہم عنقریب) یعنی موت کے بعد (اس کو) دوزخ کی (آگ میں داخل کریں گے اور یہ) یعنی ایسی سزا دینا (خدا تعالیٰ کو) بالکل (آسان ہے) کچھ اہتمام کی حاجت نہیں جس میں اس احتمال کی گنجائش ہو کہ شاید کسی وقت اہتمام نہ ہو سکے تو سزا ٹل جائے گی۔

فائدہ: عدوان کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص واقع میں قتل کا مستحق نہ ہو اس کو قتل کیا جائے۔ اور ظلم کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قتل کا مستحق نہ ہو اس کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا جائے۔

ربط: اوپر دو آیتوں میں جن معاصی کا ذکر ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں سو یہاں تک ان کے کرنے پر سزا کی وعید تھی۔ آگے ان کے نہ کرنے کی ترغیب ہے کہ اگر ان سے بچو گے تو اس میں تمہارا یہ فائدہ بھی ہے کہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ تمہاری نیکیوں سے کر دیں گے۔ اور چونکہ دیگر کبیرہ گناہ بھی مذکورہ کبیرہ گناہوں کی طرح ہیں اس لئے آیت میں لفظ عام لائے ہیں۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اگر تم بچتے رہو گے بڑے بڑے گناہوں سے ان کاموں میں سے جن سے تم منع کئے جاتے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت والے مقام میں۔

تفسیر: (جن کاموں سے تم کو) شرع میں (منع کیا جاتا ہے) یعنی گناہ کے کام (ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں) یعنی بڑے بڑے گناہ ہیں (اگر تم ان سے بچتے رہو تو) اس بچنے پر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال حسنہ کے کرنے سے جب کہ وہ مقبول ہو جائیں (ہم تمہاری خفیف برائیاں) یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو کہ دوزخ میں لے جا سکتے ہیں (تم سے دور) یعنی معاف (فرما دیں گے) پس دوزخ سے محفوظ رہو گے (اور ہم تم کو ایک معزز جگہ) یعنی بہشت (میں داخل کر دیں گے)

فائدہ: 1- گناہ کبیرہ کی تعریف میں جامع تر قول یہ ہے کہ جس گناہ پر کوئی وعید ہو یا حد ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس جیسے گناہ کے مفسدہ کے برابر کسی گناہ میں مفسدہ ہو یا وہ دین کے احکام کو ہلکا سمجھ کر کیا گیا ہو وہ کبیرہ ہے اور اس کا مقابل صغیرہ ہے۔

2: صغیرہ گناہ ہو جانے کے بعد چند حالتیں ہیں۔

ا۔ یہ حالت کہ کبیرہ سے بچتا ہو اور فرائض و واجبات کا پابند ہو۔ اس حالت میں وعدہ ہے کہ صغائر معاف ہو جائیں گے اور آیت میں یہی صورت مذکور ہے چنانچہ کبیرہ سے بچنے کی شرط تو خود آیت میں ذکر ہے اور فرائض و واجبات کی پابندی پر چند دلائل اور قرائن ہیں۔ ایک دلیل تو خود آیت میں ہے کیونکہ فرائض و واجبات کی پابندی نہ کرنا مثلاً فرض نماز ترک کرنا خود کبیرہ گناہ ہے پس اجتناب عن الکبائر اس صورت میں پورا نہ ہوگا۔ گویا پہلی شرط کو دوسری شرط لازم ہے۔ دوسرا قرینہ یہ آیت ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ کہ حسنات کو برائیوں کے دور کرنے کا ذریعہ بتایا۔ تیسرا قرینہ مسلم کی حدیث اَلصَّلٰوۃُ الْخَمْسُ مُکَفِّرَۃٌ لِمَا بَیْنَھَامَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ یعنی پانچ نماز میں صغائر کا کفارہ میں جب تک کبائر سے بچا جائے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ دونوں باتوں کے مجموعہ کو دخل حاصل ہے۔

تنبیہ: صغائر کی معافی ان دو باتوں کے مجموعہ کا صرف ایک اثر ہے لہذا اگر اس مجموعہ کے وقت صغائر موجود نہ ہوں تو اس کا دوسرا اثر رفع درجات ہے۔

ب: یہ حالت کہ کبیرہ سے نہ بچے گو فرائض و واجبات کی پابندی ہو۔

ج: یہ حالت کہ فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو گو اور کبائر سے بچتا ہو۔

ان دونوں حالتوں میں چونکہ کبائر سے اجتناب نہ پایا گیا اس لئے ان میں صغائر سے کفارہ کا وعدہ نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرما دیں تو دوسری بات ہے کیونکہ وہ فضل تو کبیرہ گناہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ جب وعدہ نہیں ہے تو ممکن ہے اس پر آخرت میں سزا ہو۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے یعنی صغائر پر عذاب کا احتمال ہے۔

3: حسنات کے مقبول ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ غیر مقبول تو بمنزلہ عدم کے ہیں اور چونکہ مقبول ہونا جو کہ شرط ہے یقینی نہیں اس لئے کفارہ بھی یقینی نہیں۔ اسی لئے علمائے اہل سنت کا کہنا ہے کہ کبائر سے اجتناب کے باوجود صغائر پر سزا کا احتمال ہے کیونکہ سزا کو دور کرنے والی شرط کا ہونا خود یقینی نہیں ہے۔

ربط: ما قبل کی آیتوں میں میراث کے احکام گذرے ہیں، ان میں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میت کے ورثہ میں اگر مرد اور عورت ہو اور میت کی طرف رشتہ کی نسبت ایک ہی طرح کی ہو تو مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا اسی طرح کے اور فضائل بھی مردوں کے ثابت ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے اس پر ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو آدھی میراث ملتی ہے اور بھی فلاں فلاں فرق ہم میں اور مردوں میں ہیں۔

مقصد اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی تمنا تھی کہ اگر ہم لوگ بھی مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل

ہمیں بھی حاصل ہو جاتے۔ اسی طرح بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد میں حصہ لیتے اور جہاد کی فضیلت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

ایک عورت نے حضور ﷺ سے عرض کیا مرد کو میراث میں دو گنا حصہ ملتا ہے اور عورت کی شہادت بھی مرد سے نصف ہے تو کیا عبادات و اعمال میں بھی ہم کو نصف ہی ثواب ملے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کے قول کا جواب **ولا تتمنوا** سے دیا گیا، اور اس عورت کے قول کا جواب **للرجال نصیب** سے دیا گیا۔

تمہید کے طور پر جاننا چاہئے کہ فضائل کی دو بڑی قسمیں ہیں کسبی اور وہبی۔

1- کسبی و اختیاری فضائل وہ ہیں جو بندہ اپنے کسب اور اپنی سعی سے حاصل کر سکتا ہے مثلاً زیادہ عبادت کر کے یا زیادہ انفاق کر کے یا زیادہ جہاد کر کے زیادہ ثواب اور زیادہ درجے حاصل کر سکتا ہے۔

2- وہبی اور خداداد فضائل کی بھی پھر دو قسمیں ہیں۔

i- جن میں آدمی کے عمل کو کچھ دخل نہیں مثلاً مرد ہونا یا مردوں میں کسی کا نبی ہونا۔ ان کی تمنا کرنا فضول بھی ہے اور منع بھی ہے۔

ii- وہ ہیں جو اعمال پر مداومت اور شریعت پر استقامت سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں مثلاً بزرگوں کے باطنی کمالات و احوال۔ بندہ عمل کے بعد ان کے لئے دعا کر سکتا ہے لیکن ان کا حصول بندے کے اختیار میں نہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور تمنا مت کرو اسکی بڑائی دی اللہ نے جس میں تمہارے بعض کو بعض پر۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے عمل کیا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے عمل کیا۔ اور مانگو اللہ سے اس کا فضل۔ بے شک اللہ ہے ہر چیز کو خوب جاننے والا۔

تفسیر: (اور تم) سب مردوں عورتوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہبی یعنی خداداد میں سے (ایسی کسی بات کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو) مثلاً مردوں کو (بعضوں پر) مثلاً عورتوں پر ان کے کسی عمل کے دخل کے بغیر (فوقیت بخشی ہے) جیسے مرد ہونا یا مردوں کا دو حصہ ہونا یا ان کی شہادت کا

کامل ہونا وغیرہ (مردوں کے لئے ان کے اختیاری اعمال) کے ثواب (کا حصہ) آخرت میں (ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اختیاری اعمال) کے ثواب (کا حصہ) آخرت میں (ثابت ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ضابطہ میں نجات کا مدار یہی اختیاری و کسبی اعمال ہیں اور ان میں کسی کی تخصیص نہیں تو اگر دوسروں سے فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو اعمال میں جو کہ آدمیوں کے کسب سے ہیں کوشش کر کے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کرلو۔ ان سے ہٹ کر مخصوص فضائل کی تمنا کرنا فضول ہے (اور) اگر وہبی فضائل میں ایسے فضائل کی رغبت ہے جن میں اعمال کو بھی دخل ہے مثلاً باطنی احوال و کمالات وغیرہ تو مضائقہ نہیں لیکن اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ خالی تمنائیں کیا کرو بلکہ یہ چاہئے کہ (اللہ تعالیٰ سے اس کے) خاص (فضل کی درخواست) یعنی دعا (کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) اس میں سب چیزیں آگئیں، یعنی وہبی فضائل کی قسم اول کی وجہ تخصیص بھی اور کسبی فضائل پر ثواب دینا بھی اور وہبی فضائل قسم دوم کی درخواست بھی۔ پس یہ جملہ سب کے متعلق ہے۔

فائدہ: 1 بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے عموم میں صرف مرد بھی داخل ہیں لہذا کسی مرد کے لئے نبوت وغیرہ کی تمنا بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

2: کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسبی فضائل میں مرد و عورت دونوں مساوی ہیں حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورتوں کی نماز وغیرہ جو کہ کسبی فضائل میں سے ہے ان میں حیض و نفاس کی وجہ سے نقصان و کمی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مساوات اس معنی میں ہے کہ عمل کرنے پر دونوں کو برابر کا ثواب ملتا ہے اور تفاوت اس معنی میں ہے کہ اپنے اختیار کے بغیر عورتوں میں عمل آنے سے مانع ایک عارض ہے جس کی وجہ سے عمل کم ہوتا ہے لیکن جب عمل ہوتا ہے تو ثواب برابر کا ملتا ہے۔

ربط: میراث ہی کا ایک اور حکم ذکر ہوا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۳۳

ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے ہم نے مقرر کر دیئے ہیں وارث جس کو کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔ اور جن سے بندھے ہوئے ہیں عہد تمہارے تم دیدو ان کو ان کا حصہ بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

تفسیر: (اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور) دوسرے (رشتہ دار لوگ) اپنے مرنے کے بعد (چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں سے تمہارے عہد) پہلے سے (بندھے ہوئے ہیں) ان کو مولی الموالات کہتے ہیں (ان کو) اب جبکہ شریعت نے رشتہ دار لوگ وارث مقرر کر دیئے ساری میراث مت دو بلکہ صرف (ان کا حصہ) یعنی چھٹا دیدو (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں) پس ان کو ساری میراث نہ دینے کی حکمت اور چھٹا حصہ مقرر کر دینے کی مصلحت اور یہ کہ یہ چھٹا ان کو کون دیتا ہے کون نہیں دیتا ان سب کی ان کو خبر ہے۔

فائدہ: جن دو شخصوں میں باہم اس طرح قول و قرار ہو جائے کہ ہم ایک دوسرے کے اس طرح مدد گار رہیں گے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی دیت لازم آئے تو دوسرا اس کا بوجھ اٹھائے اور جب مر جائے تو دوسرا اس کی میراث لے یہ عہد عقد موالات ہے اور ان میں سے ہر شخص مولی الموالات کہلاتا ہے۔ یہ رسم عرب میں اسلام سے پہلے بھی تھی۔ یہ عہد کرتے ہوئے وہ لوگ قسم بھی کھایا کرتے تھے۔

ابتدائے اسلام میں جب تک اکثر مسلمانوں کے رشتہ دار مسلمان نہ ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے باہم انصار و مہاجرین میں عقد اخوت یعنی بھائی چارا فرما دیا تھا۔ یہ وہی عقد موالات کی صورت تھی۔ اس وقت میں اسی قدیم رسم کے موافق حکم رہا کہ انصار و مہاجرین میں باہم میراث جاری ہوتی تھی۔ پھر جب لوگ بکثرت مسلمان ہو گئے اس میں پہلی ترمیم وہ ہوئی جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی مولی الموالات کو چھٹا حصہ اور باقی دیگر وارثوں کو دلایا جاتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سورہ احزاب کی آیت وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ سے اس مولی الموالات کا حصہ بالکل ہی منسوخ ہو گیا۔ البتہ اگر کسی کا کسی بھی قسم کا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مولی الموالات کو کل میراث ملے گی۔

ربط: آگے مردوں کے حقوق جو عورتوں پر ہیں ان کے مطالبہ کی اجازت اور ان کے فوت کرنے پر تادیب کی اجازت اور حقوق کے متعلق باہم اختلاف ہونے کی صورت میں اس کے تصفیہ کا طریقہ اور اس ضمن میں حقوق ادا کرنے والیوں کی فضیلت بتاتے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۗ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۗ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ
بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ۚ اِنۡ
يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ بڑائی دی اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر اور اس وجہ سے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال۔ تو جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں نگہبانی کرنے والی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے۔ اور جو عورتیں کہ تم ڈرتے ہو (یعنی دیکھتے ہو) ان کی کج ادائی سے تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو ان کو سونے کی جگہوں میں اور مارو ان کو۔ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ (زیادتی کرنے کی) بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا۔ اور اگر تم خوف کرو دونوں کے درمیان آپس کی ضد بازی کا تو بھیجو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے اصلاح تو موافقت کر دے گا اللہ ان دونوں میں۔ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا خبردار)۔

تفسیر: (مرد حاکم ہیں عورتوں پر) دو وجہ سے ایک تو (اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو) یعنی مردوں کو (بعضوں پر) یعنی عورتوں پر قدرتی (فضیلت دی ہے) یہ تو وہبی اور محض خداداد امر ہے (اور) دوسرے (اس سبب سے کہ مردوں نے) عورتوں پر (اپنے مال) مہر میں اور نان نفقہ میں (خرچ کئے ہیں) اور خرچ کرنے والوں کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے کہ جس پر خرچ کیا جائے اور یہ کسبی چیز ہے (سو جو عورتیں نیک ہیں) وہ مرد کے ان فضائل و حقوق کی وجہ سے (اطاعت کرتی ہیں) اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی (بحفاظت) و توفیق (الٰہی اس کی آبرو و مال کی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں) اس صفت کی نہ ہوں، بلکہ (ایسی ہوں کہ تم ان کی کج ادائی دیکھو تو ان کو) اول (زبانی نصیحت کرو اور) نہ مانیں تو (ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو) یعنی ان کے پاس مت لیٹو (اور) اس سے بھی نہ مانیں تو (ان کو) اعتدال کے ساتھ (مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر) زیادتی کرنے کے لئے (بہانہ) اور موقع (مت ڈھونڈو) کیونکہ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں) ان کے حقوق اور قدرت اور علم سب بڑے ہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے پھر وہ بھی تم پر اپنے حقوق کے متعلق ہزاروں الزام قائم کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو کما حقہ تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ (اور اگر) قرائن سے (تم سر کردہ لوگوں کو ان دونوں میاں بیوی میں) ایسی (کشاکش کا اندیشہ ہو) کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں

گے (تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو) ایسا ہی (تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے) تجویز کر کے اس کشاکش کو دور کرنے کے لئے ان کے پاس (بھیجو) کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو غلطی پر ہو یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو سمجھائیں (اگر ان دونوں آدمیوں کو) سچے دل سے معاملہ کی (اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں) بشرطیکہ وہ خود بھی اصلاح احوال پر آمادہ ہوں اور ان دونوں کی رائے پر عمل بھی کریں (اتفاق فرمادیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں) جس طریق سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں جب دونوں تصفیہ کرنے والوں کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریقہ ان کے قلب میں القاء فرمادیں گے۔

ربط: معلوم ہو چکا ہے کہ اس سورت میں حقوق العباد کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے، شروع سورت سے یہاں تک عام انسانی حقوق کی اہمیت کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا اہتمام اور ان میں کوتاہی پر سزا و وعید اور اس دنیا میں جو ان دو صنف ضعیف یعنی بچوں اور عورتوں کے ساتھ ظلم روا رکھا گیا اور ظالمانہ رسمیں اختیار کی گئیں ان کی اصلاح کا اور پھر وراثت کے حقوق کا بیان آیا ہے، اس کے بعد والدین اور دوسرے رشتہ داروں اور تعلق داروں اور پڑوسیوں اور عام انسانوں کے حقوق کا کچھ تفصیلی بیان آ رہا ہے اور چونکہ ان حقوق کو پورے طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اور قیامت کے ساتھ عقیدہ درست رکھتا ہو نیز بخل، کبر اور ریاء سے بھی بچتا ہو، کیونکہ یہ باتیں بھی حقوق کی ادائیگی میں مانع ہوتی ہیں، اس لئے ان آیات میں توحید اور ترغیب و ترہیب کے کچھ مضامین ارشاد فرمائے اور شرک، انکار قیامت، عصیان رسولؐ اور بخل وغیرہ اخلاق ذمیمہ کی مذمت بھی ذکر فرمائی۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾
وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝۳۸

ترجمہ: اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ پاس والے اور ہمسایہ دور والے اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جن کے مالک بنے تمہارے داہنے ہاتھ۔ بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اس کو جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہو اور جو شیخی کرنے والا ہو۔ جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ناشکروں کے لئے عذاب توہین آمیز۔ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر اور جن کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے

تفسیر: (اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو) اس میں توحید بھی آگئی (اور اس کے ساتھ کسی چیز کو) خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان عبادت میں یا اس کی خاص صفات مثلاً علم محیط اور قدرت عامہ وغیرہ کے اعتقاد میں (شریک مت کرو اور) اپنے (والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور) دوسرے (اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی) خواہ وہ مجلس دائمی ہو جیسے طویل سفر کی رفاقت اور ایک جگہ کی ملازمت یا تجارت میں شرکت ہو یا عارضی ہو جیسے چھوٹا سفر یا اتفاقی جلسہ میں شرکت (اور راہ گیر کے ساتھ بھی) خواہ وہ تمہارا خاص مہمان ہو یا نہ ہو (اور ان) غلام لونڈیوں (کے ساتھ بھی جو) شرعاً (تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں) غرض ان سب سے خوش معاملگی کرو جس کی تفصیل شرع نے دوسرے موقع پر بتادی ہے۔ اور جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے اکثر اس کے کئی سبب ہیں یا تو ان کے مزاج میں تکبر ہے، کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور کسی کی طرف التفات ہی نہیں کرتے یا ان کی طبیعت میں بخل غالب ہے کہ کسی کو دیتے دلاتے جان نکلتی ہے یا ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اعتقاد نہیں کہ آپؐ کے احکام کو اور ادائے حقوق کے ثواب کے وعدوں کو اور اتلاف حقوق کے عذاب کی وعیدوں کو صحیح نہیں سمجھتے اور یہ کفر ہے، یا ان کی عادت نمائش اور نام و نمود کی ہے اس لئے جہاں نمود ہو وہاں دیتے دلاتے ہیں گو حق نہ ہو، اور جہاں نمود نہ ہو وہاں ہمت نہیں ہوتی گو حق ہو، یا ان کو سرے سے خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ عقیدہ نہیں، یا وہ قیامت کے قائل نہیں اور یہ بھی کفر ہے، اس لئے اسی ترتیب سے جو ان امور کا انفراداً یا

اجتماعاً ارتکاب کرتے ہیں ان کا حال بھی سن لو کہ (بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو) دل میں (اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں) زبان سے (شیخی کی باتیں کرتے ہیں، جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں) خواہ زبان سے یا اس طرح سے کہ ان کو دیکھ کر دوسرے بھی بخل سیکھتے ہیں۔ اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے) اس سے مراد یا تو مال دو دولت ہے جب کہ حفاظت وغیرہ کی مصلحت کے بغیر محض بخل کی وجہ سے چھپائے تاکہ اہل حقوق ان سے توقع ہی نہ کریں یا مراد علم دین ہے کہ یہود اخبار رسالت کو چھپایا کرتے تھے۔ پس بخل بھی عام ہو جائے گا اور اس میں مال کے بخیل و منکرین رسالتؐ دونوں آگئے (اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے) جو نعمت مال یا نعمت بعثت رسولؐ کی حق شناسی نہ کریں (اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن) یعنی قیامت کے دن (پر اعتقاد نہیں رکھتے) ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت نہیں (اور) بات یہ ہے کہ (شیطان جس کا مصاحب ہو جیسا ان مذکور لوگوں کا ہوا ہے (تو وہ اس کا برا مصاحب ہے) کہ ایسا مشورہ دیتا ہے جس میں انجام کار سخت ضرر ہو۔

فائدہ: یہ اہل حقوق اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔

ربط: ماقبل کی آیات میں انکار خدا، انکار آخرت اور بخل وغیرہ کی مذمت مذکور تھی اب اگلی آیات میں خدا و آخرت پر ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب مذکور ہے، اور آخر میں میدان حشر کی ایک حالت کا بیان کر کے ان لوگوں کو انجام بد سے ڈرایا گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ نیک عمل کرتے ہیں اور چونکہ انجام بد کی اصل علت معصیت کا ممنوع ہونا ہے اس لئے وہ لوگ جو اگرچہ مسلمان ہیں لیکن کبر، بخل اور دیگر معاصی میں مبتلا ہیں ان کے لئے بھی ڈراوا ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ
وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا
﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى
هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور کیا نقصان ہو گا ان کا اگر ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے رہیں اس میں سے جو دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان سے خوب باخبر ہے۔ بیشک اللہ ظلم نہیں کرے گا ذرہ کے وزن برابر بھی۔ اور اگر ہو ایک نیکی تو کئی گنا کر دے گا اس کو اور دے گا اپنے پاس سے بڑا ثواب۔ پھر کیا حال ہو گا جب لائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ اور لائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر گواہ، اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کاش کہ برابر کر دیا جائے ان کے ساتھ زمین کو اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات۔

تفسیر: (اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جائے گی اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن) یعنی قیامت (پر ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ) اخلاص کے ساتھ (خرچ کرتے رہا کریں) یعنی کچھ بھی ضرر نہیں ہر طرح نفع ہی نفع ہے (اور اللہ تعالیٰ ان) کے نیک و بد (کو خوب جانتے ہیں) پس ایمان و انفاق پر ثواب دیں گے اور کفر وغیرہ پر عذاب کریں گے (بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے وزن برابر بھی ظلم نہ کریں گے) کہ کسی کا ثواب مار لیں یا بے وجہ عذاب دینے لگیں جو کہ بظاہر ظلم ہے (اور) بلکہ وہ تو ایسے رحیم ہیں کہ (اگر ایک نیکی ہو گی تو اس کو کئی گنا کر کے ثواب دیں گے)، جیسا کہ دوسری آیت میں وعدہ مذکور ہے (اور) اس موعود ثواب کے علاوہ (اپنے پاس سے) بطور انعام (اجر عظیم) الگ (دیں گے۔ سو اس وقت بھی کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر) جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے (گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے) یعنی جن لوگوں نے خدائی احکام دنیا میں نہ مانے ہوں گے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاء علیہم السلام کے بیانات سنے جائیں گے، جو جو معاملات انبیاءؑ کی موجودگی میں پیش آئے تھے سب ظاہر کر دیں گے۔ اس شہادت کے بعد ان مخالفین پر جرم ثابت ہو کر سزا دی جائے گی۔ اوپر فرمایا تھا کہ اس وقت کیا حال ہو گا، آگے اس حال کو خود بیان فرماتے ہیں کہ (اس روز) یہ حال ہو گا کہ (جن لوگوں نے) دنیا میں (کفر کیا ہو گا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہو گا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش) اس وقت (ہم زمین کے پیوند ہو جائیں) تا کہ اس رسوائی اور آفت سے محفوظ رہیں (اور) گواہی کے علاوہ خود وہ اقراری مجرم بھی ہوں گے کیونکہ (اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا) جو ان سے دنیا میں صادر ہوئی تھی (اخفاء نہ کر سکیں گے) پس دونوں طرح سے فرد جرم ان پر لگا دی جائے گی۔

ربط: شروع سورت میں بیان ہوا تھا کہ اس سورت میں تین قسم کے مضامین مذکور ہیں یعنی باہمی

معاملات، دیانات اور مخالفین کے ساتھ معاملات۔ اوپر اکثر معاملات باہمی کے متعلق احکام ذکر ہوئے۔ آگے دیانات یعنی بندے اور اللہ کے مابین معاملات سے متعلق بعض احکام بیان کرتے ہیں۔

شان نزول: ترندی میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے، کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھاپی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور حضرت علیؓ کو امام بنادیا گیا ان سے نماز میں قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کی تلاوت میں نشہ کی وجہ سے سخت غلطی ہو گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تنبیہ کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰٓی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ تم جنبی ہو مگر راہ سفر چلتے ہوئے یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آیا ہے تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے یا قربت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پایا تم نے پانی تو ارادہ کرو پاک زمین کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو۔ بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ) یعنی ایسی حالت میں نماز مت پڑھو (کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو) اس وقت تک نماز مت پڑھو، مطلب یہ ہے کہ ادائے نماز تو اپنے اوقات میں فرض ہے اور یہ حالت ادائے نماز کے منافی ہے، لہذا اوقات نماز میں نشہ کا استعمال مت کرو کہ کہیں تمہارے منہ سے نماز میں کوئی کلمہ غلط نہ نکل جائے (اور حالت جنابت میں بھی) نماز کے پاس مت جاؤ یعنی جب کہ غسل فرض ہو (باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے) کہ اس وقت پانی نہ ملے تو تیمم کر لو اس کو بطور تمہید ذکر کیا۔ آگے تیمم کا حکم تفصیل سے ذکر

کیا۔ (یہاں تک کہ غسل کرلو) یعنی غسل جنابت صحت نماز کی شرط ہے تیمم کے حکم کے تفصیل یہ ہے کہ (اور اگر تم) کچھ عذر رکھتے ہو مثلاً (بیمار ہو) اور پانی کا استعمال مضر ہو (یا حالت سفر میں ہو) اور پانی نہیں ملتا، جیسا آگے آتا ہے تو ان دونوں عذروں سے تیمم کی اجازت ہوتی ہے اور تیمم کا جواز کچھ انہی مذکور عذروں یعنی سفر و مرض کے ساتھ خاص نہیں بلکہ خواہ تم کو خاص یہ عذر ہوں (یا) یہ کہ عذر خاص نہ ہوں یعنی نہ تم مریض ہو نہ مسافر، بلکہ ویسے ہی کسی کا وضو یا غسل ٹوٹ جائے اس طرح سے کہ مثلاً (تم میں سے کوئی شخص) پیشاب یا پاخانہ کی (ضرورت سے) فارغ ہو کر (آیا ہو) جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو) جس سے غسل ٹوٹ جاتا ہے اور (پھر) ان ساری صورتوں میں (تم کو پانی) کے استعمال کا موقع (نہ ملے) خواہ تو اس وجہ سے کہ مرض میں اس سے ضرر ہوتا ہو خواہ اس لئے کہ وہاں پانی ہی موجود نہیں یا پانی نکالنے کا کچھ سامان نہیں خواہ سفر ہو یا نہ ہو (تو) ان سب حالتوں میں (تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو) یعنی اس زمین پر دو بار ہاتھ مار کر (اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں) اور جس کی ایسی عادت ہوتی ہے وہ آسان حکم دیا کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے آسان حکم دیدیئے کہ تم کو تکلیف و تنگی نہ ہو۔

فائدہ: اس آیت کے شروع کا حکم اس وقت تھا جب شراب حلال تھی۔ پھر شراب حرام ہوگئی نہ نماز کے وقت درست ہے نہ غیر نماز کے وقت۔

ربط: آگے مخالفین کے ساتھ معاملات کا ذکر فرماتے ہیں۔ اس کے تحت یہود کے مکر و فریب اور دیگر قباحتیں ذکر کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے بچیں اور ان سے دوستی نہ رکھیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا
مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا
السَّبِيلَ ﴿٤٤﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَ
كَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٤٥﴾ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ
عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ
مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ وَلَوْ
أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
وَأَقْوَمَ وَلَٰكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٦﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دیئے گئے بڑا حصہ کتاب سے خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھٹک جاؤ راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے رفیق اور اللہ کافی ہے مددگار۔ یہ ان میں سے ہیں جو یہودی ہوئے پھیرتے ہیں بات کو اس کے مواقع سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سن نہ سنایا جائے اور کہتے ہیں رَاعِنَا موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور عیب لگانے کو دین میں اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست ہوتا لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بسبب ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) یعنی دیکھنے کے قابل ہیں دیکھو تو تعجب کرو (جن کو کتاب) الٰہی یعنی توریت کے علم (کا ایک بڑا حصہ ملا ہے) یعنی توریت کا علم رکھتے ہیں اس کے باوجود ان کی یہ حالت ہے (کہ وہ لوگ گمراہی) یعنی کفر (کو اختیار کر رہے ہیں اور) خود تو گمراہ ہوئے ہی تھے مگر وہ (یوں چاہتے ہیں کہ تم) بھی (راہ) راست (سے) علیحدہ ہو کر (بے راہ ہو جاؤ) اور اس کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں جیسا کہ تیسرے پارہ کے آخر اور چوتھے کے شروع میں کچھ ذکر ہو بھی چکا ہے (اور) تم کو اگر ان لوگوں کی اب تک خبر نہ ہو تو کیا ہوا (اللہ تعالیٰ) تو (تمہارے) ان (دشمنوں کو خوب جانتے ہیں) اس لئے تم کو بتادیا سو تم ان سے بچتے رہو (اور) ان کی مخالفت کا حال سن کر زیادہ فکر میں بھی نہ پڑ جانا، کیونکہ (اللہ تعالیٰ) تمہارا (کافی رفیق ہے) کہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت رکھے گا (اور اللہ تعالیٰ) تمہارے لئے (کافی مددگار ہے) کہ ان کی مضرتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور (یہ لوگ) جن کا ذکر ہو چکا ہے (یہودیوں میں سے ہیں) اور ان کا گمراہی کو اختیار کرنا جو اوپر آچکا ہے یہ ہے کہ (کلام) الٰہی یعنی توریت (کو اس کے مواقع) اور محل (سے) لفظاً یا معنیً کے اعتبار سے (دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور) ان کی ایک اور گمراہی جس میں دھوکہ سے دوسرے سادہ ذہن شخص کا پھنس جانا بھی ممکن ہے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرتے وقت (یہ کلمات کہتے ہیں) جو آگے مذکور ہیں۔ ان کلمات کے دو دو معنی ہیں ایک اچھے ایک برے۔ کسی مسلمان کا دھوکہ میں آکر بعض ایسے ہی کلمات سے نبی ﷺ کو خطاب کرنا بعید نہ تھا۔ اس اعتبار سے یہود کا ان کلمات کو کہنا ایک گونہ دوسرے کو گمراہ کرنا بھی ہے اگرچہ الفاظ ہی میں سہی۔ ان کلمات میں سے ایک یہ ہے (سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا) اس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ ہم نے سن لیا اور مانا نہیں۔ اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے کسی مخالف کا قول جو ہم کو بہکاتا تھا نہیں مانا جب کہ برا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کی بات سن تو لی مگر ہم عمل نہیں کریں گے (اور)

دوسرا کلمہ یہ ہے (اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم ہماری بات سنو اور خدا کرے تم کو کوئی بات سنائی نہ جائے۔ اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی مخالف اور تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے بلکہ آپ کی بات سن کر سب اس کے جواب میں موافق بات ہی سنائیں اور برا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی موافق اور مسرت بخش بات نہ سنائی جائے اور اپنی ہر بات کے جواب میں مخالف بات ہی سننی پڑے (اور) تیسرا کلمہ یہ ہے (راعنا) اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ اس کے اچھے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے اور برے معنی یہ ہیں کہ یہود کی لغت میں یہ گالی تھی۔ غرض ان کلمات کو اس طور پر کہتے ہیں کہ (اپنی زبانوں کو) تحقیر کے لہجہ سے توقیر کے لہجہ کی طرف (پھیر کر اور) دل سے (دین میں طعنہ زنی) اور تحقیر ہی (کی نیت سے) وجہ یہ ہے کہ نبی کے ساتھ طعن واستہزاء خود دین کے ساتھ طعن و تمسخر ہے (اور اگر یہ لوگ) ان ذو معنیین الفاظ کے بجائے (یہ کلمات کہتے) یعنی بجائے سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا کے (سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا) یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا (اور) بجائے اِسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ کے صرف اِسْمَعْ یعنی آپ سن لیجئے (اور) بجائے رَاعِنَا کے (اُنْظُرْنَا) یعنی ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے کہتے (تو یہ بات ان کے لئے بہتر) اور نافع بھی (ہوتی اور) حقیقت میں بھی (موقع کی بات تھی مگر) انہوں نے تو ایسے نفع اور موقع کی بات کہی ہی نہیں، بلکہ وہی بے ہودہ بات بکتے رہے، اسلئے ان کو یہ تکلیف پہنچی کہ (ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب) جس میں یہ کلمات بھی آگئے اور ان کے دیگر سب اقوال وافعال کفریہ بھی داخل ہو گئے، پس ان سب کفریات کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو (اپنی رحمت) خاصہ (سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لائیں گے ہاں مگر تھوڑے سے آدمی) اس وجہ سے کہ وہ چند لوگ ایسی حرکتوں سے دور رہے اس لئے وہ رحمت خاصہ سے دوری سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ایمان بھی لے آئے جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔

فائدہ: 1 یہ لَا یُؤْمِنُوْنَ انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے تھے۔

2 یہ جو فرمایا ہے کہ ان دوسرے کلمات کا کہنا بہتر ہوتا، اگر اس کے ساتھ ایمان لانے کا بھی اعتبار کیا جائے تب تو بہتر ہونا ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ پر مومن کو آخرت میں ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کی قید نہ لگائی جائے تب بہتر ہونا دنیا کے اعتبار سے ہے کہ تہذیب و شائستگی اچھی چیز ہے اور اگر آخرت کے اعتبار سے لیا جائے تو باعتبار ثواب کے نہیں بلکہ باعتبار تخفیف عذاب کے ہے کیونکہ قرآن و حدیث سے یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ باہم کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا۔

ربط: اوپر یہود کی تحریف و تمسخر کا بیان ہوا جو کہ کفر ہے اس کی مناسبت سے آگے ان کو خطاب کر کے ایمان و تصدیق کا حکم فرماتے ہیں اور خلاف ورزی پر ڈراتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو دیئے گئے ہو کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کی ایسی حالت پر کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹاڈالیں بہت سے چہروں کو اور الٹ دیں (یعنی بنادیں) ان کو ان کی پشت کی طرح یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

تفسیر: (اے لوگو جو کتاب) توریت (دیئے گئے ہو تم اس کتاب) یعنی قرآن (پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے) اور تم کو اس پر ایمان لانے سے وحشت نہ ہونی چاہئے کیونکہ ہم نے اس کو (ایسی حالت پر) نازل فرمایا (کہ وہ سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے) یعنی تمہاری اصل کتاب کی وہ تصدیق کرتی ہے، باقی تحریف کا حصہ اس سے الگ ہے، سو تم قرآن پر (اس) ممکن بات کے ہونے (سے پہلے پہلے) ایمان لے آؤ (کہ ہم) تمہارے (چہروں) کے نقش و نگار یعنی آنکھ ناک وغیرہ (کو بالکل مٹاڈالیں اور ان) چہروں (کو ان کی الٹی جانب) یعنی گدی (کی طرح) صفاچٹ (بنادیں یا ان) ایمان نہ لانے والوں (پر ہم ایسی) خاص طور کی (لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی) جو یہود میں گذر چکے ہیں جن کا ذکر سورہ بقرہ میں آچکا ہے، یعنی ان کی طرح ان کی بھی بندر کی شکل بنادیں (اور اللہ تعالیٰ کا) جو (حکم) صادر ہو جاتا ہے وہ (پورا ہی ہو کر رہتا ہے) سو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان نہ لانے پر اگر اس مسخ کا حکم کر دیں گے تو یہ ضرور ہی ہو جائے گا، لہذا تم کو ڈرنا چاہئے اور ایمان لے آنا چاہئے۔

فائدہ: یہاں اس سوال کا موقع نہیں کہ یہ طمس و مسخ کب ہوا کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو طمس و مسخ کا عذاب ضرور واقع ہوگا بلکہ حاصل صرف اتنا ہے کہ اپنے جرم عظیم پر اس خاص قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ عذاب نہ دیں تو یہ ان کی رحمت ہے۔

ربط: کوئی یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شاید آخرت میں کافروں اور مشرکوں کی مغفرت ہو ہی جائے تو بتایا کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے یہ ضابطہ طے کر رکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نہیں بخشے گا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخشے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کا اس نے افتراء کیا بڑا گناہ۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے) جب کہ اسی حال میں موت آجائے اور توبہ نہ کی ہو (اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں) خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ (جس کے لئے منظور ہو گا) بلا سزا (وہ گناہ بخش دیں گے اور) شرک کے نہ بخشنے کی وجہ یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ) کسی کو (شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا) جو اپنے عظیم ہونے کی وجہ سے قابل مغفرت نہیں۔

فائدہ: شرک کے دو درجے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی الوہیت یعنی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ دوسرے خدائی میں تو شریک نہ ٹھہرائے لیکن کچھ چیزیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت ہے ان میں دوسرے کو شریک کرنا۔ پہلے درجہ کا شرک تو کبھی بھی معاف نہ ہو گا کیونکہ وہ حقیقی شرک ہے کہ خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے اور چونکہ اس کے مرتکب نے خدا کو اس طرح نہیں مانا جیسے ماننا چاہئے تھا اس لئے یہ خدا کو نہ ماننے کے مترادف ہوا اور یہ شخص کافر ٹھہرا۔ اس درجہ کو ہم کفریہ شرک کا نام دیتے ہیں۔

دوسرے درجہ میں چونکہ حقیقتاً خدائی میں شریک نہیں ٹھہرایا اس لئے اس کا مرتکب کافر نہیں اور اس کو دائمی عذاب نہ ہو گا لیکن چونکہ شرک تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں شریک ٹھہرایا ہے لہذا اس کے دو اثر ہوں گے۔ ایک تو اس کا مرتکب اہل سنت و جماعت سے خارج ہو گا کیونکہ اس نے ان کے خلاف عقیدہ اختیار کیا ہے۔ دوسرے آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ کے بموجب اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو اس کو اس پر سزا ضرور ہو گی لیکن دائمی نہیں ہو گی اور بالآخر نجات ہو جائے گی۔ اس درجہ کو ہم فسقیہ شرک کا نام دیتے ہیں۔ آگے ان دو درجوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

شرک کا پہلا درجہ: کفریہ شرک

اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے مثلاً دو یا زائد خدا ماننا جیسے عیسائی یا مجوسی مانتے ہیں۔

2- جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان میں کسی کو شریک ٹھہرانا مثلاً۔

i- اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب میں شریک ٹھہرانا

یعنی کسی بندے کے لئے وہ صلاحیت ماننا جس سے وہ کسی بھی بات کو کسی بھی واسطہ اور ذریعہ کے بغیر

جان سکے پھر خواہ یہ عقیدہ ہو کہ اس بندے کو وہ صلاحیت از خود حاصل ہے یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہے۔

ii-اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و تصرف میں شریک ٹھہرانا

ا۔یہ عقیدہ ہو کہ کسی مخلوق کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت از خود حاصل ہے۔

ب۔یا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص مقرب بندے کو نفع و ضرر پہنچانے کی مستقل قدرت عطا فرمادی ہے اور وہ مقرب اپنے معتقد یا مخالف کو نفع یا ضرر پہنچا سکتا ہے اس طرح سے کہ کوئی سا بھی نفع یا ضرر پہنچانے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا محتاج نہیں اگر چہ اللہ تعالیٰ روکنا چاہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت غالب ہو گی جیسے کوئی حاکم اعلیٰ اپنے نائبین کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتا ہے کہ ان کے اجراء کے وقت حاکم اعلیٰ کی منظوری نہیں لی جاتی اگر چہ حاکم اعلیٰ روکنا چاہے تو پھر اسی کا حکم غالب رہے گا۔

iii-اللہ تعالیٰ کی صفت معبودیت میں شریک ٹھہرانا

معبود کہتے ہیں مستحق عبادت کو اور عبادت سے مراد ہے کسی کو انتہائی درجہ کی تعظیم کے قابل سمجھتے ہوئے اس کے سامنے انتہائی درجہ کی عاجزی و ذلت اختیار کرنا اس میں شریک ٹھہرانے کی صورتیں یہ ہیں۔

ا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرح کا انتہائی قابل تعظیم سمجھتے ہوئے اس کے سامنے رکوع و سجود جیسے افعال کرنا جو کہ انتہائی تذلل و عاجزی کے افعال ہیں۔

ب۔جس چیز کی عبادت کافروں میں رائج ہو اور اس کی ذات میں فی الواقع تعظیم کا کوئی پہلو نہ ہو مثلاً بت، صلیب، پیپل کا درخت اور آگ، سورج وغیرہ۔ جب کوئی مسلمان ایسی کسی چیز کو سجدہ کرے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس کی عبادت کر رہا ہے محض تعظیم نہیں کر رہا (کیونکہ اس کی ذات میں فی الواقع تعظیم کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے) اور ہم انسان اس کو مشرک و کافر سمجھنے پر مجبور ہوں گے البتہ اگر کسی سجدہ کرنے والے کی قلبی تصدیق اور ایمان میں فی الواقع خلل نہ ہوا ہو اور اس نے عبادت کے طور پر نہیں محض لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی اور حماقت سے سجدہ کر دیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی مشرک اور کافر نہ ہو گا بلکہ محض فسقیہ شرک کا مرتکب قرار پائے گا۔

ج۔ کسی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اس غیر اللہ کا نام لے کر جانور کر ذبح کرے تو یہ بھی کفر ہے۔

شرک کا دوسرا درجہ :فسقیہ شرک

اس کی یہ صورتیں ہیں۔

1- کسی بھی بندے کے لئے ان مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ماننا جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کو نہیں جانتا مثلاً یہ علم کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

2- کسی بندے میں تصرف و قدرت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے اور یہ بھی عقیدہ ہو کہ اس بندے کا کوئی بھی ضرر یا نفع پہنچانا اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص اس ضرر یا نفع پہنچانے کے ارادے اور مشیت پر موقوف ہے۔

3- رکوع سجدہ وغیرہ افعال عبادت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مخلوق کی تعظیم کے لئے بھی ان کا ہونا ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا جو تعظیم کے لئے تھا۔ ہماری شریعت میں کسی مخلوق کے لئے تعظیم کے طور پر بھی سجدہ کرنا بلکہ رکوع کی حد تک جھکنا بھی منع ہے۔ اس لئے کسی مخلوق کو سجدہ وغیرہ کرنا محض ظاہر تعظیم کے طور پر ہو عبادت کے طور پر نہ ہو جیسے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ فلاں بزرگ کو مستقل قدرت تو حاصل نہیں البتہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب و قبولیت کا درجہ ملا ہوا ہے اور یہ بزرگ اپنے متوسلین کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں محض سفارش کرتے ہیں اور نفع و ضرر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتے ہیں لیکن ان کی سفارش کبھی رد نہیں ہوتی اور اس سفارش کو حاصل کرنے کے لئے اس بزرگ کی تعظیم کے لئے یہ افعال کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اس سے برتر سمجھتے ہیں۔

ii- اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا لیکن کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے تاکہ ان بزرگ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش حاصل ہو سکے۔ یہ فسقیہ شرک ہے اور اس سے جانور حرام ہو جائے گا۔

iii- کسی امیر یا بڑے آدمی کے آنے پر اسکی تعظیم کے اظہار کے طور پر جانور ذبح کرنے کا عمل کرنا اگرچہ ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو۔ اس سے بھی جانور حرام ہو جاتا ہے۔

کسی مہمان کے آنے پر اس کے اکرام کی خاطر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت پکانا شرک نہیں ہے۔

4- غیر اللہ کے نام کی نذر و منت کے طور پر بزرگوں کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا جب کہ اس بزرگ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں محض سفارشی سمجھے۔

ربط: اوپر یہود کا کفر اور اس پر عدم مغفرت کی وعید کا ذکر ہوا۔ چونکہ یہود اپنے کو اللہ کا مقبول اور خاص مومن اور بخشے بخشائے بتاتے تھے جیسا کہ قرآن میں بھی ان کے ایسے اقوال ہیں نَحْنُ اَبْنٰٓءُ اللّٰهِ وَ

اَحِبَّاءُ ہٗ اس لئے آگے اس کا رد فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے ان کو جو مقدس بتاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ ہی مقدس بتاتا ہے جس کو چاہے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے دھاگہ برابر۔ دیکھ! کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی بات گناہ صریح ہونے کے لئے۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) یعنی وہ لوگ تعجب کے قابل ہیں (جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں) ان کے بتانے سے کچھ نہیں ہوتا (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتادیں) یہ البتہ قابل اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن میں مومن کو مقدس بتاچکے ہیں، جیسے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ میں اُشْقٰی یعنی کافر کے مقابلہ میں مومن کی نسبت فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى پس وہی مقدس ہونگے نہ کہ کفر کرنے والے جن میں یہود بھی شامل ہیں (اور) ان یہود کو قیامت میں اس جھوٹے دعوے کا جس کا سبب کفر کو ایمان سمجھنا ہے، جو سزا ہوگی اس سزا میں (ان پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا) یعنی وہ سزا ان کے جرم سے زیادہ نہیں ہے بلکہ ایسے جرم پر ایسی سزا لائق ہے، ذرا (دیکھ تو) اس دعوٰی میں (یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں) کیونکہ جب وہ باوجود کفر کے اللہ کے ہاں مقبول ہونے کے مدعی ہیں تو اس سے صاف لازم آتا ہے کہ کفر اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے، حالانکہ یہ محض تہمت ہے اس لئے کہ تمام شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ کفر ہمارے نزدیک سخت ناپسند اور مردود ہے (اور یہی بات) کہ خدا پر تہمت لگائی جائے (صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے) پھر کیا ایسی صریح بڑی بات پر ایسی سزا کچھ ظلم و زیادتی ہے۔

فائدہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومن کو مقدس بتایا ہے تو پھر اپنے کو یا دوسرے کو حسن ظن سے مقدس کہنے سے شریعت میں کیوں ممانعت ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممانعت تین وجہ سے ہے:۔

1- اکثر اپنی مدح و تعریف کا منشا تکبر ہوتا ہے تو حقیقت میں ممانعت تکبر سے ہوئی۔

2- خاتمہ کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تقدس اور نیکی پر ہوگا یا نہیں بندے کو نہیں معلوم اور

آخرت میں اعتبار خاتمہ کی حالت کا ہے لہذا ایسی بات کا دعوی کرنا جو معلوم نہیں باقی بھی رہے یا نہیں غیر معقول ہے۔اگر مذکورہ وجوہ نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے۔

ربط: آگے یہود کی ایک قباحت کا ذکر کیا کہ انہوں نے مشرکین کے دین کو مومنین کے دین سے بہتر بتایا۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی عداوت میں یہود مشرکین مکہ سے ملے اور ان کی خاطر داری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا
مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ۭ

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے وہ مانتے ہیں بت کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کی نسبت کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے طریقے کے اعتبار سے یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب) الٰہی یعنی تورات کے علم (کا ایک حصہ ملا ہے) پھر اس کے باوجود (وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں) کیونکہ بتوں کی تعظیم کرنا ان پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ (اور یہ ہی لوگ) بڑی صراحت سے (کفار) یعنی مشرکین (کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ لوگ) جنہوں نے کفر کے طریقہ کو اسلامی طریقہ سے افضل بتایا (وہ ہیں جن پر) ان کی سابقہ سرکشیوں کی وجہ سے (خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہوئی ہے) اسی لعنت کا تو اثر ہے کہ ایسے بیباک ہو کر کفریات بک رہے ہیں (اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنادے اس کا) عذاب کے وقت (کوئی حامی نہ پاؤ گے) مطلب یہ ہے کہ اس پر ان کو آخرت میں یا دنیا میں بھی سخت سزا ہو گی، چنانچہ دنیا میں بعضے قتل، بعضے قید ہوئے، بعضے رعایا اور محکوم بنے اور آخرت میں جو ہونے والا ہے وہی ہو گا۔

فائدہ: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے دین کو علی الاطلاق حق کہنا یہود کا مقصود نہ تھا ورنہ عین جواب کے وقت ہی پوچھنے والوں کو اس جواب کی صحت پر یہ شبہ ہوتا کہ جب یہ اس دین کو حق

کہتے ہیں تو خود کیوں نہیں قبول کر لیتے تو اس صورت میں یہ جواب چل نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ حق مطلق تو بت پرستی اور اسلام میں سے کوئی بھی طریقہ نہیں مگر تقابل میں اسلام سے بت پرستی اچھی ہے۔ اس میں بھی دو وجہ سے کفر لازم آتا ہے ایک تو یہ کہ طریق حق کو بعض وجہ سے باطل سمجھا دوسرے یہ کہ کفر اور باطل کو بعض وجہ سے حق سمجھا۔

ربط: آگے یہود کی ایک اور قباحت کی طرف اشارہ کیا وہ یہ کہ یہود حسد کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمارے ہی مناسب ہے اور اسی بنا پر حکومت و بادشاہت بھی ہمیں ہی مل کر رہے گی کچھ عرصہ کے لئے دوسروں کو مل جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس کا جواب ان کو یوں دیا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾
اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ
اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

ترجمہ: کیا ان کے لئے کچھ حصہ ہے سلطنت میں، پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر، یا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت اور دی ہے ہم نے ان کو بڑی سلطنت پھر ان میں سے کسی نے مانا اس کو اور ان میں سے کوئی ہٹا رہا اس سے اور کافی ہے دوزخ بھڑکتی آگ کے اعتبار سے۔

تفسیر: (ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو تل برابر چیز بھی نہ دیتے۔ یا دوسرے آدمیوں سے) جیسے رسول اللہ ﷺ سے (ان چیزوں پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو) آپ کو ایسی چیز مل جانا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ (ہم نے پہلے سے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان) والوں (کو کتاب) آسمانی (بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے) چنانچہ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء گذرے ہیں، بعض انبیاء سلاطین بھی ہوئے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور یہ سب اولاد ابراہیم میں ہیں، سو جب کہ رسول اللہ ﷺ بھی اولاد ابراہیم سے ہیں تو آپ کو یہ نعمتیں و عطیات مل گئے تو تعجب کی کیا بات ہے (سو) ان انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی جو کہ خاندان

ابراہیم علیہ السلام سے گزر چکے ہیں جو لوگ موجود تھے (ان میں سے بعضے تو اس) کتاب و حکمت (پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے) پس اگر آپ کی رسالت و قرآن پر بھی آپ کے زمانہ کے بعضے لوگ ایمان نہ لائیں تو کوئی رنج کی بات نہیں (اور) ان کفار اور اعراض کرنے والوں کو اگر دنیامیں سزا کم ہو یا بالکل نہ ہو تو کیا ہوا ان کے لئے آخرت میں (دوزخ کی آتش سوزاں کافی) سزا (ہے)

فائدہ: حسد کے نامعقول و قبیح ہونے کی ایک وجہ تو حسد کے ذکر سے پہلے مذکور ہے اور دوسری اس کے بعد اور ان کو شق وار ذکر کیا۔ دونوں وجہوں کا حاصل یہ ہے کہ حسد کس بات پر ہے۔ اگر اس بات پر ہے کہ تم صاحب سلطنت ہو کہ تمہاری سلطنت ان کو ملنے لگی تب تو خدا نے تم کو ٹھکانے ہی سے رکھا کہ سلطنت تم کو نہیں ملی ورنہ تم کسی کو ایک پیسہ بھی نہ دیتے اور اگر اس پر ہے کہ گو ہمارے پاس سے ان کے پاس نہیں گئی مگر پھر بھی ان کو کیوں ملی ان کا سلطنت سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ دیا کہ تعلق یہ ہے کہ یہ بھی اصل شاہی خاندان سے ہیں کسی اجنبی جگہ سلطنت نہیں آئی اور اسی طرح ان کو پیغمبری ملنے پر جو حسد کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی خاندان نبوت و رسالت سے ہیں۔

ربط: اوپر مخصوص مومنوں اور کافروں کا بیان تھا آگے مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا کو قاعدہ کلیہ کے طور پر ذکر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا داخل کریں گے ہم ان کو آگ میں، جب بھی جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب، بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک ہم داخل کریں گے ان کو باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ۔ ان کے لئے وہاں عورتیں ہیں پاک صاف، اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنے سایہ میں۔

تفسیر: (بلاشک جو لوگ ہماری آیات) واحکام (کے منکر ہوئے) ہم ان کو (عنقریب ایک سخت

آگ میں داخل کریں گے) اور وہاں کی برابر یہ حالت رہے گی کہ (جب ایک دفعہ ان کی کھال) آگ سے (جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری) تازی (کھال پیدا کر دیں گے تا کہ) ہمیشہ (عذاب ہی بھگتتے رہیں) کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک واحساس نہ رہے اس لئے شبہ قطع کرنے کے لئے یہ سنا دیا (بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) کہ وہ ایسی سزا دے سکتے ہیں اور (حکمت والے ہیں) اس لئے باوجود اس قدرت کے کہ جلی ہوئی کھال کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، پھر بھی کسی حکمت سے بدل دیا جیسے کہ ایک حکمت کا بیان ابھی ہوا ہے (اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے ان) باغوں (میں پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ) کی جگہ (میں داخل کریں گے)

فائدہ: ظل ظلیل سے مراد ایسی روشنی ہے جو تیز دھوپ کے وقت کسی گھنے پیڑ تلے ہوتی ہے۔ اس کی حالت ایسی ہوگی جیسی سورج نکلنے سے ذرا پہلے حالت ہوتی ہے۔

ربط: آگے باہمی معاملات میں سے ایک اور حکم دیتے ہیں کہ حاکم محکوموں کے درمیان عدل و امانت سے کام کریں اور محکوموں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حاکموں کے ساتھ جائز امور میں اطاعت کا معاملہ کریں اور پھر دونوں گروہوں کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ ورسول کے حکم کو اصل سمجھیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ
بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ
إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۵۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي
شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾

ترجمہ: بیشک اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ پہنچادو امانتیں ان کے حقداروں کو اور جب تم فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، بے شک اچھی بات ہے کہ نصیحت کرتا ہے اللہ تم کو جس کی بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر تم باہم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو لوٹا دو اس کو طرف اللہ کے

اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔

تفسیر: اے اہل حکومت تم نظام حکومت کے خواہ کسی بھی درجہ پر ہو اور کسی بھی شعبہ میں ہو (بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق) جو تمہارے ذمہ ہیں (پہنچادیا کرو اور) تم کو (یہ) بھی حکم دیتے ہیں (کہ جب) محکوم (لوگوں کا تصفیہ کیا کرو) ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں (تو عدل) وانصاف (سے تصفیہ کیا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے) دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں استحکام حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب وثواب ہے (بلاشک اللہ تعالیٰ) تمہارے اقوال کو جو امانت و تصفیہ کے بارے میں تم سے صادر ہوتے ہیں (خوب سنتے ہیں) اور تمہارے افعال کو جو اس بارے میں تم سے واقع ہوتے ہیں (خوب دیکھتے ہیں) تو اگر کمی و کوتاہی کرو گے مطلع ہو کر تم کو سزادیں گے، یہ خطاب تو حکام کو ہوا، آگے محکومین کو ارشاد ہے کہ (اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول ﷺ (کا کہنا مانو) اور یہ حکم تو تمہارے اور حکام سب کے لئے عام ہے (اور تم) مسلمانوں (میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی) کہنا مانو اور یہ حکم خاص ہے تم محکومین کے ساتھ (پھر) اگر اہل حکومت کے احکام کا اللہ اور رسولؐ کے کہے ہوئے کے خلاف نہ ہونا محکوم و حاکم دونوں کے اس اتفاق سے ثابت ہو جو شرعاً معتبر ہے تو خیر اس میں تو حکام کی اطاعت کرو گے ہی اور (اگر) ان کے احکام میں سے (کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو) کہ یہ اللہ ورسولؐ کے کہے ہوئے کے خلاف ہے یا نہیں (تو) رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تو آپؐ سے پوچھ کر اور آپؐ کی وفات کے بعد ائمہ مجتہدین وعلماء دین سے رجوع کر کے (اس امر کو) کتاب (اللہ اور) سنت (رسول) ﷺ (کی طرف حوالہ کرلیا کرو) اور ان حضرات سے جیسا فتویٰ ملے اس پر سب محکوم و حکام عمل کرلیا کرو (اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو) کیونکہ اس ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی دار و گیر جو کہ مخالفت کرنے پر ہونے والی ہے اس سے ڈریں۔ (یہ امور) جو مذکور ہوئے یعنی اللہ کی، رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرنا اور تنازعات کا کتاب و سنت کی طرف حوالہ کرنا سب دنیا میں بھی (بہتر ہیں اور) آخرت میں بھی (ان کا انجام خوشتر ہے) کیونکہ دنیا میں امن وراحت اور آخرت میں نجات و سعادت ہیں۔

فائدہ: کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کتاب و سنت کے منصوص (یعنی صاف صاف مذکور) احکام کی جانب رجوع کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر منصوص

احکام موجود نہیں ہیں تو کتاب و سنت میں مذکور ان کے نظائر پر قیاس کیا جائے۔ ان کے حکم بھی کتاب و سنت سے ثابت کہلائیں گے اور یہ انہی کی طرف رجوع میں داخل ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں اپنے تمام معاملات میں اللہ و رسول کے احکام کی طرف رجوع کرنے کا حکم تھا آگے غیر شریعت کی طرف رجوع کرنے کی مذمت ہے اور اس میں منافقین کی برائی مذکور ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں جیسا کہ ایک قصہ ہوا کہ ایک منافق شخص تھا اس کا کسی یہودی سے جھگڑا ہوا۔ یہودی نے فیصلہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلنے کو کہا۔ منافق نے کہا کہ یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں یہودی حق پر ہوگا۔ اس نے سمجھا کہ رسول ﷺ کے پاس حق فیصلہ ہوگا۔ جب کہ منافق غالباً باطل پر تھا اور اس نے سمجھا کہ آپ ﷺ کے پاس میری بات نہ چلے گی۔ البتہ کعب بن اشرف کے پاس بات بننے کی امید تھی۔ پھر آخر وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس گئے اور آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ وہ منافق راضی نہ ہوا۔ اس یہودی سے کہا حضرت عمر کے پاس چلو وہ سمجھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کفار پر خوب سخت ہیں اس یہودی پر سختی فرمائیں گے۔ یہودی کو اطمینان تھا کہ گو وہ سخت ہیں مگر وہ سختی حق پرستی ہی کی وجہ سے تو ہے جب میں حق پر ہوں تو میرے ہی حق میں فیصلہ دیں گے اس لئے اس نے انکار نہیں کیا۔ جب وہاں پہنچے تو یہودی نے پورا قصہ بیان کر دیا کہ اس مقدمہ کا رسول اللہ ﷺ کے اجلاس میں فیصلہ ہو چکا ہے مگر یہ شخص اس پر راضی نہیں ہوا۔ آپ نے اس منافق سے پوچھا کیا یہی بات ہے اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ٹھہرو آتا ہوں اور گھر سے تلوار لا کر اس منافق کا کام تمام کر دیا اور کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہ فیصلہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن
قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا
أَن يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ
الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُم
مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللَّهِ
إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا
فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُل لَّهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا تیری طرف اور جو اتارا گیا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ مقدمہ لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ وہ حکم دیئے جا چکے ہیں کہ نہ مانیں اس کو اور چاہتا ہے شیطان کہ بھٹکا دے ان کو دور کا بھٹکنا۔ اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ آؤ اس کی طرف جو اتارا اللہ نے اور رسولؐ کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر۔ پھر کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت بسبب اس کے جو پہلے کیا ان کے ہاتھوں نے، پھر وہ آئیں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم نے ارادہ نہیں کیا تھا مگر بھلائی اور موافقت کا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو ان کے دلوں میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور کہہ ان سے ان کی ذات کے بارے میں بات کافی۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو) زبان سے تو (دعوی کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ کی طرف نازل کی گئی) یعنی قرآن پر (اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی) یعنی توریت پر کیونکہ اس آیت میں منافقین کا بیان ہے اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔ مطلب ہے یہ کہ وہ زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم توریت کو مانتے ہیں اسی طرح قرآن کو بھی مانتے ہیں، یعنی اسلام کے مدعی ہیں، پھر اس پر حالت یہ ہے کہ (اپنا مقدمہ شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں) کیونکہ غیر شرع کی طرف مقدمہ لے جانے کے لئے شیطان سکھاتا ہے پس اس پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے شیطان ہی کے پاس مقدمہ لے گئے۔ (حالانکہ) اس سے دو مانع موجود ہیں ایک یہ کہ (ان کو) شریعت کی جانب سے (یہ حکم ہوا کہ اس) شیطان (کو نہ مانیں) یعنی عقیدہ و عمل میں اس کی مخالفت کریں (اور) دوسرا مانع یہ کہ (شیطان) ان کا ایسا دشمن اور بدخواہ ہے کہ (ان کو) راہ حق سے (بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے) پس ان دونوں موانع کے باوجود جن کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے کہنے پر عمل نہ کریں، پھر بھی اس کی موافقت کرتے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور) آؤ (رسول) ﷺ (کی طرف) کہ آپ اس حکم کے موافق فیصلہ فرمائیں (تو آپؐ اس وقت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ) کے پاس آنے (سے پہلو تہی کرتے ہیں پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو) اس مصیبت سے (پہلے کر چکے تھے) اس حرکت سے مراد شرع کو چھوڑ کر دوسری جگہ مقدمہ لے جانا ہے اور مصیبت سے مراد ہے جیسے قتل یا خیانت و نفاق کا کھل جانا اور باز پرس ہونا، یعنی اس وقت سوچ پڑتی ہے کہ اپنی اس حرکت کی کیا تاویل کریں جس میں پھر سرخرو رہیں (پھر) تاویل سوچ کر (آپؐ کے پاس آتے ہیں، خدا کی

قسمیں کھاتے ہوئے کہ) ہم جو دوسری جگہ چلے گئے تھے (ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوا اس کے کہ) معاملہ کے دونوں فریق کی (کوئی بھلائی) کی صورت (نکل آئے اور) ان میں (باہم موافقت) و مصالحت (ہو جائے) مطلب یہ کہ قانون تو شرع ہی کا حق ہے ہم دوسری جگہ شرع کو ناحق سمجھ کر نہیں گئے تھے، لیکن بات یہ ہے کہ قانونی فیصلہ میں تو حاکم صاحب حق کو رعایت کرنے کے لئے نہیں کہہ سکتا جب کہ باہمی فیصلہ میں اکثر رعایت کرادی جاتی ہے، یہ وجہ تھی ہمارے دوسری جگہ جانے کی۔ اور اوپر مذکور منافق کے قتل کے قصہ میں ان کے آپ کے پاس آکر قسمیں کھانے سے غرض مقتول کے فعل کی تاویل کرنا تھی جس سے مقصود اپنی براءت ظاہر کرنا یا حضرت عمرؓ پر قتل و قصاص کا دعوئ کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تاویلوں کی تکذیب فرماتے ہیں کہ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ) نفاق و کفر (ان کے دلوں میں ہے) کہ اس کفر و نفاق کے سبب سے اور حکم شرعی پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے ہی یہ لوگ دوسری جگہ جاتے ہیں اور وقت معین پر اس کی سزا بھی پالیں گے (سو) مصلحت یہی ہے کہ (آپ) علم خداوندی و مواخذہ خداوندی پر اکتفا فرما کر (ان سے تغافل کر لیا کیجئے) یعنی کچھ مواخذہ نہ فرمائیے (اور ویسے) اپنے منصب رسالت کے تقاضے سے (ان کو نصیحت فرماتے رہئے) کہ ان حرکتوں کو چھوڑ دو (اور ان سے خاص ان کی ذات) کی اصلاح (کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے) تاکہ ان پر حجت قائم اور تمام ہو جائے پھر نہ مانیں تو وہ جانیں۔

فائدہ: اس تغافل کے مصلحت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان منافقین کا کفر مشہور نہیں تھا۔ اگر کھلے کفار کی طرح ان کے ساتھ جہاد کا معاملہ کیا جاتا تو دور کے لوگوں کو ان کی شرارتوں کی خبر تو نہ پہنچتی البتہ ان کا قتل و غارت مشہور ہو جاتا تو اسلام سے لوگوں کو ایک گونہ وحشت ہوتی کہ اسلام میں بڑا جبر اور بد نظمی ہے اور اس وحشت سے اسلام کی ترقی رک جاتی۔ کسی منافق کے ساتھ ایک معاملہ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ دَعْهُ فَإِنَّ النَّاسَ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ مُحَمَّداً يَقْتُلُ اَصْحَابَهُ یعنی اس کو چھوڑ دو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو بلاوجہ قتل کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس منافق کو قتل کرنے پر قصاص یا دیت واجب نہیں ہوئی کیونکہ اس کی جان کو اس کے کفر کی وجہ سے فی الواقع احترام اور حفاظت حاصل نہ تھی یا یہ سزا تعزیر کے طور پر تھی۔

اگر یہ خیال ہو کہ اس سے بھی اسلام کی بدنامی اور اس سے وحشت ہونے کا احتمال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسری حکمت کو غلبہ حاصل ہے اور وہ یہ کہ چونکہ منافق ظاہر میں مسلمان تھا اور اس کا معاملہ ایک کھلے کافر سے تھا اور اس معاملہ میں اس منافق کو یہ سزا دی گئی اور اس کا خون رائیگاں ہوا تو وہ کافر

اس قصہ کو اپنے لوگوں میں بیان کرے گا تو عقل وانصاف والے اسلام کی حق پرستی کی اعلیٰ درجہ کی داد دے سکتے ہیں کہ غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنی قوم کو حق قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ربط: اوپر منافقین کے عذر و تاویل کے غلط ہونے کو بیان فرمایا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس تاویل باطل کے بجائے اگر شرائط کے ساتھ توبہ واستغفار اختیار کرتے تو اس جرم کی تلافی ہو جاتی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔ اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر آتے تیرے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور معافی چاہتا ان کے لئے رسول تو البتہ وہ پاتے اللہ کو معاف کرنے والا رحمت کرنے والا۔

تفسیر: (اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی) جو کہ آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں مذکور ہے (ان کی اطاعت کی جائے) پس اول تو ان لوگوں کو شروع ہی سے اطاعت کرنا واجب تھی (اور اگر) خیر شامت نفس سے حماقت ہی ہو گئی تھی تو (جس وقت) یہ گناہ کر کے (اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت) ندامت کے ساتھ (آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر) حاضر ہو کر (اللہ تعالیٰ سے) اپنے اس گناہ کی (معافی چاہتے اور رسول) ﷺ یعنی آپ بھی (ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ قبول فرمالیتے۔

فائدہ: 1- یہ مطلب نہیں کہ منافق رہ کر توبہ کر لینا کافی تھا کیونکہ خود توبہ کی قبولیت کی ایک شرط ایمان ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ نفاق چھوڑ کر ایمان لے آتے۔

2- یہ خیال ہو کہ آیت میں دو اور شرطیں بھی مذکور ہیں ایک تو خدمت نبوی میں حاضری دوسرے آپ کا بھی استغفار فرمانا حالانکہ ظاہرا توبہ کرنے کے لئے یا مسلمان ہونے کے لئے صرف بندہ کا عرض معروض کر لینا کافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ معصیت کے مطابق ہوتی ہے۔ چونکہ منافقین طرح طرح سے اسلام کے ساتھ اپنی مخالفت کا اظہار کرتے رہتے تھے اس لئے توبہ میں ضروری ہوا کہ اب اپنے

اسلام کا بھی اظہار کریں اور اس کے اظہار کا عام طور سے اس وقت یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو جائے۔ دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ رسول اس وقت استغفار کریں گے جب ان کی طرف سے ان کے دل کا رنج دور ہو گا تو یہ آکر توبہ کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیفیں دیں ان پر ندامت کا اظہار کریں گے تو آپ کے دل کا رنج دور ہو گا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گی۔

ربط: آگے فرماتے ہیں کہ شریعت کی طرف محض ظاہراً رجوع کرنا کافی نہیں بلکہ دل سے بھی اس پر راضی ہونا ضروری ہے اور تسلیم کامل ایمان کی شرط ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ منصف ٹھہرائیں تجھ کو اس میں جو جھگڑا اٹھے ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے

تفسیر: (پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ) جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عند اللہ (ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپ سے) اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے (فیصلہ کرائیں پھر) جب آپ تصفیہ کر دیں تو (اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں) انکار کی (تنگی نہ پائیں اور) اس فیصلہ کو (پورا پورا) ظاہر سے باطن سے (تسلیم کرلیں)

فائدہ: اگر یہ شبہ ہو کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے قانون کی طرف اس کو باطل سمجھ کر بھی رجوع کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں حالانکہ حرام کا مرتکب جب حلت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو مومن ہے گو فاسق ہو۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں شرعی فیصلہ سے تنگی پیدا ہو مگر اس فیصلہ کو حق سمجھے وہ بھی مسلمان نہ ہونا چاہئے حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں اور غیر اختیاری باتوں کا مکلف نہیں اسی طرح اگر اس فیصلہ پر کوئی عمل نہ کرے تو یہ بھی عدم تسلیم کی صورت ہے تو وہ بھی مسلمان نہ رہے حالانکہ ترک عمل سے ایمان نہیں جاتا۔

ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم یعنی اسلام کے قانون کی طرف رجوع کرنا اور عدم حرج یعنی دل میں تنگی محسوس نہ کرنا اور تسلیم یعنی اس پر عمل کرنا ان سب کے تین درجے ہیں اعتقاد سے اور زبان سے اور عمل سے۔ اعتقاد سے یہ کہ قانون شریعت کو حق اور فیصلوں کے لئے اصل جانتا ہے اور اس میں کوئی

ناگواری دل میں محسوس نہیں کرتا اور زبان سے یہ کہ ان باتوں کا اقرار کرتا ہے کہ حق اسی طرح ہے اور عمل سے یہ کہ مقدمہ لے بھی جاتا ہے اور طبعی تنگی بھی نہیں ہوتی اور اس فیصلہ کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ سو پہلا درجہ تصدیق وایمان کا ہے اس کے نہ ہونا عند اللہ کفر ہے اور منافقین میں خود اس کی کمی تھی اور دوسرا درجہ اقرار کا ہے، اس کے نہ ہونے سے لوگوں کے نزدیک کفر ہوتا ہے۔ تیسرا درجہ تقوی وصلاح کا ہے اس کا نہ ہونا فسق ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔ پس آیت میں چونکہ منافقین کا ذکر ہے اس لئے پہلا درجہ مراد ہے۔

ربط: اوپر کامل اطاعت کا واجب ہونا ذکر ہوا آگے اس کا خیر ونافع ہونا اور اس درجہ کی اطاعت کرنے والوں کا تعداد میں کم ہونا ذکر کرتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرواپنی جانوں کو یا نکل جاؤ اپنے وطن سے تو وہ نہ کرتے اس کو مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کرتے وہ نصیحت کئے جاتے ہیں جس کی تو ضرور بہتر ہوتا ان کے حق میں اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا دین میں اور اس وقت ضرور دیتے ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور ضرور بتا دیتے ہم ان کو سیدھی راہ۔

تفسیر: (اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات) بطور احکام مقصودہ کے (فرض کر دیتے کہ تم خود کشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو سوائے گنتی کے چند لوگوں کے) جو مومن کامل ہوتے (اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا) اس سے ثابت ہوا کہ کمال اطاعت کرنے والے کم ہوتے ہیں (اور اگر یہ) منافق (لوگ جو کچھ ان کو) دل وجان سے رسول کی اطاعت کرنے کی (نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے) دنیا میں ثواب کے استحقاق کی وجہ سے (بہتر ہوتا اور) نیز تکمیل دین کے اعتبار سے ان کے (ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا) کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ دین کا کام کرنے سے خود اعتقاد ویقین کی باطنی کیفیت کو ترقی ہوتی ہے (اور اس حالت میں) جب کہ عمل سے خیریت اور دین میں ثبات حاصل ہو جاتا تو آخرت میں (ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے اور ہم ان کو) جنت کا (سیدھا رستہ بتا دیتے) کہ بے روک ٹوک جنت میں جا داخل ہوں جو کہ اجر عظیم ملنے کا مقام ہے۔

فائدہ: 1 اس گنتی کے چند لوگوں میں تمام صحابہ و مومنین کاملین داخل ہیں جو کہ کافروں اور فاجروں کی تعداد کے مقابلہ میں قلیل ہیں یہ مطلب نہیں کہ اس وقت کے مومنین میں ایسے لوگ صرف دو چار ہوتے اس لئے عَلَيْهِمْ کی ضمیر کا مرجع مطلق ناس کو قرار دیا ہے۔

2 "بطور احکام مقصودہ" کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ جہاد و ہجرت اب بھی مشروع ہیں جن میں اپنی جانوں کا قتل اور گھر سے خروج پایا جاتا ہے لیکن ان میں حکم مقصود اعلائے کلمتہ اللہ اور دشمنان اسلام سے اسلام کی حفاظت کرنا ہے حتی کہ اگر اعلائے کلمتہ اللہ اور حفاظت اسلام حاصل ہو جائے پھر ہجرت و جہاد ختم ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر اللہ و رسول کی اطاعت پر خاص مخاطبین سے وعدہ تھا آگے بطور قاعدہ کلیہ کے اللہ و رسول کی اطاعت پر عام وعدہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝٦٩ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝٧٠

ترجمہ: اور جو کوئی حکم مانے گا اللہ کا اور رسول کا سو وہ ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے انعام کیا اللہ نے جن پر یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور اچھے ہیں یہ لوگ بطور رفیق۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

تفسیر: (اور جو شخص) ضروری احکام میں (اللہ و رسول کا کہنا مان لے گا) اگرچہ طاعات کی کثرت نہ ہونے کے باعث کمال حاصل نہ کر سکے (تو ایسے اشخاص بھی) جنت میں (ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے) اپنے دین اور اپنے قرب اور اپنی قبولیت کا کامل (انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء) علیہم السلام، اور (صدیقین) جو کہ انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبہ کے ہوتے ہیں، جن میں کمال باطنی بھی ہوتا ہے، جن کو عرف میں اولیاء کہا جاتا ہے (اور شہداء) جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی (اور صلحاء) جو شریعت کے پورے تابعدار ہوتے ہیں واجبات میں بھی اور مستحبات میں بھی جن کو نیک بخت دیندار کہا جاتا ہے (اور یہ حضرات) جس کے رفیق ہوں بہت (اچھے رفیق ہیں) اور اطاعت گزار کی ان کے ساتھ رفاقت ثابت ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کو ایسے رفیق ملے (یہ) معیت اور رفاقت ان حضرات کے ساتھ محض (فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے) یعنی عمل کا اپنا اجر نہیں

ہے کیونکہ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ عمل کے مطابق جو درجہ تھا وہاں سے آگے نہ جا سکتا تھا، پس یہ بطور انعام کے ہے (اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں) ہر ایک کے عمل کو اور اس کے تقاضے کو، اور اس تقاضے سے زائد مناسب انعام کی مقدار کو خوب جانتے ہیں، کیونکہ اس انعام میں بھی تفاوت ہوگا، کسی کو ان حضرات سے بار بار قرب ہوگا، کسی کو گاہ بگاہ۔

فائدہ: 1 یہاں ساتھ ہونے سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ وہ اشخاص جنت میں جائیں گے کیونکہ اس مقام میں مدح و فضیلت بیان کرنا مقصود ہے جنت میں داخلہ بیان کرنا مقصود نہیں۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ جنت میں داخلہ کے بعد یہ اشخاص خاص ان حضرات کے درجہ میں چلے جائیں گے کیونکہ قرآن پاک میں ہے هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے نزدیک ان کے مختلف درجے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے کمتر درجہ سے ان کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ کر زیارت و ملاقات بھی کرسکیں گے اور اس درجہ کی برکات بھی حاصل کریں گے۔

2- ضروری احکام کے درجے بھی مختلف ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے جس سے آدمی مومن بن جاتا ہے اور اس سے بڑا وہ ہے جس میں گناہگار کے لقب سے بچ جاتا ہے۔ پس جس درجے کے ضروری احکام میں اطاعت ہوگی اس درجہ کی معیت ہوگی اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ظاہری و باطنی مستحب کاموں کو بھی بجالائے۔ یہ درجہ اس لئے مراد نہیں کیونکہ ان سے تو آدمی خود صلاح کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔

3- مذکورہ چار طبقوں میں سے ہر ایک میں مختلف درجے پائے جاتے ہیں مثلاً صدیقین و اولیاء میں آپس میں بہت تفاوت ہوگا۔ سب سے اوپر کے درجے میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں۔

ربط: مخالفین کے ساتھ معاملات میں سے آگے جہاد کے احکام ذکر کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اختیار کرو اپنی احتیاط پھر نکلو متفرق ہو کر یا نکلو سب اکٹھے ہو کر اور یقیناً تم میں بعض ایسا ہے جو ہٹتا ہے پھر اگر پہنچ جائے تم کو مصیبت تو کہتا ہے بے شک فضل کیا اللہ نے مجھ پر کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ حاضر۔ اور اگر پہنچ جائے تم کو فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہتا ہے کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو پاتا بڑی کامیابی سو چاہئے کہ لڑے (بڑی کامیابی کا طالب) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو اختیار کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہو جائے تو ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب۔

تفسیر: (اے ایمان والو) کافروں کے مقابلہ میں (اپنی تو احتیاط رکھو) یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور قتال کے وقت سامان، ہتھیار، ڈھال اور تلوار سے بھی درست رہو (پھر) ان سے لڑائی کے لئے (متفرق طور پر یا مجتمع طور پر) جیسا موقع ہو (نکلو اور تمہارے مجمع میں) جس میں بعضے منافقین بھی شامل ہو رہے ہیں (یقیناً بعض بعض شخص ایسا ہے) مراد اس سے منافقین ہیں (جو ہٹتا ہے) یعنی جہاد میں شریک نہیں ہوتا (پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا) جیسے شکست وغیرہ (تو) اپنے نہ جانے پر خوش ہو کر (کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ) لڑائی میں (حاضر نہیں ہوا) نہیں تو مجھ پر بھی مصیبت آتی (اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے) یعنی فتح و غنیمت حاصل ہوتی ہے (تو ایسے طور پر) خود غرضی کے ساتھ (کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں) مال کے فوت ہونے پر افسوس کر کے (کہتا ہے، ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی لوگوں کا شریک حال ہوتا) یعنی جہاد میں جاتا (تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی) کہ مال و دولت لاتا۔ اور خود غرضی اور بے تعلقی اس کہنے سے ظاہر ہے ورنہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کی کامیابی پر تو خوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اپنا افسوس کرنے بیٹھ جائے اور اس کی خوشی کا نام بھی نہ لے، اللہ تعالیٰ اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ جو واقعی بڑی کامیابی ہے وہ مفت نہیں ملتی اگر اس کا طالب ہے (تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں) یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے جو کہ موقوف ہے ایمان و اخلاص پر، یعنی مسلمان و مخلص بن کر (ان) کافر (لوگوں سے لڑے جو آخرت) چھوڑ کر اس (کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں) یعنی اس شخص کو اگر فوز عظیم کا شوق ہے تو دل درست کر لے، ہاتھ پاؤں ہلائے، مشقت جھیلے، تیغ و سنان کے سامنے سینہ سپر

بنے دیکھو فوز عظیم ہاتھ آتا ہے یا نہیں، پھر جو شخص اتنی مصیبت جھیلے سچی کامیابی اس کی ہے، کیونکہ دنیا کی کامیابی اول تو حقیر، پھر کبھی ہے کبھی نہیں، کیونکہ اگر غالب آگئے تو ہے ورنہ نہیں (اور) آخرت کی کامیابی جس کا ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے ایسی ہے کہ عظیم بھی اور پھر ہر حالت میں ہے کیونکہ اس کا قانون یہ ہے کہ (جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ) مغلوب ہو جائے حتی کہ (جان) ہی (سے مارا جائے یا غالب آ جائے ہم) ہر حالت میں (اس کو) آخرت کا (اجر عظیم دیں گے) جو کہ فوز عظیم کہنے کے لائق ہے۔

فائدہ: یہاں دو حکم ذکر کئے دفاع کا سامان کرنا اور جہاد کرنا۔ اس مقام میں مقصود اصلی جہاد کا حکم ہے مگر دفاع کے حکم کو پہلے اور تصریح کے ساتھ ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت پر دلیل ہے کہ حفاظت کا زیادہ اہتمام فرمایا۔

ربط: آگے بھی جہاد کی تاکید ہے اس طریقے سے کہ اس کا ایک داعی ذکر کیا جو کمزور مسلمانوں کا ستم رسیدہ ہونا ہے اور ساتھ ہی نصرت کا اشارہ بھی دیا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطٰنِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

ترجمہ: اور کیا عذر ہے تمہارے لئے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے لئے، مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے رہنے والے اور کردے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کردے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار، جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں تو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک تدبیر شیطان کی کمزور ہے۔

تفسیر: (اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو) باوجودیکہ اس کا قوی داعی موجود ہے، کیونکہ یہ جہاد (اللہ کی راہ میں) ہوتا ہے، یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے جس کا اہتمام ضروری ہے، (اور) ایک اور داعی بھی موجود ہے یعنی دین کی سربلندی کے آثار میں سے ایک خاص اثر کی ضرورت بھی

درپیش ہے، وہ یہ کہ کمزور مسلمانوں کی خاطر سے بھی لڑنا ضروری ہے تاکہ وہ کفار کے پنجہ ستم سے رہائی پائیں۔ (جن) بیچاروں (میں کچھ مرد ہیں، کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو) کفار سے تنگ و پریشان ہو کر (دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو) کسی طرح (اس بستی سے) یعنی مکہ سے جو ہمارے لئے جیل خانہ بنا ہوا ہے (باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں) کہ ہم پر آفت ڈھار کھی ہے (اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے) کہ ہماری حمایت کر کے ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑا دے (جو لوگ پکے ایمان دار ہیں وہ) تو ان احکام کو سن کر (اللہ کی راہ میں) یعنی غلبہ اسلام کے قصد سے (قتال کرتے ہیں اور جو لوگ) ان کے مقابلہ میں (کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں) یعنی غلبہ کفر کے قصد سے (لڑتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے اللہ کی نصرت ایمان داروں کو حاصل ہوگی اور جب ایمان داروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے (تو) اے ایماندارو (تم شیطان کے ساتھیوں سے) یعنی کافروں سے جو کہ اللہ کی مدد سے محروم ہیں (لڑائی کرو) اور گو کافر بھی غلبہ کی مختلف تدبیریں کرتے ہیں لیکن (واقع میں) وہ شیطانی تدبیریں ہیں کہ شیطان وہ تدبیریں سمجھاتا ہے اور بے شک (شیطانی تدبیر) خود (لچر ہوتی ہے) کیونکہ اس میں غیبی امداد نہیں ہوتی اور کبھی چند روزہ غلبہ ہو جائے تو یہ در حقیقت کافروں کو چند روزہ مہلت اور ڈھیل دینا ہے۔ تو کافروں کی تدبیر اس غیبی امداد کا کیا مقابلہ کرے گی جو مومنین کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ داعی بھی ہے اور وعدہ نصرت بھی ہے، پھر کیا عذر ہے؟ اس لئے مکرر تاکید کی گئی۔

فائدہ: مکہ میں ایسے کمزور مسلمان رہ گئے تھے جو جسمانی ضعف اور کم سامانی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے اور بعد میں کافروں نے بھی ان کو جانے سے روک دیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں، تاکہ یہ لوگ اسلام سے پھر جائیں، ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں مثلاً ابن عباسؓ اور ان کی والدہؓ، سلمہ بن ہشامؓ، ولید بن ولیدؓ اور ابو جندل بن سہیلؓ یہ حضرات اپنے ایمان کی پختگی کی وجہ سے ان کے ظلم وستم کو جھیلتے اور سہتے رہے، اور اسلام پر بڑی مضبوطی سے جمے رہے، البتہ اللہ تعالیٰ سے ان مصائب سے نجات کی دعائیں انہوں نے برابر جاری رکھیں، آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جہاد کر کے ان کو کفار کے جبر و تشدد سے چھٹکارا دلوائیں۔

اس آیت میں کمزور بے بس مومنین نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی درخواست کی تھی، ایک یہ کہ ہم کو اس قریہ سے نکالیں۔ یہاں قریہ سے مراد مکہ ہے دوسری یہ کہ ہمارے لئے کوئی حامی اور مددگار بھیج دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں باتیں قبول فرمائیں ہیں، اس طرح کہ بعض کو وہاں سے نکلنے کے مواقع میسر کئے جس سے ان کی پہلی بات پوری ہوئی بعض اسی جگہ رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا تو رسول

اللہ ﷺ نے عتاب بن اسیدؓ کو ان کا متولی مقرر کیا جنہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں سب کو خوب آرام پہنچایا اس سے ان کی دوسری بات پوری ہوئی۔

ربط: اوپر جہاد کا وجوب اور اس کے فضائل کا بیان کر کے اس کی ترغیب تھی۔ آگے دوسرے طریقے سے اس کی ترغیب ہے یعنی جہاد میں بعض مسلمانوں کے مستعد نہ ہونے پر ان کی ایک لطف آمیز شکایت کے طریقے سے ترغیب دی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مکہ میں کفار بہت ستاتے تھے۔ اس وقت بعض اصحاب نے جہاد کی اجازت اصرار سے چاہی مگر اس وقت صبر اور در گذر کرنے کا حکم تھا۔ ہجرت کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو طبعاً بعض کو دشوار ہوا اس پر یہ شکایت فرمائی گئی اور چونکہ انکار یا حکم پر اعتراض مقصود پر نہ تھا بلکہ محض تمنا تھی کہ یہ حکم کچھ اور موخر ہوتا اس لئے ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہے بلکہ محض لطف آمیز شکایت ہے۔ اس تمنا کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے محرک کے وقت کام زیادہ آسان ہوتا ہے تو مکہ میں کفار کی ایذاؤں سے جوش اٹھتا تھا۔ ہجرت کے بعد جو امن ہوا اتنا جوش نہ رہا اب طبعی مصلحتیں خیال میں آنے لگیں۔ اس شکایت کے ساتھ ترغیب جہاد کے طور پر دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی بقا اور موت سے کسی حال میں نہ بچ سکنا مذکور ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ
وَآتُوا الزَّكَوٰةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَ
لَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ
فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو حکم دیا گیا تھا جن کو کہ روکے رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوۃ، پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد اس وقت کچھ لوگ ان میں سے ڈرنے لگے لوگوں سے جیسے ڈرنا ہو اللہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کیا تو نے ہم پر جہاد، کیوں نہ مہلت دی ہم کو تھوڑی مدت تک۔ کہہ دے کہ

فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو پرہیزگاری کرے اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے ایک تاگے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے پالے گی تم کو موت اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) کہ حکم جہاد کے نازل ہونے سے پہلے تو جنگ کرنے کا انکا ایسا تقاضا تھا کہ (ان کو) منع کرنے کے لئے (یہ کہا گیا تھا کہ) ابھی (اپنے ہاتھوں کو) لڑنے سے (روکے رہو اور) جو جو حکم تم کو ہو چکے ہیں اس میں لگے رہو مثلاً (نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو) یا تو یہ حالت تھی اور یا (پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو کیا حال ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی) مخالف (لوگوں سے) طبعاً (ایسا ڈرنے لگے) کہ تم کو قتل کر دیں گے جیسے کوئی (اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا) زیادہ ڈرنے کے دو معنی ہیں سکتے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عقلاً ہوتا ہے اور دشمن کا ڈر طبعی ہے اور قاعدہ ہے کہ طبعی حالت عقلی حالت سے شدید ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ سے تو جیسے خوف ہوتا ہے ویسے ہی امید رحمت بھی ہوتی ہے جب کہ کافر دشمن سے تو ضرر کا خوف ہی خوف ہوتا ہے۔ البتہ چونکہ یہ خوف طبعی تھا اس لئے گناہ نہیں ہوا (اور) یا قتال کے حکم کو ملتوی کرنے کی تمنا میں (یوں کہنے لگے) خواہ زبان سے یا دل سے اور خدا تعالیٰ کے علم میں تو دل کی بات اور زبانی قول دونوں برابر ہیں (کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد) کیوں (فرض کر دیا ہم کو) اپنی عنایت سے (تھوڑی اور مدت مہلت دیدی ہوتی) ذرا بے فکری سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے اور چونکہ یہ عرض کرنا بطور اعتراض یا انکار کے نہ تھا اس لئے گناہ نہیں ہوا، آگے جواب ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ (آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا فائدہ) جس کے لئے تم مہلت کی تمنا کرتے ہو (محض چند روزہ ہے اور آخرت) جس کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے (ہر طرح سے بہتر ہے) مگر وہ (اس شخص کے لئے) ہے (جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے) کیونکہ اگر کفر کے طور پر مخالفت کی تب تو اس کے لئے سامان آخرت کچھ بھی نہیں اور اگر معصیت کا مرتکب ہوا تو اعلیٰ درجے سے محروم رہے گا (اور تم پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا) یعنی جتنے اعمال ہوں گے ان کا پورا ثواب ملے گا، پھر جہاد جیسے عمل کے ثواب سے کیوں خالی رہتے ہو اور اگر جہاد بھی نہ کیا تو کیا وقت معین پر موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ موت کی تو یہ حالت ہے کہ (تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں موت آدبائے گی اگرچہ پختہ مضبوط قلعوں ہی میں) کیوں نہ (ہو) غرض جب موت اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور مر کر دنیا کو چھوڑنا ہی پڑے گا تو آخرت میں خالی ہاتھ کیوں جاؤ۔

ربط: اوپر ترغیب جہاد میں یہ مذکور ہوا کہ موت اپنے وقت سے نہیں ٹلتی خواہ جہاد میں جاؤ یا نہ جاؤ چونکہ بعض منافقین جہاد میں جانے کو موت میں موثر اور نہ جانے کو حیات میں موثر سمجھتے اور کہتے تھے

لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا (اگر ہمارے ساتھ رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ ان کو موت آتی اور نہ قتل ہوتے) لہذا کبھی جہاد میں قتل یا موت کا واقعہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ پر الزام لگاتے کہ آپ ہی کے کہنے سے جہاد میں گئے اور موت کا شکار ہوئے۔ اس طرح سے موت میں جہاد کے موثر ہونے کو ثابت کرتے۔ اگر کبھی اسباب کی کمی کے باوجود مسلمانوں کو فتح ہوتی اور مسلمان کہتے کہ اگر موت میں جہاد موثر ہے تو اب وہ اثر کہاں گیا؟ تو کہتے یہ محض منجانب اللہ اتفاقی بات ہے۔ اس پر آگے گفتگو فرماتے ہیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ

ترجمہ: اور اگر پہنچتی ہے ان لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو کچھ برائی تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ سو کیا ہے ان لوگوں کو قریب نہیں ہوتے کہ سمجھیں بات کو۔ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی سو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

تفسیر: (اور اگر ان) منافقین (کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے) جیسے فتح و کامیابی (تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ) اتفاقاً (ہوگئی) ورنہ مسلمانوں کی بے تدبیری میں تو کوئی کسر تھی ہی نہیں (اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے) جیسے جہاد میں موت و قتل (تو) اے محمد ﷺ نعوذ باللہ آپ کی نسبت (کہتے ہیں کہ یہ آپ) کی اور مسلمانوں کی بے تدبیری (کے سبب سے ہے) ورنہ چین سے گھروں میں بیٹھے رہتے تو کیوں اس مصیبت میں پڑتے (آپ فرما دیجئے کہ) میرا تو اس میں ذرا بھی دخل نہیں بلکہ (سب کچھ) نعمت و سزا (اللہ ہی کی طرف سے ہے) گو ایک بلاواسطہ ہے اور ایک بواسطہ ہے جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمت تو محض اللہ کے فضل سے ہوتی ہے جس میں بندوں کے اعمال کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جب کہ سزا و مصیبت اللہ کے عدل سے بندوں کے اعمال بد کے واسطے سے ہوتی ہے۔ لہذا تم جو مصیبت میں میرا دخل سمجھتے ہو واقع میں تمہارے اعمال بد کا اس میں دخل ہے، جیسا احد میں شکست کے اسباب گزر چکے ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اگر آدمی ذرا بھی غور کرے تو خوش حالی

سے پہلے کوئی نیک عمل اس درجہ کا نہ پائے گا جو اتنے بڑے اور کثیر فضل کا سبب بن سکے محض فضل ہی ثابت ہوگا، اور بدحالی سے قبل ضرور کوئی عمل بد پائے گا جس کی اصل سزا اس بدحالی سے زیادہ ہوتی۔ جب یہ ایسی ظاہر بات ہے (تو ان) حماقت شعار (لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں آتے) سمجھیں گے تو کیا۔ اور ابھی جو اجمالی جواب دیا اس کی تفصیل یہ ہے (اے انسان تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے) فضل (ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آئے وہ تیرے ہی اعمال بد کے سبب سے ہے) پس اس بدحالی کو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا نتیجہ کہنا یا شارع کی طرف اس کی نسبت کرنا پوری جہالت ہے، جیسا منافقین جہاد اور امام الجہاد یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے۔

فائدہ: 1- ان بعض منافقین کے من عند الله یعنی منجانب اللہ کہنے سے انکا اس کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی حمد نہ تھی بلکہ بطور محاورہ کے تھا جیسے عام بول چال میں خلاف توقع امور کو کبھی اللہ کی طرف کبھی تقدیر کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ انکا زیادہ مقصود یہ کہنا تھا کہ وہ بھلائی آپ کی وجہ سے نہیں آئی۔

2- بدحالی کو اعمال کا ثمرہ بتایا تو یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بد عمل آدمی کے لئے ہے ورنہ نیک لوگوں کے لئے حوادث و مصائب خود رحمت و تربیت ہے۔

3- یہ جو کہا گیا کہ کوئی نیک عمل اس درجہ کا نہ پائے گا کہ حاصل ہونے والی خوشحالی اس کی پوری پوری جزا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قبولیت کی تمام شرائط کا علی وجہ الکمال ان اعمال میں پایا جانا مشکل ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں ان کا شکر ہی پورا ادا ہونا محال ہے۔ تو یہ اعمال تو پورا شکرانہ ہی نہیں بنتے کجا یہ کہ ان پر مزید اجر کے دعویدار ہوں۔ ہاں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ پھر بھی عطا کرتے ہیں اور اس کو جزا کہتے ہیں۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ منافقین بدحالی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اعتراض اور سوء ادب کی وجہ سے منسوب کرتے تھے۔ اس سے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار لازم آتا ہے۔ آگے اس کا ابطال اور رسالت کا اثبات ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے تجھ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے اللہ گواہ

تفسیر: (اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور) اگر کوئی منافق کا فر انکار

کرے تو اس کے انکار سے نبوت کی نفی کب ہو سکتی ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ) آپ کی رسالت کے (گواہ کافی ہیں) جنہوں نے قولی اور فعلی شہادت دی ہے۔ قولی تو مثلاً یہی کلمہ کہ وَ اَرْسَلْنٰكَ اور فعلی یہ کہ معجزات جو اثبات نبوت کی دلیل ہیں آپ کو عطا فرمائے۔

ربط: اثبات رسالت کے بعد رسالت کا حق جو کہ وجوب اطاعت ہے اس کا بیان کرتے ہیں اور مخالفین کی عدم اطاعت پر آپ کی تسلی بھی فرماتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

ترجمہ: جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرے تو نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر نگران

تفسیر: (جس شخص نے رسول ﷺ (کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی) اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت عقلاً بھی واجب ہے، پس آپ کی اطاعت بھی واجب ہوئی (اور جو شخص) آپ کی اطاعت سے (روگردانی کرے سو) آپ کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ (ہم نے آپ کو) بطور ذمہ داری کے (ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا) کہ آپ ان کو کفر نہ کرنے دیں، بلکہ آپ کا فرض پیغام پہنچا دینے سے پورا ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بھی وہ کفر کریں تو آپ پر کسی باز پرس کا اندیشہ نہیں، آپ بے فکر رہیں۔

ربط: منافقین جو اطاعت رسول جیسے واجب کے تارک تھے ان میں سے بعض کا آگے ذکر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں (ہمارا کام) اطاعت ہے۔ پھر جب باہر جاتے ہیں تیرے پاس سے تو رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے برخلاف اس کے جو وہ کہہ چکا تھا۔ اور اللہ لکھتا جاتا ہے جو وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں۔ سو تو اعراض کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز

تفسیر: (اور یہ) منافق (لوگ) آپ کے احکام سن کر آپ کے سامنے زبان سے تو (کہتے ہیں کہ

ہمارا کام) آپ کی (اطاعت کرنا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے) اٹھ کر (باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت ان) کے سرداروں (کی ایک جماعت) پوشیدہ (مشورے کرتی ہے برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے) اور چونکہ وہ سردار ہیں اصل مشورہ وہ کرتے ہیں باقی ان کی تابعداری اختیار کرتے ہیں تو اس خلاف میں سب کی ایک حالت ہے (اور اللہ تعالیٰ) سرکاری روزنامچہ میں (لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں) پھر موقع پر سزا دیں گے (سو آپ ان کی) بیہودگی کی (طرف التفات) اور اس کا خیال (نہ کیجئے، اور) کچھ فکر نہ کیجئے، بلکہ سارا قصہ (اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں) وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرمائیں گے، چنانچہ کبھی ان کی شرارت سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

ربط: رسالت کے بڑے دلائل میں سے ایک قرآن پاک ہے۔ انکار رسالت سے اس کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ آگے قرآن کی حقانیت کو مقام کی مناسبت سے ثابت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ منافقین کے سرداروں نے رات کے وقت جس جگہ مشورے کئے تھے اس کے بارے میں انہوں نے بڑی رازداری سے کام لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی انسانی ذریعہ سے اس کی خبر نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود آپ جو اس کی خبر دے رہے ہیں تو یہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے اور قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

ترجمہ: کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے تو وہ ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔

تفسیر: (کیا یہ لوگ) فصاحت و بلاغت میں اور غیب کی صحیح صحیح خبریں دینے میں قرآن کا معجزہ ہونا دیکھ رہے ہیں اور پھر (قرآن میں غور نہیں کرتے) تاکہ اس کا کلام الٰہی ہونا واضح ہو جائے (اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس) کے مضامین (میں) ان کی کثرت کی وجہ سے واقعیت سے اور حد اعجاز سے (بکثرت تفاوت پاتے) کیونکہ ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف بھی ہوتا تو مضامین کی کثرت کے باعث اختلافات بھی کثیر ہوتے۔ جب ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں تو لامحالہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: بشر کے کلام میں یہ بات نہیں ہو سکتی کہ نہ کسی جگہ فصاحت و بلاغت میں کمی، نہ توحید و کفر اور حلال و حرام کے بیان میں تناقض اور تفاوت، پھر غیب کی اطلاعات میں بھی نہ کوئی خبر ایسی ہے جو واقع کے مطابق نہ ہو، نہ نظم قرآن میں کہیں یہ فرق کہ بعض فصیح ہو اور بعض رکیک پھر ہر بشر کی تقریر

تحریر پر ماحول کا اثر ہوتا ہے، اطمینان کے وقت کلام اور طرح کا ہوتا ہے پریشانی کے وقت دوسری طرح کا ہے مسرت کے وقت اور رنگ ہوتا ہے اور رنج کے وقت دوسرا لیکن قرآن ہر قسم کے تفاوت اور تناقض سے پاک ہے۔

ربط: اوپر منافقین کی بدعنوانی مذکور ہوئی آگے ان کی انتظامی بدعنوانی ذکر فرماتے ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوتا تھا۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی بات امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر حوالہ کر دیتے اس کو رسول کی طرف اور امور کو سمجھنے والوں کی طرف اپنوں میں سے تو جان ہی لیتے اس کو جو تحقیق کر لیا کرتے ہیں اس کی ان میں سے۔ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیروی کرتے شیطان کی مگر تھوڑے۔

تفسیر: (اور جب ان کو کسی) جدید بات (کی خبر پہنچتی ہے خواہ) وہ بات موجب (امن ہو یا) موجب (خوف) مثلاً مسلمانوں کا کوئی لشکر کسی جگہ جہاد کے لئے گیا اور ان کے غالب ہونے کی خبر آئی یہ امن کی خبر ہوئی، یا ان کے مغلوب ہونے کی خبر آئی یہ خوف کی خبر ہے (تو اس) خبر (کو) فوراً (مشہور کر دیتے ہیں) حالانکہ بعض اوقات وہ غلط نکلتی ہے اور اگر صحیح بھی ہوئی تب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا انتظامی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے (اور اگر) خود مشہور کرنے کے بجائے (یہ لوگ اس) خبر (کو رسول ﷺ (کے اور جو) حضرات اکابر صحابہ (ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان) کی رائے (کے اوپر حوالہ رکھتے) اور خود کچھ دخل نہ دیتے (تو اس) خبر کے صحیح وغلط ہونے اور قابل تشہیر ہونے نہ ہونے (کو وہ حضرات تو پہنچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں) جیسا ہمیشہ پہچان ہی لیتے ہیں، پھر جیسے یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسے ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا، ان کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی اور دخل نہ دیتے تو کونسا کام اٹک رہا تھا؟ احکام مذکورہ سنانے کے بعد جو سراسر دنیوی اور اخروی مصلحتوں پر مشتمل ہیں احسان کے طور پر مسلمانوں کو ارشاد ہے (اور اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا) یہ خاص (فضل اور رحمت) کہ تم کو قرآن دیا اور اپنا پیغمبر بھیجا اگر یہ (نہ ہوتا تو تم سب کے سب) دنیوی واخروی ضرر اختیار کر کے (شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے) جو خداداد عقل سلیم کی

بدولت کہ وہ بھی ایک خاص فضل ورحمت ہے اس سے محفوظ رہتے ورنہ زیادہ تباہی میں پڑتے پس تم کو منافقین کے برخلاف ایسے پیغمبر اور ایسے قرآن کو جن کے ذریعے ایسی مصلحتوں والے احکام آتے ہیں بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، اور پوری اطاعت کرنا چاہئے۔

فائدہ: یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جن قلیل کا استثناء کیا گیا ہے ان پر تو پھر بعثت رسول اور قرآن سے کوئی رحمت خاص نہ ہوئی کیونکہ وہ تو ان کے بغیر بھی محض اپنی عقل کی وجہ سے شیطان کے اتباع سے محفوظ رہتے۔ جواب یہ ہے کہ عقل سے بعض احکام کو اجمالی طور پر ہی جان سکتے ہیں جن سے وہ آخرت کے عذاب سے تو بچ جاتے لیکن تفصیلی احکام اور اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے طریقوں کو نہ جان سکتے۔ یہ سب کچھ تو وحی سے ہی معلوم کئے جو بڑا احسان اور بڑی رحمت ہے۔

ربط: آگے خاص رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے جہاد کے حکم کو دوبارہ لائے ہیں اور اس میں منافقین کی سستی اور بعض مسلمانوں کے طبعی خوف اور کم ہمتی کی طرف اشارہ ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

ترجمہ: سو تو لڑ اللہ کی راہ میں۔ تو مکلّف نہیں کیا گیا مگر اپنی جان کا اور ترغیب دے مسلمانوں کو امید ہے کہ اللہ روک دے زور جنگ کافروں کا اور اللہ بہت سخت ہے زور جنگ میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں

تفسیر: جب جہاد کی ضرورت معلوم ہو گئی (تو آپ) اے محمد ﷺ (اللہ کی راہ میں) کفار سے (قتال کیجئے) اور اگر بالفرض کوئی آپ کے ساتھ نہ ہو تو کچھ فکر نہ کیجئے کیونکہ (آپ کو سوائے آپؐ کے ذاتی فعل کے) دوسرے شخص کے فعل کا (کوئی حکم نہیں اور) اس کے ساتھ (مسلمانوں کو) صرف (ترغیب دیدیجئے) پھر اگر کوئی ساتھ نہ دے تو آپؐ بری الذمہ ہیں نہ تو باز پرس کی فکر کیجئے جس کی وجہ ذکر ہو چکی اور نہ تنہا رہ جانے کا غم کیجئے جس کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ سے امید ہے) اور یہ امید دلانا وعدہ ہے (کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے) اور ان کو مغلوب کر دیں گے (اور) گو یہ بڑے زوردار نظر آتے ہیں لیکن (اللہ تعالیٰ زور جنگ میں) کئی گنا (زیادہ شدید) اور قوی (ہیں اور) مخالف کو (سخت سزا دیتے ہیں)۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے زور جنگ سے مراد کفار کو مغلوب کر دینے کا سامان کرنا ہے جو زور جنگ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس پیشین گوئی کا پورا ہونا واضح ہے۔ اگر خاص کفار قریش مراد ہوں جب بھی اور اگر

ساری دنیا کے کفار مراد ہوں جب بھی کیونکہ کچھ ہی عرصہ میں مسلمانوں نے تمام سلطنتیں فتح کر لیں۔

ربط: آگے سفارش کا حکم بیان فرماتے ہیں:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾

ترجمہ: جو کوئی سفارش کرے اچھی سفارش ہو گا اس کے لئے حصہ اس کی وجہ سے اور جو کوئی سفارش کرے بری سفارش ہو گا اس کے لئے بوجھ اس کی وجہ سے اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

تفسیر: (جو شخص اچھی سفارش کرے) یعنی جس کا طریقہ اور مقصد دونوں شریعت کے مطابق ہوں (اس کو اس) سفارش (کی وجہ سے) ثواب کا (حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے) یعنی جس کا طریقہ یا غرض شریعت کے خلاف ہو (اس کو اس) سفارش (کی وجہ سے) گناہ کا (حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں) وہ اپنی قدرت سے نیکی پر ثواب اور بدی پر عذاب دے سکتے ہیں۔

فائدہ: 1 طریقہ شریعت کے خلاف ہو یعنی ناجائز ہو کہ مثلاً کسی غریب کی امداد کے لئے کسی امیر سے کہا مگر اس طرح کہ اس کو مجبور کیا اور اس پر گراں ہوا گو غرض بری نہیں مگر طریقہ برا ہے کیونکہ ایذاء مسلم معصیت ہے۔

2 غرض غیر مشروع یہ کہ کسی ظالم کی اعانت کے لئے کہا کہ یہ غرض ہی حرام ہے۔

3 جو سفارش دونوں سے خالی ہو وہ عبادت کی طرح ثواب کا باعث ہے اور اس پر اجرت لینا حرام ہے۔

ربط: آگے سلام کا جواب دینے کا حکم بیان کرتے ہیں۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾

ترجمہ: اور جب تم کہے جاؤ سلام تو تم سلام کہو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

تفسیر: (اور جب تم کو کوئی) شریعت کے مطابق (سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو) یعنی جواب دو (یا) جواب میں (ویسے ہی الفاظ کہہ دو) تم کو دونوں اختیار دیئے جاتے ہیں (بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) یعنی ہر عمل پر (حساب لیں گے) یعنی ان کا قانون یہی ہے اور ویسے اپنے فضل سے

معاف کردیں وہ اور بات ہے۔

فائدہ: 1 تفسیر میں یہ جو قید لگائی کہ شریعت کے مطابق تو اس سے وہ سلام نکل گئے جو مکروہ ہیں مثلاً پیشاب کرنے والے کو سلام کرنا۔

2 کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کو جواب میں وعلیکم السلام کہنا بھی کافی ہے۔

ربط: اوپر بہت سے احکام ذکر ہوئے ہیں۔ آگے ان کی تاکید واہتمام کے لئے اپنی عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ حاکم کی عظمت سے اور ان کے دربار میں حاضری وحساب کے ڈر سے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام بڑھ جائے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اللہ (ایسا ہے کہ) نہیں کوئی مستحق عبادت مگر وہی۔ وہ ضرور جمع کرے گا تم کو قیامت کے دن، اس میں کچھ شبہ نہیں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں۔

تفسیر: (اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں، وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن، اس میں) یعنی قیامت کے دن میں یا اس دن میں جمع کرنے میں (کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی) جب وہ خبر دے رہے ہیں تو بالکل ٹھیک ہی ہے۔

ربط: اوپر جہاد وقتال کے احکام مذکور تھے۔ اگلی آیتوں میں قتال وعدم قتال کے تین خاص احکام مذکور ہیں جو کفار کے بعض خاص خاص حالات کے اعتبار سے ہیں۔

1- بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں۔ پھر کچھ وقت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے سامان تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ کو چل دیئے اور پھر نہ آئے۔ ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی۔ بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا یہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا آیت فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ میں بیان فرمادیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔ آیت میں ان کو منافق اس وجہ سے کہا کہ اسلام کا دعویٰ کرنے کے وقت ہی منافق تھے دل سے ایمان نہ لائے تھے اور منافقین اگرچہ قتل نہ کئے جاتے تھے۔ لیکن یہ جب تک ہی تھا کہ وہ اپنا کفر چھپاتے تھے اور ان لوگوں کا تو ارتداد ظاہر ہو گیا تھا کہ دوبارہ دارالحرب میں جا بسے حالانکہ اس وقت جیسے کسی مسلمان کی شناخت اس سے ہوتی تھی کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہے اسی طرح اس سے بھی ہوتی تھی کہ مجبوری نہ ہونے کی صورت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے اور عام منافق بھی مسلمان کہلانے کے لئے ان کی پابندی کرتا تھا۔

2 (ا) وہ کافر جو ان لوگوں سے معاہدہ و مصالحت کر لیں جن سے تمہاری صلح ہے تو وہ کافر بھی تمہاری صلح میں داخل ہو جائیں گے۔

(ب) وہ کافر جو لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم بھی رہیں۔

ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان سے نہ لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو۔ یہ حکم آیت اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ ...... الخ میں ہے۔

3- وہ کافر جو تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے اور نہ اپنی قوم سے لڑیں گے تاکہ تم سے اور اپنی قوم سے دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں۔ انکا ذکر سَتَجِدُوۡنَ آخَرِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ ...... الخ میں ہے اور ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو بھی پکڑ کر قتل کرو۔

فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ

فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ
اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوۡا
لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ
اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ
وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّ
لَا نَصِيۡرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ
مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا
قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ
اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ
اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ

يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا ج
فَإِن لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ
فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو گئے حالانکہ اللہ نے الٹا پھیر دیا ان کو بسبب اس کے جو انہوں نے عمل کیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کردے اللہ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لئے کوئی راہ۔ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے پھر تم سب ایک طرح ہو جاؤ سو تم مت بناؤ ان میں سے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں، پھر اگر وہ اعراض کریں تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں تم پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار۔ مگر وہ لوگ جو جا ملتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا وہ آئیں تمہارے پاس اس حالت میں کہ تنگ ہو گئے دل ان کے اس سے کہ لڑیں تم سے یا لڑیں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تمہارے اوپر پھر وہ لڑتے تم سے۔ پھر اگر وہ کنارہ کش رہیں تم سے اور نہ لڑیں تم سے اور ڈالیں تمہاری طرف صلح تو نہیں دی اللہ نے تم کو ان پر کوئی راہ۔ تم پاؤ گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں رہیں اپنی قوم سے جب کبھی وہ متوجہ کئے جاتے ہیں فساد کی طرف تو جا گرتے ہیں اس میں۔ پھر اگر وہ کنارہ کشی نہ کریں تم سے اور نہ ڈالیں تمہاری طرف صلح اور نہ روکیں اپنے ہاتھ تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں تم پاؤ ان کو اور یہ ہیں کہ بنائی ہے ہم نے تمہارے لئے ان کے خلاف کھلی حجت۔

تفسیر: پہلے گروہ کا بیان: جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ چکے (پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارے میں) تم اختلاف رائے کر کے (دو گروہ ہو گئے) کہ ایک گروہ ان کو اب بھی مسلمان کہتا ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو) ان کے اعلانیہ کفر کی طرف (الٹا پھیر دیا ان کے عمل کے سبب) اور وہ عمل یہ تھا کہ انہوں نے بظاہر ہجرت کر کے بلا کسی مجبوری کے دار الاسلام کو چھوڑ دیا اور اپنی ظاہری ہجرت بھی ترک کر دی جب کہ اس وقت دار الہجرت سے واپس چلے جانا اسلام سے پھر جانے اور مرتد ہو جانے کی نشانی تھی۔ لہٰذا اس کے باوجود ان کو مومن کہنا درست نہیں۔ اور چونکہ واقع میں وہ پہلے ہی مسلمان نہ

ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کو منافق کہا (کیا تم لوگ) اے وہ گروہ جن کو دار الاسلام کے اس ترک کا علامت کفر ہونا معلوم نہیں (اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے) جب کہ انہوں نے خود گمراہی اختیار کی (گمراہی میں ڈال رکھا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ بندے کے عزم فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن نہیں اور گمراہ ہے اس کو تم جو ہدایت یافتہ مومن کہتے ہو یہ تمہارے لئے جائز نہیں مومن وہ ہوتا ہے جس میں ایمان ہو اور اس وقت تک ایمان ہے نہیں تو کیا اب ایمان پیدا کرو گے جو اس کو مومن کہہ سکو اور یہ محال ہے۔ (اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے) مومن ہونے کے (لئے کوئی راہ نہ پاؤ گے) لہٰذا ان لوگوں کو مومن نہ کہنا چاہئے اور بھلا وہ خود کیا مومن ہوں گے ان کے کفر میں غلو کی تو یہ حالت ہے کہ (وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی) خدا نہ کرے (کافر بن جاؤ پھر تم اور وہ سب ایک طرح ہو جاؤ سو) ان کی جب یہ حالت ہے تو (ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا) کیونکہ دوستی کے جواز کے لئے اسلام شرط ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا اس وقت مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور کوئی مجبوری نہ ہونے کی صورت میں اسلام کی تکمیل اسی سے سمجھی جاتی تھی اور وہ ہر کسی کے اسلام کی شناخت بن گئی تھی اس لئے (جب تک وہ اللہ کی راہ میں) تکمیل اسلام کے لئے (ہجرت نہ کریں) ان کو دوست نہ بنانا۔ تکمیل اسلام کی قید اس لئے ہے کہ صرف دار الاسلام میں آنا کافی نہیں کیونکہ ویسے تو کفار تاجر بھی آجاتے ہیں، بلکہ اسلامی حیثیت سے آئیں یعنی اسلام بھی ظاہر کریں تاکہ اقرار اور ہجرت دونوں ہی ہو جائیں اور رہی قلبی تصدیق تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے مسلمانوں کو اس کی تفتیش ضروری نہیں (اور اگر وہ) اسلام سے (اعراض کریں) اور کافر ہی رہیں (تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ) مطلب یہ کہ کسی حالت میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، نہ ان سے امن میں دوستی رکھو نہ خوف میں ان سے مدد لو بلکہ ان سے الگ تھلگ رہو۔

دوسرے گروہ کا بیان: (مگر) ان کفار میں (جو لوگ ایسے ہیں جو کہ) تمہارے ساتھ مصالحت سے رہنا چاہتے ہیں، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ (ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں) اور مصالحت و معاہدہ کر لیتے ہیں (کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد) صلح (ہے) جیسے بنو مدلج، کہ ان سے صلح ہوئی تو ان کے ساتھ جن کے معاہدے تھے وہ بھی اس استثناء میں آگئے تو بنو مدلج بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوئے (یا) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ (خود تمہارے پاس اس حالت میں آئیں) یا رابطہ کریں (کہ ان کے دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے منقبض ہوں) اس لئے نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے

لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ ان سے بھی صلح رکھیں اور تم سے بھی، پس دونوں طریقوں میں سے جس طریقے سے کوئی مصالحت رکھے وہ مذکورہ حکم یعنی پکڑنے اور قتل کرنے سے مستثنیٰ ہیں (اور) تم ان لوگوں کی صلح کی درخواست میں اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ ان کے دل میں تمہاری ہیبت ڈال دی ورنہ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط) اور دلیر (کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے) مگر خدا تعالیٰ نے تم کو اس پریشانی سے بچالیا (پھر اگر) صلح کر کے (وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے معاملہ سلامت روی کا رکھیں) ان سب الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صلح سے رہیں، کئی لفظ تاکید کے لئے فرمادیئے (تو) اس حالت صلح میں (اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر) قتل یا قید وغیرہ کی (کوئی راہ نہیں دی) یعنی اجازت نہیں دی۔

تیسرے گروہ کا بیان: (بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے) یعنی ان کی یہ حالت معلوم ہو گی (کہ) دھوکہ سے (وہ یہ) بھی (چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں) اور اس کے ساتھ ہی (جب کبھی ان کو) اپنی قوم کی طرف سے (شرارت) وفساد (کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے) یعنی ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کہا جاتا ہے (تو وہ) فوراً (اس) شرارت (میں جاگرتے ہیں) یعنی مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور وہ دھوکہ کی صلح توڑ دیتے ہیں (سو یہ لوگ اگر) صلح توڑ دیں اور (تم سے) یعنی تمہاری لڑائی سے (کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو) تمہارے مقابلہ سے (روکیں) سب کا مطلب مثل سابق کے ایک ہی ہے کہ صلح توڑ دیں (تو تم) بھی (ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے) جس سے ان کا قتل کرنا ظاہر ہے اور وہ حجت ان کا عہد توڑنا ہے۔

ربط: اوپر بعض کافروں سے لڑائی کرنے اور انکو قتل کرنے کا حکم بیان ہوا تھا۔ اس مضمون کی مناسبت سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ قتل دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو کوئی جان بوجھ کر دوسرے کو قتل کرے یہ قتل عمد ہے۔ دوسرے غلطی سے اپنے ہاتھوں دوسرا قتل ہو جائے یہ قتل خطا ہے۔ پہلے کسی مسلمان کے قتل خطا کا تفصیلی حکم بیان فرماتے ہیں پھر مسلمان کے قتل عمد کا اخروی حکم ذکر کرتے ہیں۔ قتل عمد کے دنیوی حکم یعنی قصاص کا حکم سورت بقرہ میں آ چکا ہے۔

قتل عمد اس قتل کو کہتے ہیں جس میں مقتول کو عمدا ایسے آلہ سے ضرب لگائی گئی ہو جو جسم کے اعضاء کو جدا کرتا ہو جیسے کوئی ہتھیار ہو یا کوئی دھاری دار لکڑی پتھر یا شیشہ ہو وغیرہ۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا

خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

مُسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ
لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ
بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ
رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ
تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا
مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور مسلمان کی شان نہیں کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے کسی مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو (یعنی غلام یا لونڈی کو) اور خون بہا ہے حوالہ کیا ہوا اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، پھر اگر مقتول ہو تمہاری دشمن قوم سے اور خود وہ مسلمان ہو تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو اور اگر وہ ہو ایسی قوم سے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے، تو خوں بہا ہے حوالہ کیا ہوا اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو۔ پھر جو نہ پائے (لونڈی غلام) تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار توبہ کے طریقے پر اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے ہمیشہ رہے گا اسی میں اور غضبناک ہوگا اللہ اس پر اور لعنت کرے گا اس پر اور تیار کرے گا اس کے واسطے بڑا عذاب۔

تفسیر: (اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو) ابتداً (قتل کرے لیکن غلطی سے) ہو جائے تو اور بات ہے (اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس پر) شرعاً (ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا) واجب (ہے اور خوں بہا) بھی واجب ہے (جو اس) مقتول (کے خاندان والوں کو) یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث (حوالہ کر دی جائے) اور جس کا کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے (مگر یہ کہ وہ لوگ) اس خوں بہا کو (معاف کر دیں) خواہ کل یا بعض جتنی مقدار معاف کریں گے اتنی ہی معاف ہو جائے گی (اور اگر وہ) یعنی خطا سے قتل ہونے والا (ایسی قوم سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں) یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا (اور وہ شخص خود مومن ہے تو) صرف (ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا) واجب ہوگا اور خون بہا نہ ہوگا کیونکہ مقتول کے دار الحرب میں ہونے کی

وجہ سے اس کی جان ومال کو تحفظ حاصل نہ رہا۔ (اور اگر) خطاسے قتل کیا جانے والا (وہ شخص اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو تو خوں بہا) بھی واجب (ہے جو اس) مقتول (کے خاندان والوں کو) یعنی ان میں جو مسلمان وارث ہیں ان کے (حوالہ کر دی جائے) کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا (اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا) پڑے گا (پھر) جن صورتوں میں غلام لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے (جس شخص کو) غلام لونڈی (نہ ملے) یا اس کے پاس اتنے دام نہ ہوں کہ خرید سکے (تو) اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے (متواتر) یعنی لگاتار (دو ماہ کے روزے ہیں) یہ آزاد کرنا اور وہ نہ ہو سکے تو روزے رکھنا (بطریق توبہ کے) ہے (جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے) یعنی اس کا یہ طریقہ مشروع ہوا ہے (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے حکمت والے ہیں) اپنے علم و حکمت سے مصلحت کے مناسب احکام مقرر فرمائے ہیں، گو ہر جگہ حکمت بندہ کو معلوم نہ ہو (اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی) اصلی (سزا) تو (جہنم) میں اس طرح رہنا (ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہے گا) لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ اصلی سزا جاری نہ ہو گی بلکہ ایمان کی برکت سے آخر نجات ہو جائے گی کیونکہ قرآن پاک ہی میں جیسا کہ اس پارے میں گزرا یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ یعنی اللہ تعالیٰ شرک و کفر کو تو معاف نہ کریں گے اس کے علاوہ جس کے لئے چاہیں گے اس کا گناہ معاف کر دیں گے۔ قتل بھی کفر و شرک سے ہٹ کر گناہ ہے لہذا قابل معافی ہے۔ (اور اس پر) ایک میعاد معین تک کے واسطے (اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت) خاصہ (سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا) یعنی دوزخ کی سزا (کا سامان کریں گے)۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ شرعی احکام کے اجراء میں مومن کے لئے صرف ظاہری اسلام کافی ہے لہذا جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کے قتل سے دستبردار ہو جانا واجب ہے۔ قرائن سے حقیقی ایمان کی تفتیش کرنا اور اسلامی احکام کے جاری کرنے میں اس کے ثبوت کا انتظار کرنا جائز نہیں جیسا کہ بعض صحابہ سے ایمان کی بعض غزوات میں غلطی سے واقع ہوا کہ بعض لوگوں کے اظہار اسلام کو محض جان بچانے کی خاطر حیلہ اور جھوٹ سمجھا اور قتل کر ڈالا اور مقتول کا مال غنیمت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انسداد فرمایا اور چونکہ اس وقت تک صحابہ کو مسئلہ صراحت سے معلوم نہ تھا اس لئے صرف فہمائش پر اکتفا کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو کہ جو ظاہر کرے تمہارے سامنے اطاعت کو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں غنیمتیں ہیں بہت۔ ایسے ہی تو تھے تم بھی اس سے پہلے پھر احسان کیا اللہ نے تم پر سو غور کر لو کر لو بیشک اللہ ہے اس سے جو تم کرتے ہو خبر دار

تفسیر: (اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (سفر کیا کرو تو ہر کام کو) خواہ کسی کا قتل ہو یا اور کچھ ہو (تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت) کی علامات (ظاہر کرے) جیسے کلمہ پڑھے یا مسلمانوں کے طرز پر سلام کرے تو (یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو) دل سے (تو مسلمان نہیں) محض اپنی جان بچانے کو جھوٹ موٹ اظہار اسلام کرتا ہے (اس طور پر کہ تم دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش کرتے ہو) کہ اس کو قتل کر کے اس کا مال و اسباب غنیمت میں حاصل کرو (سو خدا کے پاس) یعنی ان کے علم و قدرت میں تمہارے لئے (بہت غنیمت کے مال ہیں) جو تم کو جائز طریقوں سے ملیں گے اور یاد کرو کہ (پہلے) ایک زمانہ میں (تم بھی ایسے ہی تھے) کہ تمہارے اسلام کے قبول کا مدار صرف تمہارا دعویٰ و اظہار ہی تھا (پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا) کہ اس ظاہری اسلام پر اکتفاء کیا گیا اور باطنی جستجو پر موقوف نہ رکھا (سو) ذرا اس پر (غور) تو (کرو بیشک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) کہ اس حکم کے بعد کون اس پر عمل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔

ربط: اوپر جہاد کی فرضیت مذکور تھی۔ آگے یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ جہاد عام حالات میں فی ذاتہ فرض عین نہیں ہے اس لئے اگر بعض لوگ اس میں نہ جائیں تو گناہ نہیں جیسے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے معلوم ہوگا۔ لیکن پھر بھی اس کے جو مخصوص فضائل ہیں وہ تو جہاد کرنے ہی سے حاصل ہوں گے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ
اَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَ
فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ
مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: نہیں برابر ہوتے بیٹھ رہنے والے مسلمانوں میں سے جو صاحب عذر نہیں، اور

وہ مسلمان جو جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، بڑھادیا اللہ نے جہاد کرنے والوں کا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ۔ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے اچھے گھر کا۔ اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تفسیر: (برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں) اور جہاد میں نہ جائیں (اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ) یعنی مالوں کو خرچ کر کے اور جانوں کو حاضر کر کے (جہاد کریں) بلکہ (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ ہی بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور) ویسے تو فرض عین نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ان بیٹھنے والوں پر بھی نہیں بلکہ ایمان اور دوسرے فرائض عین بجالانے کے سبب سے (سب سے) یعنی مجاہدین سے بھی اور بیٹھنے والوں سے بھی (اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا) یعنی جنت کا آخرت میں (وعدہ کر رکھا ہے اور) اوپر جو مبہم کہا گیا ہے کہ مجاہدین کا بڑا درجہ ہے اس کی تعیین یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے مجاہدین) مذکور (کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر دیا ہے) وہ درجہ اجر عظیم ہے۔ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں (یعنی) بہت سے اعمال جو مجاہد سے صادر ہوتے ہیں انکی وجہ سے (ثواب کے بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور) گناہوں کی (مغفرت اور رحمت) یہ سب اجر عظیم کی تفصیل ہوئی (اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں)

فائدہ: 1- ان کثیر اعمال کا ذکر سورت توبہ کی آیت 120 میں ہے۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ**...... **الخ** یعنی ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو مشقت پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے غیظ کا سبب بنا ہو اور دشمنوں کی جو خبر لی۔

2- بلاعذر کی قید اس لئے ہے کہ حدیثوں میں تصریح ہے کہ اگر نیک کام کا عزم ہے اور کسی عذر سے نہ کر سکے تو اس کام کا اجر ملتا ہے۔ پس کرنے والے اور عزم رکھنے والے ثواب کی مقدار میں برابر ہیں جس کا ذکر یہاں زیادہ مقصود ہے اور کیفیت میں فرق ہونا بعید نہیں۔

ربط: اوپر جہاد کی فرضیت کا ذکر تھا آگے ہجرت کی فرضیت کا ذکر ہے۔ دونوں میں مناسبت واضح ہے کیونکہ دونوں سے غرض اقامت دین ہے البتہ جہاد میں کفار کے شر کا دفعیہ تمام اہل دین سے ہے جبکہ ہجرت میں صرف اپنی ذات کا کفار کے شر سے بچاؤ ہے۔ اس کے ساتھ ترک ہجرت پر وعید ہے اور اس کے بعد ہجرت کی ترغیب اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا
كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً
فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾
اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ
عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ
مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ
عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ کہ جان نکالتے ہیں جن کی فرشتے اس حالت میں کہ وہ لوگ ظلم کرنے والے تھے اپنی جانوں پر (ان سے فرشتے) کہتے ہیں تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس ملک میں۔ (اس پر وہ فرشتے) کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں۔ سو یہ لوگ کہ ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور وہ بری ہے جانے کی جگہ۔ مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کہ نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ سو ایسے لوگ امید ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو اور اللہ ہے معاف کرنیوالا بخشنے والا۔ اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا روئے زمین میں جگہ بہت اور کشادگی۔ اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو ثابت ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تفسیر: (بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے) ہجرت کرنے پر قدرت کے باوجود ہجرت کے تارک ہو کر (اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو) اس وقت (وہ) فرشتے (ان سے کہتے ہیں کہ تم) دین کے (کس) کس (کام میں تھے) یعنی دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے (وہ) جواب میں (کہتے ہیں کہ ہم) اپنی بود و باش کی (سرزمین میں محض مغلوب تھے) اس لئے دین کی بہت سی ضروریات پر عمل نہ کر سکتے تھے اور ان فرائض کے ترک میں معذور تھے (وہ) فرشتے (کہتے ہیں) اگر اس

جگہ نہ کر سکتے تھے تو (کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس) سے کسی دوسرے حصہ (میں چلا جانا چاہئے تھا) اور وہاں جا کر فرائض کو ادا کر سکتے تھے، اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور ان کا جرم ثابت ہو جائے گا (سوان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری جگہ ہے، لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے) واقع میں ہجرت پر بھی (قادر نہ ہوں کہ نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ ہی راستہ سے واقف ہیں، سوان کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور) جن لوگوں کے لئے ہجرت مشروع ہے ان میں سے (جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں) یعنی دین کے لئے (ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور) اظہار دین یعنی کھل کر دین پر عمل کرنے کی (بہت گنجائش) ملے گی، پس اگر ایسی جگہ پہنچ گیا تو دنیا میں بھی اس سفر اور اظہار دین سے کامیابی ظاہر ہے (اور) اگر اتفاق سے یہ مذکور کامیابی نہ ہوئی تب بھی آخرت کی کامیابی میں تو کوئی تردد نہیں، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ (جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ ورسول) کے دین کے ظاہر کر سکنے اور اس پر کھل کر عمل کرنے کے مقام (کی طرف ہجرت کروں گا پھر) مقصد کے حاصل کرنے سے پہلے (اس کو موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب) جو ہجرت کرنے پر ملتا ہے (ثابت ہو گیا) اور وعدہ کی وجہ سے وہ ایسا ہے جیسے (اللہ کے ذمہ) ہے اور گو نا مکمل سفر کو ہجرت نہیں کہہ سکتے، لیکن صرف اچھی نیت سے اس کے شروع کر دینے پر پورا صلہ عطا ہو گیا (اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں) اور نا مکمل ہجرت کی برکت سے ہی بہت سے گناہ معاف فرما دیں گے جیسا حدیث میں ہجرت کی فضیلت آئی ہے کہ ہجرت سے سابق گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور (بڑے رحمت والے ہیں) کہ عمل کو اچھی نیت سے شروع کرنے ہی سے پورے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

فائدہ: 1- سورت کے بارہویں رکوع میں ہجرت کی فرضیت کا بیان ضمناً ہوا تھا۔ یہاں شروع کی آیت میں جو ڈانٹ اور سزا کا ذکر ہے تو اس فرض کے ترک پر ہے۔

2- یہاں جان قبض کرنے کو فرشتوں کی طرف منسوب کیا اور ان کو جمع کے لفظ سے ذکر کیا جب کہ ایک آیت میں ہے يَتَوَفّٰىكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ (ملک الموت تمہاری جان قبض کرتے ہیں اور ایک آیت میں ہے، اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ (اللہ جانوں کو قبض کرتے ہیں) وجہ یہ ہے کہ حقیقی قابض تو اللہ تعالیٰ ہیں کہ ان ہی کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے اور ظاہری قابض ملک الموت ہیں کہ اللہ کے حکم سے قبض کرتے ہیں اور دوسرے ملائکہ ان کے شریک اور مددگار ہوتے ہیں۔

3- یہاں دو شبہے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب جن لوگوں کا استثناء کیا وہ گناہگار ہی نہیں تو معافی کا کیا

مطلب۔ دوسرے جب عَسٰی کا لفظ جس کا معنی شاید کا ہے اس کی وجہ سے تردد ہے تو معافی کا وعدہ کیسے ہوا۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ معافی اس لئے کہا کہ فی نفسہ تو وہ فعل قبیح اور گناہ ہے اگرچہ کسی خاص شخص کے حق میں گناہ نہ لکھا جائے۔ تو کسی جگہ اس کے نہ لکھنے کو گناہ نہ ہونا قرار دیا اور کہیں معافی کے لفظ سے اس کے فی نفسہ گناہ ہونے کو بتا دیا۔

4- بچے تو فرضیت کے مکلف نہیں۔ انکا ذکر یہ بتانے کے لئے کیا کہ صرف وہ مرد و عورت مستثنیٰ ہیں جو واقعی اس درجے معذور ہوں کہ بچوں کی طرح مکلف نہ رہے ہوں۔

5- ابتدائے اسلام میں ہجرت فرض تھی اور فرضیت کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کا شعار اور شناخت بھی تھی کیونکہ اس دور میں کوئی بھی مسلمان بلکہ عام منافق بھی جیسے باجماعت نماز ترک کرنے کی جرات نہ کرتا تھا اسی طرح وہ اپنی ہجرت کو ترک کرنے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ اس کے شعار ہونے کی وجہ تھی کہ اگر کوئی بلاعذر ہجرت ترک کر کے اپنے سابقہ علاقہ میں واپس چلا جاتا تو یہ اس کے ارتداد کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی بنا پر فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ والی آیتوں میں ہجرت سے پھر جانے والوں کو مسلمان سمجھنے سے صحابہ کو منع فرمایا اگرچہ وہ واقع میں بھی مرتد ہو گئے تھے۔ ہجرت کی فرضیت کی بنا پر تیسرے رکوع میں ہجرت نہ کرنے والوں کو وعید سنائی۔

البتہ عذر کی حالت میں اس کی فرضیت اور شعاریت دونوں ساقط ہو جاتی تھیں۔ فرضیت کے ساقط ہونے کی بنا پر اسی رکوع میں مستضعفین کا وعید سے استثناء کیا اور شعاریت کے ساقط ہونے کی بنا پر دارالحرب میں قتل ہونے والے مومن کی دیت کے وجوب کا اور سلام کرنے والے کو قتل کرنے کی حرمت کا حکم فرمایا اور اس کی اسلام کی صرف دوسری علامتوں مثلاً کلمہ کے اقرار وغیرہ پر اکتفا کرنے کا حکم دیا۔

ربط: اوپر جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا۔ چونکہ اکثر حالات میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور نیز ایسے سفر میں مخالف کی طرف سے اندیشہ بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے نماز میں جو خاص خاص سہولتیں دی گئیں مثلاً قصر اور نماز خوف آگے ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ
فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ
أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ کم کر دو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر۔ بے شک کافر ہیں تمہارے صریح دشمن

(اور جب تم زمین میں سفر کرو) جس کی مقدار کا ذکر حدیث میں ہے (سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہو گا) بلکہ ضروری ہے (کہ تم) ظہر اور عصر اور عشاء کے فرض (نماز) کی رکعات (کو کم کر دو) یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو (اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے) اور اس اندیشہ کی وجہ سے ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا جائے کیونکہ (بلا شبہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں)

فائدہ: 1-زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی کم از کم مدت پندرہ دن و رات ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

2- پوری امت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ سفر میں خوف نہ ہو تب بھی قصر مشروع ہے اور اس اجماع کی بنیاد حدیث ہے آیت میں خوف کا ذکر محض اس وقت کی حالت کے اعتبار سے ہے۔

نماز خوف کا حکم

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم
مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ
وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ
أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَ
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضٰى
أَن تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ
عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

ترجمہ: اور جب تو موجود ہو ان میں پھر پڑھائے تو ان کو نماز تو چاہئے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان میں سے تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کر لیں تو ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آئے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی اور وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیں اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار۔ چاہتے ہیں کافر کہ اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامانوں سے تو حملہ کریں تم پر ایک بار گی حملہ اور کچھ گناہ نہیں تم پر اگر تم

کو تکلیف ہو بارش سے یا ہو تم بیمار کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ۔ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب اہانت آمیز

تفسیر: (اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں) اور اسی طرح آپؐ کے بعد اور جو امام ہو (پھر آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں) اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جائیں گے تو کوئی دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا (تو) ایسی حالت میں یوں چاہئے کہ جماعت کے دو گروہ ہو جائیں پھر (ان میں سے ایک گروہ) کے لوگ (تو آپ کے ساتھ) نماز میں (کھڑے ہو جائیں) اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑا رہے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے (اور وہ لوگ) جو آپؐ کے ساتھ نماز میں شامل ہوں وہ بھی مختصر مختصر (اپنے ہتھیار لے لیں) یعنی نماز سے پہلے لے کر ہمراہ رکھیں شاید مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے، فوراً قتال کرنے لگیں گو نماز قتال سے ٹوٹ جائے گی لیکن گناہ نہیں (پھر جب یہ لوگ) آپؐ کے ساتھ (سجدہ کر چکیں) یعنی ایک رکعت پوری کر لیں (تو یہ لوگ) نگہبانی کے لئے (تمہارے پیچھے ہو جائیں) یعنی رسول اللہ ﷺ کے اور دوسرے گروہ کے جو کہ اب نماز میں شامل ہوں گے یہ پہلا گروہ ان سب کے پیچھے ہو جائے۔ (اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی) یعنی شروع بھی نہیں کی وہ اس پہلے گروہ کی جگہ امام کے قریب (آ جائے اور آپؐ کے ساتھ نماز) کی ایک رکعت جو آپ کی باقی رہی ہے اس کو (پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں) اور سامان اور ہتھیار ہمراہ لینے کا اس لئے سب کو حکم کیا ہے کہ (کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے) ذرا (غافل ہو جاؤ تو تم پر ایکبارگی حملہ کر بیٹھیں) سو ایسی حالت میں احتیاط ضروری ہے (اور اگر تم کو بارش) وغیرہ (کی وجہ سے) ہتھیار لے کر چلنے میں (تکلیف ہو یا تم بیمار ہو) اور اس وجہ سے ہتھیار باندھ نہیں سکتے (تو تم کو اس میں) بھی (کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو اور) پھر بھی (اپنا بچاؤ) ضرور (لے لو) اور یہ خیال نہ کرو کہ کفار کی دشمنی کا صرف دنیا ہی میں علاج کیا گیا ہے بلکہ آخرت میں اس سے بڑھ کر ان کا علاج ہوگا کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے)۔

فائدہ: 1- آیت میں ہے وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ یعنی جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صلوۃ خوف کا حکم باقی نہیں رہا کیونکہ آپؐ کی ذات بابرکات اب ہم میں موجود نہیں، اس لئے کہ یہ شرط اس وقت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی عذر کے بغیر امام نہیں بن سکتا، آپؐ کے بعد اب جو امام ہو وہی آپؐ کے قائم مقام ہے اور وہی صلوۃ خوف پڑھائے گا۔ چاروں ائمہ کے نزدیک صلوۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد بھی جاری

ہے منسوخ نہیں ہوا۔

2- آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر فرمایا دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی مزید تفصیل احادیث میں ہے، یہ صورت جب ہے کہ امام مسافر ہو جیسا کہ جنگوں میں عام طور سے ہوتا ہے ورنہ ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے۔

3- یہ جب ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب نماز پڑھنا چاہیں ورنہ ہر گروہ علیحدہ امام کے ساتھ پڑھ لے۔ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ کی قید میں یہی نکتہ نظر آتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کے ساتھ سب کو نماز پڑھنا محبوب تھا۔

4- ہتھیار وغیرہ ہمراہ رکھنے کا حکم استحباب کا ہے۔

ربط: سفر و خوف کی حالت میں نماز میں تغیر کا ذکر ہوا آگے اس حالت کے ختم ہونے پر تغیر کے ختم ہونے کو ذکر فرماتے ہیں۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: پھر جب تم ادا کر چکو نماز تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو (عام قاعدے کے موافق) قائم کرو نماز کو۔ بیشک نماز ہے مسلمانوں پر فرض اور وقت کے ساتھ محدود

تفسیر: (پھر جب تم نماز) خوف (ادا کر چکو تو) بدستور (اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی) یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ عین لڑائی کے وقت بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو دل سے بھی اور احکام شرعیہ کے اتباع سے بھی کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔ لڑائی میں خلاف شرع کوئی کارروائی کرنے سے پرہیز کرو، غرض نماز تو ختم ہوئی ذکر ختم نہیں ہوتا، سفر یا خوف کی وجہ سے نماز میں تو تخفیف ہو گئی تھی لیکن ذکر اپنی حالت پر ہی ہے (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ) یعنی سفر ختم کر کے مقیم ہو جاؤ اور اسی طرح خوف کے ختم ہونے کے بعد بے خوف ہو جاؤ (تو نماز کو) اصلی (قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو) اور نماز میں قصر کرنے اور چلنے کو چھوڑ دو کیونکہ وہ تو سفر یا خوف کے عارضہ کی وجہ سے جائز رکھا گیا تھا (یقیناً نماز

مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) پس فرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنا ضروری ہے اور وقت کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے وقت ہی میں ادا کرنا ضروری ہوا۔ عوارض کی وجہ سے اس میں کچھ کچھ تبدیلی کر دی گئی ورنہ نماز کی جو اصلی صورت ہے وہی اصلاً مقصود ہے اب ان عوارض کے ختم ہونے کے بعد نماز کی اصلی صورت کی حفاظت لازم ہو گئی۔

ربط: آگے پھر جہاد ہی کا ایک حکم مذکور ہے کہ جہاد میں سستی ناجائز ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور نہ ہارو ہمت قوم کا پیچھا کرنے میں۔ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو وہ بھی تو درد اٹھا رہے ہیں جس طرح تم درد اٹھا رہے ہو اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جو وہ نہیں رکھتے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

تفسیر: (اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں) جبکہ اس کی ضرورت ہے (اگر تم) زخموں سے (تکلیف میں مبتلا ہو تو) کیا ہوا (وہ بھی تو درد میں مبتلا ہیں جیسے تم درد میں مبتلا ہو) تو وہ تم سے زیادہ قوت نہیں رکھتے پھر کیوں ڈرتے ہو (اور) تم میں ان سے ایک زائد بات یہ ہے کہ (تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ) ان کی (امید نہیں رکھتے) یعنی ثواب کی، تو دل کی قوت میں تم زیادہ ہوئے اور ضعف بدن میں ایک جیسے۔ تو تم کو زیادہ چست ہونا چاہیے (اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) ان کو کفار کا کمزور دل اور کمزور بدن ہونا معلوم ہے (بڑے حکمت والے ہیں) تمہاری قوت برداشت سے زیادہ حکم نہیں فرمایا۔

ربط: اوپر منافقین کا ذکر بھی ہوتا رہا ہے۔ آگے بھی بعض منافقین کے ایک خاص قصہ کے متعلق مضمون ذکر ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ابیرق ایک خاندان تھا اس میں بشیر نام کا ایک شخص منافق تھا۔ اس نے حضرت رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ آٹا اور کچھ ہتھیار جو رکھے تھے چرا لئے۔ صبح کو پاس پڑوس میں تلاش کیا اور بعض قوی قرائن سے بشیر پر شبہ ہوا۔ بنو ابیرق نے جو کہ بشیر کے شریک حال تھے اپنی براءت کے لئے حضرت لبید کا نام لے دیا۔ غرض حضرت رفاعہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے تحقیق کرنے کا وعدہ فرمایا۔ بنو ابیرق کو جب یہ خبر ہوئی تو سب لوگ اس خاندان کے ایک شخص اسیر نامی کے پاس آئے اور سب نے مشورہ کیا اور جمع ہو کر بعض اہل محلّہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت

قتادہ اور حضرت رفاعہ کی شکایت کی کہ گواہوں کے بغیر اس مسلمان اور دیندار گھرانے پر چوری کی تہمت لگاتے ہیں اور مقصد یہ تھا کہ آپ اس مقدمہ میں بنو ابیرق کی طرفداری کریں۔ آپ نے یہ تو نہیں کیا لیکن اتنا ہوا کہ حضرت قتادہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بلا ثبوت کیوں تہمت لگاتے ہو۔ انہوں نے آکر اپنے چچا حضرت رفاعہ سے کہا۔ وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے۔ اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں۔ غرض چوری ثابت ہوئی اور مال برآمد ہوا اور مالک کو دلایا گیا تو بشیر ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور مکہ جا کر مشرکوں سے مل گیا۔ اس پر آخر کی آیتیں وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ نازل ہوئیں۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ
لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝١٠٥ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۖ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا
رَّحِيْمًا ۝١٠٦ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيْمًا ۝١٠٧ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ
لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى
مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٨ هٰٓأَنْتُمْ
هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ
عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝١٠٩ وَمَنْ يَّعْمَلْ
سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١١٠
وَمَنْ يَّكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا ۝١١١ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ
احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّإِثْمًا مُّبِيْنًا ۝١١٢ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ
لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُّضِلُّوْكَ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ إِلَّآ أَنْفُسَهُمْ

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ
اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ
مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

ترجمہ: بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب واقع کے موافق تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں میں اس کے ساتھ جو بتادیا تجھ کو اللہ نے اور تو مت ہو خائنوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشش مانگ اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت جواب دہی کر ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا جو کوئی ہو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہگار۔ وہ شرماتے ہیں (اور چھپاتے ہیں اپنی خیانت کو) لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جب کہ وہ تدبیریں کرتے ہیں رات کو اس بات کی جس سے اللہ راضی نہیں اور ہے اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں سب کا احاطہ کئے ہوئے۔ تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے جواب دہی کی باتیں کرلیں ان کی طرف سے حیات دنیوی میں پھر کون جوابدہی کرے گا اللہ کو ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کارساز۔ اور جو کوئی کرے گناہ یا برا کرے اپنی جان کا پھر بخشش طلب کرے اللہ سے تو وہ پائے گا اللہ کو بخشنے والا مہربان۔ اور جو کوئی کرتا ہے گناہ سو محض کرتا ہے اس کو اپنے ہی خلاف اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی کرے خطایا گناہ پھر تہمت لگادے اس کی کسی بے گناہ پر تو اس نے لاد لیا اپنے اوپر بڑا بہتان اور گناہ صریح۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تجھ پر اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ایک جماعت ان میں سے کہ غلطی میں ڈال دیں تجھ کو اور وہ غلطی میں نہیں ڈالتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے تجھ کو کچھ۔ اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور ہے اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا۔ کچھ خیر نہیں ہے عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں مگر جو کوئی کہ کہے

صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں کے درمیان اور جو کوئی کرے گا یہ کام اللہ کی رضاجوئی کے لئے تو ہم عنقریب دیں گے اس کو بڑا ثواب۔ اور جو کوئی مخالفت کرے گا رسولؐ کی اس کے بعد کہ کھل چکی اس پر ہدایت اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم کرنے دیں گے اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے اور ہم داخل کریں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے جانے کی۔

تفسیر: (بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی ہے) جس سے (واقع کے موافق) حال معلوم ہوگا (تاکہ آپ) اس واقعہ میں (ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے) وحی کے ذریعہ سے (آپ کو) اصل حال (بتادیا) ہے۔ وہ وحی یہ ہے کہ واقعہ میں بشیر چور ہے، اور قبیلہ بنوابیرق جو اس کے حامی ہیں کاذب ہیں (اور) جب اصل حال معلوم ہو گیا تو (آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجئے) جیسا بنوابیرق کی اصل خواہش یہی تھی جس کا ذکر چند آیتوں بعد آتا ہے یعنی وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یعنی اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر آپؐ نے ان کی طرف داری کی نہ تھی، خود اسی جملہ سے آپ کا ان کے ارادے پر عمل نہ کرنا بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فضل الٰہی نے غلطی سے بچالیا، جس میں ہر غلطی کی نفی ہوگئی اور منع فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل ماضی میں واقع ہو چکا ہو، بلکہ اصل فائدہ منع کا یہ ہے کہ آئندہ کے لئے حقیقت حال سے آگاہ کر کے اس کے کرنے سے روکتے ہیں، پس آپ کی حالت اور ممانعت کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوگا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے اور یہ انتظامات بھی عصمت نبوی کے لئے ہیں۔ اور اگرچہ سب خائن نہ تھے لیکن آیت میں سب کو خائن کہا اس وجہ سے کہ جو لوگ خائن نہ تھے وہ بھی خائن کی اعانت کر رہے تھے اس لئے وہ خائن ٹھیرے۔ اور لوگوں کے کہنے سے حسن ظن کے طور پر آپ نے جو بنوابیرق کو دیندار سمجھ لیا ہے، گو بددینی پر صحیح دلیل نہ ہونے کی صورت میں ایسا سمجھنا گناہ تو نہیں لیکن چونکہ اس قسم کے حالات میں یہ احتمال تھا کہ آپ کے ان کو دیندار کہہ دینے سے اہل حق اپنا حق چھوڑ دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت رفاعہؓ خاموش ہو کر بیٹھ رہے لہٰذا یہ کام نامناسب ہوا اس لئے اس سے (آپ استغفار فرمایئے) کہ آپ کی شان عظیم ہے اتنی بات بھی آپؐ کے لئے قابل استغفار ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے) جیسا وہ لوگ آپ سے چاہتے تھے (جو کہ) لوگوں کی خیانت اور نقصان کر کے ضرر و وبال کے اعتبار

سے در حقیقت (اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے) بلکہ اس کو مبغوض رکھتے ہیں (جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو) جیسا کہ تھوڑی خیانت کرنے والے کو بھی محبوب نہیں رکھتے، لیکن چونکہ بشیر کا بڑا خائن ہونا بتانا مقصود ہے، اس لئے یہ صیغہ مبالغہ کا لایا گیا جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی خیانت کو (آدمیوں سے تو) شرما کر (چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ) ہر وقت کی طرح (اس وقت) بھی (ان کے پاس ہے جب کہ وہ اللہ کی مرضی کے خلاف گفتگو کے متعلق رات کو تدبیریں کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے) علمی (احاطہ میں لئے ہوئے ہیں) بشیر وغیرہ کی حمایت میں بعض اہل محلہ جو جمع ہو کر آئے تھے وہ سن لیں کہ (تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں سو) یہ بتاؤ کہ (خدا تعالیٰ کے روبرو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جوابدہی کرے گا یا وہ کون شخص ہو گا جو ان کا کام بنانے والا ہو گا) یعنی نہ کوئی زبانی جواب دہی کر سکے گا نہ کوئی مقدمہ کی عملی درستگی کر سکے گا کہ اپنے زور پر سفارش منوا کر یا فدیہ دے کر مقدمہ صحیح کر سکے اور) یہ خائنین اگر اب بھی شرعی قاعدے کے موافق توبہ کر لیتے تو معافی ہو جاتی کیونکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ (جو شخص کوئی) متعدی (برائی کرے یا) صرف (اپنی جان کا ضرر کرے) یعنی ایسا گناہ نہ کرے جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہو اور (پھر اللہ تعالیٰ سے) شرعی قاعدہ کے موافق (معافی چاہے) جس میں بندوں کے حقوق کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا بھی داخل ہے (تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا رحمت والا پائے گا اور) گناہگاروں کو ضرور اس کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ (جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات ہی کے لئے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) سب کے گناہوں کی ان کو خبر ہے (بڑے حکمت والے ہیں) مناسب مناسب سزا تجویز فرماتے ہیں (اور) یہ تو خود گناہ کرنے کا انجام ہوا۔ اور جو کہ دوسروں پر تہمت لگائیں ان کا حال سنو کہ (جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر) بجائے اس کے کہ خود توبہ کرتا اس نے یہ کام کیا کہ (اس گناہ کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دی سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے) سر کے (اوپر لاد لیا) جیسا بشیر نے کیا کہ خود تو چوری کی اور ایک نیک بخت بزرگ آدمی لبید کے ذمہ چوری کی تہمت رکھ دی (اور اگر) اس مقدمہ میں (آپ پر) اے محمد ﷺ (اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو) جو کہ ہمیشہ آپؐ پر رہتی ہے (تو ان) چالاک (لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا) لیکن خدا کے فضل سے ان کی رنگ آمیز باتوں کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور آئندہ بھی نہ ہو گا، چنانچہ فرماتے ہیں (اور وہ) کبھی آپ کو (غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن) اس ارادہ بد سے (اپنی جانوں کو) گناہ میں مبتلا کر رہے ہیں اور عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں (اور

آپ کو ذرہ برابر) مذکورہ قسم کا (ضرر نہیں پہنچا سکتے اور) آپ کو غلطی کا ضرر پہنچانا کب ممکن ہے جب کہ (اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں) جس کے ایک حصہ میں قصہ کی اطلاع بھی دیدی (اور آپ کو وہ وہ) مفید اور عالی (باتیں بتائی ہیں جو آپ) پہلے سے (نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے) پھر اللہ کے فضل کے ساتھ کس کا قابو چل سکتا ہے

(عام لوگوں کی اکثر سرگرمیوں میں خیر) یعنی ثواب اور برکت (نہیں ہوتی) جیسا اسیر کے پاس جمع ہو کر خفیہ مشورہ کیا گیا تھا (ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ) خیر (خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں) اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں یا خود ہی صدقہ وغیرہ کی دوسروں کو خفیہ ترغیب دیتے ہیں کیونکہ بعض اوقات خفیہ کہنا ہی مصلحت ہوتا ہے۔ ان کے مشوروں میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے (اور جو شخص یہ کام کرے گا) یعنی ان اعمال کی ترغیب دے گا (حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے واسطے) نہ کہ حکومت و شہرت کی غرض سے (تو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے) یعنی آخرت میں لیکن ان خائنوں کے تو ایسے مشورے ہیں ہی نہیں اس لئے ناپسندیدہ ہیں (اور جو شخص رسول) مقبول ﷺ (کی مخالفت کرے گا اسکے بعد کہ اس کو حق بات ظاہر ہو چکی تھی اور مسلمانوں کا) دینی (رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ پر چلے گا) جیسے بشیر مرتد ہو گیا حالانکہ اسلام کا حق ہونا اور نیز اس خاص واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا خود اس کے معائنہ میں بھی حق ہونا معلوم تھا پھر بھی بدبختی نے گھیرا (تو ہم اس کو) دنیا میں (جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور) آخرت میں (اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی)

فائدہ: 1- نیک کام میں جو کہ معروف کا ترجمہ ہے اس میں وہ تمام امور آگئے جو فائدہ مند ہوں خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہی ہوں البتہ شریعت کے نزدیک جائز بھی ہوں اور گو اس میں صدقہ بھی شامل تھا لیکن نفس پر شاق ہونے کی وجہ سے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا۔ اسی طرح لوگوں میں صلح کرا دینا بھی معروف میں داخل ہے لیکن چونکہ نااتفاقی بہت سے بڑے نقصانات کا سبب ہے اور اصلاح میں اس کا انسداد ہے اس لئے اس کی بھی تصریح فرما دی۔

2- يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ اگرچہ مقصد پر دلالت کرنے میں کافی ہے مگر يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے زائد کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی علامت بتا دی کہ وہ مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت ہے اس کے علامت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کا علم ہر ایک کو مشاہدہ سے ہو یہ بہت دشوار ہے کیونکہ آپ کی وفات کے بعد تو مشاہدہ ظاہر ہے ممکن ہی نہیں آپ کی

حیات میں بھی اکثر لوگ ہر وقت تو موجود نہ ہوتے تھے۔ تو آپ کا طریقہ ان واسطوں ہی سے معلوم ہو سکتا ہے جو متقی اور ہدایت یافتہ ہوں کہ وہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے نقل کریں وہ بھی معتبر ہے اور قرآن و حدیث کی بنیاد پر جو اجتہاد کریں وہ بھی معتبر ہے۔

3- آیت وَ مَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اجماع امت کے حجت قطعی ہونے کی دلیل ہے۔

ربط: اوپر جہاد کے ذکر میں سب مخالفین داخل ہیں۔ ان میں سے یہود اور منافقین کے احوال کا بیان ہوا۔ آگے مشرکین کے کچھ عقائد کا بیان اور ان کی مذمت و سزا کا ذکر کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نہیں بخشے گا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے کسی کو اس کے ساتھ اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ گمراہ ہو گیا دور کی گمراہی میں۔ وہ نہیں عبادت کرتے اللہ کے سوا مگر چند زنانی چیزوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی، لعنت کی جس پر اللہ نے اور کہا شیطان نے کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے اپنی اطاعت کا حصہ مقرر اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان کو اور میں ضرور ہوسیں دلاؤں گا ان کو اور میں ضرور سکھاؤں گا ان کو تو وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں ضرور سکھاؤں گا ان کو تو ضرور بدلیں گے صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی۔ اور جو کوئی بنائے شیطان کو دوست

اللہ کو چھوڑ کر تو وہ نقصان اٹھائے گا صریح نقصان۔ شیطان وعدہ دیتا ہے ان کو اور ہوسیں دلاتا ہے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان مگر فریب کا۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پائیں گے اس سے کہیں کوئی بچنے کی جگہ۔

تفسیر: (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو) سزا دے کر بھی (نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں) کفر کے علاوہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ (جس کے لئے منظور ہوگا) بلا سزا (وہ گناہ بخش دیں گے اور) اس شرک کے نہ بخشنے کی وجہ یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ) کسی کو (شریک ٹھہراتا ہے وہ) امر حق سے (بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا) آگے مشرکین کی حماقت ان کے مذہبی طریقے میں بیان کرتے ہیں کہ (یہ) مشرک (لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر) ایک تو (صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور) دوسرے (صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ) خدا تعالیٰ کے (حکم سے باہر ہے) اور (جس کو) اس کی بے حکمی کی وجہ سے (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت) خاصہ (سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے) جس وقت کہ رحمت خاصہ سے دور اور ملعون ہونے لگا (یوں کہا تھا) جس سے اس کی عداوت صاف ظاہر معلوم ہو رہی تھی کہ (میں) پوری کوشش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ (ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ) اطاعت کا (لوں گا اور) اس حصہ کی تفصیل یہ ہے کہ (میں ان کو) عقائد میں (گمراہ کروں گا اور میں ان کو) خیالات میں (ہوسیں دلاؤں گا) جس سے گناہ کی طرف میلان ہو اور ان کی مضرت نظر میں نہ رہے (اور میں ان کو) برے اعمال کرنے کی (تعلیم دوں گا جس سے وہ) بتوں کے نام پر (چوپایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے) جو کہ اعمال کفر میں سے ہے (اور میں ان کو) اور بھی (تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے) جو کہ فسق کے اعمال میں سے ہے جیسے داڑھی منڈانا، بدن گودوانا وغیرہ (اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا) یعنی خدا تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے گا اور شیطان کی اطاعت کرے گا (وہ) شخص (صریح نقصان میں واقع ہوگا) وہ نقصان جہنم میں جانا ہے (شیطان ان لوگوں سے) عقائد کے متعلق جھوٹے (وعدے کیا کرتا ہے) کہ تم بے فکر رہو نہ کہیں حساب ہے نہ کتاب ہے (اور) خیالات میں (ان کو ہوسیں دلاتا ہے) کہ اس گناہ میں ایسی لذت ہے، اس حرام ذریعہ میں ایسی آمدنی ہے حالانکہ شیطانی اعمال کی لغویت اور مضرت خود ظاہر ہے (اور شیطان ان سے صرف جھوٹے) فریب آمیز (وعدے کرتا ہے) کیونکہ واقع میں قیامت کا حساب و کتاب حق ہے اور اس کی ہوسوں کا فریب ہونا بہت جلدی کھل جائے گا (ایسے لوگوں کا) جو کہ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں (ٹھکانا جہنم ہے) اور اوپر مذکور صریح نقصان سے یہی مراد ہے (اور اس) جہنم (سے کہیں بچنے کی

جگہ نہ پائیں گے) کہ وہاں جا کر پناہ لیں۔

فائدہ: 1۔ زنانی چیزوں سے مراد بعض بت ہیں جن کے نام اور صورتیں عورتوں کی سی تھیں اور ان کو زیور وغیرہ بھی پہناتے تھے۔ جیسے لات، عزی اور نائلہ وغیرہ۔ ہر قبیلہ میں ایسے بت تھے اور ان کو انثی بنی فلاں کے لقب سے مشہور کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور کی عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ بعض بت نام اور شکل میں مردوں کی طرح بھی تھے لیکن صرف زنانی قسم کو ذکر کرنے سے مقصود ان کی حد درجہ حماقت کو بتلانا ہے۔

2۔ شیطان سب معبودان غیر اللہ کو باین معنی شامل ہے کہ شیطان کے کہنے سے ان کی عبادت کرنا گویا شیطان کی عبادت کرنا ہے۔

3- شیطان کی چند صفتیں مقصود کی تاکید کے لئے لائے یعنی ایسے شیطان کی اطاعت کرتے ہیں جو اولاً سرکش ہے۔ ثانیاً سرکشی کی وجہ سے ملعون ہے ثالثاً انسان کا دشمن ہے جیسا اس کے اقوال سے واضح ہے۔

تغییر لخلق اللہ

اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی کی جس طرز پر تخلیق فرمائی ہے اور قدرتی طور پر جس انداز سے بدن انسانی کی نشو نما ہوتی ہے اس میں انسانوں کی جانب سے کچھ تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغییر کی جاتی ہے۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1- تحصیل حسن و زینت کے لئے

مثلاً کان چھیدنا، مہندی لگانا، خضاب لگانا، ناخن تراشنا، بال صاف کرنا، بال کتروانا، مونچھیں تراشنا، داڑھی سنوارنا، داڑھی مونڈنا، جسم گودنا، بالوں کو بلیچ کرنا وغیرہ۔

2- جسمانی اصلاح کے لئے

مثلاً ختنہ کرانا، زائد انگلی کٹوانا، عورت کا اپنے چہرے پر اگے ہوئے داڑھی مونچھوں کے بال صاف کرنا، کٹے ہوئے ہونٹوں کی سرجری کرنا۔

3-دوسرے انسان کے فائدہ کے لئے

مثلاً انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور اس کے لئے اس شخص کے اعضاء نکالنا جس کی دماغی موت BRAIN DEATH واقع ہو چکی ہو یا آنکھ حاصل کرنے کے لئے جس کی ابھی تازہ تازہ موت ہوئی ہو۔

4- غرض فاسد کے لئے

مثلاً زیادہ آبادی سے بچنے کے لئے مردوں اور عورتوں کی نس بندی۔ TUBAL LIGATION

+VASECTOMY کرنا۔ مردوں کو خصی کرنا CASTRATION

5- تعذیب وسزا کے لئے

مثلاً عداوت ودشمنی میں کسی کی ناک وغیرہ کاٹنا اور حکومت کا حدود وقصاص کو جاری کرنا۔

6- شرک وفاسد عقائد کی پیروی کے لئے

مثلاً کسی کے نام پر ناک یا کان چھدوانا، کسی کے نام کی چوٹی رکھنا، ابروؤں کو صاف کرنا۔

ان اسباب میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا شریعت ودین میں کچھ اعتبار نہیں مثلاً شرک اور فاسد عقائد کی پیروی بالکل حرام ہے اور کچھ اسباب وہ ہیں جن کا اگرچہ شریعت نے اعتبار کیا ہے مثلاً حسن وزینت کی تحصیل لیکن اس کا معیار اور STANDARD شریعت نے خود اپنے پاس رکھا ہے انسانوں کے عرف و رواج پر نہیں چھوڑا کیونکہ انسانوں کا علم اتنا وسیع نہیں جتنا اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر انسانوں کے رواج بھی باہم متضاد ہوتے ہیں۔

آگے ہر سبب سے متعلق کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

شرک وفاسد عقائد کی پیروی میں

1- وَلَاٰمُرَنَّہُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ (سورہ نساء: 119)

اور شیطان نے کہہ رکھا ہے کہ میں لوگوں کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے۔

2- ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وانی خلقت عبادی حنفاء کلھم وان الشیاطین اتتھم فاجتا لتھم عن دینھم فحرمت علیھم ما احللت لھم و امرتھم ان یشوکوا بی مالم انزل بہ سلطانا وامرتھم ان یغیر وا خلقی (تفسیر قرطبی 250/5)

میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا (یعنی پیدائش کے وقت ان کی فطرت میں شرک نہیں تھا بلکہ توحید تھی) پھر شیطان (خواہ وہ انسان ہوں یا جن) ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین فطرت سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کے بارے میں میں نے کوئی دلیل وحجت نازل نہیں کی اور انہوں نے ان کو حکم دیا کہ وہ میری خلق وپیدائش کو بدل دیں۔

تعذیب وسزا میں

1- جان بوجھ کر عداوت ودشمنی میں یا کسی بھی وجہ سے کسی کے اعضاء کاٹ دے تو سزا میں کاٹنے

والے کے انہی اعضاء کو کاٹا جائے گا اور زخم کے بدلے زخم لگائے جائیں گے جب کہ مساوات کا لحاظ رکھنا ممکن ہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (سورہ مائدہ)

اور ہم نے یہود پر توریت میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

2- وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِنَ اللّٰهِ (سورہ مائدہ:38)

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض بطور سزا کے اللہ کی طرف سے۔

3- اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْيُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (سورہ مائدہ:33)

(رہزنی اور ڈکیتی کی سزا کے بارے میں فرمایا) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے (ان کے دیئے ہوئے امن کو توڑ کر) لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا (دوسری حالت میں) سولی دیے جائیں یا (تیسری حالت میں جب کہ انہوں نے صرف مال لوٹا ہو قتل نہ کیا ہو) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے (یعنی دایاں ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹ دیے جائیں یا (چوتھی صورت میں) قید کر دیے جائیں۔

جسمانی اصلاح کے لئے

1-لاباس بقطع العضوان وقعت فيه الا كلة لئلاتسرى (عالمگیری:360/5)

جب جسم کا کوئی عضو گل جائے تو اس عضو کو قطع کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ فساد باقی جسم میں سرایت نہ کرے۔

2-اذا اراد الرجل ان يقطع اصبعا زائدة اوشيئا آخر ...... ان كان الغالب هو النجاة فهو في سعة من ذالك (عالمگیری 360/5)

جب آدمی کوئی زائد انگلی یا اسی طرح کوئی اور زائد عضو کاٹنا چاہے تو اگر غلبہ حفاظت کا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

3- حضرت ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ باتیں فطرت میں شامل

ہیں ختنہ کرنا۔ زیر ناف بال صاف کرنا، مونچھیں کترنا، ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا۔

ان حوالجات کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ جسم میں کوئی پیدائشی عیب ہو یا بعد میں کسی حادثہ کی بناء پر کوئی نقص و عیب واقع ہو گیا ہو تو چونکہ اس زمانہ میں علم جراحت SURGERY بڑی ترقی پر ہے اور ہلاکت و نقصان کا کچھ خوف نہیں ہوتا اس لئے ان کو دور کرنے کے لئے جو آپریشن کئے جائیں وہ جائز ہوں گے۔ ایسی جراحت کو جراحت برائے اصلاح بدن کہا جاتا ہے۔

فاسد اغراض کے لئے

مثلاً غلاموں یا ملازموں کو خصی CASTRATE کرنا تاکہ وہ گھر کی عورتوں میں بلا کسی خطرے کے آ جا سکیں یا اس اندیشے سے کہ لڑکی ہو گی تو بدنامی ہو گی یا اس فکر سے کہ اگر دنیا کی آبادی بڑھ گئی تو ان کو خوراک مہیا نہ ہو سکے گی منصوبہ بندی کے تحت مردوں کو خصی کرنا یا مردوں اور عورتوں کی نس بندی کرنا۔

اول تو ابھی تک یہی طے نہیں کیا جا سکا کہ کسی علاقے کی آبادی کتنی ہو کہ اس سے تجاوز نقصان دہ ہو گا۔ یعنی اس بارے میں کوئی OPTIMUM LEVEL تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس کو اجتماعی فکر بنانا اور اس کو قوم کی ترقی وفلاح کا ذریعہ قرار دینا قرآن وسنت کی تعلیمات کا مقابلہ کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا (سورہ ھود: 16)

"زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ وہ ان سب کے ٹھیئے ٹھکانے کو جانتا ہے"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس عالم میں جتنی جانیں پیدا فرماتے ہیں ان کے رزق کی فراہمی کی کفالت خود فرماتے ہیں، البتہ انسانوں کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ اختیاری اسباب کی حد تک زمین کی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کریں، اناج و سامان کو بچانے کی فکر کریں اور حاصل شدہ پیداوار کو عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں تک پہنچائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے۔ جوانی کے تقاضے سے جنسی خواہش ہمیں پریشان کرتی تھی اس لئے ہم نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم اختصاء CASTRATION کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور (اس فعل کے حرام ہونے سے متعلق) قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ

"اے ایمان والو تم اللہ کی ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ بناؤ جو اس نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

یہاں یہ غرض تھی کہ جنسی خواہش کے غلبہ سے آزاد ہو کر پوری دل جمعی کے ساتھ جہاد میں شریک رہیں لیکن اس غرض کے تحت بھی اجازت نہیں ملی تو جو اغراض شریعت کی نظر میں فاسد ہیں ان کے تحت اجازت تو بطریق اولیٰ نہ ہوگی۔

دوسرے انسان کے فائدہ کے لئے

انسانی اعضاء کی پیوندکاری

1-رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **کسر عظم المیت ککسر عظم الحی**

"مردہ کی ہڈی توڑنا اور نکالنا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا اور نکالنا"

2-شرح سیر کبیر میں ہے۔"آدمی اپنی موت کے بعد بھی اتنا ہی قابل احترام ہوتا ہے جتنا کہ اپنی زندگی میں ہوتا ہے۔لہذا جس طرح زندہ آدمی کے کسی عضو و جزسے اس کی تکریم کی بناء پر علاج و مداوات جائز نہیں اسی طرح مردہ کی ہڈی کے ساتھ بھی علاج و تداوی جائز نہیں۔

3-کسی دوسرے انسان کے بالوں سے بھی انتفاع جائز نہیں۔

الف:رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

لعن اللہ الواصلة و المستوصلة

"اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ایک انسان کے بال دوسرے کے سر وغیرہ میں لگانے والی اور لگوانے والی پر"۔

ب:ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا یارسول اللہ ﷺ میری بیٹی کو بخار ہوا جس سے اس کے سر کے بال اڑ گئے تو کیا میں اس کے سر میں دوسرے انسان کے بال لگادوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دوسرے کے بال لگانے والی اور لگوانے والی پر (اللہ کی) لعنت ہے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے بال اور اعضاء اتار کر کسی دوسرے انسان کو لگانا جائز نہیں۔ اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضامندی کا اعتبار نہیں ہے۔

حسن وزینت کی تحصیل کے لئے

ناخن تراشنا، زائد بال صاف کرنا، عورتوں کا ہاتھوں میں مہندی لگانا، مردوں کا سفید بالوں کو مہندی سے یا سیاہ کے علاوہ کسی اور رنگ سے رنگنا، ٹھوڑی کے نیچے سے ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کے بال کاٹنا، مونچھیں کترنا عورتوں کا بندے اور بالیاں پہننے کے لئے اپنے کان چھیدنا یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے جواز کے

شرعی دلائل سے ہر عام و خاص مطلع ہے۔

البتہ چند چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اگرچہ حسن و زینت کے لئے اختیار کرتے ہیں لیکن شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔

1- عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لعن الله الواشمات والمستوشمات والنامصات و المتنمصات المتفلجات للحسن المغيرات لخلق الله (مشكوة)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی جسم گودنے والیوں پر اور جسم گودوانے والیوں پر اور چہرے (یعنی ابرو) کے بال اکھیڑنے والیوں پر اور اکھڑوانے والیوں پر اور حسن کے لئے دانتوں کو گھس کر جدا جدا کرنے والیوں پر اللہ کی دی ہوئی بناوٹ کو بدلنے والیوں پر۔

2-عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ خالفوا المشركين او فروا اللحى و احفوا الشوارب (مشكوة)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم مشرکین کی مخالفت کرو اور ان کا یہ طرز مت اختیار کرو کہ داڑھی منڈائیں اور مونچھیں لمبی کریں بلکہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔

3-عن ابن عباسؓ عن رسول الله ﷺ قال يكون قوم في آخر الزمان يخضبون بهذا السواد كحواصل الحمام لا يجدون رائحة الجنة(مشكوة)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اس سیاہ رنگ سے اپنے بالوں کو خضاب کریں گے کبوتر کے پوٹے کی مثل۔ وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے۔

ان حدیثوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ حسن و زینت کی تحصیل کے لئے اختیار کی جاتی ہیں جیسا کہ خود پہلی حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ جب تحصیل حسن بذات خود ممنوع بھی نہیں ہے تو پھر ان میں ممانعت اور وعید کی وجہیں یہ نظر آتی ہیں۔

1-دوسرے کو دھوکہ دینا مثلاً بڑھاپے کو چھپایا جائے اور اپنے آپ کو جوان دکھایا جائے۔

2-تحصیل حسن میں محض تکلف کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل حسن کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے وہ تمام انسانوں کے نزدیک حسن کے معیار پر نہیں بلکہ کچھ لوگ اس میں حسن سمجھتے ہیں تو دوسرے علاقے یا قوم کے لوگ اس میں سرے سے حسن خیال نہیں کرتے یا الٹا اس میں بدنمائی خیال

کرتے ہیں اور یہ سب کچھ بھی اس وقت ہے جس ان طریقوں کو اختیار کرنے والی عورتیں ہوں تو وہ محض شوہر کی خاطر یہ کریں اور اگر ان سے غرض غیر محرموں میں نمائش ہو یا اعضا مستورہ کا اظہار ہو تو یہ تو خرابی در خرابی ہے۔

ربط: اوپر کفار، مشرکین کے لئے وعید تھی آگے مومنین کے لئے وعدہ اور بشارت ہے جیسا اکثر قرآن پاک کا طرز ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے ہم داخل کریں گے ان کو باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیشہ۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں۔

تفسیر: (اور جو لوگ ایمان لائے) اور انہوں نے (اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب) ایسے (باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، خدا تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا)۔

ربط: اوپر شیطانی خیالات کا دھوکہ اور غیر معتبر ہونا يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ میں اور ایمان و اعمال کا قابل اعتبار ہونا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مذکور تھا۔ آگے بھی یہی دو مضمون ہیں پہلی آیت میں پہلا مضمون اور بعد کی آیتوں میں دوسرا مضمون۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: نہیں ہے مدار تمہاری تمناؤں پر اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر جو کوئی براکام کرے گا سزا دیا جائے گا اس کی اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ اور جو کوئی کام کرے گا نیک مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ ایمان رکھتا ہو تو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے تل بھر۔ اور کون زیادہ بہتر ہے از روئے دین کے اس شخص سے جو تابع کر دے اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ مخلص ہو اور اتباع کرے ابراہیم کی ملت کا جو ایک ہی طرف کا تھا اور بنالیا ابراہیم کو خالص دوست اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہے اللہ ہر ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے۔

تفسیر: (نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے) کہ خالی خولی زبان سے اپنے فضائل بیان کیا کریں بلکہ مدار کار اطاعت پر ہے پس (جو شخص) اطاعت میں کمی کرے گا اور (کوئی براکام کرے گا) خواہ عقائد سے ہو یا اعمال سے (وہ اسکے عوض میں سزا دیا جائے گا) اگر وہ برائی کفریہ عقیدہ تک کی ہے تو سزا دائمی اور یقینی ہے اور اگر وہ برائی اس سے کم ہے تو سزا ہمیشہ کی نہیں ہے (اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار ملے گا) کہ خدا کے عذاب سے اسے چھڑالے (اور جو شخص نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) کہ ان کی کوئی نیکی ضائع کر دی جائے (اور) اوپر جو مومن ہونے کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کا مصداق ہر جماعت نہیں جو مومن ہونے کی دعویدار ہے بلکہ صرف وہ جماعت ہے جس کا دین خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو اور وہ جماعت اہل اسلام کی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں یہ صفات ہیں یعنی کامل اطاعت، اخلاص اور ملت ابراہیم کی پیروی لہذا (ایسے شخص) کے دین (سے زیادہ بہتر کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکادے) یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی (اور) اس کے ساتھ (وہ مخلص بھی ہو) کہ دل سے فرمانبرداری اختیار کی ہو دنیوی مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو (اور ابراہیم کی ملت) یعنی اسلام (کا اتباع کرے) جب کہ حال یہ ہے کہ ابراہیم ایسے تھے (جن میں کجی نام کو بھی نہ تھی اور) ملت ابراہیمی ضرور قابل اتباع ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا تھا) تو ظاہر ہے کہ دوست کے طریقہ پر چلنے والا بھی محبوب و مقبول ہوگا، پس طریقہ اسلام مقبول ہوا، لہذا اہل اسلام ہی مومن کے لقب کے مصداق ٹھہرے اور دوسرے فرقوں نے حضرت ابراہیم کی پیروی کو چھوڑ دیا کہ اسلام نہ لائے اس لئے صرف مسلمان ہی ایسے ثابت ہوئے کہ محض تمناؤں پر ان کا سہارا

نہیں بلکہ اطاعت گزار ہیں لہذا کام انہیں کا چلے گا (اور) اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کرنا تو ضروری ہے ہی کیونکہ ان کی سلطنت و قدرت اور ان کا علم دونوں تام اور مکمل ہیں اور یہی امور مدار ہیں وجوب اطاعت کے چنانچہ فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) یہ تو کمال سلطنت ہوا (اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو) اپنے علم میں (احاطہ فرمائے ہوئے ہیں) یہ کمال علم ہوا۔

فائدہ:1۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نری تمناؤں سے کام نہیں چلتا اور مسلمان نری تمناؤں پر نہیں ہیں بلکہ کام کرتے ہیں اور دوسرے فرقے جب اسلام ہی نہ لائے جس پر سارا کام موقوف ہے تو وہ بس نری تمناؤں پر ہوئے۔

2۔ خلیل ہونا اعلیٰ درجہ کا تقرب و مقبولیت ہے۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھی خلیل بنایا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا۔

ربط: شروع سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اور ان کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا کیونکہ جاہلیت میں بعض ان کو میراث ہی نہ دیتے تھے، بعض جو مال میراث میں یا اور کسی طور سے یتیموں اور عورتوں کو ملتا اس کو ناجائز طور پر کھا جاتے، بعض ان سے نکاح کر کے ان کو مہر پورا نہ دیتے۔ اوپر ان سب کی ممانعت کی گئی تھی اس پر مختلف واقعات پیش آئے، بعض کو تو یہ خیال ہوا کہ عورتیں اور بچے فی نفسہ میراث کے قابل نہیں، کسی وقتی مصلحت سے یہ حکم کچھ عرصہ کے لئے ہو گیا ہے، امید ہے کہ منسوخ ہو جائے گا لہذا کچھ عرصہ اس کے منتظر رہے۔ جب منسوخ نہ ہوا تو یہ مشورہ ٹھہرا کہ خود حضور ﷺ سے پوچھنا چاہئے اور حاضر ہو کر پوچھا۔ بعض کو یہ اتفاق ہوا کہ ان کی پرورش میں بدصورت یتیم لڑکی تھی۔ بدصورتی کی وجہ سے تو خود نکاح نہیں کیا اور دوسرے کے ساتھ اس کے نکاح کو اس وجہ سے ٹالا کہ اس کا مال بھی پھر اس کے ساتھ جائے گا تو اب یہ خیال کر کے کہ شاید کوئی آسان حکم آ جائے اور لڑکی کے مال کا کچھ حصہ ہمیں بھی مل سکے رسول اللہ ﷺ سے آ کر اس بارے میں پوچھا۔ اور بعض نے جب یہ سنا کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں مہر کم کرنا درست نہیں تو یہ خیال کر کے جب وہ عورت خود کمی پر رضامند ہو جائے اس وقت تو پورا مہر دینے کی پابندی نہ رہے گی آپ سے آ کر سوال کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى

النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ
تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا
لِلْیَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور دریافت کرتے ہیں تجھ سے عورتوں کے بارے میں۔ کہہ دے اللہ حکم دیتا ہے تم کو ان کے بارے میں اور جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں تم پر قرآن میں جو کہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں کہ نہیں دیتے تم ان کو جو مقرر کیا گیا ہے ان کے لئے اور تم نفرت کرتے ہو اس سے کہ ان سے نکاح کرو اور (جو) کمزور بچوں کے بارے میں ہیں اور اس بارے میں کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کچھ تم کرو گے خیر سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں۔

(اور لوگ آپ سے عورتوں) کی میراث اور مہر (کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تم کو) وہی سابق (حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی) تم کو حکم دیتی ہیں (جو کہ) اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور (قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں) کیونکہ قرآن کی تلاوت میں ان کی تلاوت بھی ظاہر ہے کہ ہوا ہی کرتی تھی (جو کہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں) نازل ہو چکی (ہیں جن) کے ساتھ تمہارا یہ معاملہ ہے کہ اگر وہ صاحب مال و صاحب جمال ہوئیں تو ان سے نکاح کرتے ہو مگر ان (کو جو) شرع میں (ان کا) میراث و مہر کا (حق مقرر ہے نہیں دیتے ہو اور) اگر صاحب جمال نہ ہوئیں صرف صاحب مال ہوئیں تو (ان کے ساتھ) خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے (نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو) لیکن صاحب مال ہونے کی وجہ سے اس خوف سے کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اور کسی سے بھی نکاح نہیں کرنے دیتے (اور) جو آیات کہ (کمزور بچوں کے بارے میں) ہیں (اور) جو آیات کہ (اس بارے میں) ہیں (کہ یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو) یعنی ان کی تمام کارگزاری خواہ وہ مہر و میراث کے متعلق ہو یا اور کچھ ہو انصاف کے ساتھ کرو۔ یہ مضمون ان سابقہ آیات کا ہے۔ پس وہ آیتیں اپنا مضمون اب بھی تمہارے ذمہ واجب کر رہی ہیں اور ان کا حکم بعینہ باقی ہے تم انہی کے موافق عمل رکھو (اور جو نیک کام کرو گے) عورتوں اور یتیموں کے بارے میں یا اور امور میں بھی (سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں) تم کو ان کی جزاء خیر دیں گے اور جانتے تو ہیں خیر کے علاوہ کو بھی لیکن یہاں خیر کی ترغیب دینی مقصود ہے اس لئے تخصیص کی گئی۔

فائدہ: مطلب یہ ہوا کہ جو آیتیں اس بارے میں پہلے آچکی ہیں جن کو تم وقتاً فوقتاً سنتے رہتے ہو وہ

ان احکام کے بارے میں اب بھی واجب العمل میں کوئی نیا حکم نہیں دیا جاتا۔

ربط: عورتوں سے متعلق احکام میں سے ایک اور حکم بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے کج ادائی کا یا بے رخی کا تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ دونوں صلح کرلیں آپس میں خاص طرح کی صلح اور صلح بہتر چیز ہے۔ اور سامنے کردیئے گئے نفوس حرص کے۔ اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور اگر کسی عورت کو) قرائن سے (اپنے شوہر سے کج ادائی یا بے پرواہی) اور بے رخی (کا غالب گمان ہو تو) ایسی حالت میں (دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں) یعنی عورت اگر ایسے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو پورے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا اور اس لئے اس کو چھوڑنا چاہتا ہے تو عورت کو جائز ہے کہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ دے مثلاً نان نفقہ معاف کردے، یا مقدار کم کردے یا اپنی باری معاف کردے تاکہ وہ چھوڑے نہیں، اور شوہر کو بھی جائز ہے کہ اس معافی کو قبول کرلے (اور) نزاع یا فراق سے تو (یہ صلح) ہی (بہتر ہے اور) ایسی صلح ہو جانا کچھ بعید نہیں کیونکہ (نفوس کو) طبعاً (حرص کے ساتھ اتصال ہوتا ہے) جب نفس کی حرص پوری ہو جاتی ہے راضی ہو جاتا ہے، پس شوہر جب دیکھے گا کہ میری مالی اور جانی آزادی میں جس کی اس کو طبعی حرص ہے کچھ خلل نہیں آتا اور مفت میں عورت ملتی ہے تو وہ غالباً نکاح میں رکھنے پر راضی ہو جائیگا اور عورت کے نکاح میں رہنے کی حرص خواہ کسی وجہ سے ہو ظاہر ہے کہ صلح کا اصل سبب ہے۔ پس جانبین کی خاص خاص حرص نے اس صلح کی تکمیل کردی (اور) اے مردو (اگر تم) خود عورتوں کے ساتھ (اچھا برتاؤ رکھو) اور ان سے حقوق معاف کرانے کے خواہشمند نہ ہو (اور ان کے ساتھ) کج ادائی اور بے رخی کرنے سے (احتیاط رکھو تو) تم کو بڑا ثواب ملے کیونکہ (بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) اور نیک اعمال پر ثواب دیا کرتے ہیں۔

ربط: اوپر شوہر کی کج ادائی اور بے پرواہی کے متعلق مضمون تھا۔ اس کے بعد چند صورتیں پیش آ

سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ باہم صلح ہو جائے یہ اوپر کی آیت کا مقصود تھا۔ دوسرے یہ کہ مرد اپنے غلط رویے سے باز آ جائے جس کی ترغیب اِنْ تُحْسِنُوْا میں تھی۔ تیسرے یہ کہ زوجین میں تفریق ہو جائے۔ آگے اخیر کے دونوں احتمالوں کے متعلق مضمون ہے۔ دوسرے احتمال کے متعلق آیت وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوا میں کہ اگر رغبت قلبی پر اختیار نہیں تو اختیاری حقوق تو ادا کرنے ضروری ہیں اور چونکہ اکثر بے رغبتی کا سبب دوسری بیوی کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے آیت میں اس کا ذکر ہوا ورنہ مذکورہ حکم یعنی مرد کا اپنے غلط رویئے سے باز آنا تمام حالتوں میں عام ہے اور تیسرے احتمال کا ذکر آیت وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا میں ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ برابری کرو بیویوں کے درمیان اگرچہ تم (اس کی) حرص کرو۔ تو نہ ہو جاؤ بالکل ایک طرف (کو) کہ چھوڑ رکھو دوسری بیوی کو بیچ میں لٹکی ہوئی کی طرح اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو بے احتیاج کر دے گا اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور اللہ ہے وسعت والا حکمت والا۔

تفسیر: (اور) عادۃً (تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں) ہر طرح سے (برابری رکھو) حتیٰ کہ قلبی رغبت میں بھی (گو) اس برابری کو (تمہارا کتنا ہی جی چاہے) اور تم کتنی ہی اس میں کوشش کرو لیکن چونکہ قلب کا میلان غیر اختیاری ہے اس لئے اس پر قدرت نہیں گو اتفاقاً بلا اختیار کہیں برابری ہو ہی جائے تو اس کی نفی آیت میں مقصود نہیں۔ غرض جب یہ اختیار میں نہیں تو تم اس کے مکلف نہیں لیکن اس کے غیر اختیاری ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ظاہری حقوق بھی اختیاری نہ رہیں بلکہ وہ تو اختیاری ہیں۔ جب وہ اختیاری ہیں (تو) تم پر واجب ہے کہ (تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ) بالکل کا مطلب یہ ہے کہ باطن سے بھی جس میں معذور تھے اور ظاہر سے بھی جس میں مختار ہو یعنی شرعی حقوق میں اپنی بیوی سے اعراض نہ کرو (جس سے اس) مظلوم (کو ایسا کر دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہو) یعنی نہ تو اس کے حقوق ادا کئے جائیں کہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے کہ بے خاوند والی کہی جائے بلکہ رکھو تو اچھی طرح رکھو (اور) رکھنے کی صورت میں زمانہ ماضی میں جو کچھ ناگوار معاملات ان سے کئے گئے

(اگر) ان معاملات کی فی الحال (اصلاح کر لو اور) آئندہ زمانہ میں ایسے معاملات سے (احتیاط رکھو تو) وہ گذشتہ امور معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) چونکہ حقوق العباد سے متعلق گناہوں کی اصلاح ان بندوں کے معاف کرنے سے ہوتی ہے لہذا اصلاح میں یہ معافی بھی شامل ہے۔ تو اس کے وقوع کے بعد توبہ شرعاً صحیح ہو گئی اس لئے مقبول ہو گئی۔

(اور اگر دونوں میاں بیوی) میں کسی طرح بھی موافقت نہ ہوئی اور دونوں (جدا ہو جائیں) یعنی خلع یا طلاق ہو جائے (تو) کوئی ان میں سے خواہ مرد اگر اس کی زیادتی ہے یا عورت اگر اس کی کوتاہی ہے یوں نہ سمجھے کہ میرے بغیر اس دوسرے کا کام ہی نہ چلے گا کیونکہ (اللہ تعالیٰ اپنی وسعت) قدرت (سے) دونوں میں سے (ہر ایک کو) دوسرے سے (بے احتیاج کر دے گا) یعنی ہر ایک کا مقدر کام دوسرے کے بغیر چل جائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت (والے اور بڑی حکمت والے ہیں) ہر ایک کے لئے مناسب رستہ نکال دیتے ہیں۔

ربط: یہاں تک مختلف احکام کا ذکر ہوا آگے ان احکام کی بجا آوری کی تاکید کا خاص اہتمام فرماتے ہیں کہ پہلے موافقت کرنے کا حکم دیا اِتَّقُوا اللّٰہَ میں اور اس کی آسانی کے لئے اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ کو یاد دلایا پھر اِنْ تَکْفُرُوْا میں مخالفت سے روکا پھر غیر اللہ کا اندیشہ جو بعض احکام میں کوتاہی کا سبب ہوتا ہے اس کو کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا کہہ کر دل سے دور کیا اور ان تینوں پر اپنے مالک سماوات وارض ہونے سے استدلال کیا کیونکہ ایسے مالک کی موافقت واجب ہے مخالفت حرام ہے اور اس پر بھروسہ واعتماد بھی کرنا بھی واجب ہے۔ پھر دین کی خدمت کو غنیمت سمجھنا احسان کی صورت میں اِنْ یَّشَاْ میں ارشاد فرمایا تاکہ اس خوف سے کہ کہیں یہ کام دوسرے سے نہ لے لیا جائے تیزی دکھائیں گے۔ پھر دین کا اصل ثمرہ آخرت میں مَنْ کَانَ یُرِیْدُ میں ارشاد فرمایا کیونکہ بعض اوقات دنیا میں ثمرہ نہ ملنے سے بھی احکام میں سستی ہو جاتی ہے۔

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّیْنَا
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَاِیَّاکُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ وَاِنْ
تَکْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ
غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَفٰی
بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ
وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ کَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا

فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًاۢ بَصِيۡرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور واقعی ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو بھی کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہے اللہ غیر محتاج، سب خوبیوں والا اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور کافی ہے اللہ کارساز اگر چاہتا تو فنا کر دیتا تم سب کو اے لوگو اور لے آتا دوسرے لوگوں کو، اور ہے اللہ اس پر قدرت والا۔ جو کوئی چاہتا ہے ثواب دنیا کا تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا اور ہے اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا،

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں) تو ایسے مالک کے احکام کا ماننا بہت ہی ضروری ہے (اور) احکام کی بجا آوری کا خطاب خاص تم ہی کو نہیں ہوا بلکہ (واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب) آسمانی یعنی توراۃ، انجیل (ملی تھی اور تم کو بھی) حکم دیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو) جس کو تقویٰ کہتے ہیں، جس میں تمام احکام کی موافقت داخل ہے، اسی لئے اس سورت کو تقویٰ سے شروع کر کے اس کی تفصیل میں مختلف احکام لائے ہیں (اور) یہ بھی ان کو اور تم کو سنایا گیا کہ (اگر تم ناشکری کرو گے) یعنی احکام الہیہ کی مخالفت کرو گے (تو) خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں ہاں تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ کی) تو (ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں) ایسے بڑے سلطان کا کیا ضرر ہو گا، البتہ ایسے بڑے سلطان کی مخالفت بلاشک مضر ہے (اور اللہ تعالیٰ کسی) کی اطاعت (کے حاجت مند نہیں) اور (خود اپنی ذات میں محمود د کامل الصفات ہیں) پس کسی کی مخالفت سے ان کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور) جب وہ ایسے قادر و مختار ہیں تو اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں) پس اس کی کارسازی کے ہوتے ہوئے ان کے فرمانبرداروں کو کون ضرر پہنچا سکتا ہے، لہٰذا کسی سے ڈرنا نہ چاہئے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتا رہے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لئے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں، کیونکہ ان کی ایسی قدرت ہے کہ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیتا اور دوسروں کو موجود کر دیتا) اور ان سے کام لے لیتا، جیسا دوسری آیت میں ہے۔ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا يَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ ثُمَّ لَا يَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ) یعنی اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیں گے، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (اور اللہ اس پر پوری

قدرت رکھتے ہیں) پھر ایسا جو نہیں کیا تو ان کی عنایت ہے، اطاعت حکم کو غنیمت سمجھ کر سعادت حاصل کرو اور دیکھو دین کے کام کا اصلی ثمرہ آخرت میں ہے دنیا میں نہ ملنے سے بددل نہ ہونا بلکہ (جو شخص) دین کے کام میں (دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو) وہ بڑی غلطی میں ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ کے پاس) یعنی ان کی قدرت میں (تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ) موجود (ہے) جب ادنیٰ اعلیٰ دونوں پر ان کی قدرت ہے تو اعلیٰ ہی چیز کیوں نہ مانگی جائے (اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں) سب کے اقوال اور درخواستوں کو دنیا کی ہوں یا دین کی سنتے ہیں، اور سب کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، پس طالبان آخرت کو ثواب دیں گے اور طالبان دنیا کو آخرت میں محروم رکھیں گے، پس آخرت ہی کی نیت اور درخواست کرنی چاہئے، البتہ دنیا کی حاجت مستقل طور پر مانگنے میں مضائقہ نہیں، لیکن عبادت میں یہ قصد نہ کرے۔

ربط: اوپر ذکر کئے ہوئے احکام میں بعض معاملات بھی تھے جن میں صاحب معاملہ کو بھی اور اگر کبھی آپس میں اختلاف پڑے تو فیصلہ کرنے والے کو بھی عدل کی رعایت کرنا ضروری ہے اور اسی طرح جو اس معاملہ کی حقیقت پر مطلع ہیں ان کو شہادت میں اظہار حق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آگے عدل کرنے اور حق کے ساتھ شہادت دینے کو واجب فرماتے ہیں۔

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں ہو جاؤ انصاف پر خوب قائم رہنے والے گواہی دینے والے اللہ (کی رضا) کے لئے اگرچہ خلاف ہو تمہارے اپنے یا ماں باپ کے یا قرابت والوں کے۔ اگر وہ شخص مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ کو زیادہ تعلق دونوں سے ہے تو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی کہ مبادا حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج زبانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تو جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) تمام معاملات میں خواہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق ہوں یا مقدمات کے فیصلے ہوں ان سب میں (انصاف پر خوب قائم رہنے والے) اور اقرار یا شہادت کی نوبت آئے تو (اللہ) کی خوشنودی (کے لئے) سچی (گواہی) اور اظہار (دینے والے رہو، اگرچہ) وہ گواہی اور اظہار (اپنی

ہی ذات کے خلاف ہو) جس کو اقرار کہتے ہیں (یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو) اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے تاکہ اس سے بے مروتی نہ ہو، یا کہ یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کر دیں، تم گواہی دینے میں کسی کی امیری غریبی یا نفع و نقصان کو نہ دیکھو، کیونکہ (وہ شخص) جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی (اگر امیر ہے تب بھی غریب ہے تب بھی دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے) اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر جب قوی تعلق کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے خواہ اس سے وقتی طور پر کچھ نقصان بھی پہنچ جائے تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو (سو تم) اس شہادت میں (خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کہ کہیں تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے) یعنی غلط گواہی دو گے (یا پہلو تہی کرو گے) یعنی شہادت کو ٹالو گے (تو) یاد رکھنا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں)۔

ربط: اوپر زیادہ تر فرعی احکام کا ذکر ہوا آگے ایمان و کفر کے مباحث قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

ترتیب بیان میں پہلے دین میں معتبر ایمان کا ذکر ہے پھر کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت عقائد میں بھی اور فساد عقائد پر دلالت کرنے والے بعض اعمال میں بھی۔ ان میں سے ایک فرقہ مرتدین کا ہے اور دوسرا منافقین کا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ
نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ
اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۭ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا
اَلِيْمَا ۨ﴿١٣٨﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ
اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿١٣٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو یقین رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے نازل کی اپنے رسول پر اور ان کتابوں پر جو نازل کی تھیں پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا وہ گمراہ ہو گیا دور کی گمراہی میں۔ بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہیں ہے کہ دکھائے ان کو راہ۔ خوش خبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک۔ وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت، سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری،

تفسیر: (اے ایمان والو) یعنی جو مجملاً ایمان لاکر مومنین کے زمرہ میں داخل ہو چکے ہیں (تم) ضروری عقائد کی تفصیل سن لو کہ (اعتقاد رکھو اللہ) کی ذات و صفات (پر اور اس کے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (پر اور اس کتاب) کے حق ہونے (پر جو اس نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل فرمائی اور ان کتابوں) کے حق ہونے (پر) بھی (جو کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (پہلے) اور نبیوں پر (نازل ہو چکی ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں ملائکہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا بھی داخل ہو گیا (اور جو شخص اللہ) کی ذات یا صفات (کا انکار کرے اور) اسی طرح جو (اس کے فرشتوں کا) انکار کرے (اور) اس طرح جو قرآن سمیت (اس کی کتابوں کا) انکار کرے (اور) اسی طرح جو (اس کے رسولوں کا) جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں انکار کرے (اور) اسی طرح جو (روز قیامت کا) انکار کرے (تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا، بلاشبہ جو لوگ) پہلے تو (مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے) اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پہلا ارتداد معاف ہو جاتا بلکہ (پھر کافر ہو گئے) جیسا کہ بعض لوگوں نے ایسا کیا (پھر) مسلمان ہی نہ ہوئے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا بلکہ (کفر میں بڑھتے چلے گئے) یعنی کفر پر دم مرگ تک ثابت اور دائم رہے (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو) منزل مقصود یعنی بہشت کا (راستہ دکھائیں گے) کیونکہ مغفرت اور جنت کے لئے موت تک مومن رہنا شرط ہے۔

(منافقین کو خوش خبری سنا دیجئے اس بات کی کہ ان کے واسطے) آخرت میں (بڑی دردناک سزا) تجویز کی گئی (ہے، جن کی یہ حالت ہے کہ) عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع اور طور طریقہ بھی اہل ایمان کا نہ رکھ سکے چنانچہ (کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا ان کے پاس) جا کر (عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں سو) خوب سمجھ لو کہ (عزت تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے) وہ جس کو چاہیں دیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو عزت نہ دیں تو کہاں سے معزز بن

جائیں گے۔

فائدہ: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سب کو ذلیل و خوار کر دیا۔ منافقین کا کفار سے ملنا اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں کے اس طرح غالب آنے کی ان کو توقع نہ تھی اور یہ سوچتے تھے کہ ہمیشہ تو ان یہود یا مشرکین کے ساتھ رہنا ہوگا اس لئے ان سے کیوں بگاڑ کیا جائے۔

ربط: اوپر منافقین کے بارے میں ذکر ہوا کہ وہ کافروں کو دوست بناتے ہیں تو آگے دو آیتوں کے بعد لَاتَتَّخِذُوا الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا اور اس سے پہلے کافروں کے اپنی کفریات میں مشغولیت کے وقت میں ان کے ساتھ ظاہری نشست رکھنے سے بھی فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ میں منع فرمایا کیونکہ یہ معصیت میں مبتلا ہونے کا زیادہ بڑا سبب ہے۔ اور ساتھ ساتھ منافقین کی قباحتوں کو بھی ظاہر کرتے جاتے ہیں جس سے مقصود کی تاکید ہوتی ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝۱۴۰ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝۱۴۱

ترجمہ: اور اتار چکا ہے تم پر قرآن میں کہ جب تم سنو اللہ کے احکام کہ انکار کیا جاتا ہے ان کا اور ہنسی اڑائی جاتی ہے ان کی تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں اس کے علاوہ ورنہ تو تم بھی اس حالت میں ان کی مثل ہو جاؤ گے۔ بے شک اللہ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں، وہ منافق جو منتظر رہتے ہیں تم پر، پھر اگر ہو گئی تمہیں فتح اللہ کی جانب سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو گیا کافروں کے لئے کوئی حصہ تو کہتے ہیں کیا ہم غالب نہ آگئے تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مسلمانوں سے، سو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ،

تفسیر: (اور) اے مسلمانو! دیکھو تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصی تعلق مت رکھنا خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس مدنی سورت کے قبل بھی (اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان قرآن میں) یعنی سورہ انعام میں جو مکی ہے (بھیج چکا ہے) جس کا حاصل یہ ہے (کہ جب) کسی مجمع میں (احکام الٰہی کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں) اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ الخ سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غریب اور ضعیف مسلمانوں کے روبرو، پس جس طرح وہاں مشرکین کی ہم نشینی ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی ہم نشینی سے نہی ہے اور یہ ممانعت ہم اس لئے کرتے ہیں (کہ اس حالت میں تم بھی) گناہ میں (انہی جیسے ہو جاؤ گے) گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ان کا گناہ کفر کا ہوگا اور تمہارا فسق کا ہوگا۔ اور ہم نشینی کی ممانعت میں کفار اور منافقین سب برابر ہیں کیونکہ اس کی علت کفر کی باتوں کا تذکرہ ہے جس کا منشاء کفر ہے، اور اس میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ سزائے کفر یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے) اور (وہ) منافقین (ایسے ہیں کہ تم پر) افتاد پڑنے کے (منتظر) اور آرزومند (رہتے ہیں پھر) ان کے اس انتظار کے بعد (اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو) تم سے آکر (باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ) جہاد میں شریک (نہ تھے) کیونکہ نام و نمود کے لئے تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے، مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو (اور اگر کافروں کو) غلبہ کا (کچھ حصہ مل گیا،) یعنی وہ اتفاق سے غالب آئے (تو) ان سے جا کر (باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے) مگر ہم نے قصداً تمہیں غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی (اور کیا ہم نے) جب تم مغلوب ہونے لگے تھے (تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا) اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی، اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی، مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ حصہ دلواؤ، غرض دونوں طرف سے ہاتھ مارتے ہیں (سو) دنیا میں گو اظہار اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن (اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں) عملی (فیصلہ فرما دیں گے اور) اس فیصلہ میں (ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے) بلکہ کفار مجرم قرار پا کر دوزخ میں جائیں گے، اور مسلمان اہل حق ثابت ہو کر جنت میں جائیں گے اور عملی فیصلہ یہی ہے۔

فائدہ: 1۔ اس کو فیصلہ فرمایا حالانکہ فیصلہ اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے تو وہ اختلاف اگرچہ نفاق کی وجہ سے گفتگو میں کم آتا تھا لیکن عقائد و مسلک تو مختلف تھے اور وہ اس مسلک پر اس لئے نازاں تھے

کہ دنیا میں بھی امن ہے اور آخرت میں بھی نجات ہوگی۔ تو فرمایا کہ اس کا عملی فیصلہ وہاں ہو جائے گا۔ اور عملی کی قید اس لئے ہے کہ حق و باطل کے دلائل تو یہاں دنیا میں بھی واضح ہیں۔

2۔ اہل باطل کے ساتھ ہم نشینی کی چند صورتیں ہیں (i) ان کے کفر پر رضا کے ساتھ ہو یہ کفر ہے (ii) ان کے اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ مگر بلا عذر ہو یہ فسق ہے (iii) کسی دنیوی ضرورت کے لئے ہو یہ مباح ہے (iv) دینی احکام کی تبلیغ کے لئے ہو یہ عبادت ہے (v) اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ ہو اس میں معذور ہے۔

ربط: آگے بھی منافقین کی قباحتوں کے ذکر کا تتمہ ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: بے شک منافق چال بازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ وہی چال چلنے والا ہے ان سے اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لئے تو کھڑے ہوتے ہیں کاہلی سے، دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا، لٹکے ہوئے ہیں دونوں کے درمیان نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تو ہرگز نہ پائے گا تو ان کے واسطے کوئی راہ۔

تفسیر: (بلاشبہ منافق لوگ) اظہار ایمان میں (چالبازی کرتے ہیں اللہ سے) گو ان کی چال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور گو ان کا اعتقاد اللہ کے ساتھ چالبازی کرنے کا نہ ہو، مگر ان کی یہ کارروائی اسی کے مشابہ ہے کہ جیسے یہی اعتقاد ہو (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں، اور) چونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں اور اس کی وجہ سے نہ نماز کو فرض سمجھیں نہ اس میں ثواب کا اعتقاد رکھیں اس لئے (جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کیونکہ نشاط تو اعتقاد اور امید سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ان میں نہیں ہے (صرف آدمیوں کو) اپنا نمازی ہونا (دکھاتے ہیں) تاکہ لوگ ان کو مسلمان سمجھیں (اور) چونکہ محض نماز کا نام ہی کرنا ہے اس لئے اس نماز میں (اللہ تعالیٰ کا ذکر) زبانی (نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر) یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں، جس میں نماز کا نام ہو جائے، اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو، کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان

کو کہاں نصیب ہوتی، مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بداعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو (معلق ہو رہے ہیں دونوں کے) یعنی کفار و مومنین کے (درمیان میں نہ) پورے (ادھر کے لوگوں کی طرف نہ) پورے (ادھر کے لوگوں کی طرف) کیونکہ ظاہر میں مومن ہیں تو کفار سے الگ اور باطن میں کافر ہیں تو مومنین سے الگ (اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں) جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ بندہ جب کسی فعل کو کرنے کا عزم کرتا ہے اور اس کی طرف اپنی قوت کو متوجہ کرتا ہے (تو) اللہ تعالیٰ اس وقت اس فعل کو پیدا کردیتے ہیں (ایسے شخص کے) مومن ہونے کے (لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے) مطلب یہ کہ ان منافقین کے راہ پر آنے کی امید مت رکھو، اس میں منافقین کی تشنیع ہے اور مومنین کی تسلی کہ ان کی شرارتوں سے رنج نہ کریں۔

فائدہ: جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے یعنی اللہ ورسول پر صحیح ایمان نہ رکھتے ہوئے اور نماز کی فرضیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوئے جو کسل ظاہر کیا جائے۔ اور صحیح ایمان واعتقاد کے باوجود جو کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر کسی عذر سے ہو جیسے مرض اور تھکان اور نیند کے غلبہ سے ہو تب تو قابل ملامت بھی نہیں اور بلاعذر ہو تو قابل ملامت ہے۔

ربط: اوپر قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ میں کفار سے خصوصیت وتعلق رکھنے کی ممانعت کی تھی آگے اس کا تتمہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو دوست، مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا تم چاہتے ہو کہ کرو اللہ کے لئے اپنے خلاف حجت صریح

تفسیر: (اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو) خواہ منافق ہوں خواہ اعلانیہ ہوں (دوست مت بناؤ) کیونکہ تم کو ان کے کفر وعداوت کی حالت معلوم ہو چکی (کیا تم) ان سے دوستی کر کے (یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر) یعنی اپنے مجرم ومستحق عذاب ہونے پر (اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کرلو) صریح حجت یہی ہے کہ ہم نے جب منع کردیا تھا پھر کیوں کیا۔

ربط: پہلے منافقین کی قباحتیں کا ذکر ہو چکیں آگے ان کی سزا کو بیان کیا جاتا ہے اور چونکہ سزا کے بیان کا اثر فی نفسہ یہ ہے کہ سلیم المزاج آدمی کو خوف پیدا ہو جاتا ہے جو توبہ کا سبب بن جاتا ہے اس لئے سزا سے توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کی جزائے نیک کا بیان بھی فرمایا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا

يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: بے شک منافق ہوں گے سب سے نچلے درجے میں دوزخ کے اور ہرگز تو نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں اور مضبوط پکڑیں اللہ کو اور خالص کریں اپنے دین کو اللہ کے لئے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ ، اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا اجر۔ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور ہے اللہ قدر دان ہے سب کچھ جاننے والا۔

تفسیر: (بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے) اور اے مخاطب (تو ہرگز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا) جو ان کو اس سزا سے بچا سکے (لیکن) ان میں سے (جو لوگ) نفاق سے (توبہ کرلیں اور) مسلمانوں کے ساتھ جو تکلیف دہ معاملات کرتے تھے ان کی (اصلاح کرلیں) یعنی پھر ایسی باتیں نہ کریں (اور) کفار سے ان کی پناہ حاصل کرنے کے لئے دوستی کرتے ہیں اس کو چھوڑ کر (اللہ تعالی پر وثوق) اور توکل (رکھیں اور) ریاء کو چھوڑ کر (اپنے دین) کے اعمال (کو خالص اللہ) ہی کی رضا (کے لئے کیا کریں) غرض اپنے عقائد کی، معاملات کی، اخلاق باطنی کی، اعمال کی، سب کی درستی کرلیں (توبہ) تائب (لوگ) ان (مومنین کے ساتھ) درجات جنت میں (ہوں گے) جو کہ پہلے سے کامل ایمان رکھتے ہیں (اور) ان (مومنین کو اللہ تعالیٰ) آخرت میں (اجر عظیم عطا فرمائیں گے) پس جب یہ مومنین کے ساتھ ہوں گے تو ان کو بھی اجر عظیم ملے گا، اور اے منافقو (اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم) ان کی نعمتوں کی جو تم پر ہیں (سپاس گزاری کرو اور) اس سپاس گزاری کا ہمارا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ تم (ایمان لے آؤ) یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی کام انکا نہیں پڑا جو تم کو سزا دینے سے چل جائے صرف تمہارا کفر جو اشد درجہ کا کفران نعمت ہے سبب ہے تمہاری سزا کا اگر اس کو چھوڑ دو تو پھر رحمت ہی رحمت ہے (اور اللہ تعالیٰ) تو خدمت کی (بڑی قدر کرنے والے) اور خدمت گزاری کے خلوص وغیرہ کو (خوب جاننے والے ہیں) پس جو شخص اطاعت واخلاص سے رہے اس کو بہت کچھ دیتے ہیں۔

ربط: منافقین و کفار کے احوال میں ان کا مسلمانوں کے ساتھ عداوت کرنا مذکور ہوا تھا۔ چونکہ عداوت میں اکثر ایذاء رسانی کی نوبت بھی آتی رہتی ہے اور جس کو ایذاء پہنچتی ہے اکثر اس کی زبان سے شکایت بھی نکل جاتی ہے اس مناسبت سے آگے اس کے جواز عدم جواز کی تحقیق اور عفو کی فضلیت بیان کرتے ہیں۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا بری بات کا مگر جس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا۔ اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا چھپاؤ اس کو یا معاف کرو برائی کو تو بے شک اللہ بھی ہے معاف کرنے والا بڑی قدرت والا۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ بری بات) یعنی کسی میں دین یا دنیا کا عیب ہو تو اسکو (زبان پر لانے کو) کسی کے لئے (پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے) کہ اپنے مظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں (اور اللہ تعالیٰ) مظلوم کی بات (خوب سنتے ہیں) اور ظالم کے ظلم کی حالت (خوب جانتے ہیں) اس میں اشارہ ہے کہ مظلوم کو بھی خلاف واقعہ کہنے کی اجازت نہیں، اور اگرچہ ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن (اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو) جس میں معاف کرنا بھی آگیا (یا) بالخصوص (کسی) کی برائی (کو معاف کردو تو) زیادہ افضل ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ) بھی (بڑے معاف کرنے والے ہیں) اور باوجودیکہ (پوری قدرت والے ہیں) کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں، مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کردیتے ہیں، پس اگر تم ایسا کرو تو اول تو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا بھی مطلوب ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہوگی۔

فائدہ: 1- اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذاء اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ ظاہر کے طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

2- نفی واستثناء سے جو حصر ہوا ہے یہ حصر حقیقی نہیں کیونکہ ظالم کے علاوہ اور بھی بعض شخص کی برائی کا اظہار جائز ہے مثلاً وہ شخص جس سے کوئی دینی یا دنیوی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کے حال سے لوگوں کو مطلع کردینا درست ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت و مصلحت کے بغیر کسی کی عیب گوئی درست نہیں۔

ربط: آگے کفار کے فرقہ یہود کی چند قباحتوں کا ذکر ہوتا ہے۔

پہلی قباحت

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعض کو اور انکار کرتے ہیں بعضوں کا اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں اس کے بیچ میں ایک راہ، ایسے لوگ ہی ہیں کافر یقیناً اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے عذاب اہانت آمیز۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور فرق نہ کیا ان میں سے کسی میں بھی، یہ لوگ ہیں (اللہ) ضرور دے گا ان کو ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان،

تفسیر: (جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ) جیسا کہ آگے ان کے مذکورہ عقیدہ اور قول سے صاف طور پر لازم آتا ہے (اور) کفر کرتے ہیں (اس کے رسولوں کے ساتھ) یعنی بعض کے ساتھ تو صراحۃً کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور کل رسولوں کے ساتھ لازم کے طور پر جیسا آگے آتا ہے (اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں) کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے جس کی یہ صورت کی کہ بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے (اور) اپنے اس عقیدہ کو زبان سے بھی (کہتے ہیں کہ ہم) پیغمبروں میں سے (بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں) اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کفر لازم آگیا اور سب رسولوں کے ساتھ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ کی اور باقی رسولوں کی تکذیب ہو گئی جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی (اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں) کہ نہ سب پر ایمان رہے

جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ سب کا انکار رہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو (ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں) کیونکہ بعض کے ساتھ کفر بھی کفر ہے۔ اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب سب پر ایمان نہ ہوا تو کفر ہی ہوا (اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے) وہی ان کے لئے بھی ہوگی (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں) ایمان لانے کے اعتبار سے (فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ثواب دیں گے اور) چونکہ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے ایمان لانے سے پہلے جتنے گناہ ہو چکے ہیں سب بخش دیں گے اور چونکہ وہ (بڑی رحمت والے ہیں) اس لئے ایمان کی برکت سے ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا کر خوب ثواب دیں گے۔

یہود کی دوسری قباحت

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: درخواست کرتے ہیں تجھ سے اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لائے خاص تحریر آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے زیادہ بڑی چیز اس سے اور کہا تو دکھلا دے ہم کو اللہ کھلم کھلا سو آن پکڑا انکو بجلی کی کڑک نے ان کے ظلم (یعنی ان کی گستاخی) کے باعث۔ پھر اختیار کیا انہوں نے بچھڑے کو (عبادت کے لئے) بعد اس کے کہ آچکے ان کے پاس بہت سے دلائل پھر ہم نے معاف کیا اس گناہ کو اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رعب کھلا۔

تفسیر: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آپؐ سے اہل کتاب) یہود (یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپؐ ان کے پاس ایک خاص تحریر آسمان سے منگوا دیں سو) آپؐ ان لوگوں سے اس کو عجیب نہ سمجھئے کیونکہ یہ فرقہ ایسا معاند ہے کہ (انہوں نے) یعنی اس فرقہ کے جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود تھے انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کھلم کھلا) بلا حجاب (دکھلا دو، جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر بجلی کی کڑک آپڑی، پھر) اس سے بڑھ کر ان کی یہ حرکت ہو چکی ہے کہ (انہوں نے گوسالہ کو) پرستش کے لئے (اختیار کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے) حق و باطل کی تعیین کے (دلائل ان کو پہنچ چکے تھے) ان دلائل سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے

معجزات ہیں جن میں سے غرق فرعون کا بہتوں کو مشاہدہ بھی ہو چکا تھا (پھر ہم نے ان سے در گذر کر دیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا) اس رعب پر اور ہماری درگزر اور عنایت پر ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ عنایت سے متاثر ہوتے تھے نہ رعب سے۔

فائدہ: 1- روح المعانی میں روایت ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ عناد یہ درخواست کی کہ ہم آپ کو اس وقت مانیں گے جب آپ ہم میں سے ہر یہودی کے نام بنام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحریر منگوادیں جس کا یہ مضمون ہو کہ از جانب خدا تعالیٰ بنام فلاں یہودی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ کی رویت کی درخواست تحریر کی درخواست سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ کتب الٰہی تو دنیا میں نازل ہوتی آئی ہیں گو غیر نبی کے پاس نہیں آئیں مگر رویت الٰہی تو کبھی دنیا میں واقع نہیں ہوئی۔

3- گوسالہ پرستی رویت الٰہی کے مطالبہ سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ رویت الٰہی تو دنیا میں نہیں مگر آخرت میں تو مومنین کو ہو گی لیکن غیر اللہ کا معبود ہونا تو محال عقلی ہے۔

ربط: آگے یہود کی بعض اور جہالتوں کا ذکر ہے جس سے ان کی تشنیع بھی مقصود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور زیادہ تسلی بھی مطلوب ہے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ
بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ
لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور اٹھایا ہم نے ان کے اوپر (پہاڑ) طور کو ان سے عہد لینے کے واسطے اور اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو دروازہ میں عاجزی کرتے ہوئے اور ہم نے کہا ان سے کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے عہد مضبوط۔

تفسیر: (اور) جب انہوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تو (ہم نے ان لوگوں سے) تورات پر عمل کرنے کے (قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا تھا) کہ شریعت کو ماناہی ہو گا ورنہ پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے (اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ) جب شہر ایلیا میں داخل ہو تو (دروازہ میں عاجزی سے) اطاعت خداوندی کے جذبہ کے ساتھ (داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے دن کے بارے میں) جو حکم تم کو ملا ہے کہ شکار نہ کرو اس میں شرع کی حد سے (تجاوز مت کرنا اور ہم نے ان سے) ان احکام پر عملدر آمد کے بارے

میں (قول و قرار نہایت شدید لیا) لیکن ان لوگوں نے اس قدر اہتمام کے باوجود پھر اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔

یہود کی مزید قباحتیں

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ
حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۪﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا
عَظِيْمًا ۙ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ
اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا
لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: (ان کو جو سزا ملی) تو بسبب ان کے توڑنے کے اپنے عہد کو اور ان کے انکار کرنے کے اللہ کے احکام کا اور ان کے قتل کرنے کے پیغمبروں کا ناحق اور ان کے اس کہنے کے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔ (ان کے دل محفوظ نہیں) بلکہ مہر کردی اللہ نے ان کے دلوں پر بسبب ان کے کفر کے سو ایمان نہیں رکھتے مگر تھوڑا، اور بسبب ان کے کفر کے اور ان کے کہنے کے مریم پر بڑا بہتان اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو۔ اور انہوں نے نہ قتل کیا اس کو اور نہ سولی پر چڑھایا اس کو اور لیکن شبہ ڈال دیا گیا ان کے لئے۔ اور جن لوگوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں تو وہ لوگ اس بارے میں غلط خیال میں ہیں۔ نہیں ہے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل سوائے انکل کی پیروی کے اور نہیں قتل کیا اس کو یقیناً بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا اور نہیں کوئی شخص اہل کتاب سے مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لے آئے گا عیسیٰ پر اپنی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوگا ان پر گواہ،

تفسیر: (سو ہم نے) ان کی حرکتوں کی وجہ سے لعنت و غضب اور ذلت و مسخ وغیرہ کی (سزا میں مبتلا کیا) یعنی (ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل

کرنے کی وجہ سے انبیاء) علیہم السلام (کو) جو ان کے نزدیک بھی (ناحق) تھا (اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب) ایسے (محفوظ ہیں) کہ ان میں مخالف مذہب یعنی اسلام کا اثر نہیں ہوتا تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ مضبوطی اور پختگی نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگادیا ہے) کہ حق بات کی ان پر تاثیر نہیں ہوتی (سو ان میں ایمان نہیں مگر قدرے قلیل،) اور قدرے قلیل ایمان مقبول نہیں پس کافر ہی ٹھہرے (اور) ہم نے ان کو سزائے لعنت وغیرہ میں ان وجوہ سے بھی مبتلا کیا یعنی (ان کے) ایک خاص (کفر کی وجہ سے اور) تفصیل اس کی یہ ہے کہ (حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے) جس سے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی لازم آتی ہے، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے ان کی براءت ظاہر فرما چکے ہیں (اور) نیز بطور تفاخر کے (ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کردیا) یہ کہنا خود دلیل ہے عداوت کی، اور عداوت انبیاء کے ساتھ کفر ہے (حالانکہ) علاوہ کفر ہونے کے خود ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ (انہوں نے) یعنی یہود نے (نہ ان کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کو) یعنی یہود کو (اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ) یعنی یہود و نصاریٰ (ان کے) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے (بارے میں اختلاف کرتے ہیں) بعض یہود کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ مسیح جھوٹے تھے اس لئے ہمارا ان کو قتل کرنا بالکل برحق ہے، بعض یہودی تردد میں ہوئے کہ جس کو سولی دی گئی اس کا چہرہ تو مسیح کی طرح کا ہے لیکن باقی بدن کسی دوسرے آدمی کا ہے۔ بہت سے عیسائیوں نے کہا کہ ان کے مادی جسم کو سولی دی گئی لیکن ان کے اندر کا خدا آسمان کی طرف چلا گیا۔ (وہ غلط خیال میں) مبتلا (ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی صحیح دلیل) موجود (نہیں، بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے) یعنی یہود نے (ان کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا) جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں (بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف) یعنی آسمان پر (اٹھالیا) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ آج کون اپنے آپ کو مجھ پر قربان کرتا ہے اور اپنی جان کے بدلہ جنت خریدتا ہے، ایک جوان حواری نے اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کا ہمشکل بنادیا گیا اور وہی مصلوب و مقتول ہوا، اور یہی سبب ہوا یہود کے اشتباہ کا اور اس اشتباہ نے اہل کتاب میں اختلاف پیدا کیا (اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست) یعنی قدرت والے (حکمت والے ہیں) کہ اپنی قدرت و حکمت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچالیا اور اٹھالیا، اور یہود کو بوجہ تشبیہ کے پتہ بھی نہ لگا (اور) یہود کو اپنا کذب اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے انکار کا بطلان بہت جلد دنیا ہی میں ظاہر ہو جائے گا کیونکہ نزول آیت کے وقت سے لے کر کسی زمانہ میں (کوئی شخص اہل کتاب) یعنی یہود میں (سے) باقی (نہ رہے گا، مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی اپنے مرنے سے) ذرا (پہلے) جب کہ عالم برزخ نظر آنے لگتا ہے (ضرور تصدیق کرے گا) گو اس وقت

کی تصدیق نافع نہیں مگر ظہور بطلان کے لئے تو کافی ہے تو اس کے بجائے اگر اب ہی ایمان لے آئیں تو نافع ہو جائے (اور) جب عالم دنیا اور عالم برزخ دونوں ختم ہو چکیں گے یعنی (قیامت کے روز وہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ان) منکرین کے انکار (پر گواہی دیں گے،)

فائدہ: 1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جو رسول اللہ آیا ہے یہ یہود کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ دیکھو ایسی عظیم ہستی کے بارے میں ایسا کہتے ہیں۔

2- وَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ایک دوسری تفسیر کے مطابق بہ اور موتہ دونوں میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد ان کی وفات سے پہلے جتنے بھی اہل کتاب یعنی نصاری دنیا میں ہوں گے وہ ان کے بارے میں اپنے عقیدے کی اصلاح کریں گے اور صحیح عقیدہ کے ساتھ ان کو مانیں گے۔ یہود میں سے جو ان پر ایمان لائے وہ بھی اس زمرے میں داخل ہو گا باقی تمام یہودی ان کی وفات سے بہت پہلے دجال کے ساتھ نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔

ربط: گذشتہ آیات میں یہود کی شرارتوں کا اور ان شرارتوں کی وجہ سے ان کی سزا کا ذکر تھا، ان آیات میں بھی ان کی کچھ اور قباحتوں کا بیان ہے، اور سزا کی ایک اور نوعیت کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ قیامت میں تو انہیں عذاب ہو گا ہی، اس دنیا میں بھی ان کی گمراہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے حلال تھیں بطور سزا کے ان پر حرام کر دی گئیں،

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

ترجمہ: سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سے پاک چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور ان کے روکنے کی وجہ سے اللہ کی راہ سے بہت لوگوں کو اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے جا چکے تھے اور ان کے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے باطل طریقوں سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں سے ہیں عذاب دردناک،

تفسیر: (سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب) جن میں سے بہت سے امور سورہ بقرہ

میں ذکر کئے (ہم نے بہت سی پاکیزہ) یعنی حلال و نافع اور لذیذ (چیزیں جو) پہلے سے (ان کے لئے) بھی (حلال تھیں) جیسا آیت (كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ میں ہے (ان پر) شریعت موسویہ میں (حرام کردیں) جن کا بیان سورۃ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الخ میں ہے اور وہاں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ ان حلال پاک چیزوں کو ان پر حرام کرنا ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی بنا پر ہوا تھا جیسا کہ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ الخ اور جب تک شریعت موسویہ رہی اس میں وہ سب حرام ہی رہیں کوئی حلال نہ ہوئی (بسبب اس کے کہ) وہ آئندہ بھی ایسی حرکتوں سے باز نہ آئے، مثلاً یہی کہ (وہ) احکام میں تحریف کرکے یا حکم خداوندی کو چھپا کر (بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ) یعنی دین حق کے قبول کرنے (سے مانع بن جاتے تھے) کیونکہ ان کی اس کارروائی سے عوام کو خواہ مخواہ التباس ہو جاتا تھا، گو تحقیق کرنے سے وہ التباس دور ہو جانا ممکن تھا (اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ انکو) توریت میں (اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ) یعنی غیر مشروع ذریعہ (سے کھا جاتے تھے) پس اس طریق حق میں رکاوٹ بننے، سود لینے اور ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھا جانے کی وجہ سے جب تک شریعت موسوی باقی رہی تخفیف نہ ہوئی، البتہ شریعت عیسویہ میں کچھ احکام بدلے تھے، جیسا آیت وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے، پھر شریعت محمدیہؐ میں بہت تخفیف ہوگئی جیسا يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ الخ سے ثابت ہے، یہ تو دنیوی سزا تھی (اور) آخرت میں (ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے) البتہ جو قاعدہ شرعیہ کے موافق ایمان لے آئے اس کے پچھلے جرائم سب معاف ہو جائیں گے۔

فائدہ: شریعت محمدیہؐ میں بھی بعض چیزیں حرام ہیں، لیکن وہ کسی جسمانی یا روحانی ضرر کی وجہ سے حرام رکھی گئیں، بخلاف یہود کے کہ ان پر جو طیبات حرام کردی گئی تھیں ان میں کوئی جسمانی یا روحانی ضرر نہیں تھا، بلکہ ان کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر حرام کردی گئی تھیں۔

ربط: اوپر کی آیات میں ان یہود کا ذکر تھا جو اپنے کفر پر قائم تھے، اور مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا تھے، آگے ان حضرات کا بیان ہے جو اہل کتاب تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور وہ صفات جو ان کی کتابوں میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود تھیں آپؐ میں پوری پوری دیکھیں تو ایمان لے آئے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام و اسید و ثعلبہ رضی اللہ عنہم، ان آیات میں انہی حضرات کی تعریف و توصیف مذکور ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے اور ایمان والے سو (یہ سب) مانتے ہیں اس کو جو نازل کیا گیا تیری طرف اور جو نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز قائم کرنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر (سو) ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب۔

تفسیر: (لیکن ان) یہود (میں جو لوگ علم) دین (میں پختہ) یعنی اس کے موافق عمل کرنے پر مضبوط (ہیں) اور اسی آمادگی نے ان پر حق کو واضح اور قبول حق کو سہل کر دیا (اور جو) ان میں (ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپؐ کے پاس بھیجی گئی اور اس کتاب پر بھی) ایمان رکھتے ہیں (جو آپ سے پہلے) نبیوں کے پاس (بھیجی گئی) جیسے توریت وانجیل (اور آفرین ہے ان پر جو) ان میں (نماز کی پابندی کرنے والے ہیں، اور جو) ان میں (زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو) ان میں (اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں) سو (ایسے لوگوں کو ہم ضرور) آخرت میں (ثواب عظیم عطا فرمائیں گے،)

فائدہ: آیت میں جن حضرات کے لئے کامل اجر کا وعدہ ہے وہ ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے ہے، اور جہاں تک نفس نجات کا تعلق ہے وہ ضروری عقائد کی تصحیح پر موقوف ہے، بشرطیکہ خاتمہ بالایمان کی سعادت نصیب ہو،

ربط: يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال نقل کر کے تفصیل سے اس کا الزامی جواب دیا گیا، یہاں ایک دوسرے عنوان سے اسی سوال کو باطل کیا جا رہا ہے کہ تم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپؐ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھائیں تو بتاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کو تم بھی تسلیم کرتے ہو، اور ان کے حق میں تم اس طرح کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم نے ان حضرات کو نبی تسلیم کیا ہے، یعنی معجزات سے، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی معجزات ہیں لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، لیکن بات یہ ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ حق کے لئے نہیں بلکہ عناد پر مبنی ہے۔

اس کے ضمن میں بعثت انبیاء کی حکمت بھی بیان کر دی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتا دیا گیا کہ یہ لوگ اگر آپؐ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام خراب کرتے ہیں۔ آپؐ کی نبوت پر تو خدا بھی گواہ ہے، اور خدا کے فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ
وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَ
هٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ
مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ
لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾
لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ
يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ: ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح علیہ السلام پر اور ان نبیوں پر جو ان کے بعد ہوئے اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ پر اور اسمٰعیلؑ پر اور اسحٰقؑ پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰؑ پر اور ایوبؑ پر اور یونسؑ پر اور ہارونؑ پر اور سلیمانؑ پر اور دی ہم نے داؤدؑ کو زبور اور (بھیجے) ایسے رسول کہ احوال سنائے ہم نے جن کے تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول کہ احوال نہیں سنائے ہم نے ان کے تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰؑ سے بول کر۔ (بھیجے) پیغمبر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ پر الزام رسولوں کے بعد اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس پر جو اس نے نازل کیا تجھ پر کہ نازل کیا ہے اس کو اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ (حق کی) گواہی دینے والا۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک گئے دور کی گمراہی میں۔ جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے (دوسروں کا) نقصان کیا نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ دکھائے ان کو راہ مگر راہ دوزخ کی رہیں گے اس میں ہمیشہ اور ہے یہ اللہ پر آسان۔

تفسیر: (ہم نے) کچھ آپ کو انوکھا رسول نہیں بنایا جو ایسی واہی تباہی فرمائش کرتے ہیں بلکہ (آپؐ کے پاس) بھی ایسی ہی (وحی بھیجی ہے جیسی) حضرت (نوح) علیہ السلام (کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس) بھیجی تھی (اور) ان میں سے بعضوں کے نام بھی بتا دیتے ہیں کہ (ہم نے) حضرات (ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گذرے ہیں (اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان) علیہم الصلوٰۃ والسلام (کے پاس وحی بھیجی تھی اور) اسی طرح (ہم نے داوٗد) علیہ السلام کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، چنانچہ ان (کو) کتاب (زبور دی تھی، اور) ان کے علاوہ اور بعضے (ایسے پیغمبروں کو) بھی صاحب وحی بنایا (جن کا حال اس کے قبل) سورہ انعام وغیرہ مکی سورتوں میں (ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور) بعضے (ایسے پیغمبروں کو) صاحب وحی بنایا (جن کا حال) ابھی تک (ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام کو بھی صاحب وحی بنایا، چنانچہ ان (سے اللہ تعالیٰ نے خاص خاص طور پر کلام فرمایا) اور ان سب کو ایمان پر نجات کی (خوش خبری دینے والے اور) کفر پر عذاب کا (خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تاکہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے) آنے کے (بعد کوئی عذر) ظاہراً بھی (باقی نہ رہے) ورنہ قیامت میں یوں کہتے کہ بہت سی باتوں کا حسن وقبح یعنی ان کا قابل عذاب یا ثواب ہونا عقل سے معلوم نہ ہو سکتا تھا، پھر ہماری کیا خطا (اور) یوں (اللہ تعالیٰ پورے زور) اور اختیار (والے ہیں) کہ رسولوں کو بھیجے بغیر بھی سزا دیتے تو اس وجہ سے کہ مالک حقیقی ہونے میں منفرد ہیں ظلم نہ ہوتا اور حقیقی عذر کا حق کسی کو نہ تھا لیکن چونکہ (بڑے حکمت والے) بھی (ہیں) اس لئے ان کی حکمت ہی رسولوں کو بھیجنے کی مقتضی ہوئی تاکہ ظاہری عذر بھی نہ رہے، یہ بیان حکمت درمیان میں تبعاً آ گیا تھا، آگے نبوت محمدیہ کا اثبات کر کے جواب کی تکمیل فرماتے ہیں کہ گو وہ اپنے اس شبہ کے رفع ہونے پر بھی نبوت کو تسلیم نہ کریں لیکن واقع میں تو ثابت ہے اور اس کے ثبوت پر صحیح دلیل قائم ہے، چنانچہ (اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی) کس طرح (اپنے علمی کمال کے ساتھ) جس سے وہ کتاب عظیم معجزہ ہو گئی جو کہ نبوت کی دلیل قاطع ہے، ایسی معجز کتاب کے ذریعہ سے آپ کی نبوت کی (شہادت دے رہے ہیں) یعنی دلیل قائم کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ کتاب معجز نازل فرمائی اور اعجاز دلیل نبوت ہے، پس دلیل سے تو واقع میں نبوت ثابت ہے، رہا کسی کا ماننا نہ ماننا تو اول تو اس کا خیال ہی کیا (اور) اگر طبعاً جی ہی چاہتا ہو کہ یہ بھی مان لیں اور تصدیق کریں تو ان سے افضل مخلوق یعنی (فرشتے) آپ کی نبوت کی (تصدیق کر رہے ہیں،) اور مومنین کی تصدیق کا تو مشاہدہ ہی تھا، پس اگر چند احمقوں نے نہ مانا نہ سہی (اور) اصل بات تو وہی ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت) جو کہ واقع میں دلیل قائم کرنا ہے (کافی ہے) کسی کی تصدیق و تسلیم کی آپ کو

حاجت ہی نہیں (جو لوگ) ان قطعی دلائل کے بعد بھی (منکر ہیں اور) طرہ یہ کہ اوروں کو بھی (خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں وہ) حق سے (بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں) یہ تو دنیا میں ان کے مذہب کا حاصل ہے، اور اس کا ثمرہ آخرت میں آگے سنو کہ (بلا شبہ جو لوگ) حق کے (منکر ہیں اور) حق سے مانع بن کر (دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کو سوائے جہنم کی راہ کے اور کوئی راہ) یعنی جنت کی راہ (دکھلائیں گے اس طرح پر کہ اس) جہنم (میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کریں گے، اور اللہ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے) کچھ سامان نہیں کرنا پڑتا۔

ربط: یہودیوں کے اعتراضات کے جواب اور نبوت محمدیہ علی صاحبہا السلام کے اثبات کے بعد اب تمام جہان کے انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧٠﴾

ترجمہ: اے لوگو! آچکا تمہارے پاس رسولؐ ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی طرف سے تو مان لو یہ بہتر ہوگا تمہارے لئے اور اگر انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔

تفسیر: (اے تمام) جہان کے (لوگو تمہارے پاس یہ رسول) صلی اللہ علیہ وسلم (سچی بات) یعنی سچا دعویٰ سچی دلیل (لے کر تمہارے پروردگار) جل شانہٗ (کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو) صحیح دلیل سے دعویٰ ثابت کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ (تم) ان پر اور جو جو یہ فرمائیں سب پر (یقین رکھو)۔ جو پہلے سے یقین لائے ہوئے ہیں وہ اس پر قائم رہیں، اور جو نہیں لائے اب اختیار کر لیں (یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا) کیونکہ نجات ہوگی (اور اگر تم منکر ہو گئے تو) تمہارا ہی نقصان ہے، خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ (خدا تعالیٰ کی) تو (ملک ہے یہ سب جو کچھ) بھی (آسمانوں میں اور زمین میں) موجود (ہے) تو ایسے بڑے عظیم الشان مالک، قادر کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، مگر اپنی خیر منالو (اور اللہ تعالیٰ) سب کے ایمان و کفر کی (پوری اطلاع رکھتے ہیں) اور دنیا میں جو پوری سزا نہیں دیتے تو اس لئے کہ (کامل حکمت والے) بھی (ہیں) وہ حکمت اس کو مقتضی ہے۔

ربط: آگے نصاریٰ سے خطاب ہے اور ان کے باطل عقائد کی تردید ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوا
فِي دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى
ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ أَلْقٰهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ
مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ إِنْتَهُوْا خَيْرًا
لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا
فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

ترجمہ: اے کتاب والو مت غلو کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ تعالیٰ کی شان میں مگر حق بات۔ مسیح عیسیٰ بن مریم محض اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اللہ کی طرف سے سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ باز آجاؤ یہ بہتر ہوگا تمہارے واسطے صرف اللہ معبود ہے اکیلا وہ پاک ہے اس سے کہ اس کی اولاد ہو، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز،

تفسیر: (اے اہل کتاب) یعنی انجیل والو (تم اپنے دین) کے بارہ (میں) عقیدہ حق کی (حد سے مت نکلو اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو) کہ نعوذ باللہ وہ صاحب اولاد ہے جیسا بعض کہتے تھے کہ اَلْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ یا وہ مجموعہ اِلٰہ کا ایک جزو ہے جیسا بعض کہتے تھے اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی اللہ تین کے مجموعہ کا تیسرا جز ہے اور بقیہ دو میں سے ایک جزو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے تھے اور دوسرا جزو پھر بعض تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہتے تھے جیسا کہ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض حضرت مریم علیہا السلام کو کہتے تھے جیسا اِتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض خدا کو عین مسیح مانتے تھے جیسا ان کے قول اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ سے معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ سب عقیدے باطل ہیں۔ (مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ) کن کے سبب سے پیدا ہوئے (ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے) حضرت (مریم تک) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے (پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح) یعنی جاندار (ہیں) باقی نہ وہ ابن اللہ ہیں نہ تین میں کے ایک ہیں (سو) جب یہ سب باتیں غلط ہیں تو سب سے توبہ کرو اور (اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر) ان کی تعلیم کے مطابق (ایمان لاؤ) اور وہ موقوف ہے توحید پر، پس توحید کا عقیدہ رکھو (اور یوں مت کہو کہ) خدا (تین ہیں) مقصود منع کرنا ہے شرک سے اور وہ ان کے سب مذکورہ اقوال

میں مشترک ہے، اس شرک سے (باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا) اور توحید کے قائل ہو جاؤ کیونکہ (معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے) اور (وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے) کیونکہ اگر اس کی اولاد ہو تو وہ بھی خدا ہوگی اور آسمانوں اور زمین میں اس کی بھی ملکیت ہوگی اس لئے کہ ملکیت کے بغیر خدا متصور نہیں حالانکہ (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں) کوئی اور اس میں شریک نہیں لہذا کوئی اور خدا بھی نہیں اور نتیجۃً خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ یہ دلیل ہوئی توحید کی (اور) ایک دلیل یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں) اور ان کے سوا سب کارسازی میں ناکافی، دوسروں کے محتاج بلکہ ایک حد پر جاکر عاجز ہو جاتے ہیں۔ یہ کفایت صفات کمال میں سے ہے اور صفات کمال الوہیت و خدائی کے لوازم میں سے ہے۔ جب خدا کے غیر میں یہ کفایت موجود نہیں تو اس میں ایک صفت کمال کی نفی ہوئی جس کی وجہ سے خدائی کی نفی ہوتی ہے لہذا توحید ثابت ہوئی۔

ربط: اوپر حق تعالیٰ کی تنزیہہ کا اثبات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال کیا ہے۔ آگے اسی مضمون کی تائید و تاکید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کا خود عبدیت و بندگی کا اقرار کر کے ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ منکرین پر وعید اور ماننے والوں کے لئے وعدہ بھی سناتے ہیں۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: ہرگز عار نہیں مسیح کو اس سے کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ مقرب فرشتوں کو۔ اور جس کو عار آئے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا، پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو ان کو پورا دے گا ان کے ثواب اور زیادہ دے گا ان کو اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار

تفسیر: نصاریٰ خواہ مخواہ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ یا جزو الٰہ بنا رہے ہیں، خود حضرت (مسیح)

کی یہ کیفیت ہے کہ جب وہ زمین پر تھے تو اس وقت میں ان کا اقرار عبدیت جو ان کی الوہیت کو باطل کرتا ہے مشہور ہے اور سب ہی کو معلوم ہی ہے لیکن اب بھی جب کہ وہ آسمانوں پر ہیں اور ایک قسم کی رفعت و بلندی ان کو حاصل ہے، یا قیامت تک وہ جس حالت میں ہوں ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے اس حالت میں بھی (ہرگز خدا کا بندہ بننے سے عار) اور انکار (نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) کبھی عار کریں گے جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں، جن کو خدا کا ایک جزو مانتے ہیں خود ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے (اور) وہ عار کریں کیسے، اس عار کرنے کا ایسا برا انجام ہے کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو) اس کا انجام سن لو (خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس) یعنی حساب کے موقع پر (جمع کریں گے پھر جو لوگ) دنیا میں (ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہوں گے) یعنی عبد بنے رہے ہوں گے کیونکہ عبدیت کا حاصل یہی ایمان اور اعمال ہیں (تو ان کو تو ان کا پورا ثواب) بھی (دیں گے) جو کہ ایمان اور اعمال پر منصوص ہے (اور) اس کے علاوہ (ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دیں گے) جس کی تفصیل منصوص نہیں (اور جن لوگوں نے) عبد بننے سے (عار کیا ہو گا اور تکبر کیا ہو گا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پائیں گے)۔

فائدہ: بظاہر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ نصاریٰ کو خدا تعالیٰ کی عبادت سے نہ عار تھا نہ تکبر تھا بلکہ ان کو خود مذکور مضمون کے جزو عبادت اور من جانب اللہ ہونے میں کلام تھا۔ جواب یہ ہے کہ ان کے مجموعی حالات سے یہ بات ثابت ہے کہ ان پر حق واضح ہو گیا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر آپ کا اتباع ان کو ناگوار تھا حالانکہ آپ کے اتباع کا حکم ہے اور ایک حکم سے انکار یا عار گویا سب ہی احکام سے انکار و عار ہے۔

ربط: نصاریٰ کے عقائد کے بطلان مع جزا و سزا کے بیان کے بعد آگے خطاب عام سے ان مضامین کا اور ان مضامین کے تعلیم فرمانے والے رسول اور قرآن کے صدق کا بیان کرتے ہیں اور تصدیق کرنے والوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ
بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

ترجمہ: اے لوگو آ چکی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے

تمہاری طرف نور صاف۔ سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑا اس کو تو داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں اور فضل میں اور بتادے گا ان کو اپنی طرف سیدھا راستہ،

تفسیر: (اے) تمام (لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک) کافی (دلیل آچکی ہے) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے (اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے) وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتایا جائے وہ سب حق ہے جن میں یہ مذکورہ مضامین بھی داخل ہیں (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے) جس کے لئے توحید و تنزیہ کا اعتقاد لازم ہے (اور انہوں نے اللہ) کے دین (کو) یعنی اسلام کو (مضبوط پکڑا) جس کے لئے رسول اور قرآن کی تصدیق لازم ہے (سوایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں) یعنی جنت میں (داخل کریں گے اور اپنے فضل میں) لے لیں گے یعنی دخول جنت کے علاوہ اور بھی عظیم نعمتیں دیں گے جن میں دیدار الٰہی بھی داخل ہے (اور اپنے تک) پہنچنے کا (ان کو سیدھا راستہ بتادیں گے) یعنی دنیا میں ان کو اپنی رضا کا رستہ دکھائیں گے اور ان کو اس پر قائم و ثابت رکھیں گے۔ اسی سے ایمان و اعمال صالحہ کے تارک کی حالت معلوم ہوگئی کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔

ربط: شروع سورت کے ذرا بعد میراث کے احکام مذکور تھے، پھر وہاں سے تقریباً ایک پارہ کے بعد دوسرے احکام کے ساتھ میراث کے حکم کو بیان فرمایا اب ختم سورت پر پھر میراث کا ایک حکم ذکر کرتے ہیں۔ شاید تین جگہ اس کے متفرق کردینے میں حکمت یہ ہو کہ اسلام سے پہلے میراث کے باب میں بہت ظلم تھا، پس سورت کے اول میں، وسط میں، آخر میں اس کے ذکر فرمانے سے مخاطبین کو اندازہ ہوگا کہ ان احکام کا بہت اہتمام کیا گیا ہے جس سے وہ بھی ان پر عمل کرنے میں زیادہ اہتمام کریں گے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

ترجمہ: حکم پوچھتے ہیں تجھ سے، کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔ اگر کوئی مرد مر

جائے اور نہ ہو اس کی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے آدھا ہو گا اس کا جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہو گا اس بہن کا اگر نہ ہو اس کی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کے لئے ہو گا دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا۔ اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کے لئے ہو گا برابر دو عورتوں کے حصہ کے۔ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تا کہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے) کلالہ کا یعنی جس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ ہوں میراث کے بارے میں (حکم دریافت کرتے ہیں آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے) وہ یہ ہے کہ (اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو) یعنی نہ مذکر نہ مونث اور نہ ماں باپ ہوں (اور اس کے ایک) سگی یا باپ شریک (بہن ہو تو اس) بہن (کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا) یعنی مقدم حقوق جیسے قرض اور وصیت کے بعد اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا ورنہ پھر اسی بہن پر رد یعنی لوٹا دیا جائے گا (اور وہ شخص اس) اپنی بہن (کا وارث) کل ترکہ کا (ہو گا اگر) وہ بہن مر جائے اور (اس کی اولاد نہ ہو) اور اس کے والدین بھی نہ ہوں۔ (اور اگر) ایسی (بہنیں دو) یا زیادہ (ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے) اور ایک تہائی عصبہ کو ورنہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا (اور اگر) ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث (وارث چند) یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی (بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو) ترکہ اس طرح تقسیم ہو گا کہ (ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر) یعنی بھائی کو دو حصہ بہن کو ایک حصہ (اللہ تعالیٰ تم سے) دین کی باتیں (اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم) ناواقفی سے (گمراہی میں نہ پڑو) یہ تذکیر واحسان ہے (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) پس احکام کی مصلحتوں سے بھی مطلع ہیں اور احکام میں ان کی رعایت کی جاتی ہے، یہ حکمت کا بیان ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیرِ فہم قرآن

(حصہ اوّل)

سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

ا۔ کے ۔ ۳۰ ناظم آباد مینشن ۔ ناظم آباد نمبر ا کراچی ۷۴۶۰۰

یہ کتاب
محترم جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)
مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کی
اجازت سے شائع کی جارہی ہے

نام کتاب ـــــــــ	تفسیر فہم قرآن
تصنیف ـــــــــ	ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)
طباعت ـــــــــ	
اشاعت ـــــــــ	سنہ ۲۰۰۱ء
ضخامت ـــــــــ	۴۶۸ صفحات

ٹیلیفون
۶۶۰۱۸۱۷ ـ ۶۶۰۰۸۹۶

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام ۱۔کے۔۳۰ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱ کراچی نمبر ۱۸

اسٹاکسٹ : مکتبۂ ندوۃ ۔ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی
فون : ۲۶۳۸۹۱۷

مختصر تعارف

مؤلف کتاب: **حافظ عبدالواحد**

سن ولادت: ۱۹۵۰ء

تعلیمی کوائف: ۱۔ ایم بی بی ایس ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے پاس کیا۔

۲۔ درس نظامی۔ جامعہ مدنیہ لاہور وفاق المدارس کے عالمیہ کا امتحان ۱۹۸۳ء میں پاس کیا۔

۳۔ تخصص و افتاء۔ جامعہ مدنیہ لاہور میں حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔

تدریسی معمولات: جامعہ مدنیہ میں ۱۹۸۳ء سے تاحال۔

افتاء: دارالافتاء۔ جامعہ مدنیہ۔ لاہور

تصنیفات: ۱۔ اسلامی عقائد

۲۔ اصول دین

۳۔ مسائل بہشتی زیور مکمل دو حصوں میں نئی ترتیب اور اضافوں کے ساتھ

۴۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام

۵۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

۶۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں (نایاب)

۷۔ تحفہ اصلاحی؛ جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں مبادی تدبر قرآن اور مبادی تدبر حدیث پر تبصرہ و تحقیق حق۔ (غیر مطبوعہ)

۸۔ تحفہ غامدی۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے مغالطوں کی نشاندہی اور انکا جواب

۹۔ تحفہ خیر خواہی بجواب مغالطات کیپٹن عثمانی۔

۱۰۔ قرآن وحدیث سے عداوت کیوں؟ منکر حدیث ڈاکٹر قمر زمان کے افکار کا محاسبہ اور جواب

۱۱۔ "جاگیرداری اور اسلام" مولانا طاسین صاحب کے مضمون پر تبصرہ اور انکے مغالطوں کا جواب

۱۲۔ متفرق مقالہ جات جو ماہنامہ انوار مدینہ اور سہ ماہی منہاج میں شائع ہوئے۔

۱۳۔ تفسیر فہم قرآن۔ (جلد اوّل) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل و اختصار۔

۱۴۔ فہم حدیث (جلد اوّل) تقریباً ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا مجموعہ

۱۵۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قرأت متواترہ۔

۱۶۔ مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت۔

۱۷۔ دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں۔

کسب معاش: ۱۔ دو سال فوج کے میڈیکل کور میں بطور کیپٹن ملازمت۔

۲۔ ۱۹۷۹ء سے تاحال محکمۂ اوقاف کے ہسپتال میں ملازمت بطور میڈیکل افسر۔

عرض مؤلف

الحمد لله الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ و صلی اللہ تعالی علی من ارسلہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون و علی آلہ و صحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دنیوی تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اردو زبان میں دینیات کا مکمل نصاب ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ نصاب دو درجوں پر مشتمل ہے عام درجہ یعنی O`Level جو فہم دین کورس کے نام سے مشہور ہے تین کتابوں پر مشتمل ہے جو ہماری اپنی ترتیب و تالیف کردہ ہیں۔ یعنی اسلامی عقائد، اصول دین اور مسائل بہشتی زیور (مکمل دو حصوں میں)

اعلیٰ درجہ یعنی A` Level پورے قرآن پاک کی رواں مختصر تفسیر یعنی فہم قرآن اور حدیث کے ایک مجموعہ یعنی فہم حدیث پر مشتمل ہے۔

درجہ عام یعنی فہم دین کورس کی کتابیں پہلے ہی شائع ہو چکی ہیں۔ فہم قرآن کی پہلی جلد جو پہلے سوا پانچ پاروں پر مشتمل ہے آپ کے سامنے ہے۔ یہ تفسیر در حقیقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل ہے۔ اگرچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی کسی قدر تسہیل کی تھی لیکن ہم نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تسہیل میں خوب اہتمام کیا ہے اور زبان و ترکیب میں موجودہ ذوق کو پیش نظر رکھا ہے۔

تفسیر بیان القرآن میں جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں ان کو ہم نے عام طور سے شامل نہیں کیا کیونکہ وہ ہماری ترتیب کردہ مسائل بہشتی زیور میں آگئے ہیں۔ البتہ اس تفسیر میں موجود اہم فوائد و نکات کو ہم نے آسان کر کے شامل رکھا ہے اور جہاں کہیں ضرورت ہوئی وہاں مزید فوائد کا اضافہ کیا ہے۔

ترتیب ہم نے یوں رکھی ہے کہ پہلے آئندہ ذکر کی جانے والی آیات کا ماقبل سے ربط لکھا ہے پھر آیات لکھی ہیں پھر ان کا ترجمہ پھر ان کی تفسیر اور آخر میں کچھ ضروری فوائد۔ تفسیر کی عبارت میں آیات کے اصل الفاظ کا ترجمہ بریکٹ میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد اگرچہ ترجمہ علیحدہ سے دینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن چونکہ یہ ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس میں عربی الفاظ کی ترتیب کی رعایت کا اہتمام نہیں ہوا جب کہ بہت سے طالب علموں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ عربی لفظ کے اصل ترجمہ کو بھی جان لیں۔ اس وجہ سے ہم

نے فائدہ دیکھتے ہوئے ایسے ترجمہ کا اضافہ کیا ہے جس میں الفاظ اور ان کی ترکیب کی رعایت رکھی گئی ہو۔ ترجمہ اگرچہ بنیادی طور پر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لیکن مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے موافقت حاصل کرنے کے لئے اور علیحدہ علیحدہ الفاظ کے ترجمہ کی رعایت کی خاطر اس میں بہت کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ اتنے تصرف کے بعد اب ہم اس ترجمہ کی نسبت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہیں کر سکتے اگرچہ رنگ انہی کا ہے۔

عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم حضرات سے بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس نصاب کی درس و تدریس میں دلچسپی لیں اور از خود دلچسپی لے کر لوگوں کو یہ نصاب پڑھائیں۔ یہ ان کی دینی و تبلیغی خدمت کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم نے یکجا کر دیئے ہیں۔

اگر ایک گھنٹہ روزانہ لگایا جائے تو فہم دین کورس چھ مہینے میں پڑھا جا سکتا ہے اور فہم قرآن اور فہم حدیث کو ایک سال میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ہم جامعہ مدنیہ میں اپنے ساتھی مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب کے بے انتہا مشکور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کی تالیف و ترتیب میں خاصی حد تک شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت میں رکھیں اور ان سے اپنے دین کا خوب خوب کام لیں۔ مولوی قاسم صاحب اور مولوی مختار احمد صاحب کے بھی ہم احسانمند ہیں۔ اور آخر میں مجلس نشریات اسلام کے جناب فضل ربی ندوی کے بھی شکر گزار ہیں جو ان کتابوں کی نشر و اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے رہے ہیں اور اچھے سے اچھے معیار کے لئے کوشاں رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے پاس سے بیش از بیش اجر عطا فرمائیں اور ہماری کوششوں کو قبول فرما کر ان کا ثواب ہمارے اساتذہ اور ہمارے والدین کو عطا فرما دیں۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبد الواحد

جامعہ مدنیہ، لاہور

ربیع الاول 1422 ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(حصہ دوم)

سورۃ المائدہ تا سورۃ یونس

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد مدظلہ العالی

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

[illegible]

سورۃ مائدہ

ربط: اوپر کی سورت کے ختم پر فرمایا تھا کہ ہم تمہیں احکامات بیان کرتے ہیں۔ اس سورت کے شروع میں اس بات کا حکم ہے کہ تم ہمارے ان بیان کردہ احکامات پر پوری طرح عمل کرو۔ خود اس سورت کے اجزاء میں انوکھا ربط یہ ہے کہ اس کی شروع کی آیت بمنزلہ متن کے ہے اور تمام سورت بمنزلہ اس کی شرح کے ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بقول خود لفظ عقود تمام احکامات کو شامل ہے اور اس سورت میں انہی احکامات کی تفصیل ہے۔ لہٰذا پہلے اجمالی اور کلی عنوان سے احکامات کی بجا آوری کا حکم فرماتے ہیں:

سُوۡرَةُ الۡمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ — بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — اٰيَاتُهَا ۱۲۰ - رُكُوۡعَاتُهَا ۱۶

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ؕ

ترجمہ: اے ایمان والو پورا کرو عہدوں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والو) جان لو کہ ایمان شرعی دو چیزوں کا نام ہے۔ (1) صحیح معرفت اور (2) تسلیم و انقیاد یعنی خدا اور رسول کے تمام ارشادات کو صحیح و صادق سمجھ کر تسلیم و قبول کے لئے اخلاص سے گردن جھکا دینا۔ تسلیم و انقیاد کے لحاظ سے ایمان درحقیقت تمام خدائی احکام و قوانین کو ماننے اور تمام حقوق ادا کرنے کا ایک مضبوط عہد و اقرار ہے۔ اور خدائی احکام وقوانین کی تفصیل پورے قرآن و سنت میں بتائی گئی ہے۔ اس صورت میں ایمان کے دعویٰ کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ تمام خدائی احکام میں خواہ انکا تعلق براہ راست خدا سے ہو یا بندوں سے، جسمانی تربیت سے ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے ہو یا حیات اجتماعی سے، صلح سے ہو یا جنگ سے، اسکا عہد کرتا ہے کہ ہر طریقے سے اپنے مالک کا وفادار رہے گا اور چونکہ ایمان کے ضمن میں بندہ کو حق تعالیٰ کے جلال و جبروت کی صحیح معرفت اور اس کے انصاف و انتقام کی شان اور وعدوں کی سچائی

کا پورا پورا یقین بھی حاصل ہو چکا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بدعہدی اور غداری کے ہلاکت خیز نتائج سے ڈر کر اپنے تمام عہدوں کو رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پورا کرے اور مالک حقیقی کی وفاداری میں کچھ فرق نہ آنے دے۔ لہٰذا اے ایمان والو تم اپنے ایمان کے تقاضے کے مطابق ایمان کے ضمن میں کئے گئے (اپنے) تمام (عہدوں کو پورا کرو) اور تمام احکام شرعیہ کو بجا لاؤ۔

ربط: کلی عنوان کے بعد اب احکامات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

پہلا حکم: چوپایوں کی حلت و حرمت

أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۗ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①

ترجمہ: حلال کئے گئے تمہارے لئے چوپائے جو مشابہ مویشیوں کے ہوں سوائے ان کے جو (یعنی جن کے حکم) آگے پڑھے جائیں گے تم پر اس حال میں کہ تم حلال نہ سمجھنے والے ہو شکار کو جب کہ تم احرام میں ہو۔ بے شک اللہ حکم کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر: (تمہارے لئے تمام چوپائے جو) ان (انعام) یعنی اونٹ، بکری، گائے (کے مشابہ ہوں) جن کی حلت اس سے پہلے سورہ انعام میں جو کہ مکی سورت ہے معلوم ہو چکی ہے۔ لہٰذا ان کے مشابہ جتنے چوپائے ہیں سب (حلال کئے گئے ہیں) جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ کہ یہ درندے اور شکاری نہ ہونے میں اونٹ، بکری، گائے کے مشابہ ہیں سب چوپائے پالتو ہوں یا جنگلی ہوں حلال ہیں (مگر جن کا ذکر آگے) آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ الخ میں (آتا ہے) یا جن کی حرمت دوسری شرعی دلیل جیسے حدیث سے ثابت ہو چکی ہے مثلاً گدھا خچر وغیرہ کہ وہ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ میں داخل ہونے کے باوجود بھی حرام ہیں اور باقی تمہارے لئے حلال ہیں (لیکن) ان حلال میں سے بھی جو (شکار) ہیں ان (کو حلال مت سمجھنا جب کہ تم احرام میں ہو) مثلاً حج وعمرہ کا احرام باندھے ہو اگرچہ حرم سے باہر ہو، یا حرم کے اندر ہو اگرچہ احرام کے بغیر ہو کہ ان حالتوں میں خشکی کا شکار کرنا منع ہے (بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہیں حکم دیں) اور اسی میں مصلحت ہوتی ہے۔ پس جس جانور کو جس حالت میں چاہا حلال کر دیا اور جس حالت میں چاہا حرام کر دیا تم پر ہر حالت میں حکم پورا کرنا واجب ہے۔

فائدہ: 1- محرم کو صرف خشکی کے جانور کا شکار جائز نہیں، دریائی اور سمندری شکار کی اجازت ہے خواہ حرم ہی کے اندر ہو۔

2- محرم کو بھی اور حرم کے اندر موجود لوگوں کو بھی گائے، بھیڑ، بکری، اونٹ، مرغی وغیرہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔

دوسرا حکم: شعائر اللہ کی بے تعظیمی کی حرمت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲

ترجمہ: اے ایمان والو نہ حلال سمجھو اللہ کی نشانیوں کو اور نہ حرمت والے مہینہ کو اور نہ ہدی کو (یعنی اس جانور کو جو کعبہ کی طرف بھیجا گیا ہو) اور نہ جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ قصد کر (کے جا) نے والوں کو حرمت والے گھر کی طرف جو ڈھونڈتے ہیں اپنے رب سے فضل اور رضامندی کو۔ اور جب (احرام سے) تم حلال ہو جاؤ تو شکار کر لو۔ اور نہ ابھارے تم کو اس قوم کی دشمنی کہ روکا جس نے تم کو مسجد حرام سے کہ تم زیادتی کرنے لگو۔ اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو بے حرمتی نہ کرو خدا تعالیٰ) کے دین (کی نشانیوں کی) یعنی جن چیزوں کے ادب کی حفاظت کے واسطے خدا تعالیٰ نے کچھ احکام مقرر کئے ہیں، ان احکام کے خلاف کر کے ان کی بے ادبی نہ کرو، مثلاً حرم اور احرام کا یہ ادب مقرر کیا ہے کہ اس میں شکار (نہ کرو تو شکار کرنا بے ادبی اور حرام ہو گا (اور نہ حرمت والے مہینے کی) بے ادبی کرو کہ اس میں کافروں سے لڑنے لگو (اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کی) بے ادبی کرو کہ اس سے تعرض کرنے لگو (اور نہ ان جانوروں کی) بے ادبی کرو (جن کے گلے میں) اس نشانی کے لئے (پٹے پڑے ہوں) کہ یہ اللہ کی

نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گے (اور نہ ان لوگوں کی) بے حرمتی کرو (جو کہ بیت الحرام) یعنی بیت اللہ (کے قصد سے جانے والے ہوں) اور (اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں) یعنی ان چیزوں کے ادب کی وجہ سے کافروں کے ساتھ بھی تعرض مت کرو (اور) اوپر کی آیت میں جو احرام کے ادب کی وجہ سے شکار کو حرام فرمایا گیا ہے وہ احرام ہی تک ہے ورنہ (جس وقت تم احرام سے باہر آ جاؤ تو) اجازت ہے کہ (شکار کیا کرو) بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو (اور) جن چیزوں کے تعرض سے منع کیا گیا ہے اس میں (ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم سے جو اس سبب سے بغض رکھتے ہو کہ انہوں نے تم کو) حدیبیہ کے سال میں (مسجد حرام) میں جانے (سے روک دیا تھا) مراد کفار قریش ہیں (وہ) بغض (تمہارے لئے اس کا باعث ہو جائے کہ تم) شرع کی (حد سے نکل جاؤ) یعنی مذکورہ احکام کے خلاف کر بیٹھو، ایسا نہ کرنا (اور نیکی اور تقویٰ) کی باتوں (میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو) مثلاً یہی احکام ہیں کہ ان میں دوسروں کو بھی عمل کرنے کی ترغیب دو (اور گناہ اور زیادتی) کی باتوں (میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو) مثلاً یہی احکام ہیں اگر کوئی ان کے خلاف کرنے لگے تو تم اس کی اعانت مت کرو (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) کہ اس سے سب احکام کی پابندی سہل ہو جاتی ہے (بلا شبہ اللہ تعالیٰ) احکام کی مخالفت کرنے والے کو (سخت سزا دینے والے ہیں)۔

فائدہ: وَلَا الْهَدْيَ سے آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ تک یہ احکام اس وقت تھے جب کفار کو حج و عمرہ کے لئے جانے کی اجازت تھی۔ بعد میں یہ اجازت منسوخ ہو گئی۔

ربط: اوپر چوپایوں کی حلت کے ذکر میں بعض کا استثناء اجمالا کیا تھا۔ آگے اس اجمال کی تفصیل ہے۔

تیسرا حکم: جانوروں کی حرمت کے اسباب

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

ترجمہ: حرام کیا گیا ہے تم پر مردار اور لہو اور گوشت سؤر کا اور وہ کہ نام پکارا گیا ہو غیر اللہ کا اس پر اور وہ جانور (جو مر گیا ہو اس وجہ سے) کہ اس کا گلا گھٹ گیا ہو اور جس کو

چوٹ لگائی گئی ہو اور جو اونچے سے نیچے گر گیا ہو اور جس کو سینگ مارا گیا ہو اور جس کو کھایا ہو درندہ نے مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا اور (حرام کیا گیا ہے) جو ذبح کیا گیا ہو کسی تھان پر اور یہ کہ تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ گناہ کا کام ہے۔

تفسیر: (تم پر) یہ چیزیں اور جانور (حرام کئے گئے ہیں مردار) جانور جو شرعی ذبح کے بغیر اپنی قدرتی موت سے مرجائے (اور خون) جو بہتا ہو (اور خنزیر کا گوشت) اسی طرح اس کے باقی سب اجزاء بھی کیونکہ سورہ انعام کی آیت میں مطلق خنزیر کو رِجْس یعنی ناپاک کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خنزیر سارا کا سارا ہی ناپاک اور نجس ہے اور اسی پر امت کا اجماع بھی ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں لاخلاف ان جملة الخنزیر محرمة خنزیر کے تمام اجزاء کے حرام ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ اور (جو جانور کہ) بقصد قربت (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو کسی ضرب سے مرجائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے) مثلاً پہاڑ سے یا کنوئیں میں (اور جو کسی کی ٹکر سے مر جائے اور جس کو کوئی درندہ) پکڑ کر (کھانے لگے) اور اس کے صدمہ سے مرجائے (لیکن) اَلْمُنْخَنِقَةُ سے مَا أَكَلَ السَّبُعُ تک جن کا ذکر ہے ان میں سے (جس کو تم) اس کا دم نکلنے سے پہلے شرعی قاعدہ کے مطابق (ذبح کر ڈالو) وہ اس حرمت سے مستثنیٰ ہے (اور) نیز (جو جانور) غیر اللہ کی (پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے) حرام ہے گو زبان سے غیر اللہ کے نامزد نہ کرے۔ کیونکہ حرمت کا مدار خبیث نیت پر ہے جس کا ظہور کبھی قول سے ہوتا ہے کہ نامزد کرے کبھی فعل سے ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر ذبح کرے (اور یہ) بھی حرام ہے (کہ) گوشت وغیرہ (قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرو یہ سب گناہ) اور حرام (ہیں)۔

فائدہ: 1- زمانہ جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ چند آدمی پیسے ملا کر شرکت میں ایک اونٹ خریدتے اور اس کو ذبح کرتے لیکن اس کے گوشت کو جس میں ہر شریک کی اس کی رقم کی نسبت سے ملکیت ہوتی تھی اس تناسب سے تقسیم کرنے کے بجائے جوئے کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے۔ اس غرض کے لئے دس تیر ہوتے تھے۔ ان میں سے سات پر کچھ لکیریں لگی ہوتی تھیں اور تین سادے ہوتے تھے اور یہ طے شدہ تھا کہ کس تیر کا کتنا حصہ ہوگا اور کس تیر پر کچھ نہ ملے گا۔ پھر ہر شریک کے نام پر تھیلے میں سے تیر نکالتے تھے اور تیروں کے طے شدہ حصوں کے مطابق شریکوں کو گوشت دیتے تھے یا محروم کرتے تھے۔ یہ چونکہ جوئے اور سود کی صورت تھی اس لئے اس سے منع فرمادیا۔

2- قرعہ جو شریعت میں ثابت ہے وہ اس صورت میں ہے جہاں قرعہ کے بغیر بھی اس پر باہم اتفاق جائز ہو جیسے دو آدمیوں میں برابر کا مشترک مکان نصف نصف تقسیم کر کے یہ جائز ہے کہ آپس کی

رضا مندی سے ایک شریک ایک طرف کا لے لے اور دوسرا دوسری طرف کا لے لے تو اس میں قرعہ بھی جائز ہے۔ اور یہ صورت کہ دو آدمی گوشت خریدنے کے لئے برابر برابر روپیہ دیں پھر آپس میں اتفاق کرلیں کہ ایک کو ایک تہائی گوشت دے دیا جائے اور دوسرے کو دو تہائی تو یہ حرام ہے اور سود ہے۔ لہٰذا یہ عمل اس صورت میں قرعہ سے بھی حرام ہوگا۔

ربط: احکام کے بیان کے درمیان میں انکی بجا آوری پر رغبت دلانے اور پختہ کرنے کے لئے اپنی عظیم الشان نعمت کو ذکر کیا کہ کافروں کو مغلوب کر دیا اور تمہاری دنیا و آخرت کی بھلائی کے واسطے دین کو مکمل کر دیا۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِ ؕ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

ترجمہ: آج نا امید ہو گئے کافر تمہارے دین سے سو مت ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے۔ آج پورا کر چکا ہوں میں تمہارے لئے دین تمہارا اور پورا کیا میں نے تم پر احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین کے طور پر۔

تفسیر: (آج کے دن) یعنی اب (نا امید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین) کے مغلوب ہو جانے (سے) کیونکہ ماشاء اللہ اسلام کا خوب پھیلاؤ ہو گیا (سو ان) کفار (سے مت ڈرنا) کہ تمہارے دین کو مٹا سکیں (اور مجھ سے ڈرتے رہنا) یعنی میرے احکام کی مخالفت مت کرنا (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے) ہر طرح (کامل کر دیا) قوت میں بھی جس سے کفار کو مایوسی ہوئی اور احکام و قواعد میں بھی (اور) اس تکمیل سے (میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا) دینی انعام بھی کہ احکام کی تکمیل ہوئی اور دنیوی انعام بھی کہ قوت حاصل ہوئی اور تکمیل دین میں دونوں آ گئے (اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے) ہمیشہ کو (پسند کر لیا) یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا۔ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین تجویز نہ کیا جائے گا۔ پس تم کو چاہئے کہ میری نعمت کا شکر کر کے اس دین پر پورے پورے قائم رہو)۔

چوتھا حکم: لاچاری میں حرام کھانے کی اجازت

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣﴾

ترجمہ: پھر جو کوئی لاچار ہو جائے بھوک میں اس حال میں کہ مائل نہ ہو گناہ کی طرف تو بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

تفسیر: (پھر) مذکورہ بالا اشیاء کی حرمت معلوم ہونے کے بعد یہ بھی جان لو کہ (جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائے) اور اس وجہ سے ان اشیاء کو کھالے (بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو) یعنی نہ قدر ضرورت سے زیادہ کھائے اور نہ لذت مقصود ہو جس کو سورہ بقرہ میں غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ سے تعبیر فرمایا (تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے ہیں) اگر قدر ضرورت کا اندازہ نہ ہوا اور ایک آدھ لقمہ زیادہ کھا لیا اور (رحمت والے ہیں) کہ ایسی حالت میں اجازت دے دی۔

پانچواں حکم: بعض جانوروں کی حلت کے اسباب

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ بعض صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے شکاری کتے کے اور باز کے شکار کا حکم پوچھا تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا:

يَسْـَٔلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ ۖ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۖ فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٤﴾

ترجمہ: یہ پوچھتے ہیں تجھ سے کہ کیا چیز حلال کی گئی ہے ان کے لئے۔ کہہ دے حلال کئے گئے تمہارے لئے حلال جانور اور جو سدھاؤ تم شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو کہ تم سکھاتے ہو ان کو اس میں سے جو سکھایا ہے تم کو اللہ نے۔ سو کھاؤ اس میں سے جو پکڑ رکھیں تمہارے واسطے اور لو نام اللہ کا اس پر۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔

تفسیر: (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ) کتے اور باز کے شکار کئے ہوئے جانوروں میں سے (کیا کیا جانور ان کے لئے حلال کئے گئے ہیں) یعنی جتنے حلال شکار ذبح سے حلال ہو جاتے ہیں کیا کتے اور باز کے شکار کرنے سے وہ سب حلال رہتے ہیں، اور اگر حلال رہتے ہیں تو کیا اس کے

لئے کچھ شرط بھی ہے (آپ) سوال کے پہلے جزء کے جواب میں (فرما دیجئے کہ تمہارے لئے کل حلال جانور) جو شکار کی قسم میں سے پہلے سے حلال ہیں وہ سب کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرنے سے بھی (حلال رکھے گئے ہیں) اور سوال کے دوسرے جزو کا جواب یہ ہے کہ کتے اور باز کے شکار کے حلال ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں وہ یہ کہ (جن شکاری جانوروں کو) مثلاً کتے، باز وغیرہ کو (تم تعلیم دو) یہ پہلی شرط ہے، (اور تم ان کو) شکار پر (چھوڑو بھی) یہ دوسری شرط ہے کیونکہ تمہارے چھوڑے بغیر اگر وہ کسی جانور پر جھپٹ پڑے تو وہ جانور حلال نہیں (اور ان کو) تعلیم دینا جو پہلی شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے تو (اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ نے) شریعت میں (سکھایا ہے) وہ طریقہ یہ ہے کہ کتے کو تو یہ تعلیم دی جائے کہ شکار پکڑ کر کھائے نہیں اور باز کو یہ تعلیم دی جائے کہ جب اس کو بلاؤ اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو فوراً واپس آ جائے (تو ایسے تربیت یافتہ شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں اس کو کھا لو) یہ تیسری شرط ہے جس کی علامت طریقہ تعلیم میں بیان ہو چکی ہے، سو اگر کتا اس شکار کو کھانے لگے یا باز بلانے سے واپس نہ آئے تو سمجھا جائے گا کہ جب یہ جانور اس کے کہنے میں نہیں تو انہوں نے شکار بھی اس کے لئے نہیں پکڑا بلکہ خود اپنے لئے پکڑا ہے (اور) جب شکار پر اس شکاری جانور کو چھوڑنے لگو تو (اس) جانور (پر) یعنی اس کے چھوڑنے کے وقت (اللہ کا نام بھی لیا کرو) یعنی بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو۔ یہ چوتھی شرط ہے۔ (اور) تمام امور میں (اللہ سے ڈرتے رہا کرو) مثلاً شکار میں ایسے منہمک مت ہو کہ نماز وغیرہ سے غفلت ہو جائے یا اتنی حرص مت کرو کہ حلت کی شرائط کے بغیر بھی اس جانور کو کھا جاؤ (بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں)۔

فائدہ: پانچویں شرط جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر ہے وہ یہ کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے کہ خون بہنے لگے۔ اس کا پتہ لفظ جوَارِح سے ملتا ہے جس کا مادہ جرح ہے جس کا مطلب زخمی کرنا ہے۔

چھٹا حکم: کتابی کے ذبیحہ کی حلت

ساتواں حکم: کتابی عورت کی حلت

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

قَبْلِكُمْ إِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ
وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ
عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵

ترجمہ: آج حلال کی گئیں تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں۔ اور کھانا (یعنی ذبیحہ) اہل کتاب کا حلال ہے تمہارے لئے اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لئے اور (حلال کی گئیں تمہارے لئے) پاک دامن عورتیں مسلمان عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے جب تم دے دو ان کو مہر ان کے اس طرح سے کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ہو اور نہ بنانے والے ہو چھپے آشنا۔ اور جو انکار کرے ایمان کا تو ضائع ہوئی محنت اس کی اور وہ آخرت میں خسارے والوں میں سے ہے۔

تفسیر: (آج) تم پر جیسے ابدی دینی انعام ہوا کہ تکمیل دین سے نوازے گئے اسی طرح ایک معتد بہ دنیوی انعام بھی ہوا کہ (تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں) کہ اس سے پہلے حلال کر دی گئیں تھیں ہمیشہ کے لئے (حلال رکھی گئیں) کہ کبھی منسوخ نہ ہوں گی (اور جو لوگ) تم سے پہلے آسمانی (کتاب دیئے گئے ہیں) یعنی یہود و نصاریٰ (ان کا ذبیحہ) بھی (تم کو حلال ہے اور) اس کا حلال ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا (تمہارا ذبیحہ ان کو حلال ہے اور پارسا عورتیں بھی جو مسلمان ہوں) تم کو حلال ہیں (اور) جیسا مسلمان عورتوں کا حلال ہونا یقینی ہے اسی طرح (پارسا عورتیں ان لوگوں میں سے بھی جو تم سے پہلے کتاب) آسمانی (دیئے گئے ہیں) تم کو حلال ہیں (جب تم ان کو ان کا مہر دے دو) مہر دینا نکاح کے لئے گو شرط نہیں مگر واجب ہے اور مذکورہ عورتیں جو حلال کی گئی ہیں تو (اس طرح سے کہ تم) ان کو شریعت کے مطابق (بیوی بناؤ) یعنی نکاح میں لاؤ (نہ تو اعلانیہ بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو) یہ سب شرعی احکام ہیں جن پر ایمان لانا فرض ہے (اور جو شخص ایمان) لانے کی چیزوں (کے ساتھ کفر کرے گا) مثلاً حلال قطعی کی حلت کا یا حرام قطعی کی حرمت کا انکار کرے گا (تو) چونکہ یہ کفر ہے اس لئے (اس شخص کا) ہر نیک (عمل غارت) اور اکارت (جائے گا اور وہ شخص آخرت میں بالکل خسارہ والا ہوگا) پس حلال کو حلال سمجھو اور حرام کو حرام سمجھو۔

فائدہ: 1- کتابی کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اصل سے کتابی ہو مسلمان سے مرتد ہو کر عیسائی وغیرہ نہ بنا ہو۔ دوسرے یہ کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام بھی لے اور اس

کے سوا کسی اور کا نام نہ لے۔
2- ذبح اس کو کہتے ہیں کہ گلے کو آگے سے کاٹے اور خون کی دو شہہ رگوں اور کھانے و سانس کی دو نالیوں میں سے کم از کم تین ضرور کٹی ہوں۔
3- جو عیسائی مرد و عورت عقیدے کے اعتبار سے دہریے اور لا دین ہوں اور محض برائے نام عیسائی ہوں انکا ذبیحہ حلال نہیں۔
4- آیت میں عورت کی پارسائی نکاح کے لئے شرط کے طور پر نہیں ہے اس لئے عورت اگر پارسا نہ ہو تب بھی نکاح حلال ہے لیکن مناسب نہیں۔
5- اس بات کا لحاظ رہے کہ کسی چیز کے حلال ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس میں اپنی ذات کے اعتبار سے حرمت کی کوئی وجہ نہیں لیکن اگر خارجی اثرات اور حالات ایسے ہوں کہ اس حلال سے انتفاع میں بہت سی خرابیوں بلکہ بہت سے حرام کاموں کا ارتکاب کرنا پڑے گا تو ایسے حلال سے انتفاع کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ موجودہ زمانہ میں یہود و نصاری کے ساتھ مل کر کھانا پینا، بلا ضرورت اختلاط رکھنا، ان کی عورتوں کے جال میں پھنسنا یہ چیزیں جو خطرناک نتائج پیدا کرتی ہیں وہ مخفی نہیں اور چونکہ مردوں میں دینداری کا فقدان ہے اس لئے ایک بڑا اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے ماں کے مذہب کو اختیار کر کے مرتد بن جائیں۔ یہ اندیشہ بہت سے مواقع میں امر واقع بن چکا ہے۔

آٹھواں حکم: وضو کی فرضیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى
الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم اٹھو نماز کو تو دھولو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھولو) اپنے پاؤں ٹخنوں تک۔

تفسیر: (اے ایمان والوں جب تم نماز کو اٹھنے لگو) یعنی نماز پڑھنے کا ارادہ کرو اور تم اس وقت وضو سے نہ ہو (تو) وضو کر لو یعنی (اپنے چہروں کو دھو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت) دھو (اور اپنے سروں پر) گیلا (ہاتھ پھیرو۔ اور اپنے پیروں کو بھی ٹخنوں سمیت) دھو۔

فائدہ: قرآن پاک کا اسلوب یہ ہے کہ جہاں کہیں مسح کا لفظ استعمال کیا وہ ''ب'' کے حرف کے ساتھ کیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے اور اگلی تیمم والی آیت میں ہے اور سورت ص میں ہے

فَطَفِقَ مَسْحاً بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (تو لگا جھاڑنے یعنی پونچھنے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:۔

1- اَرْجُلَکُمْ پر ب کا حرف موجود نہیں ہے اور چونکہ اَرْجُلَکُمْ کے لام پر نصب یعنی زبر ہے اس لئے اس کو رُؤُسِکُمْ پر عطف کر کے ب کے تحت بھی نہیں مان سکتے جیسا کہ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ میں اور اگلی آیت فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ وَاَیْدِیْکُمْ میں مانا گیا ہے لہٰذا اَرْجُلَکُمْ کا لفظ اِمْسَحُوْا کا مفعول نہیں ہوسکتا بلکہ اِغْسِلُوْا کا مفعول ہوگا اور اس کا صرف یہی مطلب بن سکتا ہے کہ اپنے پیروں کو دھولو یہ نہیں کہ اپنے پیروں کا مسح کرلو جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔

2- اس مقام پر یہ ذکر نہیں کہ سر پر سوکھا ہاتھ پھیرنا ہے یا گیلا کر کے پھیرنا ہے کیونکہ تیمّم کی آیت میں تصریح ہے کہ مسح کرتے ہوئے مٹی کو ہاتھ لگانا ہے تر ہاتھ نہیں پھیرنا اور سورت ص کی آیت مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ میں تر ہاتھ سے جھاڑنا مراد نہیں ہے۔ اسی طرح یہ معلوم نہیں کہ مسح کی فرض مقدار کتنی ہے؟ اس لئے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو دیکھا جائے گا تاکہ آپ کا عمل اس اجمال کا بیان بن سکے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے کبھی چوتھائی سر کی مقدار سے کم سر کا مسح نہیں کیا لہٰذا اتنی مقدار کا مسح کرنا فرض ہے اور مسح بھی گیلے ہاتھوں سے کرنا ہے۔

نواں حکم: غسل کی فرضیت

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ

ترجمہ: اور اگر تم ہو جنبی تو خوب اچھی طرح پاک ہو جاؤ۔

تفسیر: (اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو) نماز سے پہلے منہ بھر کر کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے سمیت (سارا بدن پاک کرلو)۔

فائدہ: ترجمہ میں کہا کہ خوب اچھی طرح پاک ہو جاؤ جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدن کے جس حصہ تک کسی ضرر کے بغیر پانی پہنچایا جا سکتا ہے وہاں تک پہنچانا ضروری ہے۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔

دسواں حکم: تیمّم کی مشروعیت

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ
الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ

ترجمہ: اور اگر تم ہو بیمار یا (ہو) سفر میں یا آیا کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے یا قربت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو قصد کرو پاک مٹی کا اور مل لو اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر اس سے۔

تفسیر: (اور اگر تم بیمار ہو) اور پانی کا استعمال مضر ہو (یا حالت سفر میں ہو) اور پانی نہیں ملتا جیسا آگے آتا ہے، یہ تو عذر کی حالت ہوئی (یا) اگر مرض وسفر کا عذر بھی نہ ہو بلکہ ویسے ہی وضو یا غسل ٹوٹ جائے اس طرح سے کہ مثلاً (تم میں سے کوئی شخص) پیشاب (یا) پاخانہ کے (استنجے سے) فارغ ہو کر (آیا ہو) جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو) جس سے غسل ٹوٹ جاتا ہے اور (پھر) ان ساری صورتوں میں (تم کو پانی) کے استعمال کا موقع (نہ ملے) خواہ ضرر کے سبب سے یا پانی نہ ملنے کے سبب سے (تو) ان سب حالتوں میں (تم پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر پھیر لیا کرو اس مٹی) کی جنس مثلاً پتھر، اینٹ، مٹی کے گھڑے (پر سے) ہاتھ مار کر۔

فائدہ: تیمّم کا مضمون سورہ نساء میں بھی گزر چکا ہے۔ یہاں دوبارہ شاید اس لئے ذکر ہے کہ طہارت کی تمام اقسام یعنی وضو، غسل اور تیمّم سب ایک جگہ جمع ہو جائیں اور یہ بھی ایک قسم کا احسان ہو جائے تا کہ آئندہ جو احسان شمار کرائیں وہ دلوں میں خوب اچھی طرح بیٹھ جائیں۔

ربط: اوپر ذکر کئے گئے احکام میں بندوں کی سہولت ملحوظ ہے۔ آگے اس رعایت پر احسان بتاتے ہیں اور شکر کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾

ترجمہ: نہیں چاہتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی تنگی اور لیکن چاہتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور پورا کرے اپنا احسان تم پر تا کہ تم شکر کرو۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ کو) ان احکام کے مقرر فرمانے سے (یہ منظور نہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں) بلکہ یہ منظور ہے کہ تم پر کوئی تنگی نہ رہے، چنانچہ مذکورہ احکام میں خصوصاً اور تمام شرعی احکام میں عموماً سہولت و مصلحت کی رعایت کرنا ظاہر ہے (لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم کو پاک صاف رکھے)

اس لئے طہارت کے قواعد اور طریقے مقرر کئے اور کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا گیا کہ اگر وہ نہ ہو تو طہارت ممکن ہی نہ ہو مثلاً اگر یہ رکھا جاتا کہ طہارت صرف پانی ہی سے حاصل ہوسکتی ہے تو پانی نہ ہونے کے وقت طہارت حاصل نہ ہوسکتی۔ پھر یہ تو بدنی طہارت ہے جو طہارت کے خاص احکام سے حاصل ہوتی ہے اور ایک طہارت دلوں کی طہارت ہے جو تمام طاعات پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں تطہیر دونوں کو شامل ہے۔ اور اگر یہ احکام نہ ہوتے تو کوئی طہارت حاصل نہ ہوتی۔ (اور یہ) منظور ہے (کہ تم پر اپنا انعام پورا فرمادے) اس لئے احکام کی تکمیل فرمائی تاکہ ہر حال میں بدنی و قلبی طہارت جس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یعنی اس کی رضا و قرب ہے اس کو حاصل کرسکو (تاکہ تم) اس عنایت کا (شکر ادا کرو) اور اللہ کے حکموں کو پورا کرو۔

ربط: اوپر متعدد احکام کا مشروع ہونا اور ان کا نعمت ہونا بیان فرمایا تھا آگے چند طریقوں سے ان کی بجا آوری کی تاکید فرماتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ترجمہ: اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر اور عہد اس کا وہ جو معاہدہ کیا تھا اس نے تم سے اس کا جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور ہم نے مانا اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی بات کو۔

تفسیر: اور تم لوگ (اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو تم پر ہوا ہے یاد کرو) جس میں بڑا انعام یہ ہے کہ تمہاری فلاح کے طریقے تمہارے لئے مقرر کئے (اور اس کے اس عہد کو بھی) یاد کرو (جس کا اس نے تم سے معاہدہ کیا ہے جب کہ تم نے) اس کا التزام بھی کرلیا تھا کہ عہد لینے کے وقت تم نے (کہا تھا کہ ہم نے) ان احکام کو (سنا اور مان لیا) کیونکہ اسلام لانے کے وقت ہر شخص اسی مضمون کا عہد کرتا ہے (اور اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کی پوری خبر رکھتے ہیں) اس لئے جو کام کرو اس میں اخلاص و اعتقاد بھی ہونا چاہئے صرف منافقانہ امتثال کافی نہیں۔ مطلب یہ کہ ان احکام میں اول تو تمہارا ہی نفع ہے پھر تم نے اپنے اوپر ان کو لازم بھی کیا ہے۔ پھر مخالفت میں ضرر بھی ہے۔ ان وجوہ سے امتثال ہی ضروری ہوا اور وہ بھی دل سے ہونا چاہئے ورنہ تو عدم امتثال کے

برابر ہی ہوگا۔

گیارہواں حکم: عدل اور اظہار حق واجب ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو رہو پابندی کرنے والے اللہ کے واسطے، گواہی دینے والے انصاف کی، اور ہرگز نہ ابھارے تم کو کسی قوم کی دشمنی اس پر کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو۔ یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ خوب باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی (کے لئے) احکام کی (پوری پابندی کرنے والے) اور شہادت کی نوبت آئے تو (انصاف کی شہادت ادا کرنے والے رہو، اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم) اس کے معاملات میں (عدل نہ کرو) بلکہ ہر معاملہ میں ضرور (عدل کیا کرو) کیونکہ (وہ) یعنی عدل کرنا (تقویٰ کے زیادہ قریب ہے) یعنی عدل سے آدمی تقوی کے ساتھ موصوف کہلاتا ہے (اور) تقویٰ کرنا تم پر فرض ہے، چنانچہ حکم ہوا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو) یہی ڈرنا تقویٰ کی حقیقت ہے۔ اور چونکہ فرض تقوی عدل کرنے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا عدل بھی فرض ہوگا (بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے) لہٰذا احکام کی مخالفت کرنے والوں کو سزا ہو جائے تو بعید نہیں۔

فائدہ: ایسی آیت پانچویں پارے کے ختم کے قریب بھی آچکی ہے اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ بے انصافی کی وجہ دو چیزیں ہوتی ہیں یا تو ایک فریق کی رعایت یا ایک فریق کی عداوت۔ وہاں پہلا سبب مذکور تھا یہاں دوسرے سبب کا ذکر ہے چنانچہ وہاں یہ الفاظ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ تم انصاف پر خوب قائم رہنے والے رہو اگرچہ اپنی ہی ذات کے خلاف ہو یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اور یہاں عداوت کی وجہ ہونے پر لفظ شَنَاٰن صاف دلیل ہے۔

ربط: احکام ذکر کرنے کے بعد اب بجا آوری کرنے والوں کو وعدہ اور خلاف کرنے والوں کو

وعید سناتے ہیں۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۹ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝۱۰

ترجمہ: وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک کہ ان کے واسطے ہے بخشش اور ثواب بڑا۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ والے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وعدہ کیا ہے کہ ان کے لئے مغفرت اور ثواب عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھوٹا بتایا ایسے لوگ دوزخ) میں رہنے (والے ہیں)۔

فائدہ: اس آیت میں تو پوری مخالفت کرنے والوں یعنی کافروں کا حال ہے اور جو تھوڑا خلاف کرنے والے ہیں یعنی جو فاسق مومن ہیں تو ان کا حال دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔

ربط: تین چار آیتیں اوپر شرعی احکام کا نعمت ہونا بیان کر کے بجا آوری کی تاکید کی تھی۔ وہ ایک دینی نعمت تھی اب ایک دنیوی نعمت یاد دلا کر اطاعت کی دوبارہ تاکید کرتے ہیں کیونکہ نعمت کا خیال منعم کی اطاعت کا محرک ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱

ترجمہ: اے ایمان والو یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب قصد کیا کچھ لوگوں نے کہ دراز کریں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو روک دیئے (اللہ نے) ان کے ہاتھ تم سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جب ایک قوم والے) یعنی کفار قریش ابتدائے اسلام میں جب کہ مسلمان ضعیف تھے (اس فکر میں تھے کہ تم پر) اس طرح (دست درازی کریں) کہ تمہارا خاتمہ ہی کر دیں (سو اللہ تعالیٰ نے ان کا قابو تم پر) اس قدر (نہ چلنے دیا) اور آخر میں تم کو غالب کر دیا۔ پس اس نعمت کو یاد کرو (اور) احکام کے امتثال میں (اللہ تعالیٰ

سے ڈرو) کہ اس نعمت کا یہ شکریہ ہے (اور) آئندہ بھی (اہل ایمان کو حق تعالیٰ ہی پر اعتماد رکھنا چاہئے) جس نے پہلے تمہارے سب کام بنائے ہیں اور آئندہ بھی آخرت تک امید رکھو اِتَّقُوا اللّٰہَ میں خوف دلایا اور توکل کے حکم میں امید، اور یہی دونوں باتیں امتثال میں مددگار ہوتی ہیں۔

فائدہ: 1- اور ''قابو'' میں ''اس قدر'' کی قید لگانے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ کچھ مضرتیں تو کفار سے پہنچ ہی جاتی ہیں۔

2- شروع سورت سے یہاں تک اکثر آیتوں میں حق تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرمایا ایک جگہ لفظ خشیت سے اور باقی جگہ لفظ اِتَّقُوْا سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گرفت کے ڈروخوف کو امتثال احکام میں بہت دخل ہے۔

ربط: اوپر چند احکام ذکر ہوئے۔ آگے امتثال کے زیادہ اہتمام کے لئے بنی اسرائیل سے معاہدہ لینے کی اور عہد شکنی سے جو وبال اور ضرر ان کو پہنچا اس کو بیان کرتے ہیں تاکہ اطاعت کی ترغیب ہو اور معصیت سے ڈر ہو۔

بنی اسرائیل سے لیا گیا عہد

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ
اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ
وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ
اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور لے چکا ہے اللہ عہد بنی اسرائیل کا اور مقرر کئے ہم نے ان میں بارہ سردار اور کہا اللہ نے بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر قائم رکھو گے تم نماز اور دیتے رہو گے تم زکوٰۃ اور یقین لاؤ گے تم میرے رسولوں پر اور مدد کرو گے تم ان کی اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض اچھی طرح کا تو میں ضرور دور کردوں گا تم سے گناہ تمہارے اور میں ضرور داخل کردوں گا تم کو باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ پھر جو کوئی کافر ہوا اس کے بعد تم میں سے تو وہ بیشک گمراہ ہوا سیدھے راستے سے۔

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ نے) حضرت موسیٰؑ کے واسطے سے (بنی اسرائیل سے) بھی (عہد لیا تھا) جس کا بیان عنقریب آتا ہے (اور) ان عہدوں کی تاکید کے لئے (ہم نے ان میں سے) ان کے قبیلوں کے عدد کے موافق (بارہ سردار مقرر کئے) کہ ہر ہر قبیلہ پر ایک ایک سردار رہے جو اپنے ماتحتوں پر ہمیشہ ایفائے عہد کی تاکید رکھے (اور) عہد کی مزید تاکید کے لئے ان سے (اللہ تعالیٰ نے یوں) بھی (فرما دیا کہ میں تمہارے پاس ہوں) تمہارے برے بھلے کی سب مجھ کو خبر رہے گی، مطلب یہ ہے کہ عہد لیا پھر اس کی تاکید در تاکید فرمائی۔ اور اس عہد کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ (اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر) جو آئندہ بھی نئے نئے آتے رہیں گے (ایمان لاتے رہو گے اور) دشمنوں کے مقابلہ میں (ان کی مدد کرتے رہو گے اور) زکوٰۃ کے علاوہ دیگر مصارف خیر میں بھی صرف کر کے (اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر) یعنی اخلاص کے ساتھ (قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو) بہشت کے (ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے) محلات کے (نیچے کو نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس) عہد و پیمان لینے (کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بے شک راہ راست سے دور جا پڑا۔)

فائدہ: مصارف خیر میں صرف کرنے کو مجازاً اس لئے قرض کہا کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ضرور دیں گے۔ اور یہاں اس شخص کا حال بیان نہیں فرمایا جو کفر تو نہ کرے لیکن اعمال کی پوری پابندی بھی نہ کرے اور اکثر جگہ قرآن میں بھی عادت ہے کہ اطاعت میں جو کامل ہو اور مخالفت میں جو کامل ہو زیادہ ذکر ان ہی کا ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ طرفین کے حال سے درمیان والوں کا حال عقلمند قیاس سے معلوم کر لیتے ہیں کہ نہ ان کی ایسی جزا ہوگی نہ ایسی سزا ہوگی۔ پھر حدیثوں میں پوری تفصیل معلوم ہوگئی۔ اور چونکہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت انبیاء آنے والے تھے اس لئے "آمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ" کو عہد میں خاص طور پر ذکر فرمایا:

بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس پر سزا

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ
قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا
ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: سو بسبب ان کے توڑنے کے اپنے عہد کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا

ہم نے ان کے دلوں کو سخت۔ وہ پھیرتے ہیں کلام کو اس کے مواقع سے اور انہوں نے بھلا دیا ایک بڑے حصے کو اس میں سے نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی۔ اور تو ہمیشہ مطلع ہوتا رہتا ہے ان کی کسی خیانت پر مگر تھوڑے لوگ ان میں سے سو معاف کر ان کو اور درگزر کر (ان سے) بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں کو۔

تفسیر: لیکن بنی اسرائیل نے مذکورہ عہد کو توڑ ڈالا اور توڑنے کے بعد طرح طرح کی سزاؤں جیسے مسخ اور ذلت وغیرہ میں گرفتار ہوئے۔ پس یہ جو ان کو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانیوں سے دوری ہوئی (تو صرف ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت) کے آثار (سے دور کر دیا) اور یہی حقیقت ہے لعنت کی (اور) اسی لعنت کا اثر یہ ہے کہ (ہم نے ان کے قلوب کو سخت کر دیا) کہ حق بات کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔ اور اس سخت دلی کی وجہ سے (وہ لوگ) یعنی ان کے علماء کلام الٰہی یعنی توریت (کو اس کے) الفاظ یا مطلب کے (مواقع سے بدلتے ہیں) اور تحریف لفظی یا تحریف معنوی کرتے ہیں (اور) اس تحریف کا نقصان یہ ہوا کہ (وہ لوگ جو کچھ ان کو) توریت میں (نصیحت کی گئی تھی اس میں سے) اپنے نفع کا (ایک بڑا حصہ) جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا (فوت کر بیٹھے) کیونکہ ان کی تحریف زیادہ تر رسالت محمدیہ ﷺ سے متعلق مضامین میں ہوتی تھی جو کہ ایمانیات سے ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان سے زیادہ بڑا حصہ کیا ہوگا۔ غرض عہد شکنی پر لعنت مرتب ہوئی اور لعنت پر قساوت قلبی وغیرہ اور قساوت پر تحریف اور تحریف پر توریت کے ایک بڑے حصہ سے محرومی۔ (اور) پھر یہ بھی تو نہیں کہ جتنا کر چکے اس پر بس کریں بلکہ حالت یہ ہے کہ (آپ کو آئے دن) یعنی ہمیشہ دین کے باب میں (کسی نہ کسی) نئی (خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی رہتی ہے سوائے ان کے گنتی کے چند شخصوں کے) جو کہ مسلمان ہو گئے تھے (سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے) یعنی جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کو فضیحت نہ کیجئے۔ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوش معاملہ لوگوں سے محبت کرتا ہے) اور بلاضرورت فضیحت نہ کرنا خوش معاملگی ہے۔

فائدہ: نئی خیانت یہ کہ ایک بار مثلاً تورات میں موجود رجم کے حکم کو چھپا لیا۔ ایک بار حضور ﷺ کے دریافت فرمانے پر تورات کا ایک مضمون غلط بیان کر دیا۔

ربط: اوپر یہود کا حال ذکر تھا آگے نصاریٰ کا کچھ حال بیان فرماتے ہیں۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا

مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں لیا ہم نے عہد ان کا پھر بھلا دیا انہوں نے ایک بڑا حصہ اس سے نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی۔ پھر ڈال دی ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیر: نصاریٰ کا لفظی ترجمہ چونکہ مددگار کا ہے اور نصاری دین حق کے مددگار ہونے کے دعویدار تھے تو فرمایا: (اور جو لوگ) دین کے مددگار ہونے کے دعوے سے (کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی ان کا عہد) یہود کے عہد کی طرح (لیا تھا، تو وہ بھی جو کچھ ان کو) انجیل وغیرہ میں (نصیحت کی گئی تھی اس میں سے اپنا ایک بڑا حصہ) نفع کا جو کہ ان کو عمل کرنے سے نصیب ہوتا (فوت کر بیٹھے) کیونکہ وہ بات جس کو وہ فوت کر بیٹھے توحید ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان ہے جس کا حکم ان کو بھی ہوا تھا اور اس کا بڑا حصہ ہونا ظاہر ہے۔ جب وہ توحید کو اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان کو چھوڑ بیٹھے (تو ہم نے ان میں باہم قیامت تک کے لئے بغض وعداوت ڈال دیا)۔ یہ تو دنیوی عقوبت ہوئی۔ (اور عنقریب) آخرت میں کہ وہ بھی قریب ہی ہے، (ان کو اللہ تعالیٰ ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے) پھر سزا دیں گے۔

فائدہ: جب نصاری میں وحی الٰہی کی اصل روشنی نہ رہی تو وہ اوہام واہواء کی تاریکیوں میں ایک دوسرے سے الجھنے کے باعث بیسیوں فرقوں میں بٹ گئے لیکن ان میں اصل اور بنیادی تین فرقے ہوئے۔ ایک نسطوریہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے، دوسرا یعقوبیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد مانتے تھے، تیسرا ملکائیہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو تین خداؤں میں کا ایک جزو مانتے تھے۔ یہ فرقہ بندی ترک توحید کی وجہ سے ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ عقائد میں اتنے بڑے اختلاف کے ساتھ سخت باہمی عداوت ضروری ہے۔ بلاشبہ آج کے مسلمانوں میں بھی بے حد مذہبی اختلاف اور تصادم موجود ہے لیکن چونکہ ہمارے پاس وحی الٰہی اور قانون سماوی بلا کم وکاست محفوظ ہے اس لئے اختلافات کی موجودگی میں بھی مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت ہمیشہ حق وصداقت پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔ نصاریٰ کا معاملہ اس سے مختلف ہے کہ ان کا کوئی بھی فرقہ اور جماعت نہ حق پر ہے اور نہ کبھی ہو سکے گی۔

رہے وہ عیسائی جو اپنے عقائد ہی کے پابند نہ ہوں اور ان کو اہمیت نہ دیتے ہوں وہ بحث سے ہی خارج ہیں اور قرآن میں ان کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ایسے لوگوں میں اتفاق واتحاد ہو جائے تو اس کو اعتراض کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ پس آج کل کے عیسائی جو واقع میں عیسائی ہی نہیں بلکہ اپنے دین سے عموماً لاتعلق ہیں ان کے اتفاق واتحاد پر شبہ نہیں کیا جاسکتا البتہ مذہبی لوگوں میں مذہبی عداوت اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ اور نصاریٰ کی دنیوی سلطنتوں میں بھی اکثر تو اختلاف ونزاع ہی چلتا رہتا ہے، پچھلی دو عالمگیر جنگوں میں بھی اصل فریق دونوں ہی عیسائی تھے۔

ربط: یہود ونصاریٰ کے الگ الگ ذکر کے بعد اب دونوں کو جمع کر کے ان کو نصیحت کرتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ
رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ
وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا، ظاہر کرتا ہے تم پر بہت سی چیزیں ان میں سے جن کو تم چھپاتے تھے کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ بیشک آئی ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی، بتاتا ہے جس سے اللہ اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا سلامتی کی راہیں اور نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے اور چلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر۔

تفسیر: (اے اہل کتاب) یعنی یہود ونصاریٰ (تمہارے پاس ہمارے یہ رسول) محمد ﷺ (آئے ہیں) جن کے علمی کمال کا تو یہ حال ہے کہ تمہاری (کتاب) الٰہی کے مضامین (میں سے جن چیزوں کو تم چھپا لیتے ہو، ان میں سے بہت سی باتوں کو) جن کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت ہو علوم کی ظاہری تحصیل نہ کرنے کے باوجود محض وحی کے ذریعہ سے واقف ہو کر (تمہارے سامنے صاف صاف کھول دیتے ہیں، اور) جن کی خوش اخلاقی کا یہ عالم ہے کہ جن چیزوں کو تم نے چھپا لیا تھا ان میں سے (بہت سے امور کو) جاننے اور باخبر ہونے کے باوجود اخلاقاً ان کے اظہار سے (درگزر فرماتے

ہیں) جب کہ ان کے اظہار میں کوئی شرعی مصلحت تو نہ ہو صرف تمہاری رسوائی ہی ہوتی ہو۔ اور علمی کمال دلیل نبوت ہے اور اخلاقی کمال اس کی تائید کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے معجزات کے علاوہ خود تمہارے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اسی رسول کے ذریعہ (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور) وہ (ایک کتاب واضح) یعنی قرآن مجید ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت کی دلیل ہونے کے علاوہ اس کے ذاتی اوصاف یہ ہیں (کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں) یعنی جنت میں جانے کے طریقے جو خاص عقائد و اعمال ہیں (بتاتے ہیں) کیونکہ درحقیقت مکمل سلامتی تو جنت ہی میں ہوسکتی ہے کہ نہ اس میں کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ زوال کا خطرہ (اور ان کو اپنی توفیق سے کفر و معصیت کی (تاریکیوں سے نکال کر) ایمان و طاعت کے (نور کی طرف لے آتے ہیں۔ اور ان کو) ہمیشہ (راہ راست پر قائم رکھتے ہیں)۔

فائدہ: قرآن پاک کے ذریعہ سلامتی کی راہیں بتانا تو سب کے لئے عام ہے۔ لیکن یہاں رضائے حق کے طالبوں کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی کہ اس سے نفع تو وہی لوگ اٹھاتے ہیں۔

ربط: یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کے اجمالی ذکر کے بعد آگے اس کی تفصیل کے طور پر ان کی کچھ قباحتیں ذکر کرتے ہیں۔

نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں الوہیت کا دعویٰ

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۗ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٧﴾

ترجمہ: بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو وہی مسیح بن مریم ہے۔ تو کہہ دے پھر کون طاقت رکھتا ہے اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اگر وہ چاہے کہ ہلاک کرے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جتنے لوگ ہیں زمین میں سب کو۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور

اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عین عیسیٰ مسیح بن مریم ہے) یعنی دونوں میں اتحاد کے قائل ہیں۔ چونکہ اس میں توحید کا انکار ہے اس لئے اس کا کفر ہونا بالکل واضح ہے (آپ) اس قول کے بطلان کو ثابت کرنے کے لئے ان سے یوں پوچھئے اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم) جن کو تم اللہ کا عین سمجھتے ہو (اور ان کی والدہ) حضرت مریم (کو اور جتنے زمین میں آباد ہیں، ان سب کو) موت سے (ہلاک کرنا چاہیں) تو کیا (کوئی شخص ایسا ہے کہ جو خدا تعالیٰ سے ذرا بھی ان کو بچا سکے) یعنی اتنی بات کو تو تم بھی مانتے ہو کہ ان کو ہلاک کرنا اللہ کی قدرت میں ہے، تو جس ذات کا ہلاک کرنا دوسرے کے قبضہ میں ہو وہ خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس سے الوہیت مسیح کا عقیدہ باطل ہوگیا۔ (اور) جو حقیقت میں خدا اور سب کا معبود ہے یعنی (اللہ تعالیٰ) اس کی یہ شان ہے کہ اس (ہی کے لئے خاص ہے حکومت آسمانوں پر اور زمین پر اور جتنی چیزیں ان دونوں کے درمیان) موجود (ہیں ان پر اور وہ جس چیز کو) جس طرح (چاہیں پیدا کردیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔ اور یہ صفات کمال الوہیت کے خواص میں سے ہیں لہٰذا حق تعالیٰ کی الوہیت ثابت ہے اور مسیح علیہ السلام کی الوہیت منفی ہے۔ اس مجموعہ سے توحید ثابت ہوئی۔

فائدہ: 1- یہاں اگرچہ نصاریٰ کے دعوے کی تردید ہے لیکن جو دلیل قائم کی گئی ہے وہ ہر منکر توحید کے مقابلہ میں چل سکتی ہے۔ اس لئے یہ جواب تمام منکرین توحید کو ہے۔

2- حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر غالباً اس وجہ سے کیا گیا کہ بعض نصاریٰ انکو بھی الوہیت کے اجزاء ثلاثہ میں سے ایک جزو مانتے تھے۔ لہٰذا ان کے ذکر سے ان نصاریٰ کے دعوے کا رد بھی ہوگیا۔

3- حضرت مریم علیہا السلام کی تو وفات ہو چکی تھی پھر بھی اس کو فرض کرنا اس غرض سے ہے کہ دیکھو اس مضمون کا ایک نمونہ ہم تم کو دکھاتے ہیں کہ ہم حضرت مریم پر موت کو مسلط کر چکے ہیں اس طرح باقی لوگوں پر بھی مسلط کر سکتے ہیں۔

کفر و معصیت کے باوجود یہود و نصاریٰ کا اپنے آپ کو محبوب خدا کہنا

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ
بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں یہود اور نصاریٰ ہم ہیں بیٹے اللہ کے اور اس کے پیارے ہیں۔ تو کہہ پھر کیوں عذاب دے گا تم کو بسبب تمہارے گناہوں کے۔ (کوئی نہیں) بلکہ تم بھی آدمی ہو ان میں سے جن کو (اللہ نے) پیدا کیا بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ دونوں کے بیچ میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تفسیر: (اور یہود و نصاریٰ) دونوں فریق (دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) یعنی اولاد اور محبوبوں کی طرح مقبول ہیں۔ ان کا اس بات سے یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو اس وجہ سے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں دوسرے لوگوں کی بنسبت اگرچہ وہ ہمارے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ زیادہ خصوصیت ہے کہ وہ ہم سے ہماری نافرمانی کے باوجود اوروں کے برابر ناراض نہیں ہوتے جیسے باپ کے ساتھ اولاد کو خصوصیت ہوتی ہے کہ اگر وہ نافرمانی بھی کرے تب بھی اس کے قلب پر وہ اثر نہیں ہوتا جیسا کوئی غیر آدمی اسی باپ کی نافرمانی کرے اس کا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتے ہیں کہ (آپ) ان سے (یہ پوچھئے کہ اچھا تو پھر تم کو تمہارے گناہوں کے عوض) آخرت میں (عذاب کیوں دیں گے) جس کے تم بھی قائل ہو جیسا کہ یہود کا قول تھا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً یعنی اگر ہمیں جہنم کا عذاب ہوا بھی تو چند روز ہی ہوگا۔ اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کا قول قرآن میں مذکور ہے اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ یعنی جس شخص نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتے ہیں اور نصاریٰ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرامین کو اپنے لئے لازم مانتے ہیں لہٰذا یہ گویا خود ان کا اپنا ہی اقرار ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا جب تمہیں خود بھی اقرار ہے تو یہ بتاؤ کہ کیا کوئی باپ اپنے بیٹے یا محبوب کو عذاب بھی دیا کرتا ہے؟ اس لئے اپنے آپ کو خدا کی اولاد کہنا باطل ہے۔ یہاں یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات باپ بھی اپنی اولاد کی اصلاح و تربیت کے لئے تادیباً سزا دیتا ہے تو سزا ہونا بیٹا ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ باپ کی سزا تادیب کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ آئندہ ایسا کام نہ کرے جب کہ آخرت میں تادیب کا کوئی مقام نہیں کیونکہ وہ دارالعمل نہیں دارالجزا ہے۔ وہاں آگے کوئی کام کرنے، یا کسی کام سے روکنے کا کوئی احتمال نہیں جس کو تادیب کہا جائے، اس لئے وہاں جو سزا ہوگی وہ خالص سزا اور عذاب ہی ہو سکتی ہے جو اولاد یا محبوب ہونے کے قطعاً منافی ہے، اس لئے معلوم ہوا کہ تمہاری کوئی خصوصیت اللہ کے یہاں نہیں (بلکہ تم بھی منجملہ دوسری مخلوق کے ایک معمولی آدمی ہو۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں گے بخشیں گے جس کو چاہیں گے سزا دیں گے اور اللہ ہی کی

ہے سب حکومت آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان میں بھی اور اللہ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے) اس کے سوا کوئی پناہ نہیں۔

فائدہ: آج کل کے جاہل پیرزادوں کا بھی یہی حال ہے کہ خواہ اپنے عمل کیسے ہی ہوں لیکن محض اولاد ہونے کی نسبت کی وجہ سے یہ گھمنڈ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک قسم کی ذاتی خصوصیت حاصل ہوگئی ہے جو گناہوں سے بھی ختم نہیں ہوتی اور ہم خواہ کیسے ہی ہوں اس نسبت کی وجہ سے سیدھے جنت میں جائیں گے۔

ربط: یہود و نصاریٰ کی غلطی کو ثابت کر کے آگے دونوں کو مخاطب بنا کر اتمام حجت اور قطع عذر کی خاطر رسالت محمدیہ کا اظہار فرماتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ ۖ فَقَدْ جَاءَكُم بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب آ چکا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا، صاف صاف بیان کرتا ہے تم پر رسولوں کے انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ ہی ڈرانے والا سو آ چکا تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اے اہل کتاب تمہارے پاس یہ ہمارے رسول) محمد ﷺ (آ پہنچے جو کہ تم کو شریعت کی باتیں (صاف صاف بتاتے ہیں ایسے وقت میں کہ رسولوں) کے آنے (کا سلسلہ) مدت سے (موقوف تھا) اور سابق شریعتیں مفقود اور گم ہو چکی تھیں اور انبیاء کا سلسلہ عرصہ دراز تک بند رہنے سے ان گم شدہ شریعتوں کے دوبارہ دریافت ہونے کا امکان بھی نہ رہا تھا۔ اس لئے اب کسی رسول کے آنے کی شدید ضرورت تھی تو ایسے وقت آپ کے تشریف لانے کو بڑی نعمت اور غنیمت سمجھنا چاہئے (تا کہ تم) قیامت میں (یوں نہ کہنے لگو کہ) دین کے معاملہ میں غلطی اور کوتاہی میں ہم اس لئے معذور ہیں کہ (ہمارے پاس) کوئی رسول جو کہ (بشیر اور نذیر) ہو جس سے ہم کو دین کا صحیح علم ہوتا اور عمل پر ابھار پیدا ہوتا (نہیں آیا تو لو) اب اس عذر کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ (تمہارے پاس بشیر و نذیر) یعنی محمد ﷺ (آ چکے ہیں) اب نہ مانو تو اپنے انجام کو خود سمجھ لو (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں) کہ جب چاہیں رحمت سے اپنے انبیاء بھیج دیں جب چاہیں حکمت سے ان کو روک لیں اس لئے

کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ فیصلہ دے کہ جب مدت دراز سے انبیاء کا سلسلہ بند ہے تو اب کوئی رسول نہیں آ سکتا کیونکہ یہ سلسلہ ایک مدت تک موقوف رکھنا حق تعالیٰ کی حکمت سے تھا، اس نے سلسلہ نبوت بند اور ختم کر دینے کا کوئی اعلان اس وقت تک نہیں کیا تھا۔ بلکہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ یہ خبریں بھی دیدی تھیں کہ آخر زمانے میں ایک خاص رسول خاص شان اور خاص صفات کے ساتھ آنے والے ہیں جن پر نبوت کا اختتام ہوگا۔ اس اعلان کے مطابق خاتم الانبیاء ﷺ تشریف لائے۔

فائدہ: 1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور ﷺ کے درمیان جو زمانہ ہے وہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ زمانہ چھ سو سال کا ہے اور اس درمیان میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔

2- سوال: اہل کتاب کے پاس زمانہ فترت میں بھی توریت و انجیل موجود تھی اور وہی ان کی شریعت تھی پھر ان کے اس کہنے کا کیونکر احتمال ہوسکتا ہے کہ مَا جَآءَ نَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ (ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔

جواب: یہ بات ثابت ہے کہ اصلی توریت و انجیل رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل گم ہو چکی تھیں اور اس وقت جس کا نام توریت و انجیل تھا وہ جھوٹی سچی روایتوں کا مجموعہ تھا۔ دنیا میں تو ان کے عالم نہیں مانتے لیکن آخرت میں تو کھل جاتا کہ اب ان کتابوں میں اصل شریعت نہیں رہی تھی۔ تو اگر رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہ ہوتی تو ہوسکتا تھا کہ وہ قیامت کے دن اپنی محرومی دیکھ کر یہ کہہ سکتے کہ ہمیں تو تحریف شدہ شریعت اور کتابیں ملیں اور کسی بشیر اور نذیر یعنی کسی نبی نے آ کر ہمیں حقیقت حال سے باخبر ہی نہیں کیا۔

3- یہود کا فرض جہاد سے انکار

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل اس کی سلطنت اور املاک پر قابض ہو گئے تو اب اللہ کی طرف سے ان کو حکم ہوا کہ اپنا آبائی وطن ملک شام جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اول ہجرت فرما کر سکونت اختیار کی تھی اور وہاں عمالقہ کی حکومت تھی عمالقہ سے جہاد کر کے اس کو فتح کریں۔ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جہاد کے ارادہ سے ملک شام کی طرف چلے۔ جب قریب پہنچے تو بارہ سرداروں کو جن کا کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے تحقیق حال کے لئے جاسوسی کے طور پر بھیجا۔ عمالقہ نہایت تنومند اور زور آور دکھائی دیئے۔ سب سرداروں نے باہم معاہدہ کیا کہ عمالقہ کی اس بات کو لشکر میں بیان نہ کریں گے مگر سوائے دو کے یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا

کے باقی سرداروں نے واپس آ کر لوگوں کو ڈرا دیا جس سے لشکر نے ہمت ہار دی اور مصر کو واپسی کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ انہوں نے جواب دیا وہ پورا قصہ ذکر کیا۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ
مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ
الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا
فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ
عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا
يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ
وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ
اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾
قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو اے میری قوم تم یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب بنائے تم میں بہت سے نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو جو نہیں دیا تھا کسی کو جہان والوں میں سے۔ اے میری قوم تم داخل ہو جاؤ مقدس زمین میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے واسطے اور نہ لوٹ جاؤ اپنی پیٹھ کی طرف کہ پلٹو گے نقصان اٹھاتے ہوئے۔ وہ بولے

اے موسیٰ بے شک اس میں ہے ایک قوم زبردست اور ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے اس میں یہاں تک کہ وہ (دشمن) نکل جائیں اس میں سے۔ پھر اگر وہ نکل جائیں اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہونگے۔ کہا دو مردوں نے (جو) ان لوگوں میں سے (تھے) جو ڈرتے تھے کہ نوازش کی تھی اللہ نے ان دو پر کہ تم گھس جاؤ ان پر حملہ کر کے دروازہ میں۔ پھر جب گھس جاؤ گے تم اس (دروازہ) میں تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم یقین رکھتے ہو۔ وہ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز نہ داخل ہوں گے اس میں کبھی بھی جب تک وہ رہیں گے اس میں سو جا تو اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) اے رب میرے بے شک میں اختیار نہیں رکھتا مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا، سو تو جدائی کر دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔ (اللہ نے) فرمایا تو وہ زمین حرام (کر دی گئی) ہے ان پر چالیس برس تک سر مارتے پھریں گے زمین میں سو تو افسوس نہ کرنا فرمان لوگوں پر۔

تفسیر: (اور وہ وقت بھی ذکر کے قابل ہے جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم) یعنی بنی اسرائیل (کو) جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے تمہید کے طور پر (فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو جو کہ تم پر ہوا ہے، یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر بنائے) جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اور کسی قوم میں پیغمبروں کا ہونا ان کا دنیوی اور دینی شرف ہے۔ یہ تو معنوی نعمت دی (اور) حسی نعمت یہ دی کہ (تم کو ملک والا بنایا) چنانچہ فرعون کے ملک پر تم قابض ہو چکے ہو (اور تم کو) بعض بعض (وہ چیزیں دی ہیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں) جیسا تم کو دریا میں راستہ دیا اور تمہارے دشمن کو عجیب طریقے سے غرق کیا جس کے بعد تم کو ایک دم سے انتہائی ذلت و زحمت سے نکال کر انتہائی رفعت اور راحت میں پہنچا دیا۔ اس تمہید کے بعد پھر اصلی مقصود کے ساتھ ان کو خطاب فرمایا کہ (اے میری قوم) ان نعمتوں اور احسانوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم کو جو اس جہاد کے متعلق حکم خداوندی ہوا ہے اس پر آمادہ ہو اور (اس مقدس ملک) یعنی شام کے دارالحکومت (میں) جہاں یہ عمالقہ حکمران ہیں جہاد کے ارادہ سے (داخل ہو کہ اللہ تعالیٰ نے) بشرط جہاد (تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے) اس لئے قصد کرتے ہی فتح ہو گی (اور پیچھے) وطن کی طرف (واپس مت چلو کہ پھر بالکل خسارہ میں پڑ جاؤ گے) دنیا میں بھی کہ سلطنت کی توسیع سے محروم رہو گے اور آخرت میں بھی کہ فریضہ جہاد کے ترک سے گنہگار رہو گے۔ (کہنے لگے اے موسیٰ وہاں تو بڑے بڑے زبردست آدمی) رہتے (ہیں۔ اور ہم تو وہاں ہرگز قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ) کسی طرح (وہاں سے نہ نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے

کہیں اور چلے جائیں تو ہم بے شک جانے کو تیار ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام کی بات کی تائید کے لئے (ان دو شخصوں نے) بھی (جو کہ) اللہ سے (ڈرنے والوں) یعنی متقیوں (میں سے تھے) اور (جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا تھا) کہ اپنے عہد پر ثابت رہے تھے، ان کم ہمتوں کو سمجھانے کے طور پر (کہا کہ تم ان پر) چڑھائی کر کے اس شہر کے (دروازہ تک تو چلو سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے) مطلب یہ ہے کہ جلدی فتح ہو جائے گا، خواہ دشمن رعب سے بھاگ جائیں یا تھوڑا ہی مقابلہ کرنا پڑے (اور اللہ پر نظر رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو) یعنی تم ان کی تنومندی پر نظر مت کرو۔ مگر ان لوگوں پر اس فہمائش کا کچھ بھی اثر نہیں ہوا بلکہ ان دو بزرگوں کو تو انہوں نے قابل خطاب بھی نہ سمجھا اور موسیٰ علیہ السلام سے بھی نہایت لا ابالی پن اور گستاخی کے ساتھ (کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو) ایک بات کہہ چکے ہیں کہ ہم (ہرگز کبھی بھی وہاں قدم نہ رکھیں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ اور اگر ایسا ہی لڑنا ضروری ہے (تو آپ اور آپ کے اللہ میاں چلے جائیے اور دونوں) جا کر (لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں سے سرکتے نہیں۔ موسیٰ) علیہ السلام نہایت زچ اور پریشان ہوئے اور تنگ آ کر (دعا کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار میں) کیا کروں ان پر کچھ بس نہیں چلتا (صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر) البتہ پورا (اختیار رکھتا ہوں تو آپ ہم دونوں) بھائیوں (کے اور اس نافرمان قوم کے درمیان) مناسب (فیصلہ فرما دیجئے) یعنی جس کی حالت کا جو تقاضا ہو وہ ہر ایک کے لئے تجویز فرما دیجئے (ارشاد ہوا) بہتر (تو) ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ (یہ ملک چالیس برس تک ان کے ہاتھ نہ لگے گا) اور گھر جانا بھی نصیب نہ ہوگا راستہ ہی نہ ملے گا (یوں ہی) چالیس برس تک (زمین میں سر مارتے پھریں گے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ فیصلہ سنا جس کا وہم وگمان نہ تھا کیونکہ خیال یہ تھا کہ کوئی معمولی تنبیہ ہو جائے گی تو طبعی طور پر غمگین ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ جب ان سرکشوں کے لئے ہم نے یہ تجویز کیا تو یہی مناسب ہے (سو آپ اس نافرمان قوم) کی اس حالت زار (پر) ذرا (غم نہ کیجئے)۔

فائدہ: بنی اسرائیل چالیس برس تک زمین کے ایک محدود حصہ میں حیران پریشان پھرتے رہے حتی کہ قوم کے سب بڑے اسی میدان تیہ میں ہی وفات پا گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی اسی میدان میں وفات پائی۔ اس مدت میں لوگوں کی جو اولاد پیدا ہوئی اس نے نئے مقرر ہونے والے نبی حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا اور فتح نصیب ہوئی۔

سوال نمبر 1۔ جب اس میدان تیہ میں رہنا سزا کے طور پر تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور

حضرت ہارون علیہ السلام اس میں کیوں رکھے گئے خصوصاً جب کہ انہوں نے اللہ سے دعا بھی کی تھی کہ ہمارے اور نافرمان قوم کے درمیان تفریق کر دیجئے۔

جواب: اصل سزا تو دل کی تنگی اور پریشانی کی ہوتی ہے اور یہ بنی اسرائیل کے ساتھ خاص تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام اس سے محفوظ تھے۔ ان حضرات کا وہاں رہنا قوم کی ہدایت واصلاح کے لئے تھا جو کہ انکا منصبی کام بھی تھا اور اسی میں ان کی راحت کا سامان بھی تھا۔ جیسے دوزخ کے اندر دوزخیوں کا ہونا سزا کے طور پر ہوتا ہے اور عذاب کے فرشتوں کا ہونا منصب اور کام کی وجہ سے ہوتا ہے انکا دل وہاں تنگ نہیں ہوتا۔

سوال نمبر **2**: یہ بات عقل سے بعید ہے کہ دن میں سورج اور رات کو ستارے یہ آسمانی علامتیں ہوں اور خود زمین پر درخت اور پہاڑ وغیرہ زمینی علامتیں موجود ہوں اور پھر بھی بنی اسرائیل نکلنے کی راہ نہ پا سکیں۔ اگر کسی ستارہ ہی کی سیدھ باندھ کر چلتے کبھی نہ کبھی نکل ہی جاتے۔

جواب: علامتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی دماغی صلاحیت چاہئے اور ان کی وہی صلاحیت قہر خداوندی سے ماؤف ہو گئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تائید اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے اس بارے میں ان کو حاصل نہ رہی تھی۔

سوال نمبر **3**: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں صرف اپنے اور اپنے بھائی کا استثناء کیا حالانکہ دو سردار یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا بھی ان کے تابع فرمان تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان پر بھی اختیار حاصل تھا۔

جواب: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا تنگدلی میں کی تھی اور تنگدلی کے وقت الفاظ بھی تنگ اور مختصر نکلتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر انہوں نے تابع فرمان ہونے کے اعتبار سے کیا تھا اس لئے از روئے دلالت تابع فرمان ہونے کی وجہ سے وہ دونوں حضرات بھی دعا میں شامل تھے۔

سوال نمبر **4**: كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ کے جو لوگ مخاطب تھے ان کو تو وہ ملک نہیں ملا اس سے خیال ہوتا ہے کہ وعدہ پورا نہ ہوا۔

جواب: اگر لَكُمْ میں مخاطب خاص اشخاص تھے یعنی جو اس وقت موجود تھے تب تو كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ مشروط تھا جہاد کے ساتھ۔ جب جہاد کی شرط پوری نہ کی تو علاقہ بھی نہ ملا۔ اور اگر لَكُمْ سے مراد قوم ہے تو ان کی اولاد بھی قوم میں شامل ہے۔ ان کی اولاد کو وہ ملک مل گیا لہٰذا وعدہ پورا نہ ہونے کا خیال کسی صورت میں درست نہیں۔

سوال نمبر 5: بنی اسرائیل کا یہ کہنا اذْهَبْ أَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا (آپ اور آپ کا رب جا کر لڑیئے) کیا یہ کفر نہیں؟

جواب: اگر ظاہری معنی مراد ہوں یعنی خدا بھی جا کر لڑے تب تو یہ کفر کی بات ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ آپ لڑیئے اور اللہ آپ کی مدد کرے اور اس کو جانے سے تعبیر کیا تو یہ کفر نہیں البتہ حکم کی مخالفت ظاہر ہے۔ جو بھی ان کی مراد ہوگی بہر حال انہوں نے توبہ بھی کی ہوگی اگرچہ وہ مذکور نہیں ہے۔

بارہویں حکم کی تمہید: ناحق قتل کی قباحت و شناعت

ربط: آگے بارہواں حکم کسی کو ناحق قتل کرنے کی حرمت کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے اس کی قباحت و شناعت کو ذہن نشین کرانے کے لئے بطور تمہید ناحق قتل کے سب سے پہلے قصہ کو ذکر کرتے ہیں۔ اس میں یہود پر بھی تعریض ہے کہ تم جہاد میں لڑنے اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرنے میں تو پس و پیش کرتے ہو لیکن متقی و مقبول بندوں کو قتل کرنے میں مستعد رہتے ہو۔ پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف بغض و حسد کی وجہ سے منصوبے بناتے ہو۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جو لڑکا پیدا ہوتا اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی پیدا ہوتی۔ اسی طرح دوسرے بطن میں بھی ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی اور ایک حمل کا لڑکا دوسرے حمل کی لڑکی سے اور دوسرے حمل کا لڑکا پہلے حمل کی لڑکی سے بیاہ دیا جاتا کیونکہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا۔ اسی سلسلہ میں دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام ہابیل رکھا دوسرے کا نام قابیل اور دونوں کے ساتھ ایک ایک لڑکی پیدا ہوئی اور حسب معمول ہابیل کا نکاح قابیل کی بہن سے اور قابیل کا نکاح ہابیل کی بہن سے تجویز ہوا۔ قابیل کی بہن زیادہ حسین تھی قابیل اس کا طلبگار ہوا۔ حضرت آدم السلام نے سمجھایا مگر اس نے نہ مانا۔ آخر آدم علیہ السلام نے جھگڑا چکانے کے لئے یہ فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے نام کی کچھ نیاز دو۔ جس کی قبول ہو وہ عورت اس کو ملے گی۔ قابیل کے لئے وہ عورت حلال ہی نہ تھی حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ اس کو حلال بتانے کے لئے نہیں دیا تھا بلکہ صرف قابیل کی بحث و تکرار کو ختم کرنے کے لئے دیا تھا اور آپ کو یقین تھا کہ ہابیل حق پر ہے اور اسی کی نیاز قبول ہوگی۔ غرض دونوں نے اپنی نیاز پیش کی۔ اس زمانہ کی قبولیت کی علامت کے مطابق آسمان سے ایک آگ آئی اور ہابیل کی نیاز کو کھا گئی۔ جب قابیل اس فیصلہ میں بھی ہارا تو ہابیل کی جان کے درپے ہوا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا لیکن یہ سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی لاش کو کیسے

چھپاؤں تا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پتہ نہ چلے۔ اس وقت ایک کوے کے ذریعے اس کو دفن کا طریقہ بتایا گیا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

نَبَاَ ابْنَیْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا
وَلَمْ یُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ
اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَیَّ یَدَكَ لِتَقْتُلَنِیْ مَاۤ
اَنَا بِبَاسِطٍ یَّدِیَ اِلَیْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ
الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِیْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ
اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ
قَتْلَ اَخِیْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ
غُرَابًا یَّبْحَثُ فِی الْاَرْضِ لِیُرِیَهٗ كَیْفَ یُوَارِیْ سَوْءَةَ اَخِیْهِ ؕ
قَالَ یٰوَیْلَتٰۤی اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِیَ
سَوْءَةَ اَخِیْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور تو پڑھ ان پر خبر آدم کے دو بیٹوں کی واقعیت کے ساتھ۔ جب نیاز دی دونوں نے کچھ نیاز تو قبول کی گئی ان میں سے ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے۔ کہا (دوسرے نے) میں ضرور قتل کروں گا تجھ کو۔ (پہلا) بولا محض قبول کرتا ہے اللہ پرہیز گاروں سے، اگر تو دراز کرے گا میری طرف اپنا ہاتھ تا کہ تو قتل کرے مجھ کو میں نہیں دراز کرنے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تا کہ میں قتل کروں تجھ کو۔ بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اللہ سے (جو) پروردگار (ہے) سب جہان کا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو پلٹے میرے گناہ کے ساتھ اور اپنے گناہ کے ساتھ پھر ہو جائے تو دوزخ والوں میں سے اور یہی ہے سزا ظالموں کی۔ پھر راضی کیا اس (دوسرے) کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر پھر قتل کر ڈالا اس کو سو ہو گیا نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تا کہ اس کو دکھلائے کس

طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی۔ بولا اے افسوس کیا میں عاجز ہوا (اس سے) کہ ہوں برابر اس کوے کے کہ میں چھپاؤں لاش اپنے بھائی کی پھر ہو گیا پچھتانے والوں میں سے۔

تفسیر: اور اے محمد ﷺ (آپ ان اہل کتاب کو) حضرت (آدم) علیہ السلام (کے دو بیٹوں کا) یعنی ہابیل وقابیل کا (قصہ صحیح طور پر پڑھ کر سنائیے) تاکہ ان کو اپنے اعمال کی قباحت محسوس ہو اور وہ قصہ اس وقت ہوا تھا (جب کہ دونوں نے) اللہ تعالیٰ کے نام کی (ایک ایک نیاز پیش کی اور ان میں سے ایک کی) یعنی ہابیل کی (تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی) یعنی قابیل کی (مقبول نہ ہوئی) کیونکہ جس معاملہ کے فیصلہ کے لئے یہ نیاز چڑھائی گئی تھی اس میں ہابیل حق پر تھا اس لئے اس کی نیاز قبول ہو گئی، اور قابیل حق پر نہ تھا اس کی قبول نہ ہوئی اور اس طرح سے ہابیل کے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوا جب (وہ دوسرا) یعنی قابیل اس میں بھی ہارا تو جھلا کر (کہنے لگا کہ میں تجھ کو ضرور قتل کروں گا، اس نے) یعنی ہابیل نے (جواب دیا) کہ تیرا ہارنا تو تیری ہی ناحق پرستی کی وجہ سے ہے میری کیا خطا، کیونکہ (خدا تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتے ہیں) میں نے تو تقویٰ اختیار کیا اور خدا کے حکم پر رہا، خدائے تعالیٰ نے میری نیاز قبول کی، تو نے تقویٰ چھوڑ دیا اور خدا کے حکم سے منہ موڑا تیری نیاز قبول نہیں کی، سو اس میں تیری خطا ہے یا میری؟ انصاف تو کر، لیکن اگر پھر بھی تیرا یہی ارادہ ہے تو تو جان، میں نے تو پختہ قصد کر لیا ہے کہ (اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کرے گا تب بھی میں تجھ پر تیرے قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں) کیونکہ (میں تو خدائے پروردگار عالم سے ڈرتا ہوں) کہ باوجودیکہ تجھے قتل کرنے کے جواز کا بظاہر ایک سبب موجود ہے، یعنی یہ کہ تو مجھ کو قتل کرنا چاہتا ہے، مگر اس وجہ سے کہ یہ جواز اب تک کسی صریح حکم الٰہی سے مجھے ثابت نہیں ہوا اس لئے اس کے ارتکاب کو احتیاط کے خلاف سمجھتا ہوں اور اس شبہ کی وجہ سے خدا سے ڈرتا ہوں اور یہ تیری ہی ہمت ہے کہ اس کے باوجود کہ مجھے قتل کرنے کا تیرے پاس کوئی جواز نہیں بلکہ مانع موجود ہے لیکن پھر بھی تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ (میں یوں چاہتا ہوں کہ) مجھ سے کوئی گناہ کا کام نہ ہو گو تو مجھ پر کتنا ہی ظلم کیوں نہ کرے جس سے کہ (تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر رکھ لے، پھر تو دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور یہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔ سو) ویسے تو قابیل پہلے ہی سے قتل کا ارادہ کر چکا تھا یہ جو سنا کہ ہابیل مدافعت بھی نہ کرے گا، تو بجائے اس کے کہ نرم ہو جاتا مزید بے فکر ہو کر اور بھی (اس کے جی نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا) پھر (آخر اس کو قتل ہی کر ڈالا جس سے) کمبخت (بڑے نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہو گیا) دنیا میں تو یہ نقصان کہ اپنا

بھائی جو اپنا قوت بازو اور راحت روح تھا اس کو گم کر بیٹھا، اور آخرت میں یہ نقصان کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ جب قتل سے فارغ ہوا تو اب حیران ہے کہ لاش کو کیا کروں جس سے یہ راز پوشیدہ رہے اور اب تک کسی کی وفات نہ ہوئی تھی کہ دفن کا طریقہ معلوم ہوتا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا تو (پھر) آخر (اللہ تعالیٰ نے ایک کوا) وہاں (بھیجا کہ وہ) چونچ اور پنجوں سے (زمین کو کھودتا تھا) اور کھود کر ایک دوسرے کوے کو کہ وہ مرا ہوا تھا اس گڑھے میں ڈھکیل کر اس پر مٹی ڈالتا تھا (تا کہ وہ) کوا (اس) قابیل (کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی) ہابیل (کی لاش کو کس طریقہ سے چھپائے)۔ قابیل یہ واقعہ دیکھ کر اپنے جی میں بڑا ذلیل ہوا کہ مجھ کو کوے کے برابر بھی فہم نہیں اور انتہائی حسرت سے (کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گذرا کہ اس کوے ہی کے برابر ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو) اس بدحالی پر (بڑا شرمندہ ہوا)۔

فائدہ: منقول ہے کہ اس کے بعد قابیل کی عقل مسخ ہوگئی اور وہ مخبوط الحواس ہو گیا اور اسی پریشانی و بدحواسی میں مر گیا۔ یہ حالت بھی خسران دنیا کی ہے اور خسران آخرت کی ایک اور صورت حدیث میں مذکور ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت تک جتنے بھی ناحق قتل ہوتے ہیں قاتل کے برابر اس کا گناہ اس (قابیل) کے نامہ اعمال میں بھی اس کے بانی قتل ہونے کی وجہ سے لکھا جاتا ہے (بخاری و مسلم)

2: ہابیل کے قول کہ "میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں" اس میں جو بات بتائی گئی ہے اس کے متعلق اسلامی شریعت میں یہ حکم ہے کہ اگر کوئی شخص مثلاً خالد زید کو قتل کرنا چاہے اور زید قوی قرائن سے سمجھے کہ میں خود خالد کو قتل کئے بغیر بچ نہیں سکتا تو زید کے لئے خالد کو قتل کرنا جائز ہے اور اگر مدافعت میں زید مارا جائے تو وہ شہید ہوگا اور اگر زید بالکل مدافعت نہ کرے اور مارا جائے تو یہ بھی جائز ہے بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں موجود حدیث کی رو سے اس کا افضل ہونا ثابت ہے۔ البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت و ضرورت ہو وہاں مدافعت و انتقام واجب ہے جیسے کافروں اور باغیوں سے لڑائی کرنا اور حدود و قصاص جاری کرنا۔

3- ہابیل نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا عمل قبول کرتے ہیں اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ہابیل نے اپنے آپ کو متقیوں میں شمار کیا ہے حالانکہ اپنے آپ کو اچھا کہنے کی ممانعت آئی ہے فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ اپنے آپ کو پاکیزہ نہ کہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہابیل کا یہ کہنا فخر کے طور پر نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے بیان کے

طور پر تھا اور وہ بھی اس ضرورت سے کہ نیاز کی قبولیت کا سبب بتانا مقصود تھا۔

4- ہابیل کا یہ کہنا کہ میرا گناہ بھی تیرے ہی اوپر رہے تو اس کی وجہ حدیث میں وارد یہ مضمون ہے کہ قیامت کے دن مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈالے جائیں گے کہ ظالم کا عذاب سخت اور مظلوم کا ہلکا ہو جائے۔

5- آخر میں جو قابیل کی ندامت مذکور ہے یہ ندامت قتل پر نہیں تا کہ توبہ کا شبہ ہو بلکہ قتل کے بعد جو اپنے نقصانات دیکھے مثلاً نعش کے دفن ہونے میں حیران ہونا اور کوے کی تعلیم کا محتاج ہونا اور بدحواس ہونا اور آدم علیہ السلام کا ناراض ہونا ان پر نادم ہوا۔ اور اگر قتل ہی پر ندامت ہو تب بھی توبہ کا شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ ندامت توبہ نہیں ہوتی بلکہ وہ ندامت جس کے بعد معذرت اور تدارک کی فکر ہو اور آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو وہ توبہ ہوتی ہے جب کہ قابیل کی ندامت میں ایسی کوئی بات نہ ہوئی اس کی ندامت محض طبعی تھی جو عقلی تقاضے سے تھی دین وشریعت کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔

بارہواں حکم: قتل ناحق کی حرمت

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

ترجمہ: اسی سبب سے، لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بغیر عوض جان کے یا بغیر فساد کرنے کے زمین میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو اور لا چکے ہیں ان کے پاس ہمارے رسول کھلے ہوئے حکم۔ پھر بہت لوگ ان میں سے اس پر بھی زمین میں دست درازی کرتے ہیں۔

تفسیر: (اسی) واقعہ کی (وجہ سے) جس سے قتل ناحق کے مفاسد ثابت ہوتے ہیں (ہم نے) تمام انسانوں پر عموماً اور (بنی اسرائیل پر) خصوصاً (یہ) حکم (لکھ دیا) یعنی مقرر کر دیا (کہ) قتل ناحق اتنا بڑا گناہ ہے کہ (جو کوئی کسی شخص کو) ناحق مقتول ہونے والے شخص کی (جان کے عوض کے بغیر

یا کسی) شر و (فساد کے بغیر جو زمین میں اس سے پھیلا ہو) خواہ مخواہ (قتل کر ڈالے تو) اس کو ایسا گناہ ہو گا کہ (گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا) کیونکہ ایک کے ناحق قتل کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں۔ تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور بدامنی کا دروازہ کھولتا ہے۔ اور یہ دو قیدیں کہ قتل بلاعوض جان ہو اور بلا کسی شر و فساد پھیلانے کے ہو اس لئے لگائیں کہ قصاص میں قتل کرنا جائز ہے، اسی طرح جواز قتل کے دوسرے اسباب سے بھی جیسے راہزنی جو آگے مذکور ہے اور کفر حربی جس کا ذکر احکام جہاد میں آ چکا ہے قتل کرنا جائز بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہے (اور) یہ بھی لکھ دیا تھا کہ جیسے ناحق قتل کرنا گناہ عظیم ہے، اسی طرح کسی کو ناحق قتل سے بچالینا اس میں ثواب بھی ایسا ہی عظیم ہے کہ (جو شخص کسی شخص کو بچا لے تو) اس کو ایسا ثواب ملے گا کہ (گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچا لیا) کیونکہ وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ یہاں ناحق کی قید اس لئے لگائی کہ جس شخص کا قتل شرعاً واجب ہو اس کی امداد یا سفارش حرام ہے (اور بنی اسرائیل کے پاس) اس مضمون کے لکھ دینے کے بعد (ہمارے بہت سے پیغمبر بھی) نبوت کے (واضح دلائل لے کر آئے) اور وقتاً فوقتاً اس مضمون کی تاکید کرتے رہے (مگر پھر اس) تاکید و اہتمام (کے بعد بھی بہت سے ان میں سے دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے) اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا حتیٰ کہ بعض نے خود ان انبیاء ہی کو قتل کر دیا۔ بہت سے اس لئے فرمایا کہ بعض مطیع و فرمانبردار بھی تھے۔

تیرہواں حکم: راہزنی کی حد

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا۟ ٱلَّذِينَ يُحَارِبُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَسْعَوْنَ فِى ٱلْأَرْضِ
فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا۟ أَوْ يُصَلَّبُوٓا۟ أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم
مِّنْ خِلَٰفٍ أَوْ يُنفَوْا۟ مِنَ ٱلْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ
وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ تَابُوا۟ مِن قَبْلِ
أَن تَقْدِرُوا۟ عَلَيْهِمْ ۖ فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: محض سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کرنے کی کہ وہ قتل کئے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں زمین سے۔ یہ ان کے

لئے رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی اس سے پہلے کہ تم قابو پاؤ ان پر تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ (سے لڑتے ہیں اور) اس کی صورت یہ ہے کہ (ملک میں فساد) یعنی بدامنی (پھیلاتے پھرتے ہیں) یہاں ملک میں فساد اور بدامنی سے مراد ایسے شخص پر ڈکیتی اور رہزنی ہے۔ جس کو اللہ نے بذریعہ رسول اللہ ﷺ اپنے شرعی قانون سے امن دیا ہو یعنی مسلمان بھی اور ذمی بھی۔ اس کو اللہ اور رسول ﷺ سے لڑنا اسی لئے کہا گیا ہے، کہ اس نے اللہ کے دیئے ہوئے امن کو توڑا، اور چونکہ رسول ﷺ کے ذریعہ سے اس کا ظہور ہوا اس لئے رسول کا تعلق بھی بڑھا دیا۔ غرض جو لوگ ایسی حرکت کرتے ہیں (ان کی یہی سزا ہے کہ) ایک حالت میں تو (قتل کئے جائیں) وہ حالت یہ ہے کہ ان رہزنوں نے کسی کو صرف قتل کیا ہو اور مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو (یا) اگر دوسری حالت ہوئی ہو تو (سولی دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ انہوں نے مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو (یا) اگر تیسری حالت ہوئی ہو تو (ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے) یعنی داہنا ہاتھ بایاں پاؤں (کاٹ دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ صرف مال لیا قتل نہ کیا ہو (یا) اگر چوتھی حالت ہوئی ہو تو (زمین) پر آزادانہ آباد رہنے (سے نکال) کر جیل میں بھیج (دیئے جائیں) یہ وہ حالت ہے کہ نہ مال لیا ہو نہ قتل کیا ہو کچھ کرنے سے پہلے ہی گرفتار ہو گئے ہوں۔ (یہ) مذکورہ سزا تو (ان کے لئے دنیا میں سخت رسوائی) اور ذلت (ہے، اور ان کو آخرت میں) جو (عذاب عظیم ہوگا) سو وہ الگ ہے (ہاں مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو) اس حالت میں (جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ) اپنے حقوق (بخش دیں گے) اور توبہ قبول کرنے میں (مہربانی فرمائیں گے)۔ مطلب یہ کہ اوپر جو سزا مذکور ہوئی ہے وہ حد اور حق اللہ کے طور پر ہے جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی قصاص اور حق العبد کے طور پر نہیں جو کہ بندہ کے معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، پس جب گرفتاری سے پہلے ان لوگوں کا تائب ہونا ثابت ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی جو کہ حق اللہ تھا، البتہ حق العبد باقی رہے گا، پس اگر مال لیا ہوگا اس کا تاوان دینا ہوگا اور اگر قتل کیا ہوگا تو اس کا قصاص لیا جائے گا، لیکن اس تاوان و قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال کو اور مقتول کے ولی کو حاصل ہوگا۔

چودھواں حکم: طاعات و جہاد کا حکم اور معاصی سے نہی

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَٱبۡتَغُوٓاْ إِلَيۡهِ ٱلۡوَسِيلَةَ وَجَٰهِدُواْ فِي سَبِيلِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝٣٥

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں شاید کہ تم کامیاب ہو جاؤ

تفسیر: (اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) لیکن یہ ڈر ایسا نہیں جیسے آدمی سانپ بچھو یا شیر سے ڈر کر بھاگتا ہے بلکہ اس بات سے ڈرو کہ کہیں اس کی نافرمانیاں کر کے اس کی خوشنودی اور رحمت سے دور نہ جا پڑو لہٰذا معاصی و نافرمانیوں سے بچتے رہو (اور) اس کی ناخوشی اور دوری سے ڈر کر (خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو)۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے وسیلہ کا مطلب قرب بتایا ہے اور ظاہر ہے کہ کسی چیز سے قریب اس وقت ہو سکتے ہو جب اس تک پہنچانے والا درمیانی راستہ طے کر لو اور قرب خداوندی تک کا درمیانی راستہ طاعات کرنے کا ہے۔ تو ضروری طاعات کے پابند رہو (اور) طاعات میں سے بالخصوص (اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرو امید ہے کہ) اس طریق سے (تم) پورے (کامیاب ہو جاؤ گے) اور اصل کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حاصل ہونا اور دوزخ سے نجات ہے۔

ربط: اوپر طاعات کا امر اور معاصی سے نہی تھی۔ طاعات میں سے سب سے بڑا عمل ایمان ہے اور معاصی میں سے سب سے بدتر عمل کفر ہے۔ اگرچہ مذکورہ بالا عام عنوان میں ایمان کا امر اور کفر سے نہی بھی شامل ہے لیکن اہتمام شان کے لئے تخصیص کے ساتھ کفر کا ضرر بتاتے ہیں جس سے ایمان کا نفع بھی خود معلوم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اب یہ ثابت کرنا بھی مقصود ہے کہ اصل وسیلہ طاعات ہیں۔ طاعات کے بغیر دنیا بھر کے خزانے بھی وسیلہ نہیں بن سکتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس ہو جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اس کی مثل اس کے ساتھ اور ہو تاکہ بدلہ میں دیں اس کو قیامت کے دن کے عذاب سے تو نہیں قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے۔ چاہیں گے کہ نکل جائیں آگ سے اور نہیں وہ نکلنے والے اس سے اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔

تفسیر: (یقیناً جو لوگ کافر ہیں اگر) بالفرض (ان) میں سے ہر ایک (کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں) جس میں تمام دفینے اور خزانے بھی آگئے (اور) انہی چیزوں پر کیا منحصر ہے بلکہ (ان چیزوں کے ساتھ اتنی ہی چیزیں اور بھی ہوں تاکہ وہ ان کو دے کر قیامت کے دن کے عذاب سے چھوٹ جائیں تب بھی وہ چیزیں ہرگز ان سے قبول نہ کی جائیں گی) اور عذاب سے نہ بچیں گے بلکہ (ان کو دردناک عذاب ہوگا) پھر عذاب میں داخل ہو جانے کے بعد (اس بات کی خواہش) وتمنا (کریں گے کہ دوزخ سے) کسی طرح (نکل آئیں اور) یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی اور (وہ اس سے کبھی نہ نکلیں گے اور ان کو عذاب دائمی ہوگا) یعنی کسی تدبیر سے نہ سزا ٹلے گی اور نہ ہی اس کا دوام ٹلے گا۔

پندرہواں حکم: چوری کی حد

جس چوری پر حد لگتی ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملک میں کوئی عاقل، بالغ، بینا اور قابل گویائی شخص حفاظت میں رکھے ہوئے دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی یا اتنی مالیت کی کوئی قابل حد شے چوری کے قصد سے خفیہ طریقے سے لے لے جب کہ اس مال میں اس کی اپنی ملکیت ہونے کا کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کاٹ ڈالو تم ان کے ہاتھ بطور بدلہ کے جو انہوں نے کیا بطور سزا کے اللہ کی طرف سے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور جو مرد چوری کرے اور) اسی طرح (جو عورت چوری کرے سو) ان کا حکم یہ ہے کہ اے حکمرانو (ان دونوں کے) داہنے (ہاتھ) گٹے پر سے (کاٹ ڈالو ان کے) اس (کردار کے عوض میں) اور یہ عوض (بطور سزا کے) ہے (اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے ہیں) جو سزا چاہیں مقرر فرما دیں اور (بڑی حکمت والے ہیں) کہ مناسب ہی سزا مقرر فرماتے ہیں۔

سولہواں حکم: قابل حد جرائم میں آخرت کی سزا سے بچنے کیلئے توبہ ضروری ہے

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر جس نے توبہ کی بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کی تو بلاشبہ اللہ توجہ کرتا ہے اس پر۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تفسیر: (پھر جو شخص) اگرچہ چوری میں اس کا ہاتھ کاٹا جاچکا ہو شرعی قاعدہ کے موافق (توبہ کرلے اپنی اس زیادتی) یعنی چوری (کرنے کے بعد) جس میں یہ بھی شامل ہے کہ جس کا مال ناحق لیا ہے وہ اس کے مالک کو واپس کرے یا اس سے معاف کرائے (اور) آئندہ کے لئے (اعمال کی درستی رکھے) یعنی چوری وغیرہ نہ کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے (تو بے شک اللہ تعالیٰ اس) کے حال (پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائیں گے) کہ توبہ سے پچھلا گناہ معاف فرمادیں گے اور توبہ پر استقامت سے مزید عنایت فرمائیں گے (بے شک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) کہ اس کا گناہ معاف کردیتے ہیں (بڑی رحمت والے ہیں) کہ آئندہ بھی مزید عنایت فرماتے ہیں۔

ربط: اللہ تعالیٰ حکمت والے ہیں اور اوپر مذکور سزاؤں کو حکمت ہی سے تجویز فرمایا ہے لوگوں کو انصاف سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت میں غور کرنے سے پہلے یہ سزائیں بہت ہی سخت اور نوع انسانی کی شرافت سے بعید معلوم ہوسکتی تھیں اس لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنا مالک حقیقی اور قادر حقیقی ہونا بیان فرماتے ہیں اور عذاب کے ساتھ مغفرت کا ذکر کرکے بتاتے ہیں کہ ہم صرف عذاب ہی نہیں دیتے بلکہ معاف بھی کرتے ہیں مگر جو جس کے لائق ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے واسطے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی عذاب کرے جس کو چاہے اور بخشے جس کو چاہے اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تم نہیں جانتے) یعنی سب ہی جانتے ہیں (کہ اللہ ہی کے لئے ثابت ہے حکومت سب آسمانوں کی اور زمین کی) تو اتنے بڑے اور عظمت وجلال والے بادشاہ کے حکم کی نافرمانی کوئی چھوٹی بات ہے اور کیا وہ نوع انسانی کی شرافت سے بعید نہیں اس پر وہ جو بھی سزا دے بجا ہے۔ پھر سزا دینے میں بھی وہ پوری طرح با اختیار ہے چاہے تو دے چاہے نہ دے لہٰذا (وہ جس کو چاہیں سزا دیں اور جس کو چاہیں معاف کردیں اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔

ربط: اس سے پہلے بھی یہود ونصاریٰ کی کچھ قباحتیں ذکر ہوئیں۔ اب جو راہزنی اور چوری کی حدود ذکر ہوئیں تو ان کی مناسبت سے یہود کی یہ قباحت کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود یعنی سزاؤں

میں تحریف کرتے تھے اس کو ذکر فرمایا۔ قصہ یہ ہوا کہ یہود مدینہ کے کچھ لوگوں کے ہاتھوں یہود کے دوسرے لوگوں کا ایک شخص مارا گیا۔ سابقہ زمانہ کے رواج کے مطابق قاتل نے خون بہا کم دینا چاہا لیکن مقتول کے لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ اب اسلامی حکومت ہے اور سابقہ زمانہ کی مجبوریاں نہیں رہیں لہٰذا پورا خون بہا لینا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ کیا۔ چونکہ قاتل کے لوگ سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ حق فیصلہ کریں گے اس لئے مطالبہ منظور کرنے سے پہلے چند منافقوں کو نبی ﷺ کی خدمت میں اس مسئلہ کے تجسس میں بھیجا کہ پہلے کسی طور پر تذکرہ کر کے آپ کی رائے معلوم کرنی چاہئے، اگر ہمارے موافق ہو تو مقتول کے لوگوں کا رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے کا مطالبہ منظور کریں ورنہ منظور نہ کریں۔ غرض وہ منافق اس مقصد سے حاضر ہوئے۔ دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ فدک کے یہود میں سے ایک مرد و عورت نے زنا کیا۔ شریعت موسوی میں اگر دونوں کنوارے نہ ہوں تو رجم کا حکم تھا مگر یہود نے اس حد یعنی رجم کو چھوڑ کر اس کی جگہ اپنی طرف سے ہلکی سزا مقرر کر لی تھی۔ ان لوگوں نے مجرم کو مدینہ کی طرف بھیجا اور مدینہ کے یہود کو لکھا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھو۔ اگر وہ رجم کا حکم دیں تو عمل نہ کرنا اور اگر ہمارے طریقے کے موافق ہلکی سزا بتائیں تو اس پر عمل کر لینا۔

نبی ﷺ کے پاس بھیجنے میں ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ اسلامی شریعت میں بہت سے احکام آسان دیئے گئے ہیں اور ان باتوں میں بھی ہو سکتا ہے کوئی آسان حکم آئے ہوں تو اپنا کام بھی بن جائے اور نبی ﷺ کی نبوت کے قائلین کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ یہ بھی تو آخر ایک نبی کا فیصلہ ہے اور جو قائل نہیں ان کے سامنے کہہ سکیں گے کہ یہ حاکم کا فیصلہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کو حکومت بھی حاصل تھی۔

چونکہ یہود کی یہ ساری حرکتیں موجب رنج تھیں اس لئے شروع ہی میں تسلی بھی فرما دی۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا

آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ

سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ

الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ

وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ

تَملِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾

ترجمہ: اے رسول نہ غمگین کریں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اپنے منہ سے حالانکہ یقین نہیں کیا ان کے دلوں نے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں۔ سننے کے عادی ہیں غلط بات کے، کان دھرنے والے ہیں دوسری جماعت کے لئے جو نہیں آئی تیرے پاس، بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کے (اصل) مواقع سے۔ کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم یہ حکم تو قبول کر لینا اس کو اور اگر تم نہ دیئے جاؤ یہ حکم تو بچنا۔ اور وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ جس کی گمراہی کا تو ہرگز تو قدرت نہیں رکھتا اس کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی۔ یہ وہی لوگ ہیں نہ چاہا اللہ نے کہ پاک کرے ان کے دلوں کو، ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (اے رسول) صلی اللہ علیہ وسلم (جو لوگ کفر) کی باتوں (میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں) یعنی بے تکلف رغبت سے ان باتوں کو کرتے ہیں (آپ کو وہ مغموم نہ کریں) یعنی آپ ان کے کفریات سے غم میں مبتلا نہ ہوں (خواہ وہ) یہود کے (ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو) جھوٹ موٹ (کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ ان کے دل یقین) یعنی ایمان (نہیں لائے) مراد منافقین ہیں جو کہ پہلے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ (اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو کہ) کھلے (یہودی ہیں) جیسا کہ دوسرے واقعہ میں یہ لوگ حاضر ہوئے تھے۔ (یہ) دونوں قسم کے (لوگ) پہلے سے دین کے بارے میں اپنے علماء سے جو توریت میں تحریف کرتے ہیں (غلط باتیں سننے کے عادی ہیں) اور انہی غلط باتوں کی تائید کی جستجو میں یہاں آکر (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں دوسری جماعت کی خاطر سے خوب کان لگا لگا کر سنتے ہیں، اس دوسری جماعت کے لوگوں کے یہ حالات ہیں یعنی کہ) ایک تو (وہ آپ کے پاس) فرط تکبر وعداوت سے خود (نہیں آئے) بلکہ دوسروں کو بھیجا، اور دوسروں کو بھیجا بھی تو طلب حق کے لئے نہیں بلکہ اس غرض سے کہ شاید اپنے تحریف کئے ہوئے احکام کے موافق کوئی بات مل جائے کیونکہ (وہ کلام) الٰہی (کو بعد اس کے کہ وہ) کلام (اپنے) صحیح (موقع پر) قائم (ہوتا ہے) یعنی بالکل حق کے مطابق ہوتا ہے لفظ اور معنی دونوں طرح سے (بدلتے رہتے ہیں) چنانچہ اسی عادت کے موافق خوں بہا اور رجم کے حکم کو بھی اپنے اختراعی طریقے سے بدل دیا، پھر اس خیال سے کہ شاید شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طریقہ کو سہارا مل جائے یہاں اپنے جاسوسوں کو

بھیجا، تیسرے صرف یہی نہیں کہ اپنے تحریف شدہ طریقہ کے موافق بات کی تلاش ہی تک رہتے بلکہ مزید یہ ہے کہ جانے والوں سے (کہتے ہیں کہ اگر تم کو) وہاں جا کر (یہ) تحریف شدہ (حکم ملے تب تو اس کو قبول کر لینا) یعنی اس کے موافق عملدر آمد کرنے کا اقرار کر لینا (اور اگر تم کو یہ) تحریف شدہ (حکم نہ ملا تو) اس کے قبول کرنے سے (احتیاط رکھنا)۔ پس اس بھیجنے والی جماعت میں جن کی جاسوسی کرنے یہ لوگ آئے ہیں چند خرابیاں ہوئیں، اول تکبر و عداوت جو سبب ہے خود حاضر نہ ہونے کا، دوسرے طلب حق نہ ہونا بلکہ حق کی تحریف کر کے اس کی تائید کی فکر ہونا، تیسرے اوروں کو بھی قبول حق سے روکنا۔ یہاں تک آنے والوں اور بھیجنے والوں کی الگ الگ مذمت تھی، آگے ان سب کی مذمت ہے (اور) اصل یہ ہے کہ (جس کا خراب) اور گمراہ (ہونا خدا ہی کو منظور ہو) اگر چہ گمراہی کی تخلیق اس گمراہ کے عزم گمراہی کے بعد ہوتی ہے (تو اس کے لئے اللہ سے) اے عام مخاطب (تیرا کچھ زور نہیں چل سکتا) کہ اس گمراہی کو نہ پیدا ہونے دے، یہ تو ایک عام قاعدہ ہوا اب یہ سمجھو کہ (یہ لوگ ایسے) ہی (ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ان کے دلوں کا) کفریات سے (پاک کرنا منظور نہیں ہوا) کیونکہ یہ عزم ہی نہیں کرتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کفریات سے ان کے دلوں کو پاک نہیں فرماتے بلکہ ان کے گمراہی کے عزم کی وجہ سے اللہ کی تخلیق میں بھی ان کا خراب ہی ہونا منظور ہے، پس مذکورہ قاعدہ کے موافق کوئی شخص ان کو ہدایت نہیں کر سکتا، مطلب یہ ہے کہ جب یہ خود خراب رہنے کا عزم رکھتے ہیں اور عزم کے بعد گمراہ ہونے کے فعل کی تخلیق عادت الٰہیہ ہے، اور تخلیق الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا پھر ان کے ہدایت پر آنے کی کیا توقع کی جائے، اس مضمون سے بھی رسول اللہ ﷺ کو زیادہ تسلی ہو سکتی تھی کیونکہ پریشانی اس بات سے ہوتی ہے کہ کہیں ہم سے بات کو سمجھانے میں کمی نہ ہو رہی ہو۔ جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ہی بد باطن ہیں تو پھر آدمی ان کی باتوں سے زیادہ اثر نہیں لیتا۔ پس کلام کا آغاز و انجام تسلی کے مضمون سے ہوا، آگے ان کے اعمال کا ثمرہ بتاتے ہیں کہ (ان) سب لوگوں (کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور آخرت میں ان) سب (کے لئے سزائے عظیم ہے) یعنی دوزخ، چنانچہ منافقین کی یہ رسوائی ہوئی کہ مسلمانوں کو ان کا نفاق معلوم ہو گیا، اور سب ذلت سے دیکھتے تھے اور یہود کے قتل و قید و جلا وطنی کا ذکر روایات میں مشہور ہے اور آخرت میں عذاب ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

ربط: اوپر یہود کے جو اوصاف ذمیمہ ذکر ہوئے ان کا حاصل دو بنیادی وصف تھے۔ ایک نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والوں کا وصف یعنی سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ (غلط باتوں کے سننے کے عادی)۔ یہ وصف یہود کے عوام پر غالب تھا یعنی وہ غلط مسئلے خوشی سے سن لیتے تھے۔ دوسرا نبی ﷺ کی خدمت میں نہ آنے والوں کا وصف یعنی يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ (کلام الٰہی میں تحریف کرنا) یہ وصف یہود کے علماء

میں پایا جاتا تھا یعنی وہ غلط مسئلے بتاتے تھے۔ باقی اوصاف ان ہی دو وصفوں کے تابع تھے۔

عوام کا وصف کہ غلط مسئلے خوشی سے سنتے ہیں چونکہ ان سے مستبعد نہیں ہے اس لئے کسی کو ان کے وصف کی علت اور وجہ جاننے کی جستجو نہیں ہوتی البتہ علماء کا وصف کہ وہ غلط مسئلے بتاتے ہیں ان سے مستبعد ہے کیونکہ ان کے بارے میں ذہنوں میں تصور ہوتا ہے کہ وہ خدا کے حکموں پر خوب عمل کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے کہ اصل علم تو عمل سے ہوتا ہے۔ پھر جب کسی عالم کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ جانتے بوجھتے غلط مسئلے بتاتا ہے تو جستجو ہوتی ہے کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔ اس لئے آگے عوام کے وصف کی تو فقط تکرار ہی کی ہے البتہ علماء کے وصف کی علت کی تحقیق فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان میں دنیوی کمائی کی حرص ہے گو حرام طریقے ہی سے ہو۔ اور غلط مسئلے بتانے سے کمائی خوب ہوتی ہے اس لئے ان کو غلط مسئلے بتانے اور کلام الٰہی میں تحریف کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: سننے کے عادی ہیں غلط بات کے، بڑے کھانے والے ہیں حرام کے۔ سو اگر آئیں وہ تیرے پاس تو تو فیصلہ کر دے ان کے مابین یا منہ پھیر لے ان سے۔ اور اگر تو منہ پھیر لے گا ان سے تو وہ ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے تجھ کو کچھ بھی اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو۔

تفسیر: (یہ لوگ) دین کے بارے میں (غلط باتوں کے سننے کے عادی) ہیں جیسا پہلے آچکا (بڑے حرام) مال (کے کھانے والے ہیں) اسی حرص نے ان کو احکام میں غلط بیانی کا جس کے عوض کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا ہے عادی بنا دیا، جب ان لوگوں کی یہ حالت ہے (تو اگر یہ لوگ) اپنا کوئی مقدمہ لے کر (آپ کے پاس) فیصلہ کرانے (آئیں تو) آپ مختار ہیں (خواہ آپ ﷺ (ان) کے معاملہ (میں فیصلہ کر دیجئے یا ان کو ٹال دیجئے۔ اور اگر آپ ﷺ) کی یہی رائے قرار پائے کہ آپ ﷺ (ان کو ٹال ہی دیں تو) یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ شاید ناراض ہو کر عداوت نکالیں کیونکہ (ان کی مجال نہیں کہ آپ کو ذرا بھی ضرر پہنچا سکیں) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے نگہبان ہیں (اور اگر) فیصلہ

کرنے پر رائے قرار پائے اور (آپ فیصلہ کریں تو ان میں عدل) یعنی قانون اسلام (کے موافق فیصلہ کیجئے) کیونکہ قانون اسلام سراسر عدل پر مبنی ہے جب کہ کوئی اور قانون عدل میں اسلامی قانون کا مقابلہ نہیں کر سکتا (بیشک حق تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں) پس وہی لوگ محبوب ہوں گے جو قانون اسلام کے موافق فیصلہ کریں۔

ربط: اوپر ذکر ہوا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس یہود کا کوئی مسئلہ یا فیصلہ لے کر آنا حق معلوم کرنے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد اپنی مرضی کے موافق کوئی آسان بات حاصل کرنا ہے۔ آگے اس کی دلیل لائے کہ کسی شخص کا اپنی ایسی کتاب کو جس پر وہ ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جس کے دعوائے نبوت سے وہ منکر ہو کوئی فیصلہ یا مسئلہ لانا نہایت عجیب ہے کیونکہ کوئی شخص بے مطلب سچے دل سے ایسا نہیں کر سکتا۔ غرض اپنا مطلب نکالنے کو آتے ہیں جس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر اپنے مطلب کی بات نہ ملی تو اس پر عمل بھی نہیں کیا۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور کس طرح وہ منصف بناتے ہیں تجھ کو حالانکہ ان کے پاس تو توریت جس میں حکم ہے اللہ کا پھر پھرے جاتے ہیں اس کے بعد، اور وہ (ہرگز) ماننے والے نہیں ہیں۔

تفسیر: (اور) تعجب کی بات ہے کہ (وہ) دین کے معاملہ میں (آپ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس تورات) موجود (ہے، جس میں اللہ کا حکم) لکھا (ہے) جس کے ماننے کا ان کو دعویٰ ہے، اول تو یہی بات بعید ہے (پھر) یہ تعجب اس سے اور پختہ ہو گیا کہ (اس) مقدمہ لانے (کے بعد) جب آپ ﷺ کا فیصلہ سنتے ہیں تو اس فیصلہ سے بھی (ہٹ جاتے ہیں) یعنی اول تو اس حالت میں آپ کے پاس معاملہ لانے ہی سے تعجب ہوتا تھا، لیکن خیال ہو سکتا تھا کہ شاید آپ کا حق پر ہونا ان پر واضح ہو گیا ہو اس لئے آ گئے ہوں، لیکن جب اس فیصلہ کو نہ مانا تو وہ تعجب پھر تازہ ہو گیا کہ اب تو وہ احتمال بھی نہ رہا، پھر کیا بات ہو گی جس کے واسطے یہ معاملہ لائے ہیں (اور) اسی سے ہر عقلمند کو اندازہ ہو گیا کہ (یہ لوگ ہرگز اعتقاد والے نہیں) یہاں اعتقاد سے نہیں آئے اپنا مطلب نکالنے کے واسطے آئے تھے۔ اور جب فیصلہ کو نہ ماننا عدم اعتقاد کی دلیل ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جیسے

حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ان کو اعتقاد نہیں اسی طرح اپنی کتاب کے ساتھ بھی پورا اعتقاد نہیں ورنہ اس کو چھوڑ کر کیوں آتے، غرض نہ تو ان کا نبی ﷺ پر اعتقاد ہے اور نہ ہی تورات پر انکا اعتقاد ہے۔

ربط: ابھی ذکر ہوا تھا کہ یہود کے طرز عمل سے معلوم ہوا کہ ان کا تورات پر بھی اعتقاد صحیح نہیں۔ آگے اول تو یہ ذکر کرتے ہیں کہ ان کا یہ طرز عمل ان کی اپنی نالائقی ہے ورنہ تورات تو بڑی عمدہ کتاب تھی جس میں بڑے علوم ہدایت تھے اور ایک وقت تک یہود کے علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور اس پر عمل کیا اور اس کی حفاظت کی لیکن پھر ان میں دنیا پرستی آ گئی تو وہ تورات میں تحریف کرنے لگے۔ اس کے بعد اس وقت موجود یہود کے علماء کو خطاب کر کے نصیحت کرتے ہیں کہ تم بھی پہلے کے علماء کی طرح بنو اور جان و مال کی محبت میں نہ لگو اور نہ کسی سے ڈرو بلکہ جیسے اللہ نے نازل کیا ہے اسی پر عمل کرو۔ (اس کا یہ فائدہ بھی ہوگا کہ چونکہ تورات میں نبی ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے اس لئے تم کو آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق بھی نصیب ہوگی)۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا ٱلتَّوْرَىٰةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ
يَحْكُمُ بِهَا ٱلنَّبِيُّونَ ٱلَّذِينَ أَسْلَمُوا۟ لِلَّذِينَ هَادُوا۟ وَٱلرَّبَّٰنِيُّونَ
وَٱلْأَحْبَارُ بِمَا ٱسْتُحْفِظُوا۟ مِن كِتَٰبِ ٱللَّهِ وَكَانُوا۟ عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ
فَلَا تَخْشَوُا۟ ٱلنَّاسَ وَٱخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا
قَلِيلًا ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے نازل کی توریت، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ حکم کرتے تھے اس کے موافق پیغمبر جو فرمانبردار تھے (اللہ کے) یہود کو اور (حکم کرتے تھے) درویش اور عالم اس وجہ سے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور وہ تھے اس پر پابندی کرنے کرانے والے۔ سو تم نہ ڈرو لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور مت خریدو میری آیتوں کے عوض قیمت تھوڑی۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں کافر۔

تفسیر: (ہم نے) موسیٰ علیہ السلام پر (توریت نازل فرمائی تھی جس میں) صحیح عقائد کی بھی (ہدایت تھی اور) عملی احکام کی بھی (وضاحت تھی) بنی اسرائیل کے (انبیاء جو کہ) اس کے باوجود کہ لاکھوں آدمی خود ان کے پیروکار تھے (اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے اس) تورات (کے موافق یہود کو حکم دیا

کرتے تھے اور) اسی طرح ان کے (اہل اللہ اور علماء بھی) اسی کے موافق کہ وہی اس وقت کی شریعت تھی حکم دیتے تھے (اس وجہ سے کہ ان) اہل اللہ وعلماء (کو اس کتاب اللہ) پر عمل کرنے اور کرانے (کی نگہداشت کا حکم) حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے (دیا گیا اور وہ اس) پر عمل کرنے کرانے (کے پابند ہو گئے تھے) مطلب یہ ہے کہ چونکہ ان کو اس کا حکم ہوا تھا اور انہوں نے اس حکم کو قبول کر لیا تھا اس لئے ہمیشہ اس کے پابند رہے۔ (تو) اے اس زمانہ کے یہود کے علماء جب ہمیشہ سے تمہارے سب اہل اللہ اور علماء تورات کو مانتے آئے ہیں تو (تم بھی) رسالت محمدیہ ﷺ کی تصدیق کے بارے میں جس کا حکم توریت میں ہے (لوگوں سے) یہ (اندیشہ مت کرو) کہ ہم تصدیق کر لیں گے تو عام لوگوں کی نظر میں ہمارے مرتبے میں فرق آجائے گا (اور) صرف (مجھ سے ڈرو) کہ تصدیق نہ کرنے پر سزا دوں گا (اور میرے احکام کے بدلہ میں) دنیا کی (متاع قلیل) جو کہ تم کو اپنے عوام سے وصول ہوتی ہے (مت لو) کہ یہی حب جاہ وحب مال تم کو تصدیق نہ کرنے پر ابھارتی ہیں۔ (اور) یاد رکھو کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) بلکہ نازل شدہ حکم کا یا تو انکار کرے یا ایسے حکم کو جو شرعی نہیں ہے شرعی بتلا کر اس کے موافق حکم کرے (سو ایسے لوگ بالکل کافر ہیں) جیسا کہ اے علمائے یہود تم کر رہے ہو کہ عقائد میں بھی مثلاً عقیدہ رسالت محمدیہ میں اور اعمال میں بھی جیسے حکم رجم وغیرہ میں اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو حکم الٰہی بتلا کر خود بھی گمراہ ہو رہے ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہو۔

فائدہ: جو لوگ شرعی حکم کو عقیدہ میں ثابت مانتے ہیں لیکن پھر فیصلہ اس کے خلاف کرتے ہیں ان کا کفر عملی ہے اور ان کی عملی حالت کافروں جیسی ہے وہ حقیقی کافر نہیں ہیں۔

ربط: یہود پر ایک حکم قصاص کا مقرر ہوا تھا اور قاعدہ ہے کہ سابقہ شریعت کا جب کوئی حکم قرآن یا حدیث میں مذکور ہو اور اس کے مخالف کوئی حکم نہ دیا گیا ہو تو وہی حکم ہماری شریعت کا بھی قرار پائے گا لہٰذا یہ اس امت کے لئے ایک اور حکم ہوا۔

سولہواں حکم: قصاص

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

ترجمہ: اور لکھ دیا ہم نے ان پر اس کتاب میں کہ جان بدلے جان کے، اور آنکھ بدلے آنکھ کے، اور ناک بدلے ناک کے، اور کان بدلے کان کے، اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا برابر کا بدلہ ہے۔ جس نے معاف کر دیا تو وہ کفارہ ہوگا (گناہوں سے) اس کے لئے۔ اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں ظالم۔

تفسیر: (اور ہم نے ان) یہود (پر اس) تورات (میں یہ بات فرض کی تھی کہ) اگر کوئی کسی کو ناحق عمداً قتل یا زخمی کرے اور صاحب حق دعویٰ کرے تو (جان بدلے جان کے) لی جائے گی (اور آنکھ بدلے آنکھ کے) پھوڑی جائے گی (اور ناک بدلے ناک کے) کاٹی جائے گی (اور کان بدلے کان کے) کاٹا جائے گا (اور دانت بدلے دانت کے) توڑا جائے گا (اور) اسی طرح دوسرے (خاص زخموں کا بھی برابر کا بدلہ ہے) جو زخمی کے مطالبہ پر لیا جائے گا (پھر جو شخص) اس قصاص یعنی برابر کا بدلہ لینے کا مستحق ہو کر بھی (اس) قصاص (کو معاف کر دے تو وہ) معافی (اس) معاف کرنے والے (کے لئے) اس کے گناہوں کا (کفارہ) یعنی گناہوں کے دور ہونے کا سبب (ہو جائے گی) مطلب یہ ہے کہ معاف کرنا موجب ثواب ہے۔ (اور) چونکہ یہود نے ان احکام کو چھوڑ رکھا تھا اس لئے مکرر وعید سناتے ہیں کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) جس کے معنی اوپر گذرے (سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں) یعنی بہت برا کام کر رہے ہیں۔

ربط: اوپر یہود کو جو نصیحت کی آگے اسی طرح کی نصیحت نصاریٰ کو کرتے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: اور پیچھے بھیجا ہم نے انہی کے قدموں پر عیسیٰ بن مریم کو تصدیق کرنے والا اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی اور دی ہم نے اس کو انجیل اس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرنے والی تھی اپنے سے پہلی (کتاب) توریت کی، اور ہدایت اور نصیحت تھی ڈرنے والوں کے لئے۔ اور چاہئے کہ حکم کریں انجیل والے موافق اس کے جو اتارا اللہ نے

اس میں اور جو کوئی حکم نہ کرے موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

تفسیر: (اور ہم نے ان) نبیوں (کے پیچھے) جن کا ذکر یَحْکُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ میں آیا ہے (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (کو اس حالت میں) پیغمبر بنا کر (بھیجا کہ وہ اپنے سے پہلے کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق فرماتے تھے) کیونکہ رسول کے لئے لازم ہے کہ تمام کتب الٰہیہ کی تصدیق کرے (اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں) توریت ہی کی طرح صحیح عقائد کی بھی (ہدایت تھی اور) عملی احکام کی بھی (وضاحت تھی اور وہ) انجیل (اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق) بھی (کرتی تھی) کیونکہ یہ بھی کتاب الٰہی کے لوازم میں سے ہے کہ وہ سابقہ کتاب الٰہی کی تصدیق کرے (اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے اور) انجیل دے کر حکم کیا تھا کہ (انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس میں نازل فرمایا ہے اس کے موافق حکم کیا کریں۔ اور) اے اس زمانہ کے نصاریٰ سن رکھو کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے) کہ یا تو نازل شدہ حکم کا انکار ہی کر دے یا اس کی جگہ اپنی رائے اور خواہش سے کوئی دوسرا حکم بنا لے (تو ایسے لوگ بالکل بے حکمی کرنے والے ہیں) اور انجیل جب رسالت محمدیہ ﷺ کی خبر دے رہی ہے، تو تم اس کے خلاف کیوں چل رہے ہو۔

ربط: اوپر یہود و نصاریٰ کو نصیحت کی گئی کہ وہ اپنی آسمانی کتاب میں درج احکام الٰہی پر پورا پورا عمل کریں اور مال و جان کی محبت میں پھنس کر کتاب کو ضائع نہ کریں تو اصولی طور پر چونکہ مسلمان بھی اس نصیحت کے محتاج ہیں اس لئے آگے ان کو بھی یہی نصیحت کی جاتی ہے۔ پھر اس نصیحت کا سبب بھی بن گیا تھا۔ وہ یہ کہ یہود کے چند علماء نبی ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ہمارا اپنی قوم سے کچھ جھگڑا ہے۔ اگر آپ ہمارے حق میں فیصلہ فرما دیں تو ہم آپ کی اتباع اختیار کر کے اسلام قبول کر لیں گے جس سے باقی یہود بھی مسلمان ہو جائیں گے لیکن آپ ﷺ نے ناحق فیصلہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ ۙ
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ
احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ
وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے سابقہ کتابوں کی اور نگہبان ہے اس (کے مضامین) پر۔ سو تو حکم کر ان کے درمیان موافق اس کے جو اتارا اللہ نے اور مت پیروی کر ان کی خواہشات کی اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس آیا حق۔ ہر ایک کے لئے بنائی ہم نے تم میں سے خاص شریعت اور خاص طریقہ۔ اور اگر چاہتا اللہ تو بنا دیتا تم کو ایک امت لیکن (اس نے ایسا نہ کیا) تا کہ آزمائے تم کو ان حکموں میں جو اس نے دیئے تم کو سو تم دوڑ کر لو خوبیاں۔ اللہ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جس بات میں تم اختلاف کرتے تھے اور (یہ فرمایا) کہ حکم کر ان کے درمیان موافق اس کے جو اتارا اللہ نے اور مت پیروی کر ان کی خواہشات کی اور بچتا رہ ان سے کہ کہیں بہکا نہ دیں تجھ کو کسی ایسے حکم سے جو اتارا اللہ نے تیری طرف۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو جان لے کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ پہنچا دے ان کو (کچھ سزا) بسبب ان کے بعض گناہوں کے اور بے شک بہت سے لوگ ہیں نافرمان۔ اب کیا زمانہ جاہلیت کا حکم وہ چاہتے ہیں اور کون بہتر ہے اللہ سے حکم کرنے میں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر: (اور) تورات وانجیل کے بعد (ہم نے یہ کتاب) جس کا نام قرآن ہے (آپ ﷺ کے پاس بھیجی ہے جو خود بھی صدق) وراستی (کے ساتھ متصف ہے اور اس سے پہلے جو) آسمانی (کتابیں) آچکی (ہیں) جیسے تورات وانجیل وزبور (ان کی بھی تصدیق کرتی ہے) کہ وہ اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہیں (اور) چونکہ قرآن قیامت تک محفوظ اور واجب العمل ہے، اور اس میں ان کتب

سماویہ کی تصدیق موجود ہے اس لئے یہ کتاب (ان کتابوں) کے صادق ہونے کے مضمون (کی) ہمیشہ کے لئے (محافظ ہے) کیونکہ قرآن میں یہ بات ہمیشہ محفوظ رہے گی کہ وہ خدائی کتب ہیں۔ جب قرآن ایسی کتاب ہے (تو ان) اہل کتاب (کے باہمی معاملات میں) جب کہ وہ آپ کے اجلاس میں پیش کئے جائیں (اسی بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور یہ جو سچی کتاب آپ کو ملی ہے اس سے دور ہو کر ان کی) خلاف شرع (خواہشوں) اور فرمائشوں (پر) آئندہ بھی (عملدرآمد نہ کیجئے) جیسا اب تک باوجود ان کی درخواست والتماس کے آپ نے صاف انکار فرمایا، یعنی یہ آپ کی رائے نہایت ہی درست ہے، اسی پر ہمیشہ قائم رہئے۔ اور اے اہل کتاب تم قرآن کو حق جاننے سے اور اس کے فیصلہ کو ماننے سے کیوں انکار کرتے ہو؟ کیا جدید دین کا آنا کچھ تعجب کی بات ہے؟ آخر (تم میں سے ہر ایک) امت (کے لئے) اس سے پہلے (ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی) مثلاً یہود کی شریعت وطریقت تورات تھی، اور نصاریٰ کی شریعت اور طریقت انجیل تھی، پھر اگر امت محمدیہ ﷺ کے لئے شریعت وطریقت قرآن مقرر کیا گیا، جس کا حق ہونا بھی دلائل سے ثابت ہے تو انکار کیوں ہے۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ کو) سب کا ایک ہی طریقہ رکھنا (منظور ہوتا تو) وہ اس پر بھی قدرت رکھتے تھے کہ (تم سب) یہود ونصاریٰ واہل اسلام (کو) ایک ہی شریعت دے کر (ایک ہی امت میں کر دیتے) اور جدید شریعت نہ آتی جس سے تم کو وحشت ہوتی ہے (لیکن) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے (ایسا نہیں کیا) بلکہ ہر امت کو جدا جدا طریقہ دیا (تا کہ جو دین تم کو) ہر زمانہ میں نیا نیا (دیا ہے اس میں تم سب کا) تمہاری اطاعت کے اظہار کے لئے (امتحان فرمائیں) کیونکہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ نئے طریقہ سے وحشت اور مخالفت کی تحریک ہوتی ہے، اس طرح سے یہ ایک بڑا امتحان بن جاتا ہے لیکن جو شخص عقل وانصاف سے کام لیتا ہے، وہ حق کے ظاہر ہونے پر اپنی طبیعت کو اس کے ساتھ موافقت پر مجبور کر دیتا ہے، پس اگر قیامت تک سب کی ایک ہی شریعت ہوتی تو اس شریعت کی ابتداء کے وقت جو لوگ ہوتے ان کا اس طرح کا سا امتحان تو ہو جاتا، لیکن دوسرے جو ان کے بعد ہوتے اور ان کے پیروکار ہوتے وہ اس طریقے سے مانوس ہوتے لہٰذا ان کا اس طرح کا سا امتحان نہ ہوتا جب کہ جدا جدا شریعتوں سے ہر امت کا امتحان ہو گیا۔ اور امتحان کی ایک اور صورت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو جس چیز سے روکا جائے خواہ کرنے کی ہو یا نہ کرنے کی ہو اس پر حرص ہوتی ہے، اور یہ امتحان شریعتوں کے متعدد ہونے کی صورت میں قوی تر ہے کیونکہ نئی شریعت میں سابقہ شریعت کے بعض احکام منسوخ کر دیئے جاتے ہیں اور ان سے روکا جاتا ہے حالانکہ سابقہ شریعت میں ہونے کی وجہ سے

ان کے حق ہونے کا شبہ ہوتا ہے کہ آخر پہلے بھی تو اس کا کرنا جائز تھا۔ اگر شریعت صرف ایک ہوتی تو اگر چہ اس میں معاصی سے تو روکتے لیکن اس میں ایسے ممنوعات نہ ہوتے جن میں حق ہونے کا شبہ ہوتا، اس لئے امتحان اس درجہ کا نہ ہوتا۔ پس جب جدید شریعت میں یہ حکمت ہے کہ اس میں دونوں قسم کے امتحان ہو جاتے ہیں (تو) تعصب کو چھوڑ کر (مفید باتوں کی طرف) یعنی ان عقائد و اعمال و احکام کی طرف جن پر قرآن مشتمل ہے (دوڑو) یعنی قرآن پر ایمان لا کر اس پر چلو۔ ایک روز (تم سب کو خدا ہی کے پاس جانا ہے پھر وہ تم سب کو بتا دے گا جس میں تم) باوجود حق کے واضح ہونے کے دنیا میں خواہ مخواہ (اختلاف کیا کرتے تھے) اس لئے بے جا اختلاف کو چھوڑ کر حق کو جو کہ اب صرف قرآن میں منحصر ہے قبول کر لو۔ (اور) چونکہ ان اہل کتاب نے ایسی بڑی جسارت کی کہ آپ سے اپنے موافق مقدمہ کا فیصلہ کر دینے کی درخواست کرتے ہیں، حالانکہ آپ کے ہاں تو اس کی گنجائش ہی نہیں، اس لئے ان کے حوصلے پست کرنے کو اور اس کو سنا کر ہمیشہ ہمیشہ ان کے ناامید کر دینے کو (ہم) مکرر (حکم دیتے ہیں کہ آپ ان) اہل کتاب (کے باہمی معاملات میں) جب کہ وہ آپ کے اجلاس میں پیش کئے جائیں تو (اس بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی) خلاف شرع (خواہشوں) اور فرمائشوں (پر) آئندہ بھی (عملدرآمد نہ کیجئے) جیسا اب تک بھی نہیں کیا (اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے) آئندہ بھی حسب سابق (احتیاط رکھئے کہ وہ آپ کو خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی بھی حکم سے پھسلا نہ دیں) یعنی اگر چہ اس کا امکان نہیں لیکن آپ اس کو اپنا مقصود بھی بنا لیں تو موجب ثواب بھی ہے (پھر) قرآن کے واضح ہونے اور اس کے فیصلہ کے حق ہونے کے باوجود بھی (اگر یہ لوگ) قرآن سے اور آپ کے فیصلہ سے جو قرآن کے موافق ہی ہوگا (اعراض کریں تو یقین کر لیجئے کہ بس خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کے بعضے جرموں پر) دنیا ہی میں (ان کو سزا دیدیں) اور وہ جرم ان کا آپ کے اسلامی حکومت کے سربراہ ہونے کے باوجود آپ کا فیصلہ نہ ماننا ہے جب کہ قرآن کی حقانیت کے نہ ماننے کی پوری سزا آخرت میں ملے گی، کیونکہ پہلا جرم یعنی فیصلہ نہ ماننا ذمی ہونے کے خلاف ہے اور حربیت کا مظاہرہ ہے۔ اور دوسرا جرم یعنی قرآن کی حقانیت کو نہ ماننا ایمان کے خلاف ہے۔ حربیت کی سزا دنیا میں ہوتی ہے اور کفر کی سزا آخرت میں، چنانچہ یہود کی سرکشی اور عہد شکنی جب حد سے متجاوز ہوئی تو ان کو قتل اور قید اور جلا وطنی کی سزا دی گئی۔ (اور) اے محمد ﷺ ان کے یہ حالات سن کر آپ کو رنج ضرور ہوگا لیکن آپ زیادہ غم نہ کیجئے، کیونکہ (زیادہ آدمی تو) دنیا میں ہمیشہ سے (نافرمان ہی ہوتے) آئے (ہیں۔ یہ لوگ) فیصلہ قرآنی سے جو کہ عین عدل ہے اعراض کر کے (پھر کیا

زمانہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں) جس کو انہوں نے سماوی شریعتوں کے برخلاف اپنے پاس سے خود گھڑ لیا تھا، جس کا ذکر دو واقعوں کے ضمن میں اس رکوع سے پہلے رکوع یٰاَیُّھا الرَّسُوْلُ کی تمہید میں گزر چکا ہے، حالانکہ یہ بات عدل اور دلیل کے سراسر خلاف ہے، یعنی اہل علم ہو کر علم سے اعراض کرنا اور جہل کا طالب ہونا عجب درعجب ہے (اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا) فیصلہ کرنے والا (ہو گا) بلکہ کوئی مساوی بھی نہیں، پس خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جاہلیت نہیں تو کیا ہے، لیکن یہ بات بھی (یقین) وایمان (رکھنے والوں) ہی (کے نزدیک) ہے کیونکہ اس بات کو سمجھنا کہ خدائی فیصلہ کو چھوڑ کر دوسرے کے فیصلہ کا طالب ہونا عین جاہلیت ہے موقوف ہے اس پر کہ غور وفکر صحیح ہو جب کہ کفار صحیح غور وفکر ہی سے بے نصیب ہیں۔

فائدہ: کسی کو یہ شبہ ہو کہ ان آیتوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر امت کا طریقہ دین جدا ہے اور دوسری آیات مثلاً شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا (سورہ شوری) یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کی وصیت نوح علیہ السلام کو بھی کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کو بھی کی تھی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب کا طریقہ دین ایک ہی ہے۔ شبہ کا جواب یہ ہے کہ جدا جدا ہونا فروع واعمال کے اعتبار سے ہے جب کہ ایک ہونا اصول اور عقائد کے اعتبار سے ہے۔

ربط: اوپر یہود ونصاریٰ کی شدید قباحتیں ذکر ہوئیں۔ ان کے ہوتے ہوئے مجموعی طور پر ان سے اصلاح اور خیر کی توقع نہیں اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہود ونصاریٰ سے دوستی نہ رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ منافقین جو ان سے دوستی رکھتے ہیں وہ جلد ہی اس کا انجام بد دیکھ لیں گے۔ منافقین کی ان کے ساتھ دوستی کا قصہ یہ ہوا کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی تو منافقین سخت اندیشہ میں مبتلا ہوئے کہ مسلمانوں کے غالب آنے کی تو کچھ امید نہیں رہی اپنی کہیں پناہ بنا کر رکھنی چاہئے تا کہ وقت پر کام دے تو کسی نے یہودی سے امان لی اور کسی نے نصرانی سے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی نے بھی یہود سے معاملہ کر لیا۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ۘ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ
فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ
بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَیُصْبِحُوْا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ
نٰدِمِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا
بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت بناؤ یہود اور نصاریٰ کو دوست۔ ان کے بعض دوست ہیں دوسرے بعض کے (یعنی وہ آپس میں دوست ہیں ایک دوسرے کے) اور جو کوئی دوستی کرے ان کے ساتھ تم میں سے تو وہ انہی میں سے ہے، بے شک اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے دوڑ کر گھستے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں پہنچ جائے ہم پر گردش (زمانہ کی) سو قریب ہے کہ اللہ لے آئے فتح یا کوئی حکم اپنے پاس سے تو ہو جائیں گے وہ اس بات پر جو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپائی ہے نادم۔ اور کہتے ہیں مسلمان کیا یہ وہی لوگ ہیں جو قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید سے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ برباد گئے ان کے عمل پھر ہو گئے وہ نقصان اٹھانے والے۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم) منافقوں کی طرح (یہود و نصاریٰ کو) اپنا (دوست مت بنانا وہ) خود ہی (ایک دوسرے کے دوست ہیں) یعنی یہودی یہودی باہم اور نصرانی نصرانی باہم، مطلب یہ ہے کہ دوستی ہوتی ہے آپس کی مناسبت سے، سو ان میں تو باہم مناسبت ہے، مگر تم میں اور ان میں کیا مناسبت ہے؟ (اور) جب یہ معلوم ہو گیا کہ دوستی آپس میں مناسبت سے ہوتی ہے تو (جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ) کسی خاص مناسبت کے اعتبار سے (ان ہی میں سے ہو گا) اور اگرچہ یہ بات بالکل واضح ہے لیکن (یقیناً اللہ تعالیٰ) اس بات کی (سمجھ ہی نہیں دیتے ان لوگوں کو جو) کفار سے دوستی کر کے (اپنا نقصان کر رہے ہیں) یعنی دوستی میں منہمک ہونے کی وجہ سے یہ بات ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتی، اور چونکہ ایسے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے (اسی لئے) اے دیکھنے والے (تم ایسے لوگوں کو کہ جن کے دل میں) نفاق کا (مرض ہے دیکھتے ہو کہ دوڑ دوڑ کر ان) کفار (میں گھستے ہیں) اور کوئی ملامت کرے تو حیلہ بازی اور سخن سازی کے لئے یوں (کہتے ہیں کہ) ہمارا ملنا ان کے ساتھ دل سے نہیں، بلکہ دل سے تو تمہارے ساتھ ہیں صرف ایک مصلحت سے ان کے ساتھ ملتے ہیں،

وہ یہ کہ (ہم کو اندیشہ ہے کہ) شاید انقلاب زمانہ سے (ہم پر کوئی حادثہ پڑ جائے) جیسے قحط ہے، تنگی ہے، اور یہ یہودی ہمارے ساہوکار ہیں ان سے قرض ادھار مل جاتا ہے، اگر ظاہری میل جول قطع کر دیں گے تو وقت پر ہم کو تکلیف ہوگی، منافق بظاہر اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ کا یہ مطلب ذکر کرتے تھے، لیکن دل میں اور مطلب لیتے کہ شاید آخر میں مسلمانوں پر کفار کے غالب آ جانے سے پھر ہم کو ان کی احتیاج پڑے اس لئے ان سے دوستی رکھنا چاہئے (سو قریب امید) یعنی وعدہ (ہے کہ اللہ تعالیٰ) مسلمانوں کی کامل (فتح) ان کفار کے مقابلہ میں جن سے یہ دوستی کر رہے ہیں (فرما دے) جس میں ظاہر ہے مسلمانوں کی کوشش کا بھی دخل ہوگا (یا کسی اور بات کا خاص اپنی طرف سے) ظہور فرما دے مثلاً تعین کے ساتھ ان کے نفاق کا عام وحی کے ذریعہ اظہار فرما دیں جس میں مسلمانوں کی تدبیر کا اصلاً دخل نہیں، مطلب یہ کہ مسلمانوں کی فتح اور منافقوں کی پردہ دری دونوں ہی باتیں قریب ہونے والی ہیں (پھر) اس وقت (وہ اپنے) گزشتہ (پوشیدہ دلی خیالات پر نادم ہوں گے) کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ کفار غالب آئیں گے اور یہ کیا برعکس ہو گیا، ایک ندامت تو اپنے خیال کی غلطی پر کہ طبعی چیز ہے، دوسری ندامت اپنے نفاق پر جس کی بدولت آج رسوا ہوئے، مَا اَسَرُّوْا (یعنی اپنے پوشیدہ خیال) میں یہ دونوں داخل ہیں اور یہ تیسری ندامت کہ کفار کے ساتھ دوستی رائگاں ہی گئی اور مسلمانوں سے بھی برے بنے، چونکہ دوستی ان کے پوشیدہ خیالات پر مبنی تھی، لہٰذا ان دو ندامتوں کے ذکر سے یہ تیسری ندامت خود بخود سمجھ میں آتی ہے کیونکہ جب انکا پوشیدہ خیال ہی ندامت کا سبب بنا تو اس پر مبنی دوستی بھی موجب ندامت ہوئی تھی۔ (اور) جب اس زمانہ فتح میں ان لوگوں کا نفاق بھی کھل جائے گا تو آپس میں (مسلمان لوگ) تعجب سے (کہیں گے ارے کیا یہ وہی لوگ ہیں کہ بڑے مبالغہ سے) ہمارے سامنے (قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم) دل سے (تمہارے ساتھ ہیں) یہ تو کچھ اور ہی ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (ان لوگوں کی ساری کارروائیاں) کہ دونوں فریق سے بنا کر رکھنا چاہتے تھے سب (غارت گئیں جس سے) دونوں طرف سے (ناکام رہے) کیونکہ کفار تو مغلوب ہو گئے، ان کا ساتھ دینا محض بیکار ہوا۔ اور مسلمانوں کے سامنے قلعی کھل گئی، ان کی نظروں میں اب بھلا بننا دشوار ہے۔

فائدہ: یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ ان منافقین کی دوستی مدینہ کے یہود اور مشرکین مکہ سے تھی۔ ایک طرف مکہ فتح ہوا دوسری طرف مدینہ کے یہود ذلیل وخوار ہوئے۔ خود منافقین کا نفاق اگرچہ وقتاً فوقتاً کھلتا رہتا تھا مگر عمومی فتوحات کے بعد تعین اور تصریح کے ساتھ منافقین کو نام بنام کھول دیا گیا۔

یہ جو فرمایا کہ نادم ہوں گے تو یہ ندامت توبہ کی نہیں ہو گی بلکہ پچھتاوے کی ہو گی کیونکہ ایک تو توبہ کے لئے اپنی غلطی کا اعتراف اور تدارک کی کوشش کرنا ضروری ہے جو ان سے ثابت نہیں۔ دوسرے آگے ان کے حبط اعمال اور خسارہ کا ذکر ہے جو اس بات پر واضح دلیل ہے کہ وہ تائب نہیں ہوئے تھے کیونکہ توبہ کرنے کا انجام یہ نہیں ہوتا۔

ربط: منافقین کے ذکر کے بعد کہ وہ خود ہی نقصان اٹھائیں گے آگے تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی منافق سے بڑھ کر مرتد ہو جائے تو وہ بھی دین کا کچھ نقصان نہ کر سکیں گے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جو کوئی پھرے گا تم میں سے اپنے دین سے تو عنقریب لائے گا اللہ ایسی قوم کو کہ (اللہ) محبت رکھتا ہے ان سے اور وہ محبت رکھتے ہیں اس سے، نرم دل ہیں مسلمانوں پر، زبردست ہیں کافروں پر، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں، اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا دے گا وہ (فضل) جس کو چاہے اور اللہ کشائش والا ہے خبردار ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) یعنی جو لوگ اس آیت کے نزول کے وقت ایمان والے ہو (جو شخص تم میں سے اپنے) اس (دین سے پھر جائے تو) اسلام کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ اسلامی خدمات انجام دینے کے لئے (اللہ تعالیٰ بہت جلد) ان کی جگہ (ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہو گی اور ان کو) اللہ تعالیٰ سے محبت ہو گی، مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر، تیز ہوں گے کافروں پر) کہ ان سے (جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور) دین اور جہاد کے بارے میں (وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے) جیسا منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد کے لئے جاتے تھے، مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست اور عزیز ہوں تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ اپنے ہی لوگوں کو مارنے گئے تھے۔ (یہ) مذکورہ صفات (اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرما

دیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) کہ اگر چاہیں تو سب کو یہ صفات دے سکتے ہیں لیکن (بڑے علم والے) بھی (ہیں) ان کے علم میں جس کو دینا مصلحت ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بعض لوگ مرتد ہو گئے تھے لیکن اس آیت میں پیشینگوئی کے موافق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مومنین و مخلصین کے ہاتھوں انکا استیصال ہوا جب کہ بعض نے توبہ کر لی۔ بہر حال اسلام کو کوئی ضعف یا ضرر نہیں پہنچا۔

ربط: اوپر کفار سے دوستی کی ممانعت ذکر ہوئی۔ پھر مرتدین کے ذکر سے اس ممانعت کی تاکید ہوئی۔ آگے بتایا کہ مسلمانوں کے دوست تو بس اللہ، رسول اور باعمل مخلص مومنین ہیں۔ انہی سے تعلق جوڑنا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ کفار کی کثرت ہے اور مسلمان قلیل ہیں، تمام دنیا سے موالات منقطع کر کے چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کرنے کے بعد غالب ہونا تو دور کی بات ہے کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے بلکہ تسلی رکھنی چاہئے کہ بالآخر غلبہ انہی کا ہوگا جن کی طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہوں گے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

ترجمہ: تمہارا رفیق تو اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ اس حال میں کہ وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو سو بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے۔

تفسیر: (تمہارے دوست تو) جن سے تم کو دوستی رکھنا چاہئے (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں کہ ان) کے دلوں (میں خشوع ہوتا ہے) یعنی وہ عقائد، اخلاق اور بدنی و مالی اعمال سب کے جامع ہیں (اور جو شخص) مذکور مضمون کے موافق (اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے دوستی رکھے گا سو) وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا اور (اللہ کا گروہ بیشک غالب ہے) اور کفار مغلوب ہیں اور غالب کو مغلوب سے دوستی کی فکر کرنا نازیبا ہے۔

فائدہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات مسلمانوں کو جو کہ حزب اللہ ہیں کفار سے مغلوب

ہو جاتے ہیں۔اس شبہ کے جواب میں دو باتیں ہیں۔

1- اس حکم کا مدار اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے ساتھ دوستی پر ہے۔اگر اسی میں کمی ہو مثلاً اللہ اور اس کے رسول کی کوئی نافرمانی ہو یا اپنے حاکم کے جائز حکم کی مخالفت کی ہو وغیرہ تو پھر یہ صورتیں اس حکم سے خارج ہیں۔

2- کبھی اللہ تعالیٰ ہی کو مسلمانوں کی کوئی آزمائش مقصود ہوتی ہے اس لئے دنیا میں غلبہ نہیں دیتے لیکن آخرت کا غلبہ تو ضرور حاصل ہوگا۔

ربط: آگے یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی کی ممانعت کی ایک اور وجہ بتائی کہ یہ (اور دیگر مشرکین تمہارے دین پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر نفرت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی ان کمینہ حرکتوں پر مطلع ہو کر کوئی مسلمان شخص جس کے دل میں خوف الٰہی اور غیرت ایمان کا ذرا سا شائبہ ہو وہ ان لوگوں سے دوستی کو کبھی بھی گوارا نہ کرے گا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت بناؤ ان لوگوں کو جو بناتے ہیں تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل (وہ لوگ) جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور (نہ بناؤ) کافروں کو (اپنا) دوست، اور ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے۔ اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لئے تو وہ بناتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل۔ یہ اس واسطے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

تفسیر: (اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب) آسمانی یعنی توریت و انجیل (مل چکی ہے) مراد ہیں یہود و نصاریٰ (جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے) جو علامت ہے تکذیب کی (ان کو اور) اسی طرح (دوسرے کفار) بھی جیسے مشرکین وغیرہ (کو دوست مت بناؤ) کیونکہ ممانعت کی اصل علت کفر و تکذیب تو ان سب میں مشترک ہے (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو) یعنی ایمان دار تو ہو ہی پس جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اس کو مت کرو۔ (اور) جیسے وہ تمہارے دین کی اصولی باتوں کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، اسی طرح وہ

تمہارے دین کی فروع کے ساتھ بھی استہزاء کرتے ہیں (جب تم نماز کے لئے) اذان کے ذریعہ سے (اعلان کرتے ہو تو وہ لوگ) تمہاری (اس) عبادت (کے ساتھ) جس میں اذان اور نماز دونوں آ گئیں (ہنسی اور کھیل کرتے ہیں) اور (یہ) حرکت (اس سبب سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ بالکل عقل نہیں رکھتے) ورنہ حق بات کو سمجھتے اور اس کے ساتھ ہنسی نہ کرتے۔

فائدہ: 1- جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے یہ کھڑے ہوئے ہیں، خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع سجدہ کرتے دیکھتے تو ہنستے اور تمسخر کرتے۔

2- مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ سنتا تو کہتا قَدْ حُرِقَ الْكَاذِبُ یعنی جھوٹا جل جائے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاری گر پڑی وہ اور اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے۔

ربط: آگے اہل کتاب اور دیگر کافروں کے طریقے اور مسلمانوں کے اسلامی طریقے کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اصل میں تکذیب اور استہزاء کے قابل کونسا طریقہ ہے۔

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب کیا عیب پاتے ہو تم ہم سے مگر یہی کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور (اس پر) جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا جا چکا پہلے اور یہ کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ تو کہہ کیا میں بتلاؤں تم کو جو برا ہے اس (اسلامی طریقے) سے از روئے سزا اللہ کے ہاں، وہی (لوگ ہیں) لعنت کی جن پر اللہ نے اور غضب فرمایا ان پر اور بنا دیا ان میں سے بعضوں کو بندر اور بعضوں کو سؤر اور جنہوں نے بندگی کی۔ شیطان کی وہی لوگ بدتر ہیں مکان کے اعتبار سے اور بہت بہکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب) تم جو ہم کو عیب لگاتے ہو تو (تم ہم میں کیا

عیب پاتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہمارے پاس بھیجی گئی ہے) یعنی قرآن پر (اور اس کتاب پر) بھی (جو) ہم سے (پہلے بھیجی جا چکی ہے) یعنی تورات و انجیل پر (جب کہ حال یہ ہے) کہ خود تمہارے اندر بڑا عیب ہے (کہ تم میں اکثر لوگ ایمان سے خارج ہیں) کہ نہ قرآن پر ان کا ایمان ہے، جس کا خود ان کو بھی اقرار ہے اور نہ تورات و انجیل پر ایمان ہے، کیونکہ ان پر ایمان ہوتا تو ان میں رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانے کی ہدایت موجود ہے اس پر بھی ضرور ایمان ہوتا، غرض قرآن کا انکار اس پر گواہ ہے کہ تورات و انجیل پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ یہ حال تو تم لوگوں کا ہوا اور ہم اس کے برعکس سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں، تو عیب ہم میں نہیں خود تم میں ہے غور کرو (اور آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) اگر اس پر بھی تم ہمارے طریقہ کو برا سمجھتے ہو تو آؤ (کیا میں) اچھے برے میں موازنہ کرنے کے لئے (تم کو ایسا طریقہ بتاؤں جو) ہمارے (اس) طریقہ (سے بھی) جس کو تم برا سمجھ رہے ہو (خدا کے یہاں سزا ملنے میں زیادہ برا ہو، وہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جن کو) اس طریقہ کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو اور ان کو بندر اور سور بنا دیا ہو اور انہوں نے شیطان کی پرستش کی ہو) اب دیکھ لو کہ ان میں کونسا طریقہ برا ہے، آیا وہ طریقہ جس میں غیر اللہ کی عبادت ہو اور اس پر یہ وبال ہوں، یا وہ طریقہ جو سراسر توحید اور نبوت انبیاء کی تصدیق ہو، یقیناً موازنہ کا نتیجہ یہی ہے کہ (ایسے اشخاص) جن کا طریقہ ابھی ذکر کیا گیا ہے آخرت میں (مکان کے اعتبار سے بھی) جو ان کو سزا کے طور پر ملے گا (بہت برے ہیں) کیونکہ یہ مکان دوزخ ہے (اور) دنیا میں (راہ راست سے بھی بہت دور ہیں) اشارہ یہ ہے کہ تم لوگ ہم پر ہنستے ہو حالانکہ استہزاء کے قابل تمہارا طریقہ ہے کیونکہ یہ سب خصلتیں تم میں پائی جاتی ہیں کہ یہود نے گوسالہ پرستی کی اور نصاریٰ نے حضرت مسیحؑ کو خدا بنا لیا، پھر اپنے علماء و مشائخ کو خدائی اختیارات سپرد کر دیئے، اسی لئے یہودیوں نے جب یوم سبت کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اللہ کا عذاب آیا، وہ بندر بنا دیئے گئے۔

ربط: آگے ان ہی استہزاء کرنے والوں میں سے بعض مخصوص افراد کی خاص حالت کا ذکر کرتے ہیں جو کہ نفاق ہے۔

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾

ترجمہ: اور جب (یہ منافق) آتے ہیں تمہارے پاس کہتے ہیں ہم ایمان لائے

ہیں حالانکہ وہ (تمہارے پاس) داخل ہوئے تھے کفر کے ساتھ اور وہ (تمہارے پاس سے) نکلے اسی کے ساتھ۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ چھپاتے تھے۔

تفسیر: (اور جب یہ) منافق (لوگ تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں حالانکہ وہ کفر ہی کو لے کر) مسلمانوں کی مجلس میں (آئے تھے اور کفر ہی کو لے کر چلے گئے اور اللہ تعالی تو خوب جانتے ہیں جس کو یہ) اپنے دل میں (چھپائے ہوئے ہیں) اس لئے ان کا نفاق اللہ تعالی کے سامنے کام نہیں دے گا اور کفر کی بدترین سزا سے سابقہ پڑے گا۔

ربط: یہود کی یہ دو قباحتیں کہ مسلمانوں کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور نفاق اختیار کر کے سازشیں کرتے ہیں ان کے ذکر کے بعد ان کے مزید کچھ حالات کا ذکر کرتے ہیں۔

گناہوں میں تیز ہیں

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: اور تو دیکھتا ہے بہتوں کو ان (یہود) سے کہ تیزی کرتے ہیں گناہ میں اور ظلم میں اور اپنے کھانے میں حرام کو۔ بہت برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے ان کو درویش اور علماء ان کے کہنے سے گناہ کی بات اور ان کے کھانے سے حرام کو، بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں؟

تفسیر: (اور آپ ان) یہودیوں (میں بہت آدمی ایسے دیکھتے ہیں جو دوڑ دوڑ کر گناہ) یعنی جھوٹ (اور ظلم اور حرام) مال (کھانے پر گرتے ہیں واقعی ان کے یہ کام برے ہیں) یہ تو عوام کا حال تھا۔ آگے خواص کا حال ہے کہ (مشائخ اور علماء) مسائل کو جاننے اور عوام کے حالات کا علم ہونے کے باوجود (ان کو گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے، واقعی ان کی یہ عادت بری ہے)۔

اللہ تعالی کی شان میں گستاخی

ربط: جب نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہود آپ کے ساتھ عداوت اور مخالفت سے

پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رزق و معیشت کی تنگی کر دی۔ اس پر بے ہودہ کلمات منہ سے نکالنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے یعنی خدا معاذ اللہ تنگ دست ہو گیا ہے اس کے خزانہ میں کچھ نہیں رہا یا وہ تنگ دست تو نہیں البتہ آجکل بخل کرنے لگا ہے۔ غرض اپنی شرارتوں پر نادم ہونے کے بجائے مزید گستاخیاں کرنے لگے۔ اور اگرچہ ایسے کلمات کہنے والے چند لوگ تھے لیکن چونکہ دوسروں نے سننے کے باوجود کچھ نہیں کہا تو گویا برائی میں سب ہی شریک ہوئے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ
مَغْلُوْلَةٌ ۚ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ
يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۚ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ
وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور کہا یہود نے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ بند ہوئے انہی کے ہاتھ اور وہ لعنت کئے گئے بسبب اپنے قول کے۔ بلکہ اس (اللہ) کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جس طرح چاہے۔ اور ضرور بڑھاتا ہے بہت سوں کو ان میں سے جو اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے شرارت میں اور انکار میں۔ اور ڈال دی ہے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ جب کبھی سلگاتے ہیں آگ لڑائی کے لئے بجھا دیتا ہے اس کو اللہ اور دوڑتے ہیں زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے) یعنی نعوذ باللہ بخل کرنے لگا ہے۔ درحقیقت (انہی کے ہاتھ بند ہیں) یعنی واقع میں خود بخل کے عیب میں مبتلا ہیں، اور خدا پر عیب دھرتے ہیں (اور اپنے اس کہنے سے یہ رحمت) الٰہی (سے دور کر دیئے گئے) جس کا اثر دنیا میں ذلت اور قید اور قتل وغیرہ ہوا اور آخرت میں عذاب جہنم۔ اور حاشا وکلا کہ خدا تعالیٰ میں بخل کا احتمال بھی ہو (بلکہ ان کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں) یعنی وہ بڑے جواد و کریم ہیں، لیکن چونکہ حکیم بھی ہیں اس

لئے (جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں) پس یہود پر جو تنگی ہوئی اس کی علت خدا کا بخل نہیں بلکہ یہ حکمت ہے کہ ان کے کفر کا وبال ان کو چکھانا مقصود ہے (اور) یہود کے کفر اور سرکشی کی یہ حالت ہے کہ ان کو یہ توفیق نہ ہوگی کہ مثلاً اپنے قول کا باطل ہونا دلیل سے سن لیا تو اس سے توبہ کرلیں، نہیں بلکہ الٹا (جو مضمون آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بھیجا جاتا ہے، وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے) وہ اس طرح سے کہ وہ اس کا بھی انکار کرتے ہیں، لہٰذا کچھ تو پہلی سرکشی اور کفر تھا پھر اور بڑھ گیا۔ (اور) ان کے کفر سے جو ان پر لعنت یعنی رحمت سے دوری واقع کی گئی ہے اس کے دنیوی آثار میں سے ایک یہ ہے کہ (ہم نے ان میں باہم) دین کے بارے میں (قیامت تک عداوت اور بغض ڈال دیا) چنانچہ ان میں مختلف فرقے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کا دشمن، چنانچہ باہمی عداوت وبغض کی وجہ سے (جب کبھی) مسلمانوں کے ساتھ (لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں) یعنی لڑنے کا ارادہ کرتے ہیں (حق تعالیٰ اس کو فرو کر دیتے ہیں) اور بجھا دیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اول تو یہود کے آپس کے اختلاف کی وجہ سے ان میں اتفاق کی نوبت نہیں آتی یا مرعوب ہو جاتے ہیں اور اگر لڑائی کا کچھ سامان کر بھی لیتے ہیں تو جلد ہی مغلوب ہو جاتے ہیں۔ (اور) جب لڑائی سے رہ جاتے ہیں یا مغلوب ہو جاتے ہیں تو اپنی عداوت دوسری طرح نکالتے ہیں کہ (ملک میں) خفیہ (فساد کرتے پھرتے ہیں) جیسے نومسلموں کو بہکانا، لگائی بجھائی کرنا، عوام کو توریت کے تحریف شدہ مضامین سنا کر اسلام سے روکنا (اور اللہ تعالیٰ) چونکہ (فساد کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتے) بلکہ مبغوض رکھتے ہیں، اس لئے اس فساد کی ان کو خوب سزا ہوگی خواہ دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور ہوگی۔

فائدہ: 1- اللہ تعالیٰ کے لئے جہاں ہاتھ، پاؤں، آنکھ وغیرہ ذکر کئے گئے ہیں تو ان سے یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہماری طرح کے سے ہوں گے۔ ان کی حقیقت اور کیفیت سے ہم واقف نہیں بس ان سے اللہ تعالیٰ کی شایان شان صفات مراد ہیں۔

2- اس مضمون سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام میں جب تک باہمی محبت اور اخوت مستحکم رہے گی اور رشد وصلاح کی راہ پر گامزن رہیں گے اور فتنہ وفساد سے بچنے کا اہتمام رہے گا یعنی ایک حق رستے پر رہیں گے اور گمراہی کے رستے ایجاد نہیں کریں گے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں تھا اس وقت تک اہل کتاب کی سب کوششیں ان کے حق میں بے کار رہیں گی۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ آپس کے انتشار کی وجہ سے مسلمان کمزور ہوں گے (اگرچہ اس انتشار کا سبب مسلمانوں میں سے گمراہ لوگ ہی ہوں) اور کافروں کو موقع ملے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انتشار سے بچنے کیلئے گمراہوں سے

مصالحت کر لی جائے اور ان پر نکیر نہ کی جائے کیونکہ اس طرح سے تو اصل دین ہی بگڑتا ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں کی حکومتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ گمراہیوں کو ختم کریں اور سب مسلمانوں کو ایک حق دین پر لانے کی عملی کوشش کریں۔

ربط: اہل کتاب کے مذکورہ بالا شدید جرائم اور سخت شرارتوں کے باوجود آگے ان کے لئے اب بھی دعوت ہے کہ اگر وہ اپنے رویہ سے تائب ہو کر نبی ﷺ اور قرآن پر ایمان لے آتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں تو توبہ کا دروازہ ان کے لئے بند نہیں ہوا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ۧ

ترجمہ: اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو دور کر دیتے ہم ان سے ان کی برائیاں اور داخل کر دیتے ہم ان کو نعمت کے باغوں میں۔ اور اگر وہ قائم رکھتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو اتارا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے تو کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے۔ ان میں سے ایک جماعت راہ راست پر چلنے والی ہے اور بہت سے ان میں برے کام کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور) یہود و نصاریٰ جن حق باتوں کے منکر ہیں جیسے رسالت محمدیہ ﷺ وحقانیت قرآن، وغیرہ (اگر یہ اہل کتاب) ان سب پر (ایمان لے آتے اور) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے جن باتوں کا کفر اور معصیت ہونا بتلایا گیا ہے ان سب سے (تقویٰ) یعنی پرہیز (اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی تمام) گذشتہ (برائیاں) کفر اور شرک اور معاصی جن میں سب اقوال و احوال آ گئے (معاف کر دیتے اور) معاف کر کے (ضرور ان کو چین) اور آرام (کے باغوں میں) یعنی بہشت میں (داخل کرتے)۔ یہ تو اخروی برکات ہوئیں۔ (اور اگر یہ لوگ) مذکورہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاتا ہے کہ (توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے) اب (ان کے پاس) رسول اللہ ﷺ کے واسطے سے (بھیجی گئی) یعنی قرآن (اس کی

پوری پابندی کرتے) یعنی ان میں جس جس بات پر عمل کرنے کو لکھا ہے سب پر پورا عمل کرتے ، اس میں تصدیق رسالت بھی آگئی ، اور اس سے تحریف شدہ اور منسوخ احکام نکل گئے کیونکہ یہ سب کتابیں ان پر عمل کرنے کو نہیں کہتیں بلکہ منع کرتی ہیں (تو یہ لوگ) اس وجہ سے کہ (اوپر سے) یعنی آسمان سے پانی برستا (اور نیچے سے) یعنی زمین سے پیداوار ہوتی (خوب فراغت سے کھاتے) برتتے ، یہ ایمان کی برکات کا ذکر ہوا۔ لیکن یہ لوگ کفر پر مصر رہے اس لئے تنگی میں مبتلا کئے گئے ، جس پر بعض نے حق تعالیٰ کی شان میں بخل کی نسبت کر کے گستاخی کی ، مگر پھر بھی سب یہود و نصاریٰ برابر نہیں ، چنانچہ (ان) ہی (میں ایک جماعت) رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ایمان قبول کر کے (راہ راست پر چلنے والی) بھی (ہے) جیسے یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور نصاریٰ میں حضرت نجاشی اور ان کے ساتھی ، لیکن ایسے قلیل ہی ہیں (اور) باقی (زیادہ ان میں ایسے ہی ہیں کہ ان کے کردار بہت برے ہیں) کیونکہ کفر و عناد سے بدتر کیا کردار ہوگا۔

ربط: پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کی شرارت ، کفر اور نافرمانیوں کا ذکر کر کے تورات ، انجیل ، قرآن یعنی تمام آسمانی کتابوں کی پابندی کی ترغیب دی گئی تھی۔ آئندہ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ سے اہل کتاب کے مجمع میں اعلان کرنا چاہتے ہیں کہ اس پابندی کے بغیر تمہاری مذہبی زندگی بالکل صفر ہے۔ اب موجودہ آیت میں اسی دوٹوک اعلان کے لئے رسول اللہ ﷺ کو تیار کیا گیا ہے یعنی آپ پر جو کچھ خدا کی طرف سے اتارا جائے خصوصاً اس طرح کے فیصلہ کن اعلانات آپ بلا خوف و خطر پہنچاتے رہئے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ: اے رسول پہنچا دے جو اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اور اگر تو نے (ایسا) نہ کیا تو تو نے (کچھ) نہ پہنچایا اس کا پیغام۔ اور اللہ بچائے گا تجھ کو لوگوں سے بے شک اللہ نہیں راہ دکھاتا قوم کفار کو۔

تفسیر: (اے رسول) ﷺ (جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ) لوگوں کو (سب پہنچا دیجئے اور اگر) بفرض محال (آپ ایسا نہ کریں گے) اور کچھ حصہ نہ پہنچائیں

گے تو) ایسا سمجھا جائے گا جیسے (آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام) بالکل بھی (نہیں پہنچایا) کیونکہ کل مجموعہ کا پہنچانا فرض ہے، تو جیسا کل مجموعہ کے اخفاء اور چھپا لینے سے یہ فرض فوت ہوتا ہے اسی طرح بعض کے اخفاء سے بھی وہ فرض فوت ہوتا ہے (اور) تبلیغ کے باب میں کفار کا کچھ خوف نہ کیجئے، کیونکہ (اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے) یعنی اس سے کہ وہ آپ کے مقابل ہو کر آپ کو قتل و ہلاک کر ڈالیں (محفوظ رکھے گا) اور (یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو) یعنی جنہوں نے کفر و انکار ہی پر کمر باندھی ہے ان کو (راہ ہدایت نہیں دکھاتے) لہٰذا ایسے لوگ اگر راہ راست پر نہ آئیں تو آپ مایوس نہ ہوں۔

فائدہ: 1- تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عام طور سے فریضہ تبلیغ میں کوتاہی چند وجوہ سے ہوتی ہے۔

i- فرض کی اہمیت کا کافی احساس نہ ہو۔

ii- لوگوں کی عام مخالفت سے شدید نقصان کا خوف ہو۔

iii- لوگوں کی عام سرکشی کی بنا پر نتائج سے مایوسی ہو۔

ان آیات میں پہلی وجہ کا جواب یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ سے فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ تک میں دیا، دوسری وجہ کے تدارک میں وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ فرمایا اور تیسری وجہ کے تدارک میں فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ۔

2- حفاظت کا وعدہ اسی طرح پورا ہوا۔ اگرچہ بعض غزوات میں آپ زخمی ہوئے اور یہود نے آپ کو زہر بھی دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچایا۔ جامع ترمذی میں ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اب سب چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کر لی ہے۔

ربط: اہل کتاب کو اب اعلانیہ بتایا جاتا ہے کہ اگر تم قرآن وغیرہ کی پابندی نہیں کرو گے تو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا کہ آخرت میں کامیاب ہو جاؤ گے کیونکہ اس کے بغیر تمہاری مذہبی زندگی صفر ہے۔ اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی اور ان پر غم نہ کرنے کی تلقین کی۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ
وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ
مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّکُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: کہہ دے اے اہل کتاب نہیں ہو تم کسی راہ پر یہاں تک کہ تم قائم کرو توریت کو اور انجیل کو اور اس کو جو اتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے۔ اور ضرور بڑھائے گا بہت سوں کو ان میں سے ..کلام سے جو اتارا گیا تجھ پر تیرے رب کی طرف سے شرارت میں اور کفر میں۔ سو تو افسوس نہ کر (اس) قوم کفار پر۔

تفسیر: (آپ) ﷺ ان یہود و نصاریٰ سے (کہئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں) کیونکہ غیر مقبول راہ پر ہونا مثل بے راہ ہونے کے ہے (جب تک کہ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب) اب (تمہارے پاس) بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے (تمہارے رب کی طرف سے بھیجی گئی ہے) یعنی قرآن (اس کی بھی پوری پابندی نہ کرو گے) ان کی پابندی کے معنی اور ترغیب اور برکات اوپر ذکر ہوئے ہیں (اور) اے محمد ﷺ چونکہ ان میں اکثر لوگ بے جا تعصب میں مبتلا ہیں اس لئے یہ (ضرور) ہے کہ (جو مضمون آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے بھیجا جاتا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کی ترقی کا سبب ہو جاتا ہے)۔ اور اس میں ممکن ہے کہ آپ کو رنج و غم ہو، لیکن جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ متعصب ہیں (تو آپ ان کافر لوگوں) کی اس حالت (پر غم نہ کیا کیجئے)۹

ربط: یہ بتانے کے بعد کہ اہل کتاب تو بے راہ ہیں اور دینی اعتبار سے صفر ہیں آگے ان کو عمومی قانون کے ذریعہ جو اہل کتاب و غیر اہل کتاب سب کو شامل ہے اسلام کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ قانون یہ ہے کہ جو قوم مسلمان کہلاتی ہے یا یہود یا نصاری یا صابی یا کچھ اور کوئی شخص ان ناموں کی بدولت یا نسل، رنگ، پیشہ، وطن وغیرہ کے لحاظ سے حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ کامیاب ہونے کا صرف ایک ہی معیار ہے یعنی ایمان و عمل صالح۔ جس کو اپنے کامیاب ہونے کا دعویٰ ہو وہ اپنے کو اس معیار پر پرکھ لے۔ اگر پورا اترے تو بلا خوف و خطر کامیاب ہے ورنہ پھر خدا کے قہر و غضب سے ڈرے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: بے شک جو مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور فرقہ صابی اور نصاریٰ جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اور عمل کرے نیک نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں

گے۔

تفسیر: (یہ تحقیقی بات ہے کہ مسلمان اور یہودی اور صابی فرقہ اور نصاریٰ) ان سب میں (جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ) کی ذات وصفات (پر اور روز قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے) یعنی شریعت کے موافق کرے (ایسوں پر) آخرت میں (نہ کسی طرح کا اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ربط: کامیابی اور اللہ کے ہاں قبولیت کے معیار یعنی ایمان وعمل صالح کے ذکر کے بعد آگے اس کو بتاتے ہیں کہ یہود اس معیار پر تو بالکل پورے نہیں اترتے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ
اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا
كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا
وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ
وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: لیا تھا ہم نے پختہ عہد بنی اسرائیل کا اور بھیجے ہم نے ان کی طرف رسول۔ جب بھی لایا ان کے پاس کوئی رسول وہ حکم جو نہیں پسند کیا ان کے نفسوں نے تو بعض کو انہوں نے جھٹلایا اور بعض کو وہ قتل کر ڈالتے تھے۔ اور انہوں نے خیال کیا کہ نہ ہو گی کچھ خرابی سو اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے پھر توجہ کی اللہ نے ان پر پھر اندھے ہوئے اور بہرے ہوئے بہت ان میں سے اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: (ہم نے بنی اسرائیل سے) یعنی یہود سے اول توریت میں تمام پیغمبروں کی تصدیق واطاعت کا (عہد لیا اور) اس عہد کے یاد دلانے کو (ہم نے ان کے پاس بہت پیغمبر بھیجے) لیکن ان کی یہ حالت تھی کہ (جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم لایا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا) تب ہی ان کے ساتھ مخالفت سے پیش آئے (سو بعضوں کو) تو (جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو) بے دھڑک (قتل ہی کر ڈالتے تھے۔ اور) ہمیشہ ہر شرارت پر جب چند روزہ مہلت دی گئی انہوں نے (یہی گمان کیا کہ کچھ سزا نہ ہو گی۔ اس) گمان (سے اور بھی اندھے اور بہرے) کی طرح (بن گئے) کہ نہ انبیاء کے صدق کے دلائل کو دیکھا نہ ان کے کلام کو سنا (پھر) ایک مدت کے بعد (اللہ تعالیٰ نے ان پر) رحمت کے ساتھ

(توجہ فرمائی) کہ اور کسی پیغمبر کو بھیجا کہ اب بھی راہ پر آ جائیں مگر (پھر بھی) اسی طرح (اندھے اور بہرے بنے رہے یعنی) سب تو نہیں مگر (ان میں سے بہت سے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے) ان (اعمال کو خوب دیکھنے والے ہیں) یعنی ان کا گمان غلط تھا، چنانچہ ان کو وقتاً فوقتاً سزا بھی ہوتی رہی، مگر ان کا یہی شیوہ رہا، حتی کہ اب آپ ﷺ کے ساتھ بھی اسی طرح تکذیب وخلاف کا برتاؤ کیا۔

ربط: آگے نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت دکھائی کہ وہ بھی اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَھُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾

ترجمہ: بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ وہی مسیح بن مریم ہے حالانکہ کہا مسیح نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو اللہ کی میرے رب کی اور اپنے رب کی بے شک جو شریک ٹھہرائے اللہ کا سو حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور نہیں ہے گنہگاروں کے لئے کوئی مدد کرنے والا۔ بیشک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ ہے تیسرا تین (میں) کا حالانکہ نہیں کوئی معبود سوائے ایک معبود کے۔ اور اگر نہ باز آئیں اس بات سے جو کہتے ہیں تو بیشک پہنچے گا ان کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک، کیا نہیں توبہ کرتے اللہ کے آگے اور گناہ بخشواتے اس سے حالانکہ اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

تفسیر: (بیشک وہ لوگ کافر ہو چکے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ عین مسیح بن مریم ہے) یعنی دونوں میں اتحاد ہے (حالانکہ) حضرت (مسیح نے خود فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی

عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے) اور اس قول میں اپنے رب کے پروردہ اور بندہ ہونے کی تصریح ہے، پھر ان کو الہ کہنا وہی بات ہے کہ مدعی سست گواہ چست (بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ) کسی کو خدائی میں یا خدائی خصوصیات میں (شریک قرار دے گا سو اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دے گا، اور اس کا ٹھکانا) ہمیشہ کے لئے (دوزخ ہے، اور ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا) کہ دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچا سکے۔ اور جیسے عقیدہ اتحاد کفر ہے اسی طرح عقیدہ تثلیث بھی کفر ہے پس (بلاشبہ وہ لوگ بھی کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین) معبودوں (میں کا ایک ہے، حالانکہ سوائے ایک معبود) حق (کے اور کوئی معبود) حق (نہیں) نہ دو اور نہ تین، جب یہ عقیدہ بھی کفر وشرک ہے تو اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ الخ میں جو سزا مذکور ہے وہ اس پر بھی مرتب ہوگی (اور اگر یہ) دونوں عقیدہ کے (لوگ اپنے اقوال) کفریہ (سے باز نہ آئے تو) سمجھ رکھیں کہ (جو لوگ ان میں کافر رہیں گے ان پر) آخرت میں (دردناک عذاب واقع ہوگا۔ کیا) توحید کے اور عذاب کی وعید کے ان مضامین کو سن کر (پھر بھی) اپنے ان عقائد واقوال سے (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ) جب کوئی توبہ کرتا ہے تو (بڑی مغفرت کرنے والے) اور (بڑی رحمت کرنے والے ہیں)۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ نصاریٰ بھی کامیابی کے معیار پر پورے نہیں اترتے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں جو کہ بالکل باطل عقیدہ ہے اور اس کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: نہیں ہے مسیح بن مریم مگر رسول۔ گزر چکے اس سے پہلے بہت رسول اور اس کی ماں ولی ہے دونوں کھاتے تھے کھانا۔ دیکھ کیسے ہم بتاتے ہیں ان کو دلیلیں پھر دیکھ کہاں وہ الٹے جا رہے ہیں۔

تفسیر: (مسیح بن مریم) عین خدا یا جزو خدا (کچھ بھی نہیں صرف ایک پیغمبر ہیں جن سے پہلے اور بھی پیغمبر) معجزات والے (گزر چکے ہیں) جن کو عیسائی خدا نہیں مانتے، پس اگر پیغمبری یا

خرق عادت دلیل الوہیت ہے تو سب پیغمبروں کو الٰہ ماننا چاہئے۔ اور اگر دلیل الوہیت نہیں ہے تو حضرت مسیح کو کیوں الٰہ کہا جائے، غرض جب دوسروں کو الٰہ نہیں کہتے تو عیسیٰ السلام کو بھی مت کہو (اور) اسی طرح (ان کی والدہ) بھی الٰہ یا جزو الٰہ نہیں بلکہ وہ (ایک ولی خاتون ہیں) جیسی اور عورتیں بھی ولی ہو چکی ہیں، اور دونوں حضرات کے الٰہ نہ ہونے کے دلائل میں سے ایک سہل دلیل یہ ہے کہ (دونوں) حضرات (کھانا کھایا کرتے تھے) اور جو شخص کھانا کھاتا ہے وہ اس کا محتاج ہوتا ہے اور کھانے کے واسطے سے دنیا بھر کی چیزوں کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں کو حاصل کرنے کیلئے زمین، پانی، ہوا، سورج اور حیوانات کی احتیاج ہے۔ پھر وہ اس کا بھی محتاج ہے کہ کھانا پیٹ میں پہنچے اور ہضم ہو اور غذائیت جزو بدن بنے اور فضلات جسم سے خارج ہوں، اور کھانا کھانا مادیات کے خواص میں سے ہے۔ اور احتیاج اور مادیت ممکنات کا خاصہ ہے خدا کا نہیں (دیکھئے تو) سہی (ہم کیونکر صاف صاف دلائل ان سے بیان کر رہے ہیں، پھر دیکھئے وہ الٹے کدھر جا رہے ہیں)۔

ربط: اوپر الوہیت مسیح کا ابطال کر کے آگے اس کے قائلین کو توبیخ کرتے ہیں کہ تم صرف شرک فی الذات ہی کے نہیں بلکہ شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت کے بھی مرتکب ہو حالانکہ اس کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷٦﴾

ترجمہ: تو کہہ دے کیا تم بندگی کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی جو مالک نہیں تمہارے برے کی اور نہ بھلے کی اور اللہ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

تفسیر: (آپ) ان سے (فرمائیے کیا خدا کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو نہ تم کو کوئی ضرر پہنچانے کا اختیار رکھتا ہو اور نہ نفع پہنچانے کا) اختیار رکھتا ہو بلکہ اس اعتبار سے وہ عاجز ہے اور عاجز ہونا خود خدائی کے منافی ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ سب سنتے ہیں جانتے ہیں) پھر بھی خدا سے نہیں ڈرتے اور اپنے کفر و شرک سے باز نہیں آتے۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے میں نصاریٰ کے وہ افعال بھی داخل ہیں جو عبادت میں خاص اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں اور ان کا غیر مقدور العبد کاموں میں حضرت عیسیٰ سے استغاثہ اور فریاد کرنا بھی شامل ہے۔

ربط: باطل عقائد میں اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے پچھلے لوگوں کے عقیدوں کو دلیل بناتے

ہیں اس لئے اہل کتاب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جو لوگ خود غلطی میں مبتلا تھے اور دوسروں کو غلطی میں مبتلا کرتے تھے ان کے پیچھے مت چلو اگرچہ وہ تمہارے بڑے ہی ہوں۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ غَيْرَ ٱلْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوٓا۟ أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا۟ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّوا۟ كَثِيرًا وَضَلُّوا۟ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٧٧﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب مت غلو کرو اپنے دین میں ناحق کا اور مت پیروی کرو خیالات کی ایسے لوگوں کے جو گمراہ ہو چکے پہلے اور گمراہ کر گئے بہتوں کو اور بہک گئے سیدھی راہ سے۔

تفسیر: (آپ) ان نصاریٰ سے (فرمائیے کہ اے اہل کتاب تم اپنے دین) کے معاملہ (میں ناحق کا غلو) اور افراط (مت کرو اور اس) افراط کے باب (میں ان لوگوں کے خیالات) یعنی بے سند باتوں (پرمت چلو جو) اس وقت سے (پہلے خود بھی غلطی میں پڑ چکے ہیں اور) اپنے ساتھ (اور بہتوں کو) لے کر ڈوبے ہیں اور (غلطی میں ڈال چکے ہیں اور) ان کی غلطی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ حق مفقود ہو گیا ہو اس کا پتہ نہ لگتا ہو بلکہ (وہ لوگ راہ راست) کے ہوتے ہوئے قصداً اس (سے دور) اور علیحدہ (ہو گئے تھے) اور اب جب ان لوگوں کی غلطی دلائل سے ثابت ہو گئی پھر ان کا اتباع کیوں نہیں چھوڑتے۔

ربط: اہل کتاب کو دعوت و تبلیغ کرنے اور احقاق حق و ابطال باطل کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ ان سے حق کو قبول کرنے کی امید نہیں کیونکہ یہود کے اگلے لوگوں کا حال یہ تھا کہ

لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: لعنت کئے گئے کافر بنی اسرائیل میں سے داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر گئے تھے۔ وہ باز نہ آتے تھے برے کام سے جو وہ کر رہے تھے۔ کیا ہی برا کام ہے جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر: (بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت (لعنت کی گئی تھی) زبور اور انجیل میں جس کا ظہور حضرت (داوٗد) علیہ السلام (اور) حضرت (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (کی زبان سے) ہوا یعنی زبور اور انجیل میں کافروں پر لعنت لکھی تھی، جیسے قرآن مجید میں بھی ہے فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ، چونکہ یہ کتابیں حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئیں اس لئے یہ مضمون ان کی زبان سے ظاہر ہوا اور یہ لعنت (اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی) اعتقادی (مخالفت کی) جو کہ کفر ہے (اور) اس مخالفت میں (حد سے) بہت دور (نکل گئے) یعنی کفر بھی شدید تھا، پھر شدید کے ساتھ دائمی بھی تھا چنانچہ (جو برا کام) یعنی کفر (انہوں نے) اختیار (کر رکھا تھا اس سے) آئندہ کو (باز نہ آتے تھے) بلکہ اس پر مصر تھے، پس ان کے شدید و دائمی کفر کے سبب ان پر شدید لعنت ہوئی (واقعی ان کا) یہ (فعل) مذکور یعنی کفر پھر وہ بھی شدید اور دائمی (بیشک برا تھا) کہ اس پر یہ سزا مرتب ہوئی۔

ربط: اور یہود کے موجودہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: تو دیکھتا ہے بہت سوں کو ان میں سے دوستی کرتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا (سامان ہے) جو بھیجا اپنے واسطے خود انہوں نے۔ وہ یہ کہ غضبناک ہوا اللہ ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی پر اور (اس پر) جو اتارا گیا اس (نبی) کی طرف تو نہ بناتے ان (کافروں) کو دوست اور لیکن بہت سے لوگ ان میں سے نافرمان ہیں۔

تفسیر: (آپ ان) یہود (میں بہت سے آدمی دیکھیں گے کہ) مشرک (کافروں سے دوستی کرتے ہیں) چنانچہ یہود مدینہ اور مشرکین مکہ چونکہ دونوں کافر تھے اور اس کی وجہ سے دونوں ہی مسلمانوں سے عداوت رکھتے تھے اس لئے ان دونوں میں باہم خوب موافقت تھی۔ (جو کام ان یہود مدینہ نے آگے) بھگتنے (کے لئے کیا ہے) یعنی کفر جو سبب تھا کفار کے ساتھ دوستی کا اور مومنین کے

ساتھ عداوت کا (وہ بے شک برا ہے کہ) اس کے سبب (اللہ تعالیٰ ان پر) ہمیشہ کے لئے (ناراض ہوا اور) اس دائمی ناراضگی کا ثمرہ یہ ہوگا کہ (یہ لوگ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے، اور اگر یہ) یہودی (لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر) یعنی موسیٰ علیہ السلام (پر) ایمان رکھتے جس کا ان کو دعویٰ ہے (اور اس کتاب پر) ایمان رکھتے (جو ان) پیغمبر (کے پاس بھیجی گئی تھی) یعنی توریت پر (تو ان) مشرکین (کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں زیادہ لوگ) دائرہ (ایمان سے خارج ہی ہیں) اس لئے کافروں کے ساتھ ان کا اتحاد اور ان کی دوستی ہوگئی۔

ربط: آگے اس وقت کے نصاریٰ کا حال بتاتے ہیں کہ وہ بھی مسلمانوں کے مخالف تھے اور اسلام سے جلتے تھے لیکن ان میں قبول حق کی استعداد یہود و مشرکین کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ ان کے دل اسلام اور مسلمانوں سے محبت کرنے کی طرف نسبۃً جلد مائل ہو جاتے تھے۔ اس کو واضح کرنے کے لئے یہود و مشرکین سے انکا تقابل بھی کیا گیا۔ نصاریٰ کے اس حال کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک ان میں علم دین کا چرچا دوسری قوموں سے زائد تھا، اپنے طریقہ کے موافق ترک دنیا اور زاہدانہ زندگی اختیار کرنے والے ان میں بکثرت پائے جاتے تھے اور نرم دلی اور تواضع ان کی خاص صفت تھی۔ اور جس قوم میں یہ خصلتیں کثرت سے پائی جائیں ان کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس میں قبول حق اور سلامت روی کا مادہ دوسری اقوام سے زیادہ ہو کیونکہ حق کو قبول کرنے سے عموماً تین چیزیں مانع ہوتی ہیں جہالت، حب دنیا اور تکبر، عیسائیوں میں قسیوں اور علماء کا وجود جہالت کو، راہبوں اور درویشوں کی کثرت حب دنیا کو، نرم دلی اور تواضع کی صفت تکبر کو کم کرتی تھی۔ اسی لئے قیصر روم، مقوقس مصر اور حبشہ کے نجاشی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و دعوت کے ساتھ جو کچھ برتاؤ کیا وہ اس پر گواہ ہے کہ اس وقت عیسائیوں میں حق کو قبول کرنے کی اور مسلمانوں کے ساتھ مودت رکھنے کی صلاحیت دوسری اقوام کی بنسبت زیادہ تھی۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

ترجمہ: تو پائے گا زیادہ سخت سب لوگوں سے دشمنی میں مسلمانوں کے لئے یہودیوں کو اور مشرکوں کو اور تو پائے گا زیادہ نزدیک ان سب سے محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس وجہ سے کہ نصاریٰ میں عالم ہیں اور درویش ہیں

اور اس واسطے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

تفسیر: اپنے دور کے غیر مسلموں میں (تمام آدمیوں سے زیادہ مسلمانوں سے عداوت رکھنے والے آپ ان یہود اور ان مشرکین کو پائیں گے اور ان) غیر مسلموں (میں مسلمانوں کے ساتھ دوستی رکھنے کے قریب تر) بہ نسبت اوروں کے (ان لوگوں کو پائیں گے جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں) قریب تر کا یہ مطلب ہے کہ دوست تو وہ بھی نہیں، مگر دوسرے کفار سے غنیمت ہیں (یہ) دوستی سے قریب تر ہونا اور عداوت میں کم ہونا (اس سبب سے ہے کہ ان) نصاریٰ (میں بہت سے علم دوست عالم ہیں، اور بہت سے تارک دنیا درویش ہیں) اور جب کسی قوم میں ایسے لوگ بکثرت ہوتے ہیں تو عوام میں بھی حق کے ساتھ زیادہ عناد نہیں رہتا، اگرچہ خواص و عوام حق کو قبول بھی نہ کریں (اور اس سبب سے ہے کہ) یہ نصاریٰ (لوگ متکبر نہیں ہیں) قسیوں اور راہبوں سے جلدی متاثر ہو جاتے ہیں اور نیز تواضع کا خاصہ ہے کہ وہ حق بات کے سامنے نرم ہو جاتا ہے اس لئے ان کو زیادہ عداوتیں نہیں ہیں۔ ان کے برخلاف یہود و مشرکین محبّ دنیا اور متکبر ہیں۔

فائدہ: 1- اس وقت کے نصاریٰ کی مذکورہ بالا حالت ہی کی وجہ سے زیادہ نصرانی عالم و غیر عالم مسلمان ہوئے۔ یہود میں سے بھی اگرچہ بعض عالم مسلمان ہوئے لیکن چونکہ وہ بہت تھوڑے تھے اس لئے عوام میں ان کا زیادہ اثر نہیں ہوا اور ان میں عناد و انکار ہی رہا جو شدید عداوت کا سبب ہے۔ اس لئے یہودی عوام تو بہت ہی کم مسلمان ہوئے۔

2- بعد کے ادوار میں

یہاں تک کہ آج کے دور میں بھی عیسائیوں میں چونکہ صحیح علم اور ترک دنیا و زہد اور تواضع و انکساری کی خصلتیں عام طور سے باقی نہ رہیں تو ان میں مسلمانوں کے ساتھ قرب مودت بھی نہیں ہے۔

ربط: آگے مسلمان ہونے والے ستر نصاریٰ کی مدح کرتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ
الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾
فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

ترجمہ: اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو اتارا گیا رسول کی طرف تو تو دیکھتا ہے ان کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے پہچان لیا حق بات کو۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے سو تو لکھ ہم کو ماننے والوں کے ساتھ۔ اور کیا ہے ہم کو کہ نہ ہم ایمان رکھیں اللہ پر اور اس چیز پر جو آئی ہمارے پاس حق سے اور توقع رکھیں اس کی کہ داخل کرے ہم کو رب ہمارا ساتھ نیک بختوں کے۔ سو بدلے میں دیئے ان کو اللہ نے ان کے (اس) کہنے پر ایسے باغ کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ کو رہیں گے ان میں اور یہ ہے بدلہ نیکی کرنے والوں کا، اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلانے لگے ہماری آیتوں کو وہ ہیں دوزخ والے۔

تفسیر: (اور جب وہ) مثلاً حبشہ سے آئے ہوئے ستر عیسائی جو مسلمان ہو گئے تھے (اس) کلام (کو سنتے ہیں جو کہ رسول) ﷺ (کی طرف بھیجا گیا ہے) یعنی قرآن (تو آپ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہتی ہوئی دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے) دین (حق) یعنی اسلام (کو پہچان لیا)۔ مطلب یہ ہے کہ حق کو سن کر متاثر ہوتے ہیں اور (یوں کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لیجئے) یعنی ان میں شمار کر لیجئے (جو) محمد ﷺ اور قرآن کے حق ہونے کی (تصدیق کرتے ہیں۔ اور ہمارے پاس کونسا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر) حضرت محمد ﷺ کے دین کے مطابق (اور جو) دین (حق ہم کو) اب (پہنچا ہے اس پر

ایمان نہ لائیں اور) پھر (اس بات کی امید) بھی (رکھیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک) مقبول (لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا) کیونکہ ہم جان گئے ہیں کہ نیک لوگوں کی معیت موقوف ہے اسلام قبول کرنے پر اس لئے ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ (سو ان) لوگوں (کو اللہ تعالیٰ ان کے) اس (قول) اور عقیدے (کی جزا میں ایسے باغ) بہشت کے (دیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی) اور (یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے اور نیکوکاروں کی یہی جزا ہے اور) ان کے برخلاف (جو لوگ کافر رہے اور ہماری آیات) واحکام (کو جھوٹا کہتے رہے وہ لوگ دوزخ) میں رہنے (والے ہیں)۔

ربط: آغاز سورت میں ایفائے عہد کی تاکید کے بعد کچھ احکام بیان کئے گئے تھے۔ آگے پھر اسی مضمون کی طرف لوٹتے ہوئے چند اور احکام بیان کرتے ہیں۔

حلال چیزوں کی تحریم سے ممانعت

اس کا پچھلے مضمون سے یہ تعلق ہے کہ اوپر یہود ونصاریٰ کی جو قباحتیں ذکر ہوئیں ان کا خلاصہ دو چیزیں تھیں یعنی یہود کا دنیا کی لذات وشہوات اور حرام خوری میں انہماک تھا جو دین میں تفریط و کوتاہی کا سبب ہوا جب کہ نصاریٰ کا دین میں غلو اور افراط تھا جو رہبانیت تک لے گیا۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم نہ تو دین میں افراط وغلو کرو کہ حلال اور پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لو اور نہ ہی دین میں تفریط کرو کہ دنیوی چیزوں کی لذتوں میں منہمک ہو کر حد اعتدال سے گزر جاؤ اور دنیوی حیات ہی کو اپنا مطمح نظر بنا لو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ وہ لذیذ چیزیں جو حلال کر دیں اللہ نے تمہارے لئے اور مت بڑھو حد سے بیشک اللہ نہیں پسند کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور کھاؤ اس میں سے جو دیا تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے واسطے حلال کی ہیں) خواہ وہ

کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں ہوں یا نکاح میں عورتیں ہوں (ان میں لذیذ) اور مرغوب (چیزوں کو) قسم وعہد کر کے اپنے نفسوں پر (حرام مت کرو اور حدود) شرعیہ (سے) جو کہ اشیاء کی حلت و حرمت کے بارے میں مقرر ہیں (آگے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد) شرعی (سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اور خدا تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ) اور استعمال کرو۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو) یعنی حلال کو حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اس کا ارتکاب مت کرو۔

فائدہ: حلال کو حرام ٹھہرانا تین طرح سے ہے۔

1- اعتقادی یعنی حلال کو حرام اعتقاد کرنا۔ اگر کسی ایسی شے کو حرام سمجھا جس کا حلال ہونا قطعی دلیل سے ثابت ہے مثلاً گائے کا گوشت تو اس تحریم سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔

2- زبانی یعنی زبان سے یوں کہے کہ میں فلاں چیز کو اپنے اوپر حرام کرتا ہوں یا فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو اس طرح کہنے سے قسم ہو جاتی ہے۔ اس قسم کو توڑ کر قسم کا کفارہ دینا چاہیئے۔

3- عملی یعنی ثواب کی نیت سے کسی حلال شے کو کبھی بھی استعمال نہ کرنا۔ یہ بدعت اور رہبانیت ہے اس کے خلاف کرنا واجب ہے۔

اگر کسی شے کا دائمی ترک ثواب کی نیت سے نہ ہو بلکہ کسی بیماری میں پرہیز یا علاج کے طور پر ہو تو یہ تحریم اور حرام ٹھہرانا نہیں ہے اور جائز ہے۔ بزرگوں سے جو مجاہدات منقول ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔

ربط: اوپر حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانے کا ذکر تھا۔ ایسا چونکہ قسم کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے اس لئے مناسبت کی بناء پر قسم اور اس کے کفارہ کا حکم بیان کرتے ہیں۔

ستر ہواں حکم: **قسم اور اس کا کفارہ**

قسم تین طرح پر ہوتی ہے۔

1- غموس: زمانہ حال یا زمانہ ماضی کے کسی کام پر جانتے بوجھتے جھوٹی قسم کھانا مثلاً نماز نہیں پڑھی لیکن کسی کے پوچھنے پر کہا کہ خدا کی قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں۔ اس پر کفارہ نہیں آتا صرف گناہ ہوتا ہے جس کے لئے توبہ کرنی ہوتی ہے۔

2- لغو: زمانہ ماضی یا زمانہ حال کے کسی کام پر غلط فہمی کی بنیاد پر خلاف واقعہ قسم کھالی۔ مثلاً کسی کو دور سے دیکھ کر سمجھا کہ وہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ پھر کسی کے پوچھنے پر کہا خدا کی قسم میں

نے زید کو دیکھا ہے۔ اس میں نہ گناہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر کفارہ آتا ہے۔

3- منعقد: زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی۔ اس کے خلاف کرنے پر کفارہ دینا ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں لغو یعنی بے اثر دو معنی میں آیا ہے۔

(i) جس پر گناہ نہ ہو۔ اس کا بیان سورہ بقرہ آیت 225 کے تحت گزر چکا ہے۔

(ii)- جس پر کفارہ نہ ہو۔ کفارہ صرف منعقد قسم پر آتا ہے۔ اس کے مقابل مذکورہ بالا دو قسمیں یعنی لغو اور غموس یہ دونوں یہاں آیت میں مذکور لغو کے تحت داخل ہیں کیونکہ ان میں کفارہ نہیں ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا

اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: نہیں مواخذہ کرتا تمہارا اللہ لغو پر تمہاری قسموں میں لیکن مواخذہ کرتا ہے تمہارا بوجہ تمہارے مضبوط باندھنے پر قسموں کو۔ سو کفارہ اس کا ہے کھانا دینا دس محتاجوں کو اوسط درجہ کا کھانا جو دیتے ہو اپنے گھر والوں کو یا کپڑا پہنا دینا دس محتاجوں کو یا آزاد کرنا ایک گردن (یعنی غلام) کا۔ اور جو نہ پائے تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے۔ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھا بیٹھو، اور حفاظت رکھو اپنی قسموں کی۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے احکام تاکہ تم شکر کرو۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ تم سے) دنیوی (مواخذہ نہیں فرماتے) یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے (تمہاری قسموں میں لغو قسم) توڑنے (پر لیکن) ایسا (مواخذہ اس پر فرماتے ہیں کہ تم قسموں کو) آئندہ کی بات پر (مستحکم کر دو) اور پھر اس کو توڑ دو۔ (سو اس) قسم کے توڑنے (کا کفارہ) ہے (دس محتاجوں کو کھانا دینا اوسط درجہ کا جو اپنے گھر والوں کو) معمول کے طور پر (کھانے کو دیا کرتے

ہو یا ان) دس محتاجوں کو (کپڑا دینا) اوسط درجہ کا (یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا) یعنی تینوں میں جس کو چاہے اختیار کر لے (اور جس کو) ان تینوں میں سے ایک کا بھی (مقدور نہ ہو تو) اس کا کفارہ (تین دن کے) متواتر (روزے ہیں۔ یہ) جو مذکور ہوا (کفارہ ہے تمہاری) ایسی (قسموں کا جب کہ تم قسم کھالو) اور پھر اس کو توڑ دو (اور) چونکہ یہ کفارہ واجب ہے اس لئے (اپنی قسموں کا خیال رکھا کرو) کبھی ایسا نہ ہو کہ قسم کو توڑ دو اور کفارہ نہ دو اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہ حکم تمہاری دنیوی و دینی مصلحتوں کی رعایت کے ساتھ بیان فرمایا ہے (اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے) دوسرے (احکام) بھی (بیان فرماتے ہیں تا کہ تم) اس بات پر بھی (شکر کیا کرو) کہ وہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت کرتے ہیں۔

اٹھارواں حکم: شراب اور جوئے وغیرہ کی حرمت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ
رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا
يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: اے ایمان والو بات تو بس یہ ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور پانسے (سب) گندی باتیں ہیں شیطان کے کام میں سے۔ سو بچتے رہو اس سے تا کہ تم فلاح پاؤ۔ بس چاہتا ہے شیطان کہ ڈالے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض بذریعہ شراب اور جوئے کے اور روکے تم کو اللہ کی یاد سے اور نماز سے۔ سو کیا (اب بھی) تم باز آنے والے ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم) آگے مذکور ان کی مضرتوں سے بچ کر (فلاح پاؤ) اور وہ مضرتیں دنیوی بھی ہیں اور دینی بھی جن کا بیان یہ ہے کہ (شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس) کے برتاؤ (میں عداوت اور) دلوں میں (بغض واقع کر دے) چنانچہ ظاہر ہے کہ شراب میں تو عقل قائم نہیں رہتی، گالی گلوچ دنگا فساد ہو جاتا ہے، جس سے بعد میں بھی طبعاً کدورت باقی رہتی ہے اور جوئے میں جو شخص ہارتا ہے اس کو

جیتنے والے پر غیظ ہوتا ہے اور جب اس کو رنج ہوگا دوسرے پر بھی اس کا اثر پہنچے گا، یہ تو دنیوی مضرت ہوئی (اور) شیطان یوں چاہتا ہے کہ اسی شراب اور جوئے کے ذریعہ سے (اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے) جو کہ اللہ کی یاد کا سب سے افضل طریقہ ہے (تم کو باز رکھے) چنانچہ یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ شراب میں تو اس کے ہوش ہی برقرار نہیں ہوتے اور قمار میں جیتنے والے کو تو سرور ونشاط اس درجہ ہوتا ہے کہ وہ اس میں غرق ہوتا ہے۔ اور ہارنے والے کو ہار کا رنج واضمحلال اور پھر اگلی مرتبہ جیتنے کی کوشش اس درجہ ہوتی ہے کہ اس سے فراغت نہیں ہوتی، یہ دینی مضرت ہوئی، جب یہ ایسی بری چیزیں ہیں (سو بتلاؤ اب بھی باز آؤ گے؟)۔

فائدہ: اس آیت سے پہلے بھی خمر یعنی شراب کے بارے میں بعض آیات نازل ہو چکی تھیں۔ سب سے پہلے سورہ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی: يَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (سورہ بقرہ) یعنی یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور (اگرچہ) لوگوں کے کچھ نفع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے کہیں بڑا ہے۔ گو اس سے شراب کی حرمت کی طرف واضح اشارہ کیا گیا ہے مگر چونکہ صاف طور پر اس کو چھوڑنے کا حکم نہیں تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا کہ اے اللہ ہمیں اس بارے میں شافی بیان عطا فرمائیے۔ اس کے بعد دوسری آیت سورہ نساء میں یہ آئی: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى یعنی اے ایمان والو جب تم نشہ میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس میں بھی شراب کی حرمت کی تصریح نہ تھی۔ وجہ یہ تھی کہ عرب میں شراب کا رواج انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اس کا دفعۃً چھڑا دینا عام لوگوں کے اعتبار سے آسان نہیں تھا اس لئے حکیمانہ طور پر درجہ بدرجہ پہلے دلوں میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور آہستہ آہستہ اس کی حرمت کے حکم سے مانوس کیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوسری آیت کو سن کر پھر وہی کہا کہ اے اللہ ہمیں اس بارے میں شافی ہدایت عطا فرمائیے۔ آخر کار سورہ مائدہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ آیات سنتے ہی پکار اٹھے کہ ہم باز آئے ہم باز آئے۔ لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے، شراب خانے برباد کر دیئے اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہتی پھرتی تھی۔

ربط: آگے اس بات پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو ہم نے علیحدہ علیحدہ حکم بتائے ہیں صرف ان ہی پر عمل کافی نہیں بلکہ تمام ہی احکام پر عمل کرو خواہ وہ قرآن میں ہوں یا قرآن سے باہر رسول

نے بتائے ہوں۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا‌ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ‏ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور بچتے رہو۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف پہنچا دینا ہے کھول کر۔

تفسیر: (اور تم) تمام احکام میں (اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول) ﷺ (کی اطاعت کرتے رہو اور) مخالفت حکم سے (احتیاط رکھو۔ اور اگر) اطاعت سے (اعراض کرو گے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمہ صرف صاف صاف) حکم کا (پہنچا دینا تھا) اور وہ اس کو بخوبی انجام دے چکے اور تم کو احکام پہنچا چکے اب تمہارے پاس کسی عذر کی گنجائش نہیں رہی۔

فائدہ: اس آیت میں بھی اور اطاعت کے مضمون پر مشتمل دیگر بہت سی آیتوں میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا۔ رسول کا لفظ استعمال کر کے واضح کر دیا کہ ان کی اطاعت بحیثیت رسول کے ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کے لئے ہے۔ بعض لوگ جو حدیث و سنت کے بالفعل انکاری ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں بتاتے ہیں ایک رسول ہونے کی جس کے تحت آپ نے قرآن لوگوں تک پہنچایا اور دوسری مرکز ملت یا مرکزی حکمران ہونے کی جس کے تحت آپ نے اپنے زمانے کے اعتبار سے قرآن کی تعبیر و تفسیر کی اور اس کا نفاذ کیا۔ یہ بہت بڑی گمراہی ہے اور یہ لوگ ہر نئے آنے والے حکمران کو مرکز ملت بنا کر قرآن کی اپنے زمانہ کے مطابق تعبیر کرنے کا حق دیتے ہیں۔ قرآن نے صاف بتا دیا کہ حضرت محمد ﷺ کی اطاعت بطور رسول کے ہے کسی اور حیثیت سے نہیں۔ لہٰذا قرآن کے علاوہ آپ ﷺ کا دیا ہوا ہر حکم اور بتائی ہوئی ہر ممانعت رسول کی دی ہوئی ہے جس طرح قرآن بھی رسول کا پہنچایا ہوا ہے۔

ربط: مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب شراب اور جوئے کی حرمت والی آیت نازل ہو چکی تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول بہت سے آدمی جو شراب پیتے تھے اور جوئے کا مال کھاتے تھے وہ تو تحریم سے پہلے مر گئے۔ اب معلوم ہوا کہ یہ چیزیں تو حرام تھیں۔ اب ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

لَيۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيۡمَا طَعِمُوۡۤا

إِذَا مَا اتَّقَوا وَّ آمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّ آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّ أَحْسَنُوا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور کئے نیک کام کوئی گناہ اس میں جو کچھ وہ پہلے کھا چکے جب کہ (آئندہ کو) ڈر گئے اور ایمان لائے اور کئے نیک کام پھر ڈرتے رہے اور یقین کیا پھر ڈرتے رہے اور نیکی کی۔ اور اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

تفسیر: (ایسے لوگوں پر جو کہ ایمان رکھتے ہوں اور نیک کام کرتے ہوں اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جس کو وہ کھاتے پیتے ہوں) اور اس وقت وہ حلال ہو گو بعد میں حرام ہو جائے۔ اور ان کو گناہ کیسے ہوتا (جب کہ) کوئی بات بھی گناہ کا تقاضا نہ کرتی ہو بلکہ گناہ سے ایک مانع موجود ہو وہ یہ کہ (وہ لوگ) خدا کے خوف سے اس وقت کی ناجائز چیزوں سے (پرہیز رکھتے ہوں اور) دلیل اس خوف کی یہ ہو کہ وہ لوگ (ایمان رکھتے ہوں) جو کہ خدا سے ڈرنے کا سبب ہے (اور نیک کام کرتے ہوں) جو کہ خوف خدا کی علامت ہے، اور اسی حالت پر وہ عمر بھر رہیں، چنانچہ اگر وہ حلال چیز جس کو پہلے کھاتے پیتے تھے آگے چل کر کبھی حرام ہو جائے تو (پھر) اس سے بھی اسی خوف خدا کے سبب (پرہیز کرنے لگتے ہوں اور) اس خوف کی بھی دلیل پہلے کی طرح یہی ہو کہ وہ لوگ (ایمان رکھتے ہوں اور) ایمان پر موقوف (نیک عمل خوب کرتے ہوں) پس یہاں بھی خوف خدا کا سبب یعنی ایمان اور علامت یعنی عمل صالح جمع ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی حرمت کا حکم آئے ان لوگوں کا یہی طرز عمل ہو تو یہ گناہ سے مانع ہے۔ اور پھر جب ان کا طرز عمل دائمی ہو گناہ سے مانع بھی دائمی ہو گا۔ اس صورت میں ہمارے فضل سے بعید ہے کہ ہم ان کو گناہگاروں میں شمار کریں۔ (اور) ان کی یہ خاص طریقہ کی نیکوکاری صرف یہ نہیں کہ وہ گناہ سے مانع ہے بلکہ وہ ثواب اور محبوبیت خداوندی کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں سے محبت رکھتے ہیں) پس ان میں مبغوض ہونے کا احتمال تو کب ہو سکتا ہے، یہ تو غیر مبغوض ہونے سے گذر کر محبوب ہونے کا درجہ رکھتے ہیں۔

انیسواں حکم: احرام کی حالت میں شکار کا حکم

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ
فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ
هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا
لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ
اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائے گا تم کو اللہ قدرے شکار سے پہنچ سکیں جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تا کہ معلوم کرے اللہ کون ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے۔ پھر جس نے زیادتی کی اس کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک۔ اے ایمان والو نہ مارو شکار جس وقت تم ہو احرام والے۔ اور جو کوئی مارے شکار کو تم میں سے جان کر تو (اس پر) بدلہ ہے مثل اس جانور کے جو قتل کیا مویشی میں سے، تجویز کریں جس کو دو معتبر آدمی تم میں سے اس طرح سے کہ وہ (بدلے کا جانور) بطور نیاز پہنچنے والا ہو کعبہ تک یا (اس پر) کفارہ ہے (یعنی) کھانا چند محتاجوں کا یا اس کے برابر روزے تا کہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف کیا اللہ نے اس سے جو ہو چکا۔ اور جو کوئی پھر کرے گا تو بدلہ لے گا اللہ اس سے اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ قدرے شکار سے تمہارا امتحان کرے گا جس تک) بوجہ تم سے دور دور نہ بھاگنے کے (تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے) امتحان کی صورت یہ ہوگی کہ حالت احرام میں وحشی جانوروں کے شکار کرنے کو تم پر حرام کر کے جیسا آگے صراحت سے آتا ہے ان وحشی جانوروں کو تمہارے آس پاس پھراتے رہیں گے (تا کہ اللہ تعالیٰ) ظاہری طور پر بھی (معلوم کرلے کہ کون شخص اس) کے عذاب (سے بن دیکھے ڈرتا ہے) اور ارتکاب حرام سے جو کہ موجب عذاب ہے بچتا ہے، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حالت احرام میں شکار کرنا حرام ہے۔ (سو جو شخص اس) حرمت (کے بعد) جس پر امتحان کا لفظ بھی دلالت کر رہا ہے (حد) شرعی

(سے نکلے گا) یعنی ممنوع شکار کا مرتکب ہوگا (اس کے واسطے دردناک سزا) مقرر (ہے) چنانچہ شکاری جانور اسی طرح آس پاس لگے پھرتے تھے، چونکہ صحابہ میں بہت سے شکار کے عادی تھے اس میں ان کی اطاعت کا امتحان ہورہا تھا جس میں وہ پورے اترے، آگے ممانعت کی زیادہ تصریح ہے کہ (اے ایمان والو وحشی شکار کو) سوائے ان کے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے (قتل مت کرو جب کہ تم حالت احرام میں ہو) اسی طرح جب کہ وہ شکار حرم میں ہو گو شکاری احرام میں نہ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے (اور جو شخص تم میں اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر) اس کے فعل کی (پاداش واجب ہوگی جو کہ) قیمت کے اعتبار سے (مساوی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس) کے تخمینہ (کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں) کہ دینداری میں بھی قابل اعتبار ہوں اور تجربہ و بصیرت میں بھی، پھر اس قاتل کو قیمت کے تخمینہ کئے جانے کے بعد اختیار ہے (خواہ) اس قیمت کا کوئی ایسا جانور خریدے کہ (وہ پاداش) کا جانور (خاص چوپاؤں میں سے ہو) یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ بکری، نر ہو یا مادہ (بشرطیکہ نیاز کے طور پر کعبہ) کے پاس (تک) یعنی حرم کے اندر (پہنچائی جائے اور خواہ) اس قیمت کے برابر (غلہ بطور کفارہ کے مساکین کو دیدیا جائے) یعنی ایک مسکین کو بقدر ایک صدقہ فطر کے دیا جائے (اور خواہ اس) غلہ (کے برابر روزے رکھ لئے جائیں) برابری کی صورت یہ ہے کہ ہر مسکین کے حصہ یعنی فطرانہ کے بدلے ایک روزہ اور یہ پاداش اس لئے مقرر کی ہے (تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے) بخلاف اس شخص کے جس نے قصداً شکار نہ کیا ہو کیونکہ اگرچہ اس پر بھی جزا تو یہی واجب ہے مگر وہ فعل کی سزا نہیں، بلکہ واجب الاحترام جانور کا تاوان اور جزا ہے اور اس جزا کے ادا کردینے سے (اللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف فرمادیا۔ اور جو شخص پھر ایسی ہی حرکت کرے گا) تو چونکہ عام طور سے دوسری بار میں پہلی بار سے زیادہ جرات ہوتی ہے (تو) اس وجہ سے مذکور جزا جو کہ شکار کرنے کا یا شکار کئے ہوئے جانور کا عوض و تاوان ہے اس کے علاوہ آخرت میں (اللہ تعالیٰ اس سے) اس جرات کا (انتقام لیں گے) البتہ اگر توبہ کرلے تو اور بات ہے کیونکہ توبہ سے تو انتقام کا سبب ختم ہوجاتا ہے اور یہ مت بھولو کہ (اور اللہ زبردست انتقام لے سکتے ہیں)۔

فائدہ: جزا کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت اور جس جگہ میں وہ جانور قتل ہوا ہے بہتر تو یہ ہے کہ دو معتبر شخصوں سے ورنہ ایک ہی معتبر شخص سے اس جانور کی قیمت کا تخمینہ لگوائے۔

1- پھر اگر وہ جانور حرام ہو تب تو ایک بکری کی قیمت سے زیادہ واجب نہ ہوگی۔

2- اور اگر وہ جانور حلال ہو تو جس قدر تخمینہ ہوگا وہ سب واجب ہوگا۔ پھر ان دونوں حالتوں میں تین طرح کا اختیار ہوگا۔

i- اس قیمت کا کوئی جانور قربانی کی شرائط کو دیکھتے ہوئے خرید لے اور اس کو حدود حرم میں ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء میں بانٹ دے۔

ii- اس قیمت کے برابر غلہ فقراء پر تقسیم کر دے اس طرح سے کہ ایک فقیر کو پونے دو کلو گندم ملے۔

iii- غلہ کی تقسیم میں جتنے فقیروں کو صدقہ ملے گا اتنے ہی روزے رکھے۔

مسئلہ: اگر مقتول جانور کی قیمت مثلاً دو ہزار سات سو روپے بنی اور ڈھائی ہزار میں ایک بکری خرید لی تو بقیہ دو سو کا غلہ فقراء میں فی کس صدقہ فطر کے برابر تقسیم کر دے یا اتنے ہی فقیروں کے برابر روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: جانور کو اگر زخمی کیا تو اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں جو فرق پڑتا ہے اس مالی فرق میں مذکورہ بالا تینوں اختیار ہوں گے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

ترجمہ: حلال کیا گیا تمہارے لئے دریا کا شکار اور دریا کا کھانا فائدہ کے طور پر تمہارے لئے، اور سب مسافروں کے لئے۔ اور حرام کیا گیا تم پر خشکی کا شکار جب تک تم ہو احرام میں۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (تمہارے لئے) حالت احرام میں (دریا) یعنی پانی (کا شکار پکڑنا اور اس کا کھانا) سب (حلال کیا گیا ہے تمہارے نفع کے واسطے) اور تمہارے (مسافروں کے) نفع کے (واسطے) کہ سفر میں اسی کو توشہ بنائیں (اور خشکی کا شکار پکڑنا) یا اس میں مددگار ہونا (تمہارے لئے حرام کیا گیا ہے جب تک تم حالت احرام میں رہو۔ اور اللہ تعالیٰ) کی مخالفت (سے ڈرو جس کے پاس جمع) کر کے حاضر (کئے جاؤ گے)

فائدہ: دریائی جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو پانی میں پیدا ہوتے ہیں اور پانی میں رہتے

ہیں۔ بطخ اور مرغابی چونکہ پانی میں پیدا نہیں ہوتیں اس لئے وہ دریائی جانوروں میں شامل نہیں۔

ربط: اوپر حالت احرام میں خشکی کے شکار کو حرام فرمایا۔ چونکہ تحریم اکثر نفس پر گراں ہوتی ہے اس لئے چند حرام چیزوں کی منفعتیں اور مصلحتیں جو مشاہدہ میں آرہی ہیں ان کو بیان فرماتے ہیں۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

ترجمہ: کر دیا اللہ نے کعبہ کو احترام والے گھر کو قیام کا باعث لوگوں کے لئے اور بزرگی والے مہینہ کو اور حرم میں ذبح ہونے والے جانور کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

تفسیر: (خدا تعالیٰ نے کعبہ کو جو کہ (ادب و احترام کا مکان ہے، لوگوں) کی مصلحتوں (کے قائم رہنے کا سبب قرار دیدیا ہے اور) اسی طرح (عزت والے مہینہ کو بھی اور) اسی طرح (حرم میں قربان ہونے والے جانور کو بھی اور) اسی طرح (ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں) اس نشانی کے (پٹے ہوں) کہ یہ اللہ کی نیاز ہیں حرم میں ذبح ہوں گے۔ (یہ) قرار داد جہاں اس میں اور دنیوی مصلحتیں ہیں وہیں یہ (اس) دینی مصلحت کے (لئے) بھی (ہے تا کہ) تمہارا اعتقاد درست اور پختہ ہو اس طرح سے کہ (تم) ان مصلحتوں سے استدلال کر کے (اس بات کا یقین کر لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین کے اندر کی چیزوں کا علم) کامل (رکھتے ہیں) کیونکہ ایسا حکم دینا جس میں آئندہ کی ایسی مصلحتوں کی رعایت ہو جن کو انسانی عقلیں نہ سوچ سکیں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کے کمال کی دلیل ہے (اور) اس سے استدلال کر کے یقین کر لو کہ (بیشک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں)۔

فائدہ: کعبہ دینی اور دنیوی دونوں حیثیتوں سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔

1- حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے لیکن نماز کے لئے بھی استقبال قبلہ شرط ہے۔ اس طرح کعبہ لوگوں کی عبادات کے قیام کا سبب بن گیا۔

2- حج کے موقع پر تمام اسلامی علاقوں سے لاکھوں مسلمان وہاں جمع ہوتے ہیں تو بے شمار

تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے اس کو امن والا بنایا ہے اس لئے انسانوں بلکہ بہت سے جانوروں کو بھی وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔

4- عالم کی بقاء بھی اس کی بقاء کے ساتھ ہے۔ قرب قیامت میں کفار اس کو ڈھادیں گے اور پھر عنقریب قیامت قائم ہو جائے گی۔

ربط: چند احکام ذکر کر کے آگے ان پر عمل کرانے کے لئے ترغیب و ترہیب سے کام لیتے ہیں۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: جان لو کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ نہیں ہے رسول کے ذمہ مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ تو کہہ دے کہ نہیں ہے برابر ناپاک اور پاک اگرچہ تعجب میں ڈالے تجھ کو ناپاک کی کثرت۔ سو ڈرتے رہو اللہ سے اے عقلمندو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر: (تم یقین جان لو کہ اللہ تعالیٰ سزا بھی سخت دینے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والے ہیں) تو ان کے احکام کی خلاف ورزی مت کیا کرو اور جو کبھی ہو جائے تو شرعی قاعدہ کے موافق توبہ کر لو۔ (رسول ﷺ (کے ذمہ تو صرف پہنچانا ہے)، سو وہ خوب پہنچا چکے اب تمہارے پاس کوئی عذر و حیلہ نہیں رہا (اور اللہ تعالیٰ سب جانتے ہیں جو کچھ تم) زبان یا دیگر اعضاء سے (ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ) دل میں (پوشیدہ رکھتے ہو) سو تم کو چاہئے کہ اپنے ظاہر و باطن دونوں سے مکمل اطاعت کرو۔ (آپ) اے محمد ﷺ ان سے یہ بھی (فرما دیجئے کہ) اگرچہ دنیا میں عام طور سے ناپاک یعنی گناہ اور گناہگاروں کی کثرت رہتی ہے لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ (ناپاک اور پاک) یعنی گناہ اور اطاعت یا گناہ کرنے والا اور اطاعت کرنے والا (برابر نہیں) بلکہ خبیث تو مبغوض ہے اور طیب مقبول ہے، پس اطاعت کر کے مقبول بننا چاہئے معصیت کر کے

مبغوض نہ ہونا چاہئے (اگرچہ) اے دیکھنے والے (تجھ کو ناپاک کی کثرت) اس وجہ سے (تعجب میں ڈالتی ہو) کہ باوجود ناپسندیدہ ہونے کے یہ کثیر کیوں ہے۔ مگر یہ سمجھ لو کہ کثرت جو اللہ تعالیٰ کی کسی حکمت سے ہے قابل تعریف ہونے کی دلیل نہیں۔ جب تم نے جان لیا کہ مقبولیت کا مدار کثرت پر نہیں اور جب تم اللہ تعالیٰ کے علم وعقاب پر بھی مطلع ہو گئے (تو) اس کو مت دیکھو بلکہ (خدا تعالیٰ) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے (سے ڈرتے رہو تاکہ تم) پورے طور سے (کامیاب ہو) کر جنت اور رضائے حق حاصل کرلو۔

بیسواں حکم: احکام و واقعات میں فضول سوال کرنے کی ممانعت

جب کسی شخص کو صرف اتنا حکم دیا جائے کہ فلاں جگہ پہنچ جاؤ اور مزید کوئی ہدایت نہ دی جائے تو اس شخص کو اختیار ہوگا کہ وہ جس رستے سے چاہے اور جس ذریعہ سے چاہے اس جگہ پہنچ جائے۔ اگر یہ شخص حکم دینے والے سے یہ پوچھنے لگے کہ میں عام بس سے جاؤں (جس کا کرایہ پانچ روپے ہے) یا ٹیکسی سے جاؤں (جس کا کرایہ سو روپے ہے) تو اس طرح کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ٹیکسی سے جانے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے لئے تیار ہے۔ اس پر حکم دینے والا کسی بھی مصلحت سے یہ کہے کہ ٹیکسی سے جاؤ تو اس کا یہ نئی ہدایت دینا غلط نہ ہوگا اور اس شخص کا اختیار کم ہو جائے گا یا بالکل ختم ہو جائے گا۔ یہ تنگی خود سوال کی وجہ سے اس پر آئی اور اس کی یہ حرکت نہایت غیر معقول شمار ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی سنت بھی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب کسی معاملہ میں بکثرت سوال اور کھود کرید کی جائے اور خواہ مخواہ احتمالات نکالے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سختی بڑھتی جاتی ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بیل ذبح کرنے والے قصہ میں ایسا ہی ہوا۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا اے لوگو خدا نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ ایک شخص بول اٹھا کیا ہر سال یا رسول اللہ۔ فرمایا اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا پھر تم ادا نہ کر سکتے۔ جس چیز میں تم کو آزاد چھوڑوں تم بھی مجھ کو چھوڑ دو (کہ مجھ سے بلا وجہ کے سوال نہ کرو)۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ مسلمانوں میں وہ شخص بڑا مجرم ہے جس کے سوالات کی بدولت ایسی چیز حرام کی گئی جو حرام نہ تھی۔

باقی ضروری بات پوچھنا یا کسی دلیل سے پیدا ہونے والے شبہ کو دور کرنے کے لئے سوال کرنا فضول نہیں ہے اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ
وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (۱۰۱) قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بِهَا كٰفِرِيْنَ (۱۰۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! مت پوچھو ایسی باتیں کہ اگر کھول دی جائیں تم پر تو بری لگیں تم کو اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ درگزر کیا ہے اللہ نے ان باتوں سے اور اللہ بخشنے والا تحمل والا ہے۔

پوچھ چکی ہے ایسی باتیں ایک جماعت تم سے پہلے پھر ہو گئے وہ ان باتوں سے منکر۔

تفسیر: (اے ایمان والو ایسی) فضول (باتیں مت پوچھو) جن میں یہ احتمال ہو (کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہاری ناگواری کا سبب ہو) یعنی یہ احتمال ہو کہ جواب تمہاری منشاء کے خلاف آیا تو ناگوار ہوگا (اور) جن میں یہ احتمال ہو کہ (اگر تم قرآن) اور وحی (کے نزول کے زمانہ میں ان باتوں کو پوچھو تو تم سے ظاہر کر دی جائیں) یعنی سوال کرنے میں تو یہ دوسرا احتمال ہو کہ جواب مل جائے اور جواب ملنے میں وہ پہلا احتمال ہو کہ ناگوار گذرے، اور یہ دونوں احتمال جو مجموعی طور سے سوال کی ممانعت کی علت ہیں واقعی ہیں پس ایسا سوال ممنوع ہے، خیر (گذشتہ سوالات) جو اس وقت تک کر چکے ہو وہ تو (اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے) مگر آئندہ مت کرنا (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے گذشتہ سوالات معاف کر دیئے اور (بڑے حلم والے ہیں) اس لئے اگر آئندہ کی خلاف ورزی پر دنیا میں سزا نہ دے تو دھوکہ میں مت پڑ جانا کہ آگے بھی کوئی عذاب وسزا نہ ہوگی۔ (ایسی باتیں تم سے پہلے) زمانہ میں (اور) امتوں کے (لوگوں نے بھی) اپنے پیغمبروں سے (پوچھی تھیں پھر) ان کو جواب ملا تو (ان باتوں کا حق نہ بجا لائے) یعنی ان جوابوں میں جو جواب احکام سے متعلق تھے ان کے موافق عمل نہ کیا اور جو واقعات سے متعلق تھے ان سے متاثر نہ ہوئے، پس کہیں تم کو بھی ایسی ہی نوبت نہ پیش آئے، اس لئے بہتری اسی میں ہے کہ ایسے سوالات چھوڑ دو۔

اکیسواں حکم: کفر کے بعض طریقوں کا ابطال

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّ

لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ولیکن کافر باندھتے ہیں اللہ پر بہتان، اور اکثر کافر عقل نہیں کرتے ۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف تو کہتے ہیں کافی ہے ہم کو وہ پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادوں کو۔ بھلا اگر ان کے باپ دادے نہ علم رکھتے ہوں کچھ اور نہ راہ جانتے ہوں (تب بھی یہ ایسا ہی کریں گے)۔

تفسیر: (اللہ نے نہ بحیرہ کو مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ کو اور نہ وصیلہ کو اور نہ حامی کو لیکن جو لوگ کافر ہیں وہ) ان رسوم کے بارے میں (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) کہ خدا تعالیٰ ان اعمال سے خوش ہیں (اور اکثر کافر) دین کی (عقل نہیں رکھتے) اور اس سے کام نہیں لیتے بلکہ محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی ایسی جہالتیں کرتے ہیں چنانچہ (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں ان کی طرف اور رسول) صلی اللہ علیہ وسلم (کی طرف) جن پر وہ احکام نازل ہوئے ہیں (رجوع کرو) جو بات اس سے حق ثابت ہو حق سمجھو اور جو باطل ثابت ہو باطل سمجھو (تو کہتے ہیں کہ ہم کو) ان احکام اور رسول کی ضرورت نہیں ہم کو (وہی) طریقہ (کافی ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا ہے)۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (کیا) وہ طریقہ ان کے لئے ہر حال میں کافی ہے (اگرچہ ان کے بڑے) دین کی (نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ) کسی آسمانی کتاب کی (ہدایت رکھتے ہوں)۔

فائدہ: بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے تھے کوئی اپنے کام میں نہ لاتا تھا۔

سائبہ اس جانور کو کہتے تھے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہ لیتے تھے۔

وصیلہ وہ اونٹنی ہوتی تھی جو پہلی اور دوسری بار مادہ بچہ جنے درمیان میں نر بچہ نہ جنے۔ اس کو

بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

حامی وہ نر اونٹ ہوتا تھا جو ایک خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو۔ اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

ربط: کفار کی مذکورہ بالا جیسی جہالتیں دیکھ اور پھر یہ دیکھ کر کہ بہت کچھ نصیحت و فہمائش کے باوجود وہ باز نہیں آتے سلیم الطبع مسلمانوں کو رنج و افسوس ہوتا تھا تو آگے ان کو تسلی دی کہ تم زیادہ اس غم میں مت پڑو کسی کی گمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہیں بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو جو یہ ہے کہ آدمی ایمان و تقویٰ اختیار کرے، خود برائی سے رکے اور دوسروں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم پر لازم ہے فکر اپنی جانوں کی۔ نہیں بگاڑتا تمہارا جو کوئی گمراہ ہوا جب کہ تم ہوئے راہ پر۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، پھر وہ بتا دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔

تفسیر: (اے ایمان والو اپنی) اصلاح کی (فکر کرو) اصل کام تمہارے ذمہ یہ ہے باقی دوسروں کی اصلاح کے متعلق یہ ضابطہ ہے کہ جب تم اپنی طرف سے فائدہ کی امید رکھتے ہوئے اپنی گنجائش بھر کوشش کر رہے ہو مگر دوسرے پر اثر نہیں ہوتا تو تم اثر مرتب نہ ہونے کی فکر میں مت پڑو کیونکہ (جب تم) دین کی (راہ پر چل رہے ہو) اور واجبات دین کو ادا کر رہے ہو اس طرح کہ اپنی بھی اصلاح کر رہے ہو اور دوسروں کی اصلاح میں بھی کوشش کر رہے ہو (تو جو شخص) تمہاری اصلاح کرنے کی کوشش کے باوجود (گمراہ رہے تو اس) کے گمراہ رہنے (سے تمہارا کوئی نقصان نہیں) اور جیسا دوسرے کی اصلاح میں حد سے زیادہ فکر و غم سے منع کیا جاتا ہے ایسا ہی دوسرے کی ہدایت سے نا امیدی کے وقت عصہ میں آ کر دنیا ہی میں حق و باطل کا اخیر فیصلہ ہو جانے کی بھی تمنا مت کرنا کیونکہ یہ آخرت میں ہوگا چنانچہ (اللہ ہی کے پاس تم سب کو لوٹنا ہے پھر وہ بتا دیں گے جو کچھ تم سب کیا کرتے تھے) اور بتا کر حق پر ثواب اور باطل پر عذاب کا حکم نافذ فرما دیں گے۔

فائدہ: 1- مندرجہ بالا آیت کا صرف ترجمہ دیکھنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جو شخص خود دین پر عامل رہے اس کے ذمہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر واجب نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ

دوسرے کے گمراہ رہنے سے تم کو جو نقصان نہ ہوگا تو وہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ تم ہدایت پر رہو اور تمہارا ہدایت پر رہنا اس وقت مکمل ہوتا ہے جب تم امر بالمعروف بھی کرو اور نہی عن المنکر بھی کرو۔

2- لَا يَضُرُّكُمْ کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ کو ضرر کا خیال تھا کیونکہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى کہ قیامت کے دن کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا واضح ہے اور عام عقل سے سمجھ میں آنے والی بھی ہے۔ یہاں مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ دوسروں کا نہ ماننا چونکہ تمہارے لئے مضر نہیں لہٰذا ان کے غم میں نہ پڑو کیونکہ ایسی فکروں میں پڑنے سے بعض اوقات دین کے ضروری کاموں میں خلل پڑتا ہے۔

بائیسواں حکم: اگر قرائن سے وصیوں کی قسم کا جھوٹ ہونا معلوم ہو اور وہ شرعی شہادت سے اپنی سچائی ثابت نہ کرسکیں تو میت کے وارثوں کو قسم دی جائے گی کہ ان کو وصیوں کے دعوی کی سچائی کا کوئی علم نہیں۔

آیات کے نازل ہونے کا قصہ

ایک شخص بدیل نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم وعدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے تجارت کی غرض سے ملک شام کی طرف گیا۔ شام پہنچ کر بدیل بیمار پڑ گیا۔ اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے دونوں ساتھیوں کو اطلاع نہ دی۔ مرض جب زیادہ بڑھا تو اس نے دونوں نصرانی ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا تمام سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کے نقش ونگار تھے اس میں سے نکال لیا۔ وارثوں کو سامان میں سے فہرست ملی تو انہوں نے بدیل کے وصیوں تمیم وعدی سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں کچھ خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ آخر معاملہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا۔ چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی نہ اس کی کوئی چیز چھپائی۔ آخر قسم پر فیصلہ ان وصیوں کے حق میں کر دیا گیا۔ کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سنار کے ہاتھ فروخت کیا ہے۔ وصیوں سے جب پوچھا گیا تو کہنے لگے کہ ہم نے وہ میت سے خرید لیا تھا۔ چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لئے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا کہ کہیں ہمیں جھوٹا نہ سمجھا جائے۔ میت کے وارث پھر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ اب پہلی صورت کے برعکس وصی خریداری کے

مدعی اور وارث منکر تھے۔ شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں کیونکہ پیالہ کے میت کی ملکیت میں ہونے کا اقرار تو وصی بھی کر چکے تھے اور انہی وصیوں کی یہ بات کہ وہ پیالہ خرید چکے تھے وہ اس سے غلط ثابت ہوتی ہے کہ میت نے فہرست میں پیالہ کو لکھا لیکن سامان میں نہ تو پیالہ تھا اور نہ اس کے متبادل قیمت موجود تھی۔ چنانچہ وصیوں سے قیمت فروخت لے کر وارثوں کو دلوائی گئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِن شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٧﴾ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَن تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو وصی ہونا تمہارے آپس میں جب کہ پہنچے کسی کو تم میں سے موت (اور وہ وصیت کرے تو یہ ہے کہ) وصیت کے وقت دو شخص معتبر ہونے چاہئیں تم میں سے یا دو دوسرے شخص ہوں تمہارے علاوہ سے اگر تم نے سفر کیا ہو زمین میں پھر پہنچے تم کو مصیبت موت کی، تو روک لو ان دونوں کو بعد نماز کے پھر وہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی اگر تم کو شبہ ہو (ان پر اور وہ یوں کہیں) کہ ہم عوض میں نہیں لیتے قسم کے بدلے قیمت

اگرچہ قرابت دار ہی ہوتا، اور نہیں ہم چھپاتے اللہ کی گواہی ورنہ تو بے شک ہم گناہگاروں میں سے ہوں گے۔ پھر اگر اطلاع ہو جائے اس پر کہ وہ دونوں (اپنی قسم میں) مستحق ہو گئے تھے گناہ کے (یعنی انہوں نے جھوٹی قسم کھائی تھی) تو دو دوسرے گواہ کھڑے ہوں ان کی جگہ ان میں سے کہ مستحق ہوئے (گناہ کے) جن کے مقابلہ پر جو سب سے زیادہ قریب ہوں میت کے پھر قسم کھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے اور نہیں زیادتی کی ہم نے (ورنہ بے شک ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے۔ یہ زیادہ قریب ہے (اس کے) کہ وہ ادا کریں شہادت کو ٹھیک طرح پر اور ڈریں کہ (کہیں الٹا دی جائیں قسمیں ان کی قسم کے بعد۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور سنو۔ اور اللہ نہیں رہنمائی کرتا نافرمانوں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والو تمہارے آپس) کے معاملات (میں) مثلاً ورثاء کو مال پہنچانے کے لئے (دو شخصوں کا وصی ہونا مناسب ہے) گو بالکل وصی نہ بنانا بھی جائز ہے (جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے) یعنی (جب وصیت کرنے کا وقت ہو) اور (وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں اور تم میں سے) یعنی مسلمانوں میں سے (ہوں یا) مسلمان نہ ملیں تو (غیر مسلم قوم کے دو شخص ہوں اگر) مثلاً (تم کہیں سفر میں گئے ہو پھر تم پر موت کا واقعہ پڑ جائے)۔ اور یہ سب امور واجب تو نہیں البتہ مناسب اور بہتر ہیں اور جس طرح بالکل وصی نہ بنانا جائز ہے اسی طرح اگر ایک وصی ہو یا عادل نہ ہو یا حضر میں غیر مسلم کو بنائے سب جائز ہے، پھر ان وصیوں کے بارے میں یہ حکم ہے کہ (اگر) کسی وجہ سے ان پر (تم کو) اے وارثو (شبہ ہو تو) اے فیصلہ کرنے والو اس طرح فیصلہ کرو کہ اول ورثاء سے چونکہ وہ مدعی ہیں اس بات پر گواہ طلب کرلو کہ وصیوں نے فلاں چیز مثلاً پیالہ لے لیا ہے۔ اور اگر وارث گواہ نہ لاسکیں تو ان وصیوں سے چونکہ وہ مدعا علیہ ہیں اس طرح قسم لو کہ (ان دونوں) وصیوں (کو بعد نماز) عصر مثلاً (روک لو) کیونکہ اکثر اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے، تو جھوٹی قسم کھانے والا کچھ نہ کچھ شرماتا ہے، نیز وقت بھی بابرکت ہے کچھ اس کا بھی خیال ہوتا ہے۔ اور متبرک وقت اور لوگوں کے اجتماع کی رعایت کرنے سے مقصود یہ ہے کہ قسم میں زور آ جائے اور کوئی جھوٹی قسم کھانے پر جرات نہ کرے۔ (پھر دونوں) اس طرح (خدا کی قسم کھائیں کہ) صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں کہ (ہم اس قسم کے عوض کوئی) دنیا کا (نفع نہیں لینا چاہتے) کہ اس کی وجہ سے قسم میں سچ بولنے کو چھوڑ دیں (اگرچہ) اس واقعہ میں ہمارا (کوئی قرابتدار بھی) کیوں نہ (ہوتا) جس کی

مصلحت کو اپنی مصلحت سمجھ کر ہم جھوٹی قسم کھاتے، اور اب تو کوئی ایسا بھی نہیں۔ جب دوہری مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہم جھوٹ نہ بولتے تو ایک مصلحت کے لئے ہم کیوں جھوٹ بولیں گے (اور اللہ کی) طرف سے جس (بات) کے کہنے کا حکم ہے اس (کو ہم پوشیدہ نہ کریں گے) اور (ہم) اگر ایسا کریں تو (اس حالت میں سخت گنہگار ہوں گے۔)۔ ان سخت تاکیدی الفاظ سے مقصود سچائی کے وجوب کا اور جھوٹ کی حرمت کا اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کا استحضار ہے جو جھوٹی قسم کھانے سے مانع ہوگا۔ زمان، مکان اور الفاظ کی تاکید کے بعد حاکم چاہے تو مزید کسی تاکید کے بغیر اصل مضمون پر قسم لے لے مثلاً یہ کہ ہم کو میت نے پیالہ نہیں دیا، اور اس پر مقدمہ کا فیصلہ کر دینا چاہئے، چنانچہ اس آیت کے واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔ (پھر) اس کے بعد (اگر) کسی طرح سے ظاہراً (اس کی اطلاع ہو کہ وہ دونوں وصی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں) مثلاً آیت والے قصہ میں جیسا کہ پہلے ذکر ہوا جب پیالہ مکہ میں ملا اور دونوں وصیوں نے دریافت کرنے پر میت سے خریدنے کا دعویٰ کیا جس سے میت سے لے لینے کا اقرار لازم آتا ہے اور وہ ان کے پہلے قول کے مخالف ہے جس میں مطلقاً لینے ہی سے انکار کیا تھا، چونکہ اپنے لئے نقصان دہ بات کا اقرار حجت اور دلیل ہوتا ہے، اس لئے ظاہراً ان کا خائن اور کاذب ہونا معلوم ہوا (تو) ایسی صورت میں مقدمہ کا رخ بدل جائے گا، وصی جو کہ پہلے مدعا علیہ تھے اب خریدنے کے مدعی ہو گئے، اور ورثاء جو کہ پہلے وصیوں کی خیانت کے مدعی تھے اب مدعا علیہ ہو گئے، اس لئے اب فیصلہ کی یہ صورت ہو گی کہ اول وصیوں سے خریدنے کے گواہ طلب کئے جائیں اور جب وہ گواہ پیش نہ کر سکیں تو (ان) وارث (لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں) ان وصیوں کی جانب سے (گناہ) مذکور (کا ارتکاب ہوا تھا اور) جو کہ شرعاً میراث کے مستحق ہوں مثلاً آیت کے قصہ میں وہ (دو شخص) ہیں (جو سب) وارثوں (میں باعتبار) استحقاق میراث (قریب تر ہیں جہاں) پہلی مرتبہ حلف کے لئے (وہ دونوں) وصی (کھڑے ہوئے تھے) اب (یہ دونوں) وارث حلف کے لئے (کھڑے ہوں۔ پھر دونوں) وارث اس طرح (خدا کی قسم کھائیں) اور صیغہ حلف کے ساتھ یہ کہیں (کہ یقیناً ہماری یہ قسم) اس وجہ سے کہ ظاہر میں اور حقیقت میں اشتباہ سے بالکل پاک ہے (ان دونوں) وصیوں (کی قسم سے زیادہ درست ہے) کیونکہ وصیوں کی قسم کی حقیقت کا اگرچہ ہم کو علم نہیں لیکن مخالف بات سامنے آنے سے بظاہر تو وہ مشتبہ ہو گئی (اور ہم نے) حق سے (ذرا تجاوز نہیں کیا) اور (ہم) اگر ایسا کریں تو ہم (اس حالت میں سخت ظالم ہوں گے) کیونکہ دوسرے کا مال جان بوجھ کر بلا اجازت لے لینا ظلم ہے۔ یہ بھی

ایک طرح کی قسم میں تاکید ہے جو حاکم کی رائے پر ہے کہ اگر ضرورت سمجھے تو یہ الفاظ کہلوائے۔ پھر اصل مضمون پر قسم لی جائے جس کا صیغہ اس وجہ سے کہ دوسرے کے فعل پر ہے یہ ہوگا کہ خدا کی قسم ہمارے علم میں میت نے ان مدعیوں کے ہاتھ پیالہ فروخت نہیں کیا۔ اور چونکہ اس کے واقعی ہونے پر زیادہ موکد قسم لی گئی جیسا کہ لفظ أَحَقّ سے معلوم ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ اس کا مدار چونکہ میرے ہی اوپر ہے اس لئے قسم کھاتا ہوں کہ جیسا اس میں ظاہری جھوٹ کا ثبوت نہیں اسی طرح حقیقت میں بھی جھوٹ نہیں ہے۔ (یہ) قانون جو دو آیتوں میں مذکور ہوا (بہت قریب ذریعہ ہے اس بات کا کہ وہ) وصی (لوگ واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں) اگر سپرد کیا جانے والا مال زائد نہیں تو قسم کھالیں اور اگر زائد ہے تو گناہ سے ڈر کر قسم نہ کھائیں اور حقداروں کو ان کا مال دے دیں، یہ حکمت تو وصیوں سے حلف لینے میں ہے (یا) وارث (اس بات سے ڈر) کر قسم کھانے سے رک (جائیں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد) کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا جھوٹ ثابت ہو جائے اور ان پر (قسمیں الٹا دی) پھر ان کو رسوا ہونا پڑے گا، یہ حکمت وارثوں سے حلف لینے میں ہے۔ اور ان سب شقوں جائیں میں حق دار کو اس کا حق پہنچایا ہے جو کہ مطلوب ہے، (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اور معاملات وحقوق میں جھوٹ مت بولو (اور) ان کے احکام کو (سنو) یعنی مانو (اور) اگر خلاف کرو گے تو فاسق ہو جاؤ گے اور (اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو) قیامت کے روز فرمانبرداروں کے درجات کی طرف (رہنمائی نہ کریں گے) بلکہ نجات پانے کے وقت بھی ان کے درجوں سے کم رہیں گے تو ایسا خسارہ کیوں گوارا کرتے ہو۔

ربط: احکام کے بیان کے بعد اب قیامت کی ہولناکی کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس کو یاد کر کے نافرمانی سے بچیں اور احکام بجا لائیں اور آخرت کی تیاری کریں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: جس دن جمع کرے گا اللہ سب پیغمبروں کو پھر کہے گا کیا جواب دیئے گئے تھے تم۔ وہ کہیں گے نہیں کچھ خبر ہم کو بے شک تو ہی ہے جاننے والا چھپی باتوں کا۔

تفسیر: وہ دن بھی کیسا ہولناک ہوگا (جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو) مع ان کی امتوں کے (جمع کریں گے پھر) ان امتوں میں جو نافرمان ہوں گے ان کی توبیخ کے لئے ان کے

سنانے کو ان پیغمبروں سے (ارشاد فرمائیں گے کہ تم کو) ان امتوں کی طرف سے (کیا جواب ملا تھا، وہ عرض کریں گے کہ) ظاہری جواب تو ہم کو معلوم ہے اور اس کو بیان بھی کر دیں گے، لیکن ان کے دل میں جو کچھ تھا اس کی (ہم کو کچھ خبر نہیں) اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ (آپ بیشک پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں) مطلب یہ کہ ایک دن ایسا ہوگا اور اعمال و احوال کی تفتیش ہو گی، اس لئے تم کو مخالفت و معصیت سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

ربط: قیامت کی ہولنا کی ہی کا بیان ہے کہ اس دن انبیاء علیہم السلام سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان کی گمراہ امتوں نے کیا ان کے کہنے پر گمراہی اختیار کی تھی۔ اس کی تمہید کے طور پر یہ آیتیں ہیں کہ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے احسانات گنائیں گے پھر پوچھیں گے۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَ
عَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ
فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي
وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَآءِيلَ عَنْكَ إِذْ
جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هٰذَآ إِلَّا
سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۰﴾ وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّنَ أَنْ اٰمِنُوا بِي وَ
بِرَسُولِي قَالُوٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ بن مریم یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب مدد کی میں نے تیری روح پاک سے، تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں اور جب سکھائی میں نے تجھ کو کتاب اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا تھا گارے سے پرندے کی صورت میرے حکم سے، پھر تو پھونک مارتا تھا اس میں تو ہو جاتا اڑنے والا میرے حکم سے، اور تو اچھا کرتا تھا مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو

میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا ان کے پاس نشانیاں تو کہنے لگے جو کافر تھے ان میں سے نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو، اور جب دل میں ڈالا میں نے حواریوں کے کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسولؑ پر تو کہنے لگے ہم ایمان لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اور اسی روز عیسیٰ علیہ السلام سے ایک خاص گفتگو ہوگی (جب کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم میرا انعام یاد کرو) تاکہ لذت تازہ ہو (جو تم پر اور تمہاری والدہ پر) مختلف اوقات میں مختلف صورتوں سے (ہوا ہے) مثلاً (جب کہ میں نے تم کو روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے امداد اور تائید دی) اور (تم آدمیوں سے) دونوں حالتوں میں یکساں (کلام کرتے تھے) ماں کی (گود میں بھی اور کہولت) کی بڑی (عمر میں بھی) جو کہ قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے کے بعد حاصل ہوئی۔ دونوں کلاموں میں کچھ تفاوت نہ تھا (اور جبکہ میں نے تم کو) آسمانی (کتابیں اور سمجھ کی باتیں اور) بالخصوص (توریت و انجیل تعلیم کیں اور جب کہ تم گارے سے ایک شکل بناتے تھے، جیسے پرندہ کی شکل ہوتی ہے میرے حکم سے پھر تم اس) مصنوعی ہیئت (کے اندر پھونک مار دیتے تھے جس سے وہ) سچ مچ کا جاندار (پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے، اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھ کے بیمار کو میرے حکم سے، اور جب کہ تم مردوں کو) قبروں سے (نکال) کے اور زندہ کر کے (کھڑا کر لیتے تھے میرے حکم سے، اور جب کہ میں نے بنی اسرائیل) میں سے جو تمہارے مخالف تھے ان (کو تم سے) یعنی تمہارے قتل سے (باز رکھا جب) انہوں نے تم کو ضرر پہنچانا چاہا جب کہ (تم ان کے پاس) اپنی نبوت کی (دلیلیں) یعنی معجزات (لے کر آئے تھے پھر ان میں جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ) معجزات (سوائے کھلے جادو کے اور کچھ بھی نہیں اور جب کہ میں نے حوارئین کو) انجیل میں تمہاری زبانی (حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول) عیسیٰ علیہ السلام (پر ایمان لاؤ انہوں نے) جواب میں تم سے (کہا کہ ہم) خدا اور رسول یعنی آپ پر (ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم) خدا کے اور آپ کے (پورے فرمانبردار ہیں)۔

فائدہ: ان سب امور کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے انعام ہونا تو ظاہر ہے لیکن حضرت مریم علیہا السلام کے حق میں انعام ہونا اس طور پر ہے کہ ان سب امور سے آپ کا نبی ہونا ثابت ہے اور آپ نے حضرت مریم کی پاکدامنی کی خبر دی ہے اور چونکہ نبی کی سب خبریں سچی ہوتی

ہیں اس لئے حضرت مریم کی پاکدامنی ثابت ہوگئی اور یہ بڑا انعام ہے۔ اور والدہ پر جو انعام ہوا وہ عیسٰی علیہ السلام کو اس لئے یاد دلایا گیا کہ بڑوں پر انعام انکے چھوٹوں پر بھی انعام شمار ہوتا ہے کہ یہ ایسے بڑوں کی اولاد ہیں۔

ربط: حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جو احسانات گنوائے گئے ان میں سے ایک مائدہ کا نزول بھی ہے۔

اِذْ قَالَ

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ
عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١١٢﴾
قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ
صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ
اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا
لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١٤﴾
قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ
عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: جب کہا حواریوں نے اے عیسٰی بن مریم کیا طاقت رکھتا ہے تیرا رب کہ اتارے ہم پر (بھرا ہوا) خوان آسمان سے۔ بولا ڈرو اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے، ان (حواریوں) نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ کھائیں اس میں سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ تو نے سچ کہا ہم سے اور ہو جائیں ہم اس پر گواہوں میں سے۔ کہا عیسٰی بن مریم نے اے اللہ رب ہمارے اتار ہم پر (بھرا ہوا) خوان آسمان سے کہ وہ ہو جائے ہمارے لئے خوشی ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے واسطے اور (ہو جائے) نشانی تیری طرف سے۔ اور روزی دے ہم کو اور تو ہی ہے سب سے بہتر روزی دینے والا۔ کہا اللہ نے بیشک میں اتارنے والا ہوں وہ خوان تم پر پھر جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو بلاشبہ میں عذاب دوں گا اس کو وہ عذاب نہیں دوں گا ویسا کسی کو جہان میں۔

تفسیر: (وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ حواریین نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (عرض کی کہ اے عیسیٰ بن مریم) علیک السلام (کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں) یعنی کوئی بات خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے اس سے مانع تو نہیں (کہ ہم پر آسمان سے کچھ کھانا) پکا پکایا (نازل فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو) مطلب یہ کہ تم تو ایمان دار ہو اس لئے خدا سے ڈرو اور معجزات کی فرمائش سے کہ بے ضرورت ہونے کی وجہ سے خلاف ادب ہے بچو۔ (وہ بولے کہ) ہمارا مقصود بے ضرورت فرمائش کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مصلحت سے اس کی درخواست کرتے ہیں وہ یہ کہ (ہم) ایک تو (یہ چاہتے ہیں کہ) برکت حاصل کرنے کو (اس میں سے کھائیں اور) دوسرے یہ چاہتے ہیں کہ (ہمارے دلوں کو) ایمان پر (پورا اطمینان ہو جائے اور) دل کے اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ (ہمارا یہ یقین اور بڑھ جائے کہ آپ نے) دعویٰ رسالت میں (ہم سے سچ بولا ہے) کیونکہ جس قدر دلائل بڑھتے جاتے ہیں دعوے کا یقین بڑھتا جاتا ہے (اور) تیسرے یہ چاہتے ہیں کہ (ہم) ان لوگوں کے سامنے جنہوں نے یہ معجزہ نہیں دیکھا (گواہی دینے والوں میں سے ہو جائیں) کہ ہم نے ایسا معجزہ دیکھا ہے تاکہ ان کے سامنے رسالت کو ثابت کر سکیں، اور یہ ان کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے (عیسیٰ بن مریم) علیہ السلام (نے) جب دیکھا کہ اس درخواست میں ان کی غرض صحیح ہے تو حق تعالیٰ سے (دعا کی کہ اے اللہ ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ) کھانا (ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول) یعنی موجودہ زمانہ میں (ہیں اور جو بعد) کے زمانہ میں آنے والے (ہیں، سب کے لئے ایک خوشی کی بات ہو جائے) حاضرین کی خوشی تو کھانے سے اور درخواست قبول ہونے سے اور بعد والوں کی خوشی اپنے بڑوں پر انعام ہونے سے، اور یہ غرض تو مومنین کے ساتھ خاص ہے (اور) میری رسالت پر (آپ کی طرف سے ایک نشان ہو جائے) کہ مومنین کا یقین بڑھ جائے اور منکرین پر حجت ہو جائے۔ اور یہ مقصد مومنین وغیرہ سب کے لئے عام ہے (اور آپ ہم کو) وہ کھانا (عطا فرمائیے، اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں) کیونکہ سب کا دینا اپنے نفع کے لئے اور آپ کا دینا مخلوق کے نفع کے لئے ہے، اس لئے ہم اپنے منافع کو پیش کر کے آپ سے کھانے کے خوان کی درخواست کرتے ہیں (حق تعالیٰ نے) جواب میں ارشاد (فرمایا کہ) آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (میں وہ کھانا آسمان سے (تم لوگوں پر نازل کرنے والا ہوں پھر) چونکہ اس خرق عادت نعمت کا سوال مومن حواریوں کی طرف سے ہوا تھا اور اس میں ان کی ایک غرض یہ تھی کہ ایمان و یقین کے لئے ایک

نشانی بن جائے۔ ان کا یہ یہ مطالبہ خلاف اولیٰ تھا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اول ان کو اس سے پرہیز کی تلقین کی لیکن ان کے پیش نظر مصلحت ہونے کی وجہ سے دعا فرمادی۔ خود لوگوں کے مطالبہ پر جب خدائی نشانی ظاہر کر دی جائے اور پھر لوگ انکار کی روش اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کا ضابطہ یہ ہے کہ ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔ یہاں مطالبہ کرنے والے اول تو مومن حواری تھے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے خلاف ان کو تلقین بھی کر چکے تھے لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر کوئی کفر اور انکار کی روش کو اختیار کرتا تو انکار ہی نہیں بلکہ ارتداد بھی ہوتا اس لئے انتہائی سخت وعید سنائی۔ دوسری مصلحت جو ان کے پیش نظر تھی وہ خدائی نعمت و رزق کا خرق عادت کے طور پر حصول ہے۔ لیکن چونکہ یہ نعمت غیر معمولی اور نرالی ہوگی اور نرالی نعمت پر شکر گزاری کی تاکید بھی زائد ہوتی ہے اور ناشکری پر عذاب بھی زائد ہوتا ہے اس لئے (جو شخص تم میں سے اس کے بعد) اس کی (ناحق شناسی کرے گا) یعنی ناشکری کرے گا (تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ سزا) اس وقت کے (جہان والوں میں سے کسی کو نہ دوں گا)۔

فائدہ: بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حواریین عذاب کی یہ دھمکی سن کر ڈر گئے اور اپنے سوال سے باز آگئے اور مائدہ نازل نہیں ہوا۔

ربط: احسانات گنوانے کے بعد اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھ ہوگی۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ

مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے کہا لوگوں کو کہ بنا لو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوا اللہ کے۔ کہا (عیسیٰ نے) پاک ہے تو۔ نہیں ہے (لائق) میرے لئے کہ میں کہوں ایسی بات نہیں ہے جس کا مجھ کو حق۔ اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو ضرور جان لیا ہو گا تو نے اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور نہیں میں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ بیشک تو ہی ہے خوب جاننے والا چھپی باتوں کا۔ نہیں کہا میں نے ان کو مگر وہ کہ حکم دیا تو نے مجھ کو جس کا کہ بندگی کرو اللہ کی میرے رب کی اور اپنے رب کی اور میں تھا ان پر خبردار جب تک میں رہا ان میں، پھر جب تو نے اٹھا لیا مجھ کو تو تو ہی تھا خبر رکھنے والا ان پر اور تو ہر چیز سے خبردار ہے۔ اگر تو عذاب دے ان کو تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو معاف کر دے ان کو تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ) قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کافر نصاریٰ کو سنانے کے لئے (فرمائیں گے کہ اے عیسیٰ بن مریم) ان لوگوں میں جن کا عقیدہ تثلیث کا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام کو شریک الوہیت مانتے تھے تو (کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (اور میری ماں) حضرت مریمؑ (کو بھی خدا کے علاوہ معبود قرار دیدو تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ) توبہ توبہ (میں تو) خود اپنے عقیدہ میں (آپ کو) شریک سے (پاک سمجھتا ہوں) جیسا کہ آپ واقع میں بھی اس سے پاک ہیں تو ایسی حالت میں (مجھ کو کسی طرح زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں) نہ اپنے عقیدے کے اعتبار سے کہ میں موحد یعنی ایک خدا کا قائل ہوں اور نہ پیغام الٰہی پہنچانے کے اعتبار سے کہ مجھ کو ایسا کوئی پیغام نہیں دیا گیا تھا، اور ایسی بات نہ کہنے میں میری دلیل یہ ہے کہ (اگر میں نے) واقع میں (کہا ہو گا تو آپ کو اس کا) یقیناً (علم ہو گا) مگر جب آپ کے علم میں بھی میں نے نہیں کہا تو واقع میں بھی نہیں کہا۔ اور کہنے کی صورت میں آپ کو اس کا علم ہونا اس لئے ضروری ہے کہ (آپ تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتے ہیں) تو جو زبان سے کہتا اس کا علم آخر کیوں نہ ہوتا (اور میں) تو دیگر مخلوقات کی طرح اتنا عاجز ہوں کہ (آپ کے علم میں جو کچھ ہے اس کو) آپ کے بتلائے بغیر (نہیں جانتا) جیسے دیگر مخلوقات کا بھی یہی حال ہے پس (تمام غیبوں کے جاننے والے آپ ہی ہیں) سو جب اپنا اس قدر عجز اور آپ کا کمال مجھ کو معلوم ہے تو الوہیت میں شرکت کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہوں۔ یہاں تک تو اس بات کے کہنے کی نفی ہوئی۔ آگے اس کے برعکس کہنے کا اثبات ہے کہ (میں نے تو ان سے اور کچھ

نہیں کہا، صرف وہی) بات کہی (جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمائی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، اور) یہاں تک تو عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حالت کے متعلق عرض کیا۔ آگے ان لوگوں کی حالت کے متعلق عرض کرتے ہیں کیونکہ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ میں اگرچہ صراحتا تو سوال اس کا ہے کہ آپ نے ایسا کلمہ کہا ہے یا نہیں، لیکن اشارۃً اس کا بھی سوال معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ تثلیث کہاں سے پیدا ہوا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اس بارے میں یوں عرض کریں گے کہ (میں ان) کی حالت (پر مطلع رہا جب تک ان میں) موجود (رہا) سو اس وقت تک کا حال تو میں نے مشاہدہ کیا ہے اس کے متعلق بیان کر سکتا ہوں (پھر جب آپ نے مجھ کو اٹھا لیا) یعنی اول بار میں تو زندہ آسمان کی طرف اور دوسری بار میں وفات کے طور پر (تو) اس وقت صرف (آپ ان) کے احوال (پر مطلع رہے) اس وقت مجھ کو خبر نہیں کہ ان کی گمراہی کا سبب کیا ہوا اور کیسے ہوا (اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں)۔ یہاں تک تو اپنا اور ان کا معاملہ عرض کیا۔ آگے ان کے اور حق تعالیٰ کے معاملات کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ (اگر آپ ان کو) اس عقیدہ پر (سزا دیں تو) جب بھی آپ مختار ہیں، کیونکہ (یہ آپ کے بندے ہیں) اور آپ ان کے مالک، اور مالک کو حق ہے کہ بندوں کو ان کے جرائم پر سزا دے (اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو) جب بھی آپ مختار ہیں کیونکہ (آپ زبردست) قدرت والے (ہیں) تو معافی پر بھی قادر ہیں اور (حکمت والے) بھی (ہیں) تو آپ کی معافی بھی حکمت کے موافق ہو گی' اس لئے اس میں بھی کوئی برائی نہیں ہو سکتی، مطلب یہ ہے کہ دونوں حال میں آپ مختار ہیں میں کچھ دخل نہیں دیتا۔

ربط: آگے پچھلی تفتیش و محاسبہ کا نتیجہ ذکر کرتے ہیں

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: فرمایا اللہ نے یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ۔ ان کے لئے ہیں باغ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں رہیں گے انہی میں ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔ یہی ہے بڑی کامیابی۔

تفسیر: مذکورہ بالا تمام مکالمات کے بعد (اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ یہ) قیامت کا

دن (وہ دن ہے کہ جولوگ) دنیا میں اپنے عقائد واعمال اور اقوال میں (سچے تھے) اور ان کا سچا ہونا اب ظاہر ہو رہا ہے، جن میں انبیاء جن سے خطاب ہو رہا ہے، اور مومنین جن کے ایمان کی انبیاء وملائکہ سب شہادت دیں گے سب داخل ہیں غرض یہ سب حضرات جو دنیا میں سچے تھے (ان کا سچا ہونا) آج (ان کے کام آئے گا) اور وہ کام آنا یہ ہے کہ (ان کو) جنت کے (باغ) رہنے کو (ملیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے) اور یہ نعمتیں ان کو کیوں نہ ملیں جبکہ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش اور یہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش ہیں) اور جو شخص راضی ومرضی ہو اس کو ایسی ہی نعمتیں ملتی ہیں (یہ) جو کچھ مذکور ہوا (بڑی بھاری کامیابی ہے) کہ دنیا کی کوئی کامیابی اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔

ربط: اور اس سب پر تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہی ایسی جلیل القدر ہیں مثلاً

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ: اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اللہ ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو) ان آسمانوں اور زمین (میں موجود ہیں اور وہ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں)۔

سورۃ انعام

تقریباً تمام سورت میں اصول کا زیادہ ذکر ہے اور فروعی احکام کا ذکر بہت کم ہے۔ اصول میں یہ امور ہیں۔ اثبات توحید، اثبات رسالت، توحید ورسالت کی تائید کے لئے انبیاء علیہم السلام کے بعض واقعات، اثبات قرآن، بعث بعد الموت کا اثبات، ان کے منکرین کا قولی وفعلی عناد، ان منکرین کے لئے وعیدیں۔ ان وعیدوں کی تائید کے لئے تکذیب کرنے والی بعض امتوں کی ہلاکت کا حال۔ ان منکرین سے محاجہ۔ خود ان کے رسوم وعادات کی تقبیح۔ ان کے ساتھ معاملہ رکھنے میں

اعتدال کی تعلیم کہ تبلیغ میں کمی نہ ہو، تشدد میں حد شرعی سے تجاوز نہ ہو، دلجوئی یا فکر ہدایت میں مبالغہ نہ ہو، ان کے ساتھ میل جول میں مداہنت نہ ہو۔ ان کی جاہلی رسوم کے مقابلہ میں اسلام کے بعض مکارم اخلاق کا بیان۔ اور یہ تمام تر گفتگو مشرکین سے ہے صرف دو تین جگہ مسئلہ نبوت وقرآن یا اشیاء کی حلت وحرمت کی بحث کی مناسبت سے ضمناً اہل کتاب خصوصاً یہود کی تقبیح آ گئی ہے۔

توحید کے دلائل

مجوسی دنیا کے لئے دو خالق مانتے ہیں۔ یزدان جو خالق خیر ہے اور اہرمن جو خالق شر ہے اور دونوں کو نور وظلمت کا لقب دیتے ہیں۔ ہندوستان کے مشرک کروڑوں دیوتاؤں کے قائل ہیں، عیسائیوں نے تین خداؤں میں ایک اور ایک خدا میں تین خدا کا عقیدہ اختیار کیا۔ آریہ سماج توحید کے دعوے کے باوجود مادہ **(Matter)** اور روح کو خدا کی طرح غیر مخلوق کہتے ہیں اور خدا کو اپنی صفت تخلیق میں ان دونوں کا محتاج بتاتے ہیں۔ یہودیوں نے خدا تعالیٰ کے لئے وہ صفات تجویز کیں کہ ایک معمولی انسان بھی نہ صرف ان کے برابر بلکہ اس سے برتر ہو سکتا ہے۔ عرب کے مشرکین کے نزدیک تو پتھر تک معبود بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ غرض آگ، پانی، سورج، ستارے، درخت، پتھر، حیوان کوئی چیز لوگوں نے نہ چھوڑی جسے خدائی کا کچھ حصہ نہ دیا ہو اور عبادت واستعانت وغیرہ کے وقت اسے خدا کے برابر نہ بٹھایا ہو حالانکہ

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۱۶۵ - رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۲﴾ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور اجالے کو پھر (بھی) جن لوگوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر قرار دیتے ہیں۔ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کر دیا

ایک وقت۔ اور ایک مدت مقرر ہے اسی (اللہ) کے نزدیک پھر (بھی) تم شک کرتے ہو۔
اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں، جانتا ہے تمہارے چھپے کو اور تمہارے کھلے کو اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ کی پاک ذات تمام صفات کمال کی جامع اور ہر قسم کی خوبیوں کا منبع ہونے کی وجہ سے (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا، اور تاریکیوں اور روشنی کو بنایا) اور عالم کی دیگر تمام چیزوں کو بھی بنایا (پھر) تعجب ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے باوجود (بھی کافر لوگ) عبادت میں دوسروں کو جو کچھ پیدا کرنا تو کجا خود پیدا کئے گئے (اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم) سب (کو) بواسطہ آدم علیہ السلام کے (مٹی سے بنایا پھر) تمہارے مرنے کا (ایک وقت معین کیا، اور دوسرا وقت معین) دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا (خاص اللہ ہی کے پاس) ہے یعنی صرف اسی کو معلوم (ہے، پھر بھی تم) میں سے بعض (شک رکھتے ہو) کہ قیامت کو محال سمجھتے ہو حالانکہ جس نے پہلی مرتبہ حیات بخشی دوبارہ حیات دینا اس کو کیا مشکل ہے (اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی) کوئی اور اس کے برابر کا نہیں لہٰذا عبادت و استعانت وغیرہ میں کسی غیر اللہ کو شریک ٹھہرانے کی گنجائش کہاں رہی۔ نیز اس کی یہ بھی شان ہے کہ (وہ تمہارے پوشیدہ حالات کو بھی اور تمہارے ظاہر حالات کو بھی) یکساں (جانتے ہیں اور) بالخصوص (تم جو کچھ) ظاہر میں یا باطن میں (عمل کرتے ہو اس کو جانتے ہیں)۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم یونہی مہمل و بیکار چھوڑ دیئے جاؤ اور تمہیں اپنے اعمال کا حساب نہ دینا پڑے۔

فائدہ: تینوں آیتوں کا مشترکہ مقصود توحید ہے یعنی عبادت کے لائق وہ ہے جس میں یہ صفات ہوں کہ وہ آفاق و انفس کا خالق ہو اور غیب و شہادت کا عالم ہو۔

ربط: اوپر توحید کی آیات و دلائل بیان کر کے آگے کفار کا مطلقاً آیات الٰہیہ سے اعراض کرنا ذکر کرتے ہیں اور اس پر وعید بھی سناتے ہیں۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ
رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ
أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن

تَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا
اٰخَرِيْنَ ۝

ترجمہ: اور نہیں آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے مگر وہ ہو جاتے ہیں اس سے اعراض کرنے والے سو بیشک جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ پہنچا ان تک۔ سو جلد آئیں گی ان کے پاس خبریں اس (عذاب) کی جس کا وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جماؤ دیا تھا ہم نے جن کو زمین میں اتنا کہ جو نہیں جماؤ دیا ہم نے تم کو اور چھوڑ دیا ہم نے آسمان کو ان پر لگاتار برستا ہوا، اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہیں ان کے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو بسبب ان کے گناہوں کے اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد اور امتوں کو۔

تفسیر: اور (ان) کفار کے پاس (کوئی نشانی بھی ان کے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آئی مگر وہ اس سے اعراض ہی کیا کرتے ہیں، سو) چونکہ یہ ان کی عادت بنی ہوئی ہے (انہوں نے اس سچی کتاب) قرآن (کو بھی جھوٹا بتایا جب کہ وہ ان کے پاس پہنچی تو) ان کی یہ تکذیب خالی نہ جائے گی بلکہ (جلد ہی ان کو خبر مل جائے گی اس چیز) یعنی عذاب (کی جس کے ساتھ یہ لوگ استہزاء کیا کرتے تھے) اور جس کی خبر قرآن میں سن کر ہنستے تھے اور اس کی خبر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب نازل ہوگا تو اس خبر کی تصدیق آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ (کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو) مثلاً عاد و ثمود وغیرہ کو عذاب سے (ہلاک کر چکے ہیں) جن کے آثار باقی اور نمایاں ہیں۔ ان کے آثار کو دیکھنا گویا ان کی ہلاکت کو دیکھنا ہے (جن کو ہم نے دنیا میں ایسی) جسمانی اور مالی (قوت دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے) کھیت اور باغوں کے (نیچے سے نہریں جاری کیں) جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے (پھر) اس قوت و قدرت اور سامان و اسباب کے ہوتے ہوئے (ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب) مختلف قسم کے عذاب سے (ہلاک کر ڈالا اور اس سے ہمارا اپنا کچھ بھی نقصان نہ ہوا اور نہ ہوتا ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد بھی دنیا ویسے ہی آباد رہی (اور ہم نے ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر

دیا) تو اگر تم پر بھی عذاب نازل کر دیں تو کوئی تعجب نہیں ہے۔

فائدہ: جس عذاب سے موجود کفار کو ڈرایا اس سے یا تو دنیوی عذاب مراد ہے چنانچہ قتل اور قید کئے گئے یا آخرت کا عذاب مراد ہے کہ وہ بھی قریب ہے کیونکہ موت کے ساتھ ہی اس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ربط: کفار کی تکذیب واعراض کا بیان ہوا۔ آگے تکذیب پر اصرار اور عناد کا ذکر ہے جو توحید وکتاب کے ساتھ ساتھ رسالت کے بارے میں بھی تھا۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ
لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَ
لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

ترجمہ: اور اگر اتارتے ہم تجھ پر تحریر کسی کاغذ میں پھر چھو لیتے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے (تب بھی) ضرور کہتے کافر نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ۔ اور اگر اتارتے ہم فرشتہ تو طے کر دیا جاتا قصہ پھر نہ مہلت دیئے جاتے وہ (کافر) اور اگر ہم بناتے رسول کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو آدمی (کی صورت میں) اور شبہ ڈالتے ہم ان پر وہی جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں۔

تفسیر: اور ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ (اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ پر نازل فرماتے، پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے) جیسا کہ ان کا مطالبہ تھا کہ لکھی ہوئی کتاب آسمان سے آجائے اور ہاتھوں سے چھو لینے کا ذکر کر کے نظر بندی کے شبہ کو بھی دور کر دیا (تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے) کیونکہ جب بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نئی بات نکال لینا کیا مشکل ہے (اور یہ لوگ یوں) بھی (کہتے ہیں کہ ان) پیغمبر (کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا) جس کو ہم دیکھیں اور جس کی باتیں ہم سنیں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں (اور اگر ہم کوئی فرشتہ) اسی طرح (بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر) نزول فرشتہ کے بعد (ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ

ہے کہ جن لوگوں کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا گیا اگر پھر بھی انہوں نے ایمان سے انکار کیا تو فوراً کسی مہلت کے بغیر ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور جب تک اپنا مطلوبہ معجزہ نہ دیکھیں دنیا میں مہلت ملتی رہتی ہے۔ (اور اگر) کسی کو یہ خیال ہو کہ اگر فرشتہ نازل ہو جاتا تو شاید یہ مان لیتے تو یہ خیال غیر واقعی ہے کیونکہ اگر (ہم اس) پیغام پہنچانے والے (کو فرشتہ ہی قرار دیتے تو) پھر اگر ہم اس کو فرشتہ ہی کی شکل میں بھیجتے تو اس کی ہیبت انسانوں سے برداشت نہ ہوتی، اس لئے (ہم اس) فرشتہ (کو آدمی ہی) کی شکل (بناتے تو اس پر بھی وہی شبہ کرتے جواب کر رہے ہیں) یعنی اس فرشتہ کو بشر سمجھ کر پھر بھی اعتراض کرتے ،غرض نزول فرشتہ جس کا یہ مطالبہ کرتے ہیں اگر اس کو پورا کر دیا جائے تو ان کو اس سے کوئی فائدہ تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ فرشتہ کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے پر ان کو قدرت نہیں، اور انسانی شکل میں بھیجنے سے ان کا شبہ دور نہیں ہوگا اور دوسری طرف ان کو یہ نقصان پہنچے گا کہ نہ ماننے پر خود ہی عذاب کے مستحق ہو جائیں گے۔

ربط: کفار کی تکذیب و استہزاء سے رسول اللہ ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا اس لئے آگے تسلی کا مضمون فرماتے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ استہزاء کیا گیا رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جو ہنسی کرتے تھے ان (رسولوں) سے اس چیز نے جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ تو کہہ دے کہ چلو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔

تفسیر: (اور) آپ ان کی بے ہودگیوں سے صدمہ نہ کیجئے کیونکہ (واقعی آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ان کے ساتھ بھی) مخالفین کی طرف سے (استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے) جب انہوں نے ان کو تکذیب پر عذاب کی وعید سنائی (تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا۔ جس کا تمسخر اڑاتے تھے) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اس طرز عمل سے انبیاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ یہ خود انہی کے لئے عذاب اور مصیبت ہے اور اگر یہ لوگ سابقہ امتوں کے عذاب کا انکار کرنے لگیں تو (آپ) ان سے (فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے

والوں کا کیا انجام ہوا) ان کے آثار کے ہوتے ہوئے برے انجام کا انکار مشکل ہے۔

ربط: آگے پھر توحید کا مضمون ہے اور اس کے ضمن میں قیامت کا مضمون ہے تاکہ توحید کے اعتقاد میں رغبت ہو اور شرک سے خوف ہو۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ
قُلْ لِّلّٰهِؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ
لَا رَیْبَ فِیْهِؕ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ
مَا سَكَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّهَارِؕ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَیْرَ
اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ یُطْعِمُ وَلَا یُطْعَمُؕ
قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ
عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ
الْمُبِیْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَ
اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ
فَوْقَ عِبَادِهٖؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: کہہ کس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں۔ کہہ دے اللہ کا ہے، اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی۔ ضرور اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن کہ کچھ شک نہیں ہے اس میں جو لوگ نقصان کر چکے اپنی جانوں کا وہی ایمان نہیں لاتے۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں اور وہی ہے (سب کچھ) سننے والا جاننے والا۔ تو کہہ دے کیا اللہ کے علاوہ کو میں بناؤں مددگار (وہ اللہ) جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور وہ کھلایا نہیں جاتا۔ کہہ دے بے شک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلا جو اسلام لایا اور تو ہرگز نہ ہو شرک کرنے

والوں میں سے۔تو کہہ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ شخص کہ پھیر دیا گیا (وہ عذاب) اس سے اس دن تو رحم کر دیا اللہ نے اس پر اور یہی ہے کامیابی کھلی۔ اور اگر پہنچا دے تجھ کو اللہ کچھ سختی تو نہیں کوئی دور کرنے والا اس کو سوا اس کے، اور اگر پہنچا دے تجھ کو بھلائی تو وہ ہر چیز پر قادر ہے، اور وہ زور آور ہے اپنے بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا خبر رکھنے والا۔

تفسیر: (آپ) ان مخالفین سے ان پر حجت قائم کرنے کیلئے (کہئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے یہ سب کس کی ملک ہے) اول تو وہ بھی یہی جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ کی ملک ہے جس سے توحید ثابت ہو گی اور اگر کسی وجہ سے مثلاً مغلوبیت کے خوف کی وجہ سے جواب نہ دیں تو خود (آپ کہہ دیجئے کہ سب اللہ ہی کی ملک ہے) اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (اللہ تعالیٰ نے) اپنے فضل سے توبہ کرنے والوں کے ساتھ (مہربانی فرمانا اپنے ذمہ لازم فرما لیا ہے) اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ اگر تم نے توحید کو قبول نہ کیا تو پھر سزا بھی بھگتنا پڑے گی کیونکہ (تم کو خدا تعالیٰ قیامت کے روز) قبروں سے زندہ اٹھا کر میدان حشر میں (جمع کریں گے) اور قیامت کی حالت یہ ہے کہ (اس کے آنے میں کوئی شک نہیں) مگر (جن لوگوں نے اپنے کو) یعنی اپنی عقل و نظر کو (ضائع) یعنی معطل (کر لیا ہے، سو وہ ایمان نہ لائیں گے اور) اتمام حجت کے لئے ان سے یہ بھی کہئے کہ (اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ رات میں اور دن میں رہتے ہیں) اس آیت کے اور اس سے پہلی آیت قُلْ لِمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ کے مجموعہ کا حاصل یہ نکلا کہ جتنی چیزیں کسی مکان میں ہیں یا کسی زمانہ میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں (اور وہی سب سے بڑا سننے والا جاننے والا ہے) توحید کو ثابت کرنے کے بعد اب (آپ) ان سے (کہئے کہ کیا اللہ کے سوا جو کہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں اور جو) سب کو (کھانا کھلاتے ہیں اور ان کو کوئی نہیں کھلاتا) کیونکہ وہ کھانے پینے کی احتیاج سے بالاتر ہیں، تو کیا ایسے اللہ کے سوا (کسی کو اپنا معبود قرار دوں آپ) اس استفہام انکاری کی وضاحت میں خود (فرما دیجئے) کہ میں غیر اللہ کو معبود کیسے قرار دے سکتا ہوں جو عقل و نقل کے خلاف ہے (مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کر لوں) جس میں عقیدہ توحید بھی آ گیا (اور) مجھ کو یہ کہا گیا کہ (تم مشرکین میں سے ہرگز نہ ہونا)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا کہنا نہ مانوں) کہ اسلام و ایمان کے حکم کی تعمیل نہ کروں یا شرک میں مبتلا ہو جاؤں (تو میں ایک بڑے دن) یعنی قیامت (کے عذاب سے ڈرتا

ہوں) یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم ﷺ معصوم ہیں، اسلام وایمان کے خلاف شرک و معصیت کا صادر ہونا آپ سے ممکن نہیں، مگر یہاں سنانا عام امت کو ہے کہ نبی معصوم بھی اللہ کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں، پھر فرمایا کہ وہ عذاب ایسا ہے کہ (جس شخص سے اس روز کا عذاب ہٹا دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا اور یہ) عذاب کا ہٹ جانا اور اللہ کی رحمت کا متوجہ ہو جانا (صریح کامیابی ہے اور) آپ ان کو یہ بھی سنا دیجئے کہ اے انسان (اگر تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف) دنیا یا آخرت میں (پہنچائیں تو اس کا دور کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں) وہی چاہیں تو دور کریں یا نہ کریں اور جلد کریں یا دیر میں کریں (اور اگر تجھ کو) اسی طرح (کوئی نفع پہنچادیں تو) اس کا بھی کوئی ہٹانے والا نہیں، جیسا دوسری جگہ ہے لَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ کیونکہ (وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں) اور اس مضمون کی تاکید کے لئے یہ بھی فرما دیجئے کہ (وہی اللہ تعالیٰ) قدرت کے اعتبار سے (اپنے بندوں پر غالب اور برتر ہیں اور) علم کے اعتبار سے (وہی بڑی حکمت والے اور پوری خبر رکھنے والے ہیں) لہٰذا وہ علم سے سب کا حال جانتے ہیں اور قدرت سے سب کو جمع کرلیں گے اور حکمت سے مناسب جزاء وسزا دیں گے۔ اس لئے اسلام قبول کر لینا ضروری ہے۔

ربط: اوپر توحید و رسالت کے بارے میں جدا جدا کلام ہوا ہے آگے دونوں کے بارے میں اکٹھا کلام ہے چنانچہ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ میں توحید کی بحث ہے اور قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ میں رسالت کی بحث ہے۔ وجہ یہ ہوئی کہ کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر کہا کہ کیا خدا تعالیٰ کو آپ کے سوا کوئی رسول نہیں ملا، ہم تو نہیں سمجھتے کہ آپ کے دعوی کی کوئی تصدیق کرسکتا ہے اور ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا وہ تو یوں کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں آپ کا ذکر ہی نہیں تو ہم کو کوئی ایسا شخص بتائیے جو اس بات کی گواہی دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ

قُلِ اللّٰهُ ۣ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: تو کہہ کون سی چیز سب سے بڑی ہے گواہی دینے میں۔ کہہ دے اللہ گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ میں ڈراؤں تم کو اس کے ذریعہ اور (اس کو) جس کو پہنچے (قران)۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ معبود اور بھی ہیں۔ تو کہہ دے میں (تو) گواہی نہ دوں گا۔ کہہ دے محض وہی ہے معبود ایک اور بے شک میں بیزار ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو۔ وہ لوگ کہ دی ہم نے جن کو کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے۔ اور کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو، بلاشک کامیاب نہیں ہوتے ظالم لوگ۔

تفسیر: (آپ) توحید و رسالت کے ان منکرین سے (کہیے کہ) اچھا یہ تو بتاؤ کہ (سب سے بڑھ کر چیز گواہی دینے کیلئے کون سی ہے) جس کی گواہی دینے پر سب کا اختلاف ختم ہو جائے۔ اس کا جواب ظاہر ہے یہی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر (آپ کہیے کہ میرے اور تمہارے درمیان) جس مسئلہ میں اختلاف ہے اس میں وہی (اللہ تعالیٰ گواہ ہے) جس کی گواہی سب سے بڑھ کر ہے (اور) ان کی گواہی یہ ہے کہ (میرے پاس یہ قرآن بطور وحی کے) اللہ کی جانب سے (بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے ان سب کو) ان وعیدوں سے (ڈراؤں) جو توحید و رسالت کے انکار پر اس میں مذکور ہیں رسول اللہ ﷺ کی سچائی پر قرآن کے وحی ہونے سے اللہ تعالیٰ کی گواہی کی ایک صورت تو قرآن کا اعجاز اور اس کی مثل بنانے سے ساری دنیا کا عاجز ہونا ہے اور دوسری صورت مضامین قرآن کی حقانیت ہے۔ تو (کیا تم) اللہ تعالیٰ کی قرآن جیسی بڑی شہادت کے بعد بھی جو کہ توحید کو شامل ہے توحید کے بارے میں (سچ مچ یہی گواہی دو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ) استحقاق عبادت میں (کچھ اور معبود بھی) شریک (ہیں)۔ اور اگر وہ ہٹ دھرمی سے اس پر بھی کہہ دیں کہ ہاں ہم تو یہی گواہی دیں گے تو اس وقت ان سے بحث کرنا فضول ہے، بلکہ صرف (آپ) اپنے عقیدہ کو ظاہر کرنے کے لئے (کہہ دیجئے کہ میں تو اس کی گواہی نہیں دیتا اور بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں) اور آپ کی رسالت کے بارے میں جو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیا! تو اول تو اس معاملہ کی تحقیق یہ ہے کہ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات و انجیل (دی ہے وہ سب لوگ رسول ﷺ (کو) شروع سے بلاشک و شبہ ایسا (پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو) (پہچانتے ہیں)

کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر عادۃً کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے البتہ حسد، تکبر، تقلید آباء اور حب جاہ وحب مال وغیرہ کی وجہ سے مانتے نہیں اس لئے زبان سے ان کے جھوٹا کہنے کا اعتبار نہیں۔ علاوہ ازیں قرآن جیسی بڑی شہادت کے ہوتے ہوئے اہل کتاب کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں لہٰذا اس کے نہ ہونے سے بھی کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسی بڑی شہادت کے ہوتے ہوئے بھی (جن لوگوں نے اپنے کو ضائع کر لیا ہے) کہ مذکورہ شہادت جن طریقوں سے توحید اور رسالت پر دلالت کرتی ہے ان پر اپنی عقل سے صحیح کام نہیں لیا بلکہ اس کو معطل رکھ چھوڑا ہے (سو وہ ایمان نہ لائیں گے) اور رسالت کو نہ مانیں گے (اور) ایسے لوگ تو بڑے ظالم اور بے انصاف ہیں کیونکہ (اس سے زیادہ کون بے انصاف ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے) اور اس کا شریک ٹھہرائے (یا اللہ تعالیٰ کی آیات) و دلائل (کو جھوٹا بتائے، ایسے بے انصافوں) کا حال یہ ہوگا کہ ان (کو) قیامت کے دن (فلاح حاصل نہ) ہوگی بلکہ دائمی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔

ربط: یہ بتا کر کہ توحید و رسالت کے منکرین کو فلاح حاصل نہ ہوگی آگے اس کی کچھ کیفیت ذکر کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا تھا کہاں ہیں شریک تمہارے جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ پھر نہ رہے گا ان کا کوئی فریب مگر یہی کہ کہیں گے قسم ہے اللہ (کی) ہمارے رب کی نہ تھے ہم شرک کرنے والے۔ دیکھو تو کیسا جھوٹ بولے اپنے اوپر اور کھوئی گئیں ان سے وہ باتیں جو یہ بنایا کرتے تھے۔

تفسیر: (اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جس روز ہم تمام خلائق کو) میدان حشر میں (جمع کریں گے پھر ہم مشرکین سے) بواسطہ یا بلاواسطہ ڈانٹ ڈپٹ کے طور پر (کہیں گے کہ بتاؤ (تمہارے وہ شرکاء جن کے معبود ہونے کا تم دعویٰ کرتے تھے کہاں گئے) کہ تمہاری سفارش نہیں کرتے جس پر تم کو بھروسہ تھا (پھر ان کے شرک کا انجام اس کے سوا اور کچھ بھی) ظاہر (نہ ہوگا

کہ) وہ اس شرک سے خود بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں گے اور بدحواسی کے عالم میں سوائے انکار کے کچھ بن نہ پڑے گا لہٰذا (یوں کہیں گے قسم اللہ کی اپنے پروردگار کی کہ ہم مشرک نہیں تھے) حق تعالیٰ نے فرمایا تعجب کی نظر سے (ذرا) ان کی بدحواسی (دیکھو تو کس طرح) صریح (جھوٹ بولا اپنی جانوں پر اور جن چیزوں کو وہ جھوٹ موٹ تراشا کرتے تھے) یعنی ان کے بت اور جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ان کے بے چارگی تو دیکھو کہ (وہ سب غائب ہو گئے)۔

فائدہ: 1۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ شریک وہاں نہ ہوں گے جب کہ دوسری آیات جیسے اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْ يَعْبُدُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی موجود ہونگے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ذات تو موجود ہوں گی لیکن جس وصف کے ساتھ مشرکین ان کو مانتے تھے اس وصف کے ساتھ نہ ہوں گے۔

2۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کفار سے بولیں گے جب کہ دوسری آیت لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ بولیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو کلام بطور اکرام کے ہو وہ نہ ہوگا البتہ ڈانٹ ڈپٹ کا کلام ہوگا۔

3۔ قیامت کے دن تمام حقیقتیں کھل جائیں گی تو وہاں جھوٹ کیسے بولیں گے۔ جواب یہ ہے کہ انتہائی حیرت اور دہشت کی وجہ سے کچھ بن نہ پڑے گا تو اسی کا سہارا ڈھونڈیں گے۔

ربط: توحید و رسالت کے انکار کی مذمت اور جزا کے بیان کے بعد انکار قرآن کی شناعت مذکور ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ
يَنْـــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

ترجمہ: اور ان (مشرکین) میں سے (بعض) وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں تیری طرف اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر پردے (اس سے) کہ سمجھیں قرآن کو اور (رکھ دیا ہم نے) ان کے کانوں میں بوجھ، اور اگر وہ دیکھ لیں تمام نشانیاں (تو بھی) ایمان نہ لائیں

ان پر۔ یہاں تک کہ جب آتے ہیں تیرے پاس جھگڑتے ہیں تجھ سے (اس طور پر کہ) کہتے ہیں کافر نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں کی اور یہ لوگ روکتے ہیں اس (قرآن) سے اور دور رہتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو، اور نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور ان) مشرکین (میں بعض ایسے ہیں کہ) آپ کے قرآن پڑھنے کے وقت اس کے سننے کو (آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور) چونکہ یہ سننا طلب حق کے لئے نہیں محض تماشے یا تمسخر کی نیت سے ہوتا ہے اس لئے اس سے ان کو کچھ نفع نہیں ہوتا، نصیحت و ہدایت سے ان کی مسلسل روگردانی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل اور قوای ماؤف ہوکر رہ گئے اور ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے۔ چونکہ اسباب پر مسببات کو مرتب کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے اس لئے مذکورہ مسببات یعنی پردے غیرہ ڈالنے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں (ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس) قرآن کے مقصود (کو سمجھیں اور) ہم نے (ان کے کانوں میں بوجھ بھر دیا ہے) کہ جس سے وہ اس کو ہدایت کے لئے نہیں سنتے، یہ تو ان کے دلوں اور کانوں کی حالت تھی، اب ان کی بصارت اور نگاہ کو دیکھو (اگر وہ لوگ) آپ کی نبوت کی سچائی کے (تمام دلائل کو) بھی (دیکھ لیں ان پر بھی ایمان نہ لائیں)۔ ان کافروں کے عناد کی نوبت (یہاں تک) پہنچی ہے (کہ جب یہ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے خواہ مخواہ جھگڑتے ہیں) اس طور پر کہ (یہ لوگ جو کافر ہیں یوں کہتے ہیں کہ یہ) قرآن (تو کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پچھلے لوگوں سے) منقول (چلی آتی ہیں) یعنی مذہب والے پہلے سے ایسی باتیں کرتے چلے آتے ہیں مثلاً یہ کہ معبود ایک ہی ہے اور یہ کہ انسان خدا کا پیغمبر ہوسکتا ہے اور یہ کہ قیامت میں پھر زندہ ہونا ہے۔ آگے اس سے ترقی کر کے دوسروں کو بھی ہدایت سے روکنے کا کام شروع کیا (اور) پھر (یہ لوگ اس) قرآن (سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی) اس سے نفرت ظاہر کرنے کے لئے (دور دور رہتے ہیں اور) ان حرکتوں سے (یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور) حماقت اور انتہائی بغض کی وجہ سے (کچھ خبر نہیں رکھتے) کہ ہم کس کا نقصان کر رہے ہیں، ہمارے اس فعل سے رسول اور قرآن کا تو کچھ بگڑتا نہیں۔

ربط: آگے انکار قرآن کی جزا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ کھڑے کیے جائیں گے وہ دوزخ پر پس کہیں گے اے کاش ہم واپس بھیج دیئے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔ (کوئی نہیں) بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لئے جو وہ چھپاتے تھے پہلے، اور اگر واپس بھیجے جائیں تو (پھر بھی) وہی کام کریں کہ منع کیے گئے تھے جس سے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں۔

تفسیر: (اور اگر آپ) ان کو (اس وقت دیکھیں) تو بڑا ہولناک واقعہ نظر آئے (جب کہ یہ) منکرین (دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے) اور قریب ہو گا کہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں (تو) ہزاروں تمناؤں کے ساتھ (کہیں گے ہائے کیا اچھی بات ہوتی کہ ہم) دنیا میں (پھر واپس بھیج دیئے جائیں اور اگر ایسا ہو جائے تو ہم) پھر (اپنے رب کی آیات) مثل قرآن وغیرہ (کو کبھی جھوٹا نہ بتائیں اور ہم) ضرور (ایمان والوں میں سے ہو جائیں)۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمنا اور وعدہ سچی رغبت اور اطاعت کے قصد سے نہیں (بلکہ) اس وقت ایک مصیبت میں پھنسے ہوئے ہیں کہ (جس چیز کو) یعنی آخرت کے عذاب کو جس سے کفر و معصیت پر ان کو دنیا میں ڈرایا جاتا تھا (اس سے پہلے) دنیا میں (چھپایا) کرتے تھے یعنی اس کا انکار (کرتے تھے، وہ) آج (ان کے سامنے آ گئی ہے) مطلب یہ ہے کہ اس وقت جان کو بن رہی ہے، اس لئے جان بچانے کو یہ سارے وعدے ہو رہے ہیں، اور دل سے ہرگز وعدہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں یہاں تک کہ (اگر) بالفرض (یہ لوگ پھر واپس بھی بھیج دیئے جائیں تب بھی یہ وہی) کفر و نافرمانی کا (کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً یہ) ان وعدوں میں (بالکل جھوٹے ہیں) کہ نہ اس وقت ایفائے وعدہ کا قصد ہے نہ ہی دنیا میں جا کر ایفاء کرتے، یہ ایسے سرکش اور معاند ہیں۔ اس کے بعد دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے۔

فائدہ: منکرین جب قیامت میں اپنی آنکھوں سے واقع ہونے والے امور کا معائنہ کر لیں گے تو اس کے بعد پھر دنیا میں لوٹائے جاتے پر ان سے کفر اور تکذیب کا احتمال کیونکر ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ تکذیب تو زبان کا فعل ہے اور خود کفر ہے اور دل میں یقین ہونے کے باوجود زبان سے تکذیب ہونا ممکن ہے جیسے بعض ضدی قسم کے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ دل میں جانتے ہیں مگر مانتے نہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ

عُلُوًّا (سورہ نمل: 14) یعنی فرعون اور آل فرعون نشانیاں دیکھ کر دل میں یقین کر چکے تھے کہ یہ خدائی نشانیاں ہیں مگر محض بے انصافی اور تکبر کی وجہ سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب کی اور سچائی کا انکار کیا۔

ربط: آگے بعث بعد الموت کے انکار اور اس کی سزا کا بیان ہے۔

وَقَالُوٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ (زندگی) مگر ہماری دنیوی زندگی اور نہیں ہم (دوبارہ) اٹھائے جانے والے۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت وہ کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے سامنے، فرمائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی، (اللہ) فرمائے گا تو چکھو عذاب بدلے میں اس کے جو تم کفر کرتے تھے۔ تباہ ہوئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ جانی ملاقات اللہ کی۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک تو کہیں گے اے افسوس ہمارا اس پر جو کوتاہی کی ہم نے اس بارے میں۔ اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ خبردار ہو جاؤ کہ برا (بوجھ) ہے جس کو وہ اٹھائیں گے۔

تفسیر: (اور یہ) منکرین (کہتے ہیں کہ زندگی اور کوئی نہیں، بس یہی دنیا کی زندگی ہے) لہٰذا دنیوی زندگی کے خوب مزے لوٹ لو اور) آخرت کی فکر سے ان مزوں کو خراب نہ کرو کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے کہنے کے برعکس (اور ہم) اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد پھر (زندہ نہ کئے جائیں گے) اس وقت تو یہ آخرت کی زندگی کو جھٹلا رہے ہیں لیکن آخرت تو ہو کر ہی رہے گی (اور اگر آپ) ان کو (اس وقت دیکھیں) تو بڑا عجیب واقعہ نظر آئے گا (جب کہ یہ اپنے رب کے سامنے

حساب کے لئے کھڑے کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ) کہو (کیا) قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کا (یہ امر واقعی نہیں۔ وہ کہیں گے بیشک) واقعی ہے (قسم ہمارے رب کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کا مزہ چکھو) اس کے بعد دوزخ میں بھیج دئے جائیں گے۔ (بے شک) سخت (خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے ملنے کی) یعنی قیامت کے روز زندہ ہوکر خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی کی (تکذیب کی) اور یہ تکذیب تھوڑے دنوں رہے گی (یہاں تک کہ جب وہ معین وقت) یعنی قیامت کا دن اپنے مقدمات سمیت (ان پر اچانک) بلا اطلاع (آ پہنچے گا) اس وقت ساری تکذیب اور سارے دعوے ختم ہو جائیں گے اور (کہنے لگیں گے ہائے افسوس ہماری کوتاہی) اور غفلت (پر جو اس) قیامت (کے بارے میں) ہم سے (ہوئی) وہ غفلت یہ ہے کہ قیامت کی تکذیب کی جو اس کے حق کا ضائع کرنا ہے (اور حالت ان کی یہ ہوگی کہ وہ اپنے) گناہ و کفر کا (بار اپنی کمر پر لادے ہوں گے) یعنی اپنے گناہ اور کفر کے عذاب اور وبال میں زیر بار ہوں گے (خوب سن لو کہ بری ہوگی وہ چیز جس کو) اپنے اوپر (لادیں گے) کیونکہ اس کا انجام برا ہوگا کہ عذاب ہے۔

ربط: اوپر بتایا کہ بعث اور حیات اخروی ثابت ہے آگے اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ ثابت بھی ایسی ہے کہ اس کے سامنے دنیوی زندگی گویا کہ ثابت ہی نہیں ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور نہیں ہے زندگی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا۔ اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو۔

تفسیر: (اور دنیوی زندگی) جس میں کفار نے حیات کو منحصر سمجھ رکھا ہے اس کے شغل غیر نافع اور غیر باقی ہونے کی بنا پر (تو کچھ بھی نہیں سوائے کھیل اور جی بہلانے کے اور) اس کے بعد پیش آنے والا (پچھلا گھر) یعنی آخرت جس کا کفار انکار کر رہے ہیں باقی رہنے والا ہے (متقیوں کے لئے بہتر) یعنی نافع بھی (ہے۔ کیا) اے منکرو! دلائل کے قائم ہونے کے باوجود (تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو) کہ آخرت کو مان کر اس کے لئے سامان کرو جو کہ ایمان اور اعمال ہیں)۔

فائدہ: 1 خود دنیوی زندگی کو لہو ولعب فرمانا مقصود نہیں بلکہ اس کے ان اعمال و اشغال کو

بتانا مقصود ہے جن کا آخرت کے ثواب سے کچھ تعلق نہیں۔

2۔ غیر نافع کام میں مشغول ہونے کے دو اثر ہوتے ہیں۔ ایک خود اس کی طرف متوجہ ہونا دوسرے اس توجہ کی وجہ سے نافع کاموں سے بے توجہی ہو جانا۔ غیر نافع کام پہلے اثر کے اعتبار سے لعب کہلاتا ہے اور دوسرے اثر کے اعتبار سے لہو کہلاتا ہے۔

ربط: کفار کے انکار و تکذیب کی باتوں سے آپ ﷺ کو صدمہ اور رنج پہنچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ آگے آپ کو تسلی دیتے ہیں۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بے شک ہم جانتے ہیں کہ غم میں ڈالتی ہے تجھ کو وہ بات جو وہ کہتے ہیں۔ سو وہ نہیں جھٹلاتے تجھ کو لیکن (یہ) ظالم لوگ (تو) اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، اور جھٹلائے گئے ہیں بہت سے رسول تجھ سے پہلے پس انہوں نے صبر کیا اپنے جھٹلائے جانے پر اور ایذاء دیئے گئے یہاں تک کہ آئی ان کے پاس مدد ہماری۔ اور نہیں ہے کوئی بدلنے والا اللہ کی باتیں۔ اور پہنچ چکے ہیں تجھ کو کچھ حالات رسولوں کے۔

تفسیر: (ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو ان) کفار (کے اقوال مغموم کرتے ہیں سو) آپ غم میں نہ پڑیئے بلکہ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ (یہ لوگ) براہ راست (آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، لیکن یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا) قصداً (انکار کرتے ہیں،) گو اس سے آپ کی تکذیب بھی لازم آتی ہے مگر ان کا اصل مقصود اللہ کی آیتوں کی تکذیب ہے اور جب ان کا اصل مقصد اللہ کی آیتوں کی تکذیب ہے تو ان کا یہ معاملہ خود اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوا وہ خود ہی ان کو سمجھ لیں گے، آپ کیوں غم میں مبتلا ہوں (اور) کفار کی یہ تکذیب کوئی نئی بات نہیں بلکہ (بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جا چکی ہے، تو انہوں نے صبر ہی کیا اس پر کہ جو ان کی تکذیب کی گئی اور جو ان کو) طرح طرح کی (ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچ گئی) جس سے مخالف مغلوب ہو گئے، (اور) اسی طرح صبر کرنے کے بعد آپ کو بھی امداد الٰہی پہنچے گی،

کیونکہ (اللہ تعالیٰ کی باتوں) یعنی وعدوں (کو کوئی بدلنے والا نہیں) اور امداد کا وعدہ آپ سے ہو چکا ہے، جیسا کہ فرمایا: لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ یعنی میں اور میرے رسول ہی ضرور غالب ہوں گے اور اس سے مخالفین کا بالآخر مغلوب ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

فائدہ: اس تسلی کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ابتدائی چند روزہ صبر کے بعد وہ اپنے رسولوں کو امداد بھیج دیتے ہیں جس سے دنیا میں بھی حق کا غلبہ ہو جاتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے، اور آخرت میں بھی رسولوں کو عزت و فلاح ملتی ہے، آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہونے والا ہے، لہٰذا آپ مغموم نہ ہوں۔

ربط: رسول اللہ ﷺ کو چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ انتہا درجے کی شفقت و محبت تھی اس لئے مذکورہ بالا تسلی کے باوجود آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ مشرکین اگر موجودہ معجزات اور نبوت کے دلائل پر مطمئن ہو کر ایمان نہیں لاتے تو جس قسم کے معجزات کا یہ مطالبہ کرتے ہیں وہی معجزات واقع ہو جائیں، شاید ایمان لے آئیں۔ اور اس وجہ سے ان کا کفر دیکھ کر صبر نہ آتا تھا، اس لئے اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ ہماری حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کے فرمائشی معجزے واقع نہ کئے جائیں گے آپ کچھ عرصہ صبر کیجئے۔

وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا
فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ
فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ
وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٣٦﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ
عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَ
لَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٧﴾

ترجمہ: اور اگر گراں ہوتا ہے تجھ پر ان کا منہ پھیرنا تو اگر تو طاقت رکھے کہ ڈھونڈ نکالے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائے تو ان کے پاس ایک معجزہ (تو لے آ) اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا ان سب کو (سیدھی) راہ پر سو تو مت ہو

نادانوں میں سے۔ محض مانتے ہیں وہ لوگ جو سنتے ہیں، اور (رہے) مردے (تو) اٹھائے گا ان کو اللہ پھر اس کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔ اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ کہہ دیجئے بے شک اللہ قادر ہے اس پر کہ اتارے نشانی لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر۔ (اور اگر آپ کو ان) منکرین (کا اعراض) وانکار (گراں گزرتا ہے) اور اس لئے جی چاہتا ہے کہ ان کے فرمائشی معجزات ظاہر ہو جائیں (تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں) جانے کو (کوئی سرنگ یا آسمان میں) جانے کو (کوئی سیڑھی ڈھونڈھ لیں پھر) اس کے ذریعہ زمین یا آسمان میں جا کر وہاں سے فرمائشی معجزوں میں سے (کوئی معجزہ لے آئیں تو) بہتر ہے آپ ایسا (کرلیں) یعنی ہم تو ان کی یہ فرمائشیں عدم ضرورت اور اپنی حکمت کے تقاضے کی وجہ سے پوری نہیں کرتے، اگر آپ یہی چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یہ مسلمان ہی ہو جائیں تو آپ خود اس کا انتظام کیجئے (اور اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا) لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ سب راہ راست پر نہ ہوں۔ (سو آپ) اس فکر کو چھوڑ یئے اور (نادانوں میں سے نہ ہوں) حق و ہدایت کو تو (محض وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو) حق بات کو طلب حق کے ارادہ سے (سنتے ہیں۔ اور) اگر اس انکار و اعراض کی پوری سزا ان کو دنیا میں نہ ملی تو کیا ہوا آخر ایک دن (مردوں کو اللہ تعالیٰ قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے، پھر وہ سب اللہ ہی کی طرف) حساب کے لئے (لائے جائیں گے۔ اور یہ) منکر (لوگ) براہ عناد (کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر) ہمارے فرمائشی معجزات میں سے (کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا، آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو بے شک پوری قدرت ہے اس پر کہ وہ) ایسا ہی (معجزہ نازل فرمادیں، لیکن ان میں اکثر) اس کے انجام سے (بے خبر ہیں) اس لئے ایسی درخواست کر رہے ہیں، اور وہ انجام یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایمان نہ لائیں گے تو سب فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے کیونکہ ایسی صورت میں یہی سنت الٰہی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر کرنے کی ضرورت تو اس لئے نہیں کہ پہلے معجزات کافی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی معجزہ پر بھی ایمان نہ لائیں گے جس سے فوری عذاب کے مستحق ہو جائیں گے اس لئے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا فرمائشی معجزہ ظاہر نہ کیا جائے اور آیت کے آخر میں وَلَاتَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ فرمانا محبت و شفقت کے طور پر ہے، لفظ جہالت عربی زبان میں معنی عام یعنی نادانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بخلاف اردو زبان کے، اس لئے اس کا ترجمہ جہل یا جہالت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

ربط: آگے بعث بعد الموت کی تاکید کے لئے جانوروں اور پرندوں کا محشور ہونا یعنی حشر میں اٹھایا جانا ذکر کرتے ہیں جس کا بیان یہ ہے کہ تم تو مکلّف ہو اور جزا و سزا کا محل ہو پھر تم کیوں محشور نہ ہو گے جب کہ حشر کا معاملہ ایسا عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں کے تحت غیر مکلّف بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہوں گے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ کہ اڑتا ہے اپنے دو بازوؤں سے مگر گروہ ہیں تمہاری طرح۔ نہیں چھوڑی ہم نے کتاب میں کوئی چیز۔ پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اور جتنی قسم کے جاندار زمین پر) خواہ خشکی میں یا پانی میں (چلنے والے ہیں اور جتنی قسم کے پرند جانور ہیں کہ اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے ہیں ان میں کوئی قسم ایسی نہیں جو کہ) قیامت کے دن زندہ ہو کر اٹھنے میں (تمہاری طرح کے گروہ نہ ہوں اور) گو یہ سب اپنی کثرت کی وجہ سے بے انتہا سمجھے جاتے ہوں، لیکن ہم نے اپنے حساب میں سب کو ضبط کیا ہوا ہے کیونکہ (ہم نے) اپنے (دفتر) لوح محفوظ (میں کوئی چیز) جو قیامت تک ہونے والی ہے بے لکھے (نہیں چھوڑی)۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ان کا ازلی اور محیط علم ہی کافی ہے لیکن لکھنے کے ذریعے ضبط کر لینا اس سے مزید اہتمام کا پتہ بھی چلتا ہے اور یہ عام فہم کے قریب تر بھی ہے۔ (پھر) اس کے بعد اپنے وقت معین پر (سب) انسان اور جانور (اپنے پروردگار کے پاس جمع کئے جائیں گے)۔

ربط: کافروں کے حق کو قبول نہ کرنے اور معجزوں کی فرمائش کرنے سے نبی ﷺ کے دل کو جو غم ہوتا تھا اس کو دور کرنے کے لئے تسلی دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (وہ) بہرے اور گونگے ہیں

اندھیروں میں۔ جس کو چاہے اللہ گمراہ کرے اس کو اور جس کو چاہے ڈال دے اس کو سیدھی راہ پر۔

تفسیر: (اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ تو) حق سننے سے (بہرے) جیسے (اور) حق کہنے سے (گونگے) جیسے (ہو رہے ہیں) اور اس کی وجہ سے (طرح طرح کی ظلمتوں) تاریکیوں (میں) گرفتار (ہیں) کیونکہ ہر کفر ایک ظلمت ہے اور ان لوگوں میں مختلف قسم کے کفر جمع ہیں، پھر کفر کی ان اقسام کا بار بار تکرار الگ الگ ظلمتیں ہیں (اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں) اس کے حق سے اعراض کرنے کی وجہ سے (بے راہ کر دیں اور وہ جس کو چاہیں) اپنے فضل سے (سیدھی راہ پر لگا دیں) جیسے اوپر بھی کہا گیا ہے **لَوْشَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى** پس ایسی حالت میں ان کی فکر میں پڑنا بے سود ہے خدا کے سپرد کرنا چاہیے۔

ربط: آگے پھر توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں وہ بھی ایک خاص طرز پر یعنی خود مشرکین سے خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تم نے جب اندھے، بہرے اور گونگے ہو کر خدا کی آیات کو جھٹلایا اور گمراہی میں جا پڑے اس پر اگر دنیا میں یا قیامت میں خدا کا سخت عذاب نازل ہو تو سچ سچ بتاؤ کہ خدا کے سوا اس وقت کسے پکارو گے جب کہ تمہارا حال یہ ہے کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں جب تم گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر صرف اسی خدائے واحد کو پکارتے ہو۔ اس سوال کے جواب سے شرک کا ابطال ہو جائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع

ترجمہ: تو کہہ بتاؤ تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آئے تم پر قیامت کیا اللہ کے غیر کو تم پکارو گے، (بتاؤ) اگر تم سچے ہو، بلکہ اسی کو پکارو گے۔ پھر وہ دور کر دیتا ہے وہ مصیبت پکارتے ہو تم جس کے لئے اگر چاہتا ہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو شریک کرتے ہو۔

تفسیر: (آپ) ان مشرکین سے (کہئے کہ) اچھا (یہ تو بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا) اس عذاب اور قیامت کی ہولناکی کو ہٹانے کے واسطے (خدا

کے سوا کسی اور کو پکارو گے، اگر تم) شرک کے دعوے میں (سچے ہو) تو چاہئے اس وقت بھی غیر اللہ ہی کو پکارو لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا (بلکہ) اس وقت تو (خاص اسی کو پکارنے لگو گے۔ پھر جس) آفت کے ہٹانے (کے لئے تم) اس کو (پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے) اور نہ چاہے تو نہ بھی ہٹائے۔ (اور جن کو تم) اب اللہ کا (شریک ٹھہراتے ہو) اس وقت (ان سب کو بھول بھال جاؤ) پس اسی سے سمجھ لو کہ خدا کے سوا جب کوئی قادر مختار نہیں تو اس کے سوا عبادت کا حقدار بھی کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

ربط: اوپر مشرکین پر عذاب کے واقع ہونے کو فرض کر کے اس کی بنیاد پر شرک کے ان کے دعوے کا ابطال کیا گیا تھا آگے یہ بتانے کے لئے کہ عذاب کے واقع ہونے کو فرض کرنا کوئی محال کو فرض کرنا نہیں ہے بلکہ عذاب واقع ہوا بھی ہے اور اس کے لئے بعض سابقہ امتوں کی ہلاکت کا قصہ ذکر کرتے ہیں تا کہ مخاطبین کو اس فرض کے غلط کہنے کی گنجائش نہ ہو۔ اور چونکہ عذاب کے انکار کا بڑا منشا یہ ہوتا ہے کہ بعض مصائب آ آ کر ٹل جاتے ہیں تو نادان کو دھوکا ہوتا ہے کہ یہ اعمال کی سزا نہ تھی ورنہ نہ ٹلتی اس لئے سنا دیا کہ ان ہلاک ہونے والوں کی پکڑ کی ترتیب بھی یہی ہوئی تھی کہ پہلے مصائب کا نزول ہوا کہ تضرع اور عاجزی کریں، پھر ڈھیل کے طور پر نعمتوں کا نزول فرمایا اور جب کفر خوب بڑھ گیا پھر ہلاک کر دیئے گئے۔ تو اے موجود کا فرو تم بعض مصائب کے ٹلنے سے دھوکا مت کھانا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ
وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ
فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا
اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾

ترجمہ: اور ہم نے رسول بھیجے تھے بہت سی امتوں کی طرف تجھ سے پہلے پھر پکڑا ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے تا کہ وہ گڑگڑائیں۔ پھر کیوں نہ جب آیا ان پر ہمارا

عذاب وہ گڑگڑائے اور لیکن سخت ہو گئے دل ان کے اور مزین کر دیئے ان کے لئے شیطان نے جو وہ عمل کر رہے تھے۔ پھر جب وہ بھول گئے اس کو نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے، یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو وہ دیئے گئے پکڑ لیا ہم نے ان کو اچانک پس اس وقت وہ رہ گئے ناامید، پھر کاٹ دی گئی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریفیں ہیں واسطے اللہ سارے جہان کے پالنے والے کے۔

تفسیر: (اور ہم نے آپ سے پہلے) بھی (امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تھے) مگر انہوں نے ان کو نہ مانا (تو ہم نے ان کو تنگدستی اور بیماری سے پکڑا تاکہ وہ گڑگڑائیں) اور اپنے کفر و معصیت سے توبہ کرلیں (سو جب ان کو ہماری) طرف سے (سزا پہنچی تھی وہ کیوں نہ گڑگڑائے) کہ ان کا جرم معاف ہو جاتا (لیکن ان کے (قلوب تو) ویسے ہی (سخت) کے سخت (رہے، اور شیطان ان کے اعمال بد کو ان کے خیال میں) بدستور (آراستہ) و مستحسن (کر کے دکھاتا رہا، پھر جب وہ لوگ) بدستور (ان چیزوں کو) یعنی ایمان و اطاعت کو (بھولے) اور چھوڑے (رہے جن کی ان کو) پیغمبروں کی طرف سے (نصیحت کی جاتی تھی) تو ہم نے ان پر) عیش و عشرت کی (ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جو کہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے) اور غفلت و مستی میں ان کا کفر اور بڑھ گیا، اس وقت (ہم نے ان کو اچانک) ان کے کسی بھی گمان کے بغیر عذاب میں (پکڑ لیا) اور سخت عذاب نازل کیا جس کا ذکر قرآن میں جا بجا آیا ہے (پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے) کہ کیا ہو گا (پھر) اس عذاب سے (ظالم) کافر (لوگوں کی جڑ) تک (کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جو تمام عالم کا پروردگار ہے) کہ ایسے ظالموں کا پاپ کٹا جن کی وجہ سے دنیا میں نحوست پھیلی تھی۔

ربط: شرک کا مزید ابطال

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: تو کہہ بتاؤ تو اگر لے لے اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری بینائی اور مہر کر دے تمہارے دلوں پر تو کون معبود اللہ کے سوا لے آئے گا تمہارے پاس یہ چیزیں۔ دیکھو کیسے طرح

طرح سے ہم بیان کرتے ہیں دلائل پھر بھی وہ اعراض کرتے ہیں۔

تفسیر: (آپ) ان سے یہ بھی (کہیئے کہ یہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ) عذاب نازل کرنا تو ایک طرف صرف (تمہاری شنوائی اور بینائی بالکل لے لے) کہ نہ تم کو کچھ سنائی دے نہ دکھائی دے (اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے) کہ تم دل سے کسی چیز کو سمجھ نہ سکو (تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود ہے کہ یہ) چیزیں (تم کو پھر دے دے)۔ جب تمہارے اقرار سے بھی کوئی ایسا نہیں پھر کیسے کسی کو مستحق عبادت سمجھتے ہو۔ (آپ دیکھئے تو کہ ہم کس) کس (طرح دلائل کو مختلف پہلوؤں سے ظاہر کر رہے ہیں پھر) بھی ان دلائل میں غور کرنے سے اور ان کے نتیجہ کو تسلیم کرنے سے (یہ اعراض) و بے رخی (کرتے ہیں)

ربط: عذاب کے نازل کرنے پر اپنی قدرت ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ عذاب کافروں پر اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی وجہ سے ہوگا اس کی پکڑ میں صرف وہی آئیں گے جو کافر ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: تو کہہ بتاؤ تو اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا اچانک یا ظاہر ہو کر تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے مگر ظالم لوگ۔

تفسیر: آپ ان سے یہ بھی (کہیئے کہ یہ بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آپڑے خواہ اچانک بے خبری میں) کہ اس کی کوئی علامت پہلے سے ظاہر نہ ہو (یا ہوشیاری میں) کہ اس کے آنے سے پہلے اس کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں (تو نہیں ہلاک کئے جائیں گے) اس عذاب سے مگر ظالم لوگ مطلب یہ ہے کہ اگر عذاب آیا وہ تمہارے ظلم کی وجہ سے تم پر ہی پڑے گا، مومن بچے رہیں گے، اس لئے تم کو ہوش کرنا چاہئے اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ اگر عذاب آ ہی گیا تو اس میں ہمارے ساتھ مسلمان بھی تو مبتلا ہوں گے۔

ربط: کافر عذاب الٰہی سے نڈر اور بے فکر ہو کر نبی ﷺ سے اپنے فرمائشی معجزے طلب کرتے تھے جیسا کہ کچھ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اس لئے ضابطہ کے طور پر رسالت کے لوازم اور غیر لوازم ذکر کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ نبی ﷺ سے کونسا مطالبہ درست ہے، کونسا نہیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ
بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ

ترجمہ: اور نہیں بھیجتے ہم رسول مگر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور اصلاح کرے تو نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا ان کو عذاب اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔

تفسیر: (اور پیغمبروں کو) جن کی پیغمبری قطعی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں (ہم صرف اس واسطے بھیجا کرتے ہیں کہ وہ) ایمان اور اطاعت کرنے والوں کو اللہ کی رضا اور جنت کی نعمتوں کی (بشارت دیں اور) کفر و معصیت کرنے والوں کو اللہ کی ناراضگی سے (ڈرائیں) یعنی ان کی بعثت کی غرض تبشیر و انذار اور تبلیغ و ارشاد ہے۔ (پھر) ان پیغمبروں کے بشارت دینے اور ڈرانے کے بعد (جو شخص ایمان لے آئے اور) اپنی اعتقادی و عملی حالت کی (اصلاح کرلے تو ان لوگوں پر) آخرت میں (کوئی اندیشہ نہیں اور نہ وہ) وہاں (مغموم ہوں گے، اور جو لوگ) اس خوشخبری اور ڈراوے کے بعد بھی (ہماری آیتوں کو جھوٹا بتائیں ان کو) بعض اوقات تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو ضرور (عذاب پہنچتا ہے اس وجہ سے کہ وہ دائرہ ایمان سے نکل جاتے ہیں)۔

بعثت کی غرض اور لوازم بتانے کے بعد اب بتاتے ہیں کہ کافر جو رسولوں سے واہی تباہی فرمائشیں کرتے ہیں تو ان کو پورا کرنا تو بعثت کے لوازم میں سے ہے ہی نہیں اور اس بات کو کھولنے کے لئے نبی علیہ السلام کو حکم دیا کہ (آپ) ان دشمنی کرنے والوں سے (کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے) تمام (خزانے ہیں) کہ جو کچھ مجھ سے مانگا جائے وہ اپنی قدرت سے دے دوں (اور نہ میں تمام غیب کی چیزوں کو جانتا ہوں) کہ جو کچھ تم پوچھو وہ اپنے علم سے بتا دوں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے (اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ کہ بشریت کے خواص اور لوازم مثلاً کھانے پینے اور نیند اور تھکان سے مبرا رہوں۔

ربط: نبی کے خواص بشر سے مبرا نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھر نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہ ہو۔

إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: نہیں میں پیروی کرتا مگر اس کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ تو کہہ دے کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ کیا پس تم غور نہیں کرتے۔

تفسیر: میرے یہ کہنے سے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں اور یہ کہ میں خواص بشر سے مبرا نہیں ہوں میرے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں رہا بلکہ دونوں میں بہت فرق ہے۔ اول یہ کہ میری طرف خدا کی وحی کی جاتی ہے اور (میں تو صرف اسی وحی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس آتی ہے) جس میں وحی کے تقاضے پر خود عمل کرنا بھی ہے اور دوسروں کو دعوت دینا بھی ہے اور پچھلے تمام انبیاء کا بھی یہی حال تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور تجلیات کو دیکھنے کے لئے نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت کھلی رہتی ہیں جن کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہوتے ہیں اور ان کے دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ لہٰذا (آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا) جو اللہ تعالیٰ کی مرضیات وتجلیات کے بلاواسطہ مشاہدہ سے محروم ہو (اور بینا) جس کو یہ مشاہدہ حاصل ہو (برابر ہو سکتے ہیں) ظاہر ہے کہ نہیں ہو سکتے تو نبی اور غیر نبی میں نوع اور خواص نوع سے ہٹ کر بڑا فرق ہے۔ اب جب تمہارے سامنے یہ بات پوری طرح کھل گئی کہ بعثت کے اغراض کیا ہوتے ہیں اور پیغمبر کو کیا کچھ حاصل ہوتا ہے اور کیا کچھ نہیں (تو کیا تم) اس پر غور کر کے اپنی واہی فرمائشوں سے باز آتے ہو یا تم (غور نہیں کرتے) اور اپنی موجودہ روش پر ہی اصرار کرتے ہو۔

ربط: اگر یہ اپنی روش پر مصر رہیں اور آیات خداوندی کی تکذیب کرتے رہیں تو آپ ان سے قطع نظر کر لیجئے کیونکہ تبلیغ کا فرض ادا ہو چکا اور ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔ ایسوں کے لئے تو انداز عام پر اکتفا کریں باقی جن کے دلوں میں آخرت کا کچھ خوف ہے ان کو متنبہ کرنے کا اہتمام کریں۔

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾

ترجمہ: اور ڈرا اس (قرآن) سے ان لوگوں کو جو خوف کرتے ہیں اس کا کہ وہ

جمع کئے جائیں گے اپنے رب کی طرف (اس طرح پر کہ) نہیں ہوگا ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، تاکہ وہ بچتے رہیں۔

تفسیر: اور (ایسے لوگوں کو) کفر ومعصیت پر (قرآن کے ذریعہ سے خاص طور پر ڈرایئے جو) کسی درجہ میں تو (اس بات سے اندیشہ رکھتے کہ) قیامت میں (اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع کئے جائیں گے کہ اللہ کے سوا) جس جس کو کافروں نے مددگار اور سفارشی سمجھ رکھا ہے اس وقت ان میں سے (نہ کوئی ان کا مددگار ہوگا اور نہ کوئی) اپنی مرضی سے (شفاعت کرنے والا ہوگا تاکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے (بچتے رہیں) کیونکہ ایسے ہی لوگوں سے امید ہوسکتی ہے کہ نصیحت سے اثر لیں اور ہدایت قرآنی سے نفع اٹھائیں۔

فائدہ: حشر پر ایمان ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے کل تین طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ جو حشر کے یقینی معتقد ہیں دوسرے وہ جو اس میں متردد ہیں۔ آیت میں ان ہی دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ تیسرے وہ جو اس کے یقینی منکر ہیں اور مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ ڈرانا اگرچہ ان کو بھی ہے لیکن یہاں مطلق ڈرانا مراد نہیں ہے بلکہ وہ ڈرانا ہے جس میں خاص اہتمام ہو اور یہ وہاں ہی ہوگا جہاں نفع یقینی یا متوقع ہو جیسا پہلی اور دوسری قسم کے لوگوں کا حال ہے ان کے برخلاف تیسری قسم کے لوگوں میں نفع کی توقع ہی نہیں اس وجہ سے ان کو ڈرانا محض اتمام حجت کے لئے ہوگا۔ دشمنی اور عناد کی وجہ سے ان میں توجہ کرنے کی قابلیت ہی نہیں۔

ربط: آگے فرماتے ہیں کہ ماننے والوں پر تو اور زیادہ خاص توجہ دیجئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ قریش کے بعض کافر سرداروں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بعض غریب صحابہ کو دیکھ کر تحقیر سے کہا أَهٰؤُلَاءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا (کیا یہ لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان کیا) اور آپ سے کہا کہ ہم کو ان لوگوں کے ساتھ ایک مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں۔ اگر آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کے پاس آیا کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسا بھی کر دکھایئے دیکھیں ان کا کیا مقصد ہے یعنی یہ راہ پر آتے ہیں یا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس درخواست کو منظور فرما لیا اگرچہ اس پر عمل نہیں ہونے پایا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر ہوکر اپنی رائے پر معذرت کی۔

تنبیہ: رسول اللہ ﷺ نے جو درخواست منظور کی وہ غریب صحابہ کی تحقیر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس امید پر کی کہ شاید اس طرح قریش کے سردار اسلام قبول کرلیں اور خود ان صحابہ کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لئے ان کی دل شکنی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ آپ کا اجتہاد تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس

اجتہاد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ان سرداروں کا یہ مطالبہ ان کے دل میں تکبر کی وجہ سے تھا جب کہ تکبر قبول حق سے مانع ہوتا ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: اور مت دور کر ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا۔ نہیں ہے تجھ پر ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ تیرے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ تو دور کرنے لگے ان (غریبوں) کو پس ہو جائے گا تو بے انصافوں میں سے۔ اور اسی طرح آزمایا ہے ہم نے ان کے بعض لوگوں کو بعض سے تا کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں احسان کیا اللہ نے ان پر ہم میں سے، کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور آپ ان لوگوں کو) اپنی مجلس سے (نہ نکالئے جو صبح و شام) یعنی اپنے حالات کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ وقت (اپنے پروردگار کی عبادت کرتے ہیں، جس سے صرف اللہ کی رضا ہی کا قصد رکھتے ہیں) اور کوئی غرض جاہ و مال کی نہیں، یعنی ان کی عبادت میں مداومت بھی ہے اور اخلاص بھی ہے۔ اخلاص ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہم اس کو جانتے ہیں اور دوسری یہ کہ اخلاص اگر چہ امر باطنی ہے مگر آثار و علامات سے پہچانا بھی جا سکتا ہے اور تیسری یہ کہ مسلمان کی شان ہی یہ ہے کہ وہ عبادت خالص اللہ ہی کے لئے کرتا ہے لہٰذا جب تک عدم اخلاص کی کوئی دلیل نہیں اخلاص ہی کا گمان رکھنا چاہئے (اور ان) کے باطن (کا حساب) اور تفتیش (ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور) ان کے باطن کی تفتیش کا آپ سے متعلق نہ ہونا ایسا یقینی ہے جیسا کہ یہ یقینی ہے (آپ) کے باطن (کا حساب) اور تفتیش (ذرا بھی ان کے متعلق نہیں مبادا آپ ان کو نکال دیں)

یعنی اگر ان کے باطنی اخلاص کی تفتیش آپ کے ذمہ ہوتی تو اس کی گنجائش تھی کہ جن کا اخلاص ثابت نہ ہو پاتا ان کو آپ الگ کر دیں، مگر وہ آپ کے ذمہ نہیں، اور دوسری کوئی وجہ ان کو نکالنے کے جواز کی موجود نہیں۔لہٰذا اگر آپ ان کو نکالیں گے (تو) ان کے نکالنے سے (آپ بے انصافی کرنے والوں میں ہو جائیں گے اور) ہم نے جو مومنوں کو غریب اور کافروں کو رئیس بنا رکھا ہے حالانکہ عام عقل تو یہ فیصلہ دیتی ہے کہ مومن فرمانبردار ہونے کی وجہ سے اچھی حالت میں ہوں اور کافر نافرمان ہونے کی وجہ سے گھٹیا حالت میں ہوں (تو) اس کی وجہ یہ ہے کہ عام عقل کے فیصلہ کے برعکس (اسی طور پر ہم نے) ان میں سے (ایک) یعنی کفار (کو دوسروں) یعنی مومنوں (کے ذریعہ آزمائش میں ڈال رکھا ہے) یعنی اس طرز عمل میں امتحان ہے کفار کا (تاکہ یہ لوگ) مومنوں کے متعلق (کہا کریں کیا یہی لوگ ہیں کہ ہم سب میں سے) انتخاب کر کے (ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا ہے) یعنی اپنے دین اسلام کے لئے ان کو منتخب کیا ہے (کیا یہ بات نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حق شناسوں کو خوب جانتا ہے) ان غریب لوگوں نے اپنے منعم حقیقی کا حق پہچانا، طلب حق میں لگ گئے، دین حق اور قبول عند اللہ سے مشرف کئے گئے، اور ان رئیسوں نے ناشکری اور کفر کیا وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

ربط: بعث رسول کے اغراض میں سے انداز اور تبشیر دونوں کا ذکر کیا تھا۔پچھلے اقتباس میں مومنوں کے لئے انذار کے ذکر کے بعد اب واقعہ کی مناسبت کو کام میں لاتے ہوئے تبشیر کا ذکر ہے تاکہ ان غریبوں کا دل بڑھے۔

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اور جب آئیں تیرے پاس وہ لوگ جو مانتے ہیں ہماری آیتوں کو تو تو کہہ دے سلام ہے تم پر، لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو کہ جو کوئی کرے تم میں سے برائی ناواقفیت سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور نیک ہو جائے تو بات یہ ہے کہ وہ ہے بخشنے والا مہربان اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تاکہ کھل

جائے طریقہ گنہگاروں کا۔

تفسیر: (اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو کہ ہماری آیتوں پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو آپ) ان کو بشارت سنانے کے لئے (یوں کہہ دیجئے کہ تم پر سلامتی ہے) یعنی کفار پر جو ہر طرح کی آفتیں آخرت میں پڑیں گی ان سے تم مامون ہو، (اور) دوسرے یہ بھی کہ (تمہارے رب نے) اپنے فضل و کرم سے (رحمت کرنا) اور تم کو نعمتیں دینا (اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے) یہاں تک (کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے) جو کہ (جہالت سے) ہو جاتا ہے، کیونکہ حکم کے خلاف کرنا عملی جہالت ہے مگر (پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور) آئندہ کو اپنے اعمال کی (اصلاح رکھے) اس میں یہ بھی آ گیا کہ اگر وہ توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کر لے (تو اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ) اس کے لئے بھی (بڑے مغفرت کرنے والے ہیں) کہ گناہ کی سزا بھی معاف کر دیں گے اور (بڑی رحمت کرنے والے ہیں) کہ طرح طرح کی نعمتیں بھی دیں گے (اور) جس طرح ہم نے اس مقام پر مومنین اور کفار کے حال و انجام کی تفصیل ذکر کر دی (اسی طرح ہم آیات کی) جو کہ دونوں فریق کے حال و انجام پر مشتمل ہوں (تفصیل کرتے رہتے ہیں) تاکہ مومنین کا طریقہ بھی ظاہر ہو جائے (اور تاکہ مجرمین کا طریقہ) بھی (ظاہر ہو جائے) اور حق و باطل کے واضح ہونے سے طالب حق کو حق کی معرفت آسان ہو جائے۔

ربط: پیچھے یہ بتانے کے بعد کہ کافروں کی خاطر آپ مسلمانوں کو اپنی مجلس سے دور نہ کیجئے بلکہ ان کی دلجوئی کے لئے خوشخبری سنایئے اب ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کافروں سے کھل کر کہہ دیں کہ میرا رشتہ اور ہے تمہارا اور ہے میں کبھی تمہاری خواہش کی پیروی نہیں کرسکتا۔ اور تم مجھ سے بے جا مطالبے بھی نہ کرو۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے بے شک میں منع کیا گیا ہوں اس سے کہ بندگی کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ تو کہہ نہیں میں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی۔ بے شک میں تو بہک جاؤں گا اس صورت میں اور نہ رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں۔ تو کہہ دے بے شک میں تو گواہی پر ہوں اپنے رب کی اور تم نے جھٹلایا ہے اس کو۔ نہیں ہے میرے پاس وہ چیز تم جلدی کر رہے ہو جس کی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ وہ بیان کرتا ہے حق بات اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو کہہ اگر ہوتی میرے پاس وہ چیز جلدی کر رہے ہو تم جس کی تو طے کیا جا چکا ہوتا جھگڑا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔

تفسیر: (آپ) ان معاندین سے (کہہ دیجئے کہ مجھ کو) حق تعالیٰ کی طرف سے (اس سے ممانعت کی گئی ہے کہ ان) معبودوں (کی عبادت کروں جن کی تم لوگ اللہ) کی توحید (کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو)۔ اور ان کے طریقہ کی گمراہی ظاہر کرنے کے لئے (آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے) باطل (خیالات کا اتباع نہ کروں گا، کیونکہ) اگر نعوذ باللہ میں ایسا کروں تو (اس حالت میں تو میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ) راست (پر چلنے والوں میں نہ رہوں گا۔ توحید کے بعد اب زیادہ مضمون رسالت سے متعلق آتا ہے (آپ) ان سے یہ بھی (کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو) اس دین اسلام کے حق ہونے پر (ایک دلیل) کافی موجود (ہے) جو (میرے رب کی طرف سے) مجھ کو ملی ہے، یعنی قرآن مجید جو کہ میرا معجزہ ہے، جس سے میری تصدیق ہوتی ہے (اور تم) بلاوجہ (اس کی تکذیب کرتے ہو)۔ اور تم جو یہ کہتے ہو کہ اگر دین اسلام حق ہے تو ہمارے انکار پر آسمان سے پتھر برسیں یا کوئی اور سخت عذاب آئے، جیسا کہ دوسری جگہ ان الفاظ سے مذکور ہے۔ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (جس چیز) یعنی دردناک عذاب (کا تم تقاضا کر رہے ہو) جب کہ ابھی تک عذاب کے نازل ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں ہوا وہ (میرے پاس) میری قدرت میں (نہیں۔ حکم کسی کا نہیں) چلتا (سوائے اللہ کے) اور جب کہ ابھی تک عذاب کے نازل ہونے کا حکم اللہ کی طرف سے نہیں ہوا، تو میں کیسے عذاب دکھا دوں البتہ قرآن جیسی دلیل اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوگئی ہے وہ میں دکھا سکتا ہوں (اللہ تعالیٰ حق بات کو) دلیل سے (بتا دیتا ہے چنانچہ اس نے میری رسالت کی واضح اور قوی دلیل یعنی قرآن کریم بھیج دیا اور دوسرے واضح معجزات بھی ظاہر فرما دیئے اور صحیح دلیل تو ایک بھی کافی ہوتی ہے۔ تو جب تم نے ان کو نہیں مانا تو اب مزید تمہاری فرمائشی

دلیلیں ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں (اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا وہی ہے) کہ حکمت کے موافق فیصلہ کرتا ہے۔ چونکہ ابھی نزول عذاب میں حکمت نہیں دیکھی اس لئے اس وقت نزول عذاب کا فیصلہ نہیں فرمایا (آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس) یعنی میری قدرت میں (وہ چیز ہوتی جس کا تم تقاضا کر رہے ہو) یعنی عذاب (تو) اب تک (میرا اور تمہارا باہمی جھگڑا) کبھی کا (فیصل ہو چکا ہوتا ہے کیونکہ یہ تو تمہارا ہی کہنا ہے کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دیں۔ یہ تو اللہ کا علم محیط اور حلم عظیم ہے کہ مہلت دیئے جاتے ہیں (اور) تم (ظالموں کو) کہ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنا ہے (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے) اس لئے ان کے علم میں جب مناسب ہوگا عذاب نازل کر دیں گے۔ غرض نہ تو مجھ کو اس کی قدرت ہے اور نہ ہی اس کا مناسب وقت مجھ کو معلوم ہے۔

ربط: کفار کی طرف سے نزول عذاب کی عاجلانہ فرمائش کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خیر الفاصلین یعنی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی کامل قدرت کی نشاندہی کی اور فرمایا کہ وہ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ یعنی ظالموں کو خوب جاننے والا ہے جس سے ان کے کمال علم کی نشاندہی کی۔ آگے بتاتے ہیں کہ علم اور قدرت کا کام صرف کافروں، ظالموں کے اعتبار سے ہی نہیں ہر ہر چیز کے اعتبار سے ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں خزانے غیب کے نہیں جانتا کوئی ان کو مگر وہی۔ اور

وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور دریا میں ہے۔ اور نہیں جھڑتا کوئی پتا مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز، مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے، اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ کہ تم کر چکے ہو دن میں پھر اٹھا دیتا ہے تم کو اس میں تا کہ پورا کر دیا جائے وقت مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ خبر دے گا تم کو اس کی جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ اپنے حقیقی مالک کی طرف سن رکھو اسی کا ہے حکم اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ کے پاس) یعنی اسی کی قدرت میں (خزانے ہیں تمام مخفی اشیاء کے) ان میں سے جس چیز کو جس وقت اور جس قدر چاہیں ظہور میں لاتے ہیں، ان اشیاء میں سب قسم کے عذاب بھی شامل ہیں، مطلب یہ کہ اور کسی کو ان چیزوں پر قدرت نہیں۔ اور جس طرح ان چیزوں کے خزانوں پر قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اسی طرح ان کا علم کامل بھی اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے، چنانچہ (ان) مخفی خزانوں کو (کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور وہ ان تمام چیزوں کو بھی جانتا ہے جو خشکی میں ہیں اور جو دریا میں ہیں اور کوئی پتہ) تک درخت سے (نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ) تک (زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز) مثل پھل وغیرہ کے (گرتی ہے، مگر یہ سب) باتیں یعنی قیامت تک ہونے والی تمام باتیں (کتاب مبین) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھی ہوئی (ہیں اور ظاہر ہے کہ کچھ لکھنے سے پہلے اس کا علم ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا حاصل یہ ہوا کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے احاطہ میں ہیں۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی تمام معلومات لوح محفوظ ہی میں منحصر ہیں بلکہ ان کی تو کہیں انتہا ہی نہیں اور وہ) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے کہ رات میں) سونے کے وقت (تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کو) دواماً (جانتا ہے پھر تم کو دن میں) تمہاری روح تمہارے جسم میں لوٹا کر (جگا اٹھاتا ہے تا کہ) اسی سونے جاگنے کے دوروں سے دینوی زندگی کی (معین میعاد) پوری کر دی جائے پھر اسی) اللہ (کی طرف) مر کر (تم کو جانا ہے، پھر تم کو بتا دے گا جو کچھ تم) دنیا میں (کیا کرتے تھے) اور اس کے مناسب جزاء اور سزا جاری کرے گا (اور وہی) اللہ تعالیٰ قدرت سے (اپنے بندوں کے اوپر غالب ہیں برتر ہیں۔ اور) اے بندو (وہ تم پر) تمہارے اعمال

اور جان کی (نگرانی کرنے والے) فرشتے (بھیجتے ہیں) جو زندگی بھر تمہارے اعمال کو بھی دیکھتے ہیں اور تمہاری جان کی بھی حفاظت کرتے ہیں (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے تو) اس وقت (اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے) فرشتے (قبض کر لیتے ہیں اور ذرا کوتاہی نہیں کرتے) بلکہ جس وقت حفاظت کا حکم تھا حفاظت کرتے رہے، جب موت کا حکم ہوگا تو یہی محافظ روح قبض کرنے والے فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں (پھر سب اپنے مالک حقیقی اللہ کے پاس لائے جائیں گے، خوب سن لو) اس وقت (فیصلہ اللہ ہی کا ہوگا) اور کوئی دخل نہ دے سکے گا (اور وہ بہت جلد حساب لے لے گا)۔

فائدہ: اس مقام پر تین قسم کے فرشتوں کا ذکر ہے۔ ایک اعمال لکھنے والے۔ دوسرے وہ جو جن مضرتوں سے حفاظت کرنے کا حکم ہو اور جب تک حکم ہو آدمی کی حفاظت کرتے ہیں۔ تیسرے جان نکالنے والے، یہ ملک الموت کے مددگار ہوتے ہیں۔

ربط: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا ذکر ہوا۔ اور یہ اللہ کی قدرت ہی ہے کہ وہ ہر قسم کی تکالیف سے نجات دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے نجات دینے سے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ کبھی عذاب نہیں آ سکتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی پوری قدرت ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ
ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ
هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ
كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ
عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ
شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ: تو کہہ کون نجات دیتا ہے تم کو اندھیروں سے خشکی کے اور دریا کے (اس وقت میں کہ) پکارتے ہو تم اس کو گڑ گڑا کر اور چپکے سے کہ اگر نجات دے ہم کو ان

(اندھیروں) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے شکر گزاروں سے۔ تو کہہ دے اللہ نجات دیتا ہے تم کو ان سے اور ہر غم سے پھر بھی تم شرک کرتے ہو، تو کہہ وہی قدرت والا ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف گروہ کر کے اور چکھا دے تمہارے بعض کو لڑائی دوسرے کی۔ دیکھ کس کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تا کہ وہ سمجھ جائیں۔ اور جھٹلایا اس کو تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے، تو کہہ دے نہیں ہوں میں تم پر داروغہ۔ ہر ایک خبر کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور جلد ہی تم جان لو گے۔

تفسیر: (آپ) ان لوگوں سے (کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو خشکی اور دریا کے اندھیروں) یعنی ان کے شدائد (سے اس حالت میں نجات دیتا ہے کہ تم اس کو) نجات دینے کے لئے (پکارتے ہو) کبھی (تذلل ظاہر کر کے اور) کبھی (چپکے چپکے) اور یوں کہتے ہو (کہ) اے اللہ (اگر آپ ہم کو ان) شدائد (سے) اس دفعہ (نجات دیدیں تو) پھر (ہم ضرور حق شناسی) پر قائم رہنے (والوں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آپ کی توحید جو کہ بڑی حق شناسی ہے اس کے قائل رہیں گے۔ اور اس سوال کا جواب چونکہ متعین ہے اور وہ لوگ بھی کوئی دوسرا جواب نہ دیں گے اس لئے (آپ) ہی (کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تم کو ان سے نجات دیتا ہے) جب کبھی نجات ملتی ہے (اور) ان مذکورہ شدائد کی کیا تخصیص ہے بلکہ (ہر غم سے) وہی نجات دیتا ہے مگر (تم) ایسے ہو کہ (پھر بھی) نجات پانے کے بعد بدستور (شرک کرنے لگتے ہو) جو کہ اعلیٰ درجہ کی ناحق شناسی ہے حالانکہ تم نے وعدہ کیا تھا حق شناسی کا۔ غرض یہ کہ شدائد میں تمہارے اقرار سے توحید کا حق ہونا ثابت ہو جاتا ہے، پھر بعد میں تمہارا انکار کب قابل التفات ہے۔ (آپ) یہ بھی (کہئے کہ) جس طرح وہ نجات دینے پر قادر ہے اسی طرح (اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر) تمہارے کفر و شرک کی وجہ سے (کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دے) جیسے طوفانی ہوا یا طوفانی بارش (یا تمہارے پاؤں تلے) جو زمین ہے اس (سے) ظاہر کر دے، جیسے زلزلہ یا غرق ہو جانا۔ اور ان عذابوں کے سب قریب و بعید اسباب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں کبھی نہ کبھی ایسا ہو گا خواہ دنیا میں یا آخرت میں (یا کہ تم کو) تمہارے اغراض کے اختلاف کی وجہ سے مختلف (گروہ گروہ کر کے سب کو) آپس میں (بھڑا دے) یعنی لڑوا دے (اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی) کے ذریعہ مزہ (چکھا دے) اور اس کا قریبی سبب اگرچہ بندوں کا فعل اختیاری ہے لیکن سبب بعید تو اللہ کے اختیار میں ہے اور بندوں

کے دل بھی اللہ کے اختیار میں ہیں اور یا سب آفتیں جمع کر دے، غرض نجات دینا اور عذاب میں مبتلا کرنا دونوں اسی کی قدرت میں ہیں، اے محمد ﷺ (آپ دیکھئے تو سہی ہم کس) کس (طرح) توحید کے (دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں شاید وہ) لوگ (سمجھ جائیں۔ اور) اللہ تعالیٰ کے عذاب دینے پر قادر ہونے اور کفر وشرک کے سبب سے عذاب ہونے کو جاننے کے باوجود (آپ کی قوم کے لوگ) قریشی اور دیگر عرب بھی (اس) عذاب (کی تکذیب کرتے ہیں) اور اس کے واقع نہ ہونے کے معتقد ہیں (حالانکہ وہ یقینی) واقع ہونے والا (ہے)۔ اور اس کو سن کر وہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کب ہوگا تو (آپ) یوں (کہہ دیجئے کہ میں تم پر) عذاب واقع کرنے کے لئے (تعینات نہیں کیا گیا ہوں) کہ مجھ کو تفصیلی اطلاع ہو یا میرے اختیار میں ہو البتہ (ہر خبر کے) واقعہ (کے وقوع کا ایک وقت) اللہ کے علم میں معین (ہے اور جلدی ہی تم کو معلوم ہو جائے گا) کہ یہ عذاب آیا۔

فائدہ: عذاب میں اخروی اور دنیوی دونوں عذاب شامل ہیں جن میں جہاد کی صورت بھی داخل ہے چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا: قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيْكُمْ (تم ان کافروں سے جنگ کرو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے گا البتہ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ اگر چہ کفار کے حق میں جہاد اللہ کی جانب سے عذاب دینا ہے لیکن مسلمانوں کو اس کا حکم عذاب دینے کی حیثیت سے نہیں ہے بلکہ ان کو اعلاء کلمۃ اللہ یعنی دین کی سربلندی کے لئے جہاد کا حکم ہے۔

ربط: جو لوگ آیت خداوندی کی تکذیب کرتے ہوئے ان پر طعن واستہزاء کر رہے ہوں اور اپنے کو عذاب کا مستحق بنا رہے ہوں آگے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ تم ان سے خلط ملط نہ رکھو کہیں تم بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مورد عذاب نہ بن جاؤ۔ ہاں تبلیغ کی غرض سے جاؤ تو اور بات ہے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى
يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ
بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ
بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۟

ترجمہ: اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو کہ مشغول ہوں ہماری آیتوں (کی عیب جوئی) میں تو اعراض کر ان سے یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں کسی بات میں اس کے علاوہ۔ اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آ جانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ۔ اور نہیں ہے ان لوگوں پر جو پرہیز گاری کرتے ہیں، ظالموں کے حساب سے کچھ بھی لیکن (ان کے ذمہ) نصیحت کرنا ہے شاید وہ ڈریں، اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے بنا رکھا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور نصیحت کر (ان کو) قرآن سے مبادا کہ گرفتار کیا جائے کوئی بسبب اپنے کئے کے۔ (کہ) نہ ہو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ سفارش کرنے والا، اور اگر بدلے میں دے سارے بدلے تو قبول نہ کیا جائے گا اس سے۔ وہی لوگ ہیں جو گرفتار کئے گئے بسبب اپنے کئے کے۔ ان کے لئے پینا ہوگا گرم پانی سے اور عذاب دردناک ہوگا بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

تفسیر: (اور) اے مخاطب (جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات) اور احکام (میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں) کے پاس بیٹھنے (سے کنارہ کش ہو جا یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے) یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے (تو) جب یاد آئے (یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالموں کے پاس مت بیٹھ) فوراً اٹھ کھڑا ہو۔ (اور) اگر کوئی واقعی دنیوی یا دینی ضرورت ایسی مجلس میں جانے کی ہو مثلاً کافروں کو اسلام کی دعوت دینے گئے اور وہ عیب جوئی میں مشغول ہوں یا خاص اس وقت کے اعتبار سے کہ مسلمان مسجد حرام میں نماز و طواف کے لئے گئے اور کافر وہاں عیب جوئی میں مشغول ہوں تو اس کا حکم یہ ہے کہ (جو لوگ) ممنوعات شرعیہ سے جن میں ایسی مجالس میں بلاضرورت جانا بھی داخل ہے (احتیاط رکھتے ہیں، ان پر ان) طعنہ زنی اور تکذیب کرنے والوں (کی باز پرس) اور گناہ طعن (کا کوئی اثر نہ پہنچے گا) یعنی ضرورت سے وہاں جانے والے گنہگار نہ ہوں گے (ولیکن ان کے ذمہ) بشرط قدرت

(نصیحت کر دینا ہے شاید وہ) طعنے دینے والے (بھی) ان خرافات سے (احتیاط کرنے لگیں) خواہ اسلام قبول کر کے خواہ ان نصیحت کرنے والوں کا لحاظ کر کے۔ (اور) مجلس تکذیب کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ (ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہ جنہوں نے اپنے) اس (دین کو) جس کا ماننا ان کے ذمہ فرض تھا یعنی اسلام کو (لہو ولعب بنا رکھا ہے) کہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں (اور دنیوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) کہ اس کی لذتوں میں مشغول ہیں اور چونکہ آخرت کے منکر ہیں اس لئے اس تمسخر کا انجام نظر نہیں آتا (اور) کنارہ کشی وترک تعلقات کے ساتھ ایسے لوگوں کو (اس قرآن کے ذریعہ سے) جس سے یہ تمسخر کر رہے ہیں (نصیحت بھی کرتا رہ تا کہ کوئی شخص اپنے کردار) بد (کے سبب) عذاب میں (اس طرح نہ پھنس جائے کہ کوئی غیر اللہ نہ اس کا مدد گار ہو اور نہ سفارشی ہو) کیونکہ جس پر اللہ کا عذاب نازل ہو اس کا حال ایسا ہی ہو جاتا ہے (اور یہ کیفیت ہو کہ اگر) بالفرض (دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے) کہ اس کو خرچ کر کے عذاب سے بچ جائے (تب بھی اس سے نہ لیا جائے) تو نصیحت سے یہ فائدہ ہے کہ اعمال بد کے انجام پر تنبہ ہو جاتا ہے، آگے ماننا نہ ماننا دوسرے کا کام ہے چنانچہ (یہ) تمسخر کرنے والے (ایسے ہی ہیں کہ) نصیحت نہ مانی اور (اپنے کردار) بد (کے سبب) عذاب میں (پھنس گئے) جس کا آخرت میں اس طرح ظہور ہوگا کہ (ان کے لئے نہایت تیز کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے ہوگا اور) اس کے علاوہ اور طرح بھی (دردناک سزا ہوگی اپنے کفر کے سبب) کہ یہی کفر ان کا کردار بد ہے، اور اسی کا ایک شعبہ تمسخر تھا۔

ربط: کافر اپنے کفر کے ساتھ ساتھ یہ بھی چاہتے تھے کہ مسلمان بھی ان ہی کے طریقے پر لوٹ آئیں۔ ان کو جواب دیتے ہیں کہ مسلمان تو خود دوسروں کو توحید پر لانے کی فکر کرتے ہیں وہ کیوں شرک کی راہ پر آنے لگے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ
لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ
الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى
الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: تو کہہ دے کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکے ہم کو اور نہ نقصان دے سکے ہم کو اور (کیا) لوٹ جائیں ہم اپنی ایڑیوں پر اس کے بعد کہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو اللہ مثل اس شخص کے کہ رستہ بھلوا دیا ہو اس کو جنوں نے جنگل میں جب کہ وہ حیران ہے۔ اس کے رفیق ہیں جو بلاتے ہوں اس کو صحیح رستہ کی طرف کہ چلا آ ہمارے پاس۔ تو کہہ دے کہ اللہ کی راہ ہی سیدھی راہ ہے اور ہم حکم دیئے گئے کہ ہم تابع رہیں پروردگار عالم کے، اور یہ کہ قائم رکھو نماز کو اور ڈرتے رہو اللہ سے اور وہی ہے جس کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو فائدہ کے ساتھ۔ اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔ اسی کی بات باا ثر ہے اور اسی کے لئے سلطنت ہو گی جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی ہے حکمت والا جاننے والا۔

تفسیر: (آپ) سب مسلمانوں کی طرف سے ان مشرکین سے (کہہ دیجئے کہ کیا ہم اللہ کے سوا) تمہاری مرضی کے موافق (ایسی چیز کی عبادت کریں کہ) اس کی عبادت کرنے کی صورت میں (وہ ہم کو نہ نفع پہنچا) نے پر قادر ہو (سکے اور) اس کی عبادت نہ کرنے کی صورت میں (وہ ہم کو نہ نقصان پہنچا) نے پر قادر ہو (سکے) اس سے مراد معبودان باطلہ ہیں کہ بعض کو تو سرے سے قدرت حاصل نہیں جیسے بت اور جن کو کچھ ہے تو وہ ان کی ذاتی نہیں جیسے جن اور فرشتے جب کہ معبود میں کم از کم اپنے موافق اور مخالف کو نفع وضرر پہنچانے کی ذاتی قدرت تو ہونی چاہئے۔ تو کیا ہم ایسوں کی عبادت کریں (اور کیا) معاذ اللہ (ہم) اسلام سے (الٹے پھر جائیں اس کے بعد کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے) طریق حق کی (ہدایت کر دی ہے) یعنی اول تو شرک خود ہی قبیح ہے، پھر خصوصاً اسلام کے اختیار لینے کے بعد تو اور زیادہ برا ہے ورنہ ہماری تو وہ مثال ہو جائے (جیسے کوئی شخص ہو کہ اس کو شیطانوں نے کہیں جنگل میں) بہکا کر راہ سے (بے راہ کر دیا ہو اور وہ بھٹکتا پھرتا ہو) اور (اس کے کچھ ساتھی بھی ہوں کہ وہ اس کو ٹھیک راستہ کی طرف) پکار پکار کر (بلا رہے ہیں کہ) ادھر (ہمارے پاس آ) مگر وہ انتہائی حیرت سے نہ پکار کو سمجھتا ہے اور نہ ان کی طرف آتا ہے، حاصل یہ کہ

جیسا یہ شخص راہ پر تھا لیکن اپنے راہ دان ساتھیوں سے جدا ہو کر غول بیابانی کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے راہ ہو گیا، اور وہ ساتھی اب بھی اس کو راہ پر لاتے ہیں، مگر وہ نہیں آتا، ایسی ہی ہماری حالت ہو جائے کہ راہ اسلام پر ہو کر اپنے ہادی پیغمبر سے جدا ہوں اور گمراہ کرنے والوں کے پنجہ میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جائیں اور وہ ہادی پھر بھی خیر خواہی سے دعوت اسلام کرتے رہیں اور ہم گمراہی کو نہ چھوڑیں۔ یعنی کیا ہم تمہاری مرضی پر عمل کر کے اپنی ایسی مثال بنالیں (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) جب اس مثال سے معلوم ہوا کہ راہ سے بے راہ ہونا برا ہے اور یہ (یقینی بات ہے کہ راہ راست وہ خاص اللہ ہی کی) بتائی ہوئی (راہ ہے) اور وہ اسلام ہے، پس یقیناً اس کا ترک کرنا بے راہ ہونا ہے، پھر ہم اس کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں (اور) آپ کہہ دیجئے کہ ہم شرک کیسے کر سکتے ہیں (ہم کو) تو (یہ حکم ہوا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے پورے اطاعت گزار ہو جائیں) اور وہ اطاعت گزاری منحصر ہے اسلام میں (اور) ہمیں (یہ) حکم ہوا ہے (کہ نماز کی پابندی کرو) جو کہ توحید پر ایمان کی ظاہر تر علامت ہے (اور) یہ حکم ہوا ہے کہ (اس سے) یعنی اللہ سے (ڈرو) اور اس کے حکموں کی مخالفت نہ کرو، جس میں سب سے بڑھ کر شرک ہے (اور) ہم اس کی عبادت اور اطاعت کیوں نہ کریں جب کہ (وہی) اللہ (ہے جس کے پاس تم سب) قیامت کے دن قبروں سے نکل کر حساب کے لئے (جمع کئے جاؤ گے) وہاں مشرکین کو اپنے شرک کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ (اور) ہم اس کی عبادت اور اطاعت کیوں نہ کریں جب کہ (وہی) اللہ (ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو فائدہ مند پیدا کیا) جس میں بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے خالق کے وجود اور توحید پر استدلال کیا جا سکتا ہے (اور) اوپر جو تُحْشَرُوْنَ میں حشر کی یعنی قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے کی خبر دی ہے اس کو بھی کچھ بعید مت سمجھو کیونکہ وہ قدرت الٰہیہ کے سامنے اس قدر آسان ہے کہ (جس وقت اللہ تعالیٰ اتنا کہہ دے گا کہ) اے حشر (تو ہو جا بس وہ) حشر فوراً (ہو پڑے گا اس کا) یہ (کہنا با اثر ہے) خالی نہیں جاتا (اور) حشر کے روز (جب کہ صور میں) بحکم الٰہی دوسری بار فرشتہ کی (پھونک ماری جائے گی، ساری حکومت) حقیقت میں بھی اور ظاہر میں بھی (خاص اسی) اللہ (کی ہوگی) اور وہ اپنی حکومت سے موحدین و مشرکین کا فیصلہ کرے گا (وہ) اللہ (جاننے والا ہے پوشیدہ چیزوں کا اور ظاہر چیزوں کا) پس مشرکین کے اعمال و احوال کا بھی اس کو علم ہے (اور وہی ہے بڑی حکمت والا) اس لئے مناسب مناسب جزاء ہر ایک کو دے گا اور وہی ہے (پوری خبر رکھنے والا) اس لئے کسی بات کو اس سے چھپانا ممکن نہیں۔ تو جو خدا یہ صفات رکھتا ہے وہی اس لائق ہے کہ ہم اس کے تابع فرمان ہوں اور اسی کے عبادت گزار ہوں۔

فائدہ: مثال میں جو شیطانوں کا راہ بھلوا دینا مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیاطین اور

خبیث جنوں سے بعض اوقات اس قسم کے تصرفات وافعال سرزد ہو سکتے ہیں۔

ربط: آگے شرک کے ابطال اور توحید کے اثبات کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید کا قصہ ذکر کرتے ہیں۔

1۔ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے جو احوال مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت پرستی بھی کرتے تھے اور ستاروں کو عالم میں تصرف کرنے والے بھی مانتے تھے لہٰذا وہ دو طریقوں سے مشرک تھے۔ اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظروں میں ان کے شرک کی دونوں قسموں پر کلام ہے۔

2۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوش سنبھالنے ہی کے وقت سے توحید پر تھے البتہ ایک عرصہ تک مناظرہ کا اتفاق نہیں ہوا پھر یا تو نبوت سے پہلے خود ہی یا نبوت کے بعد بامر الٰہی قوم سے مناظرہ کیا۔

3۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم خدا کی بھی قائل تھی البتہ نمرود کی گفتگو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود خالق کا منکر تھا۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ
مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝۷۶ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا
رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ
الضَّآلِّيْنَ ۝۷۷ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ
اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۷۸ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ
لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۷۹ وَ
حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ
اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ
اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

ترجمہ: اور (یاد کر) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر کو کیا تو قرار دیتا ہے بتوں کو معبود، بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے اور تیری قوم کو صریح گمراہی میں۔ اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو مخلوقات آسمانوں اور زمین کی اور تاکہ وہ ہو جائے یقین کرنے والوں میں سے۔ پھر جب چھا گئی اس پر رات دیکھا اس نے ایک ستارہ بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا تو بولا نہیں میں پسند کرتا غائب ہو جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند چمکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا۔ پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اگر نہ ہدایت کرتا رہے مجھ کو رب میرا تو بیشک میں ہو جاؤں گمراہ لوگوں میں سے۔ پھر جب دیکھا سورج جھلکتا ہوا بولا یہ ہے رب میرا، یہ سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ غائب ہو گیا بولا اے میری قوم میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو۔ میں نے متوجہ کر لیا اپنے چہرے کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین، سب سے یک سو ہو کر اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے۔ اور جھگڑا کیا اس سے اس کی قوم نے بولا کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ راہ دکھا چکا ہے مجھ کو اور نہیں ڈرتا ہوں میں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اللہ کا مگر یہ کہ چاہے میرا رب ہی کچھ (تکلیف پہنچانا)۔ احاطہ کر لیا ہے میرے رب نے سب چیزوں کا از روئے علم، کیا تم نہیں سوچتے۔ اور کیسے میں ڈروں ان سے جن کو تم نے شریک ٹھہرایا حالانکہ نہیں ڈرتے ہو تم اس بات سے کہ شریک کیا تم نے اللہ کا ان کو جن کی نہیں اتاری اس نے تم پر کوئی دلیل۔ اب دونوں فرقوں میں کون زیادہ حقدار ہے امن کا، (بولو) اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ جو لوگ یقین لے آئے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے یقین میں کوئی نقصان انہی کے واسطے ہے امن اور وہی ہیں سیدھی راہ والے۔

تفسیر: (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے جب ابراہیم) علیہ السلام (نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے، بیشک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو) جو اس اعتقاد میں تیرے شریک ہیں (صریح غلطی میں دیکھ رہا ہوں) اور ستاروں کے متعلق گفتگو تو آگے آئے گی۔ درمیان میں ابراہیم علیہ السلام کو صحیح نظر وفکر حاصل ہونا بیان فرماتے ہیں جس کا تعلق ماقبل و مابعد دونوں سے ہے (اور ہم نے ایسے ہی) کامل (طور پر ابراہیم) علیہ السلام (کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات) معرفت کی نظر سے (دکھلائیں تاکہ وہ) خالق کی ذات وصفات کو خوب پہچان لیں اور تاکہ) مزید معرفت سے (کامل یقین کرنے والوں سے ہو جائیں) آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کی مزید تفصیل مذکور ہے۔ (پھر) اسی دن یا کسی اور دن (جب رات کی تاریکی ان پر) اور سب پر اسی طرح (چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا) کہ چمک رہا ہے (آپ نے) اپنی قوم سے مخاطب ہو کر (فرمایا) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور میرے حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) بہت اچھا، اب تھوڑی دیر میں حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے، چنانچہ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ افق میں جا چھپا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا) جب کہ جس کو رب یعنی پرورش کرنے والا اور ضروریات پوری کرنے والا اور کمال تک پہنچانے والا سمجھے اس سے محبت ہونا لازمی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ میں اس کو رب ہی نہیں سمجھتا (پھر) اسی شب میں یا کسی دوسری شب میں (جب چاند کو دیکھا) کہ چمکتا ہوا) نکلا ہے (تو) پہلے ہی کی طرح (فرمایا کہ) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) بہتر، اب تھوڑی دیر میں اس کی کیفیت بھی دیکھنا۔ چنانچہ وہ بھی غروب ہو گیا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرا) حقیقی (رب ہدایت نہ کرتا رہے) جیسا اب تک ہدایت کرتا رہا ہے (تو میں بھی) تمہاری طرح گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔ پھر) اسی شب کی صبح کو یا اس کے علاوہ کسی صبح کو (جب آفتاب دیکھا) کہ بڑی آب و تاب سے (چمکتا ہوا) نکلا ہے تو پہلی دو دفعہ کی طرح پھر (فرمایا کہ) تمہارے خیال کے موافق (یہ میرا) اور تمہارا (رب) اور حالات و معاملات میں تصرف کرنے والا (ہے) اور (یہ تو سب) مذکورہ ستاروں (میں بڑا ہے) اس پر مناظرہ بھی مکمل ہو جائے گا، اگر اس کی ربوبیت باطل ہو گئی تو چھوٹوں کی بدرجہ اولیٰ باطل ہو جائے گی، غرض شام ہوئی تو وہ بھی غروب ہو گیا (سو جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ

بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار) اور متنفر (ہوں) کیونکہ وہ خدا اور رب ہی کیا ہوا جو اپنے آپ کو ظاہر بھی نہ رکھ سکے اور دن رات کی گردش کے تابع ہو کر غروب ہو جائے۔ غرض میں براءت اور بیزاری کا برملا اظہار کرتا ہوں اگرچہ اعتقاد میں تو ہمیشہ سے بیزار ہی رہا ہوں (میں) سب طریقوں سے (یک سو ہو کر اپنا) ظاہری اور قلبی (رخ اس) ذات (کی طرف) کرنا تم سے ظاہر (کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں) تمہاری طرح (شرک کرنے والوں سے نہیں ہوں) نہ عقیدے کے اعتبار سے اور نہ ہی قول وعمل کے اعتبار سے (اور ان سے ان کی قوم نے) بیہودہ (حجت کرنا شروع کی) وہ یہ کہ یہ ہمارا آبائی طریقہ ہے وَجَدْنَا اٰبَآءَ نَا لَهَا عَابِدِيْنَ یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے اور معبودان باطلہ کے انکار پر ڈرایا بھی کہ کبھی تم کو یہ کسی آفت میں نہ پھنسا دیں (آپ نے) پہلی بات کے جواب میں تو یہ (فرمایا کہ کیا تم اللہ) کی توحید (کے معاملہ میں مجھ سے) باطل (حجت کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھ کو) صحیح استدلال کا (طریقہ بتا دیا ہے) جس کو میں تمہارے روبرو پیش کر چکا ہوں، اور محض آبائی طریقہ ہونا اس استدلال کا جواب نہیں ہو سکتا، لہٰذا یہ دلیل تمہارے لئے بیکار اور میرے نزدیک نا قابل التفات ہے (اور) دوسری بات کے جواب میں یہ فرمایا کہ (میں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ) استحقاق عبادت میں (شریک بناتے ہو نہیں ڈرتا) کہ وہ مجھ کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں کیونکہ ان میں خود صفت قدرت ہی مفقود ہے اور اگر کسی مخلوق میں ہو بھی تو وہ مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کی قدرت کے تابع ہے۔ (ہاں لیکن اگر میرا پروردگار ہی کوئی بات چاہے) تو وہ دوسری بات ہے وہ تو ہو ہی جائے گی، لیکن اس سے معبودان باطل کی قدرت کا ثبوت یا ان سے خوف کی ضرورت کب لازم آئی اور (میرا پروردگار) جس طرح قادر مطلق ہے جیسا ان دلائل سے معلوم ہوا اسی طرح وہ (ہر چیز کو اپنے) احاطہ (علم میں) بھی (گھیرے ہوئے ہے)۔ غرض قدرت وعلم دونوں اسی کے ساتھ خاص ہیں جب کہ تمہارے معبودوں کو نہ قدرت ہے نہ علم ہے (کیا تم) سنتے ہو اور (پھر) بھی (خیال نہیں کرتے۔ اور) جس طرح میرے نہ ڈرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے معبود علم وقدرت سے محض خالی ہیں، اسی طرح یہ بات بھی تو ہے کہ میں نے کوئی کام ڈر کا کیا بھی تو نہیں کیونکہ توحید کو اختیار کرنا کوئی جرم نہیں ہے پھر (میں ان چیزوں سے کیسے ڈروں جن کو تم نے) اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کے استحقاق اور ربوبیت کے اعتقاد میں ناحق (شریک بنایا ہے، حالانکہ) اصل تو تم کو ڈرنا چاہئے کیونکہ تم نے خدا کی بغاوت اختیار کی ہے کہ شرک کرتے ہو یعنی خدا کا حق

دوسروں کو دیتے ہو اور اس پر دلیری یہ کہ (تم اس بات) کے وبال (سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن) کے معبود ہونے (کی بابت اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی) لفظی یا معنوی (دلیل نازل نہیں فرمائی)۔ مطلب یہ کہ ڈرنا چاہئے تھا تم کو مگر تم الٹا مجھ کو ڈراتے ہو (لہٰذا) اس تقریر کے بعد انصاف سے سوچ کر بتاؤ کہ (ان) مذکورہ (دو فریقوں میں سے) یعنی تم جیسے مشرکین اور میرے جیسے موحدین میں سے آخرت کے عذاب سے (امن کا) زیادہ مستحق کون ہے۔ اگر تم) کچھ (خبر رکھتے ہو) تو بتاؤ اور خیر تم کیا بتاؤ گے میں ہی بتاتا ہوں کہ (جو لوگ) اللہ پر (ایمان رکھتے ہیں اور) اپنے اس (ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کے لئے) قیامت میں (امن ہے اور وہی) دنیا میں (راہ) راست (پر چل رہے ہیں) اور وہ صرف موحدین ہیں۔ ان کے برخلاف مشرکین اگرچہ خدا کے قائل ہیں لیکن شرک بھی کرتے ہیں جس سے اصل ایمان باقی نہیں رہتا۔

ربط: آگے مسئلہ توحید کی مزید تقویت کے لئے بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسے لاجواب دلائل دے کر ان کی قوم پر غالب کیا اور دنیا و آخرت میں سربلند کیا۔ اسی سربلندی میں یہ بھی شامل ہے کہ دنیا میں ان سے نبوت و رسالت کا ایک عظیم الشان سلسلہ چلایا۔ لہٰذا توحید کی طرح نبوت بھی کوئی نئی چیز نہیں جس کو تم مستبعد خیال کرو۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ
وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ
وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا
وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ
وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَ
ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾
ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا
لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: اور یہ ہماری دلیل ہے۔ دی ہم نے یہ ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ بلند کرتے ہیں ہم درجوں میں جس کو چاہیں۔ بے شک تیرا رب حکمت والا ہے جاننے والا، اور بخشا ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب۔ سب کو ہم نے ہدایت دی ہے اور نوح کو ہدایت کی ہم نے ان سب سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے (ہدایت کی ہم نے) داؤد کو اور سلیمان کو اور ایوب کو اور یوسف کو اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیک کام والوں کو۔ اور (ہدایت دی ہم نے) زکریا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس کو۔ سب ہیں شائستہ لوگوں میں سے۔ اور (ہدایت دی ہم نے) اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو اور لوط کو اور سب کو بزرگی دی ہم نے سارے جہان والوں پر۔ اور (ہدایت کی ہم نے بعضوں کو) ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے اور پسند کیا ہم نے ان کو اور چلایا ہم نے ان کو سیدھی راہ پر۔ یہ ہدایت ہے اللہ کی چلاتا ہے اس پر جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا ان سے جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔ یہی لوگ ہیں وہ دی ہم نے جن کو کتاب اور شریعت اور نبوت۔ پھر اگر نہ مانیں ان باتوں کو یہ لوگ (یعنی مکہ والے) تو مقرر کر دیئے ہیں ہم نے ان باتوں کے لئے ایسے لوگ جو نہیں ہیں ان کے منکر۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہدایت کی اللہ نے۔ سو ان کے طریقہ کی تو پیروی کر۔ تو کہہ دے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ مزدوری۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہان کے لوگوں کے لئے۔

تفسیر: (اور یہ) حجت جو ابراہیم علیہ السلام نے توحید پر قائم کی تھی (ہماری) دی ہوئی (حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم) علیہ السلام (کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی) جب ہماری دی ہوئی تھی تو یقیناً اعلیٰ درجہ کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے (ہم) تو (جس کو چاہتے ہیں علمی و عملی (مرتبوں میں بڑھا دیتے ہیں) چنانچہ سب انبیاء کو درجات کی یہ بلندی عطا فرمائی (بیشک آپ کا رب بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے) کہ ہر ایک کا حال اور استعداد جانتا ہے اور ہر ایک کے مناسب اس کو کمال عطا فرماتا ہے (اور) ہم نے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو علم و عمل میں

کمال دیا، اسی طرح ان کے اصول اور فروع میں سے بہتوں کو کمال دیا چنانچہ (ہم نے ان کو) علاوہ اور اولاد کے ایک بیٹا (اسحاق دیا اور) ایک پوتا (یعقوب) دیا اور ان دونوں میں سے (ہر ایک کو) راہ حق کی (ہم نے ہدایت کی، اور) ابراہیم سے (پہلے زمانہ میں ہم نے نوح) علیہ السلام (کو) جن کا ابراہیم علیہ السلام کے اجداد میں سے ہونا مشہور ہے ان کو بھی ہم نے راہ حق کی (ہدایت کی اور ان) ابراہیم علیہ السلام کی (اولاد) اور نسل (میں سے) اخیر تک جتنے مذکور ہیں سب کو راہ حق کی ہدایت کی یعنی (داؤد) علیہ السلام (کو اور) ان کے صاحبزادہ (سلیمان) علیہ السلام (کو اور ایوب) علیہ السلام (کو اور یوسف) علیہ السلام (کو اور موسیٰ) علیہ السلام (کو اور ہارون) علیہ السلام (کو) راہ حق کی ہدایت کی۔ (اور) جب یہ ہدایت پر چلے تو ہم نے ان کو جزائے خیر یعنی ثواب اور زیادہ قرب سے بھی نوازا۔ اور جس طرح نیک کاموں پر ان کو جزا دی (اسی طرح) ہماری عادت ہے کہ (ہم نیک کام کرنے والوں کو) مناسب (جزا دیا کرتے ہیں اور نیز) ہم نے راہ حق کی ہدایت کی (زکریا) علیہ السلام (کو اور یحییٰ) علیہ السلام (کو اور عیسیٰ) علیہ السلام (کو اور الیاس) علیہ السلام (کو) اور یہ (سب) حضرات (پورے شائستہ لوگوں میں تھے۔ اور نیز) ہم نے راہ حق کی ہدایت کی (اسماعیل) علیہ السلام (کو اور یسع) علیہ السلام (کو اور یونس) علیہ السلام (کو اور لوط) علیہ السلام (کو اور) ان میں سے (ہر ایک کو) ان زمانوں کے (تمام جہان والوں پر) نبوت سے (ہم نے فضیلت دی۔ اور نیز ان) مذکورہ حضرات (کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو) راہ حق کی ہم نے ہدایت کی (اور ہم نے ان) سب (کو مقبول بنایا)۔ اور جس ہدایت کا اب تک ذکر ہوا ہے وہ کیا ہے تو اس کے بارے میں سنو کہ (ہم نے ان) سب (کو راہ راست) یعنی دین حق (کی ہدایت کی)۔ اور (یہی) دین (اللہ کی ہدایت ہے) جو وہ سب کو دکھاتا ہے لیکن (اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے) جس کا مدار یہ ہے کہ جس میں طلب صادق پاتا ہے اس کو (اس دین تک پہنچاتا ہے) اسی طرح اب جو لوگ موجود ہیں ان کو بھی دین کی راہ دکھا دی ہے اور اس تک پہنچنا ان کی طلب صادق پر موقوف ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس کے بجائے شرک اختیار کر لیا (اور) شرک اس قدر ناپسند چیز ہے کہ غیر انبیاء تو کس شمار میں ہیں (اگر بالفرض یہ حضرات) انبیاء (بھی) نعوذ باللہ (شرک کرتے تو جو کچھ یہ) نیک (اعمال کیا کرتے تھے ان سے سب اکارت ہو جاتے)۔ آگے مسئلہ نبوت کی طرف اشارہ ہے کہ (یہ) جتنے حضرات مذکور ہوئے (ایسے تھے کہ ہم نے ان) کے مجموعہ (کو کتاب) الٰہی (اور حکمت) کے علوم (اور نبوت عطا کی تھی) تو نبوت کوئی نئی اور عجیب بات نہیں ہے جو یہ کافر لوگ آپ کی نبوت کے منکر ہو رہے ہیں، کیونکہ

انبیاء کی مثالیں تو موجود ہیں (سو اگر) مثال موجود ہونے پر بھی (یہ لوگ) آپ کی (نبوت کا انکار کریں تو) آپ غم نہ کیجئے کیونکہ (ہم نے اس کے) ماننے کے (لئے ایسے بہت لوگ مقرر کر دیئے ہیں) یعنی مہاجرین وانصار (جو اس کے منکر نہیں ہیں) اور ہم جو غم نہ کرنے کو اور صبر کرنے کو کہتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ سب انبیاء نے ایسا ہی کیا ہے۔ چنانچہ (یہ حضرات ایسے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے) اس صبر کی (ہدایت کی تھی سو) اس بارے میں (آپ بھی ان ہی کے طریقہ) صبر (پر چلئے) اور آپ کو بھی اس کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ منکرین سے نہ آپ کو کوئی نفع نہ کوئی ضرر جس کی وجہ سے غم اور بے صبری ہو۔ اور اس مضمون کے اظہار کے واسطے ان سے تبلیغ کے وقت (آپ) یہ بھی (کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس) تبلیغ قرآن (پر کچھ معاوضہ نہیں چاہتا) جس کے ملنے سے نفع اور نہ ملنے سے ضرر ہو بلکہ بے غرض نصیحت کرتا ہوں (یہ) قرآن (تو تمام جہان والوں کے واسطے صرف ایک نصیحت ہے) جس کو ماننے سے تمہارا ہی نفع ہے اور نہ ماننے سے تمہارا ہی نقصان ہے۔

ربط: آگے رسالت کا اثبات اور اس کے منکرین کی مذمت کا ذکر ہے جس کا سبب یہ ہوا کہ یہود نے کہا واللہ آسمان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ اسی کے ساتھ توحید و رسالت کے منکرین کو عذاب کی وعید بھی سنائی۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ
شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ
هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ
وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ
خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ
بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ
اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى
اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا
فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ
لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں قدر پہچانی انہوں نے اللہ کی اس کی قدر کے برابر جب کہا انہوں نے (کہ) نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز۔ تو کہہ کس نے اتاری وہ کتاب لے کر آیا تھا جس کو موسیٰ اس حال میں کہ وہ روشن تھی اور ہدایت تھی لوگوں کے واسطے۔ کرتے ہو تم اس کو (متفرق) اوراق میں، ظاہر کرتے ہو تم ان (میں سے بعض) کو اور چھپاتے ہو بہت کو۔ اور سکھلائے گئے تم وہ کچھ جو نہ جانتے تھے تم اور نہ تمہارے باپ دادے۔ تو کہہ دے کہ اللہ نے (اتاری) پھر چھوڑ دے ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کرتے رہیں۔ اور یہ (قرآن) کتاب ہے اتارا ہم نے اس کو، برکت والی ہے، تصدیق کرنے والی ان کی جو اس سے پہلے ہیں اور تاکہ (اس کے ذریعہ تو ڈرائے مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو۔ اور جو یقین رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر اور وہ اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا کہے وحی کی گئی میری طرف حالانکہ نہیں وحی کی گئی اس کی طرف کچھ بھی اور جو کہے کہ میں بھی اتار لاتا ہوں مثل اس کے جو اتارا اللہ نے۔ اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم ہوں گے موت کی سختیوں میں اور فرشتے بڑھائے ہوئے ہوں گے اپنے ہاتھ کہ نکالو اپنی جانیں۔ آج تم بدلہ میں دیئے جاؤ گے عذاب ذلت کا اس سبب سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی باتیں اور تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔ اور البتہ آ گئے ہو تم ہمارے پاس ایک ایک ہو کر جیسے پیدا کیا تھا ہم نے تم کو پہلی بار اور چھوڑ آئے تم جو کچھ (سامان) دیا تھا ہم نے تم کو پیچھے اپنی پیٹھ کے۔ اور نہیں ہم دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے سفارشیوں کو جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں (ہمارے) شریک

ہیں۔ البتہ منقطع ہو گیا (تعلق) تمہارے مابین اور جاتے رہے تم سے جو دعوے (کہ) تم کیا کرتے تھے۔

تفسیر: (اور ان) منکر (لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی جیسی قدر پہچاننا واجب تھی، ویسی قدر نہ پہچانی جب کہ) ڈھٹائی سے (یوں کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز) یعنی قرآن سمیت کوئی کتاب (بھی نازل نہیں کی۔) یہ کہنا اس وجہ سے نا قدر شناسی ہے کہ اس سے مسئلہ نبوت کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ رسول اپنے اوپر کتاب الٰہی کے نازل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو اس کہنے سے کہ اللہ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی رسول کو اس کے دعوے میں جھوٹا کہنا ہے اور چونکہ جھوٹا دعوی کرنے والا رسول اور نبی نہیں ہو سکتا لہٰذا اس طرح سے اس کی رسالت و نبوت کا انکار کیا۔ اور نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ماننا واجب ہے۔ پس اس میں قدر شناسی جو واجب تھی کہ اللہ کی ذات وصفات کو پہچانتے اور مانتے اس میں خلل آیا۔ یہ تو تحقیقی جواب تھا۔ اور الزامی جواب دینے کے لئے (آپ) ان سے (یہ کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ) علیہ السلام (لائے تھے) یعنی توریت جس کو تم بھی مانتے ہو (جس کی یہ کیفیت ہے کہ وہ) خود (نور) کی طرح واضح (ہے اور) جن کی ہدایت کے لئے وہ آئی تھی ان (لوگوں کے لئے وہ) اس وجہ سے کہ اس میں شرعی احکام کا ذکر (ہدایت ہے، جس کو تم نے) اپنی نفسانی اغراض کے لئے (متفرق اوراق میں رکھ چھوڑا ہے جن) میں جتنے اوراق کو چاہتے ہو جب کہ ان میں تمہارے مطلب کے خلاف کوئی بات نہ ہو تو ان (کو ظاہر کر دیتے ہو اور بہت سے اوراق کو) جو اپنے مطلب کے خلاف ہیں (چھپاتے ہو اور) اس کتاب کی بدولت (تم کو بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو) اے بنی اسرائیل کتاب ملنے سے پہلے (نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے) قریب سلسلہ کے (بڑے) جانتے تھے۔ مطلب یہ کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تو تم مانتے ہو، دوسرے نور و ہدایت ہونے کی وجہ سے ماننے کے قابل بھی ہے، تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے اگرچہ وہ استعمال شرمناک ہے، لیکن اس کی وجہ سے انکار کی گنجائش تو نہیں رہی، چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور احسان کی چیز ہے کہ اسی کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو، اس حیثیت سے بھی اس میں انکار کی گنجائش نہیں تو یہ بتاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا ہے، اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے، اس لئے خود ہی جواب دینے کے لئے حضور کو حکم ہے کہ (آپ) ہی (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے) توریت کو (نازل فرمایا ہے) اور اس سے ان کا دعویٰ کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل

نہیں کیا باطل ہو گیا (پھر) یہ جواب سنا کر آپ (ان کو ان کے مشغلہ میں بیہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے) یعنی آپ کا منصبی کام ختم ہو گیا، نہ مانیں تو آپ فکر میں نہ پڑیں ہم خود ہی ان سے نمٹ لیں گے۔ (اور) جس طرح توریت ہماری نازل کی ہوئی کتاب تھی اسی طرح (یہ) قرآن (بھی) جس کی تکذیب یہود کو اصل مقصود تھی (ایسی ہی کتاب ہے جس کو ہم نے) آپ پر (نازل کیا ہے جو بڑی) خیرو (برکت والی ہے) چنانچہ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا فلاح اور دنیا و آخرت کے نفع کا سبب ہے اور (اپنے سے پہلے) نازل شدہ (کتابوں) کے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کئے جانے (کی تصدیق کرنے والی ہے)۔ سو ہم نے اس قرآن کو مخلوق کے نفع اور کتب الٰہیہ کی تصدیق کے لئے نازل فرمایا (اور) اس لئے نازل فرمایا کہ (تاکہ آپ) اس کے ذریعہ سے (مکہ والوں کو اور آس پاس والوں کو) خصوصیت کے ساتھ عذاب الٰہی سے جو کہ مخالفت پر ہو گا (ڈرائیں) اور اس کے علاوہ عمومی طور سے بھی تمام لوگوں کو ڈرائیں لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْراً تا کہ وہ سب جہان والوں کو ڈرائے (اور) آپ کے ڈرانے کے بعد گو سب ایمان نہ لائیں لیکن (جو لوگ آخرت کا) پورا (یقین رکھتے ہیں) جس سے عذاب کا ڈر پیدا ہو جائے اور اس سے بچنے کی فکر پڑ جائے اور ہمیشہ نجات اخروی اور حق کی طلب کی دھن لگ جائے خواہ کسی نقلی دلیل سے حاصل ہو یا عقلی دلیل سے حاصل ہو (ایسے لوگ) تو (اس) قرآن (پر ایمان لے) ہی (آتے ہیں اور) ایمان و اعتقاد کے ساتھ اس کے اعمال کے بھی پابند ہوتے ہیں، کیونکہ عذاب سے کامل نجات کا وعدہ ایمان و عمل کے مجموعہ پر ہے چنانچہ (وہ اپنی نماز پر مداومت رکھتے ہیں) اور جب اس عبادت پر جو کہ ہر روز پانچ بار مکرر اور شاق ہے مداومت کرتے ہیں تو دوسری عبادات کے جو کہ کبھی کبھی ہیں اور سہل بھی ہیں بدرجہ اولیٰ پابند ہوں گے، حاصل یہ کہ کسی کے ماننے نہ ماننے کی فکر نہ کیجئے جو اپنا بھلا چاہیں گے مان لیں گے، جو نہ چاہیں گے نہ مانیں گے آپ اپنا کام کیجئے۔ (اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے) جیسے اس طرح کہنا جو ابھی اوپر ذکر ہوا کہ مَاأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ یعنی اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں کیا (یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی) جیسے نبوت کے جھوٹے دعویداروں مسیلمہ وغیرہ نے کہا تھا (اور) اسی طرح اس سے بھی زیادہ ظالم کون ہو گا (جو یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے) رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ کے مطابق (نازل کیا ہے، اسی طرح کا میں بھی لا) کر (دکھاتا ہوں) جیسا نضر یا عبداللہ نامی یہودی نے کہا تھا، غرض یہ سب لوگ بڑے ظالم ہیں (اور) ظالموں کا حال یہ ہے کہ (اگر آپ) ان کی (اس وقت دیکھیں) تو بڑا ہولناک منظر دکھائی دے (جب کہ یہ ظالم لوگ) جان

کا ذکر ہوا (موت کی) روحانی (سختیوں میں) گرفتار (ہوں گے اور) موت کے (فرشتے) جو ملک الموت کے مددگار ہیں ان کی روح نکالنے کے واسطے ان کی طرف (اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے) اور شدت کے ظاہر کرنے کو یوں کہتے جاتے ہوں گے کہ (ہاں) جلدی (اپنی جانیں نکالو کہاں بچاتے پھرتے تھے، دیکھو (آج) مرنے کے ساتھ ہی (تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی) جس میں جسمانی تکلیف بھی ہے اور روحانی ذلت بھی ہے (اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ جھوٹی) جھوٹی (باتیں بکتے تھے) جیسے وہ جھوٹی تہمتیں جو اوپر ذکر ہوئیں (اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات) جو کہ ذریعہ ہدایت تھیں ان کے قبول کرنے (سے تکبر کرتے تھے) یہ کیفیت تو موت کے وقت ہو گی، (اور) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (تم ہمارے پاس) یار و مددگار سے (تنہا تنہا) ہو کر (آ گئے) اور اس حالت سے آئے (جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ) دنیا میں (تم کو پیدا کیا تھا) کہ نہ بدن پر کپڑا نہ پاؤں میں جوتا (اور جو کچھ ہم نے تم کو) دنیا میں ساز و سامان (دیا تھا) جس پر تم بھولے بیٹھے تھے (اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے) ساتھ کچھ نہ لا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ مال و دولت کے بھروسہ پر نہ رہنا، یہ سب یہاں ہی رہ جائے گا (اور) تم میں جو بعض کو اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کا بھروسہ تھا سو (ہم تو تمہارے ہمراہ) اس وقت (تمہارے ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے) جس سے ثابت ہوا کہ واقع میں بھی وہ تمہارے ساتھ نہیں ہیں (جن کی نسبت تم دعویٰ رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں) ہمارے (شریک ہیں) اور اس لئے عبادت کے ہر کام میں ہمارے ساتھ تم ان کو بھی شریک کرتے تھے (واقعی تمہارے) اور ان کے (آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا) کہ آج تم ان سے بیزار ہو اور وہ تم سے بیزار ہیں تو وہ شفاعت کیا کریں گے (اور وہ تمہارا دعویٰ) جو مذکور ہوا (سب تم سے گیا گزرا ہوا) کچھ کام کا نہ نکلا تو اب پوری پوری مصیبت پڑے گی۔

فائدہ: 1 غَمَرَاتِ میں روحانی کی قید اس لئے لگائی کہ حالت نزع کی جسمانی شدت نہ تو کفار کو لازم ہے اور نہ ان کے خواص میں سے ہے

2۔ فرشتوں کا اَخرِجُوا کہنا فی الحقیقت طلب کے لئے نہیں بلکہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص کسی کی چیز لے کر بھاگ جائے اور اس کو چھپائے پھرتا رہے پھر مالک یا اس کا کوئی آدمی اس کو پکڑ کر جبراً اس کی جیبوں میں سے خود نکالتا جاتا ہے اور کہتا جاتا ہے کہ ہاں یہاں سے نکال وہاں سے نکال۔ اس سے مقصود صرف اظہار شدت ہوتا ہے۔

3- اہل محشر کے برہنہ پا اور برہنہ بدن ہونے کا ذکر صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے۔

ربط: آگے توحید و رسالت کے اثبات کے لئے اللہ تعالیٰ کے افعال، صفات اور مظاہر قدرت کو بیان کرتے ہیں جن سے خدا کے وجود، وحدانیت اور کامل الصفات ہونے پر استدلال تو واضح ہے لیکن انہی سے رسالت پر بھی اس طور سے استدلال ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہماری دنیوی زندگی اور مادی حوائج کے انتظام کے لئے اس قدر اسباب مہیا فرمائے ہیں تو انہوں نے ہماری اخروی زندگی اور روحانی ضروریات کے پورا ہونے کا انتظام بھی یقیناً کیا ہو گا۔ وہی انتظام نبوت و رسالت کی صورت میں ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ
الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ
الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ
قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِّنْ
نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ
كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ
مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ
وَّالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ اُنْظُرُوا إِلٰى ثَمَرِهٖ
إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۗ إِنَّ فِي ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: بے شک اللہ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو۔ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے اللہ پھر کدھر تم بہکے جاتے ہو، پھاڑنے والا ہے صبح کی روشنی کا اور اس نے بنائی رات آرام کے لئے اور (بنا کے رکھا ہے) سورج اور چاند کو حساب سے۔ یہ اندازہ ٹھہرانا ہے زور آور خبردار کا۔ اور وہی ہے جس نے بنا دیئے

تمہارے واسطے ستارے تاکہ تم راستہ معلوم کرو ان کے ذریعہ اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے۔ بے شک کھول (کر بیان کر) دیئے ہم نے دلائل ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تم سب کو ایک جان سے پھر ایک تو (تمہارا) ٹھکانا ہے اور ایک جائے امانت ہے۔ بے شک کھول (کر سنا) دیئے ہم نے دلائل ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالی ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز پھر نکالی ہم نے اس میں سے سبز کھیتی نکالتے ہیں ہم جس سے دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے، اور کھجور کے گپھے میں سے پھل کے گچھے جھکے ہوئے اور (پانی سے نکالے) باغات انگور کے اور زیتون (کے درخت) کو اور انار (کے درخت) کو آپس میں ملتے جلتے اور غیر ملتے جلتے بھی۔ دیکھو ہر ایک (درخت کے) پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور اس کے پکنے کو، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں واسطے ان لوگوں کے جو ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: (بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کو اور گٹھلیوں کو) یعنی زمین میں دبانے کے بعد جو دانہ یا گٹھلی پھوٹتی ہے یہ اللہ ہی کا کام ہے۔ (وہ جاندار) چیز (کو بے جان) چیز (سے نکال لاتا ہے) جیسے انڈے سے مرغی کو پیدا کرتا ہے (اور وہ بے جان) چیز (کو جاندار) چیز (سے نکالنے والا ہے) جیسے مرغی کے بدن سے انڈے کو۔ (اللہ یہ ہے) جس کی ایسی قدرت ہے (سو تم) اس کی عبادت چھوڑ کر (کہاں) غیر اللہ کی عبادت کی طرف (الٹے چلے جا رہے ہو۔ وہ) اللہ تعالیٰ (صبح) صادق (کا) رات میں سے (نکالنے والا ہے) یعنی اسی کے حکم سے رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق ظاہر ہوتی ہے (اور اس نے رات کو راحت کی چیز بنایا ہے) کہ سب تھکے تھکائے سو کر آرام پاتے ہیں (اور سورج اور چاند) کی رفتار (کو حساب سے رکھا ہے) یعنی ان کی رفتار منضبط ہے جس سے اوقات کے انضباط میں سہولت ہو۔ (یہ) یعنی حساب سے ان کی رفتار ہو ایسی بات ہے جو ایسی ذات کی (ٹھہرائی ہوئی ہے) جو کہ (قادر) مطلق (ہے) کہ اس طرح کی حرکت پیدا کرنے پر اس کو قدرت ہے اور (بڑے علم والا ہے) کہ اس رفتار کی مصلحتیں اور حکمتیں جانتا تھا اس لئے اس خاص حساب پر ان کو ٹھہرا دیا (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تمہارے) فائدہ کے (لئے ستاروں کو پیدا کیا) جو یہ ہے (کہ تم ان کے ذریعہ سے) رات کے (اندھیروں میں، خشکی میں بھی اور دریا میں بھی راستہ معلوم کر سکو، بیشک ہم نے) توحید و انعام کے یہ (دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں) اور گو یہ دلائل پہنچیں گے سب کو مگر نافع (ان) ہی (لوگوں کے لئے)

ہوں گے (جو) بھلے برے کی کچھ (خبر رکھتے ہیں) کیونکہ غور ایسے ہی لوگ کیا کرتے ہیں۔ (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم) سب (کو) اصل میں (ایک شخص سے) یعنی آدم علیہ السلام سے (پیدا کیا پھر) آگے تمہارے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ایک تو (ٹھکانا ہے اور) دوسرے (جائے امانت ہے)۔ دنیا کی جائے امانت تو ماں کا رحم ہے اور ٹھکانا خود دنیا ہے جب کہ آخرت کی جائے امانت قبر ہے اور ٹھکانا جنت یا دوزخ ہے۔ (بیشک ہم نے) توحید و انعام کے یہ (دلائل) بھی سب کے لئے (خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں) مگر ان کا نفع بھی جیسے پہلے ذکر ہوا (ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہوگا (جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں)۔

(اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے آسمان) کی طرف (سے پانی برسایا، پھر ہم نے اس) ایک ہی پانی (کے ذریعہ سے ہر قسم کے) رنگ برنگ (نباتات کو) زمین سے (نکالا) ایک ہی پانی ایک ہی مٹی سے اتنی مختلف قسم کی نباتات جن کے رنگ و بو، ذائقہ، اور فائدے بے حد مختلف ہیں، یہ قدرت کا کس قدر عجیب کرشمہ ہے (پھر ہم نے اس) کونپل (سے) جو اول زمین سے نکلتی ہے اور جس کو سوئی بھی کہتے ہیں اور رنگ میں زرد ہوتی ہے (سبز شاخ نکالی کہ اس) شاخ (سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں) یہ تو اناج اور غلے کی کیفیت ہے، (اور کھجور کے درختوں سے یعنی ان کے گپھے میں سے خوشے) نکلتے (ہیں جو) مارے بوجھ کے (نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور) اسی پانی سے ہم نے (انگوروں کے باغ) پیدا کئے (اور زیتون و انار) کے درخت پیدا کئے (جو کہ) بعضے انار اور بعضے زیتون پھل کی صورت شکل و مقدار و رنگ وغیرہ کے اعتبار سے (ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں اور) بعضے (ایک دوسرے سے ملتے جلتے نہیں ہوتے) ذرا (ہر ایکؑ کے پھل کو تو دیکھو جب وہ پھلتا ہے) کہ اس وقت بالکل کچا، بدمزہ، نا قابل انتفاع ہوتا ہے (اور) پھر (اس کے پکنے کو دیکھو) کہ اس وقت سب اوصاف میں یعنی رنگ، مزہ اور انتفاع میں کیسا کامل ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔ (ان) امور (میں) بھی توحید کے (دلائل موجود (ہیں) اور گو تبلیغ کے اعتبار سے تو یہ دلائل سب کے لئے ہیں مگر انتفاع کے اعتبار سے (ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہیں (جو ایمان) لانے کی فکر (رکھتے ہیں)۔

ربط: لیکن توحید کے منکروں نے مذکورہ بالا دلائل پر غور کرنے کے بجائے شرک پر اصرار کیا۔ آگے ان کے شرک کی بعض صورتیں ذکر کر کے ان کا ابطال کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى

يَكُونُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ
شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اور ٹھہرا لیا ہے انہوں نے اللہ کے لئے شریک جنوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے ان کو، اور تراش لئے ہیں انہوں نے اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے۔ پاک ہے وہ اور بہت بلند ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں کا اور زمین کا۔ کیسے ہوسکتی ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ نہیں ہے اس کے لئے کوئی بیوی، اور اس نے بنائی ہر چیز اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، نہیں ہے کوئی مستحق عبادت سوا اس کے، پیدا کرنے والا پہلے ہر چیز کا سو تم عبادت کرو اسی کی اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پا سکتا ہے آنکھوں کو اور وہ نہایت لطیف خبردار ہے۔

تفسیر: (اور) مشرک (لوگوں نے) اپنے اعتقاد میں (شیاطین کو) ایسے (اللہ کا) جس کے صفات و افعال اوپر ذکر ہوئے (شریک قرار دے رکھا ہے) کہ ان کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں اور خدا کے مقابلہ میں ان کے کہنے پر چلتے ہیں (حالانکہ ان لوگوں کو) خود ان کے اقرار کے موافق بھی (خدا) ہی (نے پیدا کیا ہے) جب خالق کوئی اور نہیں تو معبود بھی کوئی اور نہ ہونا چاہئے۔ (اور ان) مشرکین میں سے بعض (لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں) اپنے اعتقاد میں (محض بلا دلیل تراش رکھی ہیں) جیسے نصاریٰ حضرت مسیح کو اور بعض یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے (وہ پاک اور برتر ہے ان باتوں سے جن کو یہ لوگ) خدا تعالیٰ کی شان میں (بیان کرتے ہیں) یعنی یہ کہ اس کا کوئی شریک ہے یا اس کی کوئی اولاد ہے (وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد) یعنی عدم سے وجود میں لانے والا (ہے) اور دوسرا کوئی موجد نہیں، پس معبود بھی کوئی اور نہ ہوگا، اس سے تو شریک کی نفی ہوئی۔ اور اولاد کی نفی کی دلیل اولاد کی حقیقت ہے جو یہ ہے کہ میاں بیوی ہوں اور ان دونوں کی مقاربت ہو۔ اس سے تیسری جان دار چیز پیدا ہوگی۔ تو (اللہ کے اولاد کہاں ہوسکتی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بیوی تو ہے

نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے) جیسا ان لوگوں کو پیدا کیا وَخَلَقَهُمْ اور زمین و آسمان کو پیدا کیا، بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ اسی طرح اس نے (ہر چیز کو پیدا کیا، اور) جس طرح وہ خالقیت میں یکتا ہے، اسی طرح اس صفت میں بھی یکتا ہے کہ (وہ) ازل سے ابد تک کی (ہر چیز کو خوب جانتا ہے) اور اس وصف میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور تخلیق چونکہ علم کے بغیر ہو نہیں سکتی، اس سے بھی ثابت ہوا کہ اور کوئی خالق نہیں۔ (یہ) ذات جس کی کمال درجے کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں یہ (ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا) ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔ جب یہ صفات صرف اللہ ہی میں ہیں (تو تم لوگ اس) ہی (کی عبادت کرو اور) پھر یہ کہ (وہ) ہی (ہر چیز کا کارساز) حقیقی (ہے) دوسرا کوئی کارساز بھی نہیں پس اس کی عبادت کرو گے تو وہی تم کو حقیقی نفع پہنچائے گا کوئی دوسرا کیا دے سکتا ہے۔ غرض خالق بھی وہی، علیم بھی وہی، وکیل بھی وہی، اور یہ سب امور اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ معبود بھی وہی ہو۔

اور اس کے علیم ہونے کی اور اس میں منفرد ہونے کی یہ کیفیت ہے کہ (اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی) دنیا میں تو اس طرح کہ کوئی دیکھ ہی نہیں سکتا، جیسا کہ شرعی دلائل سے ثابت ہے، اور آخرت میں اس طرح کہ اہل جنت گو دیکھیں گے جیسا کہ یہ بھی شرعی دلائل سے ثابت ہے لیکن پورا احاطہ وہاں بھی محال رہے گا اور اتنی بات عقل سے سمجھ سکتے ہیں کہ جب آخرت میں آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود اس کا پورا احاطہ محال ہوگا تو اس کی باطنی حقیقت جو کہ اور بھی زیادہ پوشیدہ ہے اس کو محض عقل سے پہچاننا اور بھی محال ہے کیونکہ عقل سے تو خطا کا زیادہ احتمال ہوتا ہے (اور وہ) یعنی اللہ تعالیٰ (سب نگاہوں کو) جو کہ اس کے احاطہ سے عاجز تھیں لازماً (محیط ہو جاتا ہے) اسی طرح اور چیزوں کو بھی اپنے علم سے محیط ہے، وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (اور) اس بات سے کہ وہ سب کو محیط ہے اور اس کو کوئی محیط نہیں لازم) آ گیا کہ (وہی بڑا باریک بین، باخبر ہے) اور کوئی دوسرا نہیں، اور یہ وہ کمال علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔

فائدہ: کلام کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شے خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو اس کا احاطہ کسی دیکھنے والے کی آنکھ سے خواہ وہ دیکھنے والا کتنا ہی چھوٹا اور حقیر کیوں نہ ہو محال نہیں ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کا دنیا میں دیکھا جانا اگرچہ فی ذاتہ ممکن ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست رَبِّ أَرِنِي سے ظاہر ہے لیکن شرعاً یہ ممکن نہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے جواب لَنْ تَرَانِي یعنی تم مجھے دنیا میں ہرگز نہیں دیکھ سکتے سے ظاہر ہے البتہ آخرت میں ممکن ہے اور ہوگا بھی لیکن پورا احاطہ وہاں بھی نہ ہوگا اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے خواص میں سے ہے۔

ربط: آگے اس کا بیان ہے کہ آپ کے ذمہ رسالت کی حیثیت سے صرف ان مضامین کی تبلیغ اور عبدیت کے اعتبار سے خود عمل پر استقامت ہے توحید و رسالت کے منکرین کے فکر و غم میں پڑنا نہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِیَ
فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ وَ
لِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ
اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ
لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ
عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: بلاشبہ آ چکیں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے، پھر جس نے دیکھ لیا سو اپنے واسطے، اور جو اندھا رہا سو اپنے نقصان کو۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور یوں طرح طرح سے ہم پھیرتے (اور سمجھاتے) ہیں آیتیں اور تاکہ وہ کہیں کہ تو نے (کسی سے) پڑھا ہے، اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ تو پیروی کر اس حکم کی جو وحی کیا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی جانب سے۔ نہیں کوئی لائق عبادت سوا اس کے اور منہ پھیر لے مشرکوں سے۔ اور اگر چاہتا اللہ (تو) نہ شرک کرتے وہ لوگ۔ نہیں بنایا ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہے تو ان پر داروغہ۔

تفسیر: آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ (اب بلاشبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے حق بینی کے ذرائع) یعنی توحید و رسالت کے حق ہونے کے عقلی و نقلی دلائل (پہنچ چکے ہیں سو جو شخص) ان کے ذریعہ سے حق کو (دیکھ لے گا وہ اپنا فائدہ کرے گا، اور جو شخص اندھا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا اور میں تمہارا) یعنی تمہارے اعمال کا (نگران نہیں ہوں) یعنی جیسا نگرانی کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے کہ ناشائستہ حرکت نہ کرنے دے، یہ میرے ذمہ نہیں، میرا کام صرف تبلیغ ہے (اور) دیکھئے (ہم اس) عمدہ (طور پر دلائل کو مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ سب کو پہنچا دیں، اور تاکہ یہ) منکرین تعصب سے (یوں کہیں کہ آپ نے کسی سے) ان مضامین کو (پڑھ لیا ہے) مطلب یہ کہ اس طرح کہنے سے ان پر اور زیادہ الزام ہو کہ ہم تو اس طرح واضح کر کے حق کو ثابت کرتے تھے اور تم پھر لغو بہانے تراشتے تھے (اور تاکہ ہم اس) قرآن کے

مضامین (کو دانشمندوں کے لئے خوب ظاہر کر دیں) یعنی قرآن کے نازل کرنے کے تین فائدے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو تبلیغ کا اجر ملے، دوسرے یہ کہ منکرین پر زیادہ جرم قائم ہو، تیسرے یہ کہ دانشمندوں اور طالبان حق کے سامنے حق ظاہر ہو جائے پس (آپ) یہ نہ دیکھئے کہ کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا (خود اس طریق پر چلتے رہیئے جس) پر چلنے (کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس آئی ہے) اور اس طریق میں بڑی چیز یہ اعتقاد ہے کہ (اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور) اس طریقہ میں یہ بھی داخل ہے کہ اس پر قائم رہ کر (مشرکین کی طرف خیال نہ کیجئے) کہ افسوس! انہوں نے قبول کیوں نہ کیا۔ (اور) خیال نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے) لیکن ان لوگوں کی بدعنوانیوں سے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان کو سزا دیں، اس لئے ایسا ہی سامان جمع کر دیا، پھر ان کو آپ کیا مسلمان بنا سکتے ہیں (اور) آپ اس فکر میں پڑیں ہی کیوں (ہم نے آپ کو ان) کے اعمال (کا نگراں نہیں بنایا اور نہ آپ) ان اعمال پر عذاب دینے کے ہماری طرف سے (مختار ہیں) پس جب آپ کے متعلق نہ ان کے جرائم کی تفتیش ہے اور نہ ان کی سزا کا حکم ہے پھر آپ کو کیوں تشویش ہے۔

ربط: اوپر تبلیغ کی بات ذکر ہوئی تو اس کی مناسبت سے تبلیغ دین کا ایک ضابطہ بتایا اور وہ یہ کہ غیر قوم سے مناظرہ کرنا جزو تبلیغ ہے لیکن ان کے بڑوں کے بارے میں گالم گلوچ اور دلخراش الفاظ کسنا ممنوع ہے کہ وہ جواب میں ہمارے معبود یا رسول یا قابل تعظیم لوگوں کی شان میں گستاخی کریں گے تو گویا اس کے باعث ہم ہوں گے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: اور نہ تم برا کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ کو حد سے گزر کر بغیر علم کے۔ اسی طرح مزین کر دیا ہم نے ہر ایک فرقہ کی نظر میں ان کے عمل کو، پھر ان کے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے تب وہ جتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تفسیر: (اور مت برا کہو ان) معبودان باطل (کو جن کی یہ) مشرک (لوگ خدا) کی توحید (کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ) تمہارے ایسا کرنے سے (پھر وہ جہالت کی وجہ سے حد سے گذر کر) یعنی غصہ میں آ کر (اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے)۔ اور اس کا تعجب نہ کیا

جائے کہ ایسی گستاخی کرنے والوں کو ساتھ کے ساتھ سزا کیوں نہیں مل جاتی کیونکہ (ہم نے) دنیا میں تو (اسی طرح) جیسا ہو رہا ہے (ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل) بھلا ہو یا برا ہو (مرغوب بنا رکھا ہے) یعنی یہ ہماری بنائی ہوئی فطرت کی وجہ سے ہے کہ ہر ایک اپنے طریقہ کو پسند کرتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ عالم اصل میں ابتلاء وامتحان کا ہے، پس اس میں سزا ضروری نہیں (پھر) البتہ اپنے وقت پر (اپنے رب ہی کے پاس ان) سب (کو جانا ہے، سو) اس وقت (وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ بھی وہ) دنیا میں (کیا کرتے تھے) اور مجرموں کو سزا دیدے گا۔

فائدہ: 1 بتوں کو برا کہنا بذات خود مباح ہے مگر جب یہ کسی حرام کام مثلاً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کا سبب بن جائے تو یہ بھی منع اور قبیح ہو جائے گا۔ اس سے شریعت کا یہ قاعدہ حاصل ہوا کہ مباح جب حرام کا سبب بن جائے تو وہ خود حرام ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک کی آیات میں جو مضامین توحید و رسالت کے اثبات اور کفر و شرک کے ابطال کے ہیں بعض اوقات کفار ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب میں کلمات کہا کرتے تھے لیکن ان مضامین کا بیان کرنا منع نہیں ہوا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ ان مضامین کو بیان کرنا واجب ہے۔ واجب بات پر اگر کچھ مفاسد مرتب ہو جائیں تو اس واجب کو ترک نہیں کریں گے (یہ دوسرا قاعدہ ثابت ہوا) جب کہ بتوں کو برا کہنا محض امر مباح ہے واجب نہیں ہے ایسے پر جب مفاسد مرتب ہوں تو اس مباح کو ترک کرنا واجب ہوگا۔

2- قرآن پاک کی بعض آیات میں جو معبودان باطل کی تحقیر مذکور ہے وہ گالم گلوچ کے قصد سے نہیں بلکہ مناظرہ میں تحقیق اور توجہ دلانے کی غرض سے ہے۔

ربط: تبلیغ کی بات چلی تو پچھلی آیت میں اس کے بارے میں ایک ضابطہ بتایا۔ تبلیغ کی جائے تو ہٹ دھرم کافر بار بار نشانیاں مانگتے تھے اور قسمیں کھاتے تھے کہ ہماری یہ مطلوبہ نشانی پوری کر دی جائے تو ایمان لے آئیں گے۔ اس پر بعض مسلمانوں کو بھی یہ خیال ہوتا کہ اچھا ہوا اگر ان کی یہ حجت بھی پوری کر دی جائے۔ اس پر فرمایا۔

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ
بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ
يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓـئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰى وَحَشَرۡنَا
عَلَيۡهِمۡ كُلَّ شَىۡءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ
وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ يَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: اور قسم کھائی اللہ کی اپنی قسموں کے زور کے ساتھ کہ اگر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے اس پر۔ تو کہہ دے کہ نشانیاں تو صرف اللہ کے پاس ہیں اور تم کو (اے مسلمانو) کیا خبر ہے کہ وہ نشانیاں جب آ جائیں تو نہ ایمان لائیں گے یہ لوگ۔ اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے نہیں ایمان لائے اس (قرآن) پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں گے ان کو ان کی سرکشی میں بھکتے ہیں۔ اور اگر ہم اتارتے ان پر فرشتے، اور باتیں کرتے ان سے مردے اور جمع کر دیتے ہم ان کے پاس ہر چیز کو (ان کے) سامنے، نہیں ہیں یہ لوگ کہ ایمان لائیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور ان) منکر (لوگوں نے قسموں میں بڑا زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ اگر ان کے) یعنی منکرین کے (پاس ان کی فرمائشی نشانیوں میں سے (کوئی نشانی) ظہور میں (آ جائے تو وہ ضرور ہی اس) نشانی (پر ایمان لے آئیں گے) اور نشانی ظاہر کرنے والے کی نبوت کو مان لیں گے۔ (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں) وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف فرمائے دوسرے کو دخل دینا اور فرمائش کرنا بے جا ہے، کیونکہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں کہ کس کا ظاہر ہونا حکمت ہے اور کس کا ظاہر نہ ہونا حکمت ہے، البتہ رسول کی بعثت کے وقت مطلقاً کسی نشانی کو ظاہر کر دینا اس میں حکمت یقینی ہے، کیونکہ وہ اس رسول کی رسالت کی دلیل ہوتی ہے سو اللہ تعالیٰ رسالت محمدؐ یہ کی سچائی پر بہت سی نشانیاں ظاہر فرما چکے ہیں جو کہ دلالت کے لئے کافی ہیں، بس یہ ان کی فرمائش کا جواب ہو گیا (اور) چونکہ مسلمانوں کے دل میں خیال تھا کہ اچھا ہے اگر یہ نشانیاں ظاہر ہو جائیں، شاید یہ لوگ ایمان لے آئیں ان کو خطاب فرماتے ہیں کہ (تم کو اس کی کیا خبر) بلکہ ہم کو خبر ہے (کہ وہ) فرمائشی (نشانیاں جس وقت) ظہور میں (آ جائیں گی یہ لوگ) غایت عناد سے (جب بھی ایمان نہ لائیں گے اور) ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے (ہم بھی ان کے دلوں کو) حق طلبی کے قصد سے (اور ان کی نگاہوں کو) حق بینی کی نظر سے (پھیر دیں گے) اور ان کا یہ ایمان نہ لانا ایسا ہے (جیسا یہ لوگ اس) قرآن (پر) کہ عظیم معجزہ ہے (پہلی دفعہ) جب کہ وہ آیا (ایمان نہیں لائے) تو

اب ایمان نہ لانے کو بعید مت سمجھو (اور) نگاہوں کو پھیرنے کا ظاہری مطلب مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ (ہم ان کو ان کی سرکشی) وکفر (میں حیران) سرگرداں (رہنے دیں گے) اور ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوگی (اور) ان کے عناد کی تو یہ کیفیت ہے کہ (اگر ہم) ایک فرمائشی نشانی کیا کئی کئی اور بڑی بڑی فرمائشی نشانیاں بھی ظاہر کر دیتے، مثلاً یہ کہ (ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیتے) جیسا وہ کہتے ہیں لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ (اور ان سے مردے) زندہ ہو کر (باتیں کرنے لگتے) جیسا وہ کہتے ہیں فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ (اور) یہ تو صرف اسی طرح کے چند مطالبے کرتے ہیں لیکن اگر (ہم) انہی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ (تمام موجودات) غیبیہ (کو) جس میں جنت و دوزخ سب ہی کچھ آ گیا (ان کے پاس ان کی آنکھوں کے روبرو لا کر جمع کر دیتے) کہ سب کو کھلم کھلا دیکھ لیتے (تب بھی یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لاتے، ہاں مگر خدا ہی چاہے) اور ان کی تقدیر بدل دے (تو اور بات ہے)۔ پس جب ان کے عناد و شرارت کی یہ کیفیت ہے اور خود بھی وہ اس کو جانتے ہیں کہ ہماری نیت اس وقت بھی ایمان لانے کی نہیں تو اس کا تقاضا یہ تھا کہ نشانیوں کی فرمائش نہ کرتے کہ محض بیکار ہے (لیکن ان میں زیادہ لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں) کہ ایمان لانے کا تو قصد نہیں خواہ مخواہ کی فرمائشیں کرتے ہیں جن کا جہالت ہونا ظاہر ہے۔

ربط: اور کافروں اور دشمنوں کی ہٹ دھرمی اور تنگ کرنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہر پیغمبر کے مقابلہ میں شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں لیکن خود یہ اور ان کی حرکتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا
شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ
الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن شیطان آدمیوں کو اور (شیطان) جنوں کو، وسوسے ڈالتے ہیں ان کے بعض دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی بات فریب دینے کے لئے اور اگر چاہتا تیرا رب تو نہ کرتے وہ لوگ یہ کام، سو تو چھوڑ دے ان کو اور اس کو جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور اس لئے کہ مائل ہوں اس (ملمع کی ہوئی بات) کی

طرف ان لوگوں کے دل جو نہیں یقین رکھتے آخرت پر اور تا کہ وہ پسند (بھی) کرلیں اس کو اور تا کہ ارتکاب کریں جن کے وہ مرتکب ہیں۔

تفسیر: یہ لوگ جو آپ سے عداوت کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات آپ ہی کے لئے نہیں ہوئی، بلکہ جس طرح یہ آپ سے عداوت رکھتے ہیں (اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی) جن سے اصل معاملہ تھا (اور کچھ جن) ابلیس اور اس کا لشکر (جن میں سے بعض) یعنی ابلیس اور اس کا لشکر (دوسرے بعضوں کو) یعنی کافر آدمیوں کو (چکنی چپڑی باتوں) یعنی کفر اور مخالفت کی باتوں (کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے) جو ظاہر میں نفس کو بھلی معلوم ہوتی تھیں اور حقیقت میں مہلک تھیں (تا کہ) اس طرح سے (ان کو دھوکہ میں ڈال دیں) جب یہ کوئی نئی بات نہیں تو اس کا غم نہ کیجئے کہ آپ کے ساتھ یہ لوگ ایسے معاملات کیوں کرتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اس میں ہماری کچھ حکمتیں ہیں، اس وجہ سے ان کو ایسے امور پر قدرت بھی ہوگئی ہے (اور اگر اللہ تعالیٰ) یہ (چاہتا) کہ یہ لوگ ایسے امور پر قادر نہ ہوں (تو) پھر (یہ ایسے کام نہ کرسکتے) مگر بعض حکمتوں سے ان کو قدرت دیدی ہے۔ (سو) جب اس میں حکمتیں ہیں تو (ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ) دین کے بارے میں (افتراء پردازی کررہے ہیں) مثلاً آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں پھر اس کی بنیاد پر آپ سے عداوت کرتے ہیں (اس کو آپ رہنے دیجئے) اس کی فکر وغم میں نہ پڑیئے، ہم خود متعین وقت پر مناسب سزا دیں گے کیونکہ ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کو سزا سے پہلے مہلت دی جائے (اور) وہ شیاطین ان کافر آدمیوں کو اس لئے وسوسہ میں ڈالتے تھے (تا کہ اس) فریب آمیز بات (کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہوجائیں جو آخرت پر) جیسا ہونا چاہئے ویسا (یقین نہیں رکھتے) مراد کافر لوگ ہیں اگرچہ اہل کتاب ہوں، کیونکہ جیسا ہونا چاہئے ویسا ان کو بھی یقین نہیں، ورنہ انکار نبوت پر جس پر قیامت میں سزا ہوگی کبھی جرأت نہ کرتے (اور تا کہ) میلان نفسانی کے بعد (اس کو) اعتقاد قلبی سے بھی (پسند کرلیں اور تا کہ) اعتقاد کے بعد (ان امور مرتکب) بھی (ہوجائیں جن کے وہ دل سے (مرتکب ہوتے تھے) اور اس طرح سے پھر کبھی برے کاموں اور کفر وفسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں اور سخت عذاب کے مستحق ٹھہریں۔

ربط: شیطانی قوتیں صرف دشمنی ہی نہیں کرتیں بلکہ یہ چاہتی ہیں کہ نبی بھی راہ حق کو چھوڑ کر ان کے باطل طریقوں پر چلنے لگیں۔ اس کے جواب میں نبی ﷺ سے یہ کہلوایا۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا
وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۵﴾ وَإِنْ
تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ إِنْ
يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ
أَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهٖ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: کیا پس اللہ کے غیر کو میں تلاش کروں فیصلہ کرنے والا، حالانکہ اسی نے اتاری ہے تمہاری طرف (کامل) کتاب واضح کی ہوئی۔ اور وہ لوگ دی ہم نے جن کو کتاب وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل کی ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ سو مت ہو تو شک کرنے والوں میں سے۔ اور تمام (مکمل) ہو گئی بات تیرے رب کی سچائی اور اعتدال میں۔ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اور اگر تو کہنا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو زمین میں ہیں تو وہ بہکا دیں گے تجھ کو اللہ کی راہ سے۔ نہیں وہ پیروی کرتے مگر (اپنے) خیال کی۔ اور نہیں وہ سب مگر اٹکل دوڑاتے ہیں۔ بے شک تیرا رب ہی خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے ان کو جو ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر: آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان جو رسالت کے مقدمہ میں اختلاف ہے کہ میں بحکم سرکاری اس کا مدعی ہوں اور تم منکر ہو اور یہ مقدمہ احکم الحاکمین کے اجلاس سے میرے حق میں اس طرح طے اور فیصل ہو چکا ہے کہ میرے اس دعوے پر کافی ثبوت اور دلیل جو کہ قرآن ہے خود قائم فرما دیا ہے اور تم پھر بھی نہیں مانتے (تو کیا) تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس خدائی فیصلہ کو کافی نہ قرار دوں اور (اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں، حالانکہ وہ ایسا) کامل فیصلہ کر چکا (ہے کہ اس نے ایک کتاب) جو اپنے معجز ہونے میں (کامل) ہے (تمہارے پاس بھیج دی ہے) اور وہ اپنے معجز ہونے کی وجہ سے میری نبوت پر کافی دلیل ہے۔ قرآن کے دو کمال تو یہ ذکر ہوئے یعنی معجز ہونا اور نبوت پر کافی دلیل ہونا۔ ان کے علاوہ بھی اس میں کمال کے اوصاف ہیں مثلاً وہ ہدایت و تعلیم کے مقاصد کے لئے بھی کافی ہے لہٰذا (اس) کے کمال (کی) تیسری (حالت یہ ہے کہ اس کے مضامین) جو دین کے باب میں اہم ہیں (خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں اور) اس کا چوتھا

کمال یہ ہے کہ سابقہ کتب میں اس کی خبر دی گئی ہے جو اس کے مہتم بالشان ہونے کی علامت ہے چنانچہ (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) یعنی تورات و انجیل (دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے کہ یہ) قرآن (آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا ہے) اس کو جانتے تو سب ہیں، پھر بھی جن میں حق گوئی کی صفت تھی انہوں نے ظاہر بھی کر دیا اور جو معاند تھے وہ ظاہر نہ کرتے تھے (سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں اور) قرآن کا پانچواں وصف کمال یہ ہے کہ (آپ کے رب کا) یہ (کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے) بھی (کامل ہے) یعنی علوم و عقائد میں واقعیت اور ظاہری اور باطنی اعمال میں اعتدال لئے ہوئے ہے، اور اس کا چھٹا وصف کمال یہ ہے کہ (اللہ کے) اس (کلام کا کوئی بدلنے والا نہیں) یعنی کسی کی تحریف وتغیر سے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرنے والا ہے (اور) ایسی کامل دلیل کے باوجود جو لوگ اپنے دل و زبان سے اس کی تکذیب کرتے ہیں تو وہ جان لیں کہ (وہ) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو (خوب سن رہے ہیں) اور ان کے عقائد کو (خوب جان رہے ہیں) اپنے وقت پر ان کو کافی سزا دیں گے (اور) دلائل کے واضح ہونے کے باوجود (دنیا میں زیادہ لوگ ایسے) منکر اور گمراہ ہی (ہیں کہ اگر) بالفرض (آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ) راست (سے بے راہ کر دیں) کیونکہ وہ خود گمراہ ہیں چنانچہ عقائد میں (وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور) اقوال میں (بالکل اٹکل باتیں کرتے ہیں) اور ان کے مقابلہ میں بعض بندگان خدا راہ پر بھی ہیں اور (بالیقین آپ کا رب ان کو) بھی (خوب جانتا ہے جو اس کی) بتائی ہوئی (راہ) راست (سے بے راہ ہو جاتے ہیں اور وہ) ہی (ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی) بتائی ہوئی (راہ پر چلتے ہیں) پس گمراہوں کو سزا ملے گی اور راہ والوں کو انعام و اکرام ہو گا۔

ربط: اوپر وَاِنْ تُطِعْ کے الفاظ میں گمراہ لوگوں کے اتباع سے مطلقاً منع فرمایا تھا آگے ایک خاص واقعہ کے پیش آ جانے کی وجہ سے اس خاص امر میں اتباع کرنے سے منع فرماتے ہیں، وہ خاص واقعہ مذبوح وغیر مذبوح کی حلت کا ہے، واقعہ یہ ہے کہ کفار نے مسلمانوں کو شبہ میں ڈالنا چاہا کہ اللہ کے مارے ہوئے جانور کو تو کھاتے نہیں ہو اور اپنے مارے ہوئے یعنی ذبیحہ کو کھاتے ہو، بعض مسلمانوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں یہ شبہ نقل کیا، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تم مسلمان ہو اللہ کے احکام کا التزام کئے ہوئے ہو، اور اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کی تفصیل بتا دی ہے، پس اس پر چلتے رہو، حلال پر حرام ہونے کا اور حرام پر حلال ہونے کا شبہ مت کرو اور مشرکین کے وساوس کی طرف التفات نہ کرو، اور اس جواب کی تحقیق یہ ہے کہ اصول وضوابط کے اثبات کے لئے عقلی دلائل درکار ہوتے ہیں۔ ان کے ثابت ہو جانے کے بعد اعمال و فروع میں صرف نقلی دلائل

ہی کافی ہوتے ہیں۔ مثلاً نبوت و رسالت کو ثابت کرنے کے لئے تو عقلی دلائل کی ضرورت ہے۔ لیکن جب کسی کی رسالت ثابت ہو جائے اور وہ کوئی حکم بتائے تو اب یہ نقلی دلیل کہ وہ رسول کا بتایا ہوا حکم ہے حکم کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے۔ اس کے باوجود حکم کے لئے عقلی دلیل مانگنا محض ہٹ دھرمی ہے لہٰذا ایسا مطالبہ قابل التفات نہیں۔ اس کے باوجود بھی کفار کے شبہ کے جواب کی طرف اشارہ فرما دیا اور وہ یہ ہے کہ حلت کا مدار دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک ذبح جو نجس خون کو نکال کر نجاست سے پاک کر دیتا ہے اور وہ نجاست ہی ممانعت کا سبب تھی، دوسرے اللہ کا نام لینا جس سے برکت حاصل ہوتی ہے اور یہ خون والے جانوروں میں حلت کی شرط ہے۔ اور کسی چیز کے وجود کے لئے مانع کا دور کرنا اور شرط کا موجود ہونا دونوں باتیں ضروری ہیں لہٰذا اس مجموعہ سے حلت ثابت ہوئی۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا
لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ
مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾
وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ
اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى
اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾ ع

ترجمہ: سو کھاؤ اس جانور میں سے لیا گیا ہو نام اللہ کا جس پر اگر تم ہو اس کے احکام پر ایمان رکھنے والے۔ اور کیا ہے تم کو کہ نہیں تم کھاتے اس جانور میں سے کہ لیا گیا ہو نام اللہ کا جس پر حالانکہ تفصیل بتا دی ہے اس نے تمہارے لئے جو کچھ اس نے حرام کیا ہے تم پر سوائے اس کے (کہ) مجبور ہو جاؤ تم جس (کے کھانے) کی طرف۔ اور بے شک بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات سے بغیر تحقیق کے۔ بے شک تیرا رب ہی خوب جاننے والا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا گناہ۔ بے شک جو لوگ کرتے ہیں گناہ عنقریب سزا دیئے جائیں گے بسبب اس کے جو وہ کرتے ہیں۔ اور

مت کھاؤ تم اس جانور میں سے کہ نہیں لیا گیا نام اللہ کا اس پر اور بے شک یہ کھانا گناہ ہے۔
اور بلاشبہ شیطان (دل میں) ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف تا کہ وہ جھگڑا کریں تم سے،
اور اگر اطاعت کرنے لگو تم ان کی تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ۔

تفسیر اوپر کفار کی اتباع کا قابل مذمت ہونا معلوم ہو گیا (سو جس) حلال (جانور پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام) بلا شرکت (لیا جائے اس میں سے) بے تکلف (کھاؤ) اور اس کو مباح و حلال سمجھو (اگر تم اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہو) کیونکہ حلال کو حرام سمجھنا خلاف ایمان ہے (اور تم کو) تمہارے عقیدے کی (کون سی بات اس کا باعث ہو سکتی ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام) بلا شرکت (لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے) دوسری آیت میں (ان سب جانوروں کی تفصیل بتلا دی ہے جن کو تم پر حرام کیا ہے) اور ان جانوروں کی تفصیل میں وہ شامل نہیں ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو تم اس کو حرام کیوں سمجھتے ہو اور اس کے کھانے سے کیوں اجتناب کرتے ہو، ہاں جس کو حرام بتایا ہے اس سے بچو (مگر وہ بھی جب تم کو سخت ضرورت پڑ جائے تو حلال ہیں)۔ اور ان لوگوں کے شبہات کی طرف سرے سے التفات نہ کرو کیونکہ (یہ یقینی بات ہے کہ بہت سے آدمی) جن میں یہ بھی ہیں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی (اپنے غلط خیالات) کی بناء (پر بلا کسی سند کے گمراہ کرتے) پھرتے (ہیں) لیکن آخر کہاں تک خیر منائیں گے کیونکہ (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ حد) ایمانؐ (سے نکل جانے والوں کو) جن میں یہ بھی ہیں (خوب جانتا ہے) پس ان کو یکبارگی سزا) دے گا۔ (اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی چھوڑ دو) مثلاً حلال کو حرام یا حرام کو حلال اعتقاد کرنا باطنی گناہ ہے (بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے کی عنقریب) قیامت میں (سزا ملے گی۔ اور ایسے جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر) ذبح کے وقت (اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو) جیسا کہ مشرکین ایسے جانوروں کو کھاتے ہیں (اور بلاشبہ یہ بات) یعنی جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا (بے حکمی ہے)۔ غرض نہ ترک فعل میں ان کا اتباع کرو اور نہ فعل میں (اور) ان لوگوں کے شبہات اس لئے قابل التفات نہیں کیونکہ (یقیناً شیاطین) جن (اپنے) ان (دوستوں) اور پیروؤں (کو) یہ شبہات (تعلیم کر رہے ہیں تا کہ یہ تم سے) بیکار کا (جھگڑا کریں) یعنی اول تو یہ شبہات ہماری بیان کردہ تصریحات کے خلاف، دوسرے غرض محض جھگڑا کرنا ہے اس لئے قابل التفات نہیں۔ (اور اگر تم) خدانخواستہ عقائد یا افعال میں (ان لوگوں کی اطاعت کرنے لگو تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ) کہ خدا کے احکام پر دوسرے کے احکام کو ترجیح دو کیونکہ یہ حکم میں شریک کرنا ہوا۔ غرض ان کی اطاعت ایسی بری چیز ہے اس لئے اس کی طرف التفات سے بھی بچنا چاہئے۔

فائدہ: مَاذُکِرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ میں ذبح اختیاری (یعنی چھری سے ذبح) اور ذبح اضطراری یعنی تیر و باز اور کتے کا شکار جب کہ اس کے چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھی جائے، اور ذکر حقیقی یعنی زبان سے اللہ کا نام لینا اور ذکر حکمی یعنی مسلمان زبان سے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے پھر بھی ذکر کو موجود سمجھنا سب داخل ہے، پس امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس جانور پر بسم اللہ سہواً ترک ہو جائے تو چونکہ مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا ہے اس لئے وہ از روئے حکم مَاذُکِرَاسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ میں داخل ہے، البتہ عمداً ترک کرنے سے امام صاحب کے نزدیک جانور حرام ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر فرمائشی معجزات کا غیر ضروری ہونا ثابت کر کے آیات قرآنیہ کے حق کو ثابت کرنے میں کافی ہونے کو اور اس کے ساتھ حق کی تصدیق اور تکذیب کرنے والوں کا حال ذکر کیا تھا۔ آگے اس کی مزید وضاحت ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي
النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ
زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ
قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى
نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ
رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ
شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا
حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ
وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: کیا وہ شخص جو کہ تھا مردہ پھر زندہ کر دیا ہم نے اس کو اور بنادی ہم نے اس کے لئے روشنی کہ لئے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں، مانند (ہوسکتا) ہے اس کے کہ جس کا حال یہ ہے کہ (پڑا) ہے اندھیروں میں نہیں نکلنے والا ان سے۔ اسی طرح مزین کر دیئے گئے کافروں کیلئے (عمل) جو وہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بنائے ہیں ہم نے ہر بستی میں سرداروں کو اس کے مجرم تاکہ وہ مکر کیا کریں اس (بستی) میں۔ اور نہیں وہ مکر کرتے مگر اپنی ہی جانوں پر اور نہیں جانتے۔ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں ہرگز نہ مانیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم مثل اس کے جو دیئے گئے اللہ کے رسول۔ اللہ خوب جانتا ہے جہاں کرے اپنی رسالت کو۔ عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کے ہاں اور عذاب سخت بسبب اس کے جو وہ مکر کرتے تھے۔ تو جو شخص، ارادہ کرتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اس کو تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے (قبول کرنے کے) لئے اور جو شخص، چاہتا ہے (اللہ) کہ گمراہ کرے اس کو کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے انتہا تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر اسی طرح ڈالتا ہے اللہ عذاب کو ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ اور یہ ہے رستہ تیرے رب کا سیدھا۔ بے شک ہم نے واضح کر دیا نشانیوں کو ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ انہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر ان کے رب کے ہاں اور وہ ان کا مددگار ہے بہ سبب اس کے جو وہ عمل کرتے تھے۔

تفسیر: (ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ) یعنی گمراہ (تھا پھر ہم نے اس کو زندہ) یعنی مسلمان (بنا دیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور) یعنی ایمان (دیدیا کہ وہ اس کو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے) یعنی ہر وقت وہ اس کے ساتھ رہتا ہے، جس سے وہ سب مضرتوں مثل گمراہی وغیرہ سے محفوظ اور مامون و بے فکر پھرتا ہے تو (کیا ایسا شخص) بدحالی میں (اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ) گمراہی کی (تاریکیوں میں) گھرا ہوا (ہے) اور (ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا) یعنی یہ کہ وہ مسلمان نہیں ہوا۔ اور اس پر تعجب نہ کیا جائے کہ کفر کی ظلمت و تاریکی کے باوجود وہ شخص اس پر کیوں قائم رہا، وجہ یہ ہے کہ جس طرح مومنین کو اپنا ایمان اچھا معلوم ہوتا ہے (اسی طرح کافروں کو اپنے اعمال) کفر وغیرہ (مستحسن معلوم ہوا کرتے ہیں) چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یہ سردار مکہ جو آپ کے سامنے مہمل فرمائشیں اور شبہات پیش کرتے رہتے ہیں اپنے کفر کو مستحسن ہی سمجھ کر اس پر قائم و دائم ہیں۔

(اور) یہ کوئی نئی بات نہیں جس طرح مکہ کے سرداران جرائم کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ان کے اثر سے دوسرے لوگ متاثر ہو جاتے ہیں (اسی طرح ہم نے) پہلی امتوں میں بھی (ہر بستی میں وہاں

کے سرداروں ہی کو) اول (جرائم کا مرتکب بنایا) پھر ان کے اثر سے اور عوام بھی ان سے مل گئے (تا کہ وہ لوگ وہاں) انبیاء کو ضرر پہنچانے کے لئے (شرارتیں کیا کریں) جن سے ان کا مستحق سزا ہونا خوب ثابت ہو جائے (اور وہ لوگ) گو اپنے خیال میں دوسروں کو ضرر پہنچاتے ہیں لیکن واقع میں (اپنے ہی ساتھ شرارت کر رہے ہیں) کیونکہ اس کا وبال تو انہیں کو بھگتنا پڑے گا (اور) غایت جہل سے (ان کو اس کی (ذرا خبر نہیں۔ اور) ان کفار مکہ کا جرم یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ (جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو) اس کے باوجود کہ وہ آیت اپنے اعجاز کی وجہ سے نبوت پر کافی دلیل ہے، مگر یہ لوگ پھر بھی (یوں کہتے ہیں کہ ہم) ان نبی پر (ہرگز ایمان نہ لائیں گے، جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے) یعنی وحی و خطاب یا صحیفہ و کتاب جس میں ہم کو آپ پر ایمان لانے کا حکم ہو، ان کے اس قول کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ تکذیب اور عناد اور تکبر اور گستاخی سب کا جامع ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ اس قول کو رد فرماتے ہیں کہ (اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام) وحی کے ذریعہ سے (بھیجتا ہے) ہر کس و ناکس اس شرف کے قابل تو نہیں ہوتا آگے ان کے اس جرم کی سزا کا بیان ہے کہ (عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے یہ جرم کیا ہے خدا کے پاس پہنچ کر) یعنی آخرت میں ایسے (ذلت پہنچے گی) جیسے انہوں نے اپنے کو نبی کے مقابلہ میں عزت و نبوت کا مستحق سمجھا تھا (اور سخت سزا) ملے گی (ان کی شرارتوں کے مقابلہ میں۔ سو) یہ جو مومن و کافر کا حال ذکر ہوا اس سے یہ معلوم ہوا کہ (جس شخص کو اللہ تعالیٰ) نجات کے (راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینہ) یعنی قلب (کو اسلام) کے قبول کرنے (کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں) کہ اس کے قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتا (اور جس کو) اپنی تکوین و تقدیر میں (بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ) یعنی قلب (کو) اسلام کو قبول کرنے سے (تنگ) اور (بہت تنگ کر دیتے ہیں) اور اس کو اسلام لانا ایسا مصیبت نظر آتا ہے (جیسے) فرض کرو (کوئی آسمان میں چڑھنا چا (ہتا ہو) اور چڑھا نہیں جاتا اور جی تنگ ہوتا ہے اور مصیبت کا سامنا ہوتا ہے، پس جیسے اس شخص سے چڑھا نہیں جاتا (اسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر چونکہ ان کے کفر اور شرارت کے سبب (پھٹکار ڈالتا ہے) اس لئے ان سے ایمان نہیں لایا جاتا۔

(اور) اوپر جو اسلام کا ذکر ہے تو (یہی) اسلام (تیرے رب کا) بتلایا ہوا (سیدھا رستہ ہے) جس پر چلنے سے نجات ہوتی ہے، اور اسی صراط مستقیم کی وضاحت کے لئے (ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے) جس سے وہ اس کے معجزہ ہونے کو معلوم کر کے اس کی تصدیق کریں اور پھر اس کے مضامین پر عمل کر کے نجات حاصل کریں، یہی

تصدیق و عمل کامل صراط مستقیم ہے، اس کے برخلاف جن لوگوں کو نصیحت حاصل کرنے کی فکر ہی نہیں ان کے واسطے نہ یہ کافی ہے نہ دوسرے دلائل کافی ہیں۔ آگے ان ماننے والوں کی جزا کا ذکر ہے، لہٰذا ارشاد ہے کہ (ان لوگوں کے واسطے ان کے رب کے پاس) پہنچ کر (سلامتی) اور امن و بقاء (کا گھر) یعنی جنت (ہے اور اللہ ان سے محبت رکھتا ہے ان کے اعمال) حسنہ (کی وجہ سے)۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں حق اور باطل کے اختیار کرنے والوں کے احوال میں ہر ایک کی جزا و سزا کا بھی بیان ہوا تو آگے اس کے وقوع کا وقت اور اس کی بعض کیفیات اور اس کے بعض متعلقات ذکر کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ج
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ج وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ
مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ
اَجَّلْتَ لَنَا ط قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ط
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ
بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ
يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ط قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ
اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ط وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾
وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ط اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ
بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ط اِنَّ مَا
تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ: اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو (فرمائے گا) اے جماعت جنات کی! بلاشبہ کثیر حصہ لیا تم نے انسانوں سے اور کہیں گے ان کے دوست (جو) انسانوں میں سے (ہیں) اے رب ہمارے فائدہ حاصل کیا ہمارے ایک نے دوسرے سے اور پہنچے ہم اپنی میعاد کو جو مقرر کی تو نے ہمارے لئے۔ فرمائے گا (اللہ) آگ ہے ٹھکانا تمہارا ہمیشہ رہو گے اسی میں مگر جو چاہے اللہ۔ بے شک تیرا رب حکمت والا خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم ملا دیں گے بعض گنہگاروں کو دوسروں کے ساتھ بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے (کہ) بیان کرتے تھے تم پر میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے۔ کہیں گے کہ ہم نے اقرار کرلیا اپنے اوپر اور دھوکہ دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور قائل ہو گئے اپنے اوپر (اس بات کے) کہ وہ کافر تھے۔ یہ (اس وجہ سے) کہ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کا (ان کے) ظلم پر اس حال میں کہ وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔ اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں بسبب ان کے عمل کے اور نہیں ہے تیرا رب بے خبر اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں۔ اور تیرا رب بے پروا ہے رحمت والا اگر چاہے تو لے جائے تم کو اور قائم مقام کر دے تمہارے بعد جس کو چاہے جیسا کہ اس نے پیدا کیا تم کو دوسرے لوگوں کی اولاد سے، بے شک جس چیز کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ ضرور آنے والی ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ تو کہہ دے اے میری قوم (کے لوگو) تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب تم جان لو گے کہ کون شخص ہے ہو گا جس کے لئے اس عالم کا انجام۔ بلاشبہ نہیں فلاح پائیں گے ظالم لوگ۔

تفسیر: (اور) وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے (جس روز اللہ تعالیٰ تمام خلائق کو جمع کریں گے) اور ان میں سے بالخصوص کفار کو حاضر کر کے ان میں جو شیطان جن ہیں ان سے ڈانٹ کے طور پر کہا جائے گا کہ (اے جنات کی جماعت تم نے انسانوں) کے گمراہ کرنے (میں بڑا حصہ لیا) اور ان کو خوب بہکایا اسی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا۔ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ الخ یعنی اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پوجا نہ کرو گے۔ (اور

جو انسان ان) شیاطین جن (کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے وہ) بھی اقرار کرتے ہوئے (کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار) آپ صحیح فرماتے ہیں واقعی (ہم میں ایک نے دوسرے سے) اس گمراہی کے باب میں نفسانی (فائدہ حاصل کیا تھا) چنانچہ گمراہ انسانوں کو اپنے کفریہ وشرکیہ عقائد سے خوشی ہوتی ہے اور گمراہ کرنے والے شیاطین کو اس سے خوشی ہوتی ہے کہ ہمارا کہنا چل گیا (اور) درحقیقت ہم ان کے بہکانے سے قیامت کا انکار کرتے تھے، لیکن وہ انکار غلط ثابت ہوا، چنانچہ (ہم اپنی اس متعین میعاد تک آ پہنچے جو آپ نے ہمارے لئے معین فرمائی) یعنی قیامت آ گئی (اللہ تعالیٰ) سب کفار جن وانس سے (فرمائیں گے کہ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہو گے، کوئی نکلنے کی سبیل وتدبیر نہیں۔ (ہاں اگر خدا ہی کو) نکالنا (منظور ہو تو دوسری بات ہے) لیکن یہ یقینی ہے کہ خدا بھی نہیں چاہے گا اس لئے اس میں ہمیشہ رہو گے (بے شک آپ کا رب بڑی حکمت والا اور بڑا علم والا ہے) علم سے سب کے جرائم کو معلوم کرتا ہے حکمت سے مناسب سزا دیتا ہے۔ (اور) جس طرح دنیا میں گمراہی کے لحاظ سے سب میں تعلق وقرب تھا (اسی طرح) دوزخ میں (بعض کفار کو بعض کے قریب) اور مجتمع (رکھیں گے ان کے) کفریہ (اعمال کے سبب)۔ یہ خطاب تو جن وانس کو ان کے باہمی احوال کے اعتبار سے تھا۔ آگے ہر ایک کو خاص ان کے ذاتی احوال کے اعتبار سے خطاب ہے کہ (اے جنات اور انسانوں کی جماعت) ہاں یہ تو بتلاؤ تم جو کفر وانکار کرتے رہے تو (کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم سے) عقائد واعمال سے متعلق (میرے احکام بیان کیا کرتے تھے اور تم کو اس آج کے دن) کے وقوع (کی خبر دیا کرتے تھے) پھر کیا وجہ کہ تم کفر وانکار سے باز نہ آئے (وہ سب عرض کریں گے کہ ہم سب اپنے اوپر) جرم کا (اقرار کرتے ہیں) ہمارے پاس عذر اور براءت کی کوئی وجہ نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ ان کو اس مصیبت کے پیش آنے کا سبب بتاتے ہیں (اور ان کو) یہاں (دنیوی زندگانی نے بھول میں ڈال رکھا ہے) کہ دنیوی لذتوں کو مقصود اعظم سمجھ رکھا ہے آخرت کی فکر ہی نہیں (اور) اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں (یہ لوگ) اپنے بارے میں (اقراری ہوں گے کہ وہ کافر تھے) اور غلطی پر تھے، مگر وہاں کے اقرار سے کیا ہوتا ہے، اگر دنیا میں ذرا اپنی غفلت دور کر دیں تو اس روز بد کا کیوں سامنا ہو، اور آخرت کا عذاب ہو یا دنیا کا اس سے پہلے جو ہم رسول بھیجتے ہیں تو (یہ) رسولوں کا بھیجنا (اس وجہ سے ہے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو) ان کے (کفر کے سبب) دنیا میں بھی (ایسی حالت میں ہلاک نہیں کرتا کہ اس بستی کے رہنے والے) رسولوں کے نہ آنے کی وجہ سے احکام الٰہیہ سے (بے خبر ہوں) پس آخرت کا عذاب کہ جو اور بھی زیادہ سخت

ہے بدرجہ اولیٰ نہ ہوتا، اس لئے رسولوں کو بھیجتے ہیں تا کہ ان کو جرائم کی اطلاع ہو جائے پھر جس کو عذاب ہو استحقاق کی وجہ سے ہو، چنانچہ آگے فرماتے ہیں (اور) جب رسول آ گئے اور اطلاع ہو گئی پھر جیسا کوئی کرے گا (ہر ایک) جن وانس نیک و بد (کے لئے) جزاء وسزا کے لئے ویسے ہی (درجے ہوں گے ان کے اعمال کے سبب اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور) خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت کا محتاج ہے کیونکہ (آپ کا رب تو بالکل غنی ہے) بلکہ اس لئے بھیجتا ہے کہ وہ (رحمت والا) بھی (ہے) اپنی رحمت سے رسولوں کو بھیجا تا کہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے نفع اور نقصان کی باتیں اور چیزیں معلوم ہو جائیں۔ پھر نفع والی چیزوں سے نفع اٹھائیں اور نقصان دہ سے محفوظ رہیں، سو اس میں بندوں ہی کا فائدہ ہے، اور باقی اللہ تعالیٰ کا غنا تو ایسا ہے کہ اس کا کوئی کام نہ تم سے اٹکا ہوا ہے نہ کسی اور سے اٹکا ہوا ہے (اگر وہ چاہے تو تم سب کو) دنیا سے دفعۃً (اٹھا لے اور تمہارے بعد جس) مخلوق (کو چاہے تمہاری جگہ) دنیا میں (آباد کر دے جیسے) اس کی نظیر پہلے سے موجود ہے کہ (تم کو) جو کہ اب موجود ہو (دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا ہے) کہ اب ان کا کہیں پتہ نہیں اور تم ان کی جگہ موجود ہو، اور اسی طرح یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے، لیکن یہ سلسلہ تدریجاً قائم ہے، اگر ہم چاہیں دفعۃً بھی ایسا کر دیں، کیونکہ کسی کے ہونے نہ ہونے سے ہمارا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا۔ پس رسولوں کو بھیجنا ہمارے احتیاج کی وجہ سے نہیں تمہاری اپنی احتیاج کی وجہ سے ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے ایک ذی حیات جسم اور دوسرے روح ملکوتی سے۔ ذی حیات جسم ہونے کی وجہ سے آدمی کو کھانے پینے، اوڑھنے پہننے اور جنسی تقاضے کو پورا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور روح ملکوتی کی وجہ سے اس کو اخلاق حسنہ اور معرفت الٰہی کی ضرورت ہے۔ کھانے پینے میں وہ کونسی چیزیں جن سے جسمانی ضروریات کے علاوہ اخلاق حسنہ کی تحصیل ممکن ہو۔ جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے جائیں کہ غیرت اور وقار بھی ملحوظ رہے اور نسب بھی محفوظ رہے۔ پھر انسان طبعی طور پر مل جل کر رہنے کا محتاج ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ باہمی معاملات اس طور پر کئے جائیں کہ جھگڑے کا امکان نہ رہے اور اگر کہیں پیدا ہو ہی جائے تو اس کا مناسب حل نکالا جائے۔ باہمی معاملات کے احکام کی بنیاد یہی حقیقت ہے۔ پھر ظالم کو ظلم سے روکنے کے لئے اور حقدار کو حق دلوانے کے لئے حکومت اور عدالت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ایک ملک محض اپنی قوت کی وجہ سے دوسرے ملک پر چڑھائی نہ کر دے بین الاقوامی سطح پر خلافت کے ادارے کی ضرورت ہے۔ غرض جسمانی تقاضے ہوں یا

روحانی تقاضے اور معاشی معاملات ہوں یا سماجی معاملات ہوں یا سیاسی وعدالتی معاملات ہوں سب ہی میں ضرورت ہے کہ کامل رہنمائی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ تم انسانوں کے ان فطری تقاضوں اور معاملات کی رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجتے ہیں تو یہ تو تمہاری اپنی ضرورت ہے اور تمہارا اپنا فطری مطالبہ ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان کی تصدیق اور ان کا اتباع کر کے سعادت حاصل کرو اور کفر و انکار کے ضرر سے بچو کیونکہ (جس چیز کا) رسولوں کی معرفت (تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی قیامت و عذاب (وہ بیشک آنے والی چیز ہے اور) اگر احتمال ہو کہ اگر چہ قیامت آ جائے مگر ہم کہیں بھاگ جائیں گے، ہاتھ نہ آئیں گے، جیسا دنیا میں حکومت کا مجرم ایسا کر سکتا ہے، تو خوب سمجھ لو کہ (تم) خدا تعالیٰ کو (عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے ہاتھ نہ آؤ۔ اور اگر تعیین حق کے دلائل قائم ہونے کے باوجود کوئی اسی پر اصرار کرے کہ کفر ہی کا طریقہ اچھا ہے اسلام کا برا ہے پھر قیامت سے کیا اندیشہ، تو ایسے لوگوں کے جواب میں (آپ) اخیر بات (یہ فرما دیجئے کہ اے میری قوم) کے لوگو! تم نہیں مانتے تو تم جانو (تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی) اپنے طور پر (عمل کر رہا ہوں، سو اب جلدی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عالم) کے اعمال (کا انجام کس کے لئے نافع ہوگا) ہمارے لئے یا تمہارے لئے اور (یہ یقینی بات ہے کہ حق تلفی کرنے والوں کو کبھی) انجام میں (فلاح نہ ہوگی) اور سب سے بڑی حق تلفی تو اللہ کی حق تلفی ہے۔

مسئلہ قومیت: اس آیت میں قُلْ يٰقَوْمِ کہہ نبی ﷺ سے مشرکین مکہ کو میری قوم کہلوایا قرآن پاک میں اس کی مثل بے شمار آیتیں ہیں جن میں غیر مسلموں کو اور پیغمبر کو ایک قوم بتایا گیا ہے اور کفار کی نسب یا وطن میں اتحاد کی وجہ سے پیغمبر کی طرف کفار کی نسبت کی گئی ہے مثلاً:

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ (سورہ نوح)

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (سورہ ہود 78)

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم یہ میری ہم قوم عورتیں میری بیٹیاں ہیں۔ یہ پاکیزہ ہیں تمہارے لئے۔

يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (سورہ ہود: 64)

اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی۔

اسی طرح بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کی طرف سے کافروں کو محض نسب یا وطن کی وجہ

سے اپنی قوم قرار دے کر خطاب کرنا مذکور ہے مثلاً:

یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُکُمْ اَجْراً وَّ ھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (سورہ یٰسین)

اے میری قوم پیروی کرو بھیجے ہوؤں کی، پیروی کرو ان لوگوں کی جو تم سے اجرت نہیں مانگتے اور وہ (خود) ہدایت یافتہ ہیں۔

آل فرعون میں سے ایمان لانے والا شخص کہتا ہے۔

یَاقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَھْدِکُمْ سَبِیْلَ الرَّشَادِ (سورہ مومن: 38)

اے میری قوم پیروی کرو میری میں پہنچاؤں گا تم کو نیکی کی راہ پر۔

یَاقَوْمِ مَالِیْ اَدْعُوْکُمْ اِلَی النَّجٰوۃِ وَتَدْعُوْنَنِیْ اِلَی النَّار (سورہ مومن: 41)

اے میری قوم کیا ہوا مجھ کو (کہ) میں بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف۔

غرض یہ کہ قرآن کے نقطہ نظر اور استعمال میں قومیت میں مسلم اور کافر کا اشتراک ہوسکتا ہے اور پیغمبر بھی قومیت کے ایک ہونے کی وجہ سے کافر اور مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے لہٰذا یہ سمجھنا کہ ایک ہی وطن اور ایک ہی ملک کے رہنے والے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان کسی بھی طور سے قومیت میں اتحاد نہیں ہوسکتا غلط ہے۔

ہاں اتنا ہے کہ اسلام کی اپنی خاص ملت اور طریقہ اور شریعت ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے ماننے والوں کے درمیان ایک ملی ربط و اتحاد قائم کر دیا ہے جس کے آگے دیگر روابط مثلاً نسب اور وطن اور رنگ اور لسان یہ سب ہیچ ہیں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ. حاصل یہ ہے کہ وطن یا نسب کے اتحاد کی وجہ سے کفار کے ساتھ جو قومیت ہے اسلام نے اس کا بھی اعتبار کیا ہے اور اس کا حوالہ دے کر ان کو اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ان سے ملکی اور علاقائی معاملات کئے جا سکتے ہیں بشرطیکہ شعائر اسلام کی توہین اور شعائر کفر کی تعظیم نہ ہو۔

ربط: اوپر کی آخری آیت میں کافروں اور مشرکوں کو کہلوایا تھا کہ اگر تم اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی حق تلفی کے کام کئے جاؤ یہاں تک کہ تم ان کا انجام دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ کی حق تلفی میں جن اعتقادی و عملی اعمال و رسوم میں یہ لوگ مبتلا تھے آگے ان کا کچھ بیان کرتے ہیں تا کہ ان کی برائی اور شناعت کو خود بھی محسوس کریں اور ساتھ ساتھ ان کا رد بھی کرتے ہیں۔

پہلی رسم: غلہ اور پھل میں سے کچھ حصہ اللہ کے نام کا نکالتے ہیں اور کچھ حصہ بتوں اور جنات

کے نام کا، پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصہ میں سے کچھ حصہ بتوں کے حصہ میں مل جاتا تو اس کو اسی طرح ملا رہنے دیتے تھے، اور معاملہ برعکس ہوتا تو اس کو نکال کر پھر بتوں کے حصہ کو پورا کر دیتے تھے اور بہانہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اس کا حصہ کم ہو جانے سے اس کا کوئی ضرر نہیں اور شرکاء محتاج ہیں، ان کا حصہ نہ گھٹنا چاہئے، اس رسم بد کا بیان اگلی آیتوں میں سے پہلی آیت میں ہے۔

دوسری رسم: یہ تھی کہ بحیرہ، سائبہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور یہ کہتے تھے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہے، اس میں بھی بتوں کا حصہ یہ تھا کہ عبادت ان کی تھی اور اللہ کا حصہ یہ تھا کہ اس کو اللہ کی خوشنودی سمجھتے تھے۔

تیسری رسم: اپنی لڑکیوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔

چوتھی رسم: کچھ کھیت بتوں کے نام وقف کر دیتے اور کہتے کہ اس کا اصل مصرف فقط مرد ہیں، عورتوں کو اس میں سے کچھ دینا نہ دینا ہماری مرضی پر ہے، ان کو مطالبہ کا حق نہیں،

پانچویں رسم: اسی طرح کا عمل مویشی جانوروں میں کرتے تھے کہ بعض کو مردوں کے لئے مخصوص قرار دیتے تھے۔

چھٹی رسم: جن چوپایہ جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تو ان پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔

ساتویں رسم: بعض چوپایہ جانور مخصوص تھے جن پر کسی موقع میں بھی اللہ کا نام نہ لیتے تھے، نہ دودھ نکالنے کے وقت، نہ سوار ہوتے وقت، نہ ذبح کرنے کے وقت۔

آٹھویں رسم: یہ تھی کہ جن جانوروں کا نام بحیرہ یا سائبہ رکھ کر بتوں کے نام پر چھوڑتے ان کے ذبح کے وقت اگر بچہ پیٹ سے زندہ نکلتا تو اس کو بھی ذبح کر لیتے، مگر اس کو صرف مردوں کے لئے حلال عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے اور اگر بچہ مردہ نکلا تو وہ سب کے لئے حلال ہوتا تھا،

نویں رسم: بعض جانوروں کا دودھ بھی مردوں کے لئے حلال عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے،

دسویں رسم: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی چار قسم کے جانوروں کی تعظیم کو عبادت سمجھتے تھے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ
حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ
ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ
سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ
الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

ترجمہ: اور ٹھہرایا انہوں نے اللہ کے لئے اس میں سے جو پیدا کیا اللہ نے کھیتی سے اور مویشیوں سے ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کے لئے ہے۔ اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لئے ہے۔ سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے تو نہیں پہنچتا وہ اللہ کی طرف اور جو ہے اللہ کا وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف۔ برا ہے جو وہ حکم لگاتے ہیں۔ اور اسی طرح مزین کر دیا واسطے بہت سے مشرکوں کے ان کی اولاد کے قتل کو ان کے شریکوں نے تاکہ برباد کریں ان کو اور تاکہ خلط کر دیں ان پر ان کے دین کو اور اگر چاہتا اللہ نہ کرتے وہ یہ کام سو تو چھوڑ دے ان کو اور جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے نہیں کھا سکتا اس کو مگر (وہی) جس کو ہم چاہیں اپنے خیال میں اور بعض مویشی ہیں، حرام کی گئی ہیں ان کی پشتیں (یعنی ان پر سواری) اور بعض مویشی ہیں نہیں لیتے اللہ کا نام ان پر (وہ یہ سب کچھ کہتے ہیں) جھوٹ باندھتے ہوئے اللہ پر۔ عنقریب وہ سزا دے گا ان کو بسبب اس

کے جو وہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ اور کہتے جو (بچہ) پیٹ میں ہے ان مویشیوں کے (وہ) خاص ہے ہمارے مردوں کے لئے اور حرام ہے ہماری عورتوں پر اور اگر ہو (بچہ) مردہ تو وہ (مرد و عورتیں) سب اس (کے کھانے) میں شریک ہیں۔ عنقریب سزا دے گا (اللہ) ان کو ان کے (غلط) بیان پر۔ بے شک وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔ بیشک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے اور حرام ٹھہرالیا اس کو جو رزق دیا ان کو اللہ نے افتراء باندھتے ہوئے اللہ پر۔ وہ گمراہ ہوئے اور نہیں ہوئے ہدایت پانے والے۔

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی) وغیرہ (اور مویشی پیدا کئے ہیں ان) مشرک (لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ) کے نام (کا مقرر کیا) اور کچھ حصہ بتوں کے نام کا مقرر کیا حالانکہ پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں (اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے) جو کہ مہمانوں اور مساکین اور مسافر وغیرہ عام مصارف میں صرف ہوتا ہے (اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے) جس کے مصارف خاص ہیں مثلاً یہ کہ مندر کے پنڈتوں اور زیارت کرنے والوں کو بطور تبرک ملے گا۔ (پھر جو چیز ان کے معبودوں) کے نام (کی ہوتی ہے وہ تو اللہ) کے نام کے حصہ (کی طرف نہیں پہنچتی) بلکہ اتفاقاً مل جانے سے بھی الگ نکال لی جاتی ہے (اور جو چیز اللہ) کے نام (کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں) کے نام کے حصہ (کی طرف پہنچ جاتی ہے)۔ جیسا کہ پہلی اور دوسری رسم میں ذکر ہوئی (انہوں نے کیا بری تجویز نکال رکھی ہے) کیونکہ اول تو اللہ کا پیدا کیا ہوا دوسرے کے نام کیوں جائے، دوسرے پھر جتنا اللہ کا حصہ نکالا ہے اس میں سے بھی گھٹ جائے تو خیر۔ اور اگر اللہ کا حصہ غیر اللہ کے حصہ میں ملنے دینا اور غیر اللہ کا حصہ اللہ کے حصہ میں نہ ملنے دینا اس خیال سے ہے کہ اللہ تو غنی ہیں اور غیر اللہ غنی نہیں بلکہ محتاج ہیں تو محتاج ماننے کے باوجود غیر اللہ کو معبود سمجھنا اور زیادہ حماقت ہے۔

(اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں ان کے معبودوں) شیاطین (نے ان کی اولاد کے قتل کرنے کو مستحسن بنا رکھا ہے) جیسا کہ تیسری رسم میں مذکور ہوا کہ جاہلیت میں لڑکیوں کو قتل کرنے یا زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی (تا کہ وہ) شیاطین (ان) مشرکین (کو) اس قبیح فعل کے ارتکاب کی وجہ سے مستحق عذاب بنا کر (برباد کریں اور تا کہ ان کے طریقہ کو خلط کر دیں) کہ ہمیشہ غلطی میں پھنسے رہیں۔ (اور) آپ ان کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں کیونکہ (اگر اللہ تعالیٰ کو) انکا بھلا (منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے۔ تو آپ ان کو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں) کہ ہمارا یہ فعل بہت اچھا ہے (یوں ہی رہنے دیجئے)، کچھ فکر نہ کیجئے ہم ان سے خود نمٹ لیں گے (اور وہ اپنے) باطل (خیال پر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ) مخصوص (مویشی ہیں، اور) مخصوص (کھیت ہیں)، جن کا استعمال ہر شخص کو جائز

نہیں، ان کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے ان کے جن کو ہم چاہیں) جیسا چوتھی اور پانچویں رسم میں ذکر ہوا (اور) یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص (مویشی ہیں جن پر سواری یا باربرداری حرام کر دی گئی ہے) جیسا چھٹی رسم میں ذکر ہوا۔ (اور) یوں کہتے ہیں کہ یہ مخصوص (مویشی ہیں جن پر) اللہ کا نام نہیں لینا چاہئے، چنانچہ اسی اعتقاد کی وجہ سے ان پر (یہ لوگ اللہ کا نام نہیں لیتے) جیسا ساتویں رسم میں ذکر ہوا، اور یہ سب باتیں (محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر) کہتے ہیں۔ افتراء اس لئے کہ وہ ان امور کو حق تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے (اللہ تعالیٰ ابھی ان کو ان کے افتراء کی سزا دیتا ہے) ابھی اس لئے کہا کہ قیامت جو کہ آنے والی ہے دور نہیں، اور کچھ کچھ سزا تو مرتے ہی شروع ہو جائے گی (اور وہ) یوں بھی (کہتے ہیں کہ جو چیز ان مویشی کے پیٹ میں) سے نکلتی (ہے) مثلاً دودھ یا بچہ (وہ خالص ہمارے مردوں کے لئے) حلال (ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ) پیٹ کا نکلا ہوا بچہ (مردہ ہو تو اس) سے نفع اٹھانے کے جواز (میں) مرد و عورت (سب برابر ہیں) جیسا آٹھویں اور نویں رسم میں ذکر ہوا (ابھی اللہ تعالیٰ ان کو ان کی) اس (غلط بیانی کی سزا دے دیتا ہے) غلط بیانی سے مراد وہ ساری باتیں ہیں جو وہ اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر بناتے ہیں۔ اور اب تک جو سزا نہیں دی تو وجہ یہ ہے کہ (بلاشبہ وہ حکمت والا ہے) بعض حکمتوں سے مہلت دے رکھی ہے، اور ابھی سزا نہ دینے سے کوئی یوں نہ سمجھے کہ ان کو خبر نہیں کیونکہ (وہ بڑا علم والا ہے) اس کو سب خبر ہے۔ آگے بطور خلاصہ اور انجام کے فرماتے ہیں کہ (واقعی خرابی میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے) ان مذکورہ افعال کو طریقہ بنا لیا اور (اپنی اولاد کو محض براہ حماقت کسی) معقول و مقبول (سند کے بغیر قتل کر ڈالا اور جو) حلال (چیزیں ان کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کو دی تھیں) اپنے اعتقاد یا عمل میں (ان کو حرام کر لیا) جیسا اوپر کی رسموں میں مذکور ہوا اور یہ سب باتیں (محض اللہ پر افتراء باندھنے کے طور پر) ہیں (بیشک یہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے اور) ان کی یہ گمراہی جدید نہیں بلکہ پرانی ہے، کیونکہ یہ پہلے بھی (کبھی راہ راست پر چلنے والے نہیں ہوئے)۔

ربط: اوپر مشرکین کی باطل رسموں کا بیان اور ان پر رد تھا۔ آگے بھی اسی رد کی کچھ تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ تو جس طرح اللہ کے سوا کسی کے لئے یہ حق نہیں کہ ان چیزوں کو عبادت کے طور پر اس کے نامزد کیا جائے جیسے مشرکین کرتے تھے اسی طرح حرام و حلال ٹھہرانے کا اختیار بھی اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو حاصل نہیں جس کو اللہ نے حلال ٹھہرایا کسی اور کے حرام کرنے سے وہ حرام نہیں ہوگا۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ
وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ
حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ
حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ
اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ
اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ
ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور ٹٹیوں پر نہ چڑھائے ہوئے اور کھجور کے درخت اور کھیتی اس حال میں کہ مختلف ہیں اس کے پھل۔ اور (پیدا کیا) زیتون کو اور انار کو آپس میں ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے۔ کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لائیں اور ادا کرو ان کا حق ان کی کٹائی کے دن اور حد سے نہ بڑھو۔ بے شک نہیں پسند کرتا (اللہ) حد سے بڑھنے والوں کو۔ اور (پیدا کئے) مویشیوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے۔ کھاؤ اس میں جو رزق دیا تم کو اللہ نے اور مت پیروی کرو شیطان کے قدموں کی بے شک وہ ہے تمہارا دشمن صریح۔ (اللہ نے پیدا کئے) آٹھ نر اور مادہ، بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو۔ تو پوچھ کہ کیا دونوں نر (اللہ نے

حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) مشتمل ہیں جس پر دونوں مادہ کے رحم۔ بتاؤ مجھ کو کسی دلیل سے اگر تم ہو سچے۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو۔ تو پوچھ کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) مشتمل ہیں جس پر رحم دونوں مادہ کے۔ کیا تم تھے حاضر جس وقت حکم دیا تھا تم کو اللہ نے اس کا۔ پھر کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ تا کہ گمراہ کرے لوگوں کو بلا تحقیق۔ بیشک اللہ نہیں ہدایت کرتا ظالم لوگوں کو۔

تفسیر: (اور وہی) اللہ (ہے جس نے باغات پیدا کئے وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں) جیسے انگور (اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے) یا تو اس لئے کہ بیلدار نہیں جیسے تنہ دار درخت، یا باوجود بیلدار ہونے کے عادت نہیں، جیسے خربوزہ، تربوز وغیرہ (اور کھجور کے درخت اور کھیتی بھی اس نے پیدا کئے (جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی) حاصل (ہوتی ہیں اور زیتون اور انار) بھی اسی نے پیدا کئے (جو) انار انار (باہم) اور زیتون زیتون باہم رنگ ومزہ وشکل ومقدار میں سے بعض صفات میں بھی (ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہوتے ہیں اور) کبھی (ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے) اور اللہ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے اجازت دی ہے کہ (ان سب کی پیداوار کھاؤ) خواہ اسی وقت سے سہی (جب وہ نکل آئے) اور پکنے بھی نہ پائے (اور) البتہ اس (کے) ساتھ اتنا ضرور ہے کہ (اس میں جو حق) شریعت کی رو سے (واجب ہے) یعنی خیر خیرات (وہ اس کے کاٹنے) توڑنے (کے دن) مسکینوں کو (دیا کرو اور) اس دینے میں بھی شرعی اجازت کی (حد سے مت گذرو، یقیناً وہ) یعنی اللہ تعالیٰ شرعی اجازت کی (حد سے گزرنے والوں کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور) جس طرح باغ اور کھیت اللہ نے پیدا کئے ہیں، اسی طرح حیوانات بھی اللہ نے پیدا کئے چنانچہ (مویشی میں اونچے قد کے) بھی (اور چھوٹے قد کے) بھی اسی نے پیدا کئے، اور باغ اور کھیت کی طرح حیوانات کے بارے میں بھی اجازت دی کہ (جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے) اور شرع کی رو سے حلال کیا ہے اس کو (کھاؤ اور) اپنی طرف سے تحریم کے احکام تراش کر (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، بلاشک وہ تمہارا (صریح دشمن ہے) کہ تم کو حق کے دلائل واضح ہونے کے باوجود گمراہ کر رہا ہے۔

اور یہ مویشی جن کو تم اپنی طرف سے حرام وحلال کر رہے ہو ہم نے ان کو (آٹھ نر و مادہ) بنایا (یعنی بھیڑ) اور دنبہ (میں دو) ایک نر ایک مادہ (اور بکری میں دو) ایک نر اور ایک مادہ۔ (آپ) ان سے (کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے ان) دونوں جانوروں کے (دونوں نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو) حرام کہا ہے (یا اس) بچہ (کو جس کو دونوں) یعنی بھیڑ اور بکری کے (مادہ) اپنے

(پیٹ میں لئے ہوئے ہوں) پھر خواہ وہ بچہ نر ہو یا مادہ۔ یعنی تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے (تم مجھ کو کسی دلیل سے تو بتاؤ اگر) اپنے دعوے میں (سچے ہو)۔ یہ تو چھوٹے قد والے کے متعلق بیان ہوا آگے بڑے قد والوں کا بیان ہے (اور) اسی طرح (اونٹ میں دو) ایک نر اور ایک مادہ (اور گائے) اور بھینس (میں دو) ایک نر اور ایک مادہ پیدا کئے (آپ) ان سے اس بارے میں بھی (کہئے کہ) یہ تو بتاؤ کہ (کیا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں) جانوروں کے (نروں کو حرام کہا ہے یا دونوں مادہ کو) حرام کہا ہے (یا اس) بچہ (کو جس کو دونوں مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہوں) وہ بچہ خواہ نر ہو یا مادہ۔ اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ تم جو مختلف صورتوں سے تحریم کے دعویدار ہو تو کیا یہ تحریم اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس پر کوئی دلیل لانی چاہئے، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ دلیل کسی رسول وفرشتہ کے واسطہ سے ہو، لیکن تم اس شق کو تو اختیار نہیں کر سکتے کیونکہ تم تو نبوت اور وحی کے منکر ہو لہٰذا دعویٰ کرنے کے لئے صرف دوسرا طریقہ ہی رہ گیا کہ خود خدا تعالیٰ نے بلاواسطہ تم کو یہ احکام دیئے ہوں تو (کیا تم) اس وقت (حاضر تھے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو اس) تحریم وتحلیل (کا حکم دیا) اور ظاہر ہے کہ اس کا دعویٰ بھی نہیں ہوسکتا، پس ثابت ہو گیا کہ ان کے پاس سرے کوئی دلیل نہیں۔ (تو) اس بات کے ثابت ہونے کے بعد کہ اس دعوے پر کوئی دلیل نہیں، یقینی بات ہے کہ (اس سے زیادہ کون ظالم) اور کاذب (ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بلا دلیل) تحلیل وتحریم کے بارے میں (جھوٹ تہمت لگائے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے) یعنی یہی شخص بڑا ظالم ہوگا اور (یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو) جنت کا (رستہ) آخرت میں (نہ دکھلائیں گے) بلکہ دوزخ میں بھیجیں گے، پس یہ لوگ بھی اس جرم کی سزا میں دوزخ میں جائیں گے۔

ربط: جب اوپر یہ ثابت کیا کہ تحلیل وتحریم کا حق تو صرف اللہ تعالیٰ کا ہے تو آگے کہلوایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ یہ چیزیں حرام کی ہیں اور یہ یہ چیزیں حلال کی ہیں تم اپنی طرف سے اختراع کیوں کرتے ہو۔ اس کے آگے دو شبہوں کا جواب دیا ایک یہ کہ مذکور مستثنیٰ جانوروں کو چھوڑ کر باقی سب حلال ہیں تو اہل کتاب کیسے بعض اور جانوروں کو حرام کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مشرکین کا طریقہ باطل ہے تو قدرت الٰہیہ کے باوجود ان کو سزا کیوں نہیں ہوتی۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ

مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى
الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ
حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ
اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: تو کہہ دے نہیں پاتا میں اس میں جو وحی کی گئی میری طرف کوئی حرام کی ہوئی شے کھانے والے پر جو کھائے اس کو مگر یہ کہ ہو وہ چیز مردار یا بہتا ہوا خون یا گوشت سؤر کا کیونکہ وہ (یعنی سؤر) ناپاک ہے یا (وہ چیز) شرک (کا ذریعہ) ہو کہ نام پکارا گیا ہو غیر اللہ کا اس پر۔ پھر جو شخص بے تاب ہو جائے اس حال میں کہ (وہ) نہ ہو طالب (لذت کا) اور نہ ہو حد سے تجاوز کرنے والا تو تیرا رب ہے بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان۔ اور یہود پر حرام کیا ہم نے ہر ایک ناخن والا (جانور)۔ اور گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ہم نے ان پر ان دونوں کی چربی مگر جو اٹھائی ہو ان دونوں کی پشتوں نے یا انتڑیوں نے یا جو ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ سزا دی تھی ہم نے ان کو بسبب ان کی شرارت کے اور بے شک ہم سچے ہیں۔ پھر اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو تو کہہ دے تمہارا رب (بڑی) وسیع رحمت والا ہے اور نہ ٹالا جائے گا اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ) جن حیوانات میں کلام ہو رہا ہے ان کے متعلق (جو کچھ احکام وحی کے ذریعہ سے میرے پاس آئے ہیں ان میں تو میں کوئی حرام غذا نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لئے جو اس کو کھائے) خواہ مرد ہو یا عورت (مگر) ان چیزوں کو البتہ حرام پاتا ہوں۔ وہ یہ کہ (وہ مردار) جانور (ہو) یعنی جو حلال ہونے کے باوجود شرعی ذبح کے بغیر مر جائے (یا یہ کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ) یعنی خنزیر پورا کا پورا (بالکل ناپاک ہے) اسی لئے اس کے سب اجزاء نجس اور حرام ہیں۔ ایسا نجس نجس العین کہلاتا ہے (یا جو) جانور وغیرہ (شرک کا ذریعہ ہو) اس طرح

(کہ) تقرب کے قصد سے (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) سو یہ سب حرام ہیں (پھر) بھی اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ (جو شخص) بھوک سے بہت ہی (بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو) کھانے میں (طالب لذت ہو اور نہ) ضرورت و حاجت کی مقدار سے (تجاوز کرنے والا ہو تو) اس حالت میں ان حرام چیزوں کے کھانے میں بھی اس شخص کو گناہ نہیں ہوگا (واقعی آپ کا رب) اس شخص کے لئے (غفور رحیم ہے) کہ ایسے وقت میں رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے گناہ اٹھا دیا۔ یہاں تک کے مضمون پر یہ شبہ ہے کہ سوائے ذکر کردہ مستثنیٰ چیزوں کے سب کو حلال کہا گیا ہے حالانکہ بعض اہل کتاب سے معلوم ہوا کہ کچھ اور جانور بھی حرام ہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ان کی حرمت یہود کی شرارتوں کی وجہ سے تھی اور اب وہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اسی جواب کو بیان کرتے ہیں (اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے) ایسے (جانور حرام کر دیئے تھے) جن کا پنجہ یا کھر پھٹا ہوا نہ ہو جیسے اونٹ، شتر مرغ اور مرغابی وغیرہ۔ (اور گائے اور بکری) کے اجزاء میں سے (ان دونوں کی چربیاں ان) یہود (پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ) چربی مستثنیٰ تھی (جو ان) دونوں (کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو یا جو) چربی (ہڈی سے ملی ہوئی ہو)۔ ان کے علاوہ باقی سب چربی حرام تھی۔ اور ان جانوروں اور چربیوں کی حرمت اس وجہ سے نہیں تھی کہ ان میں حرمت کے اسباب یعنی ضرر یا گھناؤنے پن وغیرہ میں سے کوئی سبب تھا بلکہ (ان کی شرارت کے سبب سے ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی، اور ہم یقیناً سچے ہیں، پھر) اس تحقیق کے بعد بھی (اگر یہ) مشرکین (آپ کو) نعوذ باللہ اس مضمون میں صرف اس شبہ کی وجہ سے (جھوٹا کہیں) کہ ان پر عذاب نہیں آتا حالانکہ اگر مشرکین کا طریقہ اللہ کے نزدیک باطل ہے تو اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت سے ان پر سزا نازل کر دینی چاہئے تھی۔ (تو آپ) اس شبہ کے جواب میں (فرما دیجئے کہ) باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اور تمہارے طریقے کے بطلان کے جو تم پر عذاب نازل نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے) بعض حکمتوں سے جلدی مواخذہ نہیں فرماتا (اور) اس سے یوں نہ سمجھو کہ ہمیشہ یوں ہی بچے رہو گے بلکہ جب عذاب کا وقت معین آ جائے گا پھر اس وقت (اس کا عذاب مجرم لوگوں سے) کسی طرح (نہ ٹلے گا)۔

ربط: اوپر مشرکوں کے شرک اور ان کی تحریم و تحلیل کا رد کیا تو ان سے متعلق ایک عقلی شبہ کا جواب بھی دیتے ہیں۔ وہ عقلی شبہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ شرک اور تحریم کر رہے ہیں اگر یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتا تو ہم کو اپنی مرضی کے خلاف یہ کام کیوں کرنے دیتا۔ جب وہ کرنے دیتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو تو ناپسند نہیں۔ اس شبہ کا جواب اس آیت میں دو طرح سے دیا گیا ہے۔ ایک کا

حاصل تو دلیل کا مطالبہ ہے اس کو اصطلاح میں منع کہتے ہیں یعنی تمہارا یہ دعوی ہوا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کاموں کے کرنے کی قدرت دی ہے اس لئے لازم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے راضی ہے۔ تمہارے اس دعوے کی دلیل چاہئے۔ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ میں یہی جواب ہے۔ دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ خود مشرکین کی دلیل کے خلاف دلیل قائم کی۔ اس کو اصطلاح میں نقض کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ رسول شرک اور اختراعی تحریم کو باطل کہتے رہے۔ تمہارے دعوی سے ان باتوں کا حق ہونا لازم آیا حالانکہ رسولوں کا صدق قطعی عقلی دلائل سے ثابت ہے لہٰذا ان کا کذب محال ہے تو ضروری ہوا کہ مشرکین کی دلیل باطل ہو كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر ان دونوں جوابوں پر تفریع کے طور پر فرمایا کہ کوئی بھی دعویٰ ثابت کرنے کے لئے عقلی یا نقلی دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہاری عقلی دلیل کا حال تو معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر تمہارے پاس کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ لے آ ؤ لیکن تم اس سے بھی تہی دامن ہو۔ قُلْ هَلُمَّ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ
مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ
عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
تَخْرُصُوْنَ ۝۱۴۸ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۴۹
قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ
فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱۵۰ ع

ترجمہ: اب کہیں گے مشرک اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی چیز۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب۔ تو کہہ کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے تو نکالو اس کو ہمارے سامنے۔ نہیں تم پیروی کرتے مگر خیال کی اور تم تو صرف اٹکل ہی کرتے ہو۔ تو کہہ

دے پس اللہ ہی کے لئے ہے پوری حجت۔ سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا تم سب کو۔ تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو۔ پھر اگر وہ (ایسی) گواہی دیں تو تو گواہ نہ بن ان کے ساتھ اور نہ پیروی کر ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے جھٹلایا ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) مساوی ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر: (یہ مشرکین یوں کہنے کو ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو) بطور رضا کے یہ بات (منظور ہوتی) کہ ہم شرک اور تحریم نہ کریں اور وہ خود شرک وتحریم کو ناپسند کرتے (تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا) شرک کرتے (اور نہ ہم) اور نہ ہمارے بزرگ (کسی چیز کو) جن کا ذکر اوپر آچکا ہے (حرام کر سکتے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس شرک وتحریم سے ناراض نہیں۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ یہ استدلال اس لئے باطل ہے کہ اس سے رسولوں کو جھوٹا بنانا لازم آتا ہے کیونکہ رسول یہی تو بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو شرک اور ذکر کردہ تحریم ناپسند ہے، جب کہ یہ مشرک کہتے ہیں کہ ناپسند نہیں ہے تو انہوں نے رسول کی بات کو جھوٹا کہا۔ پس یہ لوگ رسول کی تکذیب کر رہے ہیں۔ اور جس طرح یہ کر رہے ہیں (اسی طرح جو) کافر (لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہوں نے بھی) رسولوں کی (تکذیب کی تھی، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھا) خواہ دنیا میں، جیسا اکثر سابقہ کفار پر نزول عذاب ہوا ہے، یا مرنے کے بعد تو ظاہر ہی ہے، اور یہ اشارہ ہے اس طرف کہ ان لوگوں کے کفریات کے مقابلہ میں صرف زبانی سوال وجواب پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، بلکہ سابقہ کفار کی طرح عملی سزا بھی دی جائے گی، خواہ دنیا میں بھی یا صرف آخرت میں، آگے دوسرے جواب کے لئے ارشاد ہے کہ (آپ) ان سے (کہئے کہ کیا تمہارے پاس) اس بات پر کہ بندوں کو شرک کرنے کی قدرت دینے سے یہ لازم آتا ہے اللہ ان کے شرک کرنے پر راضی ہے (کوئی دلیل ہے)۔ اگر ہے (تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو) اصل یہ ہے کہ دلیل وغیرہ کچھ بھی نہیں (تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو اور تم بالکل اٹکل سے باتیں کرتے ہو) اور دونوں جواب دے کر (آپ) ان سے (کہئے کہ پس) دونوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ (پوری حجت اللہ ہی کی رہی) اور تمہاری حجت باطل ہوگئی (پھر) اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم سب راہ پر آجاتے مگر اس کی توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے (اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ) راست (پر لے آتا) مگر حق تعالیٰ کی بہت سے حکمتیں ہیں، کسی کو توفیق دی کسی کو نہیں دی، البتہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اظہار حق کی اور اختیار وارادہ کی عطا سب کے لئے عام ہے۔ آگے نقلی دلیل کے مطالبہ کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (آپ) ان سے (کہئے کہ) اپنی نقلی دلیل کا حال

تو تم کو معلوم ہوا اچھا اب کوئی صحیح نقلی دلیل پیش کرو مثلاً (اپنے گواہوں کو لاؤ جو اس بات پر) با قاعدہ (شہادت دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان) مذکورہ (چیزوں کو حرام کر دیا ہے) با قاعدہ شہادت وہ ہوتی ہے جو مشاہدہ پر مبنی ہو یا ایسی قطعی دلیل پر مبنی ہو جو یقین کا فائدہ دینے میں مشاہدہ کے برابر ہو جیسا کہ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ وَصّٰكُمْ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ (پھر اگر) اتفاق سے مشرکین کسی کو فرضی جھوٹے گواہ بنا کر لے آئیں اور (وہ) گواہ اس کی (گواہی) بھی (دیدیں تو) چونکہ (وہ شہادت یقیناً بے قاعدہ اور محض سخن سازی ہوگی، کیونکہ مشاہدہ بھی مفقود ہے اور مشاہدہ کے برابر یقین کا فائدہ دینے والی قطعی دلیل بھی مفقود ہے اس لئے (آپ، اس شہادت کی سماعت نہ فرمائیے اور) جب ان کا جھٹلانا اور آخرت کا انکار کرنا اور ان کا مشرک ہونا ثابت ہو گیا تو اے مخاطب (ایسے لوگوں کے باطل خیالات کا) جن کا بطلان ابھی ثابت ہو چکا (اتباع مت کرنا جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) اور اسی سبب سے نڈر ہو کر حق کی تلاش نہیں کرتے (اور وہ) استحقاق معبودیت میں (اپنے رب کے برابر دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں) یعنی شرک کرتے ہیں۔

ربط: اوپر مشرکین کی تحریم کا ابطال کیا اور ان کے شبہات کا جواب دیا اور یہ بتایا کہ تشریع اور تحریم و تحلیل تو دراصل صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ آگے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ چیزیں حرام کی ہیں اور کچھ احکام دیئے ہیں بس وہی اس قابل ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے اور یہی سیدھا رستہ ہے بس اسی پر چلو۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ
لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا
السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: تو کہہ تم آؤ میں پڑھوں جو حرام کیا تمہارے رب نے تم پر کہ نہ تم شریک کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ کے ساتھ (کرو) احسان اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو۔ اور نہ پاس جاؤ بے حیائی کے کاموں کے جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ ہوں۔ اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر۔ یہ ہے (وہ)، وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم سمجھو۔ اور نہ پاس جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ وہ بہتر ہو یہاں تک کہ (یتیم) پہنچ جائے اپنی جوانی کو۔ اور پورا کرو ناپ کو اور تول کو انصاف سے۔ نہیں ہم تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے بقدر۔ اور جب تم (فیصلہ کی) بات کہو تو انصاف رکھا کرو اگر چہ وہ ہو (اپنا) قرابت دار۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ ہے (وہ) وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم یاد رکھو۔ اور یہ کہ یہ ہے میری راہ سیدھی سو پیروی کرو اس کی اور مت پیروی کرو اور رستوں کی کہ وہ رستے جدا کر دیں گے تم کو اللہ کے راستے سے۔ یہ ہے (وہ) وصیت کی تم کو جس کی تا کہ تم بچتے رہو۔

تفسیر: (آپ) ان سے (کہئے کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے وہ) چیزیں یہ ہیں۔ ایک (یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ) پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا۔ (اور) دوسرے یہ کہ (ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو) پس ان سے بری طرح پیش آنا حرام ہوا۔ (اور) تیسرے یہ کہ (اپنی اولاد کو افلاس کے سبب) جیسا کہ جاہلیت میں عام عادت تھی (قتل مت کیا کرو) کیونکہ (ہم تم کو اور ان کو) دونوں کو تقدیر میں لکھا ہوا (رزق دیں گے) تمہاری اولاد تمہاری ذات کے مقدر رزق میں شریک نہیں ہیں، پھر کیوں ان کو قتل کرتے ہو، پس ان کو قتل کرنا حرام ہوا۔ (اور) چوتھے یہ کہ (بے حیائی) یعنی بدکاری (کے جتنے طریقے ہیں ان کے پاس بھی مت جاؤ) لہٰذا زنا کرنا اور دیگر فحش باتیں اور کام کرنا حرام ہوا (خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ پوشیدہ ہوں۔ اور) پانچویں یہ کہ (جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق) شرعی (پر) قتل جائز ہے مثلاً قصاص میں یا رجم میں، لہٰذا قتل ناحق حرام ہوا۔ (اس) سب (کا تم کو) اللہ تعالیٰ (نے تاکیدی حکم دیا ہے تا کہ تم) ان کو (سمجھو) اور سمجھ کر عمل کرو۔ (اور) چھٹے یہ کہ (یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ) یعنی اس میں تصرف مت کرو (مگر ایسے طریقہ سے) تصرف

کی اجازت ہے (جو کہ) شرعا (مستحسن ہے) مثلاً اس کے مال کو تجارت میں لگانا، اس کی ضروریات پر خرچ کرنا اور بالغ و سمجھدار ہو جانے پر اس کے حوالے کر دینا۔ پس یتیم کے مال میں ناجائز تصرف حرام ہوا۔ (اور) ساتویں یہ کہ (ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو، انصاف کے ساتھ) کہ کسی کا حق اپنے پاس نہ رہے اور نہ آئے، اور یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ (ہم) تو (کسی شخص کو اس کے امکان سے زیادہ) احکام کی (تکلیف) بھی (نہیں دیتے) پھر ان احکام میں کوتاہی کیوں کی جائے۔ (اور) آٹھویں یہ کہ (جب تم) فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق کوئی (بات کیا کرو تو) اس میں (انصاف) کا خیال (رکھا کرو گو وہ شخص) جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو تمہارا (قرابت دار ہی ہو اور) نویں یہ کہ (اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو) جیسے قسم یا نذر جب کہ وہ شرعاً جائز ہو (اس کو پورا کیا کرو ان) سب (کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو) اور عمل کرو۔ (اور یہ) بھی کہہ دیجئے (کہ) کچھ انہیں احکام کی تخصیص نہیں بلکہ (یہ دین) اسلام اور اس کے تمام احکام (میرا رستہ ہے) جس کی طرف میں باذن الٰہی دعوت دیتا ہوں (جو) کہ بالکل (مستقیم) اور راست (ہے)، سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے) جس کی طرف میں دعوت دیتا ہوں (جدا) اور دور (کر دیں گی، اس کا تم کو اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم) اس راہ کے خلاف کرنے سے (احتیاط رکھو)

ربط: اوپر تحریم سمیت جو احکام دیئے گئے آگے ان کے بارے میں بتاتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے جاری تھے تمام انبیاء اور تمام شریعتوں کا ان پر اتفاق تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی جس میں احکام کی مزید تفصیل درج تھی۔ لیکن مشرکین عرب یہ بہانہ کر سکتے تھے کہ وہ کتابیں تو یہود و نصاریٰ پر اتریں ہم پر تو نہیں اتریں ہمیں ان کا کیا علم، تو ان کے بہانہ کو قطع کرنے کے لئے اب قرآن پاک نازل فرما دیا ہے جس کے براہ راست مخاطب یہ عرب ہیں۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ
تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ
قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا
سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے (نعمت کے) ان لوگوں پر جو نیک عمل کرتے ہیں، اور واسطے تفصیل کے ہر شے کی، اور واسطے ہدایت اور رحمت کے تا کہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا یقین کریں۔ اور یہ ایک کتاب ہے اتارا ہے ہم نے اس کو. بابرکت ہے سو تم اتباع کرو اس کا اور ڈرتے رہو تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ مبادا کہ تم کہنے لگو کہ محض اتاری گئی کتاب دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تھے ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر۔ یا کہنے لگو کہ اگر اتاری جاتی ہم پر کتاب تو ہم زیادہ راہ پر ہوتے ان سے۔ سو آ چکی تمہارے پاس حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت۔ تو کون زیادہ ظالم ہوگا اس سے جس نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور روکا ان سے۔ ہم سزا دیں گے ان کو جو روکتے ہیں ہماری آیتوں سے برا عذاب بسبب اس کے جو وہ روکتے تھے۔

تفسیر: اوپر ذکر کئے ہوئے احکام ہم نے تمام ہی انبیاء کو دیئے (پھر ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (کتاب) تورات (دی تھی، جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر) ہماری (نعمت پوری ہو) کہ عمل کر کے کامل ثواب حاصل کریں (اور سب) ضروری (احکام کی) اس کے ذریعہ سے (تفصیل ہو جائے اور) اس کے ذریعہ سے سب کو (رہنمائی ہو اور) ماننے والوں کے لئے (رحمت ہو) ہم نے اس صفت کی کتاب اس لئے دی (تا کہ وہ لوگ) یعنی بنی اسرائیل (اپنے رب کے ملنے پر یقین کریں) اور رب سے ملاقات کے عقیدہ کو سامنے رکھ کر سب احکام بجا لائیں۔ (اور) جب اس کا اور اس کے تتمہ انجیل کا دور ختم ہو چکا اس کے بعد (یہ) قرآن (ایک کتاب ہے جس کو ہم نے) آپ کے پاس (بھیجا بڑی خیر و برکت والی ہے، سو) اب (اس کا اتباع کرو، اور) اس سے خلاف کرنے کے بارے میں خدا سے (ڈرو تا کہ تم پر) اللہ تعالیٰ کی (رحمت ہو) اور ہم نے یہ قرآن اس لئے بھی نازل کیا کہ اگر یہ کتاب نازل نہ کی گئی ہوتی تو (کبھی تم لوگ) قیامت میں کفر و شرک پر عذاب کے وقت (یوں کہنے لگتے کہ) آسمانی (کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے) یہودی اور عیسائی (تھے

صرف ان پر نازل ہوئی تھی اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے) اس لئے ہم کو توحید کی تحقیق نہ ہوئی (یا) اور مومنین سابقین کو ثواب ملنے کے وقت (یوں کہتے کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان) مؤمنین سابقین (سے بھی زیادہ راہ پر ہوتے) اور عقائد و اعمال میں ان سے زیادہ کمال حاصل کر کے ثواب کے مستحق ہوتے (سو) یاد رکھو کہ (اب) تمہارے پاس کوئی عذر نہیں (تمہارے پاس) بھی (تمہارے رب کے پاس سے ایک کتاب) جس کے احکام (واضح) ہیں (اور) جو (رہنمائی کا ذریعہ) ہے (اور) خدا کی (رحمت) ہے (آچکی ہے سو) ایسی کافی شافی کتاب آنے کے بعد (اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھوٹا بتائے) اور دوسروں کو بھی (اس سے روکے۔ ہم ابھی) آخرت میں (ان لوگوں کو جو کہ ہماری آیتوں سے روکتے ہیں ان کو اس روکنے کے سبب سخت سزا دیں گے) یہ سختی اس روکنے سے بڑھی ورنہ صرف تکذیب بھی موجب سزا ہے۔

فائدہ: بے خبری کی وجہ یہ نہیں تھی کہ تورات و انجیل عربی زبان میں نہ تھیں کیونکہ ترجمہ کے ذریعہ سے مضامین پر اطلاع ہوسکتی ہے بلکہ وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب نے اہل عرب کی تعلیم و توحید کا کبھی اہتمام نہیں کیا اور اتفاق سے کوئی مضمون کان میں پڑ جانے سے عام طور سے توجہ نہیں ہوتی اگرچہ اس قدر بات سے بھی غور و فکر کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر توحید ترک کرنے پر عذاب ممکن تھا لیکن بادی النظر میں چونکہ آیات میں مذکور عذر پیش کیا جا سکتا تھا اس لئے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی۔

ربط: پچھلے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں، کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آچکی جس نے ہر بات کو خوب کھول کھول کر بیان کیا اور ہر قسم کے شبہات کا ازالہ کیا اب بھی نہیں مانتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اب قیامت ہی کے آنے کے منتظر ہیں لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا ان کو کچھ مفید نہ ہوگا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی۔ جس دن آئے گی نشانی تیرے رب کی نہیں نفع

دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لایا تھا پہلے سے یا نہیں کی تھی اس نے اپنے ایمان میں کچھ نیکی۔ تو کہہ دے تم منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں۔

تفسیر: (یہ لوگ) جو کہ کتاب الٰہی اور واضح دلائل کے نازل ہونے اور حق کے بالکل واضح ہو جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے اپنے ایمان لانے کے لئے (صرف اس امر کے منتظر) معلوم ہوتے (ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا ان کے پاس آپ کا رب آئے) جیسا قیامت میں حساب کے وقت واقع ہو گا (یا آپ کے رب کی) قیامت کی نشانیوں میں سے (کوئی بڑی نشانی آئے) اس بڑی نشانی سے مراد آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا ایمان لانے میں قیامت کے وقوع یا قرب کا انتظار ہے سو اس کے متعلق سن رکھیں کہ (جس روز آپ کے رب کی) یہ (بڑی نشانی آ پہنچے گی) اس روز (کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہ رکھتا ہوگا) بلکہ اسی روز ایمان لایا ہو (یا) ایمان تو پہلے سے بھی رکھتا ہو، لیکن (اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو) بلکہ اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا ہو، اور اس روز ان سے توبہ کر کے نیک اعمال شروع کرے تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ ہاں اس سے پہلے اگر معاصی سے توبہ کرتا تو مومن ہونے کی برکت سے توبہ قبول ہو جاتی۔ تو اگر چہ توبہ کی قبولیت ایمان کے منافع میں سے ہے مگر جب اس وقت ایمان نے یہ خاص نفع نہ دیا اور علامت قیامت ایمان و توبہ کی قبولیت سے مانع بن گئی تو قیامت کا واقع ہو جانا تو بدرجہ اولیٰ مانع ہو گا پھر انتظار کس بات کا ہے۔ اور اگر اس توبیخ پر بھی ایمان نہ لائیں تو (آپ) مزید تہدید کے طور پر (فرما دیجئے کہ) خیر بہتر (تم) ان امور کے (منتظر رہو) اور مسلمان نہیں ہوتے تو مت ہو (ہم بھی) ان امور کے (منتظر ہیں) اس وقت تم پر مصیبت پڑے گی، اور ہم مومن انشاء اللہ تعالیٰ نجات یافتہ ہوں گے۔

فائدہ: آیت میں جو بعض آیات مذکور ہے بہت سی احادیث میں اس کی تفسیر مغرب سے سورج کے طلوع ہونے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اس کی کیفیت اس طرح آئی ہے کہ اس روز غروب کے بعد سورج بحکم خداوندی مغرب سے طلوع ہوگا پھر بیچ آسمان میں پہنچ کر واپس مغرب کی طرف لوٹ کر ادھر غروب ہو گا۔ اس کے بعد عام معمول کے مطابق مشرق سے نکلنے لگے گا۔ اس وقت بظاہر آبادی پوری دنیا میں نہ پھیلی ہوئی ہوگی بلکہ جنگوں اور حوادث کی وجہ سے کم ہو کر ایک محدود خطہ تک رہ جائے گی اور وہیں اس کا مشاہدہ ہو گا۔

ربط: مشرکین عرب کی گمراہی کو خوب تفصیل سے بیان کرنے کے بعد بتاتے ہیں کہ خواہ مشرکین عرب ہوں یا دیگر گمراہ قومیں مثلاً یہود و نصاری ہوں یا وہ مدعیان اسلام ہوں جو آئندہ اسلامی

عقائد کو خراب کرنے والے ہیں ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ نہیں یہ سب اللہ کے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ آپ بھی ان سے بیزاری کا اظہار کیجئے اور ان کا انجام اللہ کے حوالے کیجئے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے جدا جدا کر دیا اپنے دین کو اور ہو گئے بہت سے فرقے۔ نہیں ہے تو ان سے کچھ تعلق میں۔ محض ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے پھر وہ خبر دے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے۔ جو کوئی لائے گا ایک نیکی تو اس کے لئے اس کا دس گنا ہے اور جو کوئی لائے گا ایک برائی تو نہیں سزا دیا جائے گا مگر اسی کے برابر اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

تفسیر: (بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو) جس کے وہ مکلف تھے (جدا جدا کر دیا) اور اس میں نئی نئی راہیں نکال کر شرک و کفر و بدعت کے طریقے اختیار کر لئے (اور) مختلف (گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں) یعنی آپ ان سے بری ہیں اور آپ پر کوئی الزام نہیں (بس) وہ خود اپنے نیک و بد کے ذمہ دار ہیں، اور (ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے) وہ دیکھ بھال رہے ہیں (پھر) قیامت میں (ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے) اور حجت قائم کر کے ان کا مستحق عذاب ہونا ظاہر کر دیں گے۔ (جو شخص نیک کام کرے گا اس کو) کم از کم (اس کے دس حصے ملیں گے) یعنی ایسا سمجھا جائے گا کہ گویا وہ نیکی دس بار کی اور نیز ایک نیکی پر جس قدر ثواب ملتا اب دس حصے ویسے ثواب کے ملیں گے (اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی) زیادہ نہ ملے گی (اور ان لوگوں پر) ظاہراً بھی (ظلم نہ ہوگا) کہ کوئی نیکی درج نہ ہو یا کوئی بدی زیادہ کر کے لکھ لی جائے۔

فائدہ: نیکی میں کم از کم کی قید اس لئے لگائی کہ دوسری نصوص میں تصریح ہے کہ بعض اوقات دس گنا سے بھی زیادہ ملے گا۔

ربط: اوپر یہ بتانے کے بعد کہ راہ حق سے ہٹ کر نئی نئی راہیں اختیار کرنے والوں کا آپ ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں آگے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ خود جس راہ حق پر ہیں اس کو کھول کر بیان

کر دیں۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَ
مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ
مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ
بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: تو کہہ دے بے شک رہنمائی کی میری میرے رب نے سیدھے رستے کی طرف کہ (وہ) دین مستحکم ہے طریقہ ہے ابراہیم کا جو یکسو تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں سے۔ تو کہہ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا اور میں ہوں ماننے والوں میں سب سے پہلا۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو میرے رب نے ایک سیدھا رستہ) وحی کے ذریعہ سے (بتا دیا ہے کہ وہ ایک دین ہے) جو دلائل سے ثابت ہونے کی وجہ سے (مستحکم) ہے (جو طریقہ ہے ابراہیم) علیہ السلام (کا جس میں ذرا کجی نہیں اور وہ) ابراہیمؑ (شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے) اور (آپ) اس دین کی قدرے تفصیل کے لئے (فرما دیجئے کہ) اس دین کا حاصل یہ ہے کہ (بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا)۔ استحقاق عبادت یا تصرفات ربوبیت میں (اس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی دین پر رہنے (کا حکم ہوا ہے اور) حکم کے موافق (میں) اس دین کے (سب ماننے والوں سے پہلا) ماننے والا (ہوں)۔

فائدہ: 1- یہاں دین کے جو اوصاف ذکر کئے گئے ہیں ان کے اعتبار سے دین خاص ہوا اسلام کے ساتھ اور اسلام میں بھی طریق سنت کے ساتھ، چنانچہ ملت ابراہیمی کا اسلام ہونا پہلے پارہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ اور مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ سے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب کا رد ہو گیا۔ حنیف سے بدعت کے تمام طریقوں کا رد ہوا کیونکہ سب بدعات میں کجی ہے اور تفصیل میں صلوٰۃ اور نُسُک تو تشریعی امور میں سے ہیں اور مَحْیَا وَ مَمَات خاص اللہ تعالیٰ کے لئے تکوینی

امور میں سے ہیں۔ پہلے کا تعلق عبادت سے ہے اور دوسرے کا ربوبیت کے اعتقاد سے ہے اور دونوں کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ استحقاق عبادت میں بھی کوئی خدا کا شریک نہیں اور تصرف میں بھی کوئی خدا کا شریک نہیں ہے اور یہی مجموعہ توحید ہے۔

2: بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ میں دوسروں کو لطف کے ساتھ دعوت ہے کہ جب نبی بھی ایمان کے مکلّف ہیں تو دوسرے کیوں نہ ہوں گے۔

ربط: اوپر رسول اللہ ﷺ سے راہ حق کی تفصیل بیان کروائی اور اب کہلوایا جا رہا ہے کہ میں اپنی راہ حق کو چھوڑ کر باطل راہوں کو اختیار کرنے والا نہیں جس کی چند وجوہ ہیں۔

قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّ ہُوَ رَبُّ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ وَ لَا تَکۡسِبُ کُلُّ نَفۡسٍ اِلَّا عَلَیۡہَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: تو کہہ کیا (اب) اللہ کے سوا میں تلاش کروں کوئی رب حالانکہ وہی ہے رب ہر چیز کا۔ اور نہیں کرتا کوئی بھی (کوئی گناہ) مگر (ہوتا ہے اسی کے) اپنے ذمہ پر۔ اور نہ اٹھائے گا (گناہوں کا) کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ کسی دوسرے (کے گناہوں) کا۔ پھر تمہارے رب کی طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہے۔ سو وہ خبر دے گا تم کو اس بات کی جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر: (آپ) گمراہیوں کو اختیار کرنے والوں سے (فرما دیجئے کہ کیا) توحید و اسلام کی حقیقت واضح ہونے کے باوجود تمہارے کہنے سے (میں خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب بنانے کے لئے تلاش کروں) یعنی نعوذ باللہ شرک اختیار کرلوں (حالانکہ) اس کے خلاف کئی وجوہ موجود ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ (وہ مالک ہے ہر چیز کا) اور سب چیزیں اس کی مملوک ہیں اور مملوک مالک کا شریک نہیں ہوسکتا (اور) دوسری وجہ یہ ہے کہ (جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے تو وہ) یعنی اس کا وبال (اسی پر رہتا ہے، اور کوئی دوسرے) کے گناہ کا (کا بوجھ نہ اٹھائے گا) بلکہ سب اپنی اپنی بھگتیں گے تو میں غلط راہ پر چل کر اپنے اوپر بوجھ کیوں لا دوں (پھر) تیسری وجہ یہ ہے کہ سب کے عمل کر چکنے کے بعد (تم سب کو اپنے رب کے پاس جانا ہوگا، پھر وہ تم کو جتلا دیں گے جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے) کہ کوئی کسی دین کو حق بتاتا تھا اور کوئی کسی کو، وہاں عملی اطلاع سے فیصلہ کر دیا جائے گا، اہل حق کو نجات

اور اہل باطل کو سزا ہوگی تو میں نجات کی راہ چھوڑ کر سزا کی راہ کیوں اختیار کروں۔

فائدہ: اگر کسی کو شبہ ہو کہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کو گمراہ کرے تو اس گمراہ کا گناہ اس گمراہ کرنے والے کو بھی ہوتا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ ایک گمراہ کرنے کا گناہ ہے جو گمراہ کرنے والے کا اپنا ہی فعل ہے۔ پھر اس کے گمراہ کرنے کے بعد گمراہ ہونے والا جب وہ فعل کرے گا تو اس کرنے کا سبب گمراہ کنندہ بنا ہے۔ سبب بننے والا بھی چونکہ فعل کو وجود میں لانے میں شریک ہوا ہے اس لئے اس فعل کا گناہ گمراہ کنندہ کو بھی ہوتا ہے جب کہ یہاں آیت سے یہ مقصود ہے کہ محض دوسرے کے فعل سے گناہ نہیں ہوتا۔

ربط: راہ حق کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ اسی کی وجہ سے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا پھر اس کو اختیار کرنے کی ترغیب اور اس سے اعراض پر ڈراوا ذکر کرتے ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌۢ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے بنایا تم کو نائب زمین کا اور بلند کیا تمہارے بعض کو بعض پر درجوں میں تا کہ آزمائے تم کو ان (نعمتوں) میں جو دیں اس نے تم کو۔ بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (اور وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں صاحب اختیار بنایا اور ایک کا دوسرے پر) مختلف غیر اختیاری چیزوں میں مثلاً عقل و جاہ، رزق، حسن و جمال اور صحت و قوت وغیرہ میں (رتبہ بڑھایا، تا کہ) ان نعمتوں سے (تم کو) ظاہراً (آزمائے ان چیزوں میں جو کہ مذکورہ نعمتوں میں سے (تم کو دی ہیں) آزمانا یہ کہ کون ان نعمتوں کی قدر کر کے منعم کی اطاعت کرتا ہے اور کون بے قدری کر کے اطاعت نہیں کرتا، پس بعضے مطیع ہوئے، بعضے نافرمان ہوئے اور دونوں کے ساتھ مناسب معاملہ کیا جائے گا، کیونکہ (بالیقین آپ کا رب جلد سزا دینے والا) بھی (ہے، اور بالیقین وہ واقعی بڑی مغفرت کرنے والا مہربانی کرنے والا) بھی (ہے)۔ پس نافرمانوں کے لئے سزا و عتاب ہے اور فرمانبرداروں کے لئے رحمت ہے۔ اور نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف آنے والوں کے لئے مغفرت ہے۔ لہٰذا مکلفین پر ضروری ہوا کہ دین حق کے موافق اطاعت اختیار کریں اور باطل اور مخالفت سے باز آئیں۔

سورۃ اعراف

اس صورت میں بنیادی مضمون یہ ہے کہ آیات و دلائل چونکہ رسولوں کی دعوت کے موافق ہیں اس لئے رسولوں پر اوران کی تعلیمات پر ایمان لاؤ۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۰۶ - رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

الٓمّٓصٓ ۝۱ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ
مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

ترجمہ: (یہ) کتاب (ہے) اتاری گئی ہے تیری طرف سو نہ ہو تیرے سینے میں کوئی شک اس سے تا کہ تو ڈرائے اس کے ذریعہ اور نصیحت ہو ایمان والوں کیلئے۔ اتباع کرو اس کا جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور نہ اتباع کرو اس (اللہ) کے سوا اور رفیقوں کا۔ تھوڑی ہے جو تم نصیحت مانتے ہو۔

تفسیر: (الٓمّٓصٓ) اس کے معنی تو اللہ تعالی ہی کے علم میں ہیں (یہ) قرآن (ایک کتاب ہے جو) یقیناً اللہ کی جانب سے (آپ کے پاس بھیجی گئی ہے تو) اس کے منجانب اللہ ہونے میں اور (اس کے) احکام و اخبار کے (بارے میں آپ کے دل میں ذرا سا بھی شک وشبہ) یا کھٹکا (راہ نہ پائے) کیونکہ یہ کتاب آپ کی طرف اس لئے نازل کی گئی ہے (کہ آپ اس کے ذریعہ سے) لوگوں کو نافرمانی کی سزا سے (ڈرائیں اور) تا کہ یہ (نصیحت ہو ایمان والوں کے لئے) اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب کے بارے میں کامل وثوق اور یقین نہ ہو بلکہ کچھ کھٹکا ہو تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو قوت و جرات کے ساتھ کیونکر ادا کر سکے گا۔ آگے عام امت کو خطاب ہے کہ جب معلوم ہو گیا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ ہے اور اس میں کسی بھی اعتبار سے کچھ شک و شبہ نہیں تو (تم لوگ اس) کتاب (کا اتباع کرو جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے آئی ہے)۔ اتباع

کتاب یہ ہے کہ اس کی دل سے تصدیق بھی کرو اور اس پر عمل بھی کرو۔ (اور خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر) جس نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا (دوسرے رفیقوں کا اتباع مت کرو) جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیطان قسم کے جن اور انسان، مگر باوجود اس مشفقانہ فہمائش کے (تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو)۔

ربط: اوپر ذکر تھا کہ رسول قرآن کے ذریعہ ڈراتے ہیں اور لوگوں کو حکم تھا کہ وہ قرآن کا اتباع کریں آگے اتباع نہ کرنے والوں کو قرآن کے ذریعہ سے دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اور کتنی بستیاں ہیں ہلاک کیا ہم نے ان کو کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا اس حال میں کہ وہ (دوپہر کے وقت) قیلولہ میں تھے۔ پھر نہیں تھی ان کی بات جس وقت کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب مگر یہ کہ کہنے لگے کہ بیشک ہم ہی تھے گنہگار۔ سو ضرور ہم پوچھیں گے ان سے بھیجے گئے تھے جن کی طرف (رسول) اور ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے۔ پھر ضرور ہم بیان کر دیں گے ان پر (اپنے) علم سے اور نہیں تھے ہم غائب۔ اور تول اس دن حق (یعنی واقع ہونے والی) ہے۔ تو جو لوگ بھاری ہوں گے ان کے ترازو سو وہی لوگ ہیں کامیابی پانے والے۔ اور جو لوگ ہلکے ہوں گے ان کے ترازو سو وہی ہیں جنہوں نے نقصان کیا اپنی جانوں کا بسبب اس کے کہ وہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے۔

تفسیر: (اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ان کو) یعنی ان کے رہنے والوں کو ان کے کفر و تکذیب کی بناء پر (ہم نے تباہ و برباد کر دیا اور ان پر ہمارا عذاب) یا تو (رات کے وقت پہنچا) جو سونے اور

آرام کرنے کا وقت ہے (یا ایسی حالت میں) پہنچا (کہ وہ دوپہر کے وقت آرام میں تھے) یعنی کسی کو ایک وقت میں اور کسی کو دوسرے وقت میں (سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کے منہ سے اس کے سوا) اور کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ظالم) اور خطاوار (تھے) یعنی ایسے وقت اقرار کیا جب کہ اقرار کا وقت گزر چکا تھا، یہ تو دنیوی عذاب ہوا (پھر) اس کے بعد آخرت کے عذاب کا سامان ہوگا کہ قیامت میں (ہم ان لوگوں سے) بھی (ضرور پوچھیں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے) کہ تم نے پیغمبروں کا کہنا مانا یا نہیں (اور ہم پیغمبروں سے ضرور پوچھیں گے) کہ تمہاری امتوں نے تمہارا کہنا مانا یا نہیں؟ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَا اُجِبْتُمْ. یعنی جس دن جمع کریں گے اللہ رسولوں کو اور پوچھیں گے کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا۔ اور دونوں سوالوں سے مقصود کفار کو ڈانٹ ڈپٹ ہو گی (پھر چونکہ ہم پوری خبر رکھتے ہیں) خود ہی (ان کے روبرو) ان سب کے اعمال کو (بیان کر دیں گے، اور ہم) عمل کے وقت اور جگہ سے (غائب تو نہ تھے)۔

(اور اس روز) یعنی قیامت کے دن اعمال وعقائد کا (وزن واقع ہونے والا ہے) تاکہ عام طور پر ہر ایک کی حالت ظاہر ہو جائے (پھر) وزن کے بعد (جس شخص) کے ایمان (کا پلہ بھاری ہوگا) یعنی وہ مومن ہوگا (سو ایسے لوگ) تو (کامیاب ہوں گے) یعنی نجات پائیں گے (اور جس شخص کے ایمان کا پلہ (ہلکا ہوگا) یعنی وہ کافر ہوگا (تو یہ لوگ وہ ہوں گے جنہوں نے اپنا نقصان کر لیا بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کیا کرتے تھے) یعنی ان پر ایمان نہ رکھتے تھے۔

فائدہ: 1: چونکہ اکثر ظلم کا اطلاق کفر پر آیا ہے اس لئے اخیر آیت کو کفار کے بارے میں سمجھا گیا ہے اور تقابل کی وجہ سے فَمَنْ ثَقُلَتْ کی تفسیر مطلق مومن کی ساتھ کی گئی ہے۔

2: پلہ کا ہلکا ہونا قلت ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ عدم ایمان کی وجہ سے ہوگا یعنی جو پلہ ایمان کے رکھنے کے لئے مخصوص ہے وہ خالی ہوگا اور دوسرے پلہ میں کفر ہوگا تو لامحالہ خالی پلہ بھرے پلہ کے مقابلے میں ہلکا ہوگا۔

3: ایمان وکفر کے تول کے بعد کہ جب کافر اور مومن ممتاز ہو جائیں گے خاص مومنین کے لئے ایک پلہ میں ان کی نیکیاں اور دوسرے پلہ میں ان کی برائیاں رکھ کر ان کے سب اعمال کا وزن ہوگا جیسے اس آیت میں ہے وَ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا درمنثور میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر نیکیاں غالب ہوئیں تو جنت اور اگر برائیاں غالب ہوئیں تو دوزخ اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اعراف اس کے لئے تجویز ہوگی پھر خواہ شفاعت سے سزا سے پہلے خواہ سزا کے بعد مغفرت ہو جائے گی۔

4۔ حدیثوں سے آخرت کی ترازو کے لئے دو پلوں اور اس کے بیچ کے کانٹے کا ذکر ہے۔ وہ عالم مادے کا محتاج نہیں اس لئے وہاں ایسے ترازو سے غیر مادی چیزیں تولنے کا کوئی انتظام ہوگا۔

ربط: ڈراوے اور ترہیب کے بعد آگے نعمتوں کا ذکر کر کے قبول حق پر ترغیب ہے۔ مَكَّنّٰكُمْ میں نعمت تربیت مذکور ہے۔ پھر خَلَقْنٰكُمْ میں نعمت ایجاد پھر قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ میں نعمت اکرام۔ تیسری نعمت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ابلیس کے قصہ میں انسانوں کے لئے اس کی دائمی دشمنی کو ذکر کیا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا
مَّا تَشْكُرُوْنَ ؑ ﴿۱۰﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ
السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ
مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ
الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ
الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ
جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا
وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ
قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا
ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ
فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ
لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور بے شک جگہ دی ہم نے تم کو زمین میں اور بنا دیئے ہم نے تمہارے لئے اس میں سامان زندگی۔ بہت تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو۔ اور بے شک پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورتیں دیں ہم نے تم کو پھر کہا ہم نے فرشتوں سے (کہ) تم سجدہ کرو آدم کو، پس سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے، نہ تھا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے۔ (اللہ نے) کہا کس چیز نے روکا تجھ کو کہ نہ تو سجدہ کرے جب کہ حکم دیا میں نے تجھ کو۔ (ابلیس) بولا میں بہتر ہوں اس سے، پیدا کیا تو نے مجھ کو آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے (اللہ نے) کہا تو اتر یہاں سے نہیں ہے تیرے لئے (کوئی حق) کہ تو تکبر کرے اس (مقام) میں پس تو باہر نکل بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے۔ (ابلیس) بولا مہلت دے مجھ کو اس دن تک کہ لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ (اللہ نے) فرمایا بے شک تو مہلت دیئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔ (ابلیس) بولا تو بسبب اس کے جو گمراہ کیا تو نے مجھ کو میں ضرور بیٹھوں گا ان

کے لئے تیری سیدھی راہ پر۔ پھر میں آؤں گا ان پر ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے، اور نہیں تو پائے گا ان کے اکثروں کو شکر گزار، کہا نکل یہاں سے ذلیل وخوار ہو کر، جو کوئی پیروی کرے گا تیری ان میں سے تو میں ضرور بھروں گا دوزخ کو تم سب سے۔ اور اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں، پھر تم دونوں کھاؤ جہاں سے چاہو اور نہ پاس جانا تم اس درخت کے کہ کہیں تم ہو جاؤ گناہگاروں میں سے۔ پھر وسوسہ اندازی کی ان دونوں کے لئے شیطان نے تاکہ ظاہر کر دے ان کے لئے وہ چیز جو چھپائی گئی تھی ان سے یعنی ان کی شرمگاہ اور کہا نہیں منع کیا تم کو تمہارے رب نے اس درخت سے مگر یہ کہ کہیں تم ہو جاؤ فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والوں میں سے۔ اور قسم کھائی ان دونوں سے کہ بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پس نیچے لے آیا ان کو فریب سے۔ پھر جب چکھا انہوں نے درخت کو (تو) ظاہر ہو گئیں ان کے لئے ان کی شرمگاہیں اور وہ دونوں لگے جوڑنے اپنے اوپر جنت کے پتے۔ اور پکارا ان کو ان کے رب نے کیا نہیں میں نے منع کیا تھا تم دونوں کو اس درخت سے اور (کیا) میں نے (نہیں) کہا تھا تم دونوں کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے کہا اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ تو نے مغفرت کی ہماری اور (نہ) رحم کیا تو نے ہم پر تو ہم ضرور ہوں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ فرمایا تم اترو (اس حال میں کہ) تمہارے بعض دوسرے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔ فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔ اے اولاد آدم اتارا ہم نے تم پر لباس (جو) چھپاتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور لباس پرہیز گاری کا وہ (سب سے) بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ لوگ یاد رکھیں۔

تفسیر: (اور بے شک ہم نے) نعمت کے طور پر (تم کو زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور ہم نے تمہارے لئے اس) زمین (میں سامان زندگی پیدا کیا) یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے تمہارے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان پیدا کیا جس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس کے شکریہ میں فرمانبردار واطاعت شعار ہوتے، لیکن (تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو) شکر سے مراد اطاعت ہے اور کم اس لئے فرمایا کہ تھوڑا بہت نیک کام تو اکثر لوگ کر ہی لیتے ہیں لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ قابل اعتبار نہیں (اور ہم نے تم کو پیدا) کرنے کا سامان شروع (کیا) یعنی آدم علیہ السلام کا مادہ بنایا، اسی مادے سے تم

سب لوگ ہو (پھر) مادہ بنا کر (ہم نے تمہاری صورت بنائی) یعنی اس مادے میں آدم علیہ السلام کی عمدہ صورت بنائی، پھر وہی صورت ان کی اولاد میں چلی آ رہی ہے، (پھر) جب آدم علیہ السلام بن گئے اور علوم اسماء سے مشرف ہوئے تو (ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو) اب (سجدہ کرو) اور اس طرح تمہارا اکرام کرایا (تو سب) فرشتوں (نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا) اور سجدہ نہ کیا (حق تعالیٰ نے فرمایا تو جو سجدہ نہیں کرتا، تجھ کو اس سے کونسا امر مانع ہے، جب کہ میں) خود (تجھ کو سجدہ کا حکم دے چکا، کہنے لگا) وہ امر مانع یہ ہے کہ (آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اس) آدم (کو آپ نے خاک سے پیدا کیا ہے) یہ شیطان کے استدلال کا پہلا مقدمہ ہے اور دوسرا مقدمہ جس کا ذکر نہیں کیا وہ یہ ہے کہ آگ نورانی ہونے کی وجہ سے خاک سے افضل ہے، تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ افضل کا سجدہ کرنا غیر افضل کو نامناسب ہے، ان تینوں مقدمات کو ملا کر شیطان نے اپنے سجدہ نہ کرنے کی یہ دلیل بنائی کہ میں چونکہ افضل ہوں اس لئے میں نے غیر افضل کو سجدہ نہیں کیا، مگر پہلے مقدمہ کے سوا باقی دونوں ہی مقدمات غلط ہیں اور ان کا غلط ہونا کھلا ہوا ہے، کیونکہ آگ کا خاک پر افضل ہونا ایک جزوی فضیلت تو ہوسکتی ہے، کلی طور پر اس کو افضل کہنا دعویٰ بے دلیل ہے، اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ افضل کو مفضول کے لئے سجدہ اور تعظیم نامناسب ہے، بعض اوقات مصلحتوں کا تقاضا اس کے خلاف ہوتا ہے مثلاً کوئی مفضول امیر بن جائے تو سب کو اس کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ اس بات کو تسلیم کرنے کی علامت تھی کہ وہ زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں۔ غرض شیطان کی جانب سے یہ کھلی نافرمانی تھی۔

(حق تعالیٰ نے فرمایا) جب تو ایسا نافرمان ہے (تو آسمان سے نیچے اتر، تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبر کرے) کیونکہ بندہ کو تو حکم کے آگے سر جھکانا لازم ہے اور خاص کر (آسمان میں رہ کر) جو سب فرمانبرداروں ہی کا مقام ہے (سو) یہاں سے (نکل) دور ہو (بے شک تو) اس تکبر کی وجہ سے (ذلیلوں میں شمار ہونے لگا، وہ کہنے لگا مجھ کو) مرنے سے (مہلت دیجئے قیامت کے دن تک، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، وہ کہنے لگا کہ بسبب اس کے کہ آپ نے مجھ کو) تکوین وتخلیق کے اعتبار سے (گمراہ کیا ہے) کہ آپ نے میری تقدیر میں گمراہی لکھی اور میری نافرمانی کے فعل کو آپ نے پیدا کیا لہٰذا (میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان) کے یعنی آدم اور اولاد آدم کی رہزنی کرنے (کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر) جو کہ دین حق ہے جا کر (بیٹھ جاؤں گا پھر ان پر) ہر چار طرف سے (حملہ کروں گا ان کے آگے سے بھی پیچھے سے بھی اور ان کی دائیں جانب سے بھی اور بائیں جانب سے بھی) یعنی

ان کے بہکانے میں کوشش کا کوئی پہلو باقی نہ چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کی عبادت نہ کرنے پائیں (اور) آدمی کی کمزوریوں سے واقفیت کی بنا پر میرا قوی گمان ہے کہ میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوں گا، چنانچہ (آپ ان میں سے اکثروں کو) اپنی نعمتوں کا (احسان ماننے والا نہ پائیں گے کہ احسان مان کر اطاعت کریں (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں) آسمان (سے ذلیل وخوار ہوکر نکل جا) اور تو جو اولاد آدم کو بہکانے کو کہتا ہے تو جو تیرا جی چاہے کرلے میں سب سے بے نیاز ہوں نہ کسی کے راہ راست پر آنے سے میرا کوئی فائدہ ہے نہ گمراہ ہونے سے کوئی نقصان (جو شخص ان میں سے تیرا کہنا مانے گا میں ضرور تم سے) یعنی تجھ سے اور ان سے (جہنم کو بھردوں گا) اور جہنم میں جانے کو کون کامیابی کہے گا۔

(اور ہم نے) آدم علیہ السلام کو (حکم دیا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی) حوا، (جنت میں) رہو، (پھر جس جگہ سے چاہو) اور جس چیز کو چاہو (دونوں کھاؤ اور) اتنا خیال رہے کہ (اس) خاص (درخت کے پاس) بھی (مت جاؤ) یعنی اس کا پھل نہ کھاؤ (کہیں ان لوگوں کے شمار میں آجاؤ جن سے نامناسب کام ہو جایا کرتا ہے۔ پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ) ان کو وہ ممنوع درخت کا پھل کھلا کر (ان کا مستور بدن جو ایک دوسرے سے) اور خود اپنے سے بھی (پوشیدہ تھا دونوں کے روبرو بے پردہ کردے) کیونکہ اس درخت کے پھل کھانے میں ہم نے تمہارے لئے یہی تاثیر رکھی ہے کہ جنت کا لباس اتر جائے گا۔ (اور) وہ وسوسہ یہ تھا کہ دونوں سے (کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تم دونوں کو اس درخت) کے کھانے (سے اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا مگر محض اس وجہ سے کہ تم دونوں) اس کو کھا کر (کہیں فرشتے) نہ (بن جاؤ، یا کہیں ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے) نہ (ہو جاؤ)۔ وسوسہ کا حاصل یہ تھا کہ اس درخت کے کھانے سے فرشتہ بننے کی یا دائمی زندگی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، مگر شروع میں آپ کا وجود اس طاقتور غذا کا متحمل نہ تھا اس لئے منع کر دیا گیا تھا، اب آپ کی حالت اور قوت میں ترقی ہوگئی، اور آپ کے قویٰ میں اس کا تحمل ہوگیا تو اب وہ ممانعت باقی نہ رہی (اور ان دونوں کے روبرو) اس بات پر (قسم کھالی کہ یقین جانئے میں آپ دونوں کا) دل سے (خیر خواہ ہوں۔ تو) ایسی باتیں بنا کر (ان دونوں کو فریب سے نیچے لے آیا) نیچے لانا حالت اور رائے کے اعتبار سے بھی تھا کہ اپنی رائے عالی کو چھوڑ کر اس دشمن کی رائے پر مائل ہو گئے، اور مقام کے اعتبار سے بھی کہ جنت سے نیچے زمین کی طرف اتارے گئے (پس ان دونوں نے جونہی درخت کو چکھا) فوراً (دونوں کا مستور بدن ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا) یعنی جنت کا لباس اتر پڑا اور دونوں شرما گئے (اور) بدن چھپانے کے لئے (دونوں اپنے) بدن کے (اوپر جنت کے) درختوں کے (پتے جوڑ

جوڑ کر رکھنے لگے اور) اس وقت (ان کے رب نے ان کو پکارا، کیا میں تم دونوں کو اس درخت) کے کھانے (سے ممانعت نہ کر چکا تھا اور یہ نہ بتا چکا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے) اس کے بہکانے سے بچتے رہنا (دونوں کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا) کہ پوری احتیاط اور تامل سے کام نہ لیا (اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہم بڑے خسارہ میں پڑ جائیں گے، حق تعالیٰ نے) آدم و حواء علیہما السلام سے (فرمایا کہ) جنت سے (نیچے) زمین پر (ایسی حالت میں جاؤ کہ تم) یعنی تمہاری اولاد (باہم بعضے بعض کے دشمن رہو گے، اور تمہارے واسطے زمین میں رہنے کی جگہ) تجویز کی گئی (ہے اور) اسباب معیشت سے (نفع حاصل کرنا) تجویز ہوا (ہے ایک وقت) خاص (تک) یعنی موت کے وقت تک اور یہ بھی (فرمایا کہ تم کو وہاں ہی زندگی بسر کرنا ہے اور وہاں ہی مرنا ہے اور اسی میں سے) قیامت کے روز (پھر زندہ ہو کر نکلنا ہے)۔

(اے اولاد آدم) ایک ہمارا انعام یہ ہے کہ دشمن نے تم سے جنت کے کپڑے اتروائے تو (ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا یعنی تم کو دنیا میں لباس بنانے کی تدبیر سکھا دی (جو تمہارے ستر) یعنی پردہ والے بدن (کو بھی چھپاتا ہے اور) تمہارے بدن کے لئے (موجب زینت بھی) ہوتا (ہے، اور) اس ظاہری لباس کے علاوہ ایک معنوی لباس بھی تمہارے لئے تجویز کیا ہے جو (تقویٰ) یعنی دینداری (کا لباس) ہے کہ (یہ اس) ظاہری لباس (سے بڑھ کر) ضروری (ہے) کیونکہ اس ظاہری لباس کا شرعاً مطلوب ہونا اسی تقویٰ یعنی دینداری کی ایک فرع ہے کیونکہ ستر کا کھلے رہنا دینداری کے خلاف ہے۔ لہٰذا اصل مقصود ہر حالت میں لباس تقویٰ ہی ہے (یہ) لباس پیدا کرنا (اللہ تعالیٰ) کے فضل و کرم (کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ یہ لوگ) اس نعمت کو (یاد رکھیں) اور یاد رکھ کر اپنے منعم اور محسن کا حق اطاعت ادا کریں اور وہ حق اطاعت وہی ہے جس کو لباس تقویٰ فرمایا ہے۔

فائدہ: 1 ابن جریر کی ایک روایت کے مطابق ابلیس کی موت کا وقت وہی ہے جو سب مخلوقات کی فنا کا وقت ہے یعنی نفخہ اولی۔

2۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ کافر کی دعا بھی کبھی قبول ہو جاتی ہے اور یہ اکرام و محبت کو مستلزم نہیں ہے اور وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ یعنی کافروں کی پکار محض بے نفع ہے سے جو اس کے خلاف شبہ ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جو وہ دعا و درخواست کریں گے وہ قبول نہ ہو گی۔

3۔ یہ قصہ کئی جگہ بیان ہوا ہے اور ہر جگہ اس کے سوال و جواب کی عبارت مختلف ہے حالانکہ

ظاہر ہے کہ واقعہ کسی خاص طور پر ہوا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سب عبارتیں صحیح ہوں۔ جواب یہ ہے کہ واقعہ تو خاص انداز سے واقع ہوا ہو لیکن بعینہ انہی الفاظ میں بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ اصل مضمون و معنی میں تبدیلی کئے بغیر مقام کے مناسب تعبیر کر سکتے ہیں۔

4۔ دشمن کا قاعدہ ہے کہ مذکورہ چار اطراف سے حملہ کرتا ہے ابلیس کے کلام میں اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح سے بھی ہو سکے گا خوب کوشش کروں گا اور کوئی کسر نہ چھوڑوں گا۔ لہٰذا اس کے تحت حدیث میں وارد یہ صورت بھی شامل ہے کہ آدمی کے بدن میں داخل ہو کر خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

5- ابلیس نے یہ جو کہا کہ وہ اکثر کو بہکا سکے گا تو اس کا اندازہ اس نے قرائن سے مثلاً انسانی کمزوریوں کو دیکھ کر لگایا۔

6- ابلیس نے اغوا کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی۔ غوایت و گمراہی کو پیدا کرنے کے معنی میں یہ بات صحیح ہے اللہ تعالیٰ ہر شے اور مخلوق کے ہر فعل کا خالق ہے۔ لیکن اس سے ابلیس کا مقصود اللہ تعالیٰ پر اعتراض تھا جو ظاہر ہے کہ مخلوق کے بہت ہی غیر مناسب ہے۔

ربط: اوپر یہ بتائے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور اپنی دشمنی ہی کے تحت اس نے ہی تمہارے اولین ماں باپ کے کپڑے بھی اتروائے اور جنت سے بھی نکلوایا اور اس نے تمہیں گمراہ کرنے کے لئے مہلت بھی حاصل کر رکھی ہے آگے بتاتے ہیں کہ تم شیطان سے چوکنے رہو۔ ہر قسم کی بے حیائی کے کام وہی کرواتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے کاموں کا حکم نہیں دیتے بلکہ وہ تو تمہیں ان سے اور دیگر برائیوں سے روکتے ہیں اور حیا کے کاموں اور دیگر خوبیوں کا حکم دیتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ
الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ
اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا
فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۭ ﴿۲۹﴾
فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اے اولاد آدم ہرگز فتنہ میں نہ ڈالے تم کو شیطان جیسا کہ اس نے نکالا تمہارے والدین کو جنت سے، اتروائے ان سے ان کے کپڑے تاکہ دکھلائے ان دونوں کو ان کی شرمگاہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تم کو وہ اور اس کا لشکر ایسے طور سے کہ نہیں دیکھتے تم ان کو۔ ہم نے کر دیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو ایمان نہیں لاتے۔ اور جب وہ کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ پایا ہم نے اس پر ہم اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے (بھی) ہم کو حکم دیا ہے اسی کا۔ تو کہہ دے کہ اللہ نہیں حکم کرتا برے کام کا۔ کیا تم بات لگاتے ہو اللہ کے ذمہ (وہ باتیں) جو تم جانتے نہیں ہو۔ تو کہہ دے کہ حکم دیا ہے میرے رب نے انصاف کا، اور سیدھے کرو اپنے چہرے ہر سجدہ (نماز) کے وقت اور پکارو اس کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو۔ جیسا تم کو پہلے (پیدا) کیا دوسری بار بھی (پیدا) ہو گے، ایک فرقہ کو

ہدایت کی اور ایک فرقہ پر ثابت ہو چکی گمراہی۔ انہوں نے بنایا شیطانوں کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے اولاد آدم! لے لو اپنی آرائش ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور مت حد سے نکلو بلاشبہ وہ (اللہ) نہیں پسند کرتا حد سے نکلنے والوں کو۔ تو کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جو اس نے نکالی اپنے بندوں کے واسطے اور پاکیزہ چیزیں کھانے پینے کی۔ تو کہہ یہ (نعمتیں) ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں اس طور سے کہ (یہ وبال سے) خالص ہیں قیامت کے دن۔ اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں ان کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ تو کہہ دے محض حرام کیا میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو کھلی ہوں ان میں سے اور جو چھپی ہوں اور گناہ کو اور زیادتی کو جو ناحق ہوں اور یہ کہ تم شریک ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو کہ نہیں اتاری (اللہ نے) اس کے بارے میں کوئی دلیل اور یہ کہ تم بات لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم جانتے نہیں ہو، اور ہر گروہ کے واسطے ایک میعاد ہے، تو جب آ پہنچے گی ان کی میعاد نہ پیچھے ہٹ سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے ہو سکیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد آدم! شیطان تم کو کسی خرابی میں نہ ڈال دے) کہ دین و تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی کام کرا دے (جیسا اس نے تمہارے ماں باپ) یعنی آدم و حواء علیہما السلام (کو جنت سے باہر کرا دیا) یعنی ان سے ایسا کام کرا دیا کہ اس کے نتیجہ میں وہ جنت سے باہر ہو گئے، اور باہر بھی (ایسی حالت سے) کرایا (کہ ان کا لباس بھی ان) کے بدن (سے اتروا دیا، تاکہ دونوں کو ایک دوسرے کے پردہ کا بدن دکھائی دینے لگے) جو شریف انسان کے لئے بڑی شرم و رسوائی ہے، غرض شیطان تمہارا قدیم دشمن ہے، اس سے بہت ہوشیار رہو اور زیادہ احتیاط اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ (وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو) عادۃً (نہیں دیکھتے ہو) ظاہر ہے کہ ایسا دشمن بہت خطرناک ہے، اس سے بچنے کا پورا اہتمام چاہئے، اور یہ اہتمام کامل ایمان اور تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے وہ اختیار کر لو تو بچاؤ کا انتظام ہو جائے گا کیونکہ (ہم شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے)۔ اگر ایمان سرے سے ہی نہیں ہے تو شیطان کو کامل رفاقت اور قدرت حاصل ہوتی ہے اور اگر ایمان تو ہو لیکن کامل نہ ہو تو ناقص رفاقت اور قدرت حاصل ہوتی ہے البتہ جو کامل ایمان والا ہو اس پر شیطان کا سرے سے قابو نہیں چلتا جیسا کہ اس آیت میں ہے لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ یعنی اس کو قابو حاصل نہیں ہے ان لوگوں پر جو

ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔(اور) جو لوگ ایمان نہیں لائے ان پر اس کے قابو چلنے کی یہ حالت ہے کہ (وہ لوگ جب کوئی فحش کام کرتے ہیں) یعنی ایسا کام جس کی برائی کھلی ہوئی ہو اور انسانی فطرت اس کو برا سمجھتی ہو، جیسے اہل جاہلیت کا ننگے ہو کر طواف کرنا اور اس کو بڑی نیکی اور پرہیز گاری سمجھنا (تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریق پر پایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو یہی بتایا ہے)۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا قابو چلے گا کہ کفر و شرک میں مبتلا کر رکھا ہے۔ آگے جواب کی تعلیم ہے کہ اے رسول! ان کے جاہلانہ استدلال کے جواب میں (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فحش کام کی) کبھی (تعلیم نہیں دیتا) اور اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی ایسی باتوں کی اجازت نہیں دی (کیا) تم ایسا دعویٰ کر کے (خدا کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جس کی تم کوئی دلیل نہیں رکھتے، آپ) یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) تم نے جن فحش اور غلط کاموں کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے وہ تو غلط ہے، اب وہ بات سنو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے واقعی طور پر دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ (میرے رب نے تو حکم دیا ہے انصاف کرنے کا اور یہ کہ تم ہر سجدہ) یعنی عبادت (کے وقت اپنا رخ سیدھا) اللہ کی طرف (رکھا کرو) یعنی کسی مخلوق کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرو (اور اللہ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خالص اللہ ہی کے واسطے رکھا کرو) اس مختصر جملہ میں اجمالی طور سے تمام شرعی احکام آ گئے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اللہ کے احکام ہیں ان کو مانو کیونکہ اللہ نے تم کو صرف حکم دے کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ حساب و کتاب کا بھی ایک وقت آنے والا ہے یعنی قیامت کا دن۔ چنانچہ (تم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح) اپنی قدرت سے (شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم) ایک وقت (پھر دوبارہ پیدا ہو گے)۔ اس وقت تمہارے اعمال کی جزا و سزا ہو گی (بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے) دنیا میں (ہدایت کی ہے) ان کو اس وقت جزا ملے گی (اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے) ان کو اس وقت سزا ملے گی۔ اور ان لوگوں کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ (ان لوگوں نے شیطانوں کو) اپنا (رفیق بنا لیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی اور شیطانوں کی اطاعت کی (اور) اس کے باوجود اپنے بارے میں پھر بھی یہ (خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں) خواہ اپنی جانب میں یہ خیال کر کے کہ ہم ہی دین حق پر ہیں یا اس کو حق تو نہیں سمجھتے البتہ مصلحت وقت سمجھتے ہیں۔ اے اولاد آدم جب برہنہ طواف کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فحش اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا تو (تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت) نماز کے لئے ہو یا طواف کے لئے (اپنا لباس پہن لیا کرو اور) جس طرح ترک لباس گناہ ہے ایسے ہی حلال چیزوں کے کھانے پینے کو ناجائز سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے جیسا کہ بعض اہل جاہلیت ایام حج میں

زندگی باقی رکھنے سے زائد کھانا اور گھی اور چکنائی کا استعمال چھوڑ دیتے تھے اور بعض بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے اس لئے اس سے بھی باز آ جاؤ اور حلال چیزوں کو (خوب کھاؤ اور پیو اور) خواہ مخواہ ان کو حرام اعتقاد کر کے (حد) شرعی (سے مت نکلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو)۔ اور جو لوگ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزیں، ملبوسات اور مطعومات و مشروبات کو بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل حرام سمجھ رہے ہیں ان سے (آپ) یوں (فرما دیجئے کہ) یہ بتلاؤ (اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے کپڑوں کو جو اس نے اپنے بندوں کے) استعمال کے (واسطے بنائے ہیں اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو) جن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے (کس شخص نے حرام کیا ہے) یعنی حلال و حرام قرار دینا تو خالق و مالک کائنات کا کام ہے، تم اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کہنے والے کون؟ ان آیات میں لباس اور کھانے پینے کی چیزوں کو انعام خداوندی قرار دیا ہے، اس سے کفار کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ انعام تو ہمیں خوب مل رہا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا اور ہمارے عقائد و اعمال اس کے خلاف ہوتے تو یہ انعام ہمیں کیوں ملتا، اس شبہ کے جواب کے لئے فرمایا کہ اے محمد ﷺ (آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ) انعامات الٰہیہ کے استعمال کی اجازت اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مقبولیت کی دلیل نہیں، ہاں جس استعمال کے بعد کوئی وبال نہ ہو وہ مقبولیت کی دلیل ہے اور ایسا استعمال خالص اہل ایمان کا حصہ ہے، کیونکہ کافر جتنا زیادہ دنیاوی نعمتوں کو استعمال کرتے ہیں اتنا ہی ان کا وبال اور عذاب آخرت بڑھتا رہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ (یہ اشیاء) لباس اور کھانے پینے کی چیزیں (اس طور پر کہ قیامت کے روز بھی) کدورات سے اور عذاب سے (خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان ہی کے لئے ہیں) بخلاف کفار کے کہ گو دنیا میں انہوں نے اللہ کی نعمتوں کو استعمال کر کے عیش و عشرت میں زندگی بسر کی، مگر چونکہ ان نعمتوں کا شکر ایمان و اطاعت کے ذریعہ ادا نہیں کیا، اس لئے وہاں یہ نعمتیں وبال اور عذاب بن جائیں گی۔ جیسے کوئی حاکم یا بڑا افسر اپنے دو اہلکاروں کو کچھ کام بتائے اور کام کی میعاد ختم ہونے تک اپنے گھر سے کھانا بھی ان کو کھلائے تو یہ کھانا کھلانا خوشنودی کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو اعانت ہے۔ البتہ جس نے وقت کے اندر کام کو کر لیا اس سے خوش ہوا اور جس نے کام نہ کیا اس کے لئے تو کھانا بھی مزید غصہ کا سبب بن گیا کہ میں نے اس کو اپنے پاس سے کھانا کھلایا پھر بھی اس نے ڈھٹائی کی۔ اور جیسے یہ مضمون ہم نے تفصیل سے بیان کیا (ہم اسی طرح تمام آیات کو سمجھداروں کے واسطے صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ آپ) ان سے یہ بھی (فرمائیے کہ) تم نے جن حلال چیزوں کو بلاوجہ حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کیں (البتہ

میرے رب نے صرف) ان چیزوں کو جن میں سے اکثر میں تم مبتلا ہو (حرام کیا ہے) مثلاً (تمام فحش باتوں کو ان میں جو علانیہ ہیں وہ بھی) جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا (اور ان میں جو پوشیدہ ہیں وہ بھی) جیسے بدکاری (اور ہر گناہ کی بات کو) حرام کیا ہے (اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو) حرام کیا ہے (اور اس بات کو) حرام کیا ہے (کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک) عبادت (ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند) اور دلیل (نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو) حرام کیا ہے (کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو) یعنی جو واقع میں حلال ہیں ان کو تم حرام کہو اور جو واقع میں حرام ہیں ان کو تم حلال کہو۔ (اور) اگر ان حرام کاموں کے ارتکاب کرنے والوں کو فوراً سزا نہ ہونے سے ان کی حرمت میں کسی کو شبہ ہو جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں (ہر گروہ) کے ہر فرد کی سزا (کے لئے) اللہ کی حکمت کے تقاضے سے (ایک میعاد معین ہے سو جس وقت ان کی) وہ (میعاد معین) نزدیک (آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ) اس سے (پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے) بلکہ فوراً ہی سزا جاری ہو جائے گی۔ اس میعاد کے قبل سزا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حرام کام حرام نہیں اور ان پر سزا نہ ہو گی۔

فائدہ: 1 یہ جو فرمایا لَا تَرَوْنَهُمْ یعنی تم شیطان اور اس کے لشکر کو نہیں دیکھتے ہو یہ عام عادت کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذا بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کا یا دیگر لوگوں کا ان کو دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہے۔

2۔ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ تفسیر میں جو یہ ذکر کیا کہ خواہ وہ اپنے دین کو حق سمجھنے کی بناء پر ہو یا مصلحت وقت خیال کرنے سے ہو۔ اس کا بیان یہ ہے کہ بعض کفار تو اپنے مذہب کو واقع میں حق سمجھتے ہیں ان پر تو يَحْسَبُوْنَ کا صادق آنا ظاہر ہے اور بعض باوجود باطل سمجھنے کے اس پر جمے رہتے ہیں ان پر اس کا صدق اس اعتبار سے ہے کہ وہ اپنی خیال کردہ کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے جس کی رعایت کو وہ ضروری خیال کرتے ہیں اپنے مذہب پر اصرار کرتے ہیں۔

پہلی صورت میں اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ایک شخص واقع میں اپنے کو حق پر سمجھتا ہے گو غلطی پر ہو پھر اس پر کیا الزام ہے وہ معذور ہونا چاہئے کیونکہ اس کو اپنی غلطی کی اطلاع ہی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ اس لئے معذور نہیں کہ اس نے قوی اور صحیح دلائل کے باوجود پورا غور نہیں کیا حالانکہ غور کرنے سے صحیح نتیجہ حاصل ہونا ضروری تھا۔ آیت میں جن کی مذمت ہے وہ ایسے ہی تھے اور اکثر تو اپنے طریقے کو باطل سمجھنے والے تھے۔

دوسری صورت میں اگر شبہ ہو کہ جب یہ شخص حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھتا ہے تو مومن ہونا چاہئے پھر اس کو کفار میں کیوں شمار کیا گیا۔ جواب یہ ہے کہ جیسے دل سے تکذیب کرنا کفر ہے اسی طرح زبان سے تکذیب کرنا اور برتاؤ میں انبیاء سے عداوت کرنا بھی کفر ہے۔

ربط: اوپر عقائد و اعمال میں ابلیس کے اتباع و موافقت اور احکام الٰہی کی مخالفت سے ممانعت کر کے آگے یہ بتاتے ہیں کہ اس مضمون کا خطاب تم سے کوئی نیا نہیں ہے بلکہ عالم ارواح ہی میں یہ عہد لے لیا گیا تھا اور اسی وقت یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ حقیقت حال کو یاد دلانے کے لئے اپنے رسول بھیجتے رہیں گے اور اسی وقت وعدہ وعید بھی سنا دیا گیا تھا لہٰذا اب اسی کے مطابق رسول آئے ہیں اور تمہیں خدا تعالیٰ کی آیات کے ذریعے وہی حقیقت بتاتے ہیں اور وہی وعدہ وعید سناتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اے اولاد آدم اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کرتے ہوں تم پر میرے احکام سو جو شخص پرہیز گاری کرے اور اصلاح کرے تو نہ ہوگا کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہمارے احکام کو اور تکبر کیا ان سے وہی ہیں آگ والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تفسیر: ہم نے عالم ارواح ہی میں کہہ دیا تھا (اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس پیغمبر آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے جو میرے احکام تم سے بیان کریں گے سو) ان کے آنے پر تم میں سے (جو شخص) ان آیات کی تکذیب سے (پرہیز رکھے اور) اعمال کی (درستی کرے) مراد یہ کہ کامل اتباع کرے (سو ان لوگوں پر) آخرت میں (نہ کچھ اندیشہ) کی بات واقع ہونے والی (ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور) تم میں سے (جو لوگ ہمارے ان احکام کو جھوٹا بتائیں گے اور ان) کے قبول کرنے (سے تکبر کریں گے وہ لوگ) دوزخ میں رہنے (والے ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ عالم ارواح میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ تمہارے پاس ہمارے رسول ہدایت لے کر آئیں گے۔ جو ان کی مانیں گے جنت میں جائیں گے جو نہ مانیں گے جہنم میں جائیں گے۔

آگے اہل جنت اور اہل جہنم کا کسی قدر تفصیلی ذکر کرتے ہیں تاکہ ترغیب وترہیب مکمل ہو جائے۔

اہل جہنم کا ذکر

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ
الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِى النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ
اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ
ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ
لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع
اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ
السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: پھر کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو۔ یہی لوگ ہیں پہنچے گا ان کو ان کا حصہ کتاب (میں لکھے ہوئے) سے۔ یہاں تک کہ جب آئیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے وفات دینے ان کو کہتے ہیں کہاں ہیں وہ پکارتے تھے تم جن کو اللہ کو چھوڑ کر۔ کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ کافر تھے۔ (اللہ) کہے گا تم داخل ہو جاؤ ان گروہوں کے ساتھ جو گزر چکے تم سے

پہلے جن اور انس سے آگ میں۔ جب بھی داخل ہوگی کوئی جماعت (جہنم میں) لعنت کرے گی اپنی جیسی (دوسری جماعت) پر۔ یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گے اس میں سب تو کہے گی ان کی پچھلی جماعت ان کی پہلی جماعت کے بارے میں اے ہمارے رب ان ہی لوگوں نے گمراہ کیا ہمیں، تو دے تو ان کو دگنا عذاب آگ کا۔ (اللہ) فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا (عذاب ہے) اور لیکن نہیں جانتے تم۔ اور کہے گی ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت کو کہ نہ ہوئی تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو اب چکھو عذاب کو بسبب اس کے جو تم کرتے تھے۔ بے شک جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہیں کھولے جائیں گے ان کے لئے آسمان کے دروازے اور نہیں وہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ سوئی کے ناکہ میں۔ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو۔ ان کے لئے جہنم کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے (آگ کی) اوڑھنیاں ہوں گی اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو۔

تفسیر: اجمالی طور سے یہ جاننے کے بعد کہ تکذیب کرنے والے سخت وعید کے مستحق ہیں اب اس کی تفصیل سنو کہ (اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے) یعنی جو بات خدا کی کہی ہوئی نہ ہو اس کو خدا کی کہی ہوئی کہے (یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے) یعنی جو بات خدا کی کہی ہوئی ہو اس کو بے کہی بتائے (ان لوگوں کے نصیب کا جو کچھ) رزق اور عمر (ہے وہ) تو (ان کو) دنیا میں (مل جائے گا) لیکن آخرت میں مصیبت ہی مصیبت ہے (یہاں تک کہ) مرنے کے وقت برزخی عالم کے اعتبار سے تو ان کی یہ حالت ہوگی کہ (جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی جان قبضہ کرنے آئیں گے تو) ان سے (کہیں گے کہ) کہو (وہ کہاں گئے جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کیا کرتے تھے) اب اس مصیبت میں کیوں نہیں کام آتے (وہ) کفار (کہیں گے کہ ہم سے سب غائب ہو گئے) یعنی واقعی کوئی کام نہ آیا (اور) اس وقت (اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے) لیکن اس وقت کا اقرار محض بے کار ہوگا۔ اور بعض آیتوں میں ایسے ہی سوال و جواب کا ہونا قیامت میں بھی مذکور ہے تو کوئی تضاد نہیں کیونکہ دونوں موقعوں پر ہونا ممکن ہے۔ اور قیامت میں ان کا یہ حال ہوگا کہ (اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ) کفار کے (جو فرقے تم سے پہلے گزر چکے ہیں جنات میں سے بھی اور آدمیوں میں سے بھی ان کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ) چنانچہ آگے پیچھے سب کفار اس میں داخل ہوں گے اور یہ کیفیت واقع ہوگی کہ (جس وقت بھی) کفار کی (کوئی

جماعت) دوزخ میں (داخل ہوگی اپنی جیسی دوسری جماعت کو) جو انہیں جیسے کافر ہوں گے اور ان سے پہلے دوزخ میں جا چکے ہوں گے (لعنت کرے گی) یعنی باہم ہمدردی نہ ہوگی، بلکہ حقائق کے انکشاف کی وجہ سے ہر شخص دوسرے کو بری نظر سے دیکھے گا اور برا کہے گا (یہاں تک کہ جب اس) دوزخ (میں سب جمع ہو جائیں گے تو) اس وقت (پچھلے لوگ) جو بعد میں داخل ہوئے ہوں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو کفر میں دوسروں کے تابع تھے (پہلے) داخل ہونے والے (لوگوں کی نسبت) یعنی ان لوگوں کی نسبت جو کفر کے رئیس و پیشوا ہونے کی وجہ سے دوزخ میں پہلے داخل ہوں گے یہ (کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو ان لوگوں نے گمراہ کیا تھا، سو ان کو دوزخ کا عذاب) ہم سے (دوگنا دیجئے) اللہ تعالیٰ (ارشاد فرمائیں گے کہ) ان کو دوگنا ہونے سے تم کو کونسی تسلی و راحت ہو جائے گی، بلکہ چونکہ تمہارا عذاب بھی ہمیشہ لحہ بہ لحہ بڑھتا جائے گا، اس لئے تمہارا عذاب بھی ان کے دوگنے عذاب ہی جیسا ہو جائے گا، پس اس حساب سے (سب ہی کا) عذاب (دوگنا ہے، لیکن) ابھی (تم کو) پوری (خبر نہیں) کیونکہ ابھی تو عذاب کی ابتداء ہی ہے، اس کے بڑھنے کو دیکھا نہیں اس لئے ایسی باتیں بنا رہے ہو جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے کے عذاب کے بڑھنے کو اپنے غیظ کی شفا اور باعث تسلی سمجھ رہے ہو (اور پہلے) داخل ہونے والے (لوگ پچھلے) داخل ہونے والے (لوگوں سے) خدا تعالیٰ کے اس جواب سے مطلع ہو کر (کہیں گے) کہ جب سب کی سزا کی یہ حالت ہے تو (پھر تم کو ہم پر) تخفیف عذاب کے بارے میں (کوئی فوقیت نہیں) کیونکہ تخفیف نہ ہمارے لئے ہے نہ تمہارے لئے (سو تم بھی اپنے کردار) بد (کے مقابلہ میں) بڑھنے والے (عذاب کا مزہ چکھتے رہو) یہ حالت تو کفار کی جہنم میں داخلہ کے وقت کی ہوئی اب جنت سے محرومی کی کیفیت سنو کہ (جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتاتے ہیں اور ان) کے ماننے (سے تکبر کرتے ہیں ان) کی روح کے چڑھنے (کے لئے) مرنے کے بعد (آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے) یہ حالت تو مرنے کے بعد برزخ میں ہوئی (اور) قیامت کے روز (وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جائیں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ کے اندر سے نہ چلا جائے) اور یہ محال ہے تو ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ (اور ہم ایسے مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں) یعنی ہم کو کوئی عداوت نہ تھی بلکہ جیسا کیا ویسا بھگتا، اور اوپر جو دوزخ میں جانا مذکور ہوا ہے وہ آگ ان کو ہر چہار طرف سے محیط ہوگی کہ کسی طرف سے کچھ راحت نہ ملے، چنانچہ یہ حال ہوگا کہ (ان کے لئے آتش دوزخ کا بچھونا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا، اور ہم ایسے ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں)۔

اہل جنت کا ذکر

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ
غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ
رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور کئے نیک اعمال نہیں ہم تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے بقدر۔ وہی ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ کو رہنے والے ہیں۔ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے سینوں میں ہے رنج سے۔ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے پہنچایا ہم کو اس تک۔ اور نہیں تھے ہم کہ پہنچ پاتے اگر نہ پہنچاتا ہم کو اللہ۔ بے شک لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر حق بات کو۔ اور وہ پکارے جائیں گے کہ یہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے، بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے۔

تفسیر: (اور جو لوگ) ہماری آیتوں پر (ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے) اور یہ نیک کام کچھ مشکل نہیں، کیونکہ ہماری عادت ہے کہ (ہم کسی شخص کو اس کی قدرت سے زیادہ کوئی کام نہیں کہتے) یہ جملہ معترضہ تھا غرض (ایسے لوگ جنت) میں جانے (والے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور ان کی حالت اہل دوزخ کی سی نہ ہوگی کہ وہاں بھی ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے رہیں گے، بلکہ ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ (جو کچھ ان کے دلوں میں) کسی معاملہ کی وجہ سے دنیا میں طبعی تقاضے سے (غبار) اور رنج (تھا ہم اس کو) بھی (دور کر دیں گے) اور وہ باہم الفت و محبت سے رہیں گے اور (ان کے) مکانات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ) انتہائی فرح و سرور سے (کہیں گے اللہ تعالیٰ کا) لاکھ لاکھ (شکر ہے جس نے ہم کو اس مقام تک پہنچایا اور ہماری کبھی) یہاں تک (رسائی نہ ہوتی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو نہ پہنچاتے) اس میں یہ بھی آ گیا کہ یہاں تک پہنچنے کا جو

طریقہ تھا یعنی ایمان اور اعمال اللہ تعالیٰ نے وہ ہم کو بتائے اور ان پر چلنے کی توفیق دی۔ (واقعی ہمارے رب کے پیغمبر سچی باتیں لے کر آئے تھے) چنانچہ انہوں نے جن اعمال پر جنت کا وعدہ کیا تھا وہ سچا ثابت ہوا (اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ یہ جنت تم کو دی گئی ہے تمہارے اعمال) حسنہ (کے بدلے)۔

فائدہ: 1۔ یہ ندا کرنے والا حدیث کے مطابق ایک فرشتہ ہوگا۔

2- بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سے بظاہر اعمال کا جنت میں داخلہ کے لئے سبب ہونا معلوم ہوتا ہے جب کہ حدیث میں آیا ہے کہ اعمال کے سبب سے کوئی جنت میں نہ جائے گا بلکہ رحمت الٰہی کے سبب سے جائیں گے۔ اصل یہ ہے کہ آیت میں سبب ظاہری مراد ہے اور حدیث میں سبب حقیقی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان پر جو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں وہ بے بہا ہیں اور پھر ان میں سے ہر ہر نعمت اتنی قیمتی ہے کہ اگر انسان اپنے اعمال کو ان کے شکر میں پیش کرے تو مثلاً بینائی جیسی نعمت کے شکر کے لئے تمام اعمال کافی نہ ہوں۔ غرض یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ وہ اعمال کی قدر دانی فرماتے ہیں اور اپنے فضل سے اعمال پر مزید انعام فرماتے ہیں تو جنت میں داخلہ کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل ہے جب کہ اعمال سبب ظاہری ہیں سبب حقیقی نہیں ہیں۔

ربط: اہل جنت و اہل نار کی سزا کی تفصیل کے بعد آگے ان کا وہ باہمی مکالمہ ذکر ہے جو وہ اپنی اپنی جزا و سزا کی جگہ پہنچ کر کریں گے۔ اس مکالمہ میں یہی ذکر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعے جو باتیں بتائیں ان کو ہم نے برحق پا لیا۔ اور ان کے ساتھ اہل اعراف کا بھی ذکر ہے جن کی حالت ابتداء میں بین بین ہوگی لیکن پھر جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ
وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ
حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ
رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۟ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ
اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ
قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَآءِ
الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ
عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ
الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا
اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا
وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ
يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ پالیا ہے ہم نے (اس کو) جو وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے سچا، سو کیا پایا تم نے (بھی اس کو) جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا، وہ کہیں گے (کہ) ہاں۔ پھر پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے درمیان کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور تلاش کرتے تھے اس میں کجی اور وہ آخرت کے منکر تھے۔ اور دونوں کے درمیان ایک آڑ (یعنی دیوار) ہو گی۔ اور اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے پہچانیں گے ہر ایک کو ان کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر۔ وہ ابھی داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ طمع رکھتے ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی ان کی نگاہیں جانب دوزخ والوں کے تو کہیں گے اے ہمارے رب مت کر تو ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ۔ اور پکاریں گے اعراف والے (جہنم کے) بہت سے آدمیوں کو پہچانتے ہوں گے ان کو ان کی نشانی سے، کہیں گے نہیں کام آئی تمہارے تمہاری جماعت اور جو تم تکبر کرتے تھے۔ کیا یہ وہی (مسلمان) ہیں جن کے بارے میں تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہیں پہنچے گا ان کو اللہ رحمت کے ساتھ۔ داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں ہے

ڈر تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے۔ اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ بہاؤ ہم پر پانی سے یا اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے۔ (جنت والے) کہیں گے بلاشبہ اللہ نے حرام کر دیا ان دونوں چیزوں کو کافروں پر جنہوں نے بنالیا تھا اپنے دین کو تماشا اور کھیل اور دھوکہ میں ڈالا ان کو دنیوی زندگی نے۔ سو آج ہم بھلا دیں گے ان کو جس طرح بھلائے رکھا انہوں نے اپنے اس دن کے ملنے کو اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

تفسیر: (اور) جب اہل جنت جنت میں جا پہنچیں گے اس وقت وہ (اہل جنت اہل دوزخ کو) اپنی حالت پر خوشی ظاہر کرنے کو اور ان کی حسرت بڑھانے کو (پکاریں گے کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا) کہ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے سے جنت دیں گے (ہم نے تو اس کو واقع کے مطابق پایا سو) تم بتاؤ کہ (تم سے جو تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا) کہ کفر کے سبب دوزخ میں پڑو گے (تم نے بھی اس کو مطابق واقع کے پایا) یعنی اب تو اللہ اور رسولؐ کے صدق اور اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہوگئی (وہ) اہل دوزخ جواب میں (کہیں گے ہاں) واقعی سب باتیں اللہ اور رسولؐ کی ٹھیک نکلیں (پھر) ان دوزخیوں کی حسرت اور جنتیوں کی مسرت بڑھانے کو (ایک پکارنے والا) یعنی کوئی فرشتہ (دونوں) فریق (کے درمیان میں) کھڑا ہوکر (پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مار ہو ان ظالموں پر جو اللہ کی راہ) یعنی دین حق (سے اعراض کیا کرتے تھے اور اس) دین حق (میں) ہمیشہ بزعم خود (کجی) کی باتیں (تلاش کرتے رہتے تھے) کہ اس میں عیب اور اعتراض پیدا کریں (اور وہ لوگ) اس کے ساتھ (آخرت کے بھی منکر تھے) جس کا نتیجہ آج بھگت رہے ہیں، یہ کلام تو اہل جنت کا اور ان کی تائید میں اس سرکاری منادی کا مذکور ہوا۔ آگے اعراف والوں کا ذکر ہے (اور ان دونوں) فریق یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ (کے درمیان ایک آڑ) یعنی دیوار (ہوگی) جس کا ذکر سورہ حدید میں ہے: فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ الخ اس کا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہ جانے دے گی۔ رہی یہ بات کہ پھر ان جنت اور دوزخ والوں کے مابین گفتگو کیونکر ہوگی، سو ممکن ہے کہ اس دیوار میں جو دروازہ ہوگا، جیسا سورہ حدید میں ہے بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ، اس دروازہ میں سے یہ گفتگو ہو جائے یا کسی آلہ کے ذریعہ سے یا ویسے ہی آواز پہنچ جائے (اور) اس دیوار کا یا اس کے بالائی حصہ کا نام اعراف ہے، اور اس پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے سو (اعراف کے اوپر بہت سے آدمی ہوں گے) جن کی نیکیاں اور برائیاں میزان میں برابر وزن کی ہوں گی۔ (وہ لوگ) اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے (ہر ایک کو) جنت اور دوزخ کے اندر ہونے علاوہ مزید (ان کی علامت سے) بھی (پہچانیں گے) علامت یہ کہ اہل جنت کے چہروں پر نورانیت اور اہل دوزخ کے

چہروں پر ظلمت اور کدورت ہوگی، جیسا دوسری آیت میں ہے وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ضَاحِکَۃٌ الخ یعنی اس دن کچھ چہرے روشن اور ہنستے ہوئے ہوں گے (اور یہ) اہل اعراف اہل جنت کو پکار کر کہیں گے السلام علیکم، ابھی یہ (اہل اعراف جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، اور اس کے امیدوار ہوں گے) چنانچہ حدیثوں میں آیا ہے کہ ان کی امید پوری کر دی جائے گی اور جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا (اور جب ان کی نگاہیں اہل دوزخ کی طرف جا پڑیں گی) اس وقت ہول کھا کر (کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ) عذاب میں (شامل نہ کیجئے۔ اور) جیسے ان اہل اعراف نے اوپر اہل جنت سے سلام وکلام کیا اسی طرح (اہل اعراف) دوزخیوں میں سے (بہت سے آدمیوں کو) جو کہ کافر ہوں گے اور (جن کو کہ ان کی علامت) یعنی چہرہ کی ظلمت و کدورت (سے پہچانیں گے) کہ یہ کافر ہیں (پکاریں گے) اور (کہیں گے کہ تمہاری جماعت) تمہارے کچھ کام نہ آئی (اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا) اور انبیاء کا اتباع نہ کرنا بھی (تمہارے کچھ کام نہ آیا) اور تم اسی تکبر کی وجہ سے مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ یہ فضل و کرم کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں جیسا اَھٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنْۢ بَیْنِنَا یعنی کیا یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا اس سے بھی یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے، تو ان مسلمانوں کو اب تو دیکھو (کیا یہ) جو جنت میں عیش کر رہے ہیں (وہی) مسلمان (ہیں جن کی نسبت تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نہ کرے گا) ان پر تو اتنی بڑی رحمت ہوئی کہ (ان کو یہ حکم ہو گیا کہ جاؤ جنت میں) جہاں (تم پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ تم مغموم ہو گے)۔

(اور) جس طرح اوپر جنت والوں نے دوزخ والوں سے گفتگو کی اسی طرح (دوزخ والے جنت والوں کو پکاریں گے کہ) ہم بھوک اور پیاس اور گرمی کے مارے بے دم ہوئے جاتے ہیں (خدا کے واسطے ہمارے اوپر تھوڑا پانی ہی ڈال دو) شاید کچھ تسکین ہو جائے (یا اور وہی کچھ دیدو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دے رکھا ہے) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو یہ توقع اور امید ہوگی کہ ان کو اس میں سے کچھ مل ہی جائے گا کیونکہ انتہائی اضطراب میں توقع سے بعید باتیں بھی منہ سے نکلا کرتی ہیں۔ (جنت والے) جواب میں (کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کی) یعنی جنت کے کھانے اور پینے کی (کافروں کے لئے بندش کر رکھی ہے جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو) جس کا قبول کرنا ان کے ذمہ واجب تھا (تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ) اور غفلت (میں ڈال رکھا تھا) اس لئے دین کی کچھ پرواہ ہی نہ کی، اور یہ تو دارالجزاء ہے، جب دین نہیں اس کا ثمرہ کہاں، آگے حق تعالیٰ اہل جنت کے اس جواب کی تصدیق و تائید میں فرماتے ہیں (سو) جب ان کی دنیا میں یہ

حالت تھی تو (ہم بھی آج) قیامت (کے روز ان کا نام نہ لیں گے) اور کھانا پینا کچھ نہ دیں گے (جیسا انہوں نے اس) عظیم الشان (دن کا نام تک نہ لیا، اور جیسا یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے)۔

ربط: سزا و جزا کے تفصیلی بیان اور دیگر قرآنی مضامین کا مقتضا تو یہ ہے کہ کفر و مخالفت سے باز آ جائیں جیسا کہ اہل ایمان اس سعادت کو حاصل کرتے ہیں لیکن کفار و معاندین کی قساوت اس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ یہ سزا سے پہلے نہ مانیں گے لیکن اس وقت ماننا کچھ فائدہ نہ دے گا۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ

بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ
نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ
شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ
قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع

ترجمہ: اور لائے ہیں ہم ان کے پاس ایسی کتاب مفصل بیان کیا ہم نے جس کو (اپنے کامل) علم سے اس حال میں کہ وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ نہیں یہ انتظار کرتے مگر اس (کتاب) کے (ذکر کئے ہوئے) انجام کا۔ جس دن آئے گا اس کا انجام کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے بھلایا ہوا تھا اس کو پہلے سے بے شک لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر سچی بات۔ تو (اب) کیا ہمارے لئے کوئی سفارشی ہیں کہ سفارش کریں ہمارے لئے یا ہم لوٹا دیئے جائیں تو ہم عمل کریں برخلاف اس کے جو ہم عمل کیا کرتے تھے۔ بے شک ان لوگوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو اور گم ہو گیا ان سے جو کچھ وہ افتراء کیا کرتے تھے۔

تفسیر: (اور ہم نے ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب پہنچا دی ہے) یعنی قرآن (جس کو ہم نے اپنے علم کامل سے بہت ہی واضح واضح کر کے بیان کر دیا ہے) اور یہ بیان سب کے سنانے کو کیا ہے لیکن (ذریعہ ہدایت اور رحمت ان) ہی (لوگوں کے لئے) ہوا (ہے جو) اس کو سن کر (ایمان لے آتے ہیں) اور جو لوگ اتمام حجت کے باوجود ایمان نہیں لاتے، ان کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا

ہے کہ (ان لوگوں کو اور کسی بات کا انتظار نہیں صرف اس) قرآن (کے) بتلائے ہوئے (اخیر نتیجہ) یعنی وعدہ سزا (کا انتظار ہے) یعنی عذاب سے پہلے وعید سے نہیں ڈرتے تو خود عذاب کا وقوع چاہتے ہوں گے سو (جس روز اس کا) بتایا ہوا (اخیر نتیجہ پیش آئے گا) جس کی تفصیل دوزخ وغیرہ کی اوپر مذکور ہوئی (اس روز جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے) مضطر ہو کر (یوں کہنے لگیں گے کہ واقعی ہمارے رب کے پیغمبر) دنیا میں (سچی سچی باتیں لائے تھے) مگر ہم سے حماقت ہوئی سو اب کیا (کوئی ہمارے سفارشی ہیں کہ وہ ہماری سفارش کر دیں یا کیا ہم پھر) دنیا میں (واپس بھیجے جا سکتے ہیں تاکہ ہم لوگ) پھر دنیا میں جا کر (ان اعمال) بد (کے برخلاف جن کو ہم کیا کرتے تھے دوسرے) نیک (اعمال کریں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں (بے شک ان لوگوں نے اپنے کو) کفر کے (خسارہ میں ڈال دیا اور یہ جو باتیں تراشتے تھے) اس وقت (سب گم ہو گئیں) اب سوائے سزا کے اور کچھ نہ ہو گا۔

ربط: اوپر جزا و سزا کے اعتبار سے آخرت کا ذکر ہوا۔ مشرکین تو معاد کو مستبعد سمجھتے تھے اس کو رد کرنے لئے آگے اللہ تعالیٰ اپنی کامل قدرت اور تصرف کا بیان فرماتے ہیں جس کو آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے ذکر سے شروع کیا اور بارش کے ذکر پر ختم کیا جس کا اثر مردہ زمین کا زندہ ہونا ہے۔ پھر کَذٰلِکَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی سے اصل مقصود یعنی معاد کو ذکر کیا۔ کامل قدرت و تصرف کی مناسبت سے توحید کا مضمون بھی بیان فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ
الْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ
خُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ
قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ
بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِهِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ
كَذٰلِكَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَالۡبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخۡرُجُ
نَبَاتُهٗ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىۡ خَبُثَ لَا يَخۡرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ
نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین چھ دنوں میں پھر قائم ہوا عرش پر۔ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر (بایں طور کہ) رات طلب کرتی ہے دن کو جلدی سے اور (پیدا کئے) سورج اور چاند اور ستارے اس حال میں کہ یہ سب تابع ہیں اس کے حکم کے۔ آگاہ ہو جاؤ اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، بابرکت ہے اللہ پروردگار تمام جہانوں کا۔ پکارو اپنے رب کو عاجزی سے اور چپکے چپکے، بے شک وہ نہیں پسند کرتا حد سے نکلنے والوں کو۔ اور مت فساد پھیلاؤ زمین میں اس کی اصلاح کے بعد اور پکارو اس کو ڈر اور امید کرتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت قریب ہے نیک کام کرنے والوں سے۔ اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو بشارت دینے والی پیشتر اپنی رحمت (باران) سے۔ یہاں تک کہ جب اٹھا لیتی ہیں (وہ ہوائیں) بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس (بادل) کو خشک زمین کی طرف پھر اتارتے ہیں ہم اس (بادل) سے پانی کو پھر نکالتے ہیں ہم اس (پانی) سے ہر قسم کے پھل۔ اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم سمجھو۔ اور ستھری زمین (جو ہوتی ہے) نکلتی ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو (زمین) خراب ہوئی نہیں نکلتی (اس کی پیداوار) مگر ناقص۔ اسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں دلائل کو ان لوگوں کے لئے جو قدر کرتے ہیں۔

تفسیر: (بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز) کے برابر وقت (میں پیدا کیا) اور جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وَاِنَّ يَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّكَ كَاَلۡفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ یعنی تمہارے ہزار برس اس کے یہاں کے ایک دن کے برابر ہیں۔ لہٰذا چھ ہزار سال کے برابر وقت مراد ہے۔ یعنی پہلے ان کا مادہ پیدا کیا پھر اس کی استعداد کے مطابق بتدریج مختلف صورتوں میں منتقل کیا یہاں تک کہ چھ ہزار سال میں جا کر آسمان اور زمین اپنے تمام متعلقات سمیت موجودہ شکل میں موجود ہوئے۔ (پھر عرش پر) جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے اس طرح (قائم) اور جلوہ فرما

(ہوا) جو کہ اس کی شان کے لائق ہے جس کی ممکنہ صورت یہ ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی قائم ہوئی ہے اور اسی کے ذریعہ سے امور عالم کی تدبیر کی جاتی ہے۔ اس صفت الٰہی کو سننے سے دل میں اللہ تعالیٰ کی دو شانیں متحضر ہو جاتی ہیں ایک رفعت و بلندی دوسری احکام شاہی کا صادر ہونا کیونکہ تخت شاہی پر جلوہ افروز ہونے کے لئے یہ دو باتیں ضروری ہیں۔ چنانچہ دوسری شان کا ذکر آگے بھی ہے کہ (چھپا دیتا ہے شب) کی تاریکی (سے دن) کی روشنی (کو) یعنی شب کی تاریکی سے دن کی روشنی پوشیدہ اور زائل ہو جاتی ہے (ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی سے آلیتی ہے) یعنی دن آنا فاناً گزرتا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ رات دفعۃً آ جاتی ہے (اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب) اپنی رفتار اور روشنی اور دیگر آثار میں (اس کے حکم) تکوینی (کے تابع ہیں) کہ جس طرح اللہ تعالیٰ ان میں تصرف کرنا چاہیں کرتے ہیں (یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خلق) یعنی پیدا کرنا (اور) پیدا کرنے کے بعد (امر کرنا) یعنی تکوینی یا تشریعی احکام دینا۔ یہ دونوں انہی کے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اس طرح (بڑی برکتوں) اور خوبیوں (والے ہوئے اللہ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں) اور جب پروردگار میں ایسی خوبیاں ہیں تو (تم لوگ) ہر حالت میں اور ہر حاجت میں (اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی)۔ البتہ یہ بات (واقعی) ہے کہ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں جو) دعا میں (حد) ادب (سے نکل جائیں) اور محال عقلی طلب کریں مثلاً یہ دعا کریں کہ ایک ہی وقت میں بارش بھی ہو اور موسم خشک بھی رہے یا محال شرعی طلب کریں مثلاً یہ کہ آپ اس دنیا میں مجھے اپنے آپ کو دکھائیں یا حرام شرعی طلب کریں مثلاً یہ کہ میرے لئے چوری کرنے کو آسان کر دیں یا جو عام عادت کے اعتبار سے مستبعد ہے مثلاً یہ کہ مجھے ایک ہزار سال کی زندگی دے دیجئے یا جو محض تکلف ہو مثلاً یہ کہ جنت فردوس کی طلب کے بعد یہ طلب کرنا کہ اس کی داہنی جانب سفید رنگ کا محل ملے وغیرہ (اور دنیا میں اس کے بعد کہ) توحید کی تعلیم اور بعثت انبیاء کے ذریعہ (اس کی اصلاح اور درستی کر دی گئی ہے، فساد مت پھیلاؤ) یعنی امور حقہ توحید وغیرہ کے ماننے اور ان پر چلنے سے عالم میں امن قائم ہوتا ہے تم ان کو چھوڑ کر نقض امن مت کرو (اور) جیسا تم کو اوپر خاص دعا کرنے کا حکم ہوا ہے اسی طرح بقیہ عبادات کا حکم کیا جاتا ہے کہ (تم اللہ تعالیٰ کی عبادت) جس طریق سے تم کو بتایا ہے (کیا کرو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور امیدوار رہتے ہوئے) یعنی عبادت کر کے نہ تو ناز ہو اور نہ مایوسی ہو۔ آگے عبادت کی ترغیب ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے)۔

(اور وہ) اللہ (ایسا ہے کہ اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ) بارش کی امید دلا کر دل کو (خوش کر دیتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس بادل کو کسی خشک زمین کی طرف ہانک لے جاتے ہیں، پھر اس بادل سے پانی برساتے ہیں، پھر اس پانی سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں) جس سے اللہ تعالیٰ کی توحید بھی ثابت ہوتی ہے اور مردوں کو زندہ کرنے پر قدرت بھی ثابت ہوتی ہے، اس لئے فرمایا (یوں ہی) قیامت کے روز (ہم مردوں کو) زمین سے (نکال کھڑا کریں گے) یہ سب اس لئے سنایا (تاکہ تم سمجھو)۔ اور قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اگرچہ سب کے لئے عام ہے مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے کم لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال اسی بارش سے سمجھو کہ بارش تو ہر زمین پر برستی ہے، مگر کھیتی اور درخت ہر جگہ نہیں پیدا ہوتے صرف ان زمینوں میں پیدا ہوتے ہیں جن میں صلاحیت ہے، اسی لئے فرمایا کہ (جو زمین ستھری ہوتی ہے اس کی پیداوار تو خدا کے حکم سے خوب نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس کی پیداوار) اگر نکلی بھی تو (بہت کم نکلتی ہے اسی طرح ہم) ہمیشہ (دلائل کو طرح طرح سے بیان کرتے رہتے ہیں) مگر وہ سب (انہی لوگوں کے لئے) نافع ہوتے ہیں (جو) ان کی (قدر کرتے ہیں) اور ان کو اپنی فلاح کی چیز سمجھ کر ان میں غور کرتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

فائدہ: 1- اللہ تعالیٰ کی تجلیات

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت کے دو اہم طریقے ہیں:

i- رسولوں کے ذریعہ۔

ii- تجلیات کے ذریعہ۔

تجلی کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کسی شے کو اپنی ذات کا عنوان اور اپنی معرفت کا اور اپنے احکام دینے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت اس شے کی اپنی مستقل حیثیت ختم ہو جاتی ہے یعنی بالکل نظر انداز کر دی جاتی ہے اس لئے جب اس حالت میں اس شے کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے تو اس سے خود وہ شے مقصود نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقصود ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شے خود خدا بن جاتی ہے یا خدا اس میں حلول کر جاتا ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھو۔ فرض کرو کہ بڑے جاہ وجلال والا ایک بادشاہ ہے جس تک ہر کسی کی رسائی نہیں ہے۔ اس بادشاہ نے ایک پبلک مقام میں ایک بڑا ٹیلی ویژن نصب کرا دیا اور اعلان کرا دیا

کہ میری رعایا فلاں وقت اس ٹیلی ویژن کے گرد جمع ہو جایا کرے اور اس وقت ٹیلی ویژن پر ان کو جو حکم دیا جائے اس پر عمل کو واجب سمجھے اور جس بات سے روکا جائے اس سے رک جائے۔ اس اعلان کے بعد بادشاہ اپنی منتظمہ کے افراد کو کہتا ہے کہ وہ اس مقام پر باادب حاضر ہوں اور ٹیلی ویژن پر وہ ان کو جو حکم دے وہ ان کو بجا لائیں۔ پھر مقرر وقت پر بادشاہ اپنا شاہی تاج پہن کر تخت پر بیٹھتا ہے اور ٹیلی ویژن براہ راست چلا دیا جاتا ہے۔ اب سکرین پر بادشاہ کی تصویر اور عکس آتا ہے۔ بادشاہ کسی کو قریب کرنے اور کسی کو دور کرنے کا حکم دیتا ہے، کسی کو انعام دینے اور کسی کو سزا دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس مثال میں ٹی وی پر سکرین پر جو صورت نظر آتی ہے یہی اس بادشاہ کی تجلی ہے۔ مادی اعتبار سے بادشاہ اور ہے اور اس کا عکس اور ہے لیکن ظاہری صورت کے اعتبار سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ ہی نے ان کو حکم دیا ہے اور سکرین پر عکس وتصویر ہونے کی مستقل حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کی طرف اشارہ سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ بعینہٖ بادشاہ کی طرف اشارہ ہے۔

اب اہم بات یہ ہے کہ جب تجلی سے مقصود تجلی کرنے والی ذات ہوتی ہے اور اسی کی طرف مکمل توجہ مطلوب ہوتی ہے اور تجلی والی شے کی اپنی ذاتی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے تو ذات تجلی کے ذریعہ جن باتوں کا اظہار چاہتی ہے اور ان کو نمایاں کرنے کا ارادہ کرتی ہے ان کی نسبت ذات ہی کی طرف کرنا مناسب ہے مثلاً جب اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی عرش پر قائم ہوئی ہے تو یہی کہنا حقیقت اور مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوئے۔

2- آسمان وزمین کی تدریجی تخلیق اللہ تعالیٰ کی شان کُنْ فَیَکُوْنُ کے منافی نہیں کیونکہ کُنْ فَیَکُوْنُ کا مطلب تو صرف اتنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گزارنے کا ارادہ نہیں کرتا اور ہر شے کو اسباب وعلل کے واسطوں کے بغیر ہی یکا یک پیدا کر دیتا ہے۔

ربط: حق کی اطاعت پر ترغیب وترہیب کے تفصیلی مضمون کے بعد اب کچھ واقعاتی شہادتیں ذکر کرتے ہیں کہ قوموں کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے رسول آئے لیکن ان قوموں نے ان رسولوں کو اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا تو بالآخر ان کو دنیا میں بھی عذاب نے پکڑا اور آخرت میں بھی وہ جہنم میں جائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ایک طویل زمانہ ایسا گزرا کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم

تھی۔ بت پرستی کی ابتداء یوں ہوئی کہ بعض بزرگوں کا انتقال ہو گیا جن کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنالیں تا کہ ان کے حالات اور عبادت وغیرہ کی یاد تازہ رہے۔ کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے بنا لئے حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد ان کی عبادت ہونے لگی۔ جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ
فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِىْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ
اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾
فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف پس کہا (نوح نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی۔ نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا۔ بولے سردار اس کی قوم کے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو کھلی گمراہی میں۔ کہا اے میری قوم نہیں مجھ میں کوئی گمراہی ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں رب العالمین کی جانب سے۔ میں پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات اپنے رب کے اور میں خیر خواہی کرتا ہوں تمہارے لئے اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ہو۔ کیا تم نے تعجب کیا (اس پر) کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد پر تم میں سے تا کہ وہ ڈرائے تم کو اور تا کہ تم ڈرو اور تا کہ تم رحم کئے جاؤ۔ پھر جھٹلایا انہوں نے اس کو پس بچا لیا ہم نے اس کو اور ان کو جو تھے اس کے ساتھ کشتی میں اور غرق کر دیا ہم نے

ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ بے شک وہ تھے لوگ اندھے۔

تفسیر: (ہم نے نوح) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے) اس قوم سے (فرمایا کہ اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں) اور بتوں کی پرستش چھوڑ دو۔ ان بتوں کے نام سورہ نوح میں مذکور ہیں یعنی وَدّ اور سُوَاع اور یَغُوث اور یَعُوق اور نَسْر (مجھ کو تم پر) میرا کہنا نہ ماننے کی صورت میں (ایک بڑے) سخت (دن کے عذاب کا اندیشہ ہے) کہ وہ یوم قیامت ہے یا دنیا میں عذاب کا دن ہے۔ (ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تم کو صریح غلطی) وگمراہی (میں) مبتلا (دیکھتے ہیں) کہ ہمارے ان معبودوں کو یکسر نظر انداز کر کے توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب کا محض فرضی ڈراوا دے رہے ہو۔ (انہوں نے) جواب میں (فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں تو ذرا بھی غلطی نہیں لیکن) چونکہ (میں پروردگار عالم کا) بھیجا ہوا (رسول ہوں) انہوں نے مجھ کو توحید پہنچانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں کہ (تم کو اپنے پروردگار کے پیغام) اور احکام (پہنچاتا ہوں) اور اس پہنچانے میں میری کوئی دنیوی غرض نہیں بلکہ محض (تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں) کیونکہ توحید میں تمہارا ہی نفع ہے۔ (اور) یوم عظیم کے عذاب سے جو تم کو تعجب ہوتا ہے تو تمہاری غلطی ہے کیونکہ (میں خدا کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کی تم کو خبر نہیں) تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بتا دیا ہے کہ ایمان نہ لانے سے عذاب یوم عظیم واقع ہوگا (اور) تم کو جو میرے رسول ہونے پر میرے بشر ہونے کی وجہ سے انکار ہے جیسا سورہ مؤمنون میں تصریح ہے مَاهٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً الخ یعنی یہ نہیں ہے مگر تم جیسا بشر، چاہتا ہے کہ فضیلت حاصل کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل کر دیتا۔ تو (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا) بشر (ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی) وہ نصیحت کی بات یہ ہے کہ جو مذکور ہوئی یعنی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ سے اِنِّىْٓ اَخَافُ (تاکہ وہ شخص تم کو) بحکم خداوندی عذاب سے (ڈرائے اور تاکہ تم) اس کے ڈرانے سے (ڈر جاؤ اور تاکہ) ڈرنے کی وجہ سے مخالفت چھوڑ دو جس سے (تم پر رحم کیا جائے سو) باوجود اس تمام تر فہمائش کے (وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح) علیہ السلام (کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے) طوفان کے عذاب سے (بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے) طوفان میں (غرق کر دیا بے شک وہ لوگ اندھے ہو رہے تھے) حق و باطل، نفع نقصان کچھ نہ سوجھتا تھا۔

فائدہ: 1۔ کشتی کا قصہ سورہ ہود میں آئے گا اور طوفان میں اہل کشتی کے علاوہ باقی سب کا

غرق ہو جانا سورہ نوح میں مذکور ہے۔

2۔ ایک قصہ کے مختلف الفاظ سے قرآن میں مذکور ہونے کی تحقیق و توجیہ اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انبیاء سے سب اقوال صادر ہوئے ہوں اور قوم میں سے کسی نے کچھ کہا ہو کسی نے کچھ کہا ہو یا مختلف مجالس میں گفتگو ہوئی ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد کا قصہ

عاد اصل میں ایک شخص کا نام ہے جو نوح علیہ السلام کی پانچویں نسل اور ان کے بیٹے سام کی اولاد میں ہے۔ پھر اس شخص کی اولاد اور پوری قوم عاد کے نام سے مشہور ہوگئی۔ قرآن کریم میں عاد کی ساتھ کہیں لفظ عاد اولیٰ اور کہیں اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ بھی آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کو ارم بھی کہا جاتا ہے۔ اور عاد اولیٰ کے مقابلہ میں کوئی عاد ثانیہ بھی ہے، اس کی تحقیق میں زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ عاد کے دادا کا نام اِرَم ہے اس کے ایک بیٹے یعنی عوص کا بیٹا عاد اول ہے اور ارم کے دوسرے بیٹے جثو کا بیٹا ثمود ہے یہ عاد ثانی کہلاتا ہے۔ عاد اول کی اولاد عاد اولی بھی کہلاتی ہے اور ثمود یعنی عاد ثانی کی اولاد ثمود اور عاد ثانیہ کہلاتی ہے۔

قوم عاد جو یمن میں رہتی تھی اس میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، بارش برسانے، تندرست کرنے اور مختلف حاجتوں کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے جن کی پرستش کرتے تھے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ

هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ

فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞۶۶ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞۶۷ اُبَلِّغُكُمْ

رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۞۶۸ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْۤا

اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞۶۹ قَالُوْۤا

اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ
فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدۡ وَقَعَ
عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ
سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ
فَانۡتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ
مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۲﴾ ع

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو۔ کہا (ہود نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ کیا پس تم ڈرتے نہیں ہو۔ بولے سردار جو کافر تھے ان کی قوم سے بے شک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو کم عقلی میں اور بلاشبہ ہم گمان کرتے ہیں تجھ کو جھوٹوں میں سے۔ کہا (ہود نے) اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں کم عقلی ولیکن میں بھیجا ہوا ہوں رب العالمین کی طرف سے۔ میں پہنچاتا ہوں تم کو پیغامات اپنے رب کے اور میں ہوں تمہارا خیر خواہ امانتدار۔ کیا تم نے تعجب کیا (اس پر) کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی جانب سے ایک مرد پر تم میں سے تاکہ وہ ڈرائے تم کو۔ اور یاد کرو جب (اللہ نے) بنایا تم کو نائب قوم نوح کے بعد اور زیادہ کیا تم کو (بدن کی) بناوٹ میں پھیلاؤ کے طور پر۔ سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو تاکہ تم کامیابی پاؤ۔ (سردار) بولے کیا تو آیا ہمارے پاس تاکہ ہم عبادت کریں اللہ کی اکیلے کی اور ہم چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے۔ پس تو لے آ ہمارے پاس وہ چیز دھمکی دیتا ہے تو ہم کو (جس کی) اگر تو ہے سچوں میں سے۔ کہا (ہود نے) واقع ہو چکا ہے تم پر تمہارے رب کی جانب سے عذاب اور غضب۔ کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے ان ناموں کے بارے میں رکھ لیا ہے جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل۔ سو انتظار کرو بلاشبہ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ پس بچا لیا ہم نے اس کو (یعنی ہود کو) اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے رحمت کے ساتھ اپنی جانب سے اور کاٹ دی ہم نے جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہیں تھے وہ ماننے والے۔

تفسیر: (اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے) برادری یا وطن کے (بھائی) حضرت (ہود) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں) اور بت پرستی چھوڑ دو جیسا آگے وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآءُ نَا سے معلوم ہوتا ہے (سو کیا تم) ایسے بڑے جرم عظیم یعنی شرک کے مرتکب ہو کر عذاب الٰہی سے (نہیں ڈرتے ان کی قوم میں جو سردار کافر تھے انہوں نے) جواب میں (کہا کہ ہم تم کو کم عقلی میں) مبتلا (دیکھتے ہیں) کہ توحید کی تعلیم کر رہے ہو اور عذاب سے ڈرا رہے ہو (اور ہم بیشک تم کو جھوٹے لوگوں میں سے سمجھتے ہیں) یعنی نعوذ باللہ نہ تو توحید کی بات صحیح ہے اور نہ عذاب کا آنا صحیح ہے (انہوں نے فرمایا کہ اے میری قوم مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن) چونکہ (میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں) انہوں نے مجھ کو توحید کی تعلیم دینے اور عذاب سے ڈرانے کا حکم کیا ہے اس لئے اپنا منصبی کام کرتا ہوں کہ (تم کو اپنے پروردگار کے پیغام) اور احکام (پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ امانت دار ہوں) کیونکہ توحید و ایمان میں تمہارا ہی نفع ہے (اور) تم جو میرے بشر ہونے کی وجہ سے میری نبوت کا انکار کرتے ہو جیسا سورہ ابراہیم میں قوم نوح و عاد و ثمود کے ذکر کے بعد ہے قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا یعنی تم تو محض ہماری طرح کے بشر ہو تو (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس کا) بشر (ہے کوئی نصیحت کی بات آ گئی) وہ نصیحت کی بات وہی ہے جو مذکور ہوئی یعنی يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ سے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ تک (تاکہ وہ شخص تم کو) عذاب الٰہی سے (ڈرائے) یعنی یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بشریت و نبوت آپس میں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں۔ اوپر اَفَلَا تَتَّقُوْنَ میں ڈراوا تھا آگے ترغیب ہے۔ (اور) اے قوم (تم یہ حالت یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد) روئے زمین پر (آباد کیا اور ڈیل ڈول میں تم کو پھیلاؤ) بھی (زیادہ دیا سو خدا تعالیٰ کی) ان (نعمتوں کو یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (تاکہ تم کو) ہر طرح کی (فلاح ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا) خوب (آپ ہمارے پاس اس واسطے آئے ہوں گے کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کریں اور جن) بتوں (کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے ہم ان) کی عبادت (کو چھوڑ دیں) یعنی ہم ایسا نہ کریں گے (اور ہم کو) نہ ماننے پر (جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو تو اس) عذاب (کو ہمارے پاس منگوا دو اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے فرمایا کہ) تمہاری سرکشی کی جب یہ حالت ہے تو (بس اب تم پر خدا کی طرف سے عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے) پس عذاب کے شبہ

کا جواب تو اس وقت معلوم ہو جائے گا۔ اور باقی توحید پر جو شبہ ہے کہ ان بتوں کو معبود کہتے ہو جن کا نام تو تم نے معبود رکھ لیا ہے، لیکن واقع میں ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے تو (کیا تم مجھ سے ایسے) بے حقیقت (ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو) یعنی وہ تو بس نام ہی نام ہیں (جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے) آپ ہی (ٹھہرالیا ہے) لیکن (ان کے معبود ہونے کی خدا تعالیٰ نے کوئی) نقلی یا عقلی (دلیل نہیں بھیجی)۔ یعنی جھگڑے میں مدعی کے ذمہ دلیل ہوتی ہے اور مقابل کی دلیل کا جواب بھی، سو تم نہ تو دلیل قائم کر سکتے ہو نہ میری دلیل کا جواب دے سکتے ہو پھر جھگڑے کا کیا معنی۔ (سو تم) اب جھگڑا ختم کرو اور عذاب الٰہی کے (منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ غرض) عذاب آیا اور (ہم نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو) یعنی مومنین کو (اپنی رحمت) و کرم (سے) اس عذاب سے (بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ تک کاٹ دی) یعنی بالکل ہلاک کر دیا (جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا اور وہ) انتہائی قساوت قلبی کی وجہ سے (ایمان لانے والے نہ تھے) یعنی اگر ہلاک بھی نہ ہوتے جب بھی ایمان نہ لاتے اس لئے ہم نے اس وقت کی حکمت کے تقاضے سے ان کا خاتمہ ہی کر دیا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا قصہ

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾
فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ
لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے) ثمود کی طرف انکے بھائی صالح کو۔ کہا (صالح نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ آ چکی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اللہ کی اونٹنی ہے (ظاہر کی گئی ہے) تمہارے لئے نشانی کے طور پر سو تم چھوڑ دو اس کو کہ کھاتی رہے اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگاؤ اس کو برائی کے ساتھ کہ (کہیں) پکڑے تم کو عذاب دردناک۔ اور یاد کرو جب (اللہ نے) بنایا تم کو نائب (قوم) عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تم کو زمین میں تم بناتے ہو اس کے نرم حصہ میں محل اور تراش کر بناتے ہو پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور مت فساد کرو زمین میں فسادی ہو کر۔ کہا سرداروں نے کہ جنہوں نے تکبر کیا ان کی قوم میں سے ان لوگوں سے جو کمزور (اور غریب) ہوئے (یعنی) ان کو جو ایمان لے آئے تھے ان (کی قوم) میں سے کیا تم (یقین کے ساتھ) جانتے ہو کہ صالح بھیجا ہوا ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انہوں نے (جواب میں) کہا بے شک ہم اس بات پر جو وہ دے کر بھیجا گیا ہے ایمان رکھنے والے ہیں۔ کہا ان لوگوں نے جنہوں نے تکبر کیا بے شک ہم اس بات کے ایمان لائے ہو تم جس پر منکر ہیں۔ پھر کاٹ ڈالا انہوں نے اونٹنی کو اور سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح لے آ تو ہمارے پاس جس کی تو دھمکی دیتا ہے ہم کو اگر تو ہے رسولوں میں سے۔ پس پکڑا ان کو زلزلہ نے اور ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔ پھر پلٹا (صالح) ان سے اور کہا اے میری قوم پہنچا دیا تھا میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری ولیکن تم پسند نہیں کرتے تھے خیر خواہی کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا

کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں)۔ انہوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر میں سے ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لائیں چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ آپ نے فرمایا کہ (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے) میرے رسول ہونے کی (ایک واضح دلیل آچکی ہے) آگے اس کا بیان ہے (یہ اونٹنی ہے اللہ کی جو تمہارے لئے دلیل) بنا کر ظاہر کی گئی (ہے) اور اسی لئے اللہ کی اونٹنی کہلائی کہ اللہ کی دلیل ہے (سو علاوہ اس کے کہ یہ میری رسالت پر دلیل ہے خود اس کے بھی کچھ حقوق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ (اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں) گھاس چارہ (کھاتی پھرا کرے) اسی طرح اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے جیسا دوسری آیت میں ہے (اور اس کو برائی) اور تکلیف دہی (کے ساتھ ہاتھ بھی مت لگانا کبھی تم کو دردناک عذاب آ پکڑے۔ اور) اے قوم (تم یہ حالت یاد کرو) اور یاد کر کے احسان مانو اور اطاعت کرو (کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو) قوم (عاد کے بعد) روئے زمین پر (آباد کیا اور تم کو زمین پر رہنے کو) دلخواہ (ٹھکانا دیا کہ نرم زمین پر) بھی بڑے بڑے (محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش تراش کر ان میں) بھی (گھر بناتے ہو سو خدا تعالیٰ کی) ان (نعمتوں کو) اور دوسری نعمتوں کو بھی (یاد کرو اور) کفر و شرک کے ذریعہ (زمین میں فساد مت پھیلاؤ) یعنی ایمان لے آؤ۔ مگر باوجود اس قدر فہمائش کے صرف کچھ غریب لوگ ایمان لائے جن سے قوم کے سرداروں نے استہزاء کے طور پر گفتگو کی یعنی (ان کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں سے جو کہ ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہا کہ) بڑے بڑے لوگ تو آج تک نہ سمجھے مگر (کیا تم کو معلوم ہو گیا کہ صالح) علیہ السلام (اپنے رب کی طرف سے) پیغمبر بنا کر (بھیجے ہوئے) آئے (ہیں انہوں نے) جواب میں (کہا کہ) صرف معلوم ہونا کیا وہ تو تم کو بھی ہے بلکہ ہم تو اس بات کو دل کی گہرائیوں سے مانتے ہیں اور ساتھ ہی (بلاشبہ ہم اس) ہر حکم (پر) بھی (پورا یقین رکھتے ہیں جو وہ دے کر بھیجے گئے ہیں) ان غریب مسلمانوں کے پختہ یقین و ایمان کو دیکھ کر وہ کھسیانے ہوئے اور (متکبر لوگ کہنے لگے کہ تم جس چیز پر یقین لائے ہوئے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں)۔

(غرض) نہ صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور نہ اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ اس اونٹنی سے بھی تنگ دل ہوئے کیونکہ وہ اونٹنی بہت ہی بڑے جسم والی تھی اس لئے جس جنگل میں وہ چرتی تھی دوسرے مویشی اس سے ڈر کر بھاگ جاتے اور جس کنویں میں پانی کی باری مقرر ہوتی اس کا تمام پانی پی جاتی لہٰذا اس روز دوسرے مویشیوں کو وہاں پانی نہ ملتا۔ لہٰذا انہوں نے (اس اونٹنی کو) بھی (مار ڈالا اور اپنے پروردگار) کے توحید ، رسالت (کے حکم) ماننے (سے) بھی (سرکشی کی) اور) اس پر یہ بیبا کی کہ

(کہنے لگے کہ اے صالح جس) عذاب (کی آپ ہم کو دھمکی دیتے تھے اس کو منگوایئے اگر آپ پیغمبر ہیں) کیونکہ پیغمبر کا سچا ہونا ضروری ہے (پس پکڑا ان کو زلزلہ نے سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے اس وقت صالح) علیہ السلام (ان سے منہ موڑ کر چلے اور) بطور حسرت کے فرضی خطاب کر کے (فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا) جس پر عمل کرنا موجب فلاح تھا (اور میں نے تمہاری) بہت (خیر خواہی کی) کہ کس طرح شفقت سے سمجھایا (لیکن) افسوس تو یہ ہے کہ (تم لوگ) اپنے (خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے) اس لئے ایک نہ سنی اور آخر روز بد دیکھا۔

فائدہ: ایک دوسری آیت میں صیحہ یعنی فرشتہ کے نعرہ سے ہلاک ہونا آیا ہے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ وہ نعرہ اتنا ہیبت ناک تھا کہ اس کی وجہ سے دلوں میں زلزلہ اور لرزہ پیدا ہوا اور مر گئے۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں۔ دونوں کا اصل وطن مغربی عراق میں بصرہ کے قریب ارض بابل کے نام سے معروف تھا اس میں بت پرستی کا عام رواج تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ خود بت پرستی میں مبتلا تھا۔ حق تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے ابراہیم علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ قوم نے مخالفت کی جس کی نوبت آتش نمرود تک پہنچی۔ خود والد نے گھر سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔

ان کے گھرانہ میں سے صرف ان کی زوجہ محترمہ حضرت سارہ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام مسلمان ہوئے۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ بالآخر انہیں دونوں کو ساتھ لے کر وطن سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ نہر اردن پر پہنچنے کے بعد بحکم خداوندی حضرت ابراہیم علیہ السلام علاقہ کنعان میں جا کر مقیم ہوئے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔

اور لوط علیہ السلام کو بھی حق تعالیٰ نے نبوت عطا فرما کر اردن اور بیت المقدس کے درمیان مقام سدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ یہ علاقہ پانچ شہروں پر مشتمل تھا جن کے نام سدوم، عمورہ، ادمہ، صبوییم اور بالع یا صوغر تھے۔ ان کے مجموعہ کو قرآن کریم نے مُؤتَفِکہ اور مُؤتَفِکات کے الفاظ میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ سدوم ان شہروں کا دارالحکومت اور مرکز سمجھا جاتا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے یہیں قیام فرمایا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ

بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً
مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ
قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ
يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾
وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا تم آتے ہو ایسی بے حیائی پر کہ نہیں سبقت کی تم پر اس بے حیائی کے ساتھ کسی نے بھی جہان والوں میں سے۔ تم تو آتے ہو مردوں کے پاس شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے۔ اور نہیں تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالو ان کو اپنی بستی سے۔ یہ لوگ ہیں (جو) بہت پاک صاف بنتے ہیں۔ پس بچالیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے، تھی وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ اور برسائی ہم نے ان کے اوپر (پتھروں کی) بارش پس دیکھ کیسا ہوا انجام مجرموں کا۔

تفسیر: (اور ہم نے لوط) علیہ السلام (کو) چند بستیوں کی طرف پیغمبر بنا کر (بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم) یعنی اپنی امت (سے فرمایا کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جس کو تم سے پہلے کسی نے دنیا جہان والوں میں سے نہیں کیا) یعنی (تم مردوں کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر) اور اس کام کے ارتکاب میں یہ نہیں کہ تم کو کوئی دھوکہ ہو گیا ہو (بلکہ) اس بارے میں (تم حد) انسانیت (ہی سے گزر گئے ہو۔ اور) ان باتوں کا (ان کی قوم سے کوئی) معقول (جواب نہ بن پڑا سوائے اس کے کہ) آخر میں بیہودگی کے طور پر (آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو) یعنی لوط علیہ السلام کو اور ان کے ساتھی مومنین کو (تم اپنی) اس (بستی سے نکال دو) کیونکہ (یہ لوگ بڑے پاک صاف بنتے ہیں) اور ہم کو گندہ سمجھتے ہیں پھر گندوں میں پاک لوگوں کا کیا کام، یہ بات انہوں نے بزاہ تمسخر کہی تھی (سو) جب یہاں تک نوبت پہنچی تو (ہم نے) اس قوم پر عذاب نازل کیا اور (لوط) علیہ السلام (کو اور ان کے متعلقین کو) یعنی ان کے گھر والوں کو اور دوسرے ایمان والوں کو بھی اس عذاب سے (بچالیا) اس طرح کہ وہاں سے نکل جانے کا پہلے ہی حکم ہو گیا (سوائے ان کی بیوی کے کہ وہ)

بوجہ ایمان نہ لانے کے (ان ہی لوگوں میں رہی جو پیچھے) عذاب میں (رہ گئے تھے اور) وہ عذاب جو ان پر نازل ہوا یہ تھا کہ (ہم نے ان پر ایک نئی طرح کا مینہ برسایا) کہ وہ پتھروں کی بارش تھی (سو) اے دیکھنے والے (دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا) اگر تو غور سے دیکھے گا تو تعجب کرے گا اور سمجھے گا کہ نافرمانی کا کیا انجام ہوتا ہے۔

فائدہ: دوسری آیتوں میں پتھروں کی بارش اور ان بستیوں کا الٹ دینا بھی مذکور ہے جس کا بیان ان آیات کی تفسیر کے ساتھ آئے گا انشاء اللہ تعالی۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

اس جگہ اہل مدین کی طرف ان کی بعثت مذکور ہے جب کہ قرآن میں دوسری جگہ اصحاب ایکہ کی طرف ان کا مبعوث ہونا مذکور ہے۔ ممکن ہے کہ ان دونوں سے ایک ہی قوم مراد ہو۔ ان کی قوم میں شرک کے علاوہ کم تولنے ناپنے کا مرض تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے توحید وغیرہ کی عام دعوت کے علاوہ خاص معاشرتی معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ
لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا
فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ
طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا
فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ
اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۚ ۝۸۸ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ
فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ
عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ
اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝۸۹ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۹۰ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۚ ۝۹۱ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ
لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝۹۲
فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ
لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝۹۳

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے) مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو۔ کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت اس کے سوا۔ آ چکی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی جانب سے سو پورا کرو ناپ کو اور تول کو اور مت نقصان کرو لوگوں کا ان کی چیزوں میں اور مت فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد۔ یہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ہو ایمان والے۔ اور مت بیٹھو رستوں پر کہ دھمکی دو اور روکو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لایا اللہ پر اور یہ کہ تم تلاش کرو اس (راہ) میں کجی کو۔ اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے پھر زیادہ کر دیا (اللہ نے) تم کو اور دیکھو کیسا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر ایک گروہ تم میں سے ایمان لایا اس پر بھیجا گیا ہوں میں جس کے ساتھ اور ایک گروہ نہیں ایمان لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ دے اللہ ہمارے درمیان اور وہ فیصلہ کرنے

والوں میں سب سے بہتر ہے۔ کہا سرداروں نے کہ جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے ضرور ہم نکال دیں گے تجھ کو اے شعیب اور ان کو جو ایمان لائے تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ کہا (شعیب نے) کیا اگرچہ ہم ہوں (اس بات کو) ناپسند کرنے والے۔ بے شک باندھا ہم نے اللہ پر جھوٹ اگر ہم لوٹ جائیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ نجات دی ہم کو اللہ نے (تمہارے) اس (دین) سے۔ اور نہیں ہے ہمارے لئے کہ ہم لوٹ جائیں اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ ہمارا رب۔ گھیر لیا ہمارے رب نے ہر شے کو علم سے۔ اللہ پر ہم نے توکل کیا۔ اے ہمارے رب فیصلہ کر دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ اور تو بہترین ہے فیصلہ کرنے والوں میں۔ اور کہا ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے اگر تم نے پیروی کی شعیب تو بے شک تم اس وقت نقصان اٹھانے والے ہوگے۔ پس پکڑا ان کو زلزلہ نے تو وہ ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا وہ بسے ہی نہ تھے ان میں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی ہوئے نقصان اٹھانے والے۔ پھر پلٹا وہ ان سے اور کہا اے میری قوم بے شک پہنچا دیئے تھے میں نے تم کو پیغامات اپنے رب کے اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری، پس کیسے میں افسوس کروں کافر قوم پر۔

تفسیر: (اور ہم نے مدین) والوں (کی طرف ان کے بھائی شعیب) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا۔ انہوں نے) اہل مدین سے (فرمایا کہ اے میری قوم تم) صرف (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) بننے کے قابل (نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے) میرے نبی ہونے پر (واضح دلیل آ چکی ہے) تو جب میری نبوت ثابت ہے (تو) احکام شرعیہ میں میرا کہنا مانو چنانچہ میں کہتا ہوں کہ (تم ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو اور لوگوں کا ان کی چیزوں میں نقصان مت کیا کرو) جیسا کہ تمہاری عادت ہے (اور روئے زمین میں اس کے بعد کہ) تعلیم و توحید اور بعثت انبیاء اور عدل و ادائے حقوق اور ناپ تول پورا کرنے کے حکم دے کر (اس کی درستی) تجویز (کر دی گئی فساد مت پھیلاؤ) یعنی ان احکام کی مخالفت اور کفر مت کرو کہ موجب فساد ہے (یہ) جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنا (تمہارے لئے) دنیا و آخرت دونوں میں (نافع ہے اگر تم) میری (تصدیق کرو) جس کے لئے دلائل موجود ہیں، اور تصدیق کر کے عمل کرو تو مذکورہ امور دنیا و آخرت میں نافع ہیں۔ آخرت میں تو ظاہر ہے کہ نجات ہوگی اور دنیا میں شریعت پر عمل کرنے

سے امن وانتظام قائم رہتا ہے، خاص کر پورا ناپنے تولنے سے اعتبار بڑھنے کے وجہ سے تجارت کو ترقی بھی ہوتی ہے (اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو) ایمان لانے پر (دھمکیاں دو اور) ان کو (اللہ کی راہ) یعنی ایمان (سے روکو اور اس) راہ (میں کجی) اور شبہات (کی تلاش میں لگے رہو) کہ بے جا اعتراض سوچ سوچ کر لوگوں کو بہکاؤ۔ یہ ممانعت اس لئے کی کہ یہ لوگ اپنی سابقہ گمراہی یعنی کفر کے ساتھ ساتھ گمراہ کرنے میں بھی مبتلا تھے کہ سڑکوں پر بیٹھ کر آنے والوں کو بہکاتے کہ شعیب علیہ السلام پر ایمان نہ لانا نہیں تو ہم تم کو مار ڈالیں گے۔ آگے نعمت یاد دلا کر ترغیب دیتے ہیں اور عذاب یاد دلا کر ڈراتے ہیں (اور اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم) تعداد میں اور مال میں (کم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو) تعداد اور مال میں (زیادہ کر دیا) لہٰذا خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کے حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور نعمتوں پر مغرور نہ ہو، (اور دیکھو تو کیسا برا انجام ہوا فساد) یعنی کفر و تکذیب و ظلم (کرنے والوں کا) جیسے قوم نوح اور عاد اور ثمود کے واقعات گزر چکے ہیں اسی طرح تم پر عذاب آنے کا اندیشہ ہے۔ (اور اگر) تم کو عذاب نہ آنے کا اس سے شبہ ہو کہ (تم میں سے بعضے) تو (اس حکم پر جس کو دے کر مجھ کو بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے) اور پھر بھی دونوں فریق ایک ہی حالت میں ہیں یہ نہیں کہ ایمان نہ لانے والوں پر عذاب آگیا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا عذاب سے ڈرانا بے اصل ہے (تو) اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ فوراً عذاب نہ آنے سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ عذاب آئے گا ہی نہیں (ذرا ٹھہر جاؤ یہاں تک کہ ہمارے) یعنی ہم دونوں فریق کے (درمیان میں اللہ تعالیٰ) عملی (فیصلہ کئے دیتے ہیں) یعنی عذاب نازل کر کے مومنین کو نجات دیں گے اور کفار کو ہلاک کریں گے (اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں) کہ ان کا فیصلہ بالکل مناسب ہی ہوتا ہے۔

(ان کی قوم کے متکبر سرداروں نے) جو یہ باتیں سنیں تو انہوں نے گستاخانہ (کہا کہ اے شعیب) یاد رکھئے (ہم آپ کو اور آپ کے ہمراہ جو ایمان والے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آ جاؤ) تو البتہ ہم کچھ نہ کہیں گے۔ یہ بات مومنین کو اس لئے کہی کہ وہ بھی ایمان قبول کرنے سے پہلے اسی طریق کفر پر تھے لیکن شعیب علیہ السلام کے حق میں باوجود اس حقیقت کے کہ انبیاء سے کبھی کفر صادر نہیں ہوتا اس لئے کہی کہ بعثت سے قبل ان کے سکوت سے وہ یہی سمجھتے تھے کہ ان کا اعتقاد بھی ہمارا جیسا ہو گا (شعیب) علیہ السلام (نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے

مذہب میں آ جائیں گے گو ہم) دلیل وبصیرت سے (اس کو مکروہ) اور قابل نفرت (ہی سمجھتے ہوں) یعنی جب اس کے باطل ہونے پر دلیل قائم ہے تو ہم کیسے اس کو اختیار کر لیں (ہم تو اللہ پر بڑی جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں اگر) خدا نہ کرے (ہم تمہارے مذہب میں آ جائیں) خصوصاً (اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو) کیونکہ اول تو مطلقاً کفر کو دین حق سمجھنا یہی اللہ پر تہمت لگانا ہے کہ یہ دین معاذ اللہ اللہ کو پسند ہے پھر خاص طور سے مؤمن کا کافر ہونا چونکہ علم اور دلیل سے حق کے قبول کے بعد ہے تو اس میں اور زیادہ تہمت ہے ایک تو وہی تہمت دوسری وہ تہمت کہ اللہ نے جو مجھ کو دلیل کا علم دیا تھا جس کو میں حق سمجھتا تھا وہ علم غلط دیا تھا۔ اور شعیب علیہ السلام نے لفظ عود یعنی پلٹ آنا یا تو دوسروں مسلمانوں کے اعتبار سے یا قوم کے گمان کو فرض کر کے یا قوم کے کہے کی مماثلت میں کہا (اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں پھر آ جائیں لیکن ہاں یہ کہ اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے) ہمارے (مقدر) میں (کیا ہو) جس کی مصلحت انہی کے علم میں ہے تو خیر اور بات ہے۔ (ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے) اس علم سے وہ سب تقدیر میں طے کردہ باتوں کی مصلحتوں کو جانتے ہیں مگر (ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں) اور بھروسہ کر کے یہ امید کرتے ہیں کہ وہ ہم کو دین حق پر ثابت رکھے۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ان کو اپنے خاتمہ بالخیر کا یقین نہ تھا کیونکہ انبیاء کو یہ یقین دیا جاتا ہے بلکہ مقصود اظہار عجز اور مالک کی طرف تفویض ہے اور اگر اس بات کو دوسرے مومنین کے اعتبار سے لیا جائے تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ یہ جواب دے کر جب دیکھا کہ ان سے خطاب کرنا بالکل مؤثر نہیں اور ان کے ایمان لانے کی بالکل امید نہیں ان سے خطاب ترک کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ (اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری) اس (قوم کے درمیان فیصلہ کر دیجئے حق کے موافق) اور آپ کا فیصلہ تو ہمیشہ حق کے موافق ہی ہوتا ہے۔ یعنی اب عملی طور پر حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیجئے (اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔ اور ان کی قوم کے) انہی مذکور (کافر سرداروں نے) شعیب علیہ السلام کی یہ بلیغ اور موثر تقریریں کر اندیشہ کیا کہ کہیں سامعین پر اس کا اثر نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے بقیہ کفار سے (کہا کہ اگر تم شعیب) علیہ السلام (کی راہ چلنے لگو گے تو بیشک بڑا نقصان اٹھاؤ گے) دین کا بھی کیونکہ باپ دادا کے مذہب کو چھوڑنا خسارہ ہے اور دنیا کا بھی اس لئے کہ پورا ناپنے تولنے میں بچت کم ہو گی۔ غرض وہ سب اپنے کفر وظلم پر جمے رہے۔ اب عذاب کی آمد ہوئی (پس ان کو زلزلہ نے پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے شعیب) علیہ السلام (کی تکذیب کی تھی) اور مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کو

آمادہ تھے خود (ان کی یہ حالت ہوگئی جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب) علیہ السلام (کی تکذیب کی تھی) اور ان کے اتباع کرنے والے کو خسارے والے بتلاتے تھے خود (وہی خسارہ میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیب) علیہ السلام (ان سے منہ موڑ کر چلے اور) بطور حسرت کے فرضی خطاب کر کے (فرمانے لگے کہ اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے) جن پر عمل کرنا ہر طرح کی فلاح کا سبب تھا (اور میں نے تمہاری) بڑی (خیر خواہی کی) کہ کس کس طرح سمجھایا مگر افسوس تم نے نہ مانا اور یہ روز بد دیکھا۔ پھر ان کے عناد و کفر وغیرہ کو یاد کر کے فرمانے لگے کہ جب انہوں نے اپنے ہاتھوں یہ مصیبت خریدی تو (پھر میں ان کافر لوگوں) کے ہلاک ہونے (پر کیوں رنج کروں)۔

ربط: اوپر جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا ان کے بارے میں اور ان کی طرح ہلاک ہونے والی دوسری قوموں کے بارے میں عذاب سے گرفت ہونے کا ضابطہ بیان فرماتے ہیں اور اس وقت کے کافروں کو اس ضابطہ سے متنبہ ہونے کو کہتے ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ
مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ
يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا
قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ
بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ
نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ
يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ

أَهْلِهَا أَنْ لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا ۚ
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا
مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا
لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَإِنْ وَّجَدْنَآ أَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے بستی والوں کو محتاجی اور بیماری کے ساتھ تاکہ وہ گڑگڑائیں۔ پھر بدل دیا ہم نے بدحالی کی جگہ خوشحالی کو یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے پہنچی تھی ہمارے باپ دادوں کو تنگی اور راحت تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک اور نہ وہ خبر رکھتے تھے۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو کھول دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان اور زمین کی ولیکن انہوں نے جھٹلایا پس پکڑا ہم نے ان کو بسبب اس کے جو وہ عمل کرتے تھے۔ کیا پس بے فکر ہو گئے بستیوں والے (اس سے) کہ آئے ان پر ہمارا عذاب راتوں رات جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا بے خوف ہو گئے بستیوں والے (اس سے) کہ آئے ان کے پاس ہمارا عذاب دن چڑھے جب کہ وہ کھیلتے ہوں۔ کیا بے ڈر ہو گئے اللہ کے داؤ سے۔ تو نہیں بے ڈر ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر لوگ نقصان اٹھانے والے۔ کیا نہیں رہنمائی کی ان لوگوں کی جو وارث ہوئے زمین کے اس کے رہنے والوں کے بعد (اس بات نے) کہ اگر ہم چاہتے تو پہنچتے ہم (عذاب لے کر) ان کے پاس بسبب ان کے گناہوں کے اور ہم نے مہر لگائی ہے ان کے دلوں پر سو وہ سنتے نہیں ہیں۔ یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کی کچھ خبریں۔ اور بے شک لائے ان کے پاس ان کے رسول معجزے۔ تو نہیں تھے وہ کہ ایمان لائیں اس بات پر (جس کو) جھٹلایا انہوں نے پہلے۔ اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر۔ اور نہیں پایا ہم نے ان کے اکثر لوگوں میں وعدہ وفائی اور پایا ہم نے اکثر لوگوں کو نافرمان۔

تفسیر: (اور ہم نے) اوپر مذکور اور ان کے علاوہ اور بھی دوسری بستیوں میں سے (کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے رہنے والوں کو) اس نبی کے نہ ماننے پر اول اول تنبیہ کی غرض

سے (ہم نے محتاجی اور بیماری میں پکڑا کہ وہ گڑگڑائیں) یعنی ڈھیلے پڑ جائیں اور اپنے کفر و تکذیب سے توبہ کریں (پھر) جب انہوں نے تنبیہات کا اثر قبول نہیں کیا تو اور خوشحالی بھیجی تا کہ یا تو احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل ہو جائیں اور سخت گرفت کے مستحق بن جائیں۔ غرض (ہم نے اس بدحالی کی جگہ خوش حالی بدل دی) یعنی سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر فراخی دی (یہاں تک کہ ان کو) غنا اور صحت کے ساتھ مال و اولاد میں (خوب ترقی ہوئی اور) اس وقت براہ کج فہمی (کہنے لگے کہ) وہ پہلی مصیبت ہم پر کفر و تکذیب کے سبب نہ تھی ورنہ پھر خوش حالی کیوں ہوتی بلکہ یہ اتفاقات زمانہ سے ہے چنانچہ (ہمارے آباؤ اجداد کو بھی) یہ دو حالتیں کبھی (تنگی اور) کبھی (راحت پیش آئی تھیں) اسی طرح ہم پر یہ حالتیں گزر گئیں۔ جب وہ اس بھول میں پڑ گئے (تو) اس وقت (ہم نے ان کو دفعۃً) مہلک عذاب میں (پکڑ لیا اور ان کو) اس عذاب کے آنے کی (خبر بھی نہ تھی) یعنی گو ان کو انبیاء نے خبر کی تھی مگر چونکہ وہ اس خبر کو غلط سمجھتے تھے اور عیش و آرام میں بھولے ہوئے تھے اس لئے ان کو گمان نہ تھا (اور) ہم نے جو ان کو مہلک عذاب میں پکڑا تو اس کا سبب صرف ان کا کفر اور مخالفت تھی ورنہ (اگر ان بستیوں کے رہنے والے) پیغمبروں پر (ایمان لے آتے اور) ان کی مخالفت سے (پرہیز کرتے تو ہم) بجائے ارضی و سماوی آفات کے (ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے) یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے پیداوار ان کو برکت کے ساتھ عطا فرماتے اور گو اس ہلاکت سے پہلے ایک حکمت سے ان کو خوش حالی دی گئی لیکن اس خوش حالی میں اس لئے برکت نہ تھی کہ آخر وہ وبال جان ہوگئی بخلاف ان نعمتوں کے جو ایمان و اطاعت کے ساتھ ملتی ہیں کہ ان میں یہ خیر و برکت ہوتی ہے کہ وہ وبال کبھی نہیں ہوتیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں، حاصل یہ کہ اگر وہ ایمان و تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کو بھی یہ برکتیں دیتے (لیکن انہوں نے تو) پیغمبروں کی (تکذیب کی تو ہم نے) بھی (ان کے اعمال) بد (کی وجہ سے ان کو مہلک عذاب میں پکڑ لیا) جس کو اوپر اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً سے تعبیر فرمایا ہے۔ آگے موجود کفار کو عبرت دلاتے ہیں (کیا) ان قصوں کو سن کر (پھر بھی ان) موجودہ (بستیوں کے رہنے والے) جو رسول اللہ ﷺ کے دور نبوت میں موجود ہیں (اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ ان پر) بھی (ہمارا عذاب شب کے وقت آ پڑے جس وقت وہ پڑے سوتے ہوں اور کیا ان) موجودہ (بستیوں کے رہنے والے) باوجود کفر و تکذیب کے جو کہ گذشتہ کفار کی ہلاکت کا سبب تھا (اس بات سے بے فکر ہو گئے ہیں کہ) ان گذشتہ کفار کی طرح (ان پر ہمارا عذاب دن دوپہر آ پڑے جس وقت کہ وہ اپنے لہو لعب

اور دنیوی کاروبار میں مشغول ہوں) ہاں (تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی اس) ناگہانی (پکڑ سے) جس کا اوپر بیان ہوا ہے (بے فکر ہو گئے سو) سمجھ رکھو کہ (خدا تعالیٰ کی پکڑ سے سوائے ان کے جن کی شامت ہی آ گئی ہو اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا)۔

آگے اس کی علت بتلاتے ہیں کہ ان کو عذاب سے کیوں ڈرنا چاہئے اور وہ علت ان کا سابقہ امتوں کے ساتھ کفر کے جرم میں شریک ہونا ہے (اور زمین پر رہنے والے سابقہ لوگوں کے بعد جو لوگ) اب (زمین پر بجائے ان کے رہتے ہیں کیا ان مذکورہ واقعات نے ان کو یہ بات) ابھی تک (نہیں بتائی کہ اگر ہم چاہتے تو ان کو) بھی سابقہ امتوں کی طرح (ان کے جرائم) کفر و تکذیب (کے سبب ہلاک کر ڈالتے) کیونکہ سابقہ امتیں ان ہی جرائم کے سبب ہلاک کی گئیں (اور) واقعی یہ واقعات تو ایسے ہی ہیں کہ ان سے سبق لینا چاہئے تھا لیکن اصل یہ ہے کہ (ہم ان کے دلوں پر بند لگائے ہوئے ہیں اس سے وہ) حق بات کو ماننا تو درکنار دل سے (سنتے) بھی (نہیں)۔ پس اس بند لگانے سے ان کی قساوت بڑھ گئی کہ ایسے عبرت خیز واقعات سے بھی عبرت نہیں ہوتی اور اس بند لگانے کا سبب انہی کا ابتداء میں کفر کرنا ہے، طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ. آگے رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لئے سارے مذکورہ مضمون کا خلاصہ ہے کہ (ان) مذکورہ (بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب) بستیوں میں رہنے والوں (کے پاس ان کے پیغمبر معجزات لے کر آئے تھے) مگر (پھر) بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ (جس چیز کو انہوں نے اول) وہلہ (میں) ایک بار (جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے) اور جیسے یہ دل کے سخت تھے (اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں اور) ان میں سے بعضے لوگ مصیبتوں میں ایمان لانے کا عہد بھی کر لیتے تھے لیکن (اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا) یعنی مصیبت کے دور ہو جانے کے بعد پھر ویسے کے ویسے ہی ہو جاتے تھے (اور ہم نے اکثر لوگوں کو) رسولوں کے بھیجنے اور معجزات دکھلانے اور دلائل بیان کرنے اور پختہ عہد لینے کے باوجود (نافرمان ہی پایا) پس کفار ہمیشہ سے ایسے ہی ہوتے رہے ہیں، آپ بھی غم نہ کیجئے۔

فائدہ: آیت لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ سے یہ مسئلہ نکلا ہے کہ عذاب الٰہی سے بے خوف ہونا کفر ہے کیونکہ قرآنی محاورہ میں خاسر سے اکثر کافر مراد ہوتا ہے۔ سورہ یوسف کی آیت لَا يَيْاَسُ مِن رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ سے اس مسئلہ کا دوسرا جزو ثابت ہوتا ہے یعنی خدا کی رحمت سے مایوسی بھی کفر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا
بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ
اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى
اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ
بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾
وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ
فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ
اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى
الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ
فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ
وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ
اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ
النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ
الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا
صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ
اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ
مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ
رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع

ترجمہ: پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس حق تلفی کی انہوں نے ان نشانیوں کی۔ سو دیکھ کیسا ہوا انجام مفسدوں کا۔ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون بے شک میں رسول ہوں رب العالمین کی جانب سے۔ لائق یہی ہے کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر سچی بات۔ لایا ہوں میں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی جانب سے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ کہا (فرعون نے) اگر تو آیا ہے کسی نشانی کے ساتھ تو لے آ اس کو اگر تو ہے سچوں میں سے۔ تب ڈالا (موسیٰ نے) اپنا عصا تو ناگہاں وہ تھا اژدھا کھلا۔ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اچانک وہ تھا سفید دیکھنے والوں کے لئے۔ کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے بلاشبہ یہ ہے جادوگر بڑا واقف، چاہتا ہے کہ نکالے تم کو تمہارے ملک سے پس کس بات کا تم حکم دیتے ہو۔ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج شہروں میں جمع کرنے والوں کو کہ لائیں وہ تیرے پاس ہر واقف جادوگر کو۔ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس (اور) کہا (کیا) ہمارے لئے اجر ہوگا اگر ہوئے ہم (ہی) غالب۔ (فرعون) بولا کہ ہاں اور بے شک تم ہو گے مقرب لوگوں میں سے۔ (جادوگر) بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ہوں ڈالنے والے۔ (موسیٰ نے) کہا تم ڈالو۔ تو جب انہوں نے ڈالا (تو) جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں پر اور خوفزدہ کیا ان کو اور لائے بڑا جادو۔ اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ تو ڈال اپنے عصا کو۔ تو ناگہاں وہ نگلنے لگا جو (جادوگروں نے) بنایا تھا۔ پس ظاہر ہو گیا حق اور جاتا رہا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ (فرعون اور اس کے سردار) مغلوب ہوئے اور پلٹے ذلیل ہو کر۔ اور گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) بولے ایمان لائے ہم رب العالمین پر (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔ کہا فرعون

نے ایمان لے آئے تم اس (موسیٰ) پر پیشتر اس کے کہ میں اجازت دوں تم کو۔ بلاشبہ یہ مکر ہے، کیا ہے تم نے اس کو شہر میں تا کہ تم نکالو اس سے اس کے رہنے والوں کو۔ تو عنقریب تم جان لو گے۔ ضرور میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف جانب سے پھر میں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو۔ (جادوگر) بولے بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ اور نہیں تو عیب پاتا ہم میں مگر یہی کہ ایمان لائے ہم اپنے رب کی نشانیوں پر جب وہ آگئیں ہمارے پاس، اے ہمارے رب بہا دے ہم پر صبر اور موت دے ہم کو اس حال میں کہ ہم اسلام والے ہوں۔

تفسیر: (پھر ان) مذکورہ پیغمبروں (کے بعد ہم نے) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (کو اپنے دلائل) یعنی معجزات (دے کر فرعون کے اور اس کے امراء کے پاس) ان کی ہدایت و تبلیغ کے لئے (بھیجا۔ سو) جب موسیٰ علیہ السلام نے وہ دلائل ظاہر کئے تو (ان لوگوں نے ان) معجزات (کا بالکل حق ادا نہ کیا) کیونکہ ان کا حق اور تقاضا یہ تھا کہ ایمان لے آتے (سو دیکھئے ان مفسدوں کا کیا) برا (انجام ہوا) کہ غرق اور ہلاک ہوئے۔ یہ تو پورے قصہ کا اجمال تھا۔ آگے تفصیل ہے یعنی (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے پاس جا کر (فرمایا کہ میں رب العالمین کی طرف سے) تم لوگوں کی ہدایت کے واسطے (پیغمبر) مقرر ہوا (ہوں)۔ جو مجھ کو جھوٹا بتلائے اس کی غلطی ہے کیونکہ (میرے لئے یہی لائق ہے کہ سوائے سچ کے خدا کی طرف کوئی بات منسوب نہ کروں)۔ اور میں رسالت کا خالی دعویٰ ہی نہیں کرتا بلکہ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی دلیل) یعنی معجزہ (بھی لایا ہوں) جو طلب کے وقت دکھلا سکتا ہوں (سو) جب میں دلیل کے ساتھ رسول ہوں تو میں جو کہوں اس کی اطاعت کرو۔ چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک یہ کہتا ہوں کہ (تو بنی اسرائیل کو) اپنی بیگار سے خلاصی دے کر (میرے ساتھ) ملک شام کو جو ان کا اصلی وطن ہے (بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ اگر آپ) من جانب اللہ (کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو اب پیش کیجئے اگر آپ) اپنے اس دعوے میں (سچے ہیں۔ بس آپ نے) فوراً (اپنا عصا) زمین پر (ڈال دیا سو دفعۃً وہ کھلا ایک اژدھا بن گیا) جس کے اژدھا ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں تھا یعنی وہ نظر بندی نہ تھی بلکہ حقیقت میں سانپ بن گیا تھا (اور) دوسرا معجزہ یہ ظاہر کیا کہ (اپنا ہاتھ) گریبان کے اندر بغل میں دبا کر (باہر نکال لیا سو وہ یکایک سب دیکھنے والوں کے روبرو بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا) کہ اس کو بھی سب نے دیکھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جو یہ عظیم معجزے ظاہر ہوئے تو فرعون نے بات کو بدلنے کے لئے

اہل دربار سے کہا کہ یہ شخص بڑا جادوگر ہے اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو سے تم لوگوں پر غالب آ کر یہاں کا رئیس ہو جائے اور تم کو یہاں آباد نہ رہنے دے سو اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے چنانچہ سورہ شعراء میں یہ قول فرعون کا منقول ہے۔ اس کو سن کر جیسا کہ بادشاہوں کے مصاحبوں کی عادت ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی ہوتی ہے فرعون کے قول کی تصدیق و موافقت کے لئے (قوم فرعون میں جو سردار) اور اہل دربار (لوگ تھے انہوں نے) ایک دوسرے سے (کہا کہ واقعی) جیسا ہمارے بادشاہ کہتے ہیں کہ (یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے) ضرور (یہ) ہی (چاہتا ہے کہ) اپنے جادو کے زور سے خود مع بنی اسرائیل کے رئیس ہو جائے اور (تم کو) اس وجہ سے کہ بنی اسرائیل کی نظر میں خار ہو (تمہاری) اس (سرزمین سے باہر کر دے سو تم لوگ) جیسا کہ بادشاہ دریافت کر رہے ہیں (کیا مشورہ دیتے ہو)۔

غرض آپس میں مشورے کر کے (انہوں نے) فرعون سے (کہا کہ آپ ان) موسیٰ علیہ السلام (کو اور ان کے بھائی) ہارون علیہ السلام (کو مہلت دیجئے اور) اپنی حدود سلطنت کے (شہروں میں چپڑاسیوں کو) حکم نامے دے کر (بھیج دیجئے کہ وہ) سب شہروں سے (سب ماہر جادوگروں کو) جمع کر کے (آپ کے پاس لا کر حاضر کر دیں)۔ چنانچہ ایسا ہی انتظام کیا گیا (اور وہ جادوگر فرعون کے پاس حاضر ہوئے) اور (کہنے لگے کہ اگر ہم) موسیٰ علیہ السلام پر (غالب آئے تو) کیا (ہم کو کوئی بڑا صلہ اور انعام (ملے گا، فرعون نے کہا کہ ہاں) انعام بھی بڑا ملے گا (اور) مزید برآں یہ ہوگا کہ (تم) ہمارے (مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے)۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی جانب سے اس کی اطلاع دی گئی اور مقابلہ کے لئے تاریخ معین ہوئی اور تاریخ پر سب ایک میدان میں جمع ہوئے۔ اس وقت (ان جادوگروں نے) موسیٰ علیہ السلام سے (عرض کیا کہ اے موسیٰ) ہم آپ کو اختیار دیتے ہیں (خواہ آپ) اول اپنا عصا میدان میں (ڈالئے) جس کو آپ اپنا معجزہ بتلاتے ہیں (اور یا) آپ کہیں تو (ہم ہی) اپنی رسیاں اور لاٹھیاں میدان میں (ڈالیں۔ موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کہ تم ہی) پہلے (ڈالو جب انہوں نے) اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو (ڈالا تو) جادو سے دیکھنے والے (لوگوں کی نظر بندی کر دی) جس سے وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی شکل میں لہراتی نظر آنے لگیں (اور ان پر ہیبت غالب کر دی اور ایک طرح کا بڑا جادو دکھلایا اور) اس وقت (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو) وحی کے ذریعہ سے (حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے) جیسا ڈالا کرتے ہیں (سو عصا کا ڈالنا تھا کہ اس نے اژدھا بن کر (ان کے سارے بنے بنائے کھیل کو نگلنا شروع کیا پس) اس وقت (حق) کا حق ہونا

(ظاہر ہو گیا اور انہوں نے) یعنی جادوگروں نے (جو کچھ بنایا تھا سب جاتا رہا پس وہ لوگ) یعنی فرعون اور اس کی قوم (اس موقع پر ہار گئے اور خوب ذلیل ہوئے) اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے (اور وہ جو جادوگر تھے وہ سجدہ میں گر گئے) اور پکار پکار کر (کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون) علیہما السلام (کا بھی رب ہے)۔

(فرعون) بڑا گھبرایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ساری رعایا ہی مسلمان ہو جائے اس لئے ایک مضمون گھڑ کر جادوگروں سے (کہنے لگا کہ ہاں تم موسیٰ) علیہ السلام (پر ایمان لائے ہو پیشتر اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں بیشک) معلوم ہوتا ہے کہ (یہ) جو کچھ بظاہر مقابلہ کے طور پر ہوا ہے (ایک کارروائی تھی جس پر تمہارا عمل درآمد ہوا ہے اس شہر میں) یعنی تمہاری یہ باہمی خفیہ سازش تھی کہ تم یوں کرنا ہم یوں کریں گے پھر اس طرح ہار جیت ظاہر کریں گے اور ملی بھگت کی یہ کارروائی اس لئے کی ہے (تاکہ تم سب) مل کر (اس شہر سے وہاں کے رہنے والوں کو باہر نکال دو) پھر اطمینان سے سب مل کر یہاں حکومت کرو۔ (سو) بہت اچھا (اب تم کو حقیقت معلوم ہوئی جاتی ہے) اور وہ یہ ہے کہ (میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی پر ٹانگ دوں گا) تاکہ دوسروں کو عبرت ہو (انہوں نے جواب دیا کہ) کچھ پرواہ نہیں (ہم مر کر) کسی برے ٹھکانے تو نہ جائیں گے بلکہ (اپنے مالک ہی کے پاس جائیں گے) جہاں ہر طرح امن و راحت ہے سو ہمارا نقصان ہی کیا ہے (اور تو نے ہم میں کونسا عیب دیکھا ہے) جس پر اس قدر شور وغل ہے (سوائے اس کے کہ ہم اپنے رب کے احکام پر ایمان لے آئے) سو یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ پھر اس سے اعراض کر کے حق تعالیٰ سے دعا کی کہ (اے ہمارے رب ! ہمارے اوپر صبر کا فیضان فرما) کہ اگر فرعون سختی کرے تو استقامت پر رہیں (اور ہماری جان حالت اسلام پر نکالئے) کہ اس کی سختی سے پریشان ہو کر کوئی بات ایمان کے خلاف نہ ہو جائے۔

فائدہ: 1۔ یہ جو فرمایا کہ ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو بینات یعنی دلائل و معجزات دے کر بھیجا تو ان سے مراد سانپ اور ہاتھ کے دو معجزے بھی ہیں اور دیگر اور نشانیاں بھی ہیں جن کا ذکر اس سورت کے سولھویں رکوع میں ہے۔

2۔ اس مقام پر اژدھا فرمایا اور دوسری آیتوں میں جانٌ یعنی پتلا سانپ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جثہ میں تو وہ اژدہے کی طرح تھا البتہ تیزی سے حرکت کرنے میں پتلے سانپ کی طرح تھا تو اس کو مجازاً جانٌ کہا۔

3۔ ساحروں نے رب العالمین کے بعد رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ کا اضافہ اس لئے کیا کہ فرعون اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا تو رب العالمین کا مصداق سننے والے اس کو نہ سمجھ جائیں۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ
يَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ
وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ
اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ
الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: اور کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے کیا تو چھوڑے (رکھے) گا موسیٰ کو اور اس کی قوم کو کہ وہ فساد مچائیں زمین میں اور چھوڑ دیں تجھے اور تیرے معبودوں کو۔ کہا (فرعون نے) ہم قتل کر ڈالیں گے ان کے بیٹوں اور زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو اور بلاشبہ ہم ان پر زور آور ہیں۔ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بے شک زمین اللہ کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (نیک) انجام (تو) متقیوں کے لئے ہے۔ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے) لوگوں نے کہا اذیت دیئے گئے ہم اس سے پہلے کہ تو آئے ہمارے پاس اور بعد اس کے کہ آیا تو ہمارے پاس۔ کہا (موسیٰ نے) قریب ہے تمہارا رب کہ ہلاک کرے تمہارے دشمن کو اور جانشین بنا دے تم کو زمین میں پھر دیکھے کیسے تم عمل کرتے ہو۔

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عظیم معجزہ منظر عام پر ظاہر ہوا اور جادوگر ایمان لے آئے اور بعضے اور لوگ بھی آپ کے تابع ہو گئے اس وقت (قوم فرعون کے سرداروں نے) جو کہ سلطنت کے سرکردہ تھے یہ دیکھ کر کہ بعضے آدمی مسلمان ہو گئے فرعون سے (کہا کہ کیا آپ موسیٰ) علیہ السلام (کو اور ان کی قوم) یعنی پیروی کرنے والوں (کو یوں ہی) آزاد (رہنے دیں گے کہ وہ ملک

میں فساد کرتے پھریں) فساد یہ کہ اپنا مجمع بڑھائیں جس کے اخیر میں بغاوت کا اندیشہ ہے (اور وہ) یعنی موسیٰ علیہ السلام (آپ کو اور آپ کے) تجویز کئے ہوئے (معبودوں کو ترک کئے رہیں) یعنی ان کے معبود ہونے کے منکر رہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم بھی ایسا ہی کرے یعنی آپ اس کا انتظام کیجئے (فرعون نے کہا کہ) سر دست یہ انتظام مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (ہم بھی ان لوگوں کے بیٹوں کو قتل کرنا شروع کردیں) تاکہ ان کا زور نہ بڑھنے پائے (اور) چونکہ عورتوں کے بڑھنے سے کوئی اندیشہ نہیں نیز ہم کو اپنے کام کاج کے لئے بھی ضرورت ہے اس لئے (عورتوں کو زندہ رہنے دیں اور ہم کو ہر طرح کا ان پر زور ہے) اس انتظام میں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

اس مجلس کی گفتگو کی خبر جو بنی اسرائیل کو پہنچی تو بڑے گھبرائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چارہ جوئی کی تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو) گھبراؤ مت (یہ زمین اللہ کی ہے جس کو چاہیں مالک) اور حاکم (بنائیں اپنے بندوں میں سے) سو چند روز کے لئے فرعون کو دے دی ہے (اور اخیر کامیابی ان ہی کو ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) سو تم ایمان وتقویٰ پر قائم رہو، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سلطنت تم ہی کو مل جائے گی۔ تھوڑے دنوں انتظار کی ضرورت ہے (قوم کے لوگ) انتہائی حسرت وحزن سے جس کا طبعی تقاضا تکرار شکوہ ہے (کہنے لگے کہ) حضرت (ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے آپ کی تشریف آوری کے قبل بھی) کہ فرعون بیگار لیتا تھا اور مدتوں ہمارے لڑکوں کو قتل کرتا رہا (اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی) کہ طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائی جارہی ہیں یہاں تک کہ اب پھر قتل اولاد کی تجویز ٹھہری ہے (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا) گھبراؤ مت (بہت جلد اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کردیں گے اور بجائے ان کے تم کو اس زمین کا حاکم بنادیں گے پھر تمہارا طرز عمل دیکھیں گے) کہ شکر وقدر وطاعت کرتے ہو یا بے قدری اور غفلت ومعصیت، اس میں ترغیب ہے طاعت کی اور ڈراوا ہے معصیت سے۔

فائدہ: اٰلِهَتَكَ سے یہ مراد ہے کہ فرعون نے اپنی صورت کے کچھ بت بنوا کر تقسیم کردیئے تھے کہ ان کو ہمارا نائب سمجھ کر ان کی عبادت کیا کرو۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ
يَذَّكَّرُوْنَ ۝١٣٠ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ
تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

عِندَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوۡا مَهۡمَا تَاۡتِنَا
بِهٖ مِنۡ اٰيَةٍ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۲﴾
فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ
وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۳۳﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا يٰمُوۡسَى ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا
عَهِدَ عِنۡدَكَ ۚ لَئِنۡ كَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرۡسِلَنَّ
مَعَكَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ۚ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰٓى
اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ يَنۡكُثُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ
فِى الۡيَمِّ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور پکڑ لیا ہم نے فرعون والوں کو قحطوں سے اور کمی سے پھلوں میں تاکہ وہ سمجھیں۔ پھر جب آئی ان پر خوشحالی کہنے لگے ہمارے لئے یہی (لائق) ہے۔ اور اگر پہنچے ان کو بدحالی تو نحوست بتاتے ہیں موسیٰ کی اور (ان کی) جو اس کے ساتھ ہیں۔ آگاہ ہو ان کی نحوست (کا سبب) تو صرف اللہ کے پاس ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے جو کچھ تو لائے گا ہمارے پاس کوئی نشانی کہ تو جادو کردے ہم پر اس کے ذریعہ تو نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔ پھر بھیجے ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن کا کیڑا اور مینڈک اور خون، نشانیاں کھلی کھلی پھر بھی انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے مجرم لوگ۔ اور جب واقع ہوتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ تو دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے جس کا وعدہ کیا ہے اس نے تجھ سے۔ اگر دور کردیا تو نے ہم سے عذاب کو تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور ہم ضرور بھیج دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب دور کردیا ہم نے ان سے عذاب کو ایک مدت تک کہ وہ پہنچنے والے تھے اس (مدت) کو تو اچانک وہ عہد شکنی کرنے لگتے۔ پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے، سو غرق کردیا ہم نے ان کو دریا میں اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور وہ تھے ان سے غافل۔

تفسیر: (اور) جب فرعون اور اس کے پیروکاروں نے انکار و مخالفت پر کمر باندھی تو (ہم نے) فرعون کو اور (فرعون والوں کو) ان عذابوں میں (مبتلا کیا قحط سالی میں اور پھلوں کی پیداوار کی کمی میں تاکہ وہ) حق بات کو (سمجھ جائیں) اور سمجھ کر قبول کر لیں (سو) وہ پھر بھی نہ سمجھے بلکہ یہ کیفیت تھی کہ (جب ان پر خوشحالی) یعنی ارزانی و پیداواری (آ جاتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے لئے ہونا ہی چاہئے) یعنی ہم خوش قسمت ہیں اور یہ ہماری خوش بختی کا اثر ہے، یہ نہ کیا کہ اس کو خدا کی نعمت سمجھ کر شکر بجا لاتے اور اطاعت اختیار کرتے (اور اگر ان کو کوئی بدحالی) جیسے قحط و کم پیداواری (پیش آتی تو موسیٰ) علیہ السلام (اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتلاتے) کہ یہ ان کی نحوست سے ہوا، یہ نہ کیا کہ اس کو اپنے اعمال بد یعنی کفر و تکذیب کی شامت اور سزا سمجھ کر تائب ہو جاتے حالانکہ یہ سب ان کی شامت اعمال تھی، جیسا کہ فرماتے ہیں کہ (یاد رکھو کہ ان کی) اس (نحوست) کا سبب (اللہ کے علم میں ہے) یعنی ان کے اعمال کفریہ تو اللہ کو معلوم ہیں یہ نحوست انہی اعمال کی سزا ہے (لیکن) اپنی بے عقلی سے (ان میں اکثر لوگ) اس کو (نہیں جانتے تھے اور) بلکہ اوپر سے (یوں کہتے ہیں) کہ خواہ (کیسی ہی عجیب بات ہمارے سامنے لاؤ کہ اس کے ذریعے سے ہم پر جادو چلاؤ جب بھی ہم تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے) جب انہوں ایسی سرکشی اختیار کی تو (پھر ہم نے) قحط سالی اور پیداوار میں کمی کے علاوہ یہ بلائیں مسلط کیں کہ (ان پر) کثرت بارش کا (طوفان بھیجا) جس سے مال و جان تلف ہونے کا اندیشہ ہو گیا (اور) اس سے گھبرائے تو موسیٰ علیہ السلام سے عہد و پیمان کیا کہ ہم سے یہ بلا دور کرا دیجئے تو ہم ایمان لے آئیں گے اور آپ جو کہیں گے اطاعت کریں گے۔ پھر جب وہ بلا دور ہوئی اور مرضی کے مطابق غلہ وغیرہ نکلا پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو جان بھی بچ گئی مال بھی خوب ہو گا اور بدستور اپنے کفر و طغیان پر اڑے رہے تو ہم نے ان کے کھیتوں پر (ٹڈیاں) مسلط کیں (اور) جب پھر کھیتوں کو تباہ ہوتے دیکھا تو گھبرا کر پھر ویسے ہی عہد و پیمان کئے اور پھر جب آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہوئی اور غلہ وغیرہ تیار کر کے اپنے گھر لے آئے پھر بے فکر ہو گئے کہ اب تو غلہ قابو میں آ گیا اور بدستور اپنے کفر و مخالفت پر جمے رہے تو ہم نے اس غلہ میں (گھن کا کیڑا) پیدا کر دیا (اور) جب گھبرا کر پھر اسی طرح عہد و پیمان کر کے دعا کرائی اور وہ بلا بھی دور ہوئی اور اس سے مطمئن ہو گئے کہ اب پیس کوٹ کر کھائیں پئیں گے، پھر وہی کفر اور وہی مخالفت، تو اس وقت ہم نے ان کے کھانے کو یوں بے لطف کر دیا کہ ان پر (مینڈک) ہجوم کر کے ان کے کھانے کے برتنوں میں ہنڈیوں میں گرنا شروع ہوئے جس سے سب کھانا غارت ہوا اور ویسے بھی گھر میں بیٹھنا مشکل کر دیا اور پینا یوں بے لطف کر دیا کہ ان کا

پانی (خون) ہو جاتا، منہ میں لیا اور خون بنا، غرض ان پر یہ بلائیں مسلط ہوئیں (کہ یہ سب) موسیٰ علیہ السلام کے (کھلے کھلے معجزے تھے) کہ ان کی تکذیب ومخالفت پر ان کا ظہور ہوا۔ اور یہ ساتوں، عصا اور ید بیضاء ملا کر آیات تسعہ یعنی نو نشان کہلاتے ہیں (سو) چاہئے تھا کہ ان معجزات وآیات قہر کر دیکھ کر ڈھیلے پڑ جاتے مگر (وہ) پھر بھی (تکبر) ہی (کرتے رہے اور وہ لوگ کچھ تھے ہی جرائم پیشہ) کہ اتنی سختی پر بھی باز نہ آتے تھے (اور جب ان پر) مذکورہ بلاؤں میں سے (کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے، اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے) یعنی یہ کہ اگر ہم باز آ جائیں تو ہم سے قہر دور کر دیا جائے گا، سو ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ (اگر آپ اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیں) یعنی دعا کر کے ہٹوا دیں (تو ہم ضرور ضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے پھر جب) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی برکت سے (ان سے اس عذاب کو ایک خاص وقت تک کہ اس تک ان کو پہنچنا تھا ہٹا دیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے) جیسے اوپر بیان ہوا۔ (پھر) جب ہر ہر طرح دیکھ لیا کہ وہ اپنی شرارت سے باز ہی نہیں آتے تب اس وقت (ہم نے ان سے) پورا (بدلہ لیا یعنی ان کو دریا میں غرق کر دیا) جیسا دوسری جگہ ہے (اس سبب سے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے بالکل ہی بے توجہی کرتے تھے) اور تکذیب وغفلت بھی ایسی ویسی نہیں بلکہ اصرار وعناد کے ساتھ کہ اطاعت کا وعدہ کر لیں اور توڑ دیں۔

فائدہ: اَجَلٍ هُمْ بَالِغُوْهُ سے مراد دوسری بلا اور آفت کی آمد سے پہلے پہلے کا وقت ہے کہ اس وقت تک وہ آفت ٹل جاتی پھر دوسری آفت جو آفت ہونے میں گویا بعینہ پہلی ہے مسلط ہو جاتی۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے زمین کے مشرق کا اور اس کے مغرب کا وہ (مشرق ومغرب) کہ برکت رکھی ہم نے جن میں، اور پورا ہو گیا وعدہ تیرے رب کا اچھا بنی اسرائیل پر، بسبب ان کے صبر کرنے کے، اور خراب کر دیا

ہم نے جو کچھ بناتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور جو وہ اونچا کر کے چھاتے تھے۔

تفسیر: (اور) فرعون اور اہل فرعون کو غرق کر کے (ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے) یعنی بنی اسرائیل کو (اس سرزمین کے مشرق ومغرب) یعنی تمام حدود (کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے) ظاہری برکت کثرت پیداوار سے اور باطنی برکت اس سے تھی کہ وہ جگہ انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن تھی (اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا) جس کا حکم انہیں اِصْبِرُوْا سے دیا گیا تھا (اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے بنائے ہوئے ڈھونگ کو) جو انہوں نے اپنے تکبر اور نخوت کے اظہار کے لئے بنا رکھا تھا (اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا)۔

فائدہ: اس سرزمین سے مراد مصر ہے۔ بعض نے شام مراد لیا ہے اور بعض نے دونوں کا مجموعہ مراد لیا ہے۔

ربط: اب تک ان قوموں کے قصوں کو واقعاتی شہادت کے طور پر ذکر کیا جو کفر پر تھیں اور رسولوں کی تبلیغ کے باوجود کفر وتکذیب پر بضد رہیں یہاں تک کہ ان کو عذاب نے آ پکڑا۔ آگے ایسے لوگوں کے واقعات ذکر کرتے ہیں کہ جو اہل ایمان تھے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے بڑے احسانات کئے لیکن جب انہوں نے بھی رسولوں کی ہدایت سے منہ موڑا اور کسی بھی نصیحت کو نہ مانا تو ان پر بھی طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ سب سے پہلے اس قوم پر اپنے کچھ بڑے بڑے احسانات گناتے ہیں۔

پہلا احسان

بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کے لوگوں سے نجات دی

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ
الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا
یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰـهًا کَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ
تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾
قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْکُمْ اِلٰـهًا وَّهُوَ فَضَّلَکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾
وَاِذْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَکُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ

يُقَتِّلُونَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ: اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو وہ آئے ایسی قوم پر جو لگے بیٹھے تھے اپنے بتوں کو، کہنے لگے اے موسیٰ بنا دے ہمارے لئے (مجسم) معبود جیسا کہ ان کے لئے معبود ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) بلاشبہ تم لوگ ہو جو جہالت کرتے ہو۔ بے شک یہ لوگ (ہیں) تباہ کیا جانے والا ہے وہ کام جس میں یہ ہیں اور باطل ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ کہا (موسیٰ نے) کیا اللہ کے سوا کو میں ڈھونڈوں تمہارے لئے معبود حالانکہ اس نے فضیلت دی تم کو جہان والوں پر۔ اور جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے وہ تم کو برا عذاب (کہ) قتل کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو، اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

تفسیر: (اور) جس دریا میں فرعون کو غرق کیا گیا (ہم نے بنی اسرائیل کو) اس (دریا سے پار اتار دیا) جس کا قصہ سورہ شعراء میں ہے (پھر) پار ہونے کے بعد (ان لوگوں کا ایک قوم پر گذر ہوا جو اپنے چند بتوں) کی پرستش (کو لگے بیٹھے تھے) اور ان کی پوجا پاٹ کر رہے تھے (کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک) مجسم (معبود ایسا ہی مقرر کر دیجئے جیسے ان کے یہ معبود ہیں، آپ نے فرمایا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے، یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں) یہ من جانب اللہ بھی (تباہ کیا جائے گا) جیسا کہ اللہ کی عادت ہمیشہ سے جاری ہے کہ حق کو باطل پر غالب کر کے اس کو درہم برہم کر دیتے ہیں (اور ان کا یہ کام محض بے بنیاد ہے) کیونکہ شرک کا باطل ہونا یقینی و بدیہی ہے، اور (فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو تمہارا معبود بنا دوں حالانکہ اس نے تم کو) بعض نعمتوں میں (تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی ہے اور) اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی تائید کے لئے ارشاد فرمایا کہ (وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں) کے ظلم و ایذاء (سے بچا لیا جو تم کو بڑی سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے) کہ (تمہارے بیٹوں کو بکثرت قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو) اپنی بیگار اور خدمت کے لئے (زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس) واقعہ (میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی بھاری آزمائش تھی)۔ ویسے تو اور بھی بہت سے احسان ہیں لیکن اگر یہی ایک یاد رکھو تو احسان ماننے کو بہت ہے لیکن تم نے کیا اچھا احسان مانا کہ شرک پر آمادہ ہو گئے۔

فائدہ: ان کی بے ہودہ درخواست کی یہ وجہ نہیں تھی کہ ان کو توحید میں شک ہوا بلکہ وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے انتہائی جہل سے یہ سمجھے کہ نظر نہ آنے والے خدا کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اگر کسی محسوس چیز کو ذریعہ بنایا جائے تو یہ چیز دیانت و دینداری کے منافی نہیں ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقرب زیادہ ہے۔ چونکہ یہ خیال بھی فی نفسہ عقل و نقل کی رو سے غلط ہے اس لئے اس کو جہل کہا۔

دوسرا احسان:

بنی اسرائیل کو تورات ملی اور ان کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ
هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴۲﴾
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ
اِلَیْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا
وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ
وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی
النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً
وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا
بِاَحْسَنِهَا ؕ سَاُورِیْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ
الَّذِیْنَ یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ
سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۗ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۗ هَلْ يُجْزَوْنَ
اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور تتمہ بنایا ہم نے انکا دس (راتوں) کے ساتھ پس پورا ہو گیا اس کے رب کا وقت چالیس راتیں۔ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے تو نائب بن میرا میری قوم میں اور اصلاح کرتا رہ اور مت پیروی کر رستے کی مفسدوں کے۔ اور جب آیا موسیٰ ہمارے وقت پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے تو کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب تو دکھا مجھ کو کہ میں دیکھوں تیری طرف۔ فرمایا ہرگز نہیں تو دیکھ سکتا مجھ کو۔ لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف پس اگر وہ ٹھہرا رہے اپنی جگہ پر تو تو دیکھ لے گا مجھ کو۔ پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ پر کر دیا (تجلی نے) اس (پہاڑ) کو زمین کے برابر۔ اور گر گیا موسیٰ بے ہوش ہو کر۔ پھر جب افاقہ ہوا تو کہا تو پاک ہے۔ توبہ کی میں نے تیری طرف اور میں ہوں سب سے پہلا ماننے والوں میں۔ ماننے والوں میں (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ بے شک چن لیا میں نے تجھ کو لوگوں پر اپنے پیغاموں کے ساتھ اور اپنے کلام کے ساتھ پس لے لے جو دیا میں نے تجھ کو اور رہ شکر گزاروں میں سے۔ اور لکھ دی ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں پر ہر بات نصیحت کی اور تفصیل ہر چیز کی۔ پس لے ان کو مضبوطی سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ وہ پکڑے رہیں اس کی اچھی باتوں کو۔ عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں فاسقوں کا گھر۔ میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ اور اگر وہ دیکھیں تمام نشانیاں نہ ایمان لائیں ان پر اور اگر دیکھیں ہدایت کا راستہ تو نہ پکڑیں اس کو رستہ اور اگر دیکھیں گمراہی کا رستہ تو پکڑیں اس کو رستہ۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غافل۔ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو ضائع ہو گئے ان کے اعمال، نہیں بدلہ دیئے جائیں گے مگر (اس کا) جو وہ عمل کرتے تھے۔

تفسیر: (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (سے تیس راتوں کا وعدہ کیا) کہ ان میں کوہ طور پر آ کر اعتکاف کریں تو آپ کو شریعت کی کتاب تورات دی جائے گی (اور) مزید (دس راتوں کو ان) تیس راتوں (کا تتمہ بنا دیا) یعنی تورات دے کر ان تیس راتوں میں دس راتیں عبادت کے لئے اور بڑھا دیں جس کی وجہ سورہ بقرہ میں ذکر ہو چکی ہے۔ (اس طرح ان کے پروردگار کا) مقرر کیا ہوا (وقت) سب مل کر (پوری چالیس راتیں ہو گیا۔ اور موسیٰ) علیہ السلام کوہ طور آنے لگے تو چلتے وقت انہوں (نے اپنے بھائی ہارون) علیہ السلام (سے کہہ دیا تھا کہ میرے بعد ان لوگوں کا انتظام رکھنا اور) ان کی (اصلاح کرتے رہنا اور بدنظم لوگوں کی رائے پر عمل نہ کرنا)۔

(اور جب موسیٰ) علیہ السلام اس واقعہ میں (ہمارے وقت) موعود (پر آئے) جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے (اور ان کے رب نے ان سے) بہت سی لطف و عنایت کی (باتیں کیں تو) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شدید خوشی ہوئی جس سے دیدار کا شوق بھی پیدا ہوا (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں، ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو) دنیا میں (ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کیونکہ یہ دنیوی آنکھیں تاب جمال نہیں لا سکتیں (لیکن) تمہاری تشفی کے لئے یہ تجویز کرتے ہیں کہ (تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو) ہم اس پر ایک جھلک ڈالتے ہیں (سو اگر یہ اپنی جگہ برقرار رہا تو) خیر (تم بھی دیکھ سکو گے) غرض موسیٰ علیہ السلام اس کی طرف دیکھنے لگے (پھر ان کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس) پہاڑ (کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ) علیہ السلام (بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب افاقہ میں آئے تو عرض کیا بیشک آپ کی ذات) ان آنکھوں کی برداشت سے (منزہ) اور بلند (ہے میں آپ کی جناب میں) اس مشتاقانہ درخواست سے (معذرت کرتا ہوں اور) جو کچھ حضور کا ارشاد ہے کہ لَنْ تَرٰىنِیْ (سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں، ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ) یہی بہت ہے کہ (میں نے) تم کو (اپنی) طرف سے (پیغمبری) کا عہدہ دے کر (اور اپنی ہم کلامی) کا شرف بخش کر اس (سے اور لوگوں پر تم کو امتیاز دیا ہے تو) اب (جو کچھ تم کو میں نے عطا کیا ہے) یعنی رسالت و ہم کلامی اور توریت (اس کو لو اور شکر کرو۔ اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی) ضروری (نصیحت اور) احکام کے متعلق (ہر چیز کی تفصیل ان کو لکھ کر دی) یہی تختیاں تورات ہیں، پھر حکم ہوا کہ جب یہ تختیاں ہم نے دی ہیں (تو ان کو کوشش کے ساتھ) خود بھی (عمل میں لاؤ اور اپنی قوم کو) بھی (حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر) یعنی سب پر کہ سب ہی اچھے ہیں (عمل کریں) اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اور اگر انہوں نے نافرمانی کی اور کتاب کی قدر نہ کی تو (میں اب بہت جلد

تم لوگوں کو) یعنی بنی اسرائیل کو ان میں سے (نافرمانی کرنے والوں کا گھر دکھا دوں گا) یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی و رسوائی۔

آگے نافرمانوں کی اور ان کی سزا کی کچھ تفصیل بیان کرتے ہیں کہ (میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو دنیا میں) احکام ماننے سے (تکبر کرتے ہیں جس کا ان کو کوئی حق حاصل نہیں) کیونکہ اپنے کو بڑا سمجھنا صرف اس کا حق ہے جو واقع میں بڑا ہو، اور وہ ایک خدا کی ذات ہے (اور) برگشتگی کا ان پر یہ اثر ہوگا کہ (اگر تمام) دنیا بھر کی (نشانیاں) بھی (دیکھ لیں تب بھی) انتہائی قساوت کی وجہ سے (ان پر ایمان نہ لائیں اور) پھر برگشتگی اس درجہ کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ (اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اس کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنا لیں) اس درجہ کی برگشتگی یہ (اس سبب سے ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو) تکبر کی وجہ سے (جھوٹا بتلایا اور ان) کی حقیقت میں غور کرنے (سے غافل رہے) یہ سزا تو دنیا میں ہوئی کہ ہدایت سے محروم رہے (اور) آخرت میں یہ سزا ہوگی کہ (یہ لوگ جنھوں نے ہماری آیتوں کو اور قیامت کے پیش آنے کو جھٹلایا ان کے سب اعمال) جن سے ان کو نفع کی توقع تھی (غارت گئے) اور اعمال کی اس غارتگری کا انجام جہنم ہے (ان کو وہی سزا دی جائے گی جو کچھ یہ کرتے تھے) یعنی ان کا کفر اسی کا تقاضا کرتا تھا۔

فائدہ: 1۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے کلام فرمایا مگر یہ کہ اس کی حقیقت کیا تھی؟ امام ابوالحسن اشعریؒ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کو سنا اگرچہ یہ عام عادت کے خلاف ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی آواز سنی جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی پر دلالت کر رہی تھی۔

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دیدار سے متعلق درخواست دنیا میں اس کے امکان عقلی کی دلیل ہے۔

3۔ پہاڑ پر تجلی ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور خاص اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی وجہ سے مخلوقات سے محجوب اور پردے میں ہے اور محجوب ہونے کے جو ذرائع اور واسطے ہیں ان کا تعین کے ساتھ علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ غالباً ان میں سے صرف چند ایک حجاب اٹھائے گئے اور وہ بھی پہاڑ کے حق میں۔

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بے ہوشی اس وجہ سے نہ تھی کہ ان پر تجلی ہوئی کیونکہ یہ بظاہر

لِلْجَبَلِ کے خلاف ہے بلکہ پہاڑ پر تجلی سے جو اس کی حالت ہوئی اس کو دیکھ کر بے ہوش ہوئے۔

5- فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ سے استقرار ثابت ہونے پر دیدار کا وقوع اور عدم استقرار ہونے پر دیدار کا واقع نہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ ان میں باہم کیا تعلق ہے؟ تو عدم استقرار اور دیدار کے عدم وقوع میں یہ تعلق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حاسہ بصر مادی ترکیب میں پہاڑ سے بہت کمزور اور نازک ہے۔ جب بہت قوی و سخت کو تحمل نہ ہوا تو انتہائی کمزور کیونکر اس کو برداشت کر سکے گا۔ اور اگر پہاڑ برداشت کر لے تو اس سے عقلاً یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمزور حاسہ بصر بھی اس کو برداشت کر سکے، لیکن یہاں باری تعالیٰ کی جانب سے وعدہ ہے کہ اگر پہاڑ نے برداشت کر لیا تو تمہارے حاسہ بصر کو بھی اس کی برداشت کی قوت عطا کر دی جائے گی۔

تیسرا احسان

بنی اسرائیل کی شرک سے توبہ قبول فرمائی

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ
حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ
وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا
سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ
یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ
مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ
مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ
وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ
رَحْمَتِكَ ۖؗ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ
سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَكَذٰلِكَ

نَجۡزِی الۡمُفۡتَرِیۡنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیۡنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوۡا مِنۡ
بَعۡدِهَا وَاٰمَنُوۡۤا ۫ اِنَّ رَبَّکَ مِنۡۢ بَعۡدِهَا لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا
سَکَتَ عَنۡ مُّوۡسَی الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۚۖ وَفِیۡ نُسۡخَتِهَا
هُدًی وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِیۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ یَرۡهَبُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیورات سے بچھڑا (اس کا) ایک بدن کہ اس کی (گائے کی) آواز تھی۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ وہ نہ کلام کرتا ہے ان سے اور نہ دکھاتا ہے ان کو راہ۔ بنا لیا انہوں نے اس کو اور تھے وہ ظالم۔ اور جب وہ نادم ہوئے اور سمجھے کہ بے شک وہ گمراہ ہوئے تو کہنے لگے اگر نہیں رحم کیا ہم پر ہمارے رب نے اور (نہیں) بخشا ہم کو تو ہم ضرور ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں میں سے۔ اور جب لوٹا موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرا ہوا رنجیدہ کہا بری ہے جو نیابت کی تم نے میری میرے پیچھے۔ کیا جلد بازی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے۔ اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑا اپنے بھائی (ہارون) کا سر، کھینچنے لگا اس کو اپنی طرف۔ کہا (ہارون نے) اے میری ماں کے بیٹے بے شک لوگوں نے کمزور خیال کیا مجھ کو اور قریب تھے کہ قتل کر دیتے مجھ کو۔ سو تو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور مت کر مجھ کو ظالم لوگوں کے ساتھ۔ کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب بخش دے مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے سب رحم کرنے والوں سے۔ بے شک جن لوگوں نے اختیار کیا بچھڑے کو پہنچے گا ان کو غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں افتراء کرنے والوں کو۔ اور جن لوگوں نے عمل کئے برے پھر توبہ کی ان کے بعد اور ایمان لائے بے شک تیرا رب اس (توبہ) کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جب تھم گیا موسیٰ سے غصہ اٹھایا اس نے تختیوں کو اور ان کے لکھے ہوئے میں ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات لینے کے لئے تشریف لے گئے تو (موسیٰ) علیہ السلام (کی قوم) یعنی بنی اسرائیل (نے ان کے) جانے کے (بعد اپنے) مقبوضہ (زیوروں کا) جو کہ مصر سے نکلتے وقت انہوں نے قبطیوں یعنی وہاں کے باشندوں سے شادی کے بہانہ

سے مانگ لئے تھے تاکہ ان کو ان کے فرار کا خیال نہ ہو (ایک بچھڑا) بنا کر جس کا قصہ سورہ طٰہٰ میں ہے، اس کو معبود (ٹھہرایا جو کہ) صرف اتنی حقیقت رکھتا تھا کہ (ایک قالب تھا جس میں ایک آواز تھی) اور اس میں کوئی بھی کمال نہ تھا جس سے کسی کو اس کی معبودیت کا شبہ ہو سکے (کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ) اس میں خدا کی سی صفات تو کیا ہوتیں اس میں تو آدمی کے برابر بھی قدرت نہ تھی چنانچہ (وہ ان سے بات تک نہیں کرتا تھا اور نہ ان کو) دنیا یا دین کی (کوئی راہ بتلاتا تھا) غرض یہ کہ (اس) بچھڑے (کو انہوں نے معبود قرار دیا اور) چونکہ اس میں سرے سے کوئی بات بھی تو ایسی نہ تھی جس سے اس کے معبود ہونے کا کسی کو شبہ ہی ہو سکے اس لئے انہوں نے (بڑا بے ڈھنگا کام کیا اور) موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے کے بعد جس کا قصہ آگے آتا ہے ان کے تنبیہ فرمانے سے (جب) متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر (نادم ہوئے اور معلوم ہوا کہ واقعی وہ لوگ گمراہی میں پڑ گئے تو) ندامت سے بطور معذرت (کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا) یہ (گناہ معاف نہ کرے تو ہم بالکل گئے گذرے ہو جائیں گے) چنانچہ خاص طریقہ سے ان کو توبہ کی تکمیل کا حکم ہوا جس کا قصہ سورہ بقرہ آیت فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں گذرا ہے یعنی یہ کہ شرک نہ کرنے والے شرک کرنے والوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں (اور) موسیٰ علیہ السلام کے متنبہ فرمانے کی تفصیل یہ ہے کہ (جب موسیٰ) علیہ السلام (اپنی قوم کی طرف) کوہ طور سے (غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس آئے) کیونکہ ان کو وحی سے یہ معلوم ہو گیا تھا جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ہے قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ہم نے آپ کے پیچھے آپ کی قوم کی آزمائش کی اور سامری نے ان کو بہکا دیا۔ (تو) اول قوم کی طرف متوجہ ہوئے (فرمایا کہ تم نے میرے پیچھے یہ بڑی نامعقول حرکت کی، کیا اپنے رب کے حکم) آنے (سے پہلے ہی تم نے) ایسی (جلد بازی کر لی)۔ میں احکام ہی لینے تو گیا تھا ان کا انتظار تو کیا ہوتا۔ (اور) پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور دینی حمیت کے جوش میں (جلدی سے) توریت کی (تختیاں) تو (ایک طرف رکھیں) اور جلدی میں زور سے رکھیں (اور) ہاتھ خالی کر کے (اپنے بھائی) ہارون علیہ السلام (کا سر) یعنی بال (پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹنے لگے) کہ تم نے پورا انتظام کیوں نہ کیا حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان سے عمر میں تین سال بڑے تھے اور نبی بھی تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اول تو ان سے مرتبہ میں بڑے تھے کہ ہارون علیہ السلام کو ان کا تابع اور وزیر بنایا گیا تھا دوسرے غضب کے غلبہ میں ان کو ایک گونہ بے اختیاری ہو گئی تھی اور غضب بھی دین کے لئے تھا اس لئے اس حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام شرعاً معذور تھے مگر چونکہ حضرت ہارون

علیہ السلام اور تختیوں سے متعلق باتوں کی ظاہری صورتیں پسندیدہ نہ تھیں اس لئے جب (ہارون) علیہ السلام (نے کہا کہ اے میرے ماں جائے) بھائی میں نے اپنی کوشش بھر بہت روکا لیکن (ان لوگوں نے مجھ کو بے حقیقت سمجھا اور) بلکہ نصیحت کرنے پر (قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں تو تم مجھ پر) سختی کر کے (دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور مجھ کو) برتاؤ سے (ان ظالم لوگوں کے ذیل میں مت شمار کرو) کہ ان سے جو غصہ ہے وہ مجھ سے بھی برتنے لگو تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے) اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور (کہا کہ اے میرے رب میری خطا) گو وہ اجتہادی ہے اور میری نیت بھی نیک ہے لیکن تو اس کو (معاف فرما دے اور میرے بھائی کی بھی) کوتاہی جو ان مشرکین کے ساتھ ان کو ان کے حال پر چھوڑنے میں شاید ہو گئی ہو اس کو بھی معاف فرما (اور ہم دونوں کو اپنی رحمت) خاص (میں داخل فرمایئے اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں) اس لئے ہم کو دعا کی قبولیت کی امید ہے۔

پھر حق تعالیٰ نے ان گوسالہ پرستوں کے متعلق موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ (جن لوگوں نے گوسالہ پرستی کی ہے) اگر اب بھی توبہ نہ کریں گے تو (ان پر بہت جلد ان کے رب کی طرف سے غضب اور ذلت اس دنیاوی زندگی ہی میں پڑے گی اور) کچھ ان ہی کی تخصیص نہیں بلکہ (ہم) تو سب (افتراء پردازوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) کہ دنیا ہی میں مغضوب اور ذلیل ہو جاتے ہیں اگرچہ کسی عارضہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ اس ذلت کا ظہور نہ ہو یا دیر سے ہو، چنانچہ سامری نے جو توبہ نہ کی تو اس پر غضب اور ذلت کا نزول ہوا جس کا قصہ سورہ طٰہٰ میں ہے، قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَامِسَاسَ الآیۃ یعنی وہ اچھوت اور ذلیل بن کر رہ گیا تھا کہ خود کہتا پھرتا تھا کہ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ مجھ سے دور رہو۔ (اور جن لوگوں نے گناہ کے کام کئے) مثلاً گوسالہ پرستی ان سے سرزد ہو گئی مگر (پھر وہ ان) گناہوں (۔کے) کرنے کے (بعد توبہ کرلیں اور) اس کفر کو چھوڑ کر (ایمان لے آئیں، تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد) ان کے (گناہ کا معاف کر دینے والا) اور ان کے حال پر (رحمت کرنے والا ہے) گو تکمیل توبہ کے لئے اُقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ یعنی اپنے مجرم لوگوں کو قتل کرنے کا بھی حکم ہوا ہو کیونکہ اصل رحمت آخرت کی ہے چنانچہ توبہ کرنے والوں کی خطا اسی طرح معاف ہوئی (اور جب) ہارون علیہ السلام کی یہ معذرت سن کر (موسیٰ) علیہ السلام (کا غصہ فرو ہوا تو ان تختیوں کو اٹھا لیا اور ان) تختیوں (کے مضامین میں ان لوگوں کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ہدایت اور رحمت) احکام کی صورت میں (تھی) کیونکہ احکام پر عمل کرنے سے ہدایت اور رحمت حاصل ہوتی ہے۔

چوتھا احسان

بنی اسرائیل کے ستر حضرات کا اللہ تعالیٰ کے کلام کو براہ راست سننا اور سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کا ان کو ٹھیک ٹھاک زندہ کر دینا۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ

ترجمہ: اور چن لیا موسیٰ نے اپنی قوم میں ستر آدمیوں کو ہمارے وقت معین کے لئے۔ پھر جب پکڑا ان کو زلزلہ نے کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ہلاک کرتا تو ان کو پہلے ہی اور مجھ کو (بھی)۔ کیا تو ہلاک کر دے گا ہم کو بسبب اس کے جو کیا بے وقوفوں نے ہم میں سے۔ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے جس کو چاہتا ہے اور تو ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ تو ہی ہمارا خبر گیر ہے پس بخش دے ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب سے بہتر ہے بخشنے والوں میں۔ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں (بھلائی) ہم نے رجوع کیا تیری طرف۔ فرمایا (اللہ نے) میرا عذاب میں پہنچاتا ہوں اس کو جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت وسیع ہوئی ہر چیز پر۔ پس میں لکھ دوں گا اس (رحمت) کو ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوۃ اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: (موسیٰ) علیہ السلام (نے ستر آدمی اپنی قوم سے ہمارے وقت معین) پر لانے (کے

لئے منتخب کئے) چنانچہ وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو اس میں ایک نئی نکالی اور کہنے لگے کہ خدا جانے کون بول رہا ہوگا ہم تو جب یقین کریں کہ خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھ سے دیکھ لیں جیسا کہ سورہ بقرہ میں مذکور ہے انہوں نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَھْرَۃً یعنی ہم ہرگز تیری بات نہ مانیں گے جب تک ہم اللہ کو کھلا کھلا نہ دیکھ لیں۔ خدا تعالیٰ نے اس گستاخی کی سزا دی نیچے سے شدید زلزلہ شروع ہوا اوپر سے ایسی کڑک بجلی ہوئی کہ سب کانپ کر مر گئے یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔ (سو جب ان کو زلزلہ) وغیرہ (نے آ پکڑا تو موسیٰ) علیہ السلام ڈرے کہ بنی اسرائیل جاہل اور بدگمان تو ہیں ہی، یوں سمجھیں گے کہ کہیں لے جا کر کسی طریق سے ان سب کا کام تمام کر دیا ہے گھبرا کر (عرض کرنے لگے کہ اے میرے پروردگار) یہ تو مجھ کو یقین ہے کہ ان لوگوں کو محض سزا دینا منظور ہے خاص ہلاک کرنا مقصود نہیں کیونکہ (اگر آپ کو ہلاک کرنا منظور ہوتا تو آپ اس سے) یعنی یہاں بلانے اور کلام سنانے سے (پہلے ہی ان کو اور) ساتھ ہی (مجھ کو) بھی (ہلاک کر دیتے) کہ میں ہی ان کو لے کر آیا۔ کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا۔ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا تو (کیا) اب (آپ ہم میں کے چند بے وقوفوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے) نہیں بلکہ ہمیں آپ کی رحمت سے امید ہے کہ آپ ایسا نہ کریں گے۔ اور زلزلہ اور کڑک کا (یہ واقعہ محض آپ کی طرف سے ایک امتحان ہے، ایسے امتحانات سے جس کو آپ چاہیں گمراہی میں ڈال دیں) کہ وہ حق تعالیٰ کی شکایت اور ناشکری کرنے لگے (اور جس کو آپ چاہیں ہدایت پر قائم رکھیں) کہ وہ اس کو اللہ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں سے سمجھے۔ سو میں آپ کے فضل و کرم سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہٰذا اس امتحان میں مطمئن ہوں اور (آپ ہی تو ہمارے خبر گیر ہیں ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ بہتر ہیں) سو ان کی گستاخی بھی معاف کر دیجئے چنانچہ وہ لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے، سورہ بقرہ میں اس کی تفصیل گذری ہے (اور) اس دعا کے ساتھ آپ نے تفصیلی رحمت کے لئے یہ بھی دعا کی کہ (ہم لوگوں کے لئے دنیا میں بھی نیک حالی لکھ دیجئے اور) اسی طرح (آخرت میں بھی) کیونکہ (ہم آپ کی طرف) خلوص و اطاعت کے ساتھ (رجوع کرتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کی اور (فرمایا کہ) اے موسیٰ اول تو مطلقاً میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے چنانچہ (میں اپنا عذاب) اور غضب (تو صرف اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں) اگرچہ مستحق عذاب ہر نافرمان ہوتا ہے لیکن پھر بھی سب پر واقع نہیں کرتا بلکہ ان میں سے خاص خاص لوگوں پر واقع کرتا ہوں جو انتہا درجہ کے سرکش ہوتے ہیں (اور میری رحمت) ایسی عام ہے کہ (تمام اشیاء کو محیط ہو رہی ہے) حالانکہ ان میں سے بہت سی مخلوق مثلاً سرکش و معاند

لوگ اس کے مستحق نہیں مگران پر بھی ایک گونہ رحمت ہے گو دنیا ہی میں سہی، پس جب میری رحمت غیر مستحق لوگوں کے لئے بھی عام ہے (تو وہ رحمت ان لوگوں کے نام تو) کامل طور پر (ضرور ہی لکھوں گا جو) ہمارے وعدہ کے مطابق اس کے مستحق بھی ہیں اس وجہ سے کہ وہ اطاعت کرتے ہیں چنانچہ وہ اعمال قلب بھی پورے کرتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ (خداتعالیٰ سے ڈرتے ہیں) (اور) اعمال جوارح بھی پورے طور پر بجالاتے ہیں جن کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ (زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو) عقیدہ کی تمام باتوں کو مانتے ہیں اس لئے وہ (ہماری آیتوں پر) بھی (ایمان لاتے ہیں) تو ایسے لوگ تو پہلے سے ہی رحمت کے مستحق ہیں اگرچہ آپ درخواست بھی نہ کرتے اور اب تو آپ رحم اور بھلائی کی درخواست بھی کر رہے ہیں پس ہم آپ کو قبولیت کی بشارت دیتے ہیں کیونکہ آپ تو ایسے ہیں ہی۔ اور آپ کی قوم میں بھی جو رحمت حاصل کرنا چاہے وہ ایسے ہی اوصاف اختیار کرے تاکہ اس کا مستحق ہو جائے۔

فائدہ: تقویٰ اور زکوۃ اور ایمان میں حصر مقصود نہیں بلکہ ہر باب کا ایک عمل نمونہ کے طور پر ذکر فرما دیا۔ مطلب یہ ہے کہ تمام احکام کی اطاعت کرتے ہیں۔ پھر جس درجہ کی اطاعت ہوگی اس درجہ کی رحمت ہوگی۔

پانچواں احسان

ان کی کتابوں یعنی تورات وانجیل میں آخری رسول کی پیشینگوئیوں کا ہونا جو ان کو آسان شریعت دیں گے اور سابقہ سخت احکام دور کر دیں گے اور ان کی پیروی سے فلاح حاصل ہوں گی۔ اور لو وہ رسول تو آ ہی گئے اور تمہیں دعوت ہدایت دے رہے ہیں۔ تم میں سے جو لوگ ان کی اطاعت کر رہے ہیں وہ قابل تعریف ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ

وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ

اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ

وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۱۵۷

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِىْ لَهٗ
مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۖ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں رسول نبی امی کی جو پاتے ہیں لکھا ہوا اس کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔ حکم دیتا ہے ان کو نیکی کا اور روکتا ہے ان کو برائی سے اور حلال بتاتا ہے ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو اور حرام بتاتا ہے ان پر گندی چیزوں کو اور ہٹاتا ہے ان سے ان کے بوجھ کو اور ان طوق کو جو تھے ان پر۔ پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی) پر اور حمایت کی اس کی اور مدد کی اس کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا اس کے ساتھ، وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔ تو کہہ دے اے لوگو بے شک میں رسول ہوں (اس) اللہ کا تم سب کی طرف، جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ نہیں کوئی لائق عبادت مگر وہی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے اس رسول نبی امی پر جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اس کے کلمات (یعنی احکام) پر اور پیروی کرو اسکی تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے جو (ایسے افراد پر مشتمل ہے کہ) راہ بتاتے ہیں حق کی اور اس کے مطابق انصاف کرتے ہیں۔

تفسیر: (جو لوگ ایسے رسول نبی امی) جن کے علوم و معارف براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں کسی انسانی واسطہ کے مرہون منت نہیں ان (کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں) جن کی صفت یہ بھی ہے کہ (وہ ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتاتے ہیں) گو وہ پہلی شریعتوں میں حرام تھیں (اور گندی چیزوں کو) بدستور (ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو) پہلی شریعتوں میں سخت اور شدید احکام کے (بوجھ اور طوق) لدے ہوئے (تھے) یعنی جن کا ان کو پابند کیا ہوا تھا (ان کو دور کرتے ہیں) یعنی ایسے سخت احکام ان کی شریعت میں منسوخ ہو جاتے ہیں (سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور) یعنی

قرآن (کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں) کہ ابدی عذاب سے نجات پائیں گے۔

(آپ کہہ دیجئے کہ اے) دنیا جہان کے (لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا) پیغمبر (ہوں جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے، اس لئے اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر) بھی ایمان لاؤ (جو کہ) خود بھی (اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں) یعنی جب باوجود اس عظیم رتبہ کے ان کو اللہ اور سب رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے سے عار نہیں تو تم کو اللہ و رسول پر ایمان لانے سے کیوں انکار ہے (اور ان) نبی (کا اتباع کرو تا کہ تم راہ) راست (پر آجاؤ۔ اور) اگرچہ بعض لوگوں نے آپ کی مخالفت کی لیکن (موسیٰ) علیہ السلام (کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو دین حق) یعنی اسلام (کے موافق) لوگوں کو (ہدایت بھی کرتے ہیں اور اسی کے موافق) اپنے اور غیروں کے معاملات میں (انصاف بھی کرتے ہیں) اس جماعت سے مراد عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی نبوت کے ثبوت میں جہاں دلائل کی شہادت موجود ہے وہاں اہل علم کی شہادت بھی موجود ہے۔

فائدہ: 1 :يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ کا حاصل یہ ہے کہ یہود پر جو بعض اشیاء حرام تھیں اس کی وجہ ان اشیاء کا خبث نہ تھا بلکہ ان کی شرارت و سرکشی تھی۔ آپ کی شریعت میں ان کے طیب ہونے کے موافق پھر عمل درآمد ہوا۔

2: توریت و انجیل کی تخصیص اس لئے کی کہ وہ کتب شریعت سمجھی جاتی تھیں ورنہ آپ کی بشارت زبور میں بھی تھی۔

چھٹا احسان

صحرائے تیہ میں بنی اسرائیل کے لئے کھانے پینے کا اور سایہ کا انتظام کیا

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا

رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: اور تقسیم کیا ہم نے ان کو بارہ خاندانوں جماعتوں میں اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا اس سے اس کی قوم نے کہ مارو اپنے عصا کو پتھر پر، تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے۔ پہچان لیا ہر شخص نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر بادل کا اور اتارا ہم نے ان پر من اور سلوی۔ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو عطا کیں ہم نے تم کو۔ اور نہیں نقصان کیا انہوں نے ہمارا لیکن وہ خود اپنی جانوں کا نقصان کرتے تھے۔

تفسیر: اور ہم نے ایک انعام بنی اسرائیل پر کیا کہ ان کی اصلاح وانتظام کے لئے (انکو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے سب کی الگ الگ جماعت مقرر کر دی) اور ہر ایک پر ایک سردار نگرانی کے لئے مقرر کر دیا، جن کا ذکر سورہ مائدہ کے تیسرے رکوع میں ہے کہ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا (اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو حکم دیا جب کہ ان کی قوم نے ان سے پانی مانگا) اور انہوں نے حق تعالیٰ سے دعا کی، اس وقت یہ حکم ہوا (کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو) اس سے پانی نکل آئیگا (بس) مارنے کی دیر تھی (فوراً اس سے بارہ چشمے) بارہ خاندانوں کے عدد کے موافق (پھوٹ نکلے) چنانچہ (ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کا موقع معلوم کر لیا۔ اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ہم نے ان کے اوپر ابر کو سایہ افگن کیا اور) ایک انعام یہ کیا کہ (ان کو) خزانہ غیب سے (ترنجبین اور بٹیریں پہنچائیں) اور اجازت دی کہ (کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں) لیکن ان لوگوں نے نہ تو ہماری نعمتوں کی قدر کی اور نہ ہی ہمارے احکام بجا لائے (اور) اس سے (انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے) یہ واقعات وادی تیہ کے ہیں جن کی تفصیل سورہ بقرہ میں گذر چکی۔

ربط: احسانات گنانے کے بعد اب بتاتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے نافرمانی پر ہی کمر باندھی تو ان پر سزا بھی نازل ہوئی۔

نافرمانی اور عذاب کی پہلی مثال

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ
بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: اور جب کہا گیا ان سے کہ (جا کر) رہو اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں چاہو اور کہو توبہ ہے اور داخل ہو دروازہ میں جھکے ہوئے تو ہم بخش دیں گے تمہارے لئے تمہاری خطائیں (اور) ہم زیادہ دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔ تو بدل ڈالا ان لوگوں نے، جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے، لفظ کو علاوہ اس کے جو کہا گیا تھا ان سے پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بسبب اس کے جو وہ ظلم کرتے تھے۔

تفسیر: اور جب بنی اسرائیل سے کہا گیا (کہ تم لوگ اس آبادی میں جا کر رہو اور کھاؤ اس) کی چیزوں میں (سے جس جگہ تم رغبت کرو اور) یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اندر جانے لگو تو (زبان سے یہ کہتے جانا کہ توبہ ہے) توبہ ہے (اور) عاجزی سے (جھکے جھکے دروازے میں داخل ہونا ہم تمہاری) پچھلی (خطائیں معاف کر دیں گے) یہ تو سب کے لئے ہوگا اور (جو لوگ نیک کام کریں گے ان کو مزید اور دیں گے، سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ) سے (جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس) کے کہنے (کی ان سے فرمائش کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ایک آفت سماوی بھیجی، اس وجہ سے کہ وہ حکم کو ضائع کرتے تھے)۔

نافرمانی اور عذاب کی دوسری مثال: اہل سبت کے مسخ کا قصہ

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ
الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ
شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا
يَفْسُقُونَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ
مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ
وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ
عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا

يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوۡا عَنۡ مَّا نُهُوۡا عَنۡهُ قُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٕيۡنَ

ترجمہ: اور پوچھ ان سے اس بستی کے بارے میں جو تھی دریا کے کنارے پر۔ جب وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ (کے دن کے حکم کے بارے) میں جب آتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں انکے ہفتہ کے دن ظاہر ہو ہو کر اور جس دن وہ ہفتہ نہ پاتے نہ آتیں ان کے پاس۔ اسی طرح ہم آزماتے تھے ان کو بسبب اس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں تم نصیحت کرتے ہو ایسے لوگوں کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے ان کو یا عذاب دینے والا ہے ان کو سخت عذاب۔ (جواب میں) انہوں نے کہا عذر کرنے کے لئے تمہارے رب کی طرف اور شاید کہ یہ ڈر (ہی) جائیں۔ پھر جب انہوں نے بھلا دیا اس کو نصیحت کیے گئے وہ جس کی نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی سخت عذاب کے ساتھ بسبب اس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے تجاوز کیا اس سے روکے گئے تھے جس سے تو کہا ہم نے ان کو ہو جاؤ بندر ذلیل۔

تفسیر: (اور آپ ان) اپنے ہمعصر یہودی (لوگوں سے) بطور تنبیہ کے (اس بستی) والوں (کا جو کہ دریا کے قریب آباد تھے) اور اس میں یہودی رہتے تھے جن کو ہفتہ کے روز شکار کرنا ممنوع تھا (اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ) یعنی وہاں کے بسنے والے (ہفتہ) کے متعلق جو حکم تھا اس (کے بارے میں حد) شرعی (سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان) کے دریا (کی مچھلیاں) پانی سے سر نکال نکال (ظاہر ہو ہو کر) سطح دریا پر (ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں) بلکہ وہاں سے دور کہیں چلی جاتی تھیں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ (ہم ان کی اس طرح پر) شدید (آزمائش کرتے تھے) کہ کون حکم پر ثابت رہتا ہے کون نہیں رہتا۔ اور یہ آزمائش (اس سبب سے) تھی (کہ وہ) پہلے سے (نافرمانی کیا کرتے تھے) اسی لئے ایسے سخت حکم سے ان کی آزمائش کی جب کہ اہل طاعت کی آزمائش لطف اور توفیق اور تائید کے ساتھ ہوا کرتی ہے (اور) اس وقت کا حال پوچھئے (جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے) جو کہ ان کو نصیحت کرتے کرتے ان پر اثر و نفع ہونے سے مایوس ہو گئے تھے ایسے لوگوں سے جو اب بھی نصیحت کیے چلے جا رہے تھے اور اس قدر مایوس بھی نہ ہوئے تھے جیسا کہ ان کے قول لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ یعنی شاید کہ یہ ڈر جائیں سے معلوم ہوتا ہے (یوں کہاں کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کیے جاتے ہو جن) سے قبول کی کچھ امید نہیں اور ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ ان (کو اللہ تعالیٰ بالکل ہلاک کرنے والے ہیں یا) ہلاک نہ کیا تو (ان کو) کوئی اور طرح کی (سخت سزا دینے والے ہیں) یعنی ایسوں کے ساتھ کیوں دماغ خالی کرتے ہو۔ (انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے) اور اپنے (رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے) ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ اللہ کے روبرو کہہ سکیں کہ اے اللہ ہم نے تو کہا تھا مگر انہوں نے نہ سُنا ہم معذور ہیں (اور) نیز (اس لئے کہ شاید ڈر جائیں) اور حکم خداوندی پر عمل کرنے لگیں۔ مگر وہ کب عمل کرتے تھے (سو) آخر (جب وہ اس امر کے تارک ہی رہے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا) یعنی نہ مانا (تو ہم نے ان لوگوں کو تو) عذاب سے (بچالیا جو اس بری بات سے منع کیا کرتے تھے) خواہ برابر منع کرتے رہے اور خواہ مایوس ہو جانے کی وجہ سے بیٹھ رہے (اور ان لوگوں کو جو کہ) مذکور حکم میں (زیادتی کرتے تھے ان کو) اس نافرمانی کی وجہ سے (ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا) یعنی (جب وہ جس کام سے ان کو منع کیا گیا تھا اس میں حد سے نکل گئے تو ہم نے ان کو) عذاب کے طور پر براہ قہر (کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ)۔

فائدہ: 1- جب نصیحت کے اثر ہونے کی بالکل امید نہ ہو تو نصیحت کرنا واجب نہیں رہتا گو عالی ہمتی ہے لہٰذا لِمَ تَعِظُوْنَ کے قائلین نے ناامیدی کی وجہ سے عدم وجوب پر عمل کیا اور مَعْذِرَةً اِلٰی رَبِّكُمْ کے قائلین کو یا تو ناامیدی نہیں ہوئی یا عالی ہمتی کی شق کو اختیار کیا۔ غرض دونوں ہی درستگی پر تھے اور دونوں کی نجات سمجھ میں آتی ہے۔

2- وہ بندر تین دن کے بعد سب مر گئے آگے ان کی نسل نہیں چلی۔

نافرمانی اور عذاب کی تیسری مثال

نافرمانوں پر قیامت تک عذاب نازل ہوتا رہے گا۔ البتہ جو نافرمانی کے مرتکب نہ تھے مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ سے ان کا استثناء کیا۔ آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ کیونکر نافرمانی کرتے ہیں حالانکہ یہ تو ہم سے عہد و پیمان کر چکے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ
اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ
الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هٰذَا الْأَدْنٰى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَإِنْ
يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُوهُ ۚ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِم مِّيثَاقُ
الْكِتَابِ أَن لَّا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ ۗ وَ
الدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦٩﴾ وَالَّذِينَ
يُمَسِّكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ
الْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾

ترجمہ: اور جب خبر دی تیرے رب نے کہ ضرور وہ بھیجتا رہے گا ان (یہود) پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو جو تکلیف دیا کرے گا ان کو برے عذاب کی۔ بے شک تیرا رب جلد عذاب والا ہے اور بے شک وہ بخشنے والا مہربان (بھی) ہے۔ اور تقسیم کر دیا ہم نے ان کو زمین میں گروہ گروہ (بعض) ان میں سے نیک ہیں اور (بعض) ان میں سے اس کے علاوہ ہیں۔ اور آزمائش کی ہم نے ان کی خوشحالیوں اور بدحالیوں کے ساتھ تاکہ وہ پلٹ آئیں۔ پھر پیچھے آئے ان کے بعد ایسے جانشین جو وارث ہوئے کتاب کے لے لیتے ہیں سامان اس ادنی زندگی کا اور کہتے ہیں معاف کر دیا جائے گا ہم کو۔ اور اگر آئے ان کے پاس سامان اسی طرح کا تو لے لیں اس کو بھی۔ کیا نہیں لیا گیا ان پر عہد کتاب کا کہ نہ کہیں اللہ پر مگر حق بات اور پڑھ لیا انہوں نے جو کچھ اس (کتاب) میں تھا۔ اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیز گاری کرتے ہیں۔ کیا پھر (بھی) تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور جو لوگ خوب پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کرتے ہیں نماز بے شک ہم نہیں ضائع کرتے اجر اصلاح کرنے والوں کا۔

تفسیر: (اور) وہ وقت یاد کرنا چاہئے کہ (جب آپ کے رب نے) بنی اسرائیل کے انبیاء کی معرفت (یہ بات بتلا دی کہ وہ ان یہود پر) ان کی گستاخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں (قیامت) کے قریب (تک ایسے) کسی نہ کسی (شخص کو ضرور مسلط کرتا رہے گا جو ان کو) ذلت و خواری اور محکومیت کے (سخت عذاب کی تکلیف پہنچاتا رہے گا) چنانچہ مدت سے یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم و مقہور ہی چلے آئے ہیں اور اب جو یہود کی ظاہری حکومت قائم ہے اور عیسائی حکومتیں اس کی مدد کر رہی ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب قرب قیامت کا زمانہ ہے (بلاشبہ آپ کا رب واقعی) جب چاہے (جلدی

ہی سزا دے دیتا ہے اور بلاشبہ) نافرمان اگر باز آ جائے تو (وہ واقعی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا) بھی (ہے۔ اور ہم نے دنیا میں ان کی متفرق جماعتیں کر دیں) چنانچہ (بعضے ان میں نیک) بھی (تھے اور بعضے ان میں اور طرح کے تھے) یعنی برے تھے (اور ہم) نے ان بروں کو بھی اپنی عنایت اور تربیت و اصلاح کے اسباب جمع کرنے سے کبھی نہیں روکا بلکہ ہمیشہ (ان کو خوش حالیوں) یعنی صحت و غنا (اور بدحالیوں) یعنی بیماری و فقر (سے آزماتے رہے کہ شاید) اسی سے (باز آ جائیں) کیونکہ کبھی خوشحالی سے ترغیب ہو جاتی ہے اور کبھی بدحالی سے ڈر پیدا ہو جاتا ہے، یہ حال تو ان کے سلف یعنی اگلے لوگوں کا ہوا (پھر ان) سلف (کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب) یعنی تورات (کو) تو (ان سے حاصل کیا) لیکن اس کے ساتھ ہی حرام خور ایسے ہیں کہ احکام کتاب کے عوض میں (اس دنیائے دنی کا مال متاع) اگر ملے تو بے تکلف اس کو (لے لیتے ہیں اور) بیباک ایسے ہیں کہ اس گناہ کو حقیر سمجھ کر (کہتے ہیں کہ ہماری ضرور مغفرت ہو جائے گی) کیونکہ ہم اللہ کے محبوب ہیں، ایسے گناہ ہماری مقبولیت کے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں (حالانکہ) اپنی بیباکی پر اور اپنے گناہوں کو ہلکا سمجھنے پر مصر ہیں حتی کہ (اگر ان کے پاس) پھر (ویسا ہی) دین فروشی کے عوض (مال متاع آنے لگے تو) اسی بے باکی کے ساتھ پھر (اس کو لے لیتے ہیں) اور معصیت کو ہلکا سمجھنا تو خود کفر ہے جس پر مغفرت کا امکان نہیں، چنانچہ آگے یہی ارشاد ہے کہ (کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف سوائے حق) اور واقعی (بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں) مطلب یہ ہے کہ جب کسی آسمانی کتاب کو مانا جاتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم اس کے سب مضامین مانیں گے۔ (اور) ان سے عہد بھی کوئی مبہم عہد نہیں لیا گیا جس میں احتمال ہو کہ شاید عہد کے مضمون کا اس کتاب میں ہونا ان کو معلوم نہ ہو گا بلکہ تفصیلی عہد لیا گیا چنانچہ (انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ) لکھا (تھا اس کو پڑھ) بھی (لیا) جس سے وہ احتمال بھی جاتا رہا پھر بھی یہ ایسی بڑی بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ باوجود گناہوں کو ہلکا سمجھنے کے مغفرت کا اعتقاد کئے ہوئے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ پر محض تہمت ہے (اور) انہوں نے یہ سب کچھ دنیا کے لئے کیا، باقی (آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے) اس دنیا سے (بہتر ہے جو) ان برے عقائد و اعمال سے (پرہیز رکھتے ہیں۔ پھر کیا) اے یہود (تم) اس بات کو (نہیں سمجھتے اور) ان میں سے (جو لوگ کتاب) یعنی تورات (کے پابند ہیں) جس میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی حکم ہے اور پابندی یہی ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے (اور) عقائد کے ساتھ اعمال صالحہ کے بھی پابند ہیں چنانچہ (نماز کی پابندی کرتے ہیں، ہم ایسے لوگوں کا جو اپنی) اس طرح (اصلاح

کریں ثواب ضائع نہ کریں گے)۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ بنی اسرائیل سے کھلا کھلا عہد لیا گیا تھا اس میں کچھ ابہام نہ تھا۔ آگے بتاتے ہیں کہ وہ عہد انتہائی اہتمام اور تاکید کے ساتھ لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا تھا۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اور جب اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر گویا کہ وہ سائبان ہے اور یقین کیا انہوں نے کہ وہ گرنے والا ہے ان پر (تو ہم نے کہا) لے لو جو دیا ہم نے تم کو مضبوطی سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح ان) بنی اسرائیل (کے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا اور ان کو یقین ہوا کہ اب ان پر گرا) اور ہم نے اس وقت کہا کہ جلدی (قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے) یعنی تورات اور (مضبوطی کے ساتھ) قبول کرو (اور جو احکام اس) کتاب (میں ہیں، ان کو یاد رکھو جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ)۔

ربط: بنی اسرائیل سے لئے گئے عہد کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے عالم ارواح میں ہم تمام انسانوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لے چکے ہیں۔ لوگوں کو اپنے اس عہد کا پاس کرنا لازم تھا۔ انبیاء علیہم السلام تو اس عہد کو یاد دلاتے ہی ہیں لیکن اس کے علاوہ اس عہد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کے تمام افراد کے قلوب و فطرت میں اپنی ربوبیت اور توحید کا بیج ڈال دیا تاکہ اس کے ہوتے ہوئے آدمی ذرا انصاف سے غور کرے تو توحید کو آسانی سے سمجھ لے اور ہر آدمی عقل و فہم اور وحی والہام کی مدد سے ایمان و توحید کے درخت کو پروان چڑھا سکے۔ یہ اسی عہد کا اثر ہے کہ اولاد آدم ہر زمانے میں اور ہر علاقے میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ جو شخص اپنے الحاد و شرک کو حق بجانب قرار دینے کے لئے غفلت، بے خبری یا آباؤ اجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ، جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، فیصلہ کن جواب کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ
اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۲﴾
اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ
بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

ترجمہ: اور جب (نکال) لیا تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنایا ان کو ان کی جانوں پر (کہ) کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب (وہ سب) بولے کیوں نہیں۔ گواہ بنے ہم کہ کہیں تم کہنے لگو قیامت کے دن ہم تھے اس سے بے خبر یا تم کہنے لگو محض شرک کیا ہمارے باپ دادوں نے اس سے پہلے اور ہم ہوئے اولاد انکے بعد۔ کیا پس تو ہلاک کرتا ہے ہم کو بسبب اس کے جو کیا گمراہوں نے۔ اور اس طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو اور تا کہ وہ پلٹ آئیں۔

تفسیر: (اور) ان سے اس وقت کا واقعہ ذکر کیجئے (جب کہ آپ کے رب نے) عالم ارواح میں آدم علیہ السلام کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور (اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور) ان کو سمجھ عطا کر کے (ان سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے) اس عقل خداداد سے حقیقت امر کو سمجھ کر (جواب دیا کہ کیوں نہیں) واقعی آپ ہمارے رب ہیں۔ حق تعالیٰ نے وہاں جتنے ملائکہ اور مخلوقات حاضر تھے سب کو گواہ کر کے سب کی طرف سے فرمایا (ہم سب) اس واقعہ کے (گواہ بنتے ہیں) اور یہ اقرار اور شہادت سب اس لئے ہوا کہ (تاکہ تم لوگ) یعنی جو تم میں توحید کے ترک کرنے پر اور شرک اختیار کرنے پر سزا پائیں (قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس) توحید (سے محض بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ) اصل (شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے) اور عام طور سے اصل عقائد و خیالات میں اولاد بڑوں کے تابع ہوتی ہے اس لئے ہم بے خطا ہیں پس اپنے فعل پر تو ہم سزا کے مستحق نہیں اگر سزا ہو گی تو لازم آتا ہے کہ ان بڑوں کی خطا میں ہم پکڑے جائیں (سو کیا ان غلط راہ) نکالنے (والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں)۔ سو اب اس اقرار و گواہی کے بعد تم یہ عذر نہیں پیش کر سکتے۔ پھر اس کے بعد ان سب سے وعدہ کیا گیا کہ یہ عہد تم کو دنیا میں پیغمبروں کے ذریعہ سے یاد دلایا جائے گا

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس امت کی یاد دہانی کے لئے قرآن پاک کے اس مقام میں اِذْ اَخَذَ کے ترجمہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اس واقعہ کے ذکر کا حکم ہوا (اور) آخر میں بھی اس یاد دہانی کو جتلاتے ہیں کہ (ہم اسی طرح) اپنی (آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں) تا کہ ان کو اس عہد کا ہونا معلوم ہو جائے (اور تا کہ) معلوم ہونے کے بعد شرک وغیرہ سے (وہ باز آ جائیں)۔

فائدہ: 1 حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کی اولاد کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح آخر تک سلسلہ چلا۔ اسی لئے اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے مِنْ بنی آدم کہا صرف من آدم نہیں کہا۔

2۔ اگرچہ ہمیں یہ عہد یاد نہیں رہا لیکن انبیاء علیہم السلام ہمیشہ توحید کی دعوت دیتے رہے اور یہ عہد یاد دلاتے رہے۔ ان کا اس کا تذکرہ کرنا ہمارے لئے بطور حجت کافی ہے۔

ربط: شیطان کی دشمنی اور انجام بد کی واقعاتی شہادتیں اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر عہد ان سب کے ذکر سے حق کو سمجھنا کچھ دشوار نہیں۔ حق کو پوری طرح سمجھ لینے کے باوجود جو لوگ محض دنیوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی کریں اور حق کو چھوڑ دیں آگے ان کی مثال ذکر کرتے ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ

اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ

تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: اور پڑھ ان پر حال اس شخص کا دیں ہم نے جس کو اپنی آیتیں پھر وہ نکل گیا ان سے اور پیچھے لگ گیا اس کے شیطان تو ہو گیا وہ گمراہوں میں سے۔ اور اگر ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کو ان (آیتوں) کے سبب ولیکن وہ مائل ہوا زمین کی طرف اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی تو اس کی مثال مانند ہے کتے کی مثال کے۔ اگر تو حملہ کرے اس پر تو ہانپے

اور اگر تو چھوڑ دے اس کو تو (تب بھی) ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔ سو بیان کر (یہ) احوال شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اپنی جانوں پر وہ ظلم کرتے تھے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں کو) عبرت کے واسطے (اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں) اور حقائق سے آگاہ کیا لیکن (پھر وہ ان) آیتوں (سے بالکل ہی نکل گیا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا، سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو) وہ آیتوں اور ان کے حکموں پر عمل کرتا اور ہم (اس کو ان آیتوں) کے مقتضا پر عمل کرنے (کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور) اس میلان کے سبب (اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا) اور آیات واحکام پر عمل چھوڑ دیا (سو) آیات کو چھوڑ کر جو پریشانی اور دائمی ذلت اس کو نصیب ہوئی اس کے اعتبار سے (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے) اور مار کر نکال دے (تب بھی ہانپے یا اس کو) اس کی حالت پر (چھوڑ دے تب بھی ہانپے) کسی حال میں اس کو راحت نہیں، کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح لمبا سانس لینے پر قادر نہیں۔ اسی طرح اس شخص کے حق میں اس کی اخلاقی کمزوری کی وجہ سے آیات واحکام کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں برابر ہو گئیں اور دنیا کی حرص کی وجہ سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔ غرض یہ شخص ذلت میں تو کتے کے مشابہ ہو گیا اور پریشانی میں کتے کی مذکورہ صفت میں شریک ہوا پس جیسی اس شخص کی حالت ہوئی (یہی حالت) عام طور پر (ان لوگوں کی ہے جنہوں نے) توحید ورسالت پر دلالت کرنے والی (ہماری آیتوں کو جھٹلایا) کہ حق کے واضح ہونے کے بعد محض ہوی پرستی کے سبب حق کو ترک کرتے ہیں (سو آپ اس حال کو بیان کر دیجئے شاید وہ لوگ) اس کو سن کر کچھ غیر تمند ہوں اور غیر تمند آدمی چونکہ اتنی بری مثال کے اپنے اوپر چسپاں ہونے کو پسند نہیں کریں گے اس لئے شاید اس کو سن کر حق کے بارے میں وہ (کچھ سوچیں)۔ حقیقت میں (ان لوگوں کی حالت بھی بری حالت ہے جو) توحید ورسالت پر دلالت کرنے والی (ہماری) آیات (کو جھٹلاتے ہیں اور) اس تکذیب سے (وہ اپنا) ہی (نقصان کرتے ہیں)۔

فائدہ: بظاہر ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ اَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِيْنَ مقدم ہو فانسلخ پر کیونکہ پہلے شیطان پیچھے لگتا ہے پھر اس سے غوایت وگمراہی شروع ہوتی ہے پھر وہ بڑھ کر

انسلاخ یعنی راہ حق سے نکل جانا بن جاتا ہے مگر یہاں اَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ سے شیطان کا مسلسل پیچھا کرنا مراد ہے محض پیچھا کرنا مراد نہیں ہے، اور مسلسل پیچھا کرنا انسلاخ کے بعد ہی ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں غوایت و گمراہی سے بھی اس کا دوام اور کفر پر خاتمہ مراد ہے اور یہ بھی انسلاخ کے بعد ہوتا ہے۔ انسلاخ کے بعد اتبعه الشیطان کو ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ مطلق معصیت سے شیطان کا کامل تسلط نہیں ہو جاتا۔ البتہ جب انسان اس کے نامکمل تسلط کے باوجود راہ حق کی مکمل تابعداری کو چھوڑ کر مکمل انسلاخ اور راہ حق سے مکمل انحراف اختیار کر لیتا ہے کہ عملی مخالفت کے ساتھ ساتھ انکار اعتقادی بھی ہو جائے تب شیطان کا تسلط مکمل ہوتا ہے۔ پس آدمی اپنے ہاتھوں بگڑتا ہے۔

ربط: آگے اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ تمام آیتوں اور نشانیوں سے آگاہ ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ہدایت کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ وہ حقیقت یہ ہے کہ علم بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے جب خدا کی ہدایت اور دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو۔ جسے خدا ہی سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق نہ دے وہ راہ ہدایت پر نہیں آ سکتا۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی جہنم کے لئے کیا ہے البتہ یہ لوگ جہنم میں جاتے ہیں تو اپنے اختیار اور ارادے کو استعمال کر کے ہی جاتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ

لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۙ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۙ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: جس کو ہدایت دے اللہ تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے (اللہ) تو وہی لوگ نقصان والے ہیں۔ اور پیدا کئے ہیں ہم نے جہنم کے لئے بہت سے جن اور انسان۔ ان کے دل ہیں (لیکن) نہیں سمجھتے ان سے اور ان کی آنکھیں ہیں (لیکن) نہیں دیکھتے ان سے اور ان کے کان ہیں (لیکن) نہیں سنتے ان سے۔ وہ مانند چوپایوں کے ہیں بلکہ وہ زیادہ بے راہ ہیں۔ وہی لوگ ہیں غافل۔

تفسیر: (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے سو ہدایت پانے والا وہی ہوتا ہے اور جس کو گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ) ابدی (خسارہ میں پڑ جاتے ہیں) پھر ان سے ہدایت کی توقع کرنا بیکار ہے

(اور) جب وہ لوگ اپنی قوتوں سے کام ہی نہیں لیتے تو ہدایت کہاں سے ہو، سو ان کے نصیب میں تو دوزخ ہی ہے چنانچہ (ہم نے ایسے بہت سے جن اور انسان دوزخ) ہی میں رہنے (کے لئے پیدا کئے ہیں جن کے) نام کو تو (دل) ہیں مگر (ایسے ہیں جن سے) حق بات کو (نہیں سمجھتے) کیونکہ اس کا ارادہ ہی نہیں کرتے (اور جن کی) نام کو تو (آنکھیں) ہیں مگر (ایسی ہیں جن سے) نظر استدلال کے طور پر کسی چیز کو (نہیں دیکھتے اور جن کے) نام کو تو (کان) ہیں مگر (ایسے ہیں جن سے) متوجہ ہو کر حق بات کو (نہیں سنتے)۔ غرض (یہ لوگ) آخرت کی طرف سے بے توجہ ہونے میں (چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ) اس حیثیت سے کہ چوپایوں کو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا مکلّف تو نہیں بنایا گیا لہٰذا ان کا متوجہ نہ ہونا مذموم نہیں جب کہ ان کو تو اس کا حکم ہے پھر بھی بے توجہی کرتے ہیں سو اس اعتبار سے (یہ لوگ) ان چوپایوں سے بھی (زیادہ بے راہ ہیں) کیونکہ (یہ لوگ) باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے (غافل ہیں)۔

ربط: غافلوں کا حال ذکر کر کے مومنوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو۔ اور غفلت کرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں کیونکہ نہ تو تنبیہ کرنے والے رسول کوئی دیوانے ہیں اور نہ ہی آفاقی دلائل رسول کی بات کے خلاف پر دلالت کرتے ہیں اور نہ ہی آدمی اپنی زندگی کی ڈھیل پر مطمئن ہو سکتا ہے کیونکہ کوئی پتہ نہیں کب موت آ جائے۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا
الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾
وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٨١﴾ ع وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٢﴾ ج وَاُمْلِيْ
لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿١٨٣﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۫ سكتة مَا بِصَاحِبِهِمْ
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٨٤﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ لا وَّاَنْ عَسٰٓى
اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٥﴾

مَن يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: اور اللہ کے لئے ہیں اچھے نام سو پکارو اس کو ان کے ساتھ اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو کج روی کرتے ہیں اس کے ناموں میں۔ وہ بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو وہ کرتے ہیں۔ اور ان میں سے جن کو پیدا کیا ہم نے ایک جماعت ہے جو راہ بتاتے ہیں حق کے مطابق اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم بتدریج لئے جا رہے ہیں (جہنم کی طرف) ان کو اس طور پر کہ وہ جانتے نہیں ہیں۔ اور میں مہلت دیتا ہوں ان کو بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔ کیا نہیں غور کیا انہوں نے۔ نہیں ہے ان کے ساتھی کو کچھ جنون۔ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا کھلا۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور (اس میں) جو پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے اور (اس میں) کہ شاید قریب ہوگئی ہو ان کی اجل۔ سو کس بات پر اس (قرآن) کے بعد ایمان لائیں گے۔ جس کو گمراہ کرے اللہ سو نہیں کوئی راہ پر لانے والا اس کے لئے اور (اللہ) چھوڑتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہیں۔

تفسیر: (اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے) خاص (ہیں سو تم) ہمیشہ (اللہ کو ان) اچھے ناموں (سے پکارو) اور اچھی صفات سے یاد کرو (اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں) اور خدا کے ناموں اور صفتوں میں کجروی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی مثلاً خدا کو عاقل کہنا یا جو حق تعالیٰ کی تعظیم کے لائق نہیں مثلاً اس کو گندگی کا خالق کہنا یا اس کے مخصوص نام اور صفت مثلاً رحمٰن اور الٰہ کا اطلاق غیر اللہ پر کرے یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے یا ان کو معصیت مثلاً سحر وغیرہ کرنے کے مواقع میں استعمال کرے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور ان کی صفات میں کجروی کرنے والے (ان لوگوں کو ان کے کیئے کی ضرور سزا ملے گی)۔

(اور ہماری مخلوق جن وانس میں) سب گمراہ ہی نہیں بلکہ (ایک جماعت) ان میں (ایسی بھی ہے) جو دین (حق) یعنی اسلام (کے موافق) لوگوں کو (ہدایت) بھی (کرتے ہیں اور اسی کے موافق) اپنے اور غیروں کے معاملات میں (انصاف بھی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کو بتدریج) جہنم کی طرف (لئے جا رہے ہیں اس طور سے کہ ان کو خبر بھی نہیں)

کیونکہ وہ اپنی حماقت سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے (اور میں) دنیا میں عذاب نازل کرنے میں (ان کو مہلت دیتا ہوں، بیشک میری تدبیر) جو ظاہر میں رحمت اور حقیقت میں قہر و عذاب ہے (بہت مضبوط ہے) جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہوسکتی۔ ان حقائق کے باوجود آیات الٰہی کو جھٹلانے اور اس کے انجام بد سے غافل ہو جانے کا کیا سبب ہے؟ اگر ان آیات کے لانے والے کے بارے میں کچھ شبہ ہے تو (کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور نہ کیا کہ ان کا جن) پیغمبر (سے سابقہ ہے ان کو ذرا بھی جنون نہیں) ان کی عقل و دانش اور امانت و دیانت تو تمہارے نزدیک پہلے سے مسلم و معروف ہے (وہ تو صرف ایک صاف صاف) عذاب سے (ڈرانے والے ہیں) جو کہ پیغمبر کا اصلی کام ہوتا ہے۔ اور اگر جس کے پاس سے وہ آیات لائے ہیں اس کے یعنی خدا کے بارے میں کچھ شبہ ہے تو (کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور) نیز (دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں) کہ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ آفاقی آیات ان کی نازل کردہ آیات کی تائید کرتی ہیں اور اس طرح وہ خدا تعالیٰ کی توحید پر استدلال کرتے (اور اس بات میں) بھی غور نہیں کیا (کہ ممکن ہے کہ ان کی اجل قریب ہی آ پہنچی ہو) تاکہ عذاب کے اندیشے ہی سے ڈرتے اور اس سے بچنے کی فکر کرتے جس سے دین حق مل جاتا۔ اور جب قرآن جیسے مؤثر کلام کو سن کر بھی یہ غور و فکر پر آمادہ نہیں ہوتے تو (پھر قرآن کے بعد کونسی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے) کہ یہ مقدر کر دے کہ وہ اپنے کسب و اختیار سے گمراہی کا عزم کرے (اس کو کوئی راہ پر نہیں لا سکتا اور اللہ تعالیٰ ان کو) جو گمراہی کا عزم کر لیتے ہیں (ان کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے چھوڑ دیتا ہے) تاکہ ایک دفعہ ہی پوری سزا دے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا میں ان کو مہلت دیتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شرارتوں پر شدید سزا دینا منظور ہے اس لئے اس کی یہ تدبیر کی گئی کہ دنیا میں ان کو فوراً سزا نہیں دی جاتی بلکہ دنیوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر جرائم اور گناہوں کے ارتکاب پر اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے وہ رفتہ رفتہ اعلانیہ اور کامل طور پر اپنے کو اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے۔ اور لَا یَعْلَمُونَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

ربط: پیچھے یہ ذکر ہوا کہ کسی بھی شخص کو اپنی موت کا علم نہیں نہ جانے کب آ جائے۔ آگے

فرماتے ہیں کہ اسی طرح تمام دنیا کی اجل یعنی قیامت کا کسی کو کچھ پتہ نہیں وہ بھی اچانک آ جائے گی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی اس کے ہونے کے وقت کا علم نہیں دیا گیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: وہ سوال کرتے ہیں تجھ سے قیامت کے بارے میں کہ کب ہے اسکا وقوع، تو کہہ اس کا علم تو محض میرے رب کے پاس ہے۔ نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر وہی (اللہ)۔ بھاری ہوگئی (قیامت) آسمانوں اور زمین میں۔ نہیں آئے گی تمہارے پاس مگر اچانک۔ وہ سوال کرتے ہیں تجھ سے گویا کہ تو تحقیق کرنے والا ہے اس کے بارے میں۔ کہہ محض اس کا علم اللہ کے پاس ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا، آپ فرما دیجئے کہ اس کا) یہ (علم) کہ کب واقع ہوگی (صرف میرے رب ہی کے پاس ہے) دوسرے کسی کو اس کی اطلاع نہیں (اس کے وقت پر اس کو سوائے اللہ کے کوئی اور ظاہر نہ کرے گا) اور وہ ظاہر کرنا یہ ہوگا کہ اس کو واقع کر دے گا۔ اس وقت سب کو پوری خبر ہو جائے گی۔ اس سے پہلے محض کسی کو بتانے کے طور پر بھی اس کو ظاہر نہ کیا جائے گا کیونکہ (وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہوگا) اس لئے (وہ تم پر محض اچانک) بے خبری میں (آپڑے گی) تا کہ وہ جس طرح اشیاء و اجسام برباد اور فنا کرنے کے اعتبار سے بھاری ہے اسی طرح دلوں پر بھی اس کا بھاری اثر ہو۔ اور کسی بڑے حادثہ کے وقوع کے وقت کا پہلے سے علم ہو تو دلوں پر وہ بوجھ نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت میں وقوع کے لئے دل پہلے سے تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا پوچھنا بھی تو معمولی طور پر نہیں بلکہ (وہ آپ سے اس طرح) اصرار و مبالغہ سے (پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ اس کی تحقیقات کر چکے ہیں) اور تحقیقات کے بعد آپ کو اس کا پورا علم ہو گیا ہے۔ (آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم) مذکور (خاص اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ) اس بات کو (نہیں جانتے) کہ بعض علوم حق تعالیٰ نے اپنے خزانہ علم میں چھپا رکھے ہیں انبیاء کو بھی ان کی اطلاع نہیں دی لہٰذا ان کے نہ جاننے کو عدم نبوت پر دلیل نہیں بنا سکتے۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ قیامت کے وقت کا علم رسول اللہ ﷺ کو بھی نہیں آگے اس لاعلمی کی وجہ بیان کرنے کا حکم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مجھ کو غیب کا علم نہیں اس معنی میں کہ مجھ میں یہ صلاحیت ہو کہ میں بلا کسی واسطہ کے پوشیدہ چیزوں کو جب چاہے اور جتنی چاہے معلوم کرلوں۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے نہیں میں اختیار رکھتا اپنی ذات کے لئے کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا مگر جو چاہے اللہ۔ اور اگر میں جانتا ہوتا غیب (کی باتیں) تو میں بہت کچھ حاصل کر لیتا بھلائی سے اور نہ چھوتی مجھ کو برائی۔ نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنی ذات خاص کے لئے) بھی چہ جائیکہ دوسرے کے لئے (کسی) تکوینی (نفع) کے حاصل کرنے (کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی) تکوینی (ضرر) کے دفع کرنے (کا) اختیار رکھتا ہوں (مگر اتنا ہی کہ جتنا خدا تعالیٰ نے چاہا ہو) کہ مجھ کو اختیار دے دیں۔ اور جس امر میں اختیار نہیں دیا اس میں بعض اوقات اپنے متوقع منافع فوت ہو جاتے ہیں اور نقصان واقع ہو جاتے ہیں۔ دلیل کا ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ (اور) دلیل کا دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ (اگر میں غیب کی تمام باتیں) اپنے اختیاری امور سے متعلق (جانتا ہوتا تو میں) اپنے لئے (بہت سے منافع حاصل کر لیا کرتا اور کوئی مضرت مجھ پر واقع ہی نہ ہوتی) کیونکہ علم غیب کے سبب معلوم ہو جاتا کہ فلاں کام میرے لئے یقیناً نفع بخش ہوگا لہٰذا اس کو اختیار کر لیا کرتا اور فلاں کام میرے لئے یقیناً مضر ہوگا لہٰذا اس سے پرہیز کرتا۔ اور اب چونکہ علم غیب نہیں اس لئے بعض اوقات نفع والے کام کا علم نہیں ہوتا کہ اس کو اختیار کروں اور اسی طرح مضر کا علم نہیں ہوتا کہ اس سے بچوں بلکہ کبھی الٹا نافع کو مضر اور مضر کو نافع سمجھ لیا جاتا ہے۔ استدلال کا حاصل یہ ہوا کہ جس کو علم غیب ہو اس کے لئے نفع و ضرر کا مالک ہونا لازم تھا لیکن چونکہ لازم موجود نہیں ہے۔ اس لئے ملزوم یعنی علم غیب بھی موجود نہیں ہے اور یہی مطلوب ہے۔ غرض میں ایسے امور کا علم نہیں رکھتا۔ (میں تو محض) احکام شرعیہ بتا کر ثواب کی (بشارت دینے والا اور) عذاب سے (ڈرانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں)۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کا

اصلی مقصود امور تکوینیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کاموں کا احاطہ نہیں ۔ اس لئے ان امور کا علم نبی کو ملنا ضروری نہیں اور ان ہی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ قیامت کب ہو گی ۔ البتہ نبوت کا اصل مقصود امور دینیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کا علم ہے سو وہ مجھ کو حاصل ہے۔

فائدہ: 1۔ ایمان رکھنے والوں کی تخصیص اس لئے کی کہ نفع ان ہی لوگوں نے اٹھایا ورنہ آپ کا بشیر و نذیر ہونا تمام مکلفین کے لئے عام ہے۔

2۔ نفع و ضرر میں جو تکوینی کی قید لگائی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی امر میں بھی اختیار حاصل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مقام پر تکوینی امور ہی کے علم کی نفی کا حکم کیا ہے۔

ربط: یہ بتا کر کہ علم غیب خاص اللہ کو حاصل ہے اور اس میں کوئی اس کا شریک نہیں آگے شرک کا مزید ابطال کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ
إِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ
أَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ
الشّٰكِرِينَ ۝١٨٩ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيمَآ اٰتٰهُمَا ۚ
فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝١٩٠ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ
يُخْلَقُونَ ۝١٩١ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ أَنْفُسَهُمْ
يَنْصُرُونَ ۝١٩٢ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝١٩٣ إِنَّ الَّذِينَ
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا
لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝١٩٤ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ
لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُونَ بِهَآ ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُّبْصِرُونَ بِهَآ ۖ
أَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ

فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِیِّ یَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ
یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٩٦﴾ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى
لَا یَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ وَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تا کہ سکون حاصل کرے (اپنے) اس (جوڑے) سے۔ پھر جب ڈھانپ لیا مرد نے عورت کو تو اٹھایا (عورت نے) بوجھ ہلکا اور چلتی رہی اس کے ساتھ۔ پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دعا کی دونوں (میاں بیوی) نے اپنے رب سے کہ اگر دیا تو نے ہمیں صحیح سالم (بچہ) تو ضرور ہم ہوں گے شکر گزاروں میں سے۔ پھر جب دیا (اللہ نے) ان کو صحیح سالم (بچہ) تو بنانے لگے دونوں اس (اللہ) کے لئے شریک اس میں جو دیا (اللہ نے) ان کو۔ سو بلند ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ کیا وہ شریک ٹھہراتے ہیں ایسے کو جو نہیں پیدا کرتا کچھ بھی اور (بلکہ) وہی پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور نہیں طاقت رکھتے ان کے لئے مدد کی اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم پکارو ان کو ہدایت کی طرف تو نہیں پیروی کریں تمہاری۔ برابر ہے تم پر یا تو پکارو تم ان کو یا تم خاموش رہو۔ بے شک جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے علاوہ سے وہ بندے ہیں تم جیسے سو تم پکارو ان کو پس چاہئے کہ وہ قبول کریں تمہارے لئے (دعا کو) اگر تم سچے ہو۔ کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں جن سے، یا ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں جن سے، یا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے، یا ان کے کان ہیں سنتے ہیں جن سے۔ تو کہہ دے پکارو اپنے شریکوں کو پھر تدبیر کرو میرے ساتھ (میرے نقصان کی) اور مت ڈھیل دو مجھ کو۔ بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے نازل کی کتاب اور وہ مدد کرتا ہے نیک لوگوں کی۔ اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے علاوہ سے نہیں طاقت رکھتے وہ تمہاری مدد کی اور نہ اپنی جانوں کی مدد کر سکیں۔ اور اگر تم پکارو ان کو ہدایت کی طرف تو نہ سنیں (کچھ)۔ اور تو دیکھتا ہے ان کو کہ وہ دیکھ رہے ہیں تیری طرف اور وہ (کچھ) نہیں دیکھتے۔

تفسیر: (وہ اللہ ایسا) قادر اور منعم (ہے جس نے تم کو ایک تن واحد) یعنی آدم علیہ السلام (سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا) جس سے مراد حوا علیہا السلام ہیں۔ بنانے کی کیفیت سورہ

نساء کی تفسیر کے شروع میں گذر چکی۔ اور جوڑا اس لئے بنایا (تا کہ وہ اس اپنے جوڑے سے انس حاصل کرے) پس جب وہ خالق بھی ہے اور محسن بھی تو عبادت اسی کا حق ہے۔ (پھر) آگے ان کی اولاد بڑھی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوئے لیکن ان میں بعض کی یہ حالت ہوئی کہ (جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل رہ گیا) جو اول اول (ہلکا سا) رہا (سو وہ اس کو) پیٹ میں (لئے ہوئے) بے تکلف (چلتی پھرتی رہی پھر جب وہ) حاملہ اس حمل کے بڑھ جانے سے (بوجھل ہوگئی) اور دونوں میاں بیوی کو یقین ہوگیا کہ حمل ہے (تو) اس وقت ان کو طرح طرح کے اندیشے اور توہمات ہونے لگے جیسا کہ بعضے حمل میں خطرات پیش آتے ہیں اس لئے (دونوں میاں بیوی اللہ، اپنے رب سے دعا کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہم کو صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم خوب شکر گزاری کریں گے) جیسا عام عادت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے عہد و پیمان ہوا کرتے ہیں۔ (سو جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں) جدا جدا طریقوں سے (اللہ کے شریک قرار دینے لگے) کسی نے اعتقاد سے کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ بزرگ نے دی ہے، کسی نے عمل سے کہ اس کے نام کی نذر و نیاز کرنے لگے یا بچہ کو لے جا کر اس کے سامنے اس کا ماتھا ٹیک دیا، کسی نے قول سے کہ اس کی بندگی پہ نام رکھ دیا جیسے نبی بخش یا بندہ علی وغیرہ، یعنی یہ حق تو تھا خدا کا جو کہ منعم اور خالق اور قادر و محسن ہے لیکن دیا دوسروں کو (سو اللہ تعالیٰ پاک ہے ان کے شرک سے)۔ یہاں تک تو حق تعالیٰ کی صفات مذکور تھیں جو مقتضی ہیں کہ وہی معبود ہونے کا مستحق ہے۔ آگے معبودان باطل کے نقائص کا ذکر ہے جو مقتضی ہیں کہ وہ معبود ہونے کے مستحق نہ ہوں لہٰذا فرماتے ہیں کہ (کیا) اللہ تعالیٰ کے ساتھ (ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو بنا نہ سکیں اور) بلکہ (وہ خود ہی بنائے جاتے ہوں) چنانچہ ظاہر ہے کہ بتوں کو بت پرست خود تراشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ (اور) کسی چیز کا بنانا تو بڑی بات ہے (وہ) تو ایسے عاجز ہیں کہ اس سے آسان کام بھی نہیں کر سکتے مثلاً (ان کو کسی قسم کی مدد) بھی (نہیں دے سکتے اور) اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اگر کوئی حادثہ ان کو پیش آ جائے مثلاً ان بزرگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جائے یا کوئی شخص بتوں کو توڑنے پھوڑنے ہی لگے تو (وہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔ اور) اس سے بھی بڑھ کر سنو کہ (اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں) اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تم ان کو پکارو کہ وہ تم کو کوئی بات بتائیں تو تمہارا کہنا نہ کریں یعنی نہ بتائیں اور دوسرے اس سے زیادہ یہ کہ تم ان کو پکارو کہ آؤ ہم تم کو کچھ بتائیں تو تمہارے کہنے پر نہ چلیں یعنی تمہاری بتائی ہوئی بات

پر عمل نہ کر سکیں۔ بہر حال (تمہارے اعتبار سے دونوں باتیں برابر ہیں خواہ تم ان کو پکارو) وہ جب بھی نہیں سنتے (اور یا تم خاموش رہو) جب تو نہ سننا ظاہر ہی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو کام سب سے سہل تر ہے کہ کوئی بات بتانے کے لئے پکارے تو سن لینا وہ اسی سے عاجز ہیں تو جو اس سے بھی مشکل ہے کہ اپنی حفاظت کرنا اور پھر جو اس سے مشکل ہے کہ دوسروں کی مدد کرنا اور پھر جو ان سب سے دشوار تر ہے کہ کسی شے کو پیدا کرنا ان سے تو اور بھی زیادہ عاجز ہوں گے پھر ایسے عاجز محتاج معبودیت کے لائق کب ہو سکتے ہیں۔

غرض (واقعی تم خدا کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ بھی تم ہی جیسے) اللہ کے مملوک (بندے ہیں سو اگر تم) ان کی الوہیت کے اعتقاد میں (سچے ہو) نے کے دعویدار ہو تو ہم تو تمہیں سچا تب جانیں جب (تم ان کو پکارو اور یہ تمہارا کہنا کر دیں) اور وہ بیچارے تمہارا کہنا تو کیا کریں گے کہنا ماننے کے آلات تک ان کو نصیب نہیں، دیکھ لو (کیا ان) بتوں (کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہوں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے کسی چیز کو تھام سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہوں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں) جب ان میں یہ قوی ہی نہیں تو کوئی فعل ان سے کیا صادر ہوگا اور (آپ یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) جس طرح وہ اپنے معتقدین کو نفع پہنچانے سے عاجز ہیں اسی طرح اپنے مخالفین کو ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے، جیسا تم کہا کرتے ہو کہ ہمارے بتوں کی بے ادبی نہ کیا کرو ورنہ وہ تم پر کوئی آفت نازل کر دیں گے۔ اور اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ مجھ کو ضرر پہنچا سکتے ہیں تو (تم) اپنا ارمان نکال لو اور (اپنے سب شرکاء کو بلا لو پھر) سب مل کر (میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر) جب تدبیر بن جائے تو (مجھ کو ذرا مہلت مت دو) بلکہ فو اس کو نافذ کر دو میں بھی دیکھوں کیا ہوتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہوگا کیونکہ شرکاء تو محض بے کار ہیں رہ گئے تم تو جو کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہو ہلا لو لیکن تم میرا اس لئے کچھ نہیں کر سکتے کہ یقیناً میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جس) کے مددگار اور رفیق ہونے کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ اس (نے) مجھ پر مبارک کتاب (نازل فرمائی) اگر وہ میرا رفیق و معین نہ ہوتا تو اتنی بڑی نعمت کیوں عطا فرماتا (اور) اس خاص دلیل کے علاوہ ایک عام قاعدہ سے بھی اس کا مددگار ہونا معلوم ہے۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ (وہ) عموماً (نیک بندوں کی مدد کیا کرتا ہے) تو انبیاء تو ان نیک بندوں میں اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اور چونکہ میں بھی نبی ہوں تو میرا بھی ضرور مددگار ہوگا۔ غرض یہ کہ تم جن سے ڈراتے ہو وہ تو عاجز ہیں اور جو مجھ کو ضرر سے بچاتا ہے وہ قادر ہے۔ پھر اندیشہ کس بات کا ہے (اور) گو ان کا عاجز ہونا اوپر کامل طریقے سے بیان ہو چکا لیکن چونکہ وہاں مقصود بالذات عجز کا بیان نہ تھا بلکہ ان کے لئے معبودیت کے استحقاق کی نفی تھی اس لئے آگے ان کے عجز کے بیان کو مقصود بالذات بنا کر فرماتے ہیں

کہ (خدا کو چھوڑ کر تم جن لوگوں کی عبادت کرتے ہو وہ) مجھ سمیت تمہارے کسی دشمن کے مقابلہ میں (تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ) اپنے دشمن کے مقابلہ میں جیسا میں ہوں (وہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور) مدد کرنا تو بڑی بات ہے (ان کو) تو (اگر کوئی بات بتانے کو پکارو تو اس کو) بھی تو (نہ سنیں اور جیسے ان کے پاس سننے کا آلہ نہیں اسی طرح دیکھنے کا آلہ بھی نہیں اور ان کی مورتی میں جو آنکھیں بنا دی جاتی ہیں وہ محض نام ہی کی ہوتی ہیں کام کی نہیں چنانچہ (ان) بتوں (کو آپ دیکھتے ہیں کہ گویا وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں) کیونکہ شکل تو آنکھوں کی سی بنی ہوئی ہے (اور وہ) واقع میں (کچھ بھی نہیں دیکھتے) کیونکہ حقیقت میں تو وہ آنکھیں نہیں۔ اسی پر دوسرے اعضاء و جوارح کی نفی سمجھ لینی چاہئے۔ تو ایسے عاجز کا تم مجھے کیا ڈراوا دیتے ہو۔

فائدہ: 1- بتوں میں یہ نقائص بہت واضح ہیں اس کے باوجود بیان میں اتنا اہتمام اس لئے کیا گیا کہ مشرکین کی پوری حماقت ظاہر ہو۔

2- مشرکین بتوں کو خدا کے برابر نہ کہتے تھے لیکن جب وہ ان کی عبادت کے قائل تھے تو ضروری ہوا کہ ان کے اندر صفات کمال ہوں کیونکہ عبادت یعنی انتہائی درجے کی تعظیم تو ایسے ہی کی جا سکتی ہے جس کے اندر صفات کمال ہوں۔ جب یہ بت کسی بھی صفت کمال سے خالی ہیں اور عاجز محض ہیں تو عبادت کے مستحق کہاں ٹھہرے۔

ربط: گذشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو حماقتیں اور جہالتیں کھولی گئیں تو بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر کوئی ناشائستہ حرکت یا برا لفظ زبان سے نکالتے اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی اور مومنین کو بھی ہدایت فرمادی کہ عفو و درگزر سے کام لیں اور شیطان کے وسوسوں سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۖ إِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

ترجمہ: قبول کر معافی کو اور حکم کر نیک کام کا اور اعراض کر جاہلوں سے۔ اور اگر

ابھارے تجھ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ تو پناہ مانگ اللہ سے بلاشبہ وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ بے شک جو ڈرتے ہیں جب پہنچتا ہے ان کو کوئی خیال شیطان کی طرف سے تو یاد کرتے ہیں (خدا کو) سو اچانک وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور (رہے) شیطانوں کے بھائی تو وہ (شیطان) کھینچتے ہیں ان کو گمراہی میں پھر وہ (شیطانوں کے تابعدار) باز نہیں آتے۔

تفسیر: لوگوں سے یہ برتاؤ رکھئے کہ ان کے اعمال و اخلاق میں سے (سرسری) نظر میں جو (برتاؤ) معقول و مناسب معلوم ہوں ان (کو قبول کرلیا کیجئے) ان کی تہہ اور حقیقت کی تلاش نہ کیجئے بلکہ ظاہری نظر میں سرسری طور پر جو کام کسی نے اچھا کیا ہو اس کو بھلائی پر محمول کیجئے، باطن کا حال اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ کام میں پورے اخلاص کا اور معافی میں اس کی قبولیت کی تمام شرائط کا پورے طور پر پایا جانا خاص خاص لوگوں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا معاشرت میں سہولت رکھئے، تشدد نہ کیجئے، یہ برتاؤ تو اچھے کاموں میں ہے۔ (اور) جو کام ظاہر نظر میں بھی برا ہو اس میں یہ برتاؤ رکھئے کہ اس کی جگہ میں (نیک کام کی تعلیم کردیا کیجئے) اور ان کے بہت درپے نہ ہوں۔ (اور) اے نبی (اگر) اتفاقاً ان کی جہالت پر (آپ کو کوئی وسوسہ شیطان) یعنی ابلیس (کی طرف سے) غصہ کا (آنے لگے) جس میں احتمال ہو کہ کوئی بات مصلحت کے خلاف صادر ہو جائے (تو) ایسی حالت میں فوراً (اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) آپ کے استعاذہ کو سنتا ہے، آپ کے مقصود کو جانتا ہے وہ آپ کو اس سے پناہ دے گا۔ اور جس طرح استعاذہ و توجہ الی اللہ آپ کے لئے نافع ہے اسی طرح تمام خدا ترس لوگوں کے لئے بھی نافع ہے چنانچہ (یقیناً) یہ بات ہے کہ (جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی خیال شیطان کی طرف سے) غصہ کا یا اور کسی بات کا (آجاتا ہے تو وہ) فوراً خدا کی (یاد میں لگ جاتے ہیں) جیسے استعاذہ و دعا کرنا اور خدا تعالیٰ کی عظمت و عذاب و ثواب کو یاد کرنا (سو یکایک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) اور حقیقت حال ان پر واضح ہو جاتی ہے جس سے وہ خیال اثر نہیں کرتا (اور) اس کے برخلاف (جو شیطانوں کے تابعدار ہیں وہ) شیطان (ان کو گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں پس وہ) تابعدار گمراہی سے (باز نہیں آتے) نہ وہ استعاذہ کریں نہ گمراہی سے محفوظ رہیں، اور یہ مشرکین بھی شیطان کے تابعدار ہیں تو یہ کب باز آئیں گے اس لئے ان کے غم و غصہ میں پڑنا بے کار ہے۔

فائدہ: نزغ شیطان کا مضمون عصمت انبیاء علیہم السلام کے منافی نہیں کیونکہ عصمت کا حاصل یہ ہے کہ وہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے یہ نہیں کہ شیطان ان کو گناہ کی رائے نہیں دے سکتا کیونکہ جس

طرح کسی کافر انسان کا کسی نبی کے سامنے آ کر کوئی کفر کی بات کہنا جب کہ اس کا نبی پر کوئی اثر نہ ہو نبوت کی شان میں مخل نہیں اسی طرح کافر جن کا معاملہ ہے۔ البتہ چونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں تصریح ہے کہ ہر شخص کے ساتھ رہنے والے شیطان کے برعکس آپ کے ساتھ رہنے والا جن آپ کو بری رائے بھی نہ دیتا تھا بلکہ غالباً وہ خود مسلمان ہو گیا تھا اور اس لئے آپ کو بھلی بات ہی کی رائے دیتا تھا اس لئے آیت میں شیطان سے ابلیس مراد ہے۔ جس کا کسی وقت آپ ﷺ کے پاس آ جانا محال نہیں۔

ربط: ان مشرکین کی ناشائستہ باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے خدا سے کہہ کر ہماری مانگی ہوئی نشانی چھانٹ کر کیوں نہیں لے آتے تو ایسے موقع پر آپ ان کو اس قسم کا شائستہ جواب دیجئے کہ نشانی کے طور پر تو قرآن موجود ہے جو بذات خود نشانیوں کا مجموعہ ہے لہٰذا اس سے فائدہ اٹھاؤ۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳

ترجمہ: اور جب تو نہ لے کر آئے ان کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہیں چھانٹ لایا تو اس کو۔ تو کہہ دے محض میں اتباع کرتا ہوں اس کی جو وحی کی گئی میری طرف میرے رب کی جانب سے۔ یہ دلیلیں ہیں تمہارے رب کی جانب سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: (اور جب آپ) ان کے فرمائشی معجزات میں سے جن کی فرمائش وہ براہ عناد کرتے تھے (کوئی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے) اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ کی حکمت اس معجزہ کے ظہور کا تقاضا نہیں کرتی (تو وہ لوگ) رسالت کی نفی کرنے کی غرض سے آپ سے (کہتے ہیں کہ آپ) اگر نبی ہیں تو (یہ معجزہ کیوں نہ) ظہور میں (لائے، آپ فرما دیجئے کہ) یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنے اختیار سے معجزے لے آؤں بلکہ میرا اصلی کام یہ ہے کہ (میں اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے حکم بھیجا گیا ہے) جس کا ایک اہم شعبہ تبلیغ بھی ہے۔ ہاں نبوت کے اثبات کے لئے نفس معجزہ ضروری ہے سو ان کا وقوع ہو چکا ہے چنانچہ ان میں سب سے بڑا معجزہ ایک یہی قرآن ہے جس کی شان یہ ہے کہ (یہ) بجائے خود (گویا بہت سی دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے) کیونکہ اس

کی ہر سورت مثلاً ایک معجزہ ہے تو اس حساب سے مجموعہ قرآن بہت سی دلیلیں ہوا اور اس کا یہ دلیل ہونا تو عام ہے۔ (اور) رہا اس کا نفع بالفعل تو وہ خاص ہے ماننے والوں کے ساتھ چنانچہ وہ (ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو) اس پر (ایمان رکھتے ہیں)۔

فائدہ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نبوت کی اصلی غرض اصلاح ہے جب کہ معجزہ نبوت کو ثابت کرنے والا ہے اور ثابت کرنے میں سب معجزے برابر ہیں تو ان میں تعیین کے ساتھ مطالبہ اور فرمائش فضول بات ہے۔ علاوہ ازیں معجزوں کی فرمائش میں مشرکین کو طلب حق بھی مقصود نہیں۔

ربط: لیکن قرآن جیسی نشانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تم خاموشی سے اس کے سننے کی طرف کان لگاؤ۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

ترجمہ: اور جب پڑھا جائے قرآن تو کان لگاؤ اس کے لئے اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

تفسیر: (اور) آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (جب قرآن پڑھا جایا کرے) مثلاً جب کہ رسول اللہ ﷺ اس کی تبلیغ فرمائیں (تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو) تاکہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیم کی خوبی سمجھ میں آئے جس سے (امید ہے کہ تم پر رحمت ہو) اور تم جدید یا مزید فائدہ حاصل کرسکو۔ جدید یہ کہ ہدایت کی وجہ سے جو رحمت ہوتی ہے وہ پہلے کفر کی بنا پر نہ تھی۔ اب جب حق کو قبول کرلیا تو وہ رحمت متوجہ ہوگئی۔ اور مزید یہ کہ پہلے مومن ہونے کی وجہ سے رحمت کے تو مستحق تھے اب مزید تابعداری کی وجہ سے اس رحمت میں اور ترقی ہوگئی۔

فائدہ: امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور مراد یہ ہے کہ جب نماز میں امام قرآن پڑھے تو مقتدی اس کی طرف کان لگائیں اور خاموش رہیں۔ امام احمد بن حنبل کے قول کا یہ مطلب ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور ہی سے امام کے پیچھے مقتدی کی قراءت کرنے کے عدم جواز پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور سب کے نزدیک یہی آیت اس کی دلیل ہے۔

ربط: آگے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ مشرکین قرآن کو اہتمام سے سنیں یا نہ سنیں تم اپنے رب کی یاد سے غافل نہ رہو کیونکہ یاد الٰہی تو مقرب فرشتوں کا بھی کام ہے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ یَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ السجدۃ ع

ترجمہ: اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور (ایسی آواز سے جو) کمتر (ہو) پکار کر بولنے سے صبح کے وقت اور شام کے وقت اور مت ہو غافلوں میں سے۔ بیشک جو ہیں تیرے رب کے نزدیک (مقدس) نہیں تکبر کرتے وہ اس کی بندگی سے اور پاکی بیان کرتے ہیں اس کی اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور) آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ (اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر) قرآن سے یا تسبیح وغیرہ سے خواہ (اپنے دل میں) یعنی آہستہ آواز سے (عاجزی اور خوف کے ساتھ اور) خواہ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ) اسی عاجزی اور خوف کے ساتھ (صبح اور شام) یعنی مداومت کرو (اور) مداومت کا مطلب یہ ہے کہ (اہل غفلت میں شمار مت ہونا) کہ جن عبادات و اذکار کا حکم ہوا ہے ان کو بھی ترک کردو کیونکہ (یقیناً جو) ملائکہ (تیرے رب کے نزدیک) مقرب (ہیں ان کو اس کی بندگی سے عار نہیں اور (وہ اس کی عبادت سے) جس میں اصلی عقائد کو ماننا بھی شامل ہے (تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں) جو کہ طاعت لسانی ہے (اور اس کو سجدہ کرتے ہیں) جو کہ اعمال جوارح سے ہے۔ تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اللہ کے ذکر و عبادت و سجود سے غافل نہ رہے چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: ذکر الٰہی کے ادب کا حاصل یہ ہے کہ دل میں بھی تذلل اور خوف ہو اور انداز میں بھی عاجزی ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر زیادہ نہ ہو، یا تو زبان کی حرکت کے ساتھ بالکل آہستہ ہو یا معتدل جہر ہو۔ اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں۔ جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد زائد یعنی مفرط جہر ہے۔ البتہ اگر دل کے خیالات کو دفع کرنا ہو یا دل کی قساوت کو دور کرنا ہو اور رقت پیدا کرنی ہو تو اس وقت زائد جہر بھی جائز ہے بشرطیکہ کسی محقق شیخ نے تجویز کیا ہو اور اس کو ثواب نہ سمجھتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو، پھر کسی سونے والے کی یا کسی نمازی وغیرہ کی تشویش کا باعث نہ ہو۔

سورۃ انفال

یہ سورت مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں مشرکین نے مسلمانوں پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ صبر وتحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمانوں نے مکہ مکرمہ جیسا مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال، مال دولت سب چیزوں کو خالص خدا و رسول کی خوشنودی کی خاطر خیر باد کہا۔ جب مشرکین کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گذر گئی، ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم، بیوی بچوں، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا و رسول کی محبت اور توحید و اخلاص کی دولت سے بھر گئے تب ان مظلوموں کو ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ مکہ مکرمہ کا ادب اس سے مانع تھا کہ مسلمان وہاں ابتداءً حملہ آور ہوں اس لئے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک یہ لائحہ عمل رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام اور یمن وغیرہ سے قائم تھے ان سے تعرض کر کے ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ 2 ھ میں ابوسفیان کی سرکردگی میں ایک بھاری تجارتی مہم شام کو گئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار سونے کے دینار کا مال تھا جب شام سے مکہ کو واپس ہونے لگا تو آپ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی۔ آپ نے صحابہ سے ذکر کیا کہ اس جماعت سے تعرض کیا جائے۔ صحابہ کو قافلہ کی نفری کی قلت اور مال کی کثرت کا حال معلوم ہونے سے مال غنیمت کا خیال ہوا اور تین سو سے کچھ زائد آدمی تجارتی قافلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ کسی بڑے معرکہ کی توقع نہ تھی اس لئے افراد اور سامان اسلحہ وغیرہ کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا۔ فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرما دی۔ وہ اس طرح کہ ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ نبی ﷺ مقام صفراء میں تھے جب آپ کو اطلاع ملی کہ یہ لشکر چلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے پر آپ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں

تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر۔ خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ کی تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد اور سامان جنگ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض حضرات کی یہ رائے ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر نبی ﷺ اس رائے سے خوش نظر نہ آئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت مقداد بن اسود نے دوسری رائے دی اور آخر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی لشکر کے مقابلہ پر نکلیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح عنایت کی۔ بڑی وجہ مسلمانوں کا خلوص اور للّٰہیت اور ان کا باہمی اتفاق تھا اور یہ اخلاص و اتفاق خود نتیجہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کا۔ اس لئے سورت کے شروع میں ہی جب کہ جنگ بدر کے مال غنیمت کے بارے میں کچھ لوگوں کا اختلاف ہوا اس بات کی تعلیم دی گئی کہ باہمی اختلاف سے بچیں اور تقویٰ اور اطاعت حق اور ذکر الٰہی اور توکل پر قائم رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل رہے۔

سورۃ الانفال مدنیۃ	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اٰیاتھا ۷۵ — رکوعاتھا ۱۰

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱﴾ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ مَغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۚ﴿۴﴾

ترجمہ: یہ لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے اموال غنیمت کے (حکم کے) بارے میں۔ کہہ دے اموال غنیمت ہیں واسطے اللہ کے اور رسول کے۔ تو تم ڈرو اللہ سے اور اصلاح کرو آپس میں اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر ہو تم ایمان والے۔ بس ایمان والے تو وہ

لوگ ہیں جب ذکر کیا جائے اللہ کا (نام تو) ڈر جاتے ہیں ان کے دل، اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو وہ بڑھا دیتی ہیں ان کو ایمان میں اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ (جو) قائم کرتے ہیں نماز کو اور اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔ وہی ہیں ایمان والے سچے۔ ان کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور مغفرت ہے اور روزی ہے عزت والی۔

تفسیر: (یہ لوگ آپ سے اموال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ یہ اموال غنیمت اللہ کے ہیں) یعنی وہ اللہ کی مِلک ہیں۔ ان کو ہی حق ہے کہ ان کے متعلق جو چاہیں حکم دیں (اور رسول کے ہیں) بایں معنی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر اموال غنیمت میں اس کو نافذ کرتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ اموال غنیمت کے بارے میں تمہاری رائے اور تجویز کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس کا فیصلہ حکم شرعی پر ہوگا (تو تم) دنیا کی حرص مت کرو آخرت کے طالب رہو اس طرح پر کہ (اللہ سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو) کہ آپس میں حسد اور بغض نہ رہے (اور اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو) کیونکہ (بس ایمان والے تو وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب) ان کے سامنے (اللہ کا ذکر آتا ہے تو) اس کی عظمت کے استحضار سے (ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ) مضبوط (کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں) اور (جو کہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں) بس (سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں۔ ان کے لئے بڑے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور) ان کے لئے (مغفرت ہے اور عزت کی روزی) ہے۔

فائدہ: 1۔ اللہ و رسول کی اطاعت میں سب احکام آ گئے اس طرح سے کہ احکام کی دو قسمیں ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ میں یعنی باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ اور حقوق اللہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی۔ پھر ظاہری یا تو بدنی ہوتے ہیں یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ میں انکا ذکر ہوا یا مالی ہوتے ہیں تو یُنْفِقُوْنَ میں انکا بیان ہوا۔ اور باطنی کی بھی دو قسمیں ہیں یا تو عقائد ہیں زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا میں ان کی طرف اشارہ ہے یا اخلاق ہیں تو یَتَوَکَّلُوْنَ میں انکا بیان ہوا۔ اور سب کی بنیاد خوف الٰہی ہے۔ تو اس کا ذکر اِتَّقُوا اللہَ اور وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ میں ہوا۔

2۔ جزا کا بیان بھی اس کی تمام قسموں کو جامع ہے کیونکہ جزا کا حاصل دو چیزیں ہیں۔ ایک جہنم

کی آگ کی مضرت سے بچنا تو مغفرت میں اس کی طرف اشارہ ہوا اور دوسرے جنت کی منفعت حاصل ہونا پھر یہ منفعت یا تو روحانی ہے جس کا ذکر دَرَجَاتٌ کے لفظ میں ہوا یا جسمانی ہے جس کا بیان رِزْقٌ کے لفظ میں ہوا۔

ربط: مال غنیمت کا لوگوں کی مرضی کے موافق تقسیم نہ ہونا اگرچہ بعض لوگوں کو طبعاً گراں محسوس ہو مگر بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے یہی خیر اور بہتر ہے اور طبعاً گراں ہونے لیکن مصلحتوں کو متضمن ہونے میں اس کی مثال ایسی ہے جیسی آگے مذکور جنگ بدر کے قصہ میں پیش آئی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ﴿۵﴾ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۶﴾

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ

اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

ترجمہ: جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام میں اور بے شک ایک جماعت ایمان والوں میں سے ناگوار سمجھتی ہے۔ وہ جھگڑتے ہیں تجھ سے حق کے بارے میں بعد (اس کے) ظاہر ہونے کے گویا کہ وہ ہنکائے جاتے ہیں موت کی طرف اور وہ دیکھ رہے ہیں۔ اور جس وقت وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے واسطے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بغیر کانٹے والی (جماعت) ہو تمہارے لئے اور ارادہ کرتا تھا اللہ کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلمات سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی تاکہ ثابت کرے سچ کو اور ابطال کرے باطل کا اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔

تفسیر: (جیسا آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر) اور بستی (سے مصلحت کے ساتھ) بدر کی طرف (نکالا اور مسلمانوں کی ایک جماعت) اپنی تعداد اور سامان جنگ کی قلت کی وجہ سے طبعاً (اس کو گراں سمجھتی تھی) اور (وہ اس مصلحت) کے کام (میں) یعنی جہاد اور لشکر سے مقابلہ کے معاملے میں (اس کے بعد کہ وہ) مصلحت (ظاہر ہو چکی تھی) مشورہ میں اپنے بچاؤ کے لئے (آپ سے اس

طرح جھگڑ رہے تھے) یعنی اپنی رائے کو اہتمام سے پیش کر رہے تھے (کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ) موت کو گویا (دیکھ رہے ہیں) مگر آخر کار انجام اس کا بھی بہت اچھا ہوا کہ اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوا یہ بات تجارتی قافلہ سے تعرض کرنے سے کہاں حاصل ہوتی۔

(اور) اس بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے تم لوگ اس وقت کو یاد کرو (جب کہ اللہ تعالیٰ تم سے) بذریعہ وحی اپنے رسول کے واسطہ سے ان (دو جماعتوں) یعنی تجارتی قافلہ اور لشکر (میں سے ایک) جماعت (کا وعدہ کر رہے تھے کہ وہ) جماعت (تمہارے ہاتھ آ جائے گی) اور تم سے مغلوب ہو جائے گی۔ (اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت) یعنی تجارتی قافلہ (تمہارے ہاتھ آ جائے) کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سامان ہاتھ آ جائے (اور) تمہارے چاہنے کے برعکس (اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنی باتوں سے حق) کو عملاً غلبہ دے کر اس کا حق ہونا (ثابت کر دے اور) یہ منظور تھا کہ (ان کافروں کی جڑ کو کاٹ دے تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا) عملاً (ثابت کر دے اگر چہ یہ مجرم لوگ) یعنی مغلوب ہونے والے کفار اس کو کتنا ہی (ناپسند کریں)۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔

فائدہ: طبعاً گراں سمجھنے کا موقع اگر چہ گھروں سے نکلنے کے بعد پیش آیا تھا لیکن یہاں پورے قصے کو ایک مجموعہ تصور کر کے اس کے ابتدائی حصہ کو ذکر کیا۔

ربط: اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد اور کامیابی کا مدار مسلمانوں کے اتفاق اور اخلاص اور کامل اطاعت پر ہے۔ جنگ بدر میں جب وہ مدار موجود تھا تو اللہ تعالیٰ کی بہت سی مددیں حاصل ہوئیں۔

پہلی مدد

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾

ترجمہ: جب تم فریاد کر رہے تھے اپنے رب سے تو قبول کی اس نے (تمہاری فریاد) تمہارے لئے کہ میں مدد دینے والا ہوں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے سلسلہ وار آنے

والے اور نہیں کی یہ امداد اللہ نے مگر بشارت (ہو تم کو) اور تا کہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے۔ بلاشبہ اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے) اپنی قلت اور ان کی کثرت دیکھ کر (فریاد کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری) فریاد (سن لی) اور وعدہ فرمایا (کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد صرف اس) حکمت کے (لئے کی کہ) تم کو غلبہ پانے کی (بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دلوں کو قرار آ جائے) یعنی انسان کی تسلی طبعی طور پر اسباب اور سامان سے ہوتی ہے اس لئے وہ بھی جمع کر دیا گیا (اور) حقیقت میں تو (نصرت) اور غلبہ (صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والے ہیں)۔

دوسری مدد

مشرکین مقام بدر میں پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک خشک ریگستان میں اترے جہاں پانی نہ ہونے سے پیاس کی بھی شدت ہوئی اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے بھی عاجز ہوئے اور تیمّم کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔ ادھر ریگستان میں چلنا پھرنا مصیبت کہ اس میں پاؤں دھنستے تھے۔ ان وجوہات سے دل سخت پریشان ہوئے۔ اوپر سے شیطان نے وسوسہ ڈالنا شروع کیا کہ اگر تم اللہ کے نزدیک مقبول و منصور ہوتے تو اس پریشانی میں کیوں پھنستے۔ اگرچہ یہ وسوسہ محض بے بنیاد تھا مگر پریشانی بڑھانے کے لئے کافی تھا۔ حق تعالیٰ نے پہلے تو باران رحمت نازل فرمائی جس سے پانی کی افراط ہوگئی پیا بھی اور وضو و غسل بھی کیا اور اس سے ریت بھی جم گئی اور چلنا آسان ہو گیا۔ اس کے برخلاف کفار نرم زمین میں تھے وہاں کیچڑ ہو گئی جس سے چلنے پھرنے میں تکلیف ہونے لگی۔ غرض سب تشویش دور ہو گئی۔ اس کے بعد ان پر اونگھ کا غلبہ ہوا جس سے پوری راحت ہو گئی اور سب بے چینی جاتی رہی۔ اس آیت میں ان انعامات کی طرف اشارہ ہے۔

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

ترجمہ: جب ڈھانپ دی (اللہ نے) تم پر اونگھ (تمہارے) امن (چین) کے واسطے اپنی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تا کہ پاک کرے تم کو اس کے ذریعے اور

(تاکہ) لے جائے تم سے گندگی شیطان کی اور تاکہ مضبوطی کرے تمہارے دلوں پر اور (تاکہ) جمادے اس (بارش) کے ذریعہ تمہارے قدم۔

تفسیر: (اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کررہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور) اس سے پہلے (تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ اس پانی کے ذریعہ تم کو) بے وضو یا بے غسل ہونے کی حالت سے (پاک کردے اور) تاکہ اس کے ذریعہ تمہاری پریشانی دور کر دے اور (تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کردے اور) تاکہ اس طرح (تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور) تاکہ بارش کی وجہ سے ریت کے دب جانے سے ظاہری طور پر (تمہارے پاؤں جمادے) اور تم ریت میں نہ دھنسو۔

تیسری مدد

جنگ بدر کے معرکہ میں خود ابلیس قبیلہ کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت اختیار کرکے ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے شیاطین کا بہت بڑا لشکر تھا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کے دستے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کی سرکردگی میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

ترجمہ: جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم ثابت رکھو مسلمانوں کو، میں ڈال دوں گا دلوں میں کافروں کے دہشت۔ سو مارو گردنوں پر اور مارو ان کے ہر پور پور کو۔

تفسیر: (اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب) ان (فرشتوں کو) جو امداد کے لئے نازل ہوئے تھے (حکم دیتا تھا کہ میں تمہارا ساتھی) اور مددگار (ہوں تو) مجھ کو مددگار سمجھ کر (تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب ڈالے دیتا ہوں سو تم کفار کی گردنوں پر) حربہ (مارو اور ان کے پور پور کو مارو)۔

فائدہ: ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بذات خود لڑائی کی۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم اہل ایمان کی اس طرح تثبیت کرو کہ ان کے دلوں میں یہ بات ڈالو کہ میں (یعنی اللہ تعالیٰ) ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں جس سے ان کے دل میں یہ عزم پیدا ہو جائے کہ وہ کافروں کی گردنوں کو ماریں اور ان کے پور پور کو کاٹیں۔ اور خود فرشتوں کا لڑائی میں شریک ہونا حدیثوں سے ثابت ہے۔

ربط: کافروں کے مقتول ہونے کو مومنین کے حق میں بطور مدد کے ذکر کیا آگے اس کو کافروں سے انتقام بتاتے ہیں اور اس کی اصل وجہ کو ذکر کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔ یہ (سزا ہے) سو چکھو تم اس کو اور (جان رکھو) کہ کافروں کے لئے ہے عذاب آگ کا۔

تفسیر: (یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ) اس کو (سخت سزا دیتے ہیں) خواہ کسی حکمت سے صرف دنیا میں یا صرف آخرت میں یا دونوں میں (سو) اس مخالفت کی وجہ سے سر دست تو (یہ سزا چکھو اور جان رکھو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر ہی ہے) دنیوی سزا سے وہ ختم نہیں ہو گیا بلکہ اصلی وہی ہے۔

ربط: اوپر فرشتوں کو حکم تھا کہ مومنین کی تثبیت کریں آگے مومنین کو حکم ہے کہ وہ خود بھی عزم کر کے ثابت قدمی اختیار کریں اور چونکہ اس کی ضرورت ہر جہاد میں ہوتی ہے اس لئے عام عنوان سے اسکا ذکر فرمایا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب مقابل ہو تم کافروں کے آمنے سامنے تو مت پھیرو ان سے (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو کوئی پھیرے ان سے اس دن اپنی پیٹھ مگر (یہ کہ) پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لئے یا جا ملنے والا ہو (اپنی) فوج اور جماعت کی طرف تو وہ پلٹا اللہ کے غضب کے ساتھ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو جب تم کافروں سے) جہاد میں (آمنے سامنے مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا) یعنی جہاد سے محض جان بچانے کے لئے مت بھاگنا (اور جو شخص ان سے اس موقع پر) یعنی مقابلہ کے وقت (پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لئے پینترا بدلتا ہو) یعنی دھوکہ دینے کے لئے سامنے سے بھاگے تاکہ حریف غافل ہو جائے اور یہ اچانک لوٹ کر اس پر حملہ کرے (یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو) یعنی بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی فوج میں اس غرض سے آملا ہو کہ اس سے قوت اور مدد حاصل کر کے پھر جا کر مقابلہ کرے گا تو (وہ مستثنیٰ ہے باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے)۔

فائدہ: جنگ بدر کے بعد ایک اور صورت کو مستثنیٰ کیا یعنی جب کافر مسلمانوں کے مقابلے میں دوگنے سے زیادہ ہوں تو اس وقت بھی جہاد سے بھاگ سکتے ہیں۔

ربط: اوپر جس غیبی امداد کا ذکر ہوا اس کے بارے میں آگے فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں غلبہ درحقیقت ہماری قدرت ومشیت کا اثر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ ﷺ نے بدر کے روز ایک مٹھی کنکریوں کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی جس کے ریزے سب کی آنکھوں میں جا گرے۔ وہ سب آنکھیں ملنے لگے ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا جس سے کفار کو شکست ہوئی۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ اگرچہ بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی شکست کا سبب بن جائیں۔ یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوج کا منہ پھیر دیا۔ اسی طرح تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے بڑے بڑے سردار مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے

گھاٹ اتارا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور تمہارے ہاتھوں میں عام قوت سے زائد وہ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے اور ایسا ایک خاص حکمت کی وجہ سے کیا گیا جو یہ ہے کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور بھر پور احسان کیا جائے۔ فرماتے ہیں۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: سو نہیں قتل کیا تم نے ان کو ولیکن اللہ نے قتل کیا ان کو اور نہیں پھینکی تو نے (مٹھی کنکریوں کی) جب تو نے پھینکی ولیکن اللہ نے (وہ) پھینکی اور تاکہ اجر دے مسلمانوں کو اپنی طرف سے اجر اچھا۔ بے شک اللہ ہے سننے والا جاننے والا۔ (ایک تو) یہ ہے اور (دوسری یہ) کہ اللہ کمزور کرنے والا ہے تدبیر کافروں کی۔

تفسیر: جب ایسے عجیب واقعات ہوئے جو کہ بالکل تمہارے اختیار سے باہر تھے (تو) اس سے معلوم ہوا کہ تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں (تم نے ان) کافروں (کو قتل نہیں کیا لیکن) ہاں اس مرتبہ میں (اللہ تعالیٰ نے) بیشک (ان کو قتل کیا) کیونکہ مؤثر حقیقی اس کی قدرت ہے (اور) اسی طرح تاثیر حقیقی کے مرتبہ میں (آپ نے خاک کی مٹھی) ان کی طرف (نہیں پھینکی لیکن) ہاں اس مرتبہ میں (اللہ تعالیٰ نے) واقعی (وہ پھینکی اور) اس کے باوجود کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے پھر جو قتل وغیرہ کو بندے کی قدرت کا اثر کہا جاتا ہے تو اس میں یہ حکمت ہے کہ (تاکہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے) ان کے عمل کا (خوب اجر دے) جو کہ اللہ کی سنت کے مطابق اس فعل پر ملتا ہے جو بندوں کے اپنے عزم و اختیار سے صادر ہو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) ان مومنوں کے اقوال کے (خوب سننے والے) اور ان کے افعال و احوال کے (خوب جاننے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی دعا اور فریاد کے اقوال اور جنگ کے افعال اور تشویش کے حالات میں ان کو جو محنت پیش آئی ہم کو ان سب کی اطلاع ہے ان کو اس پر جزا دیں گے (ایک بات تو یہ ہوئی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کافروں کی تدبیر کا کمزور کرنا تھا) اور زیادہ کمزوری اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اپنے برابر والے کے بلکہ اپنے سے کمزور کے ہاتھ سے مغلوب ہو جائے اور یہ بھی موقوف ہے اس پر کہ وہ آثار مؤمنین کے ہاتھ سے ظاہر ہوں ورنہ کہہ سکتے

تھے کہ تدابیر تو ہماری قوی تھیں لیکن تدبیر الٰہی جو کہ زیادہ قوی ہے اس کے سامنے نہ چل سکیں اس سے آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کا حوصلہ پست نہ ہوتا کیونکہ ان کو تو ضعیف ہی سمجھتے۔

ربط: اوپر بدر کے واقعات میں امداد کے ذکر میں مومنین کو خطاب ہوا۔ آگے تقابل کے طور پر کفار مکہ سے خطاب ہے جس کا قصہ یہ ہوا کہ کفار قریش یعنی ابوجہل وغیرہ نے مقابلہ کے وقت یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ آج ہمارا اور محمد (ﷺ) کا فیصلہ کر دے اور جو حق پر ہو اس کو آج غالب کر دے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾

ترجمہ: اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو آ چکا تمہارے پاس فیصلہ، اور اگر تم باز آؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم دوبارہ یہی کرو گے تو ہم پھر یہی کریں گے اور ہرگز کام نہ آئے گی تم کو تمہاری جمعیت کچھ بھی اگرچہ کثیر ہو اور (جان لو) کہ اللہ ہے ساتھ ایمان والوں کے۔

تفسیر: اے کفار قریش (اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے پاس آ موجود ہوا) کہ جو حق پر تھا اس کو غلبہ ہو گیا اور تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریقے سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملی (اور اگر) اب حق اور زیادہ واضح ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے (باز آ جاؤ تو یہ تمہارے لئے) دنیا و آخرت میں (نہایت خوب ہے اور اگر) اب بھی باز نہ آئے بلکہ (تم پھر وہی) مخالفت (کرو گے) اور پھر اسی طرح مسلمانوں سے لڑائی کرو گے (تو ہم بھی پھر یہی کام کریں گے) یعنی تم کو مغلوب اور مسلمانوں کو غالب کر دیں گے (اور) اگر تم کو اپنی جمعیت کا گھمنڈ ہو کہ اب کی بار اس سے زیادہ جمع کر لیں گے تو یاد رکھو کہ (تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئے گی گو کتنی زیادہ ہو اور واقعی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ) اصل میں (ایمان والوں کے ساتھ ہے) یعنی ان کا مددگار ہے اگرچہ کسی عارض کی وجہ سے کسی وقت ان کے غلبہ کا ظہور نہ ہو لیکن چونکہ غلبہ کے اصل حقدار یہی ہیں اس لئے ان سے مقابلہ کرنا اپنا نقصان کرنا ہے کیونکہ بالآخر غلبہ انہی کو حاصل ہونا ہے۔

ربط: اوپر جو یہ فرمایا کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے تو اب مسلمانوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا رہنا چاہئے جس سے وہ خدا کی نصرت و حمایت کے مستحق رہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا
كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ شَرَّ
الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ
لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا
وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ
لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ
بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً
لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ
فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ
اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا
اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ
اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ وَ
اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مت پھرو اس سے اور تم سنتے (تو) ہو۔ اور تم مت ہو مانند ان کے جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بلاشبہ جانداروں میں بدترین اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو سمجھتے نہیں۔ اور اگر جانتا اللہ ان میں کوئی خوبی تو سنا دیتا ان کو اور اگر (اب) سنا دے ان کو تو ضرور وہ روگردانی کریں گے اس حال میں کہ وہ بے رخی کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جب بلائے تم کو واسطے اس کام کے جو زندگی بخشتا ہے تم کو اور جان لو کہ اللہ حائل ہو جاتا ہے درمیان آدمی کے اور اس کے دل کے اور یہ (بھی جان لو) کہ اسی کی طرف تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور بچو وبال سے جو نہیں پڑے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص اور جان لو کہ اللہ سخت سزا والا ہے۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، کمزور سمجھے جاتے تھے سرزمین (مکہ) میں ڈرتے تھے کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ تو اس (اللہ) نے ٹھکانا دیا تم کو اور تائید کی تمہاری اپنی مدد کے ساتھ اور دیں تم کو پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو مت خیانت کرو اپنی امانتوں میں اور تم جانتے ہو۔ اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد امتحان کی چیز ہے اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے۔ اے ایمان والو اگر تم ڈرتے رہو اللہ سے تو وہ بنا دے گا تمہارے لئے فیصلہ کن چیز اور دور کر دے گا تم سے تمہاری برائیاں اور بخش دے گا تم کو اور اللہ فضل عظیم والا ہے۔ اور (ذکر کر) جب تدبیر کرتے تھے تیرے بارے میں کافر تاکہ قید کریں تجھ کو یا قتل کریں تجھ کو یا نکال دیں (وطن سے) تجھ کو۔ اور وہ تدبیر کرتے تھے اور تدبیر کرتا تھا اللہ (بھی) اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ کا کہنا مانو اور اس کے رسول کا) کہنا مانو (اور اس کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم) اعتقاد سے (سن تو لیتے ہی ہو) یعنی جیسے اعتقاد سے سن لیتے ہو ایسے ہی عمل بھی کیا کرو (اور تم) ترک اطاعت میں (ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم نے سن لیا) جیسے کفار کہ محض سننے کا دعوی کرتے تھے اور جیسے منافقین کہ اعتقاد کے ساتھ سننے کا دعوی کرتے تھے (حالانکہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں) کیونکہ سن کر سمجھنا اور ماننا دونوں میں مفقود ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ سننے کا نتیجہ عمل ہوتا ہے، جب عمل نہ ہوا تو اس اعتبار سے اعتقاد کے بغیر سننے کے مشابہ ہو گیا جس کو تم بھی سخت مذموم جانتے ہو (البتہ) یہ بات ضرور ہے کہ اعتقاد سے سن کر مان لینے کے بعد عمل

نہ کرنے والے اور ایک اعتقاد کے بغیر سننے والے جو نہ سننے والوں کے برابر ہیں برے ہونے میں متفاوت ضرور ہیں کیونکہ کافر اور عاصی برابر نہیں چنانچہ (بدترین خلائق اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو) حق بات کو اعتقاد کے ساتھ سننے سے (بہرے ہیں) اور حق بات کے کہنے سے (گونگے ہیں) اور (جوکہ) حق بات کو (ذرا نہیں سمجھتے)۔ اور مان لینے کے باوجود جن سے عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے وہ بدتر نہیں ہیں اگرچہ بد ہیں لیکن بد بھی نہ ہونا چاہئے (اور) جن کا حال مذکور ہوا کہ وہ اعتقاد سے نہیں سنتے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ایک بڑی خوبی کی کمی ہے اور وہ خوبی طلب حق ہے کیونکہ اعتقاد کا مبدا بھی طلب اور تلاش ہے اور آدمی جب حق کی طلب و تلاش میں رہتا ہے تو اس کی برکت سے حق واضح ہو جاتا ہے اور صحیح اعتقاد حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض سننے کا نافع ہونا موقوف ہے طلب حق کی موجودگی پر اور ان میں طلب حق ہی مفقود ہے چنانچہ (اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتے) مراد یہ کہ اگر ان میں وہ مذکورہ خوبی یعنی طلب حق ہوتی تو وہ اللہ کے علم میں بھی ہوتی، تو خوبی کے وجود اور علم الٰہی میں تعلق لازم اور ملزوم کا ہوا۔ یہاں مجازاً ملزوم یعنی خوبی کا ذکر کیا لیکن مراد لازم یعنی علم الٰہی ہے۔ اور کوئی بھی خوبی اس لئے کہا کہ جب ایسی خوبی نہیں جس پر نجات کا مدار ہے تو گویا کوئی خوبی بھی نہیں۔ یعنی اگر ان میں طلب حق ہوتی (تو) اللہ تعالیٰ (ان کو) اعتقاد کے ساتھ (سننے کی توفیق دیتے) جیسا ذکر ہوا کہ طلب سے اعتقاد پیدا ہو جاتا ہے (اور اگر) اللہ تعالیٰ (ان کو اب) موجودہ حالت میں کہ ان میں طلب حق نہیں ہے (سنا دیں) جیسا کہ کبھی کبھی ظاہری اسباب سے سن ہی لیتے ہیں (تو ضرور روگردانی کریں گے بے رخی کرتے ہوئے) یعنی یہ نہیں کہ غور وفکر کے بعد بات کے غلط ثابت ہونے کی وجہ سے روگردانی کی ہو کیونکہ یہاں غلطی کا نام ونشان ہی نہیں بلکہ غضب تو یہ ہے کہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے۔ اور (اے ایمان والو) ہم نے جو اوپر تم کو اطاعت کا حکم کیا ہے تو یاد رکھو اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے کہ وہ حیات ابدی ہے۔ جب یہ بات ہے تو (تم اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جب کہ رسول) جن کا ارشاد خدا ہی کا ارشاد ہے (تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف) یعنی دین کی طرف جس سے ابدی زندگی میسر ہوتی ہے (بلاتے ہوں) تو اس حالت میں جب کہ ہر طرح تمہارا ہی فائدہ ہے کوئی وجہ نہیں کہ تم عمل نہ کرو (اور) اس کے متعلق دو باتیں اور (جان رکھو)۔ ایک بات یہ (کہ اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان میں) دو طریقوں سے، ایک طریقہ یہ کہ مومن کے قلب میں طاعت کی برکت سے کفر و معصیت کو نہیں آنے دیتا دوسرا طریقہ یہ کہ کافر کے قلب میں مخالفت کی نحوست سے ایمان و طاعت کو نہیں آنے دیتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طاعت کی

مداومت وہمیشگی بڑی نافع چیز ہے اور مخالفت کی ہمیشگی بڑی مضر چیز ہے (اور) دوسری بات یہ جان رکھو کہ (بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے) اس وقت طاعت پر جزا اور مخالفت پر سزا ہوگی اس سے بھی طاعت کا نافع ہونا اور مخالفت کا مضر ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(اور) جس طرح تم پر اپنی اصلاح کے لئے طاعت واجب ہے اسی طرح یہ بھی طاعت واجبہ میں شامل ہے کہ بقدر طاقت دوسروں کی اصلاح کے لئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرو خواہ قوت بازو سے یا زبان سے یا میل جول ترک کر کے یا کم از کم دل میں نفرت رکھ کر ورنہ تم مداہنت کے مرتکب ہو گے اور ان منکرات کا وبال جیسے ان کے ارتکاب کرنے والوں پر واقع ہوگا ایسے ہی کسی درجہ میں ان مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو (تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں) بلکہ ان گناہوں کو دیکھ کر جنہوں نے مداہنت کی ہے وہ بھی اس میں شریک ہوں گے اور اس سے بچنا یہی ہے کہ مداہنت مت کرو (اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں) ان کی سزا سے خوف کر کے مداہنت سے بچو (اور) اس غرض سے کہ نعمتوں کے یاد کرنے سے نعمتیں دینے والے کی اطاعت کا شوق ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو اور خاص کر (اس حالت کو یاد کرو جب کہ تم) ایک وقت میں یعنی ہجرت سے پہلے تعداد میں بھی (قلیل تھے) اور قوت کے اعتبار سے بھی (سرزمین) مکہ (میں کمزور شمار کئے جاتے تھے) اور انتہائی کمزوری کی وجہ سے (اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو) مخالف (لوگ کہیں اچک نہ لیں سو) ایسی حالت میں (اللہ تعالیٰ نے تم کو) مدینہ میں اطمینان سے (رہنے کو جگہ دی اور تم کو اپنی نصرت سے قوت دی) سامان سے بھی اور تمہاری تعداد میں اضافہ کر کے بھی جس سے تمہاری قلت اور تمہیں کمزور سمجھنا اور اچک لئے جانے کا خوف سب زائل ہو گیا (اور) صرف یہی نہیں کہ تمہاری مصیبت کو دور کر دیا بلکہ تمہیں اعلیٰ درجہ کی خوشحالی بھی عطا فرمائی کہ دشمنوں پر تم کو غلبہ دے کر کثرت فتوحات سے (تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا فرمائیں تا کہ تم) ان نعمتوں کا (شکر کرو) اور بڑا شکر یہ ہے کہ اطاعت کرو۔ (اے ایمان والو) ہم مخالفت اور معصیت سے اس لئے منع کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول کے تم پر کچھ حقوق ہیں جن کا نفع تمہاری ہی طرف لوٹتا ہے اور معصیت سے ان حقوق میں خلل پڑتا ہے جس سے واقع میں تمہارے ہی نفع میں خلل پڑتا ہے جب یہ بات ہے تو (تم اللہ اور رسول کے حقوق میں خلل مت ڈالو اور) انجام کے اعتبار سے اس مضمون کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ تم (اپنی قابل حفاظت چیزوں میں) کہ وہ تمہارے منافع ہیں جو اعمال پر مرتب ہوتے ہیں (خلل مت

ڈالو اور تم تو) اس کا مضر ہونا (جانتے ہو۔ اور) اکثر اوقات مال و اولاد کی محبت اطاعت میں مخل ہوتی ہے اس لئے تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ (تم اس بات کو جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے) کہ دیکھیں کون ان کی محبت کو ترجیح دیتا ہے اور کون اللہ تعالیٰ کی محبت کو ترجیح دیتا ہے۔ سوتم ان کی محبت کو ترجیح مت دینا (اور) اگر ان کے منافع کی طرف نظر جائے تو تم (اس بات کو بھی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس) ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں (بڑا بھاری اجر) موجود (ہے) کہ اس کے سامنے یہ فانی منفعتیں محض ہیچ ہیں۔

اور (اے ایمان والو) اطاعت کی مزید برکات سنو۔ وہ یہ کہ (اگر تم اللہ سے ڈر) کر اطاعت کرتے (رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو فرقان یعنی ایک فیصلہ کی چیز دے گا) اس فرقان میں ہدایت اور نور قلب جس سے حق و باطل میں علمی فیصلہ ہوتا ہے، اور دشمنوں پر غلبہ، اور آخرت کی نجات جس سے حق و باطل میں عملی فیصلہ ہوتا ہے سب آ گئے (اور تم سے تمہارے گناہ دور کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے) خدا جانے اپنے فضل سے اور کیا کیا دے دے جو قیاس و گمان میں بھی نہ آتا ہو۔ (اور) اے محمد ﷺ مسلمانوں کے سامنے نعمت کی یاد دہانی کے لئے اپنی ہجرت کے (اس واقعہ کا بھی ذکر کیجئے) کیونکہ آپ کے بچ رہنے میں مسلمانوں کے لئے بڑی سعادتیں ہیں (جب کہ کافر لوگ آپ کی نسبت) بری بری (تدبیریں سوچ رہے تھے کہ) آیا (آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کر دیں اور وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ) ان تدبیروں کے دفع کرنے کے لئے (اپنی تدبیر کر رہے تھے اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ ہے) جس کے سامنے ان کی ساری تدبیریں بے کار ہو گئیں اور آپ بال بال محفوظ رہے اور صحیح سالم مدینہ آ پہنچے۔

فائدہ: وَاتَّقُوْا فِتْنَةً الخ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ دوسرے کے گناہ میں پکڑا جانا آیت لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے کیونکہ ایک ہے زید کا مثلاً خیانت کرنا اور ایک ہے خالد کا زید کی خیانت دیکھ کر مداہنت کرنا۔ خیانت کرنے کا گناہ تو صرف زید کو ہو گا خالد کو نہیں ہو گا لیکن زید کی خیانت کو دیکھنے کے باوجود اس پر مداہنت کرنا خالد کا خود اپنا فعل بھی ہے۔ جس کا اس کو گناہ ہو گا لیکن بہر حال یہ زید کے خیانت کرنے پر پایا گیا ہے۔

ربط: مسلمانوں کو اطاعت کی مزید ترغیب دینے کے لئے کافروں کی چند کفریات اور ان کا انجام بد ذکر کرتے ہیں۔ درمیان میں فوری عذاب نازل نہ ہونے کے مواقع بھی ذکر کرتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰی

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ
اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ
هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ
اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ
فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ
اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّ
تَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ۬
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ
مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ
جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں تو کہتے ہیں ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لائیں مانند اس کے۔ نہیں ہیں یہ مگر بے سند باتیں پہلوں کی۔ اور (یاد کرو) جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر ہے یہ ہی حق تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے یا لے آ ہم پر عذاب دردناک۔ اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو اس حال میں کہ تو ہے ان میں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو جب کہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں اور کیا ہے ان کے لئے کہ نہ عذاب دے ان کو اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں مسجد حرام سے

جب کہ نہیں ہیں وہ اس کے متولی۔ نہیں ہیں اس کے متولی مگر متقی لوگ ولیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے۔ اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا تو چکھو عذاب کو بسبب اس کے جو تم کفر کرتے تھے۔ بے شک کافر لوگ خرچ کر رہے ہیں اپنے اموال تا کہ روکیں اللہ کے رستے سے۔ تو یہ خرچ کرتے رہیں گے ان (اموال) کو پھر وہ (اموال) ہو جائیں گے ان پر باعث حسرت پھر وہ (خود) مغلوب ہو جائیں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا جہنم کی طرف وہ جمع کئے جائیں گے تا کہ جدا کر دے اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے اور کر دے ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر پھر ڈھیر کر دے اس کو اکٹھا پھر کر دے اس کو جہنم میں۔ یہی لوگ ہیں خسارہ والے۔

تفسیر: (اور) ان کفار کی یہ حالت ہے کہ (جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن) کر دیکھ (لیا) یہ تو کوئی معجزہ نہیں کیونکہ (اگر ہم ارادہ کریں تو اس کی مانند ہم بھی کہہ لائیں) پس (یہ) قرآن (تو) کلام الٰہی اور معجزہ وغیرہ (کچھ بھی نہیں صرف بے سند باتیں ہیں جو پہلوں سے منقول چلی آ رہی ہیں) کہ پہلی قومیں بھی توحید و بعثت وغیرہ کے ایسے ہی دعوے کرتی آئی ہیں انہی کے مضامین آپ نقل کر رہے ہیں (اور) اس سے بڑھ کر قابل ذکر وہ حالت ہے (جب کہ ان لوگوں نے) اپنے اس جہل مرکب میں خوب پختگی سے مبتلا ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے یہ بھی (کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن واقعی آپ کی طرف سے ہے تو ہم پر) اس کے نہ ماننے کی وجہ سے (آسمان سے پتھر برسائیے یا ہم پر کوئی) اور (دردناک عذاب واقع کر دیجئے) جو کہ خارق عادت ہونے میں پتھروں کی بارش کی مثل ہو۔ اور جب ایسے عذاب واقع نہ ہوئے تو اپنی حقانیت پر ناز کرتے ہیں (اور) یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باطل پر ہونے کے باوجود خاص موانع کی وجہ سے مذکورہ و مطلوبہ عذاب نازل نہیں ہوا۔ ان موانع کا بیان یہ ہے (اللہ تعالیٰ ایسا نہ کریں گے کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو) ایسا (عذاب دیں اور) نیز (اللہ تعالیٰ ان کو) ایسا (عذاب نہ دیں گے جس حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں) گو صحیح اور مکمل ایمان نہ ہونے کی وجہ سے وہ آخرت میں نافع نہ ہو لیکن دنیا میں تو کفار کو نافع ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مذکورہ عذاب سے دو امر مانع ہیں ایک حضور ﷺ کی موجودگی خواہ مکہ میں یا دنیا میں۔ اور دوسرا ان کافر لوگوں کا اپنے طواف وغیرہ میں یہ کہنا غُفْرَانَکَ (ہم تیری بخشش طلب کرتے ہیں) جو کہ ہجرت کے بعد بھی باقی تھا۔

(اور) ان موانع کے سبب مطلوبہ عذاب نازل نہ ہونے سے بالکل ہی عذاب سے مطمئن نہ ہو

جائیں کیونکہ جس طرح مذکورہ امور مطلوب عذاب سے مانع ہیں اسی طرح ان کی حرکتیں عذاب کا تقاضا بھی کرتی ہیں لہٰذا یہ ہوسکتا ہے کہ مطلوبہ خارق عادت عذاب نازل نہ ہو لیکن نفس عذاب جو عادت کے موافق ہو نازل ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس مقتضی کا بیان فرماتے ہیں کہ (ان کا کیا استحقاق ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ) بالکل ہی معمولی (سزا) بھی (نہ دے حالانکہ) ان کی یہ حرکتیں سزا کی مقتضی ہیں مثلاً (وہ لوگ) پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو (مسجد حرام) میں جانے اور اس میں نماز پڑھنے اور اس میں طواف کرنے (سے روکتے ہیں) جیسا حدیبیہ میں حقیقۃً روکا جس کا قصہ سورہ بقرہ میں گزر چکا اور ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران اس قدر تنگ کیا کہ مکہ مکرمہ اور مسجد حرام کو چھوڑنے اور ہجرت کرنے کی ضرورت ہوئی لہٰذا یہ بھی مسجد حرام میں جانے سے روکنا ہوا، (حالانکہ اور عبادت کرنے والوں کو روکنا تو ایک طرف رہا جس کا اختیار خود متولی کو بھی نہیں ہوتا، وہ لوگ اس مسجد کے متولی) بننے کے بھی لائق (نہیں) (اس کے متولی) بننے کے لائق (تو سوا متقیوں کے) کہ وہ اہل ایمان ہیں (اور کوئی بھی اشخاص نہیں لیکن ان میں اکثر لوگ) اپنی نالائقی کا (علم نہیں رکھتے) یا تو اس طرح سے کہ ان کو اس کا علم ہی نہ ہو یا یہ کہ جب اس علم پر عمل نہ کیا تو وہ مثل عدم علم کے ہوا۔ غرض جو سچ مچ نمازی تھے ان کو تو مسجد سے اس طرح روکا (اور) خود مسجد کا کیسا حق ادا کیا اور اس میں کیسی اچھی نماز پڑھی جس کا بیان یہ ہے کہ (ان کی نماز خانہ کعبہ) یعنی مسجد حرام (کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا) یعنی بجائے نماز کے ان کی یہ نامعقول حرکتیں ہوتی تھیں (سو) ان حرکات کا ضروری تقاضا یہ ہے کہ ان پر کوئی نہ کوئی عذاب گو وہ معمولی اور عام عادت کے مطابق ہو نازل کر کے ان کو خطاب کیا جائے کہ لو (اس عذاب کا مزہ چکھو اپنے کفر کے سبب)۔ متعدد غزووں میں یہ سزا واقع ہوئی۔ یہاں تک تو ان لوگوں کے اقوال اور بدنی اعمال کا ذکر تھا آگے ان کے مالی اعمال کا بیان ہے کہ (بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے) یعنی دین سے لوگوں کو (روکیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ اور مخالفت کے سامان جمع کرنے میں ظاہر ہے کہ جو خرچ ہوتا تھا اس میں یہی غرض تھی (سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو) اسی غرض کے لئے (خرچ کرتے ہی رہیں گے) مگر (پھر) آخر میں جب ناکامی کے اثرات محسوس ہوں گے (وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے) کہ خواہ مخواہ خرچ کیا اور (پھر) آخر (مغلوب) ہی (ہو جائیں گے) جس سے اموال کے ضائع ہونے کی حسرت کے ساتھ یہ دوسری حسرت مغلوبیت کی جمع ہو جائے گی (اور) یہ سزا اور حسرت اور مغلوبیت تو ان کی دنیا میں ہے، باقی آخرت کی سزا وہ الگ ہے جس کا بیان

یہ ہے کہ (کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف) لے جانے کے لئے قیامت میں (جمع کیا جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ ناپاک) لوگوں (کو پاک) لوگوں (سے الگ کردے) کیونکہ جب دوزخیوں کو دوزخ کی طرف لائیں گے ظاہر ہے کہ اہل جنت ان سے علیحدہ رہ جائیں گے (اور) ان سے الگ کر کے (ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے یعنی ان سب کو متصل کردے پھر) ان کی ڈھیری بنا کر (ان سب کو جہنم میں ڈال دے۔ ایسے ہی لوگ پورے خسارہ میں ہیں) جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

ربط: کفار کے کفریہ اقوال و اعمال اور ان کے انجام بد کا ذکر ہوا تو کافروں کو اصلاح احوال کا آخری موقع دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ اگر یہ اس آخری موقع سے فائدہ نہ اٹھائیں تو تم ان کفار سے لڑو ہم اس طریقہ سے ان کو سزا دیں گے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ
وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ
حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ
انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: تو کہہ دے کافروں کو (کہ) اگر وہ باز آ جائیں معاف کر دیئے جائیں گے ان کو جو (گناہ) پہلے ہو چکے۔ اور اگر وہی عادت رکھیں گے تو پڑ چکا ہے طریقہ پہلوں کا۔ اور (اے مسلمانو) تم لڑو ان (کافروں) سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے دین سارا کا سارا اللہ کے لئے۔ پھر اگر یہ (کافر کفر سے) باز آ جائیں تو اللہ اس کو جو یہ عمل کرتے ہیں خوب دیکھنے والا ہے اور اگر یہ (اسلام سے) روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ) اپنے کفر سے (باز آ جائیں گے) اور اسلام قبول کرلیں گے (تو ان کے سارے گناہ جو) اسلام سے (پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی) کفر کی (عادت رکھیں گے تو) ان کو سنا دیجئے کہ (اگلے کفار کے حق میں) ہمارا (قانون نافذ ہو چکا ہے) کہ دنیا میں ہلاکت ہے اور آخرت میں عذاب

ہے۔ وہی تمہارے لئے ہوگا۔ چنانچہ مکہ کے کافر قتل سے ہلاک بھی ہوئے اور آخرت کا عذاب الگ ہوگا۔

(اور) پھر ان کے کفر پر اصرار کرنے کی صورت میں اے مسلمانو (تم ان) کفار عرب (سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد) یعنی ان کا زور (نہ رہے) کہ ایمان سے روک سکیں یا دین حق کو ختم کرنے کی دھمکی دے سکیں۔ غرض جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ کافروں کی دست برد سے اہل اسلام کے ایمان بھی محفوظ رہیں اور وہ امن و اطمینان سے خدا کی عبادت بھی کر سکیں اور) جہاد کا آخری مقصد یہ ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے اکیلے خدا کا حکم چلے اور سرزمین عرب میں اس کی یہ صورت تھی کہ مشرکین کو اگر وہاں رہنا ہے تو وہ اسلام اختیار کر لیں تاکہ (دین) خالص (اللہ ہی کا ہو جائے) کفار عرب کے لئے اس وجہ سے کہ نبی ﷺ ان ہی میں مبعوث ہوئے تھے صرف یہ اختیار تھا کہ یا تو مسلمان ہو جائیں یا میدان میں مقابلہ کریں۔ جزیہ دے کر اور ذمی بن کر رہنے کا اختیار ان کے لئے نہیں تھا۔ (پھر اگر یہ) کفر سے (باز آ جائیں تو) ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو دل کا حال مت ٹٹولو کیونکہ اگر یہ دل سے ایمان نہ لائیں گے تو (اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں) وہ آپ سمجھ لیں گے تم کو کیا (اور اگر) اسلام سے (روگردانی کریں تو) اللہ کا نام لے کر ان کے مقابلہ سے مت ہٹو اور (یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ) ان کے مقابلہ میں (تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے) سو وہ تمہاری رفاقت اور نصرت کرے گا۔

ربط: جہاد کی بات شروع ہوئی تو آگے جہاد و جنگ کے مختلف احکام بیان کرتے ہیں۔

پہلا حکم: مال غنیمت میں استحقاق

شروع سورت میں مسلمانوں کے سوال کرنے پر بتایا تھا کہ اموال غنیمت تو اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور وہ جس طرح چاہیں ان کے بارے میں حکم دیں۔ یہاں اس حکم الٰہی کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: اور جان لو کہ جو غنیمت تم پاؤ کسی چیز سے تو اللہ کے لئے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لئے اور (رسول کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس (غیبی امداد) پر جو نازل کی ہم نے اپنے بندے پر فیصلہ کے دن (یعنی) جس دن مقابل ہوئیں دونوں فوجیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اور اس بات کو جان لو کہ جو شے) کفار سے (بطور غنیمت کے تم کو حاصل ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ) اس کے کل پانچ حصے کئے جائیں جن میں سے چار حصے تو مجاہدین کا حق ہے اور ایک حصہ یعنی (اس کا پانچواں حصہ) پھر مزید پانچ حصوں پر تقسیم ہوگا جن میں سے ایک تو (اللہ کا اور اس کے رسول کا ہے) یعنی رسول اللہ ﷺ کو ملے گا جن کو دینا ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کر دیا (اور) ایک حصہ (آپ کے قرابت داروں کا ہے اور) ایک حصہ (یتیموں کا ہے اور) ایک حصہ (غریبوں کا ہے اور) ایک حصہ (مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر) یقین رکھتے ہو (جس کو ہم نے اپنے بندے) محمد ﷺ (پر فیصلہ کے دن) یعنی (جس دن کہ) بدر میں مسلمانوں اور کافروں کی (دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں نازل فرمایا تھا) اس سے مراد غیبی امداد ہے جو فرشتوں کے واسطے سے ہوئی۔ یعنی اگر ہم پر اور ہماری غیبی امداد پر یقین رکھتے ہو تو اس حکم کو جان رکھو اور عمل کرو۔ ایمان کی بات کو اس لئے بڑھا دیا کہ خمس یعنی پانچواں حصہ نکالنا شاق نہ ہو اور یہ سمجھ لیں کہ یہ ساری غنیمت اللہ ہی کی امداد سے تو ہاتھ آئی پھر اگر ہم کو ایک خمس نہ ملا تو کیا ہوا وہ چار

خمس بھی تو ہماری قدرت سے خارج تھے اور محض قدرت الٰہیہ سے حاصل ہوئے (اور اللہ) ہی (ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں)۔

فائدہ: 1۔ یوم الفرقان (فیصلہ کے دن) سے مراد یوم بدر ہے کیونکہ اس میں عملاً حق و باطل کا فیصلہ واضح ہوگیا۔

2۔ چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ وفات فرما چکے ہیں اس لئے آپ کا حصہ ساقط ہوگیا اور چونکہ آپ کے اہل قرابت کا حصہ اس وجہ سے تھا کہ شروع سے آپ کو ان کی مدد حاصل تھی اور وفات کے بعد نصرت باقی نہیں رہی لہٰذا یہ حصہ بھی ساقط ہوگیا۔ اب یہ خمس تین حصوں پر تقسیم ہو کر ایک حصہ یتیموں کو ایک مسکینوں کو اور ایک مسافروں کو ملے گا۔ مساکین میں مقدم وہ ہوں گے جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری ہے۔

3۔ یہ مذکورہ بالا تین قسم کے لوگ خمس کے مصرف ہیں مستحق نہیں لہٰذا اگر ایک ہی صنف میں صرف کر دیا جائے تو جائز ہے۔

ربط: پیچھے آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آگے اس کی مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے آثار ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں اس کو اپنی قدرت کاملہ سے کر لیتے ہیں اور تمام حالات کو اس کے موافق کر دیتے ہیں۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ
مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِنْ لِيَقْضِيَ
اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ
يَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ إِذْ
يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَ
لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ
الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا
وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَ
إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ تھے پرلے کنارہ پر اور قافلہ نیچے تھا تم سے۔ اور اگر (جنگ کے لئے) تم وقت ٹھہراتے آپس میں تو ضرور اختلاف کرتے تم وقت (کی تعیین کے بارے) میں ولیکن (اللہ نے یہ حالات بنائے) تا کہ کر ڈالے اللہ اس کام کو جو تھا کیا جانے والا۔ تا کہ ہلاک ہو جس کو ہلاک ہونا ہے حجت کے بعد اور جئے جس کو جینا ہے حجت کے بعد۔ اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ جب دکھائے تجھ کو وہ لوگ اللہ نے تیرے خواب میں تھوڑے۔ اور اگر دکھاتا (اللہ) تجھ کو وہ لوگ کثیر تو ہمت ہار دیتے تم اور جھگڑا کرتے تم (جنگ کے) معاملہ میں ولیکن اللہ نے بچا لیا (تم کو کم ہمتی سے اور اختلاف سے)۔ بلاشبہ وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو۔ اور جب دکھائے تم (مسلمانوں) کو وہ لوگ جب تم مقابل ہوئے تمہاری آنکھوں میں تھوڑے اور تھوڑا کر دیا تم کو ان کی آنکھوں میں تا کہ کر ڈالے اللہ اس کام کو جو تھا کیا جانے والا اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔

تفسیر: (یہ وہ وقت تھا کہ جب تم اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے اور وہ لوگ) یعنی کفار (اس میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے) ادھر والے سے مراد مدینہ سے نزدیک کی جگہ اور ادھر والے سے مراد مدینہ سے دور کی جگہ (اور وہ قافلہ) قریش کا (تم سے نیچے کی طرف کو) بچا ہوا (تھا) یعنی سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ حاصل یہ کہ پورے جوش کا سامان جمع ہو رہا تھا کہ دونوں آپس میں آمنے سامنے تھے کہ ہر ایک دوسرے کو دیکھ کر جوش میں آئے۔ ادھر قافلہ ابھی رستہ ہی میں تھا اور اس کی حمایت کے خیال سے کفار کے لشکر میں مزید جوش بھڑکتا تھا غرض وہ بہت سخت وقت تھا۔ پھر جب خدا تعالیٰ نے تم پر غیبی امداد نازل کی جیسے اوپر ارشاد ہوا کہ ہم نے اپنے بندے پر غیبی امداد نازل کی۔ (اور) وہ تو مصلحت یہ ہوئی کہ اتفاقاً مقابلہ ہو ورنہ (اگر) پہلے سے حسب معمول و عادت (تم اور وہ) لڑائی کے لئے (کوئی بات ٹھہراتے) کہ فلاں وقت لڑیں گے (تو) موجودہ حالت کا تقاضا یہ تھا کہ (ضرور اس تقرر کے بارے میں تم میں اختلاف ہوتا) یعنی خواہ صرف باہم مسلمانوں میں کہ بے سروسامانی کی وجہ سے کوئی کچھ کہتا کوئی کچھ کہتا اور خواہ کفار کے ساتھ اختلاف ہوتا جس کی وجہ مسلمانوں کی طرف کی بے سروسامانی اور کافروں کی طرف مسلمانوں کا رعب۔ بہر حال دونوں طرح اس جنگ کی نوبت نہ آتی اور اس میں جو فائدے ہوئے وہ ظہور میں نہ آتے جن کا بیان لیہلک میں آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا سامان کر دیا کہ اس کی نوبت نہیں آئی بلا قصد لڑائی ٹھن گئی (تا کہ جو کام

اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے یعنی تا کہ) حق کی دلیل ظاہر ہو جائے اور (جس کو برباد) یعنی گمراہ (ہونا ہے وہ دلیل آنے کے بعد برباد ہو اور جس کو زندہ) یعنی ہدایت یافتہ (ہونا ہے وہ) بھی (دلیل آنے کے بعد زندہ ہو) مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا لڑائی ہو تا کہ ایک خاص طریق سے اسلام کا حق ہونا ظاہر ہو جائے اور وہ یہ کہ تعداد کی قلت اور کم سامانی کے باوجود مسلمان غالب آئیں جو کہ خارق عادت ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسلام حق ہے۔ پس اس سے حجت الٰہیہ تام ہو گئی اس کے بعد جو گمراہ ہو گا وہ حق کے واضح ہونے کے بعد ہو گا اور اس میں عذاب کا پورا استحقاق ہو گیا اور عذر کی گنجائش ہی نہ رہی۔ اسی طرح جس کو ہدایت یافتہ ہونا ہو گا وہ حق کو قبول کر لے گا۔ غرض حکمت یہ تھی کہ حق واضح ہو جائے (اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں) کہ حق کے واضح ہونے کے بعد زبان اور دل سے کون کفر کرتا ہے اور کون ایمان لاتا ہے۔ اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے) چنانچہ آپ نے صحابہ کو اس خواب کی خبر دی جس سے ان کے دل خوب قوی ہو گئے (اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو وہ لوگ زیادہ کر کے دکھا دیتے) اور آپ اسی کے مطابق صحابہ سے فرما دیتے (تو) اے ہمارے رسول کے صحابہؓ (تمہاری ہمتیں ہار جاتیں اور) لڑائی کے (اس معاملہ میں تم میں باہم نزاع) اور اختلاف (ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے) اس کم ہمتی اور اختلاف سے تم کو (بچا لیا بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے) اس کو معلوم تھا کہ اس طرح ضعف پیدا ہو گا اور اس طرح قوت، اس لئے ایسی تدبیر کی۔ (اور) صرف خواب ہی میں آپ کو کم دکھلانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکمت کی تکمیل کے لئے بیداری میں مقابلہ کے وقت مسلمانوں کی نظر میں بھی کفار کم دکھائے جیسا کہ کفار کی نظر میں مسلمان کم دکھائے جو کہ واقع کے مطابق بھی تھا چنانچہ فرماتے ہیں کہ (اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ تمہیں جب کہ تم مقابل ہوئے ان لوگوں کو تمہاری نظر میں کم کر کے دکھلا رہے تھے اور) اسی طرح (ان کی نگاہ میں تم کو کم کر کے دکھلا رہے تھے تا کہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے) جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ الخ (اور سب مقدمے خدا ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے) وہ مرنے والے یعنی گمراہ کو اور جینے والے یعنی ہدایت یافتہ کو سزا و جزا دیں گے۔

دوسرا حکم: مواقع قتال کے ظاہری و باطنی آداب

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ
دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب مقابل ہو تم کسی جماعت کے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم کامیابی پاؤ۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ جھگڑو آپس میں کہ کہیں ہمت ہار بیٹھو اور جاتی رہے تمہاری ہوا اور صبر کرو، بیشک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ مانند ان کے جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور دکھانے کو لوگوں کے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے، اور اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو جب تم کو) کفار کی (کسی جماعت سے) جہاد میں (مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو) ان آداب کا لحاظ رکھو۔ ایک یہ کہ (ثابت قدم رہو) بھاگو مت۔ (اور) دوسرے یہ کہ (اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو) کہ ذکر سے قلب میں قوت بھی پیدا ہوتی ہے اس طرح سے (امید ہے کہ تم) مقابلہ میں (کامیاب ہو) کیونکہ ثبات قدم اور ثبات قلب جب جمع ہوں تو کامیابی غالب ہے (اور) تیسرے یہ کہ جنگ سے متعلق تمام امور میں (اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت) کا لحاظ (کیا کرو) کہ کوئی کارروائی خلاف شرع نہ ہو (اور) چوتھے یہ کہ اپنے امام سے بھی اور باہم بھی (نزاع مت کرو ورنہ) باہمی نا اتفاقی سے (کم ہمت ہو جاؤ گے) کیونکہ اس سے قوتیں منتشر ہو جائیں گی ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ ہوگا اور اکیلا آدمی کیا کر سکتا ہے (اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) یعنی تمہارا رعب جاتا رہے گا کیونکہ دوسروں کو تمہاری نا اتفاقی کی اطلاع ہونے سے یہ بات لازمی ہے (اور) پانچویں یہ کہ اگر کوئی امر ناگواری کا پیش آئے تو اس پر (صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) اور معیت الٰہی موجب نصرت ہے (اور) چھٹے یہ کہ جہاد عظیم عبادت ہے اور عبادت میں دکھلاوا یا اترانا ہو تو وہ قبول نہیں ہوتی لہٰذا تم اپنی نیت خالص رکھو تفاخر اور نمائش میں (ان) کافر (لوگوں کے مشابہ مت ہونا کہ جو) اسی واقعہ بدر میں (اپنے گھروں سے) بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ (اتراتے ہوئے اور لوگوں کو) اپنی شان و سامان دکھلاتے ہوئے نکلے اور) اس فخر و ریا کے ساتھ

یہ بھی نیت تھی کہ (لوگوں کو اللہ کے رستہ) یعنی دین (سے روکتے تھے) کیونکہ مسلمانوں کو زک دینے چلے تھے جس کا اثر عام لوگوں پر یہ پڑتا کہ وہ دین سے دور ہوتے (اور اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کو پوری سزا دے گا چنانچہ وہ (ان کے اعمال کو) اپنے علم کے (احاطہ میں لئے ہوئے ہے)۔

ربط: ابھی تو کفار کے تکبر و ریاء کا ذکر ہوا تو آگے اس کی علت اور اس کا ضعف ذکر کرتے ہیں۔ وہ علت یہ تھی کہ شیطان نے کفر کے اعمال اور حق کے ساتھ عداوت کو خوشنما کر کے دکھلایا۔ یہ قصہ اس طرح ہوا تھا کہ قریش اور بنی کنانہ میں کچھ رنجش چلی آتی تھی۔ جب کفار قریش مکہ سے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے چلنے لگے تو بنی کنانہ کی طرف سے کچھ اندیشہ ہوا اور جانے میں پس و پیش کرنے لگے۔ اس وقت ابلیس بنی کنانہ کے سردار سراقہ کی صورت میں ظاہر ہوا اور کہا کہ تم اندیشہ نہ کرو میں بنی کنانہ کی طرف سے ذمہ دار ہوں۔ سب یہی سمجھے کہ یہ سراقہ ہے لہذا سب اطمینان کے ساتھ بدر میں پہنچے۔ جب لڑائی کا وقت آیا اور فرشتے نازل ہونے شروع ہوئے اس وقت اس کا ہاتھ حارث یعنی ابوجہل کے ہاتھ میں تھا چھڑا کر بھاگا۔ حارث نے پوچھا تو جواب دیا اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ الخ. لوگوں میں سراقہ کی بدنامی کا چرچا ہوا تو اصل سراقہ نے سن کر قسم کھائی کہ مجھ کو کچھ خبر نہیں۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ
اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ
جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ
اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ
وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸ۧ

ترجمہ: اور جس وقت خوشنما کر دیا ان (کافروں) کے لئے شیطان نے ان کے اعمال کو اور کہا نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر آج لوگوں میں سے اور بے شک میں حمایتی ہوں تمہارا۔ پھر جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں تو وہ شیطان الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا بلاشبہ میں بری ہوں تم سے۔ بے شک میں دیکھتا ہوں جو نہیں تم دیکھتے۔ بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

تفسیر: (اور اس وقت کا ان سے ذکر کیجئے جب کہ شیطان نے ان) کفار (کو) بذریعہ وسوسہ (ان کے) کفریہ (اعمال) یعنی رسول اللہ ﷺ کی عداوت و مخالفت (خوشنما کر کے دکھلائے)

کہ انہوں نے ان باتوں کو اچھا سمجھا (اور) وسوسہ سے بڑھ کر یہ کیا کہ سراقہ کی انسانی صورت میں آ کر بالمشافہ ان سے (کہا کہ) تم کو وہ قوت وشوکت حاصل ہے کہ تمہارے مخالف (لوگوں میں سے آج کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں) نہ بیرونی دشمنوں سے ڈرو اور نہ اندرونی دشمنوں یعنی کنانہ سے اندیشہ کرو (پھر جب دونوں جماعتیں) کفار اور مسلمانوں کی (ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئیں) اور اس نے فرشتوں کو اترتے دیکھا (تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور) جب ابوجہل نے کہا سراقہ عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو تو (یہ کہا کہ میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں) میں حامی وغیرہ کچھ نہیں بنتا کیونکہ (میں ان چیزوں) یعنی فرشتوں (کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتیں میں تو خدا سے ڈرتا ہوں) کہ کہیں کسی فرشتہ سے دنیا ہی میں تکلیف نہ دلوا دے (اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں)۔

فائدہ: شیطان کا یہ ڈرنا محض اس وجہ سے تھا کہ کہیں فرشتوں کے ہاتھوں کسی مصیبت و تکلیف میں نہ پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ سے وہ ڈر جو نجات کا ذریعہ ہے اس وقت معتبر ہوتا ہے جب اس کے ساتھ صحیح ایمان بھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تکبر نہ ہو۔

ربط: شیطان کے وسوسہ کی وجہ سے کفار تکبر میں مبتلا تھے جس کو لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کو حماقت پر سمجھتے تھے لیکن ان کی دونوں ہی باتیں غلط ثابت ہوئیں۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، دھوکہ میں ڈالا ان (مسلمانوں) کو ان کے دین نے۔ اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے کہ جب) مدینہ کے (منافقین اور) مکہ کے وہ لوگ (جن کے دلوں میں) شک کی (بیماری تھی) مسلمانوں کا بے سروسامانی کے ساتھ کفار کے مقابلہ میں آنے کو دیکھ کر (یوں کہتے تھے کہ ان) مسلمان (لوگوں کو ان کے دین نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) کہ اپنے دین کے حق ہونے کے بھروسے ایسے خطرہ میں آ پڑے اور حماقت کا ارتکاب کرنے لگے۔ اللہ

جواب دیتے ہیں کہ یہ حماقت اور دھوکہ نہیں بلکہ اللہ پر توکل اور بھروسہ ہے (اور جو شخص اللہ) کی زبردست قدرت پر اعتماد اور یقین رکھتے ہوئے اس (پر بھروسہ کرتا ہے تو) وہ بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے اور اکثر غالب ہی آتا ہے کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) اس لئے اپنے اوپر بھروسہ کرنے والے کو غالب کر دیتے ہیں اور کبھی ایسا شخص مغلوب ہو جائے تو اس میں کچھ مصلحت ہوتی ہے کیونکہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں)۔ غرض ظاہری سامان و بے سامانی پر غلبہ کا مدار نہیں بلکہ اس کا مدار تو اللہ تعالیٰ پر ہے جو ہر طرح کی قدرت والے ہیں۔

ربط: کفار کی مذکورہ بالا دونوں باتیں غلط ثابت ہوئیں اور غالب ہونے کے بجائے دنیا میں مغلوب ہوئے۔ اس سزا پر بس نہیں بلکہ برزخی اور اخروی عذاب میں بھی مبتلا ہوں گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ
كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً
اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ
وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے، مارتے ہیں ان کے چہروں کو اور ان کی پشتوں کو اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلانے والا۔ یہ (عذاب) بوجہ اس کے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔ (ان کی حالت) مانند حالت آل فرعون کی (ہے) اور ان لوگوں کی (ہے) جو ان

سے پہلے تھے (کہ) انکار کیا اللہ کی آیتوں کا تو پکڑا ان کو اللہ نے بسبب انکے گناہوں کے۔
بے شک اللہ زور آور ہے سخت عذاب والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ نہیں ہے بدلنے والا
نعمت کو انعام کی اس نے جو کسی قوم پر یہاں تک کہ وہ بدل ڈالیں (وہ اعمال) جو ان کے اپنے
ساتھ ہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ (ان کی حالت) مانند حالت آل فرعون کی
(ہے) اور ان لوگوں کی (ہے) جو ان سے پہلے ہوئے کہ جھٹلائیں انہوں نے اپنے رب کی
آیتیں تو ہلاک کیا ہم نے ان کو بوجہ ان کے گناہوں کے اور غرق کیا ہم نے آل فرعون کو اور
(وہ) سارے تھے ظالم۔

تفسیر: (اور اگر آپ) اس وقت کا واقعہ (دیکھیں) تو عجیب واقعہ نظر آئے (جب کہ فرشتے ان) موجودہ (کافروں کی جان قبض کرتے جاتے ہیں) اور (ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ) ابھی کیا ہے آگے چل کر (آگ کی سزا بھگتنا) اور (یہ عذاب ان اعمال) کفریہ (کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں) سو اللہ تعالیٰ نے بلا جرم سزا نہیں دی پس (ان کی حالت) اس بارے میں کہ کفر پر سزا یاب ہوئے (ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے) کافر (لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا سو خدا تعالیٰ نے ان کے) ان (گناہوں پر ان کو) عذاب میں (پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والے سخت سزا دینے والے ہیں) کہ ان کے مقابلہ میں کوئی ایسی قوت نہیں کہ ان کے عذاب کو ہٹا سکے اور (یہ بات) کہ بلا جرم ہم سزا نہیں دیتے (اس سبب سے ہے) کہ ہمارا ایک ضابطہ مقرر ہے اور بلا جرم سزا نہ دینا اسی ضابطہ کی ایک فرع ہے۔ اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور یہ امر ثابت ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے جاننے والے ہیں) پس وہ تغیر قولی کو سنتے ہیں تغیر فعلی کو جانتے ہیں۔ سو ان موجودہ کفار نے اپنی یہ حالت بدلی کہ ان میں کفر کے باوجود شروع میں ایمان لانے کی استعداد قوی تھی لیکن انکار و مخالفت کر کر کے اس کو کمزور کر ڈالا اور ہماری دی ہوئی داخلی اور خارجی نعمتوں کو ہمارے بتائے ہوئے مواقع میں خرچ کرنے کے بجائے ہماری مخالفت میں صرف کیا لہٰذا ہم نے ان کو مہلت اور اس کے علاوہ جو جو نعمتیں دے رکھی تھیں ان کو گرفت اور عذاب سے بدل دیا۔ اور اس تبدیلی میں بھی (ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والوں کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا اس پر ہم نے ان کو ان کے) ان (گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور) ان میں (فرعون والوں کو) خاص طور

پر ہلاک کیا کہ ان کو (غرق کر دیا اور وہ) فرعون والے اور پہلے والے (سب ظالم تھے) کہ ہم سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کئے۔

تیسرا حکم: دوسری قوم کے ساتھ عہد کیا ہو تو اس کے احکام

اس کا سبب نزول یہود کے بنو قریظہ کی عہد شکنی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے مخالفین کو مدد نہ دیں گے اور پھر غزوہ احزاب میں مشرکین کو مدد دی۔ اور بھی چند مرتبہ ایسا ہو چکا تھا ہر مرتبہ کہہ دیتے تھے کہ ہم بھول گئے پھر دوبارہ عہد کرتے اور پھر عہد شکنی کرتے اس پر ان آیتوں میں آپ کو ان سے قتال کا حکم ہوا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَلَّذِيْنَ عَاهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ
عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ
فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى
سَوَآءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بے شک بدتر سب جانداروں میں اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا پھر وہ نہیں ایمان لاتے۔ وہ لوگ معاہدہ کیا تو نے جن سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنے عہد کو ہر مرتبہ میں اور وہ نہیں ڈرتے۔ سو اگر تو قابو پائے ان پر لڑائی میں تو (ان کو ایسی سزا دے کہ) منتشر کر دے ان کے ذریعہ سے ان کو جو ان کے پیچھے ہیں تا کہ وہ سمجھ جائیں۔ اور اگر تو خوف کرے کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دے ان کی طرف (ان کا عہد اس طرح سے کہ تم اور وہ ہو جائیں) برابری پر۔ بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا خیانت کرنے والوں کو۔

تفسیر: (بلاشبہ بدترین خلائق اللہ کے نزدیک یہ کافر لوگ ہیں) جو انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں۔ جب یہ علم الٰہی میں ایسے ہیں (تو یہ ایمان نہ لائیں گے جن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ ان سے) کئی بار (عہد لے چکے ہیں) مگر (پھر) بھی (وہ ہر بار اپنا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور وہ) عہد شکنی سے (ڈرتے نہیں سو اگر آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو

پائیں) اور یہ آپ کے ہاتھ آئیں (تو ان) پر حملہ کر کے اس (کے ذریعہ سے اور لوگوں کو جو کہ ان کے علاوہ ہیں منتشر کر دیجئے تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں) کہ عہد توڑنے کا یہ وبال ہوا اور ہم ایسا نہ کریں۔ یہ حکم تو اس وقت ہے کہ جب ان لوگوں نے عہد اعلانیہ توڑ دیا ہو (اور اگر) ابھی تک اعلانیہ تو نہیں توڑا لیکن (آپ کو کسی قوم سے خیانت) یعنی عہد شکنی (کا اندیشہ ہو تو) اجازت ہے کہ (آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیجئے) یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجئے (کہ آپ اور وہ) اس اطلاع میں (برابر ہو جائیں) اور ایسی صاف اطلاع کے بغیر لڑنا خیانت ہے اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔

فائدہ: یہاں لَا یُؤْمِنُوْنَ فرمانا ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جو علم الٰہی میں عمر بھر کافر رہنے والے تھے۔

ربط: مسلمانوں کی طرف سے عہد واپس کرنے کا جو حکم اوپر ذکر ہوا ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی خیال کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت اور عہد شکنی جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد اپنے بچاؤ کا اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا پورا موقع ملے گا۔ اس کا جواب دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو جب خدا چاہے گا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں تم کو دنیا میں مغلوب و رسوا کرے اور دنیا و آخرت میں سزا دے تو تم کسی بھی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے اور نہ ہی اس کی قدرت و تسلط کے احاطہ سے بھاگ سکو گے۔ اس مضمون سے مسلمانوں کو بھی تسلی دی کہ تم خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کو پورا کرو تو سب پر غالب رہو گے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اور نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے، یقیناً وہ عاجز نہیں کر سکتے (اللہ کو)۔

تفسیر: (اور کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے یقیناً وہ لوگ) خدا تعالیٰ کو (عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے ہاتھ نہ آئیں۔ یا تو دنیا ہی میں مبتلائے عقوبت کر دے گا ورنہ آخرت میں تو یقینی ہے۔

چوتھا حکم: سامان جنگ کی تیاری

پیچھے جو بار بار اللہ پر بھروسہ کا ذکر ہوا تو آگے بتاتے ہیں کہ خدا پر بھروسہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ضروری اسباب کو ترک کر دیں بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک قدرت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور تیار رکھو کافروں (سے مقابلہ) کے لئے جو تم کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے۔ تم رعب جمائے رکھو اس کے ذریعہ اللہ کے دشمن پر اور اپنے دشمن پر اور دوسروں پر ان کے علاوہ۔ نہیں جانتے تم ان کو (بلکہ) اللہ جانتا ہے ان کو۔ اور جو خرچ کرو تم کچھ بھی اللہ کے رستے میں پورا دیا جائے گا تم کو اور تم نہ کئے جاؤ گے ظلم۔

تفسیر: (اور ان کافروں سے) مقابلہ کرنے (کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے قوت سے) یعنی اپنے اپنے زمانے کے ہتھیار سے اور ان کے استعمال کی مشق سے اور جسمانی ورزش سے (اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو کہ اس) سامان (کے ذریعہ سے تم) اپنا (رعب جمائے رکھو ان پر جو کہ) کفر کی وجہ سے (اللہ کے دشمن ہیں اور) تمہاری فکر میں رہنے کی وجہ سے (تمہارے دشمن ہیں) جن سے شب و روز تم کو سابقہ پڑتا رہتا ہے (اور ان کے علاوہ دوسرے کافر (وں پر بھی) رعب جمائے رکھو (جن کو تم) تعین کے ساتھ (نہیں جانتے) بلکہ (ان کو اللہ ہی جانتا ہے) جیسے روم اور ایران کے کفار وغیرہ جن سے اس وقت سابقہ نہیں پڑا مگر صحابہ کا ساز و سامان و فن سپہ گری اپنے وقت میں ان کے مقابلہ میں بھی کام آیا اور ان پر بھی رعب جما، بعض مقابل ہو کر مغلوب ہوئے بعض نے جزیہ قبول کیا کہ یہ بھی رعب کا اثر ہے (اور اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (جو کچھ بھی خرچ کرو گے) جس میں وہ خرچ بھی آ گیا جو جنگی سامان درست کرنے میں کیا جائے (وہ) یعنی اس کا ثواب (تم کو) آخرت میں (پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے لئے) اس میں (کچھ کمی نہ ہو گی)

فائدہ: حدیثوں میں تیر اندازی کی مشق اور گھوڑوں کے رکھنے اور سواری سیکھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ باقی گھوڑے کی نسبت بھی نبی علیہ السلام نے خود فرمایا ہے **اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ** کہ قیامت کے دن تک کے لئے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے

پانچواں حکم: جنگ کی تیاری کے باوجود اگر کبھی کافروں کی طرف سے صلح کی درخواست ہو تو اس کے احکام

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى
اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦١﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ
فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾
وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۚ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا
مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّهُ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ﴿٦٣﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو (بھی) جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر، بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اور اگر وہ چاہیں کہ دھوکہ دیں تجھ کو تو بے شک کافی ہے تجھ کو اللہ، اسی نے تائید کی تیری اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے اور الفت ڈالی درمیان ان کے دلوں کے، اگر خرچ کرتا تو جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا درمیان ان کے دلوں کے ولیکن اللہ نے الفت ڈالی ان کے درمیان، بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا۔ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جنہوں نے پیروی کی تیری مسلمانوں میں سے۔

تفسیر: (اور اگر وہ) کفار (صلح کی طرف جھکیں تو آپ) کو (بھی) اجازت ہے کہ اگر اس میں مصلحت دیکھیں تو (اس طرف جھک جائیے کیونکہ جہاد سے خونریزی نہیں اعلائے کلمۃ اللہ اور رفع فساد اور کفر کی شوکت کا توڑ مقصود ہے۔ اگر خونریزی کے بغیر یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خون بہانے کی کیا حاجت ہے (اور) اگر باوجود مصلحت کے یہ احتمال ہو کہ یہ کہیں ان کی چال نہ ہو تو (اللہ پر بھروسہ رکھئے) ایسے احتمالوں سے اندیشہ نہ کیجئے (بلاشبہ وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے) ان کے اقوال اور احوال کو سنتا جانتا ہے ان کا خود انتظام کر دے گا (اور اگر) واقع میں وہ احتمال صحیح ہو اور (وہ لوگ) سچ مچ صلح سے (آپ کو دھوکا دینا چاہیں) اور بظاہر صلح کر کے دغا بازی کرنا چاہیں (تو اللہ تعالیٰ آپ) کی مدد اور حفاظت کرنے (کے لئے کافی ہیں) جیسا کہ اس کے قبل بھی آپ کی کفایت فرماتے تھے چنانچہ (وہی ہے جس نے آپ کو اپنی) غیبی (امداد) یعنی فرشتوں (سے اور) ظاہری امداد یعنی (مسلمانوں سے قوت دی)۔

(اور) مسلمانوں کو ذریعہ امداد بنانے کے لئے (ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا) کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر باہم اتفاق نہ ہو تو کوئی بھی کام خواہ وہ دین کی نصرت ہی ہو مل کر نہیں کر سکتے۔ جب کہ

اسلام سے پہلے ان میں خصوصاً مدینہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں حب تفوق اور باہمی بغض و عداوت کی وجہ سے اتفاق ایسا دشوار تھا کہ (اگر آپ) باوجودیکہ عقل و تدبیر بھی کامل رکھتے ہیں اور سامان بھی اس کے لئے آپ کے پاس کافی ہوتا یہاں تک کہ (دنیا بھر کا مال) اس کام کے لئے (خرچ کرتے تب بھی ان کے قلوب میں اتفاق پیدا نہ کر سکتے لیکن) یہ (اللہ ہی) کا کام تھا کہ اس (نے) ان میں سے ہر ایک میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور توحید و سنت کی شیفتگی پیدا کر کے (ان میں باہم اتفاق پیدا کر دیا بیشک وہ زبردست ہیں) کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور (حکمت والے ہیں) کہ جس طریقے سے مناسب جانیں اس کام کو کر دیں اور جب اللہ تعالیٰ کا اپنی غیبی امداد اور مؤمنین سے آپ کی نصرت فرمانا معلوم ہو گیا تو (اے نبی) اس سے ثابت ہو گیا کہ (آپ کے لئے) حقیقت میں (اللہ کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے) ظاہراً (وہ کافی ہیں)۔

چھٹا حکم: کافر اگر مسلمانوں سے دوگنے تک ہوں تو مسلمانوں کو مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: اے نبی ابھار مسلمانوں کو لڑائی پر۔ اگر ہوں تم میں سے بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص تو غالب ہوں گے ہزار پر کافروں میں سے اس وجہ سے کہ وہ لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ اب ہلکا کر دیا (بوجھ) اللہ نے تم سے اور جانا کہ تم میں کمزوری ہے، سو اگر ہوں تم میں سے سو شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے ہزار تو غالب ہوں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے۔

تفسیر: (اے پیغمبر) صلی اللہ علیہ وسلم (آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے) اور اس کے متعلق یہ

قانون سنا دیجئے کہ (اگر تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو) اپنے سے دس گنا عدد پر یعنی (دو سو پر غالب آ جائیں گے اور) اسی طرح (اگر تم میں سو آدمی ہوں گے تو ہزار کفار پر غالب آ جائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو) دین کو (کچھ نہیں سمجھتے) اور اس وجہ سے کفر پر مصر ہیں اور اس سبب سے ان کو غیبی امداد نہیں پہنچتی اور یوں وہ مغلوب ہو جاتے ہیں پس تم پر واجب ہے کہ اپنے سے دس گنا کے مقابلہ سے بھی پسپا نہ ہو۔ پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا جب صحابہؓ پر شاق ہوا تو نبی ﷺ سے عرض کیا۔ ایک مدت کے بعد یہ دوسری آیت جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا نازل ہوئی یعنی (اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو) یہ حکم دیا جاتا ہے کہ (اگر تم میں سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو) اپنے سے دو گنا عدد پر یعنی (دو سو پر غالب آ جائیں گے اور) اسی طرح (اگر تم میں ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آ جائیں گے اور) ہم نے جو صابر کی قید لگائی تو اس لئے کہ (اللہ تعالیٰ صابرین) یعنی جو دل اور قدم سے ثابت رہیں ان (کے ساتھ ہیں) یعنی ان کی مدد کرتے ہیں۔

فائدہ: 1- اگرچہ یہاں الفاظ خبر کے ہیں کہ اتنے آدمیوں پر اتنے غالب آ جائیں گے لیکن مقصود خبر نہیں بلکہ انشاء اور امر ہے یعنی ثابت قدم رہو غرض ثابت قدمی واجب ہے اور فرار حرام ہے اور خبر سے تعبیر کرنے میں مبالغہ و تاکید مراد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے غلبہ کی خبر یقینی ہونے پر ثابت قدمی واجب ہے اسی طرح اب جب کہ ایک اور دو کی نسبت ہے ثابت قدمی واجب ہے۔

2- ضعف کی وجہ یہ ہے کہ یہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب کام کرنے والے کم ہوتے ہیں اور کام ضروری سمجھا جاتا ہے تو اس وقت زیادہ ہمت ہوتی ہے ہر شخص جانتا ہے کہ میرے کرنے سے ہی ہو گا اور جب کام کرنے والے بڑھ جاتے ہیں تو بہت سے لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ صرف مجھ پر تو منحصر نہیں اور بھی تو کام کرنے والے ہیں اس لئے جوش میں کمی آ جاتی ہے۔ اسی لئے ابتدائے اسلام میں مثلاً بدر میں ہمت کی حالت اور تھی اور جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو طبیعت اور ہمت کا رنگ بدل گیا۔ یہ ایک امر طبعی ہے لہٰذا صحابہ پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کے باطنی اوصاف و کمالات تو روزانہ روبہ ترقی تھے جب کہ اس حکم سے انحطاط کا شبہ ہوتا ہے۔

2- مسلمان اگر کبھی دو گنے سے زیادہ پر حملہ کر دیں تو یہ منع نہیں بلکہ اس میں اور زیادہ اجر ہے۔ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔

ساتواں حکم: **جنگی قیدیوں کا جنگ بدر کے قیدیوں کے ضمن میں حکم بیان فرماتے**

ہیں اور ان سے فدیہ لینے کی حیثیت بھی بیان فرماتے ہیں۔

اس کا قصہ یوں پیش آیا کہ جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں تھیں (1) قتل کر دینا (2) فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملہ میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد ہمارے دست و بازو بنیں اور جو مال فدیہ میں ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا ہو۔ نبی ﷺ کا میلان بھی فطری رحم دلی اور شفقت وصلہ رحمی کی وجہ سے اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان وجوہ کی بنا پر جو حضرت ابوبکر نے بیان فرمائیں اور بعض لوگ محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر وشرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی، آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا، اور خدا کے سامنے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت وبغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز وقریب ہو وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ غرض بحث کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل ہوا کیونکہ اسی طرف کثرت رائے بھی تھی اور خود نبی ﷺ طبعی نرمی کی وجہ سے اسی طرح مائل تھے اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے درست معلوم ہوتی تھی۔

لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گزر رہا تھا ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصلحتوں کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے ساتھ کمر توڑ کارروائی کی جائے تا کہ یہ دوبارہ کھڑے ہی نہ ہو سکیں۔ ظالم مشرکوں پر ایک مرتبہ رعب اور ہیبت بٹھا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لئے آئندہ بہت مواقع مل جاتے۔ غرض نرمی اختیار کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ مشرکین اپنی قوت اکٹھی کر کے اگلے ہی سال جنگ احد کے لئے آدھمکے اور مسلمانوں کا اس میں بڑا نقصان ہوا۔

جس رائے پر عمل ہوا اگر چہ وہ فی نفسہ غلط نہیں تھی لیکن وقت کے اصل تقاضوں کے مطابق بھی نہ تھی۔ اس لئے اگر چہ مسلمانوں کو وہ رائے ترک کرنے کا حکم تو نہیں دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے غیر اولیٰ رائے اختیار کرنے پر عتاب فرمایا۔ لیکن ایک تو اس وجہ سے کہ اہل بدر کی سب اگلی پچھلی خطاؤں د

معاف کیا جا چکا تھا اور دوسرے یہ خطا بھی اجتہادی تھی اس لئے سزا نہیں دی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص دکاندار ہو۔ اس کا لڑکا بھی دکان پر بیٹھتا ہو۔ باپ دیکھتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے گاہک بھی ہیں اور ایک گاہک ایسا بھی ہے جو شکل وصورت سے بڑی اسامی نظر آتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ہزاروں کا سودا لے گا۔ لڑکا چھوٹے گاہکوں پر زیادہ وقت دیتا ہے اور بڑے گاہک کی طرف التفات ہی نہیں کرتا جس کی وجہ سے بڑا گاہک وہاں سے چلا جاتا ہے۔ باپ کو لڑکے کی اس حرکت پر سخت غصہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اگرچہ چھوٹے گاہکوں کو دیکھنا غلط نہیں ہے لیکن وقت کی مصلحت کو نظر انداز کرنے پر تمہیں یہ سخت سزا ہونی چاہئے۔ البتہ تمہاری وفاداری اور محنت وقربانی کو دیکھ کر سزا چھوڑتا ہوں۔

اور جن لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس رائے سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا سے خطاب کیا گیا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: نہیں ہے (لائق) نبی کے لئے کہ ہوں اس کے قیدی یہاں تک کہ خوب خونریزی کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ چاہتا ہے آخرت کو۔ اور اللہ زور آور حکمت والا ہے۔ اگر نہ ہوتی لکھی ہوئی بات اللہ کی جانب سے جو پہلے ہو چکی تو ضرور پہنچتا تم کو اس میں جو تم نے اختیار کیا عذاب بڑا۔

تفسیر: اے مسلمانو! تم نے نبی ﷺ کو جو ان قیدیوں سے کچھ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا یہ بے جا تھا کیونکہ (نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قیدی باقی رہیں) بلکہ وہ تو قتل کر دیئے جائیں (جب تک کہ وہ) نبی (زمین میں اچھی طرح) کفار کی (خونریزی نہ کرلیں) کیونکہ جہاد کی مشروعیت سے اصلی غرض دفع فساد ہے اور اس حد تک خونریزی کے بغیر کہ جس میں کفار کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے دفع فساد ممکن نہیں لہٰذا اس مرحلہ سے پہلے قیدیوں کو زندہ چھوڑ دینا آپ کی شان اصلاح کے مناسب نہیں۔ البتہ جب ایسا مرحلہ حاصل ہو جائے پھر قتل ضروری نہیں بلکہ اور صورتیں بھی مشروع ہیں۔ پس اے مسلمانو تم نے اس موقع پر ایسی نامناسب رائے نبی ﷺ کو کیوں دی (تم تو

دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو) اس لئے فدیہ کی رائے دی (اور اللہ تعالیٰ آخرت) کی مصلحت (کو چاہتے ہیں) اور وہ اس میں ہے کہ کفار مغلوب ہو جائیں اور آزادی سے اسلام کا نور و ہدایت پھیلے اور بے روک ٹوک لوگ بکثرت مسلمان ہوں اور نجات پائیں (اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست ہیں) اور وہ تم کو فوراً کفار پر غالب کر سکتے تھے اور فتوحات کی کثرت سے تم کو مالدار کر سکتے تھے لیکن (وہ بڑی حکمت والے ہیں) اور ان کی حکمت ہی کے تقاضے سے اس میں دیر ہوتی ہے۔ لیکن جو فعل تم سے واقع ہوا ہے وہ ایسا ناپسندیدہ ہے کہ (اگر خدا تعالیٰ کا ایک نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا) وہ یہ کہ مجتہد کو اس کی اجتہادی خطا پر عذاب نہیں ہوگا (تو جو امر تم نے اختیار کیا ہے اس کے بارے میں تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہوتی)۔

آٹھواں حکم: پچھلے عتاب اور تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ قیدیوں کے فدیہ میں جو مال لیا ہے اسے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہئے۔ آگے تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے خوشی سے کھاؤ ہاں مال وغیرہ کو اتنی اہمیت دینا نہیں چاہئے کہ بلند مقاصد اور مصالح کلیہ نظر انداز ہو جائیں۔

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٦٩﴾

ترجمہ: سو کھاؤ اس میں سے جو غنیمت میں حاصل کیا تم نے حلال پاک اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر: (سو جو کچھ تم نے) ان سے فدیہ میں (لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ آئندہ ہر طرح کی احتیاط رکھو (بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑی رحمت والے ہیں) کہ تمہارا گناہ بھی معاف کر دیا یہ مغفرت ہے اور فدیہ بھی حلال کر دیا یہ رحمت ہے۔

ربط: بعض قیدی فدیہ دینے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ انہوں نے آپ سے فدیہ دینے کی وجہ سے مفلس ہو جانے کی شکایت کی اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝۷۰ وَاِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ فَقَدۡ خَانُوا اللّٰہَ مِنۡ قَبۡلُ فَاَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ۝۷۱

ترجمہ: اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ ہے بخشنے والا رحم کرنے والا۔ اور اگر وہ چاہیں گے خیانت کرنا تجھ سے سو وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے پکڑوا دیا ان کو اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں) ان میں جو مسلمان ہو گئے ہیں (آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے قلب میں ایمان معلوم ہوگا) یعنی اگر تم دل سے مسلمان ہوئے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم تو واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمان اسی کو جانیں گے جو واقع میں مسلمان ہوگا اور جو شخص غیر مسلم ہوگا اس کو غیر مسلم ہی جانیں گے۔ پس اگر تم دل سے مسلمان ہو گے (تو جو کچھ تم سے) فدیہ میں (لیا گیا ہے) دنیا میں (اس سے بہتر تم کو دے دے گا اور) آخرت میں (تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے تم کو بخش دیں گے اور (بڑی رحمت والے ہیں) اس لئے تم کو نعم البدل دیں گے (اور اگر) بالفرض (یہ لوگ) صدق دل سے مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ اپنے اظہار اسلام سے محض آپ کو دھوکا ہی دینا چاہیں اور دل میں (آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا) یعنی عہد توڑ کے مخالفت و مقابلہ کا (ارادہ رکھتے ہوں تو) کچھ فکر نہ کیجئے اللہ تعالیٰ ان کو پھر آپ کے ہاتھوں میں گرفتار کرا دے گا جیسا (اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی) کہ فطری عہد الست کے خلاف کفر و شرک کو اختیار کیا اور آپ کی مخالفت کی اور آپ سے مقابلہ کیا (پھر اللہ نے ان کو) آپ کے ہاتھوں میں (گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں) کہ کون خیانت کرنے والا ہے اور (بڑی حکمت والے ہیں) اس لئے ایسی صورتیں پیدا کر دیتے ہیں جن سے خیانت کرنے والا مغلوب ہو جائے۔

فائدہ: اِنۡ یُّرِیۡدُوۡا خِیَانَتَکَ (اگر وہ آپ کے ساتھ خیانت کا ارادہ کریں) سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلمان ہونے والے قیدیوں کا ایمان مشکوک تھا بلکہ یہاں جملہ شرطیہ سے مقصود خیانت پر اَمۡکَنَ مِنۡہُمۡ یعنی گرفتار کرا دینے کو بطور نتیجہ بتانا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان پر خوب قدرت ہے۔ یہ اس لئے بتایا تا کہ آپ کو تسلی ہو جائے۔

نواں حکم: جنگ بدر کے قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر نبی ﷺ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور مجبوری سے کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ ان مسلمانوں کا کیا حکم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جتنے مسلمان نبی ﷺ کے ساتھ حاضر ہیں خواہ وہ مہاجرین ہوں یا انصار ہوں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ان میں سے کسی ایک کا موافق سب کا موافق اور کسی ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے اور آغاز ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم کیا تھا اس کے لحاظ سے کچھ عرصہ تک ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔

ان کے برخلاف جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالحرب میں رہے وہاں سے ہجرت نہ کی ان کے احکام یہ ہیں کہ:

(1) ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے کافروں کی کسی جماعت سے صلح کا معاہدہ کیا تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے بلکہ ان سے اگر مصلحت ہو تو جنگ کر سکتے ہیں۔

(2) ہاں اگر دارالحرب کے مسلمان کسی دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو جہاں تک ہو سکے مدد کرنا ضروری ہے۔

(3) مگر کافروں کی جس جماعت سے آزاد یعنی دارالاسلام کے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کے مقابلہ میں معاہدہ کی مدت تک دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔

(4) مہاجرین و انصار کے درمیان باہمی وراثت کا جو سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ

شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ
اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کے رستے میں اور جن لوگوں نے ٹھکانا دیا اور مدد کی وہ لوگ ان کے بعض رفیق ہیں (دوسرے) بعض کے۔ اور جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی نہیں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام یہاں تک کہ وہ ہجرت کر لیں۔ اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو لازم ہے تم پر (ان کی) مدد کرنا مگر بمقابلہ اس قوم کے کہ تمہارے درمیان اور اس کے درمیان معاہدہ ہے اور اللہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو (اس کو) دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ کافر ہیں ان کے بعض رفیق ہیں (دوسرے) بعض کے۔ اگر نہ تم عمل کرو گے اس (حکم) پر ہوگا (بڑا) فتنہ زمین میں اور بڑا فساد (ہوگا)۔

تفسیر: (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی اور اپنے مال اور جان سے اللہ کے راستہ میں جہاد بھی کیا) یہ لوگ وہ ہیں جو مہاجرین کہلائے (اور جن لوگوں نے) ان مہاجرین کو (رہنے کو جگہ دی اور) ان کی (مدد کی) اور یہ انصار کہلاتے تھے (یہ) دونوں قسم کے (لوگ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہوں گے) یعنی ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے ایک کا موافق سب کا موافق ہے اور ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے بلکہ آغاز ہجرت میں بھائی چارہ کے رشتہ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔

(اور جو لوگ ایمان تو لائے اور ہجرت نہیں کی تمہارا) یعنی دارالاسلام کے مسلمانوں کا (ان سے رفاقت کا کوئی تعلق نہیں) یعنی ان کی صلح و جنگ میں دارالاسلام کے رہنے والے مسلمان شریک نہیں (جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں) اور جب ہجرت کر لیں پھر وہ بھی دارالاسلام کے مسلمانوں کے حکم میں داخل ہو جائیں گے (اور) جب تک یہ دارالحرب میں ہیں گو ان سے تمہاری رفاقت نہ ہو لیکن (اگر وہ تم سے دین کے کام) یعنی کافروں سے لڑائی (میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمے) ان کی (مدد کرنا واجب ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں) صلح کا (باہمی معاہدہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں) پس ان کے مقررہ احکام میں خلل ڈال کر ان کی ناراضگی کے مستحق نہ ہونا (اور) جس طرح باہم تم میں رفاقت کا تعلق ہے اسی طرح (جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں) نہ تم ان کے رفیق نہ وہ تمہارے رفیق۔ (اگر اس) مذکورہ حکم (پر عمل نہ کرو

گے) یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ بنیں گے یا کمزور مسلمان ہجرت کر کے اپنے آپ کو دوسرے آزاد مسلمانوں کی رفاقت اور معیت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے۔ (تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا) جس کی صورت یہ ہوگی کہ کمزور مسلمان امن سے نہ رہ سکیں گے اور ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ مسلمان اور کافر علیحدہ علیحدہ ہیں اور یہ واضح کر کے کہ کافر سب ایک ہیں اور مسلمان بھی سب ایک ہیں اور ان کو ایک ہونا چاہئے اب یہ بتاتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ درجہ اور مرتبہ میں بھی ایک ہیں اور میراث جیسے شرعی حکم میں بھی سب یکساں ہیں بلکہ اس اعتبار سے تفاوت ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) ٹھکانا دیا اور (ان کی) مدد کی وہی ہیں مومن سچے۔ ان کے لئے مغفرت اور رزق ہے عزت والا۔ اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور ہجرت کی اور جہاد کیا تمہارے ساتھ تو وہ لوگ (بھی) تم (ہی) میں سے ہیں اور رشتہ دار (آپس میں) بعض زیادہ حقدار ہیں دوسرے بعض کے اللہ کے حکم میں۔ بلاشبہ اللہ ہر چیز سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر: (جو لوگ) اول (مسلمان ہوئے اور انہوں نے) ہجرت نبویہ کے زمانہ میں (ہجرت کی اور) اول ہی سے (اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے اور جن لوگوں نے) ان مہاجرین کو (اپنے یہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی یہ لوگ ہی مومن ہیں سچے) کہ ایمان و اسلام کے تقاضوں پر پورا پورا عمل کرتے ہیں (ان کے لئے) آخرت میں (بڑی مغفرت اور) جنت میں (بڑی معزز روزی) مقرر (ہے۔ اور جو لوگ) ہجرت نبویہ کے (بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا) یعنی کام تو سب کئے مگر بعد میں (سو یہ لوگ) گو فضیلت میں تمہارے برابر نہیں لیکن تاہم احکام کے اعتبار سے (تمہارے ہی شمار میں ہیں اور) ان احکام میں سے ایک یہ ہے کہ بعد

والے مہاجرین میں (جو لوگ) پہلے والے مہاجرین کے (رشتہ دار ہیں) گوفضل و رتبہ میں کم ہوں لیکن میراث کے اعتبار سے (کتاب اللہ) یعنی حکم شرعی (میں ایک دوسرے) کی میراث (کے) بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے (زیادہ حقدار ہیں) گو غیر رشتہ دار فضل و رتبہ میں زیادہ ہوں (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) اس لئے وہی جانتے ہیں کہ کس کا کس قدر حق ہونا چاہئے۔

سورۃ توبہ

ربط: سورہ انفال پوری کی پوری غزوہ بدر اور اس سے متعلقہ مضامین پر مشتمل تھی۔ یوم بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور مومنین و کافرین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر دیا۔ بدر کا معرکہ اسلام کی عالمگیر برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور اسلام کی بین الاقوامی حکومت کا دیباچہ تھا۔ اوپر مذکور **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ** کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف سورہ انفال کے خاتمہ پر **اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ** کہہ کر توجہ دلائی اس کا صریح تقاضا ہے کہ اس عالمگیر برادری کا کوئی طاقتور مرکز حسی طور پر بھی دنیا میں قائم ہو جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے علاوہ نہیں ہوسکتا۔ سورہ انفال کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ رہ رہے ہیں دارالاسلام کے مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہاں حسب استطاعت ان کے لئے دینی مدد بہم پہنچانی چاہئے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اخوت اسلامی کی کڑیوں کو مضبوطی سے جوڑنے کے لئے دو باتوں میں سے ایک ضرور ہونی چاہئے۔ یا تو تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آ جائیں اور اسلامی برادری میں بلا روک ٹوک شامل ہوں یا دارالاسلام کے مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر پورے جزیرۃ العرب کو خالص اسلامی مرکز بنا دیں تا کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ و فساد کی بیخ کنی ہوسکتی تھی اور مرکز اسلام کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف ہوسکتا تھا۔ اس مقصد کے لئے 2ھ میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھا جو متعدد غزوات کے مراحل طے کر کے آخر کار 8ھ میں

مستقر یعنی جزیرہ عرب کو فتنوں سے بالکل صاف کر دیا جائے تا کہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت پورا جزیرہ عرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اس لئے لازم ہوا کہ جزیرہ عرب میں خالص اسلامیت ہو اور کفار کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ اس کے لئے اعلان کیا گیا کہ ایک خاص مدت تک کافر یا تو مسلمان ہو جائیں یا جزیرہ عرب کو چھوڑ دیں۔

اس سورت میں جزیرہ عرب کو خالص اسلامی رنگ دینے کی تاریخ کے چند واقعات ذکر ہیں جن کی ابتدا اس سے ہے کہ 6 ھ میں نبی ﷺ نے عمرہ کا قصد کیا۔ قریش نے مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی۔ اس صلح کی مدت دس سال کی تھی۔ مکہ میں اور قبائل بھی تھے۔ تکمیل صلح کے وقت یہ بات قرار پائی کہ جس کا جی چاہے اس صلح میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے ساتھ ہو جائے چنانچہ بنی خزاعہ تو آپ کے ساتھ ہو گئے اور بنی بکر قریش کے ساتھ ہو گئے۔ سال بھر تک کوئی واقعہ پیش نہیں آیا اور 7 ھ میں صلح کی قرارداد کے مطابق رسول اللہ ﷺ مکہ تشریف لائے اور اس فوت شدہ عمرہ کی قضا کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد پانچ چھ ماہ گذرے تھے یعنی صلح کے وقت سے سترہ اٹھارہ مہینے ہوئے تھے کہ بنی بکر نے رات کے وقت اچانک خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے یہ سمجھ کر کہ اول تو رسول اللہ ﷺ بہت دور ہیں آپ کو کیا خبر ہو گی پھر رات کے وقت کون دیکھتا ہے یہ خیال کر کے بنی بکر کو ہتھیار وغیرہ بھی دیئے اور ان کے ہمراہ ہو کر خزاعہ سے لڑے بھی جس سے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو ان کی صلح تھی وہ ٹوٹ گئی۔ خزاعہ نے آپ کو اطلاع دی۔ آپ نے ایسے طور پر کہ قریش کو اطلاع نہ ہو لشکر کی تیاری کر کے 8 ھ میں ان پر چڑھائی کی اور مکہ فتح کر لیا اور قریش کے بہت سے سردار اس میں مسلمان بھی ہو گئے۔

جن جماعتوں کا اس سورت کے شروع میں ذکر ہے وہ چار تھیں۔

پہلی جماعت: قریش کی تھی جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔

فتح مکہ سے پہلے اس جماعت کے بارے میں یہ حکم دیا کہ جب تک یہ عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو جب یہ عہد توڑ دیں تم بھی لڑائی کرو۔ چونکہ انہوں نے خود عہد شکنی کی تھی اور اس لئے وہ کسی مہلت کے مستحق نہیں رہے تھے اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ ان سے فوراً اعلان جنگ کر دیا جاتا لیکن وہ زمانہ چونکہ حرمت والے مہینوں کا تھا اس لئے نزول براءت کے بعد ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا کہ جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو ان سے لڑائی کی اجازت ہے۔

دوسری جماعت: یہ بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج تھے جنہوں نے آپ سے معاہدہ کیا تھا اور نزول براءت کے وقت معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں نو ماہ باقی تھے۔ چونکہ انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی اس لئے ان کے بارے میں حکم نازل ہوا کہ ان کی مدت پوری کرو۔

تیسری جماعت: بعض دیگر قبائل جن سے بلا تعیین مدت معاہدہ ہوا تھا۔

چوتھی جماعت: بعض دیگر قبائل جن سے کچھ معاہدہ نہ ہوا تھا۔

تیسری اور چوتھی جماعت کا حکم ایک ہی ہے یعنی اعلان کے وقت سے چار ماہ کی مہلت ہے جہاں چاہیں چلے جائیں اس کے بعد قتل کے مستحق ہوں گے۔

دوسری جماعت کا حکم بھی نو ماہ گزرنے کے بعد اس تیسری چوتھی کا سا ہو جائے گا کہ ان کے لئے امان ختم ہو جائے گا۔

یہ سب احکام اس غرض سے تھے کہ سال بھر کے اندر یہ علاقہ کفار سے بالکل پاک ہو جائے۔ آپ ﷺ نے 9 ھ میں حج کی تاریخوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معرفت مکہ اور عرفات اور منیٰ میں اس کا اعلان کرا دیا کیونکہ وہاں قبائل عرب کا عام اجتماع تھا اور ان کے ذریعے سے تمام عرب میں اس کی شہرت ہو جانا لازمی تھا۔

تنبیہ: سورت انفال ہجرت نبوی کے بعد مدنی دور کے شروع کے زمانہ میں اور یہ سورت براءت مدنی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں فرما دیتے کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق جنہیں اب سورت توبہ یا سورت براءت کہا جاتا ہے آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جزء نہیں لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لئے بسم اللہ لکھواتے۔ سورت توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھوائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جدا سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور سورت انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا تا کہ نہ تو اس کا مستقل سورت ہونا ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا۔

باقی سورت انفال کے بعد متصل لانے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کے مضامین باہم اس قدر مربوط ہیں گویا سورہ توبہ کو سورت انفال کا تتمہ و تکملہ کہا جا سکتا ہے۔

رکوعاتہا ۱۶	سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ	آیاتہا ۱۲۹

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ ۝۱
فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ
مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىٓءٌ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۝۳ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا
اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۴
فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ
تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ
فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶ ع

ترجمہ: دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان لوگوں کی طرف جن سے عہد کیا تم نے مشرکین میں سے۔ سو چلو پھرو اس سرزمین میں چار مہینے اور جان لو یہ کہ تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو۔ اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کی طرف بڑے حج کے دن کہ اللہ دست بردار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول (بھی)۔ سو اگر تم توبہ کرو تو یہ بہتر ہے تمہارے لئے اور اگر تم

منہ موڑو تو جان لو کہ تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوشخبری دیدے کافروں کو دردناک عذاب کی۔ مگر وہ جن سے عہد کیا تم نے مشرکین میں سے پھر نہیں کمی کی انہوں نے (عہد پورا کرنے میں) تمہارے ساتھ کچھ بھی اور نہ مدد کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی تو پورا کرو تم ان کی طرف ان کے عہد کو ان کی مدت تک۔ بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے احتیاط والوں کو۔ پھر جب گذر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ تم ان کو اور پکڑو ان کو اور گھیرو ان کو اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات میں۔ پھر اگر وہ توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوۃ کو تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور اگر کوئی مشرکوں میں سے پناہ مانگے تجھ سے تو پناہ دے اس کو یہاں تک کہ وہ سن لے اللہ کا کلام پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ پر۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔

تفسیر: (اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے) مذکورہ بالا تیسری جماعت یعنی (ان مشرکین) کے عہد (سے دست برداری ہے جن سے تم نے) بلاتعیین مدت (عہد کر رکھا تھا) اور چوتھی جماعت یعنی جن سے کچھ بھی عہد نہ تھا ان کا بھی حکم اس سے بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گیا کیونکہ جب ان لوگوں سے امن کو ختم کیا جا رہا ہے جن سے معاہدہ تھا تو جن لوگوں سے کوئی معاہدہ ہی نہیں ان کے لئے امن کیوں رہے گا۔ (سو) ان دونوں جماعتوں کو اطلاع کر دو کہ تمہیں مہلت دی جاتی ہے کہ (تم لوگ اس سرزمین) عرب (میں چار مہینے چل پھر لو) اور اس مدت کے اندر یا تو مسلمان ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر ایمان و توحید کے مرکز کو اپنے وجود سے خالی کر دو یا جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ (اور) اس کے ساتھ (یہ) بھی (جان رکھو کہ) اگر تم اسلام نہ لائے تو (تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے) کہ اس کے قبضہ سے نکل سکو (اور یہ) بھی جان رکھو (کہ بے شک اللہ تعالیٰ) آخرت میں (کافروں کو رسوا کریں گے) یعنی عذاب دیں گے۔ اور دنیا میں قتل کئے جانے کا احتمال الگ رہا۔ لہٰذا توبہ کر کے اسلام قبول کر لو کہ اسی میں دنیا و آخرت کا بچاؤ ہے۔ (اور) مذکورہ بالا پہلی جماعت یعنی قریش جنہوں نے عہد شکنی کی تھی ان کا حکم یہ ہے کہ (اللہ اور رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں) کسی مہلت کے بغیر ابھی (دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین) کو امن دینے (سے) جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔ مگر (پھر) بھی ان سے کہا جاتا ہے کہ (اگر تم) کفر سے (توبہ کر لو تو تمہارے لئے) یہ دونوں جہان میں (بہتر ہے) دنیا میں تو اس لئے کہ تمہاری عہد شکنی معاف ہو جائے گی اور قتل سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں ظاہر ہے کہ نجات ہو گی۔ (اور اگر تم نے) اسلام سے (اعراض کیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کر سکو گے) کہ کہیں

نکل کر بھاگ جاؤ (اور) آگے خدا کو عاجز نہ کر سکنے کی تفسیر ہے کہ (ان کافروں کو ایک دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے) جو آخرت میں واقع ہوگی یہ تو یقینی ہے اور دنیا کی سزا کا احتمال الگ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر اعراض کرو گے تو سزا بھگتو گے (ہاں مگر وہ مشرکین) یعنی بنو کنانہ کے دو قبیلے اس دست برداری سے (مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے) عہد پورا کرنے میں (تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں) تمہارے (کسی) دشمن (کی مدد کی) اس سے مراد اوپر ذکر کی ہوئی دوسری جماعت ہے (سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت) مقررہ (تک پورا کر دو) اور بدعہدی نہ کرو کیونکہ (واقعی اللہ تعالیٰ) بدعہدی سے (احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں) پس اگر تم احتیاط رکھو گے تو تم بھی حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جاؤ گے۔ آگے پہلی جماعت کے حکم کا تتمہ ہے کہ جب ان کو کوئی مہلت نہیں تو گو ان سے ابھی فوری طور پر لڑائی کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن چونکہ ابھی محرم کے ختم تک حرمت والے مہینے لڑائی سے مانع ہیں (سو) ان کے گذرنے کا انتظار کر لو اور (جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو) اس وقت (ان مشرکین) کی پہلی جماعت (کو جہاں پاؤ مارو، پکڑو، باندھو اور داؤ گھات کے موقعوں میں ان کی تاک میں بیٹھو) یعنی لڑائی میں جو جو ہوتا ہے سب کی اجازت ہے۔ (پھر اگر) کفر سے (توبہ کر لیں اور) اسلام کے کام کرنے لگیں یعنی مثلاً (نماز پڑھنے لگیں اور زکوۃ دینے لگیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو) یعنی قتل و قید مت کرو کیونکہ (واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں) اس واسطے ایسے شخص کا کفر بخش دیا اور اس کی جان بچالی اور یہی حکم باقی جماعتوں کا ان کی میعادیں گذرنے کے بعد ہوگا۔

(اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص) امن کی میعاد کے ختم ہونے کے بعد جب کہ قتل مباح ہو جائے توبہ اور اسلام کے فوائد و برکات سن کر اس طرف راغب ہو اور اسلام کی حقیقت و حقیت کی تلاش کی غرض سے آپ کے پاس آ کر (آپ سے پناہ کا طالب ہو) تا کہ اطمینان سے سن سکے اور سمجھ سکے (تو) ایسی حالت میں (آپ اس کو پناہ دیجئے تا کہ وہ کلام الٰہی) یعنی دین کے دلائل (سن لے پھر اس کے بعد (اس کو اس کی امن کی جگہ میں پہنچا دیجئے) یعنی پہنچنے دیجئے تا کہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کر لے۔ اتنی پناہ دینے کا (یہ حکم اس سبب سے) دیا جاتا (ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ پوری خبر نہیں رکھتے) اس لئے قدرے مہلت دینا ضروری ہے۔

فوائد: 1- یہاں اسلام و اعراض کے حکم پر اکتفا کرنا اور جزیہ کا ذکر نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ کفار عرب کے لئے جزیہ کا اختیار (Option) نہیں ہے۔

2- اگرچہ اقامت صلوٰۃ وغیرہ قبول اسلام میں شرط نہیں لیکن یہ کنایہ ہے اظہار اسلام سے جس پر بندوں کے نزدیک احکام کا دارومدار ہے اور نماز قائم کرنے اور زکوۃ دینے کو بطور مثال ذکر کیا۔

3- براءت کی نسبت اللہ و رسول کی طرف کی حالانکہ عہد کی پاسداری اور اس کو ختم کرنے کا تعلق مسلمانوں سے ہے۔ یہ اس بناء پر ہے کہ عہد ختم کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کی زبانی فرض کر دیا گیا تھا اور صحابہ کے لئے اس میں اختیار نہ رہا تھا۔

4- حج اکبر کے مقابلہ میں حج اصغر ہوتا ہے جو عمرہ کو کہتے ہیں۔

ربط: پچھلی آیتوں میں جو دست برداری کا اعلان کیا گیا تھا آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ان مشرکین عرب سے نہ تو معاہدہ قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی ان سے صلح ہو سکتی ہے کیونکہ ان کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا بھی تم پر قابو پالیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا بالکل لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ تم سے زبانی عہد و پیمان کرنے کے باوجود وہ دل سے ایک منٹ کے لئے بھی اس عہد پر راضی نہیں اور ہر وقت عہد شکنی کے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

پھر بھی ان کے لئے اسلام کی دعوت موجود ہے۔ اگر یہ اسلام قبول کرلیں تو فبہا اور اگر کفر پر مصر رہیں اور عہد شکنی بھی کریں تو اے مسلمانو تم بھی کفر کے ان سرداروں سے لڑو تاکہ یہ سرکشی سے باز آئیں۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ
اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُتَّقِيْنَ ۷ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ
اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ
اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۹ لَا يَرْقُبُوْنَ
فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۱۰ فَاِنْ
تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ
وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

مِنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ (۱۲)

ترجمہ: کیسے (قابل رعایت) ہوگا مشرکین کے لئے عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے عہد کیا تھا تم نے مسجد حرام کے پاس۔ سو جب تک وہ سیدھے رہیں تم سے تم (بھی) سیدھے رہو ان سے۔ بے شک اللہ پسند کرتا ہے احتیاط والوں کو۔ کیسے (رہے گا صلح کا معاہدہ) اس حال میں کہ اگر وہ قابو پائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے میں قرابت کا اور نہ عہد کا۔ یہ (عہد کر کے) خوش کرتے ہیں تم کو اپنے منہ (کی باتوں) سے اور انکار کرتے ہیں (عہد سے) ان کے دل۔ اور ان کے اکثر فاسق ہیں۔ لے لی انہوں نے بعوض اللہ کے احکام کے تھوڑی قیمت سو ہٹ گئے اس کے رستے سے۔ بے شک یہ لوگ برا ہے جو یہ کام کرتے ہیں۔ یہ نہیں لحاظ کرتے کسی (بھی) مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور یہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ پھر اگر توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور ادا کریں زکوٰۃ کو تو (یہ) تمہارے بھائی ہیں دین میں۔ اور ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں (اپنے) احکام ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ (اسلام سے صرف اعراض ہی نہ کریں بلکہ) توڑ دیں اپنی قسمیں اپنے عہد کرنے کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین میں تو تم لڑو کفر کے سرداروں سے۔ بے شک نہیں (باقی رہیں) قسمیں ان کے لئے (غرض لڑو) شاید کہ یہ باز آجائیں۔

تفسیر: (ان مشرکین) قریش یعنی پہلی جماعت (کا عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے) قابل رعایت (رہے گا) کیونکہ رعایت تو اس عہد کی ہوتی ہے جس کو دوسرا شخص خود نہ توڑے ورنہ رعایت باقی نہیں رہتی۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ عہد کو توڑنے کے درپے ہیں۔ اگر توڑیں تو پھر تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت ہے۔ (مگر جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام) یعنی حرم (کے نزدیک عہد لیا ہے) مراد دوسری جماعت ہے جن کا استثناء اوپر بھی اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ الخ میں آچکا ہے یعنی ان سے امید ہے کہ یہ عہد کو قائم رکھیں گے (سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں) یعنی عہد نہ توڑیں (تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو) اور عہد کی مدت ان سے پوری کرو چنانچہ سورت براءت کے نزول کے وقت اس مدت میں نو ماہ باقی تھے اور ان کے عہد شکنی نہ کرنے کی وجہ سے ان کی یہ مدت پوری کی گئی (بلا شبہ اللہ تعالیٰ) بدعہدی سے

(احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں) پس تم بھی احتیاط رکھنے سے حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہو جاؤ گے۔ یہ استثناء کر کے پھر پہلی جماعت سے متعلق فرماتے ہیں (کیسے) ان کا عہد قابل رعایت رہے گا یعنی وہ لوگ عہد پر کب قائم رہیں گے (حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول وقرار کا) کیونکہ ان کی یہ صلح مجبوری اور خوف جہاد سے ہے دل سے نہیں۔ پس (یہ لوگ تم کو) صرف (اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل) ان باتوں کو (نہیں مانتے)۔ پس جب دل سے اس عہد کے پورا کرنے کا عزم نہیں ہے تو پھر یہ کیسے پورا ہوگا (اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں) کہ عہد پورا کرنا نہیں چاہتے اور اگر ایک آدھ پورا کرنا بھی چاہتا ہو تو زیادہ کے سامنے ایک دو کی کب چلتی ہے۔ اور ان کے شریر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض) دنیا کی (متاع ناپائدار کو اختیار کر رکھا ہے) جیسا کہ کفار کی حالت ہوتی ہے کہ دین کو چھوڑ کر دنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہیں۔ جب دنیا زیادہ محبوب ہوگی تو اگر عہد شکنی میں دنیوی غرض حاصل ہوتی نظر آئے گی اس میں کچھ باک نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے جو دین کو ترجیح دیتا ہے کہ وہ احکام الٰہیہ اور وفائے عہد وغیرہ کا پابند ہوگا۔ (سو) دنیا کو دین پر ترجیح دینے کی وجہ سے (یہ لوگ اللہ کے) سیدھے (رستہ سے) جس میں وفائے عہد بھی شامل ہے (ہٹے ہوئے ہیں) اور (یقیناً یہ ان کا عمل بہت ہی برا ہے) اور ہم نے جو اوپر کہا ہے لَا یَرْقُبُوْا فِیْكُمْ الخ یعنی یہ لحاظ نہیں کرتے تمہارے بارے میں قرابت کا اور نہ قول وقرار کا سو اس میں تمہاری کچھ تخصیص نہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ (یہ لوگ کسی مسلمان کے بارے میں) بھی (نہ قرابت کا پاس کریں اور نہ قول و قرار کا اور یہ لوگ) بالخصوص اس بارے میں (بہت ہی زیادتی کر رہے ہیں سو) جب ان کے عہد پر اعتماد و اطمینان نہیں اور ان سے عہد شکنی کا بھی خطرہ ہے تو ہم ان کے بارے میں مفصل حکم سناتے ہیں کہ (اگر یہ لوگ) کفر سے (توبہ کرلیں) یعنی مسلمان ہو جائیں (اور) اپنے اسلام کو ظاہر بھی کر دیں مثلاً (نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو) پھر ان کی عہد شکنی وغیرہ نظر انداز کر دی جائے گی اور اسلام لانے سے (وہ تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے) اور پچھلا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا (اور ہم سمجھدار لوگوں) کو بتلانے (کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں) لہٰذا اس مقام پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے۔

(اور اگر وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں) یعنی عہدوں (کو توڑ ڈالیں) جیسا کہ ان کی حالت سے قوی اندیشہ ہے (اور) عہد توڑ کر ایمان بھی نہ لائیں بلکہ اپنے کفر پر قائم رہیں جسکا ایک اثر

یہ ہے کہ (تمہارے دین) اسلام (پر طعن) واعتراض (کریں تو) اس حالت میں (تم لوگ اس قصد سے کہ یہ) اپنے کفر سے (باز آجائیں، ان پیشوایان کفر سے) خوب (لڑو) کیونکہ اس صورت میں (ان کی قسمیں) باقی (نہیں رہیں)۔

ربط: پچھلی آیتوں سے یہ واضح ہوا کہ مشرکین عرب مسلمانوں کے بارے میں انتہائی بدلحاظ ہیں اور عام طور سے بدعہد ہیں لہٰذا اگر یہ عہد کو توڑیں تو مسلمانوں کو بھی ان سے جنگ کرنی چاہئے۔ آگے اس لڑائی پر مزید ترغیب دیتے ہیں اور اس کے کچھ فوائد شمار کراتے ہیں۔

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا
نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ
مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾
قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ
يَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٤﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ
وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾ أَمْ
حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ
وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ
وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

ترجمہ: کیا نہیں تم لڑتے ایسے لوگوں سے جنہوں نے توڑا اپنی قسموں کو اور فکر کی رسول کے نکالنے (یعنی جلاوطن کرنے) کی اور انہوں نے ہی ابتداء کی تم سے (چھیڑ چھاڑ کی) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے سو اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم ڈرو اس سے اگر تم ہو ایمان والے۔ لڑو ان سے سزا دے گا ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا ان کو اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلہ میں اور شفا دے گا دلوں کو مسلمان لوگوں کے اور دور کرے گا غیظ ان کے دلوں کا اور توجہ کرے گا اللہ جس پر چاہے گا۔ اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔ کیا گمان کیا تم نے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں

کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور نہیں بنایا سوا اللہ کے اور نہ (سوا) اس کے رسول کے اور نہ (سوا) مومنین کے کوئی خصوصی دوست۔ اور اللہ با خبر ہے اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

تفسیر: (تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا) اور خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی (اور رسول) ﷺ (کے جلا وطن کر دینے کی تجویز کی، اور انہوں نے تم سے خود پہلے چھیڑ نکالی) کہ تمہاری طرف سے وفائے عہد میں کوئی کمی نہیں ہوئی، انہوں نے بیٹھے بٹھائے خود ایک شوشہ چھوڑا، پس ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو، (کیا ان سے) لڑنے میں (ڈرتے ہو) کہ ان کے پاس ہتھیار اور جمعیت زیادہ ہے (سو) اگر یہ بات ہے تو ہرگز ان سے مت ڈرو، کیونکہ (اللہ تعالیٰ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم ان سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو) اور ان سے ڈرنے کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے حکم کے خلاف مت کرو اور وہ چونکہ حکم دیتے ہیں لڑائی کا لہٰذا (ان سے لڑو، اللہ تعالیٰ) کا وعدہ ہے کہ (ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل) وخوار (کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور) اس طرح سے (بہت سے) ایسے (مسلمانوں کے قلوب کو شفاء دے گا اور ان کے قلوب کے غیظ) وغضب (دور کر دے گا) جو خود مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے اور ان کی حرکات کو دیکھ کر دل ہی دل میں گھٹتے ہیں (اور) ان ہی کفار میں سے (جس پر) توجہ وفضل کرنا (منظور ہوگا اللہ تعالیٰ توجہ) بھی (فرمائے گا) یعنی مسلمان ہونے کی توفیق دے گا، چنانچہ فتح مکہ میں بعضے لڑے اور ذلیل ومقتول ہوئے اور بعضے مسلمان ہو گئے (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) کہ علم سے ہر ایک کا انجام کہ اسلام ہے یا کفر جانتے ہیں، اور اسی لئے اپنی حکمت سے مناسب احکام مقرر فرماتے ہیں۔ اور تم جو لڑنے سے جی چراتے ہو گو بعضے ہی سہی تو (کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی) اسی حالت پر (چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے) ظاہری طور پر تم میں سے (ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے) ایسے موقع پر (جہاد کیا ہو اور اللہ و رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کو خصوصیت کا دوست نہ بنایا ہو) اور اس بات کے ظاہر ہونے کا اچھا ذریعہ ایسا جہاد ہے جس میں مقابلہ اعزہ و اقارب سے ہو کہ کیونکہ اس میں پورا امتحان ہو جاتا ہے کہ کون اللہ کو چاہتا ہے اور کون برادری کو (اور اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے تمہارے سب کاموں کی) پس اگر جہاد میں چستی کرو گے یا سستی کرو گے اسی کے موافق تم کو جزا دے گا۔

ربط: مشرکین مکہ کی قباحتیں اوپر ذکر ہوئیں۔ ان کے باوجود ان کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کعبہ کے غلاف

یا روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس
بھی عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ آگے مشرکین کے اس فخر و ناز کو رد کرتے ہیں کہ **اصل تو اللہ پر**
ایمان اور اس کے احکام پر عمل ہے۔ جب تمہارا اللہ پر ایمان ہی صحیح نہیں تو تمہارے ان بے روح
اعمال کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں بلکہ تم تو اللہ کی مسجدوں کے انتظام کے بھی لائق نہیں۔ **درحقیقت قابل**
تعریف اور کامیاب تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر صحیح صحیح ایمان لائیں اور اس کی **مکمل تابعداری کریں**
اور اپنے جان و مال کو بھی اس کی راہ میں لٹانے سے دریغ نہ کریں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ

اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ
اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا
يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ
اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ
فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ
اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ
مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ ۙ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: نہیں ہے (لائق) مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اس
حال میں کہ وہ خود گواہ ہیں اپنے اوپر کفر کے۔ یہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے ان کے عمل اور آگ

میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ محض آباد کرتے ہیں اللہ کی مسجدوں کو وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ اور نہیں ڈرے مگر اللہ سے۔ سو امید ہے کہ یہ لوگ ہوں ہدایت والوں میں سے۔ (اے مشرکو) کیا تم نے کر دیا حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے (ظاہری) بسانے کو مانند اس شخص کے (عمل کے) جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور (جس نے) جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔ یہ (تو) برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ سمجھ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ (یہ لوگ) بہت بڑے ہیں درجہ کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک اور یہی لوگ ہیں کامیاب۔ خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا رب رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ ان کے لئے ہے ان میں نعمت دائمی۔ رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ہمیش۔ بلاشبہ اللہ کے پاس ہے بڑا اجر۔

تفسیر: (مشرکین کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ) مسجد حرام سمیت (اللہ کی مسجدوں کو) (آباد کریں جس حالت میں وہ خود اپنے کفر) کی باتوں (کا اقرار کر رہے ہیں) چنانچہ وہ خود اپنا دین و مذہب بتلانے کے وقت ایسے عقائد کا اقرار کرتے تھے جو واقع میں کفر ہیں، مطلب یہ ہے کہ مساجد کو آباد کرنا اگرچہ قابل تعریف عمل ہے لیکن جب شرک موجود ہے جو کہ ہر نیک عمل کے منافی ہے تو اس عمل کی اہلیت ہی مفقود ہے اور اس لئے وہ محض بے قیمت ہے، پھر اس پر فخر کی کیا گنجائش ہے۔ (ان) مشرک (لوگوں کے سب اعمال) نیک مثلاً مسجد کو آباد کرنا اور اس کا انتظام کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا وغیرہ (اکارت) اور ضائع (ہیں) کیونکہ ان کی قبولیت کی شرط یعنی شرک سے بیزاری موجود نہیں تو ضائع عمل پر فخر ہی کیا۔ (اور دوزخ میں وہ لوگ ہمیشہ رہیں گے) کیونکہ سبب نجات یعنی اللہ پر صحیح صحیح ایمان موجود نہیں اور جو عمل کئے وہ محض ضائع ہوئے (ہاں اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا ان لوگوں کا کام ہے) یعنی علیٰ وجہ الکمال ان سے قبول کیا جاتا ہے (جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر) دل سے (ایمان لائیں) اور اعضاء و جوارح سے اس کا اظہار بھی کریں مثلاً اس طرح کہ (نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور) اللہ پر ایسا توکل رکھتے ہوں کہ (سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں سو ایسے لوگوں کے بارے میں توقع) یعنی وعدہ (ہے کہ اپنے مقصود) یعنی جنت و نجات (تک پہنچ جائیں گے) کیونکہ ایمان ہونے کی وجہ سے ان کے اعمال مقبول ہوں گے، اس لئے آخرت میں نفع ہوگا۔

اے مشرکو (کیا تم لوگوں نے حجاج کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص) کے

عمل (کے برابر قرار دے لیا جو کہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو، اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو) یعنی یہ عمل برابر نہیں اور جب اعمال برابر نہیں تو (یہ) عمل کرنے والے (لوگ) بھی باہم (برابر نہیں اللہ کے نزدیک۔ اور) یہ جو بات ذکر ہوئی بہت ہی ظاہر ہے لیکن (جو لوگ بے انصاف ہیں) یعنی مشرک ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ نہیں دیتا) اس لئے وہ نہیں مانتے۔ آگے اس مضمون کی تصریح ہے جو اوپر لَا يَسْتَوٗنَ سے مقصود تھا یعنی (جو لوگ ایمان لائے اور) اللہ کی واسطے (انہوں نے ترک وطن کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا وہ درجہ میں اللہ کے نزدیک) محض حاجیوں کو پانی پلانے والوں سے اور مسجد حرام کو آباد کرنے والوں سے (بہت بڑے ہیں) کیونکہ ان لوگوں میں جب ایمان ہی نہیں تو اللہ کے ہاں ان کا کچھ درجہ بھی نہیں۔ (اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں) آگے اس درجہ اور کامیابی کا بیان ہے کہ (ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضا مندی اور) جنت کے (ایسے باغوں کی کہ ان کے لئے ان) باغوں (میں دائمی نعمت ہوگی) اور (ان میں یہ ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے، بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے) اس میں سے ان کو دیا جائے گا۔

فائدہ: آخری آیت سے پہلے والی آیت میں تین چیزوں کا ذکر ہوا ایمان، جہاد اور ہجرت ان تین پر آخری آیت میں بشارت بھی تین چیزوں کی دی رحمت، رضوان اور جنت میں ہمیشہ کی زندگی۔ ابوحیان نے لکھا ہے کہ رحمت ایمان پر مرتب ہے۔ ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت و مہربانی میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اور رضوان جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا تمام نفسانی خواہشات اور تعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان و مال نثار کرتا ہے اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہئے۔ رہی ہجرت تو وہ خدا کے لئے اپنا وطن اور اپنا گھر بار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لئے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش و راحت سے رہنا ہوگا جس سے نکلنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

ربط: پچھلی آیات میں بتایا تھا کہ جہاد اور ہجرت اعظم اور افضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں عزیز و اقارب، کنبہ و برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں اس لئے فرما دیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر پسند ہے کوئی مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ اس لئے ان کے ساتھ تعلقات تمہارے ان عظیم اعمال میں قطعاً رکاوٹ نہیں بننے چاہئیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا
الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ
اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ٍۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ
تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

ترجمہ: اے ایمان والوں مت بناؤ اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو ایمان پر اور جو رفاقت رکھے ان سے تم میں سے تو وہی لوگ ہیں گنہگار۔ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور اموال کمایا تم نے جن کو اور تجارت ڈرتے ہو تم جس کے بند ہونے کا اور مکان تم پسند کرتے ہو جن کو زیادہ پیارے ہوں تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم، اور اللہ نہیں پہنچاتا مقصود تک نافرمان لوگوں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو) اپنا (رفیق مت بناؤ اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں) ایسا (عزیز رکھیں) کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے (اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں) مطلب یہ ہے کہ جہاد و ہجرت سے بڑا مانع ان لوگوں کا تعلق ہے اور خود وہی جائز نہیں پھر جہاد و ہجرت میں کیا دشواری ہے۔ آگے اسی مضمون کی زیادہ تفصیل ہے کہ اے محمد ﷺ (آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے بند ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن میں) رہنے (کو تم پسند کرتے ہو) اگر یہ چیزیں (تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہوں تو تم

منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ) ہجرت و جہاد ترک کرنے پر سزا کا (اپنا حکم بھیج دیں اور اللہ تعالیٰ نا فرمانی کرنے والے لوگوں کو) اصل (مقصود) یعنی حقیقی کامیابی (تک نہیں پہنچاتا)۔

ربط: پچھلی آیت میں تنبیہ تھی کہ اللہ کی راہ میں جہاد کے وقت مسلمانوں کو کنبہ، برادری اور اموال واملاک پر نظر نہ کرنی چاہئے۔ یہاں آگاہ کرتے ہیں کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت اور کثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہئے۔ کامیابی تنہا خدا کی مدد سے ہوتی ہے جس کا تجربہ تم بدر وغیرہ میں پہلے کر چکے ہو۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین میں خاص آسمانی نصرت و امداد کا ہونا تو بالکل صریح ہے اور تم میں سے بعض کو جو یہ غرہ ہوا کہ آج ہم بڑی فوج ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر یہ فوج کچھ بھی نہ کر سکی۔

قصہ یہ ہوا کہ فتح مکہ کے فوراً بعد آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف قبیلوں نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے بڑے ساز و سامان سے مسلمانوں پر حملہ کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے فتح مکہ کے لئے آئے ہوئے مہاجرین و انصار کی دس ہزار کی فوج کے ساتھ طائف کا رخ کیا۔ فتح مکہ کے وقت نئے مسلمان ہونے والے دو ہزار طلقاء اس کے علاوہ تھے۔ بارہ ہزار کی عظیم الشان فوج کو دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا۔ مکہ سے کچھ فاصلہ پر دونوں لشکر مقابل ہوئے۔ کافروں کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں بچوں کے ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے پوری تیاری سے نکلے تھے۔ اونٹ، گھوڑے مویشی اور گھروں کا سارا سامان اپنے ہمراہ لے آئے تھے تاکہ پیچھے کا خیال بھی نہ آئے۔ قبیلہ ہوازن کے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ پہلے معرکہ میں کفار کو شکست ہوئی۔ وہ بہت سامان چھوڑ کر پسپا ہوئے۔ یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی مال غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ صرف نبی ﷺ اور کچھ صحابہ ثابت قدم رہے۔ آپ نے خود بھی مسلمانوں کو آواز دی اور حضرت عباس نے بھی پکارا جس پر مسلمان سنبھلے اور واپس پلٹے اسی اثناء میں نبی ﷺ نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر کافروں پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑیں۔ ادھر آسمان سے فرشتے اترے جن سے کافروں پر رعب کی کیفیت طاری ہوئی۔ غرض اس طرح اللہ تعالیٰ نے حنین میں کامیابی عطا فرمائی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ
مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ
تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ
وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ
ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: مدد کر چکا ہے تمہاری اللہ بہت جگہوں میں اور حنین کے دن، جب خوش کیا تم کو تمہارے کثرت نے پھر اس نے کام نہ دیا تم کو کچھ اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر پلٹ گئے تم پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر اتاری اللہ نے اپنی (طرف سے) تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر توبہ نصیب کرے اللہ اس کے بعد جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر: (تم کو خدا تعالیٰ نے) لڑائی کے (بہت موقعوں میں) کفار پر (غلبہ دیا) جیسے بدر وغیرہ (اور) عجیب وغریب قصہ والے (حنین کے دن بھی) تم کو غلبہ دیا (جب کہ) یہ واقعہ ہوا تھا کہ (تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور) کفار کے تیر برسانے سے ایسی پریشانی ہوئی کہ (تم پر زمین باوجود اپنی) اس (فراخی کے تنگ ہونے لگی پھر) آخر (تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول) کے قلب (پر اور دوسرے مومنین) کے قلوب (پر اپنی) طرف سے (تسلی نازل فرمائی، اور) مدد کے لئے فرشتوں کے (ایسے لشکر) آسمان سے (نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا) جس کے بعد تم پھر لڑائی کے لئے مستعد ہوئے اور غالب آئے (اور) اللہ تعالیٰ نے (کافروں کو سزا دی) کہ ان پر ہزیمت اور قتل وقید واقع ہوئی (اور یہ کافروں کی) دنیا میں (سزا ہے، پھر اللہ تعالیٰ) ان کافروں میں سے (جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں) چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے

والے بڑی رحمت کرنے والے ہیں) کہ جو شخص ان میں مسلمان ہوا اس کے سب پچھلے گناہ معاف کر کے اس کو جنت کا مستحق بنا دیا۔

فائدہ: قتل و قید کو جو کافروں کی سزا بتایا اسکا مطلب یہ ہے کہ جہاں یہ واقع ہو وہ بطور سزا کے ہوتا ہے۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ اور جنگ حنین سے شرک کی قوت کو بالکل توڑ دیا اور جزیرہ عرب کا صدر مقام مکہ معظمہ فتح کرا دیا اور قبائل عرب جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب اس غرض سے کہ صدر مقام میں خالص اسلامیت کا رنگ ہو 9 ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے اور اس اعلان سے مسلمانوں کو جو تردد ہوا کہ اس سے تجارتی سامان کی آمد بند ہو جائے گی اس کے بارے میں تسلی فرما دی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مشرک تو نرے ناپاک ہیں سو قریب نہ ہوں مسجد حرام کے اپنے اس سال کے بعد۔ اور اگر تم اندیشہ کرو فقر کا تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو مشرک لوگ) اپنے گندے عقیدوں کی وجہ سے (نرے ناپاک ہیں سو) اس ناپاکی پر جو احکام متفرع ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ (یہ لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام) یعنی حرم (کے پاس) بھی (نہ آنے پائیں) یعنی حرم کے اندر داخل نہ ہوں (اور اگر تم کو) اس حکم کے جاری کرنے سے اس وجہ سے (مفلسی کا اندیشہ ہو) کہ لین دین انہی سے زیادہ ہے جب یہ نہ رہیں گے تو کام کیسے چلے گا (تو) تم خدا پر توکل رکھو تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے لہٰذا (اگر خدا چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو) ان کا (محتاج نہ رکھے گا، بیشک اللہ تعالیٰ) احکام کی مصلحتوں کو (خوب جاننے والا ہے) اور ان مصلحتوں کی تکمیل کے بارے میں (بڑا حکمت والا ہے) اس لئے یہ حکم مقرر کیا اور تمہارے افلاس کے انسداد کا سامان بھی کر دے گا۔

فائدہ: 1- اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرم اور مسجد حرام کے بارے میں اہل کتاب کا حکم بھی مشرکین کے حکم کی مانند ہے۔

2- مسجد حرام سے تمام حرم مراد ہونا حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور صحیح حدیثوں میں نبی ﷺ کی طرف سے تمام جزیرہ عرب کو مشرکین اور یہود و نصاریٰ سے خالی کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تمام جزیزہ عرب میں اس قانون کا نفاذ ہو گیا تھا۔

3- قرب و داخلہ سے مراد وطن بنانا یا غلبہ کے طور پر آنا مراد ہے۔ اگر اسلامی حکومت دین اور قوم کا اندیشہ نہ دیکھ کر کسی کافر کو اجازت دیدے اور وہ صرف مسافرانہ حرم یا مسجد حرام میں آئے تو جائز ہے۔

4- اس آیت میں جو اغناء یعنی بے نیاز کرنے کا وعدہ ہے وہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پورا کر دیا کہ سارا ملک مسلمان کر دیا، مختلف علاقوں سے لوگ سب طرح کا تجارتی مال و سامان مکہ میں لانے لگے، فتوحات اور غنائم کے دروازے کھل گئے۔ اور اِنْ شَاءَ غیر یقین اور وعدہ کے بعید ہونے کے لئے نہیں ہے بلکہ وعدہ کے قریب ہونے کے لئے ہے کہ اس وعدہ کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کو کچھ لمبا چوڑا سامان کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صرف مشیت کافی ہے۔

ربط: جب مشرکین کا قصہ پاک ہو گیا اور ملکی سطح پر مسلمانوں کو کچھ استحکام نصیب ہوا تو حکم ہوا کہ اب اہل کتاب یعنی یہود و نصاری کی قوت و شوکت کو توڑو کیونکہ یہ بھی ایمان و توحید کے مخالف ہیں اور دین حق کے دشمن ہیں۔ لیکن شروع میں ان کے لئے یہ رعایت رکھی کہ جزیہ دے کر جزیرہ عرب میں رہ سکتے ہیں۔ البتہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود و نصاری کو بھی جزیرہ عرب سے بالآخر نکالنا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع

ترجمہ: لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب یہاں تک کہ وہ دیں جزیہ (اپنے) ہاتھ سے اس

حال میں کہ وہ ماتحت ہوں۔

تفسیر: (اہل کتاب جو کہ نہ خدا پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر) پورا ایمان رکھتے ہیں (اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اور اس کے رسول) محمد ﷺ (نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین) اسلام (کو قبول کرتے ہیں ان سے یہاں تک لڑو کہ وہ ماتحت ہو کر) اور رعیت بن کر (جزیہ دینا منظور کریں)۔

فائدہ: 1- یہاں جزیہ میں جو اہل کتاب کی تخصیص کی ہے یہ تمام کفار کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ صرف مشرکین عرب کے مقابلہ میں ہے جن کا ذکر اوپر گذرا ہے کیونکہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ یا تو وہ اسلام قبول کرلیں یا پھر ان سے جنگ ہے۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے بھی جزیہ لیا ہے۔

2- جزیہ نہ تو اسلام کا بدل ہے کہ یہ اعتراض کیا جاسکے کہ کچھ رقم کے بدلہ میں کفر پر اصرار اور اسلام سے اعراض کی اجازت ہوگئی اور نہ ہی یہ دفاع اور جان کی حفاظت کا بدل ہے کیونکہ اسلامی حکومت حفاظت تو سب ذمیوں کی کرتی ہے لیکن جزیہ سب سے نہیں لیا جاتا مثلاً عورتوں، بچوں، اپاہجوں اور راہبوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا بلکہ یہ بدل ہے قتل کا یعنی اس کی وجہ سے جان بچ گئی ورنہ تو لڑائی کے قابل لوگوں کو قتل کر دیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ جنگ میں قتل نہیں کیے جاتے مثلاً عورتیں، بچے، بہت بوڑھے اور اپاہج وغیرہ ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔

3- عَنْ یَدٍ کا حاصل یہ ہے کہ ان کی شوکت نہ رہے اور صٰغِرُوْنَ کا حاصل یہ ہے کہ وہ سیاست اور معاملات سے متعلق شریعت کے قوانین کی پابندی کی ذمہ داری لیں۔

4- اس طور پر جزیہ کے التزام کو جنگ و جہاد کی غرض و غایت فرمانے سے یہ ثابت ہوا کہ اس کے بغیر قتال و جہاد کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

ربط: پچھلی آیت میں اہل کتاب کے جو عقائد اور عمل اجمالی طور سے ذکر ہوئے آگے ان کی تفصیل ذکر کرتے ہیں۔

یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقیدے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ
ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور کہا یہود نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ انکا کہنا ہے اپنے منہ سے۔ مشابہت کرتے ہیں قول کی ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ ہلاک کرے ان کو اللہ۔ کدھر یہ پھرے جاتے ہیں۔ بنا لیا انہوں نے اپنے عالموں کو اور اپنے درویشوں کو رب سوا اللہ کے اور مسیح بن مریم کو حالانکہ وہ نہیں حکم دیئے گئے مگر یہ کہ بندگی کریں ایک معبود کی۔ نہیں کوئی مستحق بندگی مگر وہی۔ پاک ہے وہ اس سے جو یہ شریک کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور یہود) میں سے بعض (نے کہا کہ) نعوذ باللہ (عزیر) علیہ السلام (خدا کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ) میں سے اکثر (نے کہا کہ مسیح) علیہ السلام (خدا کے بیٹے ہیں، یہ ان کا قول ہے ان کے مُنہ سے کہنے کا) جس کا واقع میں کہیں نام ونشان نہیں (یہ بھی ان) مشرکین عرب (کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں) اور جو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو تو یہ بھی کافر سمجھتے ہیں پھر انہی کی سی کفریات بکتے ہیں، اور پہلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کی گمراہی قدیم تھی (خدا ان کو غارت کرے یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں) کہ خدا پر ایسے افتراء باندھتے ہیں اور (انہوں نے) یعنی یہود ونصاریٰ نے (خدا) کی توحید اور اطاعت (کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو) اطاعت میں (رب بنا رکھا ہے) کہ وہ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے وہ لوگ اسی کو سند سمجھتے ہیں کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا، کتب سماویہ سے ان کو کچھ سروکار نہیں ہے۔ پس حلال وحرام قرار دینے کا جو منصب خدا کا تھا وہ اپنے علماء ومشائخ کو دے دیا۔ (اور مسیح بن مریم) علیہ السلام (کو بھی) ایک اعتبار سے رب بنا رکھا ہے کہ ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس کے لئے خدائی کا ہونا لازم ہے (حالانکہ ان کو) کتب الٰہیہ میں (صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ فقط ایک معبود) برحق (کی عبادت کریں) اور فقط اسی کو شرعی احکام دینے والا مانیں (جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ ان کے شرک سے پاک ہے) خواہ وہ شرک ذات میں ہو یا صفات میں، عبادت کے کاموں میں ہو یا عادت کے کاموں میں اور خواہ حکم میں ہو)۔

فائدہ: عالم کا قول عوام کے لئے سند و دلیل ہے جب تک وہ شرع سے سمجھ کر کہتا ہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہتا ہے یا طمع وغیرہ سے کہتا ہے تو حجت و دلیل نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی

يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: چاہتے ہیں کہ بجھا دیں روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور انکار کرتا ہے اللہ مگر یہ کہ پورا کرے اپنی روشنی کو اگرچہ ناپسند کریں کافر۔ وہ ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ غلبہ دے اس (دین حق) کو ہر دین پر اگرچہ ناپسند کریں مشرک لوگ۔

تفسیر: (وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور) یعنی دین اسلام (کو اپنے مُنہ سے) پھونک مار مار کر (بجھا دیں) یعنی مُنہ سے رد و اعتراض کی باتیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ دینِ حق کو فروغ نہ ہو (حالانکہ اللہ تعالیٰ بدون اس کے کہ اپنے) مذکورہ (نور کو کمال تک پہنچا دے مانے گا نہیں، گو کافر لوگ) جن میں یہ یہود و نصاریٰ بھی شامل ہیں (کیسے ہی ناخوش ہوں) چنانچہ (وہ اللہ ایسا ہے کہ) اپنے نور کی تکمیل کے لئے (اس نے اپنے رسول ﷺ (کو ہدایت) کا سامان یعنی قرآن (اور سچا دین) یعنی اسلام (دے کر) دنیا میں (بھیجا ہے تاکہ) اللہ (اس) دین (کو) کہ وہ وہی نور مذکور ہے (تمام) بقیہ (دینوں پر غالب کر دے) کہ یہی اتمام ہے (گو مشرک) یعنی یہود و نصاریٰ اور دیگر مشرکین (کیسے ہی ناپسند کریں)۔

فائدہ: اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا ہے۔ باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے حاصل ہو بھی چکا ہے اور ہو گا جب کہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے صفحہ ہستی سے بالکل ختم کر دے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد قیامت کے قریب ہونے والا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے علماء اور مشائخ کا حرام کھانا اور مال جمع کرنا اور راہ حق سے روکنا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ
بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ
فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾

ترجمہ: اے ایمان والو بیشک (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور درویش کھاتے ہیں مال لوگوں کے باطل (طریقے) سے اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور جو لوگ خزانہ کرتے ہیں سونے اور چاندی کو اور نہیں خرچ کرتے اس کو اللہ کی راہ میں تو خوشخبری دے دے ان کو عذاب دردناک کی جس دن کہ دہکائی جائے گی (آگ) ان (اموال) پر جہنم کی آگ میں پھر داغ دی جائیں گی ان سے ان (لوگوں) کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے خزانہ کیا تھا اپنے لئے تو چکھو جو تم خزانہ کرتے تھے۔

تفسیر: (اے ایمان والو! اکثر احبار و رہبان) یعنی یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ عام (لوگوں کے مال غیر مشروع طریقہ سے کھاتے) اڑاتے (ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوشیدہ رکھ کر عوام ہی مرضی کے موافق فتوے دے کر ان سے نذرانے لیتے ہیں (اور) اس کی وجہ سے وہ (اللہ کی راہ) یعنی دین اسلام (سے) لوگوں کو (باز رکھتے ہیں) کیونکہ عوام ان کے جھوٹے فتوؤں کے دھوکہ میں آ کر گمراہی میں پھنسے رہتے ہیں اور حق کو قبول بلکہ طلب بھی نہیں کرتے (اور) اپنی انتہائی حرص کی وجہ سے مال بھی جمع کرتے ہیں جس کی نسبت یہ وعید ہے کہ (جو لوگ سونا چاندی جمع کر کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے) یعنی ان کی زکوٰۃ بھی نہیں نکالتے (سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی کہ) جس میں (ان) کے اموال (کو دوزخ کی آگ میں) اول خوب (تپایا جائے گا، پھر ان سے لوگوں کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا) اور یہ جتلایا جائے گا کہ (یہ وہ ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کر کے

رکھا تھا، سواب اپنے جمع کئے ہوئے کا مزہ چکھو)۔

ربط: آگے بتایا کہ اہل کتاب میں احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو اپنے پاس سے حلال یا حرام کر دیتے ہیں اصل احکام الٰہیہ کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک ٹھیک مشرکین کے طریقہ کے مشابہ ہے۔ مشرک سردار بھی جس چیز کو چاہتے تھے حرام و حلال ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کی ایک مثال یہاں بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں ملت ابراہیمی کی اتباع میں شروع سے یہ معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے اَشْھُر حُرم خاص ادب و احترام کے تھے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں خونریزی اور جدال وقتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لئے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت بڑھ گئی تو نسیئ کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا محرم کے مہینے میں جنگ کرنے کا ارادہ ہوتا تو ایک سردار اعلان کر دیتا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردو بدل کرتے رہتے تھے۔

پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی بنو کنانہ کا قلمس تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد میں یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اس کی نسل میں سے ابوثمامہ جنادہ بن عوف کنانی کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا تھا کہ اس سال محرم اشہر حرم میں داخل رہے گا یا نہیں۔ اس طرح سے مشرکین نے خدا کے حلال یا حرام کئے ہوئے مہینے کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا تھا۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا
عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ
أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَّيُحَرِّمُونَهُ
عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ
لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ۳۷ ع

ترجمہ: بے شک شمار مہینوں کا اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی ہے دین سیدھا۔ سو مت نقصان کرو ان کے بارے میں اپنی جانوں کا اور لڑائی کرو سب مشرکوں سے جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے۔ اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے۔ نسئ (مہینہ مؤخر کرنا) ترقی ہے کفر میں، گمراہ کیا جاتا ہے اس سے کافروں کو، حلال کرتے ہیں وہ اس مہینہ کو کسی سال اور حرام کرتے ہیں اس کو کسی برس تاکہ موافقت کریں گنتی کی ان مہینوں کی جن کو حرام کیا اللہ نے پھر حلال کریں اس مہینہ کو جو حرام کیا اللہ نے۔ مزین کر دیئے گئے ان کے لئے ان کے برے اعمال اور اللہ راہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو۔

تفسیر: (یقیناً شمار مہینوں کا) جو کہ (کتاب الٰہی) یعنی شرعی احکام (میں اللہ کے نزدیک) معتبر ہیں چاند کے (بارہ مہینے ہیں) اور یہ کوئی آج سے نہیں بلکہ (جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین پیدا کئے تھے) اسی روز سے اور (ان میں چار خاص مہینے ادب کے ہیں) ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب (یہی) امر مذکور یعنی سال کے مہینوں کا بارہ ہونا اور ان میں سے چار کا حرمت والے ہونا (دین مستقیم ہے) اس کے برخلاف جاہلیت کی یہ عادت کہ اشہر حرم کی تخصیص چھوڑ دیتے ہیں یہ بددینی ہے (سو تم ان سب مہینوں کے بارے میں) دین کے خلاف کر کے جو کہ گناہ کا سبب ہے (اپنا نقصان مت کرنا) یعنی جاہلیت کی اس عادت کے موافق مت کرنا (اور ان مشرکین سے) جب کہ یہ نسئ سمیت اپنی کفریات کو نہ چھوڑیں (سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب) مسلمانوں (سے لڑ) نے کو ہر وقت تیار رہا کر (تے ہیں، اور) اگر ان کی جمعیت اور سامان سے اندیشہ ہو تو (یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقیوں کا ساتھی ہے) پس ایمان و تقویٰ کو اپنا شعار رکھو اور کسی سے مت ڈرو، آگے اُن کی جاہلیت کی عادت نسئ کا بیان ہے کہ (یہ) مہینوں کا یا اُن کی حرمت کا آگے کو (ہٹا دینا کفر میں مزید ترقی ہے جس سے) دوسرے عام (کفار گمراہ کئے جاتے ہیں) اس طور پر (کہ وہ اس حرام مہینہ کو کسی سال) نفسانی غرض سے (حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال) جب کوئی غرض نہ ہو (حرام سمجھتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو

مہینے حرام کئے ہیں) صرف (ان کی گنتی) تخصیص وتعیین کا لحاظ کئے بغیر (پوری کر لیں پھر) جب تخصیص وتعیین نہ رہی تو (اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں ان کی بداعمالیاں ان کو مستحسن معلوم ہوتی ہیں اور) ان کے کفر پر اصرار کرنے پر غم کرنا بے سود ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو ہدایت) کی توفیق (نہیں دیتا) کیونکہ یہ خود راہ پر آنا نہیں چاہتے۔

ربط: آیت 29 قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں ان کے مشرکانہ عقیدوں اور برے اعمال کے ذکر کے بعد اب اہل کتاب میں سے نصاری کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے مسلمانوں کو ابھارا گیا ہے۔ فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد 9 ہجری میں نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ غسان قیصر روم کی مدد سے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ ہم خود شام کی سرحدوں پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کے لئے آپ نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ کھجور کی فصل پک رہی تھی، پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا اور باقاعدہ فوج سے لڑنا یہ مومن جانبازوں کا کام تھا۔ چنانچہ منافقین حیلے بہانے تراش کر جان چھڑانے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل اور مشکل سفر سے کترا رہے تھے جن میں سے بہت سے تو آخر کار ساتھ ہو لئے اور گنے چنے چند رہ گئے جو ساتھ نہ ہوئے۔ آپ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے اور تبوک کے مقام پر ڈیرے ڈال دئے۔ شام والوں نے اطاعت قبول کی مگر اسلام نہ لائے جب نبی ﷺ تبوک سے غالب ہو کر واپس تشریف لائے اور بڑی سلطنتوں پر بھی اسلام کی دھاک بیٹھ گئی تو منافیقن بڑے رسوا ہوئے، چند مسلمان جو محض سستی کی وجہ سے نہ گئے تھے وہ بھی بہت نادم ہوئے۔ یہاں سے آخر سورت تک آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ سے متعلق لوگوں کی نوعیتیں مختلف تھیں۔ اول جو بلا تردد ساتھ ہو لئے، دوم جو تردد کے بعد ساتھ ہو گئے، سوم جو عذر کی وجہ سے نہ جا سکے، چہارم وہ مومنین جو عذر نہ ہونے کے باوجود کاہلی کے سبب سے نہ جا سکے، پنجم اکثر منافقین جو عذر نہ ہونے کے باوجود محض نفاق کے سبب سے نہیں گئے، ششم بعض منافقین جو جاسوسی اور شرارت کی غرض سے ساتھ ہو لئے۔

یہاں سے آگے ان مختلف لوگوں کے واقعات کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے اگلی آیت میں دوسری قسم کے لوگوں سے خطاب کر کے ان کو بڑی شدت سے جہاد پر ابھارا ہے۔

تردد کرنے والے مسلمانوں سے خطاب

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو کیا ہے تم کو۔ جب کہا جاتا ہے تم سے کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو لگے جاتے ہو تم زمین کی طرف۔ کیا راضی ہو گئے تم حیات دنیوی پر آخرت کے مقابلہ میں۔ تو نہیں ہے نفع اٹھانا حیات دنیوی کا آخرت کے مقابلہ میں مگر (بہت) تھوڑا۔ اگر نہ نکلو گے تم تو عذاب دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدل کر لائے گا قوم تمہارے علاوہ اور نہ ضرر پہنچا سکو گے تم اللہ کو کچھ بھی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) جو نکلنے میں تردد کر رہے ہو (تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو) یعنی اٹھتے اور چلتے نہیں (کیا تم نے آخرت کے عوض دنیوی زندگی پر قناعت کر لی سو دنیوی زندگی کا نفع اٹھانا تو کچھ بھی نہیں بہت قلیل ہے، اگر تم) اس جہاد کے لئے (نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت سزا دے گا) یعنی تم کو ہلاک کر دے گا (اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا) اور ان سے اپنا کام لے گا (اور تم اللہ) کے دین (کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے، اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے)۔

ربط: مسلمانوں کو جہاد کے لئے ابھارنے میں مزید ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم نے تو دین حق کے غلبہ کے لئے رسول کو بھیجا ہے۔ اگر تم ان کا ساتھ نہیں دو گے تو جان لو کہ رسول کا غالب ہونا کسی آدمی کے مدد کرنے پر موقوف نہیں۔ اس کے لئے ہم ہی کافی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی کیسے مدد فرماتے ہیں اس بارے میں غار ثور والے قصہ کی یاد دہانی کر لو۔ یہ غار مکہ معظمہ کے قریب ہے۔ اس میں آپ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تین روز تک رہے۔ کفار آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک نشان شناس کے بتلانے پر اس غار تک پہنچے۔ اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی وجہ سے فکر ہوئی آپ نے تسلی دی کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کہ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ چونکہ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا بنا رکھا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا اور سب واپس لوٹ

گئے۔ پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور صحیح وسالم وہاں پہنچ گئے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ
اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ
سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ
الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

ترجمہ: اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کی تو مدد کی ہے اس کی اللہ نے جب نکالا اس کو (وطن سے) کافروں نے جب کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ (رسول) کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سو اتاری اللہ نے اپنی تسکین اس پر اور مدد کی اس کی ان لشکروں سے نہیں دیکھا تم نے جن کو اور کر دی (اللہ نے) بات کافروں کی نیچے اور بات اللہ ہی کی بلند ہے، اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اگر تم لوگ رسول) اللہ ﷺ (کی مدد نہ کرو گے تو) اللہ آپ کی مدد کرے گا، جیسا کہ (اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب) اس نے زیادہ مصیبت و پریشانی کا وقت تھا کہ (آپ کو کافروں نے) تنگ کر کر کے مکہ سے (جلا وطن کر دیا تھا اس حال میں کہ دو آدمیوں میں ایک آپؐ تھے) اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیقؓ آپ کے ہمراہ تھے (جس وقت کہ دونوں) صاحب (غار) ثور (میں) موجود (تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم) کچھ (غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ) کی مدد (ہمارے ہمراہ ہے سو) وہ مدد یہ ہوئی کہ (اللہ تعالیٰ نے آپ) کے قلب (پر اپنی طرف سے (تسلی نازل فرمائی اور آپ کو) ملائکہ کے (ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)۔ اس قوت سے مراد قلبی قوت ہے جو غیبی تسکین اور سکینہ لانے والے فرشتوں کا اثر تھا (اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات) اور تدبیر (نیچی کر دی) کہ وہ ناکام رہے (اور اللہ ہی کا بول بالا رہا) کہ ان کی تدبیر اور حفاظت غالب رہی (اللہ زبردست حکمت والا ہے) اسی لئے اسی کی بات اور حکمت غالب رہی۔

ربط: جب دین حق کا غلبہ تمہاری مدد پر موقوف نہیں بلکہ جہاد کے لئے نکلنے میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے تو نکلنے میں سستی نہ کرو اور ہر حال میں نکلو۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: نکلو ہلکے اور بوجھل اور لڑو اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں، یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم یقین رکھتے ہو۔

تفسیر: جہاد کے لئے (نکل پڑو) خواہ (تھوڑے سامان سے) ہو (اور) خواہ (زیادہ سامان سے) ہو (اور اللہ ہی کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) کہ آخرت کا ثواب تو یقینی ہے اور دنیا میں بھی فتح، غنیمت اور عزت اکثر حاصل ہوتی ہیں (اگر تم یقین رکھتے ہو) تو دیر مت کرو۔

ربط: اگلی آیت میں پانچویں قسم یعنی محض نفاق کے سبب سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کے اقوال واحوال ذکر کرتے ہیں۔

پیچھے رہ جانے والے منافقین کے اقوال واحوال

پہلی حالت: مال کی محبت اور کذب بیانی

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ‌ ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ‌ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اگر ہوتا مال نزدیکی اور سفر ہلکا تو ضرور پیچھے ہو لیتے تیرے ولیکن دور (معلوم) ہوئی ان پر مسافت۔ اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور نکلتے ہم تمہارے ساتھ۔ تباہ کر رہے اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

تفسیر: (اگر کچھ مال جلد ملنے والا ہوتا اور سفر بھی معمولی ہوتا تو یہ) منافق (لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت ہی دور دراز معلوم ہونے لگی) اس لئے پیچھے مدینہ ہی میں رہ گئے (اور ابھی) جب تم لوگ واپس آؤ گے تو (خدا کی قسمیں کھا جائیں گے کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ) جھوٹ بول بول کر (اپنے آپ کو تباہ) یعنی مستحق عذاب (کر رہے

ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں) کیونکہ بلاشبہ انکو استطاعت تھی اور پھر یہ نہیں گئے۔

ربط: اوپر جن منافقین کا ذکر ہے انہوں نے آپ کی روانگی کے وقت جھوٹے جھوٹے عذر تراش کر سفر میں ساتھ نہ جانے کی اجازت مانگی۔ آپ ان کے مکر و نفاق سے چشم پوشی کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں اجازت دے دی۔ اس کو فرماتے ہیں کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ انہوں نے تو نکلنا ہی نہ تھا۔ آپ کے اجازت نہ دینے پر نہ نکلنے سے ان کی خباثت کھل جاتی جب کہ آپ کی اجازت کو انہوں نے اپنے لئے سہارا بنا لیا ہے کہ ہم تو آپ کے اجازت دینے کی وجہ سے نہیں نکلے۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا البتہ وقت کی مصلحتوں کے اعتبار سے اجازت نہ دینا زیادہ موزوں تھا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: درگذر کیا اللہ نے تجھ سے۔ کیوں اجازت دی تو نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے تیرے لئے وہ جنہوں نے سچ کہا اور جان لیتا تو جھوٹوں کو۔ نہیں اجازت مانگیں گے تجھ سے جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر (اس سے) کہ نہ جہاد کریں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اور اللہ خوب جاننے والا ہے متقیوں کو۔ محض اجازت طلب کرتے ہیں تجھ سے وہ جو نہیں رکھتے ایمان اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ان کے دل سو وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف) تو (کر دیا) لیکن (آپ نے ان کو) ایسی جلدی (اجازت کیوں دیدی تھی جب تک کہ آپ کے سامنے سچے لوگ ظاہر نہ ہو جاتے، اور) جب تک کہ (آپ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے) تا کہ وہ خوش تو نہ ہو پاتے کہ ہم نے آپ کو دھوکہ دیدیا۔ اور (جو

لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں) اس میں شریک نہ ہونے کی کبھی (آپ سے رخصت نہ مانگیں گے) بلکہ وہ حکم ملنے کے ساتھ ہی دوڑ پڑیں گے (اور اللہ تعالیٰ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے) ان کو اجر و ثواب دے گا۔ (البتہ وہ لوگ جہاد میں نہ جانے کی (آپ سے رخصت مانگتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل) اسلام سے (شک میں پڑے ہیں۔ سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے متردد و حیران ہیں) کبھی موافقت کا خیال ہوتا ہے کبھی مخالفت کا۔

فائدہ: معافی جیسے گناہ کی ہوتی ہے کبھی خلاف اولیٰ کی بھی ہوتی ہے اس لئے نبی ﷺ کے حق میں گناہ کا شبہ نہ ہونا چاہئے۔

ربط: کوئی یہ خیال کرے کہ اگر یہ ساتھ نکلتے تو بہتر ہوتا کیونکہ خواہی نخواہی جہاد جیسے نیک کام میں شریک ہو جاتے۔ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ نکلتے بھی تو انہوں نے فساد ہی کرنا تھا۔

دوسری حالت: مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کی کوشش

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِن كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٤٦﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: اور اگر وہ چاہتے نکلنا تو ضرور تیار کرتے اس کے لئے کچھ سامان ولیکن ناپسند کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو اور کہا گیا کہ بیٹھے رہو ساتھ (عذر کی وجہ سے) بیٹھنے والوں کے، اگر وہ نکلتے تم میں تو نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر خرابی اور دوڑتے پھرتے تمہارے درمیان تلاش کرتے ہوئے تمہارے لئے فتنہ کو اور تم میں (بعضے) جاسوس ہیں ان کے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو۔ وہ تلاش کرتے رہے ہیں فتنہ کو اس سے پہلے اور الٹتے رہے ہیں تیرے لئے کارروائیوں کو یہاں تک کہ آ پہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا

اور وہ ناخوش ہی رہے۔

تفسیر: (اور اگر وہ لوگ) غزوہ میں (چلنے کا ارادہ کرتے) جیسا کہ وہ اپنے عذر کے وقت ظاہر کرتے ہیں کہ چلنے کا تو ارادہ تھا، لیکن کیا کیا جائے فلاں ضرورت پیش آ گئی سو اگر ایسا ہوتا (تو اس) چلنے کی کچھ تو تیاری کرتے اور اس (کا کچھ سامان تو درست کرتے) جیسا کہ سفر کی ضروریات میں سے ہے (لیکن) انہوں نے تو شروع سے ارادہ ہی نہیں کیا اور اس کو مؤخر کرتے رہے جس کی وجہ سے (اللہ تعالیٰ نے ان کے جانے کو پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور) تکوینی طور پر (یوں کہہ دیا گیا کہ معذور لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں ہی دھرے رہو)۔ اور ان کے جانے میں خیر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ (اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے اس کے کہ اور دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا اور) وہ دوگنا فساد یہ ہوتا کہ (تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے) یعنی لگائی بجھائی کر کے آپس میں تفریق ڈلواتے، اور جھوٹی خبریں اڑا کر پریشان کرتے، دشمن کا رعب تمہارے قلوب میں ڈالنے کی کوشش کرتے، اس لئے ان کا نہ جانا ہی اچھا ہوا (اور) اب بھی (تم میں ان کے کچھ جاسوس موجود ہیں) جن کو اس سے زیادہ فساد کی تدبیر میں مہارت نہیں (اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا) اور ان لوگوں کی مفسدہ سازی و فتنہ پردازی کچھ آج نئی نہیں (انہوں نے تو پہلے) جنگ اُحد وغیرہ میں (بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی) کہ ساتھ ہو کر ہٹ گئے کہ مسلمان دل شکستہ ہو جائیں (اور) اس کے علاوہ بھی (آپ کی) ضرر رسانی کے (لئے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچا وعدہ آ گیا اور) اس کا آنا یہ ہوا کہ (اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا) اسی طرح آئندہ بھی بالکل تسلی رکھئے کچھ فکر نہ کیجئے۔

فائدہ: ان جاسوسوں کے جانے میں مسلمانوں کے لئے یہ مصلحت تھی کہ مسلمانوں کا استقلال اور غلبہ اور کفار کا عجز دیکھ کر اپنے سرداروں کو خبر دیں گے تو ان کے حوصلے ہمیشہ کے لئے پست ہو جائیں گے۔

تیسری حالت: بہانہ بازیاں

جد بن قیس نے یہ بہانہ تراشا کہ میں عورتوں پر مفتون ہو جاتا ہوں اور رومیوں کی عورتیں بہت حسین ہیں۔ جانے میں میرا دینی نقصان ہے اس لئے مجھے رخصت دی جائے البتہ میں مالی مدد کروں گا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور ان میں سے بعضے کہتے ہیں اجازت دے مجھ کو اور مت ڈال فتنہ میں مجھ کو۔ آگاہ ہو فتنہ تو وہ پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ گھیرنے والی ہے کافروں کو۔

تفسیر: (اور ان) پیچھے رہنے والے منافقوں میں (بعض شخص وہ ہے جو) آپ سے (کہتا ہے کہ مجھ) کو غزوہ میں نہ جانے کی اور گھر رہنے کی (اجازت دید یجئے اور) کیونکہ یہ لشکر رومی سلطنت کی طرف جا رہا ہے اور وہاں کی عورتیں حسین ہوتی ہیں، میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا۔ تو وہاں لے جا کر (مجھ کو خرابی میں نہ ڈالئے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ) اپنے کفر اور اپنی بزدلی پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر خرابی میں تو پڑ ہی چکے ہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور کفر سے بڑھ کر اور کونسی خرابی ہوگی (اور یقیناً دوزخ) آخرت میں ان کافروں کو گھیرے گی۔

چوتھی حالت: مسلمانوں سے ہمدردی نہ ہونا

إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَن يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اگر پہنچے تجھ کو کوئی اچھی حالت تو وہ غمزدہ کرتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تجھ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں لے لیا تھا ہم نے اپنا (احتیاطی) معاملہ پہلے سے اور پلٹتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ تو کہہ دے ہرگز نہیں پہنچے گا ہم کو مگر جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہ ہمارا مالک ہے اور اللہ پر چاہئے کہ توکل کریں ایمان والے۔ تو کہہ دے نہیں تم انتظار کرتے ہو ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے حق میں کہ پہنچائے تم کو اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے۔ تو تم منتظر رہو ہم (بھی) تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تفسیر: (اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو وہ ان کے لئے موجب غم ہوتی ہے، اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آ پڑتا ہے تو) خوش ہو کر (کہتے ہیں کہ ہم نے تو) اسی واسطے (پہلے سے اپنا) احتیاط کا پہلو اختیار کر لیا تھا) کہ ان کے ساتھ لڑائی وغیرہ میں نہیں گئے تھے (اور) یہ کہہ کر (وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ) جواب میں ان سے دو باتیں (فرما دیجئے) ایک تو یہ کہ اے منافقو (ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمایا ہے کیونکہ وہی ہمارا مالک ہے) اور صرف اسی کو ہم پر ہر تصرف کا اختیار حاصل ہے اور مالک حقیقی جو تجویز کرے مملوک کو اس پر راضی رہنا واجب ہے لہٰذا ہم اس پر راضی ہیں (اور) ہماری کیا تخصیص ہے (سب مسلمانوں کو اپنے سب کام اللہ ہی کے سپرد رکھنے چاہئیں)۔ دوسری بات یہ (فرما دیجئے کہ) ہمارے لئے جیسے اچھی حالت بہتر ہے ویسے ہی انجام کے اعتبار سے حوادث بھی بہتر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں وہ حوادث و مصائب میں بھی ہمارے فائدہ کی رعایت کرتے ہیں کہ ان میں ہمارے لئے درجات کی بلندی اور گناہوں کا خاتمہ رکھ دیا ہے جو بہتر ہے، پس اے منافقو (تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو) یعنی تم جو ہماری حالت کے منتظر رہتے ہو کہ دیکھئے کیا ہو تو خواہ وہ بھلائی ہو یا مصیبت ہمارے لئے دونوں ہی میں بہتری ہے (اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر رہا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا) خواہ (اپنی طرف سے) دنیا میں یا آخرت میں (یا ہمارے ہاتھوں سے) کہ جب تم اپنے کفر کو ظاہر کر دو تو مثل دوسرے کفار کے قتل کئے جاؤ (سو تم) اپنے طور پر (انتظار کرو) اور (ہم تمہارے ساتھ) اپنے طور پر (انتظار کرتے ہیں)۔

پانچویں حالت: عبادت الٰہی سے ناگواری اور کفر

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ
مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ
مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ
الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ
لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: تو کہہ دے تم خرچ کرو (مال) خوشی سے یا مجبوری سے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا تم سے۔ بے شک تم ہو نافرمان لوگ۔ اور نہیں روکا ان کو کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے خرچ مگر اس بات نے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ سست ہیں اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرنے والے ہیں۔ سو تعجب میں نہ ڈالیں تجھ کو ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد۔ محض چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان (چیزوں) کے ذریعہ دنیوی زندگی میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔

تفسیر: (آپ) ان منافقین سے (فرما دیجئے کہ تم) جہاد وغیرہ میں (خواہ خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے تم کسی طرح) خدا کے نزدیک (مقبول نہیں) کیونکہ (بلاشبہ تم) کفر جیسی (نافرمانی کرنے والے لوگ ہو۔ اور ان کی خیرات قبول ہونے سے اس کے سوا کوئی مانع نہیں کہ انہوں نے) دل میں (اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا) اور کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں (اور) دل میں چھپے اس کفر کی ظاہری علامت یہ ہے کہ (وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور) نیک کام میں (خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ) کیونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں جس سے ثواب کی امید ہو اور اس امید سے رغبت ہو بلکہ محض بدنامی سے بچنے کے لئے کرتے ہیں جو (کچھ کرتے) ہیں۔ اور جب وہ ایسے مردود ہیں (تو ان کے اموال اور اولاد آپ کو) اس (تعجب میں نہ ڈالیں) کہ ایسے غیر مقبول مردود لوگوں کو اتنے انعامات کس طرح عطا ہوئے، کیونکہ واقع میں یہ ان کے لئے نعمت نہیں ایک قسم کا عذاب ہی ہے کیونکہ (اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیوی زندگی میں) بھی (ان کو عذاب میں گرفتار رکھے اور ان کی جان کفر ہی کی حالت میں نکلے) جس سے آخرت میں بھی عذاب میں گرفتار ہوں۔ تو جس مال و اولاد کا یہ انجام ہو اس کو انعام سمجھنا ہی غلطی ہے۔

فائدہ: دنیا میں مال و اولاد کا عذاب ہونا حب دنیا کے لئے لازم ہے۔ اول تو عام طور سے اس کی تحصیل وتمنا میں کیسی کیسی جسمانی و روحانی کوفت اٹھانی پڑتی ہے پھر حصول کے بعد ذرا نقصان ہو گیا ذرا مرض ہو گیا تو بس غم کا ایک پہاڑ سر پر سوار ہے۔ سب حالتیں طبیعت کے موافق بھی ہوں تو اس کا اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ناگوار حادثہ پیش نہ آ جائے۔ پھر جدائی کے وقت بڑے درجہ کی حسرت اور صدمہ ہوتا ہے اور آخرت میں دنیوی نعمتوں کے بقدر کافر کو عذاب زیادہ ہو گا۔

چھٹی حالت: مجبوری کی وجہ سے ایمان کا اظہار

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۚ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ بیشک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں (تم سے)۔ اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو اُلٹے بھاگیں اسی طرف اس حال میں کہ وہ خود سری کرتے ہوں۔

تفسیر: (اور یہ) منافق (لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں) یعنی مسلمان ہیں (حالانکہ) واقع میں (وہ تم میں سے نہیں، لیکن) بات یہ ہے کہ (وہ ڈرپوک لوگ ہیں) ڈر کے مارے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے کفر کو چھپاتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی کہیں دوسرے کفار کا سا معاملہ مسلمانوں کی طرف سے نہ ہونے لگے، اور کسی دوسری جگہ ان کا ٹھکانا نہیں جہاں آزادی سے جا رہیں ورنہ (ان لوگوں کو اگر کوئی پناہ کی جگہ مل جاتی یا) کہیں پہاڑ وغیرہ میں (غار) مل جاتے (یا کوئی گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ) مل جاتی جہاں اسلامی حکومت کا خوف نہ رہے اور ایمان کے اظہار کی مجبوری نہ رہے (تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر ہی چل دیتے) مگر یہ صورت ہے نہیں، اس لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں۔

ساتویں حالت: ناحق کی طعنہ زنی

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ ۙ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ إِنَّا إِلَى اللّٰهِ رٰغِبُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: اور ان میں سے بعضے وہ ہیں کہ طعن کرتے ہیں تجھ پر خیرات (بانٹنے) میں۔ سو اگر وہ دیئے جائیں ان میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ دیئے جائیں ان میں سے

تب وہ ناراض ہو جاتے ہیں، اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہو جاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ (اور) دے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

تفسیر: (اور ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو صدقات) تقسیم کرنے (کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں) کہ اس تقسیم میں نعوذ باللہ انصاف نہیں کیا گیا (تو اگر صدقات میں سے ان کو) ان کی خواہش کے مطابق (مل جاتا ہے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے ان کو) اپنی خواہش کے مطابق (نہیں ملتا تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اعتراض کا منشاء دراصل کوئی اصول نہیں بلکہ حرصِ دنیا اور خودغرضی ہے (اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ لوگ اس پر راضی رہتے جو کچھ اللہ نے ان کو) دلوایا تھا (اور اس کے رسولؐ نے دیا تھا اور) اس کے متعلق (یوں کہتے کہ ہم کو اللہ) کا دیا (کافی ہے) ہم کو اتنا ہی قاعدہ سے مل سکتا تھا اسی میں خیر و برکت ہوگی، اور پھر اگر حاجت پیش آئے گی اور مصلحت ہوگی تو آئندہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم کو اور دے گا، اور اس کے رسول ﷺ (دیں گے ہم) دل سے (اللہ ہی کی طرف راغب ہیں) اسی سے سب امیدیں رکھتے ہیں۔

فائدہ: صدقہ کے مال میں سے منافقین کو حصہ ملنے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں (1) نفلی صدقہ ہو تو وہ کسی کافر کو بھی دیا جا سکتا ہے (2) زکوۃ وغیرہ ہو تو اس وجہ سے کہ ظاہر میں مسلمانوں کے احکام ان پر بھی جاری ہوتے تھے۔

ربط: اوپر صدقات کے بارے میں اعتراض کرنے والوں کے اعتراض کا جواب دیا تھا آگے اسی جواب کی تائید کے لئے زکوۃ وصدقات کے مصارف و مستحقین کا بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ زکوۃ وصدقات کی تقسیم کا طریقہ ہمارا مقرر کیا ہوا ہے ہم نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین کر کے فہرست اپنے رسول کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ وہ اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے۔ کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: محض (فرض) صدقات ہیں واسطے غریبوں کے اور محتاجوں کے اور ان لوگوں کے لئے جو عمل کرنے والے ہیں زکوۃ (کی وصولی) پر اور مؤلف قلوب کے لئے اور (صرف کئے جائیں) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں میں اور اللہ کے رستے میں اور مسافر میں۔ (یہ) مقرر ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر: فرض (صدقات تو صرف حق ہے فقراء کا) جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو (اور مساکین کا) جن کے پاس حاجت کے بقدر نہ ہو (اور عاملین کا) جن کو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا ہو (اور مؤلفۃ القلوب کا) جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں اور مالی امداد کے ذریعہ سے ان کے اسلام کے ساتھ تعلق کو تقویت دی جائے۔ نبی ﷺ کے بعد صحابہ کے زمانہ میں ان کے مستحق نہ رہنے پر اتفاق و اجماع ہو گیا تھا (اور گردنوں کے چھڑانے میں) یعنی غلام خرید کر آزاد کئے جائیں یا قیدیوں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں (اور قرضداروں) کے قرضہ (میں) کہ ان پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت کے بوجھ تلے دب گئے (اور سبیل اللہ میں) یعنی جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے جب کہ ان کے پاس اپنا مال نہ رہا ہو (اور مسافروں میں) جب کہ حالت سفر میں مالک نصاب نہ رہے اگرچہ گھر میں دولت ہو لیکن فوری طور پر منگوانے کا ذریعہ نہ ہو۔ (یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) مناسب نامناسب کو جانتے ہیں اور مناسب احکام مقرر کرتے ہیں۔

آٹھویں حالت: نبی ﷺ کو ایذاء رسانی

بعض منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کوئی نازیبا بات کہی۔ کسی دوسرے منافق نے کہا ایسا مت کرو کہیں آپ کو خبر نہ ہو جائے پھر ہماری پکڑ ہو۔ وہ شخص بولا کہ کچھ فکر کی بات نہیں آپ تو کان ہیں کہ ہر ایک کی بات سن کر مان لیتے ہیں اور ہر ایک کے دھوکہ میں آ جاتے ہیں کچھ تحقیق نہیں کرتے۔ اگر آپ کو خبر ہو بھی گئی تو ہم جا کر کوئی بات بنا دیں گے اور آپ کو دھوکہ دے کر بری ہو جائیں گے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ
يَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾

ترجمه: اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں وہ تو کان ہے۔ تو کہہ کان ہے تمہارے لئے بھلائی کا۔ ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مسلمانوں (کی بات) کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے تم میں سے۔ اور جو لوگ ایذاء دیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔

تفسیر: (ان) منافقین (میں بعضے ایسے ہیں کہ نبی) ﷺ (کو ایذائیں پہنچاتے ہیں) یعنی آپ کی شان میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ سُن کر آپ کو ایذاء ہو (اور) جب کوئی روکتا ہے تو (کہتے ہیں کہ آپ ہر بات کان دے کر سُن لیتے ہیں) آپ کو جھوٹ بول کر دھوکہ دینا آسان ہے، اس لئے کچھ فکر نہیں (آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تم کو خود دھوکہ ہوا رسول اللہ ﷺ کا کسی بات کو سُن لینا دو طور پر ہے، ایک تصدیق کے طور پر کہ دل سے بھی اس کو صحیح سمجھیں، دوسرا خوش خلقی اور کریم النفسی کے طور پر کہ یہ جان لینے کے باوجود کہ یہ بات محض غلط ہے شرافتِ نفس اور حسن خلق کی بناء پر اس کو ٹال دیں اور کہنے والے پر داروگیر یا اس کی صریح تکذیب نہ کریں سو (وہ نبی کان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں خیر) ہی خیر (ہے) جس کا حاصل اور نتیجہ یہ ہے (کہ وہ اللہ) کی باتیں وحی سے معلوم کر کے ان (پر ایمان لاتے ہیں) جن کی تصدیق کا خیر ہونا تمام عالم کے لئے ظاہر ہے، کیونکہ تعلیم اور عدل اسی تصدیق پر موقوف ہے (اور مؤمنین) مخلصین کی باتوں (کا) جو ایمان و اخلاص سے ہوں (یقین کرتے ہیں)۔ اس کا خیر ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ عدلِ عام موقوف ہے احوال کی صحیح اطلاع پر اور اس کا ذریعہ یہی مؤمنین مخلصین ہیں، غرض کان دے کر اور سچا سمجھ کر تو صرف سچے اور مخلص مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں (اور) باقی تمہاری شرارت آمیز باتیں جو سُن لیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (آپ ان لوگوں کے حال پر مہربانی فرماتے ہیں جو تم میں ایمان کا اظہار کرتے ہیں) گو دل میں ایمان نہ ہو، پس اس مہربانی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور ان کی حقیقت سمجھ جانے کے باوجود درگزر اور خاموشی برتتے ہیں۔ غرض ان باتوں کا سننا دوسرے طور کا ہے، تم نے اپنی حماقت سے اس کو بھی پہلے طور کا سمجھ لیا۔ خلاصہ یہ کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ حقیقت کو حضرت نہیں سمجھتے حالانکہ واقع میں حقیقت کو تم ہی نہیں سمجھتے (اور جو لوگ رسول اللہ) ﷺ (کو ایذائیں پہنچاتے ہیں) خواہ ان باتوں سے جن کے کہنے کے بعد آپ کو اُذُنٌ کہا تھا یا خود اسی هُوَ اُذُنٌ کے کہنے سے

کیونکہ ان کا آپ کو اُذُن کہنا آپ کی تنقیص کے لئے تھا کہ معاذ اللہ آپ کو سمجھ نہیں جو کچھ سن لیتے ہیں اس کو مان لیتے ہیں (ان لوگوں کے لئے دردناک سزا ہوگی۔)

فائدہ: (1) اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے کبھی منافقین کی سخن سازی مخفی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپ کے سکوت کی ہمیشہ یہ علت نہیں۔

(2) مومنین میں جو ایمان واخلاص سے ہونے کی قید لگائی گئی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر مؤمن کی ہر بات کی تصدیق کرنا تو واجب نہیں بلکہ جو بات شرعی قواعد کے مطابق ہو اور ایمان واخلاص کی بنا پر کہی گئی ہو اس کی تصدیق واجب ہوتی ہے۔

نویں حالت: غرض فاسد سے جھوٹی قسمیں کھانا

جب کبھی منافقین کی دغا بازی پکڑی جاتی تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی تاکہ اس طرح سے مسلمانوں کو راضی کرلیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ
لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ
لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے سامنے تاکہ راضی کریں تم کو حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ یہ راضی کریں اس کو اگر وہ ہیں ایمان والے۔ کیا نہیں جانا انہوں نے کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو اس کے لئے ہے آگ جہنم کی سدا رہے اس میں۔ یہ ہے رسوائی بڑی۔

تفسیر: (یہ لوگ تمہارے) یعنی مسلمانوں کے (سامنے) جھوٹی (قسمیں کھاتے ہیں) کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی، یا ہم غزوہ میں فلاں عذر سے نہ جا سکے (تاکہ تم کو راضی کرلیں) جس سے ان کا جان و مال محفوظ رہے (حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو) اپنے ایمان اور اخلاص سے (راضی کریں۔ کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا) جیسا یہ لوگ کر رہے ہیں (تو یہ بات طے ہو چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا) اور (یہ بڑی رسوائی) کی بات

(ہے)

دسویں حالت: اللہ اور رسول کے ساتھ استہزاء اور اس پر جھوٹے عذر

منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے اور چونکہ بسا اوقات وحی الٰہی کے ذریعہ سے ان کے نفاق اور بد باطنی کو کھول دیا جاتا تھا اس لئے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ قرآن میں کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے راز فاش کردے۔ اس وجہ سے اپنے بچاؤ کے لئے بودے عذر بھی گھڑتے تھے۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾

ترجمہ: ڈرتے ہیں منافق کہ کہیں نازل کر دی جائے مسلمانوں پر کوئی سورت جو خبر دے ان (مسلمانوں) کو اس بات کی جو ان (منافقوں) کے دلوں میں ہے۔ تو کہہ دے تم استہزاء کرتے رہو بلاشبہ اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس کا تم ڈر کرتے ہو۔ اور اگر تو پوچھے ان سے تو یہ ضرور کہیں گے ہم تو محض ہنسی کرتے ہیں اور دل لگی کرتے ہیں۔ تو کہہ دے کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے۔ (اب) تم عذر مت کرو تم کافر ہو گئے اپنے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم درگزر کریں تم میں سے بعض سے تو ہم عذاب دیں گے بعض کو بسبب اس کے کہ وہ تھے مجرم۔

تفسیر: (منافق لوگ) طبعاً (اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں) کے رسول (پر) وحی کے ذریعہ (کوئی ایسی سورت) مثلاً یا آیت (نازل نہ ہو جائے جو مسلمانوں کو ان منافقین کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے) یعنی انہوں نے جو استہزاء کی باتیں خفیہ کی ہیں اور مسلمان چونکہ ان سے لاعلم

ہیں اس لئے وہ باتیں ان رازوں کی مانند ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہوں۔ اب ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں کو ان کی خبر نہ دے دی جائے (آپ فرما دیجئے کہ اچھا تم استہزاء کرتے رہو) اس میں ان کے استہزاء پر مسلمانوں کے مطلع ہو جانے کو جتلا دیا، چنانچہ آگے خود ارشاد ہے کہ (بیشک اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس) کے اظہار (سے تم اندیشہ کرتے تھے) چنانچہ ظاہر کر دیا کہ تم استہزاء کر رہے تھے (اور) ظاہر ہو جانے کے بعد (اگر آپ ان سے) اس استہزاء کی وجہ (پوچھیں تو کہہ دیں گے کہ ہم تو محض ہنسی اور خوش طبعی کر رہے تھے) اس کلام کے حقیقی معنی مقصود نہ تھے، محض جی خوش کرنے کو جس سے وقت آسانی سے گذرے ایسی باتیں زبانی کر رہے تھے (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے) یعنی خواہ غرض کچھ بھی ہو مگر یہ تو دیکھو کہ تم استہزاء کس کا کر رہے ہو؟ جن کے ساتھ استہزاء کسی غرض سے بھی درست نہیں (تم اب) یہ بیہودہ (عذر مت کرو) مطلب یہ ہے کہ یہ عذر مقبول نہیں، اور اس عذر سے استہزاء جائز نہیں ہو جاتا (تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے) کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء مطلقاً کفر ہے، گو تمہارے دل میں تو پہلے بھی ایمان نہ تھا، البتہ اگر کوئی دل سے توبہ کر لے اور مؤمن مخلص بن جائے تو البتہ کفر اور عذاب کفر سے چھوٹ جائے، لیکن اس کی بھی سب کو توفیق نہ ہو گی، ہاں البتہ بعض مسلمان ہو جائیں گے اور وہ معاف کر دیئے جائیں گے، پس حاصل یہ ٹھہرا کہ (اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں) اس لئے کہ وہ مسلمان ہو گئے (تو ہم بعض کو) ضرور ہی (سزا دیں گے بسبب اس کے کہ وہ) ہمارے علم ازلی میں ہمیشہ (مجرم تھے) یعنی وہ مسلمان نہیں ہوئے۔

فائدہ: دین کے ساتھ قصداً استہزاء خواہ بد اعتقادی سے ہو یا اس کے بغیر ہو کفر ہے اور اللہ کے ساتھ استہزاء اس کی آیات کے ساتھ استہزاء اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء آپس میں لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کے ساتھ استہزاء دوسروں کے ساتھ بھی استہزاء ہے۔

گیارہویں حالت: دوسرے کفار کے ساتھ عمل و انجام میں مشابہت

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ

الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ

فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۟ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ
وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۙ﴿۶۸﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ
وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ
وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں بعض ان کے بعض سے ہیں حکم کرتے ہیں برائی کا اور منع کرتے ہیں بھلی بات سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ۔ بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو۔ بے شک منافق وہی ہیں سرکش۔ وعدہ دیا اللہ نے منافق مردوں کو اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو جہنم کی آگ کا، سدا رہیں گے اس میں۔ وہ کافی ہے ان کو۔ اور لعنت کی ان پر اللہ نے اور ان کے لئے عذاب دائمی ہے۔ مثل ان لوگوں کے جو تم سے پہلے تھے۔ وہ تھے زیادہ تم سے زور میں اور زیادہ تھے (تم سے) مال اور اولاد میں۔ فائدہ اٹھایا انہوں نے اپنے حصہ سے سو فائدہ اٹھایا تم نے (بھی) اپنے حصہ سے جیسے فائدہ اٹھایا انہوں نے جو تھے تم سے پہلے اپنے حصہ سے اور گھستے ہو تم (بری باتوں میں) مثل اس کے جو گھسے وہ۔ وہ لوگ (ہیں کہ) ضائع ہو گئے ان کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ ہیں خسارے والے۔ کیا نہیں آئی ان کے پاس خبر ان لوگوں کی جو تھے ان سے پہلے (جیسے) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیاں۔ لائے ان کے پاس ان کے رسول صاف نشانیاں۔ سو نہیں تھا اللہ کہ ظلم کرے ان پر ولیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

تفسیر: (منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں کہ بری بات کی) یعنی کفر کی اور اسلام کی مخالفت کی (تعلیم دیتے ہیں اور اچھی بات سے) یعنی ایمان اور اتباع نبوی سے (منع کرتے ہیں اور) خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے (اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا) یعنی اطاعت نہ کی (پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا) یعنی ان پر اپنی خاص رحمت نہ کی (بلاشبہ یہ منافق بڑے ہی سرکش ہیں، اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور) اعلانیہ (کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ ان کے لئے کافی) سزا (ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور ان کو) مذکورہ وعدہ کے مطابق (دائمی عذاب ہوگا)۔ اے منافقو! (تمہاری حالت) کفر میں اور کفر کی سزا کے استحقاق میں (ان لوگوں کی سی ہے جو تم سے پہلے) زمانہ میں (ہو چکے ہیں جو شدت قوت میں اور کثرت اولاد و اموال میں تم سے بھی زیادہ تھے تو انہوں نے اپنے) دنیوی (حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا سو تم نے بھی اپنے) دنیوی (حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا تم سے پہلے لوگوں نے اپنے) دنیوی (حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا، اور تم بھی) بری باتوں میں (ایسے ہی گھسے جیسے وہ لوگ) بری باتوں میں (گھسے تھے۔ ان لوگوں کے) نیک (اعمال دنیا اور آخرت) دونوں جگہوں (میں ضائع ہو گئے) کہ دنیا میں ان اعمال پر ثواب کی بشارت نہیں، اور آخرت میں ثواب نہیں (اور) اعمال کے یوں ضائع ہو جانے کی وجہ سے (وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں) کہ دارین میں مسرت اور راحت سے محروم ہیں، پس جب تم بھی ان کی طرح کفر کرتے ہو تو انہی کی طرح خائب و خاسر ہو گے، اور جیسا ان کے اموال و اولاد زیادہ ہونے کے باوجود ان کے کام نہ آئے تو تمہارے اموال و اولاد کیسے تمہارے کام آسکیں گے جب کہ تمہاری یہ چیزیں ان کے مقابلہ میں کہیں کم ہیں۔ یہ تو ضرر آخرت کی وعید ہوئی، آگے ضرر دنیا کے احتمال کو ذکر کر کے اس سے متنبہ فرماتے ہیں کہ (کیا ان کو ان) لوگوں کے عذاب و ہلاک (کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں، جیسے قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیمؑ اور اہل مدین اور) قوم لوط کی (الٹی ہوئی بستیاں کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر) حق کی (صاف نشانیاں لے کر آئے) لیکن نہ ماننے سے برباد ہوئے (سو) اس بربادی میں (اللہ تعالیٰ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) اسی طرح ان منافقین کو بھی ڈرنا چاہئے۔

ربط: اوپر منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہوا آگے بطور موازنہ اور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کیں کیونکہ ضابطہ ہے کہ اشیاء کا جب ان کی ضد سے موازنہ کیا جائے تو بات خوب کھل جاتی ہے۔ یہ موازنہ

اس طرح سے ہے کہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں جب کہ مومنین بدی کو چھوڑنے کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ منافقین کی مٹھی بند ہے جب کہ مومنین کا ہاتھ کھلا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا جب کہ یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے ہیں اور خدا و رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ اسی لئے منافقین لعنت کے مستحق ہوئے، جب کہ مومنین رحمت خصوصی کے امیدوار ہوئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ
طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ان کے بعض مددگار ہیں دوسروں کے حکم دیتے ہیں نیک بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی۔ وہی لوگ (ہیں) رحم کرے گا جن پر اللہ، بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا، وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور (وعدہ دیا ہے) مکانوں کا ہمیشگی کے باغوں میں، اور رضامندی اللہ کی طرف سے ان سب سے بڑی ہے، یہی ہے کامیابی بڑی۔

تفسیر: (اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے) دینی (رفیق ہیں، نیک باتوں کی تعلیم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوۃ

دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانتے ہیں ان لوگوں پر ضرور اللہ تعالیٰ رحمت کرے گا) جس کی اگلی آیت میں تفصیل آتی ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ قادر) مطلق (ہے) پوری جزا دے سکتا ہے (حکمت والا ہے) مناسب جزا دیتا ہے، اب اس رحمت کا بیان ہوتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور نفیس مکانوں کا) وعدہ کر رکھا ہے (جو کہ ان ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور) ان سب نعمتوں کے ساتھ (اللہ تعالیٰ کی رضا مندی) جو اہل جنت سے ہمیشہ ہمیشہ رہے گی، ان (سب) نعمتوں (سے بڑی چیز ہے یہ) جزائے مذکور (بڑی کامیابی ہے)۔

فائدہ: سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ صحیح حدیث میں ہے حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا۔ جنتی لبیک کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا **ھل رضیتم** یعنی اب تم خوش ہو گئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار خوش نہ ہونے کی کیا وجہ؟ جب کہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا هَلْ أُعْطِيْكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو۔ جنتی سوال کریں گے کہ اے پروردگار اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت فرمائیں گے أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِىْ فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهٗ أَبَدًا اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں جس کے بعد کبھی خفگی نہ ہوگی۔

ربط: منافقین کی ساری خرابیاں ذکر کرنے کے بعد اب فرماتے ہیں کہ یہ اس قابل ہیں کہ دنیا میں بھی ان سے جہاد کیا جائے خصوصاً جب کہ تبوک کے موقع پر انہوں نے کھلم کھلا بے حیائی، مخالفت اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے۔ جہاد کا لغوی معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے کبھی زبان سے، کبھی قلم سے کبھی کسی اور طریقے سے۔ منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں ان کے مقابلہ میں تلوار سے جہاد مشروع نہیں اس لئے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام معنی میں ہے یعنی جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اے نبی جہاد کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر: (اے نبی) علیہ صلی اللہ (کفار) سے تلوار کے ساتھ (اور منافقین سے) زبانی (جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے) دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں (اور) آخرت میں (ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے)۔

منافقین سے جہاد کے حکم کی ایک واقعہ سے تائید

تبوک سے واپسی میں چند منافقین نے ایک رات پروگرام بنایا کہ فلاں گھاٹی میں آپ کی سواری گذرے گی سب مل کر آپ کو دھکیل دیں پھر قتل کر دیں۔ غرض سب اپنا منہ لپیٹ کر جمع ہو کر دفعۃً اس جگہ پر آ پہنچے مگر آپ نے دیکھ کر ڈانٹا۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار ساتھ تھے انہوں نے ان کو ہٹایا لیکن یہ پہچانے نہیں گئے۔ آپ کو وحی سے معلوم ہوا۔ آپ نے منزل پر پہنچ کر ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور ایسا ارادہ کیا تھا۔ وہ سب قسمیں کھا گئے کہ نہ مشورہ ہوا نہ ارادہ ہوا۔ ان میں سے بعض کے ساتھ آپ نے خاص طور پر مالی اعانت فرمائی تھی جیسے جُلاس کہ آپ نے اس کا ایک بڑا قرضہ ادا کیا تھا اور ویسے بھی آپ کی تشریف آوری کے قبل اکثر محتاج تھے پھر مال غنیمت کی کثرت ہوئی تو ان کو بھی ظاہری میل جول کی وجہ سے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا تھا۔ اس قصہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد جلاس نے صدق دل سے اسلام قبول کیا۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا ۭ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ
الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ
وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ
فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ
عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ
مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہا انہوں نے حالانکہ بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور کافر ہو گئے اپنے (اظہار) اسلام کے بعد اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو انہوں نے نہ پائی۔ اور نہیں بدلہ دیا انہوں نے مگر اس کا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس

کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کرلیں تو ہوگا بھلا ان کے حق میں اور اگر منہ موڑیں تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

تفسیر: (وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات) مثلاً یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کردیں (نہیں کہی حالانکہ یقیناً انہوں نے) وہ بات کہی تھی اور چونکہ نبی کو قتل کرنے کی بات کفر کی بات ہے اس لئے انہوں نے یہ کہہ کر (کفر کی بات کہی) تھی، (اور) وہ بات کہہ کر ظاہر میں (اپنے اسلام کے بعد) ظاہر میں بھی (کافر ہو گئے) گو اپنے ہی مجمع میں سہی جس کی خبر مسلمانوں کو بھی ہو گئی اور اس سے ان کا کفر سب میں کھل گیا (اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی) کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کریں غرض وہ ناکام رہے (اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزق خداوندی سے مال دار کردیا) شاید اس احسان کا بدلہ ان کے نزدیک یہی ہو گا کہ برائی کریں (سو اگر) اس کے بعد بھی (توبہ کریں تو ان کے لئے) دونوں جہان میں (بہتر) اور نافع (ہوگا) چنانچہ جلاسؓ کو توبہ کی توفیق ہو گئی (اور اگر) توبہ سے (روگردانی کی) اور کفر و نفاق ہی پر جمے رہے (تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت) دونوں جگہ (میں دردناک سزا دے گا) چنانچہ عمر بھر بدنام اور پریشان اور خائف رہنا اور مرتے وقت مصیبت کا مشاہدہ کرنا یہ دنیوی عذاب ہے اور آخرت میں دوزخ میں جانا ظاہر ہی ہے (اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار) کہ عذاب سے بچالے اور جب دنیا ہی میں کوئی یار مددگار نہیں جہاں اکثر مدد ہو جاتی ہے تو آخرت میں تو بدرجہ اَولیٰ نہ ہو گی۔

منافقوں کے کچھ مزید حالات

ربط: ایک منافق ثعلبہ بن حاطب نے آپ سے کثرت مال کی دعا کرائی۔ آپ نے سمجھایا کہ مصلحت نہیں اس نے کہا کہ میں نیک کاموں میں خرچ کیا کروں گا۔ غرض آپ کی دعا سے وہ مالدار ہو گیا۔ جب زکوۃ کا وقت آیا تو کہنے لگا اس میں اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور ایک دو دفعہ ٹلا کر آخر زکوۃ دینے سے صاف انکار کردیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ جب اس کے کسی عزیز نے اس کو خبر پہنچائی تو بادل ناخواستہ زکوۃ لے کر حاضر ہوا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ
مُّعْرِضُوْنَ ۝۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ
بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۷۷ اَلَمْ
يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۷۸

ترجمہ: اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر وہ دے ہم کو اپنے فضل سے تو ضرور ہم خیرات کریں گے اور ضرور ہم ہوں گے نیکو کاروں میں سے۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو بخل کیا اس میں اور پھر گئے اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہیں۔ تو سزا میں دیا ان کو نفاق ان کے دلوں میں اس دن تک کہ وہ ملیں گے اس سے (یعنی خدا سے) اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ۔ کیا نہیں جان چکے وہ کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کی سرگوشی اور یہ کہ اللہ خوب جاننے والا ہے سب چھپی باتوں کو۔

تفسیر: (اور ان) منافقین (میں بعضے آدمی ایسے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (خدا تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں) کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے عہد کرنا اور خدا سے عہد کرنا برابر ہے، اور وہ عہد یہ تھا کہ (اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے فضل سے) بہت سا مال (عطا فرما دے تو ہم) اس میں سے (خوب خیرات کریں اور ہم) اس کے ذریعے سے (خوب نیک نیک کام کیا کریں، سو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے) بہت سا (دیدیا تو اس میں بخل کرنے لگے) کہ زکوۃ نہ دی (اور) اطاعت سے (روگردانی کرنے لگے اور وہ تو روگردانی کے) پہلے ہی سے (عادی ہیں سو اللہ تعالیٰ نے ان) کے اس فعل (کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق) قائم (کر دیا، جو خدا کے پاس جانے کے دن تک) یعنی دم مرگ تک (ہوگا اس سبب سے کہ انہوں نے خدا تعالیٰ سے اپنے وعدہ میں خلاف کیا اور اس سبب سے کہ وہ) اس وعدہ میں شروع ہی میں (جھوٹ بولتے تھے) یعنی وعدہ کے ایفاء کی نیت اس وقت بھی نہ تھی لہٰذا نفاق تو اس وقت بھی دل میں تھا جس کی فرع یہ جھوٹ اور وعدہ خلافی ہے، پھر اس جھوٹ اور وعدہ خلافی کے وقوع سے اور زیادہ مستحق غضب ہوئے، اور اس زیادہ غضب کا اثر یہ ہوا کہ وہ سابقہ نفاق جس کے ختم ہونے کی توقع تھی اب دائمی اور غیر زائل ہوگیا کہ توبہ بھی نصیب نہ ہوگی، اسی حالت پر مر کر ابد الآباد جہنم میں رہنا نصیب ہوگا۔ اور دلوں میں کفر چھپانے کے باوجود یہ جو اسلام اور طاعت

کا اظہار کرتے ہیں تو (کیا ان) منافقین (کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے دل کا راز اور ان کی سرگوشی سب معلوم ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام غیب کی باتوں کو خوب جانتے ہیں) اور اس لئے وہ ظاہری اسلام اور اطاعت ان کے کام نہیں آسکتے بالخصوص آخرت میں، لہٰذا وہاں جہنم کی سزا ضروری ہے۔

منافقین کی مسلمانوں پر طعنہ زنی

ایک بار آپ ﷺ نے صدقہ کی ترغیب دی تو ایک صحابی بہت سا مال لے آئے۔ منافقین نے کہا یہ ریا کار ہے دوسرے صحابی غریب تھے بہت تھوڑا سامان لائے منافقین نے کہا یہ صاحب اس واسطے لائے ہیں کہ میرا بھی نام ہو جائے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں نفل صدقہ کرنے والوں پر مسلمانوں میں سے صدقات کے بارے میں اور (ان لوگوں پر) جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت (کا) یعنی ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے۔ ٹھٹھا کیا اللہ نے ان سے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔

تفسیر: (یہ) منافقین (ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں) زیادہ اور تھوڑا ہونے پر (طعن کرتے ہیں اور) بالخصوص (ان لوگوں پر) اور زیادہ طعن کرتے ہیں (جن کو محنت مزدوری) کی آمدنی کے (علاوہ اور کچھ میسر نہیں ہوتا) اور وہ بیچارے اسی مزدوری میں سے ہمت کر کے کچھ صدقہ نکال دیتے ہیں (یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں) غرض مطلق طعن تو سب ہی پر کرتے ہیں کہ ریا کاری کرتے ہیں یا کیا تھوڑی سی چیز صدقہ میں لائے، لیکن ان محنت کش غریبوں سے تو تمسخر بھی کرتے ہیں کہ لو یہ بھی انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانے کو آ گئے (اللہ تعالیٰ ان کو تمسخر کا) تو خاص (بدلہ دے گا اور) ویسے مطلق طعن کا یہ بدلہ ملے گا کہ (ان کے لئے) آخرت میں (دردناک سزا ہوگی)۔

فائدہ: تمسخر سے چونکہ زیادہ دل دکھتا ہے اس لئے اس کے وقوع اور اس کی سزا و جزا دونوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

ربط: اوپر منافقین کے لئے دردناک عذاب کا ذکر ہے۔ آگے اس کی تاکید ہے کہ یہ عذاب

نبی کی دعا و استغفار سے بھی نہیں ٹل سکتا حالانکہ نبی کی دعا و استغفار رحمت ومغفرت کو حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل شرط یعنی ایمان مفقود ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: بخشش مانگ تو ان کے لئے یا بخشش نہ مانگ تو ان کے لئے۔اگر تو بخشش مانگے ان کے لئے ستر مرتبہ تو (بھی) ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو۔یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور اللہ نہیں ہدایت کرتا نافرمان لوگوں کو۔

تفسیر: (آپ خواہ ان) منافقین (کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں) دونوں حال برابر ہیں کہ ان کو اس سے کوئی نفع نہیں ہوگا۔ان کی مغفرت نہیں کی جائے گی (اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ) یعنی بکثرت (بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہ بخشے گا، یہ) نہ بخشنا (اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ تعالیٰ ایسے سرکش لوگوں کو) جو کبھی ایمان اور حق کی طلب ہی نہ کریں (ہدایت نہیں کیا کرتا) اس وجہ سے یہ عمر بھر کفر ہی پر قائم رہے، اسی پر مر گئے۔

تبوک میں نہ جانے والے منافقین کا حال اور انجام

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا اس کہ لڑیں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں، تو کہہ دوزخ کی آگ زیادہ سخت ہے تپش میں کاش وہ سمجھتے، سو وہ ہنس لیں تھوڑا اور روئیں بہت سا، بدلہ میں اس کے جو وہ کماتے تھے، سو اگر پھیر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے پھر وہ اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ ہرگز تم نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور ہرگز تم نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے، بے شک تم نے پسند کیا بیٹھ رہنے کو پہلی بار سو بیٹھے رہو ساتھ پیچھے رہنے والوں کے۔

تفسیر: (یہ پیچھے رہ جانے والے خوش ہو گئے رسول اللہ ﷺ (کے) جانے کے (بعد اپنے بیٹھے رہنے پر اور ان کو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرنا ناگوار ہوا) دو وجہ سے اول کفر دوسرے آرام طلبی (اور) دوسروں کو بھی (کہنے لگے کہ تم) ایسی تیز (گرمی میں) گھر سے (مت نکلو آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ) اس سے بھی (زیادہ) تیز اور (گرم ہے) سو تعجب ہے کہ اس گرمی سے تو بچتے ہو اور جہنم میں جانے کا خود سامان کر رہے ہو کہ کفر و مخالفت کو نہیں چھوڑتے (کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے، سو) ان مذکورہ باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں (تھوڑے دنوں ہنس) کھیل (لیں اور) پھر آخرت میں (بہت دنوں) یعنی ہمیشہ (روتے رہیں) یعنی ہنسنا تھوڑے دنوں کا ہے پھر رونا ہمیشہ ہمیشہ کا (ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ) کفر و نفاق اور مخالفت وغیرہ (کیا کرتے تھے) جب ان کا حال معلوم ہو گیا (تو اگر خدا تعالیٰ آپ کو) اس سفر سے مدینہ کو صحیح و سالم (ان کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے) گروہ اس لئے کہا کہ ممکن ہے کہ بعض اس وقت تک مر جائیں، یا کوئی کہیں چلا جائے اور (پھر یہ لوگ) خوشامد کے طور پر اور پچھلے الزام کو دور کرنے کے لئے کسی جہاد میں آپ کے ساتھ (چلنے کی اجازت مانگیں) اور ان کے دل میں اس وقت بھی یقیناً یہی ہو گا کہ عین وقت پر کچھ بہانہ کر دیں گے (تو آپ یوں کہہ دیجئے کہ) اگرچہ اس وقت دنیا سازی کے طور پر باتیں بنا رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی بات بتلا دی ہے، اس لئے نہایت وثوق سے کہتا ہوں کہ (تم کبھی بھی میرے ساتھ) جہاد میں (نہ چلو گے اور نہ میرے ہمراہ ہو کر کسی دشمن) دین (سے لڑو گے) جو کہ چلنے سے اصل مقصود ہے کیونکہ (تم نے پہلے بھی بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا) اور اب بھی

عزم وہی ہے (تو) خواہ مخواہ جھوٹی باتیں کیوں بناتے ہو، بلکہ پہلے کی طرح اب بھی (ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو) جو کسی واقعی عذر سے (پیچھے رہ جانے کے لائق ہی ہیں) جیسے بوڑھے اور بچے اور عورتیں۔

منافقین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا معاملہ ہو

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول مر گیا تو اس کے بیٹے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ آپ اپنی قمیض عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیض مبارک عطا فرما دی، پھر حضرت عبداللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ اس کے جنازے کی نماز بھی پڑھائیں، آپ نے قبول فرمالیا، اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر بن خطابؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا کہ آپ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمادیا ہے، (اور نماز جنازہ میں چونکہ استغفار ہے اس لئے نماز جنازہ سے بھی ممانعت ہوئی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعاء مغفرت کروں یا نہ کروں، اور آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کر سکتا ہوں، آیت سے مراد سورہ توبہ کی وہی آیت ہے جو ابھی گذری ہے، یعنی **اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ**، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ آیت نازل ہوئی، **لَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ الخ** چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی نماز نہیں پڑھی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور نہ پڑھ نماز کسی پر ان میں سے جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور مر گئے اس حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔

تفسیر: (اور ان میں کوئی مر جائے تو اس) کے جنازہ (پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ) اکرام کے طور پر دفن کے واسطے یا زیارت کے واسطے (اس کی قبر پر کھڑے ہوئیے) کیونکہ (انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے، اور وہ حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

فائدہ: (1) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر اس بات پر تھی کہ جب بخشش ہی نہیں ہونی تو نماز جنازہ یعنی استغفار و دعا فعل عبث ہے اور عبث کا صدور آپ جیسے حکیم کی شان سے بعید ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کی نظر میں کچھ حکمتیں تھیں یعنی یہ کہ میری اس بات کو دیکھ کر کہ اپنے بدخواہوں کے ساتھ ایسی شفقت اور مہربانی فرمائی جاتی ہے تو اس سے مخالفوں کے قبول اسلام کی امید ہے۔

(2) کافر کے جنازے پر نماز اور اس کے لئے استغفار جائز نہیں۔

ربط: اوپر کی آیات میں منافقین و کفار کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہونا معلوم ہوا آگے بتاتے ہیں کہ ان کے پاس جو مال و اولاد ہے یہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے حق میں وہ آلہ تعذیب ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۚ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور نہ تعجب میں ڈالیں تجھ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد۔ محض چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو بوجہ ان چیزوں کے دنیا میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔

تفسیر: (اور ان کے اموال اور اولاد آپ کو) اس (تعجب میں نہ ڈالیں) کہ ایسے مبغوض لوگوں پر یہ نعمتیں کیسے ہوئیں، سو یہ واقع میں اُن کے لئے نعمتیں نہیں بلکہ آلات عذاب ہیں کیونکہ (اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان) مذکورہ (چیزوں کی وجہ سے دنیا میں) بھی (ان کو عذاب میں گرفتار رکھے اور) ان کا (دم حالت کفر ہی میں نکل جائے) جس سے آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا رہیں۔

ربط: غزوہ تبوک سے منافقوں کے پیچھے رہنے کو ذکر کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ صرف غزوہ تبوک ہی نہیں بلکہ منافقین کی عام عادت غزوات سے پیچھے رہنا ہے۔ ان کے مقابلہ میں مومنین میں اخلاص اور جان و مال کی قربانی کا جذبہ ہے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ
وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾
اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع

ترجمہ: اور جب نازل کیا جاتا ہے کوئی ٹکڑا کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو ہمراہ اس کے رسول کے تو اجازت مانگتے ہیں تجھ سے مقدور والے ان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دے ہم کو کہ ہو جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے، راضی ہوئے کہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے، اور مہر کر دی گئی ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سمجھتے، لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے وہ لڑتے ہیں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ اور وہی ہیں کہ ان کے لئے ہیں خوبیاں، اور وہی ہیں فلاح پانے والے، تیار کر رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں، یہی ہے کامیابی بڑی۔

تفسیر: اور جب کبھی کوئی (ٹکڑا قرآن کا اس مضمون میں نازل کیا جاتا ہے کہ تم) خلوص دل سے (اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے رخصت مانگتے ہیں اور) رخصت کا یہ مضمون ہوتا ہے کہ (کہتے ہیں ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم بھی یہاں ٹھہرنے والوں کے ساتھ رہ جائیں) البتہ ایمان و اخلاص کے دعوے میں کچھ کرنا نہیں پڑتا اس لئے بلا تکلف یہ بھی کہہ دیا کہ ہم تو مخلص ہیں (وہ لوگ) انتہائی درجہ کی بے حمیتی سے (خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے، اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی جس سے وہ) حمیت اور بے حمیتی کو (سمجھتے ہی نہیں، ہاں لیکن رسول) ﷺ (اور آپ کی ہمراہی میں جو مسلمان ہیں انہوں نے) البتہ اس حکم کو مانا اور (اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہیں) اور وہ خوبی اور کامیابی یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں) اور (وہ ان میں ہمیشہ کو رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے)۔

فائدہ: اُولُو الطَّوْلِ کے ذکر سے یہ مقصود نہیں کہ صرف مقدور والے اجازت مانگتے تھے بلکہ غیر اُولُو الطَّوْلِ کا حال بدرجہ اولی معلوم ہو گیا کہ جب اہل مقدور کا یہ حال ہے تو بے مقدوروں کا تو ضرور ہی یہ حال ہوگا۔

ربط: منافق صرف مدینہ کے شہری ہی نہیں تھے بلکہ دیہاتی گنواروں میں بھی بعض منافق تھے اور بعض مخلص مسلمان تھے۔ اوپر شہری منافقوں کا ذکر ہوا تو دیہاتی منافقوں کا ذکر بھی مناسب ہوا جو اپنے طرز عمل کے اعتبار سے دو قسم کے تھے ایک جنگ تبوک میں نہ جانے کے جھوٹے بہانے بنانے والے اور دوسرے جو گھروں میں ویسے ہی بیٹھے رہے اور بے باک ہو کر جھوٹا عذر کرنے کی ظاہر داری بھی نہ کی۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: اور آئے بہانہ کرنے والے دیہاتیوں میں سے تاکہ اجازت دی جائے ان کو اور بیٹھ رہے جنھوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں سے عذاب دردناک۔

تفسیر: (اور کچھ بہانہ باز لوگ دیہاتیوں میں سے آئے تاکہ ان کو) گھروں میں ٹھہرنے کی (اجازت مل جائے۔ اور) ان دیہاتیوں میں سے (جنھوں نے خدا سے اور اس کے رسول سے) ایمان کے دعوے میں دل سے (بالکل ہی جھوٹ بولا تھا وہ بالکل ہی بیٹھ رہے) جھوٹے عذر کرنے بھی نہ آئے اور وہ جیسے دل میں جھوٹے تھے ظاہر میں بھی ان کا جھوٹ کھل گیا۔ (ان میں جو) آخر تک (کافر رہیں گے ان کو) آخرت میں (دردناک عذاب ہو گا) اور جو توبہ کر لیں وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

ربط: جھوٹے عذر والوں کے بیان کے بعد اب سچے عذر والوں کا اور ان کے عذروں کے مقبول ہونے کا بیان ہے۔ عذر کبھی تو مستقل ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عام طور پر کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی اور کبھی عارضی ہوتا ہے خواہ بدنی جیسے بیماری وغیرہ خواہ مالی جیسے افلاس اور سفر کے دیگر اسباب کا فقدان۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا اس لئے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ
سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ ؕ اِنَّمَا
السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ
يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے خرچ کرنے کو کچھ گناہ جب کہ خیر خواہی کرتے ہوں اللہ کے لئے اور اس کے رسول کے لئے۔نہیں ہے نیکو کاروں پر (الزام کی) کوئی راہ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور نہ ان لوگوں پر کہ جب وہ تیرے پاس آئیں تا کہ تو سواری دے ان کو تو نے کہا نہیں پاتا میں کوئی چیز سوار کروں میں تمہیں اس پر تو وہ واپس پھرے اس حال میں ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہیں آنسو سے اس غم میں کہ نہیں پاتے جو وہ خرچ کریں۔بس (الزام کی) راہ تو ان پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے اس حال میں کہ وہ مالدار ہیں۔وہ راضی ہوئے اس بات پر کہ ہو جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں جانتے۔

تفسیر: (کم طاقت لوگوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کو) سامان جہاد کی تیاری میں (خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ لوگ اللہ اور رسول کے ساتھ) اور احکام میں (خلوص) و خیر خواہی (رکھیں) اور دل سے اطاعت کرتے رہیں تو (ان نیکو کاروں پر کسی قسم کا الزام) عائد (نہیں) کیونکہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے (اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) کہ اگر یہ لوگ اپنے علم میں معذور ہوں اور اپنی طرف سے خلوص و اطاعت میں کوشش کریں اور واقع میں کچھ کمی رہ جائے تو معاف کر دیں گے (اور نہ ان لوگوں پر) کوئی گناہ اور الزام ہے (کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دیدیں اور آپ) ان سے (کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ) ناکام (اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان

کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ) افسوس (انکو) سامان جہاد کی تیاری میں (خرچ کرنے کو کچھ میسر نہیں) نہ خود ہے اور نہ دوسری جگہ سے ملا، غرض ان مذکورہ معذوروں پر کوئی مواخذہ نہیں (بس الزام) اور مواخذہ (تو صرف ان لوگوں پر ہے جو باوجود اہل سامان) وقوت (ہونے کے) گھر پر رہنے کی (اجازت چاہتے ہیں وہ لوگ) انتہائی بے حمیتی سے (خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ) گناہ ثواب کو (جانتے ہی نہیں)۔

فائدہ: گناہ مستقل کئے جانے سے دل ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیب و ہنر کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس درجے کو پہنچ جائے کہ ندامت اور افسوس کے بجائے اس پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھ لو کہ اس کے دل پر خدائی مہر لگ چکی ہے۔

ربط: جیسے تبوک سے روانہ ہوتے وقت منافقین نے طرح طرح کے بہانے بنائے تھے آگے بتاتے ہیں کہ جب تم اے مسلمانو مدینہ واپس آؤ گے تو اس وقت بھی یہ لوگ جھوٹے عذر پیش کر کے تم کو مطمئن کرنا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے۔ اس موقع پر تمہارا ان کے ساتھی قولی اور عملی برتاؤ ایسا ایسا ہونا چاہئے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ
عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا
انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ
رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ
لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى
عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: عذر کریں گے تمہارے پاس جب تم لوٹو گے ان کی طرف۔ تو کہہ دے مت عذر بتاؤ ہرگز ہم نہ مانیں گے تمہاری بات۔ خبر دے چکا ہے ہم کو اللہ تمہارے احوال (کی)۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف چھپے اور کھلے کے جاننے والے کے سو وہ خبر دے گا تم کو جو تم کرتے تھے۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پلٹو گے ان کی طرف تاکہ تم اعراض کرو ان سے۔ سو تم اعراض کرو ان سے۔ بے شک وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے بدلہ میں اس کے جو وہ کرتے تھے۔ وہ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم راضی ہو جاؤ ان سے۔ سو اگر تم راضی ہو جاؤ ان سے تو اللہ نہیں راضی ہوتا نافرمان لوگوں سے۔

تفسیر: (یہ لوگ تمہارے) سب کے (سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے) سوائے محمد ﷺ (آپ) سب کی طرف سے صاف (کہہ دیجئے کہ) بس رہنے دو (یہ عذر پیش مت کرو ہم کبھی تم کو سچا نہ سمجھیں گے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری) واقعی حالت کی

(خبر دے چکے ہیں) کہ تم کو واقع میں کوئی عذر نہ تھا (اور) خیر (آئندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے) اور معلوم ہو جائے گا کہ اپنے دعوے کے مطابق تم کتنے مطیع اور مخلص ہو (پھر ایسے کے پاس لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے) جس سے تمہارا کوئی اعتقاد کوئی عمل مخفی نہیں (پھر وہ تم کو بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے) اور اس کا بدلہ دے گا (ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے) کہ ہم معذور تھے (جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تا کہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو) اور ملامت وغیرہ نہ کرو۔ (سو تم) ان کا مطلب پورا کر دو اور (ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو) اور ملامت وغیرہ نہ کرو۔ اس غرض فانی کے حاصل ہونے سے ان کا کچھ بھلا نہ ہو گا، کیونکہ (وہ لوگ بالکل گندے ہیں اور) اخیر میں (ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ان کاموں کے بدلہ میں جو کچھ وہ) نفاق اور مخالفت وغیرہ (کیا کرتے تھے) نیز اس کا بھی تقاضا ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، کیونکہ تعرض سے مقصود ہے اصلاح جس کی ان کی خباثت کی وجہ سے امید نہیں اور نیز (یہ اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو) اول تو تم دشمنانِ خدا سے راضی ہی کیوں ہونے لگے لیکن بالفرض (اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو) ان کو کیا نفع کیونکہ (اللہ تعالیٰ تو ایسے شریر لوگوں سے راضی نہیں ہوتا) اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے بغیر مخلوق کی رضا کا کوئی فائدہ نہیں۔

ربط: دیہاتی منافقین کی مزید مذمت کرتے ہیں اور ان کے مقابل اہل دیہات میں جو مخلص مومن تھے ان کی مدح فرماتے ہیں۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ
اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ
بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا
يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ
سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

ترجمہ: دیہاتی بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور زیادہ لائق ہیں کہ وہ نہ سیکھیں قاعدے جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے، اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو سمجھتے ہیں (اپنے) خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر (زمانہ کی) گردشوں کا۔ ان ہی پر (پڑنے والی) ہے گردش بری، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بعض وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور سمجھتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیکیاں اللہ کے ہاں اور دعائیں رسول کی۔ آگاہ رہو بے شک وہ نزدیکی ہے ان کے لئے، داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں، بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: ان منافقین میں جو (دیہاتی) ہیں وہ (لوگ) بوجہ سخت مزاجی کے (کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور) اہل علم اور اہل حکمت سے دوری کی وجہ سے (ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ ان کو) دیانت وتہذیب کے ان قوانین اور (قواعد کا علم نہ ہو جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول) ﷺ (پر نازل فرمائے ہیں) کیونکہ جب جاننے والوں سے دور دور رہیں گے تو ان کا جاہل رہنا اس کا لازمی نتیجہ ہے، اور اسی وجہ سے مزاج میں سختی پیدا ہوتی ہے کیونکہ علم ومعرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی ہے اور مہذب بناتی ہے۔ اور جہالت اور مزاج کی سختی کے مجموعہ سے کفر ونفاق میں شدت ہو گی (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) وہ ان سب امور پر مطلع ہیں اور حکمت سے مناسب سزا دیں گے (اور ان) مذکورہ منافق (دیہاتیوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ) کفر ونفاق وجہل کے علاوہ بخل و عداوت کے ساتھ بھی موصوف ہیں حتی کہ (جو) جہاد و زکوۃ وغیرہ کے مواقع میں مسلمانوں کی شرما شرمی (اپنے خرچ کرنے کو) مثل (جرمانہ سمجھتے ہیں) یہ تو بخل ہوا (اور) عداوت یہ ہے کہ (تم مسلمانوں کے واسطے) زمانہ کی (گردشوں کے منتظر رہتے ہیں) کہ کہیں ان پر کوئی حادثہ پڑ جائے تو ان کا خاتمہ ہو سو (براوقت انہی) منافقین (پر پڑنے والا ہے) چنانچہ مسلمانوں کی فتوحات کی وسعت ہوئی، کفار ذلیل ہوئے ان کی ساری حسرتیں دل ہی میں رہ گئیں، اور تمام عمر رنج اور خوف میں کٹی (اور اللہ تعالیٰ) ان کے کفر ونفاق کی باتیں (سنتے ہیں) اور ان کے خرچ کرنے کو دل میں تاوان سمجھنے اور دل سے تمہارے لئے مصائب چاہنے کو (جانتے ہیں) پس ان سب کی سزا دیں گے (اور اہل دیہات میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں، اور) نیک کاموں میں (خرچ کرنے کو اللہ کے ہاں تقرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول) ﷺ کی (دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں) کیونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ ایسی مواقع پر خرچ کرنے والے کو

دعا دیتے تھے جیسا کہ احادیث میں ہے (یاد رکھو کہ ان کا یہ خرچ کرنا بیشک ان لوگوں کے لئے) اللہ کے پاس (موجب قرب ہے) اور دعا کا ہونا تو یہ خود دیکھ سُن لیتے ہیں، اس کی خبر دینے کی ضرورت نہ تھی البتہ مذکورہ قرب یہ ہے کہ (ضرور ان کو اللہ تعالیٰ اپنی) خاص (رحمت میں داخل کرلیں گے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے رحمت والے ہیں) پس ان کی لغزشیں معاف کر کے اپنی رحمت میں لے لیں گے۔

ربط: بدوی مومنین کے ذکر کے بعد مناسب ہوا کہ مسلمانوں کے اوپر کے درجوں کو اور ان کی فضیلت کو ترتیب سے ذکر کیا جائے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: اور جو لوگ سبقت کرنے والے ہیں سب سے پہلے ہیں مہاجرین اور انصار میں سے اور جن لوگوں نے پیروی کی ان کی اخلاص کے ساتھ راضی ہوا اللہ ان سے اور وہ راضی ہوئے اس (یعنی اللہ) سے اور تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ کو۔ یہی ہے کامیابی بڑی۔

تفسیر: (اور جو مہاجرین اور انصار) ایمان لانے میں درجہ بدرجہ سب امت سے (سابق اور مقدم ہیں اور) بقیہ امت میں (جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ) ایمان لانے میں (ان کے پیروی کرنے والے ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا) کہ ان کا ایمان قبول فرمایا جس پر ان کو جزا ملے گی (اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے) کہ انہوں نے خوشدلی اور انشراح قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام اور تکوینی قضا کے سامنے گردنیں جھکا دیں جس کی جزا سے یہ رضا اور زیادہ ہوگی (اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گے، جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) اور (یہ بڑی کامیابی ہے)۔

فائدہ: سبقیت اور اولیت اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق و اول ہوگی

اسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔

ربط: اوپر ان منافقین کا ذکر ہوا ہے جن کا نفاق ان کے اقوال و افعال سے ظاہر ہو چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ ان کو پہچانتے تھے۔ یہاں ایسے منافقین کا ذکر ہے جن کا نفاق انتہائی کمال پر ہونے کی وجہ سے آپ پر اب تک مخفی رہا۔ ایسے شدید منافقین پر آخرت سے پہلے ہی دو عذاب ہونے کا ذکر آیا ہے ایک دنیا میں عذاب اور دوسرا قبر و برزخ کا عذاب۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں میں سے جو تمہارے گرد ہیں دیہاتیوں سے منافق ہیں اور اہل مدینہ میں سے (بھی)۔ پہنچے ہیں حد کمال کو نفاق پر۔ نہیں جانتا تو ان کو۔ ہم جانتے ہیں ان کو۔ جلد ہم عذاب دیں گے ان کو دو بار۔ پھر وہ لوٹائے جائیں گے طرف بڑے عذاب کے۔

تفسیر: (اور کچھ تمہارے گرد و پیش والوں میں اور کچھ مدینہ والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال پر) ایسے (پہنچے ہوئے ہیں) کہ (آپ) بھی (ان کو نہیں جانتے) کہ یہ منافق ہیں بس (ان کو ہم ہی جانتے ہیں ہم ان کو) دوسرے منافقین کی نسبت آخرت سے پہلے بھی کم از کم (دو بار سزا دیں گے) ایک عذاب قبر اور دوسرا وہ عذاب جو اسی دنیوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا مثلاً ایک مرتبہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم کا عذاب تھی اسی طرح بعض ارضی و سماوی آفات میں مبتلا ہو کر مرے۔ اور (پھر) آخرت میں بھی (وہ بڑے بھاری عذاب) یعنی ہمیشہ رہنے کے لئے جہنم (کی طرف بھیجے جائیں گے)۔

کاہلی کی وجہ سے پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کا معاملہ

غزوہ تبوک کے بیان کے شروع میں اس کے متعلق لوگوں کا کئی جماعتوں میں تقسیم ہونا ذکر ہوا تھا۔ اوپر کی اکثر آیات میں پانچویں جماعت یعنی منافقین کا ذکر ہوا ہے۔ آگے چوتھی جماعت یعنی کاہلی سے پیچھے رہ جانے والے مومنین کا ذکر ہے۔ انہوں نے بہانے نہیں تراشے۔ پھر ان کی دو قسمیں ہو گئی

تھیں۔ پہلی قسم جنہوں نے جب سنا کہ آپ واپس تشریف لے آئے تو اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا کہ اگر آپ کھولیں گے تو خیر ورنہ یونہی ختم ہو جائیں گے اور دوسری قسم جنہوں نے حاضر ہو کر سچ سچ بات عرض کر دی اپنے آپ کو باندھا نہیں۔ آیت آخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا میں پہلی قسم کا ذکر ہے اس کے نزول پر آپ نے ان کو کھول دیا تو وہ آپ کی خدمت میں کچھ مال لائے کہ ہماری طرف سے نیک راہ میں خرچ فرمائیے۔ اس پر آیت خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ نازل ہوئی۔ چنانچہ آپ نے قبول فرما لیا اور آخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ میں دوسری جماعت کا بیان ہے اور ان کی توبہ کے قبول ہونے کا آگے بیان ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا
بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ
لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ
عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾
وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ
سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ: اور (کچھ) دوسرے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا۔ ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ قریب ہے اللہ کہ معافی کرے ان پر بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تو لے ان کے اموال میں سے صدقہ کہ پاک کرے تو ان کو اور تزکیہ کرے تو ان کا اس (صدقہ) کے ذریعہ اور دعا دے ان کو بیشک تیری دعا تسکین ہے ان کے لئے اور اللہ (سب کچھ) سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا نہیں جان چکے وہ کہ اللہ ہی قبول کرتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے اور لیتا ہے صدقات اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور

کہہ کہ عمل کئے جاؤ پھر دیکھے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان، اور جلد لوٹائے جاؤ گے تم چھپی اور کھلی (چیزوں) کے جاننے والے کی طرف پس وہ خبر دے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے، اور (کچھ) دوسرے لوگ ہیں کہ ڈھیل دیئے گئے ہیں اللہ کے حکم (آنے) تک یا وہ عذاب دے گا ان کو اور یا معافی کرے ان پر اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور کچھ لوگ ہیں جو اپنی خطا کے اقراری ہوئے جنہوں نے ملے جلے عمل کئے تھے کچھ بھلے) جیسے جنگ تبوک کے لئے نہ نکلنے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف جس کا منشاء اپنی کوتاہی پر ندامت ہے اور یہ توبہ ہے، اور جیسے اور غزوات میں شرکت جو پہلے ہو چکے ہیں، غرض یہ کام تو اچھے کئے (اور کچھ برے) کئے جیسے بلا عذر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنا سو (اللہ سے امید) یعنی ان کا وعدہ (ہے کہ ان) کے حال (پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائیں) یعنی توبہ قبول کر لیں (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) جب اس آیت سے توبہ قبول ہو چکی اور وہ حضرات ستونوں سے کھل چکے تو اپنا مال آپ کی خدمت میں لے کر آئے اور درخواست کی کہ اس کو اللہ کی راہ میں صرف کیا جائے تو ارشاد ہوا کہ (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ) جس کو یہ لائے ہیں (لے لیجئے جس کے) لینے کے (ذریعہ سے آپ ان کو) ظاہر و باطن میں گناہ کے آثار سے (پاک صاف کر دیں گے اور) جب آپ لیں تو (ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان) قلب (ہے اور اللہ تعالیٰ) ان کے اعتراف کو (خوب سنتے ہیں) اور ان کی ندامت کو (خوب جانتے ہیں) جب یہ ساری باتیں ذہن نشین کر لیں تو سمجھو کہ اگر کوئی کوتاہی ہو جائے تو توبہ کرنے میں بالکل کوتاہی نہ کرو۔ (کیا ان کو) یہ خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور وہی صدقات کو قبول فرماتا ہے اور) کیا ان کو (یہ) خبر نہیں (کہ اللہ ہی) اس (توبہ قبول کرنے) کی صفت (میں اور رحمت کرنے) کی صفت (میں کامل ہے) اسی لئے ان کی توبہ قبول کی، اور اپنی رحمت سے مال قبول کرنے کا حکم اور ان کے لئے دعا کرنے کا حکم فرمایا، پس آئندہ بھی خطاؤں اور گناہوں کے صادر ہونے پر توبہ کر لیا کریں، اور اگر توفیق ہو تو خیر خیرات کیا کریں۔ (اور آپ) ان سے یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) جو چاہو (عمل کئے جاؤ سو) اول تو دنیا ہی میں (تمہارے عمل کو ابھی دیکھے لیتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان) پس برے عمل یہ دنیا ہی میں ذلت اور خواری ہو جاتی ہے (اور) پھر آخرت میں (ضرور تم کو ایسے اللہ کے پاس جانا ہے جو تمام چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا) یہ پہلی قسم کا بیان تھا، آگے دوسری قسم کا ذکر ہے (اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ) توبہ میں عدم اخلاص کی وجہ سے (ان کو سزا

دے گا یا) اخلاص کی وجہ سے (ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ) خلوص و عدم خلوص کا حال (خوب جاننے والا ہے) اور (بڑا حکمت والا ہے) لہٰذا حکمت کے تقاضے سے خلوص کی توبہ کو قبول کرتا ہے، اور بغیر خلوص کے قبول نہیں کرتا اور اگر کبھی بلا توبہ معاف کرنے میں حکمت ہو تو ایسا بھی کر دیتا ہے۔

ربط: ابھی ان لوگوں کا ذکر ہوا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا تھا یعنی وہ جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے لیکن صحیح اعتقاد اور اعتراف خطا کی وجہ سے معافی مل گئی۔ اب ایسی جماعت کا بیان کرتے ہیں جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا یعنی مسجد تعمیر کی لیکن بد اعتقادی اور غرض فاسد کی وجہ سے وہ کام وبال بن گیا۔

منافقین کا مسجد ضرار بنانا

رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر بنو عمرو بن عوف کے محلّہ میں ٹھہرے۔ پھر چند روز بعد مدینہ کے خاص شہر میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی۔ بنو عمرو بن عوف کے محلّہ والوں نے اپنے ہاں مسجد قبا کے نام سے مسجد تیار کی۔ نبی ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور اس کی بڑی فضیلت بیان کرتے۔ منافقین کا میل جول ایک شخص ابو عامر راہب سے تھا جو ہر غزوہ میں کفار کا حمایتی تھا۔ ان میں باہم یہ طے پایا کہ مسجد قبا کی ضد پر اسی کے قریب مسجد کے نام سے ایک علیحدہ مکان بنایا جائے جس کے ذریعہ سے جہاں سادہ مسلمانوں کو بہکایا جائے وہیں اس میں یہ منافق سب جمع ہو کر اسلام کے خلاف مشورے کیا کریں اور اس گروہ کا سردار ابو عامر ہوگا وہ جب مدینہ آیا کرے تو اسی مکان میں ٹھہرا کرے۔ جنگ حنین کے بعد یہ شام کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس نے منافقین سے کہا کہ میں ہرقل شاہ روم سے مل کر اسلام کے مقابلہ کے لئے لشکر لاؤں گا۔ غرض مسجد کی شکل پر وہ مکان تیار ہوا تو منافقین نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ وہاں چل کر نماز پڑھ لیجئے تو پھر وہاں جماعت ہونے لگے۔ علیحدہ مسجد بنانے کی وجہ پوچھنے پر کہنے لگے کہ ہماری نیت بالکل نیک ہے محض عام مسلمانوں کی آسانی کی غرض سے بنالی ہے کہ ایک مسجد میں سب نہیں سما سکتے اس سے گنجائش ہو گی اور کوئی ہمارا ضعیف دور نہ جا سکے تو پاس کے پاس اس میں نماز پڑھ لے۔ آپ نے حسن ظن سے سچا سمجھتے ہوئے وعدہ کر لیا کہ تبوک سے واپس آ کر اس میں نماز پڑھوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور وہاں نماز پڑھنے کی غرض سے جانے سے منع فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے اس وجہ سے کہ وہ مسجد کی نیت سے نہ بنائی گئی تھی اور اس سے بہت سی خرابیاں ہوتیں صحابہ کو بھیج کر اس کو آگ لگوا دی اور منہدم کرا دیا۔ اس

مسجد کا لقب مسجد ضرار مشہور ہے کیونکہ اس کی غرض ہی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا تھا۔ آگے آیات میں جہاں مسجد ضرار کا ذکر ہے وہیں مقابلہ میں مومنین کی مسجد یعنی مسجد قبا کا ذکر بھی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى
مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا
جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً فِىْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

ترجمہ: اور جن لوگوں نے بنائی ہے مسجد ضرر پہنچانے کو اور کفر کرنے کو اور جدائی ڈالنے کو درمیان ایمان والوں کے اور قیام کا سامان کرنے کو واسطے اس شخص کے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے پہلے سے۔ اور ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ مت کھڑا ہو تو اس مین کبھی بھی۔ البتہ وہ مسجد بنیاد رکھی گئی ہے (جس کی) تقویٰ پر پہلے دن سے زیادہ لائق ہے کہ تو کھڑا ہو اس میں۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں خوب پاک ہونے کو اور اللہ محبت کرتا ہے خوب پاک ہونے والوں کو۔ کیا پس جو شخص بنیاد رکھے اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور رضا مندی پر بہتر ہے یا وہ شخص کہ بنیاد رکھے اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک گرنے والی کھائی کے پھر وہ (عمارت) گر جائے اس (بنانے والے) کے ساتھ جہنم کی آگ میں۔ اور اللہ نہیں سمجھ دیتا ظالم لوگوں کو۔ ہمیشہ رہے گی ان کی عمارت جو انہوں نے بنائی شبہ (کے طور پر) ان کے دلوں

میں مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں ان کے دل۔ اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور بعضے ایسے ہیں جنہوں نے ان اغراض کے لئے مسجد بنائی ہے کہ) اسلام کو (ضرر پہنچائیں اور) اس میں بیٹھ بیٹھ کر (کفر) یعنی عداوت رسول (کی باتیں کریں اور) اس کی وجہ سے (ایمانداروں) کے مجمع (میں تفریق ڈالیں) کیونکہ جب دوسری مسجد بنائی جائے اور ظاہر کیا جائے کہ نیک نیتی سے بنی ہے تو یہ ضرور ہوگا کہ پہلی مسجد کا مجمع کچھ نہ کچھ منتشر اور متفرق ہو جائے کہ کچھ لوگ ادھر جائیں اور کچھ ادھر جائیں۔ (اور) یہ بھی غرض ہے کہ (اس) ابو عامر راہب نامی (شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس) مسجد بنانے (کے قبل سے خدا و رسول کا مخالف ہے اور) اگر پوچھو کہ یہ مسجد کیوں بنائی ہے تو (قسمیں کھائیں گے) جیسا ایک دفعہ پہلے بھی پوچھنے پر کھا چکے ہیں (کہ سوائے بھلائی کے) یعنی سوائے آسائش اور گنجائش کے (ہماری اور کچھ نیت نہیں اور اللہ گواہ ہے کہ وہ) اس دعوے میں (بالکل جھوٹے ہیں) جب اس مسجد کی یہ حالت ہے کہ وہ واقع میں مسجد ہی نہیں بلکہ اسلام کے لئے ضرر ہے تو (آپ اس میں کبھی) نماز کے لئے (کھڑے نہ ہوں، البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن سے) یعنی جس دن سے اس کی تجویز ہوئی (تقویٰ) اور اخلاص (پر رکھی گئی ہے) مراد مسجد قبا ہے (وہ) واقعی (اس لائق ہے کہ آپ اس میں) نماز کے لئے (کھڑے ہوں) چنانچہ گاہ بگاہ آپ وہاں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے۔ (اس) مسجد قبا (میں ایسے) اچھے (آدمی ہیں کہ وہ) گناہوں اور شرارتوں سمیت ہر قسم کی نجاستوں سے اپنے ظاہر و باطن کے (خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے)۔ جب دونوں مسجدوں کے بانیوں کا حال معلوم ہو گیا تو (پھر) سمجھ لو (آیا ایسا) شخص (بہتر ہے جس نے اپنی عمارت) یعنی مسجد (کی بنیاد خدا سے ڈرنے پر اور خدا کی خوشنودی پر رکھی ہو یا وہ شخص) بہتر ہوگا (جس نے اپنی عمارت) یعنی مسجد (کی بنیاد کسی گھاٹی کے کنارہ پر جو کہ گرنے ہی کو) ہو (رکھی ہو) اس سے مراد کفریہ اور باطل اغراض ہیں کہ ناپائیداری میں ان کو اس کے ساتھ تشبیہ دی گئی (پھر وہ) عمارت (اس) بنانے والے کو لے کر آتش دوزخ میں گر پڑے) یعنی وہ عمارت تو گری اس وجہ سے کہ کنارہ پر تھی، لہٰذا جب وہ کنارہ پانی سے کٹ کر گرا تو وہ عمارت بھی گری اور بنانے والا چونکہ اس عمارت میں رہتا تھا اس لئے وہ بھی ساتھ میں گرا اور چونکہ عمارت سے مراد کفریہ اغراض ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں لہٰذا انہوں نے اغراض والوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔ (اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو) دین کی (سمجھ ہی نہیں دیتا) کہ جنہوں نے مسجد کے نام سے عمارت بنائی جو کہ دین کے شعائر میں سے ہے لیکن اس کے ساتھ کیسے کیسے فاسد اغراض وابستہ رکھے (ان کی یہ عمارت) یعنی مسجد (جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے

دلوں میں) شبہ اور نفاق کی صورت میں رہے گی یعنی ان کے عمل بد کا یہ اثر ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں نفاق قائم رہے گا (ہاں اگر ان) کو موت آ جائے اور ان (کے) وہ (دل ہی) جن میں وہ نفاق ہے (فنا ہو جائیں تو خیر) وہ نفاق بھی اس وقت ختم ہو جائے لیکن اس وقت نفاق کا ختم ہونا کچھ مفید نہ ہوگا۔ (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی حکمت والے ہیں) ان کی حالت کو جانتے ہیں اور اسی کے مناسب سزا دیں گے۔

ربط: منافقین کا تفصیلی ذکر ختم ہوا۔ آگے پھر جہاد اور مجاہدین کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر ان میں سے بھی جو کامل ہیں اور ایمان کے دیگر اوصاف کے ساتھ متصف ہیں ان کی مدح کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ
حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ
اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لیں مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لئے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ وعدہ (ہو چکا) ہے اس کے ذمہ سچا توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے زیادہ پورا کرنے والا اپنے عہد کو اللہ سے سو خوشخبری حاصل کرو اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے اس (اللہ) سے اور یہی ہے بڑی کامیابی، (وہ ہیں) توبہ کرنے والے بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کے اور منع کرنے والے بُری بات سے اور حفاظت کرنے والے اللہ کی حدود کی، اور تو خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو۔

تفسیر: (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے، کہ ان کو جنت ملے گی) اور خدا کے ہاتھ جان و مال بیچنے کا مطلب یہ ہے کہ (وہ

لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد میں (لڑتے ہیں جس میں) کبھی (قتل کرتے ہیں اور) کبھی (قتل کئے جاتے ہیں) یعنی وہ بیع جہاد کرنا ہے خواہ اس میں قتل کرنے کی نوبت آئے یا مقتول ہونے کی (اس) قتال (پر) ان سے جنت کا (سچا وعدہ کیا گیا ہے توریت میں) بھی (اور انجیل) میں بھی (اور قرآن میں) بھی (اور) یہ مسلم ہے کہ (اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے) اور اس نے اس بیع پر جنت کا وعدہ کیا ہے (تو) اس حالت میں (تم لوگ) جو کہ جہاد کر رہے ہو (اپنی اس) مذکورہ (بیع پر جس کا تم نے) اللہ تعالیٰ سے (معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ) کیونکہ اس بیع پر تم کو مذکور وعدہ کے مطابق جنت ملے گی (اور یہ) جنت ملنا (بڑی کامیابی ہے) تو ضرور تم کو یہ سودا کرنا چاہئے (وہ) مجاہدین ایسے ہیں جو علاوہ جہاد کے ان اوصاف کمال کے ساتھ بھی موصوف ہیں کہ گناہوں سے (توبہ کرنے والے ہیں) اور اللہ کی (عبادت کرنے والے) ہیں اور اللہ کی (حمد کرنے والے) ہیں اور (روزہ رکھنے والے) ہیں اور (رکوع اور سجدہ کرنے والے) ہیں یعنی نماز پڑھتے ہیں اور (نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے) ہیں (اور بری باتوں سے باز رکھنے والے) ہیں (اور اللہ کی حدود کا) یعنی احکام کا (خیال رکھنے والے) ہیں (اور ایسے مؤمنین کو) جن میں جہاد اور یہ صفات ہوں (آپ خوشخبری سنا دیجئے) کہ ان سے جنت کا وعدہ ہے۔

فائدہ: 1- ان صفات کی قید لگانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان صفات کے بغیر جہاد کا ثواب نہیں ملتا کیونکہ بہت سی نصوص میں ایمان کی شرط کے ساتھ صرف جہاد پر بشارتیں موجود ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ سب اوصاف جمع ہوں تو ثواب اور فضیلت میں اضافہ ہو جاتا ہے تاکہ صرف جہاد میں شرکت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہیں بلکہ ان عبادتوں کو بھی ہمیشہ بجالائیں۔ اور چونکہ جہاد میں اکثر مال بھی خرچ ہوتا ہے جب کہ جان کا لگانا زیادہ اہم ہے اس لئے شروع آیت میں جان و مال دونوں کا ذکر کیا اور اس کی تفصیل میں صرف جان لگانے پر اکتفاء کیا۔ جان لگانے سے مراد لڑائی و جنگ ہے کہ اس میں جان سے کام لیا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ قتل بھی ہو جائے۔

2- اللہ تعالیٰ نے محض کمال مہربانی اور کمال قدردانی سے مسلمانوں کی جان و مال کو سامان قرار دیا جو کہ خریداری میں اصل مقصود ہوتا ہے اور جنت کو عوض قرار دیا جو کہ سامان تک پہنچنے کا محض ذریعہ ہوتا ہے۔

ربط: مؤمنین کے جان و مال جب خدا کے ہاتھ فروخت ہو چکے تو ضروری ہے کہ مؤمنین تنہا اسی کے ہو کر رہیں اور جن لوگوں کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو ان کے ساتھ محبت و مہربانی کا تعلق نہ رکھیں خواہ وہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا جس شخص کے یقینی طور پر جہنمی ہونے کا

علم ہو جائے خواہ وحی سے یا اس طرح کہ اعلانیہ کفر و شرک پر اس کی موت ہوئی ہو اس کے حق میں استغفار کرنا بخشش مانگنا ممنوع قرار دیا۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ
الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ
مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ
إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ
أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: نہیں ہے (لائق) واسطے نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے کہ بخشش چاہیں مشرکوں کے لئے اگرچہ وہ ہوں قرابت والے اس کے بعد کہ ظاہر ہو چکا ان پر کہ وہ (یعنی مشرکین) دوزخ والے ہیں۔ اور نہیں تھا استغفار ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے مگر بسبب وعدے کے کہ کیا تھا جو اس سے۔ پھر جب ظاہر ہو گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو بیزار ہوا اس سے۔ بے شک ابراہیم بڑا نرم دل تحمل کرنے والا تھا۔

تفسیر: (پیغمبر ﷺ کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی) کیوں نہ (ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں) اس وجہ سے کہ کافر ہو کر مرے ہیں (اور) اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کر انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ (ابراہیم) علیہ السلام (کا اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت مانگنا) وہ اس سے پہلے تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جائے اور (وہ) بھی (صرف وعدہ کے سبب سے تھا جو انہوں نے اس سے وعدہ کر لیا تھا) جیسا کہ سورہ مریم میں ہے سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي کہ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا۔ غرض جواز تو اس لئے تھا کہ اس کا دوزخی ہونا ظاہر نہ ہوا تھا، اور وقوع کو اس سے ترجیح ہو گئی تھی کہ وعدہ کر لیا تھا، ورنہ جواز کے باوجود بھی وقوع نہ ہوتا (پھر جب ان پر یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ خدا کا دشمن) یعنی کافر ہو کر مرا (ہے تو وہ اس سے محض بے تعلق ہو گئے) کہ استغفار بھی چھوڑ دیا، کیونکہ اس وقت دعائے مغفرت کرنا بے معنی ہے، کیونکہ کافر میں مغفرت کا احتمال ہے ہی نہیں، بخلاف حالتِ حیات کے کہ اس وقت دعائے مغفرت کے معنی توفیق ہدایت کی طلب کے ہو سکتے ہیں اور توفیق ہدایت کے

لئے مغفرت لازم ہے، اور رہا یہ کہ وعدہ کیوں کر لیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ (واقعی ابراہیم) علیہ السلام (بڑے نرم دل حلیم الطبع تھے) کہ باوجودیکہ باپ نے ان کو کیسی کیسی سخت باتیں کہیں مگر حلم سے کام لیا، اور مزید براں یہ کہ شفقت کے جوش سے وعدہ کر لیا اور جب تک امید رہی اس وعدہ کو پورا فرمایا، جب مایوسی ہوگئی تو چھوڑ دیا، بخلاف تمہارے استغفار کے کہ یہ تو مشرکوں کے مرنے کے بعد ہو رہا ہے۔ جن کا حالت شرک پر مرنا ظاہر اور مشاہدہ سے معلوم ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں مشرکین کے لئے استغفار کو ناجائز فرمایا۔ جو افعال فی ذاتہ ناجائز ہوں ان کا اپنا خاصہ یہ ہے کہ ان کے کرنے سے دل میں ایک ظلمت پیدا ہو جاتی ہے جس سے گمراہی کی قریبی استعداد پیدا ہوتی ہے اور بار بار کرنے سے اس میں مزید قوت پیدا ہوتی ہے۔ اس پر نظر کر کے مومنین کو یہ خوف ہو سکتا تھا کہ چونکہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کرتے رہے ہیں تو کہیں یہ ضرر ان کو نہ پہنچا ہو اس کے متعلق آگے تسلی فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اثر کسی فعل میں اسکی ممانعت کے بعد ہے پہلے نہیں کیونکہ ممانعت کے بعد ہی وہ ناجائز ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ

اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: اور نہیں ہے اللہ کہ گمراہ کرے کسی قوم کو اس کے بعد کہ ہدایت دے چکا ان کو یہاں تک کہ بیان کرے ان کو وہ چیز جس سے وہ بچیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ بے شک اللہ اس کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی۔ وہ زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لئے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ مدد گار۔

تفسیر: (اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں) پس جب ہم نے تم مسلمانوں کو ہدایت کی اور اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کرنے سے ممانعت نہ بتلائی تھی تو اس کے کرنے سے تم کو یہ سزا نہیں دی جائے گی کہ تم میں گمراہی کا مادہ پیدا کر دیا جائے (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

جانتے ہیں) سو وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بتلائے بغیر ایسے احکام کو کوئی نہیں جان سکتا، اس لئے ان افعال سے مضرت بھی نہیں پہنچنے دیتے اور (بلاشبہ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں وہی جلاتا اور مارتا ہے) یعنی ہر طرح کی حکومت اور قدرت اسی کے لئے خاص ہے اس لئے جو چاہے حکم دے سکتا ہے، اور جس ضرر سے چاہے بچا سکتا ہے (اور تمہارا اللہ کے سوا نہ کوئی یار ہے نہ مددگار ہے) بلکہ وہی یار و مددگار ہے، اس لئے ممانعت سے قبل تم کو ضرر سے بچاتا ہے البتہ اگر ممانعت کے بعد تم نے اطاعت نہ کی تو اور کوئی بچانے والا نہیں۔

ربط: اوپر یہ بات بیان ہوئی کہ اصل حاکم اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ جو چاہیں حکم دے سکتے ہیں۔ تو مسلمان جب ان کو حاکم مطلق مان کر ان کے احکام کی اطاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی قدر دانی فرماتے ہیں اور جن سے کچھ کوتاہی ہو جائے اور وہ صدق دل سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان پر عنایت فرماتے ہیں جیسا کہ جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین حضرات کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کے ساتھ ہوا۔ یہ مخلص مومن ہونے کے باوجود محض تن آسانی کی بنا پر کسی عذر شرعی کے بغیر تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ جب نبی ﷺ واپس تشریف لائے تو انہوں نے کوئی جھوٹے عذر نہ رکھے بلکہ صاف صاف بات عرض کر دی اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا اعلانیہ اعتراف کیا۔ ان کا فیصلہ تادیب کی غرض سے کچھ مدت کے لئے ملتوی رکھا گیا اور آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ جاؤ اللہ کا جو حکم تمہارے بارے میں ہو گا وہ کیا جائے گا اور آپ نے مسلمان کو ان کے ساتھ کلام کرنے سے منع فرما دیا حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حکم کی وجہ سے کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ میری طرح کے باقی دو ساتھی تو خانہ نشین ہو گئے گھر میں دن رات روتے رہتے تھے۔ میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتا۔ حضور کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور کی طرف دیکھتا آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے۔ مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ غسان کا خط مجھے دیا جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آ جاؤں وہاں میری بہت آؤ بھگت ہو گی۔ میں نے پڑھ کر کہا یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے جدید حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں۔ چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ نہ ہو وہیں

ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آ گئی تو حضورؐ میرا جنازہ نہ پڑھیں گے اور بالفرض ان دنوں میں آپ کی وفات ہوگئی تو مسلمان میری ساتھ موجودہ روش کو ہمیشہ رکھیں گے اور میری میت کے بھی قریب کوئی نہ آئے گا۔ غرض پچاس دن اس حالت میں گذرے کہ خدا کی زمین باوجود فراخی کے مجھ پر تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا۔ زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی۔ آخر یہ آیت نازل ہوئی جس میں توبہ کی قبولیت کی بشارت دی گئی۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ
اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ
مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ
الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ
وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ
اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے پیروی کی نبی کی مشکل کی گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ پھر جائیں دل بعضوں کے ان میں سے پھر توجہ فرمائی ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا اور ان تین شخصوں پر جو پیچھے رکھے گئے۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھے کہ نہیں کوئی پناہ اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر توجہ فرمائی ان پر تا کہ وہ پھر آئیں، بیشک اللہ ہی ہے بہت توجہ کرنے والا رحم والا۔ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے پیغمبر) ﷺ (کے حال پر توجہ فرمائی) کہ آپ کو نبوت اور امامت جہاد اور تمام خوبیاں عطا فرمائیں (اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی) توجہ فرمائی کہ ان کو ایسی مشقت والے جہاد میں سیدھے رستہ پر قائم رکھا اور (جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں تزلزل ہو چلا تھا) اور جہاد میں جانے سے

ہمت ہارنے کو تھے مگر (پھر اللہ نے ان) گروہ (کے حال پر توجہ فرمائی) کہ ان کو سنبھال لیا اور آخر ساتھ ہو ہی لئے پس (بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے) کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس کس طرح توجہ فرمائی (اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی) توجہ فرمائی (جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب) ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچی کہ (زمین باوجود اپنی) اتنی بڑی (فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا) کی گرفت (سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی سوائے اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے) اس وقت وہ خاص توجہ کے قابل ہوئے (پھر ان کے حال پر) بھی خاص (توجہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی) مصیبت و معصیت کے ایسے مواقع میں اللہ کی طرف (رجوع رہا کریں بے شک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں) چونکہ یہ مقبولیت اور مدح تقویٰ اور صدق اور اخلاص کی بدولت ہے اس لئے آگے انہی پر قائم رہنے کی تاکید ہے کہ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور) عمل میں (سچوں کے ساتھ رہو) یعنی جو نیت اور بات میں سچے ہیں ان کی راہ چلو۔

فائدہ: (1) اس غزوہ کے زمانہ کو ساعت عسرت اس لئے فرمایا کہ سخت گرمی کا وقت تھا سفر لمبا تھا اور مقابلہ تربیت یافتہ فوج سے تھا۔ سواری کی بہت کمی تھی کھانے پینے کے سامان کی کمی اس حد تک تھی کہ ایک ایک چھوارا دو دو شخصوں میں پورے دن کے لئے تقسیم ہوتا تھا۔ بعض دفعہ ایک ایک چھوارے کو باری باری کئی کئی آدمی چوستے تھے۔ سواری کے اونٹ ذبح کرنے پڑے ان کی آلائش کو نچوڑ کر پینا پڑا۔

(2) خلاف شرع کوئی کام کرنے پر کسی شخص کو یہ سزا دینا کہ اس سے سلام و کلام ترک کر دیا جائے جائز ہے۔ اور حدیثوں میں تین دن سے زیادہ ترک کلام کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد وہ ہے جس کا سبب کوئی دنیوی رنجش ہو۔

ربط: جیسے ذکر ہوا جب اللہ تعالیٰ اتنی توجہ اور عنایت فرماتے ہیں اور اپنی راہ میں کسی بھی قربانی کی بے قدری نہیں کرتے تو پھر کسی سچے مسلمان کے لئے کب روا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے یہ بے اعتنائی برتے کہ رسول کے ساتھ جہاد پر نہ نکلے اور ان کی جان پر اپنی جان کو ترجیح دے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ

بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

اللّٰہِ وَلَا یَطَئُوْنَ مَوْطِئًا یَّغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ
نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً
وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا
کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: نہیں تھا (لائق) واسطے اہل مدینہ کے اور جو ان کے گرد ہیں دیہاتی کہ پیچھے رہیں اللہ کے رسول سے اور نہ (ہی) یہ (لائق ہے) کہ رغبت کریں اپنی جانوں میں اس (رسول) کی جان کو چھوڑ کر۔ یہ اس وجہ سے کہ نہیں پہنچتی (رسول کے ساتھ نکلنے والے) ان مسلمانوں کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک اللہ کی راہ میں اور نہیں (قدموں تلے) روندتے ایسا روندنا جو غیظ میں لائے کافروں کو اور نہیں لیتے دشمن سے کچھ لینا مگر لکھا جاتا ہے ان کے لئے اس کے سبب نیک عمل۔ بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکوکاروں کا۔ اور نہیں خرچ کرتے کوئی خرچ چھوٹا اور نہ بڑا اور نہیں قطع کرتے کوئی میدان مگر لکھا جاتا ہے ان کے واسطے تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر: (مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش میں) رہتے (ہیں انکو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ) ﷺ (کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ) زیبا تھا (کہ اپنی جان کو ان کی جان سے عزیز سمجھیں) کہ آپ تو تکلیفیں سہیں اور یہ آرام سے بیٹھے رہیں، بلکہ آپ ﷺ کے ہمراہ جانا ضروری تھا اور (یہ) ساتھ جانے کا ضروری ہونا (اس سبب سے) بھی (ہے کہ) جو لوگ ساتھ گئے تھے جہاں ان کی جانب سے محبت رسول کے حق کی ادائیگی ہوئی وہیں ان کو بات بات پر ثواب حاصل ہوا۔ چنانچہ (ان کو اللہ کی راہ) یعنی جہاد (میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہوا ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر لی ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک کام لکھا گیا) اور اس کے باوجود کہ ان میں اپنے بعض افعال اختیاری نہیں ہیں مگر مقبولیت و محبوبیت کی وجہ سے امور اضطراریہ بھی مثال اعمال اختیاریہ کے موجب ثواب قرار دیئے گئے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے اور) نیز (جو کچھ چھوٹا یا بڑا انہوں نے خرچ کیا اور جتنے میدان ان کو طے کرنے پڑے یہ سب بھی ان کے نام) نیکیوں میں (لکھا گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان

کے) ان سب (کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے) کیونکہ جب ثواب لکھا گیا تو بدلہ ملے گا۔ تو اگر یہ پیچھے رہ جانے والے بھی اخلاص کے ساتھ رسول کے ساتھ نکلتے تو ان کو بھی یہ سب کچھ حاصل ہوتا۔

ربط: پیچھے جہاد میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت کا مضمون بڑی تفصیل سے بیان ہوا۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے۔ اس آیت میں فرما دیا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان نکل جائیں بلکہ ضرورت کے بقدر نکلیں اور باقی دوسری ضرورتوں میں مشغول ہوں۔ تبوک میں جو سب کے ذمہ فرض تھا وہ اس وجہ سے کہ حالات کے تقاضے کے تحت نبی ﷺ نے سب کو نکلنے کا حکم دیا تھا۔ غرض جہاد فی نفسہ فرض کفایہ ہے مگر جب ضرورت کی وجہ سے حاکم کا حکم ہو تو ہر شخص پر فرض عین ہو گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا
نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ
لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾

ترجمہ: اور نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے۔ سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ سے مسلمانوں کے ایک حصہ تا کہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تا کہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تا کہ وہ بچتے رہیں۔

تفسیر: (اور) ہمیشہ کے لئے (مسلمانوں کو یہ) بھی (نہ چاہئے کہ) جہاد کے واسطے (سب کے سب) ہی (نکل کھڑے ہوں) کہ اس میں دوسری اسلامی ضروریات معطل ہوتی ہیں (سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت) جہاد میں (جایا کرے) اور کچھ اپنے وطن میں رہ جایا کریں (تا کہ باقیماندہ لوگ) رسول اللہ ﷺ کے وقت میں آپ سے اور آپ کے بعد علماء شہر سے (دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تا کہ یہ لوگ اپنی قوم کو) جو کہ جہاد میں گئے ہوئے ہیں (جب کہ وہ ان کے پاس واپس آئیں) دین کی باتیں سنا کر خدا کی نافرمانی سے (ڈرائیں تا کہ وہ) ان سے دین کی باتیں سن کر برے کاموں سے (احتیاط رکھیں)۔

ربط: جہاد فرض کفایہ ہے لیکن اس کی طبعی ترتیب ہے جس کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں۔ اس کے بعد پھر جو ان کے قریب ہوں۔ اس طرح درجہ بدرجہ جہاد کے دائرہ کو وسیع کرنا چاہئے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والولڑتے جاؤ ان سے جو نزدیک ہیں تمہارے کافروں میں سے اور چاہئے کہ وہ پائیں تمہارے اندر سختی اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے۔

تفسیر: (اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس) رہتے (ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے) یعنی جہاد کے وقت بھی مضبوط رہنا چاہئے اور ویسے بھی زمانہ صلح کے علاوہ میں ان سے ڈھیلا پن نہ برتنا چاہئے۔ (اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ) کی امداد اللہ سے (ڈرنے والوں کے ساتھ ہے) پس ان سے نہ ڈرو نہ دبو کیونکہ خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی کوئی وجہ نہیں۔

فائدہ: دفاعی جہاد میں بھی یہی ترتیب ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر۔ وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہوں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

ربط: سورت ختم ہونے کو آئی۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی تو منافق آپس میں ایک دوسرے سے یا بعض سادہ مسلمانوں سے استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق و معارف ہیں جو ایمان و یقین کی ترقی کا باعث ہوں۔ اس سورت کے ختم پر بھی منافق یہی کہیں گے لہٰذا اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور اس پر عتاب بھی فرماتے ہیں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ
سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ۖ هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ
انْصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝

ترجمہ: اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت تو ان میں سے بعض کہتے ہیں تم میں سے کون ہے کہ بڑھایا اس کو اس سورت نے ایمان میں۔ سو رہے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں تو بڑھایا سورت نے ان کو ایمان میں اور وہ خوش ہو رہے ہیں۔ اور رہے وہ جن کے دلوں میں مرض ہے تو بڑھایا سورت نے ان کے لئے گندگی کو ان کی (پہلی) گندگی کی طرف اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پھر (بھی) وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت دیکھتا ہے ان کا بعض (دوسرے) بعض کی طرف کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی۔ پھر پھر جاتے ہیں۔ پھیر دیا اللہ نے ان کے دلوں کو اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر: (اور جب کوئی) جدید (سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافقین) آپس میں اور سادہ مسلمانوں سے بطور تمسخر (کہتے ہیں کہ) کہو (اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی) آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم جواب چاہتے ہو (سو) سنو (جو لوگ ایمان دار ہیں اس سورت نے ان کے) تو (ایمان میں ترقی دی ہے اور وہ) اس ترقی کے ادراک سے (خوش ہو رہے ہیں) مگر چونکہ وہ قلبی چیز ہے اور تم کو نصیب نہیں اس لئے تم کو اس کا ادراک بھی نصیب نہیں ہے اور تمسخر کرتے ہو (اور جن لوگوں کے دلوں میں) نفاق کا (مرض ہے اس سورت نے ان میں ان کی) پہلی (گندگی کے ساتھ اور) نئی (گندگی بڑھا دی) کیونکہ پہلے قرآن کے ایک حصہ کا انکار تھا اب اس نئے حصہ کا مزید انکار ہوا (اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے) یعنی جو ان میں مر چکے ہیں وہ کافر مرے اور جو اسی اصرار پر رہیں گے وہ کافر مریں گے۔ جواب کا حاصل یہ ہوا کہ قرآن میں ایمان کو ترقی دینے کی بیشک خاصیت ہے لیکن آدمی میں قابلیت بھی تو ہو، اور اگر پہلے سے خباثت مستحکم ہے تو اس کو مزید استحکام ہو جائے گا (اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار یا دو بار کسی نہ کسی) ارضی یا سماوی (آفت میں پھنستے رہتے ہیں) یا پیغمبر علیہ السلام کی زبانی انکا نفاق اعلانیہ ظاہر کر کے ان کو رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ و جہاد کے وقت ان کی بزدلی اور بدباطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے

مگر (پھر بھی) ایسے بے حیا ہیں کہ اپنی قبیح حرکتوں سے (باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں) جس سے باز آنے کی آئندہ امید ہو، یہ تو ان کے تمسخر کا بیان ہوا جو وہ اپنی مجالس میں کرتے تھے، آگے تنفر کا بیان ہے جو مجلس نبوی ﷺ میں ان سے صادر ہوتا تھا، چنانچہ ارشاد ہے (اور جب کوئی) جدید (سورت نازل کی جاتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں) اور اشارہ سے باتیں کرتے ہیں (کہ تم کو کوئی) مسلمان (دیکھتا تو نہیں) کہ مجلس سے اٹھتا ہوا دیکھ لے اور حضرت ﷺ کو جا کر بتا دے (پھر) آپس میں اشارے کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر (چل دیتے ہیں) یہ لوگ مجلس نبویؐ سے کیا پھرے (خدا تعالیٰ نے ان کا دل) ہی ایمان سے (پھیر دیا ہے اس وجہ سے کہ وہ محض بے سمجھ لوگ ہیں) کہ اپنے نفع یعنی ایمان و عرفان کی باتوں سے بھاگتے ہیں۔

فائدہ: (1) ایک بار یا دو بار سے خاص عدد مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ کبھی ایک بار کبھی متعدد بار ایسا ہو جاتا ہے۔

(2) ان آفات و حوادث سے یا تو عام حوادث مراد ہیں مگر عقلمند ان سے بھی متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتا ہے یا خاص وہ واقعات مراد ہیں جو ان کے نفاق کی بناء پر پیش آتے تھے مثلاً ان کے دوست کفار مغلوب ہو گئے اور کبھی ان کے نفاق کی باتیں کھل گئیں۔

ربط: چونکہ یہ سورت قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اس لئے اس کے خاتمہ پر حجت قائم کرنے اور دعوت کو پورا کرنے کے لئے آپ کی رسالت اور آپ کے بعض اوصاف کی وضاحت مناسب ہوئی اور نہ ماننے کی صورت میں توکل و توحید کے اظہار کے ذریعہ سے آپ کی قوت کا اظہار مستحسن ہوا۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔ گراں ہے اس پر جو تم تکلیف اٹھاؤ حریص ہے (بھلائی کا) تم پر۔ ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفیق مہربان ہے۔ پھر (بھی) اگر وہ منہ پھیریں تو کہہ دے کافی ہے مجھ کو اللہ، نہیں کوئی مستحق بندگی مگر وہی۔ اسی پر

بھروسہ کیا میں نے اور وہ ہی مالک ہے عرش عظیم کا۔

تفسیر: اے لوگو (تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس) بشر (سے ہیں) تاکہ تم کو ان سے ہدایت اور دینی نفع حاصل کرنا آسان ہو (جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے) چاہتے ہیں کہ تم کو کوئی ضرر نہ پہنچے (جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں) یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے پھر بالخصوص (ایمانداروں کے ساتھ) تو (بڑے ہی شفیق) اور (مہربان ہیں) ایسے رسول سے مستفید نہ ہونا بڑی محرومی ہے (پھر اگر) اس پر بھی آپ کو رسول ماننے سے اور آپ کا اتباع کرنے سے (روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے) میرا کیا نقصان ہے (میرے لئے) تو (اللہ تعالیٰ) حافظ و ناصر (کافی ہے) کیونکہ ایک تو (اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں) اور جب معبودیت اس کے ساتھ مختص ہے تو لامحالہ سارے کمالات علم وقدرت اس میں بے مثال ہوں گے، پھر مجھ کو کسی کی مخالفت سے کیا اندیشہ (میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا اور) دوسرے (وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے) تو اور چیزیں تو بدرجہ اولیٰ اس کی مملوک ہوں گی، پس اس پر بھروسہ کرنے کے بعد مجھ کو کوئی اندیشہ نہیں البتہ تم اپنی فکر کرلو، حق کا انکار کر کے کہاں رہو گے۔

سورۃ یونس

اس سورت کا حاصل چند مضامین ہیں (1) اثبات توحید اور اس کے ضمن میں ابطال شرک (2) اثبات رسالت اور اس کے ضمن میں رسالت سے متعلق بعض شبہات کا جواب (3) اثبات قران اور اس کے ضمن میں اس کی تکذیب پر رد (4) اثبات معاد اور اس کے ضمن میں جزا وسزا اور دنیا کے فنا ہونے کا بیان (5) بعض واقعات کے ذریعہ ڈراوا اور اس کے ضمن میں بعض شبہات کا جواب اور (6) وقتاً فوقتاً نبی ﷺ کو تسلی۔ ابتدا میں توحید، رسالت، قرآن اور معاد کے حق ہونے کو مختصراً ذکر کرتے ہیں۔

حقیت قرآن

سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اٰیَاتُھَا ۱۰۹ - رُکُوْعَاتُھَا ۱۱

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں محکم کتاب کی۔

تفسیر: (الر) کا مطلب تو اللہ کو معلوم ہے (یہ) جو آگے آتی ہیں ایسی مضبوط و (محکم کتاب کی آیتیں ہیں) جس کی تمام چیزیں خواہ وہ الفاظ ہوں یا علوم ہوں یا احکام ہوں یا اخبار و قصص ہوں پکی ہیں الفاظ اس لئے کہ ہمیشہ تبدیل و تحریف سے محفوظ رہیں گے۔ علوم اس لئے کہ تمامتر عقل و حکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار و قصص اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقع کے مطابق ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خدائے علیم و حکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے ساتھ اتارا ہے۔

حقیت رسالت

ربط: ایسی محکم اور پر حکمت کتاب کا نزول کسی جھوٹے شخص پر نہیں ہو سکتا اور رسول اللہ ﷺ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں۔ لیکن کفار پھر بھی ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور یہ اشکال کرتے تھے کہ یہ تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں یہ کیسے خدا کے فرستادہ بن سکتے ہیں۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

ترجمہ: کیا ہوا لوگوں کو تعجب کہ وحی کی ہم نے ایک شخص کی طرف ان میں سے کہ ڈرا لوگوں کو اور خوشخبری دے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے پایہ سچائی کا ان کے رب کے پاس۔ کہا کافروں نے بلاشبہ یہ تو جادوگر ہے کھلا۔

تفسیر: (کیا ان) مکہ کے (لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص کے پاس) جو کہ ان ہی کی مانند بشر ہے (وحی بھیج دی) جس کا خلاصہ یہ ہے (کہ) آپ عام طور پر (سب آدمیوں کو) احکام خداوندی کے خلاف کرنے پر ڈرایئے اور جو ایمان لے آئیں ان کو یہ خوشخبری سنایئے کہ ان کے رب کے پاس) پہنچ کر ان کے اعمال صالحہ کی بدولت (ان کو بلند پایہ مرتبہ ملے گا)۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ایسا مضمون کسی بشر پر وحی کے ذریعہ سے نازل ہو جائے تو تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں مگر (کافروں) کو جو نبوت اور بشریت میں سے ایک کو دوسرے کے منافی سمجھتے تھے اس دعوے پر اس قدر تعجب ہوا کہ انہوں (نے) پھر آپ سے جب کچھ معجزے بھی دیکھے اور خود قرآن

کو غیر معمولی طور پر مؤثر اور بلیغ پایا تو آپ کے بارے میں (کہا یہ شخص تو بلاشبہ کھلا جادوگر ہے) نبی نہیں ہے۔

حقیت توحید

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣﴾

ترجمہ: بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں پھر قائم ہوا عرش پر، تدبیر کرتا ہے ہر کام کی۔ نہیں کوئی سفارش کرنے والا مگر بعد اس کی اجازت کے۔ یہ اللہ ہے تمہارا رب سو تم عبادت کرو اس کی۔ کیا پس نہیں تم دھیان کرتے۔

تفسیر: (بلاشبہ تمہارا) حقیقی (رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز) کی مقدار (میں) کہ جس میں کا ہر روز ہمارے ایک ہزار سال کے برابر ہے بتدریج (پیدا کر دیا) اور اس تدریجی تخلیق سے ظاہر ہوا کہ تخلیق اضطراری نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے۔ جب چاہے جس طرح چاہے پیدا کرے۔ غرض وہ اعلیٰ درجہ کی قدرت والا ہے (پھر عرش پر) جو کہ سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے اس طرح (قائم) اور فرما (ہوا) کہ جو اس کی شان کے لائق ہے تا کہ عرش سے زمین اور آسمان میں احکام جاری فرمائے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کہ (وہ ہر کام کی) مناسب (تدبیر کرتا ہے) یہ نہیں کہ بس پیدا کر کے چھوڑ دیا۔ اور تدبیر میں بھی کسی سے دبنے والا نہیں۔ اس کے سامنے (کوئی سفارش کرنے والا) اس کی اجازت کے بغیر سفارش (نہیں) کر سکتا۔ پس (ایسا اللہ) جس کی یہ یہ صفات ہیں جب (تمہارا) حقیقی (رب ہے) اور حقیقی رب ہی عبادت کے لائق ہوتا ہے (تو تم اس کی عبادت کرو) اور شرک مت کرو (کیا تم) ان تمام دلائل اور نصیحتوں کے سننے کے بعد (پھر بھی دھیان نہیں کرتے)۔

حقیت معاد

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ
حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

ترجمہ: اس کی طرف واپسی ہے تم سب کی۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ وہی ابتداء میں کرتا ہے پیدائش کو پھر لوٹائے گا اس کو تا کہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور عمل کئے تھے نیک، انصاف کے ساتھ۔ اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینا ہوگا کھولتے پانی سے اور عذاب دردناک ہوگا بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

تفسیر: (تم سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے۔ اللہ نے) اس کا (سچا وعدہ کر رکھا ہے۔ بے شک وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی) قیامت کو (پیدا کرے گا تا کہ ایسے لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے انصاف کے ساتھ) پوری پوری (جزا دے) اور اس میں ذرا کمی نہ کرے بلکہ بہت کچھ زیادہ دے دے (اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے واسطے) آخرت میں (کھولتا ہوا پانی پینے کو ہوگا اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے)۔

ربط: اوپر توحید و معاد کے حق ہونے کا ذکر ہوا۔ چونکہ منکرین ان باتوں کو مستبعد سمجھتے ہیں تو ان کے استبعاد کو دور کرنے کے لئے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ
السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا
خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکتا اور چاند کو نورانی اور مقرر کیں اس (چاند) کے واسطے منزلیں تا کہ تم جانو برسوں کی گنتی کو اور حساب کو۔ نہیں پیدا کیا اللہ نے اس کو مگر حق کے ساتھ۔ تفصیل سے بیان کرتا ہے دلائل کو ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ بے شک بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں۔

تفسیر: (وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو) بھی (نورانی بنایا اور اس) کی چال (کے لئے منزلیں مقرر کیں) کہ ہر روز ایک منزل طے کرتا ہے (تاکہ) ان فلکی اجرام کے ذریعہ سے (تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔ جس کی ضرورت تم کو دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے علاوہ بہت سے احکام شرعیہ میں بھی ہوتی ہے۔ غرض (اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بے فائدہ نہیں پیدا کیں۔ وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں) اور مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر وحکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ (بلاشبہ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے توحید اور آخرت کے دلائل ہیں جو خدا سے ڈرتے ہیں)۔

فائدہ: دلائل کا بیان تو نہ سمجھنے والوں اور نہ ڈرنے والوں کے لئے بھی ہے مگر اہل علم اور اہل تقوی کی تخصیص اس اعتبار سے ہے کہ یہ لوگ ان سے نفع اٹھاتے ہیں۔

ربط: جو لوگ مذکورہ بالا حقائق اور ان کے دلائل سے غفلت کریں کہ نہ آخرت کو مانیں اور نہ ہی قدرت کی جو نشانیاں اوپر ذکر ہوئی ان میں کبھی غور وتامل کریں کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا بلکہ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا ایسے لوگوں کا انجام برا ہے۔ جب کہ ماننے والوں کا انجام عمدہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿٧﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی اور راضی ہو گئے حیات دنیوی پر اور مطمئن ہو گئے اسی پر اور جو لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔ یہ لوگ ان کا ٹھکانا آگ ہے بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے

نیک ہدایت کرے گا ان کو ان کا رب بوجہ ان کے ایمان کے۔ جاری ہوں گی ان کے نیچے نہریں آرام کے باغوں میں۔ ان کی بات ہوگی ان میں سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ اور ان کی دعائے ملاقات ہوگی ان میں سلام۔ اور ان کی بات کا آخر یہ ہوگا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

تفسیر: (جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں) آخرت کی طلب سرے سے نہیں کرتے (اور اس پر مطمئن ہو) کر جی لگا کے بیٹھ (گئے ہیں) آئندہ اور آخرت کی کچھ خبر نہیں (اور جو لوگ ہماری آیتوں سے) جو کہ آخرت پر دلالت کرتی ہیں (بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانا ان کے) ان (اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے) اور (یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کو ان کا رب ان کے مومن ہونے کی وجہ سے ان کے مقصد) یعنی جنت (تک پہنچا دے گا۔ ان کے) مسکن کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی چین) و آرام (کے باغوں میں) اور جس وقت وہ جنت میں جائیں گے اور وہاں کے عجائبات کا دفعۃً معائنہ کریں گے تو اس وقت (ان کے منہ سے یہ بات نکلے گی کہ سبحان اللہ) اور پھر جب ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو (ان کا باہمی سلام یہ ہوگا السلام علیکم اور) جب اطمینان سے وہاں جا کر بیٹھیں گے اور اپنی پرانی مصیبتوں اور مشقتوں کے ساتھ اس وقت کی غیر مکدر دائمی زندگی کا موازنہ کریں گے تو (ان کی) اس وقت کی باتوں میں اخیر بات یہ ہوگی الحمد للہ رب العالمین۔

منکرین توحید و آخرت کی بہانہ بازیاں

پہلا بہانہ اور اس کا جواب

آخرت میں کافروں کے لئے عذاب ہونا ذکر ہوا۔ اس پر کفار تکذیب کی غرض سے کہا کرتے تھے کہ ہم تو عذاب کو حق اس وقت سمجھیں جب ہم پر یہاں دنیا ہی میں عذاب نازل ہو جائے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کے لئے برائی مثل ان کے جلدی مانگنے کے خیر کو تو پوری کر دی جائے ان کی طرف ان کی عمر۔ سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں ان لوگوں کو جو نہیں امید رکھتے ہماری ملاقات کی ان کی سرکشی میں کہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

تفسیر: (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر) ان کے جلدی مچانے کے موافق (جلدی سے نقصان واقع کر دیا کرتا) مثلاً دنیوی حوادث سے تنگ آ کر اپنے یا اپنی اولاد کے حق میں بددعائیں کرنے پر فوراً

اس کو پورا کر دے یا عذاب کی جلدی مچانے پر اس کو بھی فوراً نازل کر دے۔ غرض (جس طرح وہ فائدے کے لئے جلدی مچاتے ہیں) اور اس کے موافق وہ فائدہ جلد واقع کر دیتا ہے۔ اسی طرح اگر نقصان بھی واقع کر دیا کرتا (تو ان کی عمر کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی) یعنی ان پر ہلاک کر دینے والا عذاب نازل کر دیا جاتا۔ لیکن ہماری یہ حکمت کہ نیک بخت مہلت سے فائدہ اٹھا کر اصلاح کر لیں اور بدبخت زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں فوری عذاب کا تقاضا نہیں کرتی (سو) اس لئے (ہم ان لوگوں کو جن کو ہم سے ملنے کی امید نہیں ہے ان کے حال پر) چند روز کے لئے بلا عذاب (چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور زیادہ عذاب کے مستحق ہو جائیں۔

فائدہ: بظاہر آیت سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ شر مانگنے سے بھی جلدی واقع نہیں ہوتا دوسری یہ کہ مانگنے سے خیر جلدی واقع ہو جاتی ہے حالانکہ بہت کثرت سے اس کے برعکس دیکھنے میں آتا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کی رحمت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ خیر کا وقوع جلد ہو اور شر کا وقوع جلد نہ ہو۔ آیت کا مضمون اسی اصل تقاضے کے مطابق ہے۔ البتہ اور مصلحتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ایسا نہیں کرتے۔

ربط: منکرین عذاب کی جلدی تو مچاتے ہیں لیکن اگر کوئی مصیبت آ جائے تو برداشت بھی نہیں ہوتی اور وقتی طور پر دوسروں کو بھول کر صرف ہمیں ہی پکارتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ محض سرکشی سے توحید و معاد کا انکار کرتے ہیں ان کو کوئی علمی اشکال نہیں ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور جب پہنچتی ہے انسان کو تکلیف تو پکارتا ہے ہمیں اپنے پہلو پر اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے۔ پھر جب دور کر دیتے ہیں ہم اس سے اس کی تکلیف کو تو پہلی حالت پر آ جاتا ہے گویا کہ نہیں پکارا اس نے ہم کو کسی تکلیف پر جو پہنچی اس کو۔ اسی طرح مزین کیا جاتا ہے حد سے نکلنے والوں کے لئے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور جب) بعض (انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے لیٹے بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی) اور اس وقت کوئی بت اور کوئی اور معبود وغیرہ یاد نہیں رہتا (پھر جب) اس کی

دعا والتجا سے (ہم اس کی وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو پھر اپنی پہلی حالت پر آ جاتا ہے) کہا سنا سب بھول جاتا ہے اور ہم سے ایسا بے تعلق ہو جاتا ہے کہ گویا جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کے ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا) اور پھر وہی شرک کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ (ان حد سے نکلنے والوں کے اعمال) بد (ان کو اسی طرح مزین معلوم ہوتے ہیں) جس طرح ہم نے ابھی بیان کیا ہے۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ ہماری حکمت کی وجہ سے جلد عذاب نہ آئے یا تکلیف اور مصیبت آ کر ٹل جائے تو بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ ظلم و شرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ اللہ کی یہ سنت شروع سے چلی آ رہی ہے۔ پہلی قوموں کو بھی انبیاء کے معجزات دیکھنے کے باوجود ان کے ظلم و تکذیب پر ہلاک کیا اور ان کی جگہ پر اب تم ہو تو تمہارے لئے بھی وہی سنت و طریقہ ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور ہلاک کر چکے ہیں ہم جماعتوں کو تم سے پہلے جب انہوں نے ظلم کیا حالانکہ لائے ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں اور نہیں تھے وہ کہ ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم لوگوں کو۔ پھر بنایا ہم نے تم کو نائب زمین میں ان کے بعد تا کہ ہم دیکھیں کہ کیسے تم عمل کرتے ہو۔

تفسیر: (اور ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو) مختلف قسم کے عذابوں سے (ہلاک کیا ہے جب کہ انہوں نے ظلم) یعنی کفر و شرک (کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر بھی دلائل لے کر آئے اور وہ) انتہائی عناد کی وجہ سے (ایسے کب تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں) جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ہے (پھر ان کے بعد ہم نے دنیا میں ان کی جگہ پر تم کو آباد کیا تا کہ) اپنے ہر قسم کے ازلی علم کے علاوہ ظاہری طور پر بھی (ہم دیکھ لیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو) آیا ویسا ہی کفر و شرک کرتے ہو یا ایمان لاتے ہو۔

دوسرا بہانہ اور اس کا جواب

توحید و معاد کے بہت سے منکرین قرآن کی عام نصیحتوں کو تو پسند کرتے لیکن بت پرستی اور دیگر

عقائد بد پر جہاں رد ہوتا تھا اس سے وحشت کھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو یہ پیش کش کرتے تھے کہ آپ یا تو غیر متنازعہ قرآن لے آیئے یا یہی قرآن رہے تو اس میں سے ہمارے آپ کے درمیان متنازعہ مضامین کو بدل دیجئے پھر ہم قرآن کو مان لیں گے۔ اس کا جواب کہلوایا کہ قرآن کا معاملہ تو خالص اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ نہ تو یہ میرا اپنا کلام ہے اور نہ ہی مجھے اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا اختیار ہے۔ اپنی ان باتوں کی سچائی پر میری پوری سچی زندگی گواہ ہے۔

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٦﴾ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿١٧﴾

ترجمہ: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں اس حال میں کہ وہ واضح ہیں کہتے ہیں وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تو لے آ قرآن اس کے علاوہ یا بدل دے اس کو۔ تو کہہ دے نہیں ہے میرے لئے کہ میں بدل ڈالوں اس کو اپنے جی کی طرف سے۔ نہیں میں تابعداری کرتا مگر (اس کی) جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ بے شک میں ڈرتا ہوں اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔ کہہ دے اگر چاہتا اللہ نہ پڑھتا میں اس کو تم پر اور نہ وہ خبر دیتا تم کو اس کی۔ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے۔ کیا پس تم نہیں غور کرتے ہو۔ سو کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو۔ بے شک نہیں فلاح پاتے مجرم۔

تفسیر: (اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے) آپ سے (یوں کہتے ہیں کہ) یا تو (اس کے سوا کوئی) الگ (دوسرا قرآن) ہی (لایئے) جس میں ہمارے مسلک کے خلاف مضامین نہ ہوں (یا) کم

ازکم (اسی) قرآن (میں کچھ ترمیم کر دیجئے) کہ ہمارے مسلک کے خلاف مضامین اس میں سے نکال دیجئے۔ ان کی اس بات سے یہ بات بھی مفہوم ہوئی کہ وہ لوگ قرآن کو نبی ﷺ کا کلام سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی بنا پر جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ (آپ یوں کہہ دیجئے کہ) قطع نظر اس سے کہ ایسے مضامین کو قرآن میں سے نکالنا فی نفسہ کیسا ہے خود (مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں) اور جب جزوی ترمیم ممکن نہیں تو کل قرآن کو ہی بدل ڈالنا تو بطریق اولی ناممکن ہے کیونکہ وہ میرا کلام تو ہے ہی نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے جو وحی کے ذریعہ سے آیا ہے۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو (بس میں تو اسی کا اتباع کروں گا جو میرے پاس وحی کے ذریعہ سے پہنچا ہے) اور بالفرض خدانخواستہ (اگر میں) وحی کا اتباع نہ کروں بلکہ (اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے بھاری دن کے عذاب کا اندیشہ رکھتا ہوں) جو گناہگاروں کے لئے مخصوص ہے اور چونکہ تم نافرمانی کرنے والے ہو اس لئے وہ تمہارے نصیب میں ہے سو میں نہ تو اس عذاب کی اور نہ اس کے سبب یعنی نافرمانی کی جرأت رکھتا ہوں۔ اور اگر وہ اس کو آپ کا کلام ہی سمجھتے رہیں خدا کا کلام سمجھنے پر تیار نہیں تو (آپ یوں کہہ دیجئے کہ) یہ میرا کلام نہیں ہے بلکہ یہ تو کلام خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھ پر یہ نازل کیا جو وہ چاہتا ہے وہی میں تم کو پڑھ کر سناتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ (اگر اللہ) اس کے خلاف (چاہتا تو میں نہ تم کو یہ پڑھ کو سناتا اور نہ ہی اللہ) میرے ذریعہ سے (تم کو اس کی اطلاع دیتا) میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر (میں تم میں ایک طویل عمر اس سے پہلے رہ چکا ہوں) یعنی چالیس سال کی طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا۔ میری سچائی، عفت، امانت اور دیانت اور دیگر اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا امی ہونا اور ظاہری تعلیم حاصل نہ کرنے کو تم سب جانتے ہو (کیا پھر بھی تم غور نہیں کرتے) کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے اور افتراء کرنے لگے۔ غرض غور کرو گے تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی میں تم کو سناتا ہوں اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے سرے سے اختیار نہیں ہے اور جب اس کا کلام الٰہی اور حق ہونا ثابت ہو گیا۔ تو پھر بھی تم مجھ سے اس میں ترمیم کی درخواست کرو اور اس کو نہ مانو تو سمجھ لو کہ (اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے) جیسا مجھ سے کرنے کو کہتے ہو (یا اس کی آیتوں کو جھوٹا بتائے) جیسا تم نے خود اختیار کر رکھا ہے (یقیناً ایسے مجرموں کو سرے سے فلاح نہ ہو گی) بلکہ ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

ربط: ایک طرف تو منکرین کی محض خدا کی پرستش کے بارے میں بہانہ سازیاں ہیں جن کو وہ اپنی جانب میں بڑی عقلمندی سمجھتے ہیں دوسری طرف ان کا یہ حال ہے کہ محض بے بس چیزوں کی پرستش میں مبتلا ہیں جن کے ابطال پر کئی واضح دلائل موجود ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ
اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا
عِنْدَ اللّٰهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّـُٔونَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي
الْأَرْضِ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ
إِلَّآ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: اور وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے ایسی چیز کی کہ نہ ضرر دیتی ہے ان کو اور نہ نفع دیتی ہے ان کو اور کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔ کہہ دے کیا تم خبر دیتے ہو اللہ کو اس چیز کی کہ نہیں جانتا وہ (جس کو) آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اور نہیں تھے لوگ مگر ایک جماعت پھر انہوں نے اختلاف کیا اور اگر نہ ہوتی ایک بات کہ پہلے ہوگئی تیرے رب کی طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اس چیز میں جس میں اختلاف کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور یہ لوگ اللہ) کی توحید (کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو) عبادت نہ کرنے کی صورت میں (نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ) عبادت کرنے کی صورت میں (ان کو نفع پہنچا سکیں اور) اپنی طرف سے کسی بھی دلیل کے بغیر ایک نفع تراش کر (کہتے ہیں کہ یہ) معبود (اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں) اس لئے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔ (آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو خدا تعالیٰ کو معلوم نہیں نہ آسمانوں میں نہ زمین میں) یعنی خدا تعالیٰ کو تو ان چیزوں کے سفارشی ہونے یا معبود برحق ہونے یا اس کے امکان کا علم نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے۔ پس جب ان کا علم نہیں تو معلوم ہوا کہ ان چیزوں کا سفارشی ہونا یا معبود برحق ہونا یا اس کا امکان ہونا یہ سب باطل ہیں اور عقیدہ شرک بھی باطل ہے۔ پس وہ (پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔ پھر عقیدہ شرک انسانوں میں اصل سے ثابت بھی نہیں کیونکہ

پہلے (تمام آدمی ایک ہی) عقیدے والے (جماعت تھے) اور سب موحد تھے کیونکہ آدم علیہ السلام موحد تھے اور بہت عرصہ تک ان کی اولاد ان ہی کے طریقہ توحید پر رہی لہٰذا یہ سب موحد رہے (پھر) اپنی عقل کی کجی سے (انہوں نے) یعنی ان کے بعض افراد نے (اختلاف پیدا کرلیا) اور مشرک ہو گئے۔ غرض شرک کا طریقہ تو بعد میں ایجاد کیا گیا۔ (اور) لوگوں کے اس باہمی اختلاف کو ختم کیا جا سکتا تھا (اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے) کہ دنیا دار عمل ہے قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں (تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا قطعی فیصلہ) دنیا ہی میں (ہو چکا ہوتا) یعنی انسانوں کو کسب واختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہ عمل چاہیں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ فوری عذاب نازل کر کے ایک دم کر دیا جاتا۔

تیسرا بہانہ اور اس کا جواب

مانتے کو تیار نہیں لیکن نشانیاں مانگے چلے جاتے ہیں تا کہ ٹال مٹول کر سکیں۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی اس کے اوپر نشانی اس کے رب کی طرف سے۔ سو تو کہہ دے کہ محض (علم) غیب تو اللہ کے لئے ہے تو تم انتظار کرو۔ بے شک میں (بھی) تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

تفسیر: (اور یہ لوگ) نبوت کی دلیل کے طور پر قرآن سمیت بہت سے معجزے دیکھنے کے باوجود (یوں کہتے ہیں کہ ان) محمد ﷺ (پر) ہمارے فرمائشی معجزوں میں سے (کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوا)۔ سو آپ فرما دیجئے کہ) چونکہ معجزہ سے مقصود نبوت کی حقانیت پر دلالت ہوتی ہے اور یہ بات قرآن سمیت ان بہت سے معجزوں سے حاصل ہے جو تم دیکھ چکے ہو اس لئے اب تمہاری فرمائشوں کی ضرورت تو نہیں۔ اور رہی یہ بات کہ تمہارے فرمائشی معجزے واقع ہوں گے یا نہیں تو خدا نے مجھ کو اس کا علم نہیں دیا لہٰذا یہ ایک غیبی علم ہے اور (غیب کی خبر صرف خدا کو ہے سو تم بھی منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں) کہ آیا ان کا وقوع ہوتا ہے یا نہیں۔

ربط: پیچھے یہ جو کہا کہ منکرین نشانیاں مانگنے کے باوجود ماننے پر تیار نہیں تو آگے اس کی دلیل دیتے ہیں کہ ان لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ جب ان پر کوئی سختی آتی ہے تو بڑے وعدے کرتے ہیں کہ یہ

سختی دور ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے لیکن جب سختی دور کر دی جاتی ہے تو اپنی بات سے بالکل مکر جاتے ہیں۔ ایسا ہی ان کا طرز عمل نشانیوں کے بارے میں ہے۔ لیکن اس سے ان کو یہ خیال نہ ہو کہ ہمیں کچھ معلوم ہی نہیں اور یہ کہ ہم ان کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکتے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

ترجمہ: اور جب چکھاتے ہیں ہم لوگوں کو رحمت بعد تکلیف کے جو پہنچی ان کو ناگہاں ان کے لئے مکر ہوتا ہے ہماری آیتوں میں۔ تو کہہ دے اللہ زیادہ تیز ہے مکر میں۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لکھتے ہیں جو تم مکر کرتے ہو۔

تفسیر: (اور جب ہم لوگوں کو اس کے بعد کہ ان پر کوئی مصیبت پڑ چکی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں جیسا کہ اس وقت ہوا جب ہم نے اہل مکہ پر سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر نبی ﷺ سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ آپ کی دعا سے ہم نے وہ قحط دور کر دیا (تو فوراً ہی ہماری آیتوں کے بارے میں شرارتیں) یعنی ان سے اعراض (کرنے لگتے ہیں) اور بجائے عبرت پکڑنے کے سابقہ مصیبت اور موجودہ نعمت کو ظاہری اسباب اور حیلوں کی طرف نسبت کرنے لگتے ہیں (آپ کہہ دیجئے کہ) اچھا تم خوب شرارتیں اور حیلہ سازیاں کر لو مگر یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا) اور اس کے لئے اگرچہ ہمارا علم بھی کافی ہے لیکن ہم نے تمہاری گرفت کا ظاہری انتظام بھی کر رکھا ہے کہ (بالیقین ہمارے فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں)۔

ربط: آگے دریائی سفر کی مثال میں ان کے طرز عمل کی وضاحت کی

هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: وہی ہے جو چلاتا ہے تم کو خشکی اور دریا میں یہاں تک کہ جب ہوتے ہو تم کشتیوں میں اور چلتی ہیں (کشتیاں) ساتھ لوگوں کے اچھی ہوا سے اور لوگ خوش ہوتے ہیں کشتیوں (کی رفتار) سے آجاتی ہے کشتیوں پر ہوا تند اور آتی ہے لوگوں پر موج ہر جگہ سے اور جان لیتے ہیں لوگ کہ گھیر لیا گیا ان کو تو پکارتے ہیں اللہ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو کہ اگر نجات دی تو نے ہم کو اس سے تو ضرور ہم ہوں گے شکر گزاروں میں سے۔ پھر جب نجات دی (اللہ نے) ان کو ناگہاں وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔ اے لوگو محض تمہاری سرکشی تمہارے اپنے اوپر (وبال) ہے۔ (لے رہے ہو) فائدہ حیات دنیوی کا پھر ہماری طرف تمہاری واپسی ہے پس ہم خبر دیں گے تم کو اس کی جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: (وہ) اللہ (ایسا ہے کہ تم کو خشکی اور دریا میں لئے لئے پھرتا ہے) کیونکہ جن ذرائع سے تم چلتے پھرتے ہو وہ سب اللہ ہی کے دیئے ہوئے ہیں (یہاں تک کہ) بعض اوقات (جب تم کشتی میں) سوار (ہوتے ہو اور وہ کشتیاں لوگوں کو موافق ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ ان) کی رفتار (سے خوش ہوتے ہیں) اسی حالت میں دفعۃً (ان پر) مخالف (ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے اور ہر طرف سے ان) لوگوں (پر موجیں اٹھی چلی آتی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ) برے (آگھرے) اس وقت (سب خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کو پکارنے لگتے ہیں) کہ اے اللہ (اگر آپ ہم کو اس) مصیبت (سے بچالیں تو ہم ضرور حق شناس) یعنی موحد (بن جائیں گے) یعنی اب اس وقت توحید پر جیسا اعتقاد بن گیا آئندہ اسی پر رہیں گے (پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو) اس مصیبت سے (بچالیتا ہے تو فوراً ہی وہ زمین) کے اطراف واقطار (میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں) یعنی اسی شرک وکفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ (اے لوگو) سن لو (یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے وبال) جان (ہونے والی ہے) بس (دنیوی زندگی میں) کچھ عرصہ اس سے (فائدہ اٹھا رہے ہو پھر ہمارے پاس تم کو آنا ہے پھر ہم سب تمہارا کیا ہوا تم کو بتا دیں گے) اور اس کی سزا دیں گے۔

ربط: حقائق ودلائل کو چھوڑ کر منکرین جس دنیا کی زندگی کو ترجیح دے رہے ہیں اس کے بارے میں سمجھاتے ہیں کہ وہ تو چند روزہ ہے اور فانی ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں جزاوسزا دائمی ہے۔

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ
نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ط حَتّٰى إِذَا أَخَذَتِ
الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ لا
أَتٰهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ
بِالْأَمْسِ ط كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا
إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۲۵ لِلَّذِيْنَ
أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ط
أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۶ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا لا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ط مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
عَاصِمٍ ج كَأَنَّمَآ أُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ط
أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷

ترجمہ: محض مثال حیات دنیوی کی مانند پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اس کو آسمان سے پس گنجان ہو کر نکلی اس (پانی) سے کھیتی زمین کی جس سے کھاتے ہیں لوگ اور چوپائے۔ یہاں تک جب پکڑی زمین نے اپنی رونق اور مزین ہو گئی اور خیال کیا اس کے اہل (یعنی زمین والوں) نے کہ وہ قادر ہیں اس پر (ناگہاں) آیا اس پر ہمارا حکم رات میں یا دن میں تو کر دیا ہم نے اس کو کٹا ہوا گویا کہ وہ نہ تھی (گزشتہ) کل۔ اسی طرح ہم تفصیل کرتے ہیں آیتوں کی ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے راہ راست کی طرف۔ واسطے ان لوگوں کے ہے جنہوں نے نیکی کی بھلائی اور زائد۔ اور نہ ڈھانپے گی ان کے چہروں کو سیاہی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے کمائیں برائیاں (تو) برائی کا بدلہ ہے برائی کی مثل اور ڈھانپ لے گی ان کو ذلت۔ نہیں ہو گا ان کے لئے اللہ سے کوئی بچانے والا گویا کہ لپیٹ دیئے گئے ان کے چہرے ٹکڑوں سے رات کے اس حال میں کہ وہ اندھیری

ہے۔ یہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (بس دنیوی زندگی کی حالت تو ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس) پانی (سے زمین کے نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے۔ یہاں تک کہ جب وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہوگئی) یعنی سبزہ سے خوشنما معلوم ہونے لگی (اور اس) زمین (کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم اس) کے نباتات (پر بالکل قابض ہو چکے تو) ایسی حالت میں (دن میں یا رات میں اس) کے ان نباتات (پر ہماری طرف سے کوئی حادثہ آ پڑا) جیسے پالا یا خشکی یا اور کچھ (سو ہم نے اس کو ایسا صاف کر دیا کہ گویا کل) یہاں (وہ موجود ہی نہ تھی)۔ بس اسی نباتات کی طرح دنیوی زندگی ہے۔ (ہم اسی طرح آیتوں کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے) سمجھانے کے (لئے جو سوچتے ہیں) پس دنیا تو دار زوال ہوئی اور اس کے مقابلہ میں آخرت سلامتی اور بقاء کا دار ہے (اور اللہ تعالیٰ سلامتی و بقاء والے دار کی طرف) تم کو (بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ راست پر چلنے کی توفیق دے دیتا ہے) جس سے دار بقاء کی طرف رسائی ہو سکتی ہے اور دار بقاء یعنی جنت تک کون پہنچتے ہیں تو (جن لوگوں نے نیکی کی ہے) یعنی ایمان لائے اور نیک عمل کئے (ان کے واسطے بھلائی) یعنی جنت (ہے اور اس پر مزید) خدا کا دیدار (بھی اور ان کے چہروں پر نہ) غم کی (سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور) اس کے بالمقابل (جن لوگوں نے برے کام کئے) یعنی شرک و کفر کیا (ان کی برائی کی سزا اس) برائی (کے برابر ملے گی) برائی سے زیادہ نہ ہوگی (اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ ان کو اللہ) کے عذاب (سے کوئی نہ بچا سکے گا) ان کے چہرہ کی سیاہی کی ایسی حالت ہوگی کہ (گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت کے پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

ربط: دنیا کے فنا ہونے کے بعد مشرکوں کے شرک کی قلعی کھل جائے گی اور ان کے خود ساختہ معبود خود ان سے اظہار بیزاری کریں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ

نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ ھُنَالِکَ تَبْلُوْا
کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان کو سب کے سب پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا اپنی جگہ (کھڑے) رہو تم اور تمہارے شریک۔ پھر پھوٹ ڈال دی ہم نے ان کے درمیان اور کہا ان کے شریکوں نے نہیں تھے تم ہماری عبادت کرتے۔ سو کفایت ہوئی اللہ سے بطور گواہ کے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ بے شک ہم تھے تمہاری عبادت سے غافل۔ اس جگہ آزمالے گا ہر شخص جو اس نے پہلے کیا اور لوٹائے جائیں گے وہ طرف اللہ اپنے مالک حق کے اور کھو جائے گا ان سے جو وہ گھڑتے تھے۔

تفسیر: (اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس روز ہم ان سب) مخلوقات (کو) قیامت کے میدان میں (جمع کریں گے پھر) ان تمام مخلوقات میں سے (مشرکین سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے) تجویز کئے ہوئے (شریک) جن کو تم عبادت میں خدا کا شریک ٹھہراتے تھے ذرا (اپنی جگہ ٹھہرو) تاکہ تم کو تمہارے عقیدے کی حقیقت سے باخبر کیا جائے (پھر ہم ان) عابدوں اور معبودوں (کے آپس میں پھوٹ ڈال دیں گے اور ان کے وہ شریک) ان سے خطاب کر کے (کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) کیونکہ عبادت سے مقصود ہوتا ہے معبود کو راضی کرنا (سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے کہ) ہم تمہاری عبادت سے راضی تو کیا ہوتے (ہم کو تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی) البتہ یہ تم کو شیاطین کی تعلیم تھی اور وہی راضی تھے تو اس اعتبار سے تم ان ہی کی پرستش کرتے تھے علم نہ ہونا بت ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ وہ جمادات ہیں اور فرشتے یا بزرگ ارواح ہونے کی صورت میں اس وجہ سے کہ ان کو ہر ہر بات کا تو علم نہیں۔ (اس مقام پر ہر شخص اپنے کئے ہوئے کاموں کا امتحان کر لے گا) کہ آیا واقع میں یہ اعمال نافع تھے یا غیر نافع۔ چنانچہ ان مشرکوں کی بھی یہ حقیقت کھل جائے گی کہ جن کی شفاعت کے بھروسے پر ہم ان کو پوجتے تھے انہوں نے ہمیں نفع تو کیا پہنچانا الٹا ہمارے خلاف شہادت دے دی (اور یہ لوگ اللہ) کے عذاب (کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ معبود تراش رکھے تھے سب ان سے غائب) اور گم (ہو جائیں گے) کوئی بھی تو کام نہ آئے گا۔

ربط: شروع میں توحید، رسالت، معاد اور قرآن کی حقیت کا مختصر بیان ہوا تھا۔ آگے ان کا

تفصیلی بیان کرتے ہیں۔

توحید کے حق ہونے کا اثبات اور شرک کا ابطال

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ
يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا
الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى
الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ
مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ
قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ
اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾
وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: تو کہہ کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تدبیر کرتا ہے (تمام) کام کی۔ سو کہیں گے کہ اللہ۔ تو تو کہہ کیا پھر تم پرہیز نہیں کرتے ہو۔ سو یہ ہے اللہ رب تمہارا سچا۔ پس کیا ہے پیچھے حق کے مگر گمراہی۔ تو کہاں تم پھیرے جاتے ہو۔ اسی طرح ثابت ہوئی بات تیرے رب کی اوپر ان لوگوں کے جنہوں نے نافرمانی کی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تو کہہ کیا تمہارے شریکوں میں وہ ہے جو پہلی بار کرے پیدائش کو پھر اعادہ کرے اس کا۔ تو کہہ اللہ پہلی بار کرتا ہے پیدائش کو پھر اعادہ کرتا ہے اس کا۔ سو تم کہاں سے پلٹائے جاتے ہو۔ تو کہہ کیا تمہارے شریکوں میں وہ ہے جو ہدایت کرے حق کی طرف۔ تو کہہ اللہ

ہدایت کرتا ہے حق کی۔ کیا پس وہ جو ہدایت کرتا ہے حق کی طرف زیادہ حقدار ہے کہ پیروی کیا جائے یا وہ جو راہ نہ پائے مگر (جب) کہ راہ بتایا جائے۔ تو کیا ہے تم کو۔ کیسا تم حکم لگاتے ہو۔ اور نہیں پیروی کرتے ان کے اکثر مگر اٹکل کی۔ بلاشبہ اٹکل نہیں کفایت کرتا حق سے کچھ بھی۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: (آپ) ان مشرکین سے (کہئے کہ) بتاؤ (وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے) یعنی آسمان سے بارش برساتا ہے اور زمین سے نباتات پیدا کرتا ہے جس سے تمہارا رزق تیار ہوتا ہے (یا) یہ بتاؤ کہ (وہ کون ہے جو) تمہارے (کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے) کہ پیدا بھی اسی نے کیا اور حفاظت بھی وہی کرتا ہے اور اگر چاہتا ہے تو ان کو ماؤف کر دیتا ہے (اور وہ کون ہے جو جاندار) چیز (کو بے جان) چیز (سے نکالتا ہے اور بے جان) چیز (کو جاندار) چیز (سے نکالتا ہے) جیسے انڈہ کہ اس کو جاندار سے نکالتا ہے اور خود اس سے جاندار کو نکالتا ہے (اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے) ان سے یہ سوالات کیجئے (سو ضرور وہ) جواب میں (یہی کہیں گے کہ) ان سب افعال کا فاعل (اللہ) ہے کیونکہ مشرک بھی یہ مانتے تھے کہ کلی امور اور اہم کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا (تو ان سے کہئے کہ پھر) شرک سے (پرہیز کیوں نہیں کرتے) اور اللہ کے سوا دوسروں کو معبود کیوں بناتے ہو حالانکہ معبود تو صرف وہ ہو سکتا ہے جو خالق کل، مالک الملک رب مطلق اور علی الاطلاق متصرف ہو۔ سو) جس کے یہ افعال اور اوصاف ذکر ہوئے (یہ ہے اللہ جو تمہارا حقیقی رب ہے) اور جب حق بات ثابت ہوگئی تو (پھر حق) بات (کے بعد اور کیا رہ گیا سوائے گمراہی کے) یعنی جو بات حق کی ضد ہوگی وہ گمراہی ہے۔ اور توحید کا حق ہونا ثابت ہوا تو شرک کا گمراہی ہونا بھی ثابت ہو گیا (پھر) حق کو چھوڑ کر (کہاں) باطل کی طرف (پھرے جاتے ہو)۔ اور یہ سب جان لینے کے باوجود بھی پھرے جاتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کی سرکشی اور نافرمانی طے شدہ ہے سو (اسی طرح آپ کے رب کی یہ) ازلی (بات کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے) لیکن جب تک یہ دنیا میں ہیں ان کے لئے غور کرنے کے بہت سے رستے کھلے ہیں سو (آپ) ان سے (یوں) بھی (کہئے کہ کیا تمہارے) تجویز کئے ہوئے (شریکوں میں) خواہ وہ عقل والے ہوں جیسے شیطان یا عقل والے نہ ہوں جیسے بت (کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی) مخلوق کو (پیدا کرے پھر) قیامت میں (دوبارہ بھی پیدا کرے) اگر وہ اس وجہ سے کہ اس میں ان کے شریکوں کی توہین ہے جواب میں تامل کریں تو (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا سو) اس بات کی تحقیق ہو جانے کے بعد

(پھر تم کہاں) حق سے (پھرے جاتے ہو) اور (آپ) ان سے یوں بھی (کہئے کہ کیا تمہارے) تجویز کئے ہوئے عقل والے (شریکوں میں) جیسے شیاطین ہیں (کوئی ایسا ہے کہ حق بات کا رستہ) بتاتا ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق بات کا رستہ بھی (بتاتا ہے) چنانچہ اس نے اس غرض سے صاحب عقل انبیا بھیجے جب کہ شیطان تو اپنی تمامتر صلاحیتیں لوگوں کو گمراہ کرنے میں صرف کرتے ہیں (تو پھر) ان سے کہئے کہ یہ بتاؤ کہ (آیا جو حق بات کا رستہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جس کو بتلائے بغیر خود ہی رستہ نہ معلوم ہو سکے) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کو حق بات سمجھا دی جائے تب بھی اس پر عمل نہ کریں جیسے شیاطین ہیں۔ پھر جب یہ اتباع کے قابل بھی نہیں تو عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں (تو) اے مشرکو (تم کو کیا ہو گیا تم کیسی تجویزیں کرتے ہو) کہ توحید کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرتے ہو (اور) تماشا یہ ہے کہ اپنی اس تجویز اور عقیدہ پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ (ان میں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں) اور (یقیناً بے اصل خیالات حق بات) کے اثبات (میں ذرا بھی مفید نہیں) خیر (یہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً اللہ کو سب خبر ہے) وقت پر سزا دے گا۔

فائدہ: مشرک تو اعادہ خلق کے قائل نہ تھے پھر یہ کیسے فرمایا هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر اس کا اعادہ بھی کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کے لئے اول مرتبہ تخلیق کی قدرت مانیں وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوتا ہے چاہے دوبارہ پیدا کرنے کا عقیدہ نہ رکھیں۔

قرآن کے حق ہونے کا اثبات

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ
يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ
وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا
بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّا يُؤۡمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑ لیا جائے اللہ کے سوا سے ولیکن (یہ) تصدیق ہے اس (کلام) کی جو اس سے پہلے ہے اور تفصیل ہے کتاب کی۔ نہیں ہے کوئی شک اس میں، رب العالمین کی جانب سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ (رسول نے) گھڑ لیا ہے اس کو۔ تو کہہ پس لے آؤ ایک سورت اس کی مثل اور بلا لو جس کی تم استطاعت رکھو سوائے اللہ کے اگر ہو تم سچے۔ بلکہ جھٹلایا انہوں نے اس بات کو کہ نہیں احاطہ کیا انہوں نے جس کے علم کا اور ابھی تک نہیں آیا ان کے پاس جس کا آخری نتیجہ۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو تھے ان سے پہلے سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام ظالموں کا۔ اور ان میں سے (بعض) وہ ہیں جو یقین کرتے ہیں اس (قرآن) پر اور ان میں سے وہ ہیں جو یقین نہیں رکھتے اس پر اور تیرا رب خوب جاننے والا ہے مفسدوں کو۔

تفسیر: (اور یہ قرآن افتراء کیا ہوا نہیں ہے کہ غیر اللہ سے صادر ہوا ہو بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے) نازل (ہو چکی ہیں اور ضروری احکام) خداوندی (کی تفصیل بیان کرنے والا ہے) اور (اس میں کوئی بات شک) وشبہ (کی نہیں) اور وہ (رب العالمین کی طرف سے) نازل ہوئی (ہے۔ کیا) اس کے باوجود کہ یہ گھڑی ہوئی نہیں ہے (یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ) نعوذ باللہ (آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے۔ آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا (تو پھر تم) بھی تو عربی ہو اور اعلیٰ درجہ کے فصیح و بلیغ ہو (اس کی مثل ایک ہی سورت) بنا (لاؤ اور) اکیلے نہیں (جن جن غیر اللہ کو بلا سکو ان کو) مدد کے لئے (بلا لو اگر تم) اپنے اس دعویٰ میں (سچے ہو) کہ نعوذ باللہ میں نے قرآن کو اپنے پاس سے بنا لیا ہے کیونکہ اس وقت تمہارے لئے بھی اس جیسی ایک سورت ہی بنا لینا کچھ مشکل نہ ہوگا۔ مگر اصل بات تو یہ ہے کہ اس قسم کے دلائل سے تو صرف وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو سمجھنا بھی چاہتے ہوں جب کہ ان لوگوں نے تو کبھی سمجھنا ہی نہ چاہا (بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس) کے صحیح یا غلط ہونے (کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے) اور نہ ہی اس کی حقیقت کو سمجھنے کا ارادہ کیا تو ایسے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ سمجھیں گے (اور) ان کی اس بے فکری اور بے پرواہی کی وجہ یہ ہے کہ (اب تک ان کو اس) قرآن کی تکذیب (کا اخیر نتیجہ نہیں ملا) یعنی عذاب نہیں آیا ورنہ آنکھیں کھل جاتیں اور حق و باطل ممتاز ہو جاتا۔ لیکن آخر کبھی تو نتیجہ پیش آنے والا ہے ہی مگر اس وقت ایمان لانا نفع نہ دے گا چنانچہ (جو) کافر لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح) جیسے بلا تحقیق

یہ ان سے پہلے گزر گئے ہیں (انہوں نے بھی) حق باتوں کو (جھٹلایا تھا سو دیکھ لیجئے ان ظالموں کا انجام کیسا) برا (ہوا) اسی طرح ان کا ہوگا (اور) ہم جو ان کا انجام بد بتلا رہے سو سب مراد نہیں کیونکہ (ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اس) قرآن (پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہ لائیں گے اور آپ کا رب) ان (مفسدوں کو خوب جانتا ہے) جو ایمان نہ لائیں گے اور وقت موعود پر ان کو سزا دے گا۔

فائدہ: لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جس چیز کے بارے میں بات کرے پہلے اس کی تحقیق تو کرلے۔ تحقیق کے بعد بات کرے۔

رسالت کے حق ہونے کا اثبات

وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور اگر وہ جھٹلائیں تجھ کو تو تو کہہ دے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے۔ تم بری ہو اس سے جو میں عمل کرتا ہوں اور میں بری ہوں اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں تیری طرف، کیا پس تو سناتا ہے بہروں کو اگرچہ وہ نہ سمجھتے ہوں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دیکھتے ہیں تیری طرف، کیا پس تو راہ دکھاتا ہے اندھوں کو اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں۔ بیشک اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر کچھ بھی ولیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور اگر) ان دلائل کے بعد بھی (آپ کو جھٹلاتے رہیں تو) بس آخری بات (یہ کہہ دیجئے کہ) اچھا بھئی (میرا کیا ہوا مجھ کو ملے گا اور تمہارا کیا ہوا تم کو ملے گا۔ تم میرے کئے ہوئے کے جوابدہ نہیں اور میں تمہارے کئے ہوئے کا جوابدہ نہیں ہوں) جس طریقہ پر تم چاہو رہو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا (اور) آپ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیجئے کیونکہ (ان میں) گو (بعض ایسے) بھی (ہیں جو) ظاہر میں (آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھتے ہیں) لیکن دل میں ایمان اور حق طلبی کا ارادہ

نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے اور ان کی حالت بہروں کی سی ہوئی تو (پھر کیا آپ بہروں کو سنا) کر ان سے ماننے کا انتظار کر (تے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو) ہاں اگر سمجھ ہوتی تو بہرے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا (اور) اسی طرح (ان میں بعض ایسے ہیں کہ) بظاہر (آپ کو) اور آپ کے کمالات اور معجزات کو (دیکھ رہے ہیں لیکن طلب حق نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حالت اندھوں کی مانند ہے تو (پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو) ہاں اگر بصیرت ہوتی تو اندھے پن میں بھی کچھ کام چل سکتا تھا۔ اور ان کی عقلیں جو اس طرح تباہ ہوگئی ہیں تو (یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا) کہ ان کو ہدایت کی قابلیت ہی نہ دے اور پھر بھی مواخذہ کرے (لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں) کہ ملی ہوئی قابلیت کو ضائع کر دیتے ہیں اور اس سے کام نہیں لیتے۔

آخرت کی سزا اور ضمنا دنیا کی سزا کی تفصیل

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ
خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا
نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا
جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ
لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ
اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ
اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ
قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع وَلَوْ اَنَّ
لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا
النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ
وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور جس دن جمع کرے گا ان کو گویا کہ وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن سے۔ باہم پہچانیں گے آپس میں۔ بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور نہ ہوئے وہ ہدایت یافتہ۔ اور اگر ہم دکھائیں تجھ کو بعض وہ چیز کہ (جس کا) ہم وعدہ دیتے ہیں ان کو یا ہم وفات دے دیں تجھ کو تو ہماری طرف ہے ان کا لوٹنا۔ پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو یہ کرتے ہیں۔ اور ہر امت کے واسطے ایک رسول ہے تو جب آ جاتا ہے ان کا رسول فیصلہ کر دیا جاتا ہے ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور وہ ظلم نہیں کئے جاتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم ہو سچے۔ تو کہہ نہیں میں اختیار رکھتا اپنے لئے کسی ضرر کا اور نہ کسی نفع کا مگر جو چاہے اللہ۔ واسطے ہر امت کے ایک مقرر وقت ہے۔ جب آ جاتا ہے ان کا مقررہ وقت تو نہیں پیچھے ہٹتے ایک گھڑی اور نہ آگے ہوتے ہیں۔ تو کہہ کیا دیکھا تم نے اگر آئے تم پر اس کا عذاب رات کو یا دن کو کس چیز کی جلدی کر لیں گے اس سے (پہلے) مجرم۔ کیا پھر جب واقع ہو چکے گا (عذاب) تم ایمان لاؤ گے اس پر۔ کیا اب (لائے ایمان) حالانکہ تم اس کی جلدی مچاتے تھے۔ پھر کہا جائے گا ان سے جنہوں نے ظلم کیا چکھو عذاب ہمیشگی کا نہیں تم بدلہ دیئے جاتے مگر اس کا جو تم کماتے تھے۔ اور وہ خبر پوچھتے ہیں تجھ سے کیا سچ ہے وہ (بات)۔ تو کہہ ہاں قسم ہے میرے رب کی بلاشبہ وہ حق ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ اور اگر ہو ہر شخص کے لئے جس نے ظلم کیا جو کچھ زمین میں ہے تو وہ فدیہ میں دیدے اس کو۔ اور چھپائیں گے ندامت جب دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کر دیا جائے گا

ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے۔ آگاہ ہو بلاشبہ اللہ کے لئے
ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ آگاہ ہو بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے ولیکن اکثر ان کے
نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (اور ان کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا کہ) وہ قیامت کے طویل اور شدید دن کے مقابلہ میں دنیا و برزخ کی مدت اور تکلیفوں کو بھول کر یوں سمجھیں گے (گویا وہ) دنیا یا برزخ میں (پورے دن کی ایک آدھ گھڑی رہے ہوں گے) کہ وہ زمانہ بہت جلد گذر گیا (اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے) بھی لیکن ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکیں گے۔ اس سے مزید رنج و صدمہ ہوگا کیونکہ شناسا لوگوں سے نفع کی توقع ہوا کرتی ہے (واقعی) اس وقت سخت (خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے پاس جانے کو جھٹلایا اور وہ) دنیا میں بھی (ہدایت پانے والے نہ تھے) اسی لئے آج خسارہ میں پڑے۔ غرض ان کے عذاب کا اصلی وقت تو قیامت کا دن ہے وہ ان کو یاد کرا دیجئے (اور) رہا دنیا میں ان پر عذاب واقع ہونا سو اس کے بارے میں یہ بات ہے کہ (جس) عذاب (کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں کچھ تھوڑا سا) عذاب (اگر ہم آپ کو دکھا دیں) یعنی آپ کی زندگی میں ان پر نازل ہو جائے جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا (یا) اس کے نازل ہونے سے پہلے ہی (ہم آپ کو وفات دے دیں) اس لئے آپ کے سامنے اس بعض عذاب کا ظہور نہ ہو بہر حال دونوں صورتوں میں یہ بات یقینی ہے کہ عذاب کے وعدے پورے ہو کر رہیں گے اور اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کافروں کو سزا نہ ملی تو آخرت میں ملے گی کیونکہ (ہمارے پاس تو ان کو آنا ہی ہے پھر) سب کو معلوم ہی ہے کہ (اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے) غرض یہ ہم سے نہیں بچ سکتے اور ہم نے جو ان کی سزا کا فیصلہ دیا ہے تو اتمام حجت اور ہر قسم کے عذر کے ازالہ کے بعد کیا ہے۔ (اور) ہمارا یہ طریقہ عرب کے کافروں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہماری یہ عادت رہی ہے کہ جن امتوں پر ہم نے اپنا عذاب نازل کیا ہے ان میں سے (ہر ہر امت کے لئے ایک رسول) یعنی حکم پہنچانے والا ہوا (ہے سو جب ان کا وہ رسول) ان کے پاس (آجاتا ہے) اور احکام پہنچا دیتا ہے اس کے بعد (ان) کے نہ ماننے والوں پر عذاب (کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کر دیا جاتا ہے اور ان پر) ذرا بھی (ظلم نہیں کیا جاتا) کیونکہ اتمام حجت اور ہر قسم کے عذر کے ازالہ کے بعد سزا دینا انصاف کے خلاف نہیں ہے (اور یہ لوگ) عذاب کی وعیدیں سن کر تکذیب کی غرض سے یوں (کہتے ہیں کہ) اے نبی اور اے مسلمانو! عذاب کا (یہ وعدہ کب) پورا (ہوگا۔ اگر تم سچے ہو) تو اس کو پورا کیوں نہیں کرا دیتے (آپ) سب کی طرف سے جواب میں (فرما دیجئے کہ میں) خود (خاص اپنی

ذات کے لئے تو کسی نفع) کے حاصل کرنے (کا اور کسی ضرر) کے دفع کرنے (کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا کو منظور ہو بس وہی ہوتا ہے تو جب خاص اپنے نفع و نقصان کا میں مالک نہیں ہوں تو کسی دوسرے کے نفع و نقصان کا مالک کیسے ہو سکتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عذاب نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور اللہ کے آگے کسی کا زور نہیں کہ اپنی مرضی سے اس سے عذاب نازل کروالے۔ رہا یہ کہ عذاب پھر کب واقع ہوگا تو بات یہ ہے کہ (ہر امت کے) عذاب کے (لئے) اللہ کے نزدیک (ایک معین وقت ہے۔ جب ان کا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو) اس وقت (ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں) بلکہ فوراً عذاب واقع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمہارے نہ ماننے کی صورت میں تمہارے عذاب کا بھی وقت معین ہے اس وقت اس کا وقوع ہو جائے گا اور عذاب کی تکذیب کی خاطر جو یہ فرمائش کرتے ہیں کہ عذاب کو جلدی لے آؤ تو اس کے متعلق (آپ) ان سے (فرما دیجئے کہ یہ بتاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب رات کو آ پڑے یا دن کو) آپڑے (تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں) کیونکہ عذاب تو سخت اور پناہ مانگنے والی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی اور چونکہ اس جلد طلب سے ان کا مقصد تکذیب تھی اس لئے فرماتے ہیں کہ (کیا) اب تو تکذیب کر رہے ہو جب کہ تصدیق کا نفع ہو سکتا ہے۔ (پھر جب) یہ وقت گزر جائے گا اور (وہ موعود وقت آ ہی پڑے گا) اور تصدیق کچھ نفع نہ دے گی کیا اس وقت (اس کی تصدیق کرو گے) لیکن اس وقت تصدیق کا نفع تو نہ ہوگا البتہ یوں کہا جائے گا کہ (ہاں اب مانا حالانکہ) پہلے تو (تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔ پھر ظالموں) یعنی مشرکوں (سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو، تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملا ہے۔ اور) جب ہر طرح سے ان کو سمجھا دیا گیا لیکن ان کے دل اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے تو (یہ لوگ) تعجب اور انکار کی ملی جلی انتہائی کیفیت سے (آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا عذاب واقعی بات ہے۔ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم وہ واقعی چیز ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے) کہ وہ عذاب دینا چاہے لیکن تم اپنے آپ کو اس سے بچالو۔ اور اس عذاب کو معمولی نہ سمجھو۔ اس کی شدت اتنی ہوگی کہ (اگر ہر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا) مال (ہو کہ ساری زمین بھر جائے تب بھی اس کو دے کر جان بچانے لگے) اگر چہ قیامت کے دن کسی کے پاس کچھ بھی مال نہ ہوگا لیکن بالفرض اتنا بڑا خزانہ کسی کے پاس تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ اس کو فدیہ میں دینے پر تیار ہوگا لیکن وہ اس سے قبول ہی نہ کیا جائے گا (اور جب عذاب دیکھیں گے تو) مزید رسوائی کے خوف سے اول تو (پشیمانی کو) اپنے دل میں (چھپائیں گے) اور کوشش کریں گے کہ ان کے کسی قول و فعل سے وہ ظاہر نہ ہونے پائے لیکن عذاب کی شدت ہی اتنی

ہوگی کہ صبر وتحمل ان کے بس میں نہ رہے گا اور اپنی ندامت و پشیمانی کو خود ہی کھول دیں گے جیسا کہ ایک آیت میں ہے یَا حَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ یعنی ہائے افسوس اپنی کوتاہی پر (اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہو گا اور ان پر) کچھ بھی (ظلم نہ ہو گا۔ یاد رکھو) مجرموں سمیت (جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ ہی کی ملک ہیں) ان میں اس کو ہر قسم کا تصرف کرنے اور فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور اسی کے تحت اس نے اپنا فیصلہ کر کے اس کا وعدہ دے رکھا ہے تو (یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) اس لئے قیامت کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا (لیکن بہت سے لوگ) ان تمام وضاحتوں اور تنبیہوں کے باوجود (یقین ہی نہیں کرتے) حالانکہ (وہی جان ڈالتا ہے) اور وہی جان نکالتا ہے) اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا تو کچھ بھی مشکل نہیں (اور تم سب اسی کے پاس لائے جاؤ گے) اور حساب کتاب ہوگا۔

ربط: دنیوی اور اخروی عذاب کے بارے میں ضروری وضاحتوں کے بعد مثبت طور پر ترغیبی مضمون بیان کرتے ہیں کہ۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اے لوگو آئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی جانب سے اور شفا واسطے اس (بیماری) کے جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت واسطے مومنوں کے۔ تو کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت سے سو اسی پر چاہئے کہ وہ خوش ہوں۔ یہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

تفسیر: (اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو) برے کاموں سے روکنے کیلئے (نصیحت ہے اور) اگر اس پر عمل کر کے برے کاموں سے بچیں تو (دلوں میں جو) برے کاموں سے (روگ) ہو جاتے (ہیں ان کے لئے شفا ہے اور) نیک کاموں کے کرنے کیلئے (رہنمائی کرنے والی ہے اور) اگر اس پر عمل کر کے نیک کاموں کو اختیار کریں تو (رحمت) اور ثواب کا ذریعہ (ہے)۔ اور یہ سب برکتیں (ایمان والوں کیلئے) ہیں کیونکہ وہی عمل کرتے ہیں۔ پس قرآن کی یہ برکتیں سنا کر (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ) جب قرآن ایسی چیز ہے تو (لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہئے) اور اس کو عظیم دولت سمجھ کر لینا چاہئے (وہ اس) دنیا (سے

بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں) کیونکہ دنیا کا نفع قلیل اور فانی ہے جب کہ قرآن کا نفع کثیر اور ہمیشہ کے لئے باقی رہنے والا ہے۔

ربط: بجائے اس کے کہ ہدایت کو قبول کریں مشرکین تو الٹا خدا تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: تو کہہ کیا دیکھا تم نے جو اتارا اللہ نے تمہارے لئے رزق پھر ٹھہرا لیا تم نے اس میں کوئی حرام اور کوئی حلال۔ تو کہہ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو یا اللہ پر تم افتراء کرتے ہو۔ اور کیا خیال ہے ان لوگوں کا جو افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ قیامت کے دن (کے بارے میں)۔ بے شک اللہ فضل والا ہے لوگوں پر ولیکن ان میں اکثر قدر نہیں کرتے۔

تفسیر: (آپ) ان سے (کہئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے) نفع کے (لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے) اپنی طرف سے گھڑ کر (اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا) حالانکہ جس کو تم نے از خود حرام قرار دیا اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ تو (آپ) ان سے (پوچھئے کہ کیا تم کو خدا نے حکم دیا ہے یا) محض (اللہ پر) اپنی طرف سے (افتراء ہی کرتے ہو۔ اور) چونکہ اس کا احتمال ہی نہیں کہ خدا نے حکم دیا ہو اس لئے ان کا افتراء کرنا متعین ہے۔ اسی وجہ سے اسؐ پر وعید کرتے ہیں کہ (جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں) اور اس پر بالکل نہیں ڈرتے (ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے) کیا وہ سمجھتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی یا آئے گی مگر انؐ سے باز پرس نہیں ہوگی (واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے) کہ ساتھ کے ساتھ سزا نہیں دیتا بلکہ توبہ کے لئے مہلت دے رکھی ہے (لیکن اکثر لوگ ناقدرے ہیں) ورنہ توبہ کر لیتے۔

ربط: کافروں کی مذکورہ بالا تمام باتوں سے نبی ﷺ کو طبعاً رنج ہوتا تھا۔ آپ کی تسلی کرتے ہیں۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ

عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ
اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا
يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا
تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ
قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہیں تلاوت کرتا تو اس (اللہ) کی طرف سے کچھ قرآن اور نہیں عمل کرتے تم کچھ عمل مگر ہم ہوتے ہیں تم پر گواہ جب تم شروع کرتے ہو اس میں۔ اور نہیں غائب رہتا تیرے رب سے کچھ ذرہ کے برابر زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چھوٹی چیز اس سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر یہ کہ ہے کھلی ہوئی کتاب میں۔ خبردار بے شک اللہ کے دوست نہ ہوگا خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے ان کے لئے خوشخبری ہے حیات دنیوی میں اور آخرت میں۔ نہیں ہے تبدیلی اللہ کے کلمات کے لئے۔ یہی ہے کامیابی بڑی۔ اور نہ غمگین کرے تجھے ان کی بات۔ بے شک زور اللہ کے لئے ہے سب کا سب۔ وہی ہے سننے والا جاننے والا۔ خبردار بے شک اللہ ہی کا ہے جو ہے آسمانوں میں اور جو ہے زمین میں۔ اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو پکارتے ہیں سوائے اللہ کے شریکوں کو۔ نہیں وہ پیروی کرتے مگر اٹکل کی اور نہیں وہ مگر اٹکل کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور آپ) خواہ (کسی حال میں ہوں اور) ان حالتوں میں سے ایک یہ حالت کہ (آپ کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور) اسی طرح تم اور لوگ بھی جتنے ہو (تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو ان سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔ اور آپ کے رب) کے علم (سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں) بلکہ سب اس کے علم میں موجود ہیں

(اور نہ کوئی چیز اس) مذکورہ مقدار (سے چھوٹی ہے اور نہ کوئی چیز) اس سے (بڑی ہے مگر یہ سب) علم الٰہی کے ان کا احاطہ کرنے کی وجہ سے (کتاب مبین) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھی (ہے۔ یاد رکھو) علم الٰہی اور لوح محفوظ کی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خالص دوستوں پر نہ تو وہ خوف ہوتا ہے جو ناپسندیدہ بات کے پیش آ جانے سے ہو اور نہ وہ غم ہوتا ہے جو مطلوب کے حصول میں ناکامی سے ہو کیونکہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی رضا کے علاوہ کوئی آرزو ہی نہیں رکھتے جو ناکامی پر رنج وغم ہو اور ہر حالت کو اگرچہ ناپسندیدہ ہی ہو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتے ہیں اور اس پر صبر کرنے میں محبوب کی رضا سمجھتے ہیں تو اس سے خوف و اندیشہ کا کیا معنی۔ طبعی طور پر غم وخوف ہونا جیسا نبی ﷺ کو اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات پر غم ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی کے اژدہا بننے پر خوف ہوا اس کے منافی نہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ (اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) اور (یہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور) گناہوں سے (پرہیز کرتے ہیں۔ ان کے لئے خوشخبری ہے دنیوی زندگی میں بھی) مثلاً یہ کہ ان کو مذکورہ بالا خوف وحزن نہ ہوگا، ان کو اپنے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص تائید حاصل ہوتی ہے، لوگوں میں ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے اور نیند میں خواب بھی سچے اور بابرکت دیکھتے ہیں۔ (اور) ان کے لئے خوشخبری ہے (آخرت میں بھی)۔ اور (اللہ کی باتوں میں) یعنی وعدوں میں (کچھ فرق نہیں ہوا کرتا) لہٰذا جب ان سے خوشخبری کا وعدہ ہو گیا تو وہ پورا ہو کر ہی رہے گا اور (یہ) مذکورہ خوشخبری (بڑی کامیابی ہے۔ اور) جب اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے ساتھ یہ معاملہ فرماتا ہے تو آپ کا مقام تو بہت اونچا ہے تو (آپ کو ان کی) کفر اور طعن کی (باتیں غم میں نہ ڈالیں) کیونکہ علم ہونے اور حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ (تمام زور) اور قدرت بھی (خدا ہی کے لئے) ثابت (ہے) وہ اپنی قدرت سے حسب وعدہ آپ کی حفاظت کرے گا (وہ) ان کی باتیں (سنتا ہے) اور ان کی حالت (جانتا ہے) لہٰذا وہ آپ کا بدلہ ان سے خود لے لے گا (یاد رکھو کہ جتنے کچھ آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں) یعنی فرشتے، انسان اور جن (یہ سب اللہ ہی کے) مملوک (ہیں) اس کی حفاظت اور اس کی جزا سزا کو کوئی روک نہیں سکتا اس لئے ہر اعتبار سے آپ تسلی رکھیں (اور) اگر کسی کو شبہ ہو کہ شاید شریک مزاحمت کر سکیں تو اس حقیقت کو سن لو کہ (جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسرے شریکوں کی عبادت کر رہے ہیں) خدا جانے (کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں) کیونکہ ان کے اس عقیدہ کی کوئی دلیل بھی تو نہیں ہے (محض بے سند خیال کا اتباع کر رہے ہیں اور محض اٹکل کی باتیں کر رہے ہیں) پس واقع میں وہ شریک خدائی صفات سے بالکل خالی ہیں لہٰذا ان کی طرف سے مزاحمت کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

فائدہ: ان آیات میں اولیاء اللہ کی تعریف یہ کی اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ یعنی جو مومن اور متقی ہوں۔ ایمان اور تقوی کے بہت سے درجے اور مرتبے ہیں لہٰذا جس درجہ کا ایمان وتقویٰ کسی میں موجود ہوگا اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لئے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار، دو ہزار، لاکھ دو لاکھ بھی لیکن عام طور سے دس بیس روپے کے مالک کو مالدار نہیں کہا جاتا۔ مالدار اسی وقت کہا جاتا ہے جب مال معتد بہ یعنی قابل ذکر مقدار میں موجود ہو۔ اسی طرح ایمان وتقویٰ کسی بھی درجہ میں ہو وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ ولی کہلائے جا سکتے ہیں لیکن عام طور پر ولی اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایمان وتقویٰ کا ایک خاص اور ممتاز درجہ پایا جاتا ہو۔ اور حدیث کی رو سے اس کی ایک علامت یہ ہے کہ اس شخص کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے۔

ربط: آگے ہدایت کرتے ہیں کہ بجائے اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے کے ان کی نشانیوں کو دیکھو اور سبق حاصل کرو۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ
وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ
عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾
قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۶۹﴾
مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ
الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

ترجمہ: وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات کو تاکہ تم سکون حاصل کرو اس میں اور (بنایا) دن کو دکھلانے والا۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ کہا اختیار کر لی اللہ نے اولاد۔ وہ پاک ہے، وہ بے نیاز ہے۔ اسی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔ نہیں تمہارے پاس کوئی دلیل اس کی۔ کیا تم کہتے ہو اللہ پر جو نہیں تم جانتے۔ تو کہہ بلاشبہ جو لوگ افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ وہ فلاح نہیں

پاتے۔ تھوڑا سا نفع (اٹھانا) ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے ان کو سخت عذاب بسبب اس کے جو وہ کفر کرتے تھے۔

تفسیر: (وہ) اللہ (ایسا ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن بھی اس طور پر بنایا کہ) روشن ہونے کی وجہ سے (دیکھنے بھالنے کا ذریعہ ہے۔ اس) بنانے (میں) توحید کے (دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو) تدبر کے ساتھ ان مضامین کو (سنتے ہیں)۔ مشرکین تو ان دلائل میں غور ہی نہیں کرتے اور شرک کی باتیں کہے جاتے ہیں جن میں سے ایک (وہ) یہ (کہتے ہیں کہ) نعوذ باللہ (اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ سبحان اللہ) کیسی سخت بات کہی (وہ تو غنی ہے) کسی کا محتاج نہیں نہ بیوی کا نہ بچوں کا، نہ سہارے کا اور نہ نام روشن کرنے والے وارث کا۔ وہ تو سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں (اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) پس سب مملوک ہوئے وہ مالک ہوا سب مخلوق ہوئے وہ خالق ہوا۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ اس طرح سے ہم نے اولاد کی نفی کے اپنے دعوے پر دلیل قائم کر دی اب رہا تمہارا دعویٰ تو (تمہارے پاس) سوائے بے ہودہ دعوے کے (اس) دعوے (پر کوئی دلیل) بھی (نہیں) تو (کیا اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تم) کسی دلیل سے (علم نہیں رکھتے) اللہ تعالیٰ پر ان کا یہ افتراء بہت بڑا جرم ہے لہٰذا (آپ) ان کو اس افتراء کی وعید سنانے کے لئے (کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں وہ) کبھی (کامیاب نہ ہوں گے)۔ اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ ہم تو ایسوں کو خوب کامیاب اور نعمتوں سے مالا مال پاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ (یہ دنیا میں) چند روزہ (تھوڑا سا عیش ہے) جو بہت جلد ختم ہو جائے گا (پھر) مر کر (ہمارے پاس ہی ان کو آنا ہے پھر) آخرت میں (ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے سخت سزا چکھا دیں گے)۔

ربط: آگے تکذیب و افتراء کرنے والوں کے عبرتناک قصے ذکر کرتے ہیں۔

قوم کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي
الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۔

ترجمہ: اور پڑھ ان پر خبر نوح کی جب کہا اس نے اپنی قوم سے اے میری قوم اگر بھاری ہوا تم پر میرا رہنا اور میرا نصیحت کرنا اللہ کے احکام کے ساتھ تو اللہ پر بھروسہ کیا میں نے پس پختہ کرلو تم اپنے کام کو اور (جمع کرو) اپنے شریکوں کو پھر نہ ہو تمہارا کام تم پر چھپا ہوا (اور گھٹن کا باعث) پھر کر ڈالو میری طرف اور مت مہلت دو مجھ کو۔ پھر اگر تم منہ پھیرو تو نہیں مانگی میں نے تم سے کچھ اجرت۔ نہیں میری اجرت مگر اللہ پر اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ میں رہوں فرمانبرداروں میں سے۔ پس جھٹلایا (قوم نے) اس (یعنی نوح) کو سو نجات دی ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور کیا ہم نے ان کو جانشین اور غرق کیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پس دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا۔

تفسیر: (اور آپ ان کو نوح) علیہ السلام (کا قصہ پڑھ کر سنائیے) جو اس وقت واقع ہوا تھا (جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا) اس طرح سے کہ میں وعظ کرتا رہوں (اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری) اور ناگوار (معلوم ہوتا ہے تو) ہوا کرے میں کچھ پروا نہیں کرتا کیونکہ (میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے سو تم) مجھے نقصان پہنچانے سے متعلق (اپنی تدبیر) جو کچھ کرسکو (اپنے شریکوں) یعنی بتوں (کے ساتھ) مل کر (پختہ کرلو) یعنی تم اور تمہارے معبود سب مل کر میری ضرر رسانی میں اپنے ارمان پورے کرلو (پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن) اور دل کی تنگی (کا باعث نہ ہونا چاہئے) یعنی عام طور سے خفیہ تدبیر کرنے سے طبیعت میں ایک گھٹن رہتی ہے سو خفیہ تدبیر کی ضرورت نہیں جو کچھ تدبیر کرو دل کھول کر اور اعلانیہ کرو اور میرا کچھ لحاظ نہ کرو۔ اور اگر تدبیر کو خفیہ طور پر کرنا اس اندیشہ سے ہو کہ میں کہیں باہر نکل جاؤں گا تو تم مجھ پر پہرے لگا دو (پھر میرے ساتھ) جو کچھ کرنا ہے (کر گزرو اور مجھ کو) کچھ (مہلت نہ دو) حاصل یہ ہے کہ میں تمہاری ان باتوں سے ڈر کر تبلیغ سے نہیں رک سکتا۔ (پھر بھی اگر تم اعراض ہی کئے جاؤ) تو کیا تم کو اس کا ڈر ہے کہ

اگر میری نصیحت کو قبول کیا تو تم کو مجھے اجرت اور فیس دینی پڑے گی؟ اگر ایسا ہے تو تمہارا ڈر بے بنیاد ہے کیونکہ (میں نے تم سے) اس تبلیغ پر (کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا) اور میں تم سے کیوں مانگتا (میرا معاوضہ تو) اللہ تعالیٰ کے وعدہ کرم کے مطابق (اللہ ہی کے ذمے ہے) غرض نہ تو میں تم سے ڈرتا ہوں اور نہ ہی مجھ کو تم سے کچھ لالچ ہے (اور) چونکہ (مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں) اس لئے میں تو تبلیغ کے فرمان کو پورا کرتا ہوں اگر تم نہ مانو تو تم جانو (سو) اس تمام نصیحت کے باوجود (وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے پس) ان پر پانی کے طوفان کا عذاب مسلط ہوا اور (ہم نے) اس عذاب سے (ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور ان کو) زمین پر (جانشین بنایا) اور ان کو آباد کیا (اور) باقی جو لوگ رہ گئے تھے (جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو) اس طوفان میں (غرق کر دیا سو دیکھنا چاہئے کیسا) برا (انجام ہوا ان لوگوں کا جو) عذاب الٰہی سے (ڈرائے جا چکے تھے) یعنی وہ بے خبری میں ہلاک نہیں کئے گئے بلکہ پہلے سمجھا دیئے گئے تھے نہ مانا تو سزا پائی۔

عاد و ثمود کا اجمالی قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر بھیجا ہم نے ان (یعنی نوح) کے بعد رسولوں کو ان کی قوم کی طرف تو وہ لائے ان کے پاس کھلی دلیلیں۔ پس نہیں تھے وہ کہ ایمان لائیں اس چیز پر جھٹلایا انہوں نے جس کو اس سے پہلے۔ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر۔

تفسیر: (پھر نوح) علیہ السلام (کے بعد ہم نے اور رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس معجزات لے کر آئے) مگر (پھر) بھی ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی یہ کیفیت تھی کہ (جس چیز کو انہوں نے اول) وہلہ (میں) ایک بار (جھوٹا کہہ دیا یہ نہ ہوا کہ پھر اس کو مان لیتے) اور جیسے یہ لوگ دل کے سخت تھے (اللہ تعالیٰ اسی طرح سرکشوں) یعنی کافروں (کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں)۔

فرعون اور فرعونیوں کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ
مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ
لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا
اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ
فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ
بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا
مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ
السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

ترجمہ: پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ پس تکبر کیا انہوں نے اور وہ تھے لوگ مجرم۔ پس جب آئی ان کے پاس حق بات ہمارے پاس سے انہوں نے کہا بے شک یہ ہے جادو کھلا۔ کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو حق کو جب وہ آیا تمہارے پاس، کیا جادو ہے یہ، حالانکہ فلاح نہیں پاتے جادوگر۔ انہوں نے کہا کیا آیا ہے تو ہمارے پاس تاکہ تو پھیر دے ہم کو اس (رستہ) سے پایا ہم نے جس پر اپنے باپ دادوں کو اور (تاکہ) ہو جائے تم دونوں کے لئے سرداری زمین میں اور نہیں ہم تم کو ماننے والے۔ اور کہا فرعون نے لاؤ میرے پاس ہر جادوگر باخبر کو۔ پھر جب آئے جادوگر کہا ان سے موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا کہا موسیٰ نے جو تم لائے ہو (یہ) جادو ہے۔ بلاشبہ اللہ اس کو جلد باطل کر دے گا۔ بلاشبہ اللہ نہیں درست کرتا کام مفسدوں کا۔ اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو اپنے احکام سے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ۔

تفسیر: (پھر ان) مذکورہ پیغمبروں کے بعد (ہم نے موسیٰ اور ہارون) علیہما السلام (کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس) عصا اور ید بیضاء کے (اپنے معجزے دے کر بھیجا سو انہوں نے) اللہ تعالیٰ کی خدائی اور حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کی نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اس کی تصدیق

کرنے سے (تکبر کیا) اور اس کی حقانیت پر کچھ بھی تو غور نہ کیا (اور وہ لوگ جرائم کے خوگر تھے) اس لئے اطاعت نہ کی (پھر جب) حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی نبوت کے دعوے کے بعد (ان کو ہمارے پاس سے) ان کی نبوت پر بطور دلیل معجزے کی صورت میں (حق بات پہنچی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ یقینا یہ صریح جادو ہے کیونکہ ان کے خیال میں تمام خرق عادت چیزوں کا آخری درجہ جادو ہی ہو سکتا تھا (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کیا تم اس حق بات کی نسبت جب کہ وہ تمہارے پاس پہنچی ایسی بات کہتے ہو) کہ یہ جادو ہے (کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر) اگر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھیں تو خرق عادت دکھانے میں (کامیاب نہیں ہوا کرتے) جب کہ میں نبوت کا دعوی کر کے خرق عادت اور معجزہ دکھانے میں کامیاب ہوا ہوں تو یہ جادو کیسے ہو سکتا ہے۔ (وہ لوگ) اس تقریر کا تو کچھ جواب نہ دے سکے ویسے ہی ڈھٹائی سے (کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دو جس پر ہم نے اپنے بزرگوں کو پایا ہے اور) اس لئے آئے ہو کہ (تم دونوں کو دنیا میں حکومت) اور سرداری (مل جائے اور) تم خوب سمجھ لو کہ (ہم تم دونوں کو کبھی نہ مانیں گے۔ اور فرعون نے) اپنے سرداروں سے (کہا کہ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو) جو ہمارے ملک میں ہیں (حاضر کرو) چنانچہ وہ جمع کئے گئے (پھر جب وہ آئے) اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہوا تو (موسیٰ) علیہ السلام (نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو کچھ تم کو) میدان میں (ڈالنا ہے۔ سو جب انہوں نے) اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر (ڈالا اور تخیل و نظر بندی کے ذریعہ دیکھنے والوں کو ایسا دکھایا گویا کہ سارا میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے (تو موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا کہ جو کچھ تم) بنا کر (لائے ہو جادو) تو (یہ ہے) نہ وہ جو میں نے تمہیں بطور معجزہ دکھایا تھا (یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس) جادو (کو ابھی درہم برہم کئے دیتا ہے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کا کام بننے ہی نہیں دیتا) جو معجزہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں (اور اللہ تعالیٰ) جس طرح معجزہ کے مقابلہ میں باطل کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح (ثابت کر دیتا ہے حق بات کو اپنے حکم سے اگر چہ مجرم) اور کافر (لوگ کیسا ہی ناگوار سمجھیں)۔

ربط: اگر چہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پیشینگوئیوں کی وجہ سے ان کے منتظر تھے اور ان کو سچا جانتے تھے لیکن فرعون اور فرعونیوں کی سرکشی اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان سے خوفزدہ تھے۔ اس لئے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جب حق کا غلبہ ہو گا مسلمان ہو جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے فرعونیوں سے خائف ہونے کے باوجود ہمت کر کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبطی جو فرعون کی قوم سے تھے مشرف بایمان ہوئے۔ ان کے حالات کا ذکر کرتے ہیں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: سو نہیں ایمان لائے موسیٰ پر مگر چند نوجوان اس کی قوم سے، خوف کرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں سے کہ (کہیں) وہ تکلیف پہنچائے ان کو۔ اور بلاشبہ فرعون چڑھا ہوا ہے زمین میں اور بلاشبہ وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہے۔ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرمانبردار۔ انہوں نے کہا اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے، اے ہمارے رب مت بنا تو ہم کو نشانہ ظالم قوم کیلئے اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے۔ اور وحی کی ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف کہ تم دونوں برقرار رکھو اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رو اور قائم رکھو نماز کو اور خوشخبری دے ایمان والوں کو۔

تفسیر: (پس) جادوگروں سے مقابلہ کے بعد (موسیٰ) علیہ السلام (پر) شروع شروع میں (ان کی قوم میں سے صرف چند نوجوان ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں) ایمان ظاہر ہونے پر (ان کو تکلیف نہ پہنچائے اور واقع میں) ان کا ڈرنا بیجا نہ تھا کیونکہ فرعون اس ملک میں زور) حکومت (رکھتا تھا اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد) انصاف (سے باہر ہو جاتا تھا) اور ظلم کرنے لگتا تھا۔ جس شخص کے پاس حکومت واقتدار بھی ہو اور وہ ظلم بھی کرتا ہو تو اس سے ڈرتو لگتا ہی ہے (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) جب ان کو خوفزدہ دیکھا تو ان سے (فرمایا کہ اے میری قوم

اگر تم) سچے دل سے (اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو) سوچ بچار مت کرو بلکہ (اسی پر بھروسہ کرو اگر تم) اس کی (اطاعت کرنے والے ہو۔ انہوں نے) جواب میں (عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا) اور یہ کہنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ (اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے ساتھ ان کافر لوگوں سے نجات دے) کہ جب تک تقدیر میں ہم پر ان کی حکومت ہے یہ ہم پر ظلم نہ کرنے پائیں اور پھر بالآخر ان کی حکومت کے دائرہ سے ہی نکال دیجئے (اور ہم نے) اس دعا کے قبول کرنے کا سامان کیا کہ (موسیٰ) علیہ السلام (اور ان کے بھائی) ہارون علیہ السلام (کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لوگوں کے لئے مصر میں) بدستور (ان کے گھر برقرار رکھو) اور وہ ڈر کر اپنے گھر نہ چھوڑیں ہم ان کی حفاظت کریں گے (اور) چونکہ فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں برباد کر دی تھیں اور کسی کو باہر نکل کر عبادت کرنے کی اجازت نہ تھی اس لئے نماز کے اوقات میں (تم سب اپنے انہیں گھروں) میں کسی جگہ (کو) نماز کے لئے (قبلہ رو رکھو) اور خوف کی وجہ سے انہیں میں نماز پڑھ لو (اور) یہ ضروری ہے کہ (نماز کے پابند رہو) تاکہ نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ جلد اس مصیبت سے نجات دیدے (اور) اے موسیٰ (آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں) کہ یہ مصیبت اب جلدی ختم ہو جائے گی۔

ربط: جب فرعون اور فرعونیوں کے ایمان کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ان کا ظلم بھی بہت بڑھ گیا تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ
سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ
دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور کہا موسیٰ نے اے ہمارے رب بے شک تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زینت اور اموال حیات دنیوی میں اے ہمارے رب تاکہ وہ گمراہ کریں تیرے رستہ سے۔ اے ہمارے رب میٹ ڈال ان کے مالوں پر اور سختی ڈال ان کے دلوں پر کہ نہ ایمان لائیں یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دردناک کو۔ کہا (اللہ نے) قبول کی گئی ہے دعا

تم دونوں کی تو تم دونوں سیدھے رہو اور مت پیروی کرو ان لوگوں کی جو علم نہیں رکھتے۔

تفسیر: (اور موسیٰ) علیہ السلام (نے) دعا میں (عرض کیا کہ اے ہمارے رب) ہم کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ (آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو زینت کا سامان اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اس واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے) لوگوں کو (گمراہ کریں) پس جب ان کے مقدر میں ہدایت ہے ہی نہیں اور مال و زینت دینے سے جو حکمت تھی وہ حاصل ہو چکی تو اب ان کو اور ان کے اموال کو کیوں باقی رکھا جائے لہٰذا (اے ہمارے رب ان کے اموال کو نیست و نابود کر دیجئے اور) ان کی جانوں کی ہلاکت کا سامان کر دیجئے اس طرح کہ (ان کے دلوں کو) زیادہ (سخت کر دیجئے) جس سے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں (سو یہ ایمان نہ لانے پائیں) بلکہ روز بروز ان کا کفر بڑھتا ہی رہے (یہاں تک کہ دردناک عذاب) کے مستحق ہو کر اس (کو دیکھ لیں) اور اس وقت ایمان لانا نافع نہیں ہوتا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی) دونوں کی دعا اس لئے کہا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ پر حضرت ہارون علیہ السلام آمین کہتے رہے جو خود دعائیہ کلمہ ہے (سو تم) اپنے منصبی کام تبلیغ پر (مستقیم رہو) اگرچہ فرعون والوں کی تقدیر میں ہدایت نہیں ہے کیونکہ اتمام حجت کے لئے بھی یہ ضروری ہے اور پھر اس میں تمہارا فائدہ بھی ہے کہ اجر کے مستحق ہوتے ہو (اور) کسی حکمت سے عذاب کے آنے میں تاخیر ہو تو (ان لوگوں کی راہ پر نہ چلنا جن کو) ہماری باتوں کے سچا ہونے کا (علم) و یقین (نہیں) اور اس وجہ سے وہ عذاب کی جلدی مچاتے ہیں۔

فائدہ: یہ خیال ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو ہدایت کے واسطے آئے تھے پھر بددعا کرنے کا کیا مطلب جو کہ ہدایت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے حق میں ہدایت کرنے سے مراد راہ دکھانا اور بتانا ہے جو وہ بددعا کے بعد بھی کرتے رہے، نیک راہ پر چلانا نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور بددعا سے مقصود ان کی گمراہی کی بددعا نہیں بلکہ جب ان کو تجربہ اور طول صحبت یا وحی سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بالکل ایمان نہ لائیں گے اور کفر پر ہی مریں گے تب اس کے موافق دعا کی۔

ربط: بالآخر فرعونیوں پر عذاب کا وقت آ پہنچا جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ

بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ

اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع

ترجمہ: اور پار لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا کے تو پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی (کے ارادہ) سے۔ یہاں تک کے جب پا لیا اس کو غرقابی نے کہا ایمان لایا میں اس پر کہ نہیں کوئی مستحق عبادت مگر وہ ایمان لائے جس پر بنی اسرائیل اور میں ہوں فرمانبرداروں میں سے۔ کیا اب حالانکہ نافرمانی کی تو نے اس سے پہلے اور تھا تو مفسدوں میں سے۔ پس آج ہم نے نجات دیں گے تیرے بدن کو تاکہ تو ہو جائے ان لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے ہیں نشانی۔ اور بلاشبہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

تفسیر: (اور) جب ہم نے فرعون کو ہلاک کرنا چاہا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے باہر نکال لے جائیں۔ چنانچہ وہ سب کو لے کر چلے اور رستہ میں دریا یعنی بحر قلزم حائل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر موسیٰ علیہ السلام کے اس پر اپنی لاٹھی مارنے سے اس کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں بارہ خشک رستے بن گئے اور (ہم نے بنی اسرائیل کو) اس (دریا سے پار کر دیا) فرعونیوں کو بنی اسرائیل کے ملک سے نکلنے کا علم ہوا (تو ان کے پیچھے پیچھے فرعون اپنے لشکر کے ساتھ ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے چلا) یہاں تک کہ بنی اسرائیل کو پکڑنے اور ان سے جنگ کرنے کے خیال سے دریا کے رستوں میں داخل ہو گیا۔ جب وہ اپنے تمام لشکر سمیت دریا کے رستوں میں آ گیا اور ابھی پار نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کے پانی کو مل جانے کا حکم دے دیا۔ پانی ملنے لگا (یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا) اور عذاب کے فرشتے نظر آنے لگے (تو) سراسیمہ ہو کر (کہنے لگا میں ایمان لاتا ہوں کہ سوائے اس) خدا (کے کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں کوئی مستحق عبادت نہیں اور میں مسلمانوں میں داخل ہوتا ہوں) سو مجھ کو ڈوبنے اور آخرت کے عذاب سے نجات دی جائے۔ فرشتہ کے ذریعہ سے جواب دیا گیا کہ (اب ایمان لاتا ہے) جب کہ ہمارے عذاب کا فیصلہ ہو چکا اور اب نافذ ہونے لگا حالانکہ روح کے قبضہ اور عذاب کے معائنہ کے وقت ایمان لانا نافع نہیں اور یہ ایمان غرغرہ یعنی موت کے غرغرہ کے وقت کا ایمان یا ایمان باس یعنی عذاب کے وقت کے کا ایمان یا ایمان یاس یعنی مایوسی کے وقت کا ایمان کہلاتا ہے (حالانکہ اس سے پہلے سرکشی کرتا رہا اور مفسدوں میں

شامل رہا سو) تجھ سے نہ تو عذاب ہٹایا جائے گا اور نہ تجھے تیری مطلوبہ نجات ملے گی البتہ (آج ہم تیری لاش کو) پانی میں ضائع ہونے سے (نجات دیں گے تاکہ تو ان کے لئے موجب عبرت ہو جو تیرے بعد) موجود (ہوں گے) تاکہ تیری بدحالی اور تباہی دیکھ کر ہمارے احکام کی مخالفت سے ڈریں (اور حقیقت یہ ہے کہ) پھر بھی (بہت سے آدمی ہماری) ایسی ایسی عبرت کی (نشانیوں سے غافل ہیں) اور احکام کی مخالفت سے نہیں ڈرتے۔

فائدہ: جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آئی ہے۔

ربط: فرعونیوں سے نجات کے بعد ایک عرصہ گذرنے پر خود بنی اسرائیل گمراہیوں میں پڑ گئے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ٹھکانا دیا ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا اچھا اور رزق دیا ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے۔ تو نہیں اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس علم۔ بے شک تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر: (اور ہم نے) فرعون کو غرق کرنے کے بعد (بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا رہنے کو دیا) کہ اس وقت تو مصر کے مالک ہو گئے اور اگلی نسل کو عمالقہ پر فتح دے کر شام اور بیت المقدس بھی دلوا دیا (اور ہم نے ان کو) ان ملکوں کی (نفیس چیزیں کھانے کو دیں سو) چاہئے تھا کہ وہ ہماری اطاعت میں زیادہ سرگرم رہتے لیکن انہوں نے الٹا دین میں اختلاف کرنا شروع کیا اور غضب یہ کہ انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک ان کے پاس) احکام کا (علم پہنچ گیا) تھا پھر اختلاف کیا۔ لیکن ان کی یہ بات ہم سے مخفی نہیں اور (یقینی بات ہے کہ آپ کا رب ان) اختلاف کرنے والوں (کے درمیان قیامت کے دن ان امور میں) عملاً (فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے)۔

ربط: پیغمبر سے خطاب کے لباس میں دوسروں کو سنانا مقصود ہے جو ایک امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق اور واقعات سن سن کر حیرت زدہ رہ جاتے تھے لیکن جہل اور تعصب کی وجہ سے ان

کی واقعیت میں شک اور تردد کا اظہار کرنے لگتے۔ ان آیات میں متنبہ کیا کہ کفر و تکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک و شبہ ہو تو اس کا فوری علاج کرو اور جو لوگ سابقہ کتب کا علم رکھتے ہیں ان سے تحقیق کر لو آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۹۵﴾

ترجمہ: سو اگر تو ہے شک میں اس سے جو نازل کیا ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بے شک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے رب کی جانب سے سو نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے اور مت ہو تو ان لوگوں میں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو کہ تو ہو جائے گا خسارہ والوں سے۔

تفسیر: منکرین کو سنانے کی خاطر پیغمبر سے خطاب کرتے ہیں کہ (پھر اگر) بالفرض (آپ اس) کتاب (کی طرف سے شک) و شبہ (میں ہوں جس کو ہم نے آپ کے پاس بھیجا ہے تو) اس شک کو دور کرنے کا ایک آسان طریقہ یہ بھی ہے کہ (آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کی کتابوں) یعنی توریت اور انجیل (کو پڑھتے ہیں) کہ ان میں سے کچھ تو ان کتابوں میں مذکو. پیشینگوئیوں کی بناء پر قرآن کو سچا بتائیں گے (بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آئی ہے۔ آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں اور نہ) شک کرنے والوں سے بڑھ کر) ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں) اس کی وجہ سے (آپ خسارہ والوں میں سے نہ ہو جائیں)۔ اور اگر شک کے علاج میں غفلت کی جائے تو کفر و تکذیب بڑھتے بڑھتے اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے جس میں دل پر مہر لگ جاتی ہے اور قبول حق کی استعداد بالکل برباد ہو جاتی ہے۔

ربط: اتنا سب کچھ سمجھانے کے بعد بھی مشرکین و منکرین نہ مانیں تو آپ پریشانی اور غم نہ کیجئے۔ بہر حال یہ بھی ہماری مشیت اور ارادہ کے تحت ہے اور ہماری حکمت کا یہی تقاضا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ
عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ ثابت ہوگئی جن پر تیرے رب کی بات وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس تمام نشانیاں یہاں تک کہ وہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔

تفسیر: (یقیناً جن لوگوں کے حق میں آپ کے رب کی) یہ ازلی (بات ثابت ہوگئی کہ یہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے پاس) ثبوت حق کے (تمام دلائل پہنچ جائیں جب تک کہ دردناک عذاب کو نہ دیکھیں) لیکن اس وقت یہ ایمان نافع نہ ہوگا۔

ربط: منکرین نہیں مانتے تو نہ مانیں لیکن اتنی بات ضرور یاد رکھیں کہ جب ان پر عذاب آئے گا تو اس وقت ایمان لانا کچھ نفع نہ دے گا کیونکہ جتنی بھی بستیوں نے انبیاء کی تکذیب کی موعود عذاب کے آنے پر ان کے ایمان نے کچھ نفع نہ دیا۔ صرف حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو فائدہ ہوا جس کی خاص وجہ تھی۔ وہ قصہ یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام لگاتار سات سال تک نصیحت کرتے رہے اور حق کی دعوت دیتے رہے لیکن انہوں نے نہ مانا روز بروز انکار و تکذیب میں اضافہ ہوتا رہا۔ آخر حضرت یونس نے ان کو آگاہ کیا کہ اگر باز نہ آئے تو تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری رات آئی حضرت یونس علیہ السلام آدھی رات گذرنے پر اللہ تعالیٰ کے حکم آئے بغیر ہی یہ خیال کر کے کہ اب قوم پر عذاب آنے ہی والا ہے بستی سے نکل کھڑے ہوئے۔ صبح ہوتے ہی عذاب کے آثار نظر آنے لگے۔ آسمان پر نہایت ہولناک ... سیاہ بادل چھا گیا جس سے سخت دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہوگئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا تو حضرت یونس کی تلاش ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مویشیوں اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگ میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے تضرع و بکا پر رحم فرمایا اور عذاب کے جو آثار ظاہر ہو چکے تھے ان کو اٹھا لیا۔

دوسری طرف حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر ایک جماعت کے ساتھ کشتی پر سوار ہوئے۔ وہ کشتی غرق ہونے لگی۔ تو کشتی والوں نے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ ایک آدمی کو

دریا میں پھینک دیا جائے۔ اس کے لئے دو تین مرتبہ قرعہ اندازی کی تو ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی آ کر ان کو نگل گئی اور مچھلی کے پیٹ کو ان کا قید خانہ بنا دیا گیا۔ اس وقت حضرت یونس علیہ السلام کو تنبہ ہوا اور انہوں نے اپنی یہ خطا کہ حکم الٰہی ملنے سے پہلے ہی بستی سے نکل گئے تھے اس کا اعتراف کیا تو مچھلی کے پیٹ سے رہائی نصیب ہوئی اور واپس اپنی قوم کی طرف گئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو عذاب آنے کے باوجود ان کے ایمان نے جو نفع دیا تو اس وجہ سے کہ اجتہادی خطا ہوگئی تھی۔ اس خطا کا نفع قوم کو مل گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا عام ضابطہ وہی ہے کہ موعود عذاب آنے پر ایمان نفع نہیں دیتا لہٰذا کسی دھوکہ میں نہ رہنا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی اور نفع دیتا اس کو اس کا ایمان سوائے قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لائے تو کھول دیا ہم نے ان سے عذاب رسوائی کا حیات دنیوی میں اور فائدہ دیا ہم نے ان کو ایک وقت تک۔

تفسیر: (چنانچہ) جتنی بستیوں پر عذاب آیا ان میں سے (کوئی بستی کیوں ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان اس کو نافع ہوتا) ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تھی کہ ہماری مشیت و ارادہ ہی یہی تھا کہ وہ اپنے کسب و اختیار سے ایمان نہ لائیں (ہاں مگر یونس) علیہ السلام (کی قوم کہ) ہماری مشیت میں ان کا ایمان لانا تھا اس لئے وہ موعودہ عذاب کے ابتدائی آثار دیکھ کر ایمان لے آئے اور (جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا۔ اور حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعہ کی ظاہر میں خاص وجہ حضرت یونس علیہ السلام کی اجتہادی خطا بنی تھی۔ (اور ان کو ایک خاص وقت) یعنی موت کے وقت (تک) خیر خوبی کے ساتھ عیش زندگی (دیا)۔

ربط: ان مشرکین کے ایمان نہ لانے پر آپ پریشان نہ ہوں۔ کسی کا ایمان لانا نہ لانا سب خدا کی مشیت و توفیق اور حکم تکوینی کا پابند ہے۔ خدا چاہتا تو سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا لیکن ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے اس لئے اس کی مشیت و توفیق ان لوگوں

کے حق میں ہوتی ہے جو اس کی نشانیوں میں غور کریں اور عقل وفہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں اللہ تعالیٰ کفر وشرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتے ہیں۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: اور اگر چاہتا تیرا رب تو ضرور ایمان لے آتے جو بھی ہیں زمین سب کے سب۔ کیا سو تو مجبور کرے گا لوگوں کو یہاں تک کہ وہ ہو جائیں ایمان والے۔ اور نہیں ہے کسی شخص کے لئے کہ وہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور (اللہ) کرتا ہے گندگی کو ان لوگوں پر جو عقل نہیں کرتے۔

تفسیر: (اور) ان مذکورہ اقوام ہی کیا تخصیص (اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے) مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے یہ نہ چاہا اس لئے سب ایمان نہیں لائے (سو) جب یہ بات نہ ہے تو (کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس سے وہ ایمان ہی لے آئیں حالانکہ کسی شخص کا ایمان لانا خدا کے حکم) یعنی مشیت (کے بغیر ممکن نہیں اور) یہ حکم ومشیت ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کی نشانیوں میں غور کریں اور عقل وفہم سے کام لیں۔ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے تو (اللہ تعالیٰ) ایسے (بے عقل لوگوں پر) کفر وشرک کی (گندگی واقع کر دیتا ہے) یعنی اس میں انہیں پڑا رہنے دیتا ہے۔

ربط: یہ بتا کر کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان پر کفر وشرک کی گندگی واقع کر دی جاتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ تم غفلت نہ کرو بلکہ آسمان وزمین کی موٹی موٹی نشانیوں ہی پر غور کر لو۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: تو کہہ دیکھو جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور نہیں فائدہ دیتیں نشانیاں اور دھمکیاں ان لوگوں کو جو نہیں مانتے۔ تو نہیں انتظار کرتے مگر مثل ان لوگوں کے واقعات کے جو گذر چکے ان سے پہلے۔ تو کہہ پس تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ ہوں انتظار کرنے والوں میں سے۔ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح۔ ذمہ ہے ہم پر بچائیں گے ہم ایمان والوں کو۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ تم غور کرو) اور دیکھو (کہ کیا کیا چیزیں ہیں آسمانوں اور زمین میں) سائنس کے ذریعہ سے دریافت کی ہوئی تمام کائنات بھی اسی میں شامل ہے۔ ان چیزوں میں غور کرنے سے تمہیں خدا کی قدرت وحکمت اور توحید پر ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ دلالت کرتا نظر آئے گا۔ لیکن اگر دشمنی کی وجہ سے یہ ٹھان لیا ہے کہ ماننا ہی نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ تم ان دلائل پر غور بھی نہ کرو گے اس لئے فرمایا (اور جو لوگ) دشمنی اور عناد سے (ایمان نہیں لاتے ان کو دلائل اور دھمکیاں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے سو) ایسوں کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (وہ لوگ صرف ان لوگوں کے سے واقعات) اور عذابوں (کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو تم) اس کے (انتظار میں رہو میں بھی تمہارے ساتھ) اس کے (انتظار کرنے والوں میں ہوں) جب وہ عذاب آئے گا تو (پھر) وہی ہوگا جو ہم پہلوں کے ساتھ کرتے رہے کہ (ہم) اس عذاب سے (اپنے پیغمبروں کو اور ایمان والوں کو بچا لیتے تھے) اور جس طرح ان کو ہم بچا لیتے تھے (اسی طرح سب ایمان والوں کو ہم نجات دیا کرتے ہیں۔ یہ) حسب وعدہ (ہمارے ذمہ ہے) لہٰذا موجودہ کفار پر بھی کوئی عذاب آیا تو مسلمان اس سے محفوظ رہیں گے۔

ربط: اگر میرا طریقہ اور میرا دین ومسلک تمہاری سمجھ میں نہیں آیا اس لئے دین کے بارے میں شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول جو توحید خالص ہے سمجھائے دیتا ہوں۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ

وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ
لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ لَا تَدْعُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ
يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ
وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: کہہ دے اے لوگوں اگر تم ہو شک میں میرے دین کے بارے میں تو میں نہیں عبادت کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو سوائے اللہ کے۔ لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو وفات دیتا ہے تم کو اور میں حکم دیا گیا ہوں کہ رہوں میں ایمان والوں میں سے اور یہ کہ تو سیدھا رکھ اپنا چہرہ دین کے لئے یکسو ہو کر اور مت ہو تو مشرکوں میں سے۔ اور مت پکار سوا اللہ کے جو نہ نفع دے تجھ کو اور نہ ضرر دے تجھ کو۔ پھر اگر تو (ایسا) کرے تو بلاشبہ تو اس وقت ہو گا ظالموں میں سے۔ اور اگر چھوئے تجھ کو اللہ ساتھ کسی تکلیف کے تو نہیں کھولنے والا اس کو مگر وہی اور اگر ارادہ کرے تیرا کسی بھلائی کے ساتھ تو نہیں کوئی پھیرنے والا اس کے فضل کا۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے شک) اور تردد (میں ہو تو) میں تم کو اس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ (میں ان معبودوں کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو لیکن ہاں اس معبود کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھ کو) اللہ کی جانب سے (یہ حکم ہوا ہے کہ میں) ایسے معبود پر (ایمان لانے والوں میں سے رہوں اور) مجھ کو (یہ) حکم ہوا ہے (کہ اپنے آپ کو اس دین) مذکور یعنی توحید خالص (کی طرف اس طرح متوجہ رکھنا کہ اور سب طریقوں سے علیحدہ ہو جاؤ اور) مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ (کبھی مشرک مت بننا اور) یہ حکم ہوا ہے کہ (خدا) کی توحید (کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت مت کرنا کہ جو تجھ کو نہ) عبادت کرنے پر (کوئی نفع پہنچا سکے اور نہ) عبادت نہ کرنے پر (کوئی ضرر پہنچا سکے۔ پھر اگر) بالفرض (ایسا کیا) یعنی غیر اللہ کی عبادت کی (تو تم اس حالت میں) اللہ (کا حق ضائع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے اور) مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ (اگر تم کو اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف پہنچائے تو سوائے اس

کے اور کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ تم کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کا کوئی ہٹانے والا نہیں) بلکہ (وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہیں کریں اور وہ بڑی مغفرت بڑی رحمت والے ہیں)۔

ربط: حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ چکا جس کے قبول کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں ہے خدا کی آخری حجت بندوں پر پوری ہوگئی ہے اب ہر ایک اپنا نفع نقصان دیکھ لے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ
رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ
فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى
اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: تو کہہ اے لوگو آ گیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی جانب سے تو جو کوئی راہ ہدایت پر آئے تو محض ہدایت پر آئے اپنے فائدہ کے لئے اور جو کوئی گمراہ ہو تو محض گمراہ ہوا اپنے نقصان پر اور نہیں ہوں میں تم پر ذمہ دار اور پیروی کر اس کی جو وحی کیا گیا تیری طرف اور صبر کر یہاں تک کہ فیصلہ کرے اللہ اور سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا ہے۔

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو تمہارے پاس) دین (حق تمہارے رب کی طرف سے) دلائل کے ساتھ (پہنچ چکا ہے سو) اس کے پہنچ جانے کے بعد (جو شخص راہ راست پر آئے گا تو وہ اپنے) نفع کے (واسطے راہ راست پر آئے گا اور جو شخص) اب بھی (بے راہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا) یعنی اس کا وبال بھی (اسی پر پڑے گا اور میں تم پر) ذمہ دار بنا کے (مسلط نہیں کیا گیا) کہ تمہاری بے راہی کی باز پرس مجھ سے ہونے لگے۔ اس لئے میرا کوئی نقصان نہیں ہے۔ (اور) ان کے ماننے نہ ماننے سے قطع نظر (آپ اس کا اتباع کرتے رہیں جو کچھ آپ کی طرف وحی بھیجی جاتی ہے) جس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ان کو تبلیغ کرتے رہیں (اور) ان کے کفر اور ایذاء پر (صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ) ان کے بارے میں (فیصلہ کردیں) یعنی حسب وعدہ آپ کو غالب کر دیں اور ان کو ہلاک کر دیں۔ مطلب یہ کہ آپ اپنے ذاتی اور منصبی کام میں لگے رہئے ان کی فکر نہ کیجئے (اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا) فیصلہ کرنے والا (ہے)۔

فہمِ دین کورس

تعارف

خواتین وحضرات ! آپ کا تعلق کسی بھی شعبہ سے ہو یا آپ ابھی طالب علم ہوں، دین کے صحیح علم وفہم سے آپ بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اس کا حصول آپ کا دینی فریضہ بھی ہے اور آپ کی فطری پیاس بھی۔ مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کے ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس) نے آپ کی اس دینی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے فہم دین کے نام سے اُردو میں ایک مستند علمی معیار کا حامل اور جامع، لیکن مختصر کورس مرتب کیا ہے۔ اس سے آپ کے بہت سے اشکالات حل ہوں گے، بہت سی الجھنیں دور ہوں گی اور اس میں آپ کے بہت سے سوالات کا جواب ملے گا۔ اس کورس کے دو درجے ہیں :

1. درجہ عام (O'Level) :

اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اس درجہ کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کے لئے ضروری ہے۔ یہ درجہ مندرجہ ذیل تین کتابوں پر مشتمل ہے :

(۱) اسلامی عقائد : (کُل صفحات ۲۶۱)

اس کتاب کے تمام مندرجات قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ مزین ہیں۔ چند مندرجات کے عنوان یہ ہیں :

۱۔ وجودِ باری تعالیٰ پر قرآن کا طریق استدلال
۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ
۳۔ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفات کا تفصیلی بیان
۴۔ خیر وشر دونوں کے ساتھ ارادۂ خداوندی کا تعلق ہے۔
۵۔ عالم وکائنات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق
۶۔ صفاتِ متشابہات
۷۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہات
۸۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت
۹۔ نبوت ورسالت
۱۰۔ عصمتِ انبیاء علیہم السلام
۱۱۔ ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا رد
۱۲۔ معجزات یا دلائل نبوت
۱۳۔ حضرت محمد ﷺ کے امتیازات اور ختم نبوت
۱۴۔ عقیدۂ حیات النبی ﷺ
۱۵۔ بدعتیوں کا نبی ﷺ کی شان میں غلو اور اس کا جواب
۱۶۔ فرشتوں کا بیان
۱۷۔ کتب الٰہیہ کا بیان
۱۸۔ جنات کا بیان
۱۹۔ علاماتِ قیامت
۲۰۔ قیامت کے احوال اور جنت ودوزخ
۲۱۔ قبر میں عذاب وراحت اور فرشتوں کا سوال ثابت ہے
۲۲۔ تقدیر کا بیان اور پیدا ہونے والے اشکالات کا جواب
۲۳۔ صحابہ کرامؓ سے متعلق عقائد کا بیان
۲۴۔ امامت وخلافت
۲۵۔ ایمان اور اس کے متعلقہ اُمور کا بیان
۲۶۔ شرک اور اس کی اقسام کا بیان

(۲) اُصول دین : (کُل صفحات ۲۱۶)

قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ بیان کئے گئے اس کے مباحث یہ ہیں :

۱۔ مباحثِ وحی
۲۔ اُصولِ تفسیر
۳۔ اُصولِ حدیث وسنت
۴۔ اجماعِ اُمت
۵۔ قیاس
۶۔ علم فقہ کس کو کہتے ہیں
۷۔ علم اُصول فقہ کا تعارف
۸۔ چند قواعد فقہیہ
۹۔ اجتہاد اور تقلید کے اُصول
۱۰۔ اُصولِ سنت وبدعت
۱۱۔ اُصول ایمان وکفر

(۳) مسائل بہشتی زیور : (دوحصوں میں ۔کُل صفحات ۹۵۴)

نئی ترتیب اور بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ یہ مسائل کی جامع کتاب ہے۔ جس میں طہارت اور عبادات کے مسائل کے علاوہ ازدواجی مسائل، معاملات، حدود وقصاص اور وصیت ومیراث کے بہت سے ضروری مسائل ہیں۔ جدید دور کے مسائل میں سے چند ایک یہ ہیں :

۱۔ پوسٹ مارٹم	۲۔ انسانی اعضاء کی پیوندکاری	۳۔ سرکاری بینکوں سے زکوٰۃ کی سرکاری کٹوتی
۴۔ روزہ ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا معیار	۵۔ ٹیلیفون پر نکاح	۶۔ ضبطِ ولادت
۷۔ تولید کے جدید طریقے	۸۔ انسانی دودھ کا بینک	۹۔ عدالتی خلع
۱۰۔ حلال وحرام کا ضابطہ	۱۱۔ شیئرز (حصص)	۱۲۔ حقوق (Rights) کی اقسام اور اُن کی بیع
۱۳۔ غیر سودی بنکاری	۱۴۔ مختلف کرنسیوں کا تبادلہ	۱۵۔ انعامی بانڈ اور مروجہ بیمہ کی شکلیں

اِن کے علاوہ عام روزمرہ کے یہ مسائل بھی ہیں :

۱۔ نشہ کی چیزوں کا بیان ۲۔ کمائی کی اقسام ۳۔ تصویر ومجسمہ کے احکام ۴۔ کافروں اور فاسقوں کیساتھ مشابہت کرنے کے احکام

۵۔ لباس اور زیورات کے احکام	۶۔ حجاب کے مسائل	۷۔ علاج معالجہ اور عملیات وتعویذ کے احکام
۸۔ بدعات	۹۔ رشوت کے لینے دینے کے مسائل	۱۰۔ جوئے کے مسائل
۱۱۔ سلام، مصافحہ اور معانقہ کے مسائل	۱۲۔ کھیل اور تفریح کے مسائل	

نوٹ۔ یہ تینوں کتابیں بازار میں دستیاب ہیں۔ ایک گھنٹہ روزانہ پڑھائی ہو اور ہفتہ میں ایک دن ناغہ کیا جائے تو کورس کا درجہ عام چھ سات ماہ میں آسانی سے مکمل کیا جاسکتا ہے۔

2. درجہ اعلیٰ : (A'Level) :

درجہ عام کے بعد اس درجہ کی کتابیں پڑھ لیں تو اُردو میں دینیات کا کورس مکمل ہوجائے گا۔ اس درجہ میں دو کتابیں ہیں :

(۱) تفسیر فہم قرآن : (جلد اوّل ۔صفحات ۴۶۲) (جلد دوم ۔صفحات ۴۷۲)

اس کتاب کا بنیادی ماخذ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' ہے۔ ترجمہ علیحدہ لکھا گیا ہے جس میں الفاظ کی رعایت کی گئی ہے تاکہ لفظی ترجمہ کے شوقین حضرات اس سے استفادہ کرسکیں۔ تفسیر کو رواں انداز میں لکھا گیا ہے، نمبروار حاشیہ سے اجتناب کیا گیا ہے۔ آیات کے درمیان ربط کو واضح کیا گیا ہے اور پیدا ہونے والے اشکالات کو حل کیا ہے۔

(جلد اوّل : سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء) (جلد دوم : سورۂ مائدہ سے سورۂ یونس) پہلی اور دوسری جلد چھپ چکی ہے۔ بازار میں دستیاب ہے۔ باقی حصے بھی انشاء اللہ کچھ عرصہ میں دستیاب ہوں گے۔

(۲) فہم حدیث : (جلد اوّل ۔صفحات ۵۵۶) (جلد دوم ۔زیرِ طبع)

یہ کتاب دوحصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں عقائد، اخلاق، حقوق، ماوراء الطبعی اُمور اور شمائل نبویؐ جیسے مضامین ہیں جبکہ دوسرے حصے کا تعلق فقہی موضوعات سے ہے۔ پہلا حصہ طبع ہوگیا ہے اور انشاء اللہ دوسرا حصہ جلد دستیاب ہوگا۔

نوٹ۔ (۱) کسی بھی اچھے عالم کی مدد سے آپ یہ کتابیں پڑھ سکتے ہیں۔

(۲) یہ تمام کتابیں مجلس نشریاتِ اسلام ناظم آباد نمبر ۱، کراچی نے شائع کی ہیں۔

مزید معلومات کے لئے :

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ۔ کریم پارک، راوی روڈ، لاہور۔ (فون لاہور: 7461854 رات دس بجے کے بعد)

E-mail Addresses : islam_fahmedeencourse@hotmail.com
fatwa_abdulwahid1@hotmail.com

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(حصہ دوم)

سورۃ المائدۃ تا سورۃ یونس

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

۳۰.کے ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

یہ کتاب
محترم جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)
مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کی
اجازت سے شائع کی جارہی ہے

نام کتاب	ــــــــ	تفسیر فہم القرآن (حصہ دوم)
تصنیف	ــــــــ	ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)
طباعت	ــــــــ	القادر پرنٹنگ پریس، کراچی۔
اشاعت	ــــــــ	۲۰۰۳ء
ضخامت	ــــــــ	۴۷۶ صفحات

ناشر
فضل ربی ندوی
مجلس نشریات اسلام ناظم آباد مینشن۔ ا۔ کے ۳۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰
فون : ۶۶۰۰۸۹۶ ـ ۶۶۰۱۸۱۷

اسٹاکسٹ : مکتبۂ ندوۃ۔ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی
فون : ۲۶۳۸۹۱۷

مختصر تعارف

مؤلف کتاب: حافظ عبد الواحد

سن ولادت: ۱۹۵۰ء

تعلیمی کوائف: ۱۔ ایم بی بی ایس ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے پاس کیا۔

۲۔ درس نظامی۔ جامعہ مدنیہ لاہور وفاق المدارس کے عالمیہ کا امتحان ۱۹۸۳ء میں پاس کیا۔

۳۔ تخصص و افتاء۔ جامعہ مدنیہ لاہور میں حضرت مولانا عبد الحمید صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔

تدریسی معمولات: جامعہ مدنیہ میں ۱۹۸۳ء سے تاحال۔

افتاء: دار الافتاء۔ جامعہ مدنیہ۔ لاہور

تصنیفات: ۱۔ اسلامی عقائد
۲۔ اصول دین
۳۔ مسائل بہشتی زیور مکمل دو حصوں میں نئی ترتیب اور اضافوں کے ساتھ
۴۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام
۵۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام
۶۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں (نایاب)
۷۔ تحفہ اصلاحی: جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں مبادی تدبر قرآن اور مبادی تدبر حدیث پر تبصرہ و تحقیق حق۔ (غیر مطبوعہ)
۸۔ تحفہ غامدی۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے مغالطوں کی نشاندہی اور انکا جواب
۹۔ تحفہ خیر خواہی بجواب مغالطات کیپٹن عثمانی۔
۱۰۔ قرآن و حدیث سے عداوت کیوں؟ منکر حدیث ڈاکٹر قمر زمان کے افکار کا محاسبہ در جواب
۱۱۔ "جاگیرداری اور اسلام" مولانا طاسین صاحب کے مضمون پر تبصرہ اور انکے مغالطوں کا جواب
۱۲۔ متفرق مقالہ جات جو ماہنامہ انوار مدنیہ اور سہ ماہی منہاج میں شائع ہوئے۔
۱۳۔ تفسیر "فہم قرآن"۔ (جلد اول) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل و اختصار۔
۱۴۔ فہم حدیث (جلد اول) تقریباً ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا مجموعہ
۱۵۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قرأت متواترہ۔
۱۶۔ مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت۔
۱۷۔ دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں۔

کسب معاش: ۱۔ دو سال فوج کے میڈیکل کور میں بطور کیپٹن ملازمت۔
۲۔ ۱۹۷۹ء سے تاحال محکمۂ اوقاف کے ہسپتال میں ملازمت بطور میڈیکل افسر۔

عرض مؤلف

بسم الله حامدا و مصليا . اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی دی ہوئی توفیق سے ہمارے ترتیب دیئے ہوئے فہم دین کورس کے درجہ اعلیٰ (A'Level) کی تفسیر فہم قرآن کی دوسری جلد مکمل ہوئی۔ یہ جلد سورہ مائدہ سے سورہ یونس تک ہے۔ اس طرح سے گیارہ پارے مکمل ہوئے۔ اس مرتبہ ہم نے ربط پر مزید توجہ دی ہے اور بیان القرآن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جو ربط ظاہر کیا تھا تفسیر عثمانی کی مدد سے ہم نے اس کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

تفاسیر عمدہ سے عمدہ پہلے سے موجود ہیں۔ ہم اپنی کاوش سے نہ ان کی نفی کرتے ہیں اور نہ ہی ان کی افادیت گھٹانے کے درپے ہیں۔ البتہ تعلیم و تدریس کے اعتبار سے ہم مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر تفسیر فہم قرآن کو تجویز کرتے ہیں:

1- ترجمہ کے لفظی ہونے کی رعایت کی گئی ہے۔

2- تفسیر رواں انداز پر ہے۔

3- دیگر تفصیلات سے بچتے ہوئے خالص تفسیر کو پیش کیا ہے۔

4- آیات کے مابین مؤثر ربط کو اجاگر کیا گیا ہے۔

عوام و خواص کے سب ہی طبقوں سے ہماری درخواست ہے کہ ایک علمی تحریک سمجھتے ہوئے اس تفسیر اور فہم دین کورس کی باقی کتابوں یعنی اسلامی عقائد، اصول دین، مسائل بہشتی زیور اور فہم حدیث کے پڑھنے پڑھانے کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرما کر تمام مسلمانوں میں دین کے صحیح فہم کو عام کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔

آخر میں ہم کمپوزر جناب شاہد خاں صاحب اور ناشر جناب فضل ربی صاحب ندوی کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور ان کے لئے دعا گو ہیں۔ آخر دعوانا ان الحمد الله رب العالمين.

عبدالواحد

جامعہ مدنیہ۔ لاہور

ربیع الاول 1424ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(حصہ سوم)

سورۂ ھود تا سورۂ طٰہٰ

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد مدظلہ

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

[illegible]

سورہ ہود

سُوۡرَةُ هُوۡدٍ مَكِّيَّةٌ | بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ | اٰيَاتُهَا ۱۲۳ - رُكُوۡعَاتُهَا ۱۰

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِيۡمٍ خَبِيۡرٍ ۙ﴿۱﴾
اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِىۡ لَـكُمۡ مِّنۡهُ نَذِيۡرٌ وَّبَشِيۡرٌ ۙ﴿۲﴾ وَّاَنِ
اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُمَتِّعۡكُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤۡتِ كُلَّ ذِىۡ فَضۡلٍ فَضۡلَهٗ ؕ وَاِنۡ
تَوَلَّوۡا فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ كَبِيۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَى اللّٰهِ
مَرۡجِعُكُمۡ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۴﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ يَثۡنُوۡنَ
صُدُوۡرَهُمۡ لِيَسۡتَخۡفُوۡا مِنۡهُ ؕ اَلَا حِيۡنَ يَسۡتَغۡشُوۡنَ ثِيَابَهُمۡ ۙ
يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۵﴾

ترجمہ : الر یہ کتاب ہے۔ محکم کی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں منجانب ایک حکمت والے خبردار کے کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی۔ بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ بخشش طلب کرو اپنے رب سے پھر متوجہ رہو اس کی طرف وہ فائدہ دے گا تم کو اچھا فائدہ ایک وقت مقرر تک اور دے گا ہر زائد عمل والے کو اپنا زائد ثواب۔ اور اگر تم اعراض کرتے رہے تو میں خوف رکھتا ہوں تم پر عذاب کا ایک بڑے دن کے۔ اللہ ہی کی طرف تمہاری واپسی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یاد رکھو وہ دہرے کرتے ہیں اپنے سینے تاکہ چھپائیں اس سے۔ یاد رکھو جس وقت وہ لپیٹتے ہیں اپنے کپڑے (اللہ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو۔

تفسیر: (الر یہ ایک) ایسی (کتاب ہے کہ اس کی آیتیں) لفظی ومعنوی ہر اعتبار سے نہایت (محکم) یعنی خوب جچی تلی (کی گئی ہیں) اس وجہ سے ان میں نہ تو تناقض ہے، نہ واقع اور حکمت کے خلاف کوئی مضمون ہے اور نہ ہی فصاحت و بلاغت کے خلاف کوئی حرف ہے۔ جن اصول وفروع، اخلاق واعمال اور پند ونصیحت پر یہ آیتیں مشتمل ہیں اور دعووں کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و براہین پیش کئے ہیں وہ سب علم وحکمت کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ غرض قرآنی حقائق ودلائل ایسے مضبوط ومحکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے (پھر) ان تمام خوبیوں کے باوجود یہ نہیں ہے کہ اجمال وابہام کی وجہ سے کتاب معمہ بن کر رہ گئی ہو بلکہ دنیا وآخرت کی تمام اہم باتیں خوب (کھول کر بیان کی گئی ہیں) اور موقع بہ موقع دلائل، احکام، مواعظ، قصص ہر چیز بڑی خوبصورتی اور سلیقہ سے الگ الگ رکھی ہے اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو یکجا دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے کہ یہ کیسے ہے؟ مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ (ایک حکمت والے خبردار کی طرف سے) ہیں۔ ایسی کتاب کے نازل کرنے کا ایک بڑا مقصد یہ ہے (کہ) اے انسانو (تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) پھر جو کوئی اس مقصد کو پورا کرے کہ کتاب الٰہی کو مانے اور شرک کو چھوڑے وہ فلاح دارین کا مستحق ہے اور جو اس مقصد کو پورا نہ کرے کہ نہ کتاب کو مانے اور نہ کفر وشرک کو چھوڑے وہ عذاب الٰہی کا حقدار ہے اور جان لو کہ (میں تمہارے لئے اللہ کی طرف سے) عذاب الٰہی سے (ڈرانے والا اور) فلاح دارین کی (خوشخبری دینے والا ہوں)۔ (اور) اس کتاب کے نازل کرنے کا دوسرا بڑا مقصد (یہ) ہے کہ تمہاری دنیا کی زندگی بھی اچھی طرح سے گزرے اور آخرت میں بھی اونچے درجے پاؤ۔ وہ اس طرح سے (کہ تم بخشش طلب کرو اپنے رب سے) جس میں یہ بھی شامل ہے کہ کفر وشرک کو چھوڑ کر صحیح ایمان کو اختیار کرو (پھر) ایمان لانے کے بعد عمل صالح کے ذریعہ (اللہ کی طرف متوجہ رہو)۔ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے (وہ تم کو وقت مقرر) یعنی موت کے وقت (تک) دنیا میں خوش عیشی کا (اچھا فائدہ دے گا) خوش عیشی کی صورت یہ بھی ہے کہ سچا مومن تنگی کے حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت کی خوشحالی کے تصور سے قلبی سکون اور باطنی راحت پاتا ہے جو خوش عیشی کا اصل سبب ہے (اور زیادہ عمل کرنے والے کو) آخرت میں (اپنا زیادہ ثواب دے گا۔ اور اگر تم لوگ) ایمان لانے سے (اعراض) ہی (کرتے رہے تو) اس صورت میں (میں تم پر خوف رکھتا ہوں ایک بڑے دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب کا) اور قیامت کے دن کے عذاب اور اس کی سزا کو بعید نہ سمجھو کیونکہ سزا دینے کے لئے صرف تین باتیں ضروری ہیں ایک یہ کہ مجرم حاضر ہو، دوسرے یہ کہ حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو، تیسرے یہ کہ مجرم کی

کل کارروائیاں حاکم کے علم میں ہوں اور قیامت کے دن یہ تینوں باتیں ثابت ہوں گی۔ اول (اللہ ہی کی طرف تمہاری واپسی) اور حاضری (ہے اور) دوسرے (وہ) ہر طرح کی سزا سمیت (ہر چیز پر قادر ہے) اور تیسرے اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے لہٰذا (یاد رکھو کہ) اگر چہ (وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے) اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں (تاکہ اللہ سے اپنی) وہ (باتیں چھپائیں) جو وہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں کرتے ہیں۔ وہ اس ہیئت سے اس وجہ سے کرتے ہیں کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے سو (یاد رکھو جس وقت وہ) دوہرے ہو کر (اپنے کپڑے) اپنے اوپر (لپیٹتے ہیں وہ اس وقت بھی سب جانتا ہے جو کچھ وہ) چپکے چپکے باتیں کر کے (چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ) اعلانیہ (ظاہر کرتے ہیں) کیونکہ (یقیناً وہ تو دلوں کی باتوں) یعنی خیالات، ارادوں اور نیتوں تک (کو جاننے والا ہے)۔

ربط: اوپر مجرموں کی سزا کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی کا ذکر ہوا۔ اسی کی مناسبت سے آگے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی کو صرف مجرموں کی سزا کے اعتبار تک محدود نہ سمجھنا بلکہ وہ تو ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶

ترجمہ: اور نہیں کوئی چلنے والا زمین میں مگر اللہ ہی کے ذمہ ہے اس کا رزق اور وہ جانتا ہے اس کی جائے قرار کو اور اس کی جائے امانت کو۔ سب کچھ موجود ہے کھلی کتاب میں۔

تفسیر: (اور) اس کی وسعت علمی کا اس بات سے بھی اندازہ کرو کہ (کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) جس قدر روزی جس کے لئے مقدر کر دی گئی ہے وہ اس کو یقیناً پہنچ کر رہے گی (اور) جب تمام جانداروں کی حسب استعداد روزی اور معاش مہیا کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو ضروری ہے کہ اللہ کا علم ان سب جانداروں کو حاوی ہو ورنہ ان کو روزی کیسے پہنچا سکے گا۔ پھر اس کو صرف ان جانداروں کی ذات کا ہی نہیں بلکہ (وہ) تو (ہر ایک کے جائے قرار) یعنی مستقل رہنے کی جگہ کو (اور جائے امانت) یعنی عارضی اور تھوڑے عرصہ رہنے کی جگہ (کو) بھی (جانتا ہے) اور ہر ایک کو اسی جگہ پر رزق پہنچاتا ہے اور اگرچہ یہ سب چیزیں علم الٰہی میں تو ہیں ہی مگر اس کے ساتھ ہی یہ (سب چیزیں کھلی کتاب) یعنی لوح محفوظ (میں) بھی مندرج (ہیں)۔

ربط: اوپر بتایا کہ قرآن پاک کو نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ تم کفر و شرک کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو۔ آگے بتاتے ہیں کہ اس سارے نظام کی تخلیق سے مقصود تمہارا یہاں بسانا اور امتحان کرنا ہے کہ تم کفر و شرک چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو یا نہیں۔ امتحان میں کامیابی و ناکامی کی صورت میں جزا و سزا دینا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دنوں میں اور تھا اس

کا عرش پانی پر تا کہ آزمائے تم کو کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل میں۔

تفسیر: (اور وہی) اللہ (ہے جس نے) سب (آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن) کی مقدار (میں پیدا کیا) اور اس وقت (اس کا عرش پانی پر تھا) جیسا کہ اب آسمانوں کے اوپر ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ کائنات کی ہر چیز پر تصرف و تسلط صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ پانی کائنات کا مادہ اور ذریعہ حیات تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے یہ آسمان اور زمین اور تمہاری ضرورت اور تمہارے نفع کی بہت سی چیزیں بنائیں (تا کہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون) آسمان و زمین کے نظام اور ان میں موجود منافع پر غور کر کے اللہ پر ایمان لاتا ہے اور (عمل میں اچھا) بنتا (ہے) اور کون کفر و شرک پر برقرار رہتا ہے اور اس طرح اچھی جزا یا بری سزا کا حقدار بنتا ہے۔

ربط: مذکورہ بالا تمام تنبیہات کے باوجود بہت سے کافر اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور بجائے ماننے کے الٹا مذاق اڑاتے ہیں۔

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوثُونَ مِنْ
بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۷﴾
وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا
يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم
مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۸﴾

ترجمہ: اور اگر تو کہے کہ تم اٹھائے جانے والے ہو موت کے بعد تو ضرور کہیں گے کافر کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا۔ اور اگر ہم مؤخر کر دیں ان سے عذاب کو گنتی (کے دنوں) کی مدت تک تو ضرور کہیں گے کہ کیا چیز روک رہی ہے اس (عذاب) کو۔ آگاہ رہو جس دن آئے گا (عذاب) ان پر نہ پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گا ان کو وہ (عذاب) جس کا وہ استہزاء کرتے تھے۔

تفسیر: (اور اگر آپ کہیں کہ تم لوگ مرنے کے بعد) قیامت کے دن (یقیناً دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے) اور اس بارے میں وہ آپ کی زبان سے قرآن کی صورت میں نہایت مؤثر بیان سنیں (تو جو لوگ کافر ہیں وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے) جس نے بہت سے لوگوں کو مرعوب و

مسحور کر لیا ہے مگر ہم پر یہ جادو چلنے والا نہیں ہے (اور) ان کی ان شرارتوں پر ہم ان کو اپنے عذاب کا ڈراوا دیتے ہیں لیکن پھر اپنی کسی حکمت سے (اگر ہم ان سے عذاب کو گنتی کے کچھ دنوں تک ملتوی رکھتے ہیں تو) انکار و استہزاء کے طور پر (کہنے لگتے ہیں کہ) جب تمہارے نزدیک ہم عذاب کے مستحق ہیں تو (اس عذاب کو کونسی چیز روک رہی ہے) اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر عذاب کی کوئی حقیقت ہوتی تو اب تک ہو جاتا۔ جب نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں کہ (یاد رکھو جس دن وہ عذاب ان پر آپڑے گا تو پھر ان سے کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کے ساتھ یہ استہزاء کرتے تھے وہ ان کو) ہر طرف سے (گھیر لے گا) اور تباہ و برباد کر دے گا۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ اب تو استہزاء سے کہتے ہیں کہ عذاب کہاں ہے؟ آتا کیوں نہیں؟ آگے اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ ان کا ایسا کہنا اور استہزاء کرنا اس وجہ سے ہے کہ عام طور سے آدمی میں بودا پن بہت ہے پچھلے حالات جلد ہی بھول جاتا ہے اور موجودہ حالات سے سمجھتا ہے کہ یہ آئندہ کبھی نہ بدلیں گے۔ اسی طرح یہ منکر لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ موجودہ حالات ہمیشہ ایسے ہی رہیں گے اور ان پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ
نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ
مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۗ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿۱۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت پھر چھین لیں ہم اس کو اس (آدمی) سے تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھا دیں اس کو نعمت بعد مصیبت کے جو پہنچی تھی اس کو تو کہتا ہے دور ہو گئے برے حالات مجھ سے تو وہ اترانے والا شیخی بگھارنے والا ہو جاتا ہے مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور نیک عمل کئے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

تفسیر: (اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت) و مہربانی (کا مزہ چکھا کر اس سے چھین لیتے ہیں) اور تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں تو وہ پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے (اور ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی مصیبت کے بعد جو کہ اس کو پہنچی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھا دیں تو) ایسا اتراتا ہے کہ (کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا) اب کبھی نہ ہوگا۔ بس (وہ اترانے لگتا ہے شیخی بگھارنے لگتا ہے

مگر جو لوگ مستقل مزاج ہیں اور نیک کام کرتے ہیں) مراد ہیں مومن لوگ کیونکہ ان ہی میں یہ دونوں وصف کم وبیش درجہ میں پائے جاتے ہیں تو وہ ایسا مظاہرہ نہیں کرتے بلکہ نعمت کے زوال کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور نعمت ملنے کے وقت اعمال صالحہ کا جو حاصل ہے یعنی شکر و اطاعت اس کو بجا لاتے ہیں۔ پس (ایسے لوگوں کے لئے) بڑی (مغفرت اور بڑا اجر ہے) خلاصہ یہ ہے کہ مومنوں کے علاوہ اکثر آدمی ایسے ہی ہیں کہ ذرا سی بات میں نڈر ہو جائیں اور ذرا سی بات میں ناامید ہو جائیں۔ اس لئے یہ لوگ عذاب کی تاخیر کے سبب سے بے خوف اور منکر ہو گئے ہیں۔

ربط: شروع سورت میں کہا گیا تھا کہ قرآن پاک کے نزول کا بڑا مقصد یہ ہے کہ لوگ کفر و شرک کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت کریں۔ اس وجہ سے شرک و بت پرستی کی جو تردید کی جاتی تو مشرکین مکہ اس پر بہت غصہ کرتے اور ان کی کوشش ہوتی کہ اس بنیادی مسئلہ کی تبلیغ نہ کی جائے۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوتی تو بے ہودہ فرمائشیں کرنے لگتے۔ مشرکوں کی ان باتوں سے رسول اللہ ﷺ کو سخت غم ہوتا اور ان کی ہدایت کے واسطے آپ کو طرح طرح کے خیال آتے۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: پس شاید کہ تو چھوڑنے والا ہے بعض وہ چیز جو وحی کی گئی ہے تیری طرف اور تنگ ہونے والا ہے اس سے تیرا سینہ کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اتارا گیا اس پر خزانہ یا (کیوں نہیں) آیا اس کے ساتھ فرشتہ۔ محض تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہر چیز پر ذمہ دار ہے۔

تفسیر: یہ لوگ جو انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں تو آپ اس سے تنگدل نہ ہوں کیونکہ تنگدلی کا نتیجہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس کام کی ہمت ہار بیٹھتا ہے اور کام چھوڑ دیتا ہے۔ آپ جو ان لوگوں کی روش سے تنگدل ہوتے ہیں (تو شاید آپ) بھی (ان احکام میں سے جو کہ آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں بعض کو) یعنی توحید کی تبلیغ کو (چھوڑ دینا چاہتے ہیں) لیکن جب حقیقت یہ ہے کہ آپ بڑی ہمت والے ہیں اور حکم خداوندی کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تو پھر تنگدل نہ ہوا کریں۔ (اور آپ کا دل اس بات سے بھی تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ) اگر یہ نبی ہیں تو (ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ہمراہ فرشتہ) جو ہم سے بات چیت کرتا (کیوں نہیں آیا)۔ سو ایسی

باتوں سے آپ تنگ نہ ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ اگر ان کی یہ ضد پوری کر دی جائے تو ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں کیونکہ ایک بات تو یہ ہے کہ (آپ تو) کفار کو (صرف ڈرانے والے ہیں) یعنی نبی اور پیغمبر ہیں اور آپ کی نبوت کی دلیل کے لئے کوئی بھی معجزہ ہونا کافی ہے اور ہم نے حسی معجزوں کے علاوہ آپ کو بہت بڑا معجزہ قرآن عطا فرمایا ہے اس لئے کافروں کے فرمائشی معجزے دکھانا کوئی ضروری نہیں ہے (اور) دوسری بات یہ ہے کہ (ہر شے کے ذمہ دار) اور اس پر پورا اختیار رکھنے والے (اللہ) تعالیٰ (ہیں) آپ نہیں۔ جب یہ بات ہے تو کافروں کے مطلوبہ معجزوں کو ظاہر کرنا آپ کے اختیار سے باہر ہے پھر آپ کو اس کی فکر کیوں ہو اور اس فکر سے تنگی کیوں ہو۔

ربط: اوپر بتایا کہ نبوت کی دلیل کے لئے کسی بھی معجزہ کا ہونا کافی ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ کو بہت بڑا معجزہ قرآن دیا گیا ہے۔ لیکن کافر بات ٹلانے کے لئے کہتے تھے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ آپ نے اس کو اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں اور پھر اس کے ماننے والوں کا اور نہ ماننے والوں کا انجام بتاتے ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا
بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ
اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا
أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾
مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ
فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾
أَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ
قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوسٰٓى إِمَامًا وَّرَحْمَةً ۚ أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ ۚ وَ
مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ

مِنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ
عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ
اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ
يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ
مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ
الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا
اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ
الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ
مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع

ترجمہ: کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے گھڑ لیا ہے قرآن کو۔ تو کہہ دے تو تم لے آؤ دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو جن جن کو تم سے ہو سکے اللہ کے سوا اگر تم ہو سچے۔ پھر اگر وہ پورا نہ کریں تمہارا کہنا تو یقین کرو کہ (قرآن) محض نازل کیا گیا ہے اللہ کے علم سے اور یہ کہ نہیں ہے کوئی مستحق عبادت مگر وہی تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو۔ جو کوئی چاہے دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہم بھگتا دیتے ہیں ان کو ان کے اعمال اسی (دنیا) میں اور وہ دنیا میں کچھ کمی نہیں کیئے جاتے۔ یہی ہیں نہیں ہے جن کے لئے آخرت میں مگر آگ اور برباد ہوا جو انہوں نے

کیا تھا آخرت میں اور بے کار ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ کیا (منکر قرآن ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے) جو قائم ہو قرآن پر اپنے رب کے اور اس کے ساتھ ہو ایک گواہ اسی (قرآن) میں سے اور اس (قرآن) سے پہلے کی (گواہ) موسیٰ کی کتاب ہے رہنما اور رحمت۔ یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں اس (قرآن) پر۔ اور جو کوئی انکار کرے قرآن کا فرقوں میں سے تو دوزخ اس کا جائے وعدہ ہے سو تو مت ہو شک میں قرآن کی طرف سے۔ بے شک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے ولیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اور کون زیادہ ظالم ہوگا اس شخص سے جو باندھے اللہ پر جھوٹ۔ وہ لوگ پیش کئے جائیں گے اپنے رب پر اور کہیں گے گواہ (یعنی فرشتے) یہی لوگ ہیں جنہوں نے جھوٹ لگایا اپنے رب پر سن لو اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر وہ جو کہ روکتے تھے اللہ کے راستے سے اور ڈھونڈتے تھے اس میں کجی کو اور یہی لوگ آخرت کے منکر تھے۔ یہ لوگ نہیں ہیں عاجز کر دینے والے (اللہ کو) زمین میں اور نہیں ہیں ان کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی۔ دوگنا کیا جائے گا ان کے لئے عذاب۔ نہ یہ طاقت رکھتے تھے سننے کی اور نہ یہ دیکھتے تھے۔ یہی ہیں جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی جانوں کو اور گم ہو گیا ان سے جو وہ افتراء کرتے تھے۔ کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ آخرت میں وہی سخت نقصان والے ہوں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک اور جھکے اپنے رب کی طرف وہ ہیں جنت والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مثال دونوں فریقوں کی ہے جیسے (ایک شخص) اندھا اور بہرا اور (دوسرا شخص) دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں برابر ہیں حالت میں کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (کیا) اس قرآن کی نسبت (وہ یوں کہتے ہیں کہ) نعوذ باللہ (آپ نے اس کو) اپنی طرف سے (بنا لیا ہے۔ آپ جواب میں فرما دیجئے) کہ اگر یہ میرا بنایا ہوا ہے (تو) اچھا (تم بھی اس جیسی دس سورتیں) جو تمہاری (بنائی ہوئی) ہوں (لے آؤ اور) اپنی مدد کے لئے اپنے معبودوں سمیت (جن جن غیر اللہ کو بلا سکو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پھر یہ کفار اگر تم لوگوں کا) یعنی پیغمبر ﷺ کا اور مومنوں کا یہ (کہنا) کہ اس کی مثل بنا لاؤ (نہ کریں تو تم) ان سے کہہ دو کہ اب تو (یقین کر لو کہ یہ) قرآن صرف (اللہ ہی کے علم) اور قدرت (سے اترا ہے) کسی اور کے علم و قدرت کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہے (اور یہ) بھی یقین کر لو (کہ اللہ کے سوا کوئی اور مستحق عبادت نہیں ہے) کیونکہ جس کے کلام کا مثل نہیں ہو سکتا اس کی ذات و صفات میں کون شریک ہو سکتا ہے۔ (تو کیا) ایسے واضح دلائل کے بعد بھی (تم مسلمان ہوتے ہو) یا نہیں۔ ایسے واضح ثبوت کے بعد بھی (جو شخص محض حیات دنیوی) کی منفعت (اور اس کی رونق) حاصل کرنا (چاہتا ہے) اور اگر بظاہر کوئی نیک کام کرتا ہے مثلاً خیرات وغیرہ کرتا ہے تو اس

سے بھی آخرت کا ثواب اور خدا کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی بلکہ محض دنیوی فوائد مثلاً نیک نامی اور شہرت وغیرہ کو حاصل کرنا پیش نظر ہوتا ہے (تو ہم ان لوگوں کو ان کے ان) اعمال (کی جزا دنیا ہی میں پورے طور سے بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں کی جاتی) یعنی دنیا ہی میں ان اعمال کے عوض ان کو نیک نامی اور صحت اور خوش عیشی اور اموال و اولاد کی کثرت عطا کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اس صورت میں ہوتا ہے جب بظاہر نیک اعمال زیادہ ہوں۔ اور اگر بظاہر نیک اعمال کے ہوتے ہوئے برے اعمال زیادہ ہوں تو پھر یہ مذکورہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تو دنیا میں ہوا۔ رہا آخرت میں سو (یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں سوائے دوزخ کے اور کچھ) ثواب وغیرہ (نہیں اور جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب) کا سب (ناکارہ ثابت ہوگا اور) واقع میں تو (جو کچھ کر رہے ہیں وہ) اب بھی (بیکار) و بے اثر (ہے) کیونکہ ان بظاہر نیک اعمال سے آخرت کا ثواب مقصود نہیں ہے بلکہ دنیوی شہرت وغیرہ ہی مقصود ہے۔ رہے وہ کافر جن کی نیت آخرت کے ثواب کی ہو ان سے یہاں تعرض نہیں کیا گیا۔

منکرین قرآن کا حال جان لینے کے بعد اب بتاؤ (کیا) منکر قرآن ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے (جو قرآن پر قائم ہو جو کہ اس کے رب کی طرف سے آیا ہے اور اس) قرآن (کے ساتھ ایک گواہ تو اسی) قرآن (میں موجود ہے) یعنی اس کا معجزہ ہونا جو کہ عقلی دلیل ہے (اور) ایک (اس سے پہلے موسیٰ) علیہ السلام (کی کتاب) یعنی تورات اس کے ساتھ گواہی کے لئے موجود (ہے جو کہ) احکام بتلانے کے اعتبار سے (رہنما تھی اور) ان احکام کو پورا کرنے پر جو ثواب ملتا تھا اس کے بتانے کے اعتبار سے وہ سبب (رحمت تھی) اور یہ دلیل نقلی ہے۔ غرض قرآن کے صحیح اور سچے ہونے کے لئے یہ دونوں دلیلیں موجود ہیں۔ ان ہی دلائل کے سبب سے (یہ لوگ) جو قرآن پر قائم ہیں (اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور) ان کے برعکس منکرین قرآن کا حال اس طرح سے ہے کہ (جو شخص) دوسرے (سب فرقوں) یعنی یہود، نصاریٰ، بت پرستوں اور مجوسیوں وغیرہ (میں سے اس قرآن کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدہ کی جگہ ہے)۔ غرض معلوم ہو گیا کہ قرآن کا منکر اور قرآن کی تصدیق کرنے والا دونوں برابر نہیں ہیں (سوائے مخاطب تم قرآن) کا انکار کرنا تو کجا اس کی طرف سے شک میں) بھی (مت پڑنا۔ یقیناً وہ حق) اور سچی کتاب ہے تمہارے رب کی طرف سے) آئی ہے (لیکن) ان دلائل کے باوجود غضب ہے کہ (بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے)۔

(اور) جب قرآن جھوٹ اور افتراء نہیں بلکہ خدا کا سچا کلام ہے جس کو قبول کرنا ضروری ہے تو (ایسے شخص سے کون زیادہ ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے) مثلاً اس کا کلام نہ ہو اور کہہ دے کہ اس کا کلام ہے یا واقعی اس کا کلام ہو اور خدا بار بار فرمائے کہ میرا کلام ہے لیکن کھلے دلائل کے باوجود جھٹلاتا

رہے اور کہے کہ خدا کا کلام نہیں ہے (یہ لوگ) قیامت کے دن (اپنے رب کے سامنے) مفتری ہونے کی حیثیت سے (پیش کئے جائیں گے اور) اعمال کے گواہ (فرشتے) علی الاعلان (یوں کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنے رب کی نسبت جھوٹی باتیں لگائی تھیں۔) سب (سن لو کہ ایسے ظالموں پر خدا کی) زیادہ (لعنت ہے جو) اپنے ظلم و ناانصافی سے قرآن کو جھوٹا بتاتے تھے اور اس کے ساتھ دوسروں کو بھی (خدا کی راہ) یعنی قرآن اور دین (سے روکتے تھے اور اس) دین کی سیدھی راہ (میں کجی تلاش کرتے تھے) یعنی اس کو ٹیڑھا ثابت کرنے اور اس میں شبہات نکالنے کی تلاش اور فکر میں رہتے تھے تاکہ دوسروں کو گمراہ کریں (اور یہ آخرت کے بھی منکر تھے) یہاں تک فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا۔ آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (یہ لوگ) تمام روئے (زمین پر) بھی (اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے) کہ کہیں جا کر چھپ جاتے اور خدا تعالیٰ کے ہاتھ نہ آتے (اور نہ ان کا خدا کے سوا کوئی مدد گار ہوا) کہ گرفتاری کے بعد چھڑا لیتا (ایسے لوگوں کو) دوسروں کے مقابلہ میں (دوگنی سزا دی جائے گی) ایک اپنے کافر ہونے کی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرنے کی (اور) حق کے لئے دنیا میں ایسے اندھے بہرے بنے کہ (ان کو نہ حق بات سننے کی تاب تھی اور نہ) ہی خدا کی نشانیوں کو (دیکھتے تھے) جنہیں دیکھ کر ممکن تھا کہ راہ ہدایت پا لیتے۔ (یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے اور جو جھوٹے دعوے کرتے تھے وہ سب یہاں پہنچ کر گم ہو گئے۔ لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے)۔ قرآن کے منکرین کی بدانجامی کے مقابلہ میں قرآن کے ماننے والوں کا نیک انجام بیان کرتے ہیں کہ ان کی عاجزی اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اس لئے اپنی دائمی خوشنودی کا مقام عطا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور) دل سے (اپنے رب کی طرف جھکے) اور دل میں عاجزی کو پیدا کیا (ایسے لوگ اہل جنت ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔ اور منکرین و مومنین کے انجام کے میں اتنا زیادہ فرق قابل تعجب نہیں کیونکہ (دونوں فریقوں) کے موجودہ حالات میں بڑا فرق ہے اور ان (کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بھی ہو اور بہرا بھی ہو) کہ نہ بات سن سکے اور نہ اشارہ دیکھ سکے تو اس کے سمجھنے کی عام طور سے کوئی صورت ہی نہیں ہے (اور ایک شخص ہو کہ دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو) اور دیکھنے سننے پر آمادہ بھی ہو سو یہ سمجھ سکتا ہے۔ (کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں) ہرگز نہیں بلکہ ان کی حالتوں میں فرق ہے (کیا پھر بھی تم) اس فرق کو (نہیں سمجھتے) یعنی یہ تو بالکل کھلی بات ہے۔ تو جب ان کی موجودہ حالتوں میں بڑا فرق ہے تو ان کے انجاموں میں اتنا فرق بھی قابل فہم ہے قابل تعجب نہیں۔

ربط: اوپر کے مضمون کہ جو رسول کی بات مان کر توحید اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے حکموں کی

پابندی کرتے ہیں ان کے لئے اچھا انجام ہے اور جو انکار کی روش اختیار کرتے ہیں ان کے لئے برا انجام
ہے آگے اس کی تائید میں چند قصے ذکر کرتے ہیں۔

پہلا قصہ: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ
يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا
بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ
الرَّاْىِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾
قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا
كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى
اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّىْۤ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ
طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ
اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ
تَزْدَرِىْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِىْۤ
اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّىْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا
فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَ
لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ
يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ؕ

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بے شک میں تمہارے واسطے کھلا ڈرانے والا ہوں کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی۔ میں خوف کرتا ہوں تم پر دردناک دن کے عذاب کا۔ سو کہا سرداروں نے جو کافر تھے ان کی قوم میں سے نہیں دیکھتے ہم تم کو مگر بشر اپنے جیسا اور نہیں دیکھتے ہم تم کو کہ پیروی کرتے ہیں تمہاری مگر وہ جو ہمارے نیچ لوگ ہیں بلا تامل اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا۔ کہا اے میری قوم بتاؤ تو اگر میں ہوں دلیل پر اپنی رب کی جانب سے اور اس نے عطا کی مجھ کو رحمت اپنے پاس سے پھر وہ مخفی رکھی گئی تم پر تو کیا ہم مجبور کر دیں تم کو اس پر حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ اور اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر اور نہیں ہوں میں دھکے دینے والا ایمان والوں کو۔ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے لیکن واقعی میں دیکھتا ہوں تم لوگوں کو کہ جہالت کر رہے ہو۔ اور اے میری قوم کون مدد کرے گا میری اللہ کے مقابلہ میں اگر میں دھکے دوں ان کو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور نہیں کہتا میں تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں جانتا ہوں غیب کو اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں کہتا ہوں ان لوگوں کے بارے میں جن کو حقیر سمجھتی ہیں تمہاری نگاہیں کہ ہرگز نہ دے گا ان کو اللہ کوئی بھلائی۔ اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کہوں تو) بلاشبہ میں اس صورت میں ہوں گا ناانصافی کرنے والوں میں سے۔ وہ بولے اے نوح تم نے جھگڑا کیا ہم سے اور بہت زیادہ کیا ہم سے جھگڑا تو لے آؤ جس کا تم ڈراوا دیتے ہو ہم کو۔ اگر تم ہو سچوں میں سے۔ کہا (نوح نے) لے آئے گا تمہارے اوپر اس کو اللہ اگر وہ چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کر دینے والے۔ اور نہیں نفع دے گی تم کو میری خیر خواہی اگر میں چاہوں کہ خیر خواہی کروں تمہارے لئے اگر اللہ ارادہ کرے کہ گمراہ کر دے تم کو۔ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (اور ہم نے نوح) علیہ السلام (کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا کہ) اول تو

اپنی قوم کو یہ بتا دو کہ ہم سب کا خالق و مالک صرف اللہ ہے اور ہماری تخلیق کی ایک خاص غرض ہے۔ اور اگر تم اس غرض سے روگردانی کرو تو جان لو کہ (میں) اس پر (تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں) اور تمہاری تخلیق کی غرض یہ ہے (کہ تم) صرف اللہ کی عبادت کرو (اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو) اور جو بت تم نے قرار دے رکھے ہیں ان کو چھوڑ دو ورنہ (میں تمہارے حق میں دردناک دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں۔ سو ان کی قوم میں جو کافر سردار تھے وہ) جواب میں (کہنے لگے کہ) تم جو نبوت و رسالت کا دعوی کرتے ہو تو ہمیں یہ بات تسلیم نہیں کیونکہ خدا کے بھیجے ہوئے رسول کو تمام قوم کے مقابلہ میں کوئی نمایاں امتیاز ہونا چاہئے جب کہ (ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہماری ہی طرح) جنس (بشر) سے (ہو) آسمان کے فرشتے نہیں ہو جس کے سامنے خواہ مخواہ انسانوں کی گردنیں جھک جائیں۔ پھر بشر بھی ایسے نہیں جسے کوئی خاص بڑائی ہم پر حاصل ہو مثلاً بڑے دولتمند یا جاہ و حکومت کے مالک ہوتے (اور جو لوگ تمہارے پیرو کار ہوئے وہ وہ ہیں جو ہم میں) کم عقل اور (بالکل رذیل ہیں) جن کے ساتھ بیٹھنا ہم جیسے شریفوں کے لئے عار ہے اور ایسے لوگوں کا (سرسری رائے سے) بلا سوچے سمجھے ایمان لے آنا تمہارا کونسا کمال ہے غرض (ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت) اور بڑائی (نہیں دیکھتے) اس لئے تمہارا دعویٰ درست نہیں (بلکہ ہم تم کو) بالکل (جھوٹا سمجھتے ہیں) تم نے اپنی طرف سے ایک بات بنالی اور چند بے وقوفوں نے ہاں میں ہاں ملا دی تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک اٹھا کر کوئی امتیاز اور بزرگی حاصل کرلو۔ (نوح) علیہ السلام (نے فرمایا اے میری قوم) کے لوگو یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کو عام انسانوں سے بالکل ممتاز ہونا چاہئے لیکن وہ امتیاز مال و دولت اور ملک و حکومت میں نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق، تقوی، خدا ترسی، حق پرستی اور مخلوق کے لئے دردمندی اور وحی الٰہی اور ربانی دلائل اور خصوصی رحمتوں کے ذریعہ سے ان کو امتیاز حاصل ہوتا ہے اور مجھ میں یہ سب باتیں موجود ہیں تو (بتاؤ اگر مجھے اپنے رب کی جانب سے) مذکورہ بالا امتیازات کی (دلیل حاصل ہو اور اللہ نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا کی ہو پھر تم پر اس کو مخفی کر دیا ہو) کہ تمہیں یہ باتیں نظر نہیں آتیں (تو کیا ہم تمہیں اس) کے دیکھنے اور اس کا اقرار کرنے (پر) زبردستی (مجبور کر سکتے ہیں جب کہ تم) اس طرف آنکھ کھول کر دیکھنا بھی (ناپسند کرتے ہو)۔

(اور اے میری قوم) کے لوگو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ میں نے یہ باتیں اپنی طرف سے بنالی ہیں اور بے وقوفوں کو اپنے ساتھ لگالیا ہے تاکہ اس طرح سے امتیاز حاصل کر کے کچھ دنیا کمالوں تو سمجھ لو کہ (میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ مال نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے) اسی طرح اور دنیوی اغراض پر غور کرو گے تو میرے یہاں ان کی بھی نفی پاؤ گے۔ اور جب میری کوئی دنیوی غرض ہے ہی نہیں تو میں اپنے غریب پیرو کاروں کو چھوڑ کر مالداروں کی طرف کیوں جھکوں (اور) اگر تم ان کو افلاس یا پیشہ کی

وجہ سے حقیر سمجھتے ہو اور یوں کہتے ہو کہ تم میری بات اس وقت سنو گے جب میں ان کو چلتا کر دوں اور اپنے سے پرے ہٹا دوں تو جان لو کہ (میں ایمان) جیسی عظیم الشان دولت (والوں کو دھکے دینے والا نہیں) کیونکہ ان کا اللہ کے ہاں بڑا مقام ہے اور (یہ لوگ) آخرت میں (اپنے رب سے) عزت و مقبولیت کے ساتھ (ملنے والے ہیں)۔ غرض یہ لوگ تو بارگاہ الٰہی کے مقربین ہیں (لیکن) ان کے برعکس (میں تم لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ) خواہ مخواہ (جہالت کر رہے ہو) اور بے ڈھنگی باتیں کر رہے ہو۔ (اور) تمہاری باتوں میں آ کر (اگر میں) اللہ کے (ان) محبوب و مقرب بندوں (کو دھکے دے کر نکال دوں تو اے میری قوم) کے لوگو مجھے بتاؤ کہ پھر (مجھے اللہ کی گرفت سے کون بچائے گا) کیا تم مجھے بچا سکو گے؟ ظاہر ہے کہ تم میں اس کی طاقت کہاں ہے۔ تو (کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔ اور) جان لو کہ میں حقیقت کے اظہار میں کچھ افراط و تفریط نہیں کرتا اس لئے (میں تم سے) اپنا امتیاز بنانے کے لئے (نہ یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور نہ میں) یہ (کہتا ہوں کہ میں) تمام (غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور) اسی طرح (میں ان لوگوں کے بارے میں جو تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں) حقیقت سے ہٹ کر (نہ یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو) دنیا و آخرت میں (ہرگز کوئی بھلائی نہ دے گا) بلکہ (ان کے دلوں میں جو) ایمان و یقین (ہے اللہ اس سے خوب باخبر ہے) اور اس کی بنیاد پر وہ ان کو جو چاہے معارف و مراتب عطا فرما دے اس لئے اگر میں ایسی بات کہہ دوں (تو اس صورت میں بلاشبہ میں ناانصافی کرنے والوں میں سے ہوں گا)۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے سب باتوں کا پورا پورا جواب دے دیا جس کا جواب ان سے کچھ نہ بنا تو عاجز ہو کر (کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑا کر چکے ہو پھر اس جھگڑے کو بہت بڑھا بھی چکے ہو سو) اب یہ سلسلہ بند کر دو اور (جس چیز سے تم ہم کو دھمکایا کرتے ہو) کہ عذاب آ جائے گا سو (اگر تم سچے ہو تو اس کو ہم پر لے آؤ) تاکہ یہ روز روز کا جھگڑا ختم ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام نے (فرمایا) میں نے یہ دعویٰ تو کبھی نہیں کیا کہ میں تم پر عذاب لے آؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا اختیار نہیں دیا ہے۔ (تم پر عذاب تو صرف اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور) پھر اس وقت (تم اس کو عاجز نہ کر سکو گے) کہ وہ عذاب واقع کرنا چاہے اور تم نہ ہونے دو۔ میرا کام تو صرف اس قدر تھا کہ تمہیں اللہ کی بات پہنچا دوں (اور) سنا دوں۔ اس میں میں نے تمہاری پوری خیر خواہی کی لیکن (میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی اگرچہ میں تمہاری) کیسی ہی (خیر خواہی کرنا چاہوں جب کہ) تم اپنے عناد اور اپنے تکبر کی وجہ سے اپنے نفع کی نہیں سوچتے اور اس کے ذریعہ سے (اللہ کو تمہارا گمراہ کرنا منظور ہے۔ وہی تمہارا مالک ہے) جس کے ملک و تصرف میں ہر چیز ہے جس کے ساتھ جیسا چاہے معاملہ کرے کوئی روک نہیں سکتا (اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ

گے) اور وہی سب کے اعمال کی جزا و سزا دینے والا ہے۔

ربط: حضرت نوح علیہ السلام کا یہ سارا قصہ سنا کر درمیان میں منکرین قرآن کو تنبیہ کرتے ہیں کہ کیا اب بھی تم یہی کہو گے کہ نبی ﷺ نے اس کو اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔ اگر تم اب بھی یہی کہے جاؤ تو تم جانو خود ہی بھگتو گے۔

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُهٗ فَعَلَیَّ اِجۡرَامِیۡ وَاَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ گھڑ لیا ہے (رسول نے) اس کو۔ تو کہہ دے اگر میں نے گھڑا ہے اس کو تو مجھ پر ہے میرا جرم اور میں بری ہوں اس سے جو تم جرم کرتے ہو۔

تفسیر: (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ (نے) نعوذ باللہ (یہ قرآن اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔ آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ اگر) بالفرض (میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرا یہ جرم مجھ پر عائد ہو گا) لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک تو تم میرے دیئے ہوئے چیلنج کو کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ کے لے آؤ پورا کرنے سے عاجز رہے ہو (اور) دوسرے تمہیں خوب معلوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ پورا قصہ میں نے کسی انسان سے نہ سیکھا نہ پڑھا تو تم اپنی خیر مناؤ کیونکہ اس صورت میں (تم جو کچھ جرم کرتے ہو) اور قرآن گھڑنے کا ناجائز الزام لگاتے ہو (اس سے میں بری الذمہ ہوں) اور اس کا وبال صرف تم پر ہو گا۔

ربط: ضمناً مشرکین کے ایک دعوے کا جواب دے کر دوبارہ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب نصیحت کرتے ہوئے سینکڑوں برس پر محیط ایک زمانہ دراز گزر گیا اور کچھ اثر نہ ہوا اور قوم کی عداوت و ایذا رسانی جاری رہی تب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے آگے درخواست کی کہ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ یعنی میں مغلوب و ضعیف ہوں آپ ان سے بدلہ لیجئے اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اب ہمارا عذاب آتا ہے۔

وَاُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾ وَاصۡنَعِ

الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ
اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ
قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ
كَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ
وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۹﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ
التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ
اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ
اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ
اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟
وَنَادٰى نُوْحُ ِۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا
وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ
مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ
وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ
ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ
وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور وحی کی گئی نوح کی طرف کہ ہرگز ایمان نہ لائے گا تمہاری قوم میں سے مگر جو ایمان لا چکا سو غم نہ کرو اس پر جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ اور تم بناؤ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے اور مت بات کرنا مجھ سے ظالموں کے بارے میں بلاشبہ وہ غرق

ہونے والے ہیں۔ اور وہ بناتے تھے کشتی۔ اور جب بھی گزرتے ان پر سرداران کی قوم کے تمسخر کرتے ان سے۔ (نوح نے) کہا اگر تم تمسخر کرتے ہو ہم سے تو ہم تمسخر کرتے ہیں تم سے جیسے تم تمسخر کرتے ہو۔ سو تم جلد جان لو گے کہ کون ہے وہ آتا ہے جس پر عذاب کہ رسوا کرے گا اس کو اور (کون ہے وہ) اترتا ہے جس پر عذاب دائمی۔ یہاں تک کہ جب آ پہنچا ہمارا حکم اور جوش مارا تندور نے کہا ہم نے چڑھا لو اس میں ہر قسم سے جوڑا دو عدد اور (چڑھا لو) اپنے گھر والوں کو مگر وہ کہ سبقت کر چکا جس پر حکم اور (چڑھا لو) سب لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں ایمان لائے تھے ان کے ساتھ مگر تھوڑے۔ اور کہا سوار ہو جاؤ کشتی میں۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بے شک میرا رب ہے بخشنے والا مہربان۔ اور وہ کشتی لئے جا رہی تھی ان کو موج میں پہاڑ جیسی۔ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو اور وہ تھا علیحدہ مقام پر اے میرے بیٹے تو سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور مت ہو کافروں کے ساتھ۔ وہ بولا میں ابھی پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی طرف جو بچا لے گا مجھ کو پانی سے۔ نوح نے کہا نہیں ہے کوئی بچانے والا آج اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہی رحم کرے اور حائل ہو گئی ان دونوں کے درمیان موج تو ہو گیا وہ ڈوبنے والوں میں سے۔ اور کہا گیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی اور پورا کر دیا گیا کام اور ٹھہری کشتی جودی پہاڑ پر اور کہا گیا دوری ہو ظالم لوگوں کے لئے۔

تفسیر: (اور نوح کے پاس وحی بھیجی گئی کہ ان لوگوں کے علاوہ جو اس وقت تک ایمان لا چکے ہیں تمہاری قوم میں سے کوئی اور) نیا شخص (ہرگز ایمان نہ لائے گا۔ تو یہ لوگ جو کچھ) کفر و ایذاء اور استہزاء (کر رہے ہیں اس پر کچھ غم نہ کرو) کیونکہ غم خلاف توقع بات سے ہوتا ہے۔ جب ان لوگوں سے مخالفت کے علاوہ کوئی اور توقع ہی نہیں پھر غم کیوں کیا جائے (اور) چونکہ ہمارا ارادہ اب ان کے غرق کرنے کا ہے اور اس لئے طوفان آنے کو ہے تو (تم) اس طوفان سے بچنے کے لئے (ہماری نگاہوں کے سامنے) یعنی ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی) کی تعلیم (کے موافق کشتی تیار کر لو) اس کے ذریعہ سے تم اور دوسرے مومن طوفان سے محفوظ رہو گے (اور) یہ سن لو کہ کافروں کے بارے میں ہمارا فیصلہ اٹل ہے کہ وہ سب غرق کئے جائیں گے اس لئے (تم) ایسے (ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ گفتگو نہ کرنا)۔ غرض نوح علیہ السلام نے کشتی کا سامان جمع کیا (اور وہ کشتی تیار کرنے لگے) خواہ خود یا دوسرے کاریگروں کے ذریعے سے (اور) کشتی بنانے کے دوران (جب بھی ان کی قوم میں سے کچھ سرداروں کا ان پر گزر ہوتا تو) ان کو کشتی بناتا دیکھ کر اور یہ سن کر کہ طوفان آنے والا ہے (ان سے ہنسی کرتے) کہ دیکھو پانی کا کہیں نام و نشان نہیں مفت میں مصیبت جھیل رہے ہیں۔ (نوح) علیہ السلام (فرماتے کہ اگر تم ہم

پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو) اور ہمارے ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے سروں کے قریب عذاب آ چکا ہے لیکن تمہیں ہنسی سوجھ رہی ہے (سو ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون شخص ہے جس پر) دنیا میں (ایسا عذاب آنے والا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور) مرنے کے بعد (اس پر دائمی عذاب نازل ہوتا رہے گا)۔ غرض اسی طرح کی باتیں چلتی رہیں (یہاں تک کہ جب) عذاب کے بارے میں (ہمارا حکم) قریب (آ پہنچا اور) طوفان شروع ہونے کی علامت کے طور پر (تندور سے پانی ابلنا شروع ہوا) اور اوپر آسمان سے برسنا شروع ہوا اس وقت (ہم نے) نوح علیہ السلام سے (فرمایا کہ) انسانوں کے کارآمد جانور جو پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے ان کی (ہر قسم میں سے ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ یعنی دو عدد اس) کشتی (میں چڑھا لو اور اپنے گھر والوں کو بھی چڑھا لو سوائے اس کے جس پر) کافر ہونے کی وجہ سے غرق ہونے کا (حکم نافذ ہو چکا ہو) کہ اس کو سوار مت کرنا (اور) گھر والوں کے علاوہ دوسرے (سب ایمان والوں کو بھی) سوار کر لو (اور سوائے تھوڑے آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہ لایا تھا) اور صرف ان ہی کو سوار کرنے کا حکم ہوا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ یعنی کشتی میں اپنے اہل کو سوار کر لو اور ایمان والوں کو سوار کر لو۔ چونکہ ایمان والوں کو علیحدہ ذکر کیا گیا اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے خیال کیا کہ اہل کے لئے ایمان کی شرط نہیں ہے۔ پھر اہل میں سے صرف اس کا استثناء کیا جس کے بارے میں غرق ہونے کا حکم نافذ ہو چکا ہے اور چونکہ اس میں اجمال ہے اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا مصداق صرف اپنی بیوی کو سمجھا جس کی مخالفت حد درجہ کو بڑھی ہوئی تھی یہاں تک کہ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کے ساتھ اس طرح ذکر ہے کہ فَخَانَتَاهُمَا (ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی)۔ اس خیال کی وجہ سے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو اس کے کافر ہونے کے باوجود کشتی میں سوار ہونے کو کہا جیسا کہ آ رہا ہے۔ (اور نوح) علیہ السلام (نے) سب جانوروں کو سوار کر کے اپنے پیروکاروں سے (فرمایا کہ) آؤ اس (کشتی میں سوار ہو جاؤ) اور ڈوبنے کا کچھ اندیشہ مت کرنا کیونکہ (اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا) سب (اللہ ہی کے نام سے ہے) اور وہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اگرچہ ہم سے بھی کوتاہیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے ہم کو بھی سزا ہو تو صحیح ہے لیکن (بلاشبہ میرا رب غفور ہے رحیم ہے) وہ اپنی رحمت سے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور حفاظت بھی فرماتا ہے۔ غرض سب کشتی پر سوار ہو گئے اور اسی دوران میں پانی بڑھ گیا (اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور نوح علیہ السلام (نے اپنے) ایک (بیٹے کو) اس کے کافر ہونے کے باوجود (آواز دی کہ اے بیٹے تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو) تاکہ اس ہولناک مصیبت سے نجات پا سکے۔

(وہ) اپنے جہل سے یہ خیال کر رہا تھا کہ یہ کوئی چھوٹا موٹا سیلاب ہے اور جس طرح معمولی سیلابوں سے آدمی کسی بلند مقام پر چڑھ کر جان بچا لیتا ہے اسی طرح وہ بھی اپنی جان بچا لے گا اور پانی ابھی بہت اونچے نہ ہوا تھا اس لئے (بولا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو پانی) میں غرق ہونے (سے بچالے گا)۔

(نوح) علیہ السلام (نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں نہ پہاڑ اور نہ کوئی اور چیز (لیکن جس پر وہی رحم کرے) تو اس کو خود ہی بچالے۔ غرض وہ اس وقت بھی نہ مانا اور پانی زور شور سے بڑھتا گیا (اور دونوں) باپ بیٹے (کے بیچ میں ایک موج حائل ہوگئی پس وہ) بھی دوسرے کافروں کی طرح (غرق ہو گیا اور) جب کافر سب غرق ہو چکے تو (حکم ہو گیا کہ اے زمین اپنا پانی) جو تیری سطح پر موجود ہے اس کو (نگل جا اور اے آسمان) برسنے سے (تھم جا) چنانچہ ایسا ہی ہوا (اور پانی کم ہو گیا اور قصہ ختم ہوا اور کشتی کوہ جودی پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالم) یعنی کافر (لوگوں کیلئے رحمت سے دوری ہو) اور وہ ہمیشہ کے لئے مصیبت و ہلاکت میں پڑے رہیں۔

فائدہ: جو بچے اور جانور کسی واقعی عذاب میں ہلاک ہوتے ہیں ان کے لئے وہ عذاب کے طور پر نہیں ہوتا بلکہ موت کے دیگر طبعی اسباب مثلاً کسی گرنے والی عمارت تلے دب جانے یا ٹریفک حادثہ کا شکار ہونے وغیرہ کی طرح ایک سبب بنتا ہے۔

ربط: مذکورہ بالا قصہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے واقعہ کی مناسبت سے یہاں دو باتیں مسلمانوں کی تنبیہ کے لائق تھیں اس لئے آگے ان کو ذکر کرتے ہیں۔

پہلی تنبیہ: نبی کے اہل میں صرف وہی شمار ہوتے ہیں جو اسلام پر ہوں۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﻗ

ترجمہ: اور پکارا نوح نے اپنے رب کو اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ سب سے بڑے حاکم ہیں۔ فرمایا اے نوح وہ نہیں ہے تیرے اہل میں سے۔ اس کے عمل ہیں خراب۔

تفسیر: (اور) جب (نوح) علیہ السلام کا بیٹا غرق ہو گیا تو چونکہ وہ خیال کئے ہوئے تھے کہ

اللہ تعالیٰ نے ایمان کی شرط کے بغیر اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اس لئے اس حادثہ سے قدرتی طور پر ان کے دل میں اضطراب پیدا ہوا اور انہوں (نے) بے ساختہ (اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور) میرے اہل کو بچانے کا (آپ کا وعدہ برحق ہے) پھر یہ کیسے غرق ہو گیا باقی (آپ احکم الحاکمین ہیں) اپنی حکمت سے جو بھی فیصلہ کرتے ہیں درست کرتے ہیں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (فرمایا اے نوح یہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل خراب ہیں) کہ کفر اور نافرمانی کے علاوہ کچھ نہیں۔

دوسری تنبیہ: بڑے سے کچھ پوچھنا ہو تو اس وقت پہلے اس کی مرضی کا اندازہ کرے۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٤٦ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ

اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ

الْخٰسِرِيْنَ

ترجمہ: سو مت پوچھ مجھ سے ایسی بات نہیں ہے تجھے جس کا علم۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھے اس سے کہ تو ہو جائے جاہلوں میں سے۔ کہا نوح نے اے میرے رب میں پناہ لیتا ہوں آپ کی، اس بات سے کہ میں پوچھوں آپ سے وہ بات نہیں ہے مجھے جس کا علم اور اگر آپ نہ بخشیں مجھ کو اور نہ رحم کریں مجھ پر تو میں ہو جاؤں گا نقصان والوں میں سے۔

تفسیر: اگر کبھی بادشاہ سخت غصہ میں ہو اور اپنے باغیوں اور نافرمانوں پر سخت غصہ کا اظہار کر رہا ہو تو ایسے میں اگر کوئی فرمانبردار وزیر یا امیر بھی کوئی بات پوچھنا چاہے گا تو پہلے کہے گا کہ اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں یا اگر بادشاہ سلامت کی اجازت یا مرضی ہو تو ایک بات پوچھوں۔ مرضی معلوم کئے بغیر ہی کچھ پوچھ بیٹھے تو اس پر بھی عتاب ہو جاتا ہے۔ بیٹے کی ہلاکت دیکھ کر حضرت نوح علیہ السلام بے ساختہ سوال کر بیٹھے تو جواب عتاب آمیز ملا کہ اگرچہ سوال اسی بات کا کیا جاتا ہے جو معلوم نہ ہو لیکن تم تو انتہائی سمجھدار اور ہمارے مقرب لوگوں میں سے ہو تمہیں تو کسی بھی موقع پر ہماری مرضی اور اجازت معلوم کئے بغیر کوئی ایسی بات جو تمہیں معلوم نہ ہو مجھ سے نہ پوچھنی چاہئے میں تمہیں اس بات کی نصیحت اس لئے کرتا ہوں کہ کہیں تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ کیونکہ ہماری بارگاہ کے مقربین کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ یہ عتاب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کانپ

گئے اور فوراً توبہ کی (کہا اے میرے رب بے شک) مجھ سے خطا ہوئی میں (اس بات سے آپ کی پناہ لیتا ہوں کہ) آئندہ آپ کی مرضی معلوم کئے بغیر (آپ سے ایسی بات پوچھوں جس کا مجھے علم نہ ہو اور) جو خطا ہو چکی اس کو معاف فرما دیجئے کیونکہ (اگر آپ میری مغفرت نہ فرمائیں گے اور مجھ پر رحم نہ کریں گے تو میں بالکل ہی تباہ ہو جاؤں گا)۔

ربط: درمیان میں ضروری تنبیہات ذکر کر کے آگے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ کو مکمل کرتے ہیں۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ
مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: کہا گیا اے نوح اتر سلامتی کے ساتھ ہماری جانب سے اور برکتوں کے ساتھ اپنے اوپر اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور بہت سی جماعتیں ہیں کہ ہم فائدہ دیں گے ان کو پھر پہنچے گا ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب۔

تفسیر: جودی پہاڑ پر کشتی ٹھہرنے کے بعد جب پانی بالکل اتر گیا اس وقت نوح علیہ السلام سے (کہا گیا کہ اے نوح) اب جودی سے زمین پر (اترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں) کیونکہ وہ سب مسلمان تھے اور اسی اسلام کے اشتراک سے بعد کے مسلمانوں پر بھی سلامتی و برکات نازل ہونے کا علم ہوا لیکن بعد میں سب لوگ مسلمان نہ رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض کفر اختیار کریں گے اس لئے ان کا حال بھی بیان فرماتے ہیں کہ (بہت سی ایسی جماعتیں بھی ہوں گی کہ ہم ان کو) دنیا میں چندروز عیش کرنے کا (فائدہ دیں گے پھر آخرت میں (ان پر ہماری طرف سے دردناک سزا واقع ہوگی)۔

ربط: حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ کو ذکر کر کے پھر اصل مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور اس قصہ کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلیل بناتے ہیں۔ پھر بھی کوئی انکار کرے تو وہ جانے خود بھگتے گا۔

تِلْكَ
مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ
مِنْ قَبْلِ هٰذَا ڔ فَاصْبِرْ ڔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ ع

ترجمہ: یہ قصہ غیب کی خبروں سے ہے ہم وحی کرتے ہیں جن کی تمہاری طرف۔ نہ جانتے تھے تم ان کو اور نہ تمہاری قوم اس سے پہلے۔ سو تم صبر کرو یقیناً نیک انجام ہے متقیوں کے لئے۔

تفسیر: (یہ قصہ) آپ کے اعتبار سے (غیب کی خبروں میں سے ہے جن کو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اس) قصہ (کو) ہمارے (اس) بتلانے (سے پہلے نہ آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم جانتی تھی) اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام ہمارا اتارا ہوا ہے لیکن یہ لوگ اس کے باوجود قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے ہیں (تو آپ صبر کیجئے یقیناً نیک انجام متقیوں ہی کے لئے ہے)۔

دوسرا قصہ: حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ

هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ إِنْ أَنتُمْ
إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ يَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى
ٱلَّذِى فَطَرَنِىٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾ وَيَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ
تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ
قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا۟ يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا
نَحْنُ بِتَارِكِىٓ ءَالِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾
إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ ۗ قَالَ إِنِّىٓ أُشْهِدُ
ٱللَّهَ وَٱشْهَدُوٓا۟ أَنِّى بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِۦ ۖ فَكِيدُونِى
جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾ إِنِّى تَوَكَّلْتُ عَلَى ٱللَّهِ رَبِّى وَرَبِّكُم ۚ
مَّا مِن دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ ۚ إِنَّ رَبِّى عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾
فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّآ أُرْسِلْتُ بِهِۦٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّى

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور عاد کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی ہود کو۔ کہا (ہود نے) اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی مستحق عبادت سوائے اس کے۔ نہیں ہو تم مگر جھوٹ گھڑنے والے۔ اے میری قوم نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ اجرت۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اس (ذات) پر جس نے پیدا کیا مجھ کو کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور اے میری قوم بخشش طلب کرو اپنے رب سے پھر متوجہ رہو اس کی طرف وہ چھوڑے گا بارش تم پر موسلا دھار اور مزید دے گا تم کو قوت تمہاری قوت کی طرف اور تم مت منہ موڑو مجرم ہوتے ہوئے۔ (قوم کے لوگ) بولے اے ہود نہیں لائے تم ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہم چھوڑنے والے اپنے معبودوں کو تمہارے کہنے سے اور نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے۔ نہیں کہتے ہم مگر یہ کہ پہنچائی ہے تم کو ہمارے کسی معبود نے برائی۔ کہا (ہود نے) میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم (بھی) گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس (خدا) کے سوا۔ تو داؤ لگاؤ مجھ سے تم سب پھر نہ مہلت دو تم مجھ کو۔ میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو میرا رب اور تمہارا رب ہے۔ نہیں کوئی زمین پر چلنے والا مگر یہ کہ وہ پکڑا ہوا ہے اس کی پیشانی کو۔ بے شک میرا رب ہے سیدھی راہ پر۔ پھر اگر تم منہ پھیرے رہو تو میں پہنچا چکا تم کو وہ بھیجا گیا تھا میں جس کے ساتھ تمہاری طرف۔ اور جانشین بنائے گا میرا رب لوگوں کو تمہارے سوا۔ اور نہ نقصان کر سکو گے تم اس کا کچھ بھی بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب آ پہنچا ہمارا حکم بچایا ہم نے ہود کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور بچایا ہم نے ان کو سخت عذاب سے۔

تفسیر: (اور ہم نے) قوم (عاد کی طرف ان کے) قوم یا وطن کے (بھائی) حضرت (ہود علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود) ہونے کے قابل (نہیں ہے تم) اس بت پرستی کے اعتقاد میں (محض مفتری ہو) کیونکہ اس کا بطلان تو روز روشن کی طرح کھلا ہے۔ (اے میری قوم) میری یہ ساری تبلیغ تمہاری خیر خواہی میں ہے جس کی دلیل یہ بھی ہے کہ (میں تم سے اس) تبلیغ (پر کچھ اجرت نہیں مانگتا

میرا اجر تو صرف اس) اللہ (کے ذمہ ہے جس نے) تم کو بھی پیدا کیا اور (مجھ کو) بھی (پیدا کیا۔ کیا پھر بھی تم) اس قدر غبی ہو اور اتنی موٹی بات (نہیں سمجھتے ہو) کہ ایک شخص بے طمع بے غرض محض دردمندی اور خیر خواہی سے تمہاری فلاح دارین کی بات کہتا ہے تم اسے دشمن اور بدخواہ سمجھ کر اس سے جھگڑا کرتے ہو (اور اے میری قوم) مجھ سے جھگڑنے کے بجائے (تم) ایمان قبول کر کے (اپنے) کفر وشرک کے گناہوں پر اپنے (رب سے بخشش طلب کرو پھر) عمل صالح کے ذریعہ (اس کی طرف متوجہ رہو) اس سے دنیوی فلاح یہ حاصل ہوگی کہ تمہارا رب تم سے راضی ہو کر موجودہ قحط سالی کی حالت دور کر دے گا اور (وہ تم پر موسلادھار بارش برسائے گا اور) ایمان وعمل کی برکت سے (تمہاری) موجودہ (قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا) جس کی صورت یہ ہوگی کہ مالی اور بدنی قوت بڑھائے گا، اولاد میں برکت دے گا خوشحالی میں ترقی ہوگی اور مادی قوت کے ساتھ روحانی قوت کا اضافہ کر دیا جائے گا (اور مجرم رہ کر) ایمان سے (منہ مت موڑو۔ ان لوگوں) سے جب کوئی جواب نہ بن پڑا تو کھلی ڈھٹائی پر اتر آئے اور انہوں (نے) پچھلے دکھائے ہوئے تمام معجزات کی نفی کرتے ہوئے اور حق کی تبلیغ کو بہکنے سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ اے ہود تم نے ہمارے سامنے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ہونے کی (کوئی دلیل تو پیش نہیں کی اور ہم تمہارے محض کہنے پر تو اپنے معبودوں) کی عبادت (کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم) کسی طرح (تم پر ایمان لانے والے نہیں) اور تم جو یہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہو اور سارے جہان کو بے وقوف بتلا کر اپنا دشمن بنا رہے ہو تو اس کے بارے میں ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ چونکہ تم نے ہمارے معبودوں کی شان میں گستاخی کی ہے اس لئے (ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تم کو کسی برائی) یعنی جنون وغیرہ (میں مبتلا کر دیا ہے) اور اسی کی وجہ سے تم بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو کہ خدا ایک ہے اور میں خدا کا بھیجا ہوا نبی ہوں وغیرہ۔ (ہود) علیہ السلام (نے فرمایا) تم جو کہتے ہو کہ کسی بت نے مجھ کو باؤلا کر دیا ہے تو (میں) علی الاعلان کہتا ہوں کہ ان بے جان مورتیوں کی کیا مجال کہ میرا کچھ بگاڑ سکیں اور میں (خدا کو گواہ) بنا کر اعلان (کرتا ہوں اور تم سب بھی) اس پر (گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے) بالکل (بیزار ہوں جن کو تم) خدا کے سوا (شریک) عبادت (قرار دیتے ہو)۔ ان کے ساتھ میری عداوت تو پہلے سے ظاہر تھی لیکن اب تو ڈنکے کی چوٹ ظاہر ہوگئی ہے تو اگر ان بتوں میں کچھ قوت ہے (تو تم) اور وہ سب مل کر (میرے ساتھ) ہر طرح کا (داؤ لگالو) اس میں ذرا کوتاہی نہ کرو (اور مجھے کچھ مہلت نہ دو) میں دیکھوں تو سہی کہ تم میرا کیا بگاڑتے ہو۔ بت تو خیر عاجز ہیں ان سے ڈرنے کی تو کوئی وجہ ہی نہیں البتہ تم میں کچھ قدرت ہے لیکن میں تم سے بھی اس لئے نہیں ڈرتا کہ (میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے) اگرچہ بدفہمی سے تم نہیں سمجھتے

صرف میں اورتم بلکہ (ہر) چھوٹی بڑی (چیز جوزمین پر چلتی ہے) خالص اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے گویا (اس کی پیشانی) کے بالوں (کو وہ پکڑے ہوئے ہے) جدھر چاہے پکڑ کر کھینچے اور پھیر دے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے قبضہ اختیار سے نکل کر بھاگ جائے، نہ ظالم اس کی گرفت سے چھوٹ سکتے ہیں نہ سچے اس کی پناہ میں رہ کر رسوا ہو سکتے ہیں (بلاشبہ میرا رب) عدل و انصاف کی (سیدھی راہ پر ہے) اس کے یہاں نہ ظلم ہے نہ بے موقع انعام ہے اور جوکوئی عدل و انصاف کے رستہ پر چلتا ہے کہ توحید و عمل صالح کو اختیار کرتا ہے اور شرک و معصیت جیسے ظلم سے بچتا ہے تو چونکہ خود اللہ اس رستہ پر ہے اس لئے وہ اللہ کو پالیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ (پھر اگر) ایسی صاف اور کھری کھری باتیں سن کر بھی راہ حق سے (منہ پھیرے رہو گے تو) میرا کچھ نقصان نہیں کیونکہ (جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا تھا وہ میں تم کو پہنچا) کر اپنا فرض ادا کر (چکا ہوں) لیکن تمہاری کم بختی آئے گی کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کر دے گا (اور) اس سے خدا کی زمین ویران نہیں ہو جائے گی بلکہ (تمہاری جگہ میرا رب دوسرے لوگوں کو اس زمین میں آباد کر دے گا اور) تمہارے اموال کا ان کو وارث بنا دے گا۔ غرض (تم) اپنا ہی نقصان کر رہے (خدا کا کچھ نقصان نہیں کر رہے ہو) اور اگر تم کو یہ خیال ہو کہ خدا کو کیا خبر کہ کون کیا کر رہا ہے تو خوب سمجھ لو کہ (بالیقین میرا رب ہر ہر شے کی نگہداشت کرتا ہے) اس کو سب خبر رہتی ہے۔ ان تمام حجتوں کے باوجود ان لوگوں نے نہ مانا اور عذاب کا سامان شروع ہوا (تو جب) عذاب کے بارے میں (ہمارا حکم پہنچا) اور بادِ صرصر کا عذاب نازل ہوا تو اس سے کافر سب ہلاک ہو گئے لیکن (ہم نے ہود) علیہ السلام (اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے ان کو اپنی رحمت سے) اس عذاب سے (بچالیا اور) کیا تم کو پتہ ہے کہ ان کو کیسے عذاب سے بچایا، سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل چلنے والی آندھی کے طوفان کے (ایک) بہت ہی (سخت عذاب سے ہم نے ان کو بچایا)۔

ربط: قصہ مکمل کر کے مشرکین مکہ کو متوجہ کرنے کی خاطر فرمایا۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا

كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور یہ عاد تھے جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس

کے رسولوں کی اور پیروی کی حکم کی ہر سرکش مخالف کے اور ان کے پیچھے لگائی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن (بھی)۔ سن لو عاد نے انکار کیا اپنے رب کا سن لو دوری ہے عاد قوم ہود کے لئے۔

تفسیر: (اور) اے مشرکین مکہ قوم عاد کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ (یہ) وہ (قوم عاد تھی جس) کے بڑوں (نے) بہت زور وشور سے (اپنے رب کی آیتوں) یعنی دلائل اور احکام (کا انکار کیا) (اور) ہود سمیت (اس کے) سب (رسولوں کا کہنا نہ مانا اور) قوم کے چھوٹے لوگ (ایسے سب بڑے (لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو سرکش اور مخالف تھے اور) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی) جس کی وجہ سے عذاب میں تباہ ہوئے (اور قیامت کے دن بھی) ان کے ساتھ ساتھ رہے گی جس کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ تو اے مشرکین مکہ (خوب سن لو قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا) اور اس کا انجام بھی (خوب سن لو کہ ہود) علیہ السلام (کی قوم عاد کے لئے) رحمت سے (دوری ہوئی) اسی طرح اگر تم بھی کفر پر اصرار کرو گے تو تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہوگا۔

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ

صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ
مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ
اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ
هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ
اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ
فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ
اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا
وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا
فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ

ترجمہ: اور (ہم نے بھیجا) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو۔ کہا اے میری قوم تم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود اس کے علاوہ۔ اس نے پیدا کیا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو تم بخشش طلب کرو اس سے پھر متوجہ رہو اس کی طرف بے شک میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ ان لوگوں نے کہا اے صالح تم تھے ہم میں امید والے اس سے پہلے۔ کیا تم منع کرتے ہو ہم کو کہ ہم پرستش کریں جن کی پرستش کرتے تھے ہمارے باپ دادے اور بلاشبہ ہم شبہ میں ہیں اس سے بلاتے ہو تم جس کی طرف (ایسے شبہ میں جو) تردد میں ڈالنے والا ہے۔ کہا اے میری قوم تم بتاؤ اگر ہوں میں دلیل پر اپنے رب کی جانب سے اور دی اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت تو کون مدد کرے گا میری اللہ کے مقابلہ میں اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ سو نہیں بڑھاتے تم مجھے سوائے خسارے کے۔ اور اے میری قوم یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی کے طور پر۔ تو چھوڑے رکھنا اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور مت چھونا اس کو برائی کے ساتھ ورنہ پکڑ لے گا تم کو قریبی عذاب۔ پھر انہوں نے مار ڈالا اس کو تو کہا (صالح نے) فائدہ اٹھالو اپنے گھروں میں تین دن یہ وعدہ ہے نہ جھوٹا ہونے والا۔ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم بچالیا ہم نے صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور اس دن کی رسوائی سے۔ بے شک تیرا رب ہی ہے قوت والا زبردست۔ اور پکڑ لیا ان کو جنہوں نے ظلم کیا ایک چیخ نے تو وہ ہو گئے اپنے گھروں میں اوندھے گویا کہ وہ رہے نہ تھے ان میں۔

تفسیر: (اور ہم نے) قوم (ثمود کے پاس ان کے بھائی صالح) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا۔ انہوں نے) اپنی قوم سے (فرمایا اے میری قوم تم) صرف (اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) ہونے کے قابل (نہیں ہے) اس کا تم پر یہ انعام ہے کہ (اس نے تم کو زمین) کے مادہ

(سے پیدا کیا اور تم کو اس) زمین (میں آباد کیا) اور تمہاری زندگی کی بقا کے لئے تمام سامان پیدا کئے، زمین کو آباد کرنے کی ترکیبیں بتائیں اور تدبیریں الہام فرمائیں۔ جب وہ ایسا منعم ومحسن ہے (تو تم) کو چاہئے کہ اس پر ایمان لا کر (اس سے) اپنے کفر وشرک کے گناہوں کی (معافی چاہو پھر) عبادت و طاعت کے ساتھ (اس کی طرف متوجہ رہو بے شک میرا رب) اس کے (قریب ہے) جو اس کی طرف متوجہ ہو اور جو توبہ واستغفار کرے اس کی درخواست (قبول کرنے والا ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے اے صالح اس سے پہلے تو تم سے ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں) کہ اپنی لیاقت و وجاہت سے فخر قوم اور ہمارے لئے مایہ ناز اور ہمارے سرپرست بنو گے۔ افسوس اس وقت جو باتیں کر رہے ہو اس سے تو ساری امیدیں خاک میں ملتی نظر آتی ہیں (کیا تم ہم کو ان) دیوتاؤں (کی عبادت سے منع کرتے ہو جن کی عبادت ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور) چاہتے ہو کہ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کریں۔ ہمارے بزرگوں کی روش اور مسلک کے خلاف (جس مسلک کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں بڑا بھاری شبہ ہے جس نے ہم کو تردد میں ڈال رکھا ہے) اور ہمارا دل کسی طرح اس کو نہیں مانتا اور اگر تم پھر بھی اپنے کو سچا ہی کہتے ہو تو ہمیں اس کی کوئی نشانی دکھاؤ۔ (آپ نے) جواب میں (فرمایا اے میری قوم) تم جو چاہتے ہو کہ میں توحید کی دعوت نہ دوں اور بت پرستی سے نہ روکوں تو (یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے) توحید کے حق ہونے اور شرک کے باطل ہونے کی (دلیل پر قائم ہوں) اور اس کی مجھے سمجھ بھی دی (اور) پھر (اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت) یعنی نبوت بھی (عطا فرمائی) جس کی وجہ سے میں توحید کی دعوت دینے پر مامور ہوں (سو) اس حالت میں (اگر میں خدا کا کہنا نہ مانوں) اور جیسا تم چاہتے ہو توحید کی دعوت دینا چھوڑ دوں (تو پھر) یہ بتاؤ کہ اس کے حکم کو پورا نہ کرنے پر (خدا کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا) اور اس کے عذاب سے کون مجھے بچائے گا۔ تو تم) ایسا برا مشورہ دے کر سراسر (میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو اور) رہا تمہارا نشانی کا مطالبہ تو لو (اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی) بنا کر ظاہر کی گئی (ہے سو) اب اس کے کچھ حقوق ہیں مثلاً یہ کہ (اس کو چھوڑے رکھو کہ یہ اللہ کی زمین میں) گھاس چارہ (کھاتی پھرا کرے) اور اپنی باری کے دن پانی پیتی رہے (اور اس کو برائی) اور تکلیف (دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا کہیں تم کو فوری عذاب آ پکڑے) (سو) اس اتمام حجت کے باوجود (انہوں نے اس) اونٹنی (کو مار ڈالا تو صالح) علیہ السلام (نے فرمایا) تم نے یہ بڑی سنگین حرکت کی اور اللہ تعالیٰ کے غصہ کو بھڑکا دیا ہے۔ اب مہلت ختم ہوگئی ہے۔ (تم اپنے گھروں میں تین دن اور نفع اٹھا لو) تین دن کے بعد عذاب آئے گا اور (یہ ایسا وعدہ ہے جس میں ذرا جھوٹ نہیں) کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ (سو) تین دن گزرنے کے بعد عذاب سے متعلق (جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح) علیہ

السلام (کو اور جو اہل ایمان ان کے ہمراہ تھے ان کو اپنی رحمت سے) اس عذاب سے (بچا لیا اور) چونکہ عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے میں بڑی رسوائی بھی ہے لہٰذا ہم نے ان کو (اس دن کی بڑی رسوائی سے بھی بچا لیا بے شک آپ کا رب ہی قوت والا غلبہ والا ہے) جس کو چاہے سزا دیدے اور جس کو چاہے بچا لے۔ (اور ان ظالموں کو ایک) فرشتے کی (چیخ نے آ پکڑا جس سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے) اور ان کی یہ حالت ہوگئی (جیسے ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے)۔

ربط: قوم ثمود کے قصہ کے بعد مشرکین عرب کو تنبیہ کرتے ہیں۔

أَلَآ إِنَّ ثَمُودَا۟ كَفَرُوا۟ رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: خوب سن لو ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا خوب سن لو دوری ہے ثمود کے لئے۔

تفسیر: اے مشرکین مکہ (خوب سن لو) صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا) اور اس انکار کی دنیا میں جو سزا ہوئی وہ تم نے سن ہی لی۔ غرض خوب اچھی طرح (سن لو کہ ثمود کے لئے دنیا کا عذاب بھی ہوا اور آخرت میں بھی اللہ کی رحمت سے (دوری ہے)۔ اور اس سے تم اپنا انجام بھی سوچ لو۔

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ

بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُوا۟ سَلَـٰمًا ۖ قَالَ سَلَـٰمٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَآءَ بِعِجْلٍ

حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَءَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ

مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا۟ لَا تَخَفْ إِنَّآ أُرْسِلْنَآ إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَٱمْرَأَتُهُۥ

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَـٰهَا بِإِسْحَـٰقَ وَمِن وَرَآءِ إِسْحَـٰقَ يَعْقُوبَ ﴿٧١﴾

قَالَتْ يَـٰوَيْلَتَىٰٓ ءَأَلِدُ وَأَنَا۠ عَجُوزٌ وَهَـٰذَا بَعْلِى شَيْخًا ۖ إِنَّ هَـٰذَا

لَشَىْءٌ عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوٓا۟ أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ ٱللَّهِ ۖ رَحْمَتُ ٱللَّهِ وَ

بَرَكَـٰتُهُۥ عَلَيْكُمْ أَهْلَ ٱلْبَيْتِ ۚ إِنَّهُۥ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿٧٣﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ
لُوْطٍ ۝۷۴ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝۷۵ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ
عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ
غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝۷۶ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ
بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝۷۷ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ
اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ
بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ۭ
اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ
بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹ قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ
قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝۸۰ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ
اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ
الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا
سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝۸۲ مُّسَوَّمَةً
عِنْدَ رَبِّكَ ۭ

ترجمہ: اور آئے ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری کے ساتھ کہا سلام ۔ وہ بولے سلام ہے پھر نہ ٹھہرے کہ لے آئے ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا ان کے ہاتھوں کو کہ نہیں پہنچتے کھانے پر تو کھٹکے ان سے اور دل میں محسوس کیا ان سے خوف۔ انہوں نے کہا مت

خوف کیجئے ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف۔ اوران کی بیوی کھڑی تھیں تو وہ ہنس پڑیں پھر ہم نے خوشخبری دی ان (کی بیوی) کو اسحاق کی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی۔ وہ بولیں ارے خرابی کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بے شک یہ تو عجیب بات ہے۔ وہ بولے کیا آپ تعجب کرتی ہیں اللہ کے کام میں۔ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں تم پر اے گھر والو بے شک وہ (اللہ) تعریف والا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب جاتا رہا ابراہیم سے ڈر اور آئی ان کے پاس خوشخبری وہ جھگڑنے لگے ہم سے قوم لوط کے بارے میں۔ بے شک ابراہیم بردبار، نرم دل اور رجوع رہنے والے تھے۔ اے ابراہیم اعراض کرو اس سے وہ تو آچکا حکم تمہارے رب کا اور وہ ہیں کہ آتا ہے ان پر عذاب نہ واپس کیا جانے والا۔ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس وہ غمگین ہوئے ان (کے آنے) کی وجہ سے اور تنگ ہوئے ان کی وجہ سے دل میں اور کہا یہ ہے بڑا سخت دن۔ اور آئی ان کے پاس ان کی قوم دوڑتی ہوئی ان کی طرف اور پہلے سے وہ کرتے تھے برے کام۔ کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں یہ پاک ہیں تمہارے لئے سو تم ڈرو اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھے میرے مہمانوں میں۔ کیا نہیں ہے تم میں کوئی مرد نیک چلن۔ وہ بولے تم تو جانتے ہو، نہیں ہے ہمارے لئے تمہاری بیٹیوں میں کوئی حق اور تم تو جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں۔ کہا کاش کہ میرے لئے ہوتی تمہارے مقابلہ میں قوت یا میں پناہ لیتا کسی مضبوط پایہ کی۔ مہمان بولے اے لوط ہم بھیجے ہوئے ہیں تمہارے رب کے یہ ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے تم تک۔ سو لے چلو اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ حصہ میں اور نہ مڑ کر دیکھے تم میں سے کوئی سوائے تمہاری بیوی کے کہ پہنچنے والا ہے اس کو جو پہنچے گا ان کو۔ ان کے وعدہ کا وقت ہے صبح (کا) کیا نہیں ہے صبح قریب؟ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم کر دیا ہم نے اس بستی کے اوپری حصہ کو نیچے کا حصہ اور برسائے ہم نے اس بستی پر پتھر کھنگر کے، لگاتار گرنے والے، نشان کئے ہوئے تمہارے رب کے پاس۔

تفسیر: پھر حضرت لوط علیہ السلام کی طرف عذاب کے جو فرشتے آئے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے ہوتے ہوئے آئے اور ان کو قوم لوط پر عذاب کی خبر دی جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے بحث بھی کی۔ اس لئے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے قصہ سے پہلے تمہید کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں۔

(اور ہمارے بھیجے ہوئے) فرشتے انسانی شکل میں (ابراہیم) علیہ السلام (کے پاس) ان کے فرزند اسحاق علیہ السلام کی (بشارت لے کر آئے) اگرچہ ان کے پاس آنے کا بڑا مقصد یہی تھا کہ ان کو حضرت

لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب کے خدائی فیصلہ کی خبر دیں اور آنے کے وقت (انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم) علیہ السلام (نے) بھی (سلام) کا جواب (کہا) لیکن پہچانا نہیں کہ یہ فرشتے ہیں بس عام مہمان سمجھے (تو دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا) فربہ (بچھڑا لائے) اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ یہ تو فرشتے تھے کیوں کھاتے۔ (سو جب ابراہیم) علیہ السلام (نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کھانے تک نہیں بڑھتے تو ان سے کھٹکے اور ان سے دل میں خوف زدہ ہوئے) کہ یہ عام مہمان نہیں لگتے کہیں مخالف نہ ہوں جو برے ارادہ سے آئے ہوں اور گھر میں میاں بیوی اکیلے ہیں اور اپنے اس خوف کو ظاہر بھی کر دیا کہ ہم تو تم سے خوف زدہ ہیں (وہ فرشتے کہنے لگے آپ مت ڈریئے) ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ آپ کے پاس خوشخبری لے کر آئے ہیں کہ آپ کے ہاں ایک بیٹا اسحاق اور پوتا یعقوب پیدا ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نور نبوت سے توجہ کر کے پہچان لیا کہ یہ واقعی فرشتے ہیں لیکن فراست نبوت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا اور بھی کسی بڑے کام کے لئے آئے ہیں اس لئے پوچھا کہ اے فرشتو تمہارا اصل مقصد کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ (ہم قوم لوط کی طرف) عذاب دے کر (بھیجے گئے ہیں)۔ ان میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اور (ابراہیم) علیہ السلام (کی بیوی) حضرت سارہ کہیں (کھڑی) سن رہی (تھیں پس) اولاد کی خبر سن کر قدرتی طور پر خوشی ہوئی جب کہ دوسری بیوی حضرت ہاجرہ کے ہاں بیٹا یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو بھی چکے تھے اور خوشی میں (ہنس پڑیں)۔ اس پر (ہم نے) اپنے فرشتوں کے ذریعے دوبارہ خاص طور پر (ان کو خوشخبری دی اسحاق کی) کہ وہ پیدا ہوں گے (اور اسحاق کے پیچھے) یعنی خود اسحاق کے بیٹے (یعقوب کی) اس وقت (وہ کہنے لگیں کہ ہائے خاک پڑے اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور یہ میرے شوہر) بیٹھے (ہیں) بالکل (بوڑھے)، واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا) کہ (کیا) خاندان نبوت میں رہ کر کہ جہاں بہت معجزے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے (تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو جب کہ اے خاندان والو تم پر تو اللہ کی) خاص (رحمت اور اس کی) مختلف قسم کی (برکتیں) نازل ہوتی رہتی (ہیں۔ بے شک وہ) اللہ تعالیٰ (تعریف کے لائق اور بڑی شان والا ہے) وہ بڑے سے بڑا کام کر سکتا ہے لہٰذا بجائے تعجب کرنے کے اس کی تعریف اور شکر میں مصروف رہو۔ (پھر جب ابراہیم) علیہ السلام (کا وہ خوف زائل ہو گیا اور ان کو خوشی کی خبر) بھی (مل گئی) کہ اولاد پیدا ہوگی (تو) ادھر سے بے فکر ہو کر اب اس طرف متوجہ ہوئے کہ قوم لوط ہلاک ہو گی اور (ہم سے لوط) علیہ السلام (کی قوم کے بارے میں) اصرار و مبالغہ کے ساتھ سفارش کرنے لگے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم سے (جھگڑا کرنے لگے) ہیں (واقعی ابراہیم) طبیعت کے (بڑے حلیم دل کے بڑے نرم) اور اللہ کی طرف (خوب رجوع رہنے والے تھے اس لئے سفارش میں مبالغہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا

(اے ابراہیم اس بات کو جانے دو) یہ کافر قوم ہماری آیتوں کو جھٹلاتی رہی ہے اور اب ایمان قبول نہ کرے گی اس لئے ان پر عذاب کے نازل ہونے کے بارے میں (تمہارے رب کا حکم آ چکا ہے اور) اس وجہ سے (ان پر ضرور ایسا عذاب آنے والا ہے جو) کسی طرح (ٹلنے والا نہیں ہے)۔

اس تمہید کے بعد اب اصل قصہ سناتے ہیں:

(اور) ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے فارغ ہو کر (جب ہمارے وہ فرشتے لوط) علیہ السلام (کے پاس آئے تو لوط) علیہ السلام (ان) کے آنے (کی وجہ سے) اس لئے (مغموم ہوئے) کہ وہ بہت حسین نوجوانوں کی شکل میں آئے تھے اور لوط علیہ السلام نے ان کو آدمی سمجھا اور اپنی قوم کی نامعقول حرکت یعنی لواطت کی عادت کا خیال آیا (اور) اس بنا پر (ان کے) آنے کے (سبب سے تنگدل ہوئے اور) انتہائی تنگدلی سے (کہنے لگے کہ آج بہت سخت دن ہے) کہ ان مہمانوں کی تو ایسی صورتیں اور قوم کی یہ حرکتیں اور میں تن تنہا ہوں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ (اور ان کی قوم) نے جو ایسے ایسے مہمانوں کے آنے کی خبر سنی تو (ان کے) یعنی لوط علیہ السلام کے (پاس نہایت بے حیائی کے ساتھ دوڑتے ہوئے آئے) اور پوری قوت و شدت سے مطالبہ کیا کہ مہمان ان کے حوالے کر دیئے جائیں (اور وہ پہلے ہی سے) لواطت جیسی (بری حرکتیں کرتے تھے)۔ حضرت (لوط) علیہ السلام (نے) مہمانوں کی آبرو بچانے اور قوم کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور یہ بھی (کہا کہ یہ میری) قوم کی (بیٹیاں) اور بچیاں جو تمہارے گھروں میں موجود (ہیں وہ تمہارے نفس کی خواہش پوری کرنے کے (لئے خوب پاک) و حلال (ہیں سو امردوں پر نگاہ کرنے میں (اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں) کو چھیڑ کر ان کی نظروں (میں مجھ کو رسوا مت کرو) اور جب دیکھا کہ سمجھانے کا ان پر کچھ اثر نہیں ہو رہا تو فرمایا (کیا تم میں کوئی) معقول اور (نیک چلن آدمی نہیں ہے) جو میری باتوں کو سمجھ لے اور مان لے۔ (وہ لوگ کہنے لگے کہ تم جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بچیوں کی کوئی ضرورت نہیں) کیونکہ عورتوں سے ہم کو وہ رغبت نہیں (اور) یہاں آنے سے (ہمارا جو مقصد ہے وہ تمہیں تو معلوم ہی ہے)۔ حضرت (لوط) علیہ السلام عاجز ہوئے تو انتہائی پریشانی کے عالم میں بے ساختہ (کہہ اٹھے کاش مجھ کو) بذات خود (تمہارے مقابلہ کی قوت) و طاقت (ہوتی یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ لیتا) یعنی میرا کنبہ اور جتھا ہوتا جو اس موقع پر میری مدد کرتا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس قدر اضطراب دیکھ کر (فرشتے کہنے لگے کہ اے لوط) ہم آدمی نہیں ہیں (ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے) فرشتے (ہیں) یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور آپ اپنے لئے بھی اندیشہ نہ کریں (آپ تک بھی ہرگز ان کی رسائی نہ ہوگی) کہ آپ کو کچھ تکلیف پہنچا سکیں اور ہم ان پر عذاب نازل کرنے آئے

ہیں (سو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر) یہاں سے باہر (چلے جائیں اور) اپنے ہمراہیوں کو ہدایت کر دیجئے کہ (تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے) اور جلدی جلدی نکل جائے ہاں (مگر آپ کی بیوی) مسلمان نہ ہونے کی وجہ سے نہ جائے گی (اور اس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی)۔ اور ہم رات کے وقت نکل جانے کو اس لئے کہتے ہیں کہ (ان کے) عذاب کے (وعدہ کا وقت صبح کا وقت ہے) اور (کیا صبح قریب نہیں ہے) لہٰذا جلدی کیجئے۔ غرض لوط علیہ السلام راتوں رات نکل گئے (اور جب) صبح ہوئی تو نزول عذاب سے متعلق (ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس زمین) کو الٹ کر اس (کے اوپر کے تختہ کو نیچے کر دیا) یعنی اس کی اوپر کی سطح کو اندر کی طرف کر دیا اور اندر کے حصہ کو باہر کر دیا اور (اس سرزمین پر کھنگر کے پتھروں کی بارش برسائی جو لگاتار گر رہے تھے جو آپ کے رب کے پاس نشان کئے ہوئے تھے) یعنی ان پر کوئی خاص علامت تھی جو عام پتھروں سے ممتاز کر کے ظاہر کرتی تھی کہ یہ عذاب الٰہی کے پتھر ہیں۔

مشرکین مکہ کے لئے تنبیہ

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں ہے وہ بستی ظالموں سے کچھ دور

تفسیر: (اور) اہل مکہ کو چاہئے کہ وہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی (یہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں) اس لئے کہ یہ مدینہ منورہ اور شام کے درمیان میں تھیں اور اہل مکہ شام کو آتے جاتے ان بستیوں کے کھنڈرات دیکھتے تھے پس ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان کا بھی خدا کی دیگر منکر قوموں کی طرح انجام نہ ہو۔

حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ

شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ
اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ
الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ
وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ
اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ
اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ
اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ
كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنٰكَ ؗ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾
وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ
يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ
رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ
جٰثِمِيْنَ ۙ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ

ترجمہ: اور مدین کی طرف (بھیجا) ان کے بھائی شعیب کو۔ کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی، نہیں ہے تمہارے لئے کوئی لائق عبادت اس کے سوا۔ اور مت کم کرو ناپ کو اور تول کو میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ حالت میں اور میں خوف کرتا ہوں تم پر عذاب کا گھیرنے والے دن کے۔ اور اے میری قوم پورا کرو ناپ کو اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ گھٹاؤ لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت نکلو حد سے زمین میں فساد کرتے ہوئے۔ بچا ہوا اللہ کا بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم ہو ماننے والے اور میں نہیں ہوں تم پر نگہبان۔ وہ بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز حکم دیتی ہے تم کو کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادا یا ہم چھوڑ دیں تصرف کرنا اپنے اموال میں جو ہم چاہیں۔ بلاشبہ تم ہی بڑے عقلمند اور نیک چلن ہو۔ کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں ہوں دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور اس نے دی مجھ کو اپنے پاس سے اچھی روزی اور میں نہیں چاہتا کہ میں تمہاری مخالفت کروں اس کام کو کرنے میں روکتا ہوں میں تم کو جس سے۔ نہیں چاہتا میں مگر اصلاح جتنی مجھ سے ہو سکے اور نہیں میری توفیق مگر اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم نہ ابھارے تم کو میری ضد کہ پہنچے تم کو مثل اس (عذاب) کے جو پہنچا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو اور نہیں ہے قوم لوط تم سے کچھ دور اور بخشش طلب کرو اپنے رب سے پھر متوجہ رہو اس کی طرف بے شک میرا رب مہربان محبت والا ہے، وہ بولے اے شعیب نہیں ہم سمجھ پاتے بہت سی باتیں ان میں سے جو تم کہتے ہو اور ہم دیکھتے ہیں تم کو اپنے میں کمزور۔ اور اگر نہ ہوتا تمہارا خاندان تو ہم سنگسار کر دیتے تم کو اور نہیں ہو تم ہم پر عزت والے۔ کہا اے میری قوم کیا میرا خاندان زیادہ باعزت ہے تم پر اللہ سے اور کر رکھا ہے تم نے اس کو اپنی پشت کے پیچھے۔ بے شک میرا رب اس کو جو تم کرتے ہو گھیرے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم تم عمل کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ جلد تم جان لو گے کون ہے آتا ہے جس پر عذاب جو رسوا کر دے گا اس کو اور کون ہے جھوٹا اور تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ اور جب آیا ہمارا حکم بچایا ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے اور پکڑا ظالموں کو چیخ نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے گویا کہ وہ بسے ہی نہ تھے ان میں۔

تفسیر: (اور) ہم نے (مدین) والوں (کی طرف ان کے بھائی شعیب) علیہ السلام (کو) پیغمبر بنا کر (بھیجا۔ انہوں نے) اہل مدین سے (فرمایا اے میری قوم) عبادت کے معاملہ میں میری تم کو یہ نصیحت ہے کہ (تم) صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود) بننے کے قابل

(نہیں اور) معاملات کے باب میں یہ نصیحت ہے کہ (تم ناپ اور تول میں کمی مت کیا کرو) آخر (میں تم کو آسودہ حالت میں دیکھتا ہوں) ایسے میں ناپ تول میں کمی کرنا تو (اور) زیادہ بری بات ہے۔ اس وجہ سے (میں تم پر خوف کرتا ہوں) مختلف مصائب کو (گھیرنے والے دن کے عذاب کا) کہ کہیں وہ تم پر مسلط نہ کر دیا جائے۔ (اور) تم ہلاک و برباد نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا (اے میری قوم تم ناپ اور تول پورا پورا کیا کرو اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں) غرض کسی چیز میں بھی لوگوں کے حقوق تلف مت کرو (اور) ان مذکورہ خرابیوں کی شکل میں (زمین میں فساد کرتے ہوئے) بندگی اور انصاف کی (حد سے مت نکلو)۔ لوگوں کے حقوق ادا کرنے کے بعد (اللہ کا) دیا ہوا حلال مال جو کچھ (بچا ہوا) ہو وہ تمہارے لئے) اس حرام کمائی سے بدرجہا (بہتر ہے) کیونکہ حرام میں اگرچہ وہ کثیر ہو برکت نہیں ہوتی اور اس کا انجام جہنم ہے جب کہ حلال اگرچہ قلیل ہو اس میں برکت ہوتی ہے اور اس کا انجام رضائے حق ہے (اگر تم ماننے والے ہو اور) اگر نہ مانو تو تم جانو (میں تم پر نگہبان نہیں ہوں) کہ تم سے زبردستی یہ کام چھڑوا دوں۔ البتہ تم جیسا کرو گے ویسا ہی بھگتو گے بھی۔ (وہ لوگ) یہ تمام وعظ و نصیحت سن کر (کہنے لگے کہ اے شعیب) تم بڑے پاکباز بنتے ہو اور بڑی نمازیں پڑھتے ہو (کیا تمہاری) پاکبازی اور تمہاری (نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ) تم ہم کو یہ کہو کہ (ہم ان چیزوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا ہم اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے اموال میں جو چاہیں تصرف کریں۔ (تم واقعی بڑے عقلمند اور نیک چلن ہو) یعنی ہماری بستی میں تمہاری عقلمندی اور نیک چلنی کی شہرت تھی اب ہمیں اس کی اصل حقیقت معلوم ہوگئی کہ کچھ بھی نہیں بلکہ سراسر نامعقولیت ہے۔ آخر اس سے بڑی نامعقولیت کیا ہوگی کہ ہمارے باپ دادا جو بڑی سمجھ بوجھ والے اور قابل احترام تھے تم ان کے معبودوں کو باطل کہتے ہو اور عام عقل کی بات ہے کہ آدمی اپنی ملکیت میں جو چاہے کرے لیکن تم اس سے بھی روکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی نامعقول تعلیم و تبلیغ بند کر دو۔ (شعیب) علیہ السلام (نے فرمایا اے میری قوم) تم جو مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ میں حق کی تبلیغ بند کر دوں تو (بتاؤ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل) کی فہم و بصیرت (پر ہوں) اور وہ صاف راستہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے (اور اس نے مجھے) باطنی (اچھی روزی) یعنی نبوت (عطا کی) جو تمہیں عطا نہیں کی تو کیا اس کا حق یہ ہے کہ میں معاذ اللہ تمہاری طرح اندھا بن جاؤں اور خدا کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں یا تمہارے استہزاء و تمسخر سے گھبرا کر نصیحت کرنا اور سمجھانا چھوڑ دوں۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر تم مجھے یہ الزام بھی نہیں دے سکتے کہ میری نصیحت کسی خود غرضی اور ہوا پرستی پر مبنی ہے کیونکہ جس طرح ان باتوں کی تم کو تعلیم کرتا ہوں (میں) خود بھی ان پر عمل کرتا ہوں یہ (نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تم کو منع کرتا ہوں۔ میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک

میرے امکان میں ہے۔ اور مجھ کو جو کچھ) عمل و اصلاح کی (توفیق عطا ہوتی ہے صرف اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں اور) اپنے تمام کاموں میں (اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں)۔ یہاں تک تو قوم کی باتوں کا جواب ہوگیا۔ حق کی طرف سے جب سب باتوں کا صحیح صحیح جواب دے دیا جائے تو باطل اکثر ضد میں آ جاتا ہے۔ اس پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے آگے حضرت شعیب علیہ السلام فرماتے ہیں۔ (اور اے میری قوم میری ضد) اور عداوت (تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم پر بھی اسی طرح کی مصیبتیں آ پڑیں جیسی قوم عاد یا قوم ہود یا قوم صالح پر پڑی تھیں اور) اگر ان قوموں کا قصہ پرانا ہو چکا ہے اس لئے ان سے متاثر نہیں ہوتے تو (قوم لوط تو تم سے) بہت (دور) کے زمانے میں (نہیں ہوئی)۔ لہٰذا تم ضد اور ہٹ دھرمی چھوڑ دو (اور) ایمان لا کر (اپنے رب سے) اپنے کفر و شرک کے (گناہ معاف کراؤ) اور (پھر) طاعت و عبادت کے ساتھ (اس کی طرف متوجہ رہو بے شک میرا رب) بڑا (مہربان) بڑی (محبت والا ہے) کہ وہ گناہوں کو معاف کرتا ہے اور طاعت کو قبول کرتا ہے۔ جب قوم والوں سے کچھ جواب نہ بن پڑا تو (وہ) دھمکی پر اتر آئے اور ڈھٹائی سے (کہنے لگے کہ اے شعیب) بس اب تم اپنی باتیں بند کر دو کیونکہ (بہت سی باتیں جو تم کہتے ہو) وہ ایسی بے عقلی کی ہیں کہ (ہم ان کو سمجھ ہی نہیں پاتے اور) اگر پھر بھی کہے جاؤ گے تو پھر ہم تمہارے خلاف کوئی راست اقدام کریں گے جو ہمارے لئے مشکل نہیں کیونکہ (ہم تم کو اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں)۔ یہ تو ہمارا حوصلہ تھا جو تمہارے کمزور ہونے کے باوجود ہم تمہاری باتیں سنتے رہے اور برداشت کرتے رہے (اور) کچھ (تمہارے خاندان والوں کا) لحاظ تھا۔ ان کا (لحاظ نہ ہوتا تو ہم تم کو کب کا سنگسار کر چکے ہوتے اور ہماری نظر میں تمہاری تو کچھ عزت ہی نہیں۔ شعیب) علیہ السلام (نے) جواب میں (فرمایا کہ اے میری قوم) کتنے افسوس اور تعجب کی بات ہے کہ خاندان کی وجہ سے میری رعایت کرتے ہو اس وجہ سے نہیں کرتے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں اور اپنی سچائی کی کھلی نشانیاں دکھا رہا ہوں (کیا تمہاری نظر میں میرے خاندان کی عزت) اور اس کا دباؤ (خدا تعالیٰ سے زیادہ ہے۔ اور) خدا کی عظمت و جلال کو (تم نے) بالکل ہی بھلا کر (اس کو پس پشت ڈال دیا ہے) تو تمہیں یاد رکھنا چاہئے کہ (تمہارے تمام افعال و اعمال کو خدا تعالیٰ اپنے) علم و قدرت سے (گھیرے ہوئے ہیں) اور تم ایک لمحہ بھی اس کے قابو سے باہر نہیں۔ اور اگر تم میری کسی بات کا بھی اثر نہیں لیتے تو (اے میری قوم) کے لوگو اچھا (تم اپنی جگہ) ضد اور ہٹ دھرمی کے (کام کرتے رہو میں) بھی (اپنی جگہ عمل کر رہا ہوں جلد ہی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کون شخص ہے جس پر عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا تھا) میں یا تم (اور) آسمانی فیصلہ کا (تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (اور) پھر جب) بالآخر نزول

عذاب سے متعلق (ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے) اس عذاب سے (شعیب) علیہ السلام (کو اور جو ان کی ہمراہی میں اہل ایمان تھے ان کو اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک) فرشتہ کی چیخ) یعنی سخت آواز) نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے گرے رہ گئے) اور مر گئے (جیسے کبھی ان گھروں میں بسے ہی نہ تھے)۔

ربط: اہل مدین پر نزول عذاب کا قصہ سنا کر مشرکین مکہ کو تنبیہ کرتے ہیں۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: خوب سن لو دوری ہے مدین کے لئے جیسے دور ہوئی قوم ثمود۔

تفسیر: اے مشرکین مکہ (خوب سن لو) کہ اہل (مدین) نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا تو ان (کے لئے) اللہ کی رحمت سے (دوری ہوئی) اور ان پر عذاب آیا (جیسے) ان سے پہلی قوموں مثلاً عاد اور (ثمود) نے بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا تھا تو ان میں سے بھی ہر ایک اللہ کی رحمت سے (دور) ہو کر عذاب میں مبتلا (ہوئی) تو تم عبرت پکڑو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو پیروی کی انہوں نے فرعون کے حکم کی اور نہیں تھی بات فرعون کی صحیح۔ وہ (فرعون) آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن پھر پہنچائے گا ان کو آگ میں اور بری ہے جگہ پہنچائی جانے والی۔ اور ان کے پیچھے لگائی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی۔ برا ہے انعام دیا ہوا۔

تفسیر: (اور ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو) بھی (اپنے معجزات اور) اللہ تعالیٰ کے وجود اور

توحید کی (روشن دلیل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا سو) ان معجزات و دلائل کو دیکھنے کے باوجود نہ فرعون نے مانا اور نہ اس کے سرداروں نے مانا بلکہ فرعون بھی اپنے کفر پر رہا اور دوسرے (لوگ) بھی (فرعون کے حکم پر چلتے رہے حالانکہ فرعون کی بات صحیح نہ تھی) اور جس طرح فرعون یہاں دنیا میں اپنی قوم کا امام تھا (وہ قیامت کے دن) بھی (اپنی قوم) کا امام ہوگا اور ان (کے آگے آگے رہے گا پھر ان) سب (کو) جو دنیا میں اس کی پیروی کرتے رہے تھے جہنم کی (آگ میں پہنچا دے گا اور وہ) جہنم (پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔ اور اس دنیا میں) بھی (لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی) کہ رہتی دنیا تک لوگ فرعون اور فرعونیوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے (اور قیامت کے دن بھی) فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے لعنت پڑے گی۔ غرض لعنت کا سلسلہ لگاتار ان کے ساتھ چلتا رہے گا۔ یہ (برا انعام ہے جو) ان کو (دیا گیا)۔

ربط: نزول عذاب کے مذکورہ بالا قصوں کے ذکر کے بعد مشرکین مکہ کو یاد دلاتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان مجرم قوموں کی وجہ سے تھا اور ان کے معبودان باطل عذاب الٰہی کے مقابلہ میں ان کے کچھ کام نہ آئے۔ ایسے ہی جب تم پر عذاب نازل ہوگا تو تمہارے معبودان باطل بھی تمہاری کچھ مدد نہ کر سکیں گے۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا
قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ
اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
شَىْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ
اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ
شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی ہم بیان کرتے ہیں جن کو تم پر۔ ان (بستیوں) میں سے بعض (اب تک) قائم ہیں اور بعض کٹی ہوئی ہیں اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر ولیکن انہوں نے خود ظلم کیا اپنی جانوں پر تو نہ فائدہ دیا ان کو ان کے معبودوں نے جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ بھی جب آیا حکم تیرے رب کا۔ اور نہیں بڑھایا معبودان باطل نے ان کو مگر ہلاک کرنے میں اور ایسی ہی ہے پکڑ تمہارے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو اس حال میں کہ وہ

ظلم کرتی ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ سخت دردناک ہے۔

تفسیر: (یہ) جو کچھ اوپر قصوں میں مذکور ہوا (ان) غارت شدہ (بستیوں کے بعض حالات تھے جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں) سو (ان میں سے بعض بستیاں تو اب بھی قائم) اور آباد (ہیں) جیسے مصر جو فرعون کا مقام تھا (اور بعض) کی جڑیں (کٹ گئی ہیں) اور وہ بالکل اجڑ گئی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے کچھ کھنڈر باقی ہیں جیسے قوم لوط کی بستیاں اور بعض کا نشان بھی صفحہ ہستی پر باقی نہیں رہا۔ ہم نے ان کو عذاب میں پکڑا تو (ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا) کہ بلاقصور ان کو سزا دی ہو (لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا) کہ جرائم کے ارتکاب میں حد سے نکل گئے اور اس طرح اپنے آپ کو کھلم کھلا سزا کا مستحق ٹھہرالیا تب ہمارا عذاب آیا (اور جب) عذاب کے لئے ہمارا حکم آیا تو ان کے وہ معبود جن کو وہ خدا کو چھوڑ کر پوجتے تھے ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے) کہ ان کو عذاب سے بچا لیتے (اور فائدہ تو کیا پہنچاتے الٹا ان کی ہلاکت کا سبب بنے اور آپ کے رب کی گرفت ایسی ہی) سخت (ہے جب وہ کسی بستی والوں کی گرفت کرتا ہے جب کہ وہ ظلم) و کفر (کیا کرتے ہوں۔ بلاشبہ اس کی گرفت سخت تکلیف دہ ہے)۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ یہ نہ سمجھنا کہ دنیا میں عذاب آیا تو چلو معاملہ ختم ہوگیا بلکہ دنیا تو دار عمل ہے اصل دار جزا تو آخرت ہے لہٰذا دنیوی عذاب کے بعد آخرت کا عذاب بھی ہوگا جو دنیا کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ ذَٰلِكَ
يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿١٠٣﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا
لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ﴿١٠٤﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ
شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿١٠٥﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ
وَشَهِيقٌ ﴿١٠٦﴾ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا
مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿١٠٧﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا
فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا
مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ﴿١٠٨﴾

ترجمہ: اس تذکرہ میں نشانی ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے۔ وہ ایک دن ہے جمع کئے جائیں گے جس میں سب لوگ اور وہ ہے دن حاضر کئے جانے کا۔ اور نہیں مؤخر کرتے ہم اس کو مگر ایک مدت تک شمار کی ہوئی۔ جس دن وہ آئے گا نہ بات کر سکے گا کوئی نفس مگر اس کے حکم سے۔ سو ان میں سے بدبخت بھی ہیں اور نیک بخت بھی ہیں۔ پھر رہے وہ لوگ جو بدبخت ہوئے تو وہ آگ میں ہوں گے ان کے لئے اس میں چیخ اور دھاڑ ہوگی ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک رہیں گے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب بے شک تیرا رب کرنے والا ہے جو چاہتا ہے اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت ہوئے تو وہ جنت میں ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک رہیں گے آسمان اور زمین مگر جو چاہے تیرا رب۔ عطیہ ہے بے انتہا۔

تفسیر: واقعات کے (اس تذکرہ میں اس شخص کے لئے بڑی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو) کیونکہ جب دنیا کا عذاب ایسا سخت ہے حالانکہ یہ دار جزا نہیں ہے تو آخرت جو کہ اصل دار جزا ہے اس کا عذاب کیسا سخت ہوگا۔ (وہ) یعنی آخرت کا دن (ایسا دن ہوگا کہ اس میں تمام انسان جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کی حاضری) اور پیشی (کا دن ہے اور) وہ دن اگرچہ اب تک نہیں آیا لیکن اس کی وجہ سے کوئی اس کے آنے میں شک نہ کرے وہ ضرور آئے گا (ہم) بعض مصلحتوں سے (اس کو شمار کی ہوئی) یعنی تھوڑی (مدت کے لئے مؤخر کئے ہوئے ہیں)۔ پھر (جس وقت وہ دن آئے گا) تو لوگوں پر ایسی ہیبت طاری ہوگی کہ (کوئی شخص خدا کی اجازت کے بغیر (کوئی) قابل قبول (بات تک نہ کر سکے گا)۔ (اور ان) لوگوں (میں بدبخت) یعنی کافر (بھی ہوں گے اور نیک بخت) یعنی پکے مومن بھی ہوں گے۔ حساب کتاب کے بعد (پھر جو لوگ بدبخت ہیں وہ تو دوزخ کی آگ میں اس حال میں ہوں گے کہ) عذاب کی شدت کی وجہ سے (ان کی چیخم دھاڑ رہے گی اور وہ ہمیشہ کو اس میں رہیں گے جب تک) آخرت کے (آسمان و زمین قائم رہیں گے) مراد ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے (مگر جو چاہے آپ کا رب) کہ ان کو جہنم سے نکال دے تو دوسری بات ہے کیونکہ (آپ کا رب جو کچھ چاہے اس کو پورے طور سے کر سکتا ہے) مگر قدرت کے باوجود یہ بات یقینی ہے کہ خدا یہ بات نہ چاہے گا اس لئے نکلنا بھی نصیب نہ ہوگا جس کے دلائل یہ ہیں وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا (یعنی جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں کہ نیک عمل کرنا تو دور کی بات ہے ایمان ہی نہ لائیں تو ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ سورہ جن: 23) وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ یعنی کافر لوگ جہنم کی آگ سے نہ نکلیں گے (سورہ بقرہ: 167) (اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو وہ جنت میں ہوں گے) اور وہ اس میں

داخل ہونے کے بعد (ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے جب تک) آخرت کے (آسمان وزمین قائم ہیں مگر جو آپ کا رب ہی چاہے) کہ نکال دے تو دوسری بات ہے مگر یہ یقینی ہے کہ خدا یہ بات کبھی نہ چاہے گا لہٰذا نکلنا بھی کبھی نہ ہوگا اور وہ (غیر منقطع عطیہ ہوگا)۔

ربط: مشرکوں سے خطاب مکمل کر کے آگے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر تم ان مشرکوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہتے ہو تو مندرجہ ذیل باتوں پر مضبوطی سے قائم رہو۔

1- توحید کے حق ہونے پر اور شرک و بت پرستی کے باطل ہونے پر تمہیں کچھ شک نہ ہونا چاہئے۔

فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا

لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿١٠٩﴾

ترجمہ: سو مت ہو تو شک میں اس سے جو پرستش کرتے ہیں یہ لوگ۔ نہیں پرستش کرتے یہ مگر جس طرح پرستش کرتے تھے ان کے باپ دادے اس سے پہلے اور ہم پورا دینے والے ہیں ان کا حصہ بلا نقصان۔

تفسیر: اے مسلمانو! اتنی کثیر مخلوق کا شرک و بت پرستی کو اختیار کرنا اور اب تک سزا نہ پانا شرک و بت پرستی کے حق ہونے کی دلیل نہیں (لہٰذا تم) اس سے دھوکا کھا کر (اس سے جو یہ لوگ پرستش کرتے ہیں کسی شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو۔ یہ لوگ) اپنے باپ دادوں کی کورانہ تقلید میں اسی طرح بلا دلیل غیر اللہ کی (پرستش کر رہے ہیں جیسے اس سے پہلے ان کے باپ دادے) بلا دلیل غیر اللہ کی (پرستش کرتے تھے۔ اور) ان کے باپ دادوں کا انجام تو تم نے پہلے مذکور قصوں میں دیکھ لیا ان کے جھوٹے معبود ان کے کچھ کام نہ آئے تو موجودہ مشرکوں کے کیا کام آئیں گے۔ ہماری حکمت کا تقاضا ہوگا تو ہم ایک مدت بعد سہی ان پر دنیا میں بھی عذاب نازل کریں گے اور آخرت میں تو (ہم ان کو) بلا کمی ونقصان (ان) کے عذاب (کا پورا پورا حصہ دیں گے)۔

2- حق و باطل کو ماننے والے ہر دور میں ہوئے اور اہل باطل کو بھی مہلت دی جاتی ہے فوراً سزا نہیں دی جاتی لیکن بہر حال ان کو اپنے کیے کو بھگتنا پڑے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ
وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ
أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے دی موسیٰ کو کتاب پھر اختلاف کیا گیا اس میں۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو سبقت کر چکی تھی تیرے رب کی جانب سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان اور بے شک وہ ہیں اس سے (ایسے) شک میں (جو) تردد میں ڈالنے والا (ہے)۔ اور سب کو اس وقت پورا دے گا تیرا رب ان کے اعمال (کا بدلہ)۔ بے شک وہ اس سے جو وہ کرتے ہیں باخبر ہے۔

تفسیر: (اور) جس طرح آج قرآن پاک کے بارے میں لوگ اختلاف میں ہیں اسی طرح جب (ہم نے) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (کو کتاب) یعنی تورات (دی تھی تو اس) کے بارے (میں بھی) لوگوں میں (اختلاف کیا گیا) کسی نے مانا کسی نے نہ مانا (اور) اگرچہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت ہے کہ اختلاف پیدا ہونے پر نہ ماننے والوں کو فوراً سزا دے کر ہلاک کر دیتا لیکن آپ کے رب کی جانب سے ایک بات پہلے سے طے شدہ ہے کہ انسان کو ایک خاص مہلت کے لئے اور ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دے کر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے نیک پر یا بد پر۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر و شر کا باہمی مقابلہ جاری ہے۔ (اگر یہ بات سبقت نہ کر چکی ہوتی تو لوگوں کے درمیان فوری فیصلہ کر دیا جاتا اور) سب اختلافات کا ایک دم خاتمہ کر دیا جاتا لیکن (عام لوگ) ان حکمتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے (اس بارے میں تردد میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں) کہ نہ جانے آئندہ دنیا یا آخرت میں ان اختلافات کا فیصلہ ہو گا یا نہیں۔ (اور) ابھی وہ مہلت ختم نہیں ہوئی اور وہ وقت نہیں آیا کہ ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے لیکن (جب وہ وقت آئے گا تو یقیناً) ذرے ذرے کا حساب کیا جائے گا اور (آپ کا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے۔ کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے خوب باخبر ہے)۔

3- سیدھی راہ پر رہو اور کسی بھی معاملہ میں افراط و تفریط سے بچو

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ
وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: سو تو سیدھا رہ جیسا کہ تو حکم دیا گیا اور (وہ بھی) جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے مت نکلو۔ بے شک وہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔

تفسیر: جب یہ معلوم ہو گیا کہ کافروں کو ایک عرصہ تک مہلت ملتی ہے تو اے مسلمانو! تم اس فکر میں مت پڑو کہ عذاب کب نازل ہو گا بلکہ اس کے بجائے اے نبی ﷺ (آپ) اور مسلمان اپنے کام میں لگے رہیں جو یہ ہے کہ آپ (جس طرح کہ آپ کو حکم ہوا ہے) راہ دین پر (سیدھے رہئے اور وہ لوگ بھی) اس راہ پر سیدھے رہیں (جو) کفر سے (توبہ کر کے آپ کی ہمراہی میں ہیں اور) دین کی راہ جو عقائد، اخلاق، عبادات، معاملات، اور دعوت و تبلیغ وغیرہ پر مشتمل ہے اس کی ہر چیز میں سیدھے رہو کسی ایک چیز میں بھی افراط یا تفریط کی جانب اختیار کر کے (حد سے مت نکلو کیونکہ بلاشبہ وہ تم سب کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے)۔

4- کافر و مشرک حد سے نکلنے والے ہیں ان کی طرف کچھ میلان نہ رکھو

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ چھوئے گی تم کو آگ اور نہیں ہوں گے تمہارے لئے اللہ کے سوا مددگار پھر نہیں تم مدد کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اور) اے مسلمانو (جو لوگ ظالم) یعنی حد سے نکلنے والے (ہیں) اور یہ کافر اور مشرک وغیرہ ہیں (ان کی طرف تمہارا) کچھ بھی میلان اور (جھکاؤ نہ ہو)۔ ان کی دوستی، رفاقت، تعظیم و تکریم، تعریف و توصیف، ظاہری مشابہت اور اشتراک عمل ہر بات سے جہاں تک ہو سکے بچتے رہو (مبادا تم کو) اس کی پاداش میں جہنم کی (آگ کی لپٹ لگ جائے اور اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی رفیق اور ساتھی نہ ہو پھر تمہاری ذرا بھی مدد نہ ہو)۔

5- نماز اور صبر پر قائم رہو

چونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور دوسرے صبر جیسا کہ سورہ بقرہ میں گذرا وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ یعنی نماز اور صبر کے ذریعہ مدد چاہو تو آگے ان دونوں کا پورا اہتمام کرنے کو۔ فرماتے ہیں۔

i- نماز کا اہتمام

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيۡلِ ؕ اِنَّ الۡحَسَنٰتِ يُذۡهِبۡنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكۡرٰى لِلذّٰكِرِيۡنَ ۚ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: اور قائم کرو نماز کو دونوں کناروں میں دن کے اور (قریبی) ٹکڑوں میں رات کے۔ بے شک نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو۔ یہ نصیحت ہے یاد رکھنے والوں کے لئے۔

تفسیر: (اور) اے مسلمانو جیسے اوپر نصیحت کی گئی تم ظالموں کی طرف نہ جھکو بلکہ تم صرف خدا تعالیٰ کی طرف ہی جھکو جس کی صورت یہ ہے کہ دن کو پھیلاؤ میں ایک لمبی چادر کی طرح سمجھو کہ جس کا درمیان کا ایک بڑا حصہ ہے اور دونوں طرف کناروں کا کچھ کچھ حصہ ہے۔ دن کا پہلا کنارہ فجر کی نماز کا وقت ہے اور دوسرا کنارہ عصر کی نماز کا وقت ہے تو (تم دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم کرو اور رات کے) اولین (حصوں میں بھی) جو کہ مغرب کی نماز کا وقت ہے کیونکہ نماز بڑی نیکی ہے اور (نیکیاں) تین طریقوں سے (برائیوں کو دور کرتی ہیں) ایک یہ کہ برائیاں معاف ہوتی ہیں، دوسرے برائی کرنے کی عادت چھوٹتی ہے اور تیسرے ہدایت آتی ہے اور گمراہی دور ہوتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کی بدولت تم برائیوں سے پاک ہو جاؤ گے اور ہدایت پر مضبوط رہو گے۔ ایسی حالت اللہ تعالیٰ کی مدد کو خوب کھینچتی ہے۔ غرض (یاد رکھنے والوں کے لئے ایک) جامع (نصیحت ہے)۔

فائدہ: اوپر کی آیت میں تین نمازوں یعنی فجر، عصر اور مغرب کا صراحت کے ساتھ ذکر ہوا۔ عشا کی نماز کا ذکر اس آیت میں ہے۔

وَمِنۡ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَاۤءِ (سورہ نور: 58)

اور عشاء کی نماز کے بعد

رہی ظہر کی نماز تو وہ اس آیت سے ثابت ہے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ. (سورہ اسراء: 78)

نماز قائم کرو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سورج کے ڈھلنے یعنی زوال ہونے پر بھی فرض نماز کا وقت ہے جو صرف ظہر کی نماز ہے۔ ظہر کا وقت ختم ہونے پر عصر کا وقت ہوتا ہے۔ عصر کا ختم ہونے پر مغرب کا اور مغرب کا وقت ختم ہونے پر کامل اندھیرا چھا جانے پر عشا کا وقت ہوتا ہے۔ اس آیت میں ان چاروں نمازوں کا ذکر ہوا۔

ii- صبر کا اہتمام

ترجمہ: اور صبر کر کیونکہ اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکو کاروں کا

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

تفسیر: (اور) کافروں کی طرف سے جو حالات پیش آتے ہیں ان میں (صبر کیا کیجئے) کہ یہ بھی بڑی نیکی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمان خدا کی عبادت و فرمانبرداری میں ثابت قدم رہیں اور کسی دکھ درد کی پروا نہ کریں تب خدا کی مدد و نصرت ضرور حاصل ہوگی (کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے) بلکہ اندازہ سے زائد دیتے ہیں۔

6- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو

فَلَوْلَا كَانَ
مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ
فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ
بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: تو نہ ہوئے ان جماعتوں میں سے جو تم سے پہلے ہوئیں اثر خیر والے کہ منع کرتے ہوں فساد (کرنے) سے زمین میں مگر تھوڑے سے کہ جن کو نجات دی ہم نے ان میں سے۔ اور پیروی کی ان لوگوں نے جو ظالم تھے اس راہ کی عیش سے رہے تھے جس میں اور وہ تھے مجرم۔ اور نہیں ہے تیرا رب کہ ہلاک کرے بستیوں کو زبردستی سے حالانکہ ان کے اہل اصلاح کرنے والے ہوں۔

تفسیر: اے مسلمانو! پچھلی قوموں کی ہلاکت کے قصے تم نے سنے اور اب مشرکین مکہ ہیں جو اپنے آپ کو عذاب و ہلاکت کا مستحق بنا رہے ہیں تو تمہیں یہ اہتمام کرنا چاہئے کہ ان کی ہلاکت کی جو اصل وجہ ہے اس کو معلوم کر کے اپنے آپ کو اس سے بچاتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی یا غفلت میں تم بھی اس وجہ میں مبتلا ہو کر عذاب کے حقدار بن جاؤ۔ (تو) جان لو کہ (تم سے پہلی امتوں) کی ہلاکت کی اصل

وجہ یہ ہوئی کہ ان (میں ایسے اثر خیر والے لوگ نہ ہوئے جو) خود بھی نیک عمل کرتے اور دوسروں کو جو عیش وعشرت میں مبتلا تھے ان کو (زمین میں) کفر و نافرمانی کے (فساد سے روکتے سوائے چند آدمیوں کے) جو واقعی خود بھی نیک عمل کرتے تھے اور دوسروں کو بھی گناہوں سے روکتے تھے اور اگرچہ ہم نے یہ اجر تو دیا (کہ) جب قوم پر ہم نے عذاب نازل کیا تو (ان میں سے ان چند لوگوں کو ہم نے بچالیا) لیکن چونکہ بہت قلیل تعداد کے لوگ تھے اس لئے قوم کے باقی لوگوں نے ان کی بات کا کوئی اثر نہیں لیا۔ (وہ ظالم لوگ اس عیش وعشرت کے پیچھے پڑے رہے جس میں وہ تھے اور جرائم کے خوگر ہو گئے) اور کفر و سرکشی میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ ان پر ہمارا عذاب آ پہنچا۔ حاصل یہ ہے کہ نیک لوگ ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔ غرض اے مسلمانو تم کثرت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تا کہ نیک لوگ غالب رہیں اور شریر لوگ مغلوب اور کمزور رہیں (اور جب) ایسا ہو (کہ بستیوں والے اصلاح کی طرف متوجہ ہوں) نیکی کو رواج دیں ظلم وفساد کو روکیں تو (آپ کے رب کی یہ شان نہیں کہ) خواہ مخواہ (زبردستی بستیوں کو ہلاک) و برباد (کردے)۔

ربط: کافروں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لئے جن باتوں پر مضبوطی سے قائم رہنے کی ضرورت ہے مسلمانوں کو وہ بیان کر کے آگے بتاتے ہیں کہ ان باتوں پر قائم رہنے کی ضرورت ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر اور فرمانبرداری کے ساتھ نافرمانی بھی چلے اور جہاں جنت میں لوگ جائیں وہیں جہنم بھی جہنمیوں سے بھری جائے۔ اور جب نافرمانی ہر وقت اور ہر زمانہ میں ہو گی تو مسلمانوں کو بھی ان مذکورہ باتوں کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ
أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ط
وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ط وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ
الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: اور اگر چاہتا تیرا رب بنا دیتا لوگوں کو ایک امت۔ اور وہ ہمیشہ رہیں گے مختلف مگر جس پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی کے لئے پیدا کیا ان کو اور پوری ہوئی بات تیرے رب

کی کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو جنوں سے اور انسانوں سے اکٹھے۔

تفسیر: (اور آپ کا رب) بڑی قدرت والا ہے وہ (اگر چاہتا تو سب انسانوں کو) ایک ہی راستہ پر چلنے والی (ایک امت بنا دیتا لیکن) اس کی حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ حق کو قبول کرنے نہ کرنے میں (لوگوں میں ہمیشہ اختلاف رہے گا) اور ایسے لوگ ہوتے رہیں گے جو فطرت کی صاف اور صریح باتوں کو چھوڑ کر حق کو جھٹلائیں گے۔ (سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کے رب نے رحم کیا) اور انہوں نے حق کی مخالفت کے بجائے حق کی اتباع کو اختیار کیا۔ اپنی حکمت کے اسی تقاضے کے تحت (اللہ تعالیٰ نے اسی) اختلاف (کیلئے لوگوں کو پیدا کیا) کہ کچھ لوگ حق پرستی اختیار کر کے جنت میں جائیں اور دوسرے حق کی مخالفت کر کے جہنم میں جائیں (اور) اس طرح سے (آپ کے رب کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے ضرور بھروں گا)۔

ربط: آخر میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ گزشتہ رسولوں کے قصوں سے ہم نے آپ کے دل کو مضبوط کیا اور مسلمانوں کو بھی نصیحت کی تو اب ایک طرف تو کافروں سے دو ٹوک کہہ دو کہ اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو اور انجام کا انتظار کرو اور دوسری طرف تم خود اللہ کی عبادت میں لگے رہو اور اسی پر توکل کرتے رہو۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اور سب قصے ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر رسولوں کے احوال سے جس سے ہم مضبوط کرتے ہیں تیرے دل کو اور آئی تیرے پاس اس میں حق بات اور نصیحت اور یاد دہانی ایمان والوں کیلئے۔ اور کہہ دے ان کو جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ اور اللہ کو حاصل ہے چھپی بات آسمانوں

کی اور زمین کی اور اسی کی طرف لوٹتے ہیں سب کام تو عبادت کرو اسی کی اور بھروسہ کرو اسی پر اور نہیں ہے تیرا رب غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو۔

تفسیر: (اور رسولوں کے احوال میں سے ہم یہ سارے) مذکورہ (قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور ان) قصوں (میں آپ کے پاس) ایسا مضمون (آیا ہے) جو بذات خود (حق) ہے (اور ایمان والوں کے لئے) برے کاموں سے روکنے کو (نصیحت) ہے (اور) اچھے کام کرنے کے لئے (یاد دہانی) ہے (اور) اب (آپ) ایک طرف تو (ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے) دوٹوک انداز میں (کہہ دیجئے کہ) اگر تم میری بات نہیں مانتے تو بہتر (تم اپنی جگہ پر) اپنے (عمل میں لگے رہو ہم بھی اپنے عمل میں لگے ہیں اور) اپنے اپنے اعمال کے انجام کے لئے (تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں) کیونکہ (اللہ تعالیٰ کو) سب کے اعمال کی خبر ہے اور کیوں نہ ہو کیونکہ اس کو (تو آسمانوں کی اور زمین کی ہر چھپی بات) تک (کی خبر ہے اور) سارا اختیار بھی اللہ کو ہے کہ (سب کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں تو) دوسری طرف (آپ) اور مسلمان (اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے رہیں اور) اس بات کو متحضر رکھیں کہ جو کچھ تم عمل کرتے ہو (آپ کا رب اس سے غافل نہیں ہے)۔

سورہ یوسف

پچھلی سورہ ہود میں بہت سے رسولوں اور ان کی قوموں کے قصے بیان ہوئے جن میں یہ بات مشترک تھی کہ ان رسولوں کی تکذیب کرنے والوں پر بالآخر عذاب الٰہی نازل ہوا اور وہ ہلاک و برباد کر دیئے گئے۔ اس سورت میں تکذیب و عذاب کے قصوں کو چھوڑ کر ایک بڑے پیغمبر یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کا مختلف نوعیت کا قصہ سناتے ہیں تاکہ ایک ہی طرح کے قصوں سے طبیعت میں اکتاہٹ نہ آئے۔ پھر یہ قصہ صرف قصہ نہیں بلکہ بہت سے مفید مضامین پر مشتمل ہے مثلاً یہ کہ صبر و استقامت سے کامیابی حاصل ہوتی ہے، حسد و عداوت کا انجام محض نقصان ہے، عقل سے آدمی بہت سی مشکلات پر قابو پالیتا ہے اور شرافت و پاکدامنی آدمی کو دشمنوں اور حاسدوں کی نظر میں بھی معزز بنا دیتی ہے۔ پھر تمہید کے طور پر بتاتے ہیں کہ ہم نے ان تمام قصوں اور احکام و حکمتوں پر مشتمل قرآن عربی زبان میں اتارا ہے کیونکہ اس کے اولین مخاطب عرب ہیں تو وہ اس کو سمجھ کر دوسروں کو بھی سمجھائیں۔

سُوۡرَۃُ یُوۡسُفَ مَکِّیَّۃٌ | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | اٰیَاتُھَا ۱۱۱ - رُکُوۡعَاتُھَا ۱۲

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمۡ
تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲﴾ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡکَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ
اِلَیۡکَ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ٭ۖ وَ اِنۡ کُنۡتَ مِنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: الر یہ آیتیں ہیں واضح کتاب کی۔ ہم نے اتارا ہے اس کو قرآن عربی تا کہ تم سمجھ لو۔ ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر بہت اچھا قصہ اس ذریعہ سے کہ وحی کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن اور تو تھا اس سے پہلے بے خبروں میں سے۔

تفسیر: الر۔ (یہ آیتیں ہیں ایک) ایسی (واضح کتاب کی) جس کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونا بھی واضح ہے اور جن احکام و نصیحتوں پر یہ مشتمل ہے وہ بھی بہت واضح اور صاف ہیں۔ (ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا ہے تا کہ اے عربو! تم جو قرآن کے اولیں مخاطب ہو اہل زبان ہونے کی وجہ سے پہلے (تم اس کو سمجھو) اور پھر تمہارے ذریعہ سے دنیا کے باقی لوگ اس کو سمجھیں۔ (اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے ہم آپ سے ایک عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ اور) ہمارے (اس) بیان (سے پہلے) اس قصہ سے (آپ) بھی اپنی قوم کی طرح (بے خبر تھے)۔

ربط: چونکہ قصہ طویل ہے اس لئے اس قصہ کو مختلف عنوانوں کے تحت تقسیم کیا جاتا ہے۔

تعارف: حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک ماں سے تھے جو وفات پا چکی تھیں اور باقی دوسری ماں سے تھے۔ بچپن ہی سے حضرت یوسف علیہ السلام کے جو طور طریقے تھے اور ان کے چہرے سے رشد و ہدایت کے جو آثار نمایاں تھے ان کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان سے خصوصی محبت تھی۔ باپ کی ایک بیٹے کی طرف خصوصی محبت دیکھ کر دوسرے سوتیلے بھائی دل ہی دل میں کڑھتے تھے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ یہ حالات تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا اور اس کا ذکر اپنے والد سے کیا۔

والد سے خواب کا ذکر اور والد کا احتیاط کرنے کا مشورہ

اِذۡ قَالَ یُوۡسُفُ لِاَبِیۡہِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیۡ رَاَیۡتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا وَّ
الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ رَاَیۡتُہُمۡ لِیۡ سٰجِدِیۡنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقۡصُصۡ

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ ع

ترجمہ: جب کہا یوسف نے اپنے باپ سے اے ابا میں نے دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سورج کو اور چاند کو۔ میں نے دیکھا ان کو اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے۔ کہا اے بیٹے مت بیان کرنا اپنا خواب اپنے بھائیوں پر کہ وہ کریں گے تیرے واسطے خاص مکر۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح چن لے گا تجھ کو تیرا رب اور سکھائے گا تجھ کو باتوں کا اصل مطلب اور پورا کرے گا اپنے انعام کو تجھ پر اور آل یعقوب پر جیسا کہ اس نے پورا کیا اس کو تیرے دو باپوں پر اس سے پہلے ابراہیم اور اسحاق پر۔ بے شک تیرا رب علم والا حکمت والا ہے۔

تفسیر: (وہ وقت قابل ذکر ہے جب یوسف) علیہ السلام (نے اپنے والد) یعقوب علیہ السلام (سے کہا کہ اے ابا) جان (میں نے) خواب میں (گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں میں نے ان کو اپنے روبرو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے) جواب میں (فرمایا کہ اے بیٹا اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان مت کرنا کیونکہ) وہ سن لیں گے تو چونکہ اس کی تعبیر سمجھنا زیادہ مشکل نہیں لہٰذا وہ اس کی تعبیر کا اندازہ کرلیں گے کہ گیارہ ستاروں سے مراد گیارہ بھائی ہیں اور چاند سورج سے مراد ماں باپ ہیں اور یہ سب کسی وقت تمہارے سامنے سر جھکائیں گے۔ اس سے ان کو حسد ہوگا اور (وہ تمہارے) نقصان کے (لئے خاص مکر کریں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے) وہ ایسے موقعوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دلوں میں وسوسے پیدا کر کے اور حسد کی آگ بھڑکا کر سب انسانوں کا نقصان کراتا ہے۔

(اور) جس طرح خدا تم کو یہ عزت دے گا کہ سب تمہارے تابع ہوں گے (اسی طرح تمہارا رب تم کو) دوسری عزتیں بھی دے گا کہ تم کو نبوت کے لئے (منتخب کرے گا اور تم کو باتوں کا اصل مطلب سکھائے گا) جس میں بہت سی چیزیں شامل ہیں مثلاً خوابوں کی تعبیر، ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا، معاملات کے نتائج کو فوراً جانچ لینا اور کتاب الٰہی کے مضامین کی تہہ تک پہنچنا اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دے کر مثلاً تکلیفوں اور مصیبتوں کے بعد خوشحالی دے کر (اور) بڑا اونچا عہدہ دے کر (تم پر اور یعقوب

کے خاندان پر اپنے انعام کو پورا کرے گا جیسا کہ اس سے پہلے تمہارے دادا پڑدادا) یعنی (ابراہیم اور اسحاق) علیہما السلام (پر) بڑے بڑے احسان کر کے (اپنے انعام کو پورا کیا ہے۔ واقعی تمہارا رب بڑے علم والا ہے) کہ وہ ہر ایک کی مناسبت اور استعداد سے باخبر ہے (اور حکمت والا ہے) کہ ہر ایک کو اس کے مناسب فیض عطا کرتا ہے۔

فائدہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک حقیقی بھائی بنیامین تھے ان سے برائی کا کچھ اندیشہ نہ تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے سامنے بھی خواب ذکر کرنے کی اجازت نہیں دی کیونکہ ممکن تھا کہ وہ سن کر بے احتیاطی سے دوسروں کے سامنے تذکرہ کر دیتے۔

بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مزید برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے چھٹکارا حاصل کرنے کی عجیب تدبیر اختیار کی

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ
رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا
عَلٰۤى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع
مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ
السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى
يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ
وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ
اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ

الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ
اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ
بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾
قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا
فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾
وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: بے شک ہیں یوسف اوراس کے بھائیوں (کے قصہ) میں نشانیاں پوچھنے والوں کیلئے۔ جب انہوں نے کہا کہ یوسف اوراس کا (حقیقی) بھائی زیادہ محبوب ہیں ہمارے باپ کو ہم سے حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ بلاشبہ ہمارے باپ کھلی خطا میں ہیں۔ قتل کر دو یوسف کو یا پھینک دو اس کو کسی زمین میں تا کہ خالی ہو جائے تمہارے لئے توجہ تمہارے باپ کی اورتم ہو جانا اس کے بعد نیک لوگ۔ کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے مت قتل کرو یوسف کو اور ڈال دو اس کو کنویں کے طاقچہ میں کہ اٹھالے اس کو کوئی راہ چلتا اگر ہو تم کرنے والے۔ بولے اے ہمارے ابا آپ کو کیا ہے کہ آپ اعتبار نہیں کرتے ہمارا یوسف پر حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ بھیجئے اس کو ہمارے ساتھ کل کہ وہ کھائے اور کھیلے بلاشبہ ہم اس کے نگہبان ہیں۔ کہا (یعقوب نے) واقعی غمگین کرتی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم لے جاؤ اس کو اور میں ڈرتا ہوں کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اورتم اس سے بے خبر رہو۔ وہ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو ہم اس صورت میں گئے گذرے ہوئے۔ پھر جب وہ لے گئے اس کو اور عزم کیا کہ ڈال دیں اس کو کنویں کے طاقچہ میں اور اشارہ کیا ہم نے اس کی طرف کہ تو ضرور خبر دے گا ان کو ان کے اس کام کی اور وہ پہچانتے نہ ہوں گے۔ اور وہ آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے۔ کہنے لگے اے ہمارے ابا ہم لگے آگے نکلنے کو دوڑ میں اور چھوڑا ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس تو کھا گیا اس کو بھیڑیا اور نہیں آپ یقین کرنے والے ہم پر اگر چہ ہم ہوں سچے۔ اور لائے اس کی قمیض پر جھوٹا خون (لگا کر) کہا (یعقوب نے) بلکہ بنا دی

ہے تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے ایک بات سو (اب) صبر جمیل ہی ہے اور اللہ ہی ہے جس سے طلب امداد ہے اس پر جو تم گھڑتے ہو۔

تفسیر: (یوسف) علیہ السلام (کے اور ان کے) باپ شریک (بھائیوں کے قصہ میں) اس قصہ سے متعلق (سوال کرنے والوں کیلئے) ہدایت و عبرت کی (بہت سی نشانیاں موجود ہیں) مثلا (1) اس قصہ سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت سامنے آتی ہے، (2) رسول اللہ ﷺ کی صداقت و نبوت کا کھلا ثبوت ملتا ہے کیونکہ امی ہونے اور کسی کتاب یا معلم سے استفادہ نہ کرنے کے باوجود تاریخی حقائق کو صحیح صحیح بیان کرنے کی اس کے علاوہ اور کوئی بنیاد نہیں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ باتیں اللہ نے آپ کو وحی کی ہیں۔ (3) جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے تکلیفیں پہنچائیں اور گھر سے نکالا لیکن پھر بالآخر وہ وقت آیا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف نادم و محتاج ہو کر آئے اور یوسف علیہ السلام کو خدا نے دین و دنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا ٹھیک اسی طرح آج جو مشرکین مکہ اپنے ہی ایک قریبی اور عزیز رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہے ہیں اور ان کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کے درپے ہیں وہ عبرت پکڑیں کہ کہیں ان پر بھی وہ وقت نہ آجائے جو بالآخر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر آیا۔ وہ وقت قابل ذکر ہے (جب) کہ ان باپ شریک (بھائیوں نے) آپس میں مشورہ کرتے ہوئے (کہا کہ) یہ کیا بات ہے کہ (یوسف اور ان کے) حقیقی (بھائی) بنیامین (ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ) وہ دونوں کم عمری کی وجہ سے ان کی کچھ خدمت نہیں کر سکتے جب کہ (ہم ایک) جماعت کی (جماعت ہیں) اور اپنی کثرت اور قوت کی وجہ سے ان کی ہر طرح کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہونا چاہئے تھا کہ ہم زیادہ محبوب ہوتے۔ (واقعی ہمارے باپ اس معاملہ میں کھلی غلطی میں ہیں) کہ وہ اپنے نفع و نقصان کا صحیح موازنہ نہیں کرتے۔ اور اپنے والد کو سمجھانا بھی مشکل ہے لہٰذا اب یہی صورت سمجھ میں آتی ہے کہ یوسف کو ہی راہ سے ہٹا دیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو (یوسف کو قتل کر ڈالو یا ان کو کسی) دور دراز (زمین میں ڈال آؤ) ان دونوں صورتوں میں یہ باپ سے دور ہو جائیں گے (تو) پھر محبت پدری کی وجہ سے (تمہارے باپ کی توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے گی)۔ رہی یہ بات کہ یہ حرکت تو بذات خود گناہ ہے (اور) بری بات ہے تو چلو صرف ایک مرتبہ کرنی ہوگی پھر (اس کے بعد تم) توبہ کر لینا اور (نیک ہو جانا)۔ (ان) بھائیوں (میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو) کیونکہ قتل کرنا تو سخت گناہ کی بات ہے۔ ہاں دوسری تجویز ہلکی ہے اور ہمارا مقصد اس سے بھی پورا ہو سکتا ہے (اور) اس کی صورت یہ ہے کہ (ان کو) بستی سے دور (کسی کنویں کے طاقچہ میں ڈال دو) جو کنویں کے اندر پانی کی سطح سے کچھ اونچے بنایا جاتا تھا اور وہ کنواں

راستے سے دور بھی نہ ہو (تا کہ کوئی راہ چلتا) خبر پا کر (ان کو نکال لے جائے۔ اگر تم) کچھ (کرنے والے ہو) اور تم کو یہ کام کرنا ہے تو اس طرح کرو۔ اس بات پر سب متفق ہو گئے اور (سب نے) مل کر اپنے والد سے (کہا کہ اے ہمارے ابا اس کی کیا وجہ ہے کہ یوسف کے بارے میں آپ ہمارا اعتبار نہیں کرتے) اور کبھی ان کو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے (حالانکہ ہم) دل و جان سے (ان کے خیر خواہ ہیں)۔ لہٰذا آپ ہم پر بے اعتمادی چھوڑ دیجئے اور (کل کے روز ان کو ہمارے ساتھ) جنگل میں (بھیج دیجئے کہ وہ وہاں (کھائیں اور کھیلیں اور ہم ان کی) پوری پوری (حفاظت کریں گے)۔ یعقوب علیہ السلام نے (فرمایا کہ) تمہارے ساتھ بھیجنے میں مجھے دو رکاوٹیں ہیں۔ ایک رکاوٹ تو غم ہے اور دوسری خوف ہے۔ رہا غم تو (مجھ کو یہ بات غمزدہ کرتی ہے کہ تم ان کو) میری آنکھوں کے سامنے سے (لے جاؤ اور) رہا خوف تو (میں یہ اندیشہ کرتا ہوں کہ) چونکہ جنگل میں بھیڑیئے بہت ہیں تو (ان کو کوئی بھیڑیا کھا جائے اور تم) اپنی مشغولیتوں میں (ان سے بے خبر رہو۔ وہ) بھائی (بولے کہ اگر ان کو بھیڑیا کھا جائے اور ہم ایک جماعت) کی جماعت موجود (ہوں تو ہم بالکل ہی گئے گذرے ہوئے)۔ غرض کہہ سن کر یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے پر حضرت یعقوب علیہ السلام کو راضی کر لیا (پھر جب) دوسرا دن ہوا تو (یوسف) علیہ السلام (کو) اپنے ساتھ جنگل کی طرف (لے گئے اور) طے شدہ پروگرام کے مطابق (سب نے پختہ عزم کر لیا کہ ان کو کنویں) میں اتار کر اس (کے طاقچہ میں کر دیں) اور اس پر عملدرآمد بھی کر لیا (اور ہم نے) خواب میں یا بیداری میں الہام سے یا فرشتے کے ذریعے سے (یوسف کو اشارہ کیا کہ) تم غم مت کرو۔ ہم تم کو یہاں سے نکالیں گے اور بڑے مرتبہ پر پہنچائیں گے اور ایک دن آئے گا جب (تم ان لوگوں کو ان کی یہ حرکت یاد دلاؤ گے اور وہ) تم کو تمہارے بلند مرتبہ کی وجہ سے (پہچانیں گے بھی نہیں۔ اور) ادھر (وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے) اور جب انہوں نے رونے کا سبب پوچھا تو (کہنے لگے کہ ابا ہم سب تو آپس میں دوڑنے میں لگ گئے) کہ دیکھیں اس میں کون آگے نکلتا ہے (اور یوسف کو ہم نے) ایسی جگہ جہاں بھیڑیے کے آنے کا کچھ گمان نہ تھا (اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا بس) اتفاق سے (ایک بھیڑیا) آیا اور (ان کو کھا گیا اور آپ ہم پر کیوں یقین کرنے لگے اگر چہ ہم کیسے ہی سچے ہوں۔ اور) گھر واپس آتے ہوئے (وہ یوسف کی قمیض پر جھوٹ موٹ کا) بکری یا کسی اور جانور کا (خون بھی لگا لائے) تھے تا کہ اس کو اپنی بات کی سچائی کی دلیل بنالیں۔ (یعقوب) علیہ السلام (نے) دیکھا تو قمیض صحیح سالم تھی، کہیں سے بھی نہ پھٹی تھی اس لئے سمجھ گئے کہ بھائیوں نے کچھ چال چلی ہے اور (فرمایا) کہ یوسف کو بھیڑیئے نے ہرگز نہیں کھایا (بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے) اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ

یوسف علیہ السلام سے جدائی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی آزمائش ہے جو ایک معین مدت تک جاری رہے گی اس لئے انہوں نے یوسف علیہ السلام کو ڈھونڈنے یا ان کے بھائیوں کو کوئی سزا دینے میں کوئی فائدہ نہ سمجھا اور فرمایا (سو خیر صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا اور جو باتیں تم گھڑتے ہو ان میں اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے) کہ اس وقت مجھ کو یوسف کی جدائی برداشت کرنے کی قوت دے اور آئندہ تمہارا جھوٹ بھی کھول دے۔

حضرت یوسف علیہ اسلام کی کنویں سے رہائی اور ان کا مصر پہنچنا

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۚ قَالَ يٰبُشْرٰى
هٰذَا غُلٰمٌ ۚ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ
شَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾
وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى
اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۗ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۖ
وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۗ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور آیا ایک قافلہ تو بھیجا انہوں نے اپنا پانی بھرنے والا۔ اس نے لٹکایا اپنا ڈول کہنے لگا کیا ہی خوشخبری کی بات ہے۔ یہ ایک لڑکا ہے اور انہوں نے چھپا لیا اس کو مال تجارت بنا کر اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اور انہوں نے بیچ ڈالا اس کو ناقص قیمت پر یعنی گنتی کے چند درہموں پر اور وہ تھے اس کے بارے میں ناقدردان۔ اور کہا جس شخص نے خریدا اس کو مصر سے اپنی بیوی کو کہ عزت والا کر و اس کا ٹھکانا شاید کہ یہ نفع دے ہمیں یا ہم بنا لیں اس کو اپنا بیٹا۔ اور اسی طرح ٹھکانا دیا ہم نے یوسف کو اس زمین میں اور تاکہ ہم سکھائیں اس کو باتوں کا مطلب اور اللہ غالب ہے اپنے کام پر ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کو کنویں میں چھوڑ گئے تو اتنے میں ادھر (ایک قافلہ آ نکلا) جو مصر کو جا رہا تھا (اور قافلہ والوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے واسطے کنویں پر بھیجا اور اس نے اپنا

ڈول ڈالا) یوسف علیہ السلام چھوٹے ہی تو تھے رسی پکڑ لی اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ کھینچنے والے نے ان کا حسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ خوشی سے (کہا کیا ہی خوشخبری ہے یہ) تو بڑا اچھا (لڑکا) نکل آیا (ہے)۔ غرض قافلہ والوں کو خبر ہوئی تو وہ بھی بہت خوش ہوئے (اور ان کو مال تجارت بنا کر) اس خیال سے (چھپا لیا) کہ کوئی آ کر دعویدار نہ ہو جائے اور پھر ان کو مصر لے جا کر وہاں کسی بڑے آدمی کے ہاتھ فروخت کریں گے (اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ اس کو خوب جانتے تھے) کچھ بھی لاعلم نہ تھے۔ وہ اپنا پروگرام بنا رہے تھے اور اللہ کا اپنا پروگرام پورا ہو رہا تھا۔ لیکن یوسف علیہ السلام کے چہرے سے جو شرافت عیاں تھی مصر پہنچنے کے بعد وہ اُس سے خوفزدہ ہو گئے اور ان کو ڈر ہوا کہ کہیں کوئی ان سے باز پرس نہ شروع کر دے (اور) یوں وہ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں اس لئے (انہوں نے ان کو بہت کم قیمت میں یعنی گنتی کے چند درہموں کے عوض) مصر کے عزیز یعنی ایک اعلیٰ افسر کے ہاتھ (فروخت کر دیا اور وہ ان کے بارے میں) اپنے خوف کی وجہ سے (بے رغبت تھے) اور چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو ان سے چھٹکارا حاصل ہو۔ (اور جس شخص نے مصر میں ان کو خریدا) وہ ان کو اپنے گھر لایا اور (اس نے اپنی بیوی) کے سپرد کرتے ہوئے اس (سے کہا کہ اس کو عزت والا ٹھکانا دو شاید کہ) بڑے ہو کر (یہ ہمارے کام آئے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ اور اس طرح ہم نے اس سرزمین) مصر (میں یوسف کو جگہ دی اور) وہاں ہم نے ان کی پرورش کے اسباب بنائے (تاکہ) جب وہ بڑے ہوں تو (ہم ان کو باتوں کی صحیح سمجھ سکھائیں اور اللہ اپنے) چاہے ہوئے (کام پر غالب) و قادر (ہے) جو چاہے کرے (ولیکن اکثر لوگ) اس بات کو (نہیں جانتے)۔

عزیز مصر کی بیوی کا حضرت یوسف علیہ السلام سے برا ارادہ کرنا اور ان کا اس سے ان کا محفوظ رہنا

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ

بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

وَاسۡتَبَقَا الۡبَابَ وَقَدَّتۡ قَمِيۡصَهٗ مِنۡ دُبُرٍ وَّاَلۡفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ

ترجمہ: اور جب (یوسف) پہنچ گیا اپنی قوت کو دیا ہم نے اس کو حکمت اور علم اور ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو۔ اور ورغلایا اس کو اس عورت نے وہ تھا جس کے گھر میں اس کے نفس سے اور بند کر دیئے دروازے اور کہا جلدی کر۔ کہا (یوسف نے) اللہ کی پناہ وہ عزیز میرا مالک ہے اچھا کیا اس نے میرا ٹھکانا بیشک فلاح نہیں پاتے ظالم لوگ۔ اور البتہ عورت نے فکر کی اس کی اور یوسف بھی فکر کرتا اس عورت کی اگر نہ ہوتا کہ وہ دیکھتا حجت اپنے رب کی۔ اسی طرح ثابت قدم رکھنا ہوا تا کہ ہم ہٹائیں اس سے برائی کو اور بے حیائی کو۔ بے شک وہ ہمارے منتخب کئے ہوئے بندوں میں سے تھا اور دونوں دوڑے دروازے کو اور پھاڑ دیا عورت نے اس کا کرتا پیچھے سے اور دونوں نے پایا عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس۔

تفسیر: (اور جب یوسف اپنی قوت کو) پہنچ گئے یعنی جب ان کے تمام قوی حد کمال کو (پہنچ گئے۔ تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عطا فرمایا) جس کی وجہ سے وہ نہایت مشکل مسائل حل فرما لیتے، بڑی عقلمندی سے لوگوں کے جھگڑے چکاتے، دین کی باریکیاں سمجھتے اور خوابوں کی تعبیر بتاتے تھے (اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں)۔ ادھر تو اللہ تعالیٰ کی یہ مہربانیاں حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت کر رہی تھیں ادھر (جس) عزیز مصر کی (عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے وہ) ان پر مفتون ہوگئی اور اس نے ان کے سامنے ایک سخت امتحان کھڑا کر دیا کہ (ان کے نفس سے ان کو ورغلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کر دیئے اور ان سے کہا جلدی کرو) میرے پاس آ جاؤ۔ نفسانی جذبات پورے کرنے کے سارے سامان موجود تھے تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے ایک خواہش کا بیتابانہ اظہار، کسی غیر کے آنے جانے کے سب دروازے بند، حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی کی عمر اور ان کی قوت کا زمانہ، یہ سب اسباب مل کر ایک بڑا امتحان بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی اور (یوسف) علیہ السلام (نے کہا) اول تو یہ خود بڑا بھاری گناہ ہے اس سے (اللہ کی پناہ) دوسرے (وہ) یعنی تمہارا شوہر (میرا مربی) اور محسن (ہے کہ مجھ کو کیسی اچھی طرح رکھا) تو کیا میں اسی کے ناموس میں خلل اندازی کروں (ایسے ظالموں) یعنی حق فراموشوں (کو فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اور عورت نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتے اگر وہ اپنے پروردگار کی حجت دیکھ نہ لیتے) جو ایک تو زنا کی حرمت و برائی کا یقین تھا اور دوسری وہ دلیل تھی جو انہوں نے خود زلیخا کے سامنے رکھی تھی۔ یہ

حجت دکھانا اور (ایسی طرح ثابت قدم رکھنا اس لئے تھا کہ ہم ان سے ہر قسم کی برائی اور بے حیائی کو دور رکھیں کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ بندوں) اور رسولوں (میں سے تھے)۔ زلیخا نے جب پھر وہی اصرار کیا تو اس وقت یوسف علیہ السلام وہاں سے جان بچا کر بھاگے اور وہ ان کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے چلی (اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے) اتفاق سے یوسف علیہ السلام کے کرتے کا پچھلا حصہ زلیخا کے ہاتھ میں آگیا۔ یوسف علیہ السلام آگے بھاگتے رہے (اور زلیخا نے) کرتے کا پچھلا حصہ جو کھینچا تو اس نے (کرتے کو پیچھے سے پھاڑ دیا اور دونوں دروازے تک پہنچے تو اتفاق سے دونوں (نے زلیخا کے شوہر کو دروازے پر کھڑے پایا)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دو دفعہ براءت ایک مرتبہ زلیخا کے شوہر کی زبان سے اور دوسری مرتبہ خود زلیخا کی زبان سے

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِىَ رَاوَدَتْنِىْ عَنْ نَّفْسِىْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ
مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ
مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫
وَاسْتَغْفِرِىْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ
فِى الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا
حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ
اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا
وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ
فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ
فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ
الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ
وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾
فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: عورت بولی نہیں سزا اس کی جس نے ارادہ کیا تمہاری گھر والی کے ساتھ برائی کا مگر یہ کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک سزا ہو۔ یوسف بولا اس نے ورغلایا مجھ کو میرے نفس سے اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے گھر والوں میں سے اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا ہوا آگے سے تو عورت نے سچ کہا اور یہ ہے جھوٹوں میں سے اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا ہوا پیچھے سے تو عورت نے جھوٹ کہا اور یہ ہے سچوں میں سے۔ پھر جب دیکھا عزیز نے اس کا کرتہ پھٹا ہوا پیچھے سے بولا بے شک یہ ہے تم عورتوں کی چالاکی سے۔ بے شک تمہاری چالاکی بڑی ہے۔ (اے) یوسف تو اعراض کر اس سے اور (اے عورت) تو استغفار کر اپنے گناہ پر بے شک تو ہے خطا کاروں میں سے۔ اور کہا عورتوں نے اس شہر میں کہ عزیز کی بیوی ورغلاتی ہے اپنے غلام کو اس کے نفس سے۔ فریفتہ کر دیا ہے (یوسف نے) اس عورت کو محبت سے۔ بلاشبہ ہم خیال کرتی ہیں اس عورت کو کھلی خطا پر۔ پھر جب سنا اس نے ان عورتوں کا مکر بلا بھیجا ان کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی ہر ایک کو ان میں سے ایک چھری اور کہا (اے یوسف) نکل آ ان کے سامنے۔ پھر جب دیکھا ان عورتوں نے اس کو ششدر رہ گئیں اور کاٹ ڈالے انہوں نے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں حاشا اللہ نہیں ہے یہ بشر۔ نہیں ہے یہ مگر بزرگ فرشتہ۔ (زلیخا) بولی یہ وہی ہے ملامت کی تم نے مجھے جس کے بارے میں۔ اور میں نے ورغلایا تھا اس کو اس کے نفس سے لیکن اس نے (اپنے کو) بچا لیا اور اگر (آئندہ) نہ کیا اس نے جو میں اس کو حکم دوں تو یہ ضرور قید

میں جائے گا اور ضرور ہوگا بے عزت لوگوں میں سے۔ کہا یوسف نے اے میرے رب قید خانہ زیادہ پسند ہے مجھ کو اس سے بلاتی ہیں یہ عورتیں مجھے جس کی طرف اور اگر تو نہ پھیرے گا مجھ سے ان کا داؤ پیچ تو مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا بے عقلوں میں سے۔ سو قبول کر لی اس کی دعا اس کے رب نے اور پھیر دیا اس سے ان کا داؤ پیچ بے شک وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا۔

تفسیر: خاوند کو دروازے پر دیکھ (زلیخا) ٹپٹائی اور فوراً بات بنا کر (بولی جو شخص تمہاری بیوی سے بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے علاوہ اور کیا) ہوسکتی (ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جائے یا اور کوئی دردناک سزا) مثلاً سخت جسمانی مار پیٹ (ہو)۔ اب (یوسف) علیہ السلام کو واقعہ ظاہر کرنا پڑا اور انہوں (نے کہا) یہ عورت برائی کو میری طرف منسوب کرنے میں جھوٹی ہے بلکہ معاملہ برعکس ہے (اسی نے مجھے ورغلایا میرے نفس سے۔ اور) یہ جھگڑا ابھی چل رہا تھا کہ (خود عورت کے خاندان کے ایک گواہ نے) عجیب دانشمندی سے (گواہی دی)۔ اس کے سامنے جب یہ بات آئی کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ بھی زلیخا نے پھاڑا ہے تو اس نے نہایت عقلمندی سے کہا کہ (ان کا کرتہ) دیکھو کہاں سے پھٹا ہے (اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی) ہوسکتی (ہے اور یہ جھوٹے) کیونکہ اس صورت میں دونوں طرح کے احتمال ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام زبردستی کرتے ہوں اور عورت اپنے آپ کو چھڑانے کی کشمکش میں ان کے آگے سے کرتہ پھاڑ ڈالے۔ دوسرے یہ کہ دونوں آمنے سامنے ہوں، عورت ان کا دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچتی ہو اور یہ چھڑاتے ہوں اور اس کشمکش میں کرتہ پھٹا ہو (اور اگر وہ کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو پھر یہ) پکی بات ہے کہ عورت (جھوٹی ہے اور یہ سچے ہیں) کیونکہ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب یوسف علیہ السلام کا رخ عورت کی طرف سے ہٹا ہوا ہو۔ (سو جب عزیز نے ان کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو عورت سے کہا کہ یہ تو تم عورتوں کی چالاکی ہے بے شک تمہاری چالاکیاں بھی غضب ہی کی ہوتی ہیں) پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ (اے یوسف اس بات کو جانے دو) یعنی نہ اس کا چرچا کرو اور نہ مزید اس کا خیال کرو (اور) عورت سے بھی کہا کہ (تم یوسف سے اپنے قصور کی معافی مانگو بے شک سراسر تم ہی قصوروار ہو)۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے تو اس کا کسی اور سے ذکر نہ کیا لیکن خود زلیخا نے (شہر کی کچھ) دیگر (عورتوں) کو اپنا راز دار بنا لیا جنہوں نے بجائے راز داری کے پردہ دری شروع کر دی اور انہوں (نے کہا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے نفس سے ورغلاتی ہے اس غلام کا عشق اس کے دل میں جگہ کر گیا ہے)۔ حالانکہ ایسے معزز عہدیدار کی

بیوی کے لئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ ایک غلام پر گرنے لگے اس وجہ سے (ہم تو اس کو کھلی غلطی میں دیکھتی ہیں۔ زلیخا نے جب ان کی بدگوئی کی خبر سنی تو کسی کے ہاتھ ان کو بلوا بھیجا) کہ تمہاری دعوت ہے (اور ان کے واسطے گاؤ تکیہ لگایا اور) جب وہ آئیں اور ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے اور میوے رکھے جن میں بعض چیزیں چھری سے کاٹ کر کھانے کی تھیں اور اس واسطے (ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری بھی دی۔ جس کی غرض بظاہر تو پھل کاٹنا تھی لیکن اصلی غرض یہ تھی کہ ان کو تجربہ کرائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر وہ خود کتنی حواس باختہ ہوتی ہیں اور اس طرح سے وہ زلیخا کے عذر کو دل سے محسوس کر لیں۔ (اور) یہ سب انتظام کر کے یوسف علیہ السلام سے جو مکان کے کسی دوسرے حصہ میں تھے (کہا کہ ان عورتوں کے سامنے تو آؤ)۔ یوسف علیہ السلام یہ خیال کر کے کہ کوئی ضروری بات ہوگی باہر آئے تو عورتیں اس وقت چھری سے پھل کاٹ رہی تھیں۔ (جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو) حسن و جمال میں (ان کو بہت بڑا جانا اور) اس سے متاثر ہو کر بدحواسی میں (انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا للہ یہ شخص) ہرگز (بشر نہیں ہے) کسی بشر میں نورانیت ملا ایسا حسن و جمال کس نے دیکھا ہے (یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ زلیخا بولی) دیکھ لیا (یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں) کہ اپنے غلام کو چاہتی ہے (اور واقعی میں نے اس کو ورغلایا اس کے نفس سے مگر یہ پاک صاف رہا اور) پھر یوسف علیہ السلام کو دھمکانے اور سنانے کو کہا کہ (اگر آئندہ یہ وہ نہ کرے گا جو میں اس کو کہتی ہوں تو ضرور قید میں ڈالا جائے گا اور بے عزت ہوگا)۔ وہ سب عورتیں بھی یوسف علیہ السلام سے کہنے لگیں کہ تم کو اپنی مالکن کا کہنا ماننا چاہئے اس سے ایسی بے اعتنائی مناسب نہیں پھر یہ بھی سوچ لو کہ نافرمانی کا نتیجہ کیا ہوگا۔ خواہ مخواہ مصیبت سر پر لینے سے کیا فائدہ (یوسف) علیہ السلام (نے) جو یہ باتیں سنیں اور دیکھا کہ یہ عورت تو بری طرح پیچھے پڑ گئی ہے اور دوسری عورتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے (دعا کی کہ اے میرے رب جس) برے (کام کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ میں جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے۔ اور اگر آپ ان کے داؤ پیچ کو مجھ سے دور نہ کریں گے تو میں ان کے کہنے کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی اور ان عورتوں کے داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا بے شک وہی دعاؤں کا سننے والا اور خوب جاننے والا ہے)۔

فائدہ: 1- حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی بتایا کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت اللہ تعالیٰ کی دستگیری سے ہوتی ہے اور یہ کہ وہ اپنی عصمت پر مغرور نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و دستگیری پر نظر

رکھتے ہیں۔

2- حضرت یوسف علیہ السلام نے قید ہونے کی درخواست نہ کی تھی بلکہ صرف عورتوں کے مکروفریب سے حفاظت کی دعا کی تھی۔ البتہ یہ واضح کیا تھا کہ قید کی مصیبت سے زیادہ معصیت کی مصیبت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قید میں ہونا اور وہاں ان کی دعوت و تبلیغ

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّنۢ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى
حِيْنٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ
اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا
تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾
قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ
يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ
لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ
اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ
بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ
مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا
اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ
خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ
قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ
نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ
فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع

ترجمہ: پھر ظاہر ہوئی ان کے سامنے اس کے بعد کہ دیکھ لیں انہوں نے نشانیاں یہ بات کہ وہ ضرور قید میں رکھیں یوسف کو ایک مدت تک۔ اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان۔ کہا ان میں سے ایک نے میں دیکھتا ہوں اپنے کو کہ نچوڑتا ہوں شراب اور کہا دوسرے نے میں دیکھتا ہوں اپنے کو کہ اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر روٹی کھاتے ہیں پرندے اس سے۔ بتا ہم کو اس کی تعبیر ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکوکاروں میں سے۔ یوسف نے کہا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تم دیئے جاتے ہو مگر یہ کہ میں بتا دوں گا تم دونوں کو اس کی تعبیر پیشتر اس کے کہ وہ آئے تم تک۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جو سکھائیں مجھ کو میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین ان لوگوں کا جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور وہ آخرت سے منکر ہیں۔ اور پیروی کی میں نے دین کی اپنے باپ دادوں کے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے۔ نہیں جائز ہمارے لئے کہ ہم شریک ٹھہرائیں اللہ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن اکثر لوگ احسان نہیں مانتے۔ اے قید خانہ کے ساتھیو کیا کئی معبود جدا جدا بہتر ہیں یا اللہ اکیلا زبردست۔ نہیں پوجتے تم اللہ کے سوا مگر ناموں کو جو رکھ لئے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ (اللہ نے) حکم دیا کہ مت عبادت کرو مگر اسی کی۔ یہی ہے سیدھا راستہ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اے قید خانہ کے ساتھیوں رہا تم میں سے ایک تو وہ پلائے گا اپنے مالک کو شراب اور رہا دوسرا تو وہ سولی دیا جائے گا پھر کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔ طے ہو چکا وہ کام جس کے بارے میں تم دونوں پوچھتے ہو۔ اور کہا یوسف نے اس کو گمان کیا (جس کو) کہ وہ نجات پانے والا ہے ان دونوں میں سے کہ تو ذکر کرنا میرا اپنے مالک کے پاس سو بھلوا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا اپنے مالک سے

اور رہا (یوسف) قید خانے میں کئی برس۔

تفسیر: (پھر) یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی (بہت سی نشانیاں دیکھنے کے بعد) بھی جابر و متکبر قسم کے (لوگوں) کے طرح جو اپنے مفاد کی خاطر مظلوم و مجبور کو پھنسا دیتے ہیں عزیز اور اس کے متعلقین (کو) بھی یہی (مصلحت معلوم ہوئی کہ ایک مدت تک ان کو قید میں رکھیں) تاکہ عام لوگ سمجھیں کہ قصور یوسف ہی کا تھا اور زلیخا بلاوجہ بدنام ہوئی۔ ساتھ میں یہ سوچ بھی ہوگی کہ ایک مدت تک یوسف علیہ السلام بھی زلیخا کی نظروں سے دور رہیں گے تو اس کا شوق بھی ختم ہو جائے گا۔ (اور یوسف) علیہ السلام (کے ساتھ) اسی زمانہ میں (دو جوان قید خانہ میں داخل ہوئے) جن میں سے ایک مصر کے بادشاہ کا نانبائی تھا اور دوسرا ساقی یعنی شراب پلانے والا تھا۔ دونوں بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں ماخوذ تھے اور ان کا مقدمہ زیر تحقیق تھا۔ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کی امانت، راست گوئی، حسن اخلاق، کثرت عبادت، خوابوں کی تعبیر کے علم اور مخلوق سے ہمدردی کا بڑا چرچا تھا۔ یہ دونوں قیدی بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے متاثر اور مانوس ہو گئے۔ ایک روز دونوں نے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ (ان میں سے ایک نے کہا میں اپنے کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ) جیسے (شراب) بنانے کے لئے انگور کا شیرہ (نچوڑ رہا ہوں) اور بادشاہ کو وہ شراب پلا رہا ہوں (اور دوسرے نے کہا میں اپنے کو اس طرح دیکھتا ہوں کہ جیسے اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے) لئے جاتا (ہوں اور اس میں سے پرندے) نوچ نوچ کر (کھاتے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی) جو ہم نے دیکھا ہے (تعبیر بتایئے، آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں)۔ حضرت (یوسف) علیہ السلام (نے) پہلے ان کو تسلی دی کہ خوابوں کی تعبیر تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گی اور اس ضمن میں (فرمایا کہ) روزمرہ کا (کھانا جو تم دونوں کو ملتا ہے اس کے تمہارے پاس آنے سے پہلے میں تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا) لیکن خواب کی تعبیر سے زیادہ ضروری اور مفید ایک چیز پہلے تم کو سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ تعبیر وغیرہ کا علم مجھ کو کہاں سے حاصل ہوا۔ سو جان لو کہ میں کوئی پیشہ ور کاہن یا نجومی نہیں ہوں بلکہ (یہ) علم (ان) علوم (میں سے ہے جو میرے رب نے مجھ کو سکھائے ہیں) اور یہ اس وجہ سے کہ (میں نے) ہمیشہ (ان لوگوں کا دین چھوڑا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور) ان کے بجائے (اپنے) مقدس (باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب) علیہم السلام (کے دین کی پیروی کی) جس کا رکن اعظم توحید ہے یعنی یہ کہ (ہم کو کسی طرح جائز نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی شے کو شریک ٹھہرائیں) نہ ذات میں نہ صفات میں اور نہ عبادت میں۔ اور (یہ) توحید اور دین ابراہیمی (ہم پر اور تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے) کہ اس کی بدولت دنیا و آخرت کی فلاح ہے (لیکن اکثر لوگ) اس نعمت کی ناقدری کرتے ہیں اور اس کو اختیار نہ کر کے اللہ کا (شکر ادا نہیں کرتے۔ اے قید خانہ کے ساتھیو ذرا سوچ کر بتاؤ (کیا مختلف) انواع و اشکال کے چھوٹے

بڑے معبود (دیوتا) جن میں تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں کہ یہ بارش کا دیوتا ہے اور یہ رزق کا دیوتا ہے اور یہ بیماری کا دیوتا ہے (بہتر ہیں) کہ ان سے لو لگائی جائے (یا اکیلا زبردست اللہ) بہتر ہے کہ اس سے لو لگائی جائے جس کو ساری مخلوق پر کلی اختیار اور مکمل تصرف و قبضہ حاصل ہے اور (اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو) ان کی حقیقت تو کچھ بھی نہیں (یہ تو صرف نام کے خدا ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود ہی ٹھہرالیا ہے اللہ تعالیٰ نے تو ان) کے معبود ہونے (کی کوئی بھی) عقلی یا نقلی (دلیل نہیں اتاری) اور جب اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور مکمل اختیار والے ہیں تو (حکم) دینے کا اختیار بھی (اللہ ہی کا ہے اور اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو)۔ بس (یہ) توحید خالص (ہی سیدھا راستہ ہے) جس پر چل کر آدمی بے کھٹکے خدا تک پہنچتا ہے (لیکن بہت سے لوگ) حماقت سے یا تعصب سے اس سیدھی بات کو (نہیں جانتے)۔ دعوت و تبلیغ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ (اے قید خانہ کے ساتھیوں رہا تم میں سے ایک) یعنی جس نے خواب میں خود کو شراب پلاتے دیکھا (تو وہ) بیداری میں (اپنے مالک) یعنی بادشاہ (کو شراب پلائے گا اور رہا دوسرا) جس نے اپنے سر پر پرندوں کو روٹی کھاتے دیکھا (تو وہ) واقع میں (سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو) نوچ نوچ کر (کھائیں گے اور جس تعبیر کے بارے میں تم پوچھتے ہو یہ قضا و قدر میں طے کی جا چکی ہے) اور اٹل ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جب وہ دونوں قید خانہ سے جانے لگے تو (ان میں سے جس کے بارے میں یوسف) علیہ السلام (کو یقین تھا کے وہ بری ہونے والا ہے یوسف) علیہ السلام (نے اس کو کہا کہ اپنے بادشاہ کے پاس میرا ذکر کرنا) کہ ایک ایسا شخص بے قصور قید خانہ میں برسوں سے پڑا ہے لیکن (پھر اس کو اپنے بادشاہ سے یوسف) علیہ السلام (کا تذکرہ کرنا شیطان نے بھلوا دیا سو) اس وجہ سے (ان کو قید خانے میں کئی سال) مزید (رہنا پڑا)۔

بادشاہ کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی براءت اور رہائی ہونا اور اونچا عہدہ حاصل ہونا

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ
بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ؕ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ
لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ

الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ
اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ
اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ
سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا
حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ
يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ
لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع وَقَالَ الْمَلِكُ
ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ
فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ
رَبِّیْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ
عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ
قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ
عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ
لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ
رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۭ نُصِيْبُ

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ

الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع

ترجمہ: اور کہا بادشاہ نے میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی کھاتی ہیں ان کو سات گائیں دبلی اور (میں دیکھتا ہوں) سات بالیاں سبز اور دوسری خشک۔ اے سردارو! تم تعبیر دو مجھ کو میرے خواب کی اگر تم ہو خواب کی تعبیر دینے والے۔ انہوں نے کہا یہ خیالی خواب ہیں اور نہیں ہم ایسے خوابوں کی تعبیر جاننے والے۔ اور کہا اس نے جو بری ہو گیا تھا ان دو قیدیوں میں سے اور یاد آیا اس کو ایک مدت کے بعد میں بتا تا ہوں تم کو اس کی تعبیر سو تم بھیجو مجھ کو۔ (جا کر کہا) اے یوسف اے سچے بتا ہم کو سات گائیں موٹی کے بارے میں کھاتی ہیں ان کو سات گائیں دبلی اور سات بالیاں سبز اور دوسری خشک کے بارے میں تا کہ میں لوٹوں لوگوں کی طرف تا کہ وہ جان لیں۔ کہا (یوسف نے) تم کاشت کرو گے سات سال جم کر۔ تو جو تم کاٹو تو چھوڑ دو اس کو اس کی بالیوں میں مگر تھوڑا جو تم کھاؤ۔ پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال سختی کے جو کھا جائیں گے وہ کچھ رکھا تم نے ان کے لئے مگر تھوڑا جو تم بچو گے۔ پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں بارش دیئے جائیں گے لوگ اور جس میں وہ رس نچوڑیں گے اور کہا بادشاہ نے لے آؤ میرے پاس اس کو۔ پھر جب آیا اس کے پاس قاصد (یوسف نے) کہا لوٹ جا اپنے مالک کی طرف اور پوچھ اس سے کیا معاملہ ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹے تھے اپنے ہاتھ بے شک میرا رب ان کے مکر سے خوب باخبر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا حقیقت ہے تمہاری جب ورغلایا تم نے یوسف کو اس کے نفس سے۔ ان عورتوں نے کہا حاشا للہ نہیں ہمیں علم اس پر کسی برائی کا۔ بولی عزیز کی بیوی اب کھل گئی حق بات، میں نے ہی ورغلایا تھا اس کو اس کے نفس سے اور وہ سچوں میں سے ہے۔ (یوسف نے کہا) یہ اس لئے کہ (عزیز) جان لے کہ میں نے خیانت نہیں کی اس سے پیٹھ پیچھے اور یہ کہ اللہ نہیں چلنے دیتا خیانت کرنے والوں کے مکر کو۔ اور میں بری نہیں کرتا اپنے نفس کو بے شک نفس تو حکم کرنے والا ہے برائی کا مگر جو رحم کیا میرے

رب نے بے شک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان۔ اور کہا بادشاہ نے لے آؤ میرے پاس اس کو میں خالص رکھوں گا اس کو اپنے لئے۔ پھر جب (بادشاہ نے) بات چیت کی اس سے کہا واقعی تو آج ہمارے نزدیک ہے بڑا معزز معتبر۔ (یوسف نے) کہا (مقرر) کر دے مجھ کو ملک کے خزانوں پر میں نگہبان ہوں خوب جاننے والا ہوں۔ اور اسی طرح اختیار دیا ہم نے یوسف کو ملک میں ٹھکانا بنائے اس میں جہاں چاہے۔ پہنچاتے ہیں ہم اپنی رحمت جس کو چاہتے ہیں اور نہیں ضائع کرتے ہم اجر نیکو کاروں کا اور آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور وہ پرہیز گاری کرتے تھے۔

تفسیر: (اور) مصر کے (بادشاہ) نے بھی ایک خواب دیکھا اور ارکان حکومت کو جمع کر کے ان سے (کہا کہ میں) خواب میں کیا (دیکھتا ہوں) کہ (سات فربہ گائیں) ہیں (جن کو سات لاغر گائیں کھا گئیں اور) دیکھتا ہوں (سات سبز بالیاں ہیں اور) ان کے علاوہ سات (اور ہیں جو خشک ہیں) اور ان خشک بالیوں نے سات سبز پر لپٹ کر ان کو بھی خشک کر دیا ہے۔ (اے سردارو! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں مجھ کو جواب دو)۔ مصر میں خوابوں کی تعبیر کا فن زوروں پر تھا لیکن ان لوگوں کو اس خواب کی تعبیر سمجھ نہ آئی اور مجبور ہو کر انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ محض خیالات کا نتیجہ ہے لہٰذا (انہوں نے کہا یہ خیالی خواب ہیں اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں) کیونکہ وہ علم تعبیر کے اصولوں کے ماتحت نہیں ہوتے لیکن بادشاہ کی اس بات سے تشفی نہیں ہوئی اور اس کو اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی فکر لگی رہی۔ بادشاہ کی فکر کو دیکھ کر (وہ) ساقی (جو رہا ہوا تھا ان دو) قیدیوں (میں سے اس کو ایک مدت کے بعد) حضرت یوسف علیہ السلام کا (خیال آیا اور اس نے) بادشاہ اور اہل دربار سے (کہا میں اس) خواب (کی تعبیر آپ لوگوں کو) لاکر (بتاتا ہوں)۔ قید خانہ میں ایک فرشتہ صورت موجود ہیں جو علم تعبیر کے ماہر ہیں (تو آپ مجھے) قید خانہ میں (جانے دیں)۔ اجازت ملنے پر وہ قید خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور جا کر کہا (اے یوسف! اے صدق مجسم! آپ ہم لوگوں کو) اس خواب کی تعبیر (بتائیے کہ سات موٹی گائیں ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات ہری بالیں ہیں اور ان کے علاوہ) سات (خشک بھی ہیں) کہ ان خشک کے لپٹنے سے وہ ہری بھی خشک ہو گئیں۔ آپ تعبیر بتائیے (تاکہ) جن لوگوں نے مجھ کو بھیجا ہے (میں ان لوگوں کے پاس واپس لوٹ کر جاؤں) اور بیان کروں (تاکہ) اس کی تعبیر کو اور اس کے ذریعہ سے آپ کی قدر و منزلت کو (وہ بھی جان لیں)۔ حضرت (یوسف) علیہ السلام نے صرف تعبیر ہی نہیں بتائی بلکہ ساتھ ساتھ تدبیر بھی بتائی اور آخر میں خوشخبری بھی سنائی لہٰذا (فرمایا) کہ ان سات فربہ گایوں اور سات سبز بالیوں سے مراد پیداوار اور بارش

کے سال ہیں لہٰذا (تم سات سال متواتر غلہ کی خوب کاشت کرنا۔ پھر جو فصل کاٹو اس کو بالوں ہی میں رہنے دینا) تاکہ گھن نہ لگے ہاں (مگر تھوڑا سا جو تم کھاؤ) کہ اس کو تو بالوں سے نکالنا ہی ہو گا۔ (پھر اس) سات برس کی مدت کے (بعد سات سال ایسے سخت) اور قحط کے (آئیں گے جو اس پورے ذخیرہ کو کھا جائیں گے جس کو تم نے ان سالوں کے واسطے جمع کر کے رکھا ہو گا) ہاں (مگر تھوڑا سا جو بیج کے واسطے رکھ چھوڑو گے) وہ بچ جائے گا اور سات خشک بالوں اور سات دبلی گایوں سے خشکی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے (پھر اس) سات برس کی مدت (کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہو گی اور (اس میں یہ بات تم سے بھی خصوصی تعلق رکھتی ہے کہ چونکہ اس سال میں انگور بھی کثرت سے ہوں گے اس لئے (اس) سال (میں شیرہ بھی نچوڑیں گے) اور شرابیں پیئں گے۔

غرض وہ شخص واپس دربار میں پہنچا اور جا کر پوری بات بیان کی۔ (بادشاہ نے) جو موزوں تعبیر اور رعایا کی ہمدردی کی تدبیر سنی تو آپ کے علم و فضل کا معتقد ہوا اور (حکم دیا کہ ان کو میرے پاس لاؤ)۔ چنانچہ یہاں سے قاصد چلا پھر (جب وہ قاصد) حضرت (یوسف) علیہ السلام (کے پاس پہنچا) اور آپ کو بادشاہ کا پیغام دیا تو چونکہ آپ کی نظر میں اپنی دینی واخلاقی حالت کی برتری اور صفائی دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ عزت سے زیادہ اہم تھی کیونکہ آپ جانتے تھے کہ کسی پیغمبر خدا کے بارے میں لوگوں کی ادنیٰ بدگمانی بھی ہدایت وارشاد کے کام میں بڑی بھاری رکاوٹ ہوتی ہے اس لئے (آپ نے فرمایا) جب تک میرا تہمت سے بری ہونا اور بے قصور قید ہونا ثابت نہیں ہوتا میں نہ آؤں گا لہٰذا (تم اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور اس سے دریافت کرو کہ) آپ کو کچھ علم ہے کہ (ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے) حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے بجائے ان عورتوں کا ذکر اس لئے کیا تاکہ تفتیش ہو تو یہ عورتیں زلیخا کا وہ اقرار بتائیں جو آپ کی براءت سے متعلق ان کے سامنے زلیخا نے کیا تھا نیز فرمایا کہ اگرچہ (میرا رب) تو (ان عورتوں کے مکر) وفریب (کو خوب جانتا ہے) لیکن لوگوں کے سامنے بھی اصل معاملہ کا کھل جانا مناسب ہے۔ (بادشاہ) کو ایک تو ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی اور حسن کردار کا بتا دیا تھا پھر خواب کی تعبیر و تدبیر سے وہ پورا معتقد ہو گیا تھا۔ اب جو اس نے ان میں استقامت وصبر کا مشاہدہ کیا تو بالکل ہی گھائل ہو گیا اور یقین کر لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور عورتوں ہی کا فریب تھا اس لئے ان عورتوں کو بلوا کر اس (نے) ان سے دریافت کرنے کا یہ انداز اختیار کیا گویا کہ وہ پہلے ہی عورتوں کے مکر وفریب سے واقف ہے اس لئے (کہا کہ تمہارا کیا معاملہ ہے جب تم) میں سے ایک (نے یوسف کو ان کے نفس سے ورغلایا) اور باقی عورتوں نے اس کی مدد کی۔ (عورتوں نے) یہ سمجھ کر کہ بادشاہ کو اصل واقعہ کی پوری خبر ہے (جواب دیا کہ حاشا للہ ہم کو ان میں ذرا

بھی برائی معلوم نہیں ہوئی) یہ بالکل پاک صاف ہیں اور (عزیز کی بیوی) یعنی زلیخا نے جو یہ حالات دیکھے تو مجبوراً (بولی اب تو حق بات) سب پر (ظاہر ہو ہی گئی) اب چھپانا بے کار ہے لہٰذا سچ یہی ہے کہ (میں نے ہی ان کو ان کے جی سے ورغلایا تھا اور بلاشبہ وہی سچے ہیں)۔

مقدمہ اور ان کی براءت کے ظہور کی پوری کارروائی حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنچائی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ (یہ) تمام اہتمام جو میں نے کیا (اس وجہ سے) بھی کیا (تاکہ عزیز کو) مزید (یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی) آبرو میں (خیانت نہیں کی اور) اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتے) چنانچہ زلیخا نے اپنے خاوند کی عزت و آبرو میں خیانت کی خدا نے اس کی قلعی کھول دی۔ اور اب جو علی الاعلان میری براءت ہوئی ہے تو میں اس پر کوئی شیخی نہیں مارتا (اور میں اپنے نفس کو) بالذات (بری) اور پاک (نہیں کہتا کیونکہ نفس تو) ہر ایک کا (بری ہی بات کا حکم دیتا ہے سوائے اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے) اور اس کو عصمت جیسی خصوصیت عطا فرما دے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس کو عصمت حاصل ہوتی ہے۔ غرض میری براءت اور عصمت میرے نفس کا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت کا اثر ہے۔

اس جواب سے (بادشاہ) کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بے نفسی کا جب مزید مشاہدہ ہوا تو اس نے (کہا) یہ تو بہت خوب آدمی ہیں (ان کو میرے پاس لاؤ میں ان کو خاص اپنے) کام کے (لئے رکھوں گا) اور عزیز سے ان کو لے لوں گا اس کے ماتحت نہ رہیں گے۔ چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے پھر (جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں) اور ان باتوں سے آپ کا فضل و کمال مزید سامنے آیا (تو) بالکل ہی گرویدہ ہو کر (کہا کہ آپ ہمارے نزدیک آج سے بڑے معزز و معتبر ہیں)۔ اس کے بعد خواب کی تعبیر کا ذکر آیا اور بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا اہتمام بڑا بھاری کام ہے یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے۔ تو حضرت (یوسف) علیہ السلام (نے فرمایا کہ ملکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دو میں ان کی حفاظت بھی کروں گا اور میں) آمد و خرچ کے انتظام اور اس کے حساب کتاب کے طریقہ سے بھی (خوب واقف ہوں)۔ بجائے اس کے کہ ان کو کوئی خاص منصب دیا جاتا بادشاہ نے ان کو اپنی طرح کے پورے اختیارات دے دیئے گویا حقیقت میں یہی بادشاہ ہو گئے تھے اگرچہ برائے نام وہ بادشاہ رہا اور حضرت یوسف علیہ السلام عزیز کے عہدہ سے مشہور ہوئے اس لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (اور ہم نے ایسے) عجیب (طور سے یوسف) علیہ السلام (کو ملک) مصر میں با اختیار بنا دیا کہ اس میں جہاں چاہیں رہیں)۔ یا تو وہ وقت تھا کہ کنویں میں قید تھے پھر عزیز کی ماتحتی میں رہے پھر قید خانہ میں بند رہے یا آج

یہ خود مختاری اور آزادی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم جس پر چاہیں اپنی رحمت متوجہ کر دیں (اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے) یعنی دنیا میں بھی نیکی کا اجر دیتے ہیں کہ کشادگی ہو یا تنگی ہو اچھی زندگی عطا فرماتے ہیں (اور) رہا (آخرت کا اجر تو وہ ایمان اور تقویٰ والوں کے لئے بہت بڑھ کر ہے۔)

قحط کا ظہور اور بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آنا

وَجَآءَ اِخْوَةُ

يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا
تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ
بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ
اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ
رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ
يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۲﴾

ترجمہ: اور آئے یوسف کے بھائی پھر داخل ہوئے اس کے پاس تو پہچان لیا اس نے (یعنی یوسف نے) ان کو اور وہ اس کو نہ پہچاننے والے تھے۔ اور جب تیار کر دیا (یوسف نے) ان کے لئے ان کا سامان کہا تم لانا میرے پاس اپنے بھائی کو جو تمہارے باپ سے ہے۔ کیا نہیں تم دیکھتے کہ میں پورا کرتا ہوں پیمانہ کو اور میں بہترین مہمان نوازی کرنے والا ہوں پھر اگر تم نہ لائے میرے پاس اس کو تو نہ ہو گا غلہ تمہارے لئے میرے پاس اور نہ تم قریب آنا میرے۔ وہ بولے ہم مانگیں گے اس کو اس کے باپ سے اور ہم یہ (کوشش) کرنے والے ہیں۔ اور کہا (یوسف نے) اپنے جوانوں سے کہ کر دو ان کی پونجی ان کے سامان میں شاید کہ یہ پہچان لیں اس (پونجی) کو جب یہ لوٹیں اپنے گھر والوں کی طرف شاید کہ یہ لوٹ کر آئیں۔

تفسیر: (اور) جب حضرت (یوسف) علیہ السلام مصر پر با اختیار ہوئے تو خواب کے موافق

سات برس خوب کاشت کرائی اور ملک کا اناج ذخیرہ کرتے گئے۔ پھر سات برس کے قحط میں ایک درمیانہ بھاؤ مقرر کر کے اناج بیچنا شروع کیا۔ مصر والوں کو اور پردیسیوں کو ایک ہی حساب سے دیتے مگر پردیسی کو ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہ دیتے۔ ہر طرف خبر پھیل گئی کہ مصر میں اناج سستا ہے۔ ان (کے بھائی) بھی غلہ خریدنے کی نیت سے مصر میں آئے پھر (یوسف) علیہ السلام (کے پاس داخل ہوئے تو یوسف) علیہ السلام (نے ان کو پہچان لیا) کیونکہ ان میں اس وجہ سے کہ وہ پہلے سے بڑی عمر کے تھے تغیر کم ہوا تھا دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام نے سرکاری اندراج کے لئے ان کا نام و پتہ بھی دریافت کرلیا ہوگا (اور) چونکہ جدائی کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام بہت کم عمر تھے اس لئے ان میں تغیر بھی زیادہ ہوا اور دوسرے بھائیوں کو یوسف علیہ اسلام کے اس منصب پر ہونے کا خیال بھی نہ ہوگا اس لئے (انہوں نے یوسف) علیہ السلام (کو نہیں پہچانا) ان بھائیوں کو بھی جب فی آدمی ایک ایک اونٹ غلہ ملا اور ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ کا تجربہ بھی ہوا تو درخواست کی کہ ہمارا ایک باپ شریک بھائی ہے جس کو ہمارے بوڑھے والد نے اس وجہ سے کہ اس کا دوسرا حقیقی بھائی گم ہوگیا تھا اپنی تسلی کے لئے اپنے پاس روک لیا ہے لہٰذا آپ ہمیں اس کے حصہ کا بھی غلہ قیمتاً دے دیجئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کا حصہ بھی چاہتے ہو تو اس کو بھی اپنے ساتھ لے کر آؤ۔ غرض صرف ان کے حصہ کا غلہ ان کو دینے کو کہا (اور) چونکہ حضرت (یوسف) علیہ السلام کو اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس بلانا مطلوب تھا اس لئے انہوں (نے جب ان کے لئے ان کا سامان) یعنی غلہ (تیار کر دیا تو) چلتے وقت (فرمایا کہ) اگر یہ غلہ خرچ کر کے دوبارہ آنے کا ارادہ ہو تو (اپنے باپ شریک بھائی کو) بھی (ساتھ لانا) تاکہ اس کا حصہ بھی دیا جا سکے (کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں لہٰذا) اگر تم اپنے اس بھائی کو لائے تو اس کو بھی پورا حصہ دوں گا اور اس کی بھی اسی طرح خوب خاطر تواضع کروں گا جس طرح تمہاری کی ہے اور (اگر تم) دوبارہ آئے اور (اس کو میرے پاس نہ لائے تو) میں سمجھوں گا کہ تم مجھ کو دھوکہ دے کر زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے تو اس کی سزا یہ ہوگی کہ تم غلہ سے محروم کر دیئے جاؤ گے لہٰذا (نہ میرے پاس تمہارے لئے غلہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا۔ وہ بولے) کہ دیکھئے (ہم) اپنے امکان بھر تو (اس کے والد سے اس کو مانگیں گے اور ہم یہ کوشش (ضرور کریں گے) آگے ہمارے والد کے اختیار میں ہے۔ اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کر کے کہ کہیں مزید رقم نہ ہونے کی وجہ سے وہ دوبارہ نہ آئیں اپنے نوکروں سے کہا کہ ان کی پونجی جس کے عوض انہوں نے ہم سے غلہ خریدا ہے وہ ان کے سامان میں چھپا کر رکھ دو تاکہ جب اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں اور اپنا سامان کھولیں تو اس کو

واپس پا کر اس کو پہچانیں اور یہ احسان و کرم دیکھ کر پھر دوبارہ آئیں۔

بھائیوں کا حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو لے کر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس جانا

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ قَالَ هَلْ

اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ

خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ

وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ

بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ

لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ

اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً

فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: پھر جب وہ لوٹے اپنے باپ کے پاس کہا اے ہمارے ابا روک دیا گیا ہم سے غلہ سو آپ بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو (تاکہ) ہم غلہ لیں اور ہم تو اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ (یعقوب نے) کہا نہیں میں اعتبار کرتا تمہارا اس پر مگر جیسا میں نے اعتبار کیا تھا تمہارا اس کے بھائی پر اس سے پہلے۔ سو اللہ (ہی) بہترین نگہبان ہے اور وہی تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ اور جب انہوں نے کھولا اپنے سامان کو پایا اپنی پونجی کو کہ لوٹا دی گئی ہے ان کی طرف (تو) بولے اے ہمارے ابا (اور) کیا ہم چاہیں۔ یہ ہماری پونجی لوٹا دی گئی ہے ہماری طرف اور ہم رسد لائیں گے اپنے گھر والوں کے لئے اور ہم حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی اور ہم زیادہ لیں گے بوجھ ایک اونٹ کا۔ یہ ہے آسان بوجھ۔ کہا (یعقوب نے) ہرگز نہ بھیجوں گا اس کو تمہارے ساتھ یہاں تک کہ تم دو مجھ کو عہد اللہ کا کہ تم ضرور لاؤ گے اس کو مگر یہ کہ گھیرے جاؤ تم (سب)۔ پھر جب دیا انہوں نے اس کو اپنا عہد تو کہا اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہے۔ اور کہا اے میرے بیٹو تم مت داخل ہونا ایک دروازے سے اور داخل ہونا مختلف دروازوں سے اور میں نہیں ٹال سکتا تم سے اللہ کے مقابلہ میں کوئی چیز۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے حکم دیا تھا ان کو ان کے باپ نے۔ نہیں وہ ٹال سکتا تھا ان سے اللہ کے مقابلہ میں کوئی چیز مگر ایک ارمان تھا یعقوب کے دل میں پورا کیا اس نے جس کو۔ اور وہ علم والا تھا اس وجہ سے کہ سکھایا تھا ہم نے اس کو ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تفسیر: (غرض جب وہ لوٹ کر اپنے باپ) یعقوب علیہ السلام (کے پاس پہنچے کہنے لگے اے ابا جان) ہماری بڑی خاطر مدارات ہوئی اور غلہ بھی ملا مگر بنامین کا حصہ نہیں ملا بلکہ ہم نے جوان کے حصہ کی درخواست کی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ (ہم سے غلہ ہی روک دیا گیا ہے) اور اس کی دستیابی بنیامین کو ساتھ لانے کے ساتھ مشروط کر دی گئی ہے (لہٰذا آپ ہمارے بھائی) بنیامین (کو ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ ہم) پھر (غلہ لاسکیں) اور یوسف کی طرح اس کے متعلق کچھ تردد نہ کیجئے کیونکہ اب ہم چوکنے ہو گئے ہیں (اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے)۔ (یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا کہ) بس رہنے دو (میں اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی) یوسف (کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں) مطلب یہ ہے کہ تمہاری بات کا کیا اعتبار ہے کیونکہ اس وقت بھی تم نے یہی الفاظ کہے تھے۔ لیکن چونکہ اس وقت غلہ کی سخت ضرورت ہے اور اس سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا اس لئے تمہارے ساتھ بھیجنا ناگزیر معلوم ہوتا ہے (سو) میں اس کو (اللہ) کی حفاظت میں دیتا ہوں

کہ وہ (ہی بہترین نگہبان ہے اور وہی تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان بھی ہے) لہٰذا وہ اپنی مہربانی سے اس کی حفاظت کرے گا اور مجھ کو یوسف کی جدائی کے بعد دوسری جدائی سے بچائے گا۔ (اور) اس گفتگو کے بعد (جب انہوں نے اپنا سامان کھولا) اس میں (انہوں نے پایا کہ ان کی پونجی بھی ان کو واپس کر دی گئی۔ کہنے لگے اے ابا جان) اس حاکم کے کرم کی تو حد ہو گئی ہے۔ اب (ہمیں اور کیا چاہئے یہ ہماری پونجی بھی ہم کو لوٹا دی گئی ہے)۔ اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم اپنی ضرورت کے لئے اسی حاکم کے پاس دوبارہ جائیں لیکن وہ بھائی کو ساتھ لے جائے بغیر ممکن نہیں لہٰذا آپ ہمیں اجازت دیجئے۔ (ہم) اس کو ساتھ لے جا کر ایک تو (گھر والوں کے لئے مزید رسد لائیں گے اور) دوسرے آپ خاطر جمع رکھئے (ہم اپنے بھائی کی) پوری (حفاظت کریں گے اور) تیسرے یہ کہ (ایک اونٹ کے بوجھ کے بقدر اس کے حصہ کا غلہ بھی زائد لائیں گے)۔ اور بھائی کے حصہ کا (یہ غلہ تو آسان) طریقے سے وصول ہونے والا (ہے) اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے لہٰذا آپ بنیامین کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دیجئے۔ (یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا) اچھا اسے لے تو جاؤ لیکن اتنا ضرور ہے کہ (جب تک اس بات کا کہ تم اس کو ضرور ہی لے آؤ گے الا یہ کہ کہیں تم سب گھر ہی جاؤ اللہ کی قسم کھا کر تم مجھے پکا عہد نہ دو گے میں ہرگز اس کو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا) چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی (سو جب وہ) قسم کھا کر (اپنے باپ کو عہد دے چکے تو یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا کہ) اس عہد کی پاسداری تو اپنی جگہ اہم ہے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑے لیکن یہ بات بھی پیش نظر رکھنا بہت اہم ہے کہ (جو کچھ) عہد و پیمان کرنے میں (ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے) اور عہد و پیمان سے جو ہمارا اصل مقصود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نگہبانی ہی سے پورا ہو سکتا ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہماری ساری تدبیری دھری کی دھری رہ جائیں۔

(اور) جب بھائیوں کا بنیامین کو ساتھ لے جانا طے ہو گیا تو حضرت (یعقوب) علیہ السلام کو خیال ہوا کہ پہلی مرتبہ تو مصر والوں کے لئے یہ بھائی بالکل انجان تھے اس لئے مصر میں داخلہ کے وقت ان کی طرف وہاں کے لوگوں کی خاص نظر نہ تھی لیکن پھر ان کے معاملہ کے لوگوں میں چرچا ہونے کے بعد اب جو یہ سب بھائی مل کر جائیں گے تو سب لوگوں کی ان کی طرف خاص توجہ اور نظر ہو گی جس میں حسد اور نظر بد کا اندیشہ ہے۔ اس کے پیش نظر انہوں (نے) بیٹوں کو (کہا) کہ (اے میرے بیٹو تم ایک دروازے سے داخل مت ہونا اور مختلف دروازوں سے) جدا جدا ہو کر (داخل ہونا اور) یاد رکھو کہ میری یہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے ایک عاجز بندے کی تدبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کسی ضرر و نقصان کا فیصلہ کر لیا ہے تو (میں اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلہ کو تم پر سے نہیں ٹال سکتا) کیونکہ پورے عالم میں (حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے) اسی لئے اس ظاہری تدبیر کے باوجود (میں) دل سے (اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور) دوسرے

(بھروسہ کرنے والوں کو) بھی (اسی پر بھروسہ رکھنا چاہئے) تو تم بھی تدبیر کے باوجود اسی پر بھروسہ رکھنا۔ غرض سب رخصت ہو کر چلے (اور جب) مصر پہنچ کر (جس طرح ان کے باپ نے کہا تھا) اسی طرح شہر کے اندر (داخل ہوئے) تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا کہ نظر نہیں لگی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ (وہ ان سے یعنی اپنے بیٹوں سے (خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتے تھے) اسی لئے تقدیر دوسری طرف سے پوری ہوئی اور بنیامین کو چوری کے الزام میں روک لیا گیا (مگر) جو تدبیر یعقوب علیہ السلام نے بتائی تھی وہ (ایک ارمان تھا) جو (ان کے دل میں) پیدا ہوا تھا اور (جس کو انہوں نے پورا کیا تھا اور وہ بلاشبہ بڑے عالم تھے اس وجہ سے کہ ہم نے ان کو علم دیا تھا) لہٰذا وہ تدبیر اور تقدیر دونوں میں سے ہر ایک کے درجہ کو سمجھتے تھے اور تدبیر کو موثر حقیقی نہ سمجھتے تھے (لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے) اور اپنی جہالت سے تدبیر کو موثر حقیقی سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے بھائی بنیامین کو روکنا

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ

اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا
جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ
مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا
تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ
وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ
وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا
جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا
مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَ
فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ
لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ
اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ
لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾
قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ
اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا اسْتَايْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ
اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ
قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ
اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ
فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا
كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْــَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ
الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور جب داخل ہوئے یوسف پر اس نے ٹھکانا دیا اپنی طرف اپنے بھائی کو (اور) کہا بلاشبہ میں ہی ہوں تیرا بھائی سو تو غم نہ کر اس پر جو یہ کرتے رہے ہیں۔ پھر جب تیار کر دیا (یوسف نے) ان کے لئے ان کا سامان رکھ دیا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں پھر پکارا ایک پکارنے والے نے اے قافلہ والوں یقیناً تم چور ہو۔ انہوں نے کہا جب کہ وہ متوجہ ہوئے ان (سرکاری کارندوں) کی طرف کہ تم کیا چیز گم پاتے ہو۔ وہ بولے ہم گم پاتے ہیں پیمانہ بادشاہ کا اور واسطے اس شخص کے جو اس کو لائے ایک اونٹ کا بوجھ ہوگا اور میں اس پر ضامن ہوں۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو نہیں آئے ہم کہ فساد کریں ملک میں اور نہ تھے ہم (کبھی)

چور۔ (سرکاری کارندے) بولے پھر کیا سزا ہے اس کی اگر ہوئے تم جھوٹے۔ کہا اس کی سزا یہ (ہے) کہ جو شخص کہ پایا جائے (پیمانہ) اس کے سامان میں تو (خود) وہی شخص اس کی سزا ہے اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں ظالم لوگوں کو۔ تو شروع کیا (یوسف نے) ان کے تھیلوں (کی تلاشی) کو پیشتر اپنے بھائی کے تھیلے (کی تلاشی) سے پھر نکال لیا اس (برتن) کو اپنے بھائی کے تھیلے سے۔ اس طرح ہم نے تدبیر کی یوسف کے لئے۔ نہیں تھا وہ کہ لے سکتا اپنے بھائی کو بادشاہ کے قانون میں مگر جو چاہے اللہ۔ ہم بلند کرتے ہیں درجوں میں جس کو ہم چاہتے ہیں اور اوپر ہر علم والے کے ہے ایک جاننے والا۔ وہ بولے اگر اس نے چوری کی ہے تو چوری کر چکا ہے اس کا بھائی اس سے پہلے۔ تب پوشیدہ رکھا بات کو یوسف نے اپنے جی میں اور نہیں ظاہر کیا بات کو ان کے سامنے (وہ بات یہ تھی کہ) کہا کہ تم برے ہو درجہ میں اور اللہ خوب باخبر ہے اس سے جو تم بیان کرتے ہو۔ انہوں نے کہا اے عزیز اس کا ہے باپ بوڑھا بڑی عمر کا تو آپ لے لو ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ بے شک ہم دیکھتے ہیں آپ کو احسان کرنے والوں میں سے۔ کہا اللہ کی پناہ کہ ہم لیں مگر وہ پایا ہم نے اپنا سامان جس کے پاس ہم اس وقت ضرور ظالم ہوں گے۔ پھر جب مایوس ہوئے اس سے اکیلے ہوئے سرگوشی کرتے ہوئے۔ کہا ان کے بڑے نے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لیا ہے تم پر عہد اللہ کا اور پہلے سے جو کوتاہی کی تم نے یوسف کے حق میں۔ سو ہرگز میں نہ ہٹوں گا اس زمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں مجھے میرے باپ یا فیصلہ دے اللہ میرے لئے اور وہی بہتر فیصلہ دینے والا ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف اور کہو اے ہمارے ابا آپ کے بیٹے نے چوری کی اور نہیں بیان کیا ہم نے مگر جو ہم نے جانا اور نہیں ہم غیب کو جاننے والے اور پوچھئے آپ اس بستی سے ہم تھے جس میں اور اس قافلہ سے آئے ہم جس میں اور بلاشبہ ہم سچے ہیں۔

تفسیر: (اور جب یہ لوگ داخل ہوئے یوسف کے پاس) اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے موافق ان کو لائے ہیں (انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانا دیا) یعنی ان کو اپنے پاس رکھا اور تنہائی کا موقع پا کر ان کو (کہا کہ میں تمہارا) حقیقی (بھائی) یوسف (ہوں سو جو) بدسلوکیاں ہمارے ساتھ (یہ کرتے رہے ہیں) مثلاً مجھے والد سے اور تم سے جدا کر کے کنویں میں ڈالا اور اب یہاں آتے ہوئے راستہ میں تمہارے ساتھ جو سختی کی (تم ان پر غم مت کرو) کیونکہ وقت آ گیا ہے کہ ہمارے غم دور ہو جائیں اور مصیبتوں کے بعد اللہ تعالیٰ راحت و عزت نصیب فرمائیں۔ لیکن ابھی اللہ تعالیٰ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر کا ایک اور امتحان لینا باقی تھا اور وہ یہ کہ وہ کچھ عرصہ بنیامین کی جدائی

بھی برداشت کریں لہٰذا (پھر جب یوسف) علیہ السلام (نے ان کے) یعنی اپنے بھائیوں کے (لئے ان کا سامان تیار کرادیا) اور سواریوں پر لدوادیا (تو انہوں نے) اللہ تعالیٰ کے حکم سے (پانی پینے کا برتن) جو غلہ ناپنے کا پیمانہ بھی تھا کسی کو اطلاع دیئے بغیر (اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا)۔ چونکہ وہ برتن ہر وقت کے کام کی چیز تھی اس لئے ذرا سی دیر میں اس کی گمشدگی کا شور مچ گیا (پھر) اس کی تلاش شروع ہوئی۔ جب کہیں نہ ملا تو موجود کارکنوں کو اس وجہ سے کہ اس قافلہ والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام نے خصوصی طور پر اپنے پاس کیا ہوا تھا یقین ہو گیا کہ قافلہ والوں نے ہی اس کو چرایا ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے مشورہ کے بعد اپنی کارروائی شروع کی۔ چونکہ قافلہ چند قدم چل چکا تھا اس لئے (ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو) ٹھہرو کیونکہ (یقیناً تم چور ہو۔ وہ کارکنوں کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے) تم ہمیں چور کیوں کہہ رہے ہو؟ (تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔ کارکن بولے کہ ہم کو شاہی پیمانہ نہیں ملتا اور) ان کے بڑے نے کہا کہ تم میں سے بھی (جو کوئی وہ پیمانہ لائے گا) اس سے پوچھ گچھ بھی نہ ہوگی اور (اس کو ایک بوجھ اونٹ کا غلہ بھی ملے گا اور میں) اس کے دلوانے (کا ذمہ دار ہوں۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد) و شرارت (پھیلانے کے لئے نہیں آئے اور ہم لوگ چور بھی نہیں ہیں۔ کارکن بولے) اچھا (اگر تم جھوٹے نکلے) اور تم میں سے کسی پر چوری ثابت ہوگئی (تو اس) چور (کی کیا سزا ہو۔ انہوں) اللہ تعالیٰ کی شریعت کو مقدم رکھتے ہوئے (جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے سامان میں سے وہ برتن نکلے سو وہی شخص اس کی سزا ہے) کہ ایک سال تک اس کو صاحب مال کی غلامی کرنی پڑے گی۔ (اور ہم) اپنے یہاں ایسے (ظالم لوگوں کو اسی طرح) کی (سزا دیتے ہیں)۔ اس گفتگو کے بعد کارکن ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس لے گئے اور سب ماجرا کہہ سنایا۔ سامان کی تلاشی لینے کا فیصلہ ہوا۔ (پھر) حضرت (یوسف) علیہ السلام (نے) خود یا کسی کارکن کے ذریعہ (اپنے بھائی) بنیامین (کے سامان کے تھیلے کی تلاشی سے پہلے دوسرے بھائیوں کے تھیلوں کے تلاشی سے ابتدا کی پھر) آخر میں (اس) برتن (کو اپنے بھائی) بنیامین (کے تھیلے سے برآمد کرلیا)۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (ہم نے یوسف) علیہ السلام (کی خاطر) اور یعقوب علیہ السلام کی مزید آزمائش کے لئے (اس طرح) بنیامین کے رکھنے کی (تدبیر کی) کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ پیمانہ اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیں اور اس کا کسی سے ذکر نہ کریں اور پھر اس تدبیر کی ہم نے تکمیل کرائی کہ ان کے بھائیوں نے خود وہ سزا بتائی جب کہ یوسف علیہ السلام نے کسی بھی مرحلہ میں نہ کوئی غلط بیانی کی اور نہ ہی ان پر چوری کا الزام لگایا۔ اور ہم نے یہ تدبیر اس وجہ سے بتائی کہ مصر کے (بادشاہ کے قانون کی رو سے) یوسف علیہ السلام (اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے

مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو) ایسا ہونا (منظور تھا)۔ اس لئے وہ تدبیر پوری ہوئی۔ برتن کی برآمدگی پر دوسرے بھائی بڑے شرمندہ ہوئے اور اپنی خفت مٹانے کے لئے اور اپنی پاکبازی جتانے کے لئے (بولے) کہ ہماری سوتیلی ماں سے یہ سلسلہ ایسی ہی سرشت کا ہے لہٰذا (اگر اس) بنیامین (نے چوری کی ہے تو) تعجب نہیں کیونکہ (اس کا) ایک (بھائی) تھا وہ بھی اسی طرح (اس سے پہلے چوری کر چکا ہے)۔ چونکہ مصلحت خداوندی کا تقاضا تھا کہ راز فاش نہ ہو اس لئے (یوسف) علیہ السلام ایسی سخت بات سن کر بے قابو نہیں ہوئے اور انہوں نے آہستہ سے اپنے دل میں کہا اور اس کو ان بھائیوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا کہ تم درجہ میں برے ہو) کہ برائی پر برائی کئے جا رہے ہو (اور جو) غلط (باتیں تم کر رہے ہو اللہ ان سے خوب باخبر ہے) ہم یہ سب اسی کے سپرد کرتے ہیں۔ جب بھائیوں نے دیکھا کہ بنیامین پکڑے گئے ہیں اور اس بات سے ان کے والد کو سخت صدمہ ہوگا تو خوشامد کے طور پر (کہنے لگے کہ اے عزیز اس) بنیامین (کے ایک بہت بوڑھے والد ہیں) جو اس کو بہت زیادہ چاہتے ہیں اور اس کی جدائی کے صدمہ سے ان کا نہ جانے کیا حال ہو (تو آپ) ایسا کیجئے کہ (اس کی جگہ پر ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے۔ ہم آپ کو احسان کرنے والا پاتے ہیں) اس لئے آپ ہم پر یہ احسان بھی کر دیجئے۔ (یوسف) علیہ السلام (نے کہا کہ) ایسی بے انصافی کی بات سے (خدا کی پناہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھ لیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو اس صورت میں ہم یقیناً ظالم ہوں گے۔ پھر جب ان کو یوسف) علیہ السلام کے صاف جواب کے سبب اس بات (سے) بالکل (مایوسی ہو گئی) کہ کسی طرح بنیامین کو واپس لے لیں (تو علیحدہ ہو کر آپس میں مشورہ کرنے لگے) کہ کیا کرنا چاہئے۔ اکثر کی رائے ہوئی کہ ہم مجبور ہوئے ہیں لہٰذا سب کو واپس چلنا چاہئے لیکن (ان میں جو) عمر یا عقل وغیرہ کے اعتبار سے (بڑا تھا اس نے کہا) کہ اگر ہم سب ہی جائیں تو ہم والد کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے (کیا تم کو معلوم نہیں کہ اول تو (تمہارے والد تم سے خدا کی قسم کھلا کر پکا عہد لے چکے ہیں) کہ تم ان کو اپنے ہمراہ لانا الا یہ کہ تم گھر جاؤ۔ تو ہم سب کے سب تو نہیں گھرے (اور) دوسرے یہ کہ (جو کوتاہی یوسف کے بارے میں تم اس سے پہلے کر چکے ہو) تو وہ پرانی شرمندگی ہی کیا کم ہے جو اب ایک نئی شرمندگی لے کر جائیں (لہٰذا میں تو) یہیں رہوں گا اور (اس زمین سے نہ ٹلوں گا، یہاں تک کہ میرے والد مجھ کو) حاضری کی (اجازت دیں یا اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی فیصلہ فرما دیں اور وہی بہتر فیصلہ دینے والے ہیں)۔ سو (تم) مجھ کو یہاں چھوڑ دو اور (واپس اپنے والد کے پاس جاؤ اور) جا کر ان سے (کہو کہ اے ابا جان آپ کے صاحبزادے) بنیامین (نے چوری کی) اس لئے گرفتار ہوئے (اور ہم نے) آپ سے کوئی غلط بیانی نہیں کی بلکہ (صرف وہی بیان کیا ہے جو ہم کو) مشاہدہ سے (معلوم ہوا ہے اور ہم غیب

کی باتوں کو جاننے والے نہیں) اس لئے ہمیں کیا پتہ تھا کہ یہ چوری کریں گے ورنہ ہم کبھی آپ کو وہ عہد نہ دیتے (اور) اگر آپ کو ہمارے کہنے کا یقین نہ ہو تو (اس بستی) یعنی مصر والوں (سے جس میں ہم تھے) اپنے کسی قابل اعتماد آدمی کے ذریعہ (پوچھ لیجئے اور اس قافلہ والوں سے بھی) پوچھ لیجئے (جن میں شامل ہو کر ہم یہاں آئے ہیں اور) یقین جانئے کہ (ہم بالکل سچے ہیں)۔

بنیامین کی جدائی کی خبر پر حضرت یعقوب علیہ السلام کا غم لیکن صبر اور رضا بالقضا کا مظاہرہ

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ
جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ
عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾
قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ
تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي
إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا
مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ
مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: کہا بلکہ بنائی ہے تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے ایک بات۔ تو اچھا صبر (اختیار کرنا ہی مناسب) ہے۔ شاید اللہ لائے میرے پاس ان سب کو بلاشبہ وہی ہے علم والا اور حکمت والا۔ اور پھرا ان سے اور کہا ہائے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم سے سو وہ (اپنے آپ کو) گھونٹنے والے تھے۔ (بیٹے) بولے اللہ کی قسم آپ ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے یوسف کو یہاں تک کہ آپ گھل جائیں یا ہو جائیں ہلاک ہونے والوں میں سے۔ کہا میں شکایت کرتا ہوں اپنے اضطراب اور اپنے غم کی اللہ کی طرف اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو جاؤ اور تلاش کرو یوسف کو اور اس کے بھائی کو اور مت

مایوس ہو اللہ کی رحمت سے۔ بے شک نہیں مایوس ہوتے اللہ کی رحمت سے مگر کافر لوگ۔

تفسیر: بڑے کے کہے کے مطابق دوسرے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس چلے آئے اور جیسے بڑے نے کہا تھا اسی طرح بتایا اور پورا ماجرا سنایا۔ وہ سن کر حضرت (یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا) کہ اس کے سامان میں سے برتن برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہوئی شاید کسی اور نے چھپا دیا ہو۔ اپنے بھائی کے کردار وعمل کے بارے میں کیا تمہیں معلوم نہ تھا۔ پھر اس کا دفاع کرنا تو دور کی بات تم نے یہ کہہ کر کہ پہلے اس کے بھائی نے چوری کی تھی اس کے جرم کو پختہ کر دیا۔ اس وجہ سے مجھے تو اس کا جرم تسلیم نہیں (بلکہ) میں تو یہی کہوں گا کہ (تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے) بہر حال (میں) تو اس پر بھی (اچھا صبر) اختیار (کروں گا) کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لاؤں گا۔ اور چونکہ انبیا علیہم السلام کبھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے احسان کے امیدوار رہتے ہیں اس لئے مزید فرمایا کہ (اللہ تعالیٰ) کی قدرت ورحمت (سے کیا بعید ہے کہ وہ ان سب کو) یعنی یوسف کو اور بنیامین کو اور مصر میں رہ جانے والے تیسرے بھائی کو سب کو (میرے پاس لے آئے) کیونکہ (وہ حقیقت حال سے خوب واقف ہے) اس لئے اس کو سب کی خبر ہے کہ کہاں کہاں اور کس کس حال میں ہیں اور وہ (بڑی حکمت والا ہے) جب ملانا چاہے گا ہر طرح کے اسباب بنا دے گا۔ (اور) چونکہ بیٹوں کی بات سے رنج پہنچا تھا لہٰذا (ان سے رخ دوسری طرف کر لیا اور) نئے زخم سے پرانا زخم ہرا ہونے کی وجہ سے بے اختیار (پکار اٹھے ہائے افسوس یوسف پر اور غم سے) روتے روتے (ان کی آنکھیں سفید) یعنی بے نور (ہوگئیں) اور بینائی تقریباً جاتی رہی (اور وہ غم سے) اپنے آپ کو دل ہی دل میں (گھونٹتے تھے) لیکن کسی مخلوق کے سامنے نہ حرف شکایت زبان پر لاتے تھے نہ کسی سے انتقام لیتے تھے اور نہ غصہ کرتے تھے۔ ان کی یہ حالت دیکھ (بیٹے کہنے لگے بخدا آپ تو ہمیشہ یوسف کی یاد میں لگے رہیں گے یہاں تک کہ گھل گھل کر موت کے قریب ہو جائیں گے یا بالکل مر جائیں گے) آپ کو تو صبر کرنا چاہئے۔ اس طرح رونا بھی نہ چاہئے۔ حضرت (یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا) کیا تم مجھے صبر سکھاؤ گے۔ بے صبر وہ ہے جو مخلوق کے سامنے خالق کی دی ہوئی تکلیف کی شکایت کرے (میں تو اپنے رنج وغم کی صرف اللہ سے شکایت کرتا ہوں) جس نے مجھے یہ درد دیا ہے (اور اللہ کی طرف سے میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری آزمائش ہے جو کبھی نہ کبھی ختم ہو جائے گی اور دوسری یہ کہ یوسف زندہ ہیں اور ضرور ملیں گے اور ان کا خواب پورا ہو کر رہے گا اور تیسری بات یہ کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوسف کو تلاش کرنے کی اجازت مل گئی ہے لہٰذا (اے میرے بیٹو تم جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کی تلاش) میں جو بھی تدبیر ہو سکتی ہو (کرو اور

اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو بے شک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا امید ہوتے ہیں جو کافر ہیں)۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو پانا اور پھر سب باپ بیٹوں کا مصر میں اکٹھے ہونا

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا

يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ
فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾
قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾
قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِىْ ؗ قَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا
لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ
اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ
اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع وَلَمَّا فَصَلَتِ
الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾
قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ
اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّىْۤ
اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ
اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ

ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى
الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ
مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ
مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ
بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ
الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ
الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: پھر جب (بھائی) داخل ہوئے اس پر (یعنی یوسف پر) بولے اے عزیز پہنچی ہے ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو سختی اور لائے ہیں ہم پونجی ناقص تو آپ پورا کیجئے ہمارے لئے پیمانہ اور صدقہ کیجئے ہم پر بے شک اللہ جزا دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو۔ (یوسف نے) کہا کیا تم جانتے ہو جو کیا تم نے یوسف سے اور اس کے بھائی سے جب تم نا سمجھ تھے۔ بولے کیا آپ ہی یوسف ہو۔ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ احسان کیا ہے اللہ نے ہم پر۔ بے شک جو کوئی تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکی والوں کا۔ بولے اللہ کی قسم ترجیح دی ہے آپ کو اللہ نے ہم پر اور بلاشبہ ہم تھے خطا کار۔ کہا نہیں کچھ الزام تم پر آج۔ بخشے اللہ تم کو اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ لے جاؤ میرا یہ کرتہ اور ڈالو اس کو میرے باپ کے چہرے پر (تاکہ) آئیں وہ بینا ہو کر اور لے آؤ تم میرے پاس اپنے سب گھر والوں کو۔ اور جب جدا ہوا قافلہ کہا ان کے باپ نے بے شک میں پاتا ہوں بو یوسف کی اگر تم نہ کہو بڑھاپے سے بہکنے کا مجھے۔ انہوں نے کہا اللہ کی قسم آپ تو اپنے پرانے غلط خیال میں ہیں۔ پھر جب آیا خوشخبری والا ڈالا اس نے وہ (کرتہ) اس کے چہرے پر تو وہ پلٹ گیا بینا۔ کہا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم کو کہ میں جانتا ہوں اللہ سے جو تم نہیں جانتے۔ بولے اے ہمارے ابا بخشوائیے ہمارے لئے ہمارے گناہوں کو بے شک ہم تھے خطا کار۔ کہا میں بخشش کی دعا کروں گا تمہارے

لئے اپنے رب سے وہی ہے بخشنے والا رحم کرنے والا۔ پھر جب داخل ہوئے یوسف پر اس نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو اور کہا سب داخل ہو مصر میں اگر اللہ چاہے امن کے ساتھ۔ اور اونچا بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور سب (بھائی) گرے اس کے (یعنی یوسف کے) سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور کہا (یوسف نے) اے ابا جان یہ تعبیر ہے میرے خواب کی پہلے کے۔ کر دیا اس کو میرے رب نے سچا اور اس نے بھلائی کی میرے ساتھ جب نکالا اس نے مجھ کو قید خانہ سے اور لے آیا تم کو گاؤں سے اس کے بعد کہ جھگڑا ڈال دیا تھا شیطان نے میرے درمیان اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بے شک میرا رب لطیف تدبیر کرنے والا ہے اس (کام) کے لئے جو وہ چاہتا ہے۔ بے شک وہی ہے علم والا حکمت والا۔ اے میرے رب دیا تو نے مجھ کو حصہ حکومت کا اور سکھائی تو نے مجھ کو باتوں کی حقیقت اے پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین کے تو میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں۔ وفات دے مجھ کو مسلمان ہونے کی حالت میں اور ملا دے مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ۔

تفسیر: حضرت یعقوب علیہ السلام کے کہنے پر بھائیوں نے یہ خیال کیا کہ قحط کی وجہ سے غلہ کی بھی ضرورت ہے اور بنیامین بھی مصر میں ہیں لہٰذا غلہ کی خرید کے بہانے عزیز مصر کے پاس چلیں اور غلہ کی خریداری کے دوران خوشامد کی باتیں کریں اور جب اس کے مزاج میں نرمی دیکھیں تو بنیامین کی درخواست کریں۔ بنیامین مل جائیں تو پھر یوسف کو تلاش کریں گے۔ غرض مصر پہنچ کر (وہ جب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو کہا کہ اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر) قحط کی وجہ سے بڑی (سختی گزر رہی ہے) گھر کا سامان بک گیا ہے (اور کچھ نکمی) اور حقیر (سی پونجی) باقی رہ گئی ہے وہی (ہم) غلہ خریدنے کے لئے (ساتھ لائے ہیں) آپ کے مکارم اخلاق اور گزشتہ مہربانیوں کو دیکھتے ہوئے ہماری درخواست ہے کہ (آپ) اس حقیر پونجی کے عوض ہی (ہمیں پورا غلہ دے دیجئے اور صدقہ) سمجھ کر ہی آپ (ہمیں دے دیجئے) کچھ کمی نہ کیجئے (بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو اچھی جزا دیتا ہے)۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت (یوسف) علیہ السلام کو اپنے بھائیوں کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ تو جونہی بھائیوں نے اتنی مسکنت کا اظہار کیا تو ان سے رہا نہ گیا اور بغیر کسی شکوہ و شکایت کے انہوں نے صرف یہ (پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو جو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا) اور اس میں بھی جرم سے زیادہ معذرت کے پہلو کو یہ کہہ کر نمایاں کیا کہ (جب تم ناسمجھ تھے)۔

اس سوال پر (بھائی) چونکے کہ اتنی مدت کے بعد یہ کون گھر کا بھیدی نکل آیا۔ پھر عزیز مصر کی ان کے ساتھ غیر معمولی مہربانیاں اور بنیامین کے ساتھ خصوصی برتاؤ ان کو یاد آیا پھر بغور دیکھنے سے کچھ کچھ پہچان

بھی لیا ہوگا۔غرض حیرت و تعجب سے (پوچھ بیٹھے کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں)۔ جواب میں (فرمایا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرے) حقیقی (بھائی) بنیامین (ہیں۔ہم پر اللہ تعالیٰ نے) بڑا (احسان کیا) کہ ہم دونوں کو پہلے صبر اور تقوے کی توفیق عطا فرمائی پھر اس کی برکت سے ہماری تکلیف کو راحت سے اور جدائی کو ملاپ سے اور مال و جاہ کی قلت کو ان کی کثرت سے تبدیل کیا۔ (واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور) مصیبتوں پر (صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)۔ وہ (بھائی تمام سابقہ قصوں کو یاد کر کے نادم ہوئے اور معذرت کے طور پر (کہنے لگے کہ اللہ کی قسم بلاشبہ آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور) آپ اسی لائق تھے اور جو کچھ ہم نے کیا (ہم) اس میں (خطا وار تھے) لہٰذا آپ ہمیں اللہ کے واسطے معاف فرما دیجئے۔ (یوسف) علیہ السلام (نے فرمایا آج تم پر) میری طرف سے (کوئی الزام نہیں ہے) بے فکر رہو میرا دل صاف ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ) ضرور معاف کرے گا کیونکہ وہ (سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے) توبہ کرنے والے کا قصور معاف کرتا ہے۔اور موجودہ حالات میں میرا گھر جانا مشکل ہے لہٰذا (تم لوگ) جاؤ اور (میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈالو تاکہ وہ بینا) ہو جائیں اور یہاں تشریف لے (آئیں اور اپنے) باقی (گھر والوں کو بھی سب کو میرے پاس لے آؤ) کہ سب مل کر یہاں شہر میں رہیں۔

(اور) حضرت یوسف علیہ السلام سے بات چیت کے بعد ان کے فرمان کے موافق (جب) کرتہ لے کر چلنے کی تیاری کی اور (قافلہ) مصر کے شہر سے چلا تو دوسری طرف شام میں (ان کے والد نے) اپنے پاس والوں سے (کہا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو) میں کہتا ہوں کہ معجزہ اور خرق عادت کے طور پر (مجھے تو یوسف کی خوشبو آ رہی ہے) اور معجزہ چونکہ بندے کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوتا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی خوشبو مجھ کو پہنچا دی اور اس سے پہلے نہیں چاہا تو نہیں پہنچائی۔ (وہ) پاس والے (کہنے لگے اللہ کی قسم آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں) مبتلا (ہیں) کہ یوسف زندہ ہیں اور ملیں گے۔اسی خیال کے غلبہ سے اب خوشبو کا وہم ہو گیا ہے حالانکہ واقع میں خوشبو وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام خاموش ہو رہے۔ (پھر جب) یوسف علیہ السلام کے صحیح سلامت ہونے کی (خوشخبری لانے والا) کرتہ لے کر (آ پہنچا تو) آتے ہی (اس نے وہ کرتہ ان کے چہرے پر لا کر ڈال دیا بس فوراً ہی بینا ہو گئے)۔آنے والوں نے آپ سے سارا ماجرا بیان کیا۔آپ نے (فرمایا کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے)۔ آخر میری بات سچ ثابت ہوئی نا۔ سب (بیٹوں نے کہا اے ابا جان) بے شک (آپ) کی بات سچی تھی ہم غلطی پر تھے۔آپ خود بھی ہمیں معاف کر دیجئے اور پھر (ہمارے لئے

اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کیجئے بے شک ہم خطا کار تھے یعقوب) علیہ السلام (نے فرمایا میں) تمہیں معاف کرتا ہوں اور (عنقریب قبولیت دعا کا وقت آنے پر (تمہارے لئے بخشش کی دعا کروں گا۔ بلاشبہ وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)۔

سب تیاری کر کے مصر کو چلے۔ حضرت یوسف علیہ السلام خبر سن کر استقبال کے لئے شہر سے باہر تشریف لائے اور وہیں باہمی ملاقات کا اہتمام کیا۔ (پھر جب یہ سب) کے سب (یوسف) علیہ السلام (کے پاس پہنچے تو انہوں نے) سب سے ملنے کے بعد (اپنے والدین) کی تعظیم کرتے ہوئے ان (کو اپنے پاس جگہ دی اور) بات چیت سے فارغ ہو کر (کہا کہ سب مصر کے اندر چلئے) اور (انشاء اللہ وہاں امن) اور چین سے (رہئے نہ) جدائی کا غم ہوگا (اور) نہ قحط کی تنگی ہوگی۔ جب سب شہر میں داخل ہو گئے تو (یوسف) علیہ السلام (نے) تعظیم کی خاطر (اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور) اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے سرکاری جاہ وجلال کو دیکھ کر سب کے دلوں پر ایسی عظمت اور ایسے رعب کی کیفیت طاری ہوئی کہ سب کے (سب ان کے سامنے سجدہ) تعظیمی (میں گر گئے)۔ سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا ہماری شریعت میں اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ (اور) یہ حالت دیکھ کر (وہ کہنے لگے اے ابا جان یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا۔ اس خواب کو میرے رب نے سچا) ظاہر (کر دیا اور) اسی کے ضمن میں (اللہ تعالیٰ نے) مزید احسان فرمائے (1) جب مجھ کو قید خانہ سے نکالا تو میرے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی) اور مجھے ملک میں خودمختار حاکم بنا دیا (اور (2) اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال دیا تھا) تاکہ ہم کبھی بھی جمع نہ ہوسکیں اللہ تعالیٰ (آپ سب کو گاؤں سے یہاں لے آئے) اور سب کو جمع کر دیا (بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر کر دیتا ہے بلاشبہ وہی بڑا علم و حکمت والا ہے) اپنے علم و حکمت سے سب کاموں کی تدبیر درست کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان دنیوی احسانات کا ذکر زبان پر آیا تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کے کرم و احسان کی طرف توجہ ہوئی کیونکہ مومن کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی موقع پر آخرت سے غافل نہیں ہوتا اور حضرت یوسف علیہ السلام تو بارگاہ الٰہی کے مقربین میں سے تھے وہ کیسے غافل رہتے لہٰذا فوراً اللہ تعالیٰ سے دعا کی طرف متوجہ ہوئے اور یوں مناجات کی کہ (اے میرے رب آپ نے مجھ کو) مذکورہ بالا نعمتوں کے علاوہ دنیا میں (حکومت کا ایک) بڑا (حصہ عطا فرمایا اور آپ نے مجھے باتوں کی حقیقت کا علم عطا فرمایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ ہی میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی تو آپ مجھے جب تک زندہ رکھئے ایمان پر رکھئے اور جب آپ مجھے وفات دیں تو (آپ مجھے اسلام

کی حالت میں وفات دیجئے اور) آخرت میں (نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیجئے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور قرآن کی حقانیت اور توحید کا اثبات

ذٰلِكَ مِنْ
اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ
عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ
اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ
عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: یہ ہے غیب کی خبروں سے، ہم وحی کرتے ہیں یہ تیری طرف اور نہ تھا تو ان کے پاس جب پختہ کیا انہوں نے اپنے ارادے کو اور وہ مکر کرنے لگے۔ اور نہیں ہیں اکثر لوگ اگرچہ تو حرص کرے ایمان والے۔ اور نہیں تو سوال کرتا ان سے اس پر کچھ اجر کا۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہانوں کے لئے۔ اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں گزرتے ہیں یہ جن پر اس حال میں کہ وہ ان سے بے توجہی کرتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگ اللہ پر مگر اس حال میں کہ وہ مشرک بھی ہوتے ہیں۔ کیا امن میں ہو گئے وہ اس سے کہ آئے ان پر کوئی آفت اللہ کے عذاب کی یا آ پہنچے ان پر قیامت اچانک اور وہ خبر نہ رکھتے ہوں۔

تفسیر: (یہ) قصہ جو اوپر ذکر ہوا آپ کے اعتبار سے (غیب کی خبروں میں سے ہے) کیونکہ اس کو جاننے کا کوئی ظاہری ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے۔ نہ آپ رسمی طور پر پڑھے لکھے ہیں، نہ یہ باتیں کسی ظاہری استاد سے سیکھنے کی نوبت آئی اور نہ ہی اس قدر تفصیل بائبل یا کسی اور کتاب میں موجود

ہے صرف (ہم ہی وحی کے ذریعہ آپ کو یہ قصہ بتاتے ہیں اور) یہ بات بھی واضح ہے کہ (آپ ان) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں (کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب انہوں نے) یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کا (اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ) اس کے متعلق (مکر) و تدبیریں (کرنے لگے) کہ والد سے یوں بات کریں گے اور یوسف کو اس طرح سے کنویں میں ڈالیں گے اور واپس آ کر یوں بہانہ کریں گے۔ غرض یہ بات یقینی ہے کہ مذکورہ قصہ کا تفصیلی علم آپ کو صرف ہماری وحی کے ذریعہ ہی ہوا اور یہ آپ کے نبی ہونے کی اور قرآن کے حق ہونے کی واضح دلیل ہے (اور) چونکہ نبی اور قرآن دونوں توحید کے داعی ہیں اس لئے ان کے حق ثابت ہونے سے توحید بھی حق ثابت ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود (بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے اگرچہ آپ) ان کے ایمان لانے کا کتنا ہی (حرص کریں اور) جو لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں لیکن یہ بات ان کے پیش نظر رہے کہ اس میں ان کا اپنا ہی نقصان ہے آپ کا نہیں کیونکہ (آپ ان سے اس) قرآن (پر کچھ اجرت نہیں مانگتے) کہ نہ مان کر یہ آپ کو اجرت سے محروم کر دیں بلکہ (یہ) قرآن (تمام جہان والوں کے لئے محض نصیحت) و فہمائش (ہے) جو آپ نے اس کے ذریعہ سے پہلے بھی کی ہے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ (اور) جس طرح قرآنی آیات سن کر یہ لوگ ایمان نہیں لائے اسی طرح کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر بھی کچھ اثر نہیں لیتے حالانکہ ان نشانیوں پر غور کر کے آدمی آسانی سے توحید الٰہی کو پا سکتا ہے۔ غرض (آسمانوں اور زمین میں) توحید کی (کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ گذرتے ہیں اور) ان کو دیکھتے ہیں لیکن (ان پر غور و فکر سے اعراض کرتے ہیں۔ اور) اسی عدم توجہ ہی کی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ (اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ شرک بھی کرتے جاتے ہیں) یعنی زبان سے سب کہتے ہیں کہ خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کے باوجود کوئی بتوں کو خدائی کا حصہ دار بناتا ہے، کوئی اس کے لئے بیٹیاں تجویز کرتا ہے، کوئی اسے روح اور مادہ کا محتاج کہتا ہے، کوئی پادریوں کو خدائی اختیارات دیتا ہے اور کوئی قبر پرستی اور تعزیہ پرستی میں مبتلا ہے اور کتنے ہی ہیں جو کم از کم ریاکاری میں اور خواہش نفس کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ توحید و رسالت کا انکار تو بہت بڑا جرم ہے جس کی بہت سخت سزا ہے لیکن یہ لوگ اس کے انجام سے مطمئن ہیں تو (کیا وہ اس بات سے مطمئن بیٹھے ہیں کہ ان پر خدا کے عذاب کی کوئی) ایسی (آفت آ جائے) جو ان کو گھیر لے (یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو) پہلے سے (خبر بھی نہ ہو)۔

ربط: توحید کے اثبات کے بعد اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان منکروں کی پرواہ نہ کیجئے اپنا کام کرتے رہیے اور حق کی آواز لگاتے رہیے۔ جو انکار کریں تو وہ اپنا انجام خود سوچ لیں۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ

اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۱۰۸ وَمَآ

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَايْــــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا

جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

الْمُجْرِمِيْنَ ۱۱۰ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۱۱۱ ع

ترجمہ: تو کہہ دے یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں میں اللہ کی طرف بصیرت پر ہوں میں اور وہ جس نے میری اتباع کی اور پاک ہے اللہ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے مگر مردوں کو ہم وحی کرتے تھے ان کی طرف بستیوں والوں میں سے۔ کیا پس وہ نہیں چلے زمین میں کہ دیکھتے کہ کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیز گار ہوئے۔ کیا پس تم سمجھتے نہیں ہو۔ یہاں تک کہ جب مایوس ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ جھوٹ کہا گیا تھا ان سے آ پہنچی ان کو ہماری مدد تو بچا لیا گیا جن کو ہم نے چاہا۔ اور نہیں پھیرا جاتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے۔ ان کے قصہ میں عبرت ہے عقل والوں کے لئے۔ نہیں ہے یہ بات بنائی ہوئی ولیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے اور (یہ) تفصیل ہے ہر شے کی اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: اے رسول (آپ) ان منکروں کی پروا نہ کیجئے۔ آپ اپنا کام کرتے رہئے اور یہ (آواز لگاتے رہئے کہ یہ) خالص توحید (ہی میرا راستہ ہے) اور (میں) لوگوں کو بھی (خدا کی) توحید کی (طرف بلاتا ہوں اور میں اور میرے پیروکار) اس سیدھے راستے پر دلیل و (بصیرت کے ساتھ ہیں) اور اس کی وجہ سے ہم میں سے ہر شخص پورے اعتماد کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ) ہر قسم کے شرک سے (پاک ہے اور میں) کسی بھی طرح سے (شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں)۔

آپ کی دعوت کے بعد پھر بھی جو انکار کریں تو وہ اپنا انجام خود سوچ لیں کیونکہ آپ کو کوئی نیا نہیں بھیجا گیا بلکہ (آپ سے پہلے) لوگوں کی طرف بھی (رسول بھیجے گئے جو سب کے سب مرد تھے) جنہوں نے اپنی اپنی قوم کے لوگوں میں چل پھر کر اعلانیہ تبلیغ کی اور (جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے)۔ عورتوں کو نبی نہیں بنایا کہ جن کا پردہ تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنتا۔ ان کی قوم نے نہ مانا تو اس کو سزا دی گئی۔ یہ لوگ جو انکار کرتے ہیں (کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ) اپنی آنکھوں سے (دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے کافروں کا) دنیا میں (کیا انجام ہوا) اور اس سے سمجھ لیتے کہ آخرت میں تو ان کا اور برا حال ہوگا (جب کہ دار آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں تو) آپ ان سے فرما دیجئے کہ (کیا تم یہ اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہو۔) اور اگر ان کو عذاب میں تاخیر ہونے سے شبہ ہو رہا ہو تو ان کو جان لینا چاہئے کہ پچھلی قوموں کو بھی بڑی بڑی مہلتیں دی گئیں یہاں تک کہ مہلت کے بہت طویل ہونے کی وجہ سے (جب رسول ناامید ہونے لگے اور) طبعی طور سے بے اختیار (ان کو وسوسہ ہونے لگا کہ ان سے غلط وعدہ کیا گیا تھا) اگرچہ عقلی و اختیاری طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پورا یقین رکھتے (اس وقت ان کو ہماری مدد پہنچی) جو یہ تھی کہ کفار پر عذاب آیا (پھر) اس عذاب سے (ہم نے جس کو چاہا وہ بچا لیا گیا) اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ایمان اور نیک عمل کو اختیار کیا تھا جب کہ کافر اس عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے (اور ہمارا عذاب) ہوتا ہی ایسا ہے کہ (مجرم لوگوں سے نہیں ہٹایا جاتا)۔ اور (گذشتہ قوموں کے) ان مذکورہ (قصوں میں سمجھدار لوگوں کے لئے بڑی عبرت ہے) اس لئے ان کافروں کو چاہئے کہ غفلت چھوڑ کر سمجھداری سے کام لیتے ہوئے عبرت حاصل کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو ان کے سامنے یہ حقیقت بھی کھل جائے گی کہ (قرآن کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے سے پہلے کی) آسمانی کتابوں کی (تصدیق کرنے والا ہے اور ہر) ضروری (بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے)۔

سورہ رعد

ربط: اوپر کی سورہ یوسف کے آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ سے توحید کا اثبات کیا تھا۔ اسی مضمون کو آگے مزید بڑھاتے ہیں۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۴۳ - رُكُوْعَاتُهَا ۶

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۞۱ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ
بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ
الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۞۲ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ
وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ
فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۞۳ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ
اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ
وَّاحِدٍ قف وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۞۴

ترجمہ: الٓمّٓرٰ یہ آیتیں ہیں کتاب کی۔ اور جو کچھ اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے حق ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔ اللہ ہے کہ اس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے دیکھتے ہو تم ان کو پھر قائم ہوا عرش پر اور مسخر کیا سورج کو اور چاند کو۔ (ان میں سے) ہر ایک چلتا ہے وقت مقرر کیلئے۔ وہ تدبیر کرتا ہے کام کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے پھیلایا زمین کو اور بنائے اس میں پہاڑ اور نہریں۔ اور تمام پھلوں سے رکھے اس (زمین) میں جوڑے دو دو قسم کے، ڈھانپتا ہے رات کو دن پر، بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ اور زمین میں قطعے ہیں پاس پاس اور باغ ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں دو شاخہ تنے والے اور دو شاخہ کے غیر۔ سیراب کئے جاتے ہیں ایک پانی سے اور ہم بڑھاتے ہیں ان کے بعض کو (دوسرے) بعض پر پھلوں میں۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

تفسیر: الٓمّٓرٰ سابقہ آیتوں کی طرح اس سورت کی (یہ) آیتیں جو تمہارے سامنے پیش ہیں (عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں) جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے اتاری گئی ہے۔ (اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ) بالکل (حق) اور سچ (ہے) جس کا تقاضا ہے کہ سب ہی اس کو مانیں (لیکن) امر واقعہ یہ ہے کہ (اکثر لوگ) ایسی صاف اور واضح حقیقت کو (نہیں مانتے) جو بڑے تعجب کی بات ہے کیونکہ جس (اللہ) نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ تنہا ایسی قدرت والا (ہے کہ اس نے ستون کے بغیر آسمانوں کو اونچا کھڑا کیا) اور (تم) بھی (ان کو) بغیر ستون کے (دیکھتے ہو پھر) اپنے (عرش پر) جو سلطنت کے تخت کے مشابہ ہے اس طرح (قائم) اور جلوہ فرما (ہوا) جو اس کی شان کے لائق ہے جس کی ممکنہ صورت یہ ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی قائم ہوئی (اور) اسی تجلی کے ذریعہ سے امور عالم کی تدبیر کی جاتی ہے جس کی ایک مثال یہ ہے کہ (اس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا) یعنی ان کو کام پر لگا دیا لہٰذا ان میں سے (ہر ایک) قیامت کے (وقت مقرر تک کے لئے چلتا ہے) یا چلتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ غرض (وہی) اللہ عالم کے سب (کام کی تدبیر کرتا ہے) جن میں سے کچھ تدبیریں بندوں کی ہدایت کی ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنی تشریعی اور تکوینی و تخلیقی (نشانیوں کو ظاہر کرتا ہے تاکہ تم) ان میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور صرف اسی کے تنہا مالک الملک ہونے کا اور ہر طرح سے با اختیار حاکم ہونے کا اقرار کر لو اور سمجھ لو کہ جیسے کوئی بھی باخبر اور باتدبیر حکمران اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ کبھی نہ کبھی پکڑ کر سزا دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی تم کو کیوں چھوڑنے لگا۔ تو تم بھی (اپنے رب سے ملاقات کا یقین کر لو)۔ اس کی نشانیاں یہ بھی ہیں کہ (وہی ہے جس نے

زمین کو پھیلایا اور اس میں) ایک جگہ جمے رہنے والے (پہاڑ اور) مسلسل چلنے والی (نہریں بنائیں اور) اسی زمین میں (ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسم کے) مثلاً کھٹے و میٹھے اور چھوٹے و بڑے پھل (پیدا کیے) اور وہ (دن) کی روشنی (پر رات) کی تاریکی (کو ڈھانپ دیتا ہے۔ بلاشبہ ان چیزوں میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کی قدرت اور توحید پر بڑی (نشانیاں ہیں اور) مزید نشانیاں یہ ہیں کہ (زمین میں پاس پاس قطعے ہیں) اور موسم بھی ایک ہے لیکن اس کے باوجود کسی میں (انگوروں کے باغ ہیں اور) کسی میں مختلف (کھیتیاں ہیں اور) کسی میں (کھجور کے درخت ہیں دو شاخہ تنے والے اور دو شاخہ کے علاوہ بھی) حالانکہ ان میں سے (ہر ایک کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور) پھر یہ کہ (ہم ان درختوں (میں سے بعض کو دوسروں پر پھلوں میں بڑھاتے ہیں) یعنی بعض میں پھل زیادہ لگاتے ہیں اور بعض میں کم لگاتے ہیں۔

(بلاشبہ ان) چیزوں (میں) بھی (سمجھ سے کام لینے والوں کے لئے) ہماری توحید اور ہماری قدرت پر کافی (نشانیاں ہیں)۔

ربط: لیکن تعجب ہے کہ انکار کرنے والے ان نشانیوں سے کچھ اثر قبول نہیں کرتے اور بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے ان کا اپنا ہی نقصان ہے۔ نہ وہ اللہ کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ رسول کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَإِذَا
كُنَّا تُرَابًا ءَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ
وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ
عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُولُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ ۖ وَ
لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧

ترجمہ: اور اگر تو تعجب کرے تو قابل تعجب ہے ان کا کہنا کہ کیا جب ہم ہو جائیں گے مٹی کیا ہم ہوں گے نئی پیدائش میں۔ یہی ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا اور یہی ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں اور یہی ہیں آگ والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ جلدی طلب کرتے ہیں تجھ سے برائی (مصیبت) کو بھلائی (عافیت) سے پہلے حالانکہ گزر چکی ہیں ان سے پہلے مثالیں اور بے شک تیرا رب بخشش والا ہے لوگوں کے لئے ان کی زیادتی پر اور بے شک تیرا رب سخت سزا والا ہے۔ اور کہتے ہیں کافر کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی جانب سے۔ محض تو ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے لئے (ہوا) ہے رہنما۔

تفسیر: لیکن انکار کرنے والوں کا معاملہ یہ ہے کہ (اگر آپ) کسی بات پر (تعجب کریں تو) ان کی باتوں پر کر سکتے ہیں جن میں سے (تعجب کے لائق) ایک بات (ان کا) یہ (کہنا ہے کہ جب ہم) مر کر (خاک ہو جائیں گے تو کیا) اس کے بعد (ہم پھر از سر نو پیدا ہوں گے)۔ ان کی یہ بات لائق تعجب اس وجہ سے ہے کہ اوپر مذکور نشانیوں کے بارے میں وہ مانتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر ہیں اور یہ کہ خود وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہیں تو ان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ان کو دوبارہ پیدا کرنا کیسے بعید ہے۔ (یہی لوگ ہیں جنہوں نے) موت کے بعد جی اٹھنے کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو گویا (اپنے رب) کی قدرت اور بادشاہی (کا انکار کر ڈالا اور) ایسے باغیوں کا انجام یہ ہوگا کہ (ان ہی کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور) ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی اور (یہ آگ والے ہوں گے) لہٰذا اس حالت میں ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا (جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے)۔ آخرت میں تو ان کا یہ حال ہوگا لیکن دنیا میں (یہ لوگ) ایسے ڈھیٹ بنے ہوئے ہیں کہ ایک تو (عافیت) والی مہلت ختم ہونے (سے پہلے ہی) آپ کو جھوٹا سمجھ کر (آپ سے مصیبت) کے نازل ہونے (کی جلدی مچاتے ہیں) کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر جلدی عذاب منگا دیجئے (حالانکہ ان سے پہلے) گزشتہ کافر قوموں پر نزول عذاب کی (مثالیں گزر چکی ہیں) تو اللہ کے لئے ان موجودہ کافروں پر عذاب لے آنا کیا مشکل ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ (آپ کا رب) اپنے حلم وعفو کی وجہ سے ہر چھوٹے بڑے جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ وہ (لوگوں کی زیادتیوں) کو دیکھ کر ان (سے درگزر کرتا رہتا ہے) لیکن جب ان کی زیادتیوں اور شرارتوں کا سلسلہ حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو اس وقت ان کی سخت گرفت کرتا ہے (اور بلاشبہ آپ کا رب سخت سزا والا ہے۔ اور کفار) کی ڈھٹائی کی دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے معجزوں اور تکوینی نشانیوں اور قرآنی آیتوں کو دیکھنے اور سننے کے بعد بھی یہ (کہتے ہیں کہ رسول پر ان کے رب کی طرف سے) وہ معجزہ اور (نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی) جو ہم مانگتے ہیں تاکہ ہم بھی مان لیتے۔ اس کے

جواب میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ آپ ان کو ڈھٹائی کرنے دیجئے اور ان کے مطالبوں پر توجہ نہ دیجئے، معجزہ دکھلانا ہمارا کام ہے (آپ تو محض ڈرانے والے) اور راہ دکھانے والے (ہیں اور) ہماری طرف سے (ہر قوم کے لئے) محض (راہ دکھانے والا) ہی (ہوا ہے)۔

ربط: لیکن یہ ڈھیٹ لوگ ممکن ہے آخرت کے بارے میں یوں خیال کریں کہ اللہ تعالیٰ کی تو بڑی ذات ہے۔ ہماری ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے در پے ہونا اس کی شان کے خلاف ہے اور اس کو ہمارے کاموں کی خبر نہیں۔ علاوہ ازیں ہر ہر شخص کے اعمال کا حساب کرنے کے لئے تو بڑا غلبہ چاہئے جو متصور نہیں لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمارا مقدمہ پیش ہونا ہے اور نہ ہی قیامت آنی ہے اس لئے آگے ان کے خیال کی تردید فرماتے ہوئے پہلے اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی کو بیان کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ

ترجمہ: اللہ جانتا ہے جو اٹھاتی ہے ہر مادہ اور جو سکڑتے ہیں رحم اور جو بڑھتے ہیں اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے سے ہے۔ جاننے والا ہے چھپی چیز کا اور ظاہر چیز کا، سب سے بڑا اعلیٰ شان ہے۔ برابر ہے تم میں سے جو آہستہ کہے بات کو اور جو اعلانیہ کہے اس کو اور جو چھپتا ہے رات میں اور چلتا پھرتا ہے دن میں۔ اس کے پہریدار ہیں بندے کے سامنے اور اس کے پیچھے حفاظت کرتے ہیں اس (بندے) کی اللہ کے حکم سے۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا عنایت کسی قوم کی یہاں تک کہ وہ بدل دیں حالت اپنی۔

تفسیر: اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے کاموں کی کیا خبر ہوگی تو جان لو کہ (اللہ)

تعالیٰ کا علم ایسا وسیع ہے کہ اس کو ذرے ذرے کی خبر ہے۔ وہ یہ بھی (جانتا ہے جو کچھ کسی عورت کو حمل رہتا ہے) کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی ہے، پورا ہے یا ادھورا ہے، نیک بخت اور جنتی ہے یا بدبخت اور جہنمی ہے اور اس کا رزق کتنا ہے وغیرہ۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ عورت کے رحم میں حمل میں یا حمل کی مدت میں کمی بیشی ہوتی ہے کہ کبھی ایک بچہ ہوتا ہے (اور) کبھی ایک سے زیادہ اور کبھی ولادت جلدی ہو جاتی ہے اور کبھی دیر سے۔ اس طرح (وہ پیٹ کے گھٹنے اور بڑھنے) کے تمام اسرار و اسباب اور اوقات و احوال (کو) پوری طرح (جانتا ہے اور) یہی نہیں بلکہ (اس کے نزدیک) یعنی اس کے علم میں ہر (ہر چیز ایک) خاص (اندازے سے ہے)۔ غرض (وہ) تمام (پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالی شان ہے) یہاں تک کہ (تم میں سے جو) شخص کوئی (بات) دل میں چھپائے اور جو زبان سے (آہستہ سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو رات میں) لوگوں سے (چھپے) اور چھپ کر اچھے یا برے کام کرے (اور دن میں) اعلانیہ (چلے پھرے) یہ سب خدا کے علم میں (برابر ہیں) یعنی وہ سب کو یکساں جانتا ہے۔ غرض وہ تم سب کے بارے میں پوری پوری معلومات رکھتا ہے تمہارے فرد فرد کی بھی جس کی بنیاد پر تم میں سے ایک ایک (بندے کے سامنے) بھی (اور اس کے پیچھے بھی خدا کے پہریدار) فرشتے مقرر کئے گئے (ہیں) جو (اللہ کے حکم سے اس) بندے (کی) بہت سی بلاؤں سے (حفاظت کرتے ہیں) اور تمہاری اجتماعیت کی بھی جس کی بنیاد پر (اللہ) تعالیٰ (کسی قوم پر جو) اس کی مہربانی و (عنایت ہوتی ہے اس کو نہیں بدلتا) اور اس پر عذاب نہیں اتارتا (یہاں تک کہ قوم والے ہی) اللہ کے ساتھ (اپنی) صحیح حالت اور (روش کو بدل ڈالیں)۔ غرض اللہ کے علم میں ہوتا ہے کہ قوم کب اپنی روش بدلتی ہے۔

ربط: اللہ تعالیٰ کی وسعت علمی کو بیان کرنے کے بعد آگے بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو زبردست غلبہ بھی حاصل ہے۔

وَإِذَآ أَرَادَ ٱللَّهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُۥ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَالٍ ﴿١١﴾ هُوَ ٱلَّذِى يُرِيكُمُ ٱلْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ ٱلسَّحَابَ ٱلثِّقَالَ ﴿١٢﴾ وَيُسَبِّحُ ٱلرَّعْدُ بِحَمْدِهِۦ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِۦ وَيُرْسِلُ ٱلصَّوَٰعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَآءُ

ترجمہ: اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ کسی قوم پر عذاب کا تو نہیں ہوتا ٹلنا اس کے لئے۔ اور نہیں ہوتا ان کے لئے اس کے سوا کوئی مددگار۔ وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈرانے کو اور امید دلانے کو اور اٹھاتا ہے بادل بھاری۔ اور تسبیح کرتا ہے گرجنے والا اس کی تعریف کے ساتھ اور (تسبیح کرتے ہیں) فرشتے اس کے خوف سے اور وہ بھیجتا ہے بجلیاں پھر پہنچا دیتا ہے ان کو جس پر چاہتا ہے۔

تفسیر: اور وسیع علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ زبردست غلبہ والے ہیں کہ (کسی قوم) کی روش کی تبدیلی (پر جب اللہ) اس قوم پر (عذاب) اتارنے (کا ارادہ کرتے ہیں تو پھر اس) عذاب (کے ہٹنے کی) کوئی (صورت نہیں ہوتی) وہ واقع ہو کر رہتا ہے (اور) ایسے وقت میں (خدا کے علاوہ کوئی) اور (ان) قوم والوں (کا مددگار نہیں ہوتا) اور (وہ) ایسا عظیم الشان ہے کہ وہ بارش کے وقت (تم کو) چمکتی ہوئی (بجلی دکھاتا ہے ڈرانے کو اور امید دلانے کو) کہ بجلی کے گرنے کا ڈر بھی ہوتا ہے اور بارش کی امید بھی ہوتی ہے (اور وہ) پانی سے بھرے (بھاری بادلوں کو اٹھاتا ہے۔ اور گرجنے والا) بادل بھی اسی کے تابع فرمان ہے اور وہ اپنے گرجنے میں (اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ بیان کرتا ہے اور) مختلف کاموں پر مامور (فرشتے) بھی (اس کے خوف سے) اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ پڑھتے رہتے ہیں۔ (اور وہ) زمین کی طرف کڑک (بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہے گرا دیتا ہے)۔

ربط: اور جب اللہ تعالیٰ ایسی زبردست صفات والے ہیں تو وہی عبادت کے لائق ہیں۔

وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ⑬ لَهٗ
دَعْوَةُ الْحَقِّ ۗ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ
بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَ
مَا دُعَاءُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلٰلٍ ⑭ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ⑮ السجدة

ترجمہ: اور یہ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ سخت پکڑ والا ہے۔ اسی کے لئے ہے سچا پکارنا اور وہ (معبود) جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا نہیں قبول کرتے ان کے لئے

کچھ مگر مانند پھیلانے والے کے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف تا کہ (پانی) پہنچ جائے اس کے منہ میں حالانکہ نہیں ہے وہ (پانی) پہنچنے والا اس تک اور نہیں ہے پکار کافروں کی مگر بے اثری میں۔ اور اللہ کے لئے سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں خوشی سے اور مجبوری سے اور (سجدہ کرتے ہیں) ان کے سائے بھی صبح میں اور شام میں۔

تفسیر: (یہ لوگ اللہ تعالیٰ) کی ان عظیم الشان صفات کے باوجود اس کے اکیلے معبود ہونے (کے بارے میں جھگڑتے ہیں) اور اس کی توحید کا انکار کرتے ہیں (حالانکہ) اس کا انجام برا ہے کیونکہ شرک کرنا اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرنا ہے اور اس جرم پر (اللہ سخت پکڑ) کرنے (والا ہے)۔ آخر وہ سخت پکڑ کیوں نہ کرے جب کہ (سچا پکارنا) خاص (اس کے لئے ہے) کیونکہ وہی ہر قسم کے نفع وضرر کا مالک ہے (اور وہ) جھوٹے معبود (جن کو یہ) لوگ اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں (اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں) وہ قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی درخواست کو (منظور نہیں کر سکتے مگر مانند) اتنا جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے (جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہو) اور اس پانی کو اشارہ سے اپنی طرف بلا رہا ہو (تا کہ) وہ (پانی) خود بخود اڑ کر (اس کے منہ میں آ جائے حالانکہ وہ پانی) کسی طرح بھی خود بخود (اس کے منہ میں پہنچنے والا نہیں)۔ غرض جس طرح پانی اس کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہے اسی طرح ان کے جھوٹے معبود بھی ان کی درخواست قبول کرنے سے عاجز ہیں (اور) اسی لئے (کافروں کی ان سے درخواست کرنا محض بے اثر ہے اور) اللہ تو ایسی شان والا ہے کہ (جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے سامنے سرخم کئے ہوئے ہیں) بعض (خوشی سے) کہ خود اپنے اختیار سے عبادت کرتے ہیں (اور) بعض (مجبوری سے) کہ اللہ تعالیٰ کے حکم تکوینی کے آگے تو کائنات کی ہر چیز تابع ہے (اور) کوئی ان کی مخالفت نہیں کر سکتا یہاں تک کہ (ان) زمین والوں (کے سائے) بھی ہر وقت عموماً لیکن (صبح اور شام کے وقتوں میں) خصوصاً جب کہ وہ زیادہ نمایاں ہوتے ہیں (سرخم کئے) ہوتے (ہیں) مطلب یہ ہے کہ سایوں کا گھٹنا بڑھنا اور دائیں بائیں کو مائل ہونا سب اللہ کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔

ربط: آگے اللہ تعالیٰ کے استحقاق عبادت کو توحید وشرک کا تقابل کر کے سمجھاتے ہیں۔

قُلْ

مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ قُلِ اللّٰهُؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّاؕ قُلْ هَلْ

يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ
أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ
قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

ترجمہ: کہہ کون رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ کہہ دے اللہ ہے۔ کہہ کیا پھر تم نے قرار دیئے ہیں اللہ کے سوا (ایسے) مددگار جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لئے نفع کا اور نہ نقصان کا۔ کہہ کیا برابر ہیں اندھا اور بینا، یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور اجالے یا بنائے ہیں انہوں نے اللہ کے لئے شریک (کہ) انہوں نے پیدا کیا مثل اللہ کے پیدا کرنے کے پھر مشتبہ ہوگئی پیدائش ان پر۔ کہہ دے اللہ ہے پیدا کرنے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا زبردست۔

تفسیر: توحید و شرک کا تقابل کرتے ہوئے ایک (آپ) ان کافروں سے یوں (کہئے کہ آسمانوں کا اور زمین کا) اور جو کچھ ان میں ہے ان کا (پروردگار) یعنی ان کی حفاظت کرنے والا اور درجہ بدرجہ ان کو کمال تک پہنچانے والا (کون ہے)۔ چونکہ ان کافروں کو بھی خدا تعالیٰ کے پروردگار ہونے سے انکار نہیں اس لئے (آپ) خود ہی (کہہ دیجئے کہ اللہ ہے)۔ اس کے بعد (آپ کہئے کہ) جب اللہ ہی ان کا پروردگار ہے تو وہ تو بڑی قدرت والا ہوا تو (کیا پھر) بھی (تم نے خدا) جیسے قادر (کے سوا ایسے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو) خود عاجز ہیں اور (اپنے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے)۔ دوسرے (آپ) یہ (کہئے کہ) موحد اور مشرک میں ایسا فرق ہے جیسے بینا اور نابینا میں اور توحید و شرک کا مقابلہ ایسا سمجھو جیسے اجالے کا اندھیرے سے تو (کیا نابینا اور بینا برابر) ہو سکتے (ہیں یا کیا اندھیرے اور اجالے برابر) ہو سکتے (ہیں)۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ایک اندھا مشرک جو شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہو اور بینا موحد جو فہم و بصیرت اور ایمان و معرفت کے اجالے میں فطرت انسانی کے صاف راستہ پر چل رہا ہو یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں کہ ان کا انجام ایک جیسا ہو اور تیسرے یہ کہئے (کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں جنہوں نے خدا کے پیدا کرنے کے مثل کسی چیز کو پیدا کیا ہو پھر اس وجہ سے ان پر) دونوں کی کی ہوئی (پیدائش مشتبہ ہوگئی) یعنی ان کو دونوں کا پیدا کرنا ایک جیسا معلوم ہوا ہو اور اس سے استدلال کیا ہو کہ جب دونوں ہی خالق ہیں تو دونوں معبود بھی ہوں گے تو اس کے جواب میں (آپ) یہ (کہئے کہ) تمہارے معبود تو ایک مکھی کا پر اور ایک مچھر کی ٹانگ بھی نہیں بنا سکتے جب کہ (اللہ ہر چیز کا خالق اور وہی) اپنی ذات میں (اکیلا) اور سب مخلوقات پر غالب و (زبردست ہے)۔

ربط: پچھلی آیات میں توحید وشرک کا تقابل کیا گیا تھا آگے ایک مثال کے ذریعہ سے حق و باطل یعنی توحید اور شرک کے تقابل کی کیفیت بتاتے ہیں۔

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذۡهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: اتارا اس نے آسمان سے پانی تو بہہ پڑے نالے اپنی مقدار بھر۔ پھر اٹھا لیا سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا اور اس سے جس پر دھونکتے ہیں آگ میں زیور یا سامان کی طلب میں جھاگ ہوتا ہے اس کی مانند۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ حق کو اور باطل کو۔ سو رہا جھاگ تو وہ جاتا رہتا ہے۔ سوکھ کر اور رہی وہ چیز جو نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہرتی ہے زمین میں۔ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو نالے) اس پانی سے بھر کر (اپنی مقدار کے موافق) یعنی چھوٹے نالے تھوڑے پانی کے ساتھ اور بڑے نالے زیادہ پانی کے ساتھ (بہہ پڑے۔ پھر) پانی جب زمین پر ان نالوں میں جاری ہوا تو مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے گدلا ہوا اور میل کچیل پھول کر اوپر آیا۔ اس طرح سے (سیلاب نے پھولا ہوا جھاگ اٹھا لیا۔ اور) اس کے علاوہ (جن چیزوں) یعنی معدنیات (کو آگ کے اندر رکھ کر زیور یا سامان) یعنی برتن وغیرہ بنانے (کی طلب میں تاپتے ہیں ان میں بھی اسی طرح جھاگ ہوتا ہے)۔ ان دونوں میں دو چیزیں ہیں۔ ایک کار آمد چیز ہے یعنی اصل پانی اور اصل معدن اور ایک ناکارہ چیز ہے یعنی میل اور کوڑے کا جھاگ۔ سیلاب اور معدن دونوں میں کار آمد چیز اور جھاگ ملے رہتے ہیں مگر تھوڑی دیر میں خشک ہو کر یا منتشر ہو کر جھاگ ختم ہو جاتا ہے اور کار آمد چیز یعنی پانی اور پگھلی ہوئی معدنیات ہی باقی رہ جاتی ہیں جن سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ حق و باطل کو اسی طرح) کی مثال سے (بیان کرتے ہیں) کہ جب آسمانی وحی دین حق کو

لے کر اترتی ہے تو انسانوں کے قلوب اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے بقدر اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ پھر حق و باطل باہم بھڑ جاتے ہیں تو باطل کا میل کچیل ابھر آتا ہے اور دیکھنے میں وہ جھاگ کی طرح حق کو دبا لیتا ہے لیکن پانی اور معدن کے جھاگ کی طرح باطل کا یہ ابال عارضی ہوتا ہے (اور) جیسے کچھ ہی دیر میں (جھاگ سوکھ کر جاتا رہتا ہے) اسی طرح کچھ ہی عرصہ میں باطل کا جوش وخروش جاتا رہتا ہے (اور جو لوگوں کو) واقعی (نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے) یعنی حق جو باطل کے نیچے دبا نظر آ رہا تھا صرف وہی باقی رہ جاتا ہے۔ (اسی طرح) کے مؤثر انداز میں (اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتے ہیں)۔

ربط: پچھلی آیات میں حق و باطل کے مقابلہ کی کیفیت بیان کرنے کے بعد آگے حق و باطل کا انجام کھول کر بیان کرتے ہیں۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ؕ

وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَ
مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ
جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن
رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ
يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ
الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ
وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ
السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا
وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ
يَدْخُلُونَ عَلَيْهِم مِّن كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۲۴ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ
بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ
يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۲۵
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۲۶ ع

ترجمہ: ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کہنا مانا اپنے رب کا بھلائی ہے اور جن لوگوں نے کہنا نہیں مانا اس کا اگر ہو ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا اور (اگر ہو) اس کی مثل اس کے ساتھ تو وہ فدیہ میں دے دیں اس (سب) کو۔ ان لوگوں کے لئے ہے برا حساب اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری ہے آرام کی جگہ۔ کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اتارا گیا تیری طرف تیرے رب کی جانب سے حق ہے مانند ہے اس کے جو اندھا ہے۔ محض سمجھتے ہیں عقل والے وہ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے عہد کو اور وہ جو جوڑتے ہیں جو حکم دیا اللہ نے اس کے بارے میں کہ جوڑا جائے اس کو اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور خوف رکھتے ہیں برے حساب کا اور جنہوں نے صبر کیا تلاش میں اپنے رب کی خوشی کی اور قائم کیا نماز کو اور خرچ کیا اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو چھپا کر اور اعلانیہ اور دور کرتے ہیں بھلائی سے برائی کو۔ ان لوگوں کے لئے ہے آخرت کا گھر۔ جنتیں ہیں رہنے کو وہ داخل ہوں گے ان میں اور (داخل ہوں گے ان میں) جو نیک ہوئے ان کے باپ دادوں سے اور ان کی بیویوں سے اور ان کی اولاد سے اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازے سے (اور کہیں گے) سلامتی ہے تم پر بدلے اس کے جو تم نے صبر کیا۔ سو اچھا ہے آخرت کا گھر۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کا عہد بعد اس کی پختگی کے اور کاٹتے ہیں جو حکم دیا اللہ نے اس کے بارے میں کہ جوڑا جائے اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ ان لوگوں کے لئے ہے لعنت اور ان کے لئے ہے برا گھر۔ اللہ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے۔ اور یہ لوگ اترائے حیات دنیوی پر اور نہیں ہے حیات دنیوی آخرت کے مقابلہ میں مگر حقیر سامان۔

تفسیر: (جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مانا) اور ایمان و عمل صالح کو اختیار کیا (ان کے

لئے) دنیا و آخرت کی (بھلائی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہیں مانا) اور کفر و معصیت پر قائم رہے ان کی دنیا تو خیر جس طرح گزرے لیکن آخرت میں ان کی حالت ایسی پریشانی اور گھبراہٹ کی ہوگی کہ (اگر ان کے پاس تمام دنیا بھر کی چیزیں) موجود (ہوں اور اس کے ساتھ اسی قدر اور بھی) مال دولت (ہو تو) تمنا کریں گے کہ (یہ سب فدیہ میں دے دیں) اور اس پریشانی سے چھوٹ جائیں۔ (ان لوگوں کا برا) یعنی سخت (حساب ہوگا اور ان کا ٹھکانا) ہمیشہ کے لئے (جہنم ہے اور وہ آرام کی بری جگہ ہے)۔

مومن و کافر کا یہ الگ الگ انجام عقل و حکمت کے عین موافق ہے۔ آخر (کیا وہ شخص) جس کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں اور (جو یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو) اس علم و یقین سے محض (اندھا ہے) اور اس طرح عقل سے خالی ہے۔ ان باتوں کو تو (محض عقل والے ہی سمجھتے ہیں) اور یہ وہ ہیں (جو اللہ کے عہد کو) جو انہوں نے اس سے کیا ہے کہ ہم اس کے ہر حکم پر عمل کریں گے (پورا کرتے ہیں اور) نافرمانی کر کے اس کے (عہد کو توڑتے نہیں ہیں اور جو جن باتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو جوڑتے ہیں مثلاً رحمی رشتوں کو جوڑتے ہیں اور ایمان کے ساتھ نیک اعمال کو جوڑتے ہیں اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو جوڑتے ہیں (اور اپنے رب) کی عظمت و جلال کا تصور کر کے اس (سے ڈرتے رہتے ہیں اور برے) یعنی سخت (عذاب کا خوف کرتے ہیں) کہ آخرت میں جب ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا تو نہ جانے کیا صورت پیش آئے (اور جو اپنے رب کی رضا مندی کی تلاش میں) مصیبتوں پر (صبر کرتے ہیں) اور ان سے گھبرا کر راہ حق سے نہیں پھرتے (اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی) جیسا موقع ہوتا ہے (خرچ کرتے ہیں اور جو برائی کو بھلائی سے ٹالتے ہیں) مثلاً لوگوں کی بدسلوکی کا جواب حسن سلوک سے دیتے ہیں اور خود کوئی برائی کر بیٹھیں تو اس کے مقابلہ میں بھلا کام یعنی توبہ کرتے ہیں (ان ہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر یعنی ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں گے وہ بھی داخل ہوں گے اور) اس طرح جنت میں یہ سب اکٹھے رہیں گے اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے (ان کے پاس ہر) سمت کے (دروازہ سے فرشتے آئیں گے) اور کہیں گے (کہ تم پر) ہر آفت اور خطرہ سے (سلامتی ہے اس کے بدلہ میں جو تم نے) دین پر (صبر کیا) اور حق پر ثابت قدم رہے (سو) اس جہان (آخرت) میں تمہارا (گھر بہت اچھا ہے)۔

(اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کو جوڑنے کا حکم دیا ہے ان کو کاٹتے ہیں اور زمین میں) فتنہ و (فساد کرتے ہیں ان ہی لوگوں کے لئے لعنت) یعنی

اللہ کی رحمت سے دوری (ہے اور ان کے لئے) آخرت کا (برا گھر ہے)

کافروں کے اس انجام کے ذکر پر کوئی خیال کرے کہ دنیا میں تو ہم ان کو بہت خوشحال دیکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں بھی یہ خوشحال رہیں گے کیونکہ اگر اللہ ان سے ناراض ہوتے تو دنیا میں بھی ان کو خوشحالی نہ دیتے۔ اس خیال کے دفعیہ کے لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا کا معاملہ اور ہے اور آخرت کا اور ہے۔ آخرت میں دارومدار صحیح عقائد اور نیک اعمال پر رکھا ہے جب کہ دنیا میں (اللہ تعالیٰ) اپنی حکمت کے تقاضے سے (جس کے لئے چاہتے ہیں رزق کو کشادہ کرتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں) رزق کو (تنگ کرتے ہیں) اس میں حکمت کبھی تو آزمائش ہوتی ہے کہ دیکھیں کون تنگدستی کے باوجود راہ حق پر رہتا ہے اور کون کشادگی پا کر بہکتا ہے اور حکمت کبھی یہ ہوتی ہے کہ تنگدستی مومن کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ بنے اور کشادگی کافروں کے لئے ڈھیل ہو کہ (وہ دنیا کی زندگی) کے مال و دولت (پر اتراتے) اور اکڑتے (ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی حیات) کا سامان (تو محض حقیر سامان ہے)۔

ربط: آخر میں چند متعلقہ باتوں کو ذکر کرتے ہیں:

1- کافر کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسی عظیم الشان نشانی دکھاؤ جس کو دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں۔ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ
يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ ﴿۲۷﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ
قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ اَلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ
اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ
الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا

ترجمہ: اور کہتے ہیں کافر کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی بڑی نشانی اس کے رب کی جانب سے۔ کہہ دے اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع کرتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور چین پاتے ہیں ان کے دل اللہ کے ذکر سے۔ سنو اللہ کے ذکر ہی سے چین پاتے ہیں دل۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک خوشحالی ہے ان کے لئے اور اچھا ٹھکانا ہے۔ اسی طرح بھیجا ہم نے تجھ کو ایک امت میں گذر چکی ہیں اس سے پہلے بہت امتیں تا کہ پڑھے تو ان پر وہ جو وحی کی ہم نے تیری طرف اور وہ انکار کرتے ہیں رحمان کا۔ کہہ دے وہ میرا رب ہے نہیں ہے کوئی لائق عبادت مگر وہی اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا چلائے جاتے جس سے پہاڑ یا ٹکڑے ٹکڑے کی جاتی اس سے زمین یا گویائی دئے جاتے اس سے مردے بلکہ اللہ کے لئے ہے کام سب کا سب۔

تفسیر: (اور کافر کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی) کہ جس کو دیکھ کر ہم ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے کچھ ہٹا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دی جائے۔ اس کے جواب میں (آپ فرما دیجئے) کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی نشانیاں دکھا سکتے ہیں اور بہت سی نشانیاں وہ دکھا بھی چکے ہیں جن میں سے اکیلا قران ہی پیغمبر کی صداقت پر بڑی عظیم الشان نشانی ہے لیکن ان کو دیکھ کر بھی تم راہ حق کی طرف نہیں آئے تو معلوم ہوا (کہ اللہ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں) اور وہ تم جیسے لوگ ہیں جو اتنی بہت سی نشانیاں دیکھنے کے باوجود گمراہی میں رہنے کو پسند کرتے ہیں (اور جو اللہ کی طرف رجوع کرے تو اللہ اس کو اپنی طرف راہ دکھاتے ہیں) اور یہ (وہ لوگ) ہیں (جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں) اور (سنو) بات یہی ہے کہ (اللہ کی یاد سے ہی دل) حقیقی (چین پاتے ہیں) اور یہ بھی سن لو کہ (جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں خوشحالی ہے اور اچھا ٹھکانا ہے)۔

آخر ان لوگوں کو آپ کی صداقت پر کیا شبہ ہے جو مزید نشانیاں مانگتے ہیں حالانکہ آپ کوئی انوکھے رسول تو نہیں بھیجے گئے پہلے بھی رسول ہوتے آئے ہیں اور (اسی طرح ہم نے آپ کو) دنیا کی پہلی امت کی طرف نہیں بھیجا بلکہ (ایسی امت کی طرف بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں) اور ان

میں رسول بھی ہوئے اور جیسے وہ رسول اپنی امتوں پر اللہ کی آیتیں پڑھتے تھے اسی طرح ہم نے آپ کو بھی بھیجا (تاکہ آپ ان پر وہ) کتاب (پڑھیں جو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجی۔ اور) ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس کتاب کی اور اپنی رحمت کاملہ سے اس کو اتارنے والے رحمٰن کی قدر کرتے مگر انہوں نے سخت ناقدری کی اور قرآن کو ماننا تو کجا (وہ رحمٰن کو ماننے سے ہی منکر ہو گئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ) جس رحمٰن کا تم انکار کرتے ہو (وہ ہی میرا رب) یعنی میری تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والا (ہے) اور (اس کے علاوہ کوئی اور لائق عبادت نہیں) اور لائق عبادت وہی ہوتا ہے جس کے اندر تمام صفات کمال پائی جاتی ہوں تو (میں نے اسی پر بھروسہ کرلیا) لہٰذا تمہارے انکار و تکذیب سے مجھے کسی ضرر کا خوف نہیں ہے (اور) امداد و اعانت کے لئے (اسی کی طرف میرا رجوع ہے)۔

اور آپ فرما دیجئے کہ اگر تم قرآن کا انکار کرتے ہو جس نے روحانی طور سے کفر پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے بہت سے لوگوں کو ہلا دیا اور لوگوں کے دلوں کی زمین کو پھاڑ کر ان میں معرفت الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے تو کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ تمہارے سامنے (اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا) جو تمہیں وہ سب چیزیں دکھا دیتا جن کی تم فرمائش کرتے ہو مثلاً (اس کے ذریعہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ سے زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جاتی یا اس کے ذریعہ سے مردوں کو گویائی دی جاتی) اور وہ باتیں کرتے تب بھی تم لوگ ایمان نہ لاتے کیونکہ تم حق کو قبول کرنے کی خواہش ہی نہیں رکھتے (بلکہ اپنی ضد اور سرکشی میں پکے ہو اور اصل بات یہ ہے کہ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے سمیت (سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں) وہ ایسے ناقدروں اور سرکشوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

2- کافر جو اپنے فرمائشی معجزوں پر اصرار کرتے تھے اس سے مسلمانوں کو اور خود رسول اللہ ﷺ کو بھی خیال ہوتا تھا کہ اگر ان کی فرمائش پوری کر دی جائے تو شاید یہ ایمان لے آئیں اس لئے آگے ان کو سمجھاتے ہیں۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا تُصِیۡبُهُمۡ
بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِیۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰی یَاۡتِیَ
وَعۡدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ
مِّنۡ قَبۡلِكَ فَاَمۡلَیۡتُ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۟ فَکَیۡفَ
کَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

ترجمہ: تو کیا دلجمعی نہیں ہوئی ایمان والوں کو (اس پر) کہ اگر چاہتا اللہ تو ہدایت پر لگا دیتا لوگوں کو سب کے سب کو اور مسلسل کافروں کو پہنچتی رہے گی بسبب ان کے کردار کے آفت یا اترتی رہے گی قریب ان کے گھر سے یہاں تک کہ آ پہنچے اللہ کا وعدہ۔ بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ کا۔ اور استہزاء کیا جا چکا رسولوں سے تجھ سے پہلے سو ڈھیل دی میں نے کافروں کے لئے پھر پکڑا میں نے ان کو سو کیسی تھی میری سزا۔

تفسیر: (کیا ایمان والوں کو) اس بات سے (دلجمعی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہتا تو) ایک بھی نشانی دکھائے بغیر دنیا بھر کے (سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا)۔ لیکن یہ اس کی عادت وحکمت کے خلاف ہے۔ اس نے انسان کو کسب واختیار کی آزادی بھی دی ہے (اور) آفاق وانفس میں حق کی بے شمار نشانیاں بھی رکھ دی ہیں تا کہ جو چاہے ان سے فائدہ اٹھائے۔ اس کے بعد کیا ضرورت رہ گئی ہے کہ ان کی فرمائشیں پوری کی جائیں۔ علاوہ ازیں یہ کافر فرمائشی نشانیوں کو دیکھ کر بھی ماننے والے نہیں یہ تو اس طرح مانیں گے کہ (ان کے) برے (کردار کی وجہ سے مسلسل کوئی آفت) ومصیبت خود (ان پر پڑتی رہے یا ان کے گھر کے قریب) آس پاس والوں (پر پڑتی رہے) جسے دیکھ کر یہ عبرت حاصل کریں مثلاً جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے کچھ قتل ہوں اور کچھ قید کئے جائیں اور کچھ دوسری طرح کے مصائب کا شکار ہوں اور یہ سلسلہ چلتا رہے (یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ) پورا ہو کر (آ پہنچے) یعنی مکہ فتح ہو اور جزیرہ عرب شرک کی گندگی سے صاف ہو۔ (بے شک اللہ) اپنے (وعدہ کے خلاف نہیں کرتا) وہ پورا ہو کر رہے گا۔

اور اے رسول آپ بھی ایسا خیال مت کیجئے کیونکہ آپ سے ان کی فرمائشیں تو آپ کے ساتھ ان کا محض تمسخر اور استہزاء ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں (آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا جا چکا ہے) اور ان سے بھی فرمائشیں کی جا چکی ہیں لیکن چونکہ وہ ماننے کی خواہش ہی نہ رکھتے تھے (تو میں نے پہلے (ان کو ڈھیل دی پھر) جب (میں نے ان کو پکڑا تو) دیکھ لو (میری سزا کیسی تھی)۔

3- کافروں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے شرک وکفر کی وجہ سے ان کو جہنم میں ڈالیں گے وہ چھوٹ نہیں سکتے۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى

الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مِنْ هَادٍ ۝۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵

ترجمہ: کیا جو کھڑا ہے ہر شخص پر اس کے عمل کے ساتھ اور بنائے انہوں نے اللہ کے لئے شریک۔ تو کہہ دے کہ ان کے نام لو۔ کیا تم خبر دیتے ہو اس (اللہ) کو اس کی جو وہ نہیں جانتا زمین میں یا (شریک کہتے ہو) ظاہری بات میں۔ بلکہ مزین کر دیا گیا کافروں کے لئے ان کا فریب اور وہ روک دیئے گئے راہ سے۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تو نہیں ہے اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا۔ ان کے لئے عذاب ہے حیات دنیوی میں اور البتہ آخرت کا عذاب بہت سخت ہے اور نہیں ہے ان کے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی بچانے والا۔ حال اس جنت کا جس کا وعدہ دئے گئے ہیں متقی لوگ (یہ ہے کہ) بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں اس کا پھل دائمی ہے اور اس کا سایہ (بھی دائمی ہے) یہ انجام ہے متقیوں کا اور انجام کافروں کا آگ ہے۔

تفسیر: (کیا جو) خدا (ہر شخص کے) ہر (عمل پر) ہر وقت نگرانی کے لئے (کھڑا ہے اور) ایک لمحہ کسی سے غافل نہیں ہوتا اور ذرا کوئی شرارت کرے اسی وقت اس کو سزا دے سکتا ہے کیا مجرم اس سے چھوٹ کر بھاگ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات سننے کے باوجود (ان) مخالف (لوگوں نے خدا کے لئے شریک ٹھہرا لئے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ذرا ان) شریکوں کے (نام) اور ان کی حقیقت (تو بتاؤ)۔ وہ کون حیا دار ہوگا جو پتھر کی مورتیوں کا نام لے سکے؟ آپ ان سے کہئے کہ (کیا) ان پتھر کی مورتیوں کو شریک ٹھہرا کر (تم اللہ کو وہ بات بتاتے جو وہ نہیں جانتا) کہ (زمین میں) اس کے شریک ہیں کیونکہ حقیقت میں جب اس کے شریک ہیں ہی نہیں تو ان کے ہونے کو وہ کیسے جان سکتا ہے (یا) تم ان کو (محض ظاہری بات میں) شریک بتاتے ہو جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر یہ شرک کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے شریک ٹھہرانے کی کچھ بنیاد تو ہوگی بلکہ

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان (کافروں کے لئے ان کا مکر وفریب مزین کر دیا گیا ہے اور) اس کے نتیجہ میں (ان کو راہ حق سے روک دیا گیا ہے اور) ضابطہ یہ ہے کہ (جس کو اللہ گمراہ کر دے) اس وجہ سے کہ اس نے اپنے اختیار سے اپنے اوپر ہدایت کے دروازے بند کر دیئے (تو اس کے لئے کوئی راہ دکھانے والا نہیں) ہوسکتا۔ (ان) کافروں (کے لئے دنیوی زندگی میں) بھی (عذاب) وسزا (ہے اور آخرت کا عذاب) اس کے علاوہ ہے جو (بڑا سخت ہے اور ان کو اللہ سے کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا)۔ اس کے برعکس (وہ جنت جس کا وعدہ متقی لوگ دیئے گئے ہیں اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ انجام ہے متقیوں کا جب کہ کافروں کا انجام دوزخ ہے)۔

4-رسول اللہ ﷺ کو نصیحت فرمائی کہ کوئی مانے یا نہ مانے آپ کے ذمہ جو کام ہے وہ آپ کرتے رہئے۔

وَالَّذِيْنَ

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ
مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ
بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝٣٦ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا
عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ
مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝٣٧ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا
مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ
اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝٣٨ يَمْحُوا اللّٰهُ
مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝٣٩ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ
بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝٤٠ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا

مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ
يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى
الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ
شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ دی ہم نے جن کو کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو نازل کیا گیا تیری طرف اور گروہوں میں سے کچھ انکار کرتے ہیں اس کے بعض حصہ کا۔ تو کہہ دے یہی حکم دیا گیا ہوں میں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ شریک کروں اس کے ساتھ۔ اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔ اور اسی طرح نازل کیا ہم نے اس کو حکم عربی زبان میں اور اگر تو پیروی کرے ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آ پہنچا تجھ کو علم نہیں ہے تیرے لئے اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی اور نہ بچانے والا۔ اور بھیج چکے ہیں ہم رسول تجھ سے پہلے اور بنائیں ہم نے ان کے لئے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں تھا رسول کے لئے کہ لائے کوئی نشانی مگر اللہ کی اجازت سے۔ ہر وعدہ کی تحریر ہے۔ مٹاتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اسی کے پاس ہے ام الکتاب۔ اور اگر ہم دکھائیں تجھ کو کچھ وہ جو ہم وعدہ دیتے ہیں ان کو یا ہم وفات دے دیں تجھ کو تو محض ہے تجھ پر پہنچا دینا اور ہم پر ہے حساب لینا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم آتے ہیں زمین پر گھٹاتے ہوئے اس کو اس کے اطراف سے۔ اور اللہ حکم کرتا ہے، نہیں کوئی پیچھے کرنے والا اس کے حکم کو اور وہ تیز حساب (لینے) والا ہے۔ اور تدبیر کی ہے لوگوں نے ان سے پہلے تو اللہ کے لئے ہے تدبیر سب کی سب۔ وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر شخص اور جلد جان لیں گے کافر کس کے لئے ہے انجام دار آخرت کا۔ اور کہتے ہیں کافر نہیں ہے تو بھیجا ہوا۔ تو کہہ دے کافی ہے اللہ گواہ میرے اور تمہارے درمیان اور وہ جس کے پاس ہے کتاب کا علم۔

تفسیر: (اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب) یعنی تورات اور انجیل (دی) تھی اور پھر وہ حق

پرست اور اہل انصاف بھی ہیں (وہ اس) قرآن سننے (پر جو آپ کی طرف نازل کیا گیا خوش ہوتے ہیں) کیونکہ اس میں ان کی کتابوں کی تصدیق اور ان کے انبیاء کی تعریف و تعظیم ہے۔ یہی لوگ پھر مسلمان ہوئے۔ (اور) ان ہی کے (گروہوں میں سے) یعنی یہود و نصاری میں سے (کچھ وہ ہیں جو اس) قرآن (کے) ان (بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں) جن میں تورات و انجیل میں کی گئی ان کی تحریف و تبدیلی کا ذکر ہے یا ایسے احکام ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف ہیں۔ (آپ فرما دیجئے) کہ کوئی خوش ہو یا ناخوش ہو (مجھے تو بس یہی حکم ہوا ہے کہ میں) اپنے ذمہ کا کام کئے جاؤں یعنی ایک تو (اللہ کی عبادت کئے جاؤں اور دوسرے اس کے شریک نہ ٹھہراؤں) تیسرے (اسی کی طرف ساری دنیا کو (دعوت دیتا رہوں۔ اور) چوتھے اس بات کو پیش نظر رکھوں کہ اللہ ہی کے ہاتھ میں میرا انجام ہے اور (اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے) لہٰذا کسی کے انکار اور کسی کی مخالفت کی مجھے پروا نہیں۔ (اور) جیسے پہلے تورات و انجیل وغیرہ اتاری گئیں (اسی طرح) اس وقت (ہم نے) آپ پر (یہ) قرآن (اتارا ہے) اس طور پر کہ یہ حق و باطل کے درمیان (حکم کرنے والا) ہے اور آپ کی اپنی (عربی زبان میں) ہے تو آپ کسی کے انکار و ناخوشی کی کچھ پروا نہ کیجئے اور قرآن کی پیروی کرتے رہئے (اور اگر) بالفرض (آپ اپنے پاس) قرآن کا (علم آنے کے بعد ان) منکرین (کی خواہشات کے پیچھے چلے تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ہوگا اور) آپ کوئی انوکھے نہیں بھیجے گئے بلکہ (آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان کی بیویاں اور اولاد بھی بنائی)۔ وہ ہر حال میں اللہ کے حکموں کے پابند رہے لہٰذا آپ بھی اسی کے حکموں کے پابند رہئے۔ (اور کسی بھی رسول کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لا سکے) آپ کا معاملہ بھی اس کے موافق ہے لہٰذا کافروں کی فرمائشوں سے تنگ دل نہ ہوں۔ اگر یہ نہ مانیں گے تو اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ ان کی پکڑ ہوگی اور اللہ کے ہاں لوح محفوظ میں (ہر وعدہ کی تحریر ہے) اور سارا اختیار تو بس اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے (وہ) اپنی حکمت کے موافق (جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے)۔ اس قاعدے کے تحت وہ جس قوم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس قوم کو چاہتا ہے اس کی جگہ جما دیتا ہے۔ لہٰذا آج اگر کافر غلبہ میں ہیں تو اللہ تعالیٰ کل ان کی جگہ مسلمانوں کو دے سکتا ہے۔ (اور) خود لوح محفوظ میں جو کچھ تحریر و ریکارڈ ہے اس کا ماخذ (ام الکتاب) ہے جو (اللہ تعالیٰ کے پاس ہے) اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے جو ایک ایک ذرہ کا احاطہ کئے ہوئے

ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ ذرے ذرے پر کامل اختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کا کامل علم بھی رکھتے ہیں لہٰذا کافر کسی طرح سے بچ نہیں سکتے۔

(اور جو وعدہ ہم نے ان سے کیا ہے اگر اس میں سے کچھ ہم آپ کو دکھا دیں) یعنی آپ کی زندگی میں کچھ عذاب ان پر آ پڑے (یا) اس سے پہلے (ہم آپ کو وفات دے دیں) اور وہ عذاب آپ کی وفات کے بعد ظاہر ہو ہمیں دونوں باتوں کا اختیار ہے آپ کو اس کے نازل ہونے کی فکر نہ کرنی چاہئے (آپ کے ذمہ تو صرف) دین کی بات (پہنچا دینا ہے اور) ان کا (حساب ہمارے ذمہ ہے) ہمارے علم میں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ وقت آئے گا عذاب ضرور نازل ہوگا اور عذاب کی تمہید تو یہ کافر خود دیکھ رہے ہیں (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم) فتح اسلام کے ذریعہ سے ان کی (زمین کو چاروں طرف سے برابر کم کرتے چلے آتے ہیں) یعنی سرزمین مکہ کے آس پاس اسلام کا اثر پھیلتا جاتا ہے اور بڑے بڑے قبائل اور اشخاص کے دلوں پر اسلام کا سکہ بیٹھ رہا ہے اور جنگوں میں مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے (اور اللہ) جو چاہتا ہے (حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ہٹانے والے نہیں اور وہ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے) جب حساب کا وقت آتا ہے تو پھر کچھ دیر نہیں لگتی۔ (اور) یہ کافر جو رسول اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں تو ان سے کچھ نہیں ہوتا چنانچہ (ان سے پہلے جو کافر لوگ ہو چکے انہوں نے) بھی دین حق کی مخالفت میں بڑی بڑی (تدبیریں کیں تو) کچھ بھی نہ ہوا کیونکہ (سب تدبیر تو خدا ہی کے لئے ہے) کہ اس کے ارادے اور حکم کی پابند ہے وہ نہ چاہے تو سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جائیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کافروں کی سب تدبیروں کا بخوبی علم بھی ہے کیونکہ (جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کو سب کا علم ہے اور) پھر جب وہ ان کے کئے کی سزا دے گا تو (کافر جان لیں گے کہ دار آخرت کا نیک انجام کس کے لئے ہے) کافروں کے لئے یا ایمان والوں کے لئے یعنی جلد ان کو اپنی بد انجامی نظر آ جائے گی (اور) اس کے باوجود بھی (کافر) اگر یہی (کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے) رسول (نہیں ہیں تو آپ فرما دیجئے کہ) تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے (میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے) کہ اس نے اپنے کلام اور قرآن میں اس کی گواہی دی ہے (اور وہ) لوگ بھی کافی گواہ ہیں (جن کو کتاب) الٰہی (کا) صحیح صحیح (علم ہے) اگرچہ وہ تورات وانجیل وغیرہ ہی ہوں کیونکہ ان میں میری نبوت و رسالت کے بارے میں بہت واضح پیشینگوئیاں موجود ہیں۔

سورہ ابراہیم

ربط: پچھلی سورت کا آخری مضمون رسالت سے متعلق تھا کہ یہ منکرین آپ کی رسالت کا انکار کرتے ہیں لیکن آپ کی رسالت پر اللہ تعالیٰ اور اہل علم کافی گواہ ہیں۔ رسالت بھی ہدایت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ اس کی مناسبت سے آگے ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کے تمام ہی اسباب مہیا کرتے ہیں آگے لوگوں کا اختیار ہے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا نہیں۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۵۲ - رُكُوْعَاتُهَا ۷

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ
عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢ اِۨلَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ
وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ
ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝٣ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ
لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۗ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤

ترجمہ: الٓرٰ یہ کتاب ہے اتارا ہم نے اس کو تیری طرف تاکہ تو نکالے لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف ان کے رب کے حکم سے راستہ کی طرف اس زبردست، خوبیوں والے اللہ کے جس کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہلاکت ہے کافروں کے لئے یعنی سخت عذاب ہے جو کہ ترجیح دیتے ہیں حیات دینوی کو آخرت پر اور روکتے ہیں اللہ

کے راستہ سے اور تلاش کرتے ہیں اس میں کجی کو۔ یہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تا کہ سمجھائے ان کو۔ پھر گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور وہ ہے زبردست حکمت والا۔

تفسیر: (الٓر)۔ ہم نے ہدایت کے تمام ہی اسباب مہیا کئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو (یہ کتاب) یعنی قرآن (ہے جس کو ہم نے) آپ کو ہدایت کا دوسرا سبب یعنی رسول بنا کر (آپ کی طرف نازل فرمایا ہے تا کہ آپ) اس کے ذریعہ سے تمام (لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے) کفر کی (تاریکیوں سے) نکال کر ایمان و ہدایت کی (روشنی کی طرف یعنی زبردست اور خوبیوں والے اللہ کی راہ کی طرف لائیں) جو ایسا خدا ہے (کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملکیت ہے۔ اور جو لوگ) اللہ تعالیٰ کے مہیا کردہ ہدایت کے ان دو بڑے اسباب کی ناقدری کرتے ہیں اور (کفر اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے) اور یہی لوگ ہیں (جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور) اسی کی محبت میں غرق رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی دنیا کی محبت میں پھنسا کر (اللہ تعالیٰ) کی خوشنودی (کے راستہ سے روکتے ہیں اور) اپنے کو معذور جاننے اور مسلمانوں کو الزام دینے کی خاطر اللہ کے (اس) راستے (میں کجی) یعنی شبہ اور عیب (کو تلاش کرتے ہیں یہ لوگ بڑی (دور کی گمراہی میں ہیں) یعنی وہ گمراہی جو حق سے بہت دور ہے اس وجہ سے ان کے راہ حق پر لگ جانے کی توقع نہیں۔ اور ہدایت کا تیسرا سبب ہم نے یہ مہیا کیا ہے کہ رسول اس کو بنایا ہے جو قوم کی زبان بولتا ہے (اور) یہ بات ہم نے ہر قوم کے لئے رکھی ہے اس لئے (ہم نے جو بھی رسول بھیجا ان ہی کی قوم کی زبان میں) پیغمبر بنا کر (بھیجا تا کہ وہ ان کو) ان ہی کی زبان میں خدائی احکام (سمجھائیں)۔ تبیین و ہدایت کے سارے سامان مکمل کر دینے کے بعد پھر جو ان سے نفع نہ اٹھائے اور راہ حق کو اختیار کرنے کا ارادہ نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ایسے کو زبردستی ہدایت نہیں دیتے اور اس کو اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ ے رکھتے ہیں۔ اور جو راہ حق کو اختیار کرنے کا عزم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو راہ حق پر ڈال دیتے ہیں۔ اسی مضمون کو آگے یوں بیان کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور وہ زبردست ہیں)۔ چاہتے تو سب کو زبردستی ہدایت پر لگا دیتے لیکن وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) اور ان کی حکمت کا تقاضا ہے کہ کسب واختیار کی ایک حد تک آزادی دے کر لوگوں کو آزمائیں۔

ربط: ہدایت کے اسباب جیسے اب مہیا کئے ہیں ایسے پہلی قوموں کے لئے بھی مہیا کئے ان میں ایک مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ
اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾ وَاِذْ قَالَ
مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ
اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾ ع
وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ
اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ
فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۸﴾

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں کے ساتھ کہ نکال اپنی قوم کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور یاد دلا ان کو اللہ کے دن۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں واسطے ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے۔ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ کا انعام اپنے اوپر جب اس نے نجات دی تم کو فرعون والوں سے جو پہنچاتے تھے تم کو سخت تکلیف اور ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں امتحان تھا تمہارے رب کی طرف سے بڑا۔ اور جب اطلاع دی تمہارے رب نے کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں زیادہ دوں گا تم کو اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب سخت ہے۔ اور کہا موسیٰ نے کہ اگر ناشکری کرو تم اور جو ہیں زمین میں سب کے سب تو بلاشبہ اللہ بے احتیاج ہے خوبیوں والا ہے۔

تفسیر: (اور ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو اپنی) کتاب تورات کی (آیتیں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو) کفر اور معاصی کی (تاریکیوں سے) ایمان و طاعت کی (روشنی کی طرف نکالو اور ان کو اللہ کے) ان (دنوں) کے واقعات (کی یاد دلاؤ) جب ان پر مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات دی اور مہربانی فرمائی کیونکہ (بلاشبہ) مصیبت اور مہربانی (ان) دونوں ہی قسم کے حالات کو سننے (میں صابر و شاکر بندوں کے لئے) یہ عبرت بھری (نشانیاں ہیں) کہ مصیبت کے وقت

گھبرانا اور راحت کے وقت اترانا نہیں چاہئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے حکم کے موافق اپنی قوم کو تبلیغ کی۔ (اور) اس بارے میں وہ وقت یاد کرو (جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اپنے اوپر) کئے گئے (اللہ تعالیٰ کے انعام) واحسان (کو یاد کرو جب اس نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی جو تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں) کو یعنی لڑکیوں کو کہ وہی بڑی ہو کر عورتیں بنتی تھیں (زندہ چھوڑ دیتے تھے) تاکہ جب وہ بڑی ہو جائیں تو ان سے خدمت لیں (اور اس) مصیبت اور نجات دونوں (میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی) کیونکہ راحت وتکلیف دونوں حالتوں میں بندے کے صبر وشکر کی آزمائش ہوتی ہے۔ (اور) موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت (یاد کرو جب تمہارے رب نے) میرے ذریعہ سے (تم کو اطلاع دی کہ اگر) احسان مان کر دل وزبان سے (تم) میری نعمتوں کا (شکر ادا کرو گے تو تم کو اور زیادہ) نعمتیں (دوں گا) جسمانی وروحانی بھی اور دنیوی واخروی بھی (اور اگر تم ناشکری کرو گے تو) یہ سمجھ لو کہ (میرا عذاب یقیناً بڑا سخت ہے) ناشکری کی پاداش میں وہ تم پر بھی آسکتا ہے۔ (اور موسیٰ علیہ السلام (نے) یہ بھی (فرمایا کہ اگر تم اور جتنے آدمی زمین میں ہیں سب کے سب) مل کر بھی (ناشکری کرنے لگو تو) اس میں اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ (اللہ تعالیٰ تو بے احتیاج ہیں خوبیوں والے ہیں) ہاں تمہارا نقصان ہے تو تم ناشکری مت کرنا۔

ربط: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال کے بعد اب بعض اور رسولوں کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا مذکور ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا

اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ
بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ
بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ
اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ
مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ
آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن
نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ
وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى
اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَ
عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿١٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُم مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ
فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ
الْأَرْضَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ
وَعِيدِ ﴿١٤﴾ وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ مِّن وَرَائِهِ
جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ
وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ ۖ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ وَمِن وَرَائِهِ
عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٧﴾

ترجمہ: کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے مثلاً قوم نوح اور عاد
اور ثمود اور جو ہوئے ان کے بعد۔ نہیں جانتا ان کو مگر اللہ۔ آئے ان کے پاس ان کے رسول کھلی
آیتیں لے کر تو لوٹا لئے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں اور بولے بے شک ہم نے انکار کیا
اس کا جو بھیجے گئے ہو تم جس کے ساتھ اور یقیناً ہم شک میں ہیں اس سے تم بلاتے ہو ہمیں جس کی
طرف تردد میں ڈالنے والے۔ کہا ان کے رسولوں نے کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو پیدا

کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ وہ بلاتا ہے تم کو تا کہ بخشے تم کو تمہارے گناہوں سے اور ڈھیل دے تم کو ایک مدت مقررہ تک۔ (قوم کے لوگ) بولے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے۔ تم چاہتے ہو کہ تم روک دو ہم کو اس سے جس کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادے تو تم لے آؤ ہمارے پاس کوئی دلیل کھلی ہوئی۔ کہا ان سے ان کے رسولوں نے نہیں ہیں ہم مگر بشر تم جیسے و لیکن اللہ احسان کرتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور نہیں ہے ہمارے لئے کہ ہم لائیں تمہارے پاس کوئی دلیل کھلی ہوئی مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔ اور کیا ہوا ہم کو کہ ہم بھروسہ نہ کریں اللہ پر حالانکہ اس نے بتا دئے ہم کو ہمارے راستے۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے اس پر جو تم ایذاء دیتے ہو ہم کو اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے بھروسہ کرنے والوں کو۔ اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں سے ہم ضرور نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں۔ تب وحی کی ان کی طرف ان کے رب نے کہ ہم ضرور ہلاک کر دیں گے ظالموں کو اور ہم ضرور آباد کریں گے تم کو زمین میں ان کے بعد۔ یہ ہے اس کے لئے جو ڈرا میرے سامنے کھڑا ہونے سے اور ڈرا میری دھمکی سے۔ اور سب فیصلہ طلب کرنے لگے اور نامراد ہوا ہر سرکش ضدی۔ اس کے پیچھے جہنم ہے اور پلایا جائے گا اس کو پیپ والا پانی۔ گھونٹ گھونٹ پئے گا اس کو اور قریب نہ ہو گا کہ حلق میں اتار سکے اس کو اور آئے گی اس پر موت ہر طرف سے اور نہ ہو گا وہ مرنے والا اور اس کے پیچھے ہو گا عذاب سخت۔

تفسیر: اے کفار مکہ (کیا تم کو ان لوگوں) کے واقعات (کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے) ہوئے (تھے) مثلاً (قوم نوح اور عاد) یعنی قوم ہود (اور ثمود) یعنی قوم صالح جو عرب والوں کے ہاں مشہور تھیں (اور جو) لوگ (ان کے بعد ہوئے جن) میں سے بہت سوں (کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا)۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں ان کا کچھ نہ کچھ علم تو ہے اور تمہیں یہ بھی علم ہے کہ ان اقوام کا کیا حشر ہوا۔ پھر تعجب ہے کہ ان اقوام کی تباہی سے تم نے کچھ عبرت حاصل نہیں کی۔ ہم تمہیں ان کی تباہی کا سبب بتاتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ہم نے ان کی ہدایت کے اسباب مہیا کئے اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی آیتیں لے کر آئے تو ان لوگوں نے) ان کی قدر نہ کی اور (اپنے ہاتھ اپنے منہ میں لوٹا لئے) یعنی اپنے ہاتھ منہ کی طرف لے جا کر اشارہ کیا کہ بس چپ رہو (اور کہا کہ جو تعلیمات دے کر تم) اپنے دعوے کے مطابق (بھیجے گئے ہو ہم ان) کو نہیں مانتے اور ان (کا انکار کرتے ہیں اور جس) ایمان و توحید (کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہمیں تو اس میں تردد میں ڈالنے والا شک ہے۔ ان کے رسولوں نے) جواب میں (کہا کہ) ارے تمہیں (اللہ کے بارے میں شک ہے) حالانکہ اس کی ہستی ایسی نہیں جس میں شک وشبہ کی

ذرا بھی گنجائش ہو۔ اول تو خود انسانی فطرت خدا کے وجود پر گواہ ہے دوسرے اس کائنات میں ماہرانہ کاریگری اور حیرتناک ترتیب و نظام اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اس کو بنانے اور چلانے والی بڑی علیم وحکیم اور قدیر ذات ہے۔ غرض جب یہ بات واضح ہے کہ اللہ ہی ہے (جو آسمانوں کو اور زمین کو) اور انسان سمیت ان میں موجود ہر چیز کو (پیدا کرنے والا ہے) تو اس کے وجود میں شک کی گنجائش کہاں رہی۔ اور پھر (وہ) ہی اللہ دراصل اپنی کمال مہربانی سے (تمہیں) ہمارے ذریعہ سے اپنی طرف (بلاتا ہے تاکہ) توحید و ایمان کو اختیار کر کے تم اس کی مرضی کے رستہ پر لگ جاؤ اور (وہ تمہارے) گزشتہ دور کفر کے (گناہ بخش دے اور) تمہاری عمر کی (مقرر مدت تک تمہیں) زندگی کی (مہلت دے) جس میں تم مزید نیک اعمال کر کے مزید بلند درجے حاصل کر لو۔ لیکن وہ لوگ اپنے انکار پر اڑے رہے اور (انہوں نے کہا) کہ تم نہ تو فرشتے ہو اور نہ کوئی اور افضل مخلوق ہو بلکہ (تم تو محض ہمارے جیسے بشر ہو) پھر ہم تمہیں خدا کا پیغمبر کس طرح یقین کر لیں اور (تم) جو یہ (چاہتے ہو کہ ہمارے باپ دادے جن کی عبادت کرتے تھے ان سے ہمیں روک دو) یعنی ہمیں ہمارے قدیم مذہب سے ہٹا کر اپنے خیالات و افکار کا تابع بنا لو تو تسلی رکھو ایسا نہیں ہوگا البتہ اگر تمہیں اپنے دعوائے رسالت میں اب بھی اصرار ہے (تو) پھر ہماری مرضی کے موافق (ہمارے پاس کوئی کھلی نشانی لے آؤ۔ ان کے رسولوں نے ان کو) جواب میں (کہا) کہ تمہارا یہ کہنا تو درست ہے (کہ ہم تم جیسے ہی بشر ہیں لیکن) یہ سمجھنا کہ بشر اللہ کا پیغمبر نہیں ہوسکتا یہ درست نہیں اللہ کو اس بات سے کیا رکاوٹ ہے کہ وہ کسی بشر کو اپنا رسول بنا دے اور (اللہ) فطری قابلیت اور اعلیٰ اخلاق والے (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں احسان کرتے ہیں اور) نبوت و رسالت عطا فرماتے ہیں۔ رہی بات کھلی نشانی لانے کی تو خدا کے حکم سے ہم اپنی نبوت کی روشن نشانیاں پہلے ہی دکھا چکے ہیں جو آدمی ماننا چاہے اس کے اطمینان کے لئے وہی بہت ہیں۔ رہا تمہاری فرمائشی نشانیاں دکھلانا تو یہ جان لو کہ (ہمیں اختیار نہیں کہ ہم تمہارے پاس کوئی) بھی (نشانی) اپنے پاس سے اور (اللہ کے حکم کے بغیر لا سکیں)۔ لہٰذا اپنی فرمائشی نشانیوں کی تم ہم سے کوئی توقع نہ رکھو۔ اس جواب اور وضاحت کے بعد بھی اگر تم ہم سے عداوت رکھو اور ہمیں تکلیفیں پہنچانے میں لگے رہو تو جان لو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی امداد اور مہربانی پر بھروسہ کرتے ہیں (اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اور ہم اللہ پر کیوں بھروسہ نہ کریں جب کہ) وہ ہمارا ہمدرد و خیر خواہ ہے (اس نے ہمیں) ہماری کامیابی کے (راستے دکھائے ہیں) جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مخالفوں کی ایذاء رسانی پر صبر کرو گے (اور) اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو گے تو دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہوگی لہٰذا اب تم ہمیں کتنی ہی تکلیف دو (ہم تمہاری ایذاء رسانی پر صبر ہی کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو تو بس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے)

کیونکہ (اور) کوئی بھی ذات بھروسہ کرنے کے لائق نہیں ہے۔ رسولوں کی اس ساری گفتگو کا (کافروں) پر کچھ اثر نہ ہوا اور انہوں (نے اپنے رسولوں سے کہا کہ) تم اپنے توکل وغیرہ کو رہنے دو اور زیادہ بزرگی مت جتاؤ۔ بس اب دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی (یا تو ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے) اور جلاوطن کر دیں گے (یا تم) بعثت سے پہلے کی طرح چپ چاپ ہم میں مل کر رہو گے اور تم خود بھی اور جن کو تم نے بہکایا ہے وہ (سب ہمارے) پرانے (دین میں واپس آؤ گے۔ تب ان) رسولوں (کے رب نے) ان کی تسلی کے لئے (ان کی طرف وحی کی کہ) یہ تو تم کو کیا نکالیں گے (ہم) ہی (ان ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد تم کو اس سرزمین میں آباد کریں گے) اور اس کامیابی کا (یہ) وعدہ کوئی تمہارے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر (اس شخص کیلئے) عام (ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور) عذاب کی (میری دھمکی سے خوف کرے) اس سے مراد سچا پکا مسلمان ہے۔ (اور کافر) چونکہ اپنے کفر اور جہل میں غرق تھے اس لئے اس بات سے بھی نہ ڈرے بلکہ انتہائی بے باکی سے (فیصلے مانگنے لگے اور) کہنے لگے کہ جلد عذاب لے آؤ لیکن جب وہ فیصلہ آیا تو (ہر سرکش اور ضدی شخص اس فیصلہ سے دنیا و آخرت میں (نامراد ہوا)۔ دنیا میں اس طرح کہ دنیا کی جو فتح و کامیابی وہ چاہتے تھے اس کے بجائے وہ تباہ و برباد ہوئے اور آخرت میں اس طرح کہ (اس) دنیا کی بربادی (کے بعد دوزخ کا عذاب (ہے اور) دوزخ میں ایسے) ہر شخص (کو پیپ والا پانی پینے کو دیا جائے گا جس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا) کیونکہ اس کی کراہت کی وجہ سے اس کے پینے پر طبیعت آمادہ نہ ہوگی لیکن پیاس کی شدت پینے پر مجبور بھی کرے گی (اور) اس طرح پینے کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ سخت گرم ہونے کی وجہ سے (اس کو آسانی سے گلے سے نیچے نہ اتار سکے گا اور) اس کا پینا ایسا ہوگا گویا (ہر طرف سے اس پر موت آ رہی ہے اور) سخت اذیت ہوگی لیکن (وہ) کسی طرح (مرے گا نہیں) بلکہ یونہی سسکتا رہے گا۔ (اور) پھر یہ بھی نہیں کہ مذکورہ عذاب ایک ہی حالت پر رہے کہ بالآخر (اس) کی عادت سی پڑ جائے بلکہ ایک عذاب (کے بعد اور سخت عذاب ہوگا) اور سخت سے سخت تر عذاب کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔

ربط: کافروں کے اخروی عذاب سے متعلق آگے چند وضاحتیں کرتے ہیں

1- آخرت میں کافروں کے نیک اعمال عذاب سے نجات نہ دلا سکیں گے

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

اِِۨشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا

عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: حال ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کا ان کے عمل ہیں مثل راکھ کے، زور سے چلی جس پر ہوا تیز آندھی کے دن۔ نہیں قادر ہوں گے اس میں سے جو انہوں نے عمل کئے کسی عمل پر۔ یہی ہے گمراہی دور کی۔

تفسیر: بعض لوگوں کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ آخر کافر بھی دنیا میں بہت سے اچھے کام کرتے ہیں مثلاً صدقہ خیرات کرتے ہیں، مصیبت زدوں کے کام آتے ہیں، خوش اخلاقی اختیار کرتے ہیں اور کسی نہ کسی عنوان سے خدا کی عبادت کرتے ہیں کیا یہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اس کا جواب اس مثال میں دیا کہ (جن لوگوں نے اپنے) حقیقی (رب کا کفر کیا) اگر اس طرح سے کہ خدا کا سرے سے انکار ہی کر دیا تب تو بات واضح ہے اور اگر اس طرح کہ جس طرح سے وقت کے رسول نے بتایا ہے اس طرح سے نہیں مانا مثلاً جیسے عیسائی ہیں کہ وہ خدا کو بھی مانتے ہیں اور سابقہ انبیاء کو بھی مانتے ہیں لیکن وقت کے رسول حضرت محمد ﷺ کو اور آپ کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت کو نہیں مانتے تو انہوں نے حقیقی خدا کو نہیں مانا کیونکہ حقیقی خدا کو ماننا تو اس صورت میں ہوگا جب خدا کا حضرت محمد ﷺ کو پورے عالم کے لئے رسول بنا کر بھیجنا اور قرآن نازل کرنا اور شریعت اسلامیہ اتارنا اور خدا کا اپنی رضا مندی و خوشنودی کو ان کے ساتھ وابستہ کرنے کو بھی مانے، ورنہ تو وہ اپنے فرض کئے ہوئے اوصاف والے خدا کو مانتے ہیں اور اس کی خوشنودی کے لئے عمل کرتے ہیں حقیقی خدا کے لئے نہیں لہٰذا (ان کا حال یہ ہے کہ) حقیقی خدا کی بارگاہ میں (ان کے عمل) بالکل بے وزن (ہوں گے) اور اس طرح اڑ جائیں گے (جیسے راکھ) جو بے وزن ہوتی ہے اور (جس پر تیز آندھی کے دن ہوا زور سے چلے) تو اس کے ذرے اڑ کر غائب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت (کافر) نیک عمل سے بالکل خالی ہوں گے اور اپنے بظاہر (کئے ہوئے) نیک (عملوں میں سے کسی عمل پر بھی) وہ (قادر نہ ہوں گے) کہ وہ اس سے آخرت کا کوئی فائدہ اٹھا سکیں۔ (یہی) بڑے (دور کی گمراہی ہے) کیونکہ ان کو تو یہ خیال تھا کہ ہمارے نیک عمل مفید ہوں گے جب کہ عین ضرورت کے وقت پتہ چلا کہ وہ بالکل بیکار اور بے وزن ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ کیلئے قیامت کو قائم کرنا کچھ مشکل نہیں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو جیسے چاہئے۔ اگر وہ چاہے لے جائے (یعنی فنا کردے) تم کو اور لے آئے ایک نئی مخلوق کو اور نہیں ہے یہ اللہ پر دشوار۔

تفسیر: کافروں کو یہ خیال ہو کہ جب مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے تو پھر دوبارہ زندگی کہاں ہو سکتی ہے لہٰذا قیامت اور عذاب وثواب یہ سب فرضی کہانیاں ہیں تو اس کا جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تو بڑی قدرت والے ہیں جس کی دلیل کو (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے) اپنی قدرت سے (آسمانوں اور زمین کو جیسے چاہئے تھا ویسے پیدا کیا) اور وہ ایسی قدرت والا ہے کہ (اگر چاہے تو تمہیں فنا کردے اور تمہاری جگہ کسی نئی مخلوق کو لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ بھی دشوار نہیں) تو ایسی قدرت والے اللہ پر کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں از سر نو پیدا کردے اور پھر تم سے تمہارے اعمال کا حساب لے۔

3- آخرت میں کافروں کے بڑے اپنے پیروکاروں کے کچھ کام نہ آئیں گے

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا
فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا
اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ
مَّحِیْصٍ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور وہ سامنے پیش ہوں گے اللہ کے سب کے سب۔ پھر کہیں گے چھوٹے درجہ کے لوگ بڑے درجہ والوں سے کہ ہم تھے تمہارے تابع تو کیا تم ہٹانے والے ہو ہم سے اللہ کے عذاب سے کچھ حصہ۔ وہ کہیں گے اگر راہ دکھاتا ہم کو اللہ تو راہ دکھاتے ہم تم کو۔ برابر ہے ہم پر کہ بے قراری کریں ہم یا صبر کریں نہیں ہے ہمارے لئے خلاصی۔

تفسیر: (اور) اگر کافروں کو یہ خیال ہو کہ ہمارے بڑے ہم کو بچالیں گے تو وہ اس حقیقت کو سن لیں کہ قیامت کے دن (سب اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر چھوٹے درجہ والے) یعنی عوام اور

پیروکار اپنے (بڑے درجہ والوں) یعنی سرداروں (سے کہیں گے کہ ہم) دنیا میں (تمہارے تابعدار تھے) یہاں تک کہ دین کے معاملہ میں بھی جو بات تم نے کہی ہم نے اس میں بھی تمہاری تابعداری کی۔ آج ہم مصیبت میں ہیں (تو کیا خدا کے عذاب کا کچھ حصہ تم ہم سے ہٹاتے ہو۔ وہ) جواب میں (کہیں گے کہ) ہم تو خود مصیبت میں مبتلا ہیں (اگر اللہ ہمیں) بچنے کی کوئی (راہ دکھائے تو ہم تمہیں) بھی وہ (راہ دکھائیں لیکن ایسی کوئی صورت نظر نہیں آتی اب تو (ہم سب کے لئے برابر ہے خواہ ہم بے قراری کریں یا صبر کریں ہمارے لئے کچھ خلاصی نہیں ہے۔

4- آخرت میں معبودان باطل بھی کچھ کام نہیں آئیں گے

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور کہے گا شیطان جب نمٹائے جا چکیں گے سب مقدمات بے شک اللہ نے وعدہ دیا تھا تم کو وعدہ سچا اور وعدہ دیا تھا میں نے تم کو پھر وعدہ خلافی کی میں نے تم سے اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ زور مگر یہ کہ بلایا میں نے تم کو تو منظور کی تم نے میری بات پس تم ملامت نہ کرو مجھ کو اور ملامت کرو اپنے آپ کو۔ نہیں ہوں میں مددگار تمہارا اور نہیں ہو تم مددگار میرے۔ بے شک میں انکار کرتا ہوں اس کا جو شریک ٹھہرایا تم نے مجھ کو اس سے پہلے۔ بے شک ظالموں کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اور) اگر یہ خیال ہو کہ آخرت میں ہمارے یہ معبودان باطل ہمیں بچالیں گے تو اس بارے میں تم ان میں سے سب سے بڑے کا قصہ سن لو۔ (جب) قیامت میں (سب مقدمات نمٹائے جا چکیں گے) اور جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہو چکا ہو گا اس وقت

کفار دوزخ میں جا کر یا داخل ہونے سے پہلے ابلیس کو الزام دیں گے کہ تو نے دنیا میں ہمیں راہ حق سے ہٹایا اور اس مصیبت میں گرفتار کرایا اب تو کوئی چھٹکارے کی تدبیر کر۔ جواب میں (شیطان کہے گا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے) سچے پیغمبروں کے واسطے سے ثواب وعذاب اور جنت و دوزخ سے متعلق (تم سے سچے وعدے کئے تھے) جن کی سچائی دنیا میں دلائل سے ثابت تھی اور آج مشاہدے سے ظاہر ہے (اور اس کے بالمقابل (میں نے تم سے) جھوٹی باتیں کہیں اور (جھوٹے وعدے کئے تھے) کہ کسی کو کہا کہ قیامت ہی نہ ہوگی اور کسی کو کہا کہ قیامت تو ہوگی لیکن اصل نجات میرے بتائے ہوئے طریقے میں ہے۔ میرے وعدوں کا جھوٹ ہونا معمولی غور وفکر سے واضح ہوسکتا تھا اور یہاں تو آنکھوں کے سامنے ہے (سو) اگر (میں نے وعدہ خلافی کی) تو ایسا ہی ہونا ظاہر تھا (اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا) کیونکہ نہ تو میرے پاس دلیل کی قوت تھی اور نہ ہی ایسی طاقت رکھتا تھا کہ زبردستی تم کو ایک جھوٹی بات ماننے پر مجبور کر دیتا (مگر اتنا ہے کہ میں نے) بدی کی تحریک کی اور (تمہیں) اس طرف (بلایا تو تم نے) اپنی خوشی سے (میری بات کو منظور کیا) اور میرے کہنے پر اپنی رضا مندی سے چلے۔ میری باتوں کی حقیقت کو سمجھنے میں تم نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ پیغمبروں کے کہنے پر کان دھرے۔ (تو) میرا جرم جو ہے وہ تو ہے لیکن اپنے عمل کے مجرم تم خود ہو لہٰذا اپنے جرم پر (تم مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو)۔ آج کے حالات تمہارے سامنے ہیں کہ (نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو)۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ بلاواسطہ یا بالواسطہ میری عبادت اور میری اطاعت کر کے تم نے میرا اعزاز کیا تھا لہٰذا تمہارا مجھ پر کوئی حق بنتا ہے تو خوب سمجھ لو کہ اس سے پہلے (جو تم نے مجھے) براہ راست یا دیگر معبودان باطل کی صورت میں (اللہ کا شریک ٹھہرایا تھا تو اس) کو میں اپنا کچھ اعزاز نہیں سمجھتا۔ اللہ کا شریک ٹھہرانا تو محض ایک فرضی بات تھی اور فرضی بات سے اعزاز ہونے (کا میں انکار کرتا ہوں) لہٰذا تمہارا مجھ پر کوئی حق نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (اور بلاشبہ) یہاں آخرت میں ہم دیکھتے ہیں کہ (ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

5- کفار کے عذاب کے مقابلہ میں مومنوں کے لئے آخرت میں راحت وچین ہوگا

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْؕ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اور داخل کئے جائیں گے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اپنے رب کے حکم سے۔ ان کا کلمہ ملاقات ان (باغوں) میں سلام ہوگا۔

تفسیر: (اور) کافروں کے معاملہ کے برعکس (وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ ایسے باغوں میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ کے لئے رہیں گے اور ان میں ان کی آپس کی ملاقات کا کلمہ سلام ہوگا) اس معنی میں کہ تم کو سلامتی مبارک ہو۔

ربط: کافروں کے عذاب سے متعلق آخری نکتہ میں بتایا کہ آخرت کا نیک انجام ایمان اور عمل صالح کی وجہ سے ہوگا۔ آگے بتاتے ہیں کہ ایمان کی اصل بنیاد توحید ہے۔ پھر کلمہ توحید کو مثال سے سمجھاتے ہیں اور اس کی مزید وضاحت کے لئے اس کے مقابل کفر وشرک کے کلمہ کو بھی مثال سے سمجھاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ
حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے کیسے بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ کی جیسے ایک پاکیزہ درخت کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ لاتا ہے اپنا پھل ہر فصل میں اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور کریں۔ اور مثال گندے کلمہ کی جیسے خراب درخت کہ اکھیڑ لیا جائے زمین کے اوپر سے نہیں ہے اس کے لئے ٹھہراؤ۔

تفسیر: (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ) یعنی کلمہ توحید لا إلٰہ الا اللہ (کی کیسی) اچھی اور موقع کی (مثال بیان فرمائی ہے وہ ایک ایسے پاکیزہ درخت کی مانند ہے جس کی جڑ) زمین میں (خوب مضبوط ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں) جا رہی (ہوں) اور (وہ اپنے رب کے حکم

سے ہر فصل میں اپنا) بھر پور پھل (دیتا ہو) اور کوئی فصل ماری نہ جاتی ہو۔ اسی طرح کلمہ توحید کی ایک جڑ یعنی اعتقاد ہے جو مومن کے دل میں خوب مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے اور اس کی شاخیں اعمال صالحہ کی صورت میں اللہ کے ہاں قبولیت کے لئے آسمان کی طرف لے جائی جاتی ہیں پھر ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا بھر پور پھل لگتا ہے کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔ (اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے) اس قسم کی (مثالیں بیان فرماتے ہیں تاکہ وہ) اصل مطلب کو خوب اچھی طرح (سمجھ لیں۔ اور گندے کلمہ) یعنی کفر و شرک کے کلمہ (کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خراب) اور کڑوے اور بدبودار پھل والا (درخت ہو کہ وہ زمین کے اوپر) ہی (سے اکھاڑ لیا جائے) اور اس کی جڑ زمین میں گہری نہ ہونے کی وجہ سے (اس کو زمین میں (کچھ ٹھہراؤ نہ ہو) یہی حال کفر و شرک کے کلمہ کا ہے کہ انسانی ضمیر اور فطرت کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کی جڑیں دل کی گہرائی میں نہیں پہنچتیں تھوڑا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس کی وجہ سے صادر ہونے والے اعمال بھی قبولیت کے آسمان پر نہیں چڑھتے اور اس پر لگنے والا پھل بھی گندہ اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔

ربط: کلمہ توحید اور کلمہ کفر کو مثال سے سمجھانے کے بعد اب ان کا اثر بیان کرتے ہیں۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط قول سے حیات دنیوی میں اور آخرت میں اور گمراہ کرتا ہے ظالموں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس مضبوط) کلمہ اور (قول سے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں مضبوط) و ثابت قدم (رکھتے ہیں) دنیا میں کیسے ہی حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں منکر نکیر سے سوال و جواب ہو اور محشر کا ہولناک منظر ہو ہر موقع پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنتا ہے (اور ظالموں) کافروں اور مشرکوں نے اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم نہیں کیا جو کہ کلمہ توحید کو ماننے سے ہوتا ہے لہٰذا ان (کو اللہ) دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی کی (راہ گم کرا دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ) اپنی حکمت کے موافق (جو) معاملہ جس کے ساتھ (چاہتے ہیں کرتے ہیں)۔

ربط: اوپر یہ بتایا کہ کفر و شرک کے کلمہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کامیابی کی راہ گم کر دیتا ہے۔ آگے

بتاتے ہیں کہ جو کامیابی کی راہ گم کرتا ہے وہ صرف ناکامی اور نقصان کی راہ پر لگتا ہے جو اس کو جہنم میں پہنچا دیتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے ان لوگوں کو جنہوں نے بدلا اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اتارا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں، جہنم میں، داخل ہوں گے وہ جس میں اور برا ہے ٹھکانا۔ اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے لئے شریک تا کہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے۔ تو کہہ دے فائدہ اٹھالو پھر بلاشبہ تمہاری واپسی ہے آگ کی طرف۔ تو کہہ دے میرے بندوں سے جو ایمان لائے (کہ) قائم رکھیں نماز کو اور خرچ کریں اس میں سے جو ہم نے دیا ان کو چھپ کر اور اعلانیہ اس سے پہلے کہ آئے (وہ) دن نہیں ہو گا سودا اس میں اور نہ (ہو گی) دوستی۔

تفسیر: (کیا آپ نے) مکہ کے (ان) سرداروں (کو نہیں دیکھا کہ) کیسے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کی ہدایت کیلئے رسول ﷺ کو بھیجا اور قرآن اتارا اور ان کو حرم اور بیت اللہ کا مجاور بنایا اور ان کو عرب کی سرداری دی لیکن (انہوں نے اللہ کی) اس (نعمت کے بدلے میں) بجائے احسان ماننے کے (کفر کو اختیار کیا) کہ اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور اس کے رسول سے لڑائی کی (اور) بالآخر اپنے سمیت (اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں) یعنی جہنم (میں جا اتارا کہ وہ سب اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور) ویسے تو خود ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور اپنی قوم کے لوگوں سے اللہ کا انکار کرانا مشکل تھا کیونکہ یہ بات قبول کرنا انسانی فطرت کے لئے تقریباً ناممکن ہے اس لئے (انہوں نے) یہ کیا کہ فطری تقاضے پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے رہے لیکن گمراہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کو ترک کر دیا اور اس کے بجائے (اللہ کے لئے شریک ٹھہرا لئے تا کہ) اس طرح سے اپنی قوم کے لوگوں

کو (اللہ) کی توحید (کے راستے سے گمراہ کریں) اور وہ شرک میں رہ کر بدستور ان کو سردار مانتے رہیں
(آپ فرما دیجئے کہ) عوام کو بے وقوف بنا کر اور گمراہ کر کے (تم) کچھ عرصہ خوش ہولو اور اپنی سرداری
کے (مزے اڑالو پھر) بالآخر جہنم کی (آگ) ہی (کی طرف تمہارا پلٹنا ہے)۔ اور (آپ میرے بندوں
کو جو) میری ذات وصفات کی توحید پر (ایمان لائے ہیں) یہ ہدایت (فرما دیجئے کہ وہ) ان کافروں کی
گمراہ کرنے کی کوششوں سے پوری طرح چوکنے رہیں اور قیامت کے اس دن کے آنے سے پہلے جس
میں نہ تو) نیکیوں کی (خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی) مؤثر (ہوگی) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط
بنالیں جس کیلئے وہ (نماز قائم رکھیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خفیہ اور اعلانیہ) اللہ
تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے (خرچ کرتے رہیں)۔

ربط: کلمہ توحید اور کلمہ کفر وشرک کے اثرات ذکر کر کے آگے اپنی چند عظیم الشان نعمتیں ذکر کرتے
ہیں جن کے بارے میں مسلمان اور کافر سب کو ہی اعتراف ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے تصرف سے ہیں۔
غرض یہ ہے کہ ان کو سن کر مسلمانوں کو شکر گزاری کی مزید رغبت ہو اور کافروں کو تنبیہ ہو اور وہ بھی شرک کو
چھوڑ کر اللہ کی توحید کی طرف آجائیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ
وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَ
سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾
وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی
پھر نکالا اس کے ذریعہ پھلوں سے رزق تمہارے لئے اور مسخر کیا کشتی کو کہ چلے دریا میں اس کے
حکم سے اور مسخر کیا تمہارے لئے نہروں کو اور مسخر کیا تمہارے لئے سورج کو اور چاند کو ہمیشہ چلتے
ہوئے اور مسخر کیا تمہارے لئے رات کو اور دن کو اور اس نے دیا تم کو ہر چیز سے جو مانگی تم نے
اس سے۔ اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمت کو تو نہ شمار کر سکو ان کو۔ بے شک انسان بڑا بے انصاف

ناشکرا ہے۔

تفسیر: تنہا (اللہ ہی ہے جس نے) پوری کائنات کو بنایا اور تنہا وہی اس کے پورے نظام کو چلا رہا ہے۔ اسی نے (آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے) یعنی بلندی پر موجود بادلوں سے بارش کے (پانی کو اتارا پھر اس پانی کے ذریعہ سے پھلوں) اور سبزیوں کی قسم سے (تمہارے لئے رزق پیدا کیا اور تمہارے نفع کے لئے کشتی) اور جہاز (کو) اپنے قوانین قدرت کا (پابند کیا تاکہ وہ خدا کے حکم) و قدرت (سے دریا میں چلے) اور تم ان کے ذریعہ سفر اور بار برداری کی ضرورتیں پوری کر سکو (اور تمہارے نفع کے لئے نہروں کو) اپنے قوانین قدرت کا (پابند کیا) تاکہ تم ان سے آبپاشی کر سکو (اور تمہارے نفع کے لئے سورج اور چاند کو مسلسل چلنے میں) اپنے قوانین قدرت کا (پابند کیا) تاکہ تم روشنی اور گرمی اور مختلف موسم حاصل کر سکو (اور تمہارے نفع کے لئے رات اور دن کو) اپنے قوانین قدرت کا (پابند بنایا) تاکہ دن میں معیشت کے کام کر سکو اور رات کو آرام کر سکو (اور جو جو چیز تم نے اللہ سے مانگی) اور وہ تمہارے مناسب حال ہوئی تو (وہ ہر چیز تم کو دی اور) صرف ان ہی مذکورہ اشیاء پر کیا منحصر ہے انسانوں پر (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) تو اتنی ہیں کہ (اگر تم) ان کو (شمار کرنے لگو تو شمار میں نہیں لا سکتے)۔ مگر (سچ یہ ہے کہ) عام طور سے (انسان بہت ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے) کہ کائنات کی یہ ساری نعمتیں صرف اللہ نے انسان کے لئے پیدا کیں لیکن وہ شکرانہ میں صرف اللہ کے آگے جھکنے کے بجائے دوسروں کے آگے جھکتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کارخانہ میں دخیل اعتقاد کرتا ہے۔

ربط: مکہ کے مشرکین جن سے خصوصی طور پر کلام چل رہا ہے انہیں اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد دلا کر تنبیہ کرتے ہیں کہ تم جن کی اولاد ہونے کی وجہ سے کعبۃ اللہ اور حرم شریف کے مجاور بنے ہوئے ہو انہوں نے اس کعبہ کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی، ان ہی کی دعاؤں سے ہم نے یہ شہر مکہ آباد کیا اور وہ دنیا سے یہی دعائیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک کا طریقہ اختیار نہ کرے۔ اب تم کو سوچنا چاہئے کہ تم ان کے طریقے پر کس حد تک چل رہے ہو۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا
الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ
اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ
عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ
فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ
الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ
وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ
رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ﴿۳۹﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ
الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو با امن اور دور رکھ مجھے اور میری اولاد کو (اس سے کہ) ہم عبادت کریں بتوں کی۔ اے میرے رب بے شک انہوں نے گمراہ کیا بہت سے لوگوں کو سو جس نے پیروی کی میری تو وہ مجھ سے ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے رب آباد کیا میں نے اولاد میں سے (ایک کو) وادی بے گیاہ میں نزدیک تیرے محترم گھر کے۔ اے ہمارے رب تا کہ وہ قائم کریں نماز کو سو کر دے دل (بعض) لوگوں کے کہ مائل ہوں ان کی طرف اور روزی دے ان کو پھلوں سے تا کہ وہ شکر کریں۔ اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور نہیں چھپی رہتی اللہ پر کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے عطا کئے مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق۔ بے شک میرا رب سننے والا ہے دعا کا۔ اے میرے رب بنا دے مجھ کو قائم کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں سے۔ اے ہمارے رب اور قبول کر میری دعا۔ اے ہمارے رب بخش دے مجھ کو اور میرے والدین کو اور سب مومنوں کو جس دن قائم ہو حساب۔

تفسیر: (اور) وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے (جب ابراہیم) علیہ السلام (نے) اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اور اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام کو ہمارے حکم سے مکہ مکرمہ کے میدان میں لا کر رکھنے کے

وقت یوں (دعا کی کہ اے میرے رب اس شہر) مکہ (کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میری اولاد کو) خالص توحید پر رکھئے اور ہم کو (اس سے دور رکھئے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں) اور (اے میرے رب) خاص بتوں کی پرستش سے دور رہنے کی دعا اس وجہ سے کرتا ہوں کہ شیطان نے ان بتوں کو لوگوں میں طرح طرح سے مقدس بنایا ہے کہیں خود ان کو خدا کہلوایا، کہیں ان کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب بنایا اور کہیں یہ منوایا کہ ہاں یہ تو واقعی ہمارے ہاتھ کی بنائی ہوئی پتھر اور مٹی کی مورتیاں ہیں لیکن چونکہ خدا کا تصور اتنا اونچا ہے کہ انسانی عقل کی وہاں تک رسائی ممکن نہیں لہٰذا خدا کا کوئی تصور قائم کرنے کے لئے ہم ان کے تصور کو وسیلہ بنانے پر مجبور ہیں اور اس طرح سے (ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا) یہاں تک کہ عام طور سے تمام ہی کافر قوموں میں بت پرستی کا کچھ نہ کچھ رواج ہے۔ غرض میں بت پرستی سے بچنے اور توحید پر قائم رہنے کی دعا بھی کرتا ہوں اور تبلیغ بھی کرتا ہوں۔ (پھر) میرے کہنے سننے پر (جس شخص نے میری پیروی کی) اور خالص توحید کو اختیار کیا (تو وہ مجھ سے ہے) اور میرے طریقے پر ہے (اور جس شخص نے میری نافرمانی کی) اور میرا کہنا نہ مانا (تو) وہ میرے راستہ سے علیحدہ ہو گیا اور ایسے کو بھی آپ توبہ کی توفیق دے سکتے ہیں کیونکہ (آپ بہت بخشنے والے ہیں) کہ اس کے سابقہ گناہوں کو بخش سکتے ہیں اور (بہت مہربان ہیں) کہ اپنی مہربانی سے اس کو ہدایت کی راہ پر لگا سکتے ہیں۔ (اے ہمارے رب میں نے اپنی بعض اولاد) یعنی اسماعیل (کو) اس (بے) آب و (گیاہ وادی میں آپ کے محترم گھر کے پاس بسایا ہے اے ہمارے رب تا کہ یہ) اور ان کی نسل اس گھر کا حق ادا کریں اور (نماز قائم رکھیں۔ اور آپ کچھ لوگوں کے دل ان) اسماعیل اور ہاجرہ (کی طرف مائل کر دیجئے) کہ وہ یہاں آ کر رہیں (اور) اس طرح پر رونق آبادی ہو جائے اور (ان کو روزی دیجئے) اور اس کے لئے ایسے سامان فراہم کر دیجئے کہ غلہ اور پانی جو ضروریات زندگی ہیں ان سے زائد ان کو (پھلوں سے) بھی کھانے کو ملے (تا کہ یہ لوگ) اطمینان قلب کے ساتھ آپ کی عبادت اور (شکرگزاری میں لگے رہیں۔ اے ہمارے رب) ہماری کچھ التجائیں تو ہماری زبان پر آ گئی ہیں اور کچھ دل ہی میں چھپی ہیں لیکن (آپ تو) سب کو ہی (جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور) ہمارے ظاہر و باطن پر ہی کیا منحصر ہے (اللہ پر تو نہ زمین کی کوئی چیز مخفی ہے اور نہ آسمان کی) کوئی چیز مخفی ہے۔ (اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جنہوں نے) غیر متوقع طور پر (مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق) جیسے بیٹے (دیئے تو اب تو میں دعاؤں کی قبولیت کی پوری توقع کرتا ہوں (بلاشبہ میرا رب دعا کو خوب سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اے میرے رب آپ مجھے بھی نماز قائم رکھنے والا بنائیے اور میری اولاد میں سے بھی) ایسے لوگ ہوتے رہیں جو نمازوں کو ٹھیک طور پر قائم رکھیں (اے ہمارے رب میری یہ دعا بھی قبول

فرمایئے اور اے ہمارے رب جس دن) آخرت کا (حساب کتاب ہو اس دن مجھے اور میرے والدین کو اور تمام ایمان والوں کو بخش دیجئے گا)۔ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے والد کی موت چونکہ کفر پر ہوئی تھی اس لئے بعد میں آپ کو والد کے لئے مغفرت طلب کرنے سے روک دیا گیا۔

ربط: اوپر یہ بتا کر کہ کفار مکہ تو اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ اسلام تک کے عمل اور خواہش کے برعکس کفر و شرک اختیار کئے ہوئے ہیں آگے تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کو سزا ملنے میں جو دیر ہو رہی ہے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر تو ان کا کوئی کام بھی مخفی نہیں ہے۔ البتہ اس کی عادت نہیں ہے کہ مجرم کو فوراً پکڑ کر تباہ کر دے۔ وہ بڑے سے بڑے ظالم کو بھی مہلت دیتا ہے تاکہ یا تو وہ اپنے جرائم سے باز آجائے یا جرائم کے ارتکاب میں اس حد تک پہنچ جائے کہ قانونی اعتبار سے اس کے سزا کا حقدار بننے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا
يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ
رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ ﴿۴۳﴾ وَاَنْذِرِ
النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ
اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا
اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا
لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ
كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ
رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ
وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا
هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اور نہ خیال کر ہرگز بھی اللہ کو بے خبر اس سے جو کرتے ہیں ظالم۔ محض ڈھیل دیتا ہے ان کو اس دن کے لئے پھٹی رہ جائیں گی جس میں آنکھیں۔ دوڑتے ہوں گے اوپر اٹھائے ہوئے اپنے سر۔ نہیں پھر کر آئے گی ان کی طرف ان کی نظر اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے۔ اور تو ڈرا لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے ظالم اے ہمارے رب مہلت دے ہم کو مدت قریب تک کہ ہم قبول کریں تیری دعوت کو اور ہم پیروی کریں رسولوں کی۔ کیا نہیں تم قسم کھاتے تھے اس سے پہلے کہ نہیں ہے تمہارے لئے کچھ زوال حالانکہ تم رہتے رہے ان لوگوں کی بستیوں میں جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر اور کھل گیا تم پر کہ کیسا کیا ہم نے ان کے ساتھ اور بیان کیں ہم نے تمہارے لئے مثالیں۔ اور انہوں نے داؤ چلا اپنا داؤ اور اللہ کے پاس ہے ان کا داؤ اور واقعی ہے ان کا داؤ کہ ٹل جائیں اس سے پہاڑ۔ سو نہ خیال کر ہرگز بھی اللہ کو خلاف کرنے والا اپنے وعدہ کا اپنے رسولوں سے۔ بلاشبہ اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔ جس دن بدلی جائے گی زمین دوسری زمین سے اور (بدلے جائیں گے) آسمان اور لوگ نکلیں گے سامنے اللہ واحد قہار کے۔ اور تو دیکھے گا مجرموں کو اس دن باہم جکڑے ہوئے زنجیروں میں۔ ان کے کرتے ہوں گے گندھک کے اور ڈھانپتی ہوگی ان کے چہروں کو آگ تاکہ جزا دے اللہ ہر نفس کو جو اس نے کمایا۔ بے شک اللہ تیز حساب والا ہے۔ یہ (قرآن) پہنچانا ہے لوگوں کو تاکہ وہ ڈرائے جائیں اس کے ذریعہ اور تاکہ وہ جان لیں کہ محض وہی ہے ایک معبود اور تاکہ سمجھیں عقل والے۔

تفسیر: (اور) اے مخاطب (جو کچھ یہ ظالم) اور کافر (لوگ کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ کو اس وجہ سے کہ اس نے ان کی فوری پکڑ نہیں کی (ہرگز بے خبر خیال نہ کرنا) کیونکہ (اللہ تعالیٰ) کا طریقہ یہی ہے کہ وہ (ظالموں کو) کم وبیش (ڈھیل دیتا ہے) جو زیادہ سے زیادہ (اس دن تک کے لئے) ہوتی ہے (جس میں) حیرت اور ہیبت سے ان لوگوں کی (نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی) اور وہ حسب طلب حساب کتاب کی جگہ کی طرف (دوڑتے ہوں گے) اور نظریں اوپر کی اوپر ہی رہیں گی (اور ان کے

دل) دہشت اور خوف سے (اڑے ہوئے ہوں گے)۔ جب وہ دن آ جائے گا تو مزید مہلت نہ ملے گی پس (آپ ان لوگوں کو اس دن کے آنے سے ڈرایئے جس دن ان پر عذاب آئے گا تو یہ ظالم لوگ کہیں کہ اے ہمارے رب ایک قریب کی مدت) یعنی قلیل مدت (تک ہم کو) مزید (مہلت) دے کر دوبارہ دنیا میں بھیج (دیجئے) اس مدت میں (ہم آپ کی دعوت کو قبول کریں گے) اور آپ کا سب کہنا مانیں گے (اور رسولوں کی پیروی کریں گے)۔ جواب میں ارشاد ہوگا کہ (کیا) ہم نے تم کو دنیا میں طویل مہلت نہ دی تھی اور کیا اسی طویل مہلت سے دھوکا کھا کر (اس سے پہلے تم) دنیا میں (قسمیں نہ کھاتے تھے کہ تمہارے) شان وشوکت والے حال کے (لئے کچھ زوال نہ ہوگا) حالانکہ ایسی باتوں سے اجتناب کرنے کے تمام اسباب جمع تھے مثلاً ایک یہ کہ (تم ان لوگوں کی بستیوں میں) یا ان کے آس پاس (رہتے رہے جنہوں نے) تم سے پہلے توحید کو چھوڑ کر اور کفر وشرک کو اختیار کر کے (اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور) تاریخ سے (تمہارے سامنے یہ بات کھل چکی تھی کہ ہم نے) ان پر عذاب نازل کر کے (ان کے ساتھ) ان کی ہلاکت کا (کیسا معاملہ کیا اور) دوسرے یہ کہ (ہم نے) بھی (تمہارے لئے) سابقہ امتوں کی ہلاکت کی (مثالیں بیان کی ہیں اور) ہم نے جن پہلے لوگوں کو عذاب سے ہلاک کیا (ان لوگوں نے) دین حق کو مٹانے میں (اپنے بڑے بڑے داؤ چلے اور ان کے) یہ سب (داؤ اللہ کے سامنے تھے) کوئی بھی اللہ سے مخفی نہ تھا (اور واقعی ان کے داؤ ایسے تھے کہ) عجب نہیں کہ (ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے) مگر پھر بھی حق غالب رہا اور ان لوگوں کی تدبیریں سب ضائع گئیں ان کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور یہ ہمارا ہمیشہ کا ضابطہ ہے (لہٰذا) اے مخاطب (تو ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے کہیں وعدہ خلافی کرتا ہے)۔ آخر اللہ کے لئے اپنے رسولوں سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنا کونسا مشکل ہے (بلاشبہ اللہ زبردست ہے اور) پورا (بدلہ لینے والا ہے) اور یہ پورا بدلہ اس دن ہوگا (جس دن) اس (زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی) بدل دیئے جائیں گے (اور سب) کے سب لوگ حساب کتاب کے لئے (ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہوں گے اور اس دن) اے مخاطب (تو مجرموں) یعنی کافروں (کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا) اور (ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور آگ) ان کے چہروں پر لپٹی ہوئی ہوگی اور (ان کے چہروں کو ڈھانپ رہی ہوگی)۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا (تاکہ اللہ ہر) مجرم (شخص کو اس کے کئے کی سزا دے) اور اگرچہ ایسے مجرم کتنے ہی ہوں مگر (یقیناً) اللہ تعالیٰ کو ان سب کا حساب کتاب کچھ دشوار نہیں کیونکہ (اللہ حساب لینے میں بہت تیز ہے) سب کا فیصلہ شروع کر کے فوراً ہی مکمل کر لے گا۔ اور آخری بات یہ ہے کہ (یہ) قرآن (لوگوں کے لئے) اللہ کی بات کا (پہنچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے لوگ عذاب سے ڈرائے جائیں اور وہ اس بات کو) یقین کے ساتھ (جان لیں کہ وہی ایک معبود) برحق (ہے اور تاکہ عقلمند لوگ) اس سے (نصیحت حاصل کریں)۔

سورہ حجر

ربط: پچھلی سورت کی آخری آیت میں قرآن پاک کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لوگوں کو ڈرانے کا ذریعہ ہے۔ آگے اس کی وجہ بتاتے ہیں اور اس کی آیتوں پر توجہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۹۹ - رُكُوْعَاتُهَا ۶

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾

ترجمہ: الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور واضح قرآن کی۔

تفسیر: (یہ آیتیں ہیں) اس عظیم الشان (کتاب کی) جس کے مقابلہ کی کوئی دوسری کتاب نہیں (اور) اس (واضح قرآن کی) جس کے اصول بہت واضح، دلائل خوب روشن اور احکام انتہائی معقول ہیں لہذا آگے جو کچھ بیان ہو اس کو پوری توجہ سے سنو۔

ربط: قرآن جیسی نعمت کی جو لوگ آج قدر نہیں کرتے ایک وقت آئے گا کہ یہ اپنی محرومی پر افسوس کریں گے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: کسی وقت چاہیں گے یہ لوگ جو ناقدری کرتے ہیں کہ (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ ہوتے مسلمان۔

تفسیر: آج منکرین (جو) قرآن اور اسلام کی (ناقدری کرتے ہیں) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی (کوئی وقت) ایسا آئے گا جب (یہ) لوگ اپنی محرومی پر ماتم کریں گے اور حسرت سے (چاہیں گے کہ) کیا ہی اچھا ہوتا (اگر ہم مسلمان ہوتے)۔ دنیا میں یہ وقت تب ہوئے جب کفار مکہ کو جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکستیں ہوئیں۔

ربط: ایسے منکر اور ناقدروں کا علاج یہ ہے کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تا کہ یہ اپنے وقت مقرر پر اپنے انجام کو پہنچیں۔

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا
وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۳ وَمَآ اَهْلَكْنَا
مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝۴ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ
اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵

ترجمہ: چھوڑ دے ان کو کہ کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور غافل رکھے ان کو امید سو جلد یہ جان لیں گے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کے لئے تھا وقت مقرر۔ نہیں سبقت کرتی کوئی امت اپنے وقت مقرر سے اور نہ پیچھے رہتی ہے۔

تفسیر: جب ان ناقدروں پر کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیئے بلکہ (ان کو) ان کے حال پر (چھوڑ دیجئے) تا (کہ یہ) خوب جی بھر کے (کھا) پی (لیں اور) دنیا کی چیزوں سے (فائدہ اٹھالیں اور) مستقبل کی جو انہوں نے (امید) باندھ رکھی ہے وہ (ان کو غافل کئے رکھے سو جلد) وہ وقت آنے والا ہے جب اصل حقیقت کو (یہ جان لیں گے) اور کھایا پیا سب نکل جائے گا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مسلمانوں کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی اور باقی آخرت میں کھل جائے گی۔ اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ یہ سب محض دھمکیاں ہیں اور آئندہ بھی کوئی عذاب نہ آئے گا کیونکہ ہمارا ضابطہ یہی ہے کہ ہم نے عذاب کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اس سے پہلے ہم ڈھیل دیتے رہتے ہیں (اور ہم نے جس بستی کو بھی) اس کی سرکشی کی وجہ سے (ہلاک کیا تو اس) کی ہلاکت (کے لئے) ہمارے علم میں جو (وقت مقرر تھا) ٹھیک اسی پر ہلاک کیا اور ہمارا یہ ضابطہ اتنا اٹل ہے کہ (کوئی بھی امت اپنے وقت مقرر سے نہ کچھ سبقت کرتی ہے) کہ اس پر اس وقت سے پہلے عذاب آجائے (اور نہ پیچھے رہتی ہے) کہ اس پر اس وقت کے بعد عذاب آئے۔

ربط: مذکورہ بالا باتیں سن کر کفار مکہ استہزاء کرتے اور کہتے۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ
الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

ترجمہ: اور (منکرین) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص اتارا گیا جس پر ذکر (یعنی قرآن) بے شک تو دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں لاتا تو ہمارے پاس فرشتوں کو اگر ہے تو سچوں میں سے۔

تفسیر: مذکورہ بالا باتیں سن کر منکرین بجائے اس کے کہ ان پر غور وفکر کرتے الٹا استہزاء کرتے (اور) رسول اللہ ﷺ سے یوں (کہتے ہیں کہ ارے او شخص جس پر) اس کے دعوے کے مطابق (قرآن اتارا گیا ہے تم تو بے شک دیوانے ہو) کیونکہ تمہاری یہ باتیں کہ (1) خدا نے تنہا تم کو منتخب کر کے تمہیں اپنی کتاب دی ہے اور (2) تمہارا خود کو عالم سمجھنا اور دوسروں کو لاعلم اور احمق بتانا اور (3) تمہارا دوسروں کو یہ چیلنج دینا کہ بالآخر تم ہی غالب رہو گے اور دوسرے مسلمان ہونے کی حسرت کریں گے ہوش وعقل کے بالکل خلاف ہیں اور (اگر تم) اپنے ان دعووں میں (سچے ہو تو تم) اپنے ساتھ (فرشتوں) کی خدائی فوج (کو کیوں نہیں لے کر آئے) جو کھلم کھلا تمہاری تصدیق کرتی۔

ربط: کافروں کے استہزاء کے جواب میں آگے ایک تو ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہیں اور دوسرے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا جاتا رہا ہے اور ان کافروں کی فرمائشیں حق کی طلب میں نہیں بلکہ محض تنگ کرنے کے لئے ہیں اس لئے اگر ان کو کوئی اور زیادہ بڑی نشانی بھی دکھا دی جائے تب بھی یہ ماننے والے نہیں۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا
مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ وَ
لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ
قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾
لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع

ترجمہ: نہیں اتارتے ہم فرشتوں کو مگر فیصلہ کے ساتھ اور نہیں ہوتے وہ اس وقت مہلت دیئے ہوئے۔ بے شک ہم ہی نے اتارا قرآن اور ہم (ہی) اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور بھیج چکے ہیں ہم تجھ سے پہلے اگلی امتوں میں۔ اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر

یہ کہ وہ اس سے استہزاء کرتے رہے۔ اسی طرح ہم بٹھا دیتے ہیں اس (استہزاء) کو مجرموں کے دلوں میں۔ نہیں ایمان لاتے اس پر حالانکہ گزر چکا ہے طریقہ پہلے لوگوں کا۔ اور اگر کھولتے ہم ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ لگے رہیں اس میں چڑھتے تو یہی کہیں گے محض بند کر دیا گیا ہماری نگاہوں کو بلکہ ہم ہیں جادو کئے ہوئے۔

تفسیر: ان کافروں کے استہزاء کے جواب میں (1) ایک تو آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ اعتراض کہ میں اپنے ساتھ فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نشانیاں دکھانا تو سارا ہمارا کام ہے اور فرشتوں کو (ہم) محض تماشا دکھانے کے لئے (نہیں اتارتے) بلکہ جب کافروں کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور تبلیغ کے تمام مراحل پورے ہو جاتے ہیں اور مزید مہلت کی گنجائش نہیں رہتی اس وقت ہم (فرشتوں کو) اتارتے ہیں (مگر) ان کافروں کی ہلاکت کے (فیصلہ کے ساتھ اور اس وقت ان کو کچھ مہلت نہیں دی جاتی)۔ (2) دوسرے یہ آپ سے قرآن کی باتیں سن کر آپ کو دیوانہ کہتے ہیں اور اس طرح قرآن کی باتوں کو دیوانگی قرار دیتے ہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس (قرآن کو تو ہم نے اتارا ہے اور) یہ ہمارا کلام ہے کیا اب بھی تم اس کو دیوانگی کہو گے؟ اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ محمد ﷺ دیوانے ہیں اس وجہ سے انہوں نے کچھ باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں کیونکہ (ہم اس) قرآن (کی حفاظت کرنے والے) بھی (ہیں) لہٰذا اس میں کچھ ملاوٹ نہیں ہو سکتی۔ (3) تیسرے آپ ان کے استہزاء سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔ (اور ہم آپ سے پہلے اگلی امتوں میں رسول بھیج چکے ہیں اور) ہوتا یہ رہا کہ (لوگوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے رہے) کبھی ان کو دیوانہ کہا اور کبھی ان سے دور از کار مطالبے کئے۔ پھر جو استہزاء پر اصرار کئے جاتے ہیں تو (اسی طرح ہم بھی) ایسے (مجرم لوگوں کے دلوں میں اس) استہزاء اور تکذیب کی عادت (کو بٹھا دیتے ہیں) جس کی وجہ سے (وہ رسول پر ایمان نہیں لاتے) اور تاریخ سے کچھ سبق نہیں سیکھتے (حالانکہ پہلے لوگوں) کے بارے میں ہماری جانب سے طے کیا ہوا کامیابی و ناکامی (کا طریقہ گزر چکا ہے) کہ سرکش لوگ ہلاک کئے جاتے ہیں (اور) انجام کار حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ (4) چوتھے آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ اگر ان کا فرمائشی معجزہ دکھا دیا جائے تو شاید یہ ایمان لے آئیں کیونکہ یہ ماننا ہی نہیں چاہتے حتیٰ کہ فرشتوں کے اتارنے سے بڑھ کر (اگر ہم ان پر آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں اور) ہمارے چڑھانے سے (وہ اس میں چڑھتے رہیں تب بھی) یہ نہیں مانیں گے اور یہ بہانہ کرتے ہوئے (کہیں گے کہ یہ تو محض ہماری نظر بندی کی گئی ہے بلکہ) ہم پر جادو کر دیا گیا ہے اور (ہم جادو کئے ہوئے ہیں)۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ یہ کافر اپنی فرمائشی نشانیوں کو لئے بیٹھے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آفاق (یعنی کائنات) میں اور انفس (یعنی انسانی جانوں) میں اپنی توحید کی اتنی نشانیاں پھیلا رکھی ہیں کہ غور وفکر کرنے والوں کے لئے ان کے بعد کسی اور نشانی کی ضرورت نہیں رہتی۔

آفاق (یعنی کائنات) میں پھیلی ہوئی نشانیاں

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا
مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ
شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ
وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا
مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا
عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ
لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ
بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ
عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ
رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور بے شک بنائے ہم نے آسمان میں بڑے ستارے اور مزین کیا اس کو دیکھنے والوں کے لئے۔ اور حفاظت کی ہم نے اس (آسمان) کی ہر شیطان مردود سے مگر جس نے چوری کی سننے کی تو پیچھے لگا اس کے انگارہ چمکتا ہوا اور (رہی) زمین (تو) پھیلایا ہم نے اس کو اور ڈالے ہم نے اس میں پہاڑ اور اگائی ہم نے اس میں ہر چیز اندازہ کی ہوئی۔ اور بنائے ہم نے تمہارے لئے اس میں اسباب معیشت اور وہ (چوپائے وغیرہ بھی) نہیں ہو تم جن کو رزق دینے والے۔ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور نہیں ہم اتارتے اس

کو مگر مقدار معین میں۔ اور چلائیں ہم نے ہوائیں بوجھل کرنے والی پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر پلایا ہم نے تم کو وہ (پانی) اور نہیں ہو تم اس کا خزانہ کرنے والے۔ اور ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور ہم (ہی) موت دیتے ہیں اور ہم (ہی) وارث ہیں۔ اور جان رکھا ہے ہم نے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے ہم نے پیچھے رہنے والوں کو اور بے شک تیرا رب ہی جمع کرے گا ان کو۔ بے شک وہی ہے حکمت والا علم والا۔

تفسیر: (اور بے شک ہم نے آسمان میں) یعنی فضا کی بلندی میں بڑے (بڑے ستارے بنائے اور دیکھنے والوں کے لئے اس) آسمان (کو) ستاروں سے (مزین کیا) کہ دیکھنے میں ستاروں بھرا آسمان کتنا خوبصورت اور پر عظمت معلوم ہوتا ہے۔ اور تکوینی امور سے متعلق جب ہم فرشتوں کی طرف وحی کرتے ہیں تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر کے فرشتوں سے نیچے کے فرشتوں کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے اور آخر میں بادلوں میں جو فرشتے ہوتے ہیں ان میں اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ شیطان جنوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ ان باتوں کو معلوم کرلیں اور کاہنوں تک پہنچا دیں جو ایسی ایک بات کے ساتھ سینکڑوں جھوٹ ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتاتے ہیں (اور) علم غیب سے متعلق ان کا عقیدہ خراب کرتے ہیں (ہم نے) فضا کی (اس) بلندی (کو ہر مردود شیطان) کی رسائی (سے محفوظ رکھا ہے) کہ وہ اس تک نہیں پہنچ سکتا (مگر) کبھی (کوئی) قریب پہنچ کر (چوری سے) فرشتوں کی بات (سن لیتا ہے) اور بھاگتا ہے (تو اس کے پیچھے ایک روشن انگارہ لپکتا ہے) اور اس شیطان کو جلا دیتا ہے یا زخمی کر دیتا ہے۔ اسی دوران کبھی ہلاک ہونے سے پہلے یہ شیطان سنی ہوئی بات جلدی سے دوسرے شیطانوں کو بتانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ کاہنوں تک پہنچ جاتی ہے۔ (اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے) بھاری بھاری (پہاڑ ڈالے) تاکہ ان کی وجہ سے وہ اپنی جگہ جمی رہے (اور ہم نے اس) زمین (میں ہر) قسم کی نباتاتی (چیز ایک معین مقدار سے اگائی۔ اور ہم نے تمہارے لئے اس) زمین (میں) زراعت، نسل کشی اور تجارت وصنعت جیسے (معیشت کے اسباب بنائے) اور تمہاری روزی کا سامان کیا (اور) صرف تمہیں ہی نہیں بلکہ اس تمام مخلوق کو بھی روزی دیتے ہیں (جن کو تم) اپنے ذریعہ سے (رزق نہیں دیتے)۔ اور یہ کام ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ (کوئی بھی چیز نہیں ہے مگر یہ کہ) ہماری لامحدود قدرت کی صورت میں (اس کے خزانے ہمارے پاس موجود ہیں اور ان میں سے ہم) اپنی حکمت کے موافق (اس چیز کو معین مقدار سے اتارتے ہیں) اور ظاہر کرتے ہیں۔ (اور ہم نے) بادلوں کو (بوجھل کرنے والی) برساتی (ہوائیں چلائیں پھر ہم نے آسمان) کے ان بادلوں (سے پانی اتارا پھر ہم نے وہ پانی تم کو پلایا)۔ بارش کا (یہ خزانہ) بھی ہمارے پاس ہے (تمہارے پاس نہیں ہے) کیونکہ نہ اوپر سے

بارش برسانے پر تمہارا زور ہے اور نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں (اور ہم ہی ہیں کہ زندگی دیتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور) سب کے مرنے کے بعد (ہم ہی وارث ہیں) کہ صرف ہم ہی اپنی صفات کمال کے ساتھ باقی رہیں گے۔ (اور) ہمیں ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم حاصل ہے اور (ہم) پیدائش، موت، اسلام، نیک عمل غرض ہر اعتبار سے (تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور پیچھے رہنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور) ہمارے علم کے مطابق ہی دنیا میں سب کچھ ہوتا ہے اور اسی کے موافق قیامت کے دن سب مخلوق کا انصاف کیا جائے گا جس میں (آپ کا رب ہی ان) سب (کو جمع کرے گا)۔ یہ کام اس کے لئے کچھ دشوار نہیں اور وہ اس کو کر کے رہے گا کیونکہ بلاشبہ وہ حکمت والا) بھی (ہے) اس نے جو تم سب کو شعور دیا اور کسب کا اختیار دیا تو اس حکمت سے دیا تھا کہ اس پر تمہارا حساب لے گا اور (بڑے علم والا) بھی (ہے) کہ قبر کی مٹی، جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، فضا میں یا جہاں کہیں کسی کا جزو ہوگا وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دے گا۔

انفس (یعنی انسانی جانوں) میں پھیلی ہوئی نشانیاں

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ
مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ
مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾
اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ
مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ
خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا
فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ
رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾

اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ
لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ
الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسۡتَقِیۡمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ
عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَكَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ
الۡغٰوِیۡنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوۡعِدُهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبۡعَةُ
اَبۡوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنۡهُمۡ جُزۡءٌ مَّقۡسُوۡمٌ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور پیدا کیا ہم نے انسان کو کھنکھناتی مٹی سے سڑے ہوئے گارے کی۔ اور جنوں کو، پیدا کیا ہم نے ان کو اس سے پہلے لو کی آگ سے۔ اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں ایک بشر کھنکھناتی مٹی سے سڑے ہوئے گارے کی۔ پھر جب درست کرلوں میں اس کو اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح سے تو تم گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔ تو سجدہ کیا فرشتوں نے سب کے سب نے اکٹھے سوائے ابلیس کے کہ انکار کیا اس نے اس سے کہ ہو وہ ساتھ سجدہ کرنے والوں کے۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہے تجھے کہ نہ ہوا تو ساتھ سجدہ کرنے والوں کے۔ بولا نہیں ہوں میں کہ سجدہ کروں بشر کو پیدا کیا تو نے جس کو کھنکھناتی مٹی سے سڑے ہوئے گارے کی۔ فرمایا تب تو نکل اس (جنت) سے کیونکہ تو مردود ہے اور تجھ پر لعنت ہے یوم جزا تک۔ بولا اے میرے رب تو ڈھیل دے مجھ کو اس دن تک (جس میں مردے) اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا تو ہے ڈھیل دیئے ہوؤں میں سے وقت مقرر کے دن تک۔ بولا اے میرے رب بسبب اس کے کہ گمراہ کیا تو نے مجھ کو میں ضرور مزین کروں گا ان انسانوں کے لئے (ان کے برے اعمال) زمین میں اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو سوائے تیرے بندوں کے ان میں سے چنے ہوئے۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی۔ بے شک جو میرے بندے ہیں نہیں ہے تیرے لئے ان پر کچھ زور مگر (اس پر) جو پیروی کرے تیری گمراہوں میں سے۔ اور جہنم ہے وعدہ ان سب کا۔ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ہے ان (لوگوں) میں سے حصہ تقسیم کیا ہوا۔

تفسیر: (اور ہم نے انسان) کی نوع کے اصل اول یعنی آدم علیہ السلام (کو سڑے ہوئے

گارے کی) بنی ہوئی (کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا) یعنی پہلے سڑے ہوئے گارے سے ان کا پتلا تیار کیا۔ پھر وہ خشک ہو کر اور پک کر اس طرح ہو گیا کہ انگلی مارنے سے کھن کھن کرنے لگے اور بجنے لگے۔ تب وہ مختلف مراحل کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ اس میں روح ڈالی جائے۔ (اور اس سے) یعنی آدمی علیہ السلام کی تخلیق سے (پہلے ہم جن) کی نوع کے اصل اول (کو لو کی آگ سے پیدا کر چکے تھے۔ اور) وہ وقت یاد کرو (جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں ایک بشر کو سڑے ہوئے گارے کی) بنی ہوئی (کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں۔ پھر جب میں اس) پتلے (کو ٹھیک کر) کے اس قابل بنا (دوں) کہ اس میں روح ڈالی جا سکے (اور) پھر میں (اس میں اپنی) پیدا کردہ (روح پھونک دوں تو تم) سب (اس کے سامنے سجدہ میں گر جانا)۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو بنا لیا (تو) سب کے (سب فرشتوں نے اکٹھے اس کو سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے اس سے انکار کیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو) کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرے۔ غرض اس نے سجدہ نہ کیا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا۔ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ میں ایسے بشر کو سجدہ کروں جس کو آپ نے سڑے ہوئے گارے کی) بنی ہوئی (کھنکھناتی مٹی) جیسے حقیر و ذلیل مادہ (سے پیدا کیا ہے) جب کہ میں اس سے بہت بہتر چیز یعنی آگ سے پیدا ہوا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) سجدہ سے تیرے انکار کی اصل وجہ یہ نہیں کہ آگ کو مٹی پر شرف و فضیلت حاصل ہے کیونکہ شرف و فضیلت تو اسی کے لئے ہوتی ہے جسے ہم شرف وفضیلت دیں بلکہ تیرے انکار کی اصل وجہ تیرا تکبر ہے جس کے آگے تو نے ہمارے دیئے ہوئے حکم کو بھی نظر انداز کر دیا اور تجھے وہ حکم غلط نظر آنے لگا تو ایسی صورت میں (تو اس) جنت (سے نکل جا کیونکہ تو) ہماری طرف سے (مردود ہو گیا اور روز جزا) یعنی قیامت کے دن (تک تجھ پر میری لعنت رہے گی)۔ اور اس کے بعد تیرے لئے دائمی جہنم کا ہونا تو ظاہر ہے۔ شیطان (بولا اے میرے رب) جب آدم کی وجہ سے میں مردود کیا گیا ہوں (تو آپ مجھے قیامت کے دن تک) زندگی (کی مہلت دے دیجئے) تا کہ میں آدم سے اور آدم کی اولاد سے بدلہ لوں۔ ارشاد (فرمایا) تو مہلت مانگتا ہے تو جا (مقرر وقت کے دن تک تو بھی مہلت والوں میں سے ہے)۔ مہلت ملنے پر شیطان نے اپنی سرکشی کا مزید اظہار کیا اور اپنے کسب و اختیار کو تو بالکل نظر انداز کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے مؤثر حقیقی ہونے کو سامنے رکھتے ہوئے (کہنے لگا کہ اے میرے رب اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے) اور آدم کو فضیلت دی ہے تو اگرچہ میں آپ کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن آدم اور ان کی اولاد کو آپ کی دی ہوئی فضیلت سے محروم کرنے میں لگا رہوں گے اور اس سلسلہ میں (میں ان کے لئے زمین میں) ان کے برے اعمال اور خواہشات نفسانی کو (مزین کروں گا اور ان سب کو گمراہ کر کے

رہوں گا سوائے ان میں سے آپ کے منتخب بندوں کے) جو آپ کی بندگی اور اخلاص پر قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے (فرمایا بے شک) بندگی اور اخلاص کی (یہ راہ سیدھی مجھ تک پہنچتی ہے)۔ باقی (میرے بندوں) یعنی آدم اور اولاد آدم (پر تیرا کچھ زور نہیں ہوگا) کہ اس زور سے تو کسی بندے کو اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی گمراہ کر دے (البتہ جو خود بہکے ہوئے تیری پیروی کریں) تو یہ علیحدہ بات ہے (اور) ہاں جو لوگ تیری راہ پر چلیں گے (ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازہ) میں سے جانے (کے لئے ان لوگوں کا تقسیم شدہ حصہ ہے) کہ کوئی کسی دروازہ سے جائے گا اور کوئی کسی دروازے سے۔

ربط: آخری آیتوں میں جہنمیوں کا ذکر ہوا تو ضمناً جنتیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ تقابل سے جہنم کے عذاب کی دردناکی نمایاں ہو۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ

جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍؕ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ

فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ

اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُۙ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: یقیناً پرہیزگار لوگ ہوں گے باغوں میں اور چشموں میں۔ (کہا جائے گا) داخل ہوا ان میں سلامتی کے ساتھ باامن ہوکر۔ اور کھینچ لیا ہم نے جو تھا ان کے سینوں میں کینہ (اس طرح سے) کہ ہو گئے بھائی بیٹھے ہوئے تختوں پر آمنے سامنے۔ نہیں چھوئے گی ان کو ان میں کوئی تکلیف اور نہ وہ ان سے نکالے جائیں گے۔ تو بتادے میرے بندوں کو کہ میں ہی ہوں بخشنے والا رحم کرنے والا اور یہ (بھی) کہ میرا عذاب ہی ہے عذاب دردناک۔

تفسیر: جو کفر و شرک اور گناہوں سے (پرہیز کرنے والے لوگ) ہیں وہ (یقیناً) جنت کے (باغوں اور چشموں میں) جانے کے حقدار (ہوں گے) اور ان سے کہا جائے گا کہ تم ان باغوں اور چشموں میں ہر قسم کی پریشانی سے (سلامتی کے ساتھ) اور ہر قسم کے اندیشہ سے (باامن ہوکر داخل ہو اور) دنیا میں طبعی تقاضے سے (ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ سب ان کے دلوں سے) جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی (کھینچ لیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح) ہو جائیں گے اور الفت و محبت

کے ساتھ (تختوں پر آمنے سامنے بیٹھا کریں گے۔ ان باغوں میں ان کو ذرا بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے)۔ اور اے نبی (آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں ہی اصل بخشنے والا) اور (رحم کرنے والا ہوں اور) میں اپنی تمام مخلوقات پر بخشش کرنے اور رحمت کرنے کو پسند کرتا ہوں لیکن جو شخص خود شرارت و بدکاری سے میری مخالفت اور نافرمانی پر کمر باندھ لے تو آپ ان کو اس سے باخبر کر دیجئے کہ ایسوں کے لئے (میرا عذاب بھی بڑا دردناک ہے) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ربط: آگے سرزمین عرب کی نافرمان قوموں پر جو دردناک عذاب نازل ہوا اس کو بطور مثال ذکر کرتے ہیں۔

1- قوم لوط پر عذاب

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا
قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقٰنِطِينَ ﴿٥٥﴾
قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا
خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمٍ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾
إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا
إِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ
إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾
وَأَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ
اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ
تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ

مُّصْبِحِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالَ اِنَّ
هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾
قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ
كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾
وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾

ترجمہ: اور خبر دے ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی جب وہ آئے اس کے پاس اور کہا (تم پر) سلام (ہو تو ابراہیم نے) کہا ہم تم سے خوفزدہ ہیں۔ وہ بولے مت خوف کر۔ ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھ کو علم والے لڑکے کی۔ کہا کیا خوشخبری دیتے ہو تم مجھ کو اس پر کہ پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا۔ تو کس بات پر تم خوشخبری دیتے ہو۔ وہ بولے خوشخبری دی ہم نے تجھ کو حق کے ساتھ تو مت ہو تو نا امیدوں میں سے۔ (ابراہیم نے) کہا اور نہیں کوئی کہ نا امید ہو اپنے رب کی رحمت سے مگر گمراہ لوگ۔ کہا تو کیا مہم ہے تمہاری اے بھیجے ہوؤ۔ بولے ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم کی طرف سوائے لوط کے خاندان کے کہ ہم بچانے والے ہیں ان سب کو سوائے اس کی بیوی کے۔ طے کیا ہم نے کہ وہ ہے پیچھے رہ جانے والوں میں سے۔ پھر جب آئے لوط کے خاندان کے پاس (وہ) بھیجے ہوئے (فرشتے) تو انہوں نے کہا کہ تم ہو عجیب لوگ۔ وہ بولے آئے ہیں ہم تیرے پاس اس چیز کے ساتھ وہ جس میں شک کرتے تھے۔ اور لائے ہیں ہم تیرے پاس یقینی بات اور ہم سچے ہیں۔ سو تو لے چل اپنے گھر والوں کو رات کے ایک ٹکڑے میں اور تو پیچھے چل ان کی پشتوں کے اور نہ مڑے تم میں سے کوئی اور تم سب چلو جہاں تم حکم دیئے جاتے ہو۔ اور طے کر دی ہم نے اس کی طرف یہ بات کہ ان لوگوں کی جڑ کٹی ہوئی ہو گی صبح ہوتے۔ اور آئے شہر والے خوشیاں کرتے۔ (لوط نے) کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں تو مت اہانت کرو تم میری۔ اور ڈرو اللہ سے اور مت رسوا کرو تم مجھ کو۔ وہ بولے کیا نہیں ہم نے

منع کیا تجھ کو جہان والوں سے۔ کہا یہ میری بچیاں ہیں اگر ہو تم کرنے والے۔ قسم ہے تیری جان کی بے شک وہ اپنی مستی میں بہک رہے تھے۔ تو پکڑا ان کو چیخ نے سورج نکلتے وقت۔ پھر کر دیا ہم نے اس (بستی) کا اوپری حصہ اس کا نچلا اور برسائے ہم نے ان پر پتھر کنکر کے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں سمجھ بوجھ والوں کے لئے اور وہ (بستی) ہے سیدھی راہ پر۔ بے شک اس میں نشانی ہے ایمان والوں کیلئے۔

تفسیر: (اور) اے نبی (آپ ان لوگوں کو ابراہیم) علیہ السلام (کے مہمانوں کا) قصہ بھی (بتائیے) جو اصل میں فرشتے تھے لیکن انسانی بھیس میں آئے تھے اور جن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کیلئے بھیجا گیا تھا اور ان کو حکم تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جانے سے پہلے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف جائیں اور اول تو ان کو اولاد کی خوشخبری سنائیں پھر اس کے بعد ان کو یہ بتائیں کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ (جب وہ فرشتے ابراہیم) علیہ السلام (کے پاس آئے تو کہا) السلام علیکم یعنی آپ پر (سلام ہو)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو مہمان سمجھ کر ان کے لئے کھانا تیار کرا کے لائے مگر چونکہ وہ فرشتے تھے اس لئے انہوں نے نہیں کھایا۔ ان کے کھانا نہ کھانے سے آپ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ مخالف لوگ نہ ہوں اور پہلے تو اس خوف کو چھپاتے رہے لیکن بالآخر وہ زبان پر بھی آ گیا اور (فرمایا کہ ہم تم سے خوفزدہ ہوئے ہیں۔ وہ فرشتے بولے) ہم تو فرشتے ہیں اور اللہ کے حکم سے آئے ہیں لہٰذا (آپ خوف مت کیجئے) بلکہ (ہم) تو (آپ کو ایک بڑے علم والے لڑکے) یعنی اسحاق علیہ السلام (کی خوشخبری دیتے ہیں)۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری سنی تو اپنے بڑھاپے کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی اور ویسے بھی انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی خوشی کی خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقے سے اچانک سنے تو یقین آ جانے کے باوجود تعجب کا اظہار کرتا ہے اور خوب کھود کرید کر پوچھتا ہے تاکہ خبر دینے والا اور تاکید کے ساتھ بات کو دہرائے جس میں کسی قسم کی غلط فہمی نہ رہے۔ اس لئے (ابراہیم) علیہ السلام (نے) تعجب سے (کہا ارے کیا تم لوگ مجھ کو اس حالت پر لڑکے کی خوشخبری دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا ہے تو) اب اس بڑھاپے کے بعد (تم کس بات پر مجھے خوشخبری دیتے ہو۔ وہ فرشتے بولے کہ ہم آپ کو واقعی بات کی خوشخبری دیتے ہیں سو آپ) اپنے بڑھاپے کی موجودگی اور حصول اولاد کے عام عادت کے اسباب کی عدم موجودگی پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ کی خاص عادت اور خاص رحمت سے (ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہوں)۔ ابراہیم علیہ اسلام نے جواب میں (کہا) الحمد للہ

میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے نا امید نہیں ہوں اور میں کیا (کوئی بھی) مومن (اپنے رب کی خاص رحمت سے نا امید نہیں ہوتا مگر جو گمراہ لوگ ہوں) بس وہی اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے مایوس رہتے ہیں۔ میں نے تو اظہار تعجب کیا ہے کہ دیکھو اللہ کی قدرت کیسی عجیب ہے کہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ غرض یہ اظہار تعجب ہے اظہار مایوسی نہیں ہے۔ پھر ابراہیم علیہ اسلام نے قرائن سے اندازہ لگایا کہ فرشتوں کے آنے کا کچھ اور مطلب بھی ہے اس لئے (پوچھا کہ اے بھیجے ہوئے) فرشتو (تمہاری اصل مہم کیا ہے۔ فرشتوں نے کہا ہم ایک مجرم قوم) یعنی لوط علیہ السلام کی قوم (کی طرف) ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے (بھیجے گئے ہیں سوائے لوط علیہ السلام کے خاندان کے کہ ان سب کو ہم) عذاب سے (بچالیں گے اور ان کو اس بستی سے نکال لیں گے سوائے ان کی) یعنی لوط علیہ السلام کی (بیوی کے کہ) اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کے طے کرنے سے (ہم نے) بھی اپنے پروگرام میں یہ (طے کر رکھا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں) اور ہلاک ہونے والوں (میں سے ہوگی۔ پھر جب) وہ (فرشتے لوط علیہ اسلام کے خاندان کے پاس) حسین وجمیل انسانی شکلوں میں (آئے تو) لوط علیہ السلام نے ان کو عام مہمان سمجھا اور یہ نہ پہچانا کہ یہ فرشتے ہیں اور چونکہ اپنی قوم کی عادت بد سے واقف تھے اس لئے سخت فکر مند اور تنگدل ہوئے کہ یہ بدمعاش ان مہمانوں کو کہاں چھوڑیں گے۔ پھر ایسا ہی ہوا کہ قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس بھاگم بھاگ آئے اور مہمانوں کو ان کے حوالے کرنے کو کہا۔ حضرت لوط علیہ السلام مہمانوں کی مدافعت کرتے رہے جس کی تفصیل آگے آتی ہے یہاں تک کہ مجبور ہو کر مہمانوں سے (کہا کہ تم عجیب لوگ ہو) میں تمہاری آبرو بچانے کے لئے اتنا زور لگا رہا ہوں لیکن تم میری امداد کے لئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔ (فرشتے بولے) آپ مت گھبرائیے۔ ہم انسان نہیں (بلکہ) فرشتے ہیں اور (ہم آپ کے پاس وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس) کے نازل ہونے (میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس) عذاب کے نزول کی (یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ یہ آپ تک نہیں پہنچ سکتے اور آپ رات کے) آخری (ایک حصہ میں اپنے گھر والوں کو چلا کر) بستی سے (نکل جائیے اور آپ سب کے پیچھے رہئے) تا کہ نہ کوئی پیچھے رہے اور نہ کوئی واپس لوٹے (اور تم میں سے کوئی پیچھے کو بھی نہ مڑے اور جس جگہ جانے کا تم کو حکم ہوا ہے اس طرف سب چلے جانا۔ اور) اللہ کے حکم کے تحت (ہم نے لوط) علیہ السلام (کی طرف یہ بات طے کر دی ہے) یعنی ان کو بتا دی ہے (کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کٹی ہوئی ہوگی) یعنی سب تباہ و برباد ہوں گے۔

آگے حضرت لوط علیہ اسلام کی مدافعت کی تفصیل ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (شہر کے لوگ) یہ خبر سن کر کہ لوط علیہ اسلام کے پاس حسین وجمیل لوگ آئے ہیں خوب (خوشیاں کرتے ہوئے) لوط علیہ

السلام کے گھر پر (آئے۔ لوط) علیہ السلام (نے) جو ابھی تک مہمانوں کو آدمی سمجھتے تھے قوم والوں کی بدنیتی دیکھ کر فرمایا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو) ان کو تنگ کر کے عام لوگوں میں (مجھ کو فضیحت مت کرو) کیونکہ مہمانوں کی فضیحت سے میری فضیحت ہوگی۔ سو اگر تم ان مسافروں کا خیال نہیں کرتے تو میرا تو خیال کرو کہ تمہاری ہی بستی کا آدمی ہوں (اور خود) اپنی بدفعلی کے بارے میں (اللہ سے ڈرو اور مجھ کو) ان مہمانوں کی نظروں میں (رسوا مت کرو) جو تمہارا رویہ دیکھ کر یوں سمجھیں گے کہ شہر والوں میں ان کی کچھ قدر و قیمت نہیں۔ (انہوں نے) جواب میں (کہا) کہ یہ رسوائی ہماری طرف سے نہیں بلکہ خود آپ کے اپنے ہاتھوں ہے کہ ان کو اپنا مہمان بنایا (کیا ہم آپ کو دنیا جہان کے لوگوں) کو اپنا مہمان بنانے (سے) بارہا (منع نہیں کر چکے) نہ مہمان بناتے نہ رسوائی کی نوبت آتی۔ (لوط) علیہ السلام (نے فرمایا یہ) تو صحیح ہے کہ تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کو مہمان بنانے اور ان کی حمایت کرنے سے روکا ہے لیکن آخر اس روکنے کی وجہ یہی ہے نا کہ میں تمہاری بدفعلی میں حائل ہوتا ہوں تو خود غور کرو کہ کیا شہوت پوری کرنے کے لئے حلال مواقع تمہارے سامنے نہیں ہیں۔ آخر (میری) قوم کی (بچیاں) تمہارے گھروں میں موجود (ہیں اگر تم) میرے کہنے پر (عمل کرو)۔ مگر (وہ تو) اے نبی (آپ کی جان کی قسم اپنی مستی میں بھکے ہوئے تھے) لہٰذا کسی کی سننے والے نہیں تھے۔ اسی وجہ سے ان پر عذاب نازل کرنے کا فیصلہ ہوا اور اس کے تحت جب بستی میں صرف بدکردار لوگ ہی رہ گئے (تو سورج نکلتے وقت ان کو ایک سخت چیخ نے پکڑ لیا پھر ہم نے اس بستی کو اوپر تلے کر دیا اور) مزید یہ کہ (بستی والوں پر ہم نے کنکر کے پتھروں کی بارش برسائی) اور اس طرح ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا۔ (بے شک) لوط علیہ السلام کی قوم کے (اس قصہ میں سمجھ بوجھ رکھنے والوں کیلئے) جو ظاہری قرائن اور علامتوں سے حقیقت کا پتہ لگا لیتے ہیں عبرت کی بڑی (نشانیاں ہیں اور وہ بستی کھنڈرات کی صورت میں مکہ سے شام کو جانے والی (سیدھی راہ پر واقع ہے اور بلاشبہ اس) بستی کے کھنڈر (میں) خاص طور سے (ایمان والوں کیلئے) عبرت کی (بڑی نشانی ہے) کیونکہ وہی سمجھتے ہیں کہ بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں برباد ہوئیں ورنہ دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر اتفاق کا یا طبعی اسباب کا نتیجہ قرار دیں۔

اصحاب ایکہ پر عذاب

وَاِنۡ كَانَ اَصۡحٰبُ الۡاَيۡكَةِ لَظٰلِمِيۡنَ ﴿۷۸﴾ فَانۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ‌ۘ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اور واقعی تھے بن والے ظالم لوگ۔ سو انتقام لیا ہم نے ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے رستے پر۔

تفسیر: (اور) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مدین کے شہر میں رہتی تھی۔ اس شہر کے قریب ہی درختوں کا بن تھا۔ اسی قوم کے کچھ لوگ وہاں بھی رہتے تھے لہٰذا پوری قوم کو ہی بن والا کہا اور فرمایا کہ (بن والے) یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ (واقعی) بڑے (ظالم تھے) کہ شرک و بت پرستی کے ساتھ ساتھ ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں دھوکہ کرتے تھے۔ ہمارے رسول شعیب علیہ السلام نے ان کو ہر طرح سے سمجھایا لیکن وہ کسی طرح سے ماننے پر تیار نہ ہوئے (تو ہم نے) بھی (ان سے انتقام لیا) اور ان کو عذاب سے ہلاک کیا۔ (اور یہ دونوں) یعنی قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں حجاز و شام کے درمیان کے (کھلے رستے پر واقع ہیں) اور شام کو جاتے ہوئے تمہاری نظروں میں آتی ہیں۔

اصحاب حجر پر عذاب

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَٰبُ ٱلْحِجْرِ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾
وَءَاتَيْنَٰهُمْ ءَايَٰتِنَا فَكَانُوا۟ عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا۟ يَنْحِتُونَ
مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا ءَامِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾
فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

ترجمہ: اور بے شک جھٹلایا حجر والوں نے رسولوں کو۔ اور دیں ہم نے ان کو اپنی نشانیاں تو وہ رہے ان سے منہ پھیرتے۔ اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے گھر با امن ہو کر۔ تو پکڑا ان کو چیخ نے صبح ہوتے تو نہیں کام آیا ان کے جو وہ کماتے تھے۔

تفسیر: (اور بلا شبہ حجر والوں نے) یعنی قوم ثمود نے جس کے ملک کا نام حجر تھا اپنی طرف بھیجے گئے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تو گویا سب (رسولوں کو جھٹلایا) کیونکہ سب ایک ہی دین لے کر آئے ہیں۔ (اور ہم نے ان کو اپنی) توحید اور صالح علیہ السلام کی نبوت کی (نشانیاں) بھی (دیں تو وہ) اپنی سرکشی میں (ان سے منہ پھیرتے رہے اور) ان سے جو فائدہ اٹھانا چاہئے تھا وہ فائدہ نہیں اٹھایا اور آخرت کی کچھ فکر نہیں کی بلکہ اپنی دنیوی زندگی پر مغرور ہو کر (وہ) اپنے تکبر کی نمائش کی خاطر (پہاڑوں کو تراش کر بڑے) عالیشان مکان بناتے تھے) گویا کہ وہ ان میں (امن سے) رہیں گے کوئی

آفت نہ آئے گی۔ تو جب ہمارے عذاب کا فیصلہ آن پہنچا (تو صبح کے وقت ان کو ایک سخت چیخ نے پکڑا اور جو کچھ وہ کماتے) بناتے (تھے) مثلاً مال و دولت، مستحکم عمارتیں، جسمانی قوت اور دیگر اسباب و وسائل خدا کے عذاب کو دور کرنے میں ان میں سے کچھ (ان کے کام نہ آیا)۔

ربط: آخر میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دیتے ہیں کہ اگر یہ کفار مذکورہ بالا کسی بات سے عبرت نہ پکڑیں تو آپ بھی ان کے درپے نہ ہوں۔ آپ صرف اپنی اور مسلمانوں کی فکر کیجئے ان کافروں سے ہم خود نمٹ لیں گے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ
اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ
عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ
الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ ج كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ لا الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ
عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ لا عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ الربع
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ لا الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ لا
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ لا وَاعْبُدْ رَبَّكَ
حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے مگر حکمت سے اور بلاشبہ قیامت آنے والی ہے تو درگزر کر اچھی درگزر۔ یقیناً تیرا رب ہے بڑا خالق بڑا عالم۔ اور دیں ہم نے تجھ کو سات آیتیں تکرار والیوں میں سے اور (دیا ہم نے تجھ کو) قرآن عظمت والا۔ مت اٹھا تو اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف فائدہ دیا ہم نے جس کا کافروں کی قسموں کو اور مت غم کر ان پر اور جھکا اپنا بازو ایمان والوں کے لئے اور کہہ میں ہی ہوں ڈرانے والا کھلا۔ جیسا کہ اتارا ہم نے بانٹنے والوں پر جنہوں نے بنایا قرآن کو حصے۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم ضرور سوال کریں گے ان سب سے اس کے بارے میں جو یہ کرتے تھے۔ سو تو سنا دے جس کا تو حکم دیا جاتا ہے اور اعراض کر مشرکوں سے۔ یقیناً ہم کفایت کریں گے تیری استہزاء کرنے والوں سے جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ معبود دوسرا۔ سو جلد یہ جان لیں گے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تنگ ہوتا ہے تیرا سینہ اس سے جو یہ کہتے ہیں۔ تو تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور ہو سجدہ کرنے والوں میں سے اور عبادت کر اپنے رب کی یہاں تک کہ آ جائے تیرے پاس یقینی بات۔

تفسیر: اور اے نبی مذکورہ بالا تمام باتوں کے باوجود اگر یہ کافر عبرت نہ پکڑیں اور اپنی مخالفت نہ چھوڑیں تو آپ بھی ان کے بارے میں پریشان مت ہوں کیونکہ ان کا ایک روز تو فیصلہ ہونا یقینی ہے جو قیامت کا روز ہے اور جس کی آمد کی ہم یہ دلیل دیتے ہیں کہ (ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو) اس (حکمت) ومصلحت (سے پیدا کیا ہے) کہ ان کو دیکھ کر لوگ ہمارے وجود اور ہماری وحدانیت پر استدلال کریں اور پھر ہم کو مان کر ہمارے احکام کی اطاعت کریں اور ہم سے انعام پائیں اور جو ایسا نہ کریں وہ سزا پائیں اور جزا وسزا کی اصل جگہ دار آخرت ہے دنیا نہیں جیسا کہ عام مشاہدہ سے معلوم ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگوں کے اعمال کا پورا یا کچھ بھی بدلہ نہیں ملتا (اور) اس کے لئے (قیامت یقیناً آنے والی ہے سو آپ) ان کی شرارتوں سے (اچھے طریقے سے درگزر کیجئے) جو یہ ہے کہ آپ ان کافروں کی فکر ہی چھوڑ دیجئے اور ان کے شکوہ شکایت میں بھی نہ لگئے کیونکہ (یقیناً آپ کا رب بڑا خالق ہے) کافروں کے لئے عذاب کے حالات پیدا کر سکتا ہے اور (بڑا عالم ہے) کہ نیک و بد کسی کے بھی تفصیلی حالات سے بے خبر نہیں۔ (اور) ان کی فکر میں پڑنے کے بجائے آپ ہماری عنایتوں پر نظر رکھئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ (ہم نے آپ کو) اپنے کلام کے انتہائی

مفید حصہ یعنی سورہ فاتحہ کی (سات آیتیں دی ہیں جو) نماز میں (تکرار) کے ساتھ پڑھی جانے (والی) ہیں (اور) جو اس (باعظمت قرآن) کا اہم حصہ (ہے جس کی مثل نہ تورات و انجیل و زبور میں ہے اور نہ ہی خود باقی قرآن میں ہے۔ اور جس کو قرآن جیسی نعمت ملے پھر وہ کسی کی اور کوئی نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہیں جانی اس لئے نبی ﷺ کو ہدایت فرماتے ہیں کہ قرآن جیسی نعمت کے ہوتے ہوئے (آپ اپنی نظریں اس ساز و سامان کی طرف مت اٹھائیے جو کافروں کی مختلف قسموں) مثلاً مشرکین، یہود اور نصاریٰ (کو ہم نے دیا) اگرچہ آپ یہ سوچ کر ہی نظریں اٹھائیں کہ یہ سامان ان لوگوں کو کیوں دیا گیا جس سے ان کی شرارت اور بدبختی اور بڑھتی ہے مسلمانوں کو دیا جاتا جو اس کو اچھے راستے میں خرچ کرتے کیونکہ ہم نے اپنی کسی مصلحت سے ان کو یہ چندروزہ زندگی کا سامان دیا ہے تاکہ یہ کچھ دن مزے کرلیں (اور آپ) اب (ان) کے کفر اور ان کی مخالفت (پر کچھ غم نہ کیجئے) بلکہ اپنی توجہ مسلمانوں کی طرف کر لیجئے (اور مومنوں کے لئے اپنے شفقت کے بازو کو جھکا کر رکھئے) اور ان کے ساتھ نرمی اور تواضع کا برتاؤ رکھئے (اور) کافروں سے خلاصہ کے طور پر یوں (فرما دیجئے کہ میں تو بس) تمہیں خدا کے عذاب سے (کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں جیسا کہ ہم نے) انبیاء کی مخالفت میں اور جھوٹی باتوں پر (قسمیں کھانے والوں پر) اور (جنہوں نے) آسمانی (کتاب) کو جھٹلا کر گویا اس (کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے) عذاب (نازل کئے تھے تو آپ کے رب کی قسم ہے) جب قیامت کا دن ہوگا تو (ہم ان سب) اگلوں اور پچھلوں سے ان (کے اعمال کی باز پرس ضرور کریں گے)۔ حاصل کلام یہ ہے کہ (آپ کو جس بات کے پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے آپ اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور مشرکوں) کے استہزاء (کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ کی طرف سے ہم ان استہزاء کرنے والوں کے لئے کافی ہوں گے جو اللہ کے ساتھ اور معبودوں کو شریک ٹھہراتے ہیں سو یہ جلد جان لیں گے) کہ استہزاء اور شرک کا کیا انجام ہوتا ہے۔ (اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو) شرک و استہزاء کی (باتیں کرتے ہیں ان سے آپ تنگدل ہوتے ہیں) اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے (تو آپ) ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر آپ (اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور سجدہ کرنے والوں) یعنی نمازیں پڑھنے والوں (میں سے رہئے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے) کیونکہ ان چیزوں سے دل مطمئن رہتا ہے اور فکر و غم دور ہوتے ہیں (یہاں تک کہ اسی حالت میں آپ کو موت جیسی (یقینی بات آجائے)۔

سورہ نحل

پچھلی سورت کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کو یہ تسلی دی تھی کہ آپ اب ان کافروں کی فکر چھوڑ دیجئے ہم خود ان سے نمٹ لیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب اس سورت کے شروع میں فرماتے ہیں کہ کافروں سے نمٹنے کا معاملہ قریب ہی آ گیا ہے اور جو قریب آ جائے اس کو تو ایسے سمجھو گویا آ ہی گیا۔

سُوْرَۃُ النَّحْلِ مَکِّیَّۃٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | اٰیَاتُھَا ۱۲۸ - رُکُوْعَاتُھَا ۱۶

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ①

ترجمہ: آ پہنچا اللہ کا حکم تو مت تم جلدی کرو اس کی۔ پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

تفسیر: کافروں کے کفر و شرک کی سزا کے بارے میں (اللہ کا حکم آ پہنچا) کہ جلد ہی دنیا میں ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ہو گی اور آخرت میں براہ راست اللہ کے دربار سے ہو گی۔ (تو تم) جو استہزاء کے طور پر مطالبہ کرتے ہو کہ اگر عذاب آنا ہے تو اس کو جلدی لے آ' (اس کی جلدی مت مچاؤ) کیونکہ تمہارے اس طرح کرنے سے وہ ٹلنے والا نہیں وہ تو حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا ہی چاہتا ہے۔ اس کے آنے میں جو تمہیں مہلت مل رہی ہے تم اس کو غنیمت سمجھو اور اپنی اختراعی باتوں کو چھوڑ کر واقعی حقیقتوں کو اختیار کرو جن میں سے ایک یہ ہے کہ (جو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اللہ اس سے پاک و بلند ہے) اور اس کا حقیقت میں کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

ربط: جب صرف اللہ ہی وحدہ لاشریک لہ ہیں تو ان کے علاوہ کوئی بھی لائق عبادت نہیں اور لوگوں کو یہ حقیقت سمجھانے کے لئے اللہ نے اپنی حکمت سے فرشتوں اور نبیوں کا واسطہ مقرر کیا ہے۔

یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ

اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

ترجمہ: وہ اتارتا ہے فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم کی جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے کہ خبردار کردو کہ نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوائے میرے سو مجھ سے ڈرو۔

تفسیر: (وہ) اللہ تعالیٰ (فرشتوں) میں سے بعض (کو) مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کو (اپنے حکم کی وحی دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) یعنی انبیاء پر (نازل فرماتا ہے) اور سب انبیاء پر نازل کردہ وہ مشترکہ حکم یہ ہے (کہ) اے رسولو لوگوں کو (خبردار کردو کہ میرے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں ہے سو) صرف (مجھ) کو اپنا معبود بناؤ اور مخالفت کی صورت میں جو میری طرف سے تمہاری پکڑ ہوگی اس (سے ڈرو)۔

ربط: آگے توحید فی العبادت کے دلائل ذکر کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور ان کا نظام

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳

ترجمہ: اس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو ٹھیک ٹھیک۔ وہ بلند ہے اس سے جو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو ٹھیک ٹھیک) نظام کے ساتھ (پیدا کیا) جسے دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ تمام کائنات کا سلسلہ صرف ایک خدا کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اگر کئی خداؤں کے ہاتھ میں ہوتا تو ہر ایک کی زور آزمائی میں نظام درست نہ رہتا۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ (اللہ تعالیٰ اس سے بلند) و برتر (ہے جو یہ) کافر (شریک ٹھہراتے ہیں)۔

دوسری دلیل: انسان کی پیدائش

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴

ترجمہ: اس نے پیدا کیا انسان کو ایک نطفہ سے پھر جب ہی وہ ہوا جھگڑا کرنے والا کھلا کھلا۔

تفسیر: آسمانوں اور زمین کا انتظام درست کر کے پھر (اس) اللہ (نے انسان کو ایک نطفہ سے پیدا کیا۔) اگر تم اپنی خلقت میں غور کرو تو اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب صنعت وقدرت نظر آئے گی۔ تمہاری اصل ایک بے جان حقیر قطرہ تھی جس میں نہ کوئی حس وارادہ تھا اور نہ شعور تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ کسی عجیب صورت عطا کی اور کیسی اعلیٰ قابلیتیں اور کمالات عطا کئے کہ جو ایک حرف

بولنے پر قادر نہ تھا (پھر وہ یکا یک) کس طرح اپنی بات اور اپنے دعوے اور اپنے حق کی خاطر کھلا کھلا جھگڑنے والا) اور بات بات میں حجتیں نکالنے والا (ہو گیا) حتی کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر وہ اپنے خالق کے مقابلہ میں حجت بازی کرنے لگتا ہے۔

تیسری دلیل: چوپایوں کا وجود

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝٥ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝٦ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٧

ترجمہ: اور چوپائے، پیدا کیا ان کو۔ تمہارے لئے ان میں سردی کا سامان اور (دیگر) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں رونق ہے جب تم شام کو لاتے ہو اور جب تم چرانے لے جاتے ہو۔ اور یہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ ایسے شہر کی طرف کہ نہ تھے تم پہنچنے والے اس تک مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ۔ بے شک تمہارا رب بڑی شفقت کرنے والا رحمت والا ہے۔

تفسیر: (اور) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (چوپائے) جیسے اونٹ، گائے، بھیڑ بکری (پیدا کئے ان میں تمہارے لئے سردی) سے بچاؤ (کا سامان) بھی ہے کہ ان میں سے بعض کے بال اور اون وغیرہ سے کمبل، خیمے اور مختلف قسم کے گرم لباس تیار کئے جاتے ہیں (اور) ان چوپایوں میں تمہارے دیگر (فوائد) بھی (ہیں) مثلاً تم ان کا دودھ استعمال کرتے ہو اور ان کے چمڑے سے بہت سے سامان تیار کئے جاتے ہیں (اور ان میں سے بعض) کے گوشت (کو تم کھاتے ہو اور پھر) ان فوائد کے علاوہ (ان میں تمہارے لئے رونق) اور چہل پہل بھی ہوتی (ہے) خصوصاً (جب تم) ان کو (شام کو) چرا کر (لاتے ہو اور جب تم) صبح کے وقت ان کو (چرانے لے جاتے ہو) کیونکہ ان اوقات میں یہ جانور سب لوگوں کے سامنے آتے ہیں اور ان کی نمائش ہوتی ہے جس سے مالک کو خوشی ہوتی ہے۔ اور ان کا ایک (اور) فائدہ یہ ہے کہ ان میں سے اونٹ اور بیل وغیرہ (تمہارے بوجھ) اور سامان (اٹھا کر دوسرے شہر لے جاتے ہیں جس تک) ان کے بغیر (تم جانوں کی بڑی مشقت ہی سے پہنچ پاتے)۔ یہ اللہ کی تم پر شفقت و

رحمت ہے کہ اس نے ان چوپایوں کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور سخت محنت کے کاموں کو ان کے ذریعہ آسان کر دیا۔ (بے شک تمہارا رب بڑی شفقت والا رحمت والا ہے۔)

چوتھی دلیل: سواریاں مہیا کرنا

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸

ترجمہ: اور (پیدا کئے) گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ تم سوار ہو ان پر اور زینت کے لئے۔ اور وہ پیدا کرتا ہے (وہ کچھ) جو تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (اور) اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے (گھوڑے اور خچر اور گدھے) پیدا کئے (تاکہ تم ان پر سوار ہو) کر اپنی منزل مقصود تک آسانی سے پہنچ جاؤ (اور) اللہ نے ان کو تمہاری (زینت کے لئے) بھی پیدا کیا ہے جیسے اچھی کار سواری کا کام بھی دیتی ہے اور زینت و زیبائش کا فائدہ بھی دیتی ہے۔ (اور) صرف ان جانوروں پر کیا موقوف ہے اللہ تعالیٰ تو تمہارے لئے سواری کے طور پر وہ بہت کچھ (پیدا کرتا ہے) اور کرتا رہے گا (جو) فی الحال (تم نہیں جانتے) مثلاً سائیکل، موٹر سائیکل، موٹر کار، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز وغیرہ۔

ربط: اوپر یہ ذکر ہوا کہ تم سواریوں کے ذریعہ سخت اور کٹھن منزلیں طے کرتے ہو جو کہ بدنی سفر کا حال ہے۔ اسی کی مناسبت سے بیچ میں روحانی سفر کا ذکر کرتے ہیں یعنی جس طرح زمینی، ہوائی اور سمندری راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتے ہو ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا یعنی ہدایت کا راستہ بھی موجود ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹ ع

ترجمہ: اور اللہ تک پہنچتا ہے سیدھا راستہ اور بعض راستہ ٹیڑھا ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو راہ پر لگا دیتا تم سب کو۔

تفسیر: (اور) ہدایت کے اعتبار سے ایک تو (سیدھا راستہ) ہے جو (اللہ تک پہنچتا ہے اور ایک ٹیڑھا راستہ ہے)۔ جس کی سمجھ سیدھی ہوتی ہے وہ توحید کے مذکورہ بالا دلائل میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت پر ایمان لاتا ہے (اور) توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ پر چل کر خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ لیکن جس کی عقل و سمجھ سیدھی نہیں وہ سیدھے راستے پر آنے کے بجائے ٹیڑھے راستے میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اللہ کو اس کو سیدھی راہ پر لگانے کی قدرت نہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے

کہ اس کو اتنی قدرت ہے کہ (اگر وہ چاہتا تو تم سب) انسانوں (کو راہ ہدایت پر لگا دیتا) لیکن اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ تم سب کو زبردستی ایک راہ پر نہ لگائے بلکہ راہ پر چلنے میں تمہارے اپنے کسب کو بھی دخل ہو۔

پانچویں دلیل: بارش اور نباتات

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے لئے۔ اس سے پینا (بھی) ہے اور اس سے درخت (بھی) ہیں جس میں تم چراتے ہو۔ وہ اگاتا ہے تمہارے لئے اس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم پھلوں سے۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔

تفسیر: (وہی) اللہ (ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے) بارش کی صورت میں (پانی اتارا) اور اس کو اس قابل بنایا کہ تمہارے لئے (اس سے پینا) بھی ممکن (ہے اور اس سے) تمہارے لئے گھاس اور (درخت) وغیرہ بھی ہوتے (ہیں جن میں تم) اپنے جانور (چراتے ہو۔ وہ) اللہ تمہارے لئے (اسی) ایک پانی (سے) مختلف قسم کی (کھیتی اور) مختلف قسم کے پھل مثلاً (زیتون اور کھجور اور انگور اور دیگر ہر قسم کے پھل اگاتا ہے) جو شکل وصورت، رنگ و بو، مزہ اور تاثیر میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ (اس) بات (میں غور کرنے والوں کے لئے) اللہ تعالی کی قدرت کاملہ اور توحید کی (بڑی نشانی ہے)۔

چھٹی دلیل: اجرام سماوی

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور پابند کیا تمہارے لئے رات کو اور دن کو اور سورج کو اور چاند کو اور ستارے پابند ہیں اس کے حکم سے۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔

تفسیر: (اور) وہی اللہ ہے جس نے (تمہارے لئے پابند کیا رات کو اور دن کو) کہ وہ مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تاکہ دنیا کا کاروبار بھی چلے اور لوگ آرام بھی کر سکیں۔ (اور) اسی طرح اللہ نے (سورج کو اور چاند کو) ایک معین نظام کا پابند کیا جس کے تحت ہی وہ نکلتے ہیں اور چھپتے ہیں۔ اس نظام سے بھی انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں۔ (اور) دیگر (ستارے) بھی (اللہ کے حکم سے) اپنے کاموں کے (پابند ہیں) مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کر سکیں۔ غرض (اس میں) کوئی شک نہیں کہ اجرام سماوی کے نظام میں (سمجھنے والوں کے لئے) توحید کی بڑی (نشانیاں ہیں)۔

ساتویں دلیل: زمینی چیزوں میں رنگارنگی

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اور جو چیزیں پیدا کیں تمہارے لئے زمین میں اس حال میں کہ مختلف ہیں ان کے رنگ۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

تفسیر: (اور) اللہ نے حیوانات، نباتات اور جمادات کے قبیل سے (تمہارے لئے زمین میں جو چیزیں پیدا کیں) ان کو (اس حال میں پیدا کیا کہ وہ) مختلف ماہیتوں، مختلف صورتوں، (مختلف رنگوں) اور مختلف خواص (والی ہیں) اور ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ (اس) رنگارنگی (میں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں) اللہ کے کمال علم اور کمال قدرت پر (بڑی نشانی ہے) اور کمال علم اور کمال قدرت اللہ تعالیٰ کی صفات میں وحدانیت کی دلیل ہیں۔

آٹھویں دلیل: آبی وسائل

وَهُوَ الَّذِیْ

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پابند کیا سمندر کو تا کہ تم کھاؤ اس سے تاز گوشت اور نکالو اس سے زیور پہنتے ہو تم جس کو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پھاڑ کر چلتی ہیں اس میں اور تا کہ تم تلاش کرو اس کے فضل سے اور تا کہ تم شکر کرو۔

تفسیر: (اور وہی) اللہ (ہے جس نے) دریا اور (سمندر کو) اپنے طبعی قوانین کا (پابند کر) کے تمہارے کام میں لگا (دیا تا کہ تم اس) میں (سے) مچھلی کا شکار کر کے اس کا (تازہ گوشت کھاؤ اور اس) سمندر و دریا کے بعض حصوں (سے) موتی کی صورت میں (زیور کو نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور تم) یہ بھی (دیکھتے ہو کہ) جہاز اور (کشتیاں سمندر میں) اللہ کے حکم سے موجوں کو چیرتی (پھاڑتی چلتی ہیں) تا کہ تم ان سے سفر بھی طے کرو (اور تا کہ) ان کے ذریعہ سے سامان تجارت ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر (اللہ کے فضل سے) مالی فائدے بھی (تلاش کرو اور) اور اللہ تعالیٰ کی اپنے اوپر ان نعمتوں کو یاد کرو (تا کہ تم) اس کا (شکر ادا کرو)۔

نویں دلیل: پہاڑ، دریا اور راستے

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور رکھے زمین میں پہاڑ مبادا وہ جھک پڑے تمہارے ساتھ اور رکھے دریا اور راستے تا کہ تم راہ پاؤ۔ اور رکھیں علامتیں۔ اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔

تفسیر: (اور زمین) جو کہ تخلیق کے ابتدائی دور میں مضطربانہ ہلتی رہتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس (میں) بھاری (پہاڑ رکھ دیئے تا کہ زمین) اپنی اضطرابی حرکت سے (تم کو لے کر) کسی ایک طرف کو (نہ جھک جائے۔ اور) اللہ نے (رکھے زمین میں دریا اور راستے تا کہ تم) ان کے ذریعہ دوسرے علاقوں اور شہروں میں جانے کی (راہ پاؤ اور) راستہ کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہاڑ، چشمے، درخت اور ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی (علامتیں قائم کر دیں اور) رات کے وقت لوگ بعض

(ستاروں) کے ذریعہ (سے راستہ پاتے ہیں)۔

ربط: مذکورہ بالا دلائل میں یہ بات مذکور ہے کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ آگے بتاتے ہیں کہ مشرکوں نے جو اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں وہ تو خود اللہ کی مخلوق ہیں اور ان میں کچھ بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں پھر وہ معبود کیسے بن سکتے ہیں۔ لہٰذا معبود تو صرف ایک اللہ ہے۔ دلائل کے باوجود پھر بھی جو شرک کرتے ہیں تو اس کی وجہ کوئی دلیل یا دلیل کا شبہ نہیں بلکہ محض تکبر و سرکشی ہے۔ جو اللہ کو پسند نہیں۔

اَفَمَنۡ يَّخۡلُقُ كَمَنۡ لَّا يَخۡلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱۷﴾
وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۸﴾
وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تُسِرُّوۡنَ وَمَا تُعۡلِنُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ
دُوۡنِ اللّٰهِ لَا يَخۡلُقُوۡنَ شَيۡـًٔـا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ؕ ﴿۲۰﴾ اَمۡوَاتٌ غَيۡرُ
اَحۡيَآءٍ ۚ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ۙ اَيَّانَ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ
مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: کیا جو پیدا کرتا ہے مانند ہے اس کے جو پیدا نہیں کرتا۔ کیا تم نہیں سوچتے۔ اور اگر تم شمار کرو اللہ کی نعمتیں تو نہ پورا کر سکو گے ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جن کو یہ پکارتے ہیں علاوہ اللہ کے نہیں پیدا کرتے کوئی چیز اور وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ مردے ہیں بے جان اور نہیں جانتے کہ کب وہ اٹھائے جائیں گے۔ تمہارا معبود ہے معبود اکیلا۔ تو جو لوگ نہیں ایمان رکھتے آخرت پر ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ نہیں پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو۔

تفسیر: جب معلوم ہو گیا کہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک اتنے عاجز ہیں کہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے تو (کیا) تم جو شرک کرتے ہو اتنا بھی نہیں سوچتے کہ (جو ہر چیز کو پیدا) کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور بالفعل پیدا بھی (کرتا ہے) کیا (وہ اس کی مانند) ہو سکتا (ہے جو) بالکل عاجز ہو اور کچھ بھی (پیدا نہیں کرتا۔ ان میں فرق کرنا تو ضروری ہے (کیا پھر بھی تم نہیں سوچتے اور) اب تک جو نعمتیں گنوائی ہیں وہ تو نمونہ کے طور پر ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی تو تم پر اتنی نعمتیں ہیں کہ (اگر تم اللہ کی تمام نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو ان) کے شمار (کو پورا نہ کر سکو گے)۔ اس سے تم اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت کا اندازہ کرو۔ ہماری اس تنبیہ پر اگر تم توبہ کرو اور شرک کو چھوڑ کر توحید اختیار کرو تو بہت اچھا ہے کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) پچھلی تمام نافرمانیوں کو (بخشنے والا اور) اپنی (رحمت) سے برائیوں کو نیکیوں سے بدلنے (والا ہے۔ اور) اگر تم توبہ نہ کرو تو جان لو کہ (اللہ تعالیٰ) تمہارے ہر قول و فعل سے (خوب واقف ہے) کفر و شرک کی (ان) باتوں (سے) بھی (جو تم) دل میں (چھپاتے ہو اور) ان سے بھی (جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور) یہ لوگ ذرا سوچیں تو سہی کہ (اللہ کے علاوہ جن کو یہ پکارتے ہیں) ان کے عجز اور بے بسی کا تو حال معلوم ہو چکا ہے کہ (وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اور) پیدا کرنا تو دور کی بات ہے (وہ) تو (خود پیدا کئے جاتے ہیں) اور بنائے جاتے ہیں اور (بے جان مردے ہیں) جیسے بت اور مرے ہوئے بزرگ یا موت سے ہمکنار ہونے والے ہیں جیسے زندہ بزرگ (اور) اللہ کے مقابلہ میں ان کی لاعلمی کا یہ حال ہے کہ یہ (نہیں جانتے کہ) حساب کتاب کے لئے (کب اٹھائے جائیں گے)۔ تو کیا ایسی بے جان اور بے خبر ہستیاں خدا ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا (تمہارا معبود تو بس اکیلا معبود) یعنی اللہ (ہے)۔ لیکن یہ سب کچھ تو وہ سمجھے جس کو آخرت کی فکر ہو اور اپنے انجام کا ڈر ہو۔ (وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کو اپنے انجام کا کچھ ڈر نہیں ہے لہٰذا (ان کے دل) اللہ کی توحید سے (انکاری ہیں اور وہی) لوگ حق کو قبول کرنے سے (تکبر کرتے ہیں)۔ لیکن (اللہ تعالیٰ) سے یہ کچھ بھی مخفی نہیں وہ (یقیناً) خوب (جانتا ہے جو وہ) اپنے دلوں میں توحید کے انکار کو (چھپاتے ہیں اور جس) غرور و تکبر (کا وہ اظہار کرتے ہیں اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو) بالکل (پسند نہیں کرتا)۔

ربط: اوپر یہ بتایا کہ ان کے انکار کی اصل وجہ تکبر و سرکشی ہے۔ آگے ان کے تکبر کی مثال بھی دیتے ہیں اور پھر ان کا انجام بھی بتاتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ

رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا
يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ
الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ
اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٧﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ
سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ کیا نازل کیا تمہارے رب نے کہتے ہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی تاکہ وہ اٹھائیں اپنے بوجھ پورے قیامت کے دن اور کچھ بوجھ ان لوگوں کا گمراہ کرتے ہیں یہ جن کو بلاتحقیق۔ آگاہ ہو برا ہے جو یہ اٹھاتے ہیں۔ مکر کر چکے ہیں وہ لوگ جو تھے ان سے پہلے پھر آیا اللہ (کا حکم) ان کی عمارت پر بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آ پہنچا ان پر عذاب جہاں سے وہ نہیں خیال کرتے تھے۔ پھر قیامت کے دن (اللہ) رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک کہ تم جھگڑتے تھے جن کی حمایت میں۔ کہیں گے وہ لوگ جو دیئے گئے علم بے شک رسوائی ہے آج کے دن اور برائی ہے کافروں پر وہ کہ وفات دیتے تھے جن کو فرشتے اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے اپنی جانوں پر۔ تب ڈالیں گے اطاعت کو کہ نہیں کرتے تھے ہم کچھ برائی۔ کیوں نہیں یقیناً اللہ خوب جاننے والا ہے اس کو جو تم کرتے تھے۔ سو داخل ہو جہنم کے دروازوں میں اس حال میں کہ ہمیشہ رہو گے اس میں۔ سو کیا برا ہے ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا۔

تفسیر: ان لوگوں کے تکبر و سرکشی کی ایک مثال یہ ہے کہ دوسروں کو گمراہ کرنے کی خاطر تمسخر و استہزاء کرتے ہیں (اور) اس کے لئے آپس میں سوال و جواب کا ناٹک رچاتے ہیں۔ اور اس میں (جب ان) میں (سے) بعض سے (کہا جاتا ہے کہ) ہاں بتاؤ تو سہی کہ (تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو) جواب میں (کہتے ہیں ارے چھوڑو) کیا اللہ تعالیٰ کو ان کے علاوہ کوئی نہیں ملتا تھا۔ یہ وحی نازل ہونا اور خدا کا رسول ہونا اور قیامت میں حساب کتاب ہونا یہ سب (پہلے) زمانے (کے لوگوں کے قصے) اور ان کے توہمات (ہیں)۔ یہ باتیں اس قابل ہی نہیں کہ ان کی طرف کان بھی لگائے جائیں۔ اس طرح کے ناٹک سے اگرچہ ان کی (غرض) دوسروں کو گمراہ کرنا تھا لیکن امر واقع میں اس کی حقیقت (یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے) گناہوں کے (بوجھ) بھی (پورے پورے اٹھائیں اور کچھ بوجھ ان لوگوں کا) بھی اٹھائیں (جن کو یہ بلاتحقیق گمراہ کرتے ہیں) اور وہ ان کے کہے پر چلتے ہیں اور (آگاہ رہو کہ) گناہوں کا (جو یہ بوجھ اٹھاتے ہیں) اس کا انجام تو (برا) ہی (ہے) اور آگاہ رہو کہ لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق کے پیغام کو دبانے کی جو تدبیریں آج یہ لوگ کر رہے ہیں یہ نئی نہیں ہیں بلکہ (ان سے پہلے کے لوگ) بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں (مکر کر چکے ہیں)۔ انہوں نے اپنے مکر وفریب کی بڑی اونچی عمارت تعمیر کی (پھر) جب (اللہ) کا فیصلہ ہوا تو اس (نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا پھر ان پر ان کے اوپر سے) عمارت کی (چھت بھی گر پڑی)۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی سب تدبیریں اور ان کے سب مکر وفریب خود انہی پر الٹ دیئے گئے (اور ان پر ایسی جگہ سے عذاب آن پڑا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا)۔ یہ تو دنیا میں ان کا انجام ہوا۔ (پھر قیامت کے دن) یہ انجام ہوگا کہ (اللہ) تعالیٰ سب کے سامنے (ان کو رسوا کریں گے اور) اس کی ایک صورت یہ ہوگی کہ ان سے یوں (فرمائیں گے کہ میرے جن شریکوں کی حمایت میں تم) میرے پیغمبروں سے (جھگڑتے تھے) آج (وہ کہاں ہیں) اور تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ وہ لوگ تو اس کا کچھ جواب نہ دے سکیں گے البتہ انبیاء اور دیگر (اہل علم) ان مکاروں کو سنا کر (کہیں گے کہ) دیکھ لیا ہم جو کہا کرتے تھے وہی ہوا کہ (آج کے دن ساری رسوائی اور ساری برائی صرف کافروں پر ہے کہ جن) کا خاتمہ کفر وشرک پر اس طرح سے ہوا کہ ان (کو فرشتے وفات دیتے تھے) تو (اس حال میں کہ وہ) کفر وشرک کر کے (اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے)۔ اہل علم کی اس بات کے بعد ان کی سب اکڑ جاتی رہے گی اور (پھر وہ) سزا سے بچنے کے لئے (اطاعت کا اظہار کریں گے کہ) ہم تو ہمیشہ نیک چلن رہے ہیں اور (ہم کبھی کوئی برا کام نہ کرتے تھے) اس پر ان سے کہا جائے گا (کیوں نہیں) تمہارا چلن تو ہمیشہ ہی برا رہا اور آج تم جھوٹ بول کر خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ دنیا میں (جو کچھ تم کرتے تھے اللہ تعالیٰ اس سے خوب باخبر ہے۔ سو) اب (جہنم میں

ہمیشہ رہنے کو اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ سو تکبر کرنے والوں کا) کیا ہی (برا ٹھکانا ہے)۔

ربط: تکبر کرنے والوں کا انجام ذکر ہوا تو اس کی ہولنا کی مزید واضح کرنے کے لئے متقیوں کا انجام ذکر کرتے ہیں۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور پوچھا گیا ان سے جو متقی ہوئے کیا نازل کیا تمہارے رب نے۔ بولے خیر (کی بات)۔ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں بھلائی ہے اور دار آخرت تو بہتر ہے اور کیا اچھا ہے گھر متقیوں کا۔ باغ ہیں ہمیشہ کے وہ داخل ہوں گے ان میں، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ ان کے لئے ہوگا ان (باغوں) میں جو وہ چاہیں گے۔ اسی طرح جزا دیتا ہے اللہ متقیوں کو۔ وہ کہ وفات دیتے ہیں ان کو فرشتے اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہیں۔ (فرشتے) کہتے ہیں سلامتی ہے تم پر، داخل ہو، جنت میں بدلہ میں اس کے جو تم کرتے تھے۔

تفسیر: (اور) تکبر کرنے والوں کے مقابلہ میں متقیوں کا حال بیان کرتے ہیں کہ جب (متقی لوگوں سے) قرآن کے متعلق (پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے تو) انتہائی عقیدت و احترام سے (کہتے ہیں کہ خیر کی بات) اتاری ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ سے تسلی ہوگی کہ (جن لوگوں نے اس دنیا میں بھلائی کی ان کے لئے) بدلہ میں خیر و (بھلائی ہے اور) اللہ کے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی۔ اس دنیا کے بعد ان کے لئے (دار آخرت) ہے جو (خیر ہی خیر ہے اور متقیوں کا گھر کیا خوب ہے کہ وہ ہمیشہ کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں

بہتی ہیں اور ان میں ان کے لئے وہ کچھ) جسمانی راحت اور روحانی مسرت (ہوگی جو وہ چاہیں گے) اور (اللہ متقیوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں) جن کا خاتمہ تقوے پر ہوتا ہے اور (جن کو فرشتے وفات دیتے ہیں تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ) کفر وشرک کی نجاستوں سے (پاک ہوتے ہیں) اور فرشتے ان کو (کہتے ہیں کہ تم پر) یہاں آخرت میں (سلامتی ہے اور جو) نیک (عمل تم) دنیا میں (کرتے تھے اب ان کے بدلہ میں جنت میں داخل ہو جاؤ)۔

ربط: اوپر تکبر کرنے والوں کی مثال بھی دی اور ان کا انجام بھی بتایا۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سن کر بھی وہ اثر نہیں لیتے تو کیا وہ موت کے آنے کا یا خدا کی گرفت کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ روش کچھ نئی نہیں بلکہ ان سے پہلے جو متکبر و سرکش ہوئے وہ بھی اسی روش پر چلے۔ بالآخر وہ خدا کی پکڑ میں آئے۔ تو ایسے ہی موجودہ سرکش لوگ پکڑ میں آ سکتے ہیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: نہیں یہ انتظار کر رہے مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے حکم تیرے رب کا۔ اسی طرح کیا (ان لوگوں) نے جو ان سے پہلے تھے اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے تھے۔ تو پہنچیں ان کو سزائیں ان کاموں کی جو انہوں نے کئے اور گھیر لیا ان کو اس (عذاب) نے جس کا وہ استہزاء کرتے تھے۔

تفسیر: (یہ لوگ) جو اپنے تکبر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی نصیحت سننے کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ (صرف اسی بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس) موت کے (فرشتے) ان کی جان نکالنے کو (آ جائیں یا) مجرموں کی سزا دہی سے متعلق قیامت کے وقوع کا (آپ کے رب کا حکم آ جائے) یعنی کیا یہ اس وقت ایمان لائیں گے حالانکہ اس وقت کا ایمان کچھ فائدہ مند نہ ہو گا۔ (اسی طرح ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے) اپنے کفر اور تکبر پر اصرار (کیا) اور وہ غرور و غفلت

میں منہمک رہے اور وقت پر توبہ نہ کی۔ آخر عذاب الٰہی نے ان کو آ پکڑا۔ (اللہ تعالیٰ نے ان پر) اپنی طرف سے (کچھ ظلم نہیں کیا لیکن وہ لوگ) جان بوجھ کر سزا والے کام کر کے (خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے)۔ غرض انہوں نے جو بویا اسی کو کاٹا اور (جو انہوں نے) برے (عمل کیے ان کی سزائیں ان) کے سر (پر پڑیں اور جس عذاب) کی خبر سننے (پر وہ استہزا کرتے تھے اس نے ان کو گھیر لیا) اور وہ ہلاک کر دیئے گئے تو موجودہ سرکش لوگ بھی خدا کی پکڑ سے نہ بچ سکیں گے۔

ربط: اسلام کی دعوت کے مقابلہ میں مشرکین یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اول تو ہم خود حق پر ہیں اور دوسرے اگر بالفرض ہمارا مذہب حق نہ ہو تب بھی کیا ڈر ہے۔ مر جائیں گے تو بس ختم ہو جائیں گے اس کے بعد کوئی قیامت اور آخرت نہیں ہے۔ آگے ان کے ان دعووں کا رد کرتے ہیں۔

مشرکوں کا پہلا دعویٰ اور اس کا رد

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا
مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ
مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى
الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى
اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ
فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى
هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ
نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور کہا جنہوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ نہ عبادت کرتے اس کے سوا کسی چیز کی ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ حرام ٹھہراتے ہم اس کے بغیر کسی چیز کو۔ اسی طرح کیا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے سو نہیں ہے رسولوں پر مگر پہنچا دینا صاف صاف۔ اور بھیجا ہے ہم

نے ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ کی اور اجتناب کرو طاغوت سے۔ تو ان میں سے کسی کو ہدایت دی اللہ نے اور ان میں سے کوئی ہے کہ ثابت ہوئی اس پر گمراہی۔ سو چلو زمین میں اور دیکھو کیسا ہے انجام جھٹلانے والوں کا۔ اگر تو حرص کرے ان کی ہدایت پر تو اللہ نہیں ہدایت دیتا جس کو گمراہ کرتا ہے اور نہیں ہے ان کے لئے کوئی مددگار۔

تفسیر: (اور مشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا) کہ ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کریں اور جن چیزوں کو ہم حرام کہتے ہیں وہ حرام نہ ہوں مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کو ہمارا طریقہ پسند نہ ہوتا (تو) اللہ ہم کو روک دیتا اور (اللہ کے سوا نہ ہم کسی چیز کی عبادت کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا کرتے اور نہ) ہی (ہم اس کے) حکم کے (بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے)۔ آخر کس کی مجال ہے کہ اللہ کسی کو روکے اور وہ نہ رکے کیونکہ اس صورت میں اللہ اس پر فوری عذاب نازل کرتا۔ دنیا کا کوئی چھوٹا بادشاہ بھی اپنے حکم کی خلاف ورزی پر فوری گرفت کرتا ہے تو اللہ تو بڑا شہنشاہ ہے وہ کیوں چھوڑے گا اور ڈھیل دے گا۔ لہٰذا اے محمد اگر تم سچے ہوتے اور ہماری بات اللہ کی مرضی کے مخالف ہوتی تو تمہاری مخالفت اللہ کی مخالفت ہوتی اور اس پر ہماری فوری گرفت ہوتی ذرا ڈھیل نہ ملتی۔ اب جب تمہاری تبلیغ کے باوجود ہماری مخالفت پر ہماری گرفت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے کام ناپسند نہیں اور اس نے ہمیں ان سے نہیں روکا اور اس طرح سے ہمارا دین حق ہے۔ اے محمد ﷺ یہ مشرک لوگ اس طرح کی بے کار دلیلوں سے آپ سے الجھتے ہیں۔ آپ اس سے پریشان نہ ہوں۔ (ان سے پہلے جو لوگ تھے وہ بھی اسی طرح) کی باتوں سے اپنے رسولوں سے الجھا (کرتے تھے) یہ پرانی روش ہے (سو) آپ اپنا کام کئے جائیے اور آپ سمیت ہمارے تمام (رسولوں کے ذمہ تو صاف صاف) ہمارے احکام (پہنچا دینا ہے) پھر خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

(اور) مشرکوں کا یہ کہنا کہ خدا کی طرف سے ان کو روکا نہیں گیا بالکل غلط ہے کیونکہ انسانی تاریخ کی ابتدا ہی سے (ہم نے ہر امت میں) براہ راست (رسول کو) یا رسول کے نائب کو (بھیجا ہے) جن کا کام ہی یہ تھا (کہ) لوگوں کو شرک اور اعمال شرکیہ سے روکیں اور صاف صاف اعلان کریں کہ صرف (اللہ کی عبادت کرو اور شیطان) کے راستہ (سے) جس میں کفر و شرک ہے (اجتناب کرو۔ تو ان) امتوں کے لوگوں (میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت دی) اور انہوں نے حق کو قبول کیا (اور ان میں سے کچھ) وہ تھے کہ جن (پر گمراہی ثابت ہوئی) اور انہوں نے گمراہی کو اختیار کئے رکھا جس کی وجہ سے وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر ہلاک و برباد ہوئے۔ اور اگر ہماری خبر پر تمہیں تسلی نہ ہو (تو زمین میں چلو پھرو اور) ان قوموں کے آثار سے (دیکھو کہ) انبیاء کو (جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا)۔ اگر وہ حق پر ہوتے تو ان پر

عذاب کیوں نازل ہوتا۔ ان پر عذاب کا نزول اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حق پر اور اللہ کی پسند پر نہ تھے۔ اور اگر یہ کہو کہ وہ عذاب نہیں تھا بلکہ اتفاقیہ طور پر پیش آنے والا قدرتی حادثہ تھا تو یہ صحیح نہیں کیونکہ انبیا علیہم السلام کی پیشین گوئی کے بعد اس کا پیش آنا اور خلاف عادت پیش آنا اور مومنوں کا اس سے محفوظ رہنا یہ سب باتیں اس پر واضح دلیل ہیں کہ وہ حقیقت میں کافروں پر عذاب الٰہی تھا۔

اور جیسے پہلی امتوں میں کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے سرکشی کی وجہ سے گمراہی کو اختیار کئے رکھا اسی طرح اس امت میں بھی ایسے لوگ ہیں اور وہی اے نبی آپ سے اپنی بے کار دلیلوں کے ساتھ الجھتے ہیں۔ (ان لوگوں کی ہدایت کی اگر آپ کو حرص بھی ہو تب بھی اللہ ایسے کو ہدایت نہیں دیتا جس کو) اس کے اپنی سرکشی پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے (گمراہ کرتا ہے اور) گمراہ لوگ کسی خوش فہمی میں نہ رہیں کیونکہ ہماری پکڑ کے وقت (ان کا کوئی) حمایتی اور (مددگار نہ ہوگا)۔

مشرکوں کا دوسرا دعوی اور اس کا رد

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ۝۳۸ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝۳۹ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۰

ترجمہ: اور قسمیں کھائیں انہوں نے اللہ کی زور لگا کر اپنی قسموں کا کہ نہیں اٹھائے گا اللہ جو کوئی مر جائے۔ کیوں نہیں وعدہ ہے اس (اللہ) پر پکا ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تاکہ ظاہر کر دے ان کے لئے وہ بات جھگڑتے ہیں یہ جس میں اور تاکہ جان لیں کافر کہ وہی تھے جھوٹے۔ محض ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ارادہ کرتے ہیں ہم اس کا یہ ہے کہ کہیں ہم اس کو کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔

تفسیر: (اور یہ لوگ بڑے زور لگا لگا کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو کوئی مر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا) اور قیامت وغیرہ کچھ نہ ہوگی یہ سب فرضی باتیں ہیں۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ (کیوں نہیں) زندہ کرے گا؟ بلکہ وہ ضرور زندہ کرے گا۔ اس بات کا (وعدہ) تو

(اللہ پر پکا ہے) تمہارے انکار کرنے (اور) قسمیں کھانے سے اس کا وعدہ ٹل نہیں سکتا وہ تو ہو کر رہے گا (لیکن اکثر لوگ) ایسے پکے حقائق سے بے التفاتی کرنے اور غور وفکر سے کام نہ لینے کے باعث (نہیں جانتے) کہ قیامت آنی ہے۔ اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اس لئے ہوگا (تاکہ) دین کی (جن باتوں میں یہ لوگ) دنیا میں (اختلاف کرتے تھے) مثلاً یہ کہ خدا ہے یا نہیں، خدا کے شریک ہیں یا نہیں اور قیامت ہو گی یا نہیں وغیرہ (ان) کی حقیقت (کو ان لوگوں) کے روبرو ان کے معائنہ (کے لئے ظاہر کر دے) (اور تاکہ) اس اظہار حقیقت کے وقت (کافر لوگ) پوری طرح (جان لیں کہ) واقعی (وہی جھوٹے تھے) اور انبیا اور مومنین سچے تھے۔ اور چونکہ وہ لوگ قیامت کی نفی اس وجہ سے کرتے تھے کہ ان کا خیال تھا کہ اس کو قائم کرنے کی کس کو قدرت ہوسکتی ہے تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ ہماری قدرت میں ہے کیونکہ ہماری قدرت ایسی عظیم ہے کہ (ہم جب کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں بس اس سے ہمارا اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ تو ہو جا تو وہ) اسی لمحہ موجود (ہو جاتی ہے)۔ تو ہماری قدرت کے سامنے مردہ ہستیوں میں دوبارہ جان ڈال دینا کونسا دشوار کام ہے۔

ربط: متکبر اور سرکش کافروں کے ظلم وستم سے جو لوگ ترک وطن پر مجبور ہوئے آگے ان کو دنیا و آخرت کی بھلائی کی بشارت سنا کر تسلی دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے واسطے اس کے بعد کہ وہ ظلم کئے گئے ضرور ہم ٹھکانا دیں گے ان کو دنیا میں اچھا اور اجر آخرت کا بہت بڑا ہے اگر یہ جانتے ہوتے۔ جو لوگ صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے مگر مرد ہم وحی

کرتے تھے جن کی طرف سو تم پوچھو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے۔ (ہم نے ان کو بھیجا تھا) ساتھ نشانیوں کے اور کتابوں کے اور نازل کیا ہم نے تیری طرف یہ قرآن تا کہ تو بیان کرے لوگوں کے لئے جو نازل کیا گیا ان کی طرف اور تا کہ وہ غور کریں۔

تفسیر: (اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے) اپنا وطن مکہ چھوڑا اور حبشہ کو (ہجرت کی اس کے بعد کہ ان پر) کفار کی طرف سے (ظلم کیا گیا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے) جو ان کا مستقل وطن بنے گا اور جہاں ان کی ہر طرح سے ترقی ہوگی چنانچہ کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا (اور آخرت کا) ثواب اور (اجر) تو سب سے (بڑھ کر ہے۔ کاش) یہ سرکش مشرک اللہ کے رسول کی باتوں کو توجہ اور سنجیدگی سے سنتے تو آخرت کے اس اجر کی خبر کو یہ بھی (جانتے ہوتے) اور یہ بھی اس کو حاصل کرنے کی رغبت میں مسلمان ہو جاتے۔ وہ مہاجر ان وعدوں کے اس لئے مستحق ہیں کہ وہ ایسے ہیں (جو) ناگوار واقعات پر (صبر کرتے ہیں اور) وہ ہر حال میں (اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں) یہ نہیں کہ ترک وطن میں اسی فکر میں لگے رہیں کہ کہاں سے کھائیں گے اور کہاں سے پئیں گے۔ (اور) پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر و توکل پر ثابت قدم ہوں دنیا و آخرت میں ان کو غالب و منصور کرنا ہماری کوئی نئی عادت نہیں بلکہ اے محمد ﷺ (آپ سے پہلے بھی ہم نے) انسانوں ہی میں سے آپ کی طرح (مردوں کو رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) اور جن کا کام بھی آپ کی طرح یہی تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی و بدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کریں (اب اگر) اے مکہ والو (تمہیں معلوم نہیں تو تم) ان (اہل علم سے) جو سابقہ امتوں اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات سے باخبر ہیں (پوچھ لو) کہ ہم نے فی الواقع پہلے کچھ آدمیوں کو پیغمبر بنا کر (معجزوں اور کتابوں کے ساتھ) بھیجا تھا یا نہیں۔ اور یہ کہ ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق صبر و توکل کی بدولت کس طرح کامیاب ہوئے اور ظالم و سرکش لوگ اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ ہوئے۔ (اور) آج اے محمد ﷺ (ہم نے) آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور (آپ کی طرف ذکر) یعنی قرآن (کو اتارا) ہے جو خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا ہے (تا کہ آپ لوگوں) کے فائدے (کے لئے ان کی طرف) کتاب میں (اتارے جانے والے) مضامین (کو) زبانی بھی اور عملی طور سے بھی غرض ہر طرح سے خوب (کھول کر بیان کریں) اور اس کے مشکل مقامات کی شرح اور اس کے مجمل احکام کی تفصیل کر دیں (اور تا کہ پھر لوگ غور و فکر کر لیں)۔

ربط: آگے ان سرکشوں کو دھمکاتے ہیں کہ سابقہ انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن جیسے مکمل ذکر اور یاد دہانی کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں سے باز نہیں آتے

حالانکہ اللہ جیسے عظیم بادشاہ کے لئے ان کی کسی طرح سے بھی گرفت کچھ مشکل نہیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ
اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ
فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ
فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ
شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ
دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ
مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ
رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع السجدة

ترجمہ: کیا پس با امن ہو گئے وہ لوگ جو مکر کرتے ہیں برے اس سے کہ دھنسا دے اللہ ان کو زمین میں یا آ جائے ان پر عذاب جہاں سے وہ گمان نہ کرتے ہوں یا پکڑ لے ان کو ان کے چلنے پھرنے میں تو نہیں ہیں وہ عاجز کرنے والے یا پکڑ لے ان کو کمی پر۔ سو بلاشبہ تمہارا رب بڑا نرم اور مہربان ہے۔ کیا نہیں وہ دیکھتے جانب اس کے جو پیدا کی اللہ نے کوئی شے، ڈھلتے ہیں اس کے سائے دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے اطاعت کرتے ہوئے اللہ کی اور وہ عاجز ہیں۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں جانداروں سے اور (سجدہ کرتے ہیں) فرشتے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ ڈرتے ہیں اپنے رب سے اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں جو وہ حکم دیئے جاتے ہیں۔

تفسیر: (یہ) سرکش (لوگ جو) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برے (برے مکر) وفریب (کرتے ہیں کیا) اس بات سے (امن میں ہو گئے ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جہاں سے وہ) اس کے آنے کا (گمان نہ کرتے ہوں) چنانچہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے ان کو ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت و جمعیت اور مسلمانوں کی قلت وضعف کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آتی تھی (یا) کسی مقابلہ کے اہتمام کی بھی ضرورت نہیں اللہ چاہے تو

وہ (ان کو ان کے چلنے پھرنے میں) کام کاج کرنے میں یا بستروں پر کروٹیں بدلنے میں ایک دم کسی حادثہ یا بیماری سے (پکڑ لے، غرض) وہ ان کو عاجز کر سکتا ہے لیکن (وہ) اللہ کو (عاجز کرنے والے نہیں۔ یا) اللہ ان کی (گرفت کرے کی میں) اس طرح سے کہ آہستہ آہستہ ان کو اور ان کے زور کو گھٹائے اور پست کرے جیسا کہ مشرکین مکہ کے ساتھ ہوا کہ آہستہ آہستہ ان کے زور کو توڑتے گئے۔ (غرض) اللہ فوری پکڑ بھی کر سکتا ہے لیکن کرتا نہیں ہے لوگوں کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ (آپ کا رب واقعی بڑا نرم اور مہربان ہے) ورنہ جہاں تک اس کے زور اور اس کی قدرت کا تعلق ہے تو ہر چیز اس کے سامنے عاجز اور مطیع ہے اور یہ بات مشرکین مکہ کے سامنے بھی واضح ہے۔ (کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی) چیزوں میں سے (کسی چیز کو نہیں دیکھتے کہ اس کا سایہ بھی اللہ) کے حکم اور اس کے قانون قدرت (کی اطاعت کرتے ہوئے) گھٹتا بڑھتا ہے اور کہیں (دائیں کو اور کہیں بائیں کو ڈھلتا ہے اور وہ) چیزیں (خود) بھی (عاجز) اور اللہ کی مطیع و فرمانبردار (ہیں اور) صرف بے جان چیزیں ہی نہیں بلکہ (آسمانوں میں اور زمین میں جو بھی جاندار ہیں سب اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں) بلکہ (اور) تو اور (فرشتے) جیسی مقرب اور معظم ہستیاں بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں (اور وہ) اس کو سجدہ کرنے سے کچھ (تکبر نہیں کرتے بلکہ وہ) تو اپنے دل میں (یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے اوپر اللہ ہے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور جو بھی حکم دیئے جاتے ہیں اس کو) فوراً (بجالاتے ہیں)۔

ربط: جب تمام آسمانی اور زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سربسجود اور عاجز ہے پھر عبادت میں دوسرا شریک کہاں سے آ گیا؟ جو سارے جہان کا مالک ہے تنہا اسی کی عبادت ہونی چاہئے اور اسی سے ڈرنا چاہئے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اور کہا اللہ نے مت بناؤ معبود دو۔ محض وہ ہے معبود ایک۔ تو خاص مجھ سے ڈرو۔ اور اسی کے لئے ہے جو ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی کے لئے ہے عبادت ہمیشہ۔ کیا پس غیر اللہ سے تم ڈرتے ہو۔

تفسیر: (اور اللہ نے) رسولوں کے واسطے سے تمام انسانوں سے (فرمایا کہ دو) یا زیادہ (معبود مت بناؤ) کیونکہ (معبود تو محض ایک) ہی معبود (ہے) جو میرے سوا کوئی نہیں (تو) خاص میری ہی عبادت کرو اور (خاص مجھ ہی سے ڈرو۔ اور) اللہ ایسا حکم کیوں نہ دیں جب کہ اللہ کی شان یہ ہے کہ (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملکیت ہے اور) وہی ان سب کی پرورش کرتا ہے اور ان کو پالتا ہے لہٰذا (عبادت) بھی صرف (اس کا) لازمی و (دائمی حق ہے)۔ اسی وجہ سے انسانوں سمیت آسمان کی ہر چیز تکوینی طور پر خالص اسی کی عبادت و اطاعت پر پیدا کی گئی ہے لہٰذا انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے فطری داعیہ کے مطابق اللہ کے اس حق کو ادا کریں۔ اس کے باوجود جب وہ غیر اللہ کی بھی ساتھ میں عبادت کرتے ہیں تو ان سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ (کیا تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو) جو ان کی عبادت پر مجبور ہو۔

ربط: آگے شرک کی کچھ صورتیں اور ان کی واضح قباحتیں ذکر کرتے ہیں۔

شرک کی ایک صورت، تکلیف میں صرف اللہ سے فریاد کرتے ہو لیکن تکلیف دور ہونے پر شرک کرتے ہو

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ
ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ
عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا
آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: اور جو کچھ تمہارے پاس نعمت ہے تو اللہ کی طرف سے ہے پھر جب چھوتی ہے تم کو تکلیف تو اسی کی طرف چلاتے ہو۔ پھر جب وہ دور کر دیتا ہے تکلیف تم سے اسی وقت ایک (بڑی) جماعت تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک کرنے لگتی ہے کہ ناشکری کریں اس کی جو دیا ہم نے ان کو۔ تو فائدہ اٹھا لو پھر جلد تم جان لو گے۔

تفسیر: (اور) اے مشرکو (تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت ہے تو وہ) صرف (اللہ کی طرف سے ہے) یعنی تمام بھلائیاں اور نعمتیں سب اسی کی عطا کردہ ہیں اور ہر سختی و تکلیف کو دور کرنا بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ اس لئے (پھر جب تم کو کوئی) سخت (تکلیف چھوتی ہے تو) اس وقت تم سب سہارے چھوڑ کر

صرف (اس) اللہ (کی طرف چلاتے ہو) اور فریاد کرتے ہو۔ اس طرح سے خود تمہاری فطرت شہادت دیتی ہے کہ مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچانا صرف خدا ہی کا کام ہے۔ لیکن (پھر جب) تمہاری فریاد پر تمہارا رب (تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو اسی وقت ہی تم میں سے) بڑی اکثریت اور (بڑی جماعت اپنے رب کے ساتھ) حسب سابق (شرک کرنے لگتی ہے) جس کا حاصل یہ ہے (کہ جو نعمت ہم نے ان کو دی) یعنی یہ کہ ان سے تکلیف کو دور کیا (اس کی ناشکری کریں)۔ خیر ایسے ہی سہی۔ ہم بھی تمہیں چند روز کی مہلت دیتے ہیں (تو) خوب دنیا کا (فائدہ اٹھا لو پھر جلد) ہی (تم جان لو گے) کہ اس ناشکری کی کیا سزا ملتی ہے۔

شرک کی دوسری صورت: غیر اللہ کی نیاز

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ
نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور ٹھہراتے ہیں ان کے لئے جن کو نہیں جانتے ایک حصہ اس میں سے جو دیا ہم نے ان کو۔ اللہ کی قسم ضرور تم پوچھے جاؤ گے اس کے بارے میں جو تم افتراء کرتے ہو۔

تفسیر: (اور یہ) مکہ کے مشرک لوگ (اس رزق میں سے جو) صرف (ہم نے ان کو دیا) خواہ کھیتی یا مویشی ہوں یا مال تجارت وغیرہ ہو اپنے (ان) معبودوں (کیلئے) نیاز کے طور پر (حصہ ٹھہراتے ہیں جن کے) معبود ہونے کے (متعلق ان کو کچھ علم نہیں) اور جن کے معبود ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں۔ (اللہ کی قسم ہے کہ) قیامت کے دن (تم سے ان) شرکیہ رسوم اور (باتوں کے بارے میں ضرور پوچھ گچھ ہو گی جو تم افتراء کرتے ہو۔)

شرک کی تیسری صورت: فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنا

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا
بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ ج
يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى
هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰

ترجمہ: اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں۔ پاک ہے وہ۔ اور ان کے لئے ہوں جو وہ چاہتے ہیں۔ اور جب خوشخبری دی جاتی ہے ان کے ایک کو لڑکی کی سارا دن رہتا ہے اس کا چہرہ سیاہ اور وہ گھونٹنے والا ہوتا ہے۔ چھپتا ہے قوم سے بوجہ عار کے اس چیز کی خوشخبری دیا گیا وہ جس کی۔ کیا روکے رکھے اس کو ذلت پر یا گاڑ دے اس کو مٹی میں۔ سنو برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر بری حالت ہے اور اللہ کے لئے سب سے بلند صفت ہے اور وہ ہے زبردست، حکمت والا۔

تفسیر: (اور) شرک کی ایک صورت یہ ہے کہ یہ فرشتوں کو (اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ سبحان اللہ) یہ کیسی فضول سی بات ہے۔ پھر اللہ کے لئے تو ان کی زبردستی سے بیٹیاں ہوں (اور ان کے لئے بیٹے (ہوں جو یہ چاہتے ہیں) یعنی اپنے لئے بیٹیاں دئے جانے پر راضی نہیں یہاں تک کہ (جب ان میں سے کسی ایک کو لڑکی) ہونے (کی خوشخبری دی جاتی ہے تو) اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ (سارا دن اس کا چہرہ سیاہ) یعنی بے رونق (رہتا ہے اور وہ) دل ہی دل میں (اپنے آپ کو) غم سے (گھونٹتا ہے) اور (جو اس کو خوشخبری دی گئی) اس کو برائی سمجھ کر (اس کے عار کی وجہ سے اپنی قوم) کے لوگوں (سے چھپتا) پھرتا (ہے) اور دن رات اس ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ (کیا) دنیا کی (ذلت) کی قیمت (پر اس) لڑکی (کو) زندہ (روکے رکھے یا اس کو) قتل کر کے یا زندہ ہی (مٹی میں گاڑ دے۔ خوب سن لو کہ) لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ (یہ لوگ) کرتے ہیں اس سے بھی (برا فیصلہ) اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں تجویز کر کے (کرتے ہیں) کیونکہ اول تو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرنا یہی بڑی بری بات ہے پھر اولاد بھی وہ جس کو خود وہ اس قدر ذلیل اور باعث عار سمجھیں۔ غرض یہ لوگ (جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے) اور اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام سے بے پرواہ ہیں (ان کی بری حالت ہے) دنیا میں بھی کہ ایسی جہالت وحماقت میں مبتلا ہیں اور آخرت میں بھی کہ ذلت وعقوبت میں مبتلا ہوں گے (اور) ان کی شرکیہ باتوں کے برعکس (اللہ تعالیٰ کے لئے بڑے درجہ کی) مثال) وصفات (ہیں اور) ان صفات میں سے یہ بھی ہے کہ (وہ) ایسے (زبردست ہیں) کہ چاہیں تو ان مشرکوں کی گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے دیں لیکن وہ ساتھ میں (حکمت والے) بھی (ہیں) اور ان کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ فوری گرفت نہ کی جائے بلکہ موقع دیا جائے کہ یہ لوگ اپنی اصلاح کر لیں۔

ربط: اوپر آخر میں یہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہیں فوری گرفت کر سکتے ہیں لیکن حکمت والے بھی ہیں اور ان کی حکمت ڈھیل دینے کا تقاضا کرتی ہے۔ آگے اسی مضمون کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ جب مہلت ختم ہو گئی تو گرفت بعینہ اپنے متعین وقت پر آئے گی اور پھر دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے دل کو خوش کرنے والے دعوے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ
مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّىۚ
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾
وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ
لَهُمُ الْحُسْنٰىؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو بوجہ ان کے ظلم کے تو نہ چھوڑے اس (زمین) پر کوئی حرکت کرنے والا ولیکن وہ ڈھیل دیتا ہے ان کو وقت مقرر تک۔ پھر جب آئے گا ان کا وقت نہ پیچھے ہٹیں گے ایک گھڑی کو اور نہ آگے ہوں گے۔ اور بناتے ہیں اللہ کے لئے جو (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں اور ذکر کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کے لئے ہے بھلائی۔ لازمی بات ہے کہ ان کے لئے آگ ہوگی اور یہ کہ وہ (اس کی طرف) بڑھائے جا رہے ہیں۔

تفسیر: (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے) شرک و کفر اور دیگر نافرمانیوں والے (ظلم کی وجہ سے ان کی) فوری (پکڑ کرے تو اس) روئے زمین (پر کسی) حس و (حرکت کرنے والے کو نہ چھوڑے) کیونکہ اول تو دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے دوسرے انبیاء کے علاوہ چھوٹی موٹی خطا سے کوئی خالی نہیں۔ جب خطا کار و بدکار فوراً ہلاک کر دئے جائیں تو صرف معصوم انبیاء کو زمین پر بھیجنے کی ضرورت نہ رہی بلکہ وہ تو فرشتوں میں رہیں۔ (اور) جب زمین پر انسان نہ رہیں تو جانور جو انسانوں کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ان کا رکھنا بھی بے فائدہ ہوگا۔ غرض اس طرح دنیا چند لمحوں میں ختم ہو کر رہ جائے۔

(لیکن اللہ) اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور مقرر وقت تک (ان کو ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب ان کا وہ مقرر وقت آ جائے گا تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ آگے ہوں گے اور) خدا کی گرفت میں آ کر دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس امر واقعہ کے باوجود (یہ) کفار مکہ (اللہ کے لئے وہ چیزیں بناتے ہیں جو اپنے لئے پسند نہیں کرتے) مثلاً بیٹیاں اور اپنی حکومت میں دوسرے کی شرکت اور استہزاء وغیرہ (اور) پھر بھی (ان کی زبانیں یہ جھوٹ) کا دعویٰ (ذکر کرتی ہیں کہ ان کے لئے) دنیا میں بھی (بھلائی ہے) اور اگر آخرت ہوئی تو وہاں بھی بھلائی اور نیک انجامی ہوگی۔ ان کے لئے بھلائی کیوں ہونے لگی بلکہ (لازمی بات) تو یہ (ہے کہ ان کے لئے) آخرت میں دوزخ کی (آگ ہوگی اور یہ) روز بروز اسی کی طرف (بڑھائے جا رہے ہیں)۔

ربط: کفار مکہ کی گستاخیوں اور بے ہودہ دعووں کے ذکر کے بعد رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی حرکتوں سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ

تَاللّٰهِ

لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: قسم اللہ کی بے شک بھیجے ہم نے (رسول) امتوں کی طرف تجھ سے پہلے تو مزین کئے ان کے لئے شیطان نے ان کے اعمال اور وہی ان (کفار مکہ) کا ساتھی ہے آج اور ان کے لئے ہے عذاب دردناک۔ اور نہیں اتاری ہم نے تجھ پر کتاب مگر اس لئے کہ تو بیان کرے ان کے لئے وہ چیزیں جھگڑا کرتے ہیں یہ جس میں، اور ہدایت و رحمت ہو ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

تفسیر: (اللہ کی قسم) ان کی یہ حرکتیں نئی نہیں بلکہ یہ تاریخ پرانی ہے (آپ سے پہلے) کی (امتوں میں) بھی (ہم نے رسول بھیجے سو شیطان نے ان) لوگوں (کے) ایسے ہی (اعمال) اور ایسی ہی حرکتوں (کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا) تو وہ ان پر جمے رہے یہاں تک کہ ان کو ہمارے عذاب نے آ لیا (اور وہی) شیطان (آج ان) کفار مکہ (کا ساتھی) بنا ہوا (ہے اور) اس کے پیچھے لگنے کی وجہ سے (ان) کفار مکہ (کے لئے) بھی (دردناک عذاب ہوگا۔ اور ہم نے آپ پر) یہ (کتاب) اس لئے نہیں اتاری کہ سب کو ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ ہو اور پھر ان کے ہدایت پر نہ آنے سے آپ غمگین ہوں بلکہ

(صرف) دو باتوں کیلئے اتاری ہے ایک (اس لئے اتاری ہے کہ) دین کی (جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں آپ) عام (لوگوں) پر ان کی حقیقت (کو کھول کر بیان کر دیں اور) دوسرے اس لئے اتاری ہے کہ (یہ ایمان رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو) کیونکہ اس سے نفع بس وہی اٹھائیں گے۔

ربط: اوپر یہ بتایا کہ قرآن ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے کہ ان کو علم سکھاتا ہے اور ان کے دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ اس کی مناسبت سے ایک مرتبہ پھر توحید کی دعوت دیتے ہیں اور جیسے قرآن پاک ایک نعمت الٰہیہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بہت سی حسی نعمتوں کو یاد دلا کر توحید کی طرف بلاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾
وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْ
بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ
ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا
حَسَنًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ
اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ
مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ
رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ
شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَاللّٰهُ
خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللّٰهُ
فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

بِرَآدِّیۡ رِزۡقِہِمۡ عَلٰی مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَہُمۡ فِیۡہِ سَوَآءٌ ؕ
اَفَبِنِعۡمَۃِ اللّٰہِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ
اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ بَنِیۡنَ وَحَفَدَۃً وَّ
رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَتِ اللّٰہِ
ہُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمۡلِکُ
لَہُمۡ رِزۡقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ شَیۡئًا وَّلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ: اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس نے زندہ کیا اس (پانی) سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ بلاشبہ اس میں نشانی ہے لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں۔ اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں غور کا مقام ہے۔ ہم پلاتے ہیں تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ خالص (اور) آسانی سے حلق میں اترنے والا پینے والوں کے۔ اور پھلوں سے کھجور کے اور انگور کے تم بناتے ہو اس سے نشہ اور روزی عمدہ۔ بلاشبہ اس میں نشانی ہے لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور ان میں جو وہ عمارت بناتے ہیں۔ پھر کھا ہر طرح کے پھلوں سے پھر چل راہوں میں اپنے رب کی صاف۔ نکلتا ہے ان کے پیٹوں سے مشروب مختلف ہیں جس کے رنگ اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے۔ بلاشبہ اس میں نشانی ہے لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور اللہ نے پیدا کیا تم کو پھر وہ وفات دیتا ہے تم کو اور تم میں سے کوئی لوٹایا جاتا ہے نکمی ترین عمر کو تاکہ نہ جانے علم کے بعد کچھ بھی۔ بلاشبہ اللہ علم والا قدرت والا ہے۔ اور اللہ نے فضیلت دی تمہارے بعض کو بعض پر روزی میں۔ تو نہیں ہیں جو فضیلت دیے گئے لوٹانے والے اپنی روزی کو ان پر جن کے مالک ہوئے ان کے داہنے ہاتھ تو وہ ہوں اس (روزی) میں برابر۔ کیا پھر اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ نے بنائیں تمہارے لئے تمہاری ہی جانوں سے بیویاں اور بنائے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور رزق دیا تم کو پاکیزہ چیزوں سے۔ کیا پھر باطل پر وہ ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں۔ اور عبادت کرتے ہیں اللہ کے سوا ان کی جو اختیار نہیں رکھتے ان کے لئے رزق کا آسمانوں اور زمین سے کچھ بھی اور نہ قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر: (اور) اے وہ لوگو جو عبادت میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرتے ہو ذرا ان دنیوی نعمتوں پر تو نظر ڈالو جو صرف اللہ ہی تمہیں دیتے ہیں کسی اور کو ان کے دینے میں کچھ دخل نہیں ہے۔ پھر سمجھ بوجھ سے کام لیتے ہوئے غور وفکر کرو کہ علم وقدرت کے سارے خزانے تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں کی جائے۔

پہلی نعمت

(اللہ تعالیٰ نے آسمان سے) مینہ برسایا اور (پانی اتارا پھر اس) بارش کے پانی (سے زمین کو اس کے خشک اور (مردہ ہو جانے کے بعد زندہ) اور سرسبز (کیا۔ اس بات میں ان لوگوں کے لئے) بڑی (نشانی ہے جو) قرآن کی باتوں کو توجہ اور انصاف سے (سنتے ہیں) پھر سمجھ سے کام لے کر غور وفکر کرتے ہیں۔

دوسری نعمت

(اور بلاشبہ چوپایوں) جیسے گائے بھینس اور بکری اونٹنی وغیرہ (میں تمہارے لئے غور کا مقام ہے) کہ یہ جانور جو گھاس اور چارہ کھاتے ہیں وہ پیٹ میں پہنچتا ہے تو اس کے غذائی اجزاء جذب ہو کر خون میں شامل ہو جاتے ہیں جب کہ فضلہ گوبر اور لید کی شکل میں باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ اور خون تھنوں کی طرف جاتا ہے تو اس کے غدود خون میں سے ضرورت کے اجزاء اخذ کر کے دودھ بناتے ہیں اور یہ سارا نظام ہمارا ہی بنایا ہوا ہے۔ اس طرح سے (ہم ان کے پیٹوں سے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکال کر تم کو پلاتے ہیں جو) خوشگوار ہونے کی وجہ سے (پینے والوں کے حلق سے سہولت سے اترنے والا ہے)۔

تیسری نعمت

(اور کھجور اور انگوروں کے پھلوں) کی بھی ہماری بڑی نعمت ہے کہ ان (سے تم لوگ نشہ) کی چیز یعنی شراب (اور عمدہ رزق) کی کھانے پینے کی چیزیں (بناتے ہو) جیسے چھوہارے، کشمش اور شربت اور سرکہ وغیرہ (بلاشبہ اس) نعمت (میں) بھی (سمجھنے) اور غور وفکر کرنے (والوں کے لئے) بڑی (نشانی ہے)۔

چوتھی نعمت

(اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا) یعنی اس کی فطرت میں ودیعت کیا (کہ تو پہاڑوں میں، درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں ان میں اپنے گھر) یعنی چھتے (بنا۔ پھر) اپنی خواہش اور مزاج کے مناسب (ہر قسم کے پھلوں) اور میووں (سے کھا) اور اپنی غذا حاصل کر (پھر) کھا پی کے اپنے چھتوں کی طرف (اپنے رب کے کھلے صاف رستوں میں واپس چل۔ ان) شہد کی مکھیوں (کے پیٹوں

سے) شہد جیسا (مشروب نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ) مثلاً سفید، سرخ، زرد وغیرہ (ہوتے ہیں) اور (اس میں لوگوں کے لئے) بہت سی بیماریوں سے (شفا ہے۔ بلاشبہ اس) پورے نظام (میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے) بڑی (نشانی ہے)۔

ان نعمتوں کو ذکر کرنے کے بعد آگے توحید کی کچھ اور نشانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

پہلی نشانی

تم اپنے حالات پر غور کرو تو ان میں بھی توحید کی بڑی نشانی ہے (اور) وہ یہ کہ تم کچھ نہ تھے (اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم) میں سے بعض (کو) اول عمر میں (وفات دیتا ہے) اور دی ہوئی زندگی واپس لے لیتا ہے اور تم کچھ نہیں کر سکتے (اور تم میں سے بعض کو) موت سے پہلے اللہ کے حکم سے (انتہائی نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ) نہ ہوش وحواس ٹھکانے رہے اور نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی اور بہت کچھ (علم حاصل ہونے کے بعد) ایسا ہوگیا کہ (کچھ نہ جانے) ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) ہی (علم وقدرت) کے خزانوں (والے ہیں)۔ جب اور جس قدر چاہتے ہیں کسی کو دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں واپس لے لیتے ہیں۔

دوسری نشانی

اللہ کی دی ہوئی روزی سب کے لئے برابر نہیں ہے بلکہ استعداد (اور) احوال کے فرق کی وجہ سے (اللہ نے) اپنی حکمت سے (تم میں سے بعض کو روزی میں دوسرے بعض پر فضیلت دی) اور اس کو مالدار اور صاحب اقتدار بنایا جس کے ماتحت غلام اور نوکر چاکر ہیں جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ اور بعض کو غلام بنایا جو خود ایک پیسہ کا اختیار نہیں رکھتے اور ہر وقت مالک کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔ (تو جو لوگ) مال میں (فضیلت دیئے گئے وہ) یہ کبھی گوارا (نہیں کریں گے کہ وہ اپنا مال اپنے غلاموں کو) اس طرح سے (دے دیں کہ پھر وہ) مالک اور غلام دونوں اس مال میں (برابر) کے شریک (ہو جائیں)۔ اور جب ایک جنس اور ایک نوع کے انسانوں میں مالک اور مملوک میں شرکت اور برابری نہیں ہوسکتی تو پھر مالک حقیقی یعنی خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق ومملوک یعنی بت وغیرہ معبودیت میں کیسے ایک دوسرے کے شریک اور برابر ہو سکتے ہیں۔ یہ مضمون سننے کے باوجود یہ شرک کرنے والے بت پرستی کر کے یہی تاثر دیتے ہیں کہ مالداری اور دوسروں پر فوقیت کی نعمت ان کو بتوں کے دینے سے ملی ہے حالانکہ یہ تو محض اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے (تو کیا) اپنی روش سے (وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں)۔

تیسری نشانی

یہ خود تمہارا وجود ہے (اور) تمہاری شخصی اور نوعی بقاء ہے کہ (اللہ نے) تمہیں پیدا کیا (پھر تمہاری

ہی جانوں سے) یعنی تمہاری جنس اور تمہاری نوع سے (تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور پھر ان بیویوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے) جس سے تمہاری جنس کی بقاء ہے (اور تم کو اچھی اچھی چیزیں) کھانے پینے کو (دیں) جن سے تمہارے شخص کی بقاء ہے۔ ان سب نعمتوں اور نشانیوں کی طرف متوجہ کئے جانے کے باوجود (کیا پھر بھی یہ باطل) اور جھوٹی (باتیں مانتے ہیں) مثلاً یہ کہ بتوں نے بیماری سے شفا دی یا بیٹا دیا یا روزی دی (اور) جو سچ مچ دینے والا ہے یعنی (خدا تعالیٰ) اس (کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لئے آسمانوں اور زمین سے رزق کا اختیار نہیں رکھتے) نہ آسمان سے بارش برسانے کا اختیار نہ زمین سے غلہ اگانے کا اختیار (اور نہ قدرت رکھتے ہیں) تو پھر قادر مطلق کی معبودیت میں شریک کس طرح سے بن گئے۔

ربط: اوپر جب توحید کا حق ہونا اور شرک کا باطل ہونا ثابت ہوا تو اب اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ان کی جناب میں شرک پر مبنی غلط مثالیں مت بیان کرو۔ پھر خود اپنے بارے میں دو مثالیں دیتے ہیں جن سے توحید کی حقانیت اور شرک کا بودا پن ظاہر ہو۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى
شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا
وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى
شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ
هَلْ يَسْتَوِیْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ
السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: سومت بیان کرو مثالیں اللہ کے لئے۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ بیان کی اللہ نے مثال ایک غلام مملوک کی (جو) نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر بھی اور اس شخص کی جس کو دیا ہم نے رزق عمدہ تو وہ خرچ کرتا ہے اس میں سے چھپا کر اور اعلانیہ۔ کیا یہ برابر ہوتے ہیں۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ اور بیان کی اللہ نے مثال دو مردوں کی۔ ان میں سے ایک گونگا ہے نہیں قدرت رکھتا کسی چیز پر اور وہ بوجھ ہے اپنے مالک پر۔ جس طرف (مالک) بھیجتا ہے اس کو نہیں لاتا بھلائی کو۔ کیا برابر ہے یہ اور وہ شخص جو تلقین کرتا ہے انصاف کی اور وہ ہو سیدھے راستے پر۔ اور اللہ کے لئے ہیں چھپی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور نہیں ہے معاملہ قیامت کا مگر جیسے پلک جھپکنے کے یا وہ قریب تر ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: مشرک کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مثال دنیا کے بادشاہوں کی سی ہے۔ دنیا کے بادشاہ اپنے ماتحت حکام کو اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اختیارات تفویض کرتے ہیں اور اس کے بعد وہ حکام اپنے اختیارات کے استعمال میں آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے کسی فیصلہ کے وقت بادشاہ کو اس کا علم ہونا اور بادشاہ کا خود اس خاص فیصلہ کا ارادہ کرنا کچھ ضروری نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جن کو ہم خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کو پوجتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیارات ملے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی صوابدید پر جو چاہیں کریں اور اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ کو اس میں کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اوپر شرک کا ابطال کرنے کے بعد اہل شرک کو تنبیہ کرتے ہیں کہ (تم اللہ تعالیٰ کے لئے) شرک پر مبنی ایسی (مثالیں مت بیان کرو) کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہیں اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ) تو ہر ایک کام کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو (جانتا ہے اور) اسی کے ارادہ سے وہ ہوتا ہے اور اللہ اپنے اختیارات کسی کو بھی نہیں دیتا لیکن (تم) اپنی گمراہی کی وجہ سے (نہیں جانتے) کہ خدا کیلئے صحیح مثال کیسے بیان کی جائے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو اللہ تعالیٰ نے آگے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔

(اللہ نے ایک مثال یہ بیان فرمائی کہ ایک شخص) وہ ہے جو دوسرے کا (مملوک غلام ہے اور کسی چیز پر کچھ قدرت) واختیار (نہیں رکھتا) ہر کام میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے (اور دوسرا وہ شخص ہے) جو آزاد و با اختیار ہے اور (جس کو ہم نے) اپنے فضل سے بہت کچھ قدرت اور وافر (عمدہ رزق عطا کیا ہے جس میں سے وہ) دن رات (چھپا کر) بھی (اور اعلانیہ) بھی بہت کچھ نیک کاموں میں (خرچ کرتا ہے) کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ (کیا یہ دونوں شخص برابر ہوتے ہیں) اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حقیقی مالک ہے اور (سب تعریفیں) اور خزانے (اللہ ہی کے لئے ہیں) جس کو جو چاہے دے کوئی

روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے وہ ذرہ ذرہ پر کلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے۔ تو کیا ایک پتھر کا بت اس کے برابر کا ہو سکتا ہے جو کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ خود دوسروں کی ملکیت ہے۔ جب بت بالکل تہی دست اور بے اختیار ہیں تو وہ معبود نہیں بن سکتے مگر پھر بھی مشرک لوگ ان کی عبادت نہیں چھوڑتے (بلکہ ان میں سے اکثر) تو غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے یہ بات (جانتے ہی نہیں)۔

(اور اللہ نے) دوسری (مثال) یہ (بیان فرمائی کہ) فرض کرو (دو مرد ہیں جن میں ایک) تو غلام ہونے کے علاوہ (گونگا) بہرا (ہے کہ) نہ اپنی کہہ سکے اور نہ دوسرے کی سن سکے اور بے عقل اور اپاہج بھی ہے (کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتا) جس کی وجہ سے وہ اپنے مالک پر مکمل بوجھ ہے اور اس کے کسی کام کا نہیں۔ (مالک اسے جس طرف کو بھیجے) یا متوجہ کرے (کچھ بھلائی نہ لائے کیا یہ) ناکارہ (اور وہ برابر ہے جو) خود (سیدھی راہ پر قائم ہے اور) دوسروں کو اعتدال و (انصاف کی تلقین کرتا ہے اور) جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر کی مورتی جو مالک کو کچھ فائدہ پہنچانا تو کجا خود اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکتی وہ خدا کے برابر کیسے ہو سکتی ہے جو عظیم الشان صفات کا مالک ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے دو صفات یعنی علم اور قدرت کا حال سن لو۔ اللہ کے علم کا حال یہ ہے کہ (جو کچھ آسمانوں اور زمین کا بھید ہے اللہ) کو اس (کا) علم (ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کائنات کی کوئی بات بھی چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اس بات کا بھید بھی جانتا ہے کہ ساری مخلوق ایک جیسی کیوں نہیں اور پھر ہر ایک کی پوشیدہ استعداد اور مخفی حالت کو بھی جانتا ہے (اور) اس کی قدرت کا حال یہ ہے کہ (قیامت کا معاملہ) جو بہت ہی بڑا معاملہ ہے اس کا وقوع اللہ کی قدرت کے سامنے (پلک جھپکنے کی طرح ہے یا وہ اس سے قریب تر ہے) کیونکہ (بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

ربط: مشرکوں کو یہ ہدایت کرنے کے بعد کہ تم اللہ تعالیٰ کی جناب میں غلط مثالیں نہ بناؤ آگے سابقہ مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور توحید کی مزید کچھ نشانیاں ذکر کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ

السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ
وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ
اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

ترجمہ: اور اللہ نے نکالا تم کو پیٹوں سے تمہاری ماؤں کے کہ نہ جانتے تھے تم کچھ بھی اور بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل تا کہ تم شکر کرو۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے پرندوں کو پابند کئے ہوئے آسمان کی فضا میں۔ نہیں تھامتا ان کو مگر اللہ۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور اللہ نے بنائی تمہارے لئے تمہارے گھروں سے رہنے کی جگہ اور بنائے تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے خیمے تم ہلکا پاتے ہو جن کو اپنے سفر کے دن اور اپنی اقامت کے دن اور ان کی اون سے اور ان کے روئیں سے اور ان کے بالوں سے (بنائے) سامان اور فائدہ کی چیزیں ایک وقت تک۔ اور اللہ نے بنائے تمہارے لئے ان چیزوں سے جو (اللہ نے) پیدا کیں سائے اور بنائیں تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں اور بنائے تمہارے لئے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی سے اور کرتے جو بچاتے ہیں تم کو تمہاری جنگ سے۔ اسی طرح (اللہ) پوری کرتا ہے اپنی نعمت کو تم پر تا کہ تم تابعداری کرو۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو محض تجھ پر ہے پہنچا دینا کھلا۔ یہ پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو پھر انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

چوتھی نشانی

تفسیر: (اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے) اس حال میں (نکالا) اور پیدا کیا

(کہ تم کچھ نہ جانتے تھے) (اور) نہ سمجھتے تھے لیکن ساتھ ہی اللہ نے (تمہارے لئے) علم کے ذرائع یعنی (کان اور آنکھیں اور) سمجھنے والے (دل بنائے) جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے وسائل ہیں۔ پھر جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے اس کی علمی اور عملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں (تاکہ تم) ان نعمتوں پر (شکر گزاری کرو) جو یہ ہے کہ تم ان قوتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرو اور حق کو پہچاننے میں سمجھ بوجھ سے کام لو۔

پانچویں نشانی

(کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں) اڑنے میں اللہ کے قوانین قدرت کے (پابند ہیں) اور اللہ نے ان کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ آسانی سے فضا میں اڑتے رہتے ہیں نہ ان کے جسم کا بوجھ ان کو زمین پر گراتا ہے اور نہ زمین کی کشش انہیں کھینچ کر اڑنے سے روکتی ہے۔ غرض (اللہ کے سوا کوئی نہیں جو ان کو) گرنے سے (تھامے رکھے۔ بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کی حکمت، قدرت اور ربوبیت کی بہت سی (نشانیاں ہیں)۔

چھٹی نشانی

(اور اللہ نے تمہارے لئے) اینٹ، پتھر اور لکڑی کے پختہ (مکانوں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں سے خیمے بنائے جن کو تم اپنے سفر کے دن اور اپنی اقامت کے دن) یعنی اپنے سفر و حضر میں اٹھانے، منتقل کرنے اور نصب کرنے میں (ہلکا پاتے ہو اور ان) چوپایوں میں سے بھیڑوں (کی اون سے اور ان) میں سے اونٹوں (کے روئیں سے اور ان) میں سے بکری (کے بالوں سے بہت سے سامان اور ایک مدت) دراز (تک) کام دینے کے لئے (فائدے کی) بہت سی (چیزیں بنائیں)۔

ساتویں نشانی

(اور ان چیزوں سے جو اللہ نے پیدا کیں) مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ (اللہ نے تمہارے) فائدے کے (لئے سائے بنائے) جن سے مخلوق آرام پاتی ہے (اور تمہارے لئے پہاڑوں میں) بارش، دھوپ اور دشمن سے (چھپنے کی جگہیں بنائیں) اور تمہارے لئے کپاس پیدا کی اور تمہیں سینے پرونے کا فن عطا کیا اور اس کے اسباب مہیا کئے (اور) اس طرح سے اللہ نے (تمہارے لئے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی) اور سردی (سے بچاتے ہیں اور) اسی طرح تمہارے لئے لوہے کے (کرتے) یعنی زرہیں بنائیں (جو تمہاری جنگ سے تمہارا بچاؤ کرتے ہیں (اسی طرح سے اللہ تعالیٰ) تمہاری ہر قسم کی

ضروریات کا انتظام کر کے (تم پر اپنی نعمت کو پورا کرتے ہیں تاکہ تم) اللہ کا احسان مان کر اس کی مکمل (فرمانبرداری کرو)۔

اتنے احسانات اور اتنی نشانیوں کو سن کر (پھر) بھی (اگر یہ لوگ) اللہ کی فرمانبرداری سے (منہ موڑیں تو) اے رسول آپ غم نہ کیجئے کیونکہ (آپ کی ذمہ داری تو صرف کھلا پہنچا دینا ہے)۔ آگے ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے کیونکہ ان کا منہ موڑنا اس وجہ سے نہیں کہ آپ ان کو سمجھا نہیں سکے بلکہ (یہ) لوگ آپ کی بات کو خوب سمجھتے ہیں اور (اللہ کی نعمت کو) خوب (پہچانتے ہیں مگر) ان میں سرکشی اتنی ہے کہ جب شکرگزاری اور اطاعت کا مرحلہ آتا ہے تو ایسے بن جاتے ہیں گویا (ان نعمتوں کو مانتے ہی نہیں اور ان میں زیادہ تر) احسان فراموش اور (ناشکرے ہی ہیں)۔

ربط: اوپر مشرکوں کے سامنے احسانات اور بہت سی نشانیاں ذکر کرنے کے بعد آخر میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر احسان فراموش اور سرکش ہیں۔ آگے بتاتے ہیں کہ ایسوں کے لئے قیامت کے دن عذاب ہوگا اور قیامت کے دن کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا
يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾
وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا
الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ ۚ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾
وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿٨٩﴾ ع

ترجمہ: اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں سے گواہ پھر نہیں دی جائے گی اجازت ان کو جنہوں نے کفر کیا اور نہ وہ مطالبہ کئے جائیں گے۔ اور جب دیکھیں گے جنہوں نے ظلم کیا عذاب کو تو نہیں ہلکا کیا جائے گا (عذاب) ان سے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ اور جب دیکھیں گے جنہوں نے شرک کیا اپنے شریکوں کو کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ سو وہ ڈالیں گے ان کی طرف (یہ) بات کہ تم جھوٹے ہو۔ اور ڈالیں گے اللہ کی طرف اس دن اطاعت کو اور گم ہوجائیں گی ان سے جو وہ افتراء کرتے تھے۔ جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے رستے سے بڑھائیں گے ہم ان کو عذاب میں اوپر عذاب کے بمقابلہ اس کے جو وہ فساد کرتے تھے۔ اور جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں ایک گواہ ان پر ان ہی میں سے اور لائیں گے ہم تجھ کو گواہ ان لوگوں پر۔ اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب اس حال میں کہ وہ کھلا بیان ہے ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے۔

تفسیر: (اور) قیامت کا دن وہ دن ہے (جس دن) میں (ہم ہر امت میں سے) اس کے پیغمبر کو بطور (گواہ کھڑا کریں گے) جو اپنی امت کے جن لوگوں سے ان کو واسطہ پڑا تھا ان کے نیک اور بد کے بارے میں گواہی دیں گے کہ کس نے حق کے پیغام اور پیغمبر کے ساتھ کیا معاملہ کیا تھا۔ (پھر کافروں کو) کچھ عذر و معذرت کرنے کی (اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان سے مطالبہ کیا جائے گا) کہ تم توبہ یا کوئی اور عمل کر کے اب اللہ کو راضی کرلو۔ کیونکہ آخرت دارالجزاء ہے دارالعمل نہیں۔

اور یہ وہ دن ہے (جب ظالم) یعنی کافر (لوگ عذاب کو دیکھیں گے) اور اس میں مبتلا کئے جائیں گے (تو نہ تو ان سے عذاب) کی سختی (کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ہی وہ) عذاب کے تسلسل میں وقفہ اور (مہلت دیئے جائیں گے)۔

اور یہ وہ دن ہے جب شیطان اور بت اور دیگر چیزیں تو کیا مدد کرسکیں گی جو فرشتے اور انبیاء اور اولیاء ہیں (مشرک لوگ) ان میں سے (اپنے) بنائے ہوئے جن (شریکوں کو) خدا کے سوا پکارتے تھے جب وہ ان کو اللہ کے ہاں باعزت مقام میں (دیکھیں گے تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب آپ کے سوا جن کو ہم) اپنی ضرورتوں میں (پکارتے تھے وہ ہمارے یہی شریک ہیں)۔ غرض یہ ہوگی کہ ان نیک لوگوں سے تعلق کی وجہ سے شاید عذاب سے بچ جائیں (تو جواب میں وہ یہ بات کہیں گے کہ) نہ تو ہم نے تم

سے کبھی کہا کہ ہم سے دعا کرو اور نہ ہی ہم اس کے لائق ہیں کیونکہ خدا نے ہمیں کوئی خدائی اختیارات نہیں دیئے لہٰذا (تم) ہمیں اپنا شریک بنانے میں یقیناً (جھوٹے ہو اور) درحقیقت تم اپنے خیالی معبودوں کو پکارتے رہے ہو۔ اور آخر کار ان مشرک لوگوں کی (اس روز) یہ حالت ہوگی کہ ہر طرف سے مجبور و مایوس ہو کر (اللہ کی اطاعت کرنے کو) یوں (کہیں گے) کہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دیجئے اب ہم آپ کی اطاعت کریں گے (اور جو کچھ انہوں نے) دنیا میں (گھڑ رکھا تھا وہ) سب (ان سے گم ہو جائے گا)۔

قیامت کے دن (وہ لوگ جنہوں نے) خود بھی (کفر کیا اور) دوسروں کو بھی (اللہ کی راہ سے روکا ان کو ہم عذاب پر عذاب میں بڑھائیں گے) یعنی ان کو دوگنا عذاب دیں گے (بعوض اس کے جو وہ) دوگنا (فساد کرتے تھے) ایک تو خود کفر کرنے کا اور دوسرے دوسروں کو راہ حق سے روکنے کا۔

(اور جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا کہ قیامت کا دن وہ دن ہے (جس دن میں ہم ہر امت میں انہیں میں سے ایک گواہ) خود (اس امت کے) منکروں کے (خلاف کھڑا کریں گے اور ہم آپ کو ان) کفار عرب (کے خلاف لائیں گے اور) حجت پوری کرکے ان کو جہنم میں ڈالیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان پر اتمام حجت کے لئے (ہم نے) دنیا میں (آپ پر کتاب اتاری جو) فلاح دارین سے متعلق ہر ضروری چیز کا (کھلا بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور) آپ نے اس کو مزید کھول کر سمجھا بھی دیا ہے اور (فرمانبرداری کرنے والوں کے لئے خوشخبری) بھی (ہے) لیکن یہ پھر بھی نہیں مانتے تو پھر ان کا وہی انجام ہونا چاہئے جو بیان ہوا۔

ربط: اوپر قرآن کو دین کے ضروری امور کا کھلا بیان کہا۔ اگلی آیت اسی کا ایک نمونہ ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر و شر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کر دیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل و انصاف کرنے کا اور احسان کرنے کا اور دینے کا قرابت داروں کو اور روکتا ہے بے حیائی سے اور منکر سے اور سرکشی سے۔ (اللہ) سمجھاتا ہے تم کو تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل وانصاف کرنے کا) جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق، معاملات اور جذبات سب اعتدال کے اندر رہیں ان میں کچھ افراط وتفریط نہ ہو۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کو نہ چھوڑے۔ اس کا ظاہر و باطن ایک جیسا ہو۔ جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے (اور) اللہ حکم دیتا ہے (احسان کرنے کا) جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو اور مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے میں اپنے تعلق کو عدل کے فرض و واجب درجہ کی سطح سے کچھ بلند رکھے۔ اپنے اندر مروت پیدا کرے، دوسروں کو معاف کرنے اور دوسروں سے لطف ومہربانی سے پیش آنے کی عادت ڈالے، فرض زکوۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی صدقات وخیرات بھی دے اور اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو اس حد تک بڑھائے کہ عبادت کرنے میں اس کی یہ کیفیت ہو جائے کہ اللہ کو خود دیکھ رہا ہے یا کم از کم اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ عدل واحسان کا تعلق آدمی کی اپنی ذات سے بھی ہے (اور) دوسروں سے بھی ہے لیکن پھر دوسروں میں اپنے (رشتہ داروں) کا حق بیگانوں سے کچھ زائد ہے اس لئے اللہ حکم دیتا ہے کہ رشتہ داری کو نظر انداز نہ کیا جائے اور یہ ضرورتمند ہوں تو بیگانوں کے مقابلہ میں ان کو مقدم بھی رکھا جائے اور ان (کو) زیادہ (دینے کا) اہتمام بھی کیا جائے۔ (اور) آدمی کو کمال حاصل کرنے کے لئے جہاں ان ایجابی چیزوں کی ضرورت ہے وہیں سلبی چیزوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے آگے سلبی چیزوں سے بچنے کا حکم دیتے ہیں کہ اللہ (روکتا ہے بے حیائی) کی باتوں (سے) جن کا سرچشمہ خواہشات کی قوت کا غلبہ ہے (اور) روکتا ہے (منکر سے) یعنی اس برائی سے جو غضب کی قوت کے غلبہ سے صادر ہوتی ہے (اور) اللہ روکتا ہے (سرکشی سے) کہ آدمی انسانیت کی حدود سے باہر نکل جائے اور دوسرے کی جان و مال وآبرو پر ناحق دست درازی کرے اور ظلم کرے۔ سرکشی کا منبع قوت وہمیہ اور قوت خیالیہ کا غلبہ ہے کہ آدمی اللہ کی قدرت قاہرہ کو اور اپنی بے قدری کو بھلا کر دنیا میں اپنے غلبہ کے اور دوسروں کو زیر کرنے کے بڑے منصوبے بناتا ہے اور اس وہم اور خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ حالات ہمیشہ اسی طرح رہیں گے اور وہ اپنے منصوبے پورے کرلے گا اور اس کو کبھی زوال نہ آئے گا۔ غرض یہ کہ آدمی اپنی ان اندرونی قوتوں کو اپنے قابو میں رکھے اور ان سے مثبت فائدے اٹھائے۔ ان کو بے قابو نہ ہونے دے کہ پھر یہ مذکورہ برائیاں صادر ہوں۔ (اللہ تعالیٰ تمہیں) اس طرح (سمجھاتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو)۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں جن اصولی کاموں کے کرنے کا یا چھوڑنے کا حکم تھا آگے ان کے بعض افراد یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور بدعہدی سے ممانعت کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کیونکہ بذات خود اہم ہونے کے علاوہ مسلمان کے عروج وترقی کا ان کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور وہ اس طرح سے کہ:

(1) اسلام کو قبول کرنا بھی ایک عہد ہے اور اس پر باقی رہنا ایفائے عہد ہے۔ مسلمان اسلام پر باقی رہیں گے تو آگے مسلمانوں کی تعداد بڑھے گی۔

(2) اسلام قبول کرنے والے نئے لوگوں کو اطمینان ہوگا کہ مسلمان معاشرہ اور مسلمان حکومت ان کے بارے میں اپنے وعدے کو نبھائے گی اور ان کے حقوق کی حفاظت کرے گی تو وہ اسلام پر جمے رہیں گے۔

(3) دشمنوں کو بھی یہ دیکھ کر کہ مسلمان اپنے عہد کے پکے ہوتے ہیں اور بدعہدی نہیں کرتے اسلام کی طرف رغبت ہوگی۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا
الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا
مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ
تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ
لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا
اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا
السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾
وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا
عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: اور پورا کرو اللہ کے عہد کو جب تم باہم عہد کرو اور مت توڑو قسموں کو ان کی پختگی کے بعد حالانکہ بنایا ہے تم نے اللہ کو اپنے اوپر ضامن۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور مت ہو مانند اس عورت کے جس نے توڑا اپنے سوت کو (اس کی) مضبوطی کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ بنانے لگو اپنی قسموں کو دخل دینے کا ذریعہ اپنے درمیان (اس وجہ سے) کہ ایک فرقہ بڑھا ہوا ہے دوسرے فرقہ سے۔ محض آزماتا ہے تم کو اللہ اس کے ذریعہ اور کھول دے گا تمہارے لئے قیامت کے دن وہ باتیں تم جن میں اختلاف کرتے تھے۔ اور اگر چاہتا اللہ تو بنا دیتا تم کو ایک امت ولیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور تم ضرور پوچھے جاؤ گے اس کے بارے میں جو تم کرتے تھے۔ اور مت بناؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا ذریعہ اپنے مابین کہ پھسل جائے پاؤں اس کے جماؤ کے بعد اور تم چکھو سزا بمقابلہ اس کے جو روکا تم نے اللہ کی راہ سے اور تمہارے لئے عذاب ہے بڑا۔ اور مت مول لو اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی قیمت۔ بے شک جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانتے ہو۔ جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے۔ اور ہم ضرور بدلے میں دیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا ان کا اجر بعوض اچھے کام کے جو وہ کرتے تھے۔ جس نے عمل کیا نیک مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا بھی ہو تو ضرور ہم زندگی دیں گے اس کو پاکیزہ زندگی اور ضرور ہم بدلے میں دیں گے ان کو ان کا اجر بعوض اچھے کام کے جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر: جب اللہ کا واجب الاحترام نام لے کر اور حلف کر کے تم عہد کرتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم خدا کو اس معاملہ میں گواہ اور ضامن بناتے ہو۔ اس کے بعد اگر تم بدعہدی کرو تو خدا کے نام کی بے حرمتی کے علاوہ تم خدا کی ضمانت کو بے وقعت کرتے ہو۔ یہ بالکل جائز نہیں لہٰذا (جب تم آپس میں کوئی (معاہدہ کرو تو اللہ) کے نام (کا) کیا ہوا (عہد پورا کرو اور اپنی قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ) کے نام کی قسم کھا کر اللہ (کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو)۔ اور اللہ کو کسی بات

سے بھی غافل مت سمجھو بلکہ قسمیں کھا کر اللہ کو گواہ بنانے اور پھر اس گواہی کا لحاظ کرنے نہ کرنے کے بارے میں (جو کچھ تم کرتے ہو بلاشبہ اللہ) سب کو (جانتا ہے اور) چونکہ معاہدے کچے دھاگے کی طرح نہیں ہوتے کہ جب چاہا کرلیا اور جب چاہا توڑ دیا لہٰذا مکہ مکرمہ کی (اس) دیوانی (عورت کی طرح مت ہو جو اپنے) کاتے ہوئے (سوت کو مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دیتی ہے) کیونکہ یہ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔ جب چاہے معاہدے کو توڑ کر کیا (تم) اہل جاہلیت کی طرح (اپنی قسموں) اور معاہدوں (کو آپس میں) فریب و دغا بازی سے (دخل دینے کا ذریعہ بناتے ہو) اس واسطے (کہ ایک جماعت) طاقت میں (دوسری جماعت سے بڑھی ہوئی ہے) تو جس کو زیادہ طاقتور دیکھا اس سے معاہدہ کرلیا اور دوسروں سے کیے ہوئے معاہدہ کو بلاتردد توڑ دیا۔ اللہ کو یہ روش بالکل پسند نہیں۔ اور قوت و کمزوری میں اقوام کے اختلاف کو (اللہ تعالیٰ) نے اس وجہ سے رکھا ہے کہ (اس کے ذریعہ سے محض تم کو آزماتا ہے) کہ کون اپنے عہد پر ثابت قدم رہتا ہے اور اپنے حلیفوں کی قوت وضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا (اور) اس آزمائش کا نتیجہ قیامت کے دن اللہ تمہارے سامنے) کردے گا اور ایفائے عہد سمیت (جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے ان کو ضرور کھول دے گا)۔

اور آگے جملہ معترضہ کے طور پر اس اختلاف کی حقیقت بتاتے ہیں کہ اگرچہ اللہ کو یہ قدرت بھی تھی کہ اختلاف نہ ہونے دیتا (اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک) عقائد اور اعمال والی (امت بنا دیتا و لیکن) اللہ کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ لوگوں کی آزمائش کی خاطر ان میں اختلاف رہے اس لئے (وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور) آزمائش کی تکمیل کی خاطر قیامت کے دن (تم سے ان کاموں کا ضرور سوال ہوگا جو تم) دنیا میں (کرتے تھے)۔

(اور) ہم پھر تمہیں سمجھاتے ہیں کہ (تم اپنی قسموں کو) توڑ کر اور بدعہدی کر کے (آپس میں) دھوکہ سے (دخل دینے کا ذریعہ مت بناؤ کہ کہیں) اس غلط کردار کو دیکھ کر ایمان قبول کرنے والوں کے (قدم جماؤ کے بعد پھسل جائیں) اور وہ شک میں پڑ جائیں کہ نہ جانے اسلام کی راہ صحیح ہے یا غلط ہے اور غیر مسلم تو میں اسلام میں داخل ہونے سے ہی رکنے لگیں۔ (اور) اس طرح سے (اللہ کی راہ سے تمہارے روکنے کے سبب سے تم سزا بھگتو اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہے)۔

(اور) جس طرح آپس کے عہد کو نہیں توڑنا اسی طرح (اللہ کے عہد) کو بھی مت توڑو اور عہد شکنی کر کے اس (کے عوض تھوڑی قیمت مت لو) چاہے وہ دنیا بھر کر کیوں نہ ہو کیونکہ فانی ہونے کی وجہ سے وہ تھوڑی ہی ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے عہد کی پاسداری کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے بہت کچھ دے گا اور (اگر تم جانو تو جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بلاشبہ تمہارے لئے بہتر ہے) کیونکہ (جو کچھ تمہارے

پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ) ہمیشہ (باقی رہنے والا ہے) اور کبھی ختم نہ ہو گا۔ (اور جو لوگ) اللہ کے عہد پر ثابت قدم رہتے ہیں اور اس راہ میں آنے والی تمام تکلیفوں پر (صبر کرتے ہیں وہ جو) بھی (اچھے کام کرتے ہیں ہم ان کے عوض ان کو ان کا اجر عطا کریں گے) اور ہمارا تو عام ضابطہ ہی یہ ہے کہ (جو کوئی مرد یا عورت مومن ہوتے ہوئے) واقعی (نیک عمل کرے گا تو ہم) دنیا میں (اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے) کہ حلال روزی ہو گی، قناعت ہو گی، دل کا غنا اور سکون و اطمینان ہو گا، ذکر الٰہی کی لذت ہو گی، محبت الٰہی کا مزہ ہو گا، تعلق مع اللہ کی حلاوت ہو گی اور آخرت کے کامیاب مستقبل کا تصور ہو گا (اور) مزید بریں اس پاکیزہ زندگی میں (جو وہ نیک عمل کرتے رہے ان کے عوض میں ہم ان کو) آخرت میں بھرپور (جزا دیں گے)۔

ربط: اوپر تاکید ہوئی کہ اللہ کے عہد کو نہ توڑا جائے۔ اللہ کا عہد قرآن پاک کی صورت میں بھی موجود ہے۔ آگے اس عہد شکنی سے بچاؤ کی کچھ تدبیریں بتاتے ہیں۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ
الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ
اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: جب پڑھے تو قرآن کو تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے۔ بے شک نہیں ہے اس کا کچھ زور ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ محض اس کا

زور ہے ان لوگوں پر جو دوست بناتے ہیں اس کو اور جو اس کو شریک مانتے ہیں۔ اور جب بدلتے ہیں ہم ایک آیت (دوسری) آیت کی جگہ اور اللہ خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے (تو) کہتے ہیں محض تو گھڑنے والا ہے بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ تو کہہ دے اتارا ہے اس کو پاک فرشتے نے منجانب تیرے رب کے حق کے ساتھ تا کہ ثابت قدم رکھے ایمان والوں کو اور ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں محض سکھاتا ہے اس کو ایک آدمی۔ زبان اس شخص کی یہ نسبت کرتے ہیں جس کی طرف عجمی ہے اور یہ ہے عربی زبان صاف۔

تفسیر: عہد شکنی سے بچاؤ کی پہلی تدبیر

شیطان کی چونکہ ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں سے اللہ کے عہد کو تڑوائے لہٰذا اس سے بچاؤ کی پہلی تدبیر یہ ہے کہ (جب تم قرآن کو پڑھو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ حاصل کرو) دل کی گہرائی سے بھی اور ظاہر زبان سے بھی کیونکہ (بلاشبہ جو لوگ) اللہ پر (ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب) کی پناہ (پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر شیطان کا کچھ زور نہیں) چلتا۔ (اس کا زور تو محض ان لوگوں پر) چلتا (ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں)، اس کے کہے پر چلتے ہیں (اور اس) کے بہکانے سے دوسری چیزوں (کو) خدا کا (شریک بناتے ہیں) اور اس کی بات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ غرض وہ اس کو اور اس کی باتوں کو ایسی اہمیت دیتے ہیں کہ گویا اس کو خدا کا شریک مانتے ہیں۔

عہد شکنی سے بچاؤ کی دوسری تدبیر

لوگوں کو عہد شکنی پر آمادہ کرنے کے لئے شیطان ان کے دلوں میں مختلف وسوسے ڈالتا ہے اور منکرین ان کو قبول کر کے اہل ایمان کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ ان کو حق سے برگشتہ کریں۔ آگے ان وسوسوں کو ذکر کرتے ہیں اور ان کا جواب بھی عنایت فرماتے ہیں تا کہ اہل ایمان کسی تردد میں نہ پڑیں۔

1- ایک وسوسہ یہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا بنایا ہوا کلام ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں کبھی ایک حکم ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کو بدل کر دوسرا حکم دے دیا جاتا ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو یہ تبدیلیوں سے مبرا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ اس وسوسہ کا جواب دیتے ہیں کہ قرآن تو پورا ہمارا کلام ہے اور اس میں جو تبدیلی ہوتی ہے وہ ہم ہی کرتے ہیں لیکن پھر اس تبدیلی کا یہ سبب نہیں کہ پہلا حکم ناقص تھا (اور) ہم اس کے نقص سے بے خبر تھے بعد میں ہمیں اس کے نقص علم ہوا تو اس کو بدل دیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ (جب ہم ایک

آیت کی جگہ اور آیت بدل کر لاتے ہیں) تو پورا علم رکھتے ہوئے ایسا کرتے ہیں (اور اللہ جو نازل کرتے ہیں اس کو خوب جانتے ہیں) لہٰذا اس میں نقص (تو) ہو ہی نہیں سکتا۔ اور (منکرین) اپنی جس دلیل سے آپ کو یہ (کہتے ہیں کہ تم تو صرف) قرآن کو (گھڑنے والے ہو) وہ بالکل غلط ہے (بلکہ) اصل بات یہ ہے کہ (ان کے اکثر) کیا بلکہ ان کے سب ہی لوگ تبدیلی کے اصل سبب کو (نہیں جانتے) جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مدت کے لئے خاص حالات میں بندوں کے کسی مقصد سے ایک حکم دیتے ہیں۔ اس خاص مدت میں جب وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اب اس حکم کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے وہ حکم تبدیل کر کے نئے حالات میں کسی اور مقصد کی تحصیل کے لئے نیا حکم دے دیتے ہیں۔ غرض حکم کی تبدیلی بندوں کی بتدریج اصلاح کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ ہی خوب باخبر ہوتے ہیں۔

2- قرآن کو نبی ﷺ کی کاوش قرار دینے کے لئے دوسرا وسوسہ یہ ہے کہ اگر یہ کتاب اللہ کی جانب سے ہوتی تو بیک وقت نازل ہوتی تھوڑی تھوڑی کر کے کیوں نازل ہوتی۔ یہ تو آپ ﷺ بناتے ہیں اور تھوڑا تھوڑا کر کے بناتے ہیں۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آپ) ان منکروں سے (فرما دیجئے کہ) تمہاری یہ دلیل بھی کچھ وزن نہیں رکھتی کیونکہ اگر یہ خدائی کلام نہیں میرا اپنا بنایا ہوا ہے تو تم بھی اہل زبان ہو اور فصاحت و بلاغت کے ماہر ہو تم بھی بنا کر لے آؤ۔ لیکن جب تم اس سے عاجز ہو تو اپنا دعوی چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی یہ بات مان لو کہ (روح القدس) یعنی پاکیزہ فرشتے جبرئیل علیہ السلام (نے اس کو آپ کے رب کی جانب سے حق کے ساتھ اتارا ہے)۔ اور اللہ نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا (تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے) کیونکہ موقع موقع سے احکام و آیات کا نزول دیکھ کر ان کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال سے باخبر ہے اور انتہائی حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے (اور مسلمانوں) پر جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق قرآن ان (کے لئے ہدایت) و رہنمائی کرتا (ہے اور) ہر کام پر اس کے مناسب (خوشخبری) سناتا (ہے)۔

3- بعض لوگوں کے دماغوں میں یہ تیسرا وسوسہ ڈالتا ہے کہ آپ ﷺ تو امی تھے لہٰذا بلعام نام کا رومی عیسائی آپ کو یہ باتیں سکھاتا ہے۔

(اور) اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ (ہم جانتے ہیں کہ یہ کہتے ہیں ایک شخص) جس کا نام بلعام ہے اور وہ رومی عیسائی ہے وہ (ان) نبی (کو) یہ قرآن بنا کر (سکھاتا ہے) لیکن کیسی عجیب بات ہے کہ (جس شخص کی طرف یہ) قرآن بنا کر سکھانے کو (منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے جب کہ یہ قرآن تو صاف عربی) میں (ہے)۔ اگر یہ منکرین قرآن کے علوم خارقہ کو اور اس کے معجزہ ہونے کی دیگر

وجوہ کو نہیں سمجھتے تو کیا اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ایک عجمی شخص عربی زبان میں ایسا معجز کلام کیسے بنا سکتا ہے جس سے خود عرب کے فصحاء و بلغاء عاجز ہو جائیں۔

ربط: عہد شکنی سے بچاؤ کی تدبیروں کے ضمن میں قرآن پاک کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوا۔ اس سے نہ ماننے والوں پر اس کو ماننا لازم ہوا اور ماننے والوں پر ثابت قدمی لازم ہوئی۔ پھر جو اس لازم پر عمل نہیں کرتا آگے ان کی سزا کو ذکر کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا
يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ
اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ
صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ
هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ
مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ۧ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ
عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اللہ کی آیتوں پر نہیں راہ پر لگاتا ان کو اللہ اور ان کے لئے ہے دردناک عذاب۔ محض گھڑتے ہیں جھوٹ کو وہ لوگ جو نہیں ایمان

لاتے اللہ کی آیتوں پر اور وہی جھوٹے ہیں۔ جو کوئی انکار کرے اللہ کا اپنے ایمان لانے کے بعد مگر وہ جو مجبور کیا جائے اس حال میں کہ اس کا دل مطمئن ہو ایمان پر ولیکن جو کھولے کفر پر (اپنا) سینہ تو ان (جیسے) لوگوں پر غضب ہے اللہ کا اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے ترجیح دی حیات دنیوی کو آخرت پر اور یہ کہ اللہ نہیں راہ پر لگاتا کافر لوگوں کو۔ یہی لوگ ہیں کہ مہر کردی اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے اور ان کے کانوں کے اور ان کی آنکھوں کے اور یہی ہیں غافل۔ یقیناً یہ آخرت میں یہی خسارہ والے ہیں۔ پھر بلاشبہ تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ہجرت کی اس کے بعد کہ وہ فتنہ میں مبتلا کئے گئے پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا بے شک تیرا رب ان باتوں کے بعد بھی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ جس دن آئے گا ہر نفس جھگڑتے ہوئے اپنی طرف سے اور پورا دیا جائے گا ہر نفس جو اس نے کیا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

تفسیر: قرآن کی حقانیت اور اس کے منجانب اللہ ثابت ہونے کے باوجود (جو لوگ اللہ کی آیتوں پر) مشتمل قرآن پر (ایمان نہیں لاتے) اور دل میں ٹھان لیتے ہیں کہ اس پر یقین نہیں کریں گے تو (اللہ) بھی (ان کو) اصل مقصد یعنی جنت تک پہنچنے کی (راہ پر نہیں لگاتا) پھر ان کو جتنا سمجھاؤ کبھی نہیں سمجھتے (اور ان) بداعتقاد (لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ آپ پر قرآن گھڑنے اور خدا پر جھوٹ باندھنے کا الزام لگاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ (یہی لوگ جو) سارے ثبوت مہیا ہونے کے باوجود بھی (اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے محض یہی) اللہ پر (جھوٹ گھڑتے ہیں) کہ خدا کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں (اور یہی لوگ جھوٹے ہیں)۔ ایک تو یہ مذکورہ بالا مجرم ہیں جو سینکڑوں دلائل و آیات سن کر بھی ایمان نہ لائیں۔ مگر ان سے بھی بڑھ کر مجرم وہ ہے (جو اللہ) اور اس کی کتاب (پر اپنے ایمان لانے) اور یقین کر لینے (کے بعد) شیطانی وسوسوں سے متاثر ہو کر حق سے (منکر ہو جائے)۔ ایسے شخص کی سزا آگے بیان کی۔ درمیان میں اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ سے ایک ضروری استثناء کر دیا گیا۔

یعنی (سوائے اس کے جو) کلمہ کفر کہنے پر قتل کی دھمکی سے (مجبور کیا گیا جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے) اور خوب جما ہوا ہے ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا (لیکن جس شخص نے کفر پر اپنا سینہ کھول دیا) اور دل سے کفر کو قبول کیا (تو ان) جیسے (لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)۔ مذکورہ دونوں گروہوں کی (یہ) مذکورہ بالا سزا (اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی) کے مال وزر اور آسائش و آرائش (کو آخرت) کی زندگی (پر ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ) ایسے (کافروں کو) حق کے (راستہ پر نہیں ڈالتا) بلکہ (ان لوگوں کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی

آنکھوں پر مہر کر دیتا ہے) جس کی وجہ سے ان کے کانوں سے حق کی آواز متوجہ ہو کر سننے، آنکھوں سے حق کی راہ دیکھنے اور دلوں سے حق بات سمجھنے (اور) سوچنے کی توفیق جاتی رہتی ہے۔ نتیجہ میں (یہ لوگ) حق سے بالکل (غافل) رہتے (ہیں) اور (یقینی بات ہے کہ یہی لوگ آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے)۔ ان کے برخلاف (وہ لوگ جو فتنہ میں ڈالے گئے) اور جان کے خوف سے کلمہ کفر کہنے پر مجبور ہوئے لیکن وہ دل سے ایمان پر جمے رہے (اور اس کے بعد انہوں نے) موقع پا کر (ہجرت) بھی (کی) اور (پھر جہاد) بھی (کیا اور) پورے (صبر) و استقلال کے ساتھ اسلام (پر قائم رہے اتنے کاموں کے بعد بلاشبہ آپ کا رب) ان پر بڑی مہربانی کرے گا کیونکہ وہ (بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) وہ اپنی بڑی مہربانی کا اظہار اس دن کرے گا (جس دن ہر نفس اپنے بارے میں جھگڑتا ہوا) اور عذر تراشتا ہوا آئے گا (اور ہر نفس کو اس کے کئے کا پورا اجر دیا جائے گا اور لوگ ظلم نہ کئے جائیں گے)۔ یعنی نہ کسی کی نیکی کے ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کی بدی کی سزا استحقاق سے زیادہ دی جائے گی۔

ربط: اور قرآن کو نہ ماننے والے یہ نہ سوچیں کہ آخرت کا عذاب تو آئندہ کا قصہ ہے معلوم نہیں کہ ہوتا بھی ہے یا نہیں لہٰذا اس سے کیا اثر لینا کیونکہ تکذیب کرنے والوں پر دنیا میں بھی عذاب نازل ہوتا رہا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بستی کی جو تھی با امن اور مطمئن۔ آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق وافر ہر جگہ سے پھر ناشکری کی اس نے اللہ کی نعمتوں کی تو چکھایا اس کو اللہ نے لباس بھوک کا اور خوف کا بسبب اس کے جو وہ کرتے تھے۔ اور آیا ان کے پاس رسول ان ہی میں سے تو جھٹلایا انہوں نے اس کو پھر پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ ظالم تھے۔

تفسیر: (اور) انکار و تکذیب کے دنیوی وبال پر متنبہ کرنے کے لئے (اللہ تعالیٰ نے ایک

بستی) والوں (کی مثال بیان فرمائی کہ) ان کی حالت بڑے (امن اور اطمینان والی تھی) کیونکہ نہ باہر سے کسی دشمن کا کھٹکا تھا اور نہ اندر سے کسی طرح کی فکر وتشویش تھی اور (اس) بستی والوں (کا رزق) یعنی کھانے پینے کا سامان (اس بستی میں ہر جگہ سے وافر) مقدار میں (چلا آتا تھا) غرض گھر بیٹھے دنیا بھر کی نعمتیں ملتی تھیں۔ (پھر) بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان مانتے (اس) بستی والوں (نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی) اس طرح سے (ناقدری کی) کہ کبھی خالص اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان نہیں کیا بلکہ یا تو اللہ تعالیٰ کا سرے سے انکار کر دیا یا اللہ تعالیٰ کے اور شریک ٹھہرا لئے اور اپنی ساری توجہات ان کی طرف کر لیں (تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے سبب سے ان کو بھوک) یعنی قحط (اور خوف کے لباس) کی طرح احاطہ کرنے والے عذاب کا (مزہ چکھایا) کہ بھوک اور خوف سے ان کو لحہ بھر کے لئے بھی چھٹکارا نہ ملتا تھا۔ (اور) اس سزا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ جلدی نہیں کی گئی بلکہ پہلے ان کی اصلاح کے لئے (ان کے پاس ان ہی میں سے) اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک (رسول) بھی (آیا) جس کے صدق و امانت کے وہ پوری طرح معترف تھے (تو انہوں نے اس) رسول (کو) بھی (جھٹلایا تب ان کو عذاب) الٰہی نے (آ پکڑا جب کہ وہ ظلم) یعنی کفر وشرک اور تکذیب وعداوت (پر) پوری طرح کمر باندھ چکے (تھے)۔

ربط: آگے مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہ کرنا اور اللہ سے کئے اپنے عہد پر قائم رہنا جس کی چند شقیں یہ ہیں۔

ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ
الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ
بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ط
مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا
حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

كَانُوٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٩﴾

ترجمہ: سو کھاؤ ان چیزوں سے جو دیں تم کو اللہ نے حلال اور پاکیزہ اور شکر کرو نعمت الٰہی کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ محض حرام کیا تم پر مردار کو اور خون کو اور خنزیر کے گوشت کو اور اس کو نام لیا گیا ہو غیر اللہ کا جس پر۔ پھر جو کوئی لاچار ہوا نہ طالب لذت اور نہ حد سے گزرنے والا تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ اور مت کہو جو دعویٰ کریں تمہاری زبانیں جھوٹ کا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم گھڑو اللہ پر جھوٹ کو۔ بلاشبہ جو لوگ گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ نہ کامیاب ہوں گے۔ (یہ) فائدہ ہے تھوڑا اور ان کے لئے عذاب ہے درد ناک۔ اور یہودیوں پر حرام کیا ہم نے جو بیان کر چکے ہم تجھ پر پہلے سے اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر ولیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کی برائی نادانی سے پھر توبہ کی اس کے بعد اور اصلاح کی بلاشبہ تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

پہلی شق: حلال روزی کھاؤ اور اللہ کی عبادت واطاعت کرو

تفسیر: اے ایمان والو (اگر) تمہارا دعویٰ ہے کہ (تم صرف اللہ ہی کی عبادت کرتے ہو تو) پھر ایک تو تم اللہ کی دی ہوئی چیزوں میں سے صرف حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ) حرام چیزیں مت کھاؤ کیونکہ عبادات سمیت کوئی بھی نیک عمل ہو حلال غذا اس کے لئے ایسی ہے جیسے زرعی پیداوار کے لئے عمدہ کھاد۔ کہ اس کی وجہ سے پیداواری صلاحیت بڑھ جاتی ہے اور پھل پھول زیادہ لگتے ہیں۔ اسی طرح حلال غذا کے ہوتے ہوئے ایک تو عبادت اور نیک عمل کی طرف رغبت زیادہ ہوتی ہے جس سے جہاں نیک اعمال زیادہ ہوتے ہیں وہیں ان کے دینی اور دنیوی اثرات بھی زیادہ ہوتے ہیں جب کہ حرام غذا نیک اعمال کے لئے ایسی ہے جیسے زہریلی کھاد کہ اس سے پیداواری صلاحیت جاتی رہتی ہے اور اگر پھل پھول لگیں بھی تو بہت کم۔ اسی طرح حرام غذا کے ہوتے ہوئے نیک اعمال کی طرف رغبت نہیں ہوتی اور اگر کچھ اعمال ہو بھی جائیں تو ان کے دینی و دنیوی اثرات بھی کم ہوتے ہیں (اور) دوسرے یہ کہ (اللہ کی نعمت) سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کو مت بھولو بلکہ اس (کا شکر ادا کرتے رہو) جس میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام و ہدایات کی

پابندی کرو۔ اور جان لو کہ دیگر حرام چیزوں کے علاوہ اس وقت اللہ نے (محض حرام کیا تم پر مردار کو اور) بہنے والے (خون کو اور خنزیر کے گوشت کو) بلکہ اس کے تمام ہی اجزاء کو (اور جس پر نام لیا گیا ہو غیر اللہ کا خواہ) ذبح کرتے ہوئے یا ذبح کئے جانے سے پہلے ہی غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ تو ان حرام چیزوں سے بھی لازمی بچنا ہے۔ (پھر جو کوئی) فاقوں کی وجہ سے (لاچار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ) حد ضرورت سے (تجاوز کرنے والا ہو) اور جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت کوئی حرام چیز کھا لے (تو اللہ تعالیٰ) اس کے لئے (بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)۔

دوسری شق: اپنی طرف سے حلال یا حرام مت ٹھہراؤ

(اور) کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اس اللہ کا حق ہے جس نے وہ چیز پیدا کی ہے۔ لہٰذا جن چیزوں کے بارے میں (تمہاری زبانیں جو جھوٹا دعویٰ کریں) اور ان کے بارے میں کوئی شرعی دلیل نہ ہو (تو تم) یوں (مت کہا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے تاکہ) اس طرح سے (تم خدا پر جھوٹ گھڑو) کیونکہ کسی چیز کے بارے میں منہ اٹھا کہ کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام ہے بڑی سخت جسارت اور کذب و افتراء ہے اور (بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ) کبھی (کامیاب نہ ہوں گے) کیونکہ اصل کامیابی تو آخرت کی ہے۔ دنیا میں ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ چند روز مزے کر لیں لیکن ظاہر ہے کہ (یہ تھوڑا فائدہ ہے اور) بالآخر (ان کے لئے آخرت کا) دائمی اور (دردناک عذاب ہے۔ اور) یہ بھی جان لو کہ ہم جو کچھ حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں تو وہ معقول ضابطہ کے تحت ہوتا ہے البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مختلف پیش آنی والی وجوہ سے ہم عارضی طور پر کسی ایسی چیز کو حرام یا حلال قرار دے دیتے ہیں جو ضابطہ میں اس کے برعکس ہو۔ جیسا کہ خاص (یہود پر ہم نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا جن کو ہم پہلے سے) سورہ انعام کی آیت 146 میں (آپ کو بتا چکے ہیں) یعنی ہر کھر والا جانور مثلاً اونٹ، شتر مرغ اور بطخ اور اسی طرح گائے بکری کی چربی جو پشت یا انتڑیوں پر لگی ہو وغیرہ۔ (اور ہم نے) بلاوجہ ان کو حرام کر کے (یہود پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ) اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانیاں کر کے (اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے) کہ ان کی پاداش میں یہ حلال چیزیں ان پر حرام کی گئیں۔

لیکن (پھر) بھی آپ کا رب بہت معاف کرنے والا ہے اس لئے (جو لوگ اپنی نادانی) اور بے عقلی (سے) حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے کی (برائی کر بیٹھیں) اگرچہ جان بوجھ کر ہی کہا ہو کیونکہ وہ بھی بے عقل ہی بن کر کرتے ہیں اگر ذرا عقل سے کام لیں (اور) برے نتائج کا تصور کریں تو کبھی برائی نہ کریں۔ غرض یہ لوگ اگر (اس کے بعد پھر توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بلاشبہ آپ کا رب) توبہ اور اصلاح کی (ان باتوں کے بعد) معاف کر دیتا ہے کیونکہ وہ بہت (بخشنے والا رحم کرنے والا ہے)۔

ربط: اس سورت کا بنیادی مضمون مشرکین عرب کو توحید کی دعوت دینا اور ان کی شرکیات کا رد کرنا

تھا۔ اسی سلسلہ میں آخر میں ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ان کی نسل سے تھے اور ان ہی کے دین پر ہونے کا دعوی رکھتے تھے اور ان کو خالص دین ابراہیمی کو اختیار کرنے کی دعوت فکر دیتے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے از سر نو زندہ اور روشن کیا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ
حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَ
هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ
فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ۭ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ
اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِنَّمَا جُعِلَ
السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: بے شک ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا اور فرمانبردار اللہ کا یکسو ہو کر اور نہیں تھا مشرکوں میں سے۔ (وہ تھا) شکر گزار اس کی نعمتوں کا۔ (اللہ نے) چنا اس کو اور چلایا اس کو راہ مستقیم کی طرف۔ اور دی ہم نے اس کو دنیا میں خوبی اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں سے ہے۔ پھر وحی کی ہم نے تیری طرف کہ اتباع کر ابراہیم کے دین کی جو یکسو تھا اور نہیں تھا وہ مشرکوں میں سے۔ محض مقرر کیا گیا ہفتہ کا دن ان لوگوں پر جنہوں نے اختلاف کیا اس میں اور تیرا رب فیصلہ کرے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر: اے مشرکو تم (ابراہیم) علیہ السلام کے دین پر ہونے کے دعویدار ہو لیکن یہ تو دیکھو کہ تم کیا ہو اور وہ کیا تھے۔ وہ تو (بلاشبہ) نیکی کی (راہ ڈالنے والے) معلم (تھے) اللہ کے (کامل فرمانبردار تھے) جو ہر طرف سے کٹ کر ایک (خدا کے لئے یکسو) ہو گئے (تھے)۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ خدا کے حکم کے بغیر کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دیں (اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے) اور (اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے)۔ ان کے برعکس تم لوگ اپنی طرف سے چیزوں کو حرام و حلال بھی ٹھہرا لیتے ہو، شرک و بت پرستی بھی کرتے ہو اور اللہ کی طرف تمہارا دھیان بھی نہیں جاتا۔ ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ خوبیوں کی وجہ سے (اللہ نے ان کو چن لیا اور ان کو) توحید کامل اور تسلیم و رضا کی (سیدھی راہ پر چلایا۔

اور) اس کے علاوہ (ہم نے ان کو دنیا میں) بھی (خوبی دی) کہ نبوت، کشادہ روزی، اولاد، وجاہت اور تمام اقوام میں مقبولیت عامہ عطا کی (اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں) کے اعلیٰ طبقہ (میں ہوں گے) جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔ (پھر) ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے آئندہ کے لوگوں کے لئے اتباع کی بنیاد بنا دیا۔ اسی لئے (ہم نے آپ کی طرف) بھی یہی (وحی کی کہ ابراہیم) علیہ السلام (کے دین) کے اصول اور برقرار رکھے گئے فروع (کی اتباع کیجئے جو یکسو تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے)۔

اس پر کوئی کہے کہ اسلام میں ہفتہ کے دن کی تعظیم نہیں ہے حالانکہ وہ دین ابراہیمی کے شعائر میں سے ہے کیونکہ یہود بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور اپنے دین کا سلسلہ وہ بھی ان سے ملاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اصل دین ابراہیمی میں (ہفتہ کے دن کا حکم) نہیں تھا البتہ بعد میں یہود نے اپنے کسی پیغمبر کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لئے یہ دن منتخب کیا تو (محض) ان (اختلاف کرنے والوں پر) اس دن کا حکم (مقرر کیا گیا) کہ اس کی تعظیم کرو اور اس روز ہر دنیوی مشغولیت سے پرہیز کرو۔ یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر بنا دیئے گئے اور آخرت میں جو فیصلہ ہوگا وہ الگ رہا۔ (اور) اسی پر کیا منحصر ہے (آپ کا رب تو قیامت کے دن لوگوں کے درمیان ان) تمام (باتوں کے بارے میں فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے)۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں مشرکین عرب کو آگاہ کرنا مقصود تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لے کر آئے ہیں اگر کامیابی چاہتے ہو اور حنیف ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ آگے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دیتے ہیں کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح سے لانا چاہئے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ

رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ
اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُھْتَدِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ ؕ
وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَھُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا
بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ترجمہ: بلا اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور بھلی نصیحت کے ساتھ اور جھگڑ ان سے اس طریقہ سے جو بہتر ہے بلاشبہ تیرا رب خوب جانتا ہے جو بھٹکا اس کے رستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو۔ اور اگر تم بدلہ لو تو بدلہ لو مثل اس کے تکلیف دی گئی تمہیں جس کی۔ اور اگر تم صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لئے۔ اور تو صبر کر اور نہیں ہے تیرا صبر کرنا مگر اللہ (کی مدد) سے اور مت غم کر ان پر اور مت ہو تنگی میں اس سے جو یہ مکر کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ ساتھ ہے ان لوگوں کے جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکو کار ہیں۔

تفسیر: اے پیغمبر (آپ) لوگوں کو (اپنے رب کے راستہ کی طرف) دو طریقوں سے یعنی (حکمت اور بھلی نصیحت کے ساتھ بلایئے)۔ حکمت سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ مضامین مضبوط دلائل کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جن کو سن کر علم وفہم والے اپنی گردن جھکا دیں۔ اور بھلی نصیحت سے مراد وہ نصیحت ہے جو موثر اور رقت انگیز ہو اور اخلاص، ہمدردی اور شفقت سے بھری ہو۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کا کام ہر چیز میں الجھنا (اور) بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی بات قبول کرتے ہیں اور نہ وعظ ونصیحت سنتے ہیں بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں مناظرہ کا بازار گرم ہو۔ پھر بعض اوقات جو اہل فہم اور طالبان حق ہیں وہ بھی شبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بحث مباحثہ کرنے پر اتر آتے ہیں۔ اس لئے آگے فرمایا کہ اگر ایسا موقع پیش آ جائے تو (بہترین طریقہ سے) تہذیب وشائستگی اور انصاف کے ساتھ (بحث کرو) اور اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ دل آزاری اور بداخلاقی سے بچو۔ غرض دعوت وتبلیغ کے کام میں آپ کو خدا کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا چاہئے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ خدا کے سپرد کر دیجئے۔ (بلاشبہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی خوب واقف ہے ہدایت یافتہ لوگوں سے)۔ پھر جیسا مناسب ہوگا ان سے معاملہ کرے گا۔ پھر دعوت وتبلیغ کی راہ میں (اگر تم) کو تکلیفیں پہنچائی جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت (بدلہ لینا چاہو تو) لے سکتے ہو لیکن (اسی قدر بدلہ لو جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی گئی اور اگر تم صبر کرو تو) صبر کا مقام بدلہ لینے سے بلند تر ہے اور (وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے)۔ اور مصائب وشدائد پر اے پیغمبر (آپ تو صبر کرتے رہئے اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی مدد سے ہو سکتا ہے) لہٰذا صبر کرنے میں اللہ کی مدد بھی طلب کرتے رہئے۔ (اور نہ ماننے والوں پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ مکر) وفریب (کرتے ہیں اس سے تنگ مت ہوں)۔ اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کے لئے تقویٰ اور نیکی کو اختیار کیجئے کیونکہ (بلاشبہ اللہ متقیوں کے اور ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو نیکو کار ہیں)۔

سورہ بنی اسرائیل

ربط: پچھلی سورت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ متقیوں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں پر اللہ کی خصوصی رحمت و عنایت ہے۔ پھر ان میں جو اعلیٰ درجہ والے ہیں یعنی انبیاء ہیں ان پر تو اللہ تعالیٰ کی عنایتیں اور بھی زیادہ ہوں گی۔ پھر جو سید الانبیاء ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا۔ آگے اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ پر اپنی انتہائی خصوصی عنایت ذکر فرماتے ہیں:

سورۃ بنی اسرائیل مکیۃ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | آیاتھا ۱۱۱ - رکوعاتھا ۱۲

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

ترجمہ: پاک ذات ہے جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک وہ کہ بابرکت بنایا ہم نے جس کے گرداگرد کو تاکہ ہم دکھائیں اس کو اپنی نشانیوں میں سے۔ بلاشبہ وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

تفسیر: (پاک ذات ہے) وہ (جو اپنے بندے) محمد ﷺ (کو) ہجرت سے سال سوا سال پہلے (راتوں رات لے گئی) مکہ مکرمہ کی (مسجد حرام سے) بیت المقدس میں (مسجد اقصی تک جس کے گرداگرد علاقہ کو ہم نے) مادی و روحانی طور پر (بابرکت بنایا ہے)۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی بہتات ہے اور روحانی اعتبار سے اس طرح کہ کتنے ہی انبیاء و رسولوں کا مسکن و مدفن ہے اور ان کے فیوض و انوارات کا سرچشمہ رہا ہے۔ اور اس طرح سے اس سفر پر اس لئے لے گئے (تاکہ ہم ان کو اپنی) قدرت کی (نشانیوں میں سے کچھ) نشانیاں (دکھائیں مثلاً یہ کہ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کے طویل فاصلہ کا آنا جانا ایک رات کے اندر بہت ہی تھوڑی مدت میں ہو گیا۔ نیز گزشتہ انبیاء سے ملاقات ہوئی جن کی بابرکت ارواح اجسام مثالیہ میں حاضر تھیں۔ (بے شک وہی) اللہ بڑا (سننے

والا) بڑا (دیکھنے والا ہے)۔ اس نے آپ کی مناجات کو سنا اور آپ کے تقوی واحسان کے بلند حالات کو دیکھا تو آپ کو اس فضیلت کا مستحق سمجھ کر اس سے سرفراز فرمایا۔

فائدہ: حدیث میں تفصیل ہے کہ اسی موقع پر بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر معراج کرائی گئی۔

ربط: مسجد اقصی فلسطین کے شہر بیت المقدس میں ہے جو تاریخی طور پر بنی اسرائیل کا مرکز رہا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کو بیت المقدس لے جا کر اور واپس مکہ مکرمہ لا کر بنی اسرائیل کو اشارہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی جو امانت بیت المقدس میں رکھی تھی وہ اب حضرت محمد ﷺ کو دے دی گئی ہے اور اب اگر تم خیر چاہتے ہو تو ان پیغمبر کی پیروی کرو ورنہ پہلے کی طرح شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصی کے متولی نہ رہو گے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى
لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝٢ ذُرِّيَّةَ مَنْ
حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝٣ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ
عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ
اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥
ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَ
جَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ
وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا
تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ﴿٨﴾ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ
هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿٩﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا
لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٠﴾

ترجمہ: اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے لئے کہ مت ٹھہراؤ میرے سوا کوئی کارساز، اے اولاد ان لوگوں کی جن کو سوار کیا ہم نے نوح کے ساتھ۔ بے شک وہ تھا بندہ شکر گزار۔ اور طے کیا ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب میں کہ تم ضرور فساد کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم ضرور سرکشی کرو گے سرکشی بڑی۔ پھر جب آیا وعدہ پہلا ان دو میں سے مسلط کئے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے پھر وہ گھس گئے بیچ میں گھروں کے۔ اور تھا وعدہ ہونے والا۔ پھر لوٹا دیا ہم نے تمہارے لئے غلبہ ان پر اور امداد کی ہم نے تمہاری اموال سے اور بیٹوں سے اور بنا دیا ہم نے تم کو کثیر نفری والا۔ اگر بھلائی کرتے ہو تم تو بھلائی کرتے ہو تم اپنی جانوں کے لئے اور اگر برائی کرتے ہو تم تو اپنی جانوں کے لئے۔ پھر جب آیا وعدہ دوسرا (مسلط کئے ہم نے اپنے اور بندے) تا کہ بگاڑ دیں تمہارے چہرے اور تا کہ داخل ہوں مسجد میں جیسا کہ داخل ہوئے اس میں پہلی مرتبہ اور تا کہ برباد کریں جس جگہ پر غلبہ پائیں پوری بربادی۔ شاید کہ تمہارا رب رحم کرے تم پر اور اگر وہی کرو گے تم تو وہی کریں گے ہم اور بنایا ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے جیل خانہ۔ بے شک یہ قرآن دکھاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے اور خوشخبری دیتا ہے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیک عمل کہ ان کے لئے ہے اجر بڑا اور یہ کہ جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر تیار کیا ہم نے ان کے لئے عذاب دردناک۔

تفسیر: (اور ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو کتاب دی اور ہم نے اس کو بنی اسرائیل کے لئے) ذریعہ (ہدایت بنایا) جس میں اور ہدایتوں کے ساتھ یہ ہدایت بھی تھی (کہ) تم خالص توحید پر قائم رہو اور (میرے سوا کسی اور کو) اپنا (کارساز مت قرار دو)۔ ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کرو۔ (اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح) علیہ السلام (کے ساتھ) طوفان سے بچانے کے لئے جہاز میں (سوار کیا) یعنی اے بنی اسرائیل تم ان ہی لوگوں کی اولاد ہو تو اللہ نے جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا تم اسے

فراموش مت کرو اور اللہ کے احکام پورے کرو۔ دیکھو نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو (وہ) تو (بلاشبہ شکرگزار بندے تھے) تم کو بھی ان کی راہ پر چلنا چاہئے۔ لیکن بنی اسرائیل نے ہماری نصیحتوں کو بھلا دیا (اور) کتاب الٰہی پر عمل نہ کیا۔ اس وجہ سے (ہم نے) بنی (اسرائیل کی طرف) تقدیر کی (کتاب) لوح محفوظ (میں طے کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل تم اپنی نافرمانی کے سبب (زمین میں دوبار ضرور فساد کرو گے اور ضرور بڑی سرکشی کرو گے) اور اس کی پاداش میں تم کو ہر مرتبہ سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کی تفصیل یہ ہے کہ (پھر جب ان دو میں سے پہلا وعدہ) پورا ہونے کا وقت (آیا تو) 587 قبل مسیح میں (ہم نے) بخت نصر کی سرکردگی میں (اپنے سخت جنگجو بندے تم پر مسلط کر دیئے) جنہوں نے تمہیں شکست دی (پھر وہ) تمہارے شہروں میں (گھروں کے اندر گھس گئے) اور سخت قتل و غارت کی۔ (اور) خدا کا وہ (وعدہ پورا ہونا) ہی (تھا۔ پھر) جب تم نادم و تائب ہوئے تو (ہم نے ان پر تمہارا غلبہ لوٹا دیا اور اموال و نرینہ اولاد سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو) تعداد اور (نفری میں بہت زیادہ کر دیا) اور ہم کسی کے ساتھ کچھ زیادتی نہیں کرتے بلکہ یہ تو تمہارے اپنے اعمال ہیں جو تمہارے آگے آتے ہیں لہٰذا (اگر تم بھلائی کرتے ہو تو اپنے لئے کرتے ہو) کہ اس کا نفع اور ثواب تمہیں ملتا ہے (اور اگر تم برائی کرتے ہو تو) وہ بھی (اپنے لئے کرتے ہو) کہ اس کا نقصان اور گناہ تمہارے سر پڑتا ہے۔ (پھر جب) تم نے دوبارہ فساد برپا کیا تو ہمارے عذاب کا (دوسرا وعدہ) بھی (آیا) اور ٹائٹس رومی کی قیادت میں (ہم نے اپنے دوسرے) جنگجو (بندے) تم پر (مسلط کئے تاکہ وہ) تمہیں مار مار کر (تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد) اقصیٰ (میں داخل ہوں) اور اس کو بے حرمت اور برباد کریں (جیسا کہ) دشمن (اس میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے) تھے اور اس کی بے حرمتی کی تھی (اور تاکہ جہاں جہاں وہ غلبہ پائیں سب کچھ تباہ و برباد کر دیں)۔ اس سے بنی اسرائیل کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس وقت کے بعد اب تمہارے لئے موقع بنا ہے کہ (شاید تمہارا رب تم پر مہربانی کرے) جس کی صورت یہ ہے کہ تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہو جاؤ جو ملت ابراہیمی کی اسماعیلی شاخ سے تو خود ہیں ہی، اب بیت المقدس بلا کر اس ملت کی اسرائیلی شاخ بھی ان کے حوالے کر دی گئی ہے۔ ان کے تابع اور امتی ہو کر تم دوبارہ سلطنت اور غلبہ حاصل کر لو گے۔ (اور اگر تم) پھر (وہی) شرارت اور فساد (کرو گے تو ہم بھی) تمہارے ساتھ دنیا میں سزا اور عذاب کا (وہی) معاملہ (کریں گے اور) آخرت میں (ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو جیلخانہ بنایا ہے) پھر اس میں قید ہو گے۔ (اور بلاشبہ ان ہی رسول کو ہم نے (یہ قرآن) دیا ہے جو ساری دنیا کو (سب سے زیادہ سیدھی) سچی اور مضبوط (راہ دکھاتا ہے) لہٰذا اس کی دکھائی ہوئی راہ پر چلو۔ (اور) پھر (جو لوگ) پورے طور پر اس کی راہ پر چلتے ہیں

یعنی جو دل سے (ایمان رکھتے ہیں اور جو) اعضاء و جوارح سے (نیک عمل کرتے ہیں یہ) قرآن (ان کو خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور جو) اس کی راہ پر نہیں چلتے کہ نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ محمد ﷺ کو رسول مانتے ہیں وہ گویا ایمان ہی نہیں رکھتے نہ خدا پر، نہ رسولوں پر اور نہ آخرت پر۔ اور جو خدا، رسالت اور (آخرت) میں سے کسی ایک (پر ایمان نہیں رکھتے تو) ان کے بارے میں قرآن بتاتا ہے کہ (ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے)۔

ربط: اوپر بتایا کہ قرآن لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا ہے، بڑے اجر کی بشارت سناتا ہے اور برائی کے مہلک نتائج سے ڈراتا ہے لیکن کافر کا حال یہ ہے کہ وہ برائی کی طرف لپکتا ہے اور نتائج سے بے پروا ہو کر عذاب کی جلدی مچانے لگتا ہے۔ اس پر فرماتے ہیں کہ جلدی مچانے کا فائدہ نہیں کیونکہ خدا کے یہاں ہر چیز کا خواہ خیر ہو یا شر ہو ایک وقت اور اندازہ مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئے گا تو سب حساب ہو جائے گا۔

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهُ بِالْخَيْرِ ؕ

وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ
فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ
فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ
وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ
كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿١٤﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا
يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ
وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿١٥﴾

ترجمہ: انسان طلب کرتا ہے شر کو مثل اس کے طلب کرنے کے خیر کو اور ہے انسان جلد باز۔ اور بنایا ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں۔ تو مٹا دیتے ہیں ہم رات کی نشانی کو اور بنا

دیتے ہیں ہم دن کی نشانی کو روشن تا کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور تا کہ تم جان لو گنتی سالوں کی اور (جان لو) حساب کو۔ اور ہر چیز کو بیان کیا ہم نے خوب تفصیل سے۔ اور ہر آدمی کے ساتھ لگا دی ہم نے اس کی نحوست اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب پائے گا اس کو کھلی ہوئی۔ تو پڑھ اپنی کتاب۔ کافی ہے تیرا نفس آج تجھ پر حساب لینے والا۔ جو شخص راہ پر چلتا ہے تو محض راہ پر چلتا ہے اپنے لئے اور جو بھٹکتا ہے تو محض بھٹکتا ہے (اپنے) نفس کے نقصان پر۔ اور نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور نہیں ہیں ہم عذاب دینے والے یہاں تک کہ ہم بھیجیں کسی رسول کو۔

تفسیر: بعض (انسان) یعنی کافر (شر) اور عذاب (کو) اسی طرح جلدی مچا کر (طلب کرتا ہے) اور تقاضہ پر تقاضہ کرتا ہے (جس طرح اس کی خیر کی طلب میں ہوتا ہے اور) وجہ یہ ہے کہ (آدمی جلد باز ہے) برائی کے نتائج پر غور نہیں کرتا۔ جو بات کسی وقت سامنے آئی فوراً کہہ بیٹھتا ہے اور جس کام کا خیال دل میں آیا اس کو کر گزرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ خوب سمجھ لو کہ جلدی مچانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہمارے یہاں ہر چیز کا خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو ایک وقت اور اندازہ مقرر ہے۔ (اور) لوگوں کے وقت جاننے کے لئے (ہم نے رات اور دن کو) اپنی قدرت کی (دو نشانیاں بنایا) ہے جن میں کچھ (اور) بھی فائدے ہیں مثلاً یہ کہ (ہم نے رات کی نشانی کو) دھندلا اور (مٹا ہوا بنایا) کہ چاند کی روشنی ہو بھی تو وہ سورج کے مقابلہ میں بہت دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے۔ یہ بات آدمی کی نیند کے لئے راحت بخش ہے (اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنایا تا کہ) دن میں (اپنے رب کا فضل) و رزق (تلاش کرو اور تا کہ) رات و دن کی آمد و رفت سے مہینوں اور (سالوں کا شمار کرو اور) دوسرے چھوٹے (حساب معلوم کر لو اور ہم نے) لوح محفوظ میں (ہر چیز) کے وقت (کو خوب تفصیل سے بیان کیا) ہے لہٰذا اس میں لکھا ہے کہ عذاب دنیا میں ہو گا یا آخرت میں یا دونوں جگہ اور پھر یہ کہ کب ہو گا، کتنا ہو گا اور کس کیفیت کا ہو گا۔ اور یہ خیال کرنا کہ ایک انسانی زندگی کے بے انتہا اعمال ہوتے ہیں جن کا حساب رکھنا دشوار ہے تو تمام انسانوں کے اعمال کا حساب رکھنا تو امکان سے ہی خارج ہے (اور) یوں قیامت کا کچھ حساب کتاب نہ ہو گا تو یہ خیال کرنا صحیح نہیں کیونکہ ہم ہر انسان کے اعمال کو دو طریقوں سے محفوظ کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ (ہم نے ہر انسان کا عمل) نیک ہو یا بد (اس کے گلے کا ہار بنا رکھا ہے) یعنی اس کے عمل کو اس کے ساتھ چمٹا رکھا ہے۔ قیامت کے دن وہ نظر آئیں گے۔ اور دوسرے یہ کہ ہم نے اپنے فرشتوں یعنی کراماً کاتبین کے ذریعہ ہر شخص کا نامہ اعمال تیار کر رکھا ہے (اور قیامت کے دن ہم) اس کا وہ (نامہ اعمال اس) کے دیکھنے (کے لئے) اس کے سامنے کر دیں گے (جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا) اور اس

سے کہا جائے گا کہ (اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے۔ آج تو خود اپنا محاسب کافی ہے)۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کے دن اپنا کیا دھرا سامنے آئے گا تو سوچ لو کہ (جو کوئی) دنیا میں (راہ) ہدایت (پر چلتا ہے تو وہ اپنے) نفع کے (لئے چلتا ہے اور جو) راہ ہدایت سے (بھٹکتا ہے تو وہ اپنے ہی نقصان کے لئے بھٹکتا ہے) کیونکہ یہ ہمارا قانون ہے کہ (کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور) دنیا و آخرت میں جو کچھ سزا اور عقوبت ہوتی ہے اس کے بارے میں بھی ہمارا ضابطہ ہے کہ (ہم اس وقت تک سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو) ہدایت کے لئے نہیں (بھیج لیتے) تا کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں۔ رسول ان باتوں کی توثیق اور تشریح کرتے ہیں جو آدمی محض عقل وفطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید اور جو باتیں محض عقل سے معلوم نہیں ہوسکتیں ان کو وحی اور الہام کی رہنمائی سے بتاتے ہیں پھر خواہ رسول کی دعوت امت کو براہ راست پہنچی ہو یا بالواسطہ پہنچی ہو۔

ربط: اوپر یہ ضابطہ ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک اس کو بالواسطہ یا بلاواسطہ رسول کی دعوت نہ پہنچ جائے۔ اور جب لوگ آگاہی کے باوجود جان بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے ہیں اور مخالفت میں جری ہو جاتے ہیں تب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے اور ایسا بہت سی قوموں کے ساتھ ہوا ہے۔ تو اے مشرکین مکہ تمہارے پاس بھی ہمارے رسول ہمارا پیغام لے کر آ گئے ہیں۔ اگر تم نافرمانی ہی میں لگے رہو گے تو اس انجام کو سامنے رکھو۔

وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ﴿١٦﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ ٱلْقُرُونِ مِنۢ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِۦ خَبِيرًۢا بَصِيرًا ﴿١٧﴾

ترجمہ: اور جب ارادہ کرتے ہیں ہم کہ ہلاک کریں کسی بستی کو تو حکم دیتے ہیں ہم اس کے خوش عیش لوگوں کو پھر وہ نافرمانی کرتے ہیں اس میں تو ثابت ہو جاتا ہے اس (بستی والوں) پر قول پھر تباہ کر دیتے ہیں ہم اس کو برباد کر کے۔ اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے امتیں نوح کے بعد اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔

تفسیر: (اور جب ہم کسی بستی) والوں (کو) ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے (ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں) اور وہ ہم اس وقت کرتے ہیں جب رسول کی دعوت اور ہمارے احکام پہنچ جانے کے

باوجود لوگ کفر پر اصرار کرتے ہیں اور ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ (تو ہم اس) بستی والوں کو خصوصاً اس (کے خوش عیش لوگوں کو) اپنا یہ تکوینی (حکم دیتے ہیں) کہ تم خوب دل کھول کر اپنے ارمان پورے کر لو۔ (اس پر وہ اس) بستی (میں) خوب (نافرمانیوں میں لگ جاتے ہیں یہاں تک کہ اس) بستی والوں (کے بارے میں) ہمارا (قول ثابت ہو جاتا ہے) اور حجت پوری ہو جاتی ہے تو (پھر ہم اس) بستی (کو) اس کے رہنے والوں سمیت (تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ اور) عذاب کا یہ سلسلہ نوح علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان عرصہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ انہوں نے سینکڑوں برس سمجھایا لیکن لوگ نہ مانے۔ آخر سب ہلاک کئے گئے۔ پھر (نوح) علیہ السلام (کے بعد بھی ہم نے بہت سی امتوں کو) ان کے کفر و سرکشی کی سزا میں (ہلاک کیا)۔ اور ہم کسی کو بے قصور نہیں پکڑتے بلکہ اس کے جرائم پر پکڑتے ہیں جن کو ہم خود دیکھتے ہیں اور جانتے ہیں۔ (اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے والا دیکھنے والا)۔

ربط: اوپر دنیوی عذاب کا اور اس کے بارے میں ضابطہ کا ذکر ہوا۔ آگے آخرت کے انجام کا ضابطہ ذکر کرتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ
لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا
مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ
مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ
وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ
دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: جو کوئی چاہتا ہے دنیا کو تو دنیا کا سامان دیتے ہیں ہم اس کو اس (دنیا) میں جتنا ہم چاہتے ہیں جس کے لئے ہم چاہتے ہیں پھر کر دیتے ہیں ہم اس کے لئے جہنم۔ داخل ہو

گا وہ اس میں مذمت کیا ہوا دھکیلا ہوا۔ اور جس نے ارادہ کیا آخرت کا اور محنت کی اس کے لئے اس کی محنت اس شرط سے کہ وہ مومن ہے تو یہ لوگ ہیں کہ جن کی محنت مقبول ہو گی۔ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی (بھی) اور ان کی (بھی) تیرے رب کی عطا سے اور نہیں ہے تیرے رب کی عطا روکی ہوئی۔ دیکھ کیسے فضیلت دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر۔ اور آخرت بہت بڑی ہے درجوں کے اعتبار سے اور بہت بڑی ہے فضیلت کے اعتبار سے۔

تفسیر: (جو کوئی) محض (دنیا) کا سامان (چاہتا ہے) اور اس کی ساری بھاگ دوڑ اسی کے لئے ہے (تو ہم اس دنیا میں جس کو چاہتے ہیں اور جس قدر چاہتے ہیں) اپنی حکمت و مصلحت کے موافق اس کو (دنیا کا سامان دیتے ہیں پھر) آخرت کے لئے چونکہ اس نے کچھ کیا ہی نہیں اس لئے آخرت میں (ہم اس کے لئے جہنم) طے (کر دیتے ہیں جس میں وہ اس حال میں داخل ہو گا کہ) اس کی (مذمت کی جا رہی ہو گی) اور وہ جہنم کی طرف (دھکیلا جا رہا ہو گا۔ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لئے وہ محنت کرے) جو واقعی (آخرت کی محنت ہے اور وہ) بھی اس شرط کے ساتھ کہ وہ شخص صحیح (ایمان والا ہو تو یہ لوگ ہیں کہ جن کی محنت مقبول ہو گی)۔ پھر طالب دنیا کے ہوں یا آخرت کے (ہم تو ان کی بھی اور ان کی بھی آپ کے رب کی) یعنی اپنی (عطا سے) سب کی دنیوی (مدد کرتے ہیں)۔ محض کفر و نافرمانی کی وجہ سے دنیا میں (آپ کے رب کی عطا روکی نہیں جاتی) چنانچہ (آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے) ایمان و کفر کا لحاظ کئے بغیر (بعض کو بعض پر) دنیوی عطا میں (فوقیت دی ہے حتیٰ کہ اکثر کفار کو اکثر مومنین کے مقابلہ میں دنیوی نعمتیں زیادہ حاصل ہیں (البتہ آخرت) جو (درجوں کے اعتبار سے) بھی (بہت بڑی ہے اور فضیلت کے اعتبار سے) بھی (بہت بڑی ہے) وہ صرف ایمان والوں کے لئے خاص ہے۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ آخرت کے طالب کو آخرت کی محنت کرنی ہو گی۔ اگلی آیتوں میں آخرت کی محنت کا طریقہ بتاتے ہیں یہ محنت مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے۔

1- شرک سے اجتناب

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۚ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ معبود دوسرا کہ تو بیٹھ رہے گا مذمت کیا ہوا چھوڑا ہوا۔

تفسیر: (تم) کوئی (اور معبود) تجویز کر کے اس کو (اللہ کے ساتھ) شریک (مت ٹھہراؤ) کیوں (کہ) ایک تو شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک (تم مذموم ٹھہرو گے)۔ اور دوسرے جو لوگ خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے

جھکتے ہیں خدا تعالیٰ حقیقی نصرت و برکت کا دروازہ ان پر بند کر کے ان کو کمزوری و بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے چنانچہ جب تم بھی غیر اللہ کے آگے جھکو گے تو سخت کٹھن وقت میں مثلاً قیامت کے دن جب کہ تمہیں امداد کی بڑی ضرورت ہوگی تم بے یارو مددگار (چھوڑے ہوئے ہو گے)۔

2- والدین سے حسن سلوک

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ
كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا
كَرِيْمًا ۝٢٣ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ
رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝٢٤ۭ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝٢٥

ترجمہ: اور حکم کر چکا تیرا رب کہ مت عبادت کرو مگر اسی کی اور والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔ اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ان میں سے ایک یا دونوں تو مت کہہ ان کو ہوں اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی۔ اور جھکا دے ان کے لئے عاجزی کا کندھا رحمت سے اور کہہ اے میرے رب تو رحم کر ان دونوں پر جیسے پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم ہو گے نیک تو وہ ہے رجوع کرنے والوں کے لئے بخشنے والا۔

تفسیر: بچہ کو حقیقت میں وجود تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں لیکن والدین اس کے وجود کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اس لئے دیگر کئی مقامات کی طرح اللہ تعالیٰ اس مقام میں بھی اپنے حق کے ساتھ والدین کے حق کا ذکر اس طرح سے کرتے ہیں کہ (آپ کا رب یہ حکم کر چکا کہ تم) اللہ کا حق اس طرح ادا کرو کہ (اس کے سوا کسی اور کی عبادت مت کرو اور والدین) کا حق اس طرح ادا کرو کہ ان (کے ساتھ بھلائی کرو) جو یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان و مال سے خدمت اور دل سے تعظیم و محبت کرو۔ پھر (اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں) جس کی وجہ سے تمہاری خدمت کے محتاج ہو جائیں اور طبعی طور پر تم کو ان کی خدمت بوجھل معلوم ہو تو تب بھی ان کی خدمت کرو اور ان کا

ادب واحترام کرتے رہو اور (ان کو) غصہ اور جھنجلاہٹ میں (نہ) کبھی اپنی زبان سے (ہوں کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے) خوب (ادب والی بات) وگفتگو (کرو اور ان کے سامنے رحمت) وشفقت کی کیفیت کے (ساتھ عاجزی کا کندھا جھکائے رکھو) یعنی ان کے ساتھ خوب انکساری اور ادب کا معاملہ کرتے رہو (اور) ان کے حق میں یوں (دعا کرتے رہو کہ اے میرے رب) ایک وقت تھا کہ انہوں نے مجھے پالا پوسا اور میری پرورش کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا اور میری ہر راحت و بھلائی کی فکر کی اور ہر آفت سے مجھے بچانے کی کوشش کی۔ آج ان پر ضعیفی کا دور آیا ہے۔ جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت و تعظیم کرتا ہوں لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا اس لئے اے میرے رب میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ (جیسے جب میں چھوٹا سا تھا انہوں نے مجھے پالا آپ) ان کے اس بڑھاپے میں اور ان کی موت کے بعد (ان پر) نظر (رحمت فرمائیے)۔ اور والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع دل سے ہونی چاہئے کیونکہ (تمہارا رب تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر) ان کی خدمت و تعظیم میں (تم) فی الواقع دل سے (نیک ہوگے) پھر کسی وقت تنگ دلی سے یا غلطی سے ان کی شان میں کوئی کوتاہی کر بیٹھو پھر توبہ اور رجوع کرو (تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے)۔

3- مال نیک کاموں میں خرچ کرے اور فضول خرچی نہ کرے

وَاٰتِ

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو اور مت کر فضول خرچی۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے ہیں شیطانوں کے بھائی) اور ہے شیطان اپنے رب کا ناشکرا۔ اور اگر تو اعراض کرے ان (مذکورہ حقداروں) سے رحمت کے انتظار میں کہ اپنے رب کی طرف سے تو امید کرتا ہے جس کی تو کہہ ان سے بات نرمی والی۔ اور مت کر تو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھا رہے ملامت کیا ہوا اور تہی دست۔ بے شک تیرا رب کھولتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے)۔ بے شک وہ ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ مال اس لئے دیتے ہیں کہ آدمی اپنی ضروریات پوری کر کے اپنے مقصد حیات یعنی عبادت کے لئے دلجمعی حاصل کرے اور نیک کاموں میں خرچ کر کے آخرت کا ثواب حاصل کرے۔ ان کاموں میں خرچ کرنے میں مال کا شکر اور اس کی قدر دانی ہے۔ اگر ان کے بجائے کوئی اللہ کے دیئے ہوئے مال کو گناہوں کے کاموں میں یا فضول بے فائدہ کاموں میں خرچ کرے یا جائز و مباح کام میں خرچ کرے لیکن اتنا زیادہ خرچ کر ڈالے کہ بعد میں اس کی وجہ سے یا تو دوسروں کے حقوق ادا نہ کر سکے یا حرام کا ارتکاب کرنا پڑے تو یہ سب فضول خرچی ہے اور اس مال کی ناقدری و ناشکری ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کی قدر کرو اور اس سے (قرابت دار کے مالی حقوق ادا کرو اور مسکین اور مسافر کی خبر گیری رکھو اور) اس مال کی ناقدری کر کے (فضول خرچی مت کرو) کیونکہ (فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی) یعنی ان کے مشابہ (ہیں۔ اور) وہ اس طرح کہ (شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا) اور ناقدرا (ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عقل کی دولت دی مگر اس نے اس کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری پر استقامت میں خرچ کرنے کے بجائے اللہ کی نافرمانی میں خرچ کیا۔ اسی طرح فضول خرچی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مال کی نعمت دی مگر وہ بھی اس کو نافرمانی کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پھر نیک کاموں میں خرچ کرنے میں دو باتوں کا اہتمام رکھو۔ ایک یہ کہ (اگر) کسی وقت تمہارے پاس ضرورتمندوں کے دینے کو نہ ہو اور اس لئے (تم) کو اس رزق کی رحمت کے انتظار میں جس کی اپنے رب کی طرف سے توقع ہو) اس کے نہ آنے تک ان سے (اعراض کرنا پڑے تو) یہ خیال رکھو کہ (ان سے نرمی کی بات کرنا) مثلاً یوں کہنا کہ جب خدا ہم کو دے گا تو انشاء اللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ سختی اور بداخلاقی سے جواب مت دینا۔ اور دوسرے یہ کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو۔ (نہ اپنا ہاتھ) اس قدر کھینچو کہ اس کو گویا (گردن سے لگا کر باندھو اور نہ) طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں (ہاتھ بالکل ہی کھول دو) کیوں (کہ) پہلی صورت میں (تم ملامت خوردہ) ہو جاؤ گے کہ

لوگوں کے نزدیک بھی اور شریعت کے نزدیک بھی کنجوس اور بخیل کہلاؤ گے اور دوسری صورت میں (تہی دست ہوکر بیٹھے) بھیک مانگتے (رہو گے)۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا، نہ تمہاری سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا تو اللہ کے قبضہ میں ہے اور (آپ کا رب) ہی (جس کے لئے) چاہتا ہے روزی کو کشادہ کرتا ہے اور) جس کے لئے چاہتا ہے (تنگ کرتا ہے) کیونکہ (وہ اپنے بندوں) کے حالات کو (خوب جاننے والا دیکھنے والا ہے) اور وہ ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال اور مصلحتوں سے واقف ہے اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جن کی حالت کی درستگی فقیر رہنے میں ہے اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض کو غنی بنایا کہ اگر ان کو فقیر بنایا جاتا تو وہ دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اسی طرح بعض بدبختوں اور کافروں کو خوب مال دیا جاتا ہے تو عارضی ڈھیل کے طور پر دیا جاتا ہے۔

4- مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل نہ کرو

وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿٣١﴾

ترجمہ: اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے۔ ہم روزی دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی۔ بے شک ان کا قتل ہے بڑی خطا۔

تفسیر: (اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے) اور اس ڈر سے کہ ہم ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے قتل مت کرو کیونکہ (روزی) تو صرف (ہم دیتے ہیں ان کو بھی اور تم کو بھی)۔ آخر تم بھی تو کسی وقت بچے تھے خدا تمہیں مسلسل روزی دیتا رہا تو اب اس دور کے بچوں کو کیوں نہیں دے سکتا۔ (بلاشبہ ان کا قتل بڑی خطا ہے) کیونکہ یہ حرکت ایک تو نسل انسانی کو ختم کرنے کا سبب ہے اور دوسرے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر اعتماد نہیں ہے۔

5- زنا سے بچو

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿٣٢﴾

ترجمہ: اور مت قریب ہو زنا کے وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے۔

تفسیر: (اور زنا) کرنا تو کجا اس (کے قریب بھی مت ہو) یعنی اس کے مبادی ومقدمات سے بھی بچو کیونکہ (وہ) بذات خود بھی (بڑی بے حیائی ہے اور) مفاسد کے اعتبار سے بھی (بری راہ ہے) کہ اس سے انساب میں گڑ بڑ ہوتی ہے اور بہت سے جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔

6- ناحق قتل سے بچو

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا اللہ نے مگر حق پر۔ اور جو قتل کیا جائے ظلم سے تو بنایا ہے ہم نے اس کے وارث کے لئے زور سو نہ نکلے حد سے قتل کرنے میں۔ وہ ہے مدد کیا ہوا۔

تفسیر: (اور جس) شخص کی (جان) کے قتل کرنے (کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اس کو قتل مت کرو) ہاں (مگر حق پر) قتل کرنا درست ہے جس کی تین صورتیں ہیں یعنی ناحق قتل کرنے والے قاتل کو اور محصن زانی کو اور مرتد کو۔ (اور جو) شخص (ناحق قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو زور) اور اختیار (دیا ہے) کہ وہ حکومت سے کہہ کر قصاص لے سکتا ہے (سو) اس کو بھی چاہئے کہ قصاص میں (قتل کرنے میں حد سے نہ نکلے) کہ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل سے قصاص لے یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کرلے یا قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کے ناک کان وغیرہ کاٹنے لگنے اور مثلہ کرنے لگے۔ اور اس بات کو یاد رکھے کہ اللہ کی طرف سے (اس کی مدد کی گئی ہے) کہ اس کو بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو اس کا حق دلوانے کا حکم دیا لہٰذا حق لینے میں اللہ کی بتائی ہوئی حدود سے باہر نہ نکلے۔

7- یتیم کا مال مت کھاؤ

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ص

ترجمہ: اور مت پاس جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقے سے جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ پہنچ جائے اپنی جوانی کو۔

تفسیر: (اور یتیم کے مال کے پاس مت جاؤ) یعنی اس کو ہاتھ نہ لگاؤ (مگر اس طریقے سے

جو) یتیم کے لئے (بہتر ہو) کہ اس میں یتیم کے مال کی حفاظت ونگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو۔ (یہاں تک کہ) جب (وہ) یتیم (اپنی جوانی کو پہنچ جائے) اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے تو پھر مال اس کے حوالہ کر دو۔

8- ایفائے عہد کرو

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور پورا کرو عہد کو بے شک عہد ہے مسئول۔

تفسیر: (اور) اپنے سب جائز (عہد کو پورا کرو) خواہ وہ اللہ سے کئے ہوں یا بندوں سے کیونکہ ایسے (عہد کے بارے میں بلاشبہ) قیامت کے دن (سوال ہوگا) کہ پورا کیا تھا یا نہیں۔

9- ناپ تول کو پورا کرو

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: اور پورا کرو ناپ کو جب تم ناپو اور تولو سیدھی ترازو سے۔ یہ بہتر ہے اور اچھی ہے باعتبار انجام کے۔

تفسیر: (اور) چونکہ ناپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا نظام بگڑتا ہے اس لئے ناپنے کی چیزوں کو (جب تم ناپ کر دو تو پورا ناپو) اور تولنے کی چیزوں کو سیدھی (اور صحیح ترازو سے تولو۔ یہ) بات بذات خود بھی (بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی اچھی ہے) کیونکہ پورا حق دینے والے کو عام طور سے پسند کیا جاتا ہے اور اللہ اس کی تجارت کو خوب چلاتا ہے اور اللہ کی فرمانبرداری کی نیت سے ہو تو ثواب بھی ملتا ہے۔

10- بے تحقیق بات کے پیچھے مت لگو

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور مت پیچھے پڑ اس بات کے نہیں ہے تجھے جس کا علم۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی ہوگی اس سے پوچھ۔

تفسیر: (اور جس بات کا تمہیں علم) اور تحقیق (نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑو) یعنی نہ اس کو زبان سے کہو اور نہ اس کی اندھا دھند پیروی کرو بلکہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر پہلے تحقیق کرو پھر بات کہو یا عمل کرو۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، غیر تحقیقی باتیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کرنا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں شریعت کی مخالف باتوں کی حمایت کرنا، غلط مسئلے بتانا اور غلط عقیدے اختیار کرنا وغیرہ سب داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ قیامت کے دن (کان اور آنکھ اور دل) و دماغ (ان سب) ہی قوتوں (کے بارے میں یقیناً پوچھ ہوگی)۔

ii- زمین میں اکڑ کر مت چلو

وَلَا تَمْشِ

فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾

ترجمہ: اور مت چل زمین میں اکڑ کر بے شک تو ہرگز نہ پھاڑ سکے گا زمین کو اور ہرگز نہ پہنچ سکے گا پہاڑوں تک بلندی میں۔

تفسیر: (اور تم زمین میں اکڑ کر مت چلو) کیونکہ یہ متکبروں کی چال ہے اور تم انسانوں کو ایسی چال چلنا مناسب نہیں کیونکہ تم ہمارے غلام ہو اور غلام کے لئے تکبر کرنے کا کیا مقام۔ علاوہ ازیں تم جسمانی اعتبار سے اتنے عاجز اور ضعیف ہو کہ اکڑ کر چلنے میں زمین پر زور سے پاؤں مارنے سے (تم ہرگز زمین کو نہیں پھاڑ سکتے اور) گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے (تم پہاڑوں کی بلندی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے)۔

مذکورہ بالا احکام سے متعلق دو تنبیہیں

پہلی تنبیہ

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

ترجمہ: یہ تمام باتیں، ہیں ان میں کی بری تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ۔

تفسیر: اوپر ذکر کردہ (یہ تمام باتیں، ان میں سے جو بری ہین وہ تمہارے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں) لہٰذا ان سے بچنے کو لازم پکڑو تا کہ اپنے رب کی ناراضگی سے بچ سکو۔

دوسری تنبیہ

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ

ترجمہ: یہ ہے اس میں سے جو وحی کی تیری طرف تیرے رب نے حکمت سے۔

تفسیر: اوپر جو انتہائی قیمتی نصیحتیں کی گئی ہیں (یہ) وہ علم وحکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں (ہیں) جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور (جن کو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں)۔

ربط: مذکورہ بالا نصیحتوں کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا۔ خاتمہ پر بھی توحید یاد دلائی جارہی ہے تا کہ پڑھنے سننے والا یہ سمجھ لے کہ تمام نیک کاموں کا آغاز وانجام خالص توحید کو ہونا چاہئے۔

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

ترجمہ: اور مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ کوئی معبود دوسرا پھر تو ڈال دیا جائے جہنم میں ملامت زدہ اور دھکیلا ہوا۔

تفسیر: (اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود مت ٹھہراؤ کہ) پھر اس کی پاداش میں (تم ملامت زدہ اور دھکیلے ہوئے ہو کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ)۔

ربط: اور بتایا کہ توحید کو چھوڑنے اور شرک کرنے کی صورت میں ملامت زدہ ہو کر جہنم میں داخلہ ہوگا۔ آگے اس ملامت کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ
بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا
عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِىْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ
اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا
اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

ترجمہ: کیا خاص کر لیا تم کو تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور بنا لیں فرشتوں سے بیٹیاں۔ بے شک تم کہتے ہو بات بڑی۔ اور پھیرا ہے ہم نے (مضامین کو) اس قرآن میں تا کہ وہ سمجھ لیں۔ اور نہیں بڑھاتا ان کو مگر نفرت میں۔ کہہ دے اگر ہوتے اس کے ساتھ اور معبود جیسا یہ کہتے ہیں تو ڈھونڈ لیتے عرش والے کی طرف راہ کو۔

تفسیر: اول تو تم بڑے گستاخ ہو کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کرتے ہو حالانکہ اولاد ہونا اس کی شان کے خلاف ہے کیونکہ اولاد تو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت و حاجت سے پاک ہیں۔ اور پھر اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم خود نہایت حقارت سے دیکھتے ہو۔ (کیا) ایسی صورت میں یہ گستاخی نہیں کہ تم یہ مانو کہ (تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں) کی عطا (کے ساتھ خاص کر لیا اور اپنے لئے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں۔ (تم یقیناً بڑی) گستاخی کی (بات کہتے ہو)۔ دوسرے تم حق کے دشمن ہو کیونکہ (اس کتاب میں ہم نے) توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کے مضمون کو طرح طرح سے (پھیر کر بیان کیا تا کہ یہ) مشرک کسی طرح تو (سمجھ لیں اور) مان لیں لیکن ان کی حق سے دشمنی کا حال یہ ہے کہ یہ مضمون الٹا ان کی حق سے (نفرت کو اور بڑھا دیتا ہے)۔ تیسرے (آپ کہہ دیجئے کہ) تم عقل کے بھی دشمن ہو کیونکہ تم ذرا نہیں سوچتے کہ (اگر اللہ کے ساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ) مشرک (کہتے ہیں تو وہ) اللہ کے محکوم اور پابند رہنا کیوں پسند کرتے بلکہ وہ اپنے زور سے (عرش والے) یعنی اللہ (تک راستہ ڈھونڈ لیتے) اور سب مل کر اس کا تخت سلطنت الٹ دیتے۔ لیکن جب وہ ایسا نہیں کر پائے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے مقابلے میں عاجز مخلوق ہیں اور ایسوں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔

ربط: پھر ان کے قابل ملامت ہونے کو اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ ان کے دل و زبان کے علاوہ دنیا کی باقی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد میں لگی ہے تو ان کی گستاخی اور ان کی حق دشمنی اور عقل دشمنی کی شدت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ترجمہ: پاک ہے وہ اور بلند ہے اس سے جو یہ کہتے ہیں بہت بلند۔ پاکی بیان کرتے ہیں اس کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں۔ اور نہیں کوئی بھی چیز مگر یہ کہ تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ ولیکن تم نہیں سمجھتے ان کی تسبیح کو۔ بے شک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا۔

تفسیر: (اور یہ جو) ایسی حماقت کی (باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے اور) بہت (بلند) و برتر (ہے)۔ اس کا حال تو یہ ہے کہ (ساتوں آسمان اور زمین اور جو) کوئی (ان میں ہے سب اس کی) ہر قسم کے عیب سے (پاکی بیان کرتے ہیں بلکہ کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو) اپنی زبان حال کے علاوہ زبان قال سے بھی (اللہ کی حمد) وثنا (کے ساتھ اس کی) ہر قسم کے عیب سے تسبیح نہ کرتی ہو لیکن) چونکہ تم اس کے ادراک کی قوت نہیں رکھتے اس لئے (تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے)۔ غرض ایسی ذات جس کی حاجت وضرورت اور نقص سے پاک ہونے کی تسبیح تمام مخلوق کرے تم اس کے لئے اولاد اور بیٹیاں تجویز کر کے اس کو ضرورتمند ثابت کرو یہ ایسی گستاخی ہے جس کی سزا تم کو فوراً دی جاتی لیکن وہ پھر توبہ کا موقع دیتا ہے تو وجہ یہ ہے کہ (بلاشبہ وہ تحمل والا اور بخشنے والا ہے)۔

ربط: مشرکین کی گستاخی، حق دشمنی اور عقل دشمنی کو دیکھ کر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر انہوں نے یہ طرز عمل کیوں اختیار کر رکھا ہے اور وہ نبی ﷺ اور قرآن کی بات سے کیوں اثر نہیں لیتے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ
بَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾ وَّجَعَلْنَا
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا
ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم تیرے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں رکھتے آخرت پر ایک پردہ چھپا ہوا۔ اور ڈال دیتے ہیں ہم ان کے دلوں پر پردے (اس سے) کہ وہ سمجھیں اس کو اور (ڈال دیتے ہیں) ان کے کانوں میں بوجھ اور جب ذکر کرتا ہے تو اپنے رب کا قرآن میں اکیلے کا تو بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر۔

تفسیر: نبی ﷺ اور قرآن پاک کی باتوں سے مشرکین کے اثر نہ لینے کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اس وجہ سے اپنے برے بھلے انجام کی کچھ فکر نہیں کرتے۔ جب ان کو

نجات کی کچھ فکر ہی نہیں ہے تو وہ نجات دلانے والے پیغمبر کی اور ان کی باتوں کی کیا ضرورت سمجھیں گے۔ لہٰذا وہ ان باتوں کی طرف نہ التفات کرتے ہیں اور نہ کانوں سے ان کو صحیح طرح سے سنتے ہیں اور نہ دل سے ان کو سمجھتے ہیں (اور) نتیجہ میں ہماری طرف سے بھی ان پر مہر کر دی جاتی ہے لہٰذا (جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے درمیان اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے) ان کی بے التفاتی کا (چھپا ہوا پردہ ڈال دیتے ہیں اور ان کے دلوں پر) بھی بہت سے (پردے ڈال دیتے ہیں اس سے کہ وہ کہیں قرآن کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ) ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کو قرآن میں توحید (اور) حق کی بات کو سننا انتہائی ناگوار ہوتا ہے جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ (جب آپ قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو یہ بدک کر پیٹھ پھیر کر بھاگ اٹھتے ہیں)۔

ربط: یہ مشرک تو قرآن کو صحیح طریقے سے نہیں سنتے اور جتنی دیر بھی سنتے نظر آتے ہیں اس میں ان کی غرض فاسد ہوتی ہے لیکن ہم ان کی باتوں کو خوب سنتے ہیں جو وہ آپس میں استہزاء کے طور پر کہتے ہیں۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ
نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ
فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ
قُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ
وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۵۲﴾ ع

ترجمہ: ہم خوب جانتے ہیں اس کو کان لگاتے ہیں وہ جس کی وجہ سے جب وہ کان لگاتے ہیں تیری طرف اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں جب کہتے ہیں ظالم لوگ کہ نہیں پیروی

کرتے تم مگر ایک شخص سحر زدہ کی۔ تو دیکھ کیسے بیان کرتے ہیں یہ تیرے لئے القاب اور بھکتے ہیں تو نہیں طاقت رکھتے راہ (پانے) کی۔ اور کہتے ہیں کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئی پیدائش میں۔ کہہ دے ہو جاؤ تم پتھر یا لوہا یا کوئی خلقت اس میں سے جو بڑی ہو تمہارے دلوں میں۔ پھر کہیں گے کون اعادہ کرے گا ہمارا۔ کہہ دے جس نے پیدا کیا تم کو پہلی مرتبہ۔ پھر ہلائیں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہوگا یہ۔ تو کہہ دے شاید کہ ہو وہ نزدیک۔ جس دن پکارے گا تم کو تو تم تعمیل حکم کرو گے اس کی حمد کے ساتھ اور تم خیال کرو گے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا۔

تفسیر: یہ مشرک لوگ قرآن کی طرف اور آپ کی باتوں کی طرف بظاہر کان لگاتے ہیں لیکن وہ اپنے کانوں سے صحیح طور سے نہیں سنتے لیکن (ہم خوب) سنتے ہیں اور (خوب جانتے ہیں جس غرض سے یہ آپ کی طرف کان لگا کر سنتے ہیں)۔ ان کی غرض محض استہزاء اور توہین ہوتی ہے (اور) نیز (جس وقت یہ لوگ) آپ سے قرآن سننے کے بعد آپس میں (سرگوشیاں کرتے ہیں) ہم ان کو بھی خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ اس بارے میں ہوتی ہیں کہ نبی ﷺ کے بارے میں لوگوں میں کیا مشہور کیا جائے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں (جب) آخر میں (یہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ) ان کی پیروی کرنے والوں سے کہا جائے کہ تمہارے یہ صاحب تو سحر زدہ ہیں اور تم (تو محض ایک سحر زدہ) مجنون (کی پیروی کرتے ہو۔ آپ دیکھئے کہ یہ آپ کے لئے کیا کیا القاب ذکر کرتے ہیں کبھی ساحر و جادوگر کہتے ہیں، کبھی سحر زدہ کہتے ہیں اور کبھی مجنون و دیوانہ کہتے ہیں۔ غرض یہ تو خود بہک گئے ہیں (اور) بہکی (بہکی باتیں کرتے ہیں) کسی ایک بات اور (راہ) پر جماؤ (کی طاقت نہیں رکھتے) جس وقت جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ (اور) سحر زدہ ثابت کرنے کے لئے (وہ) دلیل کے طور پر یہ (کہتے ہیں کہ) یہ بات تو کوئی سحر زدہ دیوانہ ہی کہہ سکتا ہے عقلمند تو بالکل نہیں کہہ سکتا کہ (جب ہم) مرکر (ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو ہم نئے بن کر اٹھائے جائیں گے) کیونکہ یہ تو بالکل ناممکن بات ہے۔ اس کے جواب میں (آپ) ان سے یہ (کہئے کہ) میں کہتا ہوں کہ (تم) ہڈیوں کے چورے کے بجائے (پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ) جن کا حیات سے کچھ تعلق نہیں (یا کوئی ایسی خلقت) بن جاؤ (جو تمہارے دلوں میں) لوہے سے بھی (بڑی) سخت (ہو) تب بھی تم دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے کیونکہ یہ بات فی ذاتہ ممکنات میں سے ہے ناممکنات یا محالات میں سے نہیں ہے۔ اس جواب سے عاجز ہو کر (پھر وہ پوچھتے ہیں کہ) اچھا یہ بتائیے کہ وہ (کون) ہے جس میں یہ قدرت ہے کہ وہ (ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا۔ آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تمہیں دوبارہ وہی ذات پیدا کرے گی (جس نے تم کو پہلی مرتبہ) عدم سے (پیدا کیا) ہے۔ اس

سے بھی لا جواب ہو کر (پھر) تمسخر سے (اپنے سر ہلا ہلا کر پوچھتے ہیں کہ) ہاں صاحب یہ بھی تو بتائیے کہ یہ قصہ کہ ہڈیوں کے ریزوں میں جان پڑے گی اور مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے (یہ کب ہوگا)۔ اس کے جواب میں (آپ فرما دیجئے کہ) قیامت کا ٹھیک وقت اللہ نے کسی کو نہیں بتایا اس لئے (ہوسکتا ہے کہ وہ قریب ہی آ پہنچا ہو) لہٰذا تم اس کی فکر کرو کیونکہ (اس دن) اللہ تعالیٰ (تم کو) زندہ کرنے کے لئے اور تمہارے میدان حشر میں جمع ہونے کے لئے فرشتے کے ذریعے سے (پکارے گا تو تم) میں سے کسی کو اِس حکم سے سرتابی کی مجال نہ ہوگی اور تم (اللہ کی) اضطراری (حمد) وثنا (کرتے ہوئے تعمیل حکم کرو گے) کہ زندہ ہو کر میدان حشر میں حاضر ہو جاؤ گے (اور) اس دن کی ہولناکی اور طوالت کو دیکھ کر (تم) یہ (خیال کرو گے کہ تم) دنیا میں اور قبر میں تو بہت ہی (تھوڑا رہے)۔

ربط: مشرکین کی جہالت اور ان کی طعن و تمسخر کو سن کر ممکن تھا کہ کوئی مسلمان نصیحت کرتے وقت تنگ دلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لئے آگے مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ گفتگو میں کوئی سخت دلآزار رویہ اختیار نہ کریں۔

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ
لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿٥٣﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ
اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿٥٤﴾ وَرَبُّكَ
اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ
عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿٥٥﴾

ترجمہ: اور کہہ دے میرے بندوں سے کہ وہ کہیں وہ بات جو بہتر ہو۔ بلاشبہ شیطان لڑائی کراتا ہے ان کے درمیان۔ بے شک شیطان ہے انسان کا دشمن کھلا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو۔ اگر وہ چاہے رحم کرے تم پر یا اگر وہ چاہے عذاب دے تم کو اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر ذمہ دار۔ اور تیرا رب خوب جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر اور دی ہم نے داؤد کو زبور۔

تفسیر: (اور آپ میرے) مسلمان (بندوں سے کہیں کہ) جب (وہ) مشرکوں کو نصیحت کریں

تو (وہ بات کہیں جو) اخلاق کے اعتبار سے (بہتر ہو) سختی اور اشتعال کے پہلو کو اختیار نہ کریں کیونکہ ایک تو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوتا ہے اس لئے کہ (شیطان) مخاطب کو انگیخت کر کے (آپس میں لڑائی کروا دیتا ہے)۔ پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد اور عداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سننے سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور (شیطان) ایسا کیوں نہ کرے وہ تو (انسان کا کھلا دشمن ہے)۔ دوسرے تم لوگوں کو راہ راست پر لانے کے ذمہ دار نہیں ہو۔ کسی کو راہ راست پر لانا نہ لانا اللہ کا کام ہے اور (تمہارا رب تم سب انسانوں کے حال (کو خوب جانتا ہے) کہ کون اس قابل ہے کہ اس کو راہ ہدایت پر چلائے اور کون اس قابل نہیں ہے۔ اور اللہ اپنے علم کے موافق معاملہ کرتا ہے ورنہ اللہ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ (وہ اگر چاہے تو تم) سب کو ہدایت دے کر تم (پر رحم کرے) اور تم کو جنت و راحت دے (یا اگر وہ چاہے تو تم) سب (کو) کفر پر موت دے کر جہنم کا (عذاب دے)۔ غرض ہدایت دینا نہ دینا اللہ کا کام ہے (اور) یہ آپ کے امتی تو کیا (ہم نے) تو (آپ کو) بھی (ان) مشرکوں کی ہدایت (کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا)۔ اور صرف ہدایت کا معاملہ ہی نہیں بلکہ (آپ کا رب تو آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے ہر ایک سے خوب باخبر ہے) اور اپنے علم کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرتا ہے جس کو مناسب جانتا ہے رسول بناتا ہے اور جس رسول کو چاہتا ہے دوسرے رسولوں پر کلی یا جزوی فضیلت عطا فرماتا ہے لہٰذا فرماتا ہے کہ (ہم نے بعض نبیوں کو) دیگر (بعض پر فضیلت عطا کی) جیسا کہ بعض نبی اپنی امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخر کار جھنجھلا گئے جب کہ ہم نے آپ کو ان سے زیادہ حوصلہ دیا اور تمام انبیاء پر آپ کو فضیلت دی لہٰذا آپ کی خوش اخلاقی آپ کے بلند مرتبہ کے موافق ہونی چاہئے (اور) ہمارا یہ حکم ہمیشہ سے ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ (ہم نے داؤد) علیہ السلام (کو) جو صاحب جہاد رسول بھی تھے (زبور دی) تھی جس میں بھی یہی حکم موجود تھا۔

ربط: گفتگو مشرکوں کے بارے میں چل رہی ہے۔ آگے دو تنبیہیں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی تنبیہ

اوپر یہ بیان ہوا کہ اللہ کی قدرت کامل ہے اور اس کا علم محیط ہے۔ آگے مشرکوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ صرف اللہ جیسی ذات ہی معبود بننے کے لائق ہے وہ ہستیاں نہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿٥٦﴾

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾

ترجمہ: کہہ دے پکارو جن کا تم دعویٰ کرتے ہو اللہ کے سوا۔ تو نہیں اختیار رکھتے کھول دینے کا تکلیف کو تم سے اور بدلنے کا۔ یہ لوگ جن کو پکارتے ہیں وہ (خود) ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون سا بندہ زیادہ قریب ہے اور امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے۔ بلاشبہ تیرے رب کا عذاب ہے ڈرنے کی چیز۔ اور نہیں ہے کوئی بستی مگر یہ کہ ہلاک کریں گے اس کو پہلے قیامت کے دن سے یا عذاب دیں گے اس کو عذاب سخت۔ ہے یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی۔

تفسیر: چونکہ خدا تو وہ ہوتا ہے جس کا علم محیط ہو اور جس کی قدرت کامل ہو کہ جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے مہربانی فرمائے اور جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت دے اس لئے (آپ) ان مشرکوں سے (کہئے کہ) اس کے مقابلہ میں وہ (جن کا تم خدا کے سوا) معبود ہونے کا (دعویٰ کرتے ہو) تو وہ بالکل عاجز اور ضعیف ہستیاں ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر تم ان کو پکارو کہ وہ تم سے تکلیف دور کر دیں (تو) تم دیکھو گے کہ (وہ تم سے تکلیف کو کھولنے کا یا) تم سے (بدل) کر کسی اور پر ڈالنے کا اختیار نہیں رکھتے)۔ علاوہ ازیں (یہ) تمہارے بنائے ہوئے بہت سے معبود (جن کو تم پکارتے ہو) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) اور حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتے اور دیگر نیک مسلمان جن و انس تو یہ وہ لوگ ہیں جو خود خدا کے مقرب بندے ہیں اور (اپنے رب کی طرف) مزید قرب حاصل کرنے کے لئے بندوں کی دعاؤں کا (وسیلہ ڈھونڈتے ہیں) اور اس کے لئے دیکھتے ہیں (کہ ان میں سے کون زیادہ قرب والا ہے اور) اللہ کے ہاں اپنے انتہائی قرب کے باوجود (وہ) محض (اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں) اور (واقعی آپ کے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے)۔ کیونکہ اس کی سختی بھی بہت ہے اور اس کا وقوع بھی یقینی ہے اس لئے کہ کافروں کی (کوئی بھی بستی نہیں ہے مگر یہ کہ قیامت کے دن سے پہلے ہم اس کو) کبھی نہ کبھی (ہلاک کرنے والے ہیں یا سخت عذاب دینے والے اور (یہ) ہماری طرف سے (لوح محفوظ میں) پہلے سے (لکھی ہوئی ہے)۔

دوسری تنبیہ

کفار مشرکین کی طرف سے غیر معمولی نشانیوں کا مطالبہ مستقل طور پر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ کوہ صفا کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گرد وپیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے۔ اگر آپ ایسا کر دیں تو ہم آپ کو رسول مان لیں گے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ﴿۶۰﴾ ع

ترجمہ: اور نہیں مانع ہوئی ہم کو اس سے کہ ہم بھیجیں نشانیاں مگر یہ بات کہ جھٹلایا ان کو پہلوں نے۔ اور دی ہم نے ثمود کو اونٹنی بصیرت کے ذریعہ کے طور پر پھر ظلم کیا انہوں نے اس پر۔ اور نہیں ہم بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کے لئے۔ اور جب کہا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے گھیر لیا ہے لوگوں کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے نظارے کو جو دکھایا ہم نے تجھ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے اور اس درخت کو جو مذمت کیا گیا ہے قرآن میں۔ اور ہم ڈراتے ہیں ان کو تو نہیں بڑھاتا ان کو مگر بڑی سرکشی میں۔

تفسیر: ایسے فرمائشی نشان دکھانا اگرچہ ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں لیکن پھر ان (نشانیوں کے بھیجنے سے ہمیں صرف یہ بات مانع ہوئی کہ پہلے لوگوں) کو ان کے فرمائشی نشان دکھائے گئے مگر وہ نہ مانے اور انہوں نے (ان نشانیوں کو جھٹلایا اور) اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ (ہم نے) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) کی فرمائش پر ان (کو) ایک پہاڑ کی چٹان سے (ایک اونٹنی) ان کے لئے سمجھ و (بصیرت کے ذریعہ کے طور پر) نکال کر (دی) لیکن (پھر) انہوں نے اس سے بصیرت تو کچھ حاصل نہ کی البتہ (اس پر ظلم کیا) کہ اس کو مار ڈالا۔ اور تمہارے احوال سے بھی یہی بات ظاہر ہے کہ اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں پھر بھی تم ماننے والے نہیں جبکہ معاملہ یہ ہے کہ (ہم) ایسی

فرمائشی (نشانیاں صرف) اس بات سے (ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں) کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ابھی ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔ (اور) اے نبی ہم جو کہتے ہیں کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تو ایک وجہ یہ ہے کہ ہم کو اپنی صفت علم سے یہ بات پہلے سے معلوم ہے اور اس کے قبل ہم آپ کو اپنے اس علم کی اطلاع بھی دے چکے ہیں چنانچہ آپ وہ وقت یاد کیجئے (جب ہم نے آپ سے) غیر کتابی وحی کے ذریعہ سے (کہا تھا کہ آپ کے رب نے) اپنے علم سے (تمام لوگوں) کے موجودہ اور آئندہ احوال (کا احاطہ کر رکھا ہے اور) ان کے آئندہ کے احوال میں سے یہ ہے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ان کے بعض واقعات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے چنانچہ (ہم نے آپ کو) معراج کے موقع پر (جو نظارہ کرایا تھا اور جس درخت کی قران میں مذمت کی گئی ہے) یعنی زقوم اور تھور کے درخت کی کہ جو جہنم میں کافروں کا طعام ہوگا ہم نے (ان) دونوں چیزوں (کو لوگوں کی آزمائش بنایا) تو انہوں نے ان کی بھی تکذیب کی۔ غرض ان کی تو عادت ہی جھٹلانے کی اور نہ ماننے کی ہے۔ ایسی حالت میں اگر فرمائشی نشانیاں دے دی جائیں اور یہ نہ مانیں تو ان کو نیست و نابود کر دیا جائے لیکن اس آخری امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے اس لئے فرمائشی نشانیوں سے ڈرانے کے بجائے (ہم ان کو) قرآن کی آیتوں کے ذریعہ آخرت کے عذاب سے (ڈراتے رہتے ہیں لیکن یہ) اپنی (بڑی سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں)۔

ربط: آگے آدم و ابلیس کے قصہ سے اس پر متنبہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو بے چون و چرا ماننا فرشتوں کا کام ہے اور اس میں شبہے پیدا کرنا اور اعتراض نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی بات بات میں کج بحثی کر کے شیطان کی راہ پر چل رہے ہیں اور ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو شیطان کا ہوا۔

وَاِذْ قُلْنَا

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ
خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ
اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ قَالَ
اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٦٤﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿٦٥﴾

ترجمہ: اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے۔ کہا کیا میں سجدہ کروں جس کو پیدا کیا تو نے مٹی سے۔ کہا دیکھ تو سہی یہ جس کو فضیلت دی تو نے مجھ پر اگر مہلت دے تو مجھ کو قیامت کے دن تک تو میں ضرور قابو کرلوں گا اس کی اولاد کو مگر تھوڑے سے۔ فرمایا تو جا پھر جو کوئی پیروی کرے گا تیری ان میں سے تو جہنم تمہاری سزا ہے سزا پوری۔ اور اکھیڑ دے جس پر تو طاقت رکھے ان میں سے اپنی آواز کے ساتھ اور چڑھا لا ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے اور شریک ہو جا ان کے ساتھ اموال میں اور اولاد میں اور وعدہ دے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دھوکے کا۔ بے شک جو میرے بندے ہیں نہیں ہے تیرا ان پر کچھ زور اور کافی ہے تیرا رب کارساز۔

تفسیر: (اور) وہ وقت یاد کرو (جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے) ہی (سجدہ کیا) ابلیس نے نہیں کیا اور (کہا کہ کیا میں ایسے) شخص (کو سجدہ کروں جس کو آپ نے مٹی سے پیدا کیا ہے)۔ اس اعتراض اور تکبر کی وجہ سے جب وہ مردود ہوا تو اس نے کہا (آپ دیکھئے تو سہی یہ) شخص (جس کو آپ نے مجھ پر فضیلت دی ہے) اس میں تو فضیلت و فوقیت کی کوئی بات نہیں ہے اور (اگر آپ مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دیں تو) آپ دیکھیں گے کہ (قدرے قلیل لوگوں کے علاوہ اس کی) ساری (اولاد کو میں ضرور اپنے قابو میں کرلوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا) تو جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے (آدم کی اولاد میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو تیری) اور ان کی یعنی (تم سب کی سزا جہنم ہے پوری پوری سزا۔ اور ان میں سے جس پر تجھے طاقت ہو اسے) اپنے وسوسہ اور ہر برائی کی آواز پر مشتمل (اپنی آواز سے راہ حق سے اکھیڑ دے اور ان پر اپنے سوار اور اپنے پیادے) یعنی جن وانس پر مشتمل اپنے لشکر کو (چڑھا لا) تاکہ سب مل کر گمراہ کرنے میں پورا زور لگائیں (اور تو) اپنے دل میں ارمان نہ رکھ بلکہ لوگوں میں ہر طرح سے اپنی باتوں کی عقیدت بٹھا کر (اموال و اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور) ان سے اموال و اولاد کے ذریعہ گمراہی کے کام کروا اور (ان سے) جھوٹے (جھوٹے وعدے کر) کہ نہ کوئی حساب کتاب ہوگا (اور) نہ کوئی قیامت ہوگی۔ جنت تو محض دل خوش کرنے کی

بات ہے اور جہنم کا ڈراوا اس لئے ہے کہ مذہبی طبقہ اپنی اجارہ داری قائم رکھنا چاہتا ہے۔ آگے جملہ معترضہ کے طور پر بتاتے ہیں کہ (شیطان) کے کسی وعدے کو بھی سچا نہ سمجھو وہ (تو) لوگوں سے (محض دھوکہ کا وعدہ کرتا ہے)۔ جملہ معترضہ کے بعد ابلیس کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (جو میرے بندے ہیں) کہ مجھ پر اعتماد و توکل کرتے ہیں (ان پر تیرا کچھ زور نہیں ہوگا اور) ہو بھی کیونکر جب کہ اے نبی (آپ کا رب ان کا کافی کارساز ہے)۔

ربط: اوپر آخر میں خدا کے کارساز ہونے کا ذکر ہوا تو آگے اس کی کارسازی کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ہے۔ اور کارسازی قدرت سے ہوتی ہے اس لئے نہ ماننے والوں کو پھر دھمکی دیتے ہیں کہ ہمیں ہر طرح کی قدرت ہے جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں پکڑ لیں۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ
فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا
مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ
إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ
بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ
وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ
عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا
لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ
خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ: تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لئے کشتی کو دریا میں تا کہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو۔ بے شک وہ ہے تم پر مہربان۔ اور جب چھوتی ہے تم کو تکلیف دریا میں تو غائب

ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارتے ہو سوائے اس (اللہ) کے۔ پھر جب وہ نجات دیتا ہے تم کو خشکی کی طرف تو تم اعراض کرتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکرا۔ کیا پس با امن ہو گئے تم (اس سے) کہ دھنسا دے تم کو خشکی کی جانب یا بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی تند ہوا پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے کارساز۔ یا با امن ہو گئے تم (اس سے) کہ لوٹا دے تم کو دریا میں دوسری مرتبہ پھر بھیجے تم پر ایک سخت طوفان ہوا کا پھر غرق کر دے تم کو بدلے میں تمہارے کفر کے پھر نہ پاؤ تم اپنے لئے ہم پر اس کا باز پرس کرنے والا۔ اور عزت دی ہم نے اولاد آدم کو اور سواری دی ہم نے ان کو خشکی میں اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے اور فوقیت دی ہم نے ان کو بہت سوں پر ان میں سے جن کو پیدا کیا ہم نے۔

تفسیر: اور اپنے رب کی کارسازی کو جاننا ہے تو دیکھو (تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے) نفع کے (لئے کشتی کو دریا میں چلاتا ہے تا کہ تم) تجارت کے لئے دوسرے علاقوں میں جا سکو اور یوں (اس کا فضل) اور رزق (تلاش کرو۔ بے شک وہ تم پر) اور تمہارے حال پر (بہت مہربان ہے) کہ تمہارے نفع کے کیسے کیسے طریقے بنا دیئے۔ (اور جب تم کو دریا میں کوئی ضرر) مثلاً طوفان (پہنچتا ہے) اور غرق ہونے کا ڈر ہوتا ہے (تو) اس وقت (اللہ کے علاوہ اور جن کو تم پکارا کرتے ہو) اور جن کی تم عبادت کرتے ہو (وہ سب) تمہارے دلوں سے (غائب ہو جاتے ہیں) اور تم صرف اللہ ہی کو اپنے بچاؤ کے لئے پکارنے لگتے ہو۔ لیکن (پھر جب اللہ) اپنی کارسازی سے (تمہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو تم) دوبارہ اللہ کی توحید سے (روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان) تو واقعی (بڑا ناشکرا ہے) کہ مصیبت سے نکلتے ہی حقیقی محسن کو بھول جاتا ہے۔ لیکن کیا تم بھول گئے ہو کہ کارسازی قدرت سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے کام بنانے کی بھی اور کام بگاڑنے کی بھی۔

ہمارے کام بگاڑنے کو بھولنے کی وجہ سے (کیا تم اس بات سے) مطمئن اور (با امن ہو گئے ہو کہ) خشکی کی جانب میں مثلاً اللہ کے حکم سے زلزلہ آ جائے اور زمین شق ہو جائے اور (اللہ تم کو زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ۔ یا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے ہو کہ اللہ) تمہاری کوئی اور ضرورت بنا کر (تم کو دریا میں ایک مرتبہ اور لے جائے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیجے اور پھر تمہارے کفر کے سبب تم کو غرق کر دے۔ پھر) اس غرق کر دینے پر (تم اپنے لئے ہمارے خلاف اس کا باز پرس کرنے والا نہ پاؤ) جو ہم سے تمہارا بدلہ یا خون بہا وصول کر سکے۔

(اور) ہمارے کام بنانے کو بھولنے کی وجہ سے تمہاری اس طرف توجہ نہیں کہ (ہم نے اولاد آدم کو ہر طرح سے عزت دی) مثلاً یہ کہ اس کو اچھی صورت دی اور اس کو تدبیر و عقل اور حواس عطا فرمائے جن

سے وہ اپنے دنیوی اور اخروی نفع و نقصان کو سمجھتی ہے اور ترقی کی راہ پر چلتی ہے۔ اور اس کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا اور اس کے آخری پیغمبر علیہ السلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ (اور) اس کے علاوہ (ہم نے ان کو خشکی میں اور سمندر میں) سفر طے کرنے کے لئے (سواری دی) کہ خشکی میں جانوروں کی پشت پر بیٹھ کر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اور سمندروں اور دریاؤں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ عبور کرتے ہیں اور خشکی اور سمندر دونوں کو ہوائی جہاز کے ذریعہ قطع کرتے ہیں (اور ہم نے ان کو روزی میں پاکیزہ چیزیں دیں اور) اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ (ہم نے) کئی حیثیت سے (ان کو بہت سی مخلوق پر جس کو ہم نے پیدا کیا فضیلت دی)۔

ربط: اوپر اللہ کی قدرت کا اور اس بات کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اولاد آدم کو کئی حیثیت سے عزت دی۔ آگے بتاتے ہیں کہ جیسے دنیا میں اللہ اپنی قدرت سے کام بناتے ہیں اور بگاڑتے ہیں اسی طرح جو دنیا اللہ نے اپنی قدرت سے بنائی ہے ایک دن آئے گا کہ اللہ اپنی قدرت سے اس کو بگاڑ دیں گے اور سب انسانوں کو حساب کتاب کے لئے اٹھائیں گے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ کس نے انسانی

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿٧١﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿٧٢﴾

عزت کو قائم رکھا اور کس نے اس کو ضائع کیا۔

ترجمہ: جس دن ہم بلائیں گے ہر جماعت کو اس کے سردار کے ساتھ۔ تو جو دیا جائے گا اپنا نامہ اعمال اپنے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ پڑھیں گے اپنے نامہ اعمال کو اور نہ ظلم کئے جائیں گے ایک دھاگے برابر۔ اور جو رہا اس جہان میں اندھا تو وہ آخرت میں اندھا ہوگا اور بہت دور ہوگا رستہ کے اعتبار سے۔

تفسیر: پھر ایک دن آئے گا جب ہم اس دنیا کو ختم کر دیں گے اور پھر سب لوگوں کو ان کی قبروں سے اٹھائیں گے اور حساب لیں گے کہ کس نے اپنی فطری عزت کو قائم رکھا اور کس نے اس کو ضائع کیا۔ اور یہ اس دن ہوگا (جس دن ہم ہر ایک جماعت کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے)۔ مومنوں کے امام نبی، کتاب الٰہی اور علماء حق ہوں گے جب کہ کافروں کے امام ان کے مذہبی سردار،

جھوٹے معبود اور بڑے شیطان ہوں گے۔ اس وقت تمام آدمیوں کے اعمال نامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ کسی کا نامہ اعمال سامنے سے دائیں ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچے گا (جن لوگوں کو ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے) وہ وہ ہوں گے جنہوں نے اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کی دی ہوئی عزت کو برقرار رکھا (تو یہ لوگ) خوشی خوشی (اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے) بلکہ دوسروں کو بھی پڑھنے کو کہیں گے (اور) کھجور کی گٹھلی کے درمیان موجود ایک باریک (دھاگے کے بقدر بھی وہ ظلم نہ کئے جائیں گے) اوران کو ان کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ (اور) جس کو اس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ وہ ہوگا (جو اس دنیا میں) راہ ہدایت سے (اندھارہا) اور اس نے اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی فطری عزت کو ضائع کر دیا (تو آخرت میں وہ) جنت کے راستہ سے (اندھا ہوگا اور) دنیا کی بنسبت وہ (زیادہ بھٹکا ہوا ہوگا) کیونکہ دنیا میں تو تلافی کا امکان تھا کہ کسی وقت راہ ہدایت پر لگ جاتا جب کہ آخرت میں ہدایت کے اندھوں کیلئے جنت کے راستہ پر لگنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہوگا۔

ربط: اوپر ایسے اندھوں کا ذکر ہوا جو خود راہ ہدایت سے دور ہیں۔ آگے بتاتے ہیں کہ بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے دوسرے سمجھداروں کو راہ ہدایت سے ورغلاتے ہیں یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ سے یہ تقاضا کیا کہ آپ ہماری خاطر خدا کے بھیجے ہوئے احکام میں سے کچھ ترک کر دیجئے یا بدل دیجئے۔

وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ وَإِن كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾

ترجمہ: اور وہ چاہتے ہیں کہ پھسلائیں تجھ کو اس سے جو وحی کی ہم نے تیری طرف

تا کہ تو گھڑ لے ہم پر اس (وحی) کے سوا۔ اور تب وہ بنا لیں گے تجھ کو دوست۔ اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ثابت قدم رکھا ہم نے تجھ کو تو قریب تھا تو کہ مائل ہونے لگے ان کی طرف تھوڑا سا۔ تب ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دوگنا مزہ زندگی میں اور دوگنا مرنے میں۔ پھر نہ پاتا تو اپنے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار۔ اور چاہتے ہیں کہ گھبرا دیں تجھ کو زمین سے تا کہ نکالیں تجھ کو اس سے اور تب نہ ٹھہریں گے وہ تیرے پیچھے مگر تھوڑا مثل ان کے طریقے کے جن کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں میں سے اور نہیں پائے گا تو ہمارے طریقے میں کوئی تفاوت۔

تفسیر: (اور) بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے الٹا (وہ چاہتے ہیں کہ آپ کو) بھی (اس) چیز (سے پھسلا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی) یعنی وہ اس کوشش میں لگے ہیں کہ آپ کو مال، ملک اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں (تا کہ آپ) کو ہماری کی ہوئی وحی سے ہٹا دیں جس کی صورت یہ ہو کہ آپ شرک و بت پرستی کے رد پر مشتمل حصہ کو قرآن سے نکال دیں اور اس کی جگہ (اس کے سوا) آپ (ہم پر کچھ گھڑ لیں)۔ اگر العیاذ باللہ آپ بفرض محال ایسا کر گزریں تو (تب وہ آپ کو) گہرا (دوست بنا لیں گے)۔ لیکن ان کافروں کے جواب میں آپ نے جو یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی میں اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کیلئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے یہاں تک کہ وہ کام پورا کروں یا اس راستہ سے گزر جاؤں تو یہ اس وجہ سے کہ ہم نے اپنی قدرت سے آپ کو حق پر ثابت قدم رکھا۔ (اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ کچھ تھوڑا سا ان کی طرف مائل ہونے لگتے اور اس صورت میں ہم آپ کو اس کا) دنیا کی (زندگی میں بھی دوگنا مزہ چکھاتے اور مرنے میں) یعنی برزخ اور آخرت (میں بھی دوگنا مزہ چکھاتے)۔ دوگنا اس لئے کہ آپ ہمارے مقربین میں سے ہیں اور مقربین کو جہاں ہم بڑے بڑے انعامات دیتے ہیں وہاں ان کی غلطی پر گرفت بھی دوگنی ہوتی ہے۔ (پھر آپ ہمارے مقابلہ پر اپنے لئے کوئی مددگار نہ پاتے)۔

(اور وہ) یہ بھی (چاہتے ہیں کہ آپ کو) تنگ کر کے اور (گھبرا کر سرزمین) مکہ (سے نکال دیں) تا کہ آپ کا کام کوئی ٹھکانا نہ پا کر اپنی موت آپ مر جائے (اور) وہ اپنے عقائد اور رسومات پر با امن رہیں۔ لیکن یہ لوگ یہ یاد رکھیں کہ یہ بات ان کو کچھ مفید نہ ہوگی اور (اس صورت میں آپ کے پیچھے یہ تھوڑا عرصہ ہی یہاں رہ سکیں گے کیونکہ یہ ہمارا دستور ان رسولوں میں بھی رہا ہے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا) کہ جب کسی بستی میں خدا کے پیغمبر کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود بھی نہ رہے (اور آپ ہمارے دستور میں کچھ تفاوت نہ پائیں گے)۔ چنانچہ اسی طرح ہوا۔ ان کے ظلم وستم رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا سبب بنے۔ آپ کا مکہ سے نکلنا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے

نکل کر میدان بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے اور اس کے چھ سات سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا، کفار کی حکومت تباہ ہو گئی اور بہت قلیل مدت گزرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرہ عرب میں رسول اللہ ﷺ کا ایک بھی مخالف باقی نہ رہا۔

ربط: اوپر شریروں کے دو منصوبے ذکر ہوئے تو آگے آپ ﷺ کی تسلی کیلئے چند ہدایات اور چند بشارتیں دیتے ہیں۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ

الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

اَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ

الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ

نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى

شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع

ترجمہ: قائم رکھ نماز کو سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور (قائم رکھ) قرآن پڑھنا فجر کا۔ بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے حاضری دیا ہوا۔ اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ۔ یہ زائد (حکم) ہے تیرے لئے۔ شاید کہ کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں۔ اور تو کہہ اے میرے رب داخل کر مجھ کو داخل کرنا سچائی کا اور نکال مجھ کو نکالنا سچائی کا اور بنا دے میرے لئے اپنے پاس سے غلبہ مددگار۔ اور کہہ آ گیا حق اور بھاگ گیا باطل۔ بے شک باطل ہے بھاگنے والا۔ اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے وہ جو شفا ہے اور رحمت ہے مومنوں

کے لئے اور نہیں بڑھاتا (قرآن) ظالم لوگوں کو مگر نقصان میں۔ اور جب نعمت بھیجتے ہیں ہم انسان پر (تو) وہ اعراض کرتا ہے اور پھیرتا ہے اپنا پہلو۔ اور جب چھوتی ہے اس کو تکلیف تو ہو جاتا ہے مایوس۔ کہہ دے ہر کوئی عمل کرتا ہے اپنے طریقہ پر سو تمہارا رب خوب جانتا ہے اس کو جو خوب پانے والا ہو راستے کو۔

تفسیر: اے نبی آپ ان شریروں کے منصوبوں کی کچھ فکر نہ کیجئے اور پوری تسلی رکھئے۔ اس کے لئے ہم آپ کو کچھ ہدایات دیتے ہیں ان پر عمل کیجئے اور کچھ بشارتیں دیتے ہیں۔

پہلی ہدایت: فرض نمازوں کو قائم رکھئے

(سورج کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے) ہونے (تک نمازوں) میں سے جو فرض ہیں یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آپ ان (کو) ٹھیک ٹھیک (قائم کیجئے (اور) اسی طرح (فجر) کی نماز میں (قرآن پڑھنے کو قائم کیجئے۔ فجر) کی نماز (میں قرآن) پڑھنے کو علیحدہ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اور وہ (پڑھنا) فرشتوں کی جانب سے (حاضری دیا ہوا) ہوتا (ہے) اور ان کی حاضری اور موجودگی مزید برکت وسکینت کا موجب ہوتی ہے۔

دوسری ہدایت: تہجد کی نماز کا اہتمام کیجئے

(اور آپ رات کا کچھ حصہ جاگتے رہئے قرآن) پڑھنے (کے ساتھ) یعنی تہجد پڑھئے اور اس میں قرآن پاک کی تلاوت کیجئے (یہ) اور لوگوں کے مقابلہ میں (آپ کے لئے زائد حکم ہے)۔ ان دو باتوں کی ہدایت اس لئے کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق مضبوط ہو اور تعلق مع اللہ وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات پر غالب کرتی ہے۔

پہلی بشارت: مقام محمود پر سرفرازی کا وعدہ

شاہی انداز میں وعدہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (شاید کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود عطا فرمائے) جو شفاعت کبریٰ کا مقام ومرتبہ ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا اس وقت آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ سے حساب کتاب شروع کرنے کی درخواست کر کے خلقت کو انتظار کی تکلیف سے چھڑائیں گے۔ اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ ﷺ کی حمد وتعریف ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کریں گے۔

تیسری ہدایت: اللہ تعالیٰ سے مخصوص حالات کے موافق دعا کیجئے

(اور) ان مخصوص حالات میں اللہ تعالیٰ سے یوں (دعا کیجئے کہ اے میرے رب) جہاں آپ نے

مجھے پہنچانا اور داخل کرنا ہے مثلاً مدینہ میں تو اس میں (مجھ کو داخل کیجئے سچائی کا داخل کرنا) یعنی آبرو اور خوش اسلوبی سے داخل کیجئے کہ اس میں حق کا بول بالا رہے (اور) جہاں سے (آپ) نے مجھے نکالنا ہے مثلاً مکہ سے تو وہاں سے (نکالئے مجھ کو سچائی کا نکالنا) یعنی جو آبرو اور خوش اسلوبی سے ہو کہ اس میں دشمن کی ذلت اور خواری ہو (اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ بنا دیجئے جو) آپ کی مدد و نصرت سے (مددگار رہو)۔

دوسری بشارت: حق غالب ہوگا اور باطل مغلوب ہوگا

(اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور) وہ غالب ہونے کو ہے جب کہ (باطل) اور کفر و شرک (بھاگنے) کو اور مغلوب ہونے کو (ہے اور باطل کو تو بھاگنا ہی ہے) اور اگر چہ یہ پیش گوئی مکہ مکرمہ میں کی گئی لیکن چند سالوں میں ہی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور نہ صرف مکہ مکرمہ سے بلکہ پورے عرب سے قرب قیامت تک کے لئے کفر نکل گیا۔

نقد تسلی: اعطائے قرآن

آئندہ کی ان مذکورہ بالا بشارتوں کے علاوہ آپ کی تسلی کے لئے ایک نقد چیز یہ ہے کہ (ہم آپ پر قرآن کی آیتیں اتارتے ہیں جو مومنوں کے حق میں شفا ہیں) کہ ان سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کی بیماریاں دور ہوتی ہیں جب کہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے کیونکہ اصل تاثیر اللہ کے نام اور اس کے کلام میں ہوتی ہے۔ (اور) پھر یہ آیتیں مومنوں کے حق میں (رحمت) بھی (ہیں) کیونکہ وہ اس نسخہ شفا کو استعمال کرتے ہیں اور تمام قلبی و روحانی بیماریوں سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بنتے ہیں۔ اور جیسے جو مریض اپنی جان کا دشمن ہو اور وہ طبیب سے اور علاج سے دشمنی کرنے کی ٹھان ہی لے تو ظاہر ہے کہ وہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا کیونکہ زیادہ عرصہ علاج نہ کرنے سے مرض مہلک بن جاتا ہے اسی طرح قرآن نسخہ شفا ہے لیکن روحانی بیماریوں کے مریض جن کو عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ اور شکوک وشبہات کے روگ لگے ہیں وہ جب اس نسخہ کو استعمال نہیں کرتے (اور) اس سے دور بھاگتے ہیں تو اس سے ان کی بیماریوں میں اضافہ ہو جاتا ہے جس سے ان کا نقصان مزید بڑھ جاتا ہے۔ تو حقیقت میں یہ نقصان قرآن کی طرف سے نہیں ہے خود ان ظالموں کی اپنی وجہ سے ہے لیکن چونکہ ایسا قرآن سے دوری اختیار کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے مجازاً قرآن کی طرف نسبت کر کے کہا جا سکتا ہے کہ (قرآن ان ظالموں کے نقصان کو بڑھاتا ہے)۔

(اور) ایسے ظالم انسان کا یہ حال ہوتا ہے کہ کسی حالت میں اس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق نہیں ہوتا (ہم جب اس انسان پر نعمت بھیجتے ہیں تو وہ) ہماری شکرگزاری سے غفلت و (اعراض کرتا ہے اور) ہماری بندگی کے فریضہ سے (اپنا پہلو بچاتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو) ایک دم (ناامید ہو کر رہ جاتا ہے)۔ ایسے لوگوں سے (آپ کہہ دیجئے کہ) دنیا میں (ہر شخص) خواہ وہ کافر ہو یا مومن ہو اور وہ قرآن سے فائدہ اٹھانے والا ہو یا اعراض کرنے والا ہو (اپنے) مذہب اور (طریقے پر عمل کرتا ہے) اور اسی میں مگن رہتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے مذہب اور طریقے میں مگن ہو لیکن یہ یاد رکھو کہ کسی شخص کا کوئی بھی عمل اللہ کے علم محیط سے باہر نہیں ہو سکتا۔ (اور تمہارا رب بخوبی جانتا ہے کہ کون راہ حق کو خوب پانے والا ہے) اور کون اس سے کتنا بھٹکا ہوا ہے اور ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کرے گا۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ کافر و ظالم لوگ قرآن جیسے نسخہ کیمیا سے اعراض کرتے ہیں۔ آگے بتاتے ہیں کہ قرآن سے تو اعراض کرتے ہیں لیکن محض سرکشی و عداوت کی وجہ سے غیر ضروری مسائل میں جھگڑتے رہتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہود کے مشورہ سے کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے درپے ہوئے کہ ہمیں روح کی حقیقت و ماہیت بتائیے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٨٥﴾

ترجمہ: اور یہ سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کے بارے میں۔ تو کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور (اے مشرکو) نہیں دیئے گئے تم علم مگر تھوڑا۔

تفسیر: (اور یہ) ظالم لوگ قرآن جیسے نسخہ کیمیا سے تو اعراض کرتے ہیں لیکن غیر ضروری باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اپنی اس روش کے تحت وہ (آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں) کہ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے حالانکہ اس کے جاننے کے ساتھ کوئی دینوی یا اخروی فائدہ متعلق نہیں ہے۔

(آپ) جواب میں (فرمائیے کہ روح) کے متعلق جس قدر علم سے تمہیں فائدہ ہو سکتا ہے وہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں وہ یہ کہ روح ایسی چیز ہے جو (میرے رب) کی مخلوق ہے اور اس (کے حکم سے) بنی (ہے)۔ رہا اس کی ماہیت و حقیقت کا علم تو تم اس کو رہنے دو کیونکہ پہلی بات تو یہ ہے کہ تم تو بدیہی باتوں کو ماننے پر تیار نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تم علم کے دشمن ہو طالب نہیں ہو (اور) دوسری بات یہ

ہے کہ اس کو سمجھنا بہت سے علم پر موقوف ہے جب کہ (تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)۔

انسانی روح کی حقیقت اور اس کے معاملات

قرآن پاک میں ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (سورہ بنی اسرائیل: 85)

یہ (یہودی) لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ جواب میں یہ فرما دیجئے کہ روح (کے متعلق اس وقت اجمالی طور پر بس اتنا جان لو کہ وہ) ایک چیز ہے جو میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔

کائنات کی ہر ہر چیز میں اس کے مناسب شان روح ہوتی ہے

قرآن پاک میں ہے

وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ. (سورہ بنی اسرائیل: 44)

ہر ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ تسبیح حالی نہیں ہے بلکہ قولی ہے کیونکہ تسبیح حالی کو تو لوگ سمجھ ہی لیتے ہیں۔ اور جو تسبیح و تحمید قولی ہو اس کے لئے تسبیح و تحمید کرنے والے میں کسی قدر شعور کا ہونا ناگزیر ہے اور ذی شعور حقیقت روح ہوتی ہے۔ تو اس آیت کی رو سے عالم کی ہر شے میں روح ہوتی ہے خواہ وہ شے ظاہری اعتبار سے ذی حیات ہو یا نہ ہو۔

انسانوں کی ارواح پہلے سے موجود ہیں

قرآن پاک میں ہے

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی (سورہ اعراف: 172)

اور جب آپ کے رب نے (عالم ارواح میں آدم علیہ السلام کی پشت سے تو خود ان کی اولاد کو اور اولاد آدم کی پشت سے (سلسلہ بسلسلہ) ان کی اولاد (کی ارواح) کو (چھوٹی چھوٹی چیونٹیوں کے قالب میں) نکالا اور چونکہ ارواح شعور رکھتی ہیں اس لئے ان کو سمجھ عطا کر کے) ان سے ان ہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ سب نے (اس عقل خداداد سے اصل حقیقت کو سمجھ کر) جواب دیا کہ کیوں نہیں (واقعی آپ ہی ہمارے رب ہیں)۔

ارواح کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیدا کردہ نور سے بنایا ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِأَبِیْ أَنْتَ وَ اُمِّیْ أَخْبِرْنِیْ عَنْ أَوَّلِ شَیْءٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْأَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ إِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ فَجَعَلَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَاءَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَلَا قَلَمٌ وَلَا جَنَّۃٌ وَلَا نَارٌ وَلَا مَلَکٌ وَلَا سَمَاءٌ وَلَا أَرْضٌ وَلَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا جِنِّیٌّ وَلَا إِنْسِیٌّ فَلَمَّا أَرَادَ اللّٰہُ أَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِکَ النُّوْرَ أَرْبَعَۃَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْأَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِی اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ أَرْبَعَۃَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ حَمَلَۃَ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِی الْکُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَقِیَّۃَ الْمَلَائِکَۃِ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ أَرْبَعَۃَ أَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْأَوَّلِ السَّمَاوَاتِ وَ مِنَ الثَّانِی الْأَرْضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ...... (عبدالرزاق)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ مجھے یہ بتائیے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر اشیاء کی تخلیق سے پہلے سب سے پہلی چیز کیا پیدا کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے دیگر اشیاء کی تخلیق سے پہلے اپنے (علم میں موجود خزانہ) نور سے تمہارے نبی (کی روح اور تمام مخلوقات کی ارواح) کا (مادہ ایک) نور پیدا کیا (اور چونکہ وہ جزو جس سے رسول اللہ ﷺ کی روح مبارکہ کی تخلیق کی گئی اس مادہ میں مرکزہ کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے پورے مادہ نور کی نسبت شرافت کے طور پر آپ ﷺ کی طرف کی گئی۔) وہ (مادہ) نور اللہ کی قدرت سے جہاں اللہ نے چاہا گردش کرتا رہا اور اس وقت نہ لوح محفوظ تھی۔ نہ قلم تھا نہ جنت تھی نہ دوزخ تھی نہ آسمان تھا نہ زمین تھی نہ سورج تھا نہ چاند تھا اور نہ کوئی جن تھا نہ کوئی انسان تھا۔

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق (کی ارواح) کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا (یعنی جب اللہ تعالیٰ کے ازلی علم و ارادہ میں ارواح کی پیدائش کا جو وقت تھا وہ ہوا) تو اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے حصہ سے قلم (کی روح) کو دوسرے سے لوح (محفوظ کی روح) کو اور تیسرے سے عرش (کی روح) کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کے آگے چار جزو کئے۔ ان میں سے پہلے جزو سے حاملین عرش (کی ارواح) کو دوسرے سے کرسی (کی روح) کو تیسرے سے باقی فرشتوں (کی ارواح) کو پیدا کیا اور چوتھے جزو کے پھر چار ٹکڑے کئے۔ ان میں سے پہلے ٹکڑے سے آسمانوں (کی ارواح) کو دوسرے سے زمینوں (کی ارواح) کو تیسرے سے جنت و دوزخ کی ارواح کو پیدا کیا......

انسانی روح جسمانی حیات (Life) سے علیحدہ چیز ہے

جب جنین کی عمر ایک سو بیس دن یعنی چار ماہ کی ہو جاتی ہے اس وقت اس میں روح ڈالی جاتی ہے حالانکہ جنین میں حیات (Life) تو شروع دن سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس میں نشوونما کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ أُمِّهٖ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ ...... يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ. (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کیا کہ تم میں سے ہر ایک کی ابتدائی تخلیق اس کی ماں کے پیٹ میں کی جاتی ہے (چالیس چالیس دن کے تین مراحل میں) چالیس دن مرحلہ نطفہ میں پھر اتنی مدت مرحلہ علقہ میں اور پھر اتنی ہی مدت مرحلہ مضغہ میں پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (یہ بات معلوم رہے کہ مرحلہ نطفہ اور مرحلہ علقہ وغیرہ یہ ان کے مراحل کے نام ہیں یہ نہیں کہ اس پورے مرحلہ میں نطفہ رہتا ہے یا علقہ رہتا ہے)۔

زندگی میں بھی روح نیند اور بے ہوشی میں جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے لیکن آپس میں تعلق قائم رہتا ہے

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى إِلٰى اَجَلٍ مُسَمًّى (سورہ زمر: 42)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا۔ اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں، پھر رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک۔

اس آیت میں یہ بات بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو نیند میں کھینچ لیتے ہیں اور سوئے ہوئے آدمی کی روح اس کے جسم سے خارج ہوتی ہے لیکن جسم کے ساتھ اس کا تعلق منقطع نہیں ہوتا۔ جب کسی حادثہ یا بیماری کے سبب جسمانی حیات باقی نہیں رہ سکتی تو روح کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے۔

نیند میں جب روح جسم سے آزاد ہوتی ہے تو دیگر زندوں اور مردوں کی روحوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ أَنَّ أَبَاهُ قَالَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنِّيْ أَسْجُدُ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرْتُهُ بِذٰلِكَ فَقَالَ إِنَّ الرُّوْحَ لَيَلْقَى الرُّوْحَ فَأَقْنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰكَذَا قَالَ عَفَّانُ بِرَاسِهٖ إِلٰى حَلْقِهٖ فَوَضَعَ جَبْهَتَهٗ عَلٰى جَبْهَةِ النَّبِيِّ ﷺ (نسائی).

حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں نبی ﷺ کے ماتھے پر سجدہ کر رہا

ہوں (یعنی آپ کے ماتھے سے میں نے اپنا ماتھا لگا رکھا ہے)۔ میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا (اس خواب کی حقیقت یہ ہے کہ نیند میں سوئے ہوئے کی) روح (جسم سے نکل کر دیگر زندوں اور فوت شدہ) کی روحوں سے ملاقات کرتی ہے۔ (اور یہ بات بھی سچے خواب کا سبب بنتی ہے۔ حدیث کے راوی) عفان کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ (ان کے خواب کو سچا کرنے کیلئے) اپنا سر جھکا دیا اور حضرت خزیمہ نے اپنی پیشانی رسول اللہ ﷺ کی پیشانی پر رکھ دی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ إِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهِ فَرَاٰهُ وَ هَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ لَهُ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَلِيْ بِهِجْرَتِيْ إِلٰى نَبِيِّهِ ﷺ فَقَالَ لَهُ مَالِيْ أَرَاكَ مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيْلَ لِيْ لَنْ يُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ. (مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب نبی ﷺ نے مدینہ (منورہ) کی طرف ہجرت کی تو آپ کی طرف حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے ایک شخص نے بھی ہجرت کی۔ مدینہ کی آب و ہوا ان کو راس نہ آئی اور وہ شخص بیمار ہوگیا اور (بیماری سے) اتنا پریشان ہوا کہ مجبور ہو کر اس نے اپنے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے۔ اس کے ہاتھوں سے خون بہتا رہا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ (کی روح کی نیند میں اس شخص کی روح سے ملاقات ہوئی جس کی وجہ سے طفیل رضی اللہ عنہ) نے اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی ہیئت میں ہے اور دیکھا کہ اس نے اپنے ہاتھوں کو ڈھانپ رکھا ہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ (تمہارے مرنے کے بعد) تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے نبی ﷺ کی طرف ہجرت کی وجہ سے میری بخشش کر دی۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بات؟ تم نے اپنے ہاتھ کیوں ڈھانپ رکھے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ جو تم نے خود کاٹ کر بگاڑے ہیں ہم ان کو درست نہ کریں گے (اور چونکہ وہ درست نہیں ہوئے اس لئے میں نے ان کو ڈھانپ رکھا ہے۔ طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ (اے اللہ) اس شخص کے ہاتھوں کو بھی بخش دیجئے۔

موت کے وقت فرشتے روح کو نکال لیتے ہیں اور روح اپنے عقائد و عمل کے موافق یا تو خوشبودار ہوتی ہے یا بدبودار ہوتی ہے

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا حُضِرَ الْمُؤمِنُ أَتَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِیْرَةٍ بَیْضَاءَ فَیَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِیْ رَاضِیَةً مَرْضِیًّا عَنْكِ إِلٰی رَوْحِ اللّٰهِ وَ رَیْحَانٍ وَرَبٍّ غَیْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَأَطْیَبِ رِیْحِ الْمِسْكِ حَتّٰی أَنَّهُ لَیُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰی یَاتُوْا بِهٖ أَبْوَابَ السَّمَاءِ فَیَقُوْلُوْنَ مَا أَطْیَبَ هٰذِهِ الرِّیْحَ الَّتِیْ جَاءَ تْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ...... وَأَنَّ الْكَافِرَ إِذَا احْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَیَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِیْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطاً عَلَیْكِ إِلٰی عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَأَنْتَنِ رِیْحِ جِیْفَةٍ حَتّٰی یَاتُوْنَ بِهٖ إِلٰی بَابِ الْأَرْضِ فَیَقُوْلُوْنَ مَا أَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّیْحَ.
(احمد و نسائی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی موت آتی ہے تو (ملک الموت کے ساتھ) رحمت کے فرشتے (اس کے پاس) سفید ریشم لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں (اے نیک روح اللہ سے) راضی ہوکر اور اللہ کی پسندیدہ ہوکر راحت اور خوشبو کی طرف نکل......تو وہ مشک کی عمدہ ترین خوشبو کی طرح خوشبودار ہوکر نکلتی ہے اور فرشتے ریشم میں لپیٹتے ہیں اور باری باری اس کو لے کر آسمان کے دروازوں پر پہنچتے ہیں تو وہاں کے فرشتے بھی کہتے ہیں یہ کیسی عمدہ خوشبو ہے جو تمہارے پاس زمین سے آئی ہے......اور جب کافر کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے ساتھ عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں اے بری روح اللہ سے ناراض ہوکر اور اللہ کی ناراضگی کے ساتھ اللہ عزوجل کے عذاب کی طرف نکل تو وہ مردار کی انتہائی سڑاند کی طرح بدبودار ہوکر نکلتی ہے۔ فرشتے اس کو ٹاٹ میں لپیٹتے ہیں اور اس کو لے کر آسمان دنیا پر آتے ہیں تو وہاں کے فرشتے بھی کہتے ہیں کہ یہ کتنی بری سڑاند ہے۔

جب روح نکالی جاتی ہے تو آنکھیں اس کا پیچھا کرتی ہیں

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰی أَبِیْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَأَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الرُّوْحَ إِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ. (مسلم)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں (ان کے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی)۔ رسول اللہ ﷺ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کی آنکھیں بند کیں اور فرمایا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔

تنبیہات: 1- انسان کے اندر شعور وادراک کرنے والی اور ارادہ رکھنے والی اور کسب کرنے والی اصل چیز روح ہوتی ہے۔ روح اپنے کام میں جسمانی اور دماغی اعضاء اور قوتوں کو اپنے آلہ کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ ان آلات میں خلل آنے سے ظاہری طور پر جسمانی اور دماغی کاموں میں فرق آتا ہے

لیکن روح کی اپنی صلاحیتیں متاثر نہیں ہوتیں۔

2- قرآن پاک میں روح کو نفس بھی کہا گیا ہے۔ پھر کہیں اس کی صفت مُطْمَئِنَّة ذکر کی گئی ہے اور کہیں اَمَّارَة اور کہیں لَوَّامَة۔ روح اور نفس تو ایک چیز ہے لیکن اس کی تین حالتوں کے اعتبار سے اس کے تین نام ہو گئے ہیں۔ اگر نفس عالم علوی کی طرف مائل ہو اور اللہ کی عبادت و فرمانبرداری میں اس کو خوشی حاصل ہو اور شریعت کی پیروی میں سکون اور چین محسوس کرے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (سورہ الفجر) اور اگر عالم سفلی کی طرف جھک پڑے اور دنیا کی لذات وخواہشات میں پھنس کر بدی کی طرف رغبت ہو اور شریعت کی پیروی سے بھاگے تو اس کو نفس امارہ کہتے ہیں کیونکہ وہ آدمی کو برائی کا حکم کرتا ہے وَ مَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (سورہ یوسف۔ رکوع 7) اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف جھکتا ہے اور شہوت و غضب میں مبتلا ہوتا ہے اور کبھی عالم علوی کی طرف مائل ہو کر ان چیزوں کو برا جانتا ہے اور ان سے بچتا ہے اور کوئی برائی یا کوتاہی ہو جانے پر شرمندہ ہو کر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے تو اس کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے قرآن سے اعراض کرتے ہیں جس کی خوبیوں میں سے دو خوبیاں یہ ہیں کہ ایک تو کوئی اس کی مثل نہیں بنا سکتا اور دوسرے اس میں ایک ایک بات کو طریقے طریقے سے سمجھایا گیا ہے۔ ایسے قرآن سے اعراض کی وجہ محض ناقدری ہے۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿۸۸﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؗ فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو ہم لے جائیں اس کو جو وحی کی ہم نے تیری طرف پھر نہیں پائے گا تو اپنے لئے اس کے لانے کو ہم پر کوئی حمایتی مگر رحمت سے تیرے رب کی۔ بے شک اس کا فضل ہے تجھ پر بڑا۔ کہہ دے اگر جمع ہو جائیں انسان اور جن اس پر کہ لائیں مثل اس

قرآن کے نہیں لائیں گے اس کی مثل اگر چہ ہوان کا بعض دوسرے کا مددگار۔ اور پھیری ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر مثال سے۔ سوانکار کیا اکثر لوگوں نے مگر ناشکری کا۔

تفسیر: (اور اگر ہم چاہیں تو جو) کچھ (ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اس سب کو) چھین (لے جائیں) اور وہ کہیں نہ رہے نہ خارج میں کسی چیز پر لکھا رہے اور نہ ذہن میں رہے (پھر اس) وحی اور قرآن (کے) واپس لانے (کے لئے آپ کو ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی بھی نہ ملے مگر یہ آپ کے رب ہی کی رحمت ہے) کہ ایسا نہیں کیا۔ (بے شک آپ پر اس کی بڑی رحمت) وعنایت (ہے) اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف اس بات کا اظہار مقصود ہے کہ اللہ کی بڑی قدرت ہے، ہر کمال اور ہر نعمت سب اسی کی عطا کردہ ہے۔ اور (آپ کہہ دیجئے کہ) پھر قرآن جیسی نعمت جس کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ بے مثال ہے یہاں تک کہ (اگر تمام انسان اور جن سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل بنا لائیں تب بھی اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگر چہ ان کے بعض دوسرے کے) یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار ہو) جائیں (اور) دوسری خوبی یہ ہے کہ (ہم نے لوگوں) کو (کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا مضمون پھیر پھیر کر) طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ (سو اکثر) لوگوں (نے) جو کہ ایسے قرآن سے اعراض کرتے ہیں گویا (سوائے ناشکری کے اور سب باتوں کا انکار کیا) ہے یعنی قدر دانی اور شکر کو چھوڑ کر ناقدری اور ناشکری کو اختیار کیا ہے۔

ربط: اوپر بتایا کہ کسی کے بس کی بات نہیں کہ قرآن کی مثل بنا سکے جس کا مطلب ہے کہ وہ معجزہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے۔ اس معجزے اور دلیل نبوت کو نظر انداز کر کے کفار دوسرے معجزے طلب کرتے ہیں جس کی وجہ محض سرکشی ہے۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ
لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَ
عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا
زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ
لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ
حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا

بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہرگز ہم ایمان نہ لائیں گے تجھ پر یہاں تک کہ تو جاری کر دے ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جائے تیرے لئے ایک باغ کھجور کا اور انگور کا پھر تو بہائے نہریں اس کے بیچ میں چلا کر یا تو گرائے آسمان کو جیسا کہ تو دعوی کرتا ہے ہم پر ٹکڑے ٹکڑے یا تو لے آئے اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے یا ہو تیرے لئے ایک گھر سونے کا یا تو چڑھ جائے آسمان میں اور (اس پر بھی) ہرگز ہم ایمان نہ لائیں گے تیرے چڑھنے پر یہاں تک کہ تو اتار لائے ہم پر ایک کتاب پڑھیں ہم جس کو۔ تو کہہ پاک ہے میرا رب۔ نہیں ہوں میں مگر بشر بھیجا ہوا۔

تفسیر: (اور یہ لوگ) قرآن جیسے معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی نبوت کے ثبوت میں دوسرے معجزے طلب کرتے ہوئے یوں (کہتے ہیں کہ ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے لئے) مکہ کی (زمین میں چشمہ جاری کر دو یا) خاص (تمہارے لئے کھجور اور انگور کا کوئی باغ ہو پھر اس باغ کے بیچ) بیچ (میں) جگہ جگہ بہت سی (نہریں جاری کر دو یا جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تم آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دو یا تم اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو) کہ ہم کھلا کھلا دیکھ لیں اور وہ ہمارے سامنے گواہی دیں کہ تم سچے ہو (یا تمہارے پاس سونے کا) بنا ہوا (گھر ہو یا تم) ہمارے سامنے (آسمان پر چڑھ جاؤ اور ہم) تو (تمہارے آسمان پر چڑھنے کا) بھی (ہرگز یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ تم) وہاں سے ہمارے پاس (ایک کتاب اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ) بھی (لیں۔ آپ) ان سب خرافات کے جواب میں (فرما دیجئے کہ سبحان اللہ میں تو محض بشر ہوں) خدا نہیں ہوں کہ یہ خرق عادت اور غیر مقدور العبد کام اپنی طاقت سے کر سکوں۔ اور رہی یہ بات کہ میں اللہ کے (رسول) ہونے کا دعویدار (ہوں) تو رسول ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کو خدائی اختیارات ملتے ہیں بلکہ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اس کو اللہ کی طرف سے جو حکم ملے وہ اس کو کھول کر امت کو پہنچا دے۔

ربط: اور جب آپ ﷺ سے یہ کہلوایا گیا کہ میں تو فقط بشر اور رسول ہوں تو کفار نے قرآن سے اعراض کرنے کے لئے اسی کو بنیاد بنا لیا اور کہنے لگے کہ کوئی بشر بھی ہو اور رسول بھی ہو یہ نہیں ہو سکتا اگر خدا کو رسول بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو اتارتا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ
مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا
رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

ترجمہ: اورنہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا کہ کیا بھیجا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر۔ تو کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلتے بستے تو اتارتے ہم ان پر آسمان سے فرشتہ کو رسول بنا کر۔

تفسیر: (اور جس وقت ان لوگوں کے پاس) ہمارے رسول اور ہماری کتاب کی صورت میں (ہدایت آئی تو) انہوں نے بجائے اس کے کہ اس پر ایمان لاتے اس کا انکار کیا۔ اور (ان کے ایمان لانے سے جو) زیادہ نمایاں (بات مانع ہوئی وہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے) بشریت اور رسالت کو ایک دوسرے کی ضد سمجھا جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے خود یہ بھی (کہا کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟) ایسا نہیں ہوسکتا۔ (آپ) ہماری طرف سے جواب میں ان کو (فرما دیجئے کہ اگر زمین میں) آدمیوں کی طرف فرشتہ کو اس کی اصل صورت میں بھیجا جائے تو آدمیوں کی آنکھیں اور دل اس کا تحمل نہ کر سکیں گے اور اگر آدمی کی صورت میں آئے تو پھر حسب سابق اپنے شبہ میں پڑے رہیں گے۔ ہاں اگر زمین میں (فرشتے چلتے بستے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے ضرور کوئی فرشتہ رسول بنا کر اتارتے) کیونکہ ان کے حق میں اتمام حجت اسی طرح ہوتی۔

ربط: ان سب شبہات کے جواب کے باوجود اگر وہ انکار کئے جائیں تو آپ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیجئے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ
تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

ترجمہ: تو کہہ دے کافی ہے اللہ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بلاشبہ وہ اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اور جس کو ہدایت دے اللہ تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو ہرگز نہ پائے گا تو ان کے لئے مددگار اس (اللہ) کے سوا۔

تفسیر: جب دلائل دیئے جانے اور شبہات دور کئے جانے کے باوجود یہ لوگ نہیں مانتے تو

(آپ) ان کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دیجئے اور ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا اب (میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہیں) کیونکہ (وہ بلاشبہ اپنے بندوں کو خوب جاننے والے) اور ان کے تمام اعمال و احوال کو (دیکھنے والے ہیں اور) جس طرح ماننے نہ ماننے کے بارے میں تمہارے کسب کا بھی اعتبار ہے اسی طرح کسب سے بھی بڑھ کر مؤثر حقیقی کا اعتبار ہے جو اللہ تعالیٰ ہے وہ (جس کو ہدایت دے) بس (وہی ہدایت یافتہ ہے اور) آخرت میں اللہ کی رحمت کا مستحق ہے اور (جس کو گمراہ کر دے تو) وہ آخرت کے عذاب کا مستحق ہے اور (ان) جیسے (لوگوں کے لئے اللہ کے علاوہ) جتنے ہیں جن کی مدد کا ان کو بھروسہ ہے آپ ان میں سے (کوئی مددگار نہ پائیں گے)۔

ربط: اوپر کے مضامین سے معلوم ہوا کہ یہ کفار عرب رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اور قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے منکر تھے۔ آگے بتاتے ہیں کہ یہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور پھر ان کے انکار کا جواب دیتے ہیں۔

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى
وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ
سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا
عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ
اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ
وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

ترجمہ: اور ہم اکٹھا کریں گے ان کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اندھے بہرے اور گونگے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی وہ دھیمی ہونے لگے گی بڑھا دیں گے ہم ان پر آگ کو۔ یہ ان کی سزا ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہا کہ کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا کیا ہم اٹھائے جائیں گے نئے بنا کر۔ کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو (وہ) قادر ہے اس پر کہ پیدا کر دے ان کی مثل اور اس نے مقرر کر رکھی ہے ان کے لئے ایک میعاد۔ نہیں ہے کوئی شک اس میں۔ تو انکار کیا ظالم لوگوں نے مگر کفر کا۔

تفسیر: گمراہ رہنے کی صورت میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (اور) وہ آخرت کے عذاب میں مبتلا ہوں گے جس کی صورت یہ ہوگی کہ (ہم ان کو قیامت کے دن) اس حال میں (اکٹھا کریں گے) کہ ایک تو وہ اپنے (منہ کے بل) چلیں گے اور دوسرے وہ (اندھے، بہرے اور گونگے) ہوں گے۔ پھر (ان کا ٹھکانا جہنم ہے) جس کی آگ کی یہ کیفیت ہوگی کہ (جب بھی وہ) ذرا (دھیمی ہونے لگے گی تو ہم اس) آگ (کو ان پر مزید) بھڑکا کر (بڑھا دیں گے) اور اگر بدن جل کر تکلیف کم ہونے لگے گی تو ہم پھر نئی کھال چڑھا دیں گے۔ غرض عذاب کو معین مقدار سے کم نہ ہونے دیں گے۔ (یہ ان کی سزا ہے) ایک (اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری) تکوینی اور قرآنی (آیتوں کا انکار کیا اور) دوسرے اس وجہ سے کہ آخرت کا انکار کرتے ہوئے (انہوں نے کہا کہ جب ہم ہڈیاں اور) ان کا بھی (چورا) اور ریزہ ریزہ (ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے بنا کر اٹھائے جائیں گے؟) یہ ناممکن بات ہے اور ایسا کبھی نہ ہوگا۔ (کیا ان لوگوں کو اتنا علم نہیں کہ جس اللہ نے) اتنے بڑے بڑے (آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ) اس پر بطریق اولی (قادر ہے کہ ان جیسے آدمیوں کو) نئے سرے سے (پیدا کر دے۔ اور) اس پر ممکن ہے کہ یہ لوگ کہیں کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے) دوبارہ زندہ ہونے کے (لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس) کے آنے (میں کچھ شک نہیں ہے۔ تو) یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی (یہ ظالم لوگ) اس میعاد کا (کفر کئے بغیر) یعنی انکار کئے بغیر (نہ رہے)۔

ربط: اوپر قرآن جیسی نعمت کی عطا اور ظالموں کے اس سے اعراض کا مضمون ذکر ہوا۔ آگے بتاتے ہیں کہ قرآن جیسی نعمت عطا کرنے والی ذات تو اللہ کی ہے جس کے خزانے غیر متناہی ہیں اور جو جواد حقیقی ہیں۔

قُلْ

لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠ ﴿۱۰۰﴾

ترجمہ: تو کہہ دے کہ اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت ضرور روک رکھتے خرچ ہو جانے کے خوف سے اور ہے انسان دل کا تنگ۔

تفسیر: (اور آپ کہہ دیجئے کہ) قرآن جیسی نعمت تو اللہ کا بڑا فضل و احسان ہے اور اس جواد حقیقی کے علاوہ اور کون ایسا احسان کر سکتا ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے غیر متناہی ہیں۔ کسی مستحق کو زیادہ

سے زیادہ دینے میں نہ اس کو تہی دست رہ جانے کا خوف ہو اور نہ یہ اندیشہ ہو کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں ہمارا مد مقابل نہ بن جائے۔ جب کہ انسان اس مذکورہ خوف اور اندیشہ سے تنگ دل ہو جاتا ہے۔ غرض انسان کی طبعی تنگ دلی کی بنیاد پر میں یہ کہتا ہوں کہ (اگر) بالفرض (تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو خرچ ہو جانے کے خوف سے) کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا کل کلاں کو یہ میری برابری کرنے لگے (تم) ان خزانوں کو (روکے رکھتے) اور کسی کو کچھ دینے سے گھبراتے۔

ربط: اور اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ہی سے فضل و احسان کرنے والے ہیں اس لئے جیسے آپ کو قرآن جیسا معجزہ اور نشانی دی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ نے اپنے فضل سے بہت سی نشانیاں دیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ

بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ

اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ

مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ

مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا

الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں کھلی۔ سو پوچھ بنی اسرائیل سے جب وہ آیا ان کے پاس تو کہا اس سے فرعون نے کہ میں خیال کرتا ہوں تجھ کو اے موسیٰ سحر زدہ۔ (موسیٰ نے) کہا تو جان چکا ہے کہ نہیں نازل کیں (یہ نشانیاں) مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے سمجھانے کو اور میں خیال کرتا ہوں تجھ کو اے فرعون برباد شدہ۔ پھر ارادہ کیا (فرعون نے) کہ اکھاڑ دے ان (بنی اسرائیل) کو زمین سے تو غرق کیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے ان سب کو۔ اور کہا ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہ رہو زمین میں پھر جب آئے وعدہ آخرت کا لائیں گے ہم تم کو اکٹھا کیا ہوا۔

تفسیر: (اور) جیسے (ہم نے) آپ کو اپنے فضل و احسان سے قرآن اور دوسری بہت سی نشانیاں دیں اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے (موسیٰ) علیہ السلام (کو) اپنے فضل و احسان سے (نو کھلی نشانیاں دیں جب وہ بنی اسرائیل کے پاس) ان کو فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کے لئے (آئے تھے)۔ وہ نشانیاں یہ تھیں ید، عصا، قحط کے سال، غلہ میں کمی و نقصان، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔ (سو) اگر آپ چاہیں تو (بنی اسرائیل کے باخبر اور منصف مزاج علماء (سے پوچھ لیں) کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کی طرف بھی بھیجے گئے تھے اور فرعون اور آل فرعون کی وجہ سے وہ معجزے دکھائے گئے تھے لیکن کفار مکہ کی طرح (فرعون) وغیرہ نے بھی انکار کیا اور (موسیٰ) علیہ السلام پر الزام دھرنے (کو کہنے لگا کہ اے موسیٰ میں تو تمہیں سحر زدہ خیال کرتا ہوں) جس کی وجہ سے تمہاری عقل خراب ہوگئی ہے اور تم بہکی بہکی باتیں کرتے ہو۔ (موسی) علیہ السلام (نے) اس سے (فرمایا کہ اے فرعون تو) دل سے (خوب جانتا ہے کہ یہ) عظیم الشان (نشانیاں خاص آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے) تیرے (سمجھانے کے لئے اتاری ہیں لیکن پھر بھی تو محض ظلم (اور) تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرتا ہے جس کی وجہ سے (اے فرعون میں یہ خیال کرتا ہوں کہ) تیری کمبختی کے دن آ گئے ہیں اور (تو برباد ہونے والا ہے)۔ جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا اثر بڑھتا جاتا ہے تو اس کو ڈر ہوا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ لیں اس لئے (پھر اس نے ارادہ کیا کہ ان کو سرزمین) مصر (سے اکھاڑ رکھے) اور چین نہ لینے دے۔ (سو) آخر (ہم نے) اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں (اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو غرق کر دیا اور اس کے) غرق کر دینے کے (بعد ہم نے بنی اسرائیل کو کہا کہ) ہم نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی سو اب (تم) مصر و شام کی (سرزمین میں) جہاں چاہو آزادی سے (رہو۔ پھر جب) قیامت ہوگی اور (آخرت کا وعدہ آئے گا تو) پھر ایک مرتبہ (تم) سب (کو) اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو (اکٹھا کر کے لائیں گے) اور نیک بخت و بد بخت کے درمیان فیصلہ دیں گے۔

ربط: آگے قرآن کی یہ خوبی بتاتے ہیں کہ یہ حق و حکمت کے ساتھ نازل ہوا ہے اور علم و انصاف والے اس کو مانتے ہیں۔

وَبِالْحَقِّ

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا
یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ
اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ
یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة

ترجمہ: اور حق کے ساتھ اتارا ہم نے اس کو اور حق کے ساتھ یہ اترا ہے۔ اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ اور قرآن جدا جدا کیا ہم نے اس کو تا کہ تو پڑھے اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اتارا ہم نے اس کو بتدریج۔ تو کہہ تم مانو اس کو یا نہ مانو وہ لوگ جو دیئے گئے علم اس سے پہلے جب یہ پڑھا جاتا ہے ان پر تو گرتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب۔ بے شک ہے ہمارے رب کا وعدہ (پورا) ہونے والا۔ اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور یہ (قرآن) بڑھاتا ہے ان کو خشوع میں۔

تفسیر: (اور ہم نے اس) قرآن (کو) عین حکمت کے موافق اور اعلیٰ درجہ کی (سچائی کے ساتھ اتارا اور) ٹھیک اسی (سچائی کے ساتھ وہ) آپ تک (اتر گیا)۔ درمیان میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ (اور ہم نے آپ کو) رسول بنا کر اور آپ کو قرآن دے کر اس لئے نہیں بھیجا کہ آپ لوگوں کو زبردستی ہدایت پر لائیں بلکہ (صرف) اس لئے (بھیجا) کہ آپ اس کے مضامین لوگوں تک پہنچا دیں اور کھول کر سمجھا دیں۔ پھر جو ہدایت قبول کریں ان کو آپ جنت کی اور ہماری رضا مندی کی (خوشخبری دینے والے) ہیں (اور) قبول نہ کرنے والوں کو ہمارے عذاب سے (ڈرانے والے) ہیں۔

(اور) پھر (قرآن کو) اتارنے میں (ہم نے اس کے جدا جدا حصے کئے اور اس کو بتدریج اتارا تا کہ آپ اس کو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر) پیش آمدہ حالات کے مناسب (پڑھیں)۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ صحابہ کی جماعت جس نے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا ہے ہر آیت و حکم کے موقع محل کو خوب اچھی طرح ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کی گنجائش نہ چھوڑے۔

قرآن پاک کی مذکورہ بالا خوبیاں سن کر بھی اگر ظالم لوگ انکار پر جمے رہیں تو (آپ فرما دیجئے کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو) تمہاری مرضی۔ تمہارے نہ ماننے سے قرآن کی حقانیت اور رسول کی صداقت پر کچھ اثر نہیں پڑتا جب کہ یہ بھی امر واقع ہے کہ (وہ) انصاف پسند اور حق پرست (لوگ جن کو قرآن سے پہلے)

کی سابقہ کتب کی بشارتوں کا (علم دیا گیا ہے جب ان پر یہ) قرآن (پڑھا جاتا ہے تو وہ) اس کو سن کر (سجدہ میں گر جاتے ہیں) اور اپنے چہرے کو اس حد تک زمین سے لگا لیتے ہیں کہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل) سجدہ کرتے معلوم ہوتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ سبحان اللہ) کیا عجیب کلام ہے۔ (بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا) جو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تورات کی کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے بھائیوں بنی اسماعیل میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ بلاشبہ وہ یہی کلام ہے جو محمد ﷺ کے دہن مبارک میں ڈالا گیا۔ (اور) یہ منصف مزاج اہل علم (ٹھوڑیوں کے بل) جو (گرتے ہیں) تو (روتے ہوئے) گرتے ہیں (اور) اس (قرآن کا سننا ان کے) دل کے (خشوع) اور عاجزی (کو اور بڑھا دیتا ہے) کیونکہ ظاہر و باطن کی موافقت سے کیفیت کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

ربط: آگے قرآن پاک سے متعلق دو باتیں ذکر کرتے ہیں۔

پہلی بات: اعتراض کا جواب

مشرکین عرب کے یہاں لفظ اللہ کا استعمال زیادہ تھا اور رحمٰن کے نام سے وہ بالکل ناواقف تھے۔ انہوں نے جب قرآن میں رحمٰن کا نام سنا تو اس کو بہانہ بنا کر اعتراض کرنے لگے کہ محمد (ﷺ) ہم کو تو دو خداؤں کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا رحمٰن کو پکارتے ہیں۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ

ترجمہ: تو کہہ دے کہ پکارو اللہ کو یا پکارو رحمٰن کو۔ جس (نام) کو پکارو گے تو اس کے لئے اچھے نام ہیں۔

تفسیر: (آپ فرما دیجئے کہ) تمہارا اعتراض غلط ہے اور (تم اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو ان میں سے جس نام کو پکارو گے تو) وہ صحیح ہے شرک نہیں ہے کیونکہ (اللہ) اور رحمٰن ایک جامع کمالات ذات کے دو نام ہیں اور صرف ان دو ناموں پر کیا موقوف اس (کے تو بہت سے) اچھے (اچھے نام ہیں)۔ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ذکر ہیں۔

دوسری بات: نماز میں قرآن کو درمیانی آواز سے پڑھنا

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾

ترجمہ: مت زیادہ کر آواز کو اپنی نماز میں اور نہ پست کر لے آواز کو اس میں اور ڈھونڈ اس کے درمیان کی راہ۔

تفسیر: (آپ اپنی نماز میں) قرآن پڑھتے ہوئے ضرورت سے (زیادہ آواز مت کیجئے) تا کہ کسی کو تشویش نہ ہو اور کسی کو تکلیف نہ ہو اور مشرک جو اونچی آواز سے قرآن پڑھے جانے پر بدزبانی کرتے تھے اس سے بچاؤ رہے (اور نہ نماز میں اس کو) اتنا (پست کیجئے) کہ خود آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے بھی نہ سن سکیں بلکہ افراط (اور) تفریط سے بچتے ہوئے آپ (ان کے درمیان کی راہ اختیار کیجئے۔ اس سے دل بھی متاثر ہوگا اور کافروں کی بدزبانی کی تشویش بھی نہ ہوگی۔

ربط: قرآن سے متعلق مضمون کو ختم کر کے سورت کو بھی ختم کرتے ہیں اور اس کے خاتمہ پر ابتدائے سورت کی طرح توحید کا مضمون لاتے ہیں۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

ترجمہ: اور کہہ دے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے نہیں اختیار کی اولاد اور نہیں ہے اس کا شریک بادشاہت میں اور نہیں ہے اس کا کوئی مددگار ذلت کے وقت میں۔ اور بڑائی کر و اس کی بڑا جان کر۔

تفسیر: (آپ) اس سورت کے ختم پر علی الاعلان (کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو) ہر قسم کے عیب اور نقص وفتور سے پاک ہے اور اس کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں ہے جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی ضرورت پڑے نہ اپنے چھوٹے کی جیسا کہ باپ اولاد سے مدد لیتا ہے اس لئے وہ (کوئی اولاد نہیں رکھتا اور) نہ اپنے مساوی کی جیسے ایک شریک کو دوسرے شریک کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے (اس کا بادشاہت میں کوئی شریک نہیں ہے اور) نہ اپنے سے کسی بڑے کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ کمزور آدمی ذلت ومصیبت کے وقت بڑے آدمی سے مدد لیتا ہے اس لئے فرمایا کہ (ذلت کے وقت میں اس کا کوئی مددگار) ہو یہ بھی (نہیں ہے) کیونکہ اس کو ذلت و کمزوری لاحق ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو بڑی عظمت والا ہے (اور تم اس کو بڑا) عظیم الشان (جان کر اس کی بڑائی کرو)۔

سورہ کہف

ربط: پچھلی سورت کے آخر میں قرآن پاک سے متعلق بحث ذکر ہوئی تھی۔ اس سورت کی ابتدا قرآن پاک ہی کے کچھ مزید اوصاف کے ذکر سے کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ١١٠ - رُكُوْعَاتُهَا ١٢

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ
عِوَجًا ۜ ﴿١﴾ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ
الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ﴿٢﴾ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ
اَبَدًا ﴿٣﴾ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿٤﴾ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ
عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ
يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿٥﴾

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اتاری اپنے بندے پر کتاب اور نہیں رکھی اس میں کچھ کجی (اور وہ اتاری) قائم رکھنے والی تاکہ وہ ڈراوا دے سخت عذاب کا اس (اللہ) کی طرف سے اور وہ خوشخبری دے مومنوں کو جو عمل کرتے ہیں نیک کہ ان کے لئے ہے اجر اچھا۔ رہیں گے اس میں ہمیشہ کے لئے۔ اور ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ بنا لی ہے اللہ نے اولاد۔ نہیں ہے ان کو اس کی کچھ تحقیق اور نہ ان کے باپ دادوں کو۔ بڑی ہے بات جو نکلتی ہے ان کے منہ سے۔ نہیں وہ کہتے مگر جھوٹ۔

تفسیر: (تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے) خاص اور مقرب ترین (بندے) محمد رسول اللہ ﷺ (پر) سب سے اعلیٰ و اکمل (کتاب اتاری اور اس میں کوئی) بات بھی (کجی) اور ٹیڑھ کی (نہیں رکھی)۔ عبارت انتہائی سلیس و فصیح، اسلوب بیان نہایت مؤثر و شگفتہ، تعلیم متوسط و معتدل جو

ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے مطابق اور جو کسی بھی قسم کے افراط وتفریط سے خالی ہے۔ غرض قَیِّم کے مختلف معانی کے اعتبار سے (1) بالکل سیدھی کجی سے پاک ہے اور (2) تمام کتب سماویہ کی صحت وتصدیق پر مہر کرنے والی، ان کی اصولی تعلیمات کو (قائم رکھنے والی) ہے اور (3) بندوں کی تمام مصلحتوں کی کفیل اور ان کی دنیا وآخرت کو درست کرنے والی ہے۔

اور اس کو اس لئے نازل کیا (کہ یہ) تمام کافروں کو عمومی طور پر (سخت عذاب سے) ڈرائے جو (اللہ کی طرف سے) ان کے لئے آخرت میں ہوگا (اور) ان (اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہیں یہ خوشخبری دے کہ ان کو) آخرت میں (اچھا اجر ملے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور) پھر کفار میں سے (ان لوگوں کو) خاص طور پر (ڈرائے جو) یوں (کہتے ہیں کہ) معاذ اللہ (اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے لئے (اولاد بنالی ہے)۔ یہ بات کہنے والوں میں اصل عیسائی تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، پھر یہود کے کچھ فرقے تھے جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور بعض مشرکین تھے جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے (اس) بات (کی کوئی تحقیق) اور کوئی دلیل (نہ) تو (ان کے پاس ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کے پاس تھی) لیکن اس کے باوجود ان کو کوئی فکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کی کیسی (بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے) اور ان کو اس پر کچھ شرم و حیا نہیں کہ (یہ) جو کچھ کہہ رہے ہیں (محض جھوٹ کہہ رہے ہیں) اور جب ثبوت مانگو تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔

ربط: آگے فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اتنی عظیم صفات والے قرآن کو نہیں مانتے تو آپ غم نہ کیجئے۔ ہم نے یہ دنیا اسی لئے بنائی ہے کہ لوگوں کو اختیار دے کر ان کا امتحان کیا جائے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝

ترجمہ: سو شاید کہ تو گھونٹنے والا ہے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر نہ ایمان لائے یہ اس بات پر غم سے۔ بلاشبہ بنایا ہم نے جو کچھ ہے زمین پر زینت اس کے لئے تا کہ ہم آزمائیں ان کو کہ ان میں سے کون اچھا ہے عمل میں اور بلاشبہ ہم بنانے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے

میدان کانٹ چھانٹ کر۔

تفسیر: مذکورہ بالا حرکتوں کے مرتکب (یہ لوگ اگر) اس قرآن کی (بات پر ایمان نہیں لاتے تو) آپ ان پر اتنا غم کیوں کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ (شاید آپ ان کے) ایمان کے (پیچھے غم سے اپنی جان کو گھونٹ دیں گے)۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے ہدایت پر لانا نہیں۔ ہم نے انسان کو آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کو حق و باطل کے درمیان اختیار دیا ہے کہ جس کو چاہے قبول کر لے۔ لہٰذا زبردستی ہدایت پر لے آنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ پھر آزمائش کو مکمل کرنے کی خاطر (ہم نے جو کچھ زمین پر ہے اس کو زمین کی زینت) اور رونق (بنایا تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون) ایسا ہے کہ دنیا کی رونق کے پیچھے بھاگنے کے بجائے وہ عقائد، عبادات اور اخلاق و معاملات کے اعتبار سے (اچھے عمل والا) بنتا (ہے۔ اور) پھر ایک دن اس آزمائش کا نتیجہ دکھانے کو (ہم اس زمین پر جو کچھ ہے) مثلاً درخت اور عمارتیں وغیرہ ان سب کو (کاٹ چھانٹ کر کے ایک چٹیل میدان بنا دیں گے) پھر اس نتیجہ میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو آسمانی ہدایت سے چمٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دنیا کی ہر خوشی کو قربان کرتے ہیں اور اس راہ میں ہر قسم کے ڈراوے اور تکلیف کو برداشت کرتے ہیں۔

ربط: اوپر اچھے عمل والوں کا ذکر ہوا تو آگے اصحاب کہف کو ان کی مثال کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ
كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿٩﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ
اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى
اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ
الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿١٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ
بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَّرَبَطْنَا
عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا

اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ
وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ
رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا
طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ
ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَنْ
يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا
مُرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ
الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾
وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ
لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا
لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَٰذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ
أَيُّهَا أَزْكَىٰ طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ
فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ
لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ
يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ

اَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ
مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ
كَلْبُهُمْ رَجْمًاۢ بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ
اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۥ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً
ظَاهِرًا ۖ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

ترجمہ: کیا تو خیال کرتا ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم تھے ہماری نشانیوں میں سے عجیب۔ جب پناہ پکڑی چند جوانوں نے غار کی طرف تو کہا اے ہمارے رب دے ہم کو اپنے پاس سے رحمت اور مہیا کر ہمارے لئے ہمارے کام میں درستی۔ پھر تھپک دیا ہم نے ان کے کانوں پر غار میں چند سال گنتی کے۔ پھر اٹھایا ہم نے ان کو تا کہ ہم جان لیں کہ دو جماعتوں میں سے کون زیادہ یاد رکھنے والا ہے اس کو جو وہ ٹھہرے مدت۔ ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان کی خبر تحقیق کے ساتھ۔ وہ چند جوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر اور بڑھایا ہم نے ان کو ہدایت میں اور مضبوطی باندھ دی ہم نے ان کے دلوں پر جب وہ کھڑے ہوئے اور کہا ہمارا رب ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا ہرگز ہم نہ پکاریں گے اس کے سوا اور معبود کو ورنہ تو ہم کہیں گے بات اس وقت دور کی۔ یہ ہماری قوم ہے ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود۔ کیوں نہیں لاتے وہ ان معبودوں پر کوئی دلیل کھلی۔ سو کون بڑا ظالم ہے اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ۔ اور جب علیحدہ ہو گئے تم ان سے اور (ان معبودوں سے) جن کی وہ عبادت کرتے ہیں سوائے اللہ کے سو پناہ لو غار میں پھیلائے گا تمہارے لئے تمہارا رب اپنی رحمت میں سے اور مہیا کرے گا تمہارے لئے تمہارے کام میں آسانی کو۔ اور تو دیکھتا دھوپ کو جب طلوع ہوتی تو بچتی تھی ان کے غار سے دائیں طرف کو اور جب غروب ہوتی تو کتراتی تھی بائیں طرف کو اور وہ تھے میدان میں اس غار کے۔ یہ تھی اللہ کی نشانیوں میں سے۔ جس کو ہدایت دیتا ہے اللہ تو وہی ہے ہدایت یافتہ اور جس کو بے راہ کر دے تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لئے مددگار راہ پر لانے والا۔ اور تو خیال کرے گا ان کو کہ بیدار ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم کروٹ پر بدلتے ہیں ان کو دائیں طرف اور بائیں طرف اور ان کا کتا پھیلائے ہوئے ہے اپنے بازو چوکھٹ پر۔ اگر

جھانکے تو ان پر تو پیٹھ پھیر دے ان سے بھاگتے ہوئے اور بھر جائے تو ان سے دہشت میں۔ اور اسی طرح اٹھایا ہم نے ان کو تا کہ سوال کریں آپس میں۔ کہا ایک کہنے والے نے ان میں سے کتنی دیر تم رہے بولے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ بولے تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنی دیر تم رہے۔ تو بھیجو اپنے میں سے ایک کو اپنے اس روپیہ کے ساتھ شہر کی طرف پھر وہ دیکھے کونسی چیز حلال ہے کھانے میں، سو لائے تمہارے پاس کھانا اس میں سے اور خوش تدبیری اختیار کرے اور خبر نہ ہونے دے تمہارے بارے میں کسی کو۔ بلاشبہ اگر وہ واقف ہو گئے تم پر تو سنگسار کر دیں گے تم کو یا لوٹا لیں گے تم کو اپنے دین میں اور ہرگز نہ فلاح پاؤ گے اس صورت میں کبھی بھی۔ اور اسی طرح مطلع کر دیا ہم نے ان پر تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (کا وقوع ایسی چیز ہے کہ) کوئی شبہ نہیں ہے اس میں۔ جب جھگڑتے تھے (لوگ) آپس میں ان کے معاملہ میں سو کہا کہ بناؤ ان پر ایک عمارت۔ ان کا رب خوب واقف ہے ان سے۔ کہا ان لوگوں نے جو غالب آئے ان کے معاملہ میں ہم ضرور بنائیں گے ان (کی جگہ) پر ایک مسجد۔ کہیں گے کہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور کہیں گے کہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ (یہ تو) پتھر چلانا ہے بغیر دیکھے اور کہیں گے کہ سات ہیں اور ان کا آٹھواں ان کا کتا ہے۔ تو کہہ دے میرا رب خوب جانتا ہے ان کی تعداد کو۔ نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے۔ سو تو جھگڑا مت کر ان کے بارے میں مگر جھگڑا سرسری سا اور مت پوچھ ان کے بارے میں کسی ایک سے۔

تفسیر: کہف غار کو کہتے ہیں اور رقیم اس تختی کو کہتے ہیں جس پر اصحاب کہف کے نام لکھ کر ان کو محفوظ کر لیا گیا تھا۔ اس طرح سے اصحاب کہف اور اصحاب رقیم سے ایک ہی لوگ مراد ہیں۔ فرمایا کہ (کیا آپ) یہ (خیال کرتے ہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ہماری) قدرت کی (نشانیوں میں کچھ (تعجب کی) خاص (چیز تھے) حالانکہ ہماری قدرت کا تو ہر کام ہی لوگوں کو تعجب و حیرت میں ڈالنے والا ہے۔ ان لوگوں کا قصہ یہ ہوا کہ چند جوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے غالباً پہلے کے تھے۔ ان کے علاقہ میں ایک سخت غالی بت پرست بادشاہ تھا جو جبر و اکراہ کے ساتھ بت پرستی کی اشاعت و تبلیغ کرتا تھا۔ ان چند نوجوانوں کے دلوں میں یہ خیال آیا کہ یہ انسانوں کے بنائے ہوئے بت عبادت کے لائق نہیں ہو سکتے بلکہ عبادت کے لائق تو صرف ایک اللہ ہی ہے جو ہم انسانوں کو اور کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ ان کی توحید پرستی کی شہرت ہوئی تو بادشاہ کے ہاں ان کی طلبی ہوئی۔ بادشاہ کے روبرو جا کر بھی انہوں نے کلمہ توحید کا اعلان کیا۔ بعض وجوہات سے بادشاہ نے ان کو سوچنے کی مہلت دی۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال

خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں اور واپسی کے لئے کسی مناسب موقع کا انتظار کریں۔

تو آپ وہ وقت یاد کیجئے (جب چند نوجوانوں نے) پہاڑ کے (غار میں پناہ لی اور دعا کی کہ اے ہمارے رب آپ ہم کو اپنے پاس سے رحمت) کا سامان (عطا فرمایئے اور ہمارے لئے ہمارے کام میں درستی) کا سامان (مہیا کر دیجئے۔ سو ہم نے) ان کی دعا قبول کی اور ان کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے تفکرات وتشویشات کو اس طرح دور کیا کہ ہم نے اس غار میں (ان کے کانوں پر سالہا سال تک) گہری نیند کو (تھپک دیا) اور وہ ایسے غرق ہو کر سوئے کہ کوئی آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی۔ (پھر) سالہا سال کے بعد (ہم نے ان کو) نیند سے (اٹھایا تا کہ ہم) ظاہری طور پر بھی (معلوم کر لیں کہ) خود سونے والوں کے (دو گروہوں میں سے کون) غار میں (ٹھہرنے) اور سونے (کی مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے)۔

اس اجمال کے بعد اب (ہم آپ سے ان کا قصہ پوری تحقیق کے ساتھ) تفصیل سے (بیان کرتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور) ان کے ایمان لانے کے بعد (ہم نے ان کو ہدایت میں بڑھایا اور) ترقی دی کہ ان کو استقامت، صبر اور توکل کی صفات بھی عطا کیں اور ان کے علاوہ (ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا جب وہ) بادشاہ کے دربار میں (کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہمارا رب) تو صرف (وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ہم اس کے علاوہ کسی اور کو نہ پکاریں گے) اور نہ کسی اور کی عبادت کریں گے۔ بعد میں دیگر لوگوں کے سامنے یہ وضاحت کی کہ اگر بالفرض ایسا کریں یعنی بتوں کو پکاریں (تو اس صورت میں ہم بڑی ہی بے جا بات کہیں گے) جبکہ (یہ) جو (ہماری قوم) کے لوگ ہیں انہوں (نے اللہ کے سوا اور معبود ٹھہرا لئے ہیں) اور جب ہم توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں تو (یہ لوگ اپنے معبودوں) کے معبود ہونے (پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے) اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ ان کے پاس اپنے دعوے پر کوئی دلیل ہی نہیں اور یہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں (اور جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا)۔

اصحاب کہف کے مذکورہ بالا اعلان اور وضاحت پر حکومت (اور) عوام دونوں ہی مخالف ہو گئے البتہ بادشاہ نے بعض وجوہات سے ان کو کچھ سوچنے کی مہلت دے دی۔ حکومت اور قوم کی مخالفت دیکھ کر انہوں نے آپس میں کہا کہ (جب مشرکوں) کے دین (سے اور جن کی یہ عبادت کرتے ہیں ان سے تم نے کنارہ کشی کر لی ہے تو) اب اس قوم والوں میں ٹھہرنا خطرناک ہے لہٰذا اب چل کر اس (فلاں غار میں

پناہ لو) اور اس میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو (تاکہ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت) کے سامان (کو پھیلا دے اور تمہارے لئے تمہارے کام میں آسانی مہیا کرے)۔ یہ لوگ بالآخر غار میں پہنچ گئے اور وہاں جا کر بھی انہوں نے باقاعدہ اللہ کی رحمت اور آسانی کی دعا کی جو شروع قصہ میں ذکر ہوئی۔ غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور شمال کے رخ پر ہونے کی وجہ سے اس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی (اور) تکلیف دیئے بغیر نکل جاتی تھی جس کی صورت یہ تھی کہ (تم دھوپ کو دیکھتے جب وہ طلوع ہوتی کہ وہ ان کے غار کے دہانے سے دائیں جانب کو بچ کر رہتی تھی اور جب غروب ہوتی تو غار کے دہانے سے بائیں جانب کو کتراتی تھی) تاکہ اصحاب کہف کو ایذاء نہ دے (اور وہ خود غار کے ایک کشادہ میدان میں تھے) تاکہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے طبیعت نہ گھبرائے اور ہوا بھی لگتی رہے۔

ان جوانوں کا ہدایت پانا اور ان کا اس پر قائم رہنا اور ان کو بت پرست حکومت وقوم سے بچا کر غار میں لے آنا (یہ اللہ کی) قدرت کی (نشانیوں میں سے ہے) اور جب سب قدرت اللہ ہی کو حاصل ہے تو معلوم ہوا کہ (جس کو اللہ ہدایت دیں بس وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو) اللہ (بے راہ کر دیں تو تم اس) کو راہ پر لگانے (کے لئے کوئی) مددگار اور (راہ بتانے والا نہ پاؤ گے)۔ پھر جب سونے کا وقت ہوا اور یہ لوگ غار میں سوئے تو ہم نے ان کو سالہا سال کی گہری نیند میں مبتلا کر دیا (اور) وہ بھی اس کیفیت سے کہ نیند کے آثار مثلاً بدن کا ڈھیلا ہونا اور سانس میں فرق پڑنا ایسی کوئی بات نہ تھی اس لئے اگر (تم ان کو) اس حالت میں دیکھتے تو (سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور) نیند کے اس طویل زمانہ میں (ہم ان کو) کبھی (دائیں طرف اور) کبھی (بائیں طرف کروٹ دیتے تھے اور ان کا کتا بھی غار کی دہلیز میں اپنے بازو پھیلائے ہوئے) سو رہا (تھا)۔ پھر دشمنوں اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کے لئے ہم نے یہ مزید انتظام کیا کہ غار کے اندر اتنی دہشت پیدا کر دی کہ (اگر تم ان کی طرف) غار میں (جھانک کر دیکھتے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور تم ان کی دہشت سے بھر جاتے)۔ دوسری طرف سرکاری کارندوں نے ان کو بہت تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ لگا۔ تھک ہار کر بیٹھ گئے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختہ پر ان جوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانے میں رکھ دیئے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقے سے لاپتہ ہوگئی ہے۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر اس کا کچھ سراغ ملے۔ (اور) جس طرح ہم نے ان کو اپنی قدرت سے تین سو نو سال تک سلایا (اسی طرح) اس طویل نیند کے بعد (ہم نے) اپنی قدرت سے (ان کو اٹھایا تاکہ وہ آپس میں پوچھ گچھ کرلیں) کہ وہ کتنی دیر سوئے۔ اس سے ان کو بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چلے گا کہ قیامت کے دن

بھی جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو اس وقت یہی خیال کریں گے کہ بس دن کا کچھ حصہ ہی سوئے ہیں۔ اس پوچھ گچھ میں (ان میں سے ایک کہنے والے نے پوچھا کہ تم کتنی دیر ٹھہرے) سوئے (رہے۔ بعضوں نے کہا کہ ہم) غالبًا (ایک دن یا ایک دن کا) بھی (کچھ حصہ رہے ہوں گے دوسرے بعضوں نے کہا) کہ اس بات کی تفتیش کی کیا ضرورت ہے۔ اس بات کو اپنے رب کے سپرد کر دو کیونکہ (تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنی دیر تم رہے۔ لہٰذا) اس قصہ کو چھوڑ اور ضرورت کا کام کرو جو یہ ہے کہ (اپنے میں سے کسی ایک کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ وہاں دیکھے کہ کونسا کھانا) حلال و (پاکیزہ ہے سو اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آئے اور) سب (کام خوش تدبیری سے کرے کہ) ایسی ہیئت اور وضع سے جائے کہ کوئی اس کو پہچان نہ سکے اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہو کہ یہ بت کے ذبیحہ کی اس لئے تحقیق کرتا ہے کہ یہ اس کو حرام سمجھتا ہے اور (کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے) کیونکہ (تمہاری قوم والے اگر تمہاری خبر پا جائیں تو تم کو یا تو پتھروں سے مار ڈالیں گے یا زبردستی تم کو اپنے دین میں واپس پھیر لیں گے اور) ایسا ہوا تو (تم کو ہرگز کبھی فلاح و کامیابی حاصل نہ ہوگی)۔

غرض ان میں سے ایک روپیہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ اس کو بھی شہر اور اس کی چیزیں بدلی بدلی سی معلوم ہوئیں لیکن چونکہ کھانے کے لئے کچھ سامان لینا ضروری تھا اس لئے اس نے ایک جگہ کچھ سودا خرید کر روپیہ کا سکہ دیا۔ دکاندار اور آس پاس کے لوگ روپیہ کا وہ سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس زمانے کا ہے۔ ان کو خیال ہوا کہ اس شخص کو کہیں سے دفن شدہ خزانہ ہاتھ لگا ہے جب کہ یہ شخص یہ کہتا تھا کہ ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ ان سکوں سے سامان خریدا تھا۔ چلتے چلتے یہ بات بادشاہ تک پہنچی۔ اس کو اصحاب کہف کا خیال آیا اور اس نے خزانے سے وہ پرانی تختی نکلوائی جس پر اصحاب کہف کے نام اور پتے لکھے تھے۔ تحقیق کرنے پر ثابت ہوا کہ یہ وہی غائب ہو جانے والے نوجوان ہیں۔ اس زمانے میں اس شہر والوں میں بعث بعد الموت کے متعلق بڑا اختلاف تھا۔ کوئی اس کو مانتا تھا اور کوئی نہ مانتا تھا۔ موجودہ بادشاہ حق پرست اور منصف تھا اور لوگوں کی اصلاح چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام بھی اسی واقعہ کے ضمن میں کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے اپنی قدرت سے اصحاب کہف کو سلایا (اور) جگایا (اسی طرح ہم نے) اپنی قدرت و حکمت سے اس زمانہ کے لوگوں کو (ان کے حال پر مطلع کر دیا تاکہ) دیگر فوائد کی طرح یہ فائدہ بھی ہو کہ شہر کے (لوگ) اس واقعہ سے استدلال کر کے اس بات کا (یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور) وہ وعدہ یہ ہے کہ (قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے)۔ اور یقین کرنے کی صورت یہ ہوئی کہ وہ بعث کا انکار اس وجہ سے کرتے تھے کہ وہ

ان کو عادت کے خلاف اور عقل سے بعید معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ نیند اور بیداری کو موت اور بعث بعد الموت کے ساتھ مشابہت ہے لہٰذا اس خلاف عادت واقعہ کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کا استبعاد جاتا رہا اور اب ان کو بعث بعد الموت پر یقین کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی۔

یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے۔ انتقال ہوا تو کب ہوا اور زندہ رہے تو کب تک رہے۔ بہر حال شہر والوں نے ان کے عجیب وغریب احوال دیکھ کر فرط عقیدت سے چاہا کہ ان کی کوئی یادگار تعمیر کی جائے۔ اب کیا تعمیر کریں اس بارے میں وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب وہ آپس میں اپنی بات پر جھگڑا کر رہے تھے۔ بعض نے کہا کہ ان) کے غار (پر) یعنی اس کے پاس (کوئی مکان تعمیر کردو) جس سے زائرین کو سہولت ہو اور بعض نے کچھ اور تجویزیں دیں۔ (ان کا رب ان) جھگڑنے والوں (سے) اور ان کی نیتوں سے (خوب باخبر تھا۔ اور جو لوگ اپنے کام پر غلبہ) و قدرت (رکھتے تھے) یعنی اہل حکومت تھے (انہوں نے کہا کہ ہم تو ان کے پاس ضرور ایک مسجد بنائیں گے) جس کا ثواب ان کو ملتا رہے گا۔

مذکورہ تنازعہ سے بات رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود لوگوں کے تنازعہ کی طرف پھر گئی جو یہ ہے کہ اصحاب کہف کا سن کر (بعض) لوگ تو (کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا ہے۔ یہ بن دیکھے پتھر چلانا ہے) یعنی یہ محض انکل کی باتیں ہیں (اور بعض کہیں گے کہ سات ہیں اور ان کا آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کی گنتی کو خوب جانتا ہے) اور (ان) کی صحیح تعداد (کو) لوگوں میں سے بس (کچھ قلیل ہی جانتے ہیں)۔ اور چونکہ ان کی تعداد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں ہے اس لئے تمہارا ان باتوں میں جھگڑنا بے فائدہ ہے (سو آپ) بھی (اصحاب کہف کے بارے میں مت جھگڑئے سوائے سرسری جھگڑے کے) جو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جتنی بات بتائی ہے اس کو بیان کر دیجئے اور اس سے زیادہ تحقیق کے درپے نہ ہوں (اور ان کے بارے میں کسی سے) بھی کچھ نہ پوچھئے اور نہ ہی ان کے بارے میں کسی سے (استفسار کیجئے)۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنہوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کرلیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دو قول کو رَجْمًا بِالْغَیْبِ فرمایا تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا۔

اصحاب کہف کے قصہ سے وابستہ چند ہدایات

1- آئندہ کے کسی کام پر انشاء اللہ کہنا چاہئے

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ

فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ

عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور مت کہہ کسی کام کو کہ میں کروں گا اس کو کل مگر یہ کہ چاہے اللہ۔ اور یاد کر اپنے رب کو جب تو بھول جائے اور کہہ امید ہے کہ دکھائے مجھ کو میرا رب اس سے بھی نزدیک تر درجہ میں۔

تفسیر: یہود کے سکھانے پر مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو آزمانے کے لئے اصحاب کہف کے بارے میں پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے اس بھروسہ پر کہ جبرئیل علیہ السلام آئیں گے تو ان سے دریافت کر لوں گا ان سے وعدہ کیا کہ کل بتا دوں گا اور انشاء اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پندرہ دن تک نہ آئے۔ آپ ﷺ نہایت غمگین ہوئے اور مشرکوں نے بھی ہنسنا شروع کر دیا۔ آخر حضرت جبرئیل علیہ السلام اصحاب کہف کے قصہ اور اس ہدایت پر مشتمل آیتیں لے کر آئے۔ اصحاب کہف کا قصہ اوپر ذکر ہوا (اور) ہدایت یہ تھی کہ (آپ کسی کام کو یوں نہ کہیں کہ میں اس کو کل کر دوں گا مگر) جب کہ ساتھ میں (یہ) کہیں (کہ اللہ چاہے) یعنی ساتھ میں انشاء اللہ کہہ لیا کریں۔ (اور جب) اتفاق سے (آپ) انشاء اللہ کہنا (بھول جائیں) اور بعد میں یاد آئے (تو) اس وقت انشاء اللہ کہہ کر (اپنے رب کا ذکر کر لیا کیجئے اور) آپ ان مشرکوں سے یہ بھی (کہہ دیجئے کہ) دیکھ لو وحی کی تاخیر کا وہ مطلب نہیں تھا جو تم لے رہے تھے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھلا دیا یا وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے بلکہ اس نے مجھے یاد رکھا ہے اور (مجھے امید ہے کہ میرا رب مجھے اس) موجودہ درجہ (سے بھی زیادہ قریب درجہ دکھائے گا) اور اس پر قائم کرے گا اور مجھے اور بھی زیادہ یاد رکھے گا۔

2- مختار کل صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَيْكَ مِنْ

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اور وہ رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زائد کیے انہوں نے نو سال۔ کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے۔ اس کے لئے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا۔ کیا ہی دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ نہیں ہے ان کے لئے اس کے سوا کوئی مختار اور نہیں شریک کرتا وہ اپنے حکم میں کسی کو۔

تفسیر: (اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال) سوتے (رہے اور ان پر نو سال اور زائد کیے) یعنی کل تین سو نو سال تک سوتے رہے۔ (اور) اگر اس کو سن کر مخالفین یہ کہیں کہ تاریخ دان تو مختلف مدت بتاتے ہیں تو (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب) اور بالکل صحیح صحیح (جانتا ہے) لہٰذا جو اس نے بتا دیا بس وہی صحیح ہے۔ اور اس کی بات صحیح کیوں نہ ہوگی اس کی تو شان یہ ہے کہ (تمام آسمانوں کا اور زمین کا علم غیب اسی کو ہے وہ کیا ہی دیکھنے والا اور کیا ہی سننے والا ہے)۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی اور عظیم الشان صفات بھی ہیں مثلاً لوگوں کے لئے (بس وہی اختیار) وقدرت والا (ہے اور) تنہا وہی حاکم ہے اور (وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا)۔

3- اصحاب کہف کے قصہ میں لوگوں سے نہ الجھے بلکہ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں ضروری آداب کے ساتھ مشغول رہیے۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ

كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ

فُرُطًا ﴿۲۸﴾ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ

فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظَّٰلِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن
يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ
سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٢٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ
مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣٠﴾ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ جَنَّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهِمُ
الْأَنْهَٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا
خُضْرًا مِّن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٔينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ ۚ نِعْمَ
الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣١﴾

ترجمہ: اور پڑھ جو وحی کی گئی تیری طرف تیرے رب کی کتاب سے۔نہیں ہے کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کو اور ہرگز نہ پائے گا تو اس کے سوا کوئی پناہ۔ اور روکے رکھ اپنے آپ کو ساتھ ان لوگوں کے جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام چاہتے ہیں اس کی رضا مندی۔ اور نہ تجاوز کریں تیری آنکھیں ان سے چاہتے ہوئے زینت حیات دنیوی کی۔ اور نہ اطاعت کر اس کی غافل کر دیا ہم نے جس کا دل اپنے ذکر سے اور اس نے پیروی کی اپنی خواہش کی اور ہے اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا۔ اور کہہ حق بات ہے تمہارے رب کی جانب سے۔تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ بے شک تیار کی ہم نے ظالموں کے لئے آگ۔گھیر رہی ہیں ان کو اس (آگ) کی قناتیں۔ اور اگر وہ فریاد کریں گے تو دیئے جائیں گے پانی پیپ جیسا بھون دیتا ہے چہروں کو۔ برا ہے مشروب اور بری ہے آرام کی جگہ۔ بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک ہم نہیں ضائع کرتے اجر اس شخص کا جس نے اچھا کیا (اپنے) عمل کو۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے باغ ہیں ہمیشہ رہنے کو بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ پہنائے جائیں گے ان (باغوں) میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے کپڑے سبز باریک اور موٹے ریشم کے۔ ٹیک لگائے ہوں گے ان میں مسہریوں پر۔ اچھا ہے بدلہ اور اچھی ہے آرام کی جگہ۔

تفسیر: اصحاب کہف کے قصہ کی غیر متعلقہ باتوں میں الجھنے کے بجائے آپ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہئے یعنی (آپ کے رب کی جو) جامع اور کافی وشافی (کتاب آپ کی طرف

وحی کی گئی ہے اس کو پڑھ) کر سنا (تے رہئے) اور اپنے کام میں مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ رکھئے:۔

1- (خدا کی باتوں) اور خدا کے وعدوں (کو کوئی بدلنے والا) یا ٹالنے والا (نہیں) یعنی یہ تبدیل نہیں ہوسکتیں اور نہ ٹل سکتی ہیں لیکن اگر آپ ان باتوں کو بدلنے کے در پے ہوں گے یا ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہوگی (اور) پھر (آپ اللہ کے سوا ہرگز کوئی پناہ نہ پائیں گے)۔

2- (اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں میں روکے رکھئے جو صبح اور شام) یعنی ہمیشگی کے ساتھ (اپنے رب کو پکارتے ہیں) اور اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس میں محض (اس کی رضا مندی کو چاہتے ہیں)۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے مخلص مومنوں کو اگرچہ وہ غریب ہوں اپنی صحبت سے مستفید کرتے رہئے اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔

3- (اور آپ کی نظریں) بڑے بڑے متکبر دنیا داروں کے اسلام قبول کرنے سے ہونے والی (دنیوی زندگی کی رونق کی چاہت میں ان) غریب شکستہ حال مخلص مسلمانوں (سے متجاوز نہ ہوں) کیونکہ اسلام کی اصلی عزت و رونق مادی خوشحالی اور سونے چاندی کے سکوں سے نہیں ہوتی بلکہ مضبوط ایمان و تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہوتی ہے۔

4- (اور ایسے شخص) کے ایمان لانے کی طمع میں اس (کی پیروی نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ) دین حق کی پیروی کرنے کے بجائے (اپنی) نفسانی (خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا) نفسانی خواہش کی پیروی کا (معاملہ حد سے گزر گیا ہے)۔

4- (اور آپ) ان منکروں پر واضح کر دیجئے کہ آپ تو دین کو پہنچانے والے اور اس کو بیان کرنے والے ہیں اور ماننے والوں کو خوشخبری دینے والے اور نہ ماننے والوں کو ڈرانے والے ہیں اور آپ کو خدائی اختیارات نہیں دیئے گئے۔ اس وضاحت کے بعد ان سے (فرما دیجئے کہ) یہ دین (حق تمہارے رب کی طرف سے) آیا (ہے) میرا گھڑا ہوا نہیں اور تم اسی کے آگے جوابدہ ہو (لہٰذا جس کا دل چاہے مانے اور جس کا دل چاہے نہ مانے) وہ خود تم سے نمٹ لے گا جس کی کچھ تفصیل اللہ تعالیٰ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ (ہم نے ظالم لوگوں کے لئے) یعنی نہ ماننے والوں کے لئے جہنم کی (آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں) جو خود آگ کی ہوں گی (جہنمیوں کو گھیریں گی اور اگر وہ) وہاں شدت پیاس کی وجہ سے پانی کی (فریاد کریں گے تو ان کو ایسا پانی پینے کو دیا جائے گا جو) بدصورتی میں (تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا) اور تیز اور گرم اس قدر ہوگا کہ پاس لاتے ہی (چہروں کو بھون ڈالے گا) اور جیسا کہ ایک حدیث میں ہے چہرے کی کھال اتر کر گر پڑے گی۔ وہ (کیا ہی برا مشروب ہوگا اور وہ) جہنم بھی (آرام

کی کیا ہی بری جگہ ہے) اور ان کے مقابلہ میں (جن لوگوں نے بات کو مانا اور انہوں نے نیک عمل کیے تو) ان کے بارے میں ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ (جو عمل کو اچھا کرے ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں کرتے)۔ سو (ان لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ ان کے) گھروں کے (نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے باریک اور موٹے ریشم کے کپڑے پہنیں گے اور وہاں مسہریوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور) جنت (کیا ہی اچھی آرام کی جگہ ہے)۔

ربط: اوپر جنت والوں اور جہنم والوں کا ذکر ہوا۔ جہنم والوں کا وہ انجام اس وجہ سے ہے کہ ان کا بھروسہ دنیوی مال و دولت اور باطل معبودوں پر ہوتا ہے حالانکہ یہ چیزیں بھروسہ کے قابل نہیں۔ آگے دو مثالوں سے ان چیزوں کی بے ثباتی کو اور ان کے ناقابل بھروسہ ہونے کو بتاتے ہیں۔

پہلی مثال

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا
لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا
بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّ
فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ
اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ
قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ
لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ
وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ
ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ
اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا
اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ
يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ
يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع

ترجمہ: اور بیان کر ان کے لئے حال دو آدمیوں کا۔ بنائے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگوروں کے اور گھیراؤ کیا ہم نے ان دونوں کا کھجور کے درختوں سے اور بنائی ہم نے ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ دونوں باغ دیتے اپنا پھل اور نہ کمی کرتے اس میں سے کچھ بھی۔ اور چلائی ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر۔ اور ہوا اس کے لئے پھل تو کہا اس نے اپنے ساتھی سے جب کہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے کہ میں کثیر تر ہوں تجھ سے مال میں اور غالب تر ہوں نفری میں۔ اور داخل ہوا وہ اپنے باغ میں اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والا تھا اپنے لئے۔ بولا نہیں میں خیال کرتا کہ برباد ہو گا یہ کبھی بھی اور نہیں میں گمان کرتا قیامت کو قائم ہونے والی۔ اور اگر لوٹایا گیا میں اپنے رب کی طرف تو میں ضرور پاؤں گا بہتر اس (باغ) سے پلٹنے کی جگہ۔ کہا اس کو اس کے ساتھی نے جب کہ وہ گفتگو کر رہا تھا اس سے کہ کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر پورا سالم بنایا تجھ کو مرد۔ لیکن وہ اللہ میرا رب ہے اور نہیں میں شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اور کیوں نہیں جب تو داخل ہوا اپنے باغ میں کہا تو نے ماشاء اللہ (جو اللہ چاہے وہی ہوتا ہے) اور لا قوۃ الا باللہ (جو بھی قوت ہے وہ اللہ کے دینے سے ہوتی ہے)۔ اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں قلیل تر ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو ہو سکتا ہے کہ میرا رب دے مجھ کو بہتر تیرے باغ سے اور بھیجے اس پر کوئی تقدیری آفت آسمان سے تو ہو جائے وہ (باغ) میدان چٹیل یا ہو جائے اس کا پانی اترا ہوا پھر تو طاقت نہ رکھے اس کو طلب کرنے کی۔ اور (آفت سے) گھیراؤ کیا گیا اس کے تمام پھل کا تو ہو گیا وہ کہ پلٹتا تھا اپنی ہتھیلیوں کو اس پر جو خرچہ کیا تھا اس نے اس (باغ) میں اور وہ باغ گرا ہوا تھا اپنی ٹٹیوں پر اور

کہتا تھا اے کاش نہ میں شریک کرتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو۔ اور نہ ہوئی اس کے لئے جماعت کہ (اس کے لوگ) مدد کرتے اس کی اللہ کے سوائے اور نہ تھا وہ (خود) بدلہ لینے والا۔ وہاں سارا اختیار ہوگا سچے اللہ کے لئے۔ وہ بہتر ہے ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہے بدلہ کے اعتبار سے۔

تفسیر: (اور آپ) دنیا کے مال و اسباب کی بے ثباتی اور معبودان باطل کے نا قابل بھروسہ ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے ان منکروں سے (دو شخصوں کا حال بیان کیجئے)۔ سو (ان دو) شخصوں (میں سے ایک کے لئے) جو بد دین تھا (ہم نے انگور کے دو باغ بنائے اور ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں کی باڑ کے ساتھ گھیراؤ کیا اور دونوں باغوں کے درمیان) جو چھوڑی ہوئی زمین تھی وہاں بھی (ہم نے کھیتی پیدا کی) تا کہ غلہ اور پھل سب تیار ملیں۔ (دونوں باغ اپنا) پورا (پھل دیتے اور پھل دینے میں کچھ کمی نہ کرتے تھے۔ اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے ایک نہر چلا رکھی تھی) تا کہ منظر فرحت بخش ہو (اور) اگر بارش نہ تب بھی باغ خشکی سے خراب نہ ہوں۔ ایک دفعہ حسب معمول (اس کے یہاں) خوب (پھل ہوا تو) اترانے لگا اور (اپنے ایک ساتھی سے) جس کی مالی حیثیت اس سے کہیں کم تھی لیکن پکا موحد اور خدا ترس تھا اور اس کو شرک سے تائب ہونے کی تلقین کر رہا تھا (گفتگو کرتے ہوئے کہنے لگا کہ) دیکھو (میں تم سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور) تم سے (نفری) یعنی اولاد (میں بھی غالب ہوں)۔ یہ بات میرے حق پر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر میرا مذہب باطل ہوتا تو میرے یہاں اس قدر فراوانی نہ ہوتی اور تمہارا مذہب حق ہوتا تو تمہاری مالی حالت اتنی کمزور نہ ہوتی کیونکہ دشمن کو کوئی نہیں نوازتا اور دوست کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ (اور) اسی دوران یعنی (جب کہ وہ) ایسی باتیں کر کے (اپنے آپ سے ظلم کر رہا تھا وہ اپنے باغ میں داخل ہوا تو) باغ کو پھلتا پھولتا دیکھ کر (کہنے لگا کہ) میں نے باغوں کی نشو و نما اور بقاء کے سب اسباب اکٹھے کر لئے ہیں اور (میں خیال نہیں کرتا کہ) میری زندگی میں (یہ کبھی بھی تباہ ہوں گے اور) رہا موت کے بعد کا قصہ سو اول تو (میں قیامت کو قائم ہونے والی خیال نہیں کرتا) کیونکہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے (اور) ہم خدا کے سامنے پیش ہوں یہ دور از کار باتیں ہیں۔ لیکن (اگر) ایسا ہوا اور (میں اپنے رب کی طرف لوٹایا) بھی (گیا تو پلٹنے کی جگہ اس باغ سے یقیناً زیادہ بہتر پاؤں گا)۔ آخر جب خدا ہم سے دنیا میں خوش ہے تو آخرت میں کیوں خوش نہ ہوگا۔ اس کی یہ باتیں سن کر (اس کے ساتھی نے جوابی گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم اس) پاک (ذات) کی توحید (کا انکار کرتے ہو جس نے تم کو) اس طرح سے پیدا کیا کہ اول تمہاری اصل یعنی آدم علیہ السلام کو (مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے) ان کی نسل چلائی اور تمہیں ان کی نسل میں سے کیا

(پھر تم کو صحیح و سالم آدمی بنا دیا)۔ پھر بھی تم اگر کفر و شرک کرتے ہو تو تم جانو (لیکن) میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ تنہا (وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے) بجائے اترانے کے (یہ کیوں نہ کہا کہ ماشاء اللہ) یعنی جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور (لاقوۃ الا باللہ) یعنی ہم میں جو بھی قوت و طاقت ہے وہ اللہ ہی کی امداد سے ہوتی ہے۔ اور (اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو تو) یہ جان لو کہ حق و باطل کا دارومدار ان چیزوں کے کم و زیادہ ہونے پر نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اس لئے (ہوسکتا ہے میرا رب) ہمارے حالات کو بدل دے اور (مجھے تمہارے باغ سے بہتر) مال (عطا فرما دے اور تمہارے باغ پر آسمان سے ایک تقدیری آفت بھیج دے اور وہ صرف ایک چٹیل میدان رہ جائے یا اس باغ کا پانی گہرائی میں اتر جائے پھر) اس کا ملنا تو دور کی بات ہے (تم اس کو طلب بھی نہ کرسکو)۔ آخر اس باغ میں وہی ہوا جو اس نیک مرد نے کہا تھا۔ آسمان سے کوئی آفت نازل ہوئی (اور اس کے) باغوں کے (تمام پھل کا، اس آفت کے ذریعہ (گھیراؤ کیا گیا) اور اس کو برباد کر دیا گیا (تو وہ) حسرت سے (اپنی ہتھیلیاں پلٹتا رہ گیا اس سرمایہ پر جو اس نے باغ میں لگایا تھا) کہ وہ اصل بھی گیا (اور وہ) باغ (اپنی ٹٹیوں پر گرا پڑا تھا اور وہ) ندامت سے یہ (کہتا تھا کہ اے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا)۔ غرض مال جاتا رہا اس کو ثبات نہ ہوا (اور نہ اس کے لئے کوئی جماعت ہوئی) نہ اس کی اولاد کی اور نہ باطل معبودوں کی (جس کے افراد اللہ کے سوائے اس کی مدد کرتے اور نہ خود) اس میں اتنی طاقت تھی کہ ہم سے (بدلہ لے سکتا)۔ اور (وہاں) یعنی آخرت میں تو (سارا اختیار صرف سچے اللہ کے لئے ہوگا اور ثواب کے اعتبار سے) بھی (اور بدلہ کے اعتبار سے) بھی (وہی بہتر ہے)۔

دوسری مثال

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ
اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا
تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ
زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا
وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور بیان کر ان کے لئے مثال حیات دنیوی کی جیسے پانی اتارا ہم نے اس کو آسمان سے پھر گنجان ہوگئی اس کے ذریعے سے نباتات زمین کی۔ پھر ہوگئی ریزہ ریزہ اڑاتی ہیں جس کو ہوائیں اور ہے اللہ ہر چیز پر قدرت والا۔ مال اور بیٹے زینت ہیں حیات دنیوی کے اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہیں امید کے اعتبار سے۔

تفسیر: (اور آپ ان) لوگوں (سے دنیوی زندگی کی) حالت کی (مثال بیان فرمائیے کہ وہ ایسی ہے جیسے) خشک و مردہ زمین پر (پانی جس کو ہم نے آسمان سے برسایا ہو پھر اس) پانی (کے ذریعہ زمین کی نباتات خوب گنجان ہوگئی پھر وہ) نباتات جو سرسبز اور تر و تازہ تھی خشک ہوکر (ریزہ ریزہ ہوگئی کہ اس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں)۔ یہی حال دنیوی زندگی اور اس کے ساز و سامان کا ہے کہ آج اس سے بھری ہوئی نظر آتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد اس کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ (اور) یہ سب کچھ (اللہ تعالیٰ) کے کرنے سے ہے کیونکہ وہ (ہر چیز پر قدرت والا ہے) جب چاہے کسی چیز کو ایجاد کرے اور ترقی دے اور جب چاہے اس کو فنا کر دے۔ دنیوی زندگی باقی نہیں رہتی تو (مال اور بیٹے) جو (دنیوی زندگی کی زینت) و رونق (ہیں) وہ بھی جلد ختم ہو جاتے ہیں۔ غرض کچھ باقی نہیں رہتا (اور) خود دنیا بھی فنا ہو جائے گی (باقی رہنے والی) چیزیں تو بس (نیکیاں) ہیں جو (آپ کے رب کے نزدیک) آخرت میں اس دنیا سے (ثواب کے اعتبار سے) بھی ہزار درجہ (بہتر ہیں اور) آخرت میں پوری ہونے والی (امید کے اعتبار سے) بھی (بہتر ہیں) جب کہ دنیا اور اس کی چیزوں سے وابستہ امیدوں کے پورا ہونے کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔

ربط: اوپر دنیا کے فنا ہونے اور آخرت کے ہونے کا ذکر ہوا تو آگے ان کے کچھ احوال بتاتے ہیں جن سے دنیا کی بے ثباتی اور باطل معبودوں کے نا قابل بھروسہ ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً لا وَّ

حَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ج ﴿۴۷﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ

لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا

فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا

كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

ترجمہ: اور جس دن ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو اور تو دیکھے گا زمین کو کھلی ہوئی اور اکٹھا کریں گے ہم ان کو پھر نہ ہم چھوڑیں گے ان میں سے کسی ایک کو۔ اور وہ پیش کئے جائیں گے تیرے رب پر صفیں باندھے ہوئے۔ آ پہنچے تم ہمارے پاس جیسا پیدا کیا ہم نے تم کو پہلی مرتبہ بلکہ دعویٰ کرتے تھے تم کہ ہرگز نہ ہم کریں گے تمہارے لئے وعدہ کا وقت۔ اور رکھا جائے گا نامہ اعمال تو تو دیکھے گا مجرموں کو خوفزدہ اس سے جو اس میں (لکھا) ہے اور کہیں گے ہائے ہماری کمبختی کیا ہوا اس نامہ اعمال کو کہ نہیں چھوڑتا صغیرہ گناہ کو اور نہ کبیرہ گناہ کو مگر یہ کہ اس نے شمار کر لیا ہے اس کو اور وہ پائیں گے جو انہوں نے عمل کئے حاضر اور نہیں ظلم کرے گا تیرا رب کسی ایک پر۔

تفسیر: اور اس دن کو یاد کرنا چاہئے (جس دن ہم پہاڑوں کو) اول ان کی جگہ سے (ہٹا دیں گے) پھر ان کو ریزہ ریزہ کر دیں گے (اور) اس وجہ سے کہ پہاڑ اور درخت اور عمارتیں نہ رہیں گی (آپ زمین کو کھلا) میدان (دیکھیں گے اور ہم ان) سب (کو) قبروں سے اٹھا کر میدان حساب میں (اکٹھا کر دیں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑیں گے) کہ وہ وہاں نہ لایا جائے۔ (اور سب) کے سب (آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے پیش کئے جائیں گے) اور ان میں سے جو قیامت کو جھٹلاتے تھے ان سے کہا جائے گا کہ دیکھو (جیسا کہ ہم نے تم کو پہلی بار) دنیا میں (پیدا کیا تھا اسی طرح) آخر (تم) دوبارہ پیدا ہو کر (ہمارے پاس آ پہنچے ہو) مگر تم اول مرتبہ کی تخلیق کو دیکھنے کے باوجود دوسری مرتبہ کی تخلیق کے قائل نہ ہوئے (بلکہ تم دعویٰ کرتے رہے کہ ہم تمہارے) دوبارہ پیدا کرنے کے (لئے ہرگز کوئی وقت موعود نہ بنائیں گے۔ اور نامہ اعمال) ان کے سامنے کھلا ہوا (رکھ دیا جائے گا اور آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ) لکھا (ہوگا اس سے خوفزدہ ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری کمبختی اس نامہ اعمال کو کیا ہوا کہ نہ صغیرہ گناہ کو چھوڑتا ہے اور نہ کبیرہ گناہ کو چھوڑتا ہے مگر یہ کہ اس کو شمار کیا ہوا ہے اور انہوں نے) دنیا میں (جو کچھ عمل کیا وہ سب) لکھا ہوا (موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا) کہ نہ کئے ہوئے گناہ کو لکھ لے یا پوری شرائط کے ساتھ کی ہوئی نیکی کو نہ لکھے۔

ربط: دنیا کے ساز و سامان کے پیچھے لگنا اور باطل معبودوں پر بھروسہ کرنا دراصل شیطان کی پیروی کرنا ہے جو کہ انسانوں کا ازلی دشمن ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿٥٠﴾ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ
خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ
الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ
فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ
النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾

ترجمہ: اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ کیا انہوں نے سوائے ابلیس کے۔ تھا وہ جنوں میں سے تو نافرمانی کی اس نے حکم کی اپنے رب کے۔ کیا پس تم بناتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو دوست میرے سوائے حالانکہ وہ ہیں تمہارے دشمن۔ برا ہے ظالموں کے لئے بدل۔ نہیں دکھایا میں نے ان کو بنانا آسمانوں کا اور زمین کا اور نہ (ہی) بنانا خود ان کا اور نہیں ہوں میں بنانے والا بہکانے والوں کو (اپنا) مددگار۔ اور جس دن وہ کہے گا کہ پکارو میرے شریکوں کو جن کا تم دعویٰ کرتے تھے سو وہ پکاریں گے ان کو تو وہ نہ جواب دیں گے ان کو اور بنا دیں گے ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ۔ اور دیکھیں گے مجرم لوگ آگ کو تو یقین کر لیں گے کہ وہ گرنے والے ہیں اس میں اور نہیں پائیں گے اس سے پھرنے کی راہ۔

تفسیر: (اور) وہ وقت یاد کرو (جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم) علیہ السلام (کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جنوں میں سے تھا) اور عبادت میں ترقی کر کے فرشتوں کے گروہ میں شامل ہو گیا تھا اس لئے فرشتوں کو جو سجدہ کا حکم ہوا (تو) اس کو بھی ہوا۔ اس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی اور اس نے تکبر کر کے (اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی)۔ سو جب ابلیس ایسا ہے (تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی اولاد) اور اس کے پیروکاروں (کو) اپنا (دوست) اور خیر خواہ و مددگار (بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے) ازلی (دشمن ہیں۔ یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے اور تم جیسے (ظالم لوگوں کے لئے) میرے بجائے شیطان کا دوست ہونا (برا بدل ہے)۔ اور تمہارا ان کو میرا شریک ٹھہرانا تو بالکل

باطل ہے کیونکہ میں نے عالم کی ایجاد وتکوین میں ان سے کچھ مشورہ نہیں لیا (نہ) تو (میں نے آسمانوں اور زمین کا بنانا ان کو) بلا کر (دکھایا) کہ اگر کچھ اونچ نیچ رہ گئی ہو تو نشاندہی کر دیں اور مشورہ دے دیں (اور) نہ (خود ان کو بنانا) بھی ان کو دکھلایا یعنی ان سے نہیں پوچھا کہ تم کو کیسا بنایا جائے۔ (اور) بفرض محال میں کسی سے مدد بھی لیتا تو (میں) اپنی راہ سے (بہکانے والوں کو) تو بالکل بھی اپنا (مددگار بنانے والا نہیں۔اور) ان کو میرا شریک ٹھہرانے اور ان کو دوست بنانے کی حقیقت بھی اس دن کھل جائے گی (جس دن اللہ تعالیٰ) مشرکوں سے (کہے گا کہ میرے ان شریکوں کو) اپنی مدد کے لئے (پکارو جن کا تم دعویٰ کرتے تھے) کہ وہ خدائی میں میرے ساتھ شریک ہیں (سو وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب ہی نہ دیں گے) جس سے دوستی کی ساری قلعی کھل جائے گی (اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کی جگہ) یعنی آگ کی خندق (بنا دیں گے) تاکہ وہ ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جا سکیں اور اس طرح سے مدد کی توقع ہی نہ رہے (اور) یہ (مجرم) پہلے تو معافی کی کچھ امید رکھتے ہوں گے لیکن (جب) یہ جہنم کی (آگ کو دیکھیں گے تو یقین کرلیں گے کہ) اب (وہ اس میں گرنے) ہی (والے ہیں اور وہ اس سے پھرنے) اور فرار ہونے (کی کوئی جگہ بھی نہ پائیں گے)۔

ربط: اوپر سے جہنم والوں کا ذکر آرہا ہے۔ آگے ان کی کچھ اور خصلتیں ذکر کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ

صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ
شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا
رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا
هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ
مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ
اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ
الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ
الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

ترجمہ: طرح طرح سے بیان کیا ہے ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر مضمون سے اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑنے میں۔ اور نہیں روکا لوگوں کو کہ ایمان لائیں جب آئی ان کے پاس ہدایت اور بخشش طلب کریں اپنے رب سے مگر اس بات نے کہ آئے ان کے پاس طریقہ پہلوں کا یا آئے ان کے پاس عذاب سامنے کا۔ اور نہیں بھیجا ہم نے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور جھگڑتے ہیں کافر باطل کے ساتھ (مسلح ہو کر) تا کہ ٹلا دیں اس (باطل) سے حق بات کو اور انہوں نے بنا لیا میری آیتوں کو اور جو وہ ڈراوا دئے گئے (اس کو) مذاق۔ اور کون زیادہ ظالم ہوگا جو نصیحت کیا گیا اپنے رب کی آیتوں کے ساتھ تو اس نے ان سے اعراض کیا اور بھول گیا جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے۔ بے شک کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر پردے اس سے کہ وہ سمجھیں اس کو اور ان کے کانوں میں بوجھ (کر دیا)۔ اور اگر تو بلائے ان کو ہدایت کی طرف تو ہرگز ہدایت نہ پائیں اس حالت میں کبھی بھی۔ اور تیرا رب بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر مواخذہ کرے ان کا اس پر جو انہوں نے کیا تو جلد لے آئے ان کے لئے عذاب کو۔ بلکہ ان کے لئے وعدہ کا وقت ہے کہ ہرگز نہیں پائیں گے اس سے ورے کھسکنے کی جگہ۔ اور یہ بستیاں ہیں ہلاک کیا ہم نے ان کے لوگوں کو جب انہوں نے ظلم کیا اور کیا ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے وعدہ کا وقت۔

تفسیر: پہلی خصلت: کٹ حجتی کرتے ہیں۔

(اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں) کی ہدایت (کے واسطے ہر قسم کے) ضروری عمدہ (مضمون طرح طرح سے بیان فرمائے اور) اس کے باوجود منکر (انسان) کا یہ حال ہے کہ وہ ناحق (جھگڑنے میں سب سے زیادہ ہے) کہ کٹ حجتی کرتا ہے اور جب دلائل کا جواب نہیں بنتا تو فضول فرمائشیں شروع کر دیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تب مانوں گا۔

دوسری خصلت: انتہائی ضد و عناد میں مبتلا ہیں

(اور) ان (لوگوں کے پاس) قرآن جیسی عظیم الشان (ہدایت آ جانے کے بعد ان) کو چاہئے تھا

کہ وہ اس کے کہے پرعمل کرتے لیکن اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے انہوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس (کے) کہے پر عمل کرنے سے یعنی (ایمان لانے سے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے ان کو اس بات) کے انتظار (نے روک دیا ہے کہ پہلے لوگوں) کی ہلاکت (کا معاملہ ان کے ساتھ پیش آئے یا عذاب) الہی (ان کے سامنے آ کھڑا ہو) یعنی جب یہ باتیں ہوں گی اس وقت ایمان لائیں گے لیکن اس وقت ایمان لانا کچھ مفید نہ ہوگا۔

تیسری خصلت: حق کی مخالفت اور اس کا استہزاء کرتے ہیں

(اور رسولوں کو ہم صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو ہمارا دین پہنچا کر ماننے پر (خوشخبری دیں اور) نہ ماننے پر (ڈرائیں)۔ وہ تو صرف ذریعہ ہیں اصل بھیجنے والے ہم ہیں تو ان سے جھگڑنے کا کیا فائدہ۔ لیکن (یہ کافر لوگ) پھر بھی (باطل) دلائل (کے سہارے) ہمارے رسولوں سے (جھگڑتے ہیں تاکہ) اس (باطل) اور جھوٹ (سے حق کو) پست کر دیں اور اس کو (ٹلا دیں اور انہوں نے میری آیتوں کو اور جس) عذاب (کا وہ ڈراوا دیئے گئے ہیں اس کو ہنسی مذاق بنا لیا ہے)۔

چوتھی خصلت: عقل وحواس سے کچھ کام نہیں لیتے

(اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے روگردانی کرے اور) تکذیب حق اور استہزاء وتمسخر کا (جو) ذخیرہ (اپنے ہاتھوں آگے بھیجا ہے اس) کی سزا (کو) بالکلیہ (بھلائے رکھے) اور اس کو کبھی نہ سوچے۔ ان کے ان ہی اعمال کی وجہ سے (ہم نے اس سے کہ) مبادا (یہ حق بات کو سمجھ سکیں ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں اور) اس سے کہ مبادا حق بات کو سنجیدگی سے سن سکیں (ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیا ہے) یعنی ڈاٹ دے دی ہے۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے ہیں پھر حق کی طرف کیسے متوجہ ہوں گے۔ (اگر) اس حالت میں (ان) لوگوں (کو آپ ہدایت کی طرف بلائیں تو یہ) اپنی (اس حالت میں کبھی بھی راہ ہدایت پر نہیں آئیں گے)۔

حاصل کلام

یہ ہے کہ ان کی یہ خصلتیں (اور) حرکتیں ایسی ہیں کہ ان پر عذاب آنے میں کچھ بھی تاخیر نہ ہو مگر (آپ کا مغفرت والا رب رحمت والا حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت اور رحمت خاصہ فوراً تباہ کرنے سے مانع ہے اور وہ موقع دیتا ہے کہ آدمی توبہ کر لے ورنہ وہ کمال قدرت والا بھی ہے کہ (اگر وہ ان کے کئے پر ان کی گرفت کرے تو ان کے لئے جلد عذاب لے آئے)۔ اور اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ پھر ان پر

عذاب ہوگا ہی نہیں (بلکہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے وعدہ کا ایک وقت مقرر ہے کہ اس سے ورے وہ کھسکنے کی ہرگز کوئی جگہ نہ پائیں گے) یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کسی جگہ جا کر پناہ لے سکیں۔ (اور) ہمارے اس دعوے پر (یہ بستیاں) گواہ ہیں کہ (ہم نے ان کے لوگوں کو جب انہوں نے ظلم کیا) اپنی قدرت سے ہلاک کر دیا (اور ہم نے ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا تھا)۔

ربط: اوپر کے مضمون کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت کا ذکر ہوا تو آگے اس قدرت وحکمت کا مزید اظہار فرماتے ہوئے دو قصے ذکر کرتے ہیں ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر کا اور دوسرا ذوالقرنین کا۔

پہلا قصہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ

وَاِذْ قَالَ

مُوسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰىٓ اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾
فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ
سَرَبًا ﴿۶۱﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا
هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ
وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ
عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا
عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ
رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا
لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ
لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝٧٠ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰىٓ اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ
اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝٧١ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ
اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝٧٢ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَ
لَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۝٧٣ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰىٓ اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ
قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۝٧٤
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝٧٥ قَالَ اِنْ
سَاَلْتُكَ عَنْ شَىْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِىْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ
لَّدُنِّىْ عُذْرًا ۝٧٦ فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَآ
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ
يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝٧٧ قَالَ
هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ
عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝٧٨ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِى الْبَحْرِ
فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ
غَصْبًا ۝٧٩ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝٨٠ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ
اَقْرَبَ رُحْمًا ۝٨١ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ
وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ
يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا

فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ؕ﴿۸۲﴾ ع

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان سے کہ نہ ہٹوں گا میں یہاں تک کہ پہنچ جاؤں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تک یا چلتا رہوں زمانوں تک۔ پھر جب دونوں پہنچے ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ تو وہ بھول گئے اپنے مچھلی کو اور اس مچھلی نے پکڑی اپنی راہ دریا میں سرنگ بنا کر۔ پھر جب وہ دونوں آگے چلے تو کہا موسیٰ نے اپنے جوان سے لاؤ ہمارے پاس ہمارا کھانا، پائی ہے ہم نے اپنے اس سفر سے مشقت۔ کہا دیکھئے جب ٹھہرے تھے ہم اس پتھر کے پاس تو میں بھول گیا تھا مچھلی کو اور نہیں بھلوائی مجھ کو وہ (مچھلی) مگر شیطان نے اس سے کہ میں تذکرہ کروں اس کا اور پکڑی اس نے اپنی راہ دریا میں عجیب طرح۔ کہا وہی تو ہے جو ہم تلاش کرتے تھے۔ تو وہ دونوں الٹے پھرے اپنے نقش پا پر پہچانتے ہوئے۔ پھر پایا انہوں نے ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے دی ہم نے اس کو رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم۔ کہا اس سے موسیٰ نے کیا میں پیچھے لگوں تمہارے اس شرط پر کہ تم سکھاؤ گے مجھ کو اس میں سے جو سکھائے گئے تم مفید علم۔ بولا کہ تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے میرے ساتھ صبر کرنے کی۔ اور کیسے تم صبر کرو گے اس چیز پر نہیں احاطہ کیا تم نے جس کا واقفیت سے۔ کہا تم پاؤ گے مجھے اگر چاہا اللہ نے صبر کرنے والا اور نہیں نافرمانی کروں گا تمہارے کسی حکم کی۔ بولا پھر اگر پیچھے لگو تم میرے تو مت سوال کرنا مجھ سے کسی شے کے بارے میں یہاں تک کہ میں خود شروع نہ کروں تمہارے لئے اس کا تذکرہ۔ وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ سوار ہوئے ایک کشتی میں تو پھاڑ ڈالا اس کو۔ کہا کیا پھاڑ دیا تم نے اس کو تا کہ تم غرق کرو اس کے لوگوں کو۔ یقیناً تم نے کیا ہے کام انوکھا۔ بولا کیا نہیں کہا تھا میں نے کہ تم ہرگز طاقت نہیں رکھو گے میرے ساتھ صبر کرنے کی۔ کہا مت گرفت کرو میری میرے بھولنے پر اور مت ڈالو مجھ پر میرے معاملہ میں تنگی۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ وہ ملے ایک لڑکے سے تو اس نے قتل کر دیا اس (لڑکے) کو۔ کہا کیا قتل کیا تم نے ایک نفس پاکیزہ کو بغیر کسی جان کے۔ یقیناً کیا ہے تم نے کام برا۔ بولا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم کو کہ تم ہرگز طاقت نہ رکھو گے میرے ساتھ صبر کرنے کی۔ کہا اگر سوال کروں میں تم سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو مت ساتھ رکھنا مجھ کو۔ تم پہنچ چکے ہو میری طرف سے عذر کو۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب وہ آئے ایک بستی والوں کے پاس کھانا مانگا ان دونوں نے بستی کے لوگوں سے تو انہوں نے انکار کیا کہ مہمانی کریں ان دونوں کی۔ پھر پائی ان

دونوں نے ایک دیوار جو ٹوٹا ہی چاہتی تھی تو اس نے سیدھا کر دیا اس کو۔ کہا اگر تم چاہتے تو تم لیتے اس پر اجرت۔ بولا یہ جدائی ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ میں بتاتا ہوں تم کو حقیقت اس بات کی نہیں طاقت رکھی تم نے جس پر صبر کرنے کی۔ رہی کشتی تو وہ تھی چند مسکینوں کی جو کام کرتے تھے دریا میں۔ سو میں نے ارادہ کیا کہ میں عیب دار کر دوں اس کو اور تھا ان کے آگے بادشاہ جو لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر۔ اور رہا لڑکا تو تھے اس کے والدین ایمان والے۔ سو خوف کیا ہم نے کہ وہ عاجز کر دے ان کو سرکشی اور کفر سے۔ تو ارادہ کیا ہم نے کہ بدل دے ان کو ان کا رب بہتر اس سے پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں۔ اور رہی دیوار تو وہ تھی دو یتیم لڑکوں کی جو تھے شہر میں اور تھا اس کے نیچے خزانہ ان دونوں کا اور تھا ان کا باپ نیک۔ تو چاہا تیرے رب نے کہ وہ پہنچیں اپنی جوانی کو اور وہ نکالیں اپنے خزانے کو مہربانی سے تیرے رب کی جانب سے۔ اور نہیں کیا میں نے اس کو اپنی رائے سے۔ یہ حقیقت ہے اس بات کی کہ نہیں طاقت رکھی تم نے جس پر صبر کرنے کی۔

تفسیر: (اور) وہ وقت یاد کرو (جب) اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قدرت وحکمت کے کچھ اسرار دکھلائیں تو ان کو حکم دیا کہ وہ مجمع البحرین یعنی دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ جائیں جہاں ان کو ایک صاحب ملیں گے ان سے استفادہ کریں۔ ان صاحب کے نشان و پتہ کے لئے بتایا کہ ایک مچھلی ساتھ رکھ لو جہاں مچھلی گم ہو سمجھنا کہ اسی جگہ وہ صاحب موجود ہیں۔ گویا مجمع البحرین سے جو ایک وسیع علاقہ مراد ہوتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرمادی (موسیٰ) علیہ السلام (نے) اسی ہدایت کے موافق (اپنے خادم) خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لے کر سفر شروع کیا اور یوشع (کو کہا) کہ مچھلی کا خیال رکھنا (میں نہیں ہٹوں گا) اور چلتا ہی رہوں گا (یہاں تک کہ مجمع البحرین تک پہنچ جاؤں یا) اپنی منزل کو حاصل کرنے تک یونہی (زمانوں تک چلتا رہوں گا۔ جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے اور) موسیٰ علیہ السلام ایک بڑے پتھر کے قریب سو رہے۔ اتنے میں یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ مچھلی اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر تھیلے سے نکلی اور (اس نے) عجیب طریقے سے (دریا میں سرنگ سی بناتے ہوئے اپنے جانے کی راہ پکڑی)۔ یوشع اس کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور چاہا کہ موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوں تو ان سے کہیں لیکن جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو ان کو بتانا یاد نہ رہا۔ دونوں آگے چل پڑے۔ اب (جب) منزل سے (دونوں آگے بڑھے تو) چلنے میں تھکان محسوس کی۔ آخر ایک جگہ رک کر (موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا کھانا تو لاؤ) عجیب بات ہے کہ ہمیں اپنے پہلے سفر سے تھکان نہیں ہوئی لیکن (ہم نے اپنے اس سفر میں تکلیف پائی ہے)۔ اس

وقت یوشع کو مچھلی کا قصہ یاد آیا (کہا کہ دیکھئے جب ہم بڑے پتھر کے قریب ٹھہرے تھے تو) وہاں مچھلی کا عجیب قصہ پیش آیا۔ تھا لیکن پھر (مچھلی کو میں بالکل ہی بھول گیا اور آپ سے اس کا تذکرہ کرنے کو شیطان نے) وسوسہ اندازی کر کے (مجھے بھلوا دیا اور) وہ قصہ یہ ہوا کہ (مچھلی نے) زندہ ہو کر (عجیب طریقہ سے اپنا راستہ دریا میں بنا لیا تھا)۔ موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ وہ ہی تو جگہ تھی جس کو ہم تلاش کر رہے تھے) ہم کو وہیں واپس چلنا ہو گا۔

(سو دونوں اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے واپس لوٹے پھر) وہاں (انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے) خضر علیہ السلام (کو پایا جن کو ہم نے اپنے پاس سے) خاص رحمت (عطا کی اور ہم نے اپنے پاس سے ان کو) اسرار کونیہ یعنی عالم کے واقعات وحوادث کے اسرار کا (علم سکھایا۔ ان سے موسیٰ) علیہ السلام (نے کہا کہ کیا) مجھے اجازت ہے کہ (میں آپ کے ساتھ چلوں اس بات پر کہ) اسرار کونیہ کا (جو مفید علم آپ کو) اللہ تعالیٰ کی جانب سے (سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں)۔ خضر علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ وہ خود تو اس بات کے پابند ہیں کہ عالم کے واقعات کا جزئی علم پا کر اس کے مطابق عمل کریں جب کہ موسیٰ علیہ السلام کے علوم کا تعلق تشریعی قوانین اور کلیات سے ہے اور وہی علوم ان میں رچے بسے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مخصوص اسباب وعوارض کی بنیاد پر ہونے والا جو کام بھی وہ شرعی قوانین کے خلاف ہوتا دیکھیں گے تو صبر نہ کر سکیں گے اور اعتراض کریں گے جس کی وجہ سے میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا اس لئے (کہا) کہ (آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے اور جن امور کا آپ نے اپنی واقفیت) اور اپنے علم (سے احاطہ نہیں کیا آپ ان پر صبر کیسے کر سکتے ہیں)۔ موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ تھا کہ ایسے مقرب اور مقبول بندے سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئے گی جو اعلانیہ ان کی شریعت بلکہ کسی بھی شریعت اور اخلاقی ضابطہ کے خلاف ہو۔ اس لئے (انہوں نے فرمایا کہ) نہیں (انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے اور میں کسی بات میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا)۔ خضر علیہ السلام نے (کہا) اچھا (اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو) پھر اتنا خیال رہے کہ (آپ مجھ سے) میرے (کسی کام کے بارے میں مت پوچھئے گا یہاں تک کہ میں خود آپ سے اس کا تذکرہ کروں)۔

غرض باہم قول واقرار ہو گیا (تو دونوں ایک طرف کو چلے یہاں تک کہ) چلتے چلتے ایک دریا تک پہنچے۔ آگے جانے کے لئے (جب ایک کشتی پر سوار ہوئے تو خضر) علیہ السلام نے اپنی غیر معمولی خداداد قوت سے محض انگلی کے اشارہ سے یا ہاتھ کے معمولی دباؤ سے کشتی میں سوراخ کر دیا)۔ موسیٰ علیہ السلام نے (فرمایا کہ کیا آپ نے کشتی میں اس لئے سوراخ کیا کہ اس کے لوگوں) یعنی مسافروں (کو آپ)

دریا میں (غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے انوکھی بات کی ہے)۔ خیر کشتی میں خرق عادت کے طور پر پانی داخل نہیں ہوا۔ خضر علیہ السلام نے (کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ) میری باتوں پر (صبر نہ کر سکیں گے)۔ آخر وہی ہوا اور آپ اپنے قول پر قائم نہ رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (فرمایا) میں بھول گیا تھا سو (آپ میری بھول چوک پر میری گرفت نہ کیجئے اور آپ) کے ساتھ (میرے) چلنے کا جو (معاملہ) ہے اس (میں مجھ پر تنگی نہ ڈالئے) کہ بھول چوک کی بھی معافی نہ ہو۔ خیر (وہ دونوں) پھر اور آگے (چلے یہاں تک کہ ایک) آبادی میں ایک کمسن (بچے سے ملے تو خضر) علیہ السلام (نے) اپنے ہاتھ کے اشارے سے (اس کو قتل کر ڈالا)۔ موسیٰ علیہ السلام گھبرا کر (کہنے لگے کہ کیا آپ نے ایک) بے گناہ (پاکیزہ جان کو مار ڈالا اور وہ بھی (کسی جان کے) بدلے کے (بغیر۔ بے شک آپ نے تو یہ بڑی بے جا حرکت کی) کہ اول تو نابالغ کو قتل کیا جس کو قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاتا پھر اس نے تو کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا تھا جو بذات خود قصاص کا سبب ہوتا۔ خضر علیہ السلام نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو یاد دلاتے ہوئے (کہا کہ کیا میں نے) پہلے ہی (آپ کو نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے)۔ موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ) واقعی مجھ سے صبر نہیں ہو سکا۔ بہتر ہے کہ آپ مجھے ایک موقع اور دے دیجئے۔ (اس دفعہ کے بعد بھی اگر میں کسی کام کے بارے میں آپ سے سوال کروں تو آپ بے شک مجھے ساتھ نہ رکھئے گا۔ واقعی آپ میری طرف سے عذر) کے آخری درجے (کو پہنچ گئے ہیں۔ وہ دونوں پھر) آگے (چلے یہاں تک کہ جب ایک بستی پر گزر ہوا تو بستی والوں سے کھانے کو مانگا) کہ ہم مہمان ہیں لیکن (انہوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا)۔ خضر علیہ السلام نے ان کی بے مروتی اور تنگ دلی پر غصہ نہ کیا بلکہ الٹا ان پر یہ احسان کیا کہ جب اس بستی میں (ان دونوں کو ایک دیوار ملی جو گرا ہی چاہتی تھی خضر) علیہ السلام (نے) ہاتھ کے اشارے سے (اس کو سیدھا کر دیا)۔ موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت ہی لے لیتے) کہ ہمارے کھانے کا بندوبست بھی ہوتا اور ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح بھی ہوتی ورنہ ایسے لوگوں کے ساتھ رعایت و احسان کرنے سے ان کی بد خلقی میں اضافہ ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام چونکہ اس موقع پر بھی بول اٹھے اس لئے (خضر) علیہ السلام (نے کہا) اب (یہ وقت میرے اور آپ کے درمیان علیحدگی کا ہے) لیکن جدا ہونے سے پہلے (میں آپ کو ان باتوں کی حقیقت بتا دیتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے)۔

(وہ جو کشتی تھی سو چند) غریبوں (مسکینوں کی تھی جو) اس کے ذریعہ سے (دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے) اور اسی پر ان کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ (سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں) جس کی وجہ یہ تھی (کہ ان لوگوں کے آگے) جس طرف کو کشتی جا رہی تھی (ایک) ظالم (بادشاہ ہر)

اچھی (کشتی کو چھین لیتا) یا بیگار میں پکڑ لیتا (تھا)۔عیب دار ہونے کی وجہ سے وہ کشتی اس بادشاہ کے دستبرد سے محفوظ رہی۔

(اور رہا وہ لڑکا تو اس کے ماں باپ ایمان والے تھے) اور اس بچے سے بہت محبت کرتے تھے لیکن ماحول کے بعض اثرات سے اس بچے کے اندر برائی کی بنیاد پڑ گئی تھی جس کا علم اللہ تعالیٰ کو تھا۔ وہ بچہ بڑا ہوتا (تو) بدراہ ہوتا اور (ہمیں قوی اندیشہ تھا) جب کہ اللہ تعالیٰ کو تحقیق تھی (کہ وہ ان دونوں) ماں باپ (کو) بھی (سرکشی اور کفر سے عاجز کر دے گا اور وہ اپنی محبت کے سبب بددینی میں اس کا ساتھ دینے لگیں گے۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں اس لئے حکمت الٰہیہ کا یہ تقاضا ہوا کہ اس میں مخل ہونے والے کو ہی دور کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں لڑکے کو قتل کر دوں تو میں نے خدا کے حکم کو پورا کیا۔ لڑکے کے مارے جانے سے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا (تو ہم کو) اللہ کے چاہنے سے یہ (منظور ہوا کہ ان کا رب اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے جو) اخلاق (پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور ان کے ساتھ محبت) وتعظیم (کرنے میں اس سے بڑھ کر ہو)۔

(اور رہی) وہ (دیوار تو) اصل میں (وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے ہیں اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے) جو ان کے باپ نے ان کے لئے دفن کیا تھا۔ اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا مال کھل جاتا اور بدنیت لوگ اسے اٹھا لیتے۔ لیکن (ان بچوں کا باپ نیک آدمی تھا)۔ اس کی نیکی کی رعایت سے (آپ کے رب نے اپنی مہربانی سے چاہا) کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے یہاں تک (کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور خود اپنے خزانے کو نکالیں) اس لئے مجھے حکم دیا کہ میں اس دیوار کو سیدھا کر دوں تو میں نے اس کو سیدھا کر دیا (اور میں نے اس کو اپنی مرضی سے نہیں کیا)۔ اور جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہو اس پر اجرت لینا مقربین کا کام نہیں ہے۔ غرض (یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن پر آپ صبر نہ کر سکے)۔

فائدہ: قرآن اور حدیث میں صرف خضر علیہ السلام کے بارے میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے تکوینیات میں کام لیا۔ کیا ان کی طرح کے اور لوگ بھی ہوتے ہیں یا ہوئے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اس کا نہ تو اثبات ہے اور نہ ہی نفی ہے۔ لہٰذا اور بھی ہوتے ہوں تو اس کا امکان واحتمال ہے لیکن کسی پختہ دلیل کے بغیر کسی بھی شخص کو خضر صفت مان لینا اگرچہ وہ شریعت سے کتنا ہی دور ہو محض توہم پرستی ہے۔

دوسرا قصہ: ذوالقرنین کا قصہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ ٨٣
اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۙ ٨٤ فَاَتْبَعَ
سَبَبًا ٨٥ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ
عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ
اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ٨٦ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ
فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ٨٧ وَاَمَّا
مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ
مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ ٨٨ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ٨٩ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ ٩٠
كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ٩١ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ٩٢ حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ٩٣ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ
مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ
تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ٩٤ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ
بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ٩٥ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى
اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ
قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ ٩٦ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ
مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ٩٧ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ

وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ﴿٩٨﴾

ترجمہ: اور یہ سوال کرتے ہیں تجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں ۔ کہہ دے میں پڑھتا ہوں تم پر اس کا کچھ تذکرہ۔ ہم نے حکومت دی اس کو زمین میں اور دیا ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان۔ پھر وہ لگا ایک راہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا اس کو کہ ڈوب رہا ہے دلدلی زمین میں اور پایا اس کے پاس لوگوں کو۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین یا تو تو عذاب دے ان کو اور یا تو اختیار کر ان کے بارے میں حسن سلوک کو۔ بولا رہا وہ جس نے ظلم کیا ہوگا تو ہم عذاب دیں گے اس کو پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف پھر وہ عذاب دے گا اس کو عذاب برا۔ اور رہا وہ جو ایمان لایا اور عمل کیا نیک تو اس کے لئے ہے بدلہ بھلائی کا اور کہیں گے ہم اس کو اپنے کام کے لئے آسان بات۔ پھر وہ لگا ایک راہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا سورج نکلنے کی جگہ کو تو پایا اس کو کہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنایا ہم نے ان کے لئے سورج سے ورے کوئی حجاب۔ یونہی ہے۔ اور احاطہ کیا ہے ہم نے جو اس کے پاس ہے خبر کا۔ پھر وہ لگا ایک راہ پر یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان پایا ان سے ورے کچھ لوگوں کو جو قریب نہ تھے کہ سمجھیں بات کو۔ انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین بلاشبہ یاجوج اور ماجوج فساد کرتے ہیں زمین میں تو کیا ہم مقرر کر دیں تیرے لئے کوئی ٹیکس اس شرط پر کہ تو بنا دے ہمارے درمیان اور ان کے درمیان ایک دیوار۔ بولا جو مال کہ قدرت دی مجھ کو اس میں میرے رب نے خیر ہے۔ تو تم مدد کرو میری افرادی محنت سے میں بنا دیتا ہوں تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار۔ لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے یہاں تک کہ جب اس نے برابر کر دی دو چوٹیوں کے درمیان (کی جگہ) کو کہا کہ دھونکو۔ یہاں تک کہ جب کر دیا اس کو لال انگارا کہا لاؤ میرے پاس انڈیلوں میں اس پر پگھلا ہوا تانبا۔ تو نہیں طاقت رکھی انہوں نے کہ چڑھ جائیں اس پر اور نہیں طاقت رکھتے تھے اس میں سوراخ کرنے کی۔ بولا یہ رحمت ہے میرے رب کی جانب سے۔ پھر جب آئے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اس کو ڈھایا ہوا اور ہے وعدہ میرے رب کا سچا۔

تفسیر: اور یہود کے مشورہ سے (یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں ان کا کچھ تذکرہ) وحی الٰہی سے (تمہارے سامنے پڑھتا ہوں) اور بیان کرتا

ہوں۔ وہ ہمارے مقبول اور ایک دیندار بادشاہ تھے۔ (ان کو ہم نے روئے زمین پر حکومت دی اور ہم نے ان کو ہر قسم کا سامان بھی) بہت (دیا) جس سے وہ اپنے شاہی ارادوں کو پورا کر سکیں۔ وہ ایک مرتبہ فتوحات کے ارادہ سے یا سیاحت کے ارادہ سے نکلے۔ (چنانچہ ایک جانب کی راہ پر لگ گئے) اور سفر شروع کر دیا یہاں تک کہ جب سفر کرتے کرتے ایسی جگہ پہنچے جہاں حدنگاہ تک دلدلی زمین تھی اور (ان کو سورج اس دلدلی زمین میں ڈوبتا ہوا نظر آیا اور اس جگہ پر انہوں نے ایک) کافر (قوم کو پایا)۔ ہم بادشاہوں کو جو نیک و بد کی قدرت دیتے ہیں اس کو سامنے کرتے ہوئے گویا (ہم نے) یوں (کہا کہ اے ذوالقرنین تم) اپنی صوابدید سے (یا تو) ان کو عذاب دو اور یا ان کے بارے میں حسن سلوک کو اختیار کرو۔ ذوالقرنین نے) اس قوم کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہوئے یہ (کہا کہ) ہم ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور ان کو ایمان کی دعوت بھی دیں گے۔ پھر (جو کوئی ظلم کرے گا) کہ نہ تو ایمان لائے اور نہ ہماری اطاعت قبول کرے (تو اس کو ہم سزا) میں قتل کر (دیں گے پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا جو) پھر (اس کو) آخرت کا (برا عذاب دے گا۔ اور جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا تو اس کے لئے) آخرت میں بھی (اچھی جزا ہوگی اور) دنیا میں بھی ہم اس پر سختی نہ کریں گے بلکہ (اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اس سے کہیں گے تو سہولت) اور نرمی (کی کہیں گے)۔

(پھر وہ ایک) دوسری (راہ پر لگ گئے یہاں تک کہ سفر کرتے کرتے وہ ایک دن طلوع آفتاب کی جگہ یعنی جہت مشرق میں انتہا پر پہنچے جہاں سورج کو ایسی قوم پر طلوع ہوتے پایا کہ جن کے لئے سورج سے ورے ہم نے) چھت جیسا (کوئی حجاب نہیں بنایا تھا) اور سورج کی شعاعیں براہ راست ان پر پڑ رہی تھیں کیونکہ وہ جنگلی اور خانہ بدوش قسم کے لوگ تھے جن میں گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا رواج نہ تھا۔

ذوالقرنین کے ان دونوں سفروں کی جو کیفیت بیان کی گئی وہ واقع میں (یونہی تھی اور ان کے پاس جو وسائل تھے) اور ان کو جو حالات پیش آئے (ہم نے ان سب کا) اپنے (علم میں احاطہ کیا ہوا ہے)۔

(پھر وہ ایک) تیسری (راہ پر چلے یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے بیچ میں پہنچے تو ان پہاڑوں سے ورے ورے انہوں نے ایک ایسی قوم کو پایا جو) زبان کے اجنبی ہونے کی وجہ سے (ان کی بات کو سمجھتی نہ تھی۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کے غیر معمولی اسباب و وسائل اور ان کی قوت وحشمت کو دیکھ کر خیال کیا کہ ہماری تکالیف و مصائب کا سدباب ان سے ہو سکے گا اس لئے کسی ترجمان کے واسطہ سے (انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین) ہماری قوم اور یاجوج ماجوج کی قوم کے درمیان یہ دو پہاڑ حائل ہیں جن پر ان کی چڑھائی ممکن نہیں۔ البتہ پہاڑوں کے بیچ میں یہ ایک درہ کھلا ہوا ہے اسی سے (یاجوج

ماجوج) ہماری (سرزمین میں) آتے ہیں اور (فساد) اور لوٹ مار (کرتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لئے اس شرط پر کچھ ٹیکس مقرر کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان یاجوج ماجوج کے درمیان ایک مضبوط رکاوٹ بنا دیں۔ ذوالقرنین نے) جواب میں (کہا کہ جس مال میں) تصرف کرنے کی (مجھے میرے رب نے قدرت دی ہے وہ) مقدار اور کیفیت ہر اعتبار سے (بہتر ہے اس لئے) مال کی مجھے کچھ ضرورت نہیں البتہ اپنی جسمانی (قوت سے میری مدد کرو) یعنی ہمارے آدمیوں کے ساتھ مل کر تم بھی محنت کرو (تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک موٹی دیوار بنا دیتا ہوں)۔ غرض سامان اکٹھا کر کے جب دیوار بنانے لگے تو (ذوالقرنین نے کہا کہ) اول (میرے پاس لوہے کے بڑے بڑے تختے لاؤ)۔ وہ لائے گئے تو ان کی اوپر نیچے تہیں جمائیں (یہاں تک جب) ان تختوں سے (ان دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں کے بیچ کے خلا کو پہاڑوں کے برابر بھر دیا تو کہا اب اس کو دھونکو)۔ لوگوں نے دھونکنا شروع کیا یہاں تک کہ (جب) دھونکتے دھونکتے (اس) لوہے کی دیوار (کو لال انگارا کر دیا تو) اس وقت (کہا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس کو اس دہکتے لوہے کی دیوار پر انڈیل دوں)۔ اوپر سے انڈیلنے سے وہ تانبا تختوں کے درمیان درزوں میں گھس گیا اور سب کو ایک جان کر دیا۔ (سو) اس کی انتہائی بلندی اور ہمواریت کی وجہ سے (یاجوج ماجوج اس پر چڑھ نہیں سکتے تھے اور) اس کی مضبوطی اور موٹائی کی وجہ سے (اس میں سوراخ نہ کر سکتے تھے۔ ذوالقرنین نے) جب اس دیوار کو تیار دیکھا جس کا تیار ہونا معمولی کام نہ تھا تو شکرانے کے طور پر (کہا کہ یہ) دیوار کی تعمیر (میرے رب کی ایک رحمت ہے) مجھ پر بھی کہ میرے ہاتھ سے یہ غیر معمولی دیوار تعمیر کرائی اور اس قوم والوں پر بھی کہ یہ یاجوج ماجوج کے شر سے محفوظ ہو گئے۔ پھر بہرحال یہ کتنی بھی مضبوط ہو بالآخر فانی ہے (اور جس وقت) اس کے فنا سے متعلق (میرے رب کے وعدہ کا وقت آئے گا تو وہ اس کو ڈھا) کر زمین کے برابر کر (دے گا اور میرے رب کا) ہر (وعدہ سچا ہے) اور اپنے وقت پر ضرور پورا ہوتا ہے۔

فائدہ: قرآن کا اصل مطلب سمجھنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ معلوم ہو کہ تاریخی اعتبار سے ذوالقرنین کس زمانے میں ہوئے اور کہاں ہوئے۔ اسی طرح یہ معلوم کرنا بھی ضروری نہیں کہ یاجوج ماجوج کون سی قوم تھی اور اب تک وہ کہاں محصور ہے اور اس کی دنیوی ترقی کے کیا حالات ہیں۔ ان دونوں کے بارے میں جو کچھ تحقیق کی گئی ہے وہ بہرحال حتمی اور یقینی نہیں اس لئے ہم یہاں اس کے ذکر کو چھوڑتے ہیں۔ جن کو دلچسپی ہو وہ دیگر تفاسیر کا اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی کتاب قصص القرآن کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ربط: اوپر یاجوج ماجوج کا اور ان کو روکنے والی دیوار کی تعمیر کا ذکر ہوا اور آخر میں یہ ذکر ہوا کہ جب اللہ کا حکم ہوگا یہ دیوار ٹوٹ جائے گی۔ سوال پیدا ہوا کہ دیوار کب ٹوٹے گی اور اس کے بعد کیا ہوگا۔ آگے اس کا جواب ہے۔

وَتَرَكْنَا
بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ
جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ
كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
سَمْعًا ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور چھوڑیں گے ہم ان کے بعض کو اس دن ھستے ہوں گے دوسرے بعض میں اور پھونکا جائے گا صور میں پھر جمع کر لیں گے ہم ان سب کو اور پیش کریں گے ہم جہنم کو اس دن کافروں کے سامنے وہ (کافر کہ) تھیں جن کی آنکھیں پردے میں میری یاد سے اور وہ طاقت نہ رکھتے تھے سننے کی۔

تفسیر: دیوار قرب قیامت میں دجال کا فتنہ ختم ہو جانے کے بعد ٹوٹے گی (اور ہم اس) کے ٹوٹنے کے (دن یاجوج ماجوج کو) اس حالت میں (چھوڑیں گے کہ) وہ اتنی کثیر تعداد میں ہوں گے کہ اس کا شمار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور جب وہ ایک دم نکلیں گے تو اپنی کثرت کی وجہ سے (ان کے بعض دوسروں) یعنی وہ ایک دوسرے (میں گھسے ہوئے ہوں گے) مطلب یہ ہے کہ یاجوج ماجوج سمندر کی موجوں کی طرح بے شمار تعداد میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نکلیں گے اور ہر بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جس طرف دیکھو ان ہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت روک نہ سکے گی اور هُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ یعنی یہ معلوم ہوگا کہ ہر ایک ٹیلہ اور پہاڑ سے ان کی فوجیں پھسلتی چلی آ رہی ہوں گی (سورہ انبیاء: 96) (اور) پھر اللہ تعالیٰ خاص پرندوں کے ذریعہ ان پر کنکریاں پھینک کر ان کو ختم کر دیں گے اور اس کے بعد قرب قیامت کی چند بقیہ نشانیوں کے پورا ہونے کے بعد قیامت کا سامان شروع ہوگا حتیٰ کہ پہلی بار (صور میں پھونکا جائے گا) جس سے پورا عالم فنا ہو جائے گا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد صور میں دوبارہ پھونکا

جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ (پھر ہم سب کو) میدان حشر میں (جمع کریں گے اور اس روز جہنم کو کافروں کے سامنے پیش کریں گے جن کی آنکھوں پر ہماری یاد سے) یعنی دین حق کو دیکھنے اور سمجھنے سے (پردے پڑے ہوئے تھے اور) جس طرح وہ حق کو دیکھتے نہ تھے اسی طرح (وہ اس کو سن بھی نہ سکتے تھے)۔

ربط: اوپر یہ تذکرہ آیا کہ قیامت کے دن کافروں کے سامنے جہنم کو پیش کیا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس وعید کے باوجود وہ اپنی خام خیالیوں میں مگن ہیں لیکن ان کو سزا بھگتنی ہی ہو گی جب کہ ان کے مقابلہ میں اہل ایمان جنت کی راحتوں میں ہوں گے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ
دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ
نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ؕ ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا
وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ
عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا خیال کرتے ہیں کافر کہ بنائیں میرے بندوں کو میرے سوا حمایتی۔ بلاشبہ ہم نے تیار کیا ہے جہنم کو کافروں کے لئے مہمانی۔ کہہ دے کیا ہم خبر دیں تم کو بہت نقصان والوں کی اعمال کے اعتبار سے۔ وہ لوگ کہ ضائع ہوئی جن کی کوشش حیات دنیوی میں اور وہ خیال کرتے رہے کہ وہ اچھا کر رہے ہیں کام کو۔ یہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا، تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال پھر نہ قائم کریں گے ہم ان کے

لئے قیامت کے دن تول کو۔ یہ بدلہ ہے ان کا جہنم اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور بنایا میری آیتوں کو اور میرے رسولوں کو مذاق۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے نیک ان کے لئے باغات ہیں فردوس کے مہمانی کے طور پر۔ ہمیشہ رہیں گے ان میں، نہ تلاش کریں گے ان سے تبدیلی کو۔

تفسیر: (کیا کافر لوگ یہ) خام (خیال کرتے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے) خاص (بندوں) مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام، جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں (کو) ان کی پرستش کر کے اپنا (حمایتی بنالیں گے)۔ خیر ایسا تو ہرگز نہ ہوگا بلکہ وہ خود تمہاری حرکتوں سے اظہار بیزاری کریں گے اور وہاں کوئی بھی تم کو نہ پوچھے گا۔ ہاں (ہم نے کافروں کے لئے جہنم کی آگ کو) اور قسم قسم کے عذاب کو (مہمانی کے طور پر تیار کیا ہے)۔ اور اگر ان کو اپنے ان اعمال پر ناز ہو جن کو وہ اپنے زعم میں نیکیاں سمجھتے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ نجات اور کامیابی کو پالیں گے تو (آپ) ان کے اس زعم باطل کو دور کرنے کے لئے (فرما دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ) قیامت کے دن (اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ والے کون لوگ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے کہ دنیوی زندگی میں) نیک اعمال کی صورت میں کی گئی (ان کی محنت) و کوشش سب (ضائع ہوگئی اور وہ یہ خیال کرتے رہے کہ وہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں) جن کا اجر پائیں گے۔ اور ان کی محنت کے ضائع ہونے کی صورت یوں بنی کہ (یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا اور) آخرت میں (اس سے ملاقات کا انکار کیا تو) کفر کی نحوست کی وجہ سے (ان کے عمل) معتبر نہ رہے اور (ضائع ہو گئے) اور جب ان کے پاس آخرت کے لئے کوئی عمل ہی نہ رہا جو تولا جائے (تو قیامت کے دن ہم ان کے لئے تول و ترازو کو قائم ہی نہ کریں گے۔ اور ان کے کفر کرنے کا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کو مذاق بنانے کا یہ ان کا بدلہ ہے جہنم) جب کہ اس کے برعکس (جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ان کے لئے ان کی مہمانی میں فردوس کے باغات ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے ان سے اکتائیں گے نہیں کیونکہ وہاں ان کو ہر دم تازہ بتازہ اور نئی نئی نعمتیں ملیں گی جن کی وجہ سے (وہ وہاں سے منتقلی کے کبھی متلاشی) اور خواہاں (نہ ہوں گے)۔

ربط: اوپر روح سے متعلق اور اصحاب کہف اور خضر علیہ السلام اور ذوالقرنین سے متعلق علم و حکمت کی باتیں بتائیں۔ آگے رسول اللہ ﷺ سے کہلواتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ مجھ سمیت کوئی بھی مخلوق اس کا ہمسر نہیں لہٰذا اسی کی توحید کے قائل رہو۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ
قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ
رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: تو کہہ دے اگر ہو سمندر سیاہی میرے رب کی باتوں کے لئے تو ختم ہو جائے سمندر پیشتر اس کے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اگر چہ لے آئیں ہم اس کی مثل مدد کیلئے۔ کہہ دے محض میں بشر ہوں تمہاری طرح وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔ تو جو کوئی امید رکھے اپنے رب کی ملاقات کی تو چاہئے کہ وہ کرے عمل نیک اور مت شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

تفسیر: (آپ فرما دیجئے کہ) تمہارے پوچھنے پر اور بلا پوچھے اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں علم و حکمت کی باتیں بتائی ہیں وہ ان کے علم و حکمت کے خزانوں میں سے اتنی بھی نہیں جتنا کہ سمندر سے ایک قطرہ۔ اس سے اندازہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی تو کوئی انتہا ہی نہیں لہٰذا (میرے رب کی باتوں) کو لکھنے (کے لئے اگر سمندر بھر سیاہی ہو تو میرے رب کی باتوں کے ختم ہونے سے پہلے) سیاہی کا (سمندر ختم ہو جائے گا اگر چہ ہم اس کی مثل) سیاہی کا ایک اور سمندر (مدد کے طور پر لے آئیں۔ آپ فرما دیجئے کہ) اس سے سمجھ لو کہ مجھ سمیت کوئی بھی خدا کی ہمسری نہیں کر سکتا (میں) بھی (محض تمہاری طرح کا بشر ہوں) خدا نہیں ہوں اور جو علوم و کمالات مجھے حاصل ہیں وہ محض اللہ کے دینے سے ہیں اور ان ہی میں سے ایک یہ بات (مجھے وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود تو محض ایک معبود ہے) لہٰذا اسی کی طرف میں سب کو دعوت دیتا ہوں (تو جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کی امید) و آرزو (رکھے تو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں) ظاہری و باطنی کسی طور پر بھی (کسی کو شریک نہ ٹھہرائے) یعنی شرک جلی کی طرح ریا وغیرہ جیسے شرک خفی سے بھی بچتا رہے کیونکہ جس عبادت میں غیر اللہ کی شرکت ہو وہ عابد کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔

سورہ مریم

ربط: پچھلی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی حکمت وقدرت کے چند واقعات بیان ہوئے۔ اس سورت میں حکمت وقدرت کے چند اور واقعات ذکر کرتے ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد ملنا

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتھا ۹۸ - رکوعاتھا ٦

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ
نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ
شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ
مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾
يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ
اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿۷﴾
قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ
مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ
خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰيَةً ؕ
قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ
مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يٰيَحْيٰى

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا
وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَ
سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

ترجمہ: کھیعص. (یہ) تذکرہ ہے تیرے رب کی مہربانی کرنے کا اپنے بندے زکریا پر جب پکارا اس نے اپنے رب کو چھپی آواز سے۔ کہا اے میرے رب بلاشبہ کمزور ہوگئیں ہڈیاں میری اور شعلہ دیا سر نے بڑھاپے کا اور نہیں رہا میں تجھ سے دعا کر کے اے میرے رب محروم۔ اور میں ڈرتا ہوں اپنے رشتہ داروں سے اپنے پیچھے اور ہے میری بیوی بانجھ تو عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے ایک ولی جو وارث ہو میرا اور وارث ہو آل یعقوب کا اور بنا دے اس کو اے میرے رب پسندیدہ۔ اے زکریا ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھ کو ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ نہیں بنایا ہم نے اس کا اس سے پہلے کوئی ہم صفت۔ کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لئے لڑکا اور ہے میری بیوی بانجھ اور میں پہنچ گیا ہوں بڑھاپے سے سوکھنے کو۔ کہا یونہی ہوگا۔ کہا تیرے رب نے کہ وہ ہے مجھ پر آسان اور پیدا کر چکا ہوں میں تجھ کو اس سے پہلے اور نہ تھا تو کچھ۔ کہا اے میرے رب بنا دے میرے لئے کوئی نشانی۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہیں کلام کرے گا تو لوگوں سے تین راتیں صحت کی حالت میں۔ پھر وہ نکلا اپنی قوم پر پھر اشارہ کیا ان کی طرف کہ تسبیح کرو صبح اور شام۔ اے یحییٰ پکڑ کتاب کو قوت کے ساتھ اور دی ہم نے اس کو سمجھ بچپنے میں اور شوق دیا اپنے پاس سے اور پاکیزگی دی اور تھا وہ پرہیزگار اور فرمانبردار اپنے والدین کا اور نہیں تھا وہ زبردست و نافرمان۔ اور سلام ہے اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے گا اور جس دن وہ اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔

تفسیر: (یہ تذکرہ ہے آپ کے رب کے مہربانی فرمانے کا اپنے بندے زکریا پر) جو کہ بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے تھے اور بخاری میں ہے کہ وہ بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے اور اپنے ہاتھ سے محنت کر کے کھاتے تھے۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ (جب انہوں نے) اپنی زیر کفالت مریم علیہا السلام کو دیکھا کہ ان کے پاس خرق عادت کے طور پر بے موسم کے پھل آتے ہیں تو دل کی تمنا زبان پر آ گئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بے موسم کا پھل یعنی بڑھاپے کی عمر میں اولاد دے دیں۔ اس لئے اصلی قاعدہ کے مطابق (پوشیدہ آواز سے اپنے رب کو پکارا) اور (درخواست کی کہ اے میرے

رب بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور سر بڑھاپے کے شعلے دے رہا ہے) یعنی میرا سارا سر سفید ہو گیا ہے (اور اے میرے رب آپ سے دعا کر کے میں محروم نہیں رہا) ہوں بلکہ آپ نے اپنے فضل و رحمت سے ہمیشہ میری دعائیں قبول کیں اس لئے امید کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں بھی میری دعا کو رد کر کے محروم نہ کریں گے۔ (اور میں اپنے رشتہ داروں سے) ان کے کم اہل ہونے کی وجہ سے یہ (اندیشہ رکھتا ہوں) کہ (میرے مرنے کے بعد) وہ میری مرضی کے مطابق دین و شریعت کی خدمت نہ کریں گے اور یوں یعقوب علیہ السلام کے گھرانے میں ان تک منتقل ہوتی ہوئی دینی، روحانی دولت کو ضائع کر دیں گے۔ (اور میری اہلیہ بانجھ ہیں۔ لہٰذا) میری خواہش یہ ہے کہ آپ نے ہمارے گھرانے کو جو نعمت دی ہے وہ اس گھرانے میں قائم رہے لیکن گھرانے کے دیگر افراد پورے اہل نہیں اور اولاد ہونے کے ظاہری اسباب بھی نہیں کہ آپ سے عام انداز میں اولاد کی درخواست کروں۔ ان حالات میں میری آپ سے خصوصی انداز میں دعا ہے کہ (آپ) خاص اپنے پاس سے عادی اسباب و وسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے محض اپنی لامحدود قدرت و رحمت سے (مجھے ایک ولی) یعنی بیٹا (عطا فرمایئے جو) میرے خاص علوم میں (میرا وارث بنے) تاکہ دینی خدمات کو سنبھالے (اور آپ) کی مقدس امانت کا بوجھ اٹھائے اور (اس کو) اعمال و اخلاق کے لحاظ سے بھی اپنا اور اچھے لوگوں کا (پسندیدہ بنایئے)۔

اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی پھر جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے ان کو پکار کر کہا کہ (اے زکریا) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (ہم آپ کو ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس سے پہلے) انتہائی درجہ کی رقت قلبی اور نفس کو لذتوں سے روکنے میں (ہم نے) کسی کو (ان کا ہم صفت نہیں بنایا)۔

چونکہ لڑکے کے حاصل ہونے کی کوئی کیفیت نہیں بتائی گئی اس کو جاننے کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے (عرض کی کہ اے میرے رب میرے یہاں لڑکا کس طرح سے ہوگا جب کہ میری اہلیہ بانجھ ہیں اور میں خود بڑھاپے سے سوکھنے) کے درجہ (کو پہنچ چکا ہوں)۔ کیا ان ہی حالات میں ہوگا یا کوئی اور صورت میں مثلاً یہ کہ مجھے کسی اور عورت سے نکاح کرنا ہوگا۔ (جواب دیا کہ یونہی) یعنی ان ہی موجودہ حالات میں (ہوگا) اور آپ اس پر تعجب نہ کریں کیونکہ (آپ کا رب فرماتا ہے کہ) آپ کے نزدیک ظاہری اسباب کے اعتبار سے (یہ چیز) مشکل ہوگی لیکن (میرے یہاں) مشکل نہیں میری عظیم قدرت کے سامنے سب (آسان ہے اور) تم اپنی ہستی ہی کو دیکھ لو کہ (اس سے پہلے میں تم کو پیدا کر چکا ہوں حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے)۔ عدم محض سے وجود میں آئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر ایک اور (درخواست کی کہ اے میرے رب میرے لئے) حمل

ٹھہرنے کی (کوئی نشانی بنا دیجئے) تاکہ قرب ولادت کے آثار دیکھ کر تازہ مسرت حاصل ہو اور نعمت کے شکرانہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہوں۔ (فرمایا کہ تمہاری یہ نشانی ہے کہ تم لوگوں سے تین) دن اور تین (راتیں صحت) وتندرستی (کے باوجود بات نہیں کرسکو گے) البتہ اپنے ذکر واذکار میں اور اپنی عبادت میں زبان چلاسکو گے۔ جب حمل ٹھہرا تو بتائی گئی نشانی کے عین مطابق حضرت زکریا علیہ السلام لوگوں سے گفتگو کرنے سے عاجز ہو گئے۔ معمول کے مطابق جب وعظ و نصیحت کرنے کے لئے (زکریا) علیہ السلام (اپنے لوگوں کے پاس حجرہ سے باہر آئے تو ان کو اشارہ سے کہا کہ صبح وشام اللہ کی تسبیح) وغیرہ (کرتے رہو)۔

غرض یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور سن شعور کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ (اے یحییٰ کتاب) یعنی تورات (کو) جو تمہارے وقت کی کتاب شریعت ہے (مضبوطی سے پکڑے رہو) کہ اس کی تعلیمات پر خود بھی عمل کرو اور دوسروں سے بھی کراؤ۔ (اور ہم نے ان کو لڑکپن) ہی (میں دین کی سمجھ اور) خاص (اپنے پاس سے رقت قلبی اور) اخلاق کی (پاکیزگی عطا فرمائی تھی اور) یہ تو تھے باطنی اوصاف جب کہ ظاہری اعمال کے اعتبار سے (وہ) گناہوں سے بہت ہی (پرہیز گار تھے اور والدین کے خدمت گزار تھے اور سرکش و نافرمان نہ تھے اور) حدیث میں ہے کہ یحییٰ علیہ السلام نے نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ کیا۔ خدا کے خوف سے روتے روتے رخساروں پر آنسوؤں کی نالیاں بن گئی تھیں۔ غرض یہ اللہ کے نزدیک ایسے مکرم تھے کہ (ان پر) اللہ تعالیٰ کی جانب سے (سلام تھا جس دن وہ پیدا ہوئے اور) سلام ہوگا (جس دن وہ فوت ہوں گے اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے)۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے ہر حال میں سلامتی ہے ان پر کسی قسم کی گرفت نہیں ہے۔

حضرت مریم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ

وَاذْكُرْ

فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ

مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۫ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا

أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ ۖ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ

وَلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ
عَلَىَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا
مَّقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَاَجَآءَهَا
الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا
وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿٢٣﴾ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ
رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿٢٤﴾ وَهُزِّىْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ
رُطَبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ
الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْۤ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ
الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ ۚ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ
شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ
اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ ۖ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قف قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ
صَبِيًّا ﴿٢٩﴾ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ قف اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ﴿٣٠﴾ ۙ
وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا
دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ۙ

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب جدا ہوئی وہ اپنے گھر والوں سے ایک مشرقی جگہ میں پھر اختیار کیا ان سے ورے پردے کو تو بھیجا ہم نے اس کی طرف اپنے فرشتہ کو سو شکل اختیار کی اس نے اس کے سامنے پورے آدمی کی۔ بولی میں پناہ لیتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر ہے تو خدا ترس۔ کہا محض میں ہوں تیرے رب کا بھیجا ہوا تا کہ دوں تجھ کو ایک لڑکا پاکیزہ۔ بولی کیسے ہو گا میرے لئے لڑکا اور نہیں چھوا مجھ کو کسی آدمی نے اور نہیں ہوں میں بدکار، کہا یونہی۔ فرمایا

تیرے رب نے وہ مجھ پر آسان ہے اور تا کہ ہم بنائیں اس کو نشانی لوگوں کے لئے اور رحمت اپنی طرف سے اور ہے یہ کام طے کیا ہوا۔ پھر اٹھایا اس (کے حمل) کو پھر الگ ہوئی اس کے ساتھ ایک دور کی جگہ میں۔ پھر لے آیا اس کو درد زہ کھجور کے تنے کی طرف۔ بولی اے کاش میں مرچکی ہوتی اس سے پہلے اور ہوتی بھولی بسری۔ تو پکارا اس کو اس کے نیچے سے کہ مت غم کر۔ بنا دیا ہے تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ اور ہلا اپنی طرف کھجور کے تنے کو وہ گرائے گا تجھ پر کھجور پکی ہوئی۔ سو کھا اور پی اور ٹھنڈی رکھ آنکھ۔ پھر اگر تو دیکھے آدمیوں میں سے کسی کو تو کہہ میں نے نذر مانی ہے رحمٰن کے لئے روزے کی سو ہرگز نہ کلام کروں گی آج کسی انسان سے۔ پھر وہ لائی اس (بچے) کو اپنی قوم کے پاس اٹھائے ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ اے مریم تو نے تو کیا ہے کام عجیب۔ اے ہارون کی بہن نہ تھا تیرا باپ برا آدمی اور نہ تھی تیری ماں بدکار۔ (مریم نے) اشارہ کیا اس (بچے) کی طرف۔ وہ بولے کیسے ہم بات کریں اس سے جو ہے گود میں بچہ۔ وہ (بچہ) بولا میں بندہ ہوں اللہ کا۔ دی اس نے مجھ کو کتاب اور بنایا مجھ کو نبی اور بنایا مجھ کو بابرکت جہاں بھی میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکواۃ کی جب تک میں ہوں زندہ اور (بنایا مجھ کو) فرمانبردار اپنی والدہ کا اور نہیں بنایا مجھ کو سرکش (و) بدبخت۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا زندہ کر کے۔

تفسیر: (اور ذکر کیجئے کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ایک مشرقی جگہ میں) غسل کے لئے (گئیں پھر ان لوگوں کے ورے انہوں نے پردہ ڈال لیا) تا کہ اس کی اوٹ میں غسل کرسکیں۔ (سو) اس حالت میں (ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتہ) جبرئیل علیہ السلام (کو بھیجا جو ان کے سامنے پورے تندرست آدمی کی شکل بنا کر آئے۔ مریم) علیہا السلام نے سمجھا کہ کوئی آدمی ہے اس لئے گھبرا کر (کہنے لگیں کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ لیتی ہوں) اور (اگر تو) کچھ (خدا ترس ہے) تو یہاں سے چلا جا۔ فرشتہ نے (کہا) کہ گھبراؤ نہیں میں کوئی آدمی نہیں ہوں بلکہ (میں تو محض تمہارے) ہی (رب کا بھیجا ہوا) فرشتہ (ہوں) جس کی تم پناہ لیتی ہو اور میں تمہارے پاس آیا ہوں (تا کہ) خدا تعالیٰ کی طرف سے (تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں)۔

مریم کے دل میں خدا نے یقین ڈال دیا کہ بے شک یہ فرشتہ ہے اس لئے مطمئن ہو کر (پوچھا کہ میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ کسی بشر نے مجھے ہاتھ تک نہیں لگایا) نہ حلال طریقے سے اور نہ حرام طریقے سے کیونکہ نہ تو میرا نکاح ہوا ہے (اور نہ ہی میں بدکار ہوں)۔ فرشتہ نے (جواب دیا کہ بس) بشر کے چھوئے بغیر (یونہی) لڑکا ہو جائے گا اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ (تمہارے رب نے فرمایا

ہے کہ یہ بات) کہ اسباب عادیہ کے بغیر پیدا کروں (مجھ پر آسان ہے اور) یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم اسباب عادیہ کے بغیر اس لئے پیدا کریں گے (تا کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے) اپنی عظیم قدرت کی (نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے) دنیا والوں کی ہدایت کے لئے (رحمت) کا بڑا سامان (بنائیں) اور یہ بے باپ کے بچے کا پیدا ہونا ایک طے شدہ بات ہے جو ضرور ہو کر رہے گی۔

اس گفتگو کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماردی جس سے ان کو حمل ٹھہر گیا (اور انہوں نے بچے کو) اپنے پیٹ میں (اٹھالیا۔ پھر) جب وضع حمل کا وقت قریب آیا تو شرم کے مارے سب سے (علیحدہ ہو کر کسی دور کے مکان میں چلی گئیں)۔ ہوسکتا ہے کہ یہ جگہ بیت اللحم ہو جو بیت المقدس سے 12.80 کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔(درد زہ کی تکلیف ان کو ایک کھجور کے تنے کی طرف لے آئی) تا کہ تکلیف میں اس کا سہارا لیں۔ اس وقت درد کی تکلیف، تنہائی و بیکسی، ضرورت و راحت کے سامان کا فقدان اور سب سے بڑھ کر ایک مشہور پاکباز و پاکدامن کو دینی حیثیت سے آئندہ بدنامی اور رسوائی کا تصور۔ یہ سب چیزیں ان کو سخت بے چین کئے ہوئے تھیں۔ پچھلی بشارتیں تک ان کو یاد نہ رہیں۔ حتی کہ اسی بے چینی کے غلبہ میں (کہہ اٹھیں کہ اے کاش اس) وقت کے آنے (سے پہلے ہی میں مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہو چکی ہوتی)۔ مریم علیہا السلام جس کھجور کے نیچے تھیں وہ کچھ بلند جگہ تھی۔ ان کی جگہ کے نیچے سے (پھر) اسی فرشتہ نے (ان کو پکارا کہ تم غم نہ کرو) اور نیچے کی طرف دیکھو۔ (تمہارے رب نے) تمہارے لئے (تمہارے نیچے کی طرف ایک چشمہ بنا دیا ہے)۔ یہ پینے کا بندوبست ہوا۔ (اور) کھانے کے لئے اس (کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ تو یہ درخت تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا)۔ وہ چشمہ بھی خرق عادت نکالا گیا اور درخت پر کھجوریں بھی بے موسم کے لگ گئیں۔ ان خوارق کا دیکھنا مریم علیہا السلام کی تسکین و اطمینان کا سبب بنا۔ فرشتہ نے کہا اے مریم (تم) تازہ کھجوریں (کھاؤ اور) چشمہ کا پانی (پیو اور) پاکیزہ بیٹے کو دیکھ کر اپنی (آنکھیں ٹھنڈی کرو) اور آگے کا غم نہ کرو خدا تعالیٰ سب مشکلات کو دور کرنے والے ہیں۔ (پھر اگر) نوع (بشر میں سے کسی آدمی کو دیکھو) اور وہ بچے سے متعلق کوئی سوال کرے (تو تم) نہ بولنے کے روزے کی نذر مان لینا اور اشارہ سے (کہہ دینا کہ میں نے رحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز بات نہ کروں گی۔ پھر جب وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنے لوگوں کے پاس لائیں تو وہ) ششدر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اے مریم تم نے تو عجیب کام کیا ہے کہ ایک لڑکی کنواری رہتے ہوئے دعویٰ کرے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور بدگمان ہو کر کہنے لگے کہ (اے ہارون کی بہن نہ تمہارے باپ برے آدمی تھے اور نہ تمہاری ماں بدکردار تھیں) اور خود تمہارے بھائی بھی نیک آدمی ہیں پھر تم میں یہ بری خصلت کہاں سے

آئی۔ (مریم) علیہا السلام (نے) ہاتھ سے (بچے کی طرف اشارہ کیا) کہ خود اس سے دریافت کرلو۔ (وہ بولے) کہ اس شرمناک حرکت پر یہ ستم ظریفی کہ کہتی ہو کہ بچے سے پوچھ لو۔ بھلا وہ (جو گود کا بچہ ہو اس سے ہم کیسے) پوچھیں اور کیسے (بات کریں)۔ قوم کی طرف سے یہ بات ہو رہی تھی کہ خود (عیسیٰ) علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ (نے) گویائی عطا کی اور وہ بول اٹھے اور ان تمام غلط خیالات کا رد بھی کیا جو آئندہ ان کی نسبت قائم ہونے والے تھے۔ (کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور اسی نے مجھے نبی بنایا) یعنی اس کا آئندہ مجھے کتاب انجیل دینا اور نبی بنانا اسی طرح یقینی ہے جیسے زمانہ ماضی میں گذری ہوئی بات اسی لئے میں اس کو ماضی کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہوں (اور مجھ کو برکت والا بنایا) کہ مجھ سے مخلوق کو دین کا فائدہ پہنچے گا (جہاں کہیں بھی ہوں گا) مجھ سے برکت پہنچے گی اور دین کی تبلیغ ہوگی خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے (اور اس نے مجھے نماز اور زکواۃ) کے اہتمام کرنے (کی تاکید کی جب تک میں دنیا میں (زندہ رہوں اور مجھ کو میری والدہ کا خدمت گزار بنایا اور اس نے مجھ کو سرکش و بدبخت نہیں بنایا) کہ اللہ تعالیٰ کے یا والدہ کے حقوق سے سرکشی کروں اور نافرمانیاں کر کے بدبختی خریدوں (اور مجھ پر) اللہ کی جانب سے (سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا)۔ اور میری ان باتوں سے سمجھ لو کہ میری والدہ بالکل پاکدامن ہیں۔

یہود تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن بن گئے اور ان کو کذاب و مفتری کہتے اور ان کے نسب پر طعن کرتے جب کہ عیسائی پولوس (St.Paul) کے گمراہ کر دینے سے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خرق عادت کلام سے ان دونوں کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (یہ ہیں عیسیٰ بن مریم) جن کی شان یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بالکل (سچی بات) کہی (ہے) لیکن افراط و تفریط کرنے والے (لوگ اس میں جھگڑ رہے ہیں) اور ان کو خدا کا بیٹا کہنا بھی دیگر باتوں کی طرح بہت ہی نامعقول بات ہے کیونکہ (اللہ کی شان نہیں کہ وہ اولاد اختیار کرے۔ وہ اس سے پاک ہے) کہ اس کے ہاں اولاد ہو یا اس کو اولاد کی حاجت ہو کیونکہ وہ تو ایسا عظیم الشان ہے کہ اسے کچھ بھی کرنے کے لئے کسی کی احتیاج نہیں اور (وہ جب کسی کام) کے کرنے (کو طے کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے)۔

ربط: اوپر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے چند واقعات سنا کر جب یہ ثابت کر دیا کہ سب کچھ وہی کرنے والے ہیں تو معلوم ہوا کہ عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہیں لہٰذا صراط مستقیم اسی میں ہے کہ اللہ کی توحید کو تھامے رہیں۔ لیکن ظالم و کافر لوگ اس پر نہیں آتے اور اپنی راہیں اس سے ہٹ کر اختیار کرتے ہیں حالانکہ بڑے بڑے پیغمبر اس توحید پر قائم رہے اور اسی کی دعوت دیتے رہے۔

وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۳۶﴾
فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ
یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۳۷﴾ اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ یَوۡمَ یَاۡتُوۡنَنَا لٰکِنِ الظّٰلِمُوۡنَ
الۡیَوۡمَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۳۸﴾ وَاَنۡذِرۡہُمۡ یَوۡمَ الۡحَسۡرَۃِ اِذۡ قُضِیَ
الۡاَمۡرُ ۘ وَہُمۡ فِیۡ غَفۡلَۃٍ وَّہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ
الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَیۡہَا وَاِلَیۡنَا یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: اور بلاشبہ اللہ ہے میرا رب اور تمہارا رب تو عبادت کرو اسی کی۔ یہ سیدھی راہ ہے۔ پھر اختلاف ڈال لیا گروہوں نے اپنے درمیان۔ تو بربادی ہے کافروں کے لئے بڑے دن کے آنے سے۔ کیا ہی سننے والے اور کیا ہی دیکھنے والے ہوں گے جس دن یہ لوگ آئیں گے ہمارے پاس لیکن ظالم لوگ آج ہیں کھلی گمراہی میں۔ اور ڈرا ان کو حسرت کے دن سے جب (آخری) فیصلہ کر دیا جائے گا (ہر) کام کا اور یہ غفلت میں ہیں اور یہ ایمان نہیں لاتے۔ بے شک ہم ہی وارث ہوں گے زمین کے اور ان کے جو ہیں اس پر اور ہماری طرف وہ لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: اے محمد ﷺ ہماری قدرت وحکمت کے یہ بہت سے واقعات سنا کر اب آپ ان کافروں کے سامنے اعلان کر دیجئے کہ معلوم ہوا کہ (میرا رب اور تمہارا سب کا رب) بھی صرف (اللہ تعالیٰ ہے) اور پھر وہی ہماری عبادت کا مستحق ہے کوئی اور نہیں (تو صرف اس کی عبادت کرو)۔ اور (یہ) توحید خالص ہی (صراط مستقیم ہے)۔ لیکن یہ سب کچھ ثابت ہونے کے باوجود (مختلف گروہوں نے) اس بارے میں (آپس میں اختلاف ڈال لیا) اور طرح طرح کے مذاہب بنا لئے۔ (سو جو لوگ) توحید خالص کی سیدھی راہ کا (انکار کر رہے ہیں ان کے لئے ایک بڑے دن) یعنی قیامت کے دن کے آنے (سے بڑی بربادی ہوگی۔ جس دن یہ ہمارے پاس آئیں گے تو) ان کے کان اور ان کی آنکھیں خوب کھل جائیں گی اور (وہ کیا ہی سننے والے اور دیکھنے والے ہوں گے لیکن) اس وقت کا دیکھنا اور سننا کچھ فائدہ نہ دے گا بلکہ اس وقت وہ وہ باتیں سنیں گے جن سے جگر پھٹ جائیں گے اور وہ منظر دیکھیں گے جس سے چہرے سیاہ ہو جائیں گے لیکن (آج) جب دیکھنا اور سننا مفید ہوسکتا ہے تو یہ (ظالم لوگ) اندھے بہرے بنے ہوئے

(کھلی گمراہی میں) مبتلا (ہیں۔ اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرایئے جب ہر کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور) کافروں پر حسرت کے بہت سے مواقع پیش آئیں گے اور آخری موقع وہ ہو گا جب موت کو مینڈھے کی صورت میں لا کر جنت و دوزخ کے درمیان سب کو دکھا کر ذبح کیا جائے گا اور ندا آئے گی کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔ اس وقت کافر بالکل نا امید ہو کر حسرت سے اپنے ہاتھ کاٹیں گے لیکن (یہ لوگ) آج بڑی (غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے)۔ آخر کب تک۔ کسی دن تو یہ سب ختم کر دیئے جائیں گے پھر (زمین کے اور جو کوئی اس پر ہے اس کے) اور اس سارے دنیوی سامان کے جس نے ان کو غفلت میں ڈال رکھا ہے سب کے (ہم ہی وارث ہوں گے اور) پھر (سب لوگ) دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب اور بدلے کے لئے (ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پر استقامت

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ

إِبْرٰهِيْمَ ۬ إِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيْهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ
مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ﴿۴۲﴾ يٰٓأَبَتِ إِنِّيْ قَدْ
جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾
يٰٓأَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۖ إِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾
يٰٓأَبَتِ إِنِّيْٓ أَخَافُ أَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ
لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓإِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ
لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿۴۶﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَأَسْتَغْفِرُ
لَكَ رَبِّيْ ۖ إِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَأَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰٓى أَلَّآ أَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ
وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَ
جَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں ابراہیم کا۔ بے شک وہ تھا سچا نبی۔ جب کہا اپنے باپ سے کہ اے میرے ابا کیوں تو عبادت کرتا ہے اس کی جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کام آتا ہے تیرے کچھ بھی۔ اے میرے ابا بلاشبہ آیا ہے میرے پاس علم جو نہیں آیا تیرے پاس تو پیروی کر میری دکھاؤں گا میں تجھ کو راہ سیدھی۔ اے میرے ابا مت عبادت کر شیطان کی، بے شک شیطان ہے رحمٰن کا نافرمان۔ اے میرے ابا میں ڈرتا ہوں اس سے کہ چھوئے تجھ کو عذاب رحمٰن کی جانب سے پھر تو ہو جائے شیطان کا دوست۔ بولا کیا پھرا ہوا ہے تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔ اگر نہ باز آیا تو تو میں سنگسار کر دوں گا تجھ کو اور چھوڑ دے مجھ کو ایک مدت تک۔ کہا سلام ہو تجھ پر۔ میں مغفرت مانگوں گا تیرے لئے اپنے رب سے، وہ ہے مجھ پر مہربان۔ اور میں کنارہ کشی کرتا ہوں تم سے اور ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اور میں عبادت کرتا ہوں اپنے رب کی۔ امید ہے کہ نہ رہوں گا میں بوجہ اپنے رب کی عبادت کے محروم۔ پھر جب اس نے کنارہ کشی کی ان سے اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے اللہ کے سوا ان سے بخشے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب اور دونوں کو بنایا ہم نے نبی اور دیا ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (حصہ) اور کیا ہم نے ان کا بول بالا۔

تفسیر: (اور آپ کتاب میں ابراہیم) علیہ السلام (کا ذکر کیجئے۔ وہ صدیق تھے) اس معنی میں کہ وہ بہت زیادہ سچ والے تھے اتنے کہ اپنی بات کو عمل سے سچا کر دکھانے والے تھے اور اس معنی میں بھی کہ وہ راستباز اور پاک طینت تھے جن کے دل میں سچائی کو قبول کرنے کی نہایت اعلیٰ و اکمل استعداد موجود تھی، جو بات خدا کی طرف سے پہنچتی بلا توقف ان کے دل میں اتر جاتی، شک و تردد بالکل نہ رہتا۔ اور چونکہ صدیقیت کے لئے نبوت لازم نہیں ہے اس لئے آگے تصریح فرما دی کہ وہ (نبی بھی تھے جب انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ اے میرے ابا جان آپ کیوں اس) بت جیسی بے جان چیز کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے اور نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کسی کام آئے)۔ خود اپنے ہاتھوں سے تراشی ہوئی چیز کو معبود ٹھہرا لینا تو عقل و فہم کے خلاف ہے۔ ہاں (اے میرے ابا جان میرے پاس) اپنے اصلی اور

یکتا معبود اللہ تعالیٰ کی جانب سے توحید و معاد اور شریعت کا (وہ صحیح علم آیا ہے جو آپ تک نہیں آیا لہٰذا آپ میری بات مانئے میں آپ کو سیدھی راہ پر لے چلوں گا) جو رضائے الٰہی تک پہنچانے والی ہے ورنہ باقی راہیں تو سب شیطان کی ایجاد کردہ ہیں لہٰذا بتوں کی عبادت کرنا درحقیقت شیطان کی عبادت کرنا ہے تو (اے میرے ابا جان آپ شیطان کی عبادت نہ کیجئے کیونکہ شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے) اور نافرمان کی پرستش تو انتہائی غیر معقول اور قابل مذمت بات ہے۔ اور (اے میرے ابا جان مجھے ڈر ہے کہ رحمٰن) جس کی رحمت چاہتی ہے کہ تمام بندوں پر شفقت و مہربانی ہو اس (کی جانب سے) آپ کی نافرمانی پر (آپ کو کہیں عذاب آ لے اور اس میں آپ ہلاک ہو جائیں) اور (پھر) آخرت میں ہمیشہ کے لئے (شیطان کے دوست ہو) کر اس کے ساتھ جہنم میں (جائیں)۔ ابراہیم علیہ السلام کے وعظ و نصیحت کو سن کر ان کے والد نے (کہا کہ اے ابراہیم کیا تم میرے معبودوں سے پھرے ہوئے ہو)۔ میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ (اگر تم) اپنی اس روش سے (باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا بلکہ تم) ابھی عمر بھر کی (مدت کے لئے مجھ سے دور ہو جاؤ) میں تمہیں دیکھنے کا بھی روا دار نہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے (کہا) کہ جب آپ کا یہ برتاؤ ہے تو میرا یہاں ٹھہرنا بھی بے فائدہ ہے اس لئے (آپ کو) بھی (سلام ہے)۔ میں یہاں سے چلا جاتا ہوں البتہ (میں آپ کے لئے اپنے رب سے مغفرت طلب کرتا رہوں گا بلاشبہ وہ مجھ پر) بہت (مہربان ہے) اور پھر اس وعدے کے مطابق ابراہیم علیہ السلام ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے لیکن جب دیکھا کہ اللہ کے ساتھ ان کی دشمنی ہے اور اللہ ان سے راضی نہیں تب اس کو بند کیا۔ (اور) فرمایا کہ (میں آپ لوگوں سے اور اللہ کے سوا جن) جھوٹے معبودوں (کی آپ لوگ پرستش کرتے ہیں ان سے میں کنارہ کشی کرتا ہوں)۔ اور یہاں سے ہجرت کرتا ہوں (اور میں اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں گا)۔ حق تعالیٰ کے فضل سے کامل (امید ہے کہ اپنے رب کی عبادت کر کے میں محروم نہیں رہوں گا)۔ غربت و بے کسی میں جب بھی اس کو پکاروں گا وہ میری دعا قبول کرے گا۔ (پھر جب وہ ان سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے ان سے جدا ہو گئے) اور شام کی طرف ہجرت کر گئے تو (ہم نے) اس پردیس میں ان کو اپنی اولاد یعنی بیٹے (اسحاق اور) پوتے (یعقوب عطا کئے) تاکہ غریب الوطنی کی وحشت دور ہو اور اپنوں سے انس و سکون حاصل ہو۔ (اور) ان دونوں میں سے (ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا اور ہم نے) بڑے کمالات کی شکل میں (ان کو اپنی رحمت کا) خاص (حصہ عطا کیا اور ہم نے ان کا سچا بول بالا کیا) کہ ہمیشہ کے لئے ان کا نام نیک اور بلند کیا۔

چند اور انبیاء کا ذکر جو خالص موحد تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫

اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں موسیٰ کا۔ بے شک وہ تھا چنا ہوا اور تھا رسول نبی۔ اور پکارا ہم نے اس کو طور کی دائیں جانب سے اور قریب کیا ہم نے اس کو سرگوشی کرنے کو۔ اور عطا کیا ہم نے اس کو اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بنا کر۔

تفسیر: (اور آپ ذکر کیجئے کتاب میں موسیٰ) علیہ السلام (کا بلاشبہ وہ ہمارے چنے ہوئے تھے اور رسول نبی تھے) یعنی نبی بھی تھے کیونکہ ان کی طرف ہم نے وحی کی تھی اور چونکہ ان کو مکذبین کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا اور ان کو نئی کتاب اور مستقل شریعت دی گئی تھی اس لئے وہ رسول بھی تھے (اور ہم نے ان کو طور) پہاڑ (کی دائیں جانب سے پکارا اور ان سے سرگوشی کرنے کو اپنے قریب کیا) پھر ان کو ہمکلامی کا شرف بخشا (اور) پھر ان کی درخواست پر (ہم نے ان کو اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون نبی کے طور پر عطا کئے) تاکہ وہ ان کے کام میں مددگار رہوں۔ ان سارے کمالات کے پیچھے جو اصل بنیاد تھی وہ یہ کہ وہ پکے اور خالص موحد تھے کسی قسم کا شرک نہ کرتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل کا۔ وہ تھا وعدہ کا سچا اور تھا رسول نبی اور وہ حکم کرتا تھا اپنے اہل کو نماز کا اور زکوۃ کا اور تھا اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ۔

تفسیر: (اور آپ ذکر کیجئے کتاب میں اسماعیل) علیہ السلام (کا۔ وہ وعدہ کے) بڑے (سچے تھے اور) نئی قوم کی طرف مبعوث ہونے کی وجہ سے رسول بھی تھے اور ہر (رسول نبی) تو ہوتے ہی (تھے۔ اور اپنے اہل کو) یعنی متعلقین کو دین کے احکام کا عام طور سے اور (نماز و زکوۃ کا) خاص طور سے (حکم دیا کرتے تھے اور) وہ اپنے اوصاف و اعمال کی وجہ سے (اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ آدمی (تھے)۔

حضرت ادریس علیہ السلام

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۖ ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾

ترجمہ: اور ذکر کر کتاب میں ادریس کا۔ وہ تھا صدیق نبی اور بلند کیا ہم نے اس کو اونچی جگہ میں۔

تفسیر: (اور آپ ذکر کیجئے کتاب میں ادریس) علیہ السلام (کا۔ وہ صدیق) بھی تھے اور اس پر زائد (نبی) بھی (تھے۔ اور ہم نے ان کو) قرب و عرفان کے بہت (بلند مقام پر پہنچایا)۔

مذکورہ بالا انبیاء موحد تھے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ ﴿٥٩﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ ﴿٦٠﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

بِالۡغَيۡبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلۡكَ الۡجَنَّةُ الَّتِىۡ نُوۡرِثُ مِنۡ عِبَادِنَا مَنۡ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں انعام کیا اللہ نے جن پر نبیوں میں سے آدم کی اولاد میں سے اور ان (کی اولاد) میں سے جن کو سوار کیا ہم نے نوح کے ساتھ اور اولاد میں سے ابراہیم اور اسرائیل کی اور ان (کی اولاد) میں سے جن کو ہدایت دی ہم نے اور (جن کو) پسند کیا ہم نے۔ جب پڑھی جاتی ہیں ان پر آیتیں رحمان کی تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے۔ پھر نائب ہوئے ان کے بعد ناخلف ضائع کیا جنہوں نے نماز کو اور پیروی کی خواہشات کی تو جلد پائیں گے خرابی کو مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل کیا نیک تو یہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی۔ باغوں میں ہمیشگی کے جن کا وعدہ دیا رحمان نے اپنے بندوں کو (ان سے) غائبانہ۔ بے شک ہے اس کا وعدہ آنے والا۔ نہ سنیں گے ان میں لغو باتیں مگر سلام اور ان کے لئے ان کا رزق ہوگا ان میں صبح اور شام۔ یہ جنت وہ ہے میراث میں دیں گے اپنے بندوں میں سے ان کو جو ہوں گے ڈرنے والے۔

تفسیر: (یہ انبیاء) ورسل جن کا اوپر ذکر ہوا (وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے) خاص (انعام کیا) کہ ان کو نبوت اور دیگر کمالات عطا کئے اور یہ سب (آدم) علیہ السلام (کی اولاد ہیں اور) نوح علیہ السلام کے جد ادریس علیہ السلام کے علاوہ باقی سب مذکورہ انبیاء (ان لوگوں کی اولاد) بھی (ہیں جنہیں ہم نے نوح) علیہ السلام (کے ساتھ) کشتی پر (سوار کیا تھا اور) بعض (ابراہیم) علیہ اسلام (کی اولاد میں سے ہیں) مثلاً اسحاق، یعقوب اور اسماعیل علیہم السلام (اور) بعض (اسرائیل) یعنی یعقوب علیہ السلام (کی) اولاد میں سے ہیں مثلاً موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔ (اور یہ حضرات ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے) طریق حق کی طرف (ہدایت کی اور) منصب نبوت ورسالت کے لئے (پسند کرلیا) لیکن اس قدر بلندئ مقام کے باوجود ان میں عبودیت اور بندگی کی شان بھی کامل درجہ کی ہے جس کی یہ دلیل ہے کہ (جب ان پر رحمان) کے کلام (کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو) اس کو سن کر اور اس کے مضامین سے متاثر ہوکر نہایت عاجزی اور خشوع کے ساتھ (سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑتے ہیں)۔ یہ تو پہلوں کا حال تھا۔ (پھر ان کے بعد پچھلے) ناخلف (آئے تو انہوں نے نماز) جو سب سے

اہم عبادت ہے اس تک (کو ضائع کیا)۔ بعض تو اس کی فرضیت ہی کے منکر ہو گئے، بعض نے فرض تو مانا مگر پڑھی نہیں اور بعض نے پڑھی لیکن جماعت اور وقت اور واجبات اور سنن مؤکدہ کی رعایت نہ کی (اور) اپنی (خواہشات) اور مزوں (کی پیروی میں لگ گئے۔ تو یہ لوگ) اپنے اپنے درجہ کے مطابق اپنی (گمراہی کو دیکھ لیں گے) کہ وہ کیسے خسارہ اور نقصان کا سبب بنتی ہے اور ابدی یا عارضی سزا میں پھنساتی ہے۔ (مگر جو) کفر و معصیت سے (توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا) کہ ان کے اجر میں کمی کر دی جائے یا کوئی ناکردہ جرم ان کے نامہ اعمال میں ڈال دیا جائے۔ اور جب یہ ان دیکھی چیزوں پر محض رسول کے فرمانے پر ایمان لائے اور بن دیکھے رحمٰن کی عبادت کی تو (رحمٰن نے اپنے) ان (بندوں سے ہمیشہ کی جنتوں کا غائبانہ وعدہ فرمالیا) جو ضرور پورا ہو کر رہے گا کیونکہ (اللہ کا وعدہ) وقت پر (آ کر رہتا ہے۔ ان) جنت کے باغوں (میں وہ کوئی لغو) اور بیکار (بات نہ سنیں گے مگر) مومنوں اور فرشتوں کی طرف سے (سلام) کی صدائیں سنیں گے (اور ان میں ان کا رزق ہوگا صبح اور شام) جو سورج کے طلوع وغروب سے نہ ہوں گے بلکہ خاص قسم کے انوار کے پھیل جانے سے ہوں گے۔ حسب عادت صبح اور شام جنت کی روزی ان کو پہنچے گی۔ وہ روزی کیا ہوگی۔ اس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں اور ان دو وقتوں کے علاوہ بھی جس وقت جو چاہیں گے وہ ملے گا۔ اور (یہ) مذکورہ (جنت) جو آدم علیہ السلام کو شروع پیدائش میں ملی تھی (ایسی ہے کہ ہم اپنے بندوں میں سے اس کا وارث ان لوگوں کو بنائیں گے جو ڈرنے والے ہوں)۔

ربط: اوپر بتایا کہ جنت کے وارث اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہوں گے۔ آگے بتاتے ہیں کہ ڈرنے کے لائق صرف خدا کی ذات ہی ہے۔ جس کے قبضہ میں تمام زمان و مکان ہے اور جس کے حکم و اجازت کے بغیر بڑے سے بڑا فرشتہ بھی پر نہیں مار سکتا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۚ﴿۶۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۧ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور نہیں اترتے ہم مگر حکم سے تیرے رب کے۔ اس کے لئے ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور نہیں ہے تیرا رب بھولنے والا۔ رب ہے آسمانوں کا اور

زمین کا اور اس کا جو ان کے درمیان ہے تو عبادت کر اسی کی اور قائم رہ اس کی عبادت پر۔ کیا تو جانتا ہے اس کا ہم صفت۔

تفسیر: ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام کئی روز تک نہ آئے۔ آپ کو اس سے گرانی ہوئی۔ پھر جب وہ آئے تو آپ نے آرزو ظاہر فرمائی کہ ذرا زیادہ آیا کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام کو یہ جواب دینے کو کہا گیا کہ (ہم) فرشتے (تو محض آپ کے رب کے حکم) کے غلام ہیں۔ اس کے بغیر پر بھی نہیں ہلا سکتے۔ وہ اپنی حکمت کاملہ سے جس وقت مناسب جانتا ہے ہمیں نیچے اترنے کا حکم دیتا ہے تو ہم اس کے حکم (سے) نیچے (اترتے ہیں) کیونکہ (جو زمان و مکان اور زمانی و مکانی شے (ہمارے آگے ہے اور جو) زمان و مکان اور زمانی و مکانی شے (ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے وہ سب اللہ کی) ملکیت و قبضہ میں (ہے اور) ہر چیز کی مکمل تفصیل اللہ کے علم میں ہے پھر وہ علم ایسا ہے کہ (آپ کا رب) اس کی کسی بات کو (بھولنے والا نہیں) لہٰذا وہ جانتا ہے کہ فرشتہ کو پیغمبر کے پاس کس وقت بھیجنا چاہئے اور اس کی حکومت ایسی ہے کہ اس کے حکم کے بغیر کسی مقرب ترین فرشتہ اور معظم ترین پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں کہ وہ جب چاہے کہیں چلا جائے یا کسی کو اپنے پاس بلالے۔ پھر ان صفات کے علاوہ (آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے ان سب کا رب) بھی (ہے تو) ایک بات تو یہ ہے کہ فقط ایسی ہی ذات عبادت کے لائق ہے سو (اس کی عبادت کرو اور اسی پر قائم رہو)۔ بھلا ایسا کیوں نہ کرو؟ (کیا تم اس) اللہ (کا ہم صفت) کوئی اور (جانتے ہو) جو مستحق عبادت ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو پھر کسی دوسرے کی عبادت کا موقع کہاں رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف ایسی ہی ذات ڈرنے کے لائق ہے تو انسان اگر جنت کی میراث لینا چاہتا ہے تو اپنے اندر اللہ کا ڈر پیدا کر کے فرشتوں کی طرح حکم الٰہی کا تابعدار بن جائے۔

ربط: اوپر نیک و بدلوگوں کے انجام کا بیان تھا جو مرنے کے بعد ہوگا۔ جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے کو محال یا مستبعد سمجھتے ہیں آگے ان کے شبہ کا جواب بھی دیتے ہیں اور آخرت کی مزید تفصیل بتاتے ہیں۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ

حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿۶۷﴾

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿۷۰﴾ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا
وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿۷۱﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ
نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿۷۲﴾

ترجمہ: اور کہتا ہے انسان کیا جب میں مر جاؤں گا تو میں نکالا جاؤں گا زندہ کر کے۔ کیا سمجھتا نہیں انسان کہ ہم نے پیدا کیا اس کو اس سے پہلے اور نہ تھا وہ کچھ بھی۔ سو قسم ہے تیرے رب کی کہ ہم ضرور جمع کریں گے ان کو اور شیطانوں کو پھر ضرور حاضر کریں گے ان کو جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل۔ پھر جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے جو ان میں سے زیادہ سخت ہے رحمان پر سرکشی میں۔ پھر ہم خوب واقف ہیں ان سے جو زیادہ قابل ہیں اس جہنم میں داخل ہونے کے۔ اور نہیں تم میں سے کوئی مگر یہ کہ وہ اس جہنم پر آنے والا ہے۔ ہے یہ بات تیرے رب پر لازم اور طے شدہ۔ پھر نجات دیں گے ہم ان لوگوں کو جو ڈرتے رہے اور چھوڑ دیں گے ہم ظالموں کو اس جہنم میں گھٹنوں کے بل۔

تفسیر: کافروں کا پہلا قول اور اس کا جواب

(اور آدمی) تعجب و انکار کے طور پر (کہتا ہے کہ کیا جب میں مر جاؤں گا) اور جب ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گی (تو) کیا میں (زندہ کر کے) قبر سے (نکالا جاؤں گا) یعنی معدوم ہونے کے بعد دوبارہ موجود ہو جاؤں گا۔ (کیا) وہ (آدمی) ہو کر اتنی موٹی بات (نہیں سمجھتا کہ اس سے پہلے) بھی (ہم نے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ) اس وقت (کچھ) بھی (نہ تھا) یعنی ہم نے معدوم محض کو موجود کیا تھا تو کیا ہم ایک چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ یہ تو پہلے کی نسبت آسان چیز ہے۔ سو یہ منکر نہیں مانتے تو نہ مانیں (آپ کے رب کی قسم ہے کہ ہم ان کو) قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو بھی (اور شیطانوں کو) بھی جو کہ بہکاتے پھرتے ہیں میدان حشر میں (ضرور جمع کریں گے پھر ان سب کو جہنم کے گرد اس حال میں حاضر کریں گے کہ) دہشت کی وجہ سے نہ کھڑے رہ سکیں گے اور نہ ہی چین سے بیٹھ سکیں گے بلکہ (گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ پھر) منکرین کے (ہر فرقہ میں

سے) عام مجرموں میں سے (ہم ان کو جدا کرلیں گے جو رحمان سے زیادہ سرکشی کرنے والے تھے) تاکہ ان کو دوسروں سے پہلے جہنم میں داخل کریں (پھر جو لوگ جہنم میں داخل ہونے کے زیادہ قابل ہیں) ان کو جاننے کے لئے ہمیں کسی تحقیق کی ضرورت نہیں بلکہ (ہم ان کو) ازل ہی سے (خوب جانتے ہیں) تو ان کو دوسروں سے علیحدہ کر کے پہلے ان کو جہنم میں جھونکیں گے پھر دوسروں کو داخل کریں گے۔ (اور یہ بات آپ کے رب پر لازم اور طے شدہ ہے) یعنی اس نے اس کا فیصلہ کر رکھا ہے (کہ تم) انسانوں (میں کوئی نہیں ہے) خواہ نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر (مگر یہ کہ وہ جہنم پر ضرور وارد ہوگا) اور اس پر سے پل صراط کے ذریعہ اس کا گزر ہوگا۔ (پھر ہم متقی لوگوں کو) ان کے اپنے اپنے درجہ کے موافق وہاں سے پار کرا کے (نجات دیں گے اور ظالموں کو چھوڑ دیں گے) کہ وہ پل صراط سے (جہنم میں گھٹنوں کے بل) اوندھے (گرے ہوں گے)۔

ربط: اوپر کافروں کے برے انجام کی تفصیل ذکر ہوئی۔ کافر اس کو سن کر استہزاء کرتے۔ آگے ان پر تفصیلی رد ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ
نَدِیًّا ﴿۷۳﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا ﴿۷۴﴾
قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ۬ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا
مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ
شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾ وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی ؕ
وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ مَّرَدًّا ﴿۷۶﴾ اَفَرَءَیْتَ
الَّذِیْ كَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ
اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَ نَمُدُّ
لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ نَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَ یَاْتِیْنَا فَرْدًا ﴿۸۰﴾ وَاتَّخَذُوْا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ
بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ
عَدًّا ﴿٨٤﴾ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ
اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ
الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا
اِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ
هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ
وَلَدًا ﴿٩٢﴾ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾
لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ
الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ
وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ
تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾

ترجمہ: اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں کھلی ہوئی کہتے ہیں کافر مومنوں سے کہ کونسا دو فرقوں میں سے بہتر ہے مقام کے اعتبار سے اور زیادہ اچھا ہے مجلس کے اعتبار سے۔ اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں جو زیادہ بہتر تھیں سامان میں اور نمود میں۔ کہہ دے جو رہا گمراہی میں تو چاہیے کہ ڈھیل دے اس کو رحمان ڈھیل دینا یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا وہ ڈراوا دیئے جاتے ہیں یا تو عذاب کو یا قیامت کو تو جان

لیں گے کہ کون ہے برا مکان کے اعتبار سے اور زیادہ کمزور ہے فوج کے اعتبار سے۔ اور بڑھاتا ہے اللہ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت میں اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب میں اور بہتر ہے واپس پلٹنے کی جگہ میں۔ کیا دیکھا تو نے اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہا میں ضرور دیا جاؤں گا مال اور اولاد۔ کیا جھانک لیا اس نے غیب کو یا لیا اس نے رحمان کے پاس عہد۔ ہرگز نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہتا ہے اور بڑھائیں گے اس کے لئے عذاب کو بڑھانا۔ اور ہم وارث ہوں گے اس کے جو یہ بتلا رہا ہے اور یہ آئے گا ہمارے پاس تنہا۔ اور بنائے انہوں نے اللہ کے سوا معبود تا کہ وہ ہوں ان کے لئے مددگار۔ ہرگز نہیں۔ وہ انکار کریں گے ان کی عبادت کا اور ہوں گے ان کے مخالف۔ کیا نہیں دیکھا تو نے کہ چھوڑا ہم نے شیطانوں کو کافروں پر کہ اچھالتے ہیں ان کو ابھار کر۔ سو تو مت جلدی کر ان پر۔ محض ہم شمار کرتے ہیں ان کے لئے گنتی کو۔ جس دن ہم اکٹھا کریں گے متقی لوگوں کو رحمٰن کی طرف بلائے ہوئے مہمان کے طور پر اور ہم ہانکیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے۔ نہیں اختیار رکھتے شفاعت کا مگر جس نے لیا رحمٰن کے پاس عہد۔ اور کہتے ہیں پکڑی ہے رحمٰن نے اولاد۔ بے شک آئے ہو تم بھاری چیز پر۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اس سے اور شق ہو جائے زمین اور گر پڑیں پہاڑ ڈھے کر کہ تم دعویٰ کرتے ہو رحمٰن کے لئے اولاد کا۔ اور نہیں مناسب رحمٰن کے لئے کہ وہ پکڑے اولاد۔ نہیں کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں مگر آئے گا رحمٰن کے پاس بندہ بن کر۔ اس نے شمار کیا ہے ان کا اور گن رکھی ہے ان کی گنتی۔ اور وہ سب آئیں گے اس کے پاس قیامت کے دن اکیلے اکیلے۔ بلاشبہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک بنا دے گا ان کے لئے رحمٰن محبت۔ تو آسان کر دیا ہم نے اس قرآن کو تیری زبان پر تا کہ تو خوشخبری دے اس سے متقی لوگوں کو اور ڈرائے اس سے جھگڑالو لوگوں کو۔ اور کتنی ہی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں۔ کیا آہٹ پاتا ہے تو ان میں سے کسی کی یا سنتا ہے تو ان کی بھنک۔

تفسیر: (اور جب کفار پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں) جن میں ان کا برا انجام ذکر ہے (تو وہ) ہنستے ہیں اور استہزاء کے طور پر (مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ) تمہارے کہنے کے مطابق آخرت میں جو کچھ پیش آئے گا وہ ہم اور تم دونوں فریقوں کی موجودہ حالت پر منطبق نہیں ہوتا۔ بتاؤ (دونوں فریقوں میں سے کونسا) فریق دنیوی (مقام کے اعتبار سے بہتر اور مجلس کے اعتبار سے اچھا ہے)۔ ظاہر ہے کہ ہم ہیں کیونکہ ہماری مجلس اور ہماری سوسائٹی بھی تمہاری سوسائٹی سے اچھی ہے اور ہمارا

دنیوی مرتبہ و مقام بھی تم سے بہتر ہے۔ ہم خوشحال بھی ہیں اور ہماری فوج بھی زیادہ ہے تو کیا گمان کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ آج کہیں کمتر ہیں وہ کل چھلانگ مار کر جنت میں جا پہنچیں گے اور ہم دوزخ میں پڑے جلتے رہیں گے۔

ان کی بات کا ایک جواب یہ ہے کہ (ان سے پہلے کتنی ہی جماعتیں) یعنی قومیں گزر چکی (ہیں جو) دنیا کے (ساز و سامان اور) شان و (نمود میں) ان سے (کہیں بڑھ کر تھیں) لیکن جب انہوں نے حق کے مقابلہ میں سرکشی اور تکبر کی راہ کو اختیار کیا تو (ہم نے ان کو ہلاک کر دیا) اور ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ غرض مال و اولاد اور دنیوی خوشحالی آخرت کے اچھے انجام کی دلیل نہیں۔

دوسرے جواب میں (آپ) یہ (کہئے) کہ (جو کوئی) اپنے کسب و ارادہ سے (گمراہی میں رہتا ہے رحمٰن کو) عادت اور حکمت کے تقاضہ سے (چاہئے کہ وہ) اس کو نیک و بد سے خبردار کرنے کے بعد اسی راستے پر چلنے کے لئے (اس کو ڈھیل دے) پھر اللہ ایسے ہی کرتا ہے۔ غرض جو بدی کی راہ پر چلتا ہے اس کے حق میں دنیوی خوشحالی وغیرہ درحقیقت تباہی کا پیش خیمہ ہے (یہاں تک کہ جب) ان کی گرفت کا وقت آئے گا اور (وہ جس کا وعدہ دیئے جاتے تھے) یعنی (یا تو) دنیوی (عذاب کو یا قیامت کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ) حقیقت میں (مقام کے اعتبار سے کون برا ہے اور لاؤ لشکر کے اعتبار سے کون کمزور ہے اور) جیسے (اللہ) گمراہوں کو ڈھیل دیتا ہے اسی طرح (ہدایت والوں کو ہدایت میں بڑھاتا ہے) اور ان کی سمجھ بوجھ اور فہم و بصیرت کو زیادہ تیز کر دیتا ہے جس سے وہ حق تعالیٰ کے راستوں پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دنیوی ساز و سامان کے برعکس صرف نیکیاں ہی باقی رہتی ہیں (اور آپ کے رب کے نزدیک باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب اور پلٹنے کی جگہ کے اعتبار سے بہتر ہیں) آخرت میں صرف انہی پر بہترین بدلہ ملتا ہے۔

تیسرا جواب الزامی ہے اور وہ یوں ہے کہ (کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور) اس کے باوجود (کہتا ہے کہ میں) آخرت میں بھی (ضرور مال و اولاد دیا جاؤں گا)۔ یہ تو محض دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل ہم نے نہیں اتاری۔ پھر یہ ایسا دعویٰ کیسے کرتا ہے۔ (کیا اس نے غیب کو جھانک) کر دیکھ (لیا ہے یا اس نے رحمٰن سے) اس بات کا (عہد لیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ ایسا (ہرگز نہیں) ہے۔ غرض یہ شخص ویسے ہی بکواس کر رہا ہے اور (جو کچھ یہ کہہ رہا ہے ہم اس کو لکھ لیں گے اور اس کے لئے ہم عذاب کو بڑھاتے جائیں گے اور) مال و اولاد کی (جو یہ بات کر رہا ہے تو اس) بنیاد پر کہ دنیا میں ہم نے اس کو مال و اولاد دے رکھی ہے تو وہ جان لے کہ دنیا کی یہ عطائیں بھی اس کے پاس نہ رہیں

گی اور اس کے مال و اولاد (کے ہم وارث ہوں گے) کیونکہ یہ چیزیں اس سے الگ کر لی جائیں گی (اور وہ) قیامت کے دن (ہمارے پاس تنہا آئے گا) کہ نہ کچھ ساتھ ہوگا اور نہ کچھ اس کا ساتھ دے گا۔

کافروں کا دوسرا قول اور اس کا جواب

(اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں) اور کہتے ہیں کہ وہ ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں (کہ) اگر آخرت ہوئی تو (یہ ان کے مددگار ہوں گے)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا (ہرگز نہیں) ہوگا۔ یہ ان کی محض خام خیالی ہے کیونکہ (وہ) معبود ان کی مدد تو کیا کریں گے بلکہ وہ تو الٹا (ان کی عبادت کا) اپنے لئے ہونے سے (انکار کریں گے) اور کہیں گے یہ ہماری نہیں درحقیقت شیطان کی عبادت کرتے تھے (اور وہ ان کے مخالف ہوں گے) اور ان کی زیادہ ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ یہ کہنا کہ درحقیقت وہ شیطان کی عبادت کرتے تھے واقعی بات ہے کیونکہ (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ) اس کی حقیقت یہ ہے کہ (ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے جو ان کو ابھار کر اچھالتے ہیں) اور اپنی مرضی ان سے کرواتے ہیں۔ اگر ایسے بدبخت گمراہی میں بڑھیں (تو آپ ان) کو بڑھنے دیجئے اور ان کی سزا (میں جلدی نہ کیجئے)۔ ہم جو ان کو ڈھیل دیتے ہیں تو اس وجہ سے کہ (ہم ان کی گنتی شمار کر رہے ہیں)۔ ان کا ایک ایک سانس، ایک ایک لمحہ اور ایک ایک عمل ہمارے یہاں گنا جا رہا ہے اور تمام عمر کے اعمال ایک ایک کر کے ان کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے (جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف بلائے ہوئے مہمانوں کی صورت میں اکٹھا کریں گے اور) جس طرح پیاسے جانور گھاٹ کی طرف لے جائے جاتے ہیں اسی طرح (ہم مجرموں کو پیاس کی حالت میں جہنم کی طرف ہانکیں گے) اور کوئی ان کا سفارشی بھی نہ ہوگا کیونکہ اس دن (لوگ سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے سوائے ان کے جنہوں نے رحمٰن سے) سفارش کا (وعدہ لیا ہوگا) مثلاً ملائکہ، انبیاء اور صلحاء وغیرہ۔ صرف یہی درجہ بدرجہ سفارش کریں گے اور وہ بھی صرف ان لوگوں کی جن کے حق میں سفارش کئے جانے کا وعدہ ہم دے چکے ہیں۔

(اور) جس طرح مذکورہ بالا لوگوں نے شیطان کے ابھارنے سے غیر اللہ کو معبود ٹھہرایا ہے اسی طرح ایک جماعت ایسی ہے جس نے شیطان کے بہکاوے سے یوں (کہا کہ رحمٰن نے) اپنے لئے (اولاد بنا لی ہے) مثلاً عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو اور بعض یہود نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا اور بعض مشرکین عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔ آپ فرما دیجئے کہ (تم لوگ) تو سخت (بھاری بات کر بیٹھے ہو جس سے قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ڈھے کر گر

پڑیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد کا دعویٰ) ہی ایسا (کیا ہے)۔ ایسی گستاخی پر اگر غضب الٰہی بھڑک اٹھے تو عالم تہ و بالا ہو جائے لیکن محض اس کا حلم مانع ہے کہ ان بے ہودگیوں کو دیکھ کر ایک دم تباہ نہیں کرتا حالانکہ (رحمٰن کی تو شان ہی نہیں ہے کہ وہ) اپنے لئے (اولاد بنائے) کیونکہ اس کو اولاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ (جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ) سب خدا کی مخلوق ہے اور سب (اس کے پاس بندے بن کر حاضر ہوں گے)۔ اور جس کے سب محکوم و محتاج ہوں اس کو بیٹا بنانے کی کیا حاجت رہ گئی۔ اور (اس نے ان سب کا شمار اور سب کی گنتی کر رکھی ہے) لہٰذا یہ امکان نہیں کہ کوئی اللہ کی محکومیت سے آزاد ہو جائے۔ (اور قیامت کے دن ان کا ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) اور جوابدہی کرے گا۔ اور آخرت کی جزا و سزا تو خیر ہونی ہی ہے دنیا میں بھی بہت مرتبہ اللہ تعالیٰ بدلہ دیتے ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے رحمٰن ان کے لئے محبت بنا دیتا ہے) کہ خود بھی ان سے محبت کرتا ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو محبوب رکھتے ہیں تو اول جبرئیل علیہ السلام کو آگاہ کرتے ہیں کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی کرو۔ جبرئیل علیہ السلام آسمانوں کے فرشتوں میں اس کا اعلان کرتے ہیں۔ آسمانوں سے اترتی ہوئی اس کی محبت زمین پر پہنچ جاتی ہے اور زمین والوں میں اس بندے کو حسن قبول حاصل ہو جاتا ہے یعنی بے تعلق لوگ جن کا کوئی خاص نفع و ضرر اس کی ذات سے وابستہ نہ ہو وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

لیکن اس قسم کے حسن قبول کی ابتدا خدا پرست اور نیک مومنین سے ہوتی ہے۔ پہلے ان کے دلوں میں اس کی محبت ڈالی جاتی ہے اس کے بعد عام لوگوں میں قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ حسن قبول جو پہلے محض عوام میں ہو اور پھر کسی غلط فہمی سے بعض خدا پرست بھی اس کی طرف جھکنے لگیں تو وہ عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں۔

اور اس انذار و تبشیر کے لئے (ہم نے آپ کی زبان پر اس) قرآن (کو آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعہ سے) انتہائی سہل اور صاف الفاظ میں (متقی لوگوں کو خوشخبری دیں اور اسی کے ذریعہ سے جھگڑالو لوگوں کو ڈراوا دیں اور) وہ ڈراوا اس طرح ہے کہ (ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے) جن کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ گیا (کیا آپ ان) کے پاؤں (کی آہٹ محسوس کرتے ہیں یا ان کی) لن ترانیوں کی (بھنک) بھی (سنتے ہیں)۔

سورہ طٰہٰ

ربط: پچھلی سورت کے آخر میں قرآن کے انداز وتبشیر کا ذریعہ ہونے کا ذکر تھا۔ اس سورت کو اس کے نصیحت کا ذریعہ ہونے کے ذکر سے شروع کرتے ہیں۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۱۳۵ - رُكُوْعَاتُهَا ۸

طٰهٰ ۝۱ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ
يَّخْشٰى ۝۳ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴ اَلرَّحْمٰنُ
عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَ
مَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ
السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝۸

ترجمہ: طہ۔ نہیں اتارا ہم نے تجھ پر قرآن کہ تو مشقت میں پڑے مگر نصیحت کے طور پر اس کے لئے جو ڈرتے ہوں۔ اتارا ہوا ہے اس کی طرف سے جس نے بنائی زمین اور (بنائے) بلند آسمان۔ رحمٰن عرش پر قائم ہوا ہے۔ اس کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ نیچے ہے گیلی زمین کے۔ اور اگر تو آواز نکالے بات میں تو بلاشبہ وہ جانتا ہے چھپی کو اور زیادہ چھپی کو۔ اللہ ہے نہیں کوئی مستحق عبادت مگر وہی۔ اس کے لئے ہیں نام اچھے۔

تفسیر: (ہم نے قرآن کو آپ پر اس لئے نہیں اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں) اس طرح سے کہ آپ اس کی تکذیب کرنے والوں کی باتوں کو سن کر ملول خاطر اور تنگدل ہوں (مگر) ہم نے اس کو (نصیحت کے طور پر ان کے لئے) اتارا ہے (جو) خدا سے (ڈرتے ہوں) تاکہ وہ اس کے بیانات سے

نصیحت حاصل کریں۔ پھر اس قرآن کی اہمیت اس وجہ سے بہت زیادہ ہے کہ (یہ) ایک (ایسی ذات کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا) اور پھر ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے شہنشاہانہ تصرفات کے لئے وہ (بڑی رحمت والا اپنے عرش پر قائم ہوا) اور اس کی ملکیت کا یہ حال ہے کہ (جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی زمین کے نیچے ہے سب) بلاشرکت غیرے (اسی کی ملکیت ہے)۔ اور اپنی اس تمام ملکیت پر اس کو ہر قسم کا تصرف حاصل ہے۔ یہ تو اس کی قدرت وتصرف کے عموم کا بیان تھا۔ جہاں تک اس کے علم کی وسعت کا تعلق ہے تو اس کا بیان یہ ہے کہ (اگر تم بات کو آواز سے کہو تو) وہ اس سے کہاں پوشیدہ رہ سکتی ہے کیونکہ (وہ تو چھپی ہوئی) مثلاً جو بات تنہائی میں آہستہ سے کہی جائے اس کو (اور) اس سے بھی (زیادہ چھپی ہوئی) مثلاً جو بات دل میں آئی ہو زبان پر نہ آئی ہو اس (کو) بھی (جانتا ہے) پھر (اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود بننے کا مستحق نہیں) کیونکہ مذکورہ بالا صفات کے علاوہ بھی (اس کے لئے) عمدہ صفات اور (اچھے نام ہیں) جب کہ کوئی دوسری ہستی اس شان وصفت کی موجود نہیں۔

ربط: اوپر نبی ﷺ کی طرف قرآن کو اتارنے کا ذکر ہوا۔ آگے بتاتے ہیں کہ یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ اس سے پیشتر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی وحی مل چکی ہے اور اب آپ کو ملی ہے۔ اور جیسے موسیٰ علیہ السلام کی وحی توحید وغیرہ کی تعلیم پر مشتمل تھی آپ کی وحی میں بھی ان ہی اصول پر زور دیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تبلیغ حق میں جو شدائد برداشت کئے آپ کو بھی برداشت کرنا ہوں گے اور جس طرح آخر کار ان کو کامیابی اور غلبہ نصیب ہوا اور دشمن مغلوب ہوئے آپ بھی یقیناً غالب ہوں گے اور آپ کے دشمن مغلوب ہوں گے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے ان گوشوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ملنا اور آپ کا نبوت سے سرفراز ہونا

وَهَلْ

اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝٩ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ

اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝١٠

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝١١ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٢﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿١٣﴾
اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿١٤﴾
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ﴿١٥﴾
فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿١٦﴾
وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ
اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿١٨﴾ قَالَ اَلْقِهَا
يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۠ قف
سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ
بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾ ۚ
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٢٤﴾ ع قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَ
يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾
وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾
وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٣٢﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٣﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿٣٤﴾ اِنَّكَ
كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿٣٥﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ
مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿٣٧﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿٣٨﴾ اَنِ
اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ
يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ڬ وَلِتُصْنَعَ
عَلٰى عَيْنِيْ ﴿٣٩﴾ اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ

يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ
نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ
اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ﴿۴۰﴾ وَاصْطَنَعْتُكَ
لِنَفْسِیْ ۚ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ۚ﴿۴۲﴾
اِذْهَبَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۚۖ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ
اَوْ یَخْشٰى ﴿۴۴﴾ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ قَالَ
لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور کیا آئی تیرے پاس بات موسیٰ کی۔ جب دیکھی اس نے آگ تو کہا اپنے
گھر والوں سے ٹھہرو میں نے دیکھی ہے آگ، شاید کہ لے آؤں تمہارے پاس اس میں سے
ایک شعلہ یا پاؤں آگ کے پاس راستہ کا پتہ۔ پھر جب پہنچا اس کے پاس پکارا گیا کہ اے موسیٰ
بے شک میں تیرا رب ہوں تو اتار دے اپنی جوتیاں، تو ہے پاک میدان طویٰ میں۔ اور میں نے
پسند کیا ہے تجھ کو تو کان لگا کر سن اس کو جو وحی کی جاتی ہے۔ بے شک میں اللہ ہوں نہیں ہے کوئی
معبود مگر میں سو عبادت کر میری اور قائم کر نماز کو میری یاد کے لئے۔ بے شک قیامت آنے والی
ہے، میں چاہتا ہوں کہ خفیہ رکھوں اس کو تا کہ بدلہ دی جائے ہر جان بسبب اس کے جو اس نے
سعی کی۔ تو ہرگز نہ روکے تجھ کو اس سے وہ شخص جو ایمان نہیں رکھتا اس پر اور پیروی کرتا رہا اپنی
خواہش کی (مبادا) کہ تو ہلاک ہو جائے۔ اور کیا ہے تیرے دائیں ہاتھ میں اے موسیٰ۔ بولا یہ
میری لاٹھی ہے۔ میں ٹیک لگاتا ہوں اس پر اور میں پتے گراتا ہوں اس سے اپنی بکریوں پر اور
میرے لئے اس میں چند کام ہیں اور بھی۔ فرمایا ڈال دے اس کو اے موسیٰ۔ سو اس نے ڈال دیا
اس (لاٹھی) کو تو اسی وقت وہ سانپ تھا دوڑتا ہوا۔ فرمایا پکڑ لے اس کو اور مت خوف کر ہم لوٹا
دیں گے اس کو اس کی پہلی حالت پر۔ اور ملا لے اپنے ہاتھ کو اپنی بغل سے، نکلے گا سفید ہو کر بغیر
بیماری کے دوسری نشانی کے طور پر تا کہ ہم دکھائیں تجھ کو اپنی بڑی نشانیوں میں سے۔ جا فرعون کی
طرف کہ اس نے سرکشی کی ہے۔ بولا اے میرے رب کشادہ کر دے میرے لئے میرا سینہ اور

آسان کر دے میرے لئے میرا کام اور کھول دے گرہ میری زبان سے کہ وہ سمجھیں میری بات۔ اور بنا میرے لئے وزیر میرے گھر والوں سے (یعنی) ہارون میرے بھائی کو۔ مضبوط کر اس سے میری کمر کو اور شریک کر دے اس کو میرے کام میں تا کہ ہم تسبیح کریں تیری بہت اور ہم ذکر کریں تیرا بہت۔ بے شک تو ہے ہم کو دیکھنے والا۔ فرمایا تو دیا گیا اپنا سوال اے موسیٰ اور احسان کیا ہے ہم نے تجھ پر ایک اور مرتبہ جب الہام کی ہم نے تیری ماں کی طرف وہ بات جو الہام کی جاتی ہے کہ ڈال دے اس کو صندوق میں پھر ڈال صندوق دریا میں پھر ڈال دے اس کو دریا کنارے پر اٹھالے اس کو دشمن میرا اور دشمن اس کا۔ اور ڈال دی میں نے تجھ پر محبت اپنی طرف سے اور تا کہ تیری پرورش کی جائے میری آنکھ کے سامنے۔ جب چلنے لگی تیری بہن اور کہنے لگی کیا میں رہنمائی کروں تمہاری اس پر جو کفالت کرے اس کی۔ سو واپس کر دیا ہم نے تجھ کو تیری ماں کی طرف تا کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور نہ غم کرے۔ اور قتل کیا تو نے ایک جان کو تو نجات دی ہم نے تجھ کو غم سے اور آزمائش کی ہم نے تیری کچھ آزمائش۔ پھر تو رہا کئی سال اہل مدین میں پھر تو آ پہنچا تقدیر سے اے موسیٰ۔ اور بنایا میں نے تجھ کو اپنے لئے۔ جا تو اور تیرا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور مت سستی کرو تم دونوں میرے ذکر میں۔ جاؤ تم دونوں فرعون کی طرف کہ اس نے سرکشی کی ہے۔ اور کہو اس سے بات نرم شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔ وہ دونوں بولے اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ وہ زیادتی کرے ہم پر یا یہ کہ سرکشی کرے۔ فرمایا مت خوف کرو تم، بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔

تفسیر: (کیا آپ تک موسیٰ علیہ السلام کی بات پہنچی ہے) وہ یہ کہ (جب) موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ہاں پرورش پائی آپ نے ایک دفعہ ایک بنی اسرائیلی اور ایک قبطی کو لڑتے دیکھا۔ اسرائیلی کی مدد کی درخواست پر آپ نے قبطی کو جو مکا مارا تو اتفاق سے وہ مر گیا۔ جب یہ راز فاش ہوا اور قتل کئے جانے کا خوف ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے اور مدین پہنچ گئے جہاں ایک بزرگ کی آٹھ یا دس سال تک بکریاں چرائیں اور ان بزرگ کی صاحبزادی سے نکاح کیا۔ پھر اپنی بیوی کو لے کر مصر کی طرف چلے۔ رات کا وقت تھا اور سردی کا زور تھا اور بکریوں کا ریوڑ بھی ساتھ تھا۔ اس حالت میں راستہ بھول گئے۔ ایسی حالت میں (موسیٰ) علیہ السلام (نے) دور (ایک آگ) جلتی (دیکھی تو اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم) یہیں (ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید) لکڑی جلا کر (اس) آگ (کا شعلہ تمہارے پاس لا سکوں یا) وہاں (آگ کے پاس) پہنچ کر وہاں موجود کسی آدمی سے (راستے کا پتہ پا سکوں)۔ وہ دنیوی آگ نہ تھی بلکہ آگ کی شکل میں خدا کی تجلی تھی۔ (جب موسیٰ) علیہ السلام (اس کے پاس پہنچے تو پکارا گیا

کہ اے موسیٰ بلاشبہ میں تمہارا رب ہوں سو تم اپنی جوتیاں اتار دو کیونکہ تم پاک میدان طُوٰی میں ہو) ممکن ہے کہ جوتیوں پر کچھ نجاست لگی ہو یا گارا کیچڑ وغیرہ لگنے سے گندی ہوں۔ رسالت کے لئے اور ہمکلامی کے شرف کے لئے (میں نے) تمام جہان میں سے (تم کو پسند کیا ہے اس لئے) احکام کی (جو وحی) تم کو (کی جائے تم اس کو توجہ سے سنو)۔ ان میں سے ایک تو ذات وصفات اور عبادت میں توحید ہے جس کا بیان یہ ہے کہ (میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں لہٰذا) مالی اور بدنی ہر قسم کی (عبادت صرف میری کرو اور) نماز چونکہ اہم ترین عبادت ہے اس لئے خصوصیت سے اس کو ذکر کرتا ہوں کہ تم (میری یاد کے لئے نماز کو قائم رکھو)۔ توحید وعبادت کے بعد عقیدہ معاد کے بارے میں پھر یہ سمجھو کہ (قیامت بلاشبہ آنے والی ہے) لیکن بعض مصلحتوں سے (میں اس) کے آنے کے وقت (کو) تمام مخلوقات سے (مخفی رکھنا چاہتا ہوں) اور خود قیامت اس لئے ہوگی (تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے۔ سو وہ شخص جو) خود (قیامت پر یقین نہیں رکھتا اور) اس وجہ سے (اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے وہ تم کو اس) قیامت پر یقین رکھنے (سے) اور اس کے لئے تیاری کرنے سے (نہ روک دے کہ پھر تم کہیں بربادی میں پڑ جاؤ)۔

منصب رسالت کی تمہید

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزے دے کر فرعون کی طرف بھیجنا تھا اس لئے پہلے لاٹھی کا معجزہ دیتے ہیں (اور) اس کے دینے سے پہلے پوچھتے ہیں کہ (اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے) جس سے غرض یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی کی حقیقت اور اس کے منافع کو مستحضر کرلیں تا کہ پھر اس سے جو خارق عادت چیز پیش آئے تو ان کو بھی اس کا معجزہ ہونا واضح اور پختہ ہو جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (جواب دیا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ میں اس پر ٹیک بھی لگاتا ہوں اور اپنی بکریوں پر اس سے پتے بھی جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور کام بھی نکلتے ہیں) مثلاً موذی جانوروں کو دور کرنا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے (فرمایا کہ اے موسیٰ اس عصا کو) زمین پر (ڈال دو۔ سو انہوں نے اس کو) زمین پر (ڈال دیا تو اچانک وہ ایک دوڑتا ہوا سانپ) بن گیا (تھا) جس سے موسیٰ علیہ السلام بشری تقاضے کی وجہ سے ڈر گئے۔ (ارشاد ہوا کہ اس کو پکڑ لو اور ڈرو نہیں)۔ تمہارے پکڑتے ہی (ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے)۔ یعنی اس کو دوبارہ عصا بنا دیں گے۔

پھر دوسرا ہاتھ کا معجزہ دیتے ہوئے فرمایا کہ (تم اپنا ہاتھ) اپنے گریبان میں ڈال کر (اپنی بغل سے ملا لو تو وہ بغیر کسی بیماری کے) روشن اور (سفید ہو کر نکلے گا) کہ یہ تمہاری نبوت کی دوسری نشانی ہوگی)۔

اور یہ نشانیاں تم کو اس لئے دی ہیں (تا کہ ہم تم کو اپنی) قدرت کی (بڑی نشانیوں میں سے) کچھ دکھائیں جن سے تم کو ہماری غیر متناہی قدرت کا کچھ اندازہ ہو سکے اور تم اس پر بھروسہ کر کے ہر مخلوق سے خواہ کتنی ہی زبردست ہو بے خوف ہو جاؤ۔ اور اب ہماری یہ دونوں نشانیاں لے کر (فرعون کے پاس جاؤ کہ اس نے سرکشی کی ہے) اور خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو راہ حق کی دعوت دو اور ضرورت پڑے تو یہ معجزے اس کو دکھاؤ۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان پر ایک بڑا کام ڈالا جا رہا ہے تو اس کی مشکلات کی آسانی کے لئے (درخواست کی کہ اے میرے رب میرے سینے کو کشادہ کر دیجئے) یعنی مجھے مزید حوصلہ عطا فرمائیے تا کہ اس کام کے دوران جو سختیاں سامنے آئیں ان سے نہ گھبراؤں اور دوسروں کی مخالفت برداشت کر سکوں (اور) تبلیغ کا (میرا) یہ (کام آسان فرما دیجئے) یعنی ایسے اسباب فراہم کر دیجئے کہ یہ عظیم الشان کام کرنا آسان ہو جائے (اور میری زبان کی گرہ) اور لکنت (کو کھول دیجئے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے گھر والوں میں سے) ایک کو یعنی (ہارون کو کہ میرے بھائی بھی ہیں میرا معاون بنا دیجئے کہ ان سے میری کمر) یعنی میری قوت (کو مضبوط کر دیجئے اور ان کو میرے کام میں شریک کر دیجئے تا کہ ہم دونوں) مل کر دعوت و تبلیغ کے موقع پر خوب زور وشور سے (آپ کی پاکی) اور کمالات (بیان کریں اور) جب ہر ایک کو دوسرے سے تقویت قلب حاصل ہو گی تو طبیعت میں نشاط زیادہ رہے گا اور یوں اپنی خلوتوں میں (آپ کا ذکر بکثرت کریں) گے۔ (بے شک آپ ہم کو) اور ہمارے حال کو (خوب دیکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ تم کو تمہاری درخواست) میں مانگی ہوئی ہر چیز (دی گئی۔ اور ہم تو تم پر) اس سے پہلے (ایک اور مرتبہ) تمہارے مانگے بغیر ہی احسان کر چکے ہیں (جب ہم نے) تم کو فرعون کے جلادوں سے بچانے کے لئے (تمہاری ماں کو وہ بات الہام کی جو الہام ہی کی جاتی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں رکھو پھر صندوق) سمیت ان (کو دریا میں ڈال دو) جس کی ایک شاخ فرعون کے محل تک بھی گئی تھی (پھر) ہمارے حکم سے (دریا ان کو) صندوق سمیت ایک خاص کنارہ تک لے آئے) گا (تا کہ ان کو) ایک ایسا شخص (اٹھا لے) جو (میرا) بھی (دشمن) ہے کہ میرے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہے اور حق کی مخالفت کرتا ہے (اور ان کا) بھی (دشمن) ہے کہ تمام اسرائیلی بچوں کی جان کا دشمن بنا ہوا ہے کیونکہ نجومیوں نے اس کو بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ایک بچے کے ہاتھوں اس کی سلطنت تباہ ہو گی۔ ان کے کہنے پر اسرائیلی بچوں کو چن چن کر قتل کرتا تھا۔ (اور) اے موسیٰ (میں نے اپنی طرف سے تم پر محبت ڈال دی ہے) یعنی اس وقت مخلوق کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کر دی کہ جو دیکھے محبت کرے اور پیار کرے اور اسی محبت و پیار کی وجہ سے فرعون سے

تمہاری جان بچائی (اور یہ) اس غرض سے کیا تھا (کہ میری آنکھ کے سامنے) یعنی میری نگرانی اور حفاظت میں (تم پرورش) بھی (پاؤ) اور فرعون جیسے سخت دشمن کے گھر میں تربیت پاتے ہوئے کوئی تم کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکے۔

پھر ہم نے تم پر اس وقت بھی احسان کیا (جب) تمہاری والدہ صندوق کو دریا میں چھوڑنے کے بعد بشری تقاضے سے بہت غمگین اور پریشان تھیں کہ بچے کا نہ جانے کیا حشر ہوا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو تھامے رکھا اور انہوں نے کسی سے اس بات کا تذکرہ نہیں کیا البتہ اپنی بیٹی کو جو بڑی اور سمجھداری کی عمر کی تھیں کہا کہ تم خفیہ خفیہ صندوق کے پیچھے چلی جاؤ اور پتہ رکھو۔ تو (تمہاری بہن) تمہارے پیچھے (چلتی رہیں)۔

ادھر محل میں تمہیں دودھ پلانے کے لئے اور تمہاری پرورش کے لئے بہت سی عورتیں بلائی گئیں لیکن ہماری مشیت سے تم کسی کا دودھ نہیں لیتے تھے۔ (پھر) تمہاری بہن جو تاک میں لگی ہوئی تھیں یہ ماجرا دیکھ کر بولیں کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو) کسی طرح دودھ پلا کر (بچے کو پال سکے۔) حکم ہوا کہ اس عورت کو بلاؤ۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو لے کر پہنچیں۔ چھاتی سے لگاتے ہی بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والے خوش ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اجازت دیں کہ اپنے گھر لے جاؤں۔ آخر فرعون کی طرف سے بطور دایہ کے بچے کی تربیت پر مامور ہو کر اپنے گھر لے آئیں۔ (غرض) اس طرح (ہم نے تم کو تمہاری ماں کی طرف لوٹا دیا تا کہ وہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھیں اور غمزدہ نہ ہوں)۔

(اور) تم پر ہمارا ایک اور احسان یہ ہے کہ (تم نے) اپنی جوانی میں (ایک) قبطی اور ایک اسرائیلی کے مابین جھگڑے میں اسرائیلی کے مدد طلب کرنے پر قبطی (کو) مکا مار کر بلاقصد و ارادہ (قتل کر دیا) تھا جس سے تم ڈرے کہ دنیا میں پکڑا جاؤں گا اور آخرت میں بھی ماخوذ ہوں گا۔ (تو ہم نے تم کو) دونوں قسم کے (غم) اور پریشانی (سے نجات دی)۔ اخروی پریشانی سے اس طرح کہ توبہ کی توفیق بخشی اور اس کو قبول کیا۔ اور دنیوی سے اس طرح کہ تم کو مصر سے نکال کر مدین پہنچا دیا۔

(اور ہم نے تم کو کئی طرح سے آزمایا) جس میں تم پورے اترے (پھر تم کئی برس مدین والوں میں رہے پھر اے موسیٰ) اب (تم) مدین سے نکلے اور راستہ بھول کر (تقدیر سے یہاں آ پہنچے) جس کا تم کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ (اور میں نے تمہیں) خاص (اپنے) کام کے (لئے بنایا) ہے جس کا وقت اب آ گیا ہے۔ سو (تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانیوں کے ساتھ) تبلیغ کے لئے جاؤ اور اس کام کو بھی محنت سے کرنا (اور میری یاد میں سستی نہ کرنا)۔ اور اب ہم تمہیں تبلیغ کا مقام بتاتے ہیں۔ وہ یہ کہ (تم

دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ اس نے سرکشی کی ہے۔ اور تم دونوں اس خیال سے کہ شاید وہ) کچھ سوچ سمجھ کر (نصیحت حاصل کرے یا) اللہ کے جلال و جبروت کو سن کر (ڈر جائے اس سے نرم) و آسان اور رقت انگیز (گفتگو کرنا۔ وہ دونوں بولے کہ اے ہمارے رب) اس کے ڈرنے کی امید تو بعد میں ہوگی فی الحال تو (ہم) خود (ڈرتے ہیں کہ) کہیں (وہ) ہماری بات سنتے ہی غصہ میں (ہم پر بھڑ جائے یا ہم پر) ہی (سرکشی کرنے لگے)۔ موسیٰ علیہ السلام کے اس خوف میں اور ان کو دیئے گئے شرح صدر میں کچھ تضاد نہیں کیونکہ کامل حضرات بلاء کے نزول سے پہلے ڈرتے ہیں اور پناہ مانگتے ہیں لیکن جب بلاء آ پڑتی ہے تو اس وقت پورے حوصلہ اور کشادہ دلی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔ (فرمایا کہ تم دونوں خوف نہ کرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں)۔ جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب (میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں)۔ میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہوگی۔

فرعون کے ساتھ گفتگو

فَأْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ
مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ
اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۴۸﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾
قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾ قَالَ فَمَا بَالُ
الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ﴿۵۱﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ
وَلَا يَنْسَى ﴿۵۲﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا
سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ
شَتّٰى ﴿۵۳﴾ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

ترجمہ: سو تم دونوں جاؤ اس کے پاس اور کہو کہ ہم دونوں بھیجے ہوئے ہیں تیرے رب

کے سو بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور مت عذاب دے ان کو۔ ہم لائے ہیں تیرے پاس نشانی تیرے رب کی جانب سے اور سلامتی ہے اس پر جو پیروی کرے ہدایت کی۔ بلاشبہ وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذاب ہے اس پر جو جھٹلائے اور پھر جائے۔ بولا تو کون ہے رب تم دونوں کا اے موسیٰ۔ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو اس کی بناوٹ پھر رہنمائی فرمائی۔ بولا پھر کیا حال ہے پہلے زمانوں والوں کا۔ کہا ان کا علم ہے میرے رب کے پاس کتاب میں۔ نہ غلطی کرتا ہے میرا رب اور نہ بھولتا ہے۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بستر اور چلائے تمہارے لئے اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالیں ہم نے اس سے مختلف قسمیں نباتات کی۔ کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔ اسی سے پیدا کیا ہم نے تم کو اور اسی میں ہم لوٹائیں گے تم کو اور پھر اسی میں سے نکالیں گے تم کو دوسری بار۔

تفسیر: (سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور) اس سے (کہو کہ) ہمارا تمہارا سب کا ایک رب ہے اور (ہم دونوں تمہارے رب کے بھیجے ہوئے) تمہارے پاس آئے (ہیں سو) توحید و رسالت کو مان لینے کے علاوہ ایک کام یہ بھی کرو کہ (بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دو) تا کہ جہاں چاہیں آزادانہ زندگی بسر کریں (اور ان کو عذاب دینا) اور غلام بنائے رکھنا (بند کر دو۔ اور ہم) اپنے دعوائے رسالت پر تمہارے رب کی جانب سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور پھر ہماری بات مان کر (جو ہدایت کی پیروی کرے) گا (اس کے لئے) دونوں جہانوں میں (سلامتی ہے) اور (جو تکذیب و اعراض کرے گا تو اس کے بارے میں ہمیں یہ وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب) یقینی (ہے) خواہ صرف آخرت میں یا دنیا میں بھی۔

حضرت موسیٰ علیہ اسلام اور حضرت ہارون علیہ السلام حکم خداوندی کے مطابق فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے مذکورہ بالا بات کی تو فرعون نے جو یا تو خدا کو جانتا ہی نہ ہو گا یا محض تنگ کرنے کی نیت ہو گی (پوچھا کہ اے موسی) تم دونوں اپنے کو جس رب کا بھیجا ہوا بتاتے ہو (تو تمہارا رب کون ہے)۔ موسیٰ علیہ السلام نے (جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی) مناسبت سے (بناوٹ عطا کی) اور قویٰ اور خواص عطا فرمائے (پھر راہ دکھائی) جس کی یہ صورتیں ہیں۔

i- ہر چیز کے وجود و بقاء کے لئے جن سامانوں کی ضرورت تھی وہ مہیا کئے اور ہر چیز کو اپنی مادی اور روحانی قوتوں اور خارجی سامانوں سے کام لینے کی راہ دکھائی اور

ii- ایسا محکم نظام دکھلا کر ہمیں اس بات کی راہ دکھائی کہ مصنوعات کے وجود سے صانع کے وجود پر کیسے استدلال کریں۔

یہ مختصر اور کامل جواب سن کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اس بات کو پکڑا کہ جو کوئی تکذیب و اعراض کرے اس پر عذاب یقینی ہے اور (کہا کہ) اچھا اب یہ بتاؤ کہ (گزشتہ اقوام کا کیا حال ہوا)۔ تمہارے بقول خدا کے وجود پر روشن دلائل موجود ہیں تو پھر انہوں نے حق کو کیوں قبول نہ کیا اور تکذیب و اعراض کرنے پر کس پر کیا عذاب نازل ہوا۔ ہمیں اس کی تفصیل تو بتاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر کہ یہ تاریخ کے واقعات میں الجھانا چاہتا ہے اس لئے سابقہ کسی قوم کی مثال دینے سے اعراض کیا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سابقہ اقوام کے تفصیلی حالات ابھی تک ان کو نہیں بتلائے گئے تھے (فرمایا) کہ اول تو میں نے یہ نہیں کہا کہ عذاب دنیا ہی میں ضرور آتا ہے بلکہ کبھی دنیا میں بھی آ جاتا ہے اور آخرت میں تو ضرور ہوتا ہے دوسرے (ان) اقوام کے تفصیلی حالات (کا علم میرے رب کے پاس دفتر) اعمال (میں) محفوظ (ہے) اگرچہ اپنے لئے اس کو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ (میرا رب) خود ایسے علم والا ہے کہ اپنی معلومات میں (نہ غلطی کرتا ہے اور نہ) ان میں سے کسی بات کو (بھولتا ہے) اور پھر وہ ایسا ہے (جس نے تمہارے لئے زمین کو بستر بنایا) جس پر تم آرام کرتے ہو (اور اس میں تمہارے لئے) وادیوں، دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے (راستے چلائے) جن پر چل کر تم ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو (اور آسمان سے پانی اتارا) اور (پھر اس) پانی (کے ذریعہ تمہارے لئے طرح طرح کی نباتات نکالیں) اور تم کو اجازت دی کہ عمدہ غذائیں خود (کھاؤ اور) جو تمہارے کام کی نہیں اس پر (اپنے چوپایوں کو چراؤ۔ بے شک اس) سارے محکم و مضبوط نظام (میں عقل والوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت سی (نشانیاں ہیں) کیونکہ عام عقل یہی فیصلہ دیتی ہے کہ ایسا محکم و مضبوط نظام کسی کے بنائے بغیر محض اتفاقیہ طور پر خود بخود وجود میں نہیں آتا۔ اور جس طرح (ہم نباتات کو زمین سے نکالتے ہیں اسی طرح ہم نے ابتدا میں (تم کو) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو (زمین) کی مٹی (سے پیدا کیا اور) تمہارے مرنے کے بعد (تم کو اسی میں لوٹا دیتے ہیں اور) قیامت کے دن پھر (دوسری مرتبہ اسی میں سے ہم تم کو نکالیں گے)۔

فرعون کی تکذیب و اعراض اور مقابلہ آرائی اور اس میں اس کی شکست

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا
مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ
بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى
فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾
فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ
لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ
الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ
اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ
مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ
اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿٦٧﴾
قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿٦٨﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا
صَنَعُوْا ۭ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿٦٩﴾
فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿٧٠﴾ قَالَ
اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ
جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿٧١﴾ قَالُوْا لَنْ
نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
قَاضٍ ۭ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا
خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور ہم نے دکھائیں فرعون کو اپنی نشانیاں سب کی سب تو اس نے تکذیب کی اور انکار کیا۔ بولا کیا تم آئے ہو ہمارے پاس تا کہ تم نکالو ہم کو ہماری سرزمین سے اپنے جادو سے اے موسیٰ۔ تو ہم ضرور لائیں گے تمہارے پاس جادو اس کی مثل سو ٹھہرا لو ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ نہ خلاف کریں اس کا ہم اور نہ تم ہموار جگہ میں۔ کہا تمہارے وعدہ کا وقت جشن کا دن ہے اور جمع کئے جائیں لوگ دن چڑھے۔ تو پلٹا فرعون اور جمع کیا اپنے مکر کو پھر آیا۔ کہا ان سے موسیٰ نے کہ بربادی ہو تمہاری، مت افتراء کرو اللہ پر جھوٹ کہ پھر غارت کرے تم کو عذاب سے اور نامراد ہوا جس نے افتراء کیا۔ پھر جھگڑے اپنے کام میں اور چھپایا مشورہ کو۔ بولے بلاشبہ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ دونوں چاہتے ہیں کہ نکال دیں تم کو تمہاری سرزمین سے اپنے جادو سے اور لے جائیں تمہارا بہترین طریقہ۔ سو جمع کر لو اپنی تدبیر کو پھر آؤ صف باندھ کر اور جیت گیا آج جو غالب رہا۔ بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالئے اور یا یہ کہ ہم اول ہوں جو ڈالیں۔ فرمایا بلکہ تم ڈالو۔ اچانک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں خیال میں ڈالا گیا اس کے ان کے جادو سے کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ تو پایا اپنے دل میں خوف کو موسیٰ نے۔ ہم نے کہا مت خوف کر بے شک تو ہی غالب ہے۔ اور ڈال جو تیرے داہنے ہاتھ میں ہے وہ نگل لے گا اس کو جو انہوں نے بنایا۔ محض ہے جو انہوں نے بنایا مکر جادوگر کا اور فلاح نہیں پاتا جادوگر جہاں سے آئے۔ پھر گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے۔ کہا ایمان لائے ہم رب پر ہارون اور موسیٰ کے۔ بولا مان لیا تم نے اس کو پیشتر اس کے کہ میں اجازت دیتا تم کو۔ یقیناً وہ تمہارا بڑا ہے جس نے سکھایا تم کو جادو۔ سو اب میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر مخالف جانب سے اور میں ضرور سولی دوں گا تم کو کھجور کے تنوں پر اور تم ضرور جان لو گے کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت ہے عذاب میں اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ جادوگر بولے ہرگز ہم ترجیح نہ دیں گے تجھ کو اس پر جو آئے ہمارے پاس صاف دلائل اور اس پر جس نے پیدا کیا ہم کو۔ سو تو کر لے جو تو کرنے والا ہے۔ محض ختم کر سکتا ہے تو اس حیات دنیوی کو۔ ہم ایمان لائے اپنے رب پر تا کہ وہ بخش دے ہمارے لئے ہماری خطاؤں کو اور اس کو جو مجبور کیا تو نے ہم کو جادو پر اور اللہ بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

تفسیر: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ بالا تقریر کے دوران فرعون اپنے درباریوں سے کبھی کہتا کہ سنتے ہو یہ کیا بے عقلی کی باتیں کر رہے ہیں۔ اور کبھی کہتا ہے کہ یہ تو مجھے مجنون اور دیوانے لگتے ہیں۔ میرے علاوہ تمہارا کوئی اور معبود نہیں ہے اور اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ اے ہامان اینٹیں پکاؤ اور

میرے لئے ایک بلند عمارت تعمیر کرو تا کہ میں آسمان کی بلندیوں اور اس کے ذرائع تک پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو جھانک لوں۔ باقی میں تو ان کو بالکل جھوٹا یقین کرتا ہوں۔

اور فرعون نے یوں بھی اعتراض کیا کہ اے موسیٰ کیا تم بھول گئے ہو۔ کہ ہم نے تم کو اپنے یہاں لڑکا سا پالا پوسا اور تم نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے پاس گزارے اور اس زمانے میں تم نے وہ کام کیا یعنی ایک قبطی کو قتل کیا جو تمہیں خوب معلوم ہے اور تم تو احسان فراموش ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ وہ قتل تو چوک سے ہو گیا تھا اور میں تمہارے خوف سے یہاں سے بھاگ گیا تھا لیکن پھر میرے رب نے مجھے صحیح فیصلہ کرنے کی سمجھ عطا کی اور مجھ کو اپنا رسول بنایا۔ اور تم جو میری پرورش کا احسان مجھ پر جتا رہے ہو کیا اس کے بدلے میں یہ درست ہے کہ تم بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھو۔

فرعون بالآخر عاجز ہو کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنائے رکھا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا اس صورت میں بھی جب کہ میں تمہارے پاس کھلی نشانی لے آؤں تم مجھے قید کر دو گے۔ فرعون نے کہا اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو اور تمہارے پاس کوئی نشانی ہے تو وہ لا کر دکھاؤ۔

(اور ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے (فرعون کو اپنی) جو (نشانیاں) دکھلانی مقصود تھیں مثلاً لاٹھی کا سانپ بننا اور ہاتھ کا سفید و روشن ہونا وغیرہ وہ (سب دکھلا دیں پھر بھی وہ جھٹلاتا رہا اور انکار کرتا رہا) اور ان نشانیوں کو جادو بتلاتا رہا۔ اور پھر موسیٰ علیہ السلام پر الزام رکھتے ہوئے (کہا کہ اے موسیٰ) تمہاری دعوت تو محض ایک ڈھونگ ہے۔ اب تم صاف صاف بتاؤ کہ (کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو نا کہ اپنے جادو کے زور سے تم ہمیں ہماری زمین سے نکال دو) اور خود حکمران بن کر یہاں کے عوام کو لوٹ لو۔ تم اپنے ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمارے پاس بھی بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں (تو) تمہارے توڑ کے لئے (ہم) بھی (تمہارے پاس ایسا ہی جادو لاتے ہیں)۔ بہتر ہو گا کہ ان جادوگروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور جس دن اور جس جگہ مقابلہ کرنا چاہو ہم تمہیں اس کی تعیین کا اختیار دیتے ہیں (سو تم ہمارے درمیان اور اپنے درمیان ایک وعدہ طے کر لو جس کے خلاف نہ ہم کریں اور نہ تم کرو) اور وہ بھی (کسی ہموار میدان میں) ہو تا کہ سب لوگ بلا تکلف مشاہدہ کر سکیں۔ پیغمبروں کا معاملہ چونکہ بالکل صاف اور کھلا ہوتا ہے کوئی ملمع سازی نہیں ہوتی اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے (فرمایا کہ تمہارے) مقابلہ کے (وعدے کا) دن (یہ جشن کا دن اور) وقت ہے (دن چڑھے جب لوگ جمع کئے جائیں)۔

مقابلہ کا دن طے کر کے (پھر فرعون مجلس سے لوٹ گیا اور اپنے مکر کا سامان جمع کرنے لگا) یعنی

جادوگروں کو جمع کرنے اور مہم کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی تدبیریں کرنے لگا اور (پھر) آخر کار مکمل تیاری کے بعد پوری طاقت کے ساتھ وقت معین پر مقابلہ کے میدان میں (آ گیا)۔ جادوگروں کی بڑی فوج اس کے ساتھ تھی۔ انعام و اکرام کے وعدے ہو رہے تھے اور ہر طرح سے موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی فکر تھی۔ چونکہ جادوگر حق کا مقابلہ جادو سے کرنے آئے تھے اس لئے (موسیٰ) علیہ السلام (نے) مقابلہ شروع ہونے سے پہلے (ان کو تنبیہ کی کہ ارے تمہاری بربادی ہو) خدا کی نشانیوں اور انبیاء کے معجزات کو جادو کہنا تو اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے تو (تم اللہ پر جھوٹ مت باندھو کہیں خدا تعالیٰ تم کو) اپنے کسی (عذاب سے برباد نہ کردے اور) اس کی وجہ یہ ہے اللہ پر (جھوٹ باندھنے والا) ہمیشہ (ناکام ہوتا ہے)۔ موسیٰ علیہ السلام کی اس تقریر نے جادوگروں میں کھلبلی ڈال دی اور (پھر وہ) آپس میں اپنی رائے میں (جھگڑنے لگے) کہ اس شخص کو کیا سمجھا جائے کیونکہ اس کی باتیں جادوگروں کی سی معلوم نہیں ہوتیں۔ غرض وہ باہم بحث و مناظرہ کرتے رہے (اور خفیہ مشورے کرتے رہے) لیکن آخر میں فرعون کے اثر سے متاثر ہو کر یوں (کہنے لگے کہ واقعی یہ دونوں جادوگر ہیں جو چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے) دین و رسوم کے (بہترین طریقہ کو ختم کر دیں۔ تو اب (تم) موقع کی اہمیت کو سمجھو اور (سب مل کر اپنی تدبیر کا انتظام کرو پھر صفیں باندھ کر) مقابلہ میں (آؤ اور) یکبارگی ایسا حملہ کرو کے پہلے ہی وار میں ان کے قدم اکھڑ جائیں کیونکہ آج کا معرکہ فیصلہ کن معرکہ ہے (جو آج غالب ہوگا وہی کامیاب رہے گا)۔

پھر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے (کہا کہ اے موسیٰ کہئے یا تو آپ) اپنا عصا پہلے (ڈالیں گے یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں)۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت تسلی سے (فرمایا) نہیں (بلکہ تم) پہلے اپنے حوصلے نکال لو اور جو تم ڈالنا چاہتے ہو (ڈال لو)۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور حاضرین کی نظر بندی کر دی (تو یکا یک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کی نظر بندی کے عمل کی وجہ سے موسیٰ) علیہ السلام (کے خیال میں ڈالا گیا کہ وہ) سانپ کی طرح (دوڑتی چلتی ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف پایا) کہ جادوگروں کی یہ شعبدہ بازی دیکھ کر کہیں عوام دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور جادو اور معجزہ میں فرق نہ کرسکیں اور ایسی صورت میں حق کا غلبہ واضح نہ ہوگا۔ موسیٰ علیہ اسلام کا یہ خوف دیکھ کر (ہم نے کہا) اے موسیٰ (تم) اس بات کا کچھ (خوف مت کرو) آخر کار علی الاعلان (تم ہی غالب رہو گے اور) اس کے لئے یہ (جو تمہارے داہنے ہاتھ میں) عصا (ہے اس کو) زمین پر (ڈال دو جو کچھ انہوں نے) سوانگ (بنایا ہے یہ عصا اس کو نگل لے گا۔ انہوں نے جو) سوانگ (بنایا ہے وہ محض جادوگر کا مکر ہے اور جادوگر جہاں سے) چاہے اپنے ڈھکوسلے بنا کر لے (آئے) معجزہ کے

مقابلے میں (وہ کامیاب نہیں ہوتا)۔ موسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوگئی کہ حق و باطل اور معجزہ اور جادو کے درمیان امتیاز ہو کر رہے گا چنانچہ انہوں نے اپنا عصا ڈالا تو وہ حقیقی سانپ بن کر جادوگروں کی دوڑتی نظر آنے والی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔

(پھر جادوگر) فن کو جاننے والے تھے۔ اصول فن کے اعتبار سے فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں ہو سکتا۔ یہ یقیناً جادو سے اوپر کوئی اور حقیقت ہے۔ دل میں ایمان آیا اور (سجدہ میں گر پڑے) اور (پکار اٹھے کہ ہم تو ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے)۔ فرعون نے جو یہ ماجرا دیکھا اور میدان کو ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو صورتحال کو سنبھالنے کے لئے فوراً (بولا کہ) یہ کیا (پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم ان) موسیٰ (پر ایمان لے آئے)۔ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی۔ (معلوم ہوگیا کہ یہ تمہارے بڑے ہیں جنہوں نے تمہیں جادو سکھایا) ہے اور استاد اور شاگردوں نے مل کر سازش کر کے جنگ زرگری اور نورا کشتی کی ہے تاکہ تم کو حکومت حاصل ہو جائے۔ اور تم ایمان لا کر سمجھتے ہو کہ تم لوگ نجات پا لو گے اور ہم سب ابدی عذاب میں مبتلا رہیں گے (سو میں) تمہیں نہیں چھوڑوں گا اور (مخالف جانب سے تمہارے ہاتھ اور پاؤں ضرور کاٹوں گا) مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں (اور) پھر (میں تم سب کو کھجور کے تنوں پر ضرور سولی دوں گا) تاکہ دوسروں کو عبرت ہو (اور تم کو) ابھی (معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم دونوں میں سے) یعنی مجھ سے اور موسیٰ کے رب میں سے (کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے)۔ ان جادوگروں نے جواب میں (کہا کہ ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے) نہ تو (ان دلائل پر جو ہم تک پہنچے ہیں اور نہ اس ذات پر جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ تجھ کو جو کرنا ہو) دل کھول کر (کرلے۔ تو محض اس دنیا کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے) تو کر دے۔ بس اب تو (ہم اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ معاف کر دے ہمارے لئے ہماری خطائیں بھی اور اس جادو کو بھی جس) کے ساتھ حق کا مقابلہ کرنے (پر تو نے) اور تیری حکومت کے خوف نے (ہمیں مجبور کیا اور اللہ تعالیٰ ہی) ثواب کے اعتبار سے (بہتر اور باقی رہنے والے ہیں) یعنی ان ہی کا ثواب بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی ہے لہٰذا ان کے ثواب کی امید میں ہمیں تیری ایذاء رسانی کا کچھ ڈر نہیں۔

ربط: جادوگروں نے یہ بات کہی کہ انسانوں کی ایذاء کے مقابلہ میں اللہ کا ثواب بہتر اور پائیدار ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ ثواب و عذاب سے متعلق اپنا ضابطہ بتاتے ہیں۔

إِنَّهُۥ

مَن يَأْتِ رَبَّهُۥ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُۥ جَهَنَّمَ ط لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۝

وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰىۙ ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو آئے اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر تو اس کے لئے جہنم ہے نہ مرے گا اس میں اور نہ جیئے گا۔ اور جو آئے اس کے پاس مومن ہو کر کہ کی ہوں اس نے نیکیاں تو ان لوگوں کے لئے ہیں بلند درجے۔ باغ ہیں ہمیشہ کے بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہ جزا ہے اس کی جو پاک ہوا۔

تفسیر: (یقیناً جو کوئی اپنے رب کے پاس) اس کی بغاوت اور اس کے کفر کا (مجرم بن کر آتا ہے تو اس کے لئے) سزا کے طور پر (جہنم) مقرر (ہے۔ اس میں نہ مرنا ہوگا) جو تکلیفوں کا خاتمہ کر دے (اور) جینے کی طرح کا (جینا بھی نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اس کے پاس مومن بن کر آتا ہے کہ نیکیاں کی ہوں گی تو ان لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں یعنی ہمیشہ کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہیں گے۔ اور جو شخص) گندے خیالات، فاسد عقائد اور رذیل اخلاق اور برے اعمال سے (پاک ہو جائے اس کی یہی جزا ہے)۔

فرعون کا مزید اعراض اور سینہ زوری

جب فرعونیوں نے مقابلہ کے میدان میں شکست کھائی اور جادوگر مسلمان ہو گئے اور کچھ اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کا زور اور اثر توڑنے کے لئے کئی قسم کے اقدامات کئے مثلاً:

1- حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کے ہاں پیدا ہونے والے لڑکوں کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو خدمت کے لئے زندہ رکھا جائے۔

2- اپنی قوم میں اعلان کیا کہ اے میری قوم کیا ایسا نہیں ہے کہ میں ہی مصر کے تاج و تخت کا مالک ہوں اور میری ہی حکومت کے قدموں کے نیچے یہ نہریں بہہ رہی ہیں۔ کیا تم میرے اس جاہ و جلال کو نہیں دیکھتے۔ اب بتاؤ کیا میں بلند و بالا ہوں یا یہ جس کو نہ عزت حاصل ہے اور جو بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ اگر یہ اپنے خدا کے ہاں عزت والا ہے تو کیوں اس پر آسمان سے سونے کے کنگن نہیں گرتے جو یہ پہنے جیسا کہ میں پہنا ہوا ہوں یا فرشتے اس کے سامنے پر باندھ کر کیوں کھڑے نہیں ہوتے جیسا کہ میرے دربار میں لوگ میری عزت میں کھڑے رہتے ہیں۔

3- کبھی یہ اعلان کرتا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ یعنی سب سے بڑا رب ہوں۔

4-اس نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر ڈالے۔

فرعون اور مصریوں پر خدا کے چھوٹے عذاب

غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت وتبلیغ کا فرعون اور اس کے سرداروں پر مطلق اثر نہ ہوا اور سوائے چند مصریوں کے عام مصریوں نے بھی ان ہی کی پیروی کی اور صرف یہی نہیں بلکہ فرعون کے حکم سے مسلمانوں کی نرینہ اولاد قتل کی جانے لگی اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف پروپیگنڈہ زور وشور سے کیا جانے لگا تو پہلے فرعون اور فرعونیوں پر یکے بعد دیگرے چند قسم کے عذاب نازل کئے گئے یعنی قحط کا، پیداوار میں کمی کا، ٹڈیوں کا اور جوؤں کا اور مینڈکوں کا اور خون کا۔ ان عذابوں کے آنے پر فرعون اور اس کی قوم نے یہ وطیرہ اپنایا کہ جب عذاب کی کوئی شکل نازل ہوتی تو یہ موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے کہ اگر آپ ہم سے یہ عذاب ہٹوا دیں گے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور ضرور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے اور جب عذاب دور کر دیا جاتا تو مکر جاتے۔ بالآخر ان کی مکمل تباہی کا فیصلہ آ پہنچا۔

فرعون اور اس کی فوج کی غرقابی

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

ترجمہ: اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ رات کو لے چل میرے بندوں کو پھر بنا دے ان کے لئے راستہ سمندر میں سوکھا نہ خوف کرے تو پکڑے جانے کا اور نہ ڈرے تو۔ پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ پھر ڈھانپ لیا ان کو پانی کے ریلے نے جیسا کچھ ان پر ڈھانپنے والا تھا اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اور راہ نہ دکھائی۔

تفسیر: ہر طرح سے حجت پوری ہوگئی (اور) فرعون کو دل سے بھی یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں لیکن فرعون نے ظلم اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس نے نہ تو حق کو مانا اور نہ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کیا تو اب (ہم نے) آخری فیصلہ کے طور پر (موسیٰ) علیہ السلام (کو وحی کی کہ ہمارے ان

بندوں کو) یعنی بنی اسرائیل کو مصر سے (راتوں رات) نکال کر (لے چلو) تا کہ فرعون کے ظلم اور اس کی غلامی سے ان کو نجات ملے۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکلے تو فرعون بھی اپنے لشکروں سمیت ان کے تعاقب میں نکلا۔ جب بنی اسرائیل سمندر کی طرف پہنچے اور فرعون کی فوج کو اپنی طرف آتے دیکھا تو کہہ اٹھے کہ ہم تو پکڑے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہرگز نہیں یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے نجات کی راہ دکھائے گا۔ پھر) اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ تم اپنے عصا سے (سمندر) کو مار کر اس (میں ان کے لئے ایک خشک راستہ بنا دو) یعنی تم پانی پر عصا مارو تو ہم اس میں سے ایک خشک راستہ نکال دیں گے اور (تمہیں نہ تو پکڑے جانے کا اندیشہ ہوگا اور نہ) ڈوبنے کا (ڈر ہوگا)۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے حسب ہدایت سمندر پر لاٹھی ماری تو پانی پھٹ کر راستہ نکل آیا اور راستے کے دونوں طرف پانی کے بڑے پہاڑ جیسے کھڑے ہو گئے۔ بنی اسرائیل اس پر سے بلا تکلف گزر گئے۔ (پھر) خشک راستہ دیکھ کر (فرعون) بھی (اپنے لشکروں سمیت بنی اسرائیل کے پیچھے) سمندر میں گھس (گیا)۔ جس وقت بنی اسرائیل عبور کر گئے اور فرعون کا لشکر راستہ ہی میں تھا اللہ تعالیٰ نے سمندر کو مل جانے کا حکم دے دیا (تو) اس وقت (پانی کے) عظیم (ریلے نے ان کو ڈھانپ لیا جیسا کچھ وہ ان کو ڈھانپنے والا تھا) اور سب غرق ہو کر رہ گئے۔ (اور فرعون نے اپنی قوم کو غلط راہ پر لگایا) جو ان کو ہلاکت کی طرف لے گئی (اور سیدھی راہ پر نہیں لگایا) کہ نجات حاصل ہوتی۔

ربط: بنی اسرائیل پر اتنا بڑا احسان ہوا کہ غلامی سے نجات ملی اور دشمن غرق ہوا۔ یہ احسان یاد دلا کر ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ تمہیں چاہئے کہ تم ان احسانوں کا حق ادا کرو۔

يٰبَنِیٓ

اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل نجات دی ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور وعدہ ٹھہرایا ہم

نے تم سے کوہ طور کی دائیں جانب اور اتارا تم پر من وسلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو دیں ہم نے تم کو اور مت سرکشی کرو اس میں کہ اترے گا تم پر میرا غضب۔ اور جو شخص ہو کہ اترے اس پر میرا غضب تو وہ گیا گزرا ہوا۔ اور میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل کرے نیک پھر راہ پر رہے۔

تفسیر: (اے بنی اسرائیل) میں نے تم پر بہت سے انعام واحسان کئے مثلاً یہ کہ

(1) (ہم نے تم کو تمہارے) سخت (دشمن سے نجات دی اور)

(2) موسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے (کوہ طور کی دائیں جانب تم سے یہ وعدہ ٹھہرایا) کہ مصر سے شام کو جاتے ہوئے کوہ طور کا جو بابرکت دایاں حصہ ہے وہاں آؤ تو تم کو تورات عطا کی جائے گی (اور)

(3) تیہ کے لق ودق میدان میں (ہم نے) تمہارے کھانے کے لئے (تم پر من وسلوی اتارا)۔ ان احسانات کا حاصل یہ ہے کہ (ہم نے تمہیں جو پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں ان میں سے کھاؤ اور اس بارے میں سرکشی نہ کرو) جس کی صورتیں یہ ہیں کہ ناشکری یا فضول خرچی کرنے لگو یا فنا ہو جانے والی چیزوں پر اترانے لگو یا ان میں سے حقوق واجبہ ادا نہ کرو یا اللہ کی دی ہوئی دولت معاصی میں خرچ کرنے لگو یا جہاں اور جس وقت جوڑ کر رکھنے کی ممانعت ہے، وہاں جوڑنے کے پیچھے پڑ جاؤ (کہ) ایسی سرکشی کرنے میں (تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہو تو وہ انتہائی گیا گزرا ہوا۔ اور جو) دل سے (توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر راہ ہدایت پر قائم رہے تو ایسے کو میں بہت بخشنے والا ہوں)۔

ربط: مذکورہ بالا نصیحت کے باوجود بنی اسرائیل کی بڑی تعداد بچھڑے کی عبادت میں لگ گئی اور ان پر خدا کا غصہ ہوا۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ

يٰمُوۡسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿٨٤﴾

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾

فَرَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ

رَبُّكُمۡ وَعۡدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ
بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ
اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا
هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ
قَوْلًا ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ
مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ
وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا
مُوْسٰى ﴿٩١﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ
اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ
اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ
قَوْلِيْ ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا
بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ
لِيْ نَفْسِيْ ﴿٩٦﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۠
وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ
عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ اِنَّمَآ
اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾

ترجمہ: اور کس چیز نے جلدی میں کیا تم کو اپنی قوم سے اے موسیٰ۔ کہا وہ میرے نقش
قدم پر ہیں اور میں نے جلدی کی تیری طرف اے میرے رب تا کہ تو راضی ہو جائے۔ فرمایا ہم

نے آزمایا تیری قوم کو تیرے بعد اور گمراہ کیا ان کو سامری نے۔ تو لوٹا موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ کرتے ہوئے افسوس کرتے ہوئے۔ کہا اے میری قوم کیا نہیں وعدہ کیا تم سے تمہارے رب نے وعدہ اچھا۔ کیا طویل ہو گیا تم پر زمانہ یا ارادہ کیا تم نے کہ اترے تم پر غضب تمہارے رب کی جانب سے سو خلاف کیا تم نے میرے وعدہ کا۔ بولے نہیں خلاف کیا ہم نے تیرے وعدہ کا اپنے اختیار سے ولیکن ہم اٹھوائے گئے بوجھ قوم کی زینت کا سو پھینک دیا ہم نے اس کو پھر اسی طرح ڈالا سامری نے۔ پھر نکالا ان کے لئے بچھڑا یعنی ایک بدن جس کے لئے تھی گائے کی آواز اور کہا یہ ہے معبود تمہارا اور معبود موسیٰ کا سو وہ بھول گیا۔ کیا پس نہیں دیکھتے کہ نہیں لوٹا تا وہ ان کی طرف بات کو اور نہیں اختیار رکھتا ان کے لئے نقصان کا اور نہ نفع کا۔ اور کہا تھا ان کو ہارون نے پہلے سے کہ اے قوم تم بہکائے گئے ہو اس کے ذریعہ اور تمہارا رب رحمٰن ہے تو پیروی کرو میری اور اطاعت کرو میرے حکم کی۔ بولے ہم مسلسل اسی پر بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئے ہماری طرف موسیٰ۔ کہا اے ہارون کس چیز نے روکا تجھ کو جب دیکھا تو نے ان کو کہ گمراہ ہو گئے کہ نہ پیچھے آئے تو میرے۔ کیا نافرمانی کی تو نے میرے حکم کی۔ کہا اے میری ماں کے بیٹے نہ پکڑ میری داڑھی کو اور نہ میرے سر کو۔ میں ڈرا کہ تو کہے کہ پھوٹ ڈالی تو نے بنی اسرائیل کے درمیان اور یاد نہ رکھی میری بات۔ کہا تو کیا معاملہ ہے تیرا اے سامری۔ بولا میں نے دیکھی وہ چیز نہیں دیکھی جو انہوں نے تو بھر لی میں نے ایک مٹھی رسول کے نقش قدم سے پھر ڈال دی میں نے وہ اور اسی طرح سمجھایا مجھ کو میرے نفس نے۔ کہا سو تو جا کہ تیرے لئے ہے زندگی میں کہ تو کہے نہ ہاتھ لگانا اور بلاشبہ تیرے لئے ہے ایک وعدہ ہرگز خلاف نہ کیا جائے گا جس کا اور دیکھ اپنے معبود کی طرف وہ جو رہا تو اس پر معتکف۔ ہم ضرور جلائیں گے اس کو پھر ہم بکھیر دیں گے اس کو دریا میں بکھیر کے۔ محض ہے تمہارا معبود اللہ۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ وہ وسیع ہوا ہے ہر چیز پر علم سے۔

تفسیر: جب اللہ تعالیٰ کو تورات دنیا منظور ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کوہ طور پر آئیں اور اپنے ساتھ اپنی قوم کے نقیبوں کو بھی لائیں۔ موسیٰ علیہ السلام شوق میں سب سے پہلے تنہا جا پہنچے (اور دوسرے لوگ کچھ پیچھے رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا (اے موسیٰ تم اپنی قوم کو پیچھے چھوڑ کر جلدی کیوں چلے آئے)۔ انہوں نے جواب میں (کہا وہ لوگ یہ ہیں میرے) پیچھے پیچھے (نقش قدم پر اور میں نے دوسروں سے پہلے (آپ کی طرف جلدی کی کہ) امتثال امر میں میری تیزی کو دیکھ کر (آپ راضی ہوں۔ فرمایا) کہ تم تو ادھر آئے اور (ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو) ایک سخت (آزمائش میں ڈال

دیا اور) اس کی عالم اسباب میں یہ صورت بنی کہ (سامری) کے نام سے مشہور ایک منافق (نے ان کو گمراہ کر دیا ہے)۔ کوہ طور پر ٹھہرنے کی جب مدت پوری ہوگئی (تو موسیٰ) علیہ السلام (اپنی قوم کی طرف غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے واپس لوٹے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے اچھا) اور سچا (وعدہ نہیں کیا تھا) کہ ہم تم کو اپنی کتاب تورات دیں گے۔ اس کتاب کا انتظار تو تم پر واجب تھا۔ (کیا تم پر) میعاد مقررہ سے (زیادہ زمانہ گذر گیا تھا) کہ اس کے ملنے سے مایوس ہوگئی ہو اس لئے اپنی طرف سے ایک عبادت ایجاد کر لی (یا) نا امیدی تو نہیں ہوئی لیکن تمہاری نیتیں ہی بدل گئیں اور (تم نے ارادہ کیا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو تو تم نے) جان بوجھ کر (میرے) اس (وعدہ کی) کہ میں تم کو خدا کی کتاب لا دوں اور تم اس پر عمل کرو گے اور میرے اتباع پر قائم رہو گے (مخالفت کی)۔ قوم والوں نے (جواب دیا کہ ہم نے آپ کے وعدہ کی مخالفت اپنے اختیار سے نہیں کی ولیکن) سامری کے عمل سے ہم اشتباہ میں پڑ گئے تھے۔ ہوا یہ کہ فرعون کی (قوم کے) جو (زیور) ہم نے کسی تقریب میں پہننے کے لئے ادھار لئے تھے اور پھر راتوں رات نکلنے کی وجہ سے واپس نہیں کر سکتے تھے ان (کا بوجھ ہم پر لدا ہوا تھا) اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اسے کیا کریں (تو وہ ہم نے) سامری کے مشورہ سے آگ میں (پھینک دئے تھے) تاکہ جل کر ختم ہو جائیں۔ (پھر اس طرح سامری نے بھی) اپنے پاس کا زیور آگ میں (ڈال دیا)۔ لیکن (پھر سامری نے ان لوگوں کے لئے) اس پگھلے ہوئے زیور سے (ایک بچھڑا) ڈھال (نکالا کہ وہ ایک قالب تھا جس میں) کچھ کمال اور خوبی نہ تھی صرف (گائے کی سی) بے معنی (آواز تھی)۔ اس کو دیکھ کر ان کے سخت غلو کرنے والے لوگ (کہنے لگے کہ) اصل میں (یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود۔ تو) اسی کی عبادت کرو (موسیٰ کو تو بھول ہوئی) کہ خدا تعالیٰ سے ہمکلام ہونے کے لئے کوہ طور پر گئے حالانکہ اس بچھڑے کی شکل میں خدا تو یہاں موجود ہے۔ (کیا) عقل کے اندھے اتنا بھی (نہیں دیکھتے کہ وہ) تو ایسا گیا گزرا ہے کہ (نہ تو ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ہی ان کے لئے کسی نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے۔) ایسا ناکارہ وجود خدا کیسے ہوسکتا ہے۔ (اور ان لوگوں کو پہلے ہی) جب انہوں نے یہ حرکت کی (ہارون) علیہ السلام (نے) روکتے ہوئے (کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو تم اس بچھڑے کے ذریعہ آزمائش میں پڑے ہو)۔ یہ تمہارا رب نہیں ہے (اور تمہارا رب تو محض رحمٰن ہے) جس نے اب تک تم پر کس قدر رحمتوں کی بارش کی ہے۔ میں موسیٰ کا نائب ہوں اور خود نبی بھی ہوں (سو تم میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو) سامری کے چکر میں مت پڑو۔ (ان لوگوں نے جواب دیا کہ موسیٰ کے ہمارے پاس واپس آنے تک تو ہم مسلسل اس پر جمے بیٹھے رہیں گے)۔ ان کے آنے پر دیکھا جائے گا جو مناسب معلوم ہوگا کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو پہلے قوم سے خطاب کیا جو اوپر گزرا پھر ہارون علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے اور (کہا اے ہارون جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ یہ) بالکل (گمراہ ہو گئے ہیں) اور نصیحت بھی نہیں سنتے (تو) اس وقت (تم کو میرے پاس آنے سے کس چیز نے روکا تھا)۔ تم کو اسی وقت میرے پاس آنا چاہئے تھا تاکہ فوراً کارروائی کرتے۔ اور میں نے تمہیں اپنا نائب بناتے ہوئے کہا تھا کہ لوگوں کی اصلاح کرنا اور مفسدوں کی اتباع نہ کرنا تو (کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی) نہیں (کی) کہ نہ تو موافق لوگوں کے ساتھ مل کر ان کا مقابلہ کیا اور نہ ہی ان سے علیحدہ ہوئے۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی آرام سے ان کے ساتھ رہتے رہے۔ یہ تو تم نے عجیب بات کی اور غصہ کے مارے موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی داڑھی کے اور سر کے بالوں کو پکڑ لیا۔ ہارون علیہ السلام نے (کہا ای میری ماں کے بیٹے) یعنی اے میرے بھائی (آپ میری داڑھی اور میرے سر کے بالوں کو مت پکڑئے) اس سے دشمن خوش ہوں گے اور میرا عذر سن لیجئے۔ آپ کے پاس میرے نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ میں آتا تو مخلص مومن بھی میرے ساتھ آتے اور (مجھے ڈر ہوا کہ) اس صورت میں (آپ کہتے کہ تم نے بنی اسرائیل کے درمیان پھوٹ ڈالی) جو بعض اوقات ایک جگہ رہنے سے زیادہ نقصان دہ ہوتی ہے کہ مفسد لوگ میدان کو خالی پا کر فساد میں اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں (اور) پھر آپ کہتے کہ میں نے اصلاح کرنے کو کہا تھا لیکن (تم نے میری بات کو یاد نہیں رکھا) اور اس پر عمل نہیں کیا۔ اسی طرح اگر مخلص لوگوں کو لے کر میں گمراہوں سے مقابلہ کرتا تب بھی یہی صورتحال بنتی۔ اس لئے صرف زبان سے سمجھایا لیکن یہ نہ سمجھے بلکہ الٹا مجھے قتل کرنے کے درپے ہوئے۔

ادھر سے فارغ ہو کر موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹا اور (فرمایا کہ اے سامری) اب تو بتا کہ (تیرا کیا معاملہ ہے) یہ آواز دینے والا بچھڑا تو نے کیسے بنایا۔ سامری نے جواب میں (کہا کہ میں نے ایک ایسی چیز دیکھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی) یعنی خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے کو دیکھا (تو میں نے اس کے نقش پا سے) مٹی کی (ایک مٹھی بھر لی) کیونکہ خود بخود میرے دل میں یہ بات آئی کہ اس مٹی میں ضرور کچھ غیر معمولی تاثیر ہو گی اور (پھر) جب بچھڑے کے قالب کو ڈھالا تو اس میں (یہ) مٹی (ڈال دی)۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ قالب میں سے گائے کی سی آواز آنے لگی۔ (اور میرے نفس نے مجھے یہ بات اسی طرح سمجھائی)۔ مصر میں گاؤ پرستی کا رواج تھا۔ جو بنی اسرائیل اس سے کچھ متاثر تھے وہ یہ کرشمہ دیکھ کر بہک گئے اور سمجھے کہ واقعی یہی خدا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اس سے (کہا کہ تو) یہاں سے دفع ہو (جا۔ تیرے لئے ایک تو زندگی بھر) کی (یہ) سزا (ہے کہ) جب بھی کوئی تجھے چھوئے تو تجھے بخار ہو جائے لہٰذا اس سے بچنے کے لئے (تو

یہی کہتا رہے کہ) مجھے (مت چھونا) کیونکہ تو نے بچھڑے کا ڈھونگ اسی لئے رچایا تھا کہ لوگ تیرے ساتھ ہوں اور تجھے سرداری وحکومت ملے۔ اس کے مناسب یہی سزا ہے کہ کوئی تیرے پاس نہ آئے اور جو قریب آئے اس کو خود دور رہنے کی ہدایت کرے (اور) دنیا میں بالکل ذلیل اور اچھوت کی طرح زندگی گزارے۔ دوسرے (تیرے لئے) اس سزا کے علاوہ (ایک) اور (وعدہ ہے) آخرت کے عذاب کا (جس کے خلاف تجھ سے ہرگز نہ کیا جائے گا۔ اور) تیسرے تیرے لئے حسرت کا مقام بھی ہے کہ (تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس) کی عبادت (پر تو جما بیٹھا تھا) اور اس کے ذریعے اپنی سیادت چاہتا تھا۔ (ہم اس کو ضرور) توڑ پھوڑ کر (جلا دیں گے پھر اس کو دریا میں بکھیر دیں گے) تاکہ اس کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ (بس تمہارا حقیقی معبود تو صرف اللہ ہے جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اور وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔)

ربط: اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مفصل قصہ ذکر ہوا۔ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن ایسے عبرت آموز واقعات پر مشتمل ہے اور جو لوگ اس سے اعراض کرتے ہیں ان پر قیامت کے دن بڑا بوجھ لادا جائے گا۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚ ﴿۹۹﴾ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ﴿۱۰۰﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اسی طرح ہم بیان کرتے ہیں تجھ پر ان خبروں سے جو گذر چکیں اور دیا ہے ہم نے تجھ کو اپنے پاس سے نصیحت نامہ۔ جو اعراض کرے اس سے تو وہ اٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ، ہمیشہ رہیں گے اس میں اور برا ہے ان کے لئے قیامت کے دن بوجھ۔

تفسیر: جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کیا (اسی طرح ہم آپ سے) عبرت آموز (گزشتہ واقعات کی خبریں بھی بیان کرتے) رہتے (ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ) یعنی قرآن (دیا ہے) جو عبرت آموز واقعات اور حقائق پر مشتمل ہے۔ تو (جو کوئی اس سے اعراض کرے) کہ اس کو نہ مانے (تو وہ قیامت کے دن) عذاب کا بڑا بھاری (بوجھ اٹھائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور قیامت کے دن بوجھ ان کے لئے برا ہوگا)۔

ربط: اوپر قیامت کا ذکر آیا تو آگے قیامت کے دن کی کچھ تفصیل ذکر کرتے ہیں تاکہ اس کی ہولناکیوں کو سن کر قرآن سے اعراض کرنا چھوڑ دیں۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي
الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝١٠٢ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ
اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝١٠٣ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ
طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝١٠٤ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ
يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝١٠٥ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝١٠٦ لَّا تَرٰى فِيْهَا
عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝١٠٧ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ
الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝١٠٨ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ
الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ۝١٠٩ يَعْلَمُ
مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ۝١١٠ وَعَنَتِ
الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝١١١ وَمَنْ
يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝١١٢

ترجمہ: جس دن پھونکا جائے گا صور میں اور ہم اکٹھا کریں گے مجرموں کو اس دن نیلی آنکھوں والا بنا کر چپکے چپکے کہتے ہوں گے آپس میں کہ نہیں رہے تم مگر دس روز۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں جب کہے گا ان میں زیادہ صائب رائے کہ نہیں ٹھہرے تم مگر ایک دن۔ اور وہ پوچھتے ہیں تجھ سے پہاڑوں کے بارے میں۔ تو کہہ بکھیر دے گا ان کو میرا رب پوری طرح پھر چھوڑ دے گا ان کو ہموار میدان نہ دیکھے گا تو اس میں کجی کو اور نہ بلندی کو۔ اس دن پیروی کریں گے بلانے والے کی۔ نہیں ہوگی کوئی کجی اس میں اور پست ہو جائیں گی آوازیں رحمٰن کے لئے تو نہ سنے گا تو مگر آہٹ۔ اس دن نہ نفع دے گی شفاعت مگر اس کو کہ

اجازت دے جس کے لئے رحمٰن اور پسند کرے جس کے لئے بولنے کو۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے اور لوگ احاطہ نہیں کرتے اس کا علم سے۔ اور جھکے ہوں گے چہرے حی قیوم کے سامنے اور نامراد ہوگا وہ شخص جس نے اٹھایا ظلم کو۔ اور جو کوئی کرے عمل نیک اور وہ ہو مومن تو نہ خوف کرے گا ظلم کا اور نہ نقصان کا۔

تفسیر: اور اب قیامت کے دن کی ہولناکیوں کو سنو۔ یہ وہ دن ہوگا (جس دن) دوسری مرتبہ (صور میں پھونکا جائے گا) جس سے مردے زندہ ہو جائیں گے (اور اس دن ہم مجرموں کو) یعنی کافروں کو (نیلی آنکھوں والا بنا کر) میدان قیامت میں (اکٹھا کریں گے) تا کہ آنکھوں کی اس رنگت کی وجہ سے ان کی بدصورتی میں مزید اضافہ ہو۔ اور آخرت کا ماحول اور وہاں کے ہولناک مناظر دیکھ کر دنیا میں یا قبر میں رہنا اتنا کم نظر آئے گا کہ خوف سے (چپکے چپکے آپس میں کہتے ہوں گے کہ تم لوگ تو) دنیا میں یا قبروں میں (صرف دس دن رہے ہو۔ جو وہ) چپکے سے (کہتے ہیں) وہ ہم سے نہیں چھپتا (ہم اس سے خوب واقف ہیں جب کہ ان کا زیادہ صائب رائے کہتا ہوگا کہ) دس دن کہاں (تم تو صرف ایک دن ہی رہے)۔ وہ زیادہ صائب رائے اس لئے ہوا کہ دنیا کے زوال و فنا اور آخرت کے دوام و بقاء اور اس کی ہولناکی کی شدت کو اس نے دوسروں سے زیادہ سمجھا۔

(اور لوگ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں) کہ دنیا کے یہ اتنے عظیم الشان اور سخت پہاڑ ہیں قیامت میں ان کا کیا بنے گا۔ تو (آپ فرما دیجئے کہ میرا رب) اپنی لامحدود قدرت سے (ان کو) ذرا سی دیر میں کوٹ پیس کر ریت کے ذرات اور دھنی ہوئی روئی کی طرح ہوا میں (بکھیر دے گا پھر ان کو صاف ہموار میدان کر کے چھوڑے گا جس میں آپ کچھ اونچ نیچ نہ دیکھیں گے۔)

(اس روز سب) کے سب (خدا کے داعی) یعنی بلانے والے فرشتہ (کا اتباع کریں گے اور جدھر کو وہ آواز دے گا سیدھے تیر کی طرح ادھر بھاگے جائیں گے (نہ اس میں) یعنی بلانے والے کی بات میں (ٹیڑھ ہوگی) اور نہ دوڑنے والوں میں کوئی کجی رہے گی۔ (اور رحمٰن کے لئے) اس کے خوف و ہیبت سے تمام (آوازیں دب جائیں گی اور سوائے) چلنے کی (آہٹ کے تم کچھ) آواز (نہ سنو گے)۔ اگر کوئی کچھ کہے گا بھی تو اس قدر آہستہ جیسے کانا پھوسی کرتے ہوں۔

(اس دن) کسی کی (سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو) انبیاء اور صلحاء کی سفارش فائدہ دے گی (کہ جس) کی سفارش کرنے (کے لئے اللہ تعالیٰ نے) سفارش کرنے والوں کو (اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے واسطے) سفارش کرنے والے کے (بولنے کو پسند کر لیا ہو)۔ اور ایسے اشخاص صرف مومن

ہوں گے لہٰذا کافروں کے لئے کچھ شفاعت نہ ہوگی۔ اور کس کو کس کے لئے شفاعت کا موقع دینا چاہئے (اللہ تعالیٰ) اپنے علم محیط سے اس کو بخوبی جانتے ہیں کیونکہ وہ تو (سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتے ہیں جب کہ لوگ اللہ کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور اس روز تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اور) تکبر کرنے والوں کا تکبر جاتا رہے گا اور (وہ شخص تو بالکل ہی نامراد ہوگا جو ظلم) یعنی شرک اور معاصی (اٹھا کر لایا ہوگا۔ اور) اس کے مقابلہ میں (جس نے نیک عمل کئے جب کہ وہ مومن بھی ہو تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا) کہ کوئی نیکی ضائع کر دی جائے یا ناکردہ گناہ میں پکڑا جائے (اور نہ نقصان پہنچنے (کا) خوف ہوگا کہ استحقاق سے کم بدلہ دیا جائے۔

ربط: اوپر ذکر کیا تھا کہ قرآن عبرت آموز واقعات و حقائق پر مشتمل ہے اس سے اعراض صحیح نہیں۔ آگے قرآن پاک سے متعلق دو باتیں ذکر کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۖ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

ترجمہ: اور اسی طرح اتارا ہم نے اس کو قرآن عربی زبان کا اور پھیر پھیر کر بیان کی ہم نے اس میں وعید تاکہ وہ ڈریں یا پیدا کرے ان کے لئے سوچ۔ تو بلند ہوا اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔ اور مت جلدی کر قرآن میں اس سے پہلے کہ پوری کی جائے تیری طرف اس کی وحی اور کہہ اے میرے رب بڑھا دے مجھ کو علم میں۔

تفسیر: 1- (اور) جیسا اوپر ہم نے محشر کے احوال اور نیک و بد کے نتائج صاف صاف سنا دئے (اسی طرح ہم نے اس کو قرآن) صاف (عربی زبان میں نازل کیا اور) پھر (اس میں ہم نے پھیر پھیر کر) طرح طرح سے قیامت اور عذاب کی (وعید کو بیان کیا ہے تاکہ) جو لوگ اس کے اولین مخاطب ہیں (وہ) اس کو پڑھ کر خدا سے (ڈریں) اور تقوی کی راہ اختیار کریں (یا) اتنا نہ تو کم از کم (ان) کے دلوں (میں) اپنے انجام کی طرف سے کچھ (سوچ) تو (پیدا کر دے) جو آگے بڑھتے ان کو ہدایت پر لے آئے اور پھر ان کے ذریعے سے دوسروں کو ہدایت ہو۔ (سو بلند درجہ ہے اللہ) کا (جو سچا بادشاہ ہے) جس نے یہ عظیم الشان قرآن اتارا اور اپنی رعایا کو ان ہی کے فائدے کے لئے ایسی سچی اور کھری

باتیں سنائیں۔

2- (اور) جب قرآن ایسی مفید اور عجیب چیز ہے تو جس طرح ہم اس کو بتدریج آہستہ آہستہ اتارتے ہیں (آپ) بھی (اپنی طرف قرآن کی وحی پوری ہونے سے پہلے) جبرئیل سے اس کو لینے میں (جلدی نہ کیا) کریں کہ خود بھی ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کر دیں۔ (اور) ہم تو ذمہ لے چکے ہیں کہ قرآن آپ کے سینے سے نہ نکلے گا پھر اس فکر میں کیوں پڑتے ہیں کہ کہیں بھول نہ جاؤں بلکہ (یوں دعا کیا کیجئے کہ اے میرے رب) قرآن کے (علم) ومعرفت (میں مجھے بڑھاتا چلا جا)۔

ربط: جبریل علیہ السلام جب قرآن لاتے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پڑھنے کے ساتھ خود بھی پڑھنے لگتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ پہلے سورہ قیامہ میں بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ کے حکم سے اس طرح کرنے سے منع فرمایا اور تسلی دی کہ اس کا یاد رکھوانا اور لوگوں تک پہنچوانا ہمارا ذمہ ہے لیکن رسول اللہ ﷺ شاید بھول گئے اس لئے اوپر کی آیت میں پھر منع فرمایا اور بھولنے اور جلدی کرنے پر آگے مثال بیان فرمائی کہ آدم علیہ السلام نے ایک چیز میں بے موقع جلدی کی تو اس کا کیا انجام ہوا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ
لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَ
لَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ
الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾
فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ
وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ
فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِیْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾

ترجمہ: اور حکم دے چکے تھے ہم آدم کو اس سے پہلے سو وہ بھول گیا اور نہ پائی ہم نے اس کے لئے پختگی۔ اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کیا۔ پھر کہا ہم نے کہ اے آدم یقیناً یہ دشمن ہے تیرا اور تیری بیوی کا سو ہرگز نہ نکلوائے تم دونوں کو جنت سے پھر تو مشقت میں پڑ جائے۔ تیرے لئے ہے کہ نہ تو بھوکا ہو اس میں اور نہ ننگا ہو اور یہ کہ نہ تو پیاسا ہو اس میں اور نہ تو دھوپ میں تپے۔ پھر وسوسہ ڈالا اس کی طرف شیطان نے۔ کہا اے آدم کیا میں رہنمائی کروں تیری ہمیشگی کے درخت پر اور بادشاہی پر جو پرانی نہ ہو۔ سو دونوں نے کھالیا اس درخت سے تو کھل گئیں دونوں کے لئے ان کی شرمگاہیں اور لگے ڈھانپنے دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے اور قصور کیا آدم نے اپنے رب کا اور غلطی میں پڑ گیا۔ پھر مقبول بنالیا اس کو اس کے رب نے پھر متوجہ ہوا اس پر اور راہ پر لایا۔ کہا کہ اترو تم دونوں اس سے اکٹھے کہ تمہارا ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ پھر اگر آئے تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت تو جو پیروی کرے گا میری ہدایت کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔

تفسیر: (اور اس سے پہلے آدم) علیہ السلام کو جب کہ وہ اپنی تخلیق کے بعد جنت میں رہتے تھے (ہم نے ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گئے اور ہم نے) اس حکم کے اہتمام میں (ان میں پختگی نہ پائی اور) اس اجمال کی تفصیل کے لئے وہ وقت یاد کرو (جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم) علیہ السلام (کے سامنے سجدہ کرو۔ سو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا)۔ وجہ پوچھنے پر اس نے جواب دیا کہ آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو خاک سے پیدا کیا ہے اور آگ نورانی ہونے کی وجہ سے خاک سے افضل ہے اور افضل کا غیر افضل کو سجدہ کرنا غیر مناسب ہے۔ اس تکبر پر وہ ہمارے دربار سے مردود ہوا تو اس نے ہم سے قیامت تک کے لئے مہلت لی اور کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ آدم اور اولاد آدم کی رہزنی کرنے کے لئے آپ کے دین حق کی راہ پر بیٹھوں گا اور ان کو بہکانے کے لئے ان پر چاروں طرف سے حملہ کروں گا۔ ان کے آگے سے بھی پیچھے سے بھی اور ان کے دائیں سے بھی اور ان کے بائیں سے بھی اور آپ ان میں سے اکثر کو اپنا احسان مند نہ پائیں گے۔

(تو ہم نے) آدم سے (کہا کہ اے آدم یہ بلاشبہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے لہٰذا) احتیاط رکھنا کہ (کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے پھر تم روٹی، کپڑے اور مکان وغیرہ کی (مشقت میں پڑ

جاؤ) جب کہ (جنت میں تمہارے لئے) ایسی کوئی تکلیف نہیں (ہے کہ اس میں نہ تم بھوکے ہو گے اور نہ ننگے ہو گے اور نہ تمہیں پیاس لگے گی اور نہ تم دھوپ میں تپو گے)۔ غرض یہاں تو راحت ہی راحت ہے، کھانا پینا محض مزے کے لئے ہے، لباس خراب نہیں ہوتا اور موسمی شدائد بھی کوئی نہیں ہیں۔

(پھر) ایک عرصہ گزرنے کے بعد (شیطان) نے جھانسا دیا اور کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں ہیشگی کے درخت اور بوسیدہ نہ ہونے والی بادشاہی کی طرف آپ کی رہنمائی کروں) جس کے استعمال سے آپ دونوں فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ کی زندگی حاصل کرلو گے۔ وہ یہی درخت ہے جس سے آپ کو منع کیا گیا ہے۔ ممانعت کی اصل وجہ یہ تھی کہ تازہ تخلیق کی وجہ سے آپ میں اس کی سہار نہ تھی۔ اب آپ میں گزرتے وقت کے ساتھ سہار پیدا ہو چکی ہے لہٰذا اب ممانعت کی وجہ وعلت باقی نہیں رہی اور یوں ممانعت کا حکم بھی نہیں رہا اور قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ میں تو محض آپ کا خیر خواہ ہوں اور آپ کی خیر خواہی سے کہتا ہوں۔ (غرض) آدم اور حوا علیہما السلام (دونوں اس کی باتوں کے قائل ہو گئے اور انہوں نے (اس درخت کے پھل کو کھالیا)۔ شیطان کے کہے کے برعکس اس پھل میں ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہو کہ وہ انسان کی طبعی خوابیدہ حاجتوں اور قوتوں کو بیدار اور متحرک کر دیتا ہو مثلاً بھوک اور پیاس لگنے لگے اور پیشاب پاخانے کی حاجت ہونے لگے اور ظاہر ہے کہ جنت حاجت اور نجاست کا مقام نہیں ہے اس کے لئے دنیا میں اترنا ہی تھا لہٰذا ان کا لباس بھی اتروالیا گیا (اور ان کی شرمگاہیں ان کے سامنے کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے ڈھانپنے لگے۔ اور) آدم علیہ السلام سے حکم الٰہی کے امتثال میں اجتہادی غفلت وکوتاہی ہوئی تو وہ اپنے مقام ومرتبہ کے موافق جو عزم واستقامت تھی اس پر قائم نہ رہے۔ چونکہ مقرب حضرات اپنے مرتبہ سے نیچے ہو کر کچھ کام کریں تو اس پر بھی ان کی گرفت ہوتی ہے اس لئے باوجودیکہ آدم علیہ السلام کی خطا اجتہادی تھی اس کو سخت الفاظ میں تعبیر فرمایا کہ (آدم) علیہ السلام (نے اپنے رب کا حکم ٹالا اور وہ) اپنے مرتبہ کے موافق عزم کی (راہ سے بہک گئے) لیکن چونکہ آدم اور حوا علیہما السلام غلط فہمی میں مبتلا ہوئے تھے جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کا ارادہ نہیں تھا اس لئے ان کے رب نے ان پر شیطان کا تسلط نہیں ہونے دیا بلکہ فوراً توبہ کی توفیق بخشی (پھر ان کو اپنا مقبول بنالیا اور ان پر) مہربانی سے (توجہ فرمائی اور) اپنی خوشنودی کی (راہ پر قائم کر دیا)۔ پھر آدم وحوا علیہما السلام سے (فرمایا کہ تم دونوں ایک ساتھ جنت سے اترو تم) دونوں کی اولاد (میں سے بعض دوسروں کے دشمن ہوں گے۔ پھر اگر میری طرف سے) اے اولاد آدم (تمہارے پاس) نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ سے ہدایت پہنچے تو تم میں سے جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ) دنیا میں (گمراہ ہو گا اور نہ آخرت میں شقی) وبدبخت (ہو گا)۔

ربط: آگے قرآن کے بارے میں بات کو مزید چلاتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس سے اعراض کرنے والوں کا انجام برا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ
نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْۤ اَعْمٰى وَقَدْ
كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ
تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِىْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى
النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ ؕ

ترجمہ: اور جس نے اعراض کیا میری نصیحت سے تو اس کے لئے گزران ہے تنگ اور ہم اٹھائیں گے اس کو قیامت کے دن اندھا۔ کہے گا اے میرے رب کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا اور میں تھا بینا۔ فرمایا اسی طرح آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پھر تو نے ان کو بھلا دیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں اس کو جو حد سے نکلا اور نہیں ایمان لایا اپنے رب کی آیتوں پر اور عذاب آخرت کا زیادہ سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ کیا پس نہیں سمجھایا ان کو اس بات نے کہ کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے قومیں۔ یہ لوگ چلتے ہیں ان کے رہنے کی جگہوں میں۔ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تیرے رب کی جانب سے تو لازم ہو جاتا (عذاب) اور (اگر نہ ہوتی) مدت مقررہ۔

تفسیر: (اور جس نے میری نصیحت) یعنی قرآن سے اور میری یاد (سے اعراض کیا) اور محض دنیا کی فانی زندگی ہی کو مقصود سمجھ لیا (تو اس کے لئے تنگ گزران) ہوتی (ہے) جس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

1- بہت کچھ مال و دولت ہونے کے باوجود چونکہ دل قناعت و توکل سے خالی ہوتا ہے اس لئے ہر وقت دنیا کی مزید حرص اور ترقی کی فکر رہتی ہے اور کمی کے خوف سے دل تنگ اور بے آرام رہتا ہے۔

2- جس زندگی میں خیر نہ ہو وہ حقیقت میں تنگ ہے کہ اس میں خیر کے سمانے کی گنجائش نہیں ہوئی۔
3- قبر کی زندگی تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ قبر کی زمین بھی اس پر تنگ کر دی جاتی ہے۔
(اور ہم قیامت کے دن اس کو) آنکھوں سے (اندھا کر کے) قبر سے (اٹھائیں گے) اگرچہ بعد میں آنکھیں کھول دی جائیں گی تا کہ حشر کی اور جہنم کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرے۔ (وہ) تعجب سے (پوچھے گا کہ اے میرے رب میں تو) دنیا میں (بینا تھا) مجھ سے کیا قصور ہوا۔ (آپ نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا۔ ارشاد ہوگا کہ اسی طرح) تیرا دنیا میں عمل تھا کہ (تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں لیکن تو نے ان کو بھلائے رکھا) اور ان کے بارے میں اندھا بنا رہا (اور اسی طرح آج تجھ کو بھلایا جاتا ہے اور) تجھے آنکھوں سے اندھا کیا گیا ہے۔ اور جس طرح یہ سزا عمل کے مناسب دی گئی (اسی طرح ہم ہر اس شخص کو) اس کے عمل کے مناسب (سزا دیں گے جس نے حد) اطاعت (سے تجاوز کیا اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا۔ اور) یہ تو ابھی میدان حشر کا عذاب ہے۔ (آخرت کا) اصل یعنی جہنم کا (عذاب تو اور زیادہ سخت ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے)۔ قرآن سے اعراض کرنے کے اس برے انجام کو اگر یہ سن کر نہیں مانتے تو (کیا اس بات نے) بھی (کہ ہم نے ان سے پہلے) ان (بہت سی قوموں کو ہلاک کیا ہے ان کو یہ بات نہیں سمجھائی جن کے مساکن میں) جو کھنڈرات کی صورت میں اب تک موجود ہیں (یہ چلتے پھرتے ہیں) حالانکہ (بلاشبہ اس میں عقل والوں کے لئے) بڑی نشانیاں ہیں۔ اور آپ کے رب کی) یہ (بات پہلے سے نہ ہو چکی ہوتی) کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کر چکی ہے (اور یہ کہ) عذاب کے آنے کا پہلے سے (وقت مقرر ہے تو) قرآن سے اعراض کرنے والوں کے ساتھ عذاب (لازم ہو) کر ان کو تباہ و برباد کر (چکا ہوتا)۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ قرآن سے اعراض کرنے والوں سے عذاب مؤخر ہے تو چند وجوہ سے ہے۔ آگے اس مدت تاخیر کے لئے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت دیتے ہیں۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ
وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ
تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ
زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾
وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ؕ لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ؕ نَحْنُ

نَرۡزُقُكَ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ﴿١٣٢﴾

ترجمہ: سو صبر کر اس پر جو یہ لوگ کہتے ہیں اور تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع سے پہلے اور اس کے غروب سے پہلے اور کچھ رات کی گھڑیوں میں تسبیح کر اور دن کے کناروں پر تاکہ تو راضی ہو۔ اور مت پھیلا اپنی آنکھیں اس چیز کی طرف، فائدہ اٹھانے کو دی ہم نے جو کافروں کے مختلف گروہوں کو کہ وہ رونق ہے دنیوی زندگی کی تاکہ ہم آزمائش کریں ان کی اس سامان میں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ اور حکم دے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور پابند رہ اس پر۔ نہیں ہم مانگتے تجھ سے رزق، ہم خود رزق دیتے ہیں اور بہتر انجام تقویٰ کا ہے۔

تفسیر: قرآن سے اعراض کرنے والوں یعنی کافروں کو جو ڈھیل دی جا رہی ہے (تو) اس عرصہ میں آپ کے لئے چار ہدایتیں ہیں۔

1- اس عرصہ میں (یہ جو کچھ) طعن و تشنیع کی (باتیں کریں آپ اس پر صبر کیجئے اور) ان کے کفریہ کلمات سے پریشان نہ ہوں۔

2- (سورج طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کی کچھ گھڑیوں میں اور دن کے دونوں اطراف میں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے تاکہ آپ) اس کا ثواب دیکھ کر (خوش ہوں)۔

3- (اور آپ اپنی آنکھیں اس) دنیوی سامان (کی طرف مت پھیلائیے جو دنیوی زندگی کی رونق ہے اور جو ہم نے کافروں کی مختلف جماعتوں) مثلاً یہود، نصاریٰ، مشرکین اور مجوس وغیرہ (کے فائدے کے لئے دے رکھا ہے تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں) کہ کون ہمارا احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں (آپ کے رب کا رزق) وعطیہ جو آخرت میں ملے گا وہ زیادہ (بہتر ہے اور بہت باقی رہنے والا ہے)۔

4- (اور آپ اپنے گھر والوں کو) بھی پابندی کے ساتھ (نماز) پڑھنے (کا حکم دیجئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے)۔ دنیا میں تو مالک غلاموں سے روزی کما کر لانے کو کہتے ہیں لیکن (ہم آپ سے روزی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ روزی تو ہم آپ کو خود دیتے ہیں)۔ ہم آپ سے صرف عبادت کرنے اور تبلیغ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان باتوں کا حاصل تقوی ہے (اور بہتر انجام تقوی ہی کا ہے)۔

ربط: قرآن سے اعراض کرنے والوں کے ایک مطالبہ پر جواب۔

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ

بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ

فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں لاتا یہ ہمارے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی جانب سے۔ کیا نہیں آئی ان کے پاس کھلی نشانی جو پہلے صحیفوں میں تھی۔ اور اگر ہم ہلاک کرتے ان کو کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف رسول کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل ہوتے اور ہم رسوا ہوتے۔ تو کہہ دے ہر شخص منتظر ہے سو تم بھی انتظار کرو جلد ہی تم جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے ہدایت پائی۔

تفسیر: (یہ لوگ) ہٹ دھرمی سے (کہتے ہیں کہ یہ) محمد ﷺ (ہمارے پاس کوئی) ایسی (نشانی اپنے رب کے پاس سے کیوں نہیں لاتے) جس کے بعد ہم کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔ (کیا ان کے پاس) دیگر سینکڑوں نشانیوں کے علاوہ عظیم الشان قرآن کی صورت میں (اگلی کتابوں کے ضروری مضامین کی) صداقت کی (کھلی نشانی) اور دلیل (نہیں آ چکی)۔ غرض ایسی عظیم الشان نشانی دیکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ آپ کوئی نشانی کیوں نہ لائے۔ (اور) فرض کرو (اگر ہم) قرآن جیسی نشانی نازل نہ کرتے اور رسول بھی نہ بھیجتے اور (اس سے پہلے) ہی کفر و شرک کی سزا میں ہم (ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو) اس وقت (یہ لوگ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا) اور کتاب کیوں نہ بھیجی کیوں (کہ) اگر آپ وہ بھیجتے تو (ہم ذلیل ہونے اور رسوا ہونے سے پہلے ہی آپ کی آیتوں کی پیروی کرتے)۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے۔ اب آ گیا ہے تو یوں کہتے ہیں۔ (آپ) ان کے مطالبہ کے جواب میں یہ (فرمایئے) کہ تمہارا مقصد تو حیلے بہانے تراشنا ہے اس لئے سنو کہ (ہر شخص) ہی (منتظر) ہوتا (ہے) کہ دیکھے پردہ غیب سے مستقبل میں کیا نکلتا ہے (سو تم بھی انتظار کرو۔ پھر تم جلد ہی) یہ حقیقت (جان لو گے کہ کون) لوگ سیدھی راہ والے ہیں اور کون ہدایت یافتہ ہیں) اور کون ان کے برعکس ہیں۔